فسانۂ آزاد

فسانۂ آزاد

اوّل

پنڈت رتن ناتھ صاحب در کاشمیری لکھنوی

سنگِ میل پبلی کیشنز

چوک اردو بازار — لاہور-۲

۱۹۸۴ء

قیمت ________

طابع ________ شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

ناشر ________ نیاز احمد
سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

فہرست مضامین فسانۂ آزاد جلد اوّل

فسانۂ آزاد

جلد اوّل

دیباچہ راز نکتہ سازانست ایں
تعویذ دل سخن طرازانست ایں

فہرست خیال جاں گدازانست ایں
طومار جنوں عشقبازانست ایں

سحر کاذب کے وقت مرغ بے ہنگام نے گربہ مسکین کی آہٹ جو پائی تو گھبرا کر گکڑوں کوں کی ہانگ لگائی اور ہمارے حبیب لبیب دقیقہ رس صبح نفس جو سر شام سے لمبی تانے میٹھی نیند سو رہے تھے یہ آواز خوش آیند سنتے ہی کلبلا کر اُٹھ بیٹھے۔ اُدھر آنکھ کھلی اِدھر باچھیں کھلگئیں دیکھتے کیا ہیں کہ ابر نو بہار نسیم مشکبار نے تمام شہر کو نمونۂ گلزار ارم بنا دیا ہے۔ یہ شاعر آدمی حسن پرست دارفتہ مزاج رنگین طبع آزاد منش۔ تاب کہاں کہ مکان کے قفس میں قید رہیں بوئے گل کی طرح نکل کھڑے ہوئے۔ روشنی طبع کے صدقے ایک ایک قدم پر ایک ایک مصرع ریختہ موزوں ہوتا جاتا تھا۔ ہاں داد کون دے خود ہی گردن ہلاتے جاتے تھے اور احسنت مرحبا وغیرہ کلمات زبان پر لاتے تھے اور خود ہی جھک جھک کر سلام کرتے تھے۔ الغرض ہمارے دُھن کے پکّے حبیب مجذوبوں کی قطع بنائے چلے جاتے تھے کہ دو مختلف الاوضاع حضرات نظر سے گذرے ایک صاحب وضع دنیا سے نرالے پتلون خاکی جاکٹ کالی۔ کوٹ پیلا ویس کوٹ ڈھیلا۔ گھنی ڈاڑھی خرگوش کی جھاڑی ہاف بوٹ پہنے کھٹ پٹ کرتے ڈبل چال چلے جاتے ہیں۔ دوسرے بزرگوار زیبا اندام نازک خرام گلفام کیچلی بیٹ کا دھانی رنگا ہوا کرتہ اُسپر ودیبہ گزدالی مہین شربتی کا تین کمر توئی کا چُست انگرکھا گلبدن کا چوڑیدار گھٹنا پہنے۔ میواؤں کی طرح میاں جمائے عطر عروس لگائے نکّے دار ماشہ بھر کی ننھی سی ٹوپی ابنیبن سے اٹکائے ہاتھوں میں منہدی پور پور چھلے آنکھوں میں سرمے کی تحریر چھوٹے پنجے کا زردوزی مخملی چڑھواں جوتا زیب پا کیے ہوئے ایک عجیب لوچ سے کمر لچکاتے پھونک پھونک کر قدم دھرتے چلے آتے تھے اُنھوں نے انکو اور انھوں نے انکو خوب غور سے گھورا اور ہمارے حبیب لبیب نے دونوں پر ایک ایک نظر غلط انداز ڈالی چتونوں سے تاڑ گئے کہ دونوں دُھن کے پکّے ہیں اتنے میں حضرت نازکبدن نے مسکراتے ہوئے آواز دی اب دل لگی دیکھئے کہ کس لطف کی نوک جھونک ہوتی ہے۔

نازکبدن۔ میاں جانیوالے۔ او میاں جانیوالے۔ اے ذری ادھر تو دیکھو یا آگہی ہولکے گھوڑے پر سوار ہیں میرا کلیجہ بلیوں اچھلتا ہے بھری برسات کے دن اے ہے! کہیں پھسل نہ پڑیں تو قہقہہ اُڑے یار لوگوں کو دل لگی ہاتھ آئے۔ ان بیچارے کی کھوپڑی پر جائے حضرت ذری سنبھلے ہوئے۔

جانیوالا۔ (ٹھہر کر) ارشاد آپ اپنا مطلب فرمائیے میرے پھسلنے کی فکر نہ کیجئے۔

نازک بدن۔ گر پڑے گا تو مجھ سے ضرور پوچھ لیجئے گا۔

جانیوالا۔ بہت خوب ضرور پوچھ لونگا۔ بلکہ آپکو ساتھ لیکر گرون تو سہی نیچے آپ ہوں اوپر بندہ۔ انشاء اللہ۔

نازک بدن۔ آپ نے یہ کیسی نیم تر قطع بنائی ہے۔ کہیں گدھا میر کی پھبتی آپ ہی پر تو لوگ نہیں کہتے ہیں۔

جانیوالا۔ آپکو یہ زنانوں کی وضع کیسی بھائی ہے پیچھمی جان آپ ہی تو نہیں مشہور ہیں۔

چھمی جان۔ دوہی نازک بدن، خدا کی قسم آپکے کالے کپڑوں سے میں سمجھا کہ بنڈیلا کسم کے کھیت سے نکل پڑا میاں آزاد جو سنا کرتے تھے وہ آپ ہی تو نہیں ہیں۔

جانیوالا۔ قسم حضرت عباسؑ کی میں آپکو دیکھ کر یہ سمجھا کہ کوئی زنانہ مٹکتا جاتا ہے یا پنجہ کش ساقن مردانہ بھیس میں آتی ہے۔

چھمی جان۔ واللہ آپکی دھج ہی نرالی ہے یہ ڈبل کوٹ اور لکڑ توڑ بوٹ ماشاء اللہ ثم ماشاء اللہ۔

آزاد۔ اللہ رے تیرے دست حنائی۔ اُف ری تیری دلربائی یہ لگاوٹ یہ سجاوٹ یہ لوچ۔ نازک کمری۔ یہ دیدے کی صفائی۔ یہ شوخ نظری خدا اس چشم سرگیں کو عین الکمال کے اثر سے بچائے اللہ تم کو مرد وا بنائے۔

چھمی جان۔ اسوقت آپ ایسے بدحواس کہاں بگٹٹ بھاگے جلتے تھے سچ کہیے گا آپ کو ہماری جان کی قسم۔ ہمارا ہی لہو پیے جو لگی لپٹی بات کہے۔

آزاد۔ آج پروفیسر لاک صاحب بانی پاک سنسکرت کی تشریحیت پر لکچر دینے والے ہیں یہ بزرگوار بڑے مقدس اور عالم یگانہ یکتائے زمانہ مشہور دیار امصار ہیں انکی زیارت مغتنمات سے ہے۔

چھمی جان۔ لاحول ولا قوۃ بھبی قسم خدا کی کتنے بھونڈے ہو کتنا خراب مذاق ہے۔ پروفیسر صاحب کے مشہور ہونے کی ایک ہی کہی ہم اتنے بڑے ہوئے آج تک نام بھی سنا ہو تو قسم لیجیے کیا دنی خاں سے زیادہ مشہور ہیں نام زبان پر آتے ہی لطف صحبت آنکھوں میں پھر گیا اوڑ تو نہیں جانتا بھئی جو کہیں تمہارے گھونگریالے بال۔ ایک دفعہ بھی اُسکی زبان سے سن لو تو عمر بھر نہ بھولو۔ واللہ کیا ٹیپ دار آواز ہے بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بین بجا رہا ہے۔ گر تم ایسے کوڑھ مغزوں کو گلے بازی اور نازک آوازی سے کیا واسطہ تم تو پروفیسر صاحب کے پھیر میں ہو تڑکا ہوا اور چلے لکچر سننے ایسے مذاق پر تین حرف۔

آزاد۔ بندہ پرور مجھے جو کچھ صلواتیں سنانا ہو سنا لیجیے۔ تو بنا لیجیے مگر برائے خدا ایسے طیب النفس فخر بنی نوع انسان بلیغ نکتہ دان بزرگوار کے حق میں تو کلمات خرافات زبان سے نہ نکالیے۔ آج وہ تمام یورپ میں محقق اکمل فاضل اجل سمجھے جاتے ہیں اور ہزاروں آدمی اُس عالم متبحر کی تحقیق انیق سے فیض پاتے ہیں۔ ؎

گوہر پاک تو از مدحت ما مستغنی ست
دست مشاطہ چہ با حسن خداداد کند

چھمی جان۔ کیوں حضرت یہ شعر کس دُھن میں ہے واللہ گانے کے لائق ہے۔

آزاد۔ آپ پر خدا کی سنوار۔ اور آپکی دُھن پر شیطان کی پھٹکار ہے تو بجائے شعر کی تعریف کرنا درکنار کہنے لگے کہ یہ کس دُھن میں ہے۔ دُھن کسی ڈھاڑی بچے سے پوچھیے میں دُھن ڈن نہیں جانتا وزن تقطیع بحر البتہ پوچھیے تو تشفی کردوں۔ آپ تو میں دیکھتا ہوں لئے میں دیے ہوئے میں بندہ نواز اس نرچ رنگ نے آپکی یہ گت بنائی کہ مونچھ اور ڈاڑھی کتروائی مہندی لگائی۔ عورتوں کی وضع بھائی

للہ اب تو مردوے بنجاؤ۔ ان باتوں سے باز آؤ۔

چھمّی جان۔ جی تو آپکے پروفیسر لاک کے پاس چلا جاؤں آپکے پیر مغاں کی بیعت لاؤں آدمی سے مخنث بن جائیں اپنے کوا بکی طرح گڈا می بناؤں آپ کسی گلی کوچے میں نکلیں تو ذ اللہ اس وضع پر گٹے تنگڑی لیں اپنی وضع تو دیکھیے۔ ہمیں پر شیر ہیں۔ خود را فضیحت و دیگران را نصیحت

آزاد۔ اب یہ فرمائیے کہ اسوقت آپ کہاں کے ارادے سے نکلے ہیں؟

چھمّی جان۔ کل شب کو تین بجے تک ایک رنگیلے دوست کے یہاں محفل رقص و سرود میں شریک تھا واللہ وہ پیاری پیاری صورتیں دیکھنے میں آئیں کہ واہ جی واہ کس کافر کا اٹھنے کو دل چاہتا ہو جلسہ برخواست ہوا تو بس کلیجے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر ہم بھی با دل سرد آہ بھرتے ہوئے لیکن دل زلف مہوشاں ہی میں پھنسا تھا رات بھر کانوں میں چھما چھم کی آواز آیا کی پریوں کی پیاری پیاری صورت آنکھوں میں پھرا کی ایک ایک جو وہاں تھی دنیا سے نرالی فتنۂ زمانہ آفت ڈھانیوالی جسے دیکھو نور کا عالم چندے آفتاب چندے ماہتاب بگروہ چاند سا مکھڑا نہ بھولے گا نہ بھولے گا۔ ہائے مرتے دم تک نہ بھولیگا زاہد صد سالہ بھی دیکھے تو اس بت بے پیر کی پرستش کرے۔ اب اس وقت جھٹ پٹ پھر جاتے ہیں ذرا آنکھیں سینک آئیں بھیرویں اڑ رہی ہو گی رسیلی نینوں والیوں نے پھندا مارا۔

آزاد۔ کل فرصت ہو تو ہم سے ملیے گا۔

چھمّی جان۔ کل تو ملنا معلوم کل تک تو نیند کا خمار رہے گا۔

آزاد۔ اچھا جانے دیجئے پرسوں سہی۔

چھمّی جان۔ پرسوں لے پرسوں تو نقشو جین بھی یاد فرمائیں تو بندہ نہ جائیگا پرسوں نوابصاحب کے ہاں بٹیروں کی پالی ہو مہینوں سے بٹیر تیار کئے ہیں دو دو پنجے تو کسا لیں ادھر یا ادھر دیکھئے تو میری تورّی کیسی بڑھ بڑھ کے لات دیتی ہو کہ اچھے اچھے بٹیر ایکہی منھ میں نوک دم بھاگیں۔

آزاد۔ خیر صاحب پرسوں نہ سہی دو شنبہ کے دن ملیے۔

چھمّی جان۔ دو شنبہ کو تڑکے سے بانے کی کنکیاں لڑیں گی ابھی بنارس سے بانا منگایا ہے واللہ ماہی جال کی کنکیاں ایسی سدھ ہیں کہ ہر دم قابو میں موڑ دو۔ غوطہ دو دیکھیو۔ جو چاہو سو کرو جیسے اصیل گھوڑا ابھی کھینچ میں تو ولائتی اپنے فن کا جالینوس ہو؟

آزاد۔ اچھی خیر۔ چلیے سہ شنبہ یوں گیا۔ چہار شنبہ کو فرصت ہو۔

چھمّی جان۔ واہ واہ واہ چہار شنبہ کو تو بڑے ٹھٹّے سے بھٹیاریوں کی لڑائی ہو گی دیکھیے تو کیسی کیسی پریزاد بھٹیاریاں کس بانکی ادا سے ہاتھ چمکا کر انگلیاں مٹکا کر لڑتی ہیں اور کیسی بے نقط سناتی ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔

آزاد۔ پنجشنبہ کو تو ضرور ملنا ہو گا تم کو واسطہ خدا کا۔

چھمّی جان۔ حضرت آپ تو بڑے مرچیڑے ہیں۔ ملوں تو سب کچھ جب فرصت بھی ہو یہاں مرنے تک کی تو فرصت نہیں۔ ابکی نوچندی جمعرات ہو خدا جانے کس کس کے وعدے وفا ہونگے۔ پرسوں یہ تین مانی ہیں آپکو دنیا و مافیہا کی خبر تو ہو ہی نہیں آپکو تو بس ایک پروفیسر صاحب اور دوسرے لکچر سے سروکار ہو باقی اللہ اللہ خیر صلاح۔

آزاد۔ بس قبلہ ملنا ملانا معلوم۔ فرصت عنقا ملاقات معدوم آج مرغ لڑائیگا کل پتنگ جھپکائیے گا پرسوں بٹیر دنگی پالی میں جلیئے گا کہیں محفل رقص و سرود آراستہ ہو گی کہیں بزم طرب پیراستہ ہو گی۔ آپ رونق افروز نہ ہوں تو رنگ کیونکر جمے۔ ارباب نشاط کا فروغ آپ کے دم سے جلسے کا لطف آپکے فیض قدم سے میلا ٹھیلا تو کوئی آپ سے کاہے کو چھوٹتا ہو گا پھر بھلا ملنے کی کون صورت ہو ؎

ہمیں لکچر سے اور تم کو تھرکنے سے کہاں فرصت
چلو بس ہو چکا ملنا نہ یاں فرصت نہ واں فرصت

الوداع یا۔ زندہ صحبت باقی۔ جئیں گے تو مل رہیں گے۔
چھمّی جان۔ اے تو خداوند آپ۔ روٹھے کیوں جاتے ہیں بے سبب بے خطا یہ جور و جفا سے

تعلیم جفا کردہ وفا ہیچ نیاموختست
این درس غلط بحث بر استاد تو دارم

آزاد۔ اے حضرت واسطے خدا کے۔ اب مجھے آزاد ہی کہیے۔ باتیں آپ کرتے ہیں وحشت مجھے ہوتی ہے۔ آپکے ان اشغال پر تین حرف ل ع ن۔ آپکا اور ہمارا میل جیسے گنگا اور مدار کا ساتھ بندے کو کتب بینی کا شوق آپکو تال دھن کا ذوق۔ میں شعر کی تقطیع کرتا ہوں۔ آپ اور دھن پر سر دھنتے ہیں جائیے جائیے ٹھنڈے ٹھنڈے ہوا کھائیے۔ دیکھیے پھیروں کا لطف جاتا ہے گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا ہے۔
چھمّی جان۔ کبھی قسم ہے جناب امیر علیہ السلام کی کہ اب ناچ دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں وہ چمک دمک اب کہاں۔ وہ دھوم نہ وہ سامان و ولولہ نہ وہ ارمان دل ہی بجھ گیا مگر پرانی صحبتیں دیکھی ہیں۔ جہاں جلسے کی تھاپ پڑی کی گمک سنی وہیں جا دھمکے اور میاں جو لطف ہمنے دیکھے ہیں ہفت اقلیم کے بادشاہ کسی خاقان کجکلاہ خسرو گیتی پناہ کو خواب میں بھی نصیب نہوے ہونگے۔ یہ قیصر باغ رشک باغ نعیم نمونۂ فردوس بریں تھا۔ جدھر دیکھو سبزان گلابی پوش۔ جدھر جاؤ رندان ساغر نوش۔ کہیں پریوں کا ہجوم کہیں ماہرویوں کی دھوم۔ کوئی رشک شاہدان چگل۔ کوئی کالبدر فی النجوم۔ وہ بانکی چتون وہ دلربائی وہ شوخی وہ رنگین ادائی عشاق خستہ جان زار و نالاں ہجر میں دم توڑتے جاتے ہیں۔ چاہے عاشقوں کی جان جائے مگر وہ نظر اٹھا کر دیکھیں تو معشوق ہی کیا۔ اُف رے غرور اُف ری ادا۔ سے

غرور حسن اجازت مگر نداد اے گل
کہ پرسشے بکنی عندلیب شیدا را

بڑے بڑے زاہد صد سالہ تسبیح و تہلیل بھول گئے۔ اچھے اچھے متشرع اُنکے مصحف رُخ کا کلمہ پڑھنے لگے۔ ایک بانکی ادا نے برسوں کی ریاضت خاک میں ملا دی۔ سے

پنجہ زد عشقش لباس پارسائی پارہ شد
طاعت صد سالہ ام تاراج یک نظارہ شد

ہو ہوا اب یہاں رہ کیا گیا گلی کوچوں میں کتے لوٹتے ہیں سو جب سے دو گھنٹے کُتا ملنے لگا اور وہ بھی نظر نہیں آتے۔ اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا کہ ساقیوں کے مزاج نہیں ملتے تھے۔ بانکے ترچھے رئیس زادے ایک ایک دم کی دو دو اشرفیاں کھناکھن اور چھناچھن پھینکدیتے تھے یا اب ایک زمانہ ہے کہ شہر بھر میں اس سرے سے اس سرے تک شمع لیکر ڈھونڈھیے تو شمع و عنبریں مو۔ غنچہ دہن۔ محبوب آئینہ زانو کا پتا نہیں میدان خالی۔ نہ چندر نہ مندر نہ پارہ والی بگل محمد علی کی دُکان سے دو سیر اخمیرا بنوا کر فرنگی محل سے نئی سڑک کی طرف جو نکلا تو نکڑ پر ایک ہاتھی بندھا دیکھا سونڈ سے گھاس اُچھال رہا تھا پوچھا کیوں میاں یہ کسکا ہاتھی ہے ایک خوش قطع خوش وضع جوان بول اُٹھا کہ حضرت یہ بی حیدر جان کا ہاتھی ہے قسم خدا کی جھوٹ بولنا اور سور کا کھانا برابر ہے واللہ ایسا مسرور ہوا کہ آنکھیں پرنم ہو گئیں سر جھک گیا دل بھر آیا اللہ رے عروج۔ سے

خدا آباد رکھے لکھنؤ کو پھر غنیمت ہے
نظر کوئی نہ کوئی اچھی صورت آ ہی جاتی ہے

شکر ہے خدا کا کہ لکھنؤ میں اب بھی ارباب ہمم موجود ہیں ورنہ نہیں تو دنیا کیونکر قائم ہے واللہ جو کسی سے ملنے کو جی بھی چاہتا ہو وہ لوگ ہی نہیں وہ صحبتیں ہی نہیں وہ چہل پہل نہیں۔ واللہ قیصر باغ کی بہار اور مہرشان پری پیکر کا نکھار اسوقت آنکھوں میں پھر گیا جسطرف نکل جاؤ سرخا سرخ گل لالہ کھلا ہوا اور ہر گل لالہ کی

بہار میں غنچہ دہاں گل اندام گلفام گلرنگ گلبدن عجب ٹھسّے سے چمک چمک کے چھپ چھپ کر چھب دکھاتے تھے۔ نور کا عالم دن عید رات شب برات اس کا اکھاڑا گردو پرستان ملت۔ اگر ہرے بھرے درخت کے سایہ میں کوئی سرو قد چھپ رہا تو شجر کو نہال کر دیا کلیوں نے کسی غنچہ دہن کو دیکھا اور کھلکھلائیں۔ نرگس شہلا کی نظر بازی سوسن کی زبان درازی۔ بلبل کی خوش آوازی۔ الغرض باغ نزہت آگین اور حسینان زہرہ جبین اور اُس کے فریدوں فر جم جاہ مکیں پر گلزار ارم حوران بہشت اور ملائکہ نوری کا دھوکہ ہوتا تھا۔ اب بھی غنیمت ہے کہ مہینے دو سرے مہینے کسی رنگین طبع کے طفیل سے کبھی آتشیں روسے آنکھیں سینک لیتے ہیں ؎

	صیاد نے تسلی بلبل کے واسطے کنج قفس میں حوض بھرا ہے گلاب کا	

آزاد۔ واللہ کتنے تو چین میں تھے صبح کو جام۔ شام کو دلآرام طبلے کی تھاپ پائیں کی گمک پازیب کی چھم چھم۔ برق و شوق کے شعلۂ آواز کی چمک۔ پاؤں کی ٹھیک عطر کی مہک رخسار زیبا کی جھلک مگر ؏ عمر سب مفت میں کھو یا کیے نادان رہے۔ میاں آزاد نے یہ مصرعہ چیدہ اس بے ساختہ پن سے عین موقع پر ادا کیا کہ ہمارے حبیب لبیب کھلکھلا کر ہنس پڑے اور ایسا فرمائشی قہقہہ لگایا کہ چھمی جان کے منہ پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں۔ اب چیتے کا ایک ثالث بالخیر بھی چپکے چپکے ساری داستان سن رہے تھے۔

حبیب لبیب۔ (چھمی جان) یا حضرت مجرا عرض ہے۔ اس خوش بیانی اور پرگوئی کے قربان۔ ماشاء اللہ کس آن سے اور کس شان سے آپنے پرانی صحبتوں کا مرقع کھینچ دیا ہم نے فصیح و زباں داں تو بہت دیکھ ڈالے ہیں مگر آپ سب سے نرالے ہیں واللہ آپ اپنے وقت کے سلیمان ساوجی ہو ؎

	مرغان خوش آہنگ اند در باغ سخن لیکن نالیدن این بلبل شور دگرے دارد	

آپکی جادو بیانی تو اسدم اپنا کام کر گئی مگر حضرت سچ کہیے گا ان صحبتوں سے ملا کیا۔ سرخرو ہوئے یا روسیاہ۔ فارغ البال ہوئے یا تباہ۔ یہاں تو نتیجے پر نظر ہے۔

چھمی جان۔ قبلہ یہ تو بڑا کڑا سوال ہے یکے نقصان مایہ و دیگرے شماتت ہمسایہ سچ تو یہ ہے کہ عمر بھر اس ناچ درنگ ہی کے پھندے میں پھنسے رہے دن رات طبلہ۔ سارنگی۔ بایاں۔ ڈھول۔ ستار۔ بین یاد الٰہی بالائے طاق۔ تحصیل علم چھپّر پر۔ تہذیب کی دم میں نمدا۔ جامۂ انسانیت سے خارج۔ آدمیت چھو نہیں گئی۔ خاصے پیر بخارا کے چھٹے ہوئے شہدے ان میٹھے ٹکین اب تو آبیکہ کہ از سر گذشت چہ یک نیزہ و چہ یک دست کا نقشہ ہے۔ آپ جو اس بھروسے ہوں کہ ہمیں تہذیب سکھائیں تو یہ خیر صلاح ہے۔ کہیں بوڑھے طوطے بھی قرآن پڑھا کرتے ہیں۔

آزاد۔ اجی حضرت یہ کیا بد بد ہیریاں ہیں۔ ابھی تو آپ ہمیر آوازے کس رہے تھے سیکڑوں ہی پھبتیاں کہہ ڈالیں یا اب اپنے اوپر آپ ہی لاحول پڑھنے لگے صد شکر کہ حضور اپنی بدوضعی بد اطواری کے تو معترف ہوئے کڑوے انو جیسے تو کہوں کہ آپ اس مشغلۂ منحوس پر لعنت بھیجیے۔ اور چھل چھلا ترش ترشا کر وضعدار بنجائیے۔ یہ لوچ یہ لچک کچھ نسواں ہی کو خوب زیب دیتی ہے۔ اور یہ دست ہنائی۔ یہ نازک کمری یہ مسی کی دھڑی پان کی تحریر دلھن ہی کے لیے مخصوص ہے ذرا تو اس ڈاڑھی مونچھ کا خیال رکھو۔ نام خدا اب مرد بنو۔

چھمی جان۔ بس چلیے ہٹیے یہ بھڑکے کسی ایسے ویسے کو دیجیے یہاں بڑے بڑوں کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ آپکے جھانسے میں کوئی اینلا آئے تو آئے ہمپر چکمانہ چلنے گا۔

حبیب لبیب۔ کیوں قبلہ وکعبہ خدام حضور کو ہمارے غدّار شہر لکھنؤ میں ڈوم ڈھاڑیوں ہی کی صحبت پسند آئی یا کسی اور کی بھی وضع بھائی۔ لکھنؤ میں تو ہر فن کا باکمال موجود ہے وہ کونسا ہنر ہے جو یہاں مفقود ہے۔ ـــــ ۵

کوئی ایسا شہر دنیا میں نہیں ۔ غیرت دیر کہن ہے لکھنؤ
پھیلے ہیں اسکے در نظم اسقدر ۔ چشم عالم میں عدن ہے لکھنؤ

چھمی جان۔ ہم تو ہمیشہ ایسی ہی ٹکڑی میں اہے۔ روز و شب یہی چرچے ہی تھے۔ یہی قہقہے گھر پہونک تماشا دیکھا۔ لنگوٹی میں پھاگ کھیلا۔ خوب گلچھرے اُڑ لئے۔ فرنگی محل کی طرف سے کبھی نکلے تو گردن ہی کو تاکتے ہوے۔ کوئی مجلسہ خالی نہ گیا۔ یاں تھوڑی نے پیٹے۔ کدر پیا کی ٹھمریاں گھسیٹ خاں کی ٹپ وار آواز بہادر علی کی کنکری صادق علی خاں کی لَے داری۔ پیار خاں کا خیال چھوڑ کر جائیں کہاں اب تو یہی دین و ایمان ہے سارنگی مجرے کی آواز سنیں تو جھپ سے گھس پڑیں موذن اذان دیا کرے تو سنتا کون ہے۔ بہت گذر گئی تھوڑی باقی ہے۔

آزاد۔ اس فرنگی محل کا نام آفتاب جہانتاب کی طرح ساری خدائی میں روشن ہے اور علمائے فرنگی محل کی مصنفات مسلمات المشہور کالشمس فی نصف النہار ہیں۔ کربلائے معلے مدینۂ منورہ مشہد مقدس بیت اللہ تک کے قدرداں اور نکتہ داں ان بزرگان خورشید ضمیر بیضا تحریر کے کلام قدوۃ الفیام پر احسنت کہتے ہیں مہینوں کی راہ طے کر کے شائقین علم و ہنر کسب کمال و تحصیل علوم کے لیے یہاں آتے اور چار دانگ ہند کے علما فیض پاتے ہیں یہ وہ فرنگی محل ہے مگر۔ ۶۔

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

جناب غفران مآب مفتی سعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ مفتی میر عباس صاحب دام ظلہ العالی حضرت ملا حسن یہ طوسئے مولوی محمد فضل اللہ صاحب اور فردوس آرام گاہ مجتہد العصر سید محمد صاحب مبرور برد اللہ مضجعہ کو افتخار لکھنؤ بلکہ فخر ہندوستان کہنا عین صواب ہے۔ اب شعرا کو دیکھئے۔ شاعر معجز بیان آتش زبان خواجہ حیدر علی آتش مرجع سخنوران نزدیک و دور شیخ ناسخ مغفور اپنے فن میں یکتائے روزگار ہو گئے ہیں۔ مرثیہ گوئی تو اہل لکھنؤ کا حصہ ہے خدائے سخن میر انیس صاحب کو خدا بخشے واللہ فصاحت اور روزمرہ پر تو ابتدائے آفرینش سے کوئی اسدرجہ حاوی نہ ہوا ہوگا قس علی ہذا۔ امام کعبۂ بلاغت دبیر عطارد تحریر مرزا دبیر صاحب طباع تراد اپنے طرز دلکش کے موجد تھے جنکے ایک ایک بند سے شان قصائد نمودار ہے نسیم اور صبا نے آتش کو بھڑکا دیا۔ ۶

این سخن باید بآب زر نوشت

گویا تو گویا بلبل چمن سخن پروری تھا۔ رند کا رندانہ کلام قابل صاد ہے خواجہ وزیر کو شہنشاہ قلم و خوش بیانی کہنا عین سداد ہے مرزا رجب علی بیگ سرور مبرور کی تربت کو خدا عنبریں کرے واللہ وہ نثر دلپذیر و بے نظیر لکھی کہ قلم توڑ دیئے۔ ایک ایک سطر گنجینۂ معانی ایک ایک فقرہ کان نکتہ رانی ہے۔ حکیم نواب مرزا صاحب موجد طرز نوی تھے منشی ظہیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ واقف نکات دری و پہلوی تھے۔ الغرض اب بھی ایک ایک طفل مکتب مجسطی خوان ہے بلکہ رشک لقمان ہے۔ یہاں کے صناعان چابکدست کے بھی جھنڈے گڑے ہیں کمہار تو ایسے دنیا کے پردے پر نہوں گے مٹی کی مورتیں ایسی بناتے ہیں کہ مصوروں کی کرکری ہو گئی بس یہی معلوم ہوتا ہے کہ مورت گویا بولا ہی چاہتی ہے جس عجائب گھر میں جائیے گا لکھنؤ کے کمہاروں کی کاریگری ضرور پائیے گا۔ خوشنویسوں نے کاتب قدرت کا نوشتہ مٹا دیا نقاط مثل نجوم درخشاں دائرہ آفتاب سے زیادہ فروزاں۔ ایک

ایک طرف کی پانچ پانچ اشرفیاں لیں یعیں نا جینا سے اور زاد کی آنکھوں میں نور بخشے قاف از قاف تا قاف کوس لمن الملک بجائے۔ بانکے شیر کا پنجہ توڑ ڈالیں۔ ہاتھی کو ڈپٹیں تو چنگھاڑ کر منزلوں بھاگے۔ ہیرا ج رستم سیستانی تھا تو شیدی لندھور ہفتخوان منازل پہلوانی۔ اسفندیار روئیں تن تو چٹکیوں میں ... استاد محمد علی خاں چکیت چھریرا بدن لیکن گتکا ہاتھ میں آنے کی دیر تھی پرے کے پرے دم میں صاف کر دیے کڑک کر طمانچہ کا تلا ہاتھ لگایا تو حریف کا منہ پھر گیا اکھاڑے میں گتکا لیکر کھڑے ہوئے تو معلوم ہوا بجلی چمک گئی۔ ایکدفعہ للکارا کہ روک ہتھوٹی دیکھ سنبھل خبردار ہوشیار یہ آئی وہ آئی (تڑ) وہ پڑگئی بارک اللہ کی آواز فلک ہفتم پر پہونچنے لگی۔ بلا کی صفائی غضب کی صفائی ستم کی صفائی۔ قیامت کی صفائی تھی جو منہ چڑھا منہ کی کھائی سامنے گیا اور شامت آئی ؎

	سن اسکا گھٹا تھا جو دلیرانہ بڑھا تھا	
	منہ کی وہی کھاتا تھا جو منہ اسکے چڑھا تھا	

کا داؤں وہ ایجاد کی کہ اڑیسہ اور کوچن تک سے فرمائشیں آنے لگیں۔

جبیب (آزاد سے) واہ قبلہ کیوں نہو چشم بد دور کس لطافت سے آپ نے لکھنؤ کے علمائے اجل فضلائے اکمل۔ صناعان کامل فن اور پہلوانان روئیں تن کے کمال کا حال بیان کیا حق یوں ہے کہ لکھنؤ کا علم و فضل لکھنؤ کے محاورات رنگین فقرے دلنشین خوش بیانی طرز غزل خوانی المشہور فی المشارق والمغارب ہے لیکن چھمی جان کو علوم سے سروکار نہ فنون سے مطلب یہ تو تال سم ... کے پھیر میں پڑے ہیں۔ افسوس۔

چھمی جان۔ حضرات اسوقت پھیر دیں سنتے جاتا تھا اور جگہ بھاگ پیارا نجر د نظر آیا سننے کا شوق چرایا تھا لیکن آپ نے پادریوں کی طرح وعظ کہکر کایا پلٹ کردی ؎

	اثر بھانے کا پیارے ترے بیان میں ہے	
	کسی کی آنکھ میں جادو تری زبان میں ہے	

اب جو ہمیں راہ پر لاتے ہو تو اتنا مان جاؤ کہ ذرا قدم بڑھائے ہوئے ہمارے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے پلٹے نالے تک چلے چلو دیکھوں تو پرستان سے کیونکر بھاگ آتے ہو انھیں بتوں کا سجدہ نہ کرو تو کچھ جرمانہ دوں اور صاف تو یوں ہے کہ بلا امتحان۔ ع

	قائل نہیں ہے بندہ کسی شیخ و شاب کا	

اس لندرہ کے اکھاڑے سے کورے نکل آؤ تو ٹانگ کی راہ نکلجاؤں اور تمھاری ہی بیعت لاؤں۔

آزاد۔ (گھڑی جیب سے نکال کر) آہیں آٹھ بجکر اکیس منٹ آئے اس خوش گپی سے آج ستم ڈھایا کچھ سننے میں نہ آیا مفت کی بک بک جھک جھک۔ لاحول ولا قوۃ۔ واللہ کچھ لائق شنید تھا لعنت بکار شیطان۔

چھمی جان۔ اللہ جانتا ہے اسوقت کلیجے پر سانپ لوٹ رہے ہیں نہ جانے تڑکے تڑکے کس منحوس کا منہ دیکھا ہے کہ بٹیریں کے مزے ہاتھ سے گئے۔

جبیب لبیب۔ یہ ضعیف الاعتقادی! بھلا کسی کے منہ دیکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ آپ بھی نرے چرغ ہی رہے۔ اتنی دیر تک سمجھایا سر مغزن کی گردواہ بے کتے کی دم۔ بارہ برس بعد بھی ٹیڑھی ہی نکلی جو کہیں چھ مہینے ہماری جوتیاں سیدھی کرو تو آدمی بنجاؤ۔

چھمی جان۔ واہ بس چلیے چلیے۔ یہ زبانی راہ خرچ بہت سنا ہے ایسے ہی بڑے صوفی صافی ہو تو ذرا ساتھ چلو نہ بغلیں کیوں جھانکتے ہو۔ جب جانیں کہ تلوہ کورے نکل آؤ۔

آزاد۔ (حبیب لبیب سے) یا حضرت آیئے دل کڑا کر کے چلیئے تو چلیں دام زلف میں مرغ دل نہ پھنسے گا۔ مرغ زیرک کہیں صیاد کے پھندے میں آیا کرتے ہیں کیا مجال خدا نے چاہا تو وہاں بھی دامن بے لوث ہے۔ یہاں تو ایسی صحبتوں سے طبیعت ہی نفور ہے۔

حبیب لبیب۔ بسم اللہ چلیے دیکھیں تو کوئی بت ہے یہ تیغ نگہ کے زور سے کیونکر ہمیں مجبور کرے کہ بیعت لائیں۔ مہذب اور علم دوست سے رند عالم سوز بنجائیں۔ برسوں کے خیالات ایک ادائے دلربا کیونکر مٹا دیگی۔ ہم اور کسی کے نخرے پر فدا ہو جائیں تو بہ یہ خیال ہرگز محال ہے یا کسی دلدار سے دل اٹکائیں استغفر اللہ پہلے کوئی ایسا محبوب تو ہمیں دکھایئے جسے ہم پیار کریں ہمارا معشوق مردم دانا۔ یا صنم لطیف و رعنا۔ چوٹی اور موباف پر کوئی اور سر دھنتے ہیں۔ اگر تمنا ہے تو یہ ہو کہ میں ہوں اور کنج تنہائی کتاب سامنے اور بغل میں خرقۂ پارسائی یہاں شوق خراب خیر از نہ عشق بتان طناز۔

الغرض حبیب لبیب اور میاں آزاد دونوں چھمی جان کے ساتھ ساتھ پاٹے نالے پر کسی حافظ جی کے بیت اللطف میں کمنٹ سے جا پہونچے۔ کوئی چالیس۴۰ پچاس۵۰ قدم کے فاصلے سے لہرا لہرا کر گانے کی آواز آنے لگی۔ چھمی جان جھوم جھوم کر عجب ناز و انداز سے قدم اٹھاتے تھے بارے حافظ جی کے مکان عالیشان میں داخل ہوئے۔

حافظ جی کا مکان مینو سواد اور شکر لبان حور نژاد

این چہ بزم ست کہ لب بر لب جام ست اینجا
بادہ خورشید و قدح ماہ تمام ست اینجا

حافظ جی کا مکان خوش ہوا اور دلکش بہشت شداد تھا۔ اور روح بخش چشم نارسا ہے اہر زاد در و دیوار پر نور برستا تھا تو صحن و بام سے سرور و نور۔ اب بزم طرب کا حال نہ پوچھیے جدھر دیکھو خوشو قتی جدھر دیکھو عیش ایک ایک کمسن ٹولا مرکہ عشق کا مقدمۃ الجیش ادھر سفید پوشوں کی قطار۔ اُدھر سبزان سبز بخت کے جوبن کی بہار ادھر نظارہ بازی اُدھر شوخی و طنازی ادھر رندان عالم سوز ادھر نور عالم افروز۔ ادھر شوق وصال۔ ادھر غرور حسن و جمال ادھر آنکھیں اشکبار۔ ادھر بناوٹ سجاوٹ۔ نکھار۔ ادھر چشم خونچکاں ادھر لب لعل شکر خا پر سرخی پان۔ ادھر عشق جنون خیز اُدھر زلف عنبر بیز۔ ادھر صدائے بریز بریز۔ ادھر خندۂ شکر آمیز۔ ادھر خونابۂ دل در ایاغ۔ ادھر ساق بلوریں جگر خون کن گو ہر شب چراغ ادھر جنوں کی گرمجوشی۔ ادھر چشم فسوں پرداز کو تعلیم ناز فروشی ادھر شمع رویوں کی لو دل سے لگی تھی۔ ادھر چہل پہل دل لگی تھی ادھر عشاق خستہ جاں کا نیاز۔ ادھر حسن بہار آشوب کا استغنا و ناز چمن چار بتان شکر لب و سیم غبغب ملکہ بیلر کیا دکاتی ہیں گم کردگان بادیۂ عشق کو راہ پر لاتی ہیں۔ ؎

شکر لب مطربان نغمہ پرداز | برنگ تہنیت خوش کردہ آواز
مغنی چنگ عشرت ساز کردہ | نوائے خرمی آغاز کردہ
رباب از تار غم جاں را امالہ کردہ | برآوردہ کمانچہ نغمہ زہ

یہی معلوم ہوتا تھا کہ راگ اور راگنی ہاتھ باندھے کھڑی ہیں جسے دیکھو گردن ہلاتا ہو سازندہ حاضرین جلسہ کو وجد میں لاتا ہو پازیب کی چھما چھم دل کو پامال کرتی ہے کوئی الاالبرق کہتی ہوئی جھک جاتی ہے کوئی اونچے سروں میں تان لگاتی ہو کوئی سینہ صافی پر دست حنائی رکھکر گہری گہری ندیا بتاتی ہو کوئی چشم مخمور کے اشارے سے نینان رسیلے کی چیٹ کھاتی ہو۔ دھما چوکڑی مچی ہوئی ہو چھمی جان نے ایک ناظرانہ نظر فریب سے فرمائش کی کہ میدان خوش بیانی کے یکہ تاز لسان الغیب حافظ شیراز کی اس غزل کو گاؤ۔ ؎

برزمینی کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

سوہنی کی دُھن میں اس غزل نے وہ لطف دکھایا اور ایسا رنگ جمایا کہ ہمارے حبیب لبیب تک اہوہو ہو کہہ اُٹھتے تھے اس کے بعد ایک شاہد زاہد فریب نے ایک حقانی غزل گائی جس کا مقطع یہ ہے ؎

چو خود کردند سرِ خویشتن فاش
عراقی را چرا بدنام کردند

اس مقطع پر جلسہ میں کہرام مچ گیا اول تو غزل حقانی دوسرے اُس رنگین ادا کا طرز غزل خوانی تیسرے اُسکی اُٹھتی جوانی چوتھے اُسکی نازک آوازی اور شیریں بیانی۔ حاضرین جلسہ اس درجہ سرخوش بادۂ وحدانیت ہوے کہ جلسہ رقص و سرود پر عرس کا دھوکا ہوتا تھا حق حق کی آواز ہر طرف گونج رہی تھی اور اسی حالت وجد میں ہر فرد بشر کی زبان پر یہ شعر تھا ؎

چو خود کردند سرِ خویشتن فاش
عراقی را چرا بدنام کردند

اب سب کو تسک کی جگہ یقین ہو گیا کہ اسکے بعد کسی خوش گلو کا رنگ نہ جمے گا ہر طرف سے حقانی غزلوں کی فرمائش ہو شوق کی افزائش ہو دُھرپد کا خیال نہ ٹپے کی فکر بھیروں کی دُھن نہ بیکھے گانے کا ذکر۔ فارسی ہی کی غزلیں دلکش اور فاخرہ گائی جاتی ہیں معرفت میں ڈوبی ہوئیں۔ ؎

قلق از سوزش پروانہ داری زسوز عاشقاں پروانہ داری
دلم قربان ایں مژگان و ابرو عجب تیر و کمان ترکانہ داری

اب دل لگی دیکھیے کہ پیر فرتوت اور نوجوانان نو عمر اور کمسن لڑکے سب کے سب بیدھڑک اُس مشتری خصائل زہرہ شمائل کو گھور رہے ہیں کوئی اس جادو نگاہ سے آنکھیں لڑاتا ہے۔ کوئی اس شوخ و شنگ کے طرۂ شبرنگ و لیلۃ المعراج گیسو کی سیر کرتا ہے کوئی سر دھنتا ہے کوئی آہ سرد کھینچتا ہے کسی کے دل میں تیر عشق کی خلش کسی کو نچلے بٹھائے مفت کی ذواذدش دو چار بیباک مدعیان تہذیب نے طوائفوں کو بلا کر بڑے شوق سے قریب بٹھایا۔ نوک جھونک ہنسی۔ مذاق چہل دل لگی۔ دھول دھپا ہونے لگا حافظ جی بھی داروغہ ارباب نشاط بنے ہوئے مزے سے جو کبھی لڑ رہے ہیں اور گرد گلرخان سیمتن کا غنچہ ہے۔ نوجوان بھی تعلیم نظری سے استفادہ حاصل کرتے ہیں اب مہ جبینوں اور بڈھوں اور نوجوانوں کا مکالمہ سنئے۔

پیر فرتوت۔ آجکل کے لڑکوں کو بھی ہوا لگی ہے۔

نو عمر۔ اجی قبلہ اب تو ہوا ہی ایسی چلی ہے کہ جوان تو جوان بڈھوں تک کو بڑ بھس لگا ہے سو برس کا سن تابوت پر لدنے کے دن مگر جوانی ہی کا دم بھرتے ہیں ؎

پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت ست
از شاخ کہنہ میوہ نو رس غنیمت ست

پیر فرتوت۔ میاں صاحبزادے ہم تو دنیا بھر کے نیارے ہیں ہمیں کوئی چنگ پر کیا چڑھائے گی اور رنگ پر کیا لائے گی مگر تم ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش ایسا نہ ہو انکے پھیر میں آجاؤ پھر دین و دنیا دونوں کو رو بیٹھو۔

نوجوان۔ واہ قبلہ آپ کے فیضان صحبت سے ہم بھی پختہ مغز ہو گئے ہیں ایسے کچے نہیں کہ ہم پر کسی کا داؤ پیچ چلے۔

پیر فرتوت۔ توڑ پھوڑ کچے پکے کے بھروسے نہ رہئے گا ان بتوں کا بڑے بڑے زہاد نے سجدہ کیا ہے تم کس کھیت کی مولی ہو۔

نوجوان ؎
ان بتوں کو ہم فقیروں سے بھلا کیا کام ہی
یہ تو طالب زر کے ہیں اور یاں خدا کا نام ہی

مہ جبین۔ ان بڑے میاں سے کوئی اتنا تو پوچھو کہ بال بال گل کے برف سا سفید ہو گیا مگر ابتک سیاہ کاری نچھوڑی - یہ سمجھاتے کس منہ سے ہیں۔ انکی سنتا کون ہی۔ ذرا شیخ جی بہت بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بنایا کیجئے۔ شاہ چھڑے والی گلی روز میں بیس چکر ہوتے ہیں اے تم جھکتے بھی نہیں۔

حافظ جی۔ شیخ جی جہاں بیٹھتے ہیں جھگڑا ضرور خریدتے ہیں غم نداری بز بخر کہئے آپ ہیں کون آئے وہاں سے بڑے ناصح بنکے

پیر فرتوت ؎
نہ قاضیم نہ مشائخ نہ محتسب نہ فقیہ
مرا چہ سود کہ منع شراب خوارہ کنم

اچھا جی صاحب اپنا کلام سنائیے مگر شرط یہ ہی کہ جب ہم تعریف کریں تو سلام کیجئے۔

مہ جبین۔ آپ ہیں تو اسی لائق کہ دور ہی سے جھک کر سلام کرلے اور سلام کے تو آپ بیشک مستحق ہیں مگر بھولیں تو ٹوکیے گا ضرور۔

نو عمر۔ قبلہ وکعبہ۔ گستاخی معاف آپ پر اسوقت اچھا فقرہ چست ہوا انھوں نے آپ کو اپنا استاد جی بنایا۔ مگر واللہ آپ سمجھے خاک نہیں۔

مہ جبین۔ یہ بال انھوں نے سفید کیے ہیں یا شاید نزلہ نے انکو جوانی ہی میں قبلہ پیری و صد عیب کر دیا ہو بے تکی اڑانا خوب جانتے ہیں جواب نہیں سوجھتا۔ منہ کے آگے ناک سوجھے کیا خاک۔

ادھر تو یہ گفتگو ہوتی تھی ادھر دوسری ٹکڑی میں فحش اور پھکڑ کا جھمکا چلتا تھا۔ تیسرے غول بیابانی میں دھول دھپا ہوتا تھا کہ من اطفال اور جوانان مطلق العنان اور زنگھمن خیال ویران نو دس سال جہل کی تعلیم پاتے تھے اتنے میں دو پہر کی توپ دغی۔ دھنانا۔ جلسہ برخاست۔ ناچ رنگ بند۔ جہل پہل موقوف۔ طبلیوں نے بوریا بندھنا اٹھایا۔ حضار جلسہ نے بقچہ سنبھالا۔ مہوشان زہرہ جبین و نازنین بصد ناز و کرشمۂ و لیوں میں جلوہ گر ہوئیں جلسے سناٹا ہو گیا۔ ؎

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامان باغبان و کف گل فروش ہے
لطف خرام ساقی و ذوق صدائے چنگ
یہ خلد گاہ ہے تو وہ فردوس گوش ہے
یا دو پہر کو جا کے جو دیکھا تو بزم میں
نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے
داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہی

مہ پارۂ عابد فریب کی ستم کوشی اور جنون کی گرمجوشی

خیر مقدم اے جنون نیک فال
اے تو ام تیر نیستان خیال
اے تو برق خرمن بیم وامید
قفل وسواس ہوشیار کلید
اے بہار عاشقی را رنگ و بو
از تو ہر فرہاد و مجنوں کام جو
شہر دانش تنگ بر جولان تو
پہن دشت بیخودی میدان تو

جلسے کا قل چراغ رقص و سرود کا گل ہونا تھا کہ ایک نیا گل کھلا میاں آزاد نے جامۂ شیخ نجیت تہ کر رکھا اور عشق خانہ خراب کے ہاتھ بک گئے اب ہر دم آہ و زاری ہی۔ بیتابی بیقراری ہے دیدۂ طرح سینۂ مجروح۔ آہ سرد دل پر درد عقل دنگ سینہ پر سنگ پائے خرد لنگ عشق مہوشاں شوق دشت نگ جنون تھا اھنگ ایک دفعہ ہی یہ اشعار حسرت بار زبان پر لائے ؎

شاہنشہ بے نبرد عشق ست ... سلطان تو اے گرد عشق ست
پر کو ہ غم کند عماری ... بر مرکب خوں کند سواری

اب تو میاں آزاد چکر میں آئے گر چھمی جان تجربہ کار اور مزاجدان عشاق زار تھے چتونوں سے تاڑ گئے کہ کسی ترک ندریں کمر کے تیر نگاہ نے گھائل کر دیا پھر کیا تھا بولے نیا رنگ لائی گلہری کیسے لکچر سننے چلنے گا۔ س

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

آزاد۔ اب تو یہی دھن ہے کہ سینے کو چمن بنائیں۔ لالہ کے داغ حسرت میں رگڑ کھائیں۔ ہائے وہ خال عنبریں وہ گیسوئے شکیں وہ لعل نگاریں وہ چشم سرگیں۔ وہ سنگار وہ نکھار ہجر میں تو جیتے جی مر مٹا یار و کوئی تدبیر ایسی بتاؤ کہ وصال نصیب ہو باغ ہو جام ہو میں ہوں اور وہ حبیب ہو۔

چھمی جان۔ ابھی نام خدا عنفوان شباب ہے۔ بچتہ مغز جنون نہیں میدان عشق کی پہلی ہی منزل ہے عشق کا دار کوئی سرزمیلن دک تو سلے بڑے جیوٹ کے آدمیوں کا جی چھوٹ جاتا ہے کلیجہ منھ کو آتا ہے ع۔ عشق کے صدمے اٹھانے کو جگر بھی چاہئے۔

آزاد۔ ع
دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

حبیب لبیب۔ خدا ہر بھلے مانس کو بری صحبت سے بچائے یہ تمھیں سوجھی کیا کہ اس جلسے میں آئے۔ س

با یار نشیں و باش بیگانہ او ... در دام افتی اگر خوری دانۂ او
تیر از سر راستی کماں آکج دید ... بنگر کہ چگونہ جست از خانۂ او

گریہ عشق سب ڈھکوسلا ہی ڈھکوسلا ہے۔ بندہ تو قائل نہیں یہاں تو دل میں ٹھن گئی کہ انھیں سودا ہو گیا۔ کسی طبیب حاذق کو بلا لاؤ ذرا ان کی نبض تو دیکھے۔

آزاد۔ ع۔ ہمکو سودا بھی ہوا تو میرزایانہ ہوا نہ سودا ہو یا جنون سحر ہو یا فسون اب تو جان پر بنگئی ہے۔ کلیجے پر چوٹ کھائی ہے طبیب بیچارہ نبض کیا دیکھے گا۔ ع۔

ہماری نبض ہمارے مزاجداں جانیں

اور آپ طبیب کو بلا کر دل کا ارمان نکال ہیں لیکن۔ س

بیمار عشق کا جو نہ تجھ سے ہوا علاج ... کہہ اے حبیب ہی کہ پھر تیرا کیا علاج

چھمی جان۔ اس فن کا قانون تناس بو علی سینا بھی نہ تھا طبیب تو کیا کھا کر مریض عشق کو چنگا کریگا۔ ہاں مجنوں کی تربت پر پھولوں کی چادر چڑھاؤ تو شاید غنچۂ مقصود شگفتہ ہو جائے۔ ورنہ مسیحا کی مسیحائی بھی کارگر نہ ہوگی۔ س

آگاہ نہ تپ دردل را ... نشتر چہ زنی رگ جنوں را
معشوقۂ نازنیں طلب کن ... عناب لبش بہ کار تب کن

اب تھے کشود کار اطمینان دل معلوم۔ سہل ٹھکانا یہ ہے کہ عاشق و معشوق دونوں کا وصل ہو۔ ورنہ حسن و عشق کا جھگڑا پاک ہو چکا

آزاد۔ تیر ایسا کاری لگا کہ تلملا اٹھا۔ اب ہم ہیں اور گرداب بلا دل ہے اور موج خیز خوں۔ دیکھیں بحر عشق کے تھپیڑے کدھر بہا لیجاتے ہیں اور دل کے داغ کیا سبز باغ دکھاتے ہیں۔ ب

دریا و کوہ در رہ و من خستہ و ضعیف
اے خضر پے خجستہ مدد دہ بہ ہمتم

گر بیڑا پار ہوتا نظر نہیں آتا۔ چاہ زنخداں میں دل ڈانواں ڈول ہے۔ اب شہر بھر میں دھوم مچ گئی۔ کہ ایک نئے بگڑے جہاں جاؤ یہی چرچا میاں آزاد کے لنگوٹیئے یاروں نے لاکھ فکر کی کہ انکو راہ راست پر لائیں گر عشق صادق سے ایک کی پیش نہ گئی قصر مراد تک کمند تدبیر نہ پہونچی میاں آزاد کی حالت

اس ورجہ ردی ہوگئی کہ دن کو آہ وزاری شب کو اختر شماری کھانا پینا چھوڑا عیش وآرام سے مُنہ موڑا رنج ومحن سے ناتا جوڑا شیشۂ دل پر سنگ فراق کی ایسی ٹھیس لگی کہ چکنا چور ہوگیا حبیب لبیب نے چھمی جان کو اپنے طور پر سمجھایا کہ واسطے خدا کے ان کے سامنے ایسی باتیں نہ کرو کہ سمند جنون پر تازیانے کا کام کرے عشق کی مذمت اور جنون کی ہجو کرنی چاہیے نہ کہ تعریف چھمی جان کو اتنا اشارہ کافی تھا۔

آزاد۔ وہ لبوں کی سرخی۔ دانتوں پر پان کی تحریر۔ وہ رخسار تاباں وہ مستانہ چال نہ بھولوں گا۔ نہ بھولوں گا اس گلابی دوپٹے نے گل رخسار کے جوبن کو اور بھی دوبالا کردیا۔

چھمی جان۔ ہم تو کلکتہ کے رنگریزوں کی خیر مناتے ہیں۔ واللہ ملکے کے شہاب میں دوپٹہ ایسا رنگ دیں کہ انسان گھنٹوں اُسی کو گھورا کرے۔ کیسی ہی مقطع کریہ منظر کیوں نہ ہو دھانی دلائی اوڑھی اور دُلھن معلوم ہونے لگی لیکن۔ ع

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد
چوں باز کنے مادر مادر باشد

حبیب لبیب۔ یہ جنہیں ہمارے رنگیلے جوان کا دل آیا ہو کچھ ایسی آفت کا پرکالہ نہیں۔ ایسی تو گلی کوچوں میں ماری ماری پھرتی ہیں کہ کوئی نہیں پوچھتا۔ مگر انکا عشق بھی عجب طرح کا ہے۔ سچ ہے جیسی روح ویسے فرشتے ہمیں تو ہنسی آتی ہے کہ میاں کا دل بھی آیا تو کس پر فریفتہ ہوئے تو اسپر شکل چڑیلوں کی ناز پریوں کا۔

چھمی جان۔ قسم حسینؑ کی ایسی ایسی زہرہ جبین رشک لیلےٰ غیرت شیریں نظر سے گذری ہیں کہ جل وجل گر دل ایک کو نہ دیا۔

آخر کار احباب کی یہ صلاح ٹھہری کہ کسی باغ نزہت افزا اور چمنستان پرفضا میں میاں آزاد رہیں شاید وحشت دل دور اور مرض جنون کافور ہو جائے۔

سیران چمن کا جوبن اور گرمی ہنگامۂ عشق عقل دشمن ۵

ہنوز ایں اول عشق ست جاناں گریہ کمتر کن
کہ ایں طوفان رسوائی ست عالمگیر خواہد شد

میاں آزاد کی وحشت دل دور اور شیشۂ جنون کے چکناچور کرنے کے لیے لب جو ایک نزہت افزا اور پرفضا باغ آراستہ ہوا احباب صافی مزاج وبزلہ سنج مرجان مرنج نے بھی اُنکی دلجوئی کے لیے وہاں ہی بستر جمایا صلاح ہوئی کہ ہر روز دنیائے دوں کی بے ثباتی اور عشق خانہ خراب کے مضار ذاتی ہی کی گفتگو تاکہ آزاد کا دل ان باتوں سے پھر جائے اور پھر کسی شمع رو کے رُخ آتشیں سے لو نہ لگائے۔ شاید اس پند و موعظت سے اُس ڈھرّے کو چھوڑ کر راہ راست پر آوے اور گمراہی سے نجات کلّی پائے سوچے کہ کبھی کبھی اور تذکرے بھی ہوا کریں ورنہ اگر حسن وعشق ہی کی مذمت کی تو مبادا کھٹک جائے احباب خدا ترس دقیقہ رس خورشید ضمیر وصبح نفس نے طرح طرح کی دلچسپ روایتیں کہنا شروع کیں۔

اوج۔ ہندوستان جنت نشان کے ایک شہر نزہت آگین دلنشیں آئین میں ایک خسرو کجکلاہ وگیتی پناہ نے اپنی بیگم سے کہ چندے آفتاب وچندے ماہتاب تھی سوتے وقت کہا کہ ہمیں صبح صادق سے پہلے جگا دینا اتفاق سے اس شب کو مرغ نے آدھی ہی رات سے گڑوں کوں کی بانگ لگائی وہ سیہ چشم جادو نگاہ خواب ناز سے بیدار ہو گئی اور حسب وعدہ بادشاہ جمجاہ کو جگا دیا بادشاہ نے دیکھا کہ

کہ صبح صادق کیا معنی ابھی سحر کاذب بھی نہیں شیطان نے پٹی پڑھا دی کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ نہایت ہی بددماغ ہوئے غصّے کے تھرمامیٹر کا پارہ ایک سو پندرہ درجے پر پہونچا زبان حال وقال سے یہی صدا نکلتی تھی۔ ؎

تو تبینہ می نمائی کہ بہ برکہ بودی امشب
کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد

جھلا کر شمشیر خوش غلاف ہاتھ میں لیے باہر نکل آئے چہرہ مارے غصّہ کے سُرخ جیسے بیر بہوٹی۔ بآواز بلند (سر بریدن لازمست) کہتے جاتے تھے آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا ایک شاعر موزوں طبع نے بھانپ لیا کہ کیا اسرار ہے حاضر جوابی کے صدقے۔ فی البدیہہ اور برجستہ یہ شعر زبان پر لایا۔ ؎

سر بریدن لازمست ایں مرغ بے ہنگام را
آں پری پیکر چہ داند وقت صبح و شام را

واللہ آگے کے شعرائے رنگین خیال و شیریں مقال غیب کی باتیں بھی جانتے تھے۔

آزاد۔ لاحول ولا بھئی کتنی بھونڈی بات کہی شعر تو غضب کا ہے مگر۔ ع۔ عالم الغیب کیست غیر از حق۔ شعرا عروض بحر صنائع و بدایع جانیں غیب دانی سے انھیں کیا سروکار۔ ایشیا کے ضعیف الاعتقادی پر خدا کی سنوار۔ بندۂ درگاہ آج تک غیب دانی کے قائل ہی نہیں ہوے۔

اوج۔ بارے شکر ہے کہ آپنے برسوں کے بعد آدمیت کی بات تو کی پڑھے جن ہو تمھارا شیشے میں آثار ناکارے وارد۔ اپنی حرکات پر لعنت نہیں بھیجتے کہ گرداب عشق میں غوطے کھا رہے ہو ایشیا کے خیالات پر فیر ہیں اپنی خبر ہی نہیں۔

میاں آزاد تھوڑی دیر کے لیے آدمی بن گئے تھے مگر عشق کا حرف درمیان میں آیا اور ہوش اُڑ گئے جنون سر پر چڑھ بیٹھا اُس سرو جویبار رعنائی اور گلبن گلزار دلربائی کا بوٹا سا قد آنکھوں میں پھر گیا مطرب کی ناخن بازی اور اُس خوش گلو کی نازک آوازی یاد آگئی اب غم ہجران یار ہے یا آہ آتشبار۔ سینہ بریاں اور دیدۂ گریاں حیران و پریشان۔ سراسیمہ و سرگرداں حسب حال اشعار حسرت بار نوک زبان ہیں۔ ؎

درون سینۂ من زخم بے نشاں زدۂ
بحیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدۂ

در قفس بسیار ناشادیم ما
از فراموشان صیادیم ما

چمن کا رنگ بگڑ بن اپنی آنکھوں میں مبدل ہے
چراغ لالہ چشم غول ہے گلزار جنگل ہے

بہار آئی ہے ہنگام جنوں ہے کپڑے پھٹتے ہیں
مسلسل ہوں میں دیوانہ در زنداں مقفّل ہے

ہاتھ مشتاق گریباں ہے جنوں کا جوش ہے
پیرہن تن پر مرے گرمی کا بالاپوش ہے

یاروں نے دیکھا کہ پھر سیلاب جنوں کا جوش ہے۔ پھر رخصت عقل و ہوش ہے ناچار بلیغ نے ایک اور ذکر چھیڑا۔

بلیغ۔ حضرت اپنا تو یہ مقولہ ہے کہ ع۔ معشوق کیجئے تو پریزاد کیجئے ہم ظاہری حسن و جمال کے شیفتہ۔ نہ خط و خال کے فریفتہ۔ ہے خوش کے ساتھ خوئے خوش بھی ہو تو ہم ہزار جان سے اُس گل کے بلبل ہو جائیں ورنہ۔ ؎

نشاید ہوس باختن با گلے
کہ ہر بامدادش بود بلبلے

ایسا عشق باعث خواری ہے۔ نقل ہے کہ ایک شیخ ملکوتی صفات اشرف المخلوقات کی طبیعت لہرائی کہ سیر دریا کریں خراماں خراماں چلے جاتے تھے راہ میں ایک نوعروس پری پیکر برہنہ سر

لب بام کھڑی تھی شیخ نے کہا لے سرمایۂ ناز سر کو ڈھک لے۔ اس جادو جمال نے جواب دیا کہ آنکھیں بند کر لے شیخ نے کہا میں عاشق ہوں کہیں عاشق زار آنکھیں بند کرتے ہیں۔ اس غیرت ماہ نے عین مستی میں کہا میں مستانہ ہوں۔ مجھے سر ڈھکنے سے کیا کام۔ اور مستانہ یہ شعر بہ لحن باربدی پڑھا۔ ؎

این موی نیست بر سر من بلکہ خار عشق | در پائے من خلیدہ و از سر بر آمدہ

شیخ مبارک نہاد سنتے ہی جاں بحق تسلیم ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون عاشقی خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ عشقبازی سربازی ہے گر کوئی معشوق تو ہو مرد انا کا معشوق سلک ٹھیک ہے۔

شمیم۔ واللہ لب جوئبار یہ گلزار پر بہار ایسا لطف دکھاتا ہے کہ غنچۂ دل نسیم طرب کے اہتزاز سے کھلا جاتا ہے۔ ایام شاہی میں لکر تبہ بڑی کیفیت ہوئی تھی اعیان دولت میں سے ایک رکن رکین سلطنت کی دختر فرخندہ اختر کی شادی اس دھوم دھام سے ہوئی کہ پیر فلک نے باوصف پیرانہ سالی اس دھوم کی شادی نہ دیکھی ہوگی عین گومتی کے کنارے جشن جمشیدی بڑے کروفر سے منعقد ہوا وہ دھوم وہ ہجوم کہ جل وجل۔ نور چراغاں سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ رات رشک لیلۃ القدر ہے غیرت لیلۃ البدر ہے۔ جدھر جاؤ نور ہو فور برس رہا ہے۔ لب دریا اس پار خیموں کی قطار۔ اس رخ دریا تو عروسان چمن کا نکھار بحر دلربا شاہدان جادو جمال و مشتری خصال مصروف رقص و سرود ہیں۔ مطرب کا ہاتھ ساز پر۔ رنگین مزاجوں کا کان آواز پر کہیں زمزمہ جانفزا۔ کہیں نغمۂ طرب انتما پھولوں کی بھینی بھینی مہک سبزے کی لہک مرغان خوش الحان کی نواسنجی۔ گل و بلبل کی تکرار رنگی۔ میلے کی سی رونق تازہ اور سرور بے اندازہ۔ دریا خوب چڑھا ہوا ہے منڈھا اچھل رہا ہے

حباب آنکھیں بدل رہے ہیں اور رنگین بجرے چھوٹے ہوئے ہیں۔ لاکھوں تماشائی۔ غرضکہ بڑے دھوم دھڑکے اور ٹھسے سے شادی ہوئی کئی دن برابر دھماچوکڑی رہی مگر آنکھ کھلی تو سب خواب اور نقش برآب تھا۔ رہے نام اللہ کا۔

آزاد۔ وہ نرگس غمزہ زن وہ زلف پرشکن۔ وہ شوخ پرفن وہ گل سا بدن۔ ؎

قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام
قیامت کرے جسکو جھک کر سلام

ہائے۔ ع۔ جسے دلدار سمجھا تھا وہ دلبر نکلا۔ پند و نصیحت مرہم زخم جگر ہو گیا۔ ؎

منع کرتا ہے مجھے یار کے گھر جانے کو | ناصحا آگ لگے اس ترے سمجھانے کو

انور۔ اسوقت ایک لطیفہ یاد آیا سناؤں تو ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ پڑ جائیں۔ لوٹن کبوتر کی طرح لوٹنے لگو۔

نقل ہے کہ ایک صاحب نے اپنے غلام کو کہ صاحب طبع لطیف و بذلہ سنج تھا حکم دیا جا کر بازار میں تاک لگائے اگر انگور ہاتھ آئے تو فوراً خرید لائے غلام نے ایک دلبر میوہ فروش ستمگار دستم کوش کی دکان سے کئی خوشے خریدے اور سیر گشت کرتے ہوئے خراماں خراماں آقا کے پاس لے گیا۔ وہ نہایت ہی بد دماغ ہوئے فرمایا کہ ذرا سا کام اور یہ تاخیر اتنی دیر میں تو میں لندن ہو آتا ایسا کاہل دیکھا نہ سنا خبردار آج سے اگر ایک کام کو بھیجوں تو ہاتھوں ہاتھ چار کام انجام دے لانا۔ غلام نے دست بستہ عرض کیا کہ پیر و مرشد۔ اس مرتبہ معاف فرمائیں انشاءاللہ آئندہ ارشاد واجب الانقیاد کی لفظ بہ لفظ تعمیل ہوگی۔ دوسرے دن حضور کسی زبان دراز اور گستاخ کنیزک عشوہ پرداز پر ایسے گرمائے کہ تپ چڑھ آئی غلام کو حکم دیا کہ کسی طبیب لبیب کو بلاؤ

وہ فوراً گیا اور طبیب کے علاوہ اور چند آدمیوں کو بھی ساتھ لایا خواجہ نے پوچھا کہ یہ جماعت کیسی ہے ہم نے حکم دیا تھا کہ طبیب کو بلاؤ تم اتنے آدمیوں کو کیوں ساتھ لے آئے غلام نے بعد ادب عرض کی کہ خداوند حضور تو بھول بھول جاتے ہیں ابھی تو کل ہی تاکید اکید کی تھی کہ اگر ایک کام کا ارشاد کروں تو کئی کام عجلت تمام سرانجام دے لاتا الامر فوق الادب سمجھئے آج دم کے دم میں میں نے اتنے کام کیے قدر دانی شرط ہے حکیم جی کو حسب الحکم حضور بلا لایا کہ تشخیص مرض کرکے معالجہ کریں اور ادھر ہی سے لپکا ہوا گیا مطرب خوش الحان کو ساتھ لایا کہ اگر خداوند عروس صحت سے ہم آغوش ہوں تو قوال کی خوش آوازی اور ناخن بازی سے بزم طرب آراستہ ہو غسال کو بھی لیتا آیا کہ زندگی کا کیا بھروسہ اگر پیک اجل حضور کو خلد علیین کی سیر دکھلائے تو غسال چھٹ پٹ غسل دیدے ادھر سے ایک شاعر جادو بیان اور طلیق اللسان کو ہمراہ لیا کہ مرثیہ موزوں کرے اب باقی گورکن رہا گورکن۔ وہ بھی بات کی بات میں آن موجود ہوگا مطمئن رہیئے اب انصاف میرے آقائے نامدار کے ہاتھ ہے غلام نے انعام ہی کا کام کیا ہے۔ آیندہ اختیار بدست مختار۔

شرف۔ حضرت ایک لطیفہ بندے کو بھی یاد آگیا ایک تذکرے میں نظر سے گذرا کہ ایک رند مے آشام نے وقت نزع اپنے احباب کو وصیت کی کہ یاران ہمیر آشنا احسان کردکہ کہیں سے باوا آدم کے وقت کا پرانا دھرانا سڑا گلا کفن لا رکھو جب ہم دم توڑیں تو اسی کفن کہنہ میں لپیٹ کر ہمیں گور میں خفا دینا لوگ متحیر ہوئے کہ یہ عجب انوکھی بات ہے پوچھا اس سے فائدہ حضرت نے آہ سرد بھر کر بصد حزن و ملال زیر لب کہا کہ بھئی ہم تمام عمر پرلے سرے کے بدمعاش اور آوارہ و عیاش رہے یاد الٰہی سے طبیعت نفور تھی منہیات و معصیات سے بالکل اجتناب کیا خوب شراب لنڈھائی خود بھی پی اوروں کو بھی پلائی دن رات بتوں ہی کے کوچے میں پڑے رہے نماز کے قریب نہ پھٹکے جو فعل کیا خلاف شرع جو کام ہوا منافی تہذیب۔ ؎

وہ ایسا کون سا مخلوق ہے جسکو نہیں جانا
یہ فردیں جتنی ہیں انپر ہماری بھی نشانی ہے

اب ہم سوچتے ہیں کہ بار خدایا ہمارا سرانجام کیا ہوگا ہیں تو ہم اسی قابل کہ نار جہنم میں جلائے جائیں۔ مگر ایک تدبیر سوجھ گئی پرانے کفن میں ہماری نعش ہوگی۔ منکر نکیر آئیں گے کفن کہنہ دیکھ کر سمجھیں گے کہ مردہ دیرینہ ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھائیں گے ہم اسی حیلے سے نجات پائیں گے ؎

دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر
لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا

حبیب اللبیب۔ ایسے بھونڈلے عشق خانہ خراب کا یہی انجام ہے۔

بحر عشق کی طغیانی اور قلزم جنون کی روانی

چھیڑ مت بلو بہاری کہ میں جوں نکہت گل
پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤنگا

اس گلزار رشک فرخار اور لالہ زار سراپا بہار اور نسیم مشک بیز و عنبر بار نے میاں آزاد کی آتش عشق کو اور بھی بھڑکا دیا جنون کی مذمت نے کشتی دل کے ساتھ باد مخالف کا کام کیا آہ آتشبار نے خرمن خرد پر بجلی گرائی حشر توڑا آفت ڈھائی سبزان چمن کا جوبن دیکھ کر سبز خط گلگوں کا خیال آیا خانے خون رلایا کبھی کنگھی کو دیکھ کر اس پریشان کاکل کی زلف چلیپا یاد آئی

کبھی چشم مست کی یاد میں نرگس شہلا سے آنکھ لڑائی سرو کو دیکھا تو اپنے سربلند اقبال کا بوٹا سا قد آنکھوں میں پھر گیا شمشاد نظروں سے گر گیا گل رعنا کی دید سے گل رخسار کا خیال بندھا۔ بلبل شیدا کا نالہ زار تیر کی طرح جگر کے پار ہوا۔ الغرض اضطراب و بیقراری نالہ و شیون و آہ و زاری دن دونی رات چوگنی ترقی پاتی تھی۔ ؎

بے گلعذار جا کے گلستاں میں کیا کیا
ہاں یہ کیا کہ داغ کہن کو نیا کیا

عین حالت انتشار و ہجوم افکار میں یہ سوجھی کہ اب رسیاں توڑا کر نکل بھاگو اور بیابان کی راہ لو۔ ؎

بہار لالہ و گل سے لگی ہے آگ گلشن میں
گریباں پھاڑ کر جا بیٹھیے صحرا کے دامن میں

جنوں کے جوش میں کیجا نہیں دم بھر قرار آیا
کبھی گلشن سے صحرا میں کبھی صحرا سے گلشن میں

مزاج اصلاح پر آنا دشوار تھا۔ دل مثل برق بیقرار تھا۔ آخرکار باغ کی دیوار پھاند کر یہ جادہ جا۔ راہ میں سوچتے جاتے ہیں کہ اگر وہ گل اندام ملے تو پھولے نہ سماؤں باغ باغ ہو جاؤں جو ملتا ہے اس سے کوئے یار دل آزار کا پتہ پوچھتے ہیں وہ ہوا بتاتا ہے قہقہہ اڑاتا ہے اور بھانپ جاتا ہے کہ جنون کی امنگ و عشق کی ترنگ ہے۔ بادۂ محبت کے نشہ میں چور مست و مخمور۔ کبھی خنداں کبھی گریاں آنکھیں اشکبار۔ لب پر عاشقانہ اشعار۔ ؎

کوچۂ یار میں چلیے تو غزل خواں چلیے
بلبل مست کی صورت سے گلستاں چلیے

جدھر سیلاب جنوں بہائے گیا اُدھر چلے جب رات بھیگی تو ایک مقام پر کیا دیکھتے ہیں کہ پچاس ساٹھ کہار اڈے پر جمع ہیں ایک کہار ہڑک بجاتا ہے چار پانچ جوڑی چھوٹی جھانجھ بجانے میں مصروف ہیں دس پندرہ گردن ہلا ہلا کر بھجن اور گیت گاتے ہیں سامعین کو وجد میں لاتے ہیں۔

ہک۔ ہک۔ ہک ہاتے سبحان اللہ کیا کہنا ہے یہ وزن ہی نرالا ہے چند کہار ڈولیوں کے اندر بدمست پڑے ہیں کچھ ادھر کچھ ادھر نشے میں چور کھڑے ہیں۔ کوئی لال لال وردی دکھاتا ہے کوئی پگڑی کی پچھلی پر اتراتا ہے۔ ہنڈے میں دار و بھری ہے کٹورا چل رہا ہے طاق پر چراغ جل رہا ہے۔ آپس میں دھول دھپا ہو رہا ہے یا چھرا اڈے کے چودھری بلا تشبیہ فغفور چین بنے بیٹھے ہیں۔ ہنگامہ حشر بپا ہے۔ آگے بڑھے تو دیکھا کہ کندن سنار نے گھریا میں سہاگا ڈالا سونا گلایا اور کسی سیمتن کے لیے طلائی چمپکا تیار کیا وہاں سے چلے تو ایک دکان پر دیکھتے کیا ہیں کہ حق والا دو زانو بیٹھا کہانی کہہ رہا ہے۔ اور حق والی ایک پھٹی چٹائی پر بیٹھی ہوئی ہوں ہوں کرتی جاتی ہے۔ اور ارد گرد ایک مرد تین چار عورتیں بڑے لطف کے ساتھ کہانی سن رہی ہیں جیسیں ایک بات سچ تو ۹۹ لغو اور بیس قدم آگے بڑھے ہوں گے کہ ایک وسیع میدان میں کوریوں کا ہجوم دیکھ کر ٹھٹک رہے نرکل کی چٹائیاں بچھی ہیں کوری اور کورنیں چو طرفہ جمع ہیں ایک کوری نوجہ کشتی گیر نیلا لہنگا پہنے لال لال پھریا اوڑھے عورت کی قطع بنائے گیت گاتا ہے دل ہمارا تیری نجر ہے تو تو پیاری بے کھبر ہے۔ اڑوسی پڑوسی تالیاں بجاتے ہیں قہقہے لگاتے ہیں مرچنگ بج رہا ہے۔ ہر سمت عیش و عشرت کے سامان ہیں۔ یہ اپنی دھن میں ناک کی سیدھ پر چلے جاتے تھے آنکھ جھپکنے کی دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک نئے محلے میں پہونچے۔ چو طرفہ سناٹا۔ ہو کا عالم بھائیں بھائیں۔ نہ آدم کے تنکے دکے پڑے ہیں۔ کوئی نکلتا ہی نہیں۔ دروازے افیونیوں کی آنکھ کی طرح بند

کہیں بوڑھا نہ فرزند حیرت تھی کہ یا عجب اچھے شہر خموشاں میں گذر ہوا جہاں ہر کوئی دیوار ہے باولے کتے کی طرح ادھر سے ادھر بوکھلائے پھرتے تھے بارے ایک دفعہ ہی آواز آئی کہ (دیوبارہ شش واللہ خوب ہی داؤں اٹھا) اب انکی جان میں جان آئی کہ ہم جنس کی آواز تو خدا نے سنائی۔ جس رخ سے کان میں یہ آواز آئی تھی اُدھر ہی چلے۔ پھر آواز آئی کہ وہ فرد پیٹ لی۔ (دوسری آواز) واللہ ہاتھ چوم لے کیا موقع پر پچے پھینکے ہیں (تیسری) خدا کی مار ایسے پلنسے پر۔ جب دیکھو بدی کر جاتا ہے۔ پہلے سہ کی بازی گئی اب شش کی ہارے۔ اتنے میں ایک دروازہ کھلا اور پانچ سات سفید پوش بھربھرا کر نکل پڑے وہ شور وہ غل کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی کوئی کسی کی سنتا ہی نہیں۔ اپنی اپنی سب گاتے ہیں کوئی پور رب گیا کوئی پچھم۔ ایک بزرگوار نے میاں آزاد کو دیکھا تو تعجب ہوا کہ اجنبی اس وقت یہاں کیا کر رہا ہے۔

بزرگوار۔ کون آپ کون صاحب ہیں۔

آزاد۔ ہم کوئی ہیں آپ اپنی کہیئے۔

بزرگوار۔ اجی حضرت آپ تیکھے کیوں ہوئے جاتے ہیں میں سیدھی بات کرتا ہوں آپ ٹیڑھے ہوتے ہیں ابھی ارقنداز برقنداز دیکھ لے تو کوتوالی کا چبوترہ ہی دکھائے۔

آزاد۔ برقنداز کی ایک ہی کہی برقنداز دل سے تم ایسے قمار باز دل کو خوف ہے یا ہم کو۔ یہاں تھانہ دار کا خوف نہ کوتوال کا ڈر۔ ؎

تو پاک باش برادر مدار از کس باک	
زنند جامۂ ناپاک گازراں بر سنگ	

بزرگوار۔ (دل ہی دل میں) اچھے بدمعاش آدمی سے ڈبھیرو ہوئی ہاری اتنا ہو نہ جیتی۔ اپنی ہی سی کہے جاتا ہو (آزاد سے) یا حضرت اک ذرا سی بات کو آپنے کتنا طول دیا قسم لیجئے جو میں نے آپ کو چور بنایا ہو صرف اتنا پوچھا کہ حضور کہاں تشریف لیے جاتے ہیں۔ اے بس اتنی سی بات پر آپ بگڑ اٹھے لگے بے نقط سنانے۔

آزاد۔ خیر اگر بندے ہی کا قصور ہے تو معاف فرمایئے مگر خدا کے لیے اتنا تو ضرور بتایئے کہ اس ٹکڑی میں کون کون ذات شریف جمع تھے اتنا ہم پر احسان کیجئے۔

بزرگوار۔ ذات شریف! سبحان اللہ! خوب پہچانا۔ اے قبلہ یہ سب شریف زادے تھے۔ اہل قلم عالی خاندان معلیٰ دودمان لائق فائق۔ بذلہ سنج۔ خوش فکر۔ تربیت یافتہ۔ دن بھر اپنے اپنے کام میں رہتے ہیں۔ شام سے آدھی رات تک یہاں جمتے ہیں چوسر۔ شطرنج۔ گنجفہ۔ چہل۔ مذاق۔ لیاقت۔ یہی عیش زندگی ہے۔ ؎

بہار عمر ملاقات دوستداران ست	
چہ خط برد خضر از عمر جاوداں تنہا	

آزاد۔ کیوں حضرت بھلا کوئی اور شغل بھی رہتا ہے۔ یا چکما ہی اڑا کرتا ہے۔

بزرگوار۔ اور کیا چانڈو پیتیں سبزی اُڑاتیں۔ افیون گھولیں تاڑی منگائیں۔ دس پانچ ہم سن بیٹھے خوش گپی ہونے لگی۔ یاراں چوری نہ پیراں دغا بازی۔

آزاد۔ اجی خدا کی مار ایسے اشغال بیہودہ پر ہم حال ہی میں خوب غور سے تجویز کر چکے ہیں کہ گرمی۔ کہار۔ لہار۔ نیچ قوم دن بھر ہو پسینہ ایک کر کے شام کو خوش خوش گھر آتے ہیں اور اپنے اپنے مذاق کے موافق طرح طرح کے اشغال میں

مصروف رہتے ہیں۔ کوئی ڈفلی کوئی ہرنک بجاتا ہو۔ کوئی دن بھر کا تھکا ماندا مزے سے لیٹا ہوا کہانی کہکر اپنے عزیزوں کو خوش کرتا ہے لیکن واہ رے اہل قلم۔ واہ رے شریف زاد جب دیکھو بحث ہو رہا ہے ایک سو تین لا بوجھ کو جیبن روپے چار جا کے برات عاشقاں بر شاخ آہو۔ سات آٹھ نو۔ نو برابر سو پشت دکھا دو۔ وہ تاج۔ ا۔ کیوں سچ کہنا کس تماش کی بوجھ نکلتے ہیں آفتاب آیا ہے سورج کنڈھ میں۔ ابکی اللہ نے چاہا تو دو دستہ ہونا دری چڑھے تو پھر دل لگی دیکھئے۔ ہفتوں مہینوں برسوں پتوں ہی کی الٹ پھیر رہی۔ جب دیکھو ورق گردانی جیتے تو بشاش ورنہ پشیمانی۔ واہ ری نادانی۔ جیسوں دور ہو گئے مگر طبیعت سیر نہوئی۔ چوسر کی طرف جھک پڑے تو تڑاکا کر دیا۔ باز پر بازی سہ اور تیخ اور شش کے داؤں لگا رہے ہیں۔ آپس میں گتھم گتھا گلنپ مار دھاڑ لڑائی تکرار رنگ بدرنگ کے پھیر میں عمر گنوائی پانسے پھینکتے پھینکتے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے لاحول ولاقوۃ۔ لکھنا پڑھنا چھوڑا۔ احباب سے ملنا ترک کیا۔ خط کتابت سے ہاتھ دھویا۔ جو پیدا کیا وہ سب کھویا مطالعہ کتب کا شوق۔ نہ اخبار بینی کا ذوق۔ صبح چوسر۔ شام چوسر۔ ادھر چوسر۔ ادھر چوسر۔ الٰہی خیر اور لطف یہ کہ ہنکارنے کو موجود کہ ہم شریف ہیں تربیت یافتگی کا دم بھرتے ہیں ہمچو من دیگرے نیست اور افعال ایسے قبیحہ و ذمیمہ۔ اس سے تو کوری کہار ہی اچھے کہ اپنے پیشے اور اپنی تھوڑی سی عقل کے موافق دلبستگی کی صورت نکالتے ہیں مانا کہ انکے اشغال بھی تعریف کے لائق نہیں لیکن ایسا ہل مردوں کا پھریا اور ڈھہ کر کرتا کتنا نفرت انگیز فعل ہے گروہ منطقی فلسفی تو ہیں نہیں۔ تربیت یافتہ علم سے آشنا آپ تو دون کی لیتے ہیں اور باینہمہ لن ترانی وہی ڈھاک کے تین پات! وقت فرصت ہوا کھائیے۔ کتبخانہ جائیے جلسہ تہذیب جائیے۔ کتب مفید مطالعہ کیجئے۔ لکچر یا تصانیف لطیف کی فکر معقول فرمائیے تو ہم سمجھیں کہ تربیت یافتہ ہیں۔ یہ نہیں کہ جواریوں کی طرح تہذیب کی خواری کریں۔ بیکلو اور کھیل آلا اور تھیل سر اور اٹھارہ اور پانچ دو کے سوا اور کچھ نہ سیکھے اور ہر شب کو بدبدا گنجفے یا چوسر میں مغز ن کی۔

رنگِ سیار

میاں آزاد زلف پریشاں کی یاد میں رات بھر خواب پریشان دیکھا کیے۔ تڑکے خواب خرگوش سے بیدار ہوئے تو پھر سنیچر پانؤں پر سوار ہو گیا دوپہر تک بے آب و دانہ ہر دم خیال وصل جانانہ۔ دوپہر ڈھلے ایک قصبہ میں پہونچے۔ پیپل کے پیڑ کے سایہ میں بستر جمایا۔ سبزۂ بیگانہ کو اپنا مسکن بنایا۔ پیپل کے دھانی دھانی پتوں کی رنگت پر جو نظر پڑی تو سبزان رنگیں ادا کا حسن برشتہ یاد آیا۔ کلیجے پر سانپ لوٹنے لگے جھکے ماندے چلے آتے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھوکوں سے ذرا دل کو ڈھارس ہوئی پانؤں پھیلا کر لمبی تانی تو دنیا و مافیہا کی خبر نہیں۔ جب خوب نیند بھر سو چکے تو ایک مرد آدمی نے جگا دیا لا اللہ کہکر اٹھ بیٹھے وحشت کسی قدر دور ہو گئی تھی مگر پیاس کے مارے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ سامنے اندارے پر ایک گلبدن سیمتن عورت عجب نزاکت سے پانی بھر رہی تھی حضرت بھی پہونچے۔

آزاد۔ کیوں نیک بخت ہمیں اک ذرا سا پانی نہیں پلا تیں بھرنا دوبھر ہو تو لاؤ ہم بھریں۔ تم بھی پیو ہم بھی پییں۔ احسان ہوگا۔

سپہتن۔ جواب نزار دیتی ہوئی چتون سے بھرپور نظر ڈالی۔ مگر قہر کی بھری ہوئی۔

آزاد۔ سخی سے سوم بھلا جو ترنت دے جواب۔ ری بیوی پانی پلا دو یا ٹکا سا جواب دو۔ یہ قصبہ تو اپنے حق میں دشت کربلا ہو گیا ایک بوند پانی کو ترس ترس گئے۔ اب تو آب خنجر کی چاہ ہے ایک دفعہ دزدیدہ نگاہ سے پھر دیکھ لو تو پانی بھی نہ مانگوں۔

سپہتن۔ (دب تک نہ ہلے۔ سکوت مگر ایک ناز معشوقانہ سے طرف سیمین بھر کر پانی لے چلی)۔

آزاد۔ بھئی اچھا گاؤں ہے۔ جو بات ہے انوکھی جو ریت ہے نرالی ایک آبخورہ پانی نہ ملا واہ ری قسمت۔ لوگ تو اس بھادوں کی جلتی بلتی دھوپ میں پو سالے بٹھلاتے ہیں۔ کیوڑا پڑا ہوا آب سرد پلاتے ہیں یہاں کٹوروں کی جھنکار نہ (سبیل ہے تذرِ حسین) کی پکار

میاں آزاد کو حیرت تھی کہ یہ کمسن نازنین یہ مشک افشاں بال اور مستانہ چال یہاں ویرانے میں اسکا کیا کام سایے کی طرح ساتھ ہو لیے وہ کنکھیوں سے دیکھتی جاتی تھی مگر منہ نہیں لگاتی تھی۔ بارے سڑک سے دائیں ہاتھ پر ایک خوشنما پھاٹک کے قریب وہ گلفام سیم اندام ٹھہر گئی ظرف سیمین کو دوسرے ہاتھ میں لیا اور پیڑ کے سایہ میں بیٹھ کر سستانے لگی۔

آزاد۔ ہم بھی ہمراہ رکاب ہیں۔ ہم تاڑ گئے کہ نزاکت کے مارے یہ ہلکا پھلکا برتن ہی پہاڑ ہو گیا۔ اشارے کی دیر ہے۔ ذرا لب ہلاؤ تو ہاتھ بٹا لوں۔ قسم لو جو ایک قطرہ بھی پیوں۔ گو پیاس کی شدت سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ دم نکلا جاتا ہے اور چاہوں تو چھین لوں لیکن بھلا اول دکھانا منظور نہیں۔ اس میں چاہے جان پر بن آئے

افسوس یہ چہرۂ نورانی اور یہ نامہربانی۔!

اُس نازک اندام طاؤس زیب و عابد فریب نے پھر اُس برتن کو بڑی کوشش سے اُٹھایا اور پھاٹک کے اندر ہو رہی میاں آزاد نے ایک درد انگیز آواز سے حسب حال ایک شعر پڑھا اور چپکے چپکے خود بھی پھاٹک میں دبے پاؤں اس گلعذار کے پیچھے پیچھے گئے وہ رعنا شمائل ایک کھلے ہوئے چھوٹے سے بنگلے میں جا بیٹھی میاں آزاد ایک روش میں دبک رہے گو شیطان ورغلاتا تھا کہ چلکر زلف چلیپا کی بلائیں لیں مگر ڈر تھا کہ کہیں یہ کالی ناگنی ڈس نہ جائے اور تہذیب بھی مانع تھی جی بھر بھر آتا تھا مگر قدم آگے نہیں بڑھتا تھا۔ ؎

	تنگ آیا ہوں نہایت خاطر مشتاق سے	
	ہر گھڑی کہتی تھی چل ہر وقت سمجھاتی تھی ہاں	

اب اس فرح بخش و دلکش مقام فرحت التیام کا ذکر سنئے جو طرفہ کہانی کھدی ہوئی آٹھ آٹھ گز گہری سرپٹ اردگرد بنی ہوئی ایسی تھی کہ چڑیا تک کا گذر نہ ہو سکے اور وہ تیز کہ تلوار گردہ۔ بڑا عالیشان محراب دار پھاٹک لگا ہوا ہے وہ جوہر دار شیشم کی لکڑی کہ بابد و شاید کیاریاں روز نیچی جاتی تھیں۔ روشوں پر سرخی کٹی تھی اشجار پر بہار گویا آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ کہیں انار کی قطار۔ کہیں لکھوٹ کی بہار۔ ادھر انبہ لذیذ و شیریں اُدھر امرود علولے بے دود۔ چکوتروں اور حتابیوں سے ٹہنیاں جھکی پڑتی تھیں۔ نارنگی اور میٹھے شاخوں پر لدے تھے۔ پھولوں کی بوباس۔ کہیں گل مہندی۔ کہیں گل عباس نواڑی پھولی ہوئی چو طرفہ عالم نور ہے۔ ہر سمت لطف موزوں ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا۔ اودی اودی گھٹا۔ کلیوں کی چٹک جوہی کی بھینی مہک۔ کلغے کی دہک کنیل کی دمک وسط باغ میں ایک تین فٹ کا اونچا پکا مربع چبوترہ بنا ہے اور ایک کونے میں چھوٹا سا خوشنما بنگلہ ہے۔ اعلیٰ بنگلہ و ایک صاف ستھری

کوٹھریاں۔ یہ تو سب کچھ ہے مگر مکین کا پتہ نہیں اس سیمتن کی چال ڈھال اور طرز نشست سے اجنبیت برستی تھی۔ حیرت تھی کہ اس باغ لطافت بار کے مکین سلیقہ شعار کہاں چھپ رہے۔ ؎

باغ ہے پر عجب ہے یہ روداد
نہ کہیں آدمی نہ آدم زاد

گل ہیں سب اپنی اپنی جوبن پر
ہے عجب لطف پر شگوفہ و گل

بوئے گل ہے صبا کے توسن پر
کہیں شبّو کھلی کہیں سنبل

اُنھوں نے دیکھا کہ وہ بت طناز سرمایۂ ناز ظرف سیمیں زمین پر پٹک کر ایک نواڑ کی نازک پلنگڑی پر سو رہی۔ اب تو ان کو خوب ہی موقع ملا اُٹھے اور میوۂ تر جس قدر جی چاہا خوب چھک کر کھائے اور اس ظرف سیمیں کو مُنھ سے لگایا تو ایک ایک قطرہ پی گئے اتنے میں پانوں کی آہٹ سنائی دی۔ میاں آزاد جھٹ انگور کی ٹٹی میں چھپ رہے مگر تاک لگائے بیٹھے ہیں کہ دیکھیں ہے کون۔ دیکھا تو پھاٹک کی جانب سے کوئی آہستہ آہستہ آرہا ہے قریب آیا تو اُنھوں نے بغور نظر ڈالی۔ ایک کشیدہ قامت لحیم شحیم ڈنڈپیل جٹ لنگوٹ باندھے اکڑتا اینڈتا اُس بنگلہ کی طرف جاتا ہے سمجھے کہ کوئی پہلوان کشتی گیر اپنے اکھاڑے سے واپس آتا ہے۔ قریب آیا تو یہ گمان دور ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ کوئی شاہ جی ہیں وہ جٹ لنگوٹ جس سے پہلوان کا دھوکا ہوتا تھا۔ تہبند نکلا۔ شاہ صاحب سیدھے بنگلے میں داخل ہوئے سیمتن کو پلنگڑی پر سوتا پایا ایک دفعہ ہی پلنگڑی پر ہاتھ مار کر چلا اُٹھے دا اُٹھو حکم معبود ادہ زن رعنا خصائل گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔ اُٹھتے ہی قدم لیے شاہ جی نے فرط شفقت سے اُسکی جبین نورانی اور چین پیشانی پر بوسہ دیا اور ایک تپائی پر بیٹھ کر یوں تقریر کرنے لگے۔

شاہ جی۔ بیٹی آج تمکو ہمارے سبب سے بہت راہ دیکھنی پڑی ایک گانوں میں یہاں سے دس کوس پر ایک راجہ ہےاسکی عمر اسّی برس کا ہو گیا اللہ نے اُسے لڑکا دیا نہ لڑکی۔ ایک دن مجھے بلوا بھیجا میں کہیں کو جاتا آتا تو ہوں نہیں۔ وہ رانی کو لیکر آپ آیا قدموں پر گر پڑا۔ میں نے رانی کے سر پر ایک گلاب کا پھول بن سونگھا دے مارا پانچویں ہی مہینے اللہ نے لڑکا دیا راجہ میرے پاس دوڑا آتا تھا کہ میں راہ میں ملا۔ دیکھتے ہی مجھے رتھ پر بٹھا لیا۔ کہتا ہے روپیہ لو جاگیر لو۔ گانوں لو۔ ہاتھی گھوڑے لو۔ مگر میں کب مانتا ہوں۔ اس وقت بیچاپ چھوٹا تم پانی لائی ہوگی تو میں پھونک دونگا۔ جس میں تم نامحروم نہ رہو۔

سیمتن۔ میں آپکی لونڈی ہوں یہی کیا کم ہے کہ آپکی زیارت نصیب ہوئی پانی وہ رکھا ہے آپ پھونک ڈالدیں تو میں رخصت ہوں یہ کہکر سیمتن اُٹھی دیکھا تو ظرف موجود مگر پانی ندارد وایں یہ پانی کیا ہوا۔ زمین کھا گئی آسمان کھا گیا۔ ابھی پانی رکھا دیکھتے ہی دیکھتے اُڑ گیا۔ ہی ہی شاہ صاحب آپکے پاس میں جھوٹی بنی۔ میری بڑی کرکری ہوئی زمین پھٹ جائے تو میں دھنس جاؤں۔ اے لو غضب خدا کا ایک بوند تک نہیں اللہ جانتا ہے لبالب بھرا ہوا تھا۔

شاہ جی۔ تباہی دوں۔ اچھا۔ اب بیچین نہو۔ نمجھے اشراق سے معلوم ہو گیا کہ تم آتی ہو جب تم سو رہیں۔ تو میں نے آنکھ بند کی اور یہاں پہونچ گیا پانی پیا پھر آنکھ بند کی اور راجہ کے پاس ہو رہا پھونک ڈالنے کی ساعت اُسی وقت تھی ٹل جاتی تو پھر ایک مہینے پر بات جاتی۔ اب تم یہ الائچی اور کل آدھی رات کو

کسی مرگھٹ میں دفنا دو بس مطلب حاصل ہو جائیگا۔

سیٹھن نے الائچی لی اور اسی دم واپس گئی۔ میاں آزاد چپکے چپکے یہ سن رہے تھے اب انھیں خوب ہی معلوم ہو گیا کہ شاہ جی رنگے سیار ہیں۔ آفتابے کا پانی تو انھوں نے پی لیا تھا اور شاہ صاحب نے فرمایا یہ تھی کہ آنکھ بند کرتے ہی یہاں آئے اور پانی پی کر پھر کسی ترکیب سے چل دیئے۔ یہ سن کر آزاد خوب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ شاہ جی کی باتوں سے انکے دل پر نقش ہو گیا کہ بڑے ہی ذات شریف ہیں۔ اتنا بڑا جھوٹا دیکھا نہ سنا۔ ایسے بڑے ولی اللہ ہو گئے کہ انکی دعا سے ایک رانی پانچویں مہینے بچہ جنی پڑی اس کذب پر خدا کی سنوار۔ جھوٹ کہیں تو کتنا اور علم اشراق میں بھی حضور کو بڑا دخل ہے۔ چشم بد دور حق تو یوں ہے کہ جھوٹوں کے سردار ہیں گرگے بڑھالیے۔ تہ بند باندھ کر شاہ جی بن گئے لگے جھپنے کوئی بیٹا مانگتا ہے۔ کوئی تعویذ کا خواستگار ہے کوئی کہتا ہے کہ میرا مقدمہ جیتوا دو تو حق خدمت بجا لاؤں۔ کوئی کہتا ہے کہ فلاں عہدہ دلوا دیجئے تو مٹھائی کھلاؤں۔ اتفاق وقت سے مطلب بر آیا تو شاہ صاحب کی چاندی ہے ورنہ مجال کس کی کہ شکایت کا لفظ زبان تک لائے ڈر ہے کہ کہیں زبان نہ سڑ جائے اللہ ری دھاک۔ بہت سے دشمن عقل ان بنے ہوئے فقیروں کے دام تزویر میں پھنس جاتے ہیں۔ بعض بعض تو معاذ اللہ انھیں دوسرا خدا سمجھتے ہیں خدا ایسے خیالات مزخرف سے بچائے۔ میاں آزاد اس درویش معمر کی گفتگو سے سمجھ گئے تھے کہ پڑھے لکھے خاک بھی نہیں ہیں ورنہ (بیسبب) اور (نامحرم) نہ کہتے۔ بھلا ان پڑھ کندۂ ناتراش بھی کہیں مسلک خداشناسی کے سالک ہو سکتے ہیں۔ اور غیب کی بات تو جناب باری عزاسمہ کے سوا اور کوئی جانتا ہی نہیں۔ یہ شاہ جی بیچارے کیا کھا کر بتا سکیں گے۔ یہ سب باتیں ہیں ضعیف الاعتقاد آدمی ایسے جاہل مکاروں کے ہتھکنڈوں میں آئیں تو آئیں۔ ہم بھلا کب پھنسنے والے ہیں۔ لے توبہ یہاں طفلی ہی سے فقیروں کے قائل نہ ہوئے اور ان شاہ جی نے تو کذب کے پل باندھ دیئے۔ وہ بیچاری عورت ناقص العقل دنیا کے حالات سے واقف نہیں جسکا جی چاہا بہکا دیا ہم ایسوں کو شاہ جی چکما دیں تو ٹانگ کی راہ نکل جاؤں۔

میاں آزاد کی کارستانی اور شاہ جی کی پریشانی

ہم سے کھلیو بوقت مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذر مستی ایک دن

میاں آزاد ایسے بنے ہوئے سدھاؤ رنگے سیار فقیروں کی خبر سے واقف تھے فوراً تاڑ گئے کہ شاہ صاحب ایک ہی مرشد بڑے ہی رنگ باز ہیں۔ خرقۂ سالوس در بر اور عمامۂ زور بر سر گو کھول کو پھانس پھونس کر ہنڈیا چڑھاتے ہیں اور بیوقوفوں کو اور بھی الو بناتے ہیں۔ ان پڑھ گنوار چنگ پر چڑھ جاتے ہیں سوچے کہ شاہ جی کی قرار واقعی مرمت کرنی چاہئے اتنے میں شاہ صاحب نے ایک صاف شفاف چبوترے پر لنگی بچھائی اور اسپر دراز ہو کر مناجات پڑھنے لگے۔ مگر پڑھے لکھے تو تھے ہی نہیں صرف حافظے پر دارومدار تھا۔ شین قاف تک درست نہیں شاعری کا خوب دل کھول کر خون کیا اور اناپ شناپ بکنے لگے۔

خدایا جہاں پادشاہی تراست	ثنا خود بآ دانی تراست
جہاں آفریدی بالا و پست	توئی آفریندہ والا و گشت
ستوئی کاسماں راز میں ساختی	زمیں را زمان و زمیں ساختی
تیائی زما جو بس بجز کردنی	دگر خضبی بار آپے خوردنی
دکانست بافر فرخندگی	خداوند ما از تو بندگی

شاہ جی بڑے سوز وگداز سے لہرا لہرا کر حضرت نظامی گنجوی علیہ الرحمۃ والغفران کے کلام معجز نظام کا خون اپنی گردن پر لے رہے تھے کہ میاں آزاد سے نہ رہا گیا ایک دفعہ ہی بول اُٹھے کہ (یا وحشت نہ برا ہی آہستہ گوی) اب تو شاہ جی چکر میں آئے۔ یہ آوازہ کس نے کسا۔ یہ حریف کون پیدا ہوئے۔ یہ پھبتی کس نے کہی ادھر اُدھر دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھا مگر آدم نہ آدم زاد۔ انسان نہ انسان کا سایہ۔ یا الٰہی یہ کون بولا۔ یا خدا یہ کس نے ٹوکا سمجھے کہ یہ آسمانی ڈھیلا ہے۔ خدا گھڑی گھڑی کو بچائے۔ ڈرپوک ضعیف الاعتقاد تو تھے ہی ڈرے کہ کوئی بلائے ناگہانی یا آفت آسمانی ہے۔ رونگٹے کھڑے ہو گئے بدن تھرتھرانے لگا ہاتھ پاؤں پھول گئے کشف وکمال سب بھول گئے حواس بلا اجازت سیالکوٹ پر ہو لیے۔ ہوش قلابازی کھانے لگے دفع بلا کی آیتیں پڑھنا شروع کیں آخر میں بآواز بلند چلا اُٹھے کہ (یا مظہر العجائب) ادھر یہ بول اُٹھے دنگی مع شاہ جی غائب) اب شاہ جی کی گھبراہٹ کا حال نہ پوچھئے کچھ چہرے پر مردنی چھا گئی۔ ۶ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں نہ دم بخود۔ میاں آزاد نے بھانپ لیا کہ شاہ صاحب پر رعب چھا گیا جھٹ نکل کر تیوں کو خوب پاؤں سے کھڑ کھڑ کر بابا شاہ جی کانپ اُٹھے کہ پریتوں کا لشکر آن کھڑا ہوا اب گئے ہی گذرے آزاد نے لحن داؤدی خاص اہل عجم کے لہجے میں ایک غزل پڑھی۔ گو شاہ جی الف کے نام بے بھی نہیں جانتے تھے مگر رات خوب ہی بھیگی تھی اور چاندنی نکھری تھی۔ ہوائے سرد پھولوں کی بو باس کو منتشر کر رہی تھی۔ آزاد نے ایسی سریلی آواز سے اُس حقانی غزل کو گایا کہ کندۂ ناتراش تک کو وجد آیا۔ شاہ جی مست ہو گئے سمجھے کہ کوئی درویش باکمال آ نکلے۔ اب تو جان میں جان آئی۔ میاں آزاد کے قدم لیے انھوں نے بیٹھ کھڑکی۔ شاہ جی اُس وقت دو آتشہ شراب اُڑائے ہوئے تھے۔ نشہ کی ترنگ میں خیال بندھ گیا کہ کوئی آسمان سے اترا ہے۔

آزاد گیتی داز کجائی و بامنت چہ کار ست۔ سکوت تا کے ما اسمک انت شیخ ادیبد۔

بلغنا المراد ونال العناد لک الحمد والشکر یا ربنا۔ اللہ بس باقی ہوس۔ شاہ جی کے رہے سہے حواس اور بھی غائب ہو گئے زبان سمجھ میں نہ آئی سمجھے کہ بیشک فرشتہ آسمان ہے۔ ہماری روح کو قبض کرنے کو نازل ہوا ہے دانتوں فرماتے کیا ہیں کہ میں علم سے نامحروم ہوں گا۔ سمجھتا نہیں ہوں گا کہ آپ اسوقت کیا حکم دیتے ہیں ہم نے بہت گناہ کیے اب ماف (معاف) فرمائے کچھ دن اور جینے دو تو توبہ کروں یہ ٹھگ بدیا چھوڑ دوں میں سمجھ گیا تھا کہ آپ فرشتے ہو روح قبض کرنے آئے ہو۔

آزاد۔ یہ پیرانہ سالی اور یہ بداعمالی۔ یہ سن وسال اور یہ چال ڈھال یاد رکھ کہ قعر جہنم میں پڑے گا اور نار دوزخ میں جلایا جائیگا سن فرشتہ آسمانی نہ ملک روحانی ہیں حکیم بلنیاس کی روح پاک عالم ہوں حکیم ہوں خدا ترس ہوں رحیم ہوں ملکوتی صفات ہوں صاحب طلسمات و نیرنجات ہوں۔ شجاعت میں رستم سیستانی حکمت میں ارسطوئے ثانی۔ مصوری میں رشک بہزاد و مانی۔ سکندر نامہ میں نظامی نے یہ شعر میری ہی شان میں کہا ہے۔ ؎

بلیناس فرزانہ را پیش خواند
بنزدیک جام جہان بیں نشاند

میری تعریف و توصیف میں بڑے بڑے شعرائے بلند پایہ و سخنوران گرانمایہ رطب اللسان ہیں۔ میرا مزار اسی جگہ پر تھا جہاں تیرا چبوترہ ہے اور جہاں تو ناپاک رہتا ہے اور شراب پیتا ہے

خیر۔ تیری ناواقفیت کے سبب سے تجھے میں نے چھوڑ دیا لیکن اب آپ نے یہ نیا ہتھکنڈا سیکھا کہ اس زن جادو جمال زہرہ تمثال کو پھانسا اور اس سے کچھ اینٹھا چاہتے تھے وہ اُس زمانہ میں میری منکوحہ اور مطبوعہ بیوی تھی سلے اب یہ ہتھکنڈے چھوڑ دو کر دریا سے مُنھ موڑو ورنہ تم ہو اور ہم۔ ابھی ابھی ٹھیک بناؤں گا اور ناچ نچاؤں گا۔ غرض اسی میں ہے کہ اپنا کل حال پوست کندہ راست براست بے کم و کاست کہہ چلو نہیں خود ہی بھگتوگے میرا کچھ نہ جائے گا شاہ جی نے شراب کی ترنگ میں مارے ڈر کے اپنی بپتی مِن و عن کہہ سنائی جسکو ہم اپنی زبان میں ادا کرتے ہیں ذرا کان دھر کر سنئے۔

شاہ جی۔ چودہ برس کے سن سے مجھے چوری کی لت پڑی وہ مشاقی بہم پہونچائی کہ آنکھ چوکی اور گٹھری اُڑائی غافل ہوا اور ٹوپی کھسکائی۔ پہلے کچھ دن تو لٹیا چور رہے۔ مگر یہ ترقی بڑیا ہے چند ہی روز میں چوروں کے ولی کنگر ہو گئے سیند لگانا کوئی ہم سے سیکھے۔ کمند پر چڑھنا کوئی ہم سے سیکھے۔ چھت کی کڑیوں میں یوں چپٹ رہوں جیسے چھپکلی۔ اُچک بھاند میں بندر میرے مقابلے میں گرد ہیں۔ دبے پاؤں کوسوں نکل جاؤں ممکن کیا کسی کو آہٹ معلوم ہو۔ شہر بھر کے بدمعاش اوباش لُچّے شہدے۔ گرگے ہماری ٹکڑی میں شامل ہوئے بڑے بڑے مہاجن ساہوکار جھک کر سلام کرنے لگے جس نے ہیکڑی کی لی۔ اُسکو نیچا دکھا دیا جو ٹیڑھا ہوا اسکو سیدھا بنا دیا خوب چوریاں کرنے لگے۔ آج اسکا مال مارا۔ کل اُسکی چھت کاٹی۔ پرسوں کسی نواب کے گھر میں سیند دی۔ رفتہ رفتہ ڈاکے مارنے لگے۔ سڑکوں پر لوٹ مار شروع کر دی تھا نگ میں دنیا بھر کے بھگڑے جمع ہیں۔ ایک طرف یاران سر پل چانڈو اُڑا رہے ہیں دوسری طرف چرس کے دم لگا رہے ہیں۔ گانجا بھنگ ٹھرّے سب کا شغل ہوتا ہے اور کہیں شراب کی بوتلیں چنی ہوئی ہیں۔ گنڈیریوں کے انبار لگے ہیں مکھیاں بھن بھن کرتی ہیں۔ سب کو یہی فکر ہے کہ کسی کا مال تاکیں کوئی زردار کورا نہ بچ نکلے داغی ضرور ہو ایک دن شامت اعمال سے ایک نواب صاحب ذی مقدرت کے یہاں چوری کرنے کا شوق چرّایا۔ اُن کے خدمت گار کو بلایا۔ ماما چھو چھو کو کچھ چٹایا۔ ایک بجے کے وقت گھر سے نکلے۔ اسی محلے میں ایک مہینے قبل مکان کرایہ پر لیا۔ اسی مکان میں بیٹھے نواب کا ایوان عالیشان کوئی پچاس ہی قدم کے فاصلے پر ہو گا مین آدمی دس قدم پر اور پانچ بیس قدم پر کھڑے ہوئے۔ ہم اور خدمتگار اور ایک چور ساتھ چلے کہ گھر میں دھنس پڑیں۔ قریب گئے تو ڈیوڑھی پر چوکیدار نے پکارا۔ کون۔ سن سے جان نکل گئی عمر بھر میں یہی خطا ہوئی کہ چوکیدار کو پہلے سے نہ ملا لیا۔ اب کیا کریں۔ مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلہ خود باید زد۔ قہر درویش بر جان درویش۔ پھر چوکیدار نے للکارا کون آتا ہے ہم نے کہا ہم ہیں بھئی (چوکیدار) ہم کی ایک ہی کہی ہم کا کچھ نام بھی ہے آخر کار ہم نے چوکیدار کو اُسی دم کچھ چٹا کر سیند دی گھر میں گھسے تو دیکھتے کیا ہیں کہ نواب صاحب پلنگ پر سوتے ہیں اور اُنکی بیگم دوسرے پلنگ پر خواب ناز میں ہیں۔ مگر شمع روشن ہے اپنے ساتھی سے اشارہ کیا کہ شمع کو گل کر دے اتفاق وقت سے وہ ایسا گھبرایا کہ بڑے زور سے پھونک ماری۔ میں نے کہا خدا ہی خیر کرے ایسا نہ ہو کہ نواب جاگ اُٹھیں۔ تو لینے کے دینے پڑیں۔ آگے بڑھ کے میں نے بتی کو تیل میں کھسکا دیا۔ چلیے چراغ گل پگڑی غائب

بیگم صاحب کے سرہانے زیور کا صندوق رکھا تھا۔ گر آڑ میں ہم تو ماما کی زبانی کچا چٹھا سن چکے تھے۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے تو ڑا صندوق اُٹھا اور دوسرے ساتھی کو دیا کہ باہر پہونچا دے کچھ ایسا گھبرایا کہ مارے بوکھلاہٹ کے کانپنے لگا اور ایکدفعہ ہی ارارا کر دھم۔ دھلکے کی آواز سنتے ہی نواب چونک پڑے شیر بچہ سرہانے سے اُٹھا پلنگ سے اُٹھ پیترے بدل بدل کر پھکیتی کے ہاتھ دکھانے لگے میں نے ایک چاکی کا ہاتھ دیا اور جھٹ کمرے سے نکل دیوار پر چڑھ پچھواڑے کود ا اور چور چور پکارتا ہوا ناکے باہر وہ دونوں سر پر جیسے نوسکھیئے تھے دھر لیے گئے۔ مگر واہ رے نواب واللہ جری آدمی ہے دونوں کو گھیر لیا وہ تو جیلخانہ گئے۔ بندہ نلوہ بچا۔ اب ہم نے یہ پیشہ چھوڑا اور سفاکی پر کمر باندھی۔ ایک مہینے میں کئی خون کیے۔ پہلے ایک سوداگر کو گھر میں گھس کر چارپائی پر ڈھیر کر دیا۔ اور جمع جتھا ہمارے باپ کی ہو گئی۔ پھر ریل پر ایک مالدار جوہری کا گلا گھونٹ ڈالا اور جواہرات صاف اُڑا لیے تیسری دفعہ دو بنجارے سرائے میں اُترے تھے ہمیں خبر ملی کہ انکے پاس سونے کی اینٹیں ہیں اُنکو سرا ہی میں اٹنا غفیل کرنا چاہا بھٹیارن نے ہمیں دیکھ لیا۔ غل مچا یا پکڑے گئے چالان ہوا مجسٹریٹ نے قید خانہ دکھایا۔ وہاں آٹھ دن رہے تھے کہ نویں دن آزادی یاد آئی۔ رات کو موقع پاکر کال کوٹھری کا دروازہ توڑا ایک کنجی بردار کا سر اینٹ سے پھوڑا۔ پہرے کے کانسٹبل کو اُسی بندوق سے شہید کیا۔ صاف نکل بھاگے اب ہم سوچے کہ کوئی نیا پیشہ اختیار کریں۔ اس گانوں میں آئے تو عجب ہتھکنڈے سے درویش باکمال بن بیٹھے۔ فقیروں کا بھیس بدلکر ایک پیڑ کے نیچے بستر جما دیا بکنے لگے ایکدن اس گانوں کے ٹھاکر کا لڑکا بیمار ہوا۔ یہاں طبیب ڈاکٹر کسی نے کہہ دیا کہ ایک ولی اللہ پیڑ کے نیچے بیٹھے یاد خدا کیا کرتے ہیں چہرے سے نور برستا ہے کسی سے لیتے ہیں نہ دیتے ہیں ٹھاکر نے سنتے ہی اپنے بھائی کو بھیجا ہم ساتھ گئے۔ چہرہ بشاش کہ آج پالا ہمارے ہاتھ رہا تو عمر بھر چین سے گذرے گی ہمارا پہونچنا تھا کہ سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم کسی سے بولے نہ چالے (قدم درویشاں رد بلا) بہ آواز بلند کہکر لڑکے کے پاس بیٹھ گئے اور کچھ بڑبڑا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ دیکھا کہ لڑکے کا برا حال ہے بچنا محال ہے ٹھاکر قدموں پر گر پڑا ہم نے بیٹھ ٹھو کی اور لمبے لمبے ڈگ بڑھائے چلدئے۔ اُس دن اتفاق سے ایک یورپین ڈاکٹر دورہ کرتے ہوے اُس گانوں میں آئے۔ اور اُنکے معالجے سے مریض چنگا ہو گیا اب لطف دیکھیے کہ ڈاکٹر کا تو کوئی نام بھی نہیں لیتا سب ہماری تعریف کرتے ہیں۔ کوئی عیسیٰ بناتا ہے کوئی خدا سیدہ کہتا ہے ٹھاکر نے ہمیں ایک ہاتھی اور ہزار روپیہ دیا۔ وہ ہم نے قبول نہ کیا سبحان اللہ پھر تو ہوا بندھ گئی اب چوطرفہ ہم ہی ہم ہیں کوئی بیمار ہو تو ہم پوچھے جائیں۔ کوئی مرے تو ہم بلائے جائیں میاں بیوی کی شکر رنجی میں ہم قاضی بنتے ہیں۔ باپ بیٹے کا جھگڑا ہم فیصل کرتے ہیں صبح سے شام تک ڈالیوں پر ڈالیاں اور نعمتوں پر نعمتیں ہمارے سامنے چنی رہتی ہیں۔ عورت مرد غریب امیر برنا پیر سب زیارت کو آتے ہیں۔ ہمارے آزاد منش بیباک روش پاکیزہ مشرب عالی گوہر فرخندہ اختر مغزز ممدوح میاں آزاد اب حکیم بلیناس فرزانہ کی روح بن بیٹھے۔ بھئی کیا کیا فقرے یاد ہیں۔ اچھا روپ بدلا۔ شاہ جی کو وہ

گیدڑ بھبکی بتائی کہ آئے حواس غائب ہو گئے۔ شراب کے نشہ نے سمند وحشت پر ایک اور کوڑا جمایا کر وندور کا سارا حال مو بمو کہہ سنایا۔ واللہ اچھا سہل نسخہ ہاتھ آیا۔ شاہ صاحب کی قلعی کھل گئی۔ سچ ہے ہر فرعونے راموسیٰ گانوں بھر چرکھایا تھا خوب دام تزویر پھیلایا تھا۔ اب پھنسے بچا میاں آزاد نے جب دیکھا کہ مارے بوکھلاہٹ کے انکی جان پر بن آئی ہے تو تشفی دی اور یوں سمجھایا۔ سنو شاہ جی سمک سے سما اور ثری سے ثریا تک اپنا راج ہے لیکن ہماری بیعت لاؤ ہمیں اپنا پیر بناؤ تو چھوڑ دیں اسوقت تو مرنے سے پانوں پھیلا کر سو رہو کل تڑکے گجر دم گانوں بھر میں غلغلہ ڈال دو کہ ہمارے پیر مقدس نے قدم رنجہ فرمایا ہے۔ مگر ہمارا سن دو سو گیارہ برس کا بتانا اور سب سے کہنا کہ ابھی نام خدا سبزہ آغاز ہے اور جوان لطنا نہ ہی معلوم ہوتے ہیں۔ شاہ جی کی باچھیں کھل گئیں کہ چلو کسی طرح جان تو بچی نور کے تڑکے تمام گانوں میں اس سرے سے اُس سرے تک پکار آئے۔ کہ ہمارے پیر مقدس آتے ہیں جسے دیکھنا ہو دیکھ لے۔ شاہ جی کی تو وہاں دھاک بندھی ہی تھی جب لوگوں نے سنا کہ ان کے بھی دلی کنگر آئے ہیں تو شوق چرایا کہ زیارت کو چلیں دو دن اور دو رات میاں آزاد نے کسی کو رُخ تاباں نہ دکھایا۔ تیسرے دن فقیرانہ لباس پہن کر ہرے ہرے پیڑوں کے ٹھنڈے ٹھنڈے سایہ میں آن بیٹھے میاں آزاد گلفام و نازک اندام حسین و مہ جبین تو تھے ہی شجرفی تہ بند اور پیرہن نے آتش حسن کو اور بھی بھڑکا یا دیکھتے کیا ہیں کہ پو پھٹتے ہی زن و مرد۔ غریب و امیر برنا و پیر زیارت کو آرہے ہیں ٹھٹ کے ٹھٹ جمع۔ ہندو اور مسلمان کی عورات جوان کو دیکھ کر انکی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔ جوان کمسن جادو جمال زہرہ تمثال۔ شوخ و شنگ خوش انداز سراپا ناز زیور سے مزین لباس گراں بہا سے شین چھما چھم کرتی چلی آتی ہیں دس دس کوس سے فینسوں پر سوار بصد شوق زیارت کو آئی ہیں نمکین طرحدار مہریاں ساتھ بانکی ادا سے فینس کے کونے پر ہاتھ۔ کوئی بڑے ٹھسے سے ڈولی پر کوئی پیادہ پا غنچہ کھلا ہوا ہے۔ میاں آزاد نے دل ہی دل میں انکے ورثا کو خوب صلواتیں سنائیں کہ فقیر اور باکمال کا نام سنتے ہی کیا جھٹ سے بھیج دیا۔ خدا کی مار۔ انکو اتنی عقل بھی نہیں ہے کہ ذرا دل میں سوچیں کہ ہم بھیجتے کہاں ہیں الٰہی توبہ۔ الٰہی توبہ میاں آزاد نے نہایت جوش وخروش اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ اشعار اور آیات پڑھنا شروع کیں اور خوب ہی بنے۔ بھئی واللہ کیا بھیڑیا دھسان خلقت ہے جس نے گیرُوے رنگ لیے وہی خدا رسیدہ بن بیٹھا۔ دنیا بھر کے بفکرے فقیر کے لباس میں مال مارتے ہیں۔ اور اکثر تربیت یافتہ ثقات مُسن تک ان کے باکمال ہونے پر گنگا اور قرآن اُٹھاتے ہیں کوئی ذی عقل سمجھائے تو الٹی آنتیں گلے پڑیں۔ ۵

خیانت سے سکا دُے دغا سے
خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے

صحبت رندان مے آشام و مہوشان نازک اندام

گھٹا کالی کالی دھنک لال لال — کنہیا کے ابرو یہ جیسے گلال
گھٹا اور بجلی میں ہے آج چوٹ — ہے آبی دوپٹے میں پلکے کی گوٹ
گلستان عالم میں چھائی گھٹا — وہ آئی وہ آئی وہ آئی گھٹا
سیہ ابر مغرب سے ایسا اُٹھا — میں سمجھا کہ کعبہ کا پردا اُٹھا

آزاد خانہ برباد مستانہ وار جھومتے چلے جاتے تھے کہ ایک گھر سے آواز آئی داتنی ارج موری مان لا ہو ہو ہو تھوڑی

تھوڑی پھوہار سبزۂ نو دمیدہ کی بہار۔ تھمی تھمی بوندیں۔ ابر طرب خیز نسیم سحری۔ مشک بیز۔ تڑکے کا وقت اس صدائے خوش آہنگ کے سنتے ہی میاں آزاد نے اسی جگہ ایک کیاری میں بستر جمایا پھر آواز آئی (پیا پیارے اتنی ارج موری مان) اہو ہو ہو واہ استادتم تو اپنے وقت کے میاں شوری نکلے۔ کیا تان سین کی قبر کے پیڑ میں ایک پتی بھی باقی نہ رکھی جڑ سے پھنگی تک سب چٹ کر گئے۔ ہاں ذرا اونچے سروں میں۔ چھڑے چھڑے دستیاں پیارے اتنی ارج موری مان) اتنے میں اُس کمرے سے قہقہے کی آواز آئی۔ اور دس پانچ آدمیوں نے گردن نکال کر میاں آزاد کو دیکھا کہ ایک تھالے میں دو زانو بیٹھے موجیں لے رہے ہیں۔

ایک حضرت یہ خانۂ بے تکلف ہے بسم اللہ تشریف لائیے۔

میاں آزاد نے آؤ دیکھا نہ تاؤ دن سے کمرے میں داخل۔

السلام علیکم۔

دوسرا۔ وعلیکم السلام۔

تیسرا۔ سے

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُنکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

چوتھا۔ بندہ نواز۔ ادھر تشریف رکھیے آپ تو کانٹوں میں گھسیٹتے ہیں۔ ع۔ صدر ہر جا کہ نشیند صدر ست۔

پانچواں۔ گستاخی معاف۔ آپ کس طریقت میں ہیں۔

آزاد۔ سے

از مذہبم مپرس نہ مومن نہ کافرم
من رسم ایں دیار ندانم مسافرم

چھٹا۔ کبھی جام بھی دیکھا ہے۔

آزاد۔ اے حضرت یہ نہ پوچھیے۔ صبح ازرق ہو اور جام مروق ہو۔ شراب شیراز ہو تو عمر دراز ہو۔ سے

گویند بہشت و حور و کوثر باشد
وانجا مے ناب و شہد و شکر باشد
پر کن قدح بادہ کہ معلوم نیست
نقدی ز ہزار نسیہ بہتر باشد

شراب ایک ہو کوثر کی ہو کہ لندن کی
اک اپنے واسطے زاہد حلال کرتے ہیں

گر بندہ محروم ہے۔ اب اُس جلسۂ احباب اولو الالباب بادہ خوار وے گسار بلاکش ساغر نوش سرخوش و مدہوش جفاکش ولرش کی چہل پہل کا حال عبرت مآل بگوش ہوش سنیے۔ فراخ و وسیع میدان میں ایک ایوان سپہر نوا ہے۔ چو طرفہ سبزہ دمیدہ کی لہک اور گلہائے مشک بیز کی مہک۔ بقول عنایت اللہ خرد آگاہ نمک ریزی سبزان بہار و زاشگری مرغان چمن زار و مستانہ روئے آب رود بار و قہقہہ تدروان خوش رفتار و پائے کوبی غزالان مناسم و خنیاگری طاؤسان مرصع دم۔ غرضکہ عجب لطف بہار ہے۔ سبزہ در بار چمن کا جو بدار ہے۔ بستی کے باہر گومتی کے پیٹے پر باغ ہے جسکے ہر چہار سمت جنگل اور راغ ہے۔ ایوان عالیشان کے بیچوں بیچ ایک سجے سجائے کمرے میں بزم طرب آراستہ اور محفل سرور پیراستہ ہے۔ چاندنی وہ صاف بچھی ہے کہ چاندنی بھی شرمائے۔ اور اُدھر مے کی گلابیاں چنی ہوئی ہیں صراحی گردن کشی کر رہی ہے۔ لعل آتشیں خوان جواہر ترصیع کے جام منتظر ہیں کہ لب سے لے۔ ہمارے یار طرحدار میاں آزاد نے کہا کہ حضرت ہم غریب الوطن آدمی ہیں۔ ہمیں شرکائے جلسہ کی مختصر کیفیت سے آگاہ کیجئے مالک مکان بول اُٹھے کہ ہم سب اپنی اپنی تعریف کہہ چلیں گے۔ ذرا دور تو چلنے دیجئے یہ کہکر حضرت نے گردن شیشہ پیمانہ پر جھکائی اور شراب ناب اور مصفا ارغوانی۔ دور چلنے لگا۔ آب طربناک کا وہ سرور جما کہ سب سیہ مست ہو گئے۔

ایک ۔ ؎

آب و گل من کہ فیض عام ست — از خطۂ پاک بلگرام ست
سبحان اللہ چہ بلگرامی — کوثر مے و آفتاب جامی

لیکن حضرات بادہ گسار اور عشاق زار کا وہاں کال ہی۔ گو علما فضلا شعرا لکلا کی ٹکسال ہی اودھ میں لکھنؤ کے بعد پھر بلگرام ہی کا نمبر ہے۔

دوسرے۔ بندہ رئیس پنجاب ہے جو تمام عالم میں انتخاب ہی۔

چہ پنجاب انتخاب ہفت کشور — قسم خوردہ بہ خاکش آب کوثر
فضائے نشۂ مستی ہوایش — زمینے کاسہا نہا خاک پایش
غبارش آب رنگ چہرۂ گل — گیاہش دلربائے زلف سنبل
ہر جا سبزہ از خاکش دمیدہ — رخ خوباں بہ پیش خط کشیدہ
نجا کش سایۂ پرہائے بلبل — جواب یک چمن خندیدن گل
بہر شہرش بتان گرم بازار — پئے سودائے دل عاشق خریدار

تیسرے۔ خاکسار کا مسکن و مولد خطۂ مینو سواد کشمیر جنت نظیر ہے۔ جو باغ نعیم سے بھی زیادہ دلچسپ و دلپذیر ہے۔ مرغزار نزہت پیرا سبزہ طراوت افزا واللہ عجب گلزمین ہی باللہ رو کش بہشت بریں ہے۔ ؎

ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر درآید — گر مرغ کباب ست کہ با بال و پر آید
از بسکہ کند جذب رطوبت خط سبزیت — گر کاسۂ چینی نہ ہوا بر حجر آید
این سبزۂ این چشمۂ این لالہ این گل — آں شرح ندارد کہ بگفتار در آید
بنگر کہ ز فیضش چہ شود گوہر یکتا — جائیکہ خزف گرد و دآنجا گہر آید

چوتھے ؎

سنا رضواں بھی جس کا خوشہ چیں ہی
وہ بیشک لکھنؤ کی سرزمیں ہی

سبحان اللہ کیا طبقۂ مردم خیز ہے۔ زبان اور لطف بیان نکتہ رانی اور غزل خوانی اہل لکھنؤ ہی کا حصہ ہی جو شاعر ہے خدائے سخن جو ستار ہے کامل فن۔

پانچویں ؎

گفتگوئے عاشقاں در کار رب
جوشش عشق ست نی ترک ادب

ہمارا شعار و دثار صوفیان صافی طینت عالی گوہر و راست کردار کا سا ہی عقیدت و طریقت وجود و وحدت پر ہے یعنی ہم وحدت وجود کے قائل ہیں۔ روزے سے غرض نہ نماز سے سروکار۔ جو نقطۂ وحدت سے ملجائے اسکی نجات ہی۔ ہم اُس واحد حقیقی کے افراد ہیں جسکی وحدت سے اس عالم افراد میں یہ کثرت ہی۔ سنو یقین مانو وحدت عین کثرت اور کثرت عین وحدت ہی۔ عالم مشاہدہ میں ایک مثال اسکی دیتا ہوں جس سے اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ مقولہ نظری ہے بدیہی ہو جائے۔ دیکھو ایک تخم خربزہ ہم نے بویا اُسنے اپنی طبیعت سے اپنے کو ایک پودے اور چند پتوں میں ظاہر کیا۔ پھر بڑھتے بڑھتے چند عرصے میں اُسنے اپنے تئیں پھر اپنی اُسی ذات خربزہ میں ظاہر کیا اور اُسی تخم میں اب دیکھو ایک تخم واحد نے جسمیں وحدت ہی وحدت تھی کس قدر کثرت میں اپنے کو جتایا پھر وہی بیج کا بیج۔ چنانچہ ہمارے امام ہدایت اور پیشوائے رشادت نکتہ رس علی الاطلاق حکیم الاشراق مولوی صوری و معنوی قدس سرہٗ الخفی والجلی اپنی مثنوی میں اس مطلب کی طرف اشارہ بہ این اشعار فرماتے ہیں۔ ؎

بشنو از نے چوں حکایت میکند — وز جدائی ہا شکایت میکند
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند — از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

نیستاں سے وہی وحدت حقیقی کا بن مراد ہی جس سے کٹ کر ہم بالنسریاں ترانہ سنج ہیں۔ ؎

شب از مطرب کہ دلخوش باد دیرا — شنیدم نالۂ دلسوز نے را
چناں در جان من سوزش اثر کرد — کہ بے رقت ندیدم ہیچ شے را

ہمیں کچھ سالک و مجذوب سے مطلب نہیں ہم اپنی لو لگا سنی سے

لگائے بیٹھے ہیں۔ فقہ و حدیث سے غرض نہیں ۔۵

جام جم رکھ دے طاق کسریٰ پر ۔ میرا چلو شراب سے بھر دے

بھلا انما الخمر والمیسر رجس من عمل الشیطان قرآن میں آیا ہے مگر یہ ہم لوگوں کے واسطے نہیں ہے اچھا یہ صحیح ہی سہی۔ واثمهما اکبر من نفعهما۔ لیکن ہمارے پیر مغاں اور ہادی دوراں دیکھو آدھر جاتے ہیں۔ ۔۵

دوش از مسجد سوے میخانہ آمد پیر ما ۔ چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما
ما مریداں روبسوے کعبہ چون آریم چوں ۔ روبسوے خانۂ خمار دارد پیر ما

باقی رہا عذاب و عقاب نعیم و جحیم یہ فقط شرعی دھڑ کا ہے۔ ۶

بہشت اک باغ ہے دوزخ بھی اک شرعی دھڑ کا ہے

چھٹے ۵ کیا بادۂ گلگوں سے مسرور کیا دل کو
آباد رکھے داتا ساقی تری محفل کو

صوفی عالی مقام کو اینجانب کا سلام۔ حضرت آپ کی گفتگوے عاشقانہ اور کلام صوفیانہ سے طبیعت کو سرور حاصل ہوا یہاں بھی دوزخ اور بہشت کو شرعی دھڑکا ہی سمجھتے ہیں۔ ۔۵

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش کرنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

ہاں روزہ رکھنا اچھا ہے کثرت رطوبات ہوتا ہے مے لعل فام و آتش لباس ہمارے مشرب رندانہ میں بھی جائز ہے۔

ساتویں ۵ گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد
بے دو سہ چھینٹا کشتی زرح رمیدن ندہم

واہ مولانا۔ چوک گئے۔ مولوی معنوی کے شعر کے معنی اچھے حل کیے۔ ۶ ۔

بشنو از نے چوں حکایت میکند

نے سے مطلب بھی سمجھے خاک نہیں۔ اجی حضرت یہ چانڈو کی نے سے عبارت ہے چانڈو کی نے کی دلی تمنا ہے کہ لوگ ہر دم اُسے منھ سے لگائے رہیں جب ہی کہا ہے کہ۔ ۶

وز جدائی ہا شکایت می کند

آٹھویں ۵ صوفی بیا کہ آئینہ صاف ست جام را
تا بنگری صفائی مے لعل فام را

راز درون پردہ ز رندان مست پرس
کیں حال نیست صوفی عالی مقام را

یہ یاران سرپل کی بیٹھک ہے۔ یہاں زہاد او صوفیان صافی کا کیا کام۔ جام اور بادۂ گلفام کا ذکر چھیڑیے۔ یہ حقانی باتیں مزا کرکرا کیے دیتی ہیں۔ والد مرحوم بڑے بیوقوف تھے۔ چپڑ غٹو کر کے ہمیں مدرسے بھیجا۔ اسپلنگ بک بھی ہنوز نہ ختم کی تھی کہ ہم جاگ کھڑے ہوئے۔ سلیٹ کو کلڈر کی بھٹی پر گرد یکھ خوب راس آئی۔ الغرض صبح سے چار بجے تک ترنہ بافی اور شعر خوانی بادۂ انگور حور و قصور کی چمیگوئیاں رہیں۔ لطیفے ہوا کیے۔ چار بجے کے بعد حضرت آزاد نے زبان کھولی تو یہ سب بند ہو گئے۔

آزاد ۵ دن رات گفتگوے شراب و کباب کی
کیا منھ لگوں نے یار کی صحبت خراب کی

اس صحبت اور جلسے پر خدا کی مار۔ اور شراب خانے پر شیطان کی پھٹکار لاحول ولا قوۃ۔ یارو اخلاق سیکھو۔ آدمی ہو۔ آدمیت کا سبق لو منافع پند احبا و ابرار و مضار صحبت اشرار میں تمیز کرو یہ نہیں ترکے سے بیٹھے تو بھور ہو گیا۔ شام تک سوائے پیالہ و میخانہ کے کوئی چرچا ہی نہیں۔ ان بزرگوار کی جمعیت کے صدقے کہ اپنے باپ کو بیوقوف بناتے ہیں۔ مگر واللہ کہتے سچ ہیں۔ یہی تو انکی بیوقوفی ہے الٰہی توبہ۔ الٰہی توبہ کیا اشغال مزخرف ہیں۔ خدا پناہ میں رکھے اور صحبت

بارے بپائے ؎

حیف از تو کہ روزی کہ مقیم نجمی
صحبت اینجا موٹرست آگہ باشی

ز بلبل غافل و حریف زاغی
در آب روی و در آتش داغی

یہ شراب خانہ خراب نے لاکھوں گھر لٹائے۔ یہ ہزاروں تاجروں کو گدلے بینوا بنائے منھ لگائی اور منھ کی کھائی۔ فلک رفعت تاجروں کو اس نے خاک میں ملایا۔ مہاجنوں کا دوالہ اسنے نکلوایا یا خدا مدد دے یا خدا مدد دے۔ ؎

ز چوب تاک گویا عود خود را ساخت این مطرب
کہ خوش مستانہ بیرون نغمہ ہا از ساز مے آید

آن یاران صادق و دوستان موافق یاران بادہ نوش و بذلہ سنجان عشرت کوش میں دن بھر تو وہ چہل پہل تھی اور چہچہے رہے سر شام سے ناچ رنگ کی دھاچوکڑی مچی۔ خانہ باغ میں جس کے در و دیوار سے ترائیت برستی تھی شامیانہ عیش کا شانہ بصد حشمت شاہانہ نصب ہوا۔ یاران سرپل میٹھے رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ بگرخان پری چہرہ شادیانے بجاتے ہیں۔ طبلے پر تھاپ ہے۔ گت بج رہی ہو۔ حاضرین جلسہ زیر و بم سے واقف چڑھاؤ اُتار کے سمجھنے والے خوش رد خوش گلو۔ کوئی تان سین بنا بیٹھا ہے کوئی بیجو باؤلا گردن سب کی ہل رہی ہو اہاہا ہا۔ اہو ہو ہو۔ واہ وا واہ۔ اے سبحان اللہ ای کنندے قربان جاؤں کیا گلا ہو۔ یہ گلبانگ توصیف و طنطنہ تعریف ہر سمت بلند ہے۔ ایک بت پندار شوخ و ستم گار نے یہ غزل عجب لطف و انداز برنائی اور شان خود آرائی سے ادا کی۔ ؎

خدا جانے یہ آرایش کریگی قتل کس کس کو
طلب ہوتا ہے شانہ آئینہ کو یاد کرتے ہیں

اُسپر کٹا دستے۔ سب بیخود۔ بیہوش۔ بیقابو۔ بیدل۔ سب وجد سر و پا کی خبر نہیں ایک رند عالم سوز و آزادہ نغمہ سنجی کے لداد نے چوتالے کی فرمائش کی۔ کہنے بھر کی دیر تھی سارنگی غضب ڈھالنے لگی اور دُھمپیر یا بند یا گیگو مد) کی آواز خوش آنے لگی۔ اُدھر مطرب کی ناخن بازی ادھر خوش الحانوں کی نازک آوازی بیکروں کی واہ واہ۔ الحذر۔ خلق کی پناہ۔ کسی سیہ چردہ شیریں حرکات نے خدیو مصر سخن واقف رموز ہر فن عراقی آن جہاں کی یہ غزل گائی اور ہاتھوں ہاتھ داد پائی۔ ؎

صنارہ قلندر سزد ار بمن نمائی
بہ طواف کعبہ رفتم زحرم ندا برآمد
در دیر چو رفتم من زدرون ندا برآمد

کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی
کہ برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی
کہ بیا بیا عراقی تو ز خاصگان مائی

اس کا مطلب تو وہی چار سمجھے گر لو پیال پہ طرفہ اچھلنے لگیں۔ سحر کاذب کے وقت جب پپیہا بولنے لگا۔ اور نسیم سحری مشک و عنبر سے لسی ہوئی بہشت کی لپٹیں لانے لگی تو کرشمے کی فرمائش ہوئی زلفیں پریشان مست خوش الحان سب حاضرین جلسہ شادان و فرحاں مگر حضرت آزاد آزردہ و گریاں۔ لاحول گویاں یہ بے اعتدالی اور بے عنوانی۔ بحر بیحیائی کی روانی و طغیانی دیکھ کر انکا دل اس صحبت فسق و فجور سے پھر گیا۔ چہرہ مارے غصہ کے لال بھبھوکا بدن میں رعشہ مزاج کبھی تولہ کبھی ماشہ معلوم ہوتا ہی ایک آدھ کو پچھاڑ کھائیں گے یا گھن چکر بنائیں بگڑ چلیں دیا ہی چاہتے ہیں۔ آڑے ہاتھوں لیا ہی چاہتے ہیں۔ اتفاق سے اُس تخلیے کی صحبت میں ایک خواجہ صاحب کا بھی گذر ہوا تھا۔ اور وہ بیچارے نئے پنچھی تھے۔ میاں آزاد کے بشرے سے تاڑ گئے کہ اس صحبت سے حضرت بہت کبیدہ خاطر ہیں وہ بھی اُنسے متفق الرائے تھے لہذا دونوں میں سرگوشی ہوئی۔

خواجہ۔ یا حضرت مجرا عرض ہے۔
آزاد۔ سبحان اللہ۔ علے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی۔ یہ ریش سفید یکمشت و پانزدہ انگشت۔ اور یہ شستہ تقریر یہ جبہ و دستار اور یہ شعار کہنے لگے مجرا عرض ہے۔ تسلیم آداب کورنش بندگی السلام علیکم بالائے طاق۔ ناچ و رنگ کا ضلع حفظ ہے۔ واہ ری جگت بازی استغفر اللہ۔
خواجہ۔ قبلہ یہ دیکھئے واللہ ہے کہ میں بھی گھبرا اُٹھا۔ یہ بیحیائی دیکھی نہیں جاتی جو ہے مست جو ہے رند خرابات۔ جو ہے پھکڑ یہ دیکھئے واللہ ہے کہ آپکے چہرے کی رنگت سے بھانپ لیا کہ اتنی محفل میں ایک یہ ہمدرد ہیں۔ یہ دیکھئے واللہ ہے کہ یار لوگوں نے ترکا کر دیا مگر آنکھ تک نہ جھپکی دیدے پھاڑ کر دیکھ رہے ہیں۔
آزاد۔ جی ہاں اور ابھی کوئی نیک کام کرتے ہوتے تو چراغ جلے ہی سے پڑ رہتے۔ ایک جو منکتا۔ مگر اس کفتر کنے اور چنکٹ ڈنک کے قربان کہ چار پہر بیٹھے ہی بیٹھے کاٹ دیے۔ اُٹھنا دور ہلنے تک کی قسم ہے ستم ہے۔ دمبدم حقہ چلم پر چلم بھری جاتی ہے۔ خمیرا دو سیر مشکبو دھواں دھار اُڑ رہا ہے۔ گلوریوں پر گلوریاں چلی آتی ہیں عطر کی شیشیاں لنڈھائی جاتی ہیں۔ سچ کہوں حضرت پہلے تو آپ مجرا ایسا بجا لائے کہ میں سمجھا کہ آپ بھی اس چھٹی ہوئی محفل کے بیٹھے ہوئے ہیں مگر آپ تو بندے کے ہمدرد نکلے۔
خواجہ۔ یہ دیکھئے واللہ ہے کہ یہ جتنے حضرات نظر آتے ہیں سب شرفا کے صاحبزادے ہیں۔ لفنگے تو امرا کے لڑکے ہیں جیالے دولت سے خوش۔ باقی ماندہ مفلس۔ ٹکا کفن کو پاس نہیں مگر بانکپن پر جان دیتے ہیں۔ گھر میں فاقہ ہے۔ رمضان شریف در پر ہے گھر میں بارہ مہینے مرچڑوں کی طرح اڑے ہیں۔ ٹوپی ہے تو جوتا غائب ہے۔ غلہ جوتا ہے تو ٹوپی ندارد۔ لیکن اکڑتے نکلتے ہیں۔ پڑھنا لکھنا تلاش معاش سب کی دُم میں رستا ہنگوٹی میں پھاگ کبھی رنگ کبھی راگ بھیروں ہو یا اور راگ امرازادوں کو دیکھئے واللہ ہے کہ کیا قطع بنائی کیسی وضع بھائی جنکے پاس روٹی کھانے کو نہیں وہ تحصیل علم سے باز رہیں تو مضائقہ ندارد مگر اُن سے کوئی اتنا تو پوچھے کہ کیوں بھئی تم پر کون ایسی سختی پڑی تھی کہ کالج چھوڑ بیٹھے عربی پڑھی نہ انگریزی سوچی گری کرو گے یا انگریزی جگت بولنے میں سب طاق ہیں۔ ابھی کوئی ضلع بولیے دیکھئے واللہ ہے کہ سب کے سب طوطی کی طرح چہچہ زن ہوتے ہیں یا نہیں۔ ہاں ذرا چھیڑئے تو آپ کو واللہ بس ایک فقرہ چست کر کے چپکے ہو رہیے وہ برسوں تک بکے جائیں گے۔
آزاد۔ حضرت مجھے تو انکی صورت سے نفرت ہو گئی۔ بس چلے تو کھڑے کھڑے شہر بدر کرا دوں ابھی حبس دوام بعبور دریائے شور کا حکم نافذ کردوں یہ ننگ خاندان پیدا ہوئے ہیں۔ ؎

زنان باردار اے مرد ہشیار　　اگر وقت ولادت مار زایند
ازاں بہتر بہ نزدیک خردمند　　کہ فرزندان ناہموار زایند

جلسہ برخاست تا بہ چاشت۔ وقت در ہنگام کاشت۔ پاس مراتب نگاہداشت۔ یہ بے تکی صدا ایک کونے سے آئی طبلیوں نے بقچہ سنبھالا۔ ڈھاڑیوں نے بوریا بندھنا اُٹھایا عابد فریبوں نے نازو انداز سے قدم بڑھایا۔ صبح کی نوبت بجنے لگی مرغ نے بانگ لگائی شوالے کا گھنٹا ٹھن ٹھن بجنے لگا۔ موذن نے مسجد میں اللہ اکبر کہنا شروع کیا ؎

منشی سحر ہاتھ میں لیکر قلم زر　　لکھنے لگا منصوبۂ معزولی لشکر
لے فرد شب کو کیا خارج دفتر　　معصوب ہوا عامل ذرا اپنی جگہ پر
مہتاب یہ جا ہی تھا قلم اُسکا نہیں کا　　پروانہ چراغوں کو ملا برطرفی کا

شمع گل پگڑی غائب۔ رند جھٹ سے جانماز بچھا نماز پڑھنے لگے ایک مسخرے نے اپنے قریب کے یار عیار کو ڈھکیل دیا تو منہ کے بل زمین پر دوسرے نے ایک کی کھوپڑی پر چپت جمائی تو ٹوپی دس قدم پر تیسرے نے جو تیر کھینچ کر آنکھ

بتائی تو چاروں خانے چت۔ پانچویں نے بآواز بلند کہا۔ ؎

بنکارو آج خوب چلو میکدہ کو فوق	چھوڑو کہیں وظیفہ بہت پڑھ پڑھ چکے

ایک اور بادہ گسار نے دیکھا کہ وہ سب مرتی رہے ہم ہی پھسڈی رہے جاتے ہیں فرمایا۔ ؎

فصل بہار آئی پیو صوفیو شراب	بس ہو چکی نماز مصلا اٹھایئے

پہلے حضرت اللہ میاں پر احسان کر چکے۔ نماز پڑھی یا نہ پڑھی وضو کر کے مستعد تو تھے۔ الاعمال بالنیات۔ پھر خوف کا ہے کا ہے لعنہ کبھی نماز جائے ایک نہیں پچاس بار قضا ہو جائے۔ نماز خفتن پڑھ لیں گے چلو چھٹی ہوئی میاں آزاد کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا کہ یہ سواد الوجہ فی الدنیا حضرت قادر ذوالجلال سے بھی نہیں چوکتے نماز میں بھی دل لگی عبادت میں مسخرہ پن۔ خاصے سیٹھے ہیں۔ ؎

اے فسق و فجور کار ہر روزہ ما	دے پر ز حرام کاسہ کوزہ ما
می خندد روزگار می گرید خلق	بر طاعت و بر نماز و بر روزہ ما

خواجہ۔ یہ دیکھئے واللہ ہے کہ یہ مرتد رحمت رب سے محروم ہیں گے اپنے تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ دیکھئے واللہ ہے کہ بس توبہ ہی بھلی۔

آزاد۔ بندہ پرور گستاخی معاف۔ یہ تکیہ کلام تو چھوڑیے آپ ایک جملہ بولتے ہیں تو تین سو پینسٹھ دیہ دیکھئے واللہ ہے کوئی فقرہ دیہ دیکھئے واللہ ہے سے خالی نہیں۔ یہ بری عادت ہے۔

خواجہ۔ یہ دیکھئے نہیں۔ توبہ توبہ گر یہ دیکھئے واللہ اے! پھر وہی فقرہ نکلا۔ مگر واللہ اس جوڑ توڑ کے قربان ۳۶۵۔ کی بہت ہی کہی سال میں ۳۶۵ ہی دن ہوتے ہیں۔

میاں آزاد اس صحبت نادان نمی آشام سے ایسے ناراض ہوگئے کہ بلا رخصت بھاگ گئے۔ اجی حضرت اجی حضرت سنئے تو سہی سنئے تو سہی۔ واسطہ خدا کے پیچھے پھر کے نہ دیکھئے تو جنت سے نکالا جائے وہ سنتے کسکی ہیں۔ یہ جا وہ جا۔

برات کی دھوم

ایک رئیس گردوں مدار امیر باوقار کی ایک دختر فرخندہ اختر تھی۔ رئیس موصوف نے اسکو بہ ناز و نعم پالا جب لڑکی کچھ سیانی ہوئی تو اسکی شادی کی فکر پیدا ہوئی۔ بڑے بڑے نامبرآوردہ رؤسائے ذوی الاقتدار کے یہاں سے پیام آنے لگے۔ دور دور تک اسکے حسن و جمال کی شہرت ہوئی آخر کار ایک رئیس عالی اعتبار و جم اقتدار کے ساتھ نسبت قرار پائی پھر کیا تھا طرفین سے تیاریاں ہونے لگیں۔ اب شوق کی اسدرجہ افزائش ہو کہ جو کچھ اثاثہ ہے سب جمع جتھا لٹا دیں۔ آنکھ بند کر کے خرچنے لگیں۔ ایک نے اسی ہزار روپیہ قرض لیے دوسرے نے تعلقے کے کوڑے کیے۔ دونوں لنگوٹی میں پھاگ کھیلنے لگے۔ جوڑے بنے۔ خدمتگاروں ماماؤں اصیلوں نوکروں چاکروں نے بیش بہا جوڑے پھڑکائے۔ خوب انعام و خلعت پائے برات کے دن بڑے کر و فر سے برات سجی گئی دونوں طرف خوب ٹھاٹھ تھے۔ ؎

الماس کے واں تھے جھاڑ و فانوس	یاں جلوہ فروش تخت طاؤس
مہتاب سے چاندنی کا واں فرش	یاں چرخی سے چرخ میں سر عرش
گلگوں تھا کسی کا باد رفتار	گلرنگ کسی کا تھا ہوا دار
ہاتھی تھے تو مستیوں کی دھت تھی	گھوڑے تھے تو چابکی کی لت تھی
وہ ماہ کہ تھا سوار شبدیز	تھا پا بر کاب شوق مہمیز

سب سے پہلے نشان کا ہاتھی شب رنگ ست صورت دیکھے انسان ڈر جائے اس کے بعد بڑی دور تک جلوس کی بہار اندر سانڈنیوں کی قطار تھی۔ عربی ترکی۔ تازی۔ ویلا۔ کیپ۔ انواع و اقسام کے رہوار باد رفتار خوش خرام و تیز گام ساز دار سجے سجائے پرے کے پرے جمائے چاندی کا گہنا پہنے دلہن کی ایسی صورت بنائے چھم چھم کرتے چمکتے جاتے ہیں آرائش کے تخت بڑے صناعان چابکدست کے بنائے ہوئے لطف جلوس دو بالا کرتے تھے معلوم ہوتا تھا گلزار ارم کے پھول پھولے ہیں سر بنایا تو نقل کو اصل کر دکھایا چاند و باندوں کا تخت قابل دید تھا۔ کوئی نشے میں جھوم

رہا ہے کوئی نے کر جھوم رہا ہے۔ کوئی گرمٹ تھامے غین ہی۔ کوئی کتارا چوستا ہی بعینہٖ تیاز دو خانہ کی تصویر کھینچدی ہی۔ خرزہرے کا بتیلی کا تخت رہس منڈل دیکھنے سے دل کو سرور ہوتا تھا۔ سوارونکا تخت ستم ڈھاتا تھا۔ سوار حنا کی وردیاں پہنے کرتے لٹکائے گھوڑے کی باگ اٹھائے دھادا بولا ہی چاہتے ہیں۔ قدم قدم پر آتش بازی چھوٹ رہی ہو انار آسمان کی خبر لاتے ہیں۔ پھلجھڑی کی تعریف میں اچھے اچھے آتش زبانوں کی زبان لال ہو۔ چرخی کا چرخ دیکھ کر عقل چرخ تھی۔ کامل فن آتشبازوں نے بڑی دلسوزی سے آتشبازی بنائی تھی اناروں سے تختۂ مرتوبیں نظر آتا تھا۔ باجے والوں کی جماعت دبل کی دھوم تماشائیوں کا ہجوم۔ گھوڑوں کی لال لال وردیوں سے گل لالہ کھلا تھا۔ تلنگوں کی کالی کالی کرتیوں سے حاسدوں کا منھ کالا تھا۔ ایک سمت چوبدار عصائے نقرئی سینہ پر گڑیاں جمائے گھوم رہے تھے دوسرے سمت خاص بردار نگین ہجنٹیاں اٹھائے پھرتے تھے۔ رئیس شرایف عاید لاتعد و غیر محدود تھے جملہ سامان لطف و مذاق موجود تھے۔ نوشہ حسین و مہجبین خلعت بیش بہا زیب تن کیے بصد طنطنہ و دبدبہ گلگون خوش عنان پر سوار تھا۔ گھوڑا ایسا شایستہ کہ دودھ پیتا بچہ تک سوار ہو جائے۔ پانوں کی مہندی نے دلھن بنا دیا تھا۔ ۵

اے بسکہ حنا زیب فزای تن اوست	گو ہست کہ لالہ زاد در دامن اوست
نے نے غلطم کہ آسماں دگرست	در رنگ حنا شفق بہ پیراہن اوست

نوشہ کے گھوڑے کے بعد کئی ہاتھی تھے کنا اور اک دنتا اور دم کٹا اور پانٹھا۔ اُنپر دس دس بارہ بارہ چودہ چودہ برس کے لڑکے سوار تھے بیٹھے ہاتھی پر ہیں نظر کروں پر ہے۔ دو دو چوبیں لڑتے چلے آتے ہیں الغرض خوب چکر کی کراور سوتوں کو جگا کر برات دلھن کے مکان سے تھوڑی ہی دور رہتی کہ آتشبازی سے ایک ہاتھی بھڑکا دوسرے نے اسکا ساتھ دیا۔ فیلبان لاکھ بیریں کرتا ہے۔ آنکس پر آنکس لگاتا ہے

مگر وہ بری دھت ہیل ایک نہیں سنتے۔ تیسرا ہاتھی لپکا تو ایک بڑھیا کچل گئی۔ ایک خوانچہ والا پس گیا۔ دس دکانیں تہ و بالا ہو گئیں گھبراہٹ اور بدحواسی سے پندرہ بیس آدمی زخمی ہوئے اتنے میں آرایش لٹنے لگی ہڑ بڑ ہو گیا۔ برقندازوں کی ایک نہیں چلتی آدھے تخت لٹ گئے چھ ٹوپیاں اتر گئیں تین لڑکوں کا زیور اچکوں نے ہتھیا لیا ایک کا کان کٹ گیا۔ چلو ناک تو بچی۔ مبارک بارے خدا خدا کر کے دلھن کے مکان پر برات پہونچی۔ ۵

در تک جو برات ادھر سے آئی	کی سب نے ادھر سے پیشوائی
باران گلاب و بارش گل	ہد کر بڑھے آکے باتجمل
قلیان پیئے مشکبو دھواں دھار	بیڑے پچکے پان کے مزیدار
جب عقد کی انکی ساعت آئی	دو رشتوں میں اک گرہ لگائی
زلفیں ہوئیں جہر کی بلا چین	ٹونا دہ نگاہیں سحر آگیں

میاں آزاد گھنٹوں یہ کیفیت چپکے چپکے دیکھا کیے اور یہ سوچنے لگے کہ اسقدر زر کثیر بیوجہ بلا سبب مفت بیکار ضایع ہوا۔ ہزاروں روپیے غارت کیے اگر یہی زر خطیر امور رفاہ عام اور فائدہ انام میں صرف ہوتا تو سبحان اللہ۔ افسوس صد افسوس کہ ہندی اس آرایش پر لٹو ہیں۔ ہم نے کہیں سنا ہی نہیں کہ اس فضول دھوم دھام سے کسی ملک کو فائدہ پہونچا ہو۔ ۵

ادبار کا کھٹکا حشم و جاہ میں ہے	بھاگو بھاگو کہ خوف اس راہ میں ہے
جاگو جاگو یہ خواب غفلت کیسا	دیکھو دیکھو اجل کمینگاہ میں ہے

یہ گھٹتے کی باتیں یہ دھوم یہ رسوم مذموم درد انگیز حسرت خیز ہیں۔ مگر اہل ہند ان ہی کے ہاتھ بک گئے ہیں وہ اسی کو بڑا عزت سمجھتے ہیں کہ تمام عمر کی آمدنی ایک برات کی نذر کر دیں وہ دو گھڑی کی داد واہ اس کے بعد حال تباہ عیاذاً باللہ۔ شادی کو غم سے مبدل کرنا کون دانائی ہی لیکن حیف صد حیف کہ ان امور پر نظر ہی نہیں ڈالتے۔

لکھنؤ کا محرم الحرام

سینوں میں جگر پہ تیر غم چلتے ہیں ‏ | ‏ رخساروں پہ اشک شمع ساں ڈھلتے ہیں
کیوں تعزیہ خانوں میں نہ رونق ہو زیادہ ‏ | ‏ دل بھی تو چراغوں کی طرح جلتے ہیں

میاں آزاد سیلانی آدمی سیر سپاٹے پر اُدھار کھائے ہوئے سرگشتی کی دھن جو سمائی تو ریل کے انجن کی طرح چل کھڑے ہوئے اور سیدھے لکھنؤ چل دیے کہ محرم لکھنؤ کا دیکھ لیں۔ دیکھتے کیا ہیں کہ گھر گھر شیون و شین گھر گھر بکا، بین، گریہ و زاری، اشکباری، جم غفیر، جمع کثیر۔ ایک سے ایک جلے تن بول اُٹھے اور کیوں نہ ہو مجالس عزا کی دھوم دھام ہے۔ لکھنؤ کا محرم الحرام ہے۔ لکھنؤ کی سوزخوانی لکھنؤ کی خوش بیانی۔ لکھنؤ کی عزاداری لکھنؤ کی سوگواری از شام تا دم شہور بہرہ زو بوم ہر تعزیہ خانوں میں دھوم دھام۔ ٹڑ دوں ہر آج ہر اور زن سب میں شیون آباد مبارک، کالبدر فی النجوم ہر ان کے ساتھ ان کے ایک دوست بھی جو لیے تھے اُن کی بیقراری کا حال کچھ نہ پوچھیے۔ وہ لکھنؤ سے واقف نہ تھے لوٹے جاتے ہیں کہ شہید کربلا کا واسطہ آل مصطفےٰ کا صدقہ ہمیں لکھنؤ کا محرم دکھا دو۔ مگر کوئی جگہ چھوٹنے نہ پائے۔ ایک شخص نے ایک آہ سرد کھینچ کر کہا کہ میاں اب وہ لکھنؤ کہاں وہ لوگ کہاں۔ وہ دل کہاں۔ لکھنؤ کا محرم رنگیلے پیا جان عالم کے وقت میں دیکھا ہوتا تو ارنی گوئے اوج طور بھی غش کر جاتا یا لکھنؤ کی تشہیر دیکھ کر جب دیکھو میاں سے دو انگل باہر۔ کسی نے ذرا سیکھی پتون کی اور انھوں نے کھٹ سے شری کا تلا ہوا ہاتھ چھوڑا۔ بھنڈارا کھل گیا۔ ایک ایک گھنٹے میں بیس بیس خانہ جنگیوں کی خبر آتی تھی دکاندار جوتیاں چھوڑ چھوڑ کر سٹک جاتے تھے وہ دھکم دھکا وہ بھیڑ بھڑکا ہوتا تھا کہ واہ جی واہ انتظام کرنا خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ اب کوئی چوں بھی نہیں کرتا۔ ادنیٰ ادنیٰ آدمی ہزاروں لٹاتا تھا۔ اب کوئی بھی نذر حسین نہیں نکالتا۔ اب انیس ہیں نہ دبیر مونس ہیں نہ شیر ضمیر ہیں نہ دلگیر۔ ع

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے ‏ | ‏ اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے
تھا کونسا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں ‏ | ‏ وہ کونسے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

دبیر مبرور کی تربت کو خدا عنبریں کرے واللہ خدائے سخن تھا سر منبر۔ ع

جب قفل دہن کھلا جواہر نکلے ‏ | ‏ گویا کہ زبان کلید گنجینہ ہے

ایک ہی رباعی پڑھی اور سامعین چار سو جۂ حیرت میں غرق ہو گئے کہ اللہ اللہ یہ فصاحت یہ بلاغت۔ ع

مداح امیر ابن امیر آتا ہے ‏ | ‏ دربار میں شاہوں کے فقیر آتا ہے
مشتاق سخن خلق چلی آتی ہے ‏ | ‏ لو مرثیہ پڑھنے کو دبیر آتا ہے

اور انیس مغفور کو خدا بخشے بارک اللہ العظیم کلام کیا جواہرات کے ٹکڑے قند و نبات کے ریزے نور کے مرثیہ ہیں۔ ع

جو یہ تناس ہے تو انھیں موتیوں میں تول

لکھنؤ ہے خطۂ پاک ایران کہ۔ کہتے ہیں کہ تھی انیس کی فردوسی پہ لمر بت۔ مرثیہ گیا تھا طوسی بزم میں وہ ڈھنگ رزم میں وہ رنگ کہ۔ ع

مضمون انیس کا نہ ہرگز اترا ‏ | ‏ گر بھی تو کچھ بگڑ کر نقشا اترا
نقاش نے سو طرح کی صفت کھینچی ‏ | ‏ تصویر نہ کھینچ سکی تو چہرا اترا

لیکن پھر بھی لے دے گا بھی تو کہاں تک اب بھی اس شہر کی ایسی عزاداری ہفت اقلیم میں نہیں ہوتی۔ اب کہیے تو ان کی سیر کرا دیں۔ نجف اشرف کربلا کاظمین۔ میر باقر کے امام باڑے۔ چوپٹیاں۔ جہاں جیتے داخل جنت ہو۔ واللہ بہشت کی بھی کیا سیدھی راہ ہے۔ ع

دربار جناب مصطفےٰ کو دیکھا ‏ | ‏ ان آنکھوں سے شان کبریا کو دیکھا
فردوس میں پہنچے جو نجف میں پہنچے ‏ | ‏ جنت دیکھی جو کربلا کو دیکھا

رنگ رلیاں مناتے ہوتے ہوئے چلے جاتے تھے راہ میں وہ بھیڑ وہ ریل پیل کہ عیاذاً باللہ شانے سے شانہ چھلتا تھا۔ جو اجب لبہ خرابی بصرہ کہیں گذر پائے تو ضیق النفس ہو جائے بانکے ترچھے تیغے ثقات مقدس کس و ناکس غریب امیر برنا و پیر اُمڈے چلے آتے ہیں۔ جدھر دیکھو رلی سے دیکھ

مومن پاک مثل کعبہ سیاہ پوش۔ کوئی ماتم حسین میں برہنہ سر چلا جاتا ہے کوئی حلہ پوشان بہشت کی طرح ہرا ہرا جوڑا پھڑکاتا ہے۔ حسینان عنبریں مو اور مہ جبینان قوس ابرو کی مستانہ چال ماتمی پوشاک بکھرے ہوئے بال۔ واہ واہ وہ ناز۔ وہ نگاہ غلط انداز وہ چھپ چھپ کر کترا جانا کبھی لجانا کبھی مسکرانا بیفکروں کی سو سو چکر پھیریاں۔ تماشائیوں کی زور آزمائیاں عاشق تنوں کی گھاتیں۔ رمز و کنایہ کی باتیں بیاہتیں کنواریں مہندی لگائے پھریا پھڑکائے گوندھے پٹیاں جمائے حیرت سے باہم چہ میگوئیاں کر رہی ہیں۔ ؎

اری دیدی تنک مہکا بتامے — یہ کند طیبن جو شکت ہیں یہ ور ماں
حسین آباد تو پھر بھی ہے بیکنٹھ — برت ہی یاں دیا کرن کے گھر ماں

لیجئے آغا باقر کے امام باڑہ میں کھٹ سے داخل۔ اوہو ہو ہو خدا کی قدرت مجسم نظر آتی ہے۔ واہ میاں باقر کیوں نہ ہو۔ نام کر گئے چکا چوند کا عالم ہے لیکن گلی تنگ تماشائیوں کی عقل دنگ۔ ع جائے تنگ است مرداں بسیار۔ مگر خلقت گھس پیٹھ کر دیکھ ہی آتی ہے ناک ٹوٹے یا سر پھوٹے آغا باقر کا امام باڑہ ضرور دیکھیں گے وہاں سے جو طرارہ بھرا تو کچے پل پہنچے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک پیر فرتوت دقیانوس کے ہمعصر بیٹھے اگلے وقتوں کے لوگوں کو رو رہے ہیں واللہ لکھنؤ کے کمہار بڑے نادرہ کار ہیں ایسا بڈھا بنایا کہ معلوم ہو تلنے پر پلے منھ سے اب بولا اور اب بولا وہی سن کے سے بال۔ وہی سفید بھویں وہی چتون وہی پیشانی کی شکن وہی ہاتھوں کی جھریاں وہی کمر خم وہی سینہ جھکا ہوا۔ واہ رے کاریگر۔ تو بھی اپنے فن میں یکتا ہے۔ اور تیرا بڑھوا تو اللہ ہی اللہ۔ وہاں سے جو چلے تو داروغہ میر واجد علی صاحب مرحوم کے امام باڑہ میں آئے۔ یہاں کی سج کچھ پردہ جوبن تھا کہ آفتاب اگر ایک نظر چھپ چھپا کر وہ نور دیکھ پاتا تو مارے غیرت کے بحر ظلمات میں غوطے کھاتا بے تکلف کرسیوں پر جا ڈٹے اہلکاران سلیقہ شعار نے الائچی چکنی ڈلی پیشکش کی وہاں سے حسین آباد مبارک میں پہنچے سبحان اللہ سبحان اللہ یہ امام باڑہ ہے یا روضہ رضواں۔ الٰہی یہ مکان ہے یا باغ جناں۔ ہر در و دیوار سے محمد علی شاہ فردوس آرامگاہ کا نام روشن ہے۔ امام باڑہ سجا سجایا دلھن کا ایسا جوبن ہے۔ برجوں پر ضیائے موفور۔ تو منار نور علیٰ نور حیرت تھی کہ یہ کرہ ہے یا شعلہ طور ہے۔ سرخ قندیل پر یاقوت احمر بہار کھائے چراغاں کی قطار پر مہتاب پروانہ ہو جائے پھر نہر مصفا جو نظر آئی تو آنکھوں نے عجب طراوت پائی۔ ؎

منور ہمچو چشم تیز بیناں — مصفا چوں دل خلوت گزیناں
رسیدہ عمق او تا گاؤ ماہی — نمودہ ہمچو عینک در سیاہی
پئے کسب لطافت آب حیواں — در گشتہ چو دُرد ازتہ نشیناں

بتوں کی گلی چھوڑ کر کون جاوے
یہیں سے ہے کعبہ کو سجدہ ہمارا

اب ان کے دوست کو شوق چرایا کہ ارباب نشاط کے امام باڑوں کی زیارت کریں پہلے تو میاں آزاد جھجکے۔ اے حضرت خدا خدا کیجئے بندہ ایسی جگہ نہ جانے کا اپنی وضع کے خلاف ہے۔

دوست۔ بھئی واللہ کتنے روکھے پھیکے آدمی ہو ارے میاں حیدہ کی نازک آوازی مشتری کی جادو طرازی۔ گوہر کی چمک دمک بادی کی رخ انور کی جھلک سے کانوں کو سرور آنکھوں کو نور نہ حاصل ہوا تو لکھنؤ کا محرم کیا خاک دیکھا اور پیر مرشد خدا اور خدا کا رسول آگاہ ہے کہ انہیں دس دن تو مزے سے جہاں چاہئے جائیے رنگین کمروں پر دو گال ہنس بول آیئے بچے اور بوڑھے سب پہونچتے ہیں مضمون واحد ہے۔

آزاد۔ یہ کہئے تو خیر۔ چلئے بندہ بھی لاحول کر شہیدوں میں داخل ہو جائے پہلے گوہر کے یہاں پہنچے اللہ اللہ دماغ عرش بریں پر ہے۔ اچھے اچھے

رئیس زادے فخریہ مصاحبت کر رہے ہیں۔ ایک بڑے مالدار جوہری صاحب مٹکتے ہوئے آئے۔ دس روپیہ کی کارچوبی ٹوپی زیب سر فالسی اطلس کا فوق البھڑک دگلہ زیب بر سنہری لیس ٹکی ہوئی یکرنگ جوڑا خاصے مرغ زریں بنے ہوئے۔ خدمتگار کے کاندھے پر زنگاری دوشالہ۔ یہ وضع یہ قطع۔ گر بیٹھتے ہی ٹوٹ کے گئے بیٹھے تو ضریح کی طرف پشت کر کے۔ صاحب خانہ نے ایک عجیب ادائے دلربا سے جھڑک دیا۔ اے واہ بڑے خوش تمیز ہو ضریح مبارک کی طرف پشت سیدھے بیٹھئے آدمیت کے ساتھ۔

جوہری۔ ماجلا (معاذ اللہ) ہوی مجھے بیٹھ نہیں آتا۔

میاں آزاد نے چپکے سے دوست کے کان میں کہا۔ لاحول ارے میاں یہ بالا بنہہ ٹیم ٹام گھوڑ کے گئے اور ذرا چیں بجبیں نہ ہوئے پیشانی پر شکن تک نہ آئی۔

دوست۔ بھائی جان۔ گوہر جان لکھنؤستان لکھنؤ آن بان لکھنؤ روح روان لکھنؤ ہے رگ رگ میں شوخی۔ ۵

قد وقامت آفت کا ٹکڑا اتمام	قیامت کرے جسکو جھک کر سلام

ایسا خوش قسمت کوئی ہو تو لے کہ اس بت عربدہ جو کی ٹھڑی سے حاضرین ادب سے گردن جھکائے بیٹھے ہیں جسے دیکھو دزدیدہ نگاہ سے محو نظارہ بازی ہے۔ لیکن رعب حسن سے بات کرتے کلیجہ لرزتا ہے

غرور حسن اجازت گر نداد لے گل	کہ پرسشے بکنی عندلیب شیدا را

یہاں سے دیکھ طرح اٹھے تو فرنگی محل میں حیدر جان کے یہاں پہونچے ۵

نکلے خیمہ سے جو ہتھیار لگائے عباس	برچھے رہوار پہ میدان میں آئے عباس

اس سوز کو ایسی نازک آوازی سے سارنگ کی مانجھ میں ادا کیا کہ سامعین لوٹن کبوتر ہوئے جاتے تھے۔ راگ اور راگنی تو اسکی لونڈیاں تھا نام سے اوجھو ہو کی صدا ہر در و دیوار سے بلند تھی واللہ کیا پیارا گلا پایا ہے۔ میاں آزاد کی باچھیں کھلی جاتی تھیں اور گردن تو گھڑی کا کھٹکا ہو گئی تھی۔

اب یہاں سے کربی مجھو مشتری کے گھر پر پہونچے آنکی لفاظی آنکی جادو طرازی آنکی خوش بیانی آنکے طرز سوز خوانی کی دھوم ہے ارباب صافی مذاق کا ہجوم ہے کہ تل رکھنے کی جگہ نہیں۔ ۵

	خنجر جو بوسہ گاہ پیمبر پہ چل گیا

اسکو جھنجھوٹی کی دھن میں اس لطف سے پڑھا کہ سامعین سر دھننے لگے۔

دوست۔ کیوں یار کیا لکھنؤ میں زیور پہننے کی قسم ہے۔

آزاد۔ لاحول ولا قوۃ تم بالکل ہی گنوار ہو۔ ماتم میں زیور کا کیا ذکر گورے گورے کانوں میں کالے کالے کرن پھول۔ ہاتھوں میں سیاہ سیلی بس کافی ہے ۵

سیاہ سیلی بدست آں نگارے	بشاخ صندلی پیچیدہ مارے

لیکن یہ سادگی بھی عجیب لطف دکھاتی ہے چلیے ذرا مجالس عزا کا رنگ ڈھنگ بھی تو دیکھیں۔ نواب باقر حسین خاں بہادر اور دلاور غم میر واجد علی صاحب مرحوم اور جناب سید العلماء مہر سپہر شرع و دینداری سید ابراہیم صاحب اور جناب آغا علی خاں صاحب سابق ناظم کی مجلسوں میں گئے۔ ماتم داران جناب سید الشہداء علیہ التحیۃ والثنا اور زائرین مصائب خامس آل عبا کی اشکباری اور گریہ وزاری سے یقین کامل ہو گیا کہ ماتم داری لکھنؤ پر ختم ہے۔ عاشورا کی رات تو بچوڑ کا دن تھا۔ آزاد نے لکھنؤ کے محرم کا خوب لطف اٹھایا۔ ۵

الوداع اے اشک ریز الوداع	آخری یہ شب ہے یار الوداع
عشرہ ماہ عزا کا ختم ہے	سر کو پیٹو اور پکارو الوداع

جدھر جاتے ہیں آہ اور گریہ وزاری جسے دیکھتے ہیں صرف اشکباری رات تو زیارت میں بسر ہوئی۔ ۵

سید شعلہ مہر کی متواضع جب ہوئی	پنہاں دودی برطاس شب ہوئی
اور قطع زلف لیلی زہرہ لقب ہوئی	مجنون صفت قبائے سحر چاک جب ہوئی

یعنی عاشورہ کے دن پو پھٹنے کے وقت تعزیہ نکلے سدا نگے کا تعزیہ جو کا تعزیہ - موم کا تعزیہ - پھولوں کا تعزیہ - رُدئی کا تعزیہ - بیل کے پتوں کا تعزیہ - انڈوں کا تعزیہ - نوگزہ تعزیہ لاکھوں تعزیے تالکٹورے کی کربلا میں دفنائے جاتے ہیں۔ ارباب نشاط برہنہ سر برہنہ پا سیاہ ماتمی پوشاک نے انکے جوبن کی آگ کو اور بھی بھڑکا دیا لیکن - ؎

رومال نہ اشکوں سے بھگونے پائے	منھ آپ گھرے کبھی نہ دھونے پائے
کیں جلد ہوا ماہ محرّم آخر	جی بھر کے حسین کو نہ رونے پائے

تندرستی ہزار نعمت ہے

لکھنؤ کے محرم کی چہل پہل - علم اٹھانے والوں کا زور اور بل امام باڑوں کی تیاریاں - صناعوں کی گلکاریاں - نازک اندام مونثی بہار جوانی صادق علیخان کی سوزخوانی ارباب نشاط کی بناوٹ کا نوکی اور وضع تنبولیوں کی سرخروئی دلبر میوہ فروش کی دیکھوئی تعزیہ خانوں کی دھوم تالکٹورے کی کربلا معلّٰی کا ہجوم حسین آباد مبارک کا نور - نجف اشرف کا لطف موفور - ماتم داران سید الشہدا کی گریہ وزاری مومنوں کی اشکباری دیکھ کر حضرت آزاد با دل شاد طاؤس مست کی طرح جھومتے چوک میں آنکلے دیکھتے کیا ہیں کہ پندرہ بیس کمسن لڑکے جزدان لٹکائے سلیٹیں ہاتھ میں لیے جائے بو قدمے آتے ہیں - پندرہ پندرہ بیس بیس برس کا سن اٹھتی جوانی کے دن کمر بستر جگہ سے خم جیسے تیغ ریختہ دم - گالوں پر کچے پان کے بڈھے کی طرح جھرّیاں آنکھیں گڑھے میں دھنسی ہوئی منھ پر ہوائیاں چلنا محال ہے یا الٰہی یہ جھکا ہوا سینہ یہ شانے یہ ڈنڈا در تین کاسنے اس نئی جوانی میں قبنہ پیری وصد عیب بن بیٹھے پیرانہ سالی میں تو شاید اُٹھ کر پانی پینا بھی وبال جان ہو جائے گا - بڑھ کر - ؎

پوچھا تم لوگ خیل کے خیل	آتے ہو کدھر سے صورت سیل

میاں صاحبزادے ہمیں اس وقت واللہ حیرت ہے کہ عنفوان شباب اور کمزوری -

طالبعلم - یہ بیچارے حماقت - توانائی اور کس بل کس کے گھر سے لائیں زور دوا تو ہے نہیں کہ عطار کی دوکان پر جائیں - دعا نہیں کہ کسی شاہ جی سے رجوع لائیں - انکی تو جان عذاب میں ہے - دس برس کے سن میں تو بیوی چھم چھم کرتی ہوئی گھر میں آئیں چلیے اسدن سے پڑھنا لکھنا چھپر پر رکھا نظارہ بازی کا سبق نکلا زبان آیا جب دیکھیے چاہتی بیوی کے مصحف رخ پر نظر ہے ننھی دلھن ہو گیا - رہی اُڈھیڑ بن ہے - تیرھویں ہی برس ایک چھوکری کے باپ یا چھوکرے کے ابا جان ہوئے فکر معاش نے دامن پکڑا کھلائی دودھ پلائی ماما چھوچھو کی فکر ہوئی یہ دُبلے پتلے نہ ہوں تو کون ہو اسکو بھی جانے دیجیے ورزش سے طبیعت نفور ڈنڈ مگدر سے متنفر کوسوں دور کشتی سے اجتناب - غذا مقوّی نہیں طرز معاشرت بھونڈا -

میاں آزاد اس تقریر پر تنویر سے باغ باغ ہوگئے دل میں سوچنے لگے کہ ہائے انکی جوانی کیسی برباد جاتی ہے - اسی دھن میں آہیں حضرت گنج دکتا سکندر باغ کی طرف نکل گئے دیکھتے کیا ہیں ایک فرح بخش ونزہت افزا دلکش وخوشنما سبزہ زار ہے دس دس پندرہ پندرہ برس کی انگریزوں کی لڑکیاں اور لڑکے صاف ستھری بھڑکدار پوشاک زیب تن کیے ہوئے کھیل رہے ہیں سب سیم بدن غنچہ دہن - ایک پیڑ کی ٹہنی پر جھولتا ہے دوسرا دیوار کو رہوار بنائے مزے سے اُسپر روندتا ہے تُخ تُخ تُخ تُخ دس بیس دو دو میل سے ریپٹ کرتے آتے ہیں چار پانچ گیند کھیلنے پر لٹو ہیں - ایک مقام پر دیکھا کہ رسّی کا سرا ایک لڑکے نے ادھر اور دوسرے نے اُدھر سے لیا اور کئی فٹ زمین سے بلند کیا - اور ایک پیاری لڑکی بدن تول کر زمین سے اس پار اُچک گئی دوسری طرف سے ایک لڑکا جھپٹ کر کئی گز رسّی سے اونچا کود گیا کوئی دوڑتا ہے کوئی کرکٹ کھیلتا ہے سب صحیح وتندرست

خوش و خرم دوڑ دھوپ میں طاق۔ جس سڑک پر جاتے ہیں اور جس طرف بار پاتے ہیں۔ یہی تماشا۔ اس وقت حضرت آزاد نے ان ہونہار لڑکوں اور گل اندام لڑکیوں کو دل سے دعا دی اور ہندوستان کے ادبار پر لاحول پڑھتے ہوئے گھر آئے۔

امیرزادوں کو فکر معاش اور نوکری کی تلاش

ساقیا ہے ہلا کے گھلیا دے — سونڈھی مٹی کی بھر کے کلھیا دے
ساقیا تجھ سے التجا یہ ہے — سچ جو پوچھے تو مدعا یہ ہے
گھول کر اک ذری پلا افیون — تاکہ پھر نشے میں گٹھے مضمون
حظ اٹھایا بہت مسہری کا — اب تماشا دکھا کچہری کا

میاں آزاد صبح منھ اندھیرے تاروں کی چھاؤں میں بستر استراحت سے اٹھے معاً دل میں ٹھان لی چاد بجتی ادھر ادھر کے تو خوب سیر سپاٹے کیے اب ذری عدالت اور کچہری کی بھی دو گھڑی سیر کر آئیں۔ پہونچے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک لق و دق باغ ہے اور سہانی چھاؤں میں میلا سا جمع ہے۔ کوئی حلوائی سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے۔ کہیں خوانچے والا بیٹھا ہے (گلابی حلوا سوہن) مزے کے حقے ایک سمت تازے کیے جاتے ہیں وہ تڑاقا کہ واہ واہ میں آ تو آیہ آدہ آ۔ آدمیوں کا تانتا لگا ہوا ہے بیسیوں منشی متصدی چٹائیوں پر بیٹھے عرضیاں لکھ رہے ہیں مستغیث ہیں کہ ایک ایک کے پاس دس دس جھرمٹ کیے بیٹھے قانون چھانٹ رہے ہیں (دارے منشی جی یو کا انٹ سنٹ جنگھٹیاں سی کھیجا دیہو) ہم تو آپن مجمون بتاوت ہیں آؤ تم اپنے اڑھائی چاول اگے چوراوت ہو۔ لے مورنسی جی تنک اس سوتج بچار کر لکھو تاکہ پھر یک تانی کیا مکدمہ ڈھسمسائے جائے تو ہار گوڑ دھرت ہے دو ہی کچیا ادرے لیو) یہ زبان سنتے ہی میاں آزاد ہنس پڑے گواہ گھر کی طرف جو رخ کیا تو سبحان اللہ سبز منڈلیں اور فوق البھڑک جتنے ہی چتنے نظر آتے ہیں۔ وکلا ادھر ادھر بیٹھے مقدمے چکار رہے ہیں۔ ہیں تو میرزا منش لیکن یہ چکوتا گیا ادھر ادھر دیکھا۔ یار نہ غمگسار۔ نہ کوئی ہاں ہوں سے شریک نہ کوئی پرسان حال اکیلا باؤلا خبل مشہور ہی تیچھے پھر کر دیکھا کہ ایک دوست کھڑے گلوریاں بنوا رہے تھے جان میں جان آئی مارے خوشی کے باچھیں کھل گئیں فرط ابتہاج سے بول اٹھے کہ اے حضرت (ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں) آخاہ آپ ہیں۔ آئیے۔ کہاں بھول پڑے۔ جی یوں ہی چلا آیا دوست نے کہا آئیے کچہری کے اندر چلیے دو قدم بڑھے تھے کہ چپراسی نے کڑک کر آواز لگائی (دیبتا بیگ حاضر ہے) ایک افیمی کسیانون لڑکھڑاتے۔ سیڑھیوں سے لڑھکتے ہوئے دھم سے نیچے۔ یا علی ایک کھٹول نے کہا واہ قبلہ دیکھیے یہ شرط نہ تھی گرے تو مگر بندہ درگاہ سے پوچھ نہ لیا اٹھے تو یار لوگوں نے گرد جھاڑ دی اتنے میں ایک اپرینٹس (امیدوار) اور آیا اور کرسی پر ڈٹ گیا۔

امیدوار۔ کہاں سے آنا ہوا۔

دوست۔ جی اسی شہر میں رہتا ہوں۔

امیدوار۔ کچہری میں کھڑے رہنے کا حکم نہیں ہے۔ ہمارے کمرے میں سے آپ جائیے ورنہ چپراسی کو آواز دیتا ہوں۔

دوست۔ بگڑیے نہیں بس صرف یہ تو بتا دیجئے کہ آپ کا عہدہ کیا ہے۔

امیدوار۔ ہم امیدواری کرتے ہیں۔ تین مہینے سے روزنامچہ کا کام سیکھتے ہیں۔ اب فرائے اڑاتا ہوں۔ آٹھوں گانٹھ کمیت ڈاکٹ ترمے لکھ لوں نقشہ چٹکیوں میں بناؤں۔ کسی کام میں بند نہیں پندرہ روپیہ کی اسامی ہمیں صبح و شام طاہی جاہتی ہو گر پیٹ تو واللہ گھانس چھیلنا مشکل معلوم ہوتا تھا اب بقراط بن گیا

آزاد۔ کیوں میاں صاحبزادے تمھارے والد کہاں نوکر ہیں۔

اُمیدوار۔ نوکر۔ توبہ توبہ کیجئے وہ دس گانوں کے زمیندار ہیں۔

آزاد۔ کیا تم کو گھر سے نکال دیا یا عاق کر دیا۔ یا کچھ کھٹ پٹ ہی۔

اُمیدوار۔ ہم ہونہار لڑکے ہیں اس سن میں نوکری کی فکر ہوئی۔

آزاد۔ حضرت جسے کھانے کو روٹیاں نہوں وہ ستو باندھکر نوکری کے پیچھے پڑے تو مضائقہ ندارد۔ تم خدا کے فضل سے خوش و خرم مرفہ حال فارغ البال۔ زمیندار روپیہ والے ہو۔ تم کو یہ کیا سوجھی کہ دس پانچ کی نوکری کے لیے ایڑیاں رگڑتے ہو اسی سے تو ہندوستان خراب ہی۔ ہائے اسی سے ہندوستان خراب ہے۔ واہ رے ادبار جسے دیکھو نوکری پر ہزار جان سے عاشق میاں صاحبزادے کہا مانو اپنے گھر جاؤ اپنا کام دیکھو اس بکھیر میں نہ پڑو۔ عمامہ باندھا اور کچہری میں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں محرری پر لوٹ۔ امانت پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں اور گھر میں سونے کی اینٹیں بکھری ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔

دوسرے امیدوار کی نسبت معلوم ہوا کہ ایک مہاجن لکھ پتی کا لڑکا امیدواری کرتا ہی۔ باپ کی کوٹھی چلتی ہی۔ لاکھوں کا وارا نیارا بیٹا بارہ روپیہ کی نوکری کے لیے سو سو چکر لگاتا ہی۔ چوتھے درجہ سے مدرسہ چھوڑا اور اپرینٹس ہوے کام خاک نہیں جانتے ہیں ڈاکٹ میں لکھتے انڈر سر۔ باہر جاتے ہیں تو منصرم صاحب سے پوچھکر مولوی صاحب اگر اجازت باشد۔ آب خوردہ بیایم اسوقت جب سب دفتر والے اپنے اپنے گھر جانے لگے۔ تو حضرت پوچھتے کیا ہیں۔ کیوں جی یہ سب چلے جاتے ہیں اور ابھی چھٹی کی گھنٹی تو بجی ہی نہیں اسکول کی گھنٹی یاد آگئی۔

میاں آزاد دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ کمسن لڑکے سیل دھگی ہوئی۔ نوجوان۔ امیروں کے لڑکے ابھی گبھرو نام خدا پندرہ پندرہ سولہ سولہ برس کا سن۔ پڑھنے لکھنے کے دن۔ مدرسہ چھوڑا کالج سے منھ موڑا۔ امیدواروں کے زمرے میں شامل اپرینٹسوں کی ٹکڑی میں داخل۔ الغرض الف بے نکاڑا علم و ہنر کو چننے کے کھیت میں پچھاڑا۔ ہائے ستم وائے ستم محنت کرنا وبال۔ درس و تدریس میں جی لگانا دشوار دو چار برس جم کر پڑھنا محال۔ لاحول ولا۔ یہ سب ہندوستان کے ادبار پر دال ہے۔ یورپ میں دیکھئے کہ ایک ایک پیرزال تک تربیت یافتہ و بدیع الخیال ہی۔ افسوس اپنی تو یہ کیفیت کہ جہاں کسی کمسن مرفہ حال کو قبل تکمیل مدرسہ چھوڑتے دیکھا سینہ پاش پاش ہوگیا۔ دل کراہنے لگا۔ اکثر لوگوں سے پوچھا کہ بھئی صاحبزادے مدرسہ کیوں چھوڑ بیٹھے۔ تو جواب یہی پایا کہ اقلیدس کی شکل سے نفرت ہے۔ جبر و مقابلہ سیکھنا طبیعت پر جبر کرنا تھا۔ تاریخ یاد کسے رہے یہاں تو خدا جھوٹ نہ بلائے گھر کے بچوں کا نام یاد نہیں آتا۔ لہذا پڑھنے کی ڈم میں نمدا باندھا۔ ہم بھی سوچے کہ کہاں کی جھنجھٹ۔ بھئی الگ بھی کرو چلتا دھندا کرو۔ اور لطیفہ سنیئے مدرسہ چھوڑا اور نوکری کی فکر ہوئی۔ عمامہ اونٹ پٹانگ باندھا اور کچہری میں غڑاپ سے جو داس لپٹی دستار کے قربان اور اس دحشت کے صدقے زمیندار کے لڑکے کی یہ خواہش ہوتی ہی کہ کھیتی کو یک قلم الغلط کرے اور کچہری میں گھس پیٹھ کر داخل ہوشے۔ تاجر کے صاحبزادے کو جی سے لگی ہے کہ کالج سے جمپٹ ہوں اور کچہری کی کرسی پر جا ڈٹوں متصدی محرر منشی اہل قلم کے صاحبزادوں کی تو گھٹی ہی میں محرری ہے۔ علما فضلا عقلا کملا معزز حکام اور افسران ذوی الاحترام کہتے کہتے تھک گئے کہ پڑھ لکھ کر اپنا اپنا پیشہ کرو اور اُسی کو چمکاؤ۔ مگر بابو بننے کا شوق اور اہل دفتر کہلانے کا

عشق ایسا چراتا ہے کہ عقل بالائے طاق دختت گلے کا ہار ہوتی ہے مگر دیکھئے تو سہی رفتہ رفتہ سب سیدھے ڈھرے پر آجائیں گے اور چار دانگ ہند میں تربیت یافتہ ہی تربیت یافتہ نظر آئیں گے۔

رت آئی بسنت عجب بہار

ساقیا برخیز و در دہ جام را
خاک بر سر کن غم ایام را

بادہ در دہ چند ازیں باد غرور
خاک بر سر نفس نا فرجام را

ساغرے بر کفم نہ تا ز سر
بر کشم این دلق ازرق فام را

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں
ما نمی خواہیم ننگ و نام را

کیسا کباب کس کی شراب کیسا مطرب کہاں کا رباب۔ یہاں بادۂ فصاحت کے نشہ سے آنکھیں چور چشم بد دور۔ اچھا پھر ہو ساقی ہو یا نہ ہو۔ کیا غم ہے۔ مطرب سے واسطہ۔ دل بہلانے کے لیے میاں آزاد کا ترانہ کیا کم ہے۔ اب سُنئے کہ ادھر۔ ؎

منشی سحر ہاتھ میں لے کر قلم زر
لکھنے لگا منصوبے و معزولی لشکر

لے فرد سیہ شب کو کیا خارج دفتر
منصوب ہوا عامل زر اپنی جگہ پر

مہتاب پہ جاری کیا تھا قلم امر و نہی کا
پروانہ چراغوں کو ملا برطرفی کا

سویرے ہی سویرے ایک دوست نے آن کر میاں آزاد کو اُٹھایا۔

بگڑے دل دوست۔ یا حضرت کچھ بسنت کی خبر ہے۔

آزاد۔ کیا آنکھوں میں سرسوں پھولی ہے یا ساون میں پھوٹی تھیں ہمارے تاوان یہاں دل سرد چہرے زرد۔ جدھر جاؤ گرد برد ہے۔ واللہ یہ اچھی صفت عکس مطرد ہے کہ آپ بسنت بسنت پکارتے ہیں حش کی دیکھئے

بگڑے دل۔ وہ دل سرد ہو یا چہرہ زرد ہو لیکن آپ کو بسنت کی خبر ہی نہیں دونوں دوست چلے جاتے تھے کہ چند آدمی ملے جو باہم یہ گفتگو کر رہے تھے۔ چلو ہنیا کلوارن کی دکان پر ادکھ سے چلو لگائیں اور جھوم جھوم کر بسنت گائیں۔ فصل بہار ہے۔ دن کا تیوہار ہے صبح کا سہانا وقت اور نسیم طرب انگیز و عنبر بار و مشیر قافلہ باد و تار ہے ؎

ان تخ دش کہ ساقی ام الجنا تمش خواند
اشہی لنا و احلے من قبلۃ العذارا

وہ سب ہنیا کلوارن کی بھٹی پر جا ڈٹے ایک نے کہا ؎

ہنیاد کُر سے سکورے میں لبالب ہی بھجے
روح دوڑتی ہے نظر آتی ہو کچھ پیاسی مجھے

ہنیا تو اس فن کے زندان بلانوش گندم نما جو فروش کی قبر تک سے واقف تھی۔ ایک سوندھی کوری کلھیا میں دو آتشہ شراب ڈھیل دی مخولانے خوب چسکی لگائی۔ اور کچی پر کچی اڑائی پیتے ہی لے اُڑی بیٹھے تو اُٹھا دو بھر۔ اُٹھے تو چلنا اجیرن چلے تو یہ لڑکھڑاتے وہ ڈگمگائے وہ لڑ جھکے یہ آئے۔ دھم۔ پاؤں بہکے تو ادا سی کی ٹھلیا پر گرے اس کی بساط کیا چکنا چور ہو گئی تو فرماتے کیا ہیں۔ ؎

گہ بسوز نم برنگ گہ بہ پائے خم افتم
ہنسیا مرنج ازیں عالم جدائی ہات

الغرض کپڑے شرابور ہو گئے۔ اور ہنیا نے تاک کر چیت گاہ پر ایک ٹیپ اس زنلٹے سے جمائی اور وہ فرمائشی دھول لگائی کہ تڑاکی آواز سے بھٹی بھر گونجنے لگی مگر بے حیائی بلا دور مسکرا کر فرماتے ہیں کہ۔ ؎

دھول دھپہ ہنیا کی تو ابتک عادت نہ تھی
ہائے کر بیٹھے تجھے ہم ہی پندتی ایکدن

وہاں سے اور دو قدم چلے تو ایک پر دوسرا گرا۔ ع پا بدست دگرے دست بدست دگرے ؛ انگھڑیوں میں لال لال ڈورے میاں آزاد اور انکے دوست بھی یہ کیفیت دیکھ کر چلے تو دیکھا کہ ہر شے زرد ہے اشجار زرد در و دیوار زرد۔ رنگین کمرے زرد۔ لباس زرد۔ کپڑے زرد۔ شاہ مینا کی درگاہ میں دھوم ہے۔ تماشائیوں کا ہجوم ہے داب شاہ کے جھگڑے سے رنگیلے جوانوں کی ریل پیل معشوقوں اور دولہا کا میل۔ اندر کے اکھاڑے کی پریوں کا دنگل ہے جنگل میں منگل ہے

بہار بسنت جوش زن ہے۔ زہاد خشک کا نشہ ہرن ہے جسے دیکھو زرد پوشاک زیب تن ہے۔ زعفرانی دوپٹوں اور کیسری پائجاموں پر عجب جوبن ہے۔ ؎

ہے لطف حسینوں کی دورنگی کا امانت
دو چار گلابی ہیں تو دو چار بسنتی

وہاں سے طرارہ بھرتے چوک پہونچے۔ واہ جی واہ۔ جوہری کی دکان پر ایسے خوش رنگ عقیق ہیں کہ پکھراج پری دیکھتی تو مارے غیرت کے ہیرا کھاتی۔ اور اندر کا اکھاڑا بھول جاتی۔ دلبر میوہ فروش زرد آلو۔ نارنگی زردک امرود چکوترہ چھتابی کی بہار دکھاتی ہے۔ تیپئی دوپٹے پر اتراتی ہے۔ مالن گیندہ ہزارا زرد گلاب کی بوباس سے دماغ کو طبلۂ عطار بناتی ہے اور صدا دے دے کر بتاتی ہے کہ گیندے کی بہار ہے گلے کا ہار ہے۔ حلوائی کھوپڑے کی زرد برفی۔ پستے کی زرد برفی نان ختائی۔ بیسن کے لڈو نخودی کے لڈو۔ مونگ کے زرد لڈو۔ خوانچے والے پاپڑ۔ دال موٹھ سیو مونگ کی دال بیچتے پھرتے ہیں۔ ایک ایک کے دس دس لیتے ہیں۔ الغرض دونوں دل بہلاتے چلے جاتے تھے۔ تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک گلی کے نکڑ پر لالہ بسنت رائے کا ایک خوشنما مکان ہے۔ اور اس مکان میں ایک دلربا دالان ہے اور اس دالان میں عجب سماں ہے۔ بانکی ٹوپیاں جھلے بسنتی پگیا باندھے۔ زعفرانی لباس پھڑکاتے رنگیلے جوان بیٹھے ہیں اور سامنے مہوشان پری پیکر رشک قمر زریں کمر نازک بدن سیمتن غنچہ دہن بسنتی چمپا۔ زعفرانو۔ نوبہار کی دھن میں بسنت گاتی ہیں اور کافی انعام گنا کمن اشرفیاں پاتی ہیں زرد زرد قالیچے زرد چھت پوش زرد جھاڑ زرد کنول۔ زرد جھالرے مکان سجا سجایا ہے۔ بسنت پنچمی نے در و دیوار تک کو زرد پوش بنایا ہے۔ مگر خان گلفام کا زرد لباس اور

اُس پر عطر فتنہ کی بوباس جسے دیکھو راحت و آرام سے ہم آغوش رنج و محن آس نہ پاس کوئی نازک آوازی سے تان سین کی روح کو شرماتی ہے اور چمک دمک کر تان لگاتی ہے۔ ؎

رُت آئی بسنت عجب بہار — سگلے جرد پھول برون کی ڈار
چنکو کسم پھولے لاگی سرسوں — پھبکت جلت گیہوں کی بار
ہر کے دوارے مالی کا جھومرا — گڑوا ڈارت گیندوں کے ہار
ٹیسو پھولے انبا بورائے — چمپا کے روکھ کلیں کی بہار
گڑوا ڈالے اُستاد کے دوارے — چلو سب سکھیں کر کر سنگار

کوئی برق وش انا البرق کہتی ہوئی چمک جاتی ہے اور میاں امانت کی یہ غزل گاتی ہے۔ ؎

ہو جلوہ تن سے در و دیوار بسنتی — پوشاک جو پہنے ہے مرا یار بسنتی
کیا فصل بہاری نے شگوفے ہیں کھلائے — معشوق ہیں پھرتے سر بازار بسنتی
گیندا ہے کھلا باغ میں میدان میں سرسوں — صحرا وہ بسنتی ہے یہ گلزار بسنتی
منہ زرد دوپٹے سے نہ آنچل سے چھپاؤ — ہو جائے نہ رنگ گل رخسار بسنتی
رُت بھر گئی عالم میں چلی باد بہاری — مے خواروں کو بھاتے ہیں میخوار بسنتی

گھر پر آئے تو میاں آزاد نے ایک اخبار کے لیے مضمون دلکش لکھا۔

بسنت کی بہار

دمید برگ و نہال طرب بیار آمد
بہ نو عروس چمن رقعۂ بہار آمد

اللہ اللہ کیا روح افزا بہار ہے جس طرف دیکھئے زعفران زار ہے صوفی صافی تک مرید مغبچۂ بادہ فروش ہے۔ ہر سمت۔ ع

مات الصبوح حیوا یا ایہا السکارا

کا خروش ہے بہار بسنت کا وہ جوش ہے کہ ساقی تک مدہوش ہے اور کیوں نہ ہو۔ ؎

حکم رانی ہو جہاں میں سلیمان بہار
زلف سنبل کو سمجھیے کہ پر کا کہ جانیے

خشت پیماں جھکیا طغرائے فرمان بہار
نرگس شہلا کو کہیے چشم فتان بہار

بہار باغ کا عالم خطہ گلزار میں سطور ہے صفحۂ قرطاس نور علیٰ نور ہے۔ گلزار دشت ہیں کہ جنت کے چمن۔ حور و غلمان ہیں یا نسرین و نسترن فردوس آنے تو گلچین ہو جائے۔ رضوان دیکھے تو شرمائے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کی ٹھوکریں۔ باد بہاری کے جھونکے سنسن سبزے کی لہک گل جعفری کی مہک کلیوں کا چٹکنا۔ پھولوں کا مہکنا۔ شاخ گل کی کج ادائی سنبل کی آشفتگی۔ گل کی رعنائی دزدیدہ نگاہوں سے نرگس شہلا کی نظر بازی زبان حال سے سوسن کی زبان درازی۔ شاخ گل کا مستانہ وار جھومنا۔ اشجار پر میوہ کا زمین کو بار بار چومنا۔ سنبل کی سیہ مستی۔ نرگس کی جام پرستی۔ نونہالان چمن کے ہاتھوں میں پھول کے جام جیسے رندان مے آشام سرشار بلبل نغمہ خیز۔ نالے سو ہیں تار ترانہ ریز۔ طوطی خوش بیانی عنادل کی غزل خوانی۔ کوئل کی کوکو۔ قمری کا نعرۂ حق سرۂ سبحان اللہ سبحان اللہ

بہار آئی ہے عالم ہے گل و نسرین و سوسن پر
جوانان چمن نازاں ہیں اپنے اپنے جوبن پر

عنادل جوش مسرت میں بے پر کی اڑاتے ہیں۔ غنچۂ گل حسن شکر زیر لب مسکراتے ہیں۔ شبنم کے قطرے ہرے ہرے پتوں پر اس طرح نمودار ہیں جیسے کسی سبز تہ گلگوں کے ہاتھ میں لآلی آبدار ہیں۔ درخت پھولے پھلے۔ سرو سہی سانچے میں ڈھلے نسرین و نسترن کا حسن بے عیب و داغ۔ نرگس و گل چمنستان کے چشم و چراغ۔ ع

وہ بہار آئی ہوئے نغمہ سرا مرغ چمن
جوش ہے زمزمہ سنجی پہ ہیں مرغان بہار
کرم ابر بہاری سے ہے سیراب چمن
نئے مضمون ادا کرتی ہے سبزے کی زبان

غیرت باغ ارم آج ہے صحن گلشن
کیا تعجب ہے جو گویا ہو زبان سوسن
خاک اڑ کر نہیں ہوتی ہے غبار دامن
شگفتہ سربستہ ہے غنچہ کا دہن

آب شبنم سے کہاں کاسۂ گل ہیں لبریز
آبشاروں کا سر آئینہ بجاتی ہے صبا
کوئی افسانۂ آزاد نہیں سنتا ہے
ایسی کثرت سے جو ہو بارش باران بہار

جلتر نگ آج جانے کو ہے مشتاق بہت
تال دیتا ہے کف برگ سے ہر نخل چمن
خس و خاشاک سے کیا صاف ہے صحن گلشن
زاہد خشک کا ممکن ہے نہ ہو تر دامن

پھولوں سے لبریز گلچینوں کی جھولی ہے۔ باغبان کی آنکھوں میں سرسوں پھولی ہے۔ حوض باغ آئینہ کی صورت صاف۔ پانی مثل بلور شفاف۔ روشیں صاف و پاک۔ پٹریاں بے خس و خاشاک۔ رنگیلے جوان نشاط گلگشت میں مخمور۔ بادۂ مسرت سے چور۔ بکھنڈ میں ہر گلی کوچہ زعفران زار ہے کیوں نہ ہو آخر بسنت کی بہار ہے۔ جدھر دیکھو تو ہر بسنت طبلے پر تھاپ سارنگی کی چھیڑ چھاڑ اور نغمہ سرائی کا انتظام ہے۔ مگر شاہ مینا صاحب کی درگاہ سب میں انتخاب زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ اللہ اکبر گرد مزار کہیں نوجوانوں کی وہ دھوم دھام ہے کہ جس طرف دیکھیے اژدحام خاص و عام ہے۔ غٹ کے غٹ جوق کے جوق چلے جاتے ہیں۔ غول کے غول امڈے آتے ہیں۔ وہ بھیڑ بھاڑ کا وہ دھکم دھکا وہ ریل پیل وہ شور و شر کہ الامان۔ الحذر۔ ایک دوسرے کو دھکیلتا ہے دوسرا تیسرے کو ڈھکیلتا ہے ڈولیوں پر ڈولیاں اور فنس پر فنس چلی آتی ہیں مہ جبینان ماہرو تماشبینوں کی بدولت گلچھرے اڑاتی ہیں۔ قدم بھر چلنا دشوار۔ سر بر خاک چہرہ سب پر غبار مزار شریف تک گرد جا بجا گلرخان سنبل مو عجب ناز و انداز سے جلوہ گر جسے دیکھو طرحدار۔ بال ابرو تک قمر چمپئی رنگ شوخ و تنگ پوشاک از سر تا پا دھانی دوپٹہ ہلکا زعفرانی۔ خوشبو خوشتر و خوش خو۔ مرغولہ مو۔ آئینہ زانو۔ نازک اندام نازنین۔ حور لقا۔ زہرہ جبین۔ شوخ و بیباک چست و چالاک۔ خوش الحان غزل خوان گوہر یاقوت لب یمن گاتی ہے دل بہار گلعذار بہار کی تان اڑاتی ہے۔ عجب ناز و انداز سے کھڑی ہاتھ سارنگی والے کے

کاندھے پر دھرے کمر کو لوچ دیے (رُت آئی بسنت عجب بہار) کی تان اُڑا رہی ہیں اشاروں میں سارے نکتہ سربستہ بتا رہی ہیں ہر ایک تان جانستاں تان سین کی روح جس پر قربان ۔ نور کے گلے نور کی آواز ۔ بلا کا ناز غمزہ کا انداز ۔ مطرب کی ناخن بازی پر دل لوٹ ہے ۔ ارباب نشاط کے رقص اور ٹھوکر سے کلیجے پر چوٹ ہے ۔ رقص کا وہ سماں بندھا کہ عاشقوں کا دل بھی گنگنانے لگا ۔ ؎

آفت چلی ہے ترا لے سرِ محفل انداز رقص — ساتھ ہر ٹھوکر کے کرتا ہے ہلاکام رقص
ہی اُٹھے مردے ہزاروں سن کے گھنگرو کی صدا — وسطے زندگی کے لایا موت کا پیغام رقص

سارنگیاں ہاں میں ہاں ملانے کو تیار ۔ واہ بیوی اس خوش الحانی کے نثار طبلہ نواز کمربستہ خدمت گزار ۔ گرداگرد تماش بینوں کی قطار دوسری جانب قوال حقانی غزلیں گاتے صوفیوں کو وجد میں لاتے ہیں کسی اہل دل کو حال آیا کوئی آنکھوں میں آنسو بھر لایا ہو حق کا نعرہ بلند ہے ۔ سرود و غنا کا لطف دوچند ہے ۔ ایک سمت ساقنوں کا گرم بازار ۔ دوکانیں دھواں دھار ۔ چلم پر چلم بھری جاتی ہے دم پر دم پڑتے ہیں ۔ ناتواں نوجوان نشہ کے زور میں عجیب لوچ سے اکڑتے ہیں ۔ بسنت نے بھی اچھا رنگ جمایا ہے ۔ چنڈو بازوں تک کو زعفرانی بنایا ہے لباس درکنار جسم تک زعفرانی ہیں ۔ بیمار دنیا ملنگنے آئے تو وہ بھی یرقانی ہیں نگیبوں کی آمد و رفت سے وہ دھول وہ خاک وہ گرد وہ غبار ہے کہ دم لینا دشوار ہے ۔ سانس باہر نکلتے جان جاتی ہے ۔ کیوں نہ ہو آخر ہولی خاک بھی اُڑاتی آتی ہے ۔ الٰہی جس طرح بسنت آیا ہولی بھی آئے قلم جادو رقم جی کھول کر خاک اُڑائے ۔ ہمارے رنگیلے جوان حسینوں کے سنگار دان میاں آزاد اور اُن کے دوست بسنت کی بہار پر یوں کے نکھار ۔ مہ جبینوں کے سنگار میووں کے انبار بادہ نوشوں کی تکرار ۔ کمہاروں اور کلاروں کی جوتی پیزار نسیم مشک بیز و عنبر بار ۔ شمیم زلف مہوشان گلعذار زعفران پوشوں کی قطار ۔ جلسہ مسرت آثار ۔ زرد زرد لباس عطر کی بو باس دکانوں کی بناوٹ کمروں کی سجاوٹ ۔ قوالوں کی نازک آوازیاں مطربوں کی جادو طرازیاں ۔ خوش گیدن کی لفاظیاں عاشق تنوں کی نظارہ بازیاں دیکھ کر چل کھڑے ہوئے تو ایک نئی قطع نئی وضع کے بزرگوار سے مڈبھیڑ ہوئی بڑے عیار بڑے تجربہ کار ۔ بڑے جہاں دیدہ ۔ بڑے سن رسیدہ ۔ بڑے خرانٹ گرگ باران دیدہ ۔

خرانٹ ۔ آیئے آیئے یوں آیئے ۔ اے حضرت تکلف سے بندۂ درگاہ کو نفرت ہے ۔

گر بر سر و چشم من نشینی — نازت بکشم کہ نازنینی

خوب ملے واللہ شریف کی صورت پر عاشق ہوں چین و ماچین ختن و ختین ۔ سمرقند اور خجند ۔ تاتار اور سبزوار ۔ آسا اور کوکا نار ہند اور سندھ ۔ ہسپانیہ اور مانیہ روم و شام ۔ طوس و جام کوہ قاف اور موسلی باف ۔ الغرض ساری خدائی کی ۔ بندۂ درگاہ نے خاک چھانی ہے اور تو یا رجانی ہے ۔ سفر کا حال سن گھنگرو بولے چھن دل خراش سینہ پاش رود نیل کی روانی بھری برسات میں طغیانی ۔

شاہوں کی وہ جا ہے تاجداروں کی ہے — مسکن نہیں مرگ وہی تاجداروں کی ہے
داماں ذہن رسا کا حوصلہ پست ہے — رفعت یہ مصر کے مناروں کی ہے

یہ تقریر سن کر آزاد کے ہوش پیترا ہو سے سمجھے کہ کوئی پاگل ہے اچھے کا ساتھ ہوا ۔ وحشتِ دل کا علاج ہاتھوں ہاتھ ہوا ۔ یا کوئی مقدس بزرگوار ہیں ۔ معمر و تجربہ کار ہیں ۔ مگر جنون کے لیسے آثار ہیں اتنے میں خرانٹ نے پھر بڑ شروع کی ۔

خرانٹ ۔ سنو یار ۔ عرض خاکسار ۔ ہم سوتے ہیں تم جاگو ۔

پھر ہم اُٹھ بیٹھیں تم سدہو سفر دور و دراز ہے سوتے جاگتے ٹھہرتے بھاگتے راہ کاٹیں سفر کا اندھا کنواں الٹیں ایغٹوں سے پائیں اب ریل ایک اسٹیشن پر ٹھہری اور خوانٹ نے ایک خوانچے والے کو بلایا۔

خوانٹ۔ کھٹیاں کتنے سیر۔ برفی کا کیا بھاؤ۔ لڈو پیسے کے کے بولو جھٹ پٹ ورنہ ریل چلی جائے گی۔

خوانچے وللا۔ آپکو سودا تو نہیں ہوگیا ہے۔ آپ مٹھائی خریدتے ہیں یا جھگڑا چکاتے ہیں۔ الغرض تین چار آنے کی مٹھائی لی۔ میاں آزاد کو کھلائی۔ اور سقے سے پانی پلوایا۔ ریل پھر سن سے چل کھڑی ہوئی

خوانٹ۔ بھائی اب سو رہو ہم اسباب تلکتے ہیں۔

اسکے بعد میاں آزاد سے ایسی میٹھی میٹھی باتیں کیں کہ وہ بھی باغ باغ ہوگئے اور دوست صادق سمجھ کر لیٹ رہے لیٹتے تو ایسے سوئے کہ تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ ؎

بھاگتے جاؤ ہاتپہ بڑن اور رکٹ ملا   لٹ پٹ کے گھر کو آئے تو گھر کا کٹ دیا

کئی دن کے تھکے ماندے تو تھے ہی سوئے تو گھوڑے بیچکر۔ سر دپا کی خبر نہیں مردوں سے شرط کی تھی خوانٹ نے وہ لفاظی کی کہ آزاد چت ہوگئے وہ ایک کائیاں غضب کا نیار یاان کو غافل پایا تو بوریا بدھنا اُٹھایا اور چلتے ہوئے اُنھوں نے کروٹ تک نہ بدلی۔ جاگے تو کب جب۔ ؎

حریفاں بادہا خوردند و رفتند   تہی خمخانہ ہا کردند و رفتند

بدحواسی کے عالم میں اترے تو اسٹیشن کو سر پر اُٹھایا۔ اور وہ غل غپاڑا مچایا کہ زمین کو زلزلہ آگیا۔ در و دیوار تھرا گئے انسان و حیوان کانپ اُٹھے دہائی ہے سرکار کی۔ لوٹ لیا اب کبھی ٹکٹ بابو کے پاس جلتے ہیں کبھی کانسٹبل پر جھلاتے ہیں۔ کبھی اسٹیشن ماسٹر کے کمرے میں غل مچاتے ہیں۔ ادھر اُدھر تلاش کیا مگر خوانٹ کہاں وہ یہاں سے ۲۸ کوس پر تھے رو پیٹ کر بیٹھ رہے بابو نے ٹکٹ لیا۔ اور ان کو سیدھا راستہ بتایا چلے تو سینہ بریاں بادیدۂ گریاں یا الٰہی کدھر جاؤں۔ بار خدا چور سینہ زور کہاں پاؤں پاؤں تو کچّا ہی کھاؤں۔ یہ پردیس کا واسطہ نیا شہر اپنا نہ پرایا۔ خویش نہ بیگانہ ایک قدم تک چلنا دوبھر تھا۔ مگر قہر درویش برجان درویش ناچار ٹھوکریں کھاتے چلے جاتے تھے۔ ایک چوراہے پر کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے سے ایک جوان طناز دور کا مشکی گھوڑا پھیکتا چلا آتا ہے۔ اور سمند و غا پسند ایسا سرپٹ جاتا ہے کہ ہوا اُس کے غبار تک کو نہیں پہونچتی۔ ایک کونے میں دبک رہے کہ ایسا نہ ہو کہیں جھپیٹ میں آجائیں۔ اور وہ پٹسنک کھائیں کہ ہاتھ پائوں ٹوٹے یا سر پھوٹے۔ اتنے میں سوار انکے تکلے پر آن کھڑا ہوا۔ جھٹ گھوڑے کی باگ روکی۔ اور انکی طرف نظر بھر کر دیکھنا شروع کیا۔ یہ چکرائے کہ الٰہی خیر۔ یہ شخص تو بے طرح گھور رہا ہے۔ خدا پناہ میں رکھے اب ہنٹر دیا ہی چاہتا ہے مونڈے پر سو درّے۔ اُس سوار کی قطع وضع پر جو انھوں نے نظر ڈالی تو دیکھا کہ آدمی شریف خوش پوش حسین وجیہ اور جری ہے اور گھوڑے پر تو ایسا جمتا ہے کہ سبحان اللہ۔

جوان۔ کیوں حضرت آپ کسی کو پہچانتے بھی ہیں۔ اس بھول کے قربان۔ خدا کی شان۔ آپ اور ہم کو بھول جائیں۔ یہ معاملہ کیا ہے۔

آزاد۔ میاں تمھیں دھوکا ہوا ہوگا۔ میں صورت آشنا بھی نہیں میں تو ایک غریب الوطن غمزدہ۔ دل شکستہ خستہ و خراب مسافر پردیسی ہوں۔

جوان۔ کیا! غمزدہ! تمھارے دشمن۔ دل شکستہ! خدا نہ کرے۔ خراب و خستہ! جو تمھاری طرف دیکھ نہ سکے۔

یہ کہہ کر وہ جوان طناز سمند باد رفتار سے اتر پڑا اور میاں آزاد سے چمٹ گیا۔ میاں آزاد حیرت میں کہ الٰہی یہ کیا اسرار ہے جوان نے مسکرا کر کہا کہ یار تم ہمارے ہم مکتب ہو۔ یاد ہے کالج میں ہم تم ایک ہی درجے میں پڑھتے تھے۔ وہ کشتی پر ہوا کھانے جانا اور دریا کے مزے اڑانا۔ وہ مداری خوانچے والا وہ اقلیدس کے وقت اڑ بھاگنا۔ منطق سے جی چرانا۔ سب بھول گئے تب تو میاں آزاد خوب بغلگیر ہوئے اور رو دئے۔ یہ خوشی!۔

جوان۔ تمہیں یاد ہوگا کہ جب انٹرنس کا امتحان دینے کو تھا تو میرے پاس دس روپیہ کا ٹھکانا نہ تھا کہ فیس بھیجتا۔ سرگرداں و پریشان ادھر ادھر تلاش زر میں بھٹکتا پھرتا تھا کہ راہ میں اسپتال کے پاس تالاب پر تم سے مڈبھیڑ ہوئی اور تم نے میرے حال زار پر رحم کرکے دس روپیہ کی فکر کر دی۔ درجہ اول میں بندہ پاس ہوا اور پھر تمہاری پرورش سے بی اے تک پڑھا اور ڈگری پائی۔ اب میں یہاں دو سو روپیہ ماہواری پاتا ہوں اور تمہاری بدولت دندناتا ہوں۔ لیکن تمہاری صورت سے مایوسی اور وحشت برستی ہے اس کا کیا سبب ہے۔

آزاد نے اپنا سارا دکھڑا کہہ سنایا اور کہا کہ بھئی تو ہی اس گاڑھے وقت پر آڑے آیا۔

جوان۔ استعجاب ہے کہ ایسا تجربہ کار آدمی اور اتنا بھونڈا چکمہ کھائے اور پھر دن میں آ جائے۔ ارے میاں مسافر کا اعتبار کیا پ پر بڑی ہوشیاری لازم ہے۔ مسافرت خالہ جی کا گھر نہیں کیل کانٹے سے درست آنٹوں گانٹھ کمیت ہونا چاہئے۔ لے اب کان پکڑو کہ پھر کسی مسافر کی دوستی کا اعتبار نہ کریں گے۔ لاحول ولا قوۃ واللہ اس وقت تمہاری حالت دیکھ کر ایسا رنج ہوا ہے کہ بیان سے باہر۔ تم تو ساری خدائی کے نیارئیے تھے۔ ایسا غچا کھا گئے۔ ہم ہی اگر میں راہ میں نہ ملتا تو خدا جانے تمہاری کیا حالت ہوتی چلو اللہ نے بڑی خیر کی۔ کپڑے تک اتار لے گیا۔ اور آپ کو ہوش ہی نہیں یہ بے خبری۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک شخص نے میاں آزاد سے آ کر پوچھا کیوں قبلہ اولڈ ٹام کو خالی پیتے ہیں یا سوڈا واٹر ملا کر اکثا نمبر دن میں تو ہم نے لیمنڈ ملایا ہے۔ (گر اولڈ ٹام کا حال نہیں معلوم) شراب کا حال سننا تھا کہ آزاد کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے اور بڑی دیر تک حضرت لکچر دیا کئے کہ خبردار شراب نہ پینا ورنہ دھوبن کان پکڑے گی کلوارن دھپیں جڑ دے گی آبرو خاک میں مل جائے گی شراب خواری ستم ڈھائے گی الغرض وہ جوان اپنے محسن میاں آزاد کو اپنے گھر لے گیا۔ —۵

نہ تو شیشہ ہی ملا اور نہ ساغر پایا
ساقیا لے تری محفل سے چلے بھر پایا

میاں آزاد اور کہیں دو دن جم کر ٹک جائیں۔ معاذ اللہ کیا مجال ایسے سیلانی اور کسی خاص مقام پر بستر جمائیں استغفر اللہ محال انکے پانوں میں تو پرکار کی گردش تھی۔ چست پیر کی بیعت لائے تھے۔ سیر ہو سپاٹا ہو۔ سفر ہو ریاٹا ہو تو چین آئے ورنہ پانوں سوج کر کیا ہو جائے۔ بھئی واللہ کیا الٹی بات ہے ایک دن اپنے لنگوٹیے یار کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہے تھے اور خوشی کے شادیانے بجا رہے تھے کہ دفعتاً انکے پانوں پر وہ سودا ہوا پھر کیا تھا عقل گم۔ دیکھئے اب تو شیطان نے دور سے انگلی دکھائی چل چلاؤ لگ رہا ہے۔ تلوے کھجلانے لگے جوتے پر جوتا سوار ہو گیا سفر کا بھتنا سر پر چڑھ بیٹھا بادیہ پیمائی کی دھن سمائی اللہ ری وحشت۔ —۵

خفقان ہے زندان جنوں زنجیر در کھڑکا ہے
مژدہ خار دشت پھر تلوہ مرا کھجلاتا ہے

سوچے کہ یار سے کہیں یا چپکے سے چل دیں کسی کو کانوں کان خبر نہ کریں بوریا بدھنا سمیٹ جنگل کی راہ لیں کہیں نہ ٹھیں اور سفر ہی میں سر دھنیں مگر دل نے سمجھایا کہ جائیں ڈنکے کی چوٹ گا بجا کے۔ محلہ والوں کو جتا کے ورنہ کہیں اڑوسی پڑوسی کہیں گے کہ اچھے تو نیا چور نکلے آئے تو اس طرح جیسے بھونچال۔ گئے تو اس طرح جیسے سگ زرد برادر شغال۔ آخر کار دل میں ٹھان لی کہ جائیں گے اور نیچ کھیت، جائیں گے گر یار سے مافی الضمیر نہ چھپائیں گے۔

آزاد۔ حضرت سلامت بس اب رخصت۔ ایک جگہ بیٹھے بیٹھے پھپھوندی لگ گئی پانوں مشتاق دشت نوردی ہیں بادۂ سفر خم کدۂ دل میں جوش زن ہے گلگوں خیال جولانگاہ بادیہ پیمائی میں سبک پویہ ہے عشرت کدہ میں دو چار دن خوب گلچھرے اڑائے پلاؤ اور زردے پر بڑھ بڑھ کر ہاتھ لگائے۔ مگر اب یہ صحبت کاٹے کھاتی ہے طبیعت اچاٹ ہوتی ہے۔ یہاں ذوق شراب نہ خواہش ساقی۔ یار زندہ و صحبت باقی۔ ع

اب تو جاتے ہیں بتکدہ سے میر   پھر ملیں گے اگر خدا لایا

یار۔ نیا رنگ لائی گلہری۔ کیا دماغ پر گرمی چڑھ گئی۔ یا جنوں نے زور کیا اب کی فصل بہار خیر سے گذر رہے تو تربت مجنون پر پھولوں کی چادر چڑھانا۔ اس وحشت کا ٹھکانا ہوش کی باتیں کیجئے بہت وحشت کی نہ لیجئے جانا اور آنا اور ملنا اور ملانا کیا بچھڑے ہوئے البتہ ملتے ہیں۔ ہم تم تو آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔

آزاد۔ ہم تو اس طرح جائیں جیسے روح تن سے یا جوانی کابل پیروں کے بدن سے۔ یا بوئے گل چمن سے یا بردہ فروشی کی رسم یمن سے۔ ع

درویش رواں رہے تو بہتر   آب دریا بہے تو بہتر
عقل اور جنوں کا سامنا کیا   مٹھی میں ہوا کا تھامنا کیا

تم کو شکر لبان عنبریں چہرہ ہمکو سفر اور جنگل کا بسیرا مبارک خدا حافظ

کب سبک دوش رہے قیدی زندان وحشن
بوئے گل پھاندتی ہے باغ کی دیواروں کو

جب میاں آزاد نے دیکھا کہ ان کے یار بھی دھن کے پکے ہیں تو بات ٹال دی اور قہقہہ لگا کر کہا (اے واہ حضرت آ گئے نا جھانسے میں) ع

اب تو سودا نے ترے در پہ بچھایا زانو

بیٹھے تو ایسے جیسے نقش قدم اٹھنا فنا پر موقوف) الغرض تو ٹمبو کر کے انگوٹھا لا۔ جب وہ خراٹے لینے لگے تو خدام باادب سے۔ ع

مانگا کاغذ دوات و خامہ   جھٹ پٹ موزوں کیا یہ نامہ

بگڑے دل کے خدمت گار کو میاں آزاد نے یہ نامۂ منظوم دیا اور چل کھڑے ہوئے۔ ع

اکتا گیا جی یہاں سے بھائی   پھر چلنے کی دل میں جھک سمائی
ایسی صد ہا پڑی ہیں افتاد   رد کے سے کہیں رکے ہیں آزاد
گردش میں ہے ان دنوں جو اختر   پانوں پہ سوار ہے سنیچر
کیا تم سے کہوں میں یار کیا ہوں   چلتا پرزا بنا ہوا ہوں
چھپر پہ دھرا ہے عیش و آرام   سیاحوں کو ایک جا پہ کیا کام
بس ہے یہی لطف زندگانی   دانہ ہو نیا نیا ہو پانی
چشمہ نہ بہے تو اسمیں بو آئے   خنجر نہ چلے تو مورچہ کھائے
اجسام میں دل چلے تو بہتر   گردش خوں میں رہے تو بہتر
گردش سے زمیں نے اوج پایا   افزوں ہوا مہر دمبدم پایا
کھلتے ہیں کہیں وطن میں جوہر   کیا قدر گہر صدف کے اندر
ہر چند کہ صورت سفر ہے   پر گلشن بے خزاں سفر ہے
ہر رنگ کے گل کھلے ہوئے ہیں   میووں سے شجر لدے ہوئے ہیں
جو پھول کہ خوشنما نظر آئیں   بھر بھر کے وہ جھولیوں میں لیجائیں

جو میوے لطیف دل کو بھائیں کھائیں خود غیر کو کھلائیں
کل سے تو مراد یاں ہے فیشن میووں سے غرض ہے علم اور فن
کیا لمبم کرے سفر کو مطعون جانے کیا شیخ نرخ صابون
ملتے ہیں خبر ادھر اُدھر کی اب بھرتے ہیں ہم میاں سفر کی
پھر سیر کی ٹھن گئی ہے جی میں ہم کو تو مزا ہے دل لگی میں
سیٹی بجی ریل کی مری جاں لو جاتے ہیں اب خدا نگہباں
اب تو اپنی جگہ سے ٹھسے جیتے ہیں تو پھر ملیں گے تم سے

یہ لکھ کر خدمت گار کو دیدیا اور کہا جب میاں جاگیں اُنکو دیدینا اور عمامہ باندھ کپڑے پہن کمر کس۔ چوکس ہوگئے یہ جا وہ جا۔

نیچریہ شاعری

میاں آزاد ایک مرتبہ سیر کرتے ہوئے ایک شہر میں داخل اور ہوٹل میں فروکش ہوئے جھٹپٹے وقت ہوا کھانے چلے تو دیکھا کہ سرا کی ایک کوٹھری کے برآمدے میں چار پانچ سفید پوش فرش مکلف پر بیٹھے عظیم اللہ خانی حقے مشکبو دھواں دھار اُڑا رہے ہیں اور گلوری چبا رہے ہیں۔ مگر سب موزوں طبع۔ شعرائے نازک خیال و شیریں مقال۔ حامی۔ علّامی۔ فہّامی۔ وقّاد اور جوّاد۔ ایک شاعر نے کہا کہ بھئی ہم تینوں کے تخلص کا وزن ایک ہے۔ علّامی۔ فہّامی۔ اور حامی۔ مگر تم دو ہی ہو۔ وقّاد و جوّاد ایک شاعر اور آجائے تو چوگڈم کی خوب ٹھہرے۔ اتنے میں میاں آزاد تڑسے پہونچ گئے۔ ایں! آپ کون۔ شاعر نے پوچھا۔ آپ تخلص کیا کرتے ہیں۔ فرمایا آزاد۔ تب تو ان سب کی باچھیں کھل گئیں کہ اچھا قافیہ ملا لو صاحب اب جوّاد۔ وقّاد اور آزاد یہ تین شعرا ابھی ہم قافیہ تخلص والے جمع ہوگئے۔ بھئی خوب آئے واللہ آپ ہی کی کسر تھی۔ اب شعر خوانی ہونے لگی ایک شعر پڑھتا ہے باقی داد دیتے ہیں۔ اے سبحان اللہ واہ

میر صاحب۔ یہ حضور ہی کا حصّہ تھا۔ حاصل زمین۔ بارک اللہ کیا خداداد طبیعت پائی ہے۔ واللہ کیا ذہن کی رسائی ہے پھر فرمائیے گا حضرت خدا کی قسم قلم توڑ دیے کیا روزمرّہ ہے ہائے اس بول چال کے صدقے۔ واللہ کیا خوب تقسیم ہے۔ ٹوپیاں اُچھل رہی ہیں۔ کوئی جھومتا ہے کوئی وجد کرتا ہے۔

آزاد۔ میاں سنو۔ اینجانب اس شاعری کے قائل نہیں ہیں ہمیں نیچریہ کلام پسند ہے۔ یہاں اس شاعری کے معنی ہی سمجھ میں نہیں آتے آپ لوگ تو زبان پر مرتے ہیں اور ہم خیالات پر جان دیتے ہیں۔ ہائے شاعری تو انگریزی پہ ختم ہے۔ نیچر نیچر ہائے نیچر والے نیچر نیچر کہاں پائے۔ گل و بلبل کا عشق معشوق کے قد کو تاڑ بنایا اور در پردہ کل طویل الخ کی پھبتی سنائی۔

فہّامی۔ آخاہ آپ نیچریے ہیں ایسے اور دہریے تو سنتے تھے اب نیچریے پیدا ہوئے غضب خدا کا ایسا کلام دلکش پسند نہیں یہ اُن شعراء کا کلام فصاحت التیام ہے جو پیغمبر شعر گوئی تھے۔ جن کا سب کلمہ پڑھتے ہیں بلکہ خدائے سخن تھے۔

آزاد۔ بندہ صاف گو صاف باطن آدمی ہے لگی لپٹی نہیں رکھتا یہ شاعری نہیں خبط ہے بے تکا پن ہے مبالغہ بھی تو کتنا کچھ ٹھکانا ہے جھوٹ کے چھپر اُڑا دیے لے اب کان کھول کر نیچریہ کلام سنو اسپر دہ فرمائشی قہقہہ پڑا کہ سرا بھر گونج اٹھی۔ پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ بڑی دیر تک ہنسی ضبط نہ ہو سکی۔

فہّامی۔ واہ قبلہ واہ۔ آپکی نیچریت کے صدقے اچھی گٹ پٹ ہے۔

آزاد۔ حضرت شیخ کیا جانیں صابون کا بھاؤ۔ اندھے کے آگے رونا اپنی آنکھیں کھونا۔ بھینس کے آگے بین بجائے بھینس کھڑی پگرائے

میاں آزاد نے اپنی نیچریہ شاعری کی تعریف کے وہ پل باندھے کہ بحر ظلمات پٹ جائے۔ تعریف کیا ایک سمندر کا سمندر تھا

جس کا اور نہ بھو ر ممکن کیا کہ کوئی تھاہ پلسکے۔ اُدھر وہ پانچوں اُردو کی شاعری پر غش۔ آتشؔ و میرؔ کے روز مرہ پر عش عش کرتے تھے۔ ناسخؔ کی بلاغت۔ انیسؔ کی فصاحت۔ ذوقؔ کی تشبیہ غالبؔ کے کلام اوق و خیالات نفیس۔ مومنؔ کی زبان سلیس امیرؔ کے استادانہ کلام کی بڑھ بڑھ کر تعریف کرتے تھے۔ اب فرمائیے فیصلہ کون کرے بھٹیارن جھگڑا چکانے سے رہی۔ بھٹیار اگھانس چھیلنا جانے شاعری علم دریا ہے۔ آخر کار فریقین کی رائے یہ قرار پائی کہ شہر چلیئے جو پڑھا لکھا آدمی پہلے ملے وہی حکم جو کہدے آمنّا وصدقنا منظور۔ سب نے ہاتھ پر ہاتھ مارا چلنے ہی کو تھے کہ بھٹیارن نے انکو للکارا اور جھک کر میاں جوّاد کا دامن لیا۔

میاں یہ بتے کسی اور کو بتانا۔ ہم بھی اس شہر میں اتنے بڑے ہوئے ہیں ہوں تو ابھی آپکی لڑکی کے برابر مگر سیکڑوں ہی کنوؤں کا پانی پی ڈالا پہلے کوڑی کوڑی بائیں ہاتھ سے رکھ جائیے پھر اسباب اُٹھائیے اور تشریف کھسکائیے۔

علّامی۔ نیکبخت یہ شریف بھلے مانس ہیں۔ دو پیسے کیواسطے کہیں شرفا ایمان بیچا کرتے ہیں۔ چلو دامن چھوڑ دو۔ ابھی دم کے دم میں آئے۔

بھٹیارن۔ اس دم میں بندی نہ آئے گی۔ ایسی باتوں میں نہ آنے کی ایسے بڑے ساہوکار کھرے اسامی ہو تو ایک گنڈا پیچکے سے نکال دو نہ۔ اے واہ میاں بڑا کھراپن دکھاتے ہیں۔ یہاں اس ۱۹۔برس کی عمر میں ہزاروں ہی چرا ڈلسلے ہوں گے۔

دقّاد۔ یہ مرچڑھی ہے یا بھٹیارن۔ عورت ہے یا ڈائن اڑی ساڑی صاحب للّٰہ اس سے پیچھا چھڑاؤ ورنہ ریش مبارک پر ہاتھ ڈالا ہی چاہتی ہے کبھی ایسی بھٹیارن دیکھی نہ سنی۔

بھٹیارن۔ میاں کچھ بیدھے تو نہیں ہوئے ہو۔ یا بی نانگھر گھر سے چلے تھے۔ یہ لام کاف ذری زبان سے نہ نکالو ہوں بھوتی تو کیا ہوا یہ بس کی گانٹھ ہوں میرے کاٹے کا منتر نہیں۔

میاں جوّاد آدمی تھے۔ صلح کل۔ جب انھوں نے دیکھا کہ مفت میں دھرے گئے تو کہا بھئی تم پانچوں جاؤ ہم یہاں بی مہترانی کی تشفی کے لیے بیٹھے ہیں اور اسی بہانے پر ابھی دیتے جائیں گے تم لوگ نبٹ آؤ۔ خیر وہ سب تو اُدھر چلے ادھر جوّاد سرا ہی میں زیر حراست بی بھٹیاری رہے دو چار منٹ بعد پکارتے ہیں کہ بی مہترانی۔ بی مہترانی میں لٹا ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ پیٹ میں چوہے دوڑیں کہ رفو چکر ہوئے پھر تین منٹ کے بعد گلا پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگے۔ بھٹیارن بھٹیارن۔ ہم بھاگنے والے اسامی نہیں۔ تم بےفکری سے دال بگھارو۔ جب بار بار انھوں نے چھیڑنا شروع کیا تو وہ آگ بھبھوکا ہو گئی۔

بھٹیارن۔ میاں میں ایسے دو پیسے سے درگذری بلی بخشے چوہا لنڈورا ہی جیے گا۔ تم نے تو غل مچا مچا کر میرا کلیجہ پکا دیا ناکوں دم آگیا۔ آپ جائیں بلکہ کھٹیا سمیت دفان ہوں تو میں خوش میرا اللہ خوش۔ یہ بات وہ بات ٹکا لا میرے ہاتھ اے واہ دیکھی تیری کابلی اور بادن پورے اُجاڑ میاں بھول تو ابھی جمعہ جمعہ سات یا آٹھ دن کی پیدائش۔ مجھے تو نگوڑی گنتی بھی نہیں آتی مکھی ناک پر تو کبھی بیٹھنے دیتی نہیں۔

ادھر تو میاں جوّاد سادہ دلی سے بی بھٹیارن سے چہل کر رہے تھے اُدھر سنئے وہ پانچوں سرائے سے چلے تو راہ میں سناٹا۔ آدمی نہ آدم زاد چلتے چلتے ایک مرد مقدس باریش مخضّب سے دوچار ہوئے۔

حامی۔ السلام علیکم۔

مقدس۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

حامی۔ یا حضرت مولانا ایک مسئلہ حل کیجئے تو احسان ہوگا۔

مقدس۔ عرض کروں پیر و شنہ خاکسار ذرہ بمقدار اضعف العباد ہیچمیرز سیجید ال دبستان نادانی کا ابجد خواں۔ خاکپائے سخنوراں نامی زلہ ربائے خوان عسجدی و جامی۔ خاک بیز کوچہ ناکامی ہے۔ پس مخاطب بخطاب مولانا فرمانا اضعف العباد نامنحیا ننگ نام رد خلائق مستہلام کو صریح بنانا ہے مولانا ہونا ایک امر ہے از بس دشوار۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حامی۔ آج خدا ہی ہمارا حافظ و ناصر ہے۔ حکم بھی ملے تو ایسے واہ ری قسمت کی خوبی۔ قبلہ اگر اسی طرح دو چار بار انکسار کی باتیں کیجیے گا تو جنوں ہو جائے گا اور ادھر جزاد بیچارے کو بھٹیارن نخاس دکھائے تو عجب نہیں۔ ہم دو ہی بات کے عاشق ہیں منشے آپ اسوقت قاضی اور آپکے گھر کے جوتے سیاے آپ ایک امر متنازعہ فیہ کا فیصلہ کر دیجئے اور دولت خانہ کا راستہ لیجئے اور ہم سبکے جد امجد کے جد امجد اور اُن کے نانا جان کے جد امجد پر احسان کیجئے۔ وہ یہ کہ یہ حضرت (آزاد) نیچر یہ شاعری کا جنبہ کرتے ہیں اور ہم چاروں اردو شاعری پر جان دیتے ہیں۔

مقدس۔ یہ تو کوئی غور طلب مسئلہ ادق نہیں کہ غور و تعمق کا محتاج ہو۔ آپ چاروں کا فعل عبث ہے آپ سیدھے دار الشفا جائیے اور فصد کھلوائیے۔ شاعری پر جان دینا کار عقلائے ہر نہیں فعل حمقائے روزگار ہے۔ جان عطیہ حضرت ایزد کردگار ہے اسکو اُسی کی راہ میں صرف کرنا فرائض انسانی ہے ورنہ شعر و سخن پر جان دینا خریت اور حماقت کی نشانی ہے۔ باقی رہی دوسری نوع کی شاعری۔ آپکے نام سے اس نابکار رد خلائق رو سیاہ کے کان آشنا نہیں۔ یہ نیچر یہ شاعری کس عالم اجل و محقق کی تحقیق انیق ہے۔ یہ قسم جدید ہے۔ یا عتیق ہے۔ بینوا و توجروا۔

اس بینوا و توجروا پر پانچوں ہنس پڑے اور اس زور سے قہقہہ لگایا کہ مولانا صاحب کفش کو سٹر پٹر کرتے جبہ و دستار کو سنبھالتے چلتے ہوئے اب سراپا دآئی اپنا سا منھ لیکر ناک کی سیدھ پر نو دو گیارہ بھاگے راہ میں آزاد نے کہا کہ بھئی سنو غزل مسلسل بندۂ درگاہ کو البتہ پسند ہے یہ نہیں کہ پہلے مصرع میں شہید ہوگئے دوسرے میں بوسۂ لعل شکر خا کے خواستگار ہیں مطلع میں معشوق کے خط آنیکا دکھڑا رو دیا۔ مقطع میں محرم آب رواں کی تعریف کی اب غزل مسلسل سنیئے۔ ؎

شب وصل تھی چاندنی کا سماں تھا
بغل میں صنم تھا خدا مہرباں تھا

مبارک شب قدر سے بھی وہ شب تھی
سحر تک مہ و مشتری کا قراں تھا

وہ شب تھی کہ تھی روشنی جسمیں دنکی
زمیں پر سے اک نور تا آسماں تھا

نکلتے تھے دو چاند اُس نے مقابل
وہ شب صبح جنت کا جسپر گماں تھا

عروسی کی شب کی حلاوت تھی حاصل
فرحناک تھی روح دل شادماں تھا

مشاہد جمال پری کی تھیں آنکھیں
مکان وصل کا اک طلسمی مکاں تھا

حضوری نگاہوں کو دیدار سے تھی
کھلا تھا وہ پردہ کہ جو درمیاں تھا

کیا تھا اُسے بوسہ بازی نے پیدا
کمر کی طرح سے جو غائب وہاں تھا

حقیقت دکھاتا تھا عشق مجازی
نہاں جسکو سمجھے ہوئے تھے عیاں تھا

بیاں خواب کی طرح جو کر رہا ہے
یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا

اجی ہو ہو واللہ کیا غزل ہے۔ پھڑکا دیا۔ روح شاد ہو گئی القصہ وہ سب سرا گئے اور آزاد ہوٹل پہونچے۔ سرا میں داخل ہوئے

اب ادھر لیکے یار وفادار کا حال ذرا سنو۔ سنئے یہ جو حسب معمول تڑکے گجر دم آنکھیں ملتے پلنگ سے اُٹھے تو سب کے سب غائب غلّہ۔

میاں جواد

وہ تعزادل لگی دیکھنے کے لیے اُس دن سرا نہ گئے تاکہ میاں جوّاد اور بھٹیارن میں گلچپ ہو اور یہ دل لگی دیکھیں بھٹیاری سے مل کر اسباب بھی غائب کر دیا۔

جوّاد۔ غیاث (خدمتگار)

خدمتگار۔ حضور الغیاث۔ الغیاث۔

جوّاد۔ ایں! یہ کیا شامت آئی۔

خدمتگار۔ پیر و مرشد غلام کی تو جان پر بن آئی۔

جوّاد۔ یہ جان پر بن آنا کیسا۔

خدمتگار۔ خداوند جُل دے گئے اور اسباب بھی کھسکا دیا۔

جوّاد۔ یہ پہیلی تو ہمارے فرشتہ خاں کے بوجھے بھی نہ بوجھی جائے گی۔

خدمتگار۔ جب آفتابہ اور دیگچی ڈھونڈھیے گا تو قلعی کھل جائے گی۔

جوّاد۔ کیا آفتابہ اور دیگچی بھی غائب ہے۔

خدمتگار۔ حضور ذرا اُٹھیے تو میاں دو ملے دے کے چل دے۔

جوّاد۔ ارے تم نے جانے کیوں دیا۔ ٹانگ کیوں نہ لی۔

خدمتگار۔ ٹانگ لینے کیلیے گلہ ٹانگ پائیے۔ آپ تو پاس لیٹے ہوئے تھے آپنے ہی نہ سوا ایسا ہوتا۔ مجھ پر ناحق کو خفا ہوتے ہیں۔ تب تو حضرت بہت ہی گھبرائے۔ رنگ فق ہو گیا۔ چو طرفہ ڈھونڈھنے لگے۔ الغرض کنوئیں میں بانس پڑے مگر کہیں تھاہ نہ پائی تو وہ شوخ بھٹیاری کیا کہتی ہے حضور ہم نے اول ہی کہہ دیا تھا کہ حضور جھٹ یہ موئے سب کے سب بڑے خورندے ڈال کے ڈھٹے ہیں باورچی خانہ چٹ کر جائیں اور مگر ڈکار تک نہ لیں حضور تو ننھی ننھی دو چپاتیاں کھانے والے وہ بڑھ بڑھ کر ہاتھ لگانے والے وہ تو کہو موئے آفتابے ہی کے ہاتھ گئی۔ نہیں تو وہ مجھ تک کو چٹ کر جاتے۔ میاں جواد مسخرہ پن میں طاق۔ ضلع جگت میں مشاق دل لگی چہل میں شہرۂ آفاق تھے جھٹ سے تک لاگردن ہلا ہلا کر ایک نامہ لکھا۔

اے انجن ریل رہ نوردی وے پھیہ چکر دہ دوردی
اے کاگ جہندۂ لمکا گیڈ وے برق جہندۂ بر گیمیڈ
اے رشک خرام ریل گاڑی وے رکش نا گمت پہاڑی
اے دیگ دیو پیکر شدّاد وے گولۂ توپ جنگ کابل
اے تیر کمان ملک ایراں وے برّش خنجر صفاہاں
اے جوش اُبال گرم ہانڈی وے قلقل بوتل براندی
اے ریگ روان دشت خفچاق وے چنگاری سنگ چقماق
اے خضر نکوئے ہامون و دشت وے رشک جہانگیر جہاں گشت
اے شوخیٔ ناز مہ جبیناں وے طرز خرام نازنیناں
بعد از شوق لقائے ضروری دو دو باتیں سنو ضروری
کیوں جی یہی شرط دوستی تھی جو کچھ مرے ساتھ آپنے کی
غیروں کو تو راستہ بتایا یاروں سے بھی راز دل چھپایا
چار آنکھوں کی تھی نظام مروّت بس دیکھ لی آپ کی محبت
وحشت نے جو ہاتھ پاؤں پھیلائے پڑی گھستے کو تمو نے بجلائے
تم کیا کرو تیر صورت صدی ہے پر لالچ کا بھی بدی ہے
معلوم ہوا کہ تم ہو بے پیر چلنے میں کڑی کمانی کے تیر
جس جائے چلا کہیں نہ اٹکا بیاباں ہیں یا گرُڑی کا کھٹکا
جو کچھ دیکھی بہت سفر میں نقطے کا ہے بل سفر نظر میں
پر یاد کرو نہ مفت جاں کر صحرا کی دہ خاک دھول پھانکو
کچھ کام نہ آئیں گے یہ غم دم غربت میں نہ یار ہیں نہ ہمدم

احسان کیا ہم پہ تم نے جاؤ — اب بھی لوٹ آؤ بات مانو
اب مانو نہ مانو تم ہو مختار — پچھتاؤ گے یار آخر کار
یہ کیا روش اختیار کی ہے — دانشمندی یہ کون سی ہے
کیا لطف نہ آؤ تاؤ دیدن — زر دادن و درد سر خریدن
چانڈو کی قسم تمھیں پلٹ آؤ — بانو کی قسم تمھیں پلٹ آؤ
افیون ہی کو کھاؤ گر نہ آؤ — گانجے کو جلاؤ گر نہ آؤ
آئے نہ تو طبلے ہی کو پیٹے — کتوں ہی کی لاش کو گھسیٹے
سوگند تمھیں مدک کی آزاد — ہے تم کو قسم شلک کی آزاد
لوٹ آؤ کہیں میاں خدارا — تکلیف کرو ذری گوارا

رکتا ہے اسی دعا پہ خامہ
بن جاؤ تمھیں جواب نامہ

ایک دن بازار کی طرف جا نکلے تو ایک مکتب خانہ نظر سے گزرا۔ ٹوٹا پھوٹا مکان۔ پرانا دھرانا دالان۔ دیواریں بابا آدم کے وقت کی ایک مولوی صاحب دقیانوس کے ہمعصر بیٹھے ہل ہل کر پڑھا رہے ہیں اور بیس پچیس کم سن لڑکے اُل قافیہ اُڑا رہے ہیں ایک لڑکے نے دوسرے کی چاند پر تڑ سے دھپ جمائی کسی نے چپت گاہ پر زناٹے سے دھول لگائی۔ مولوی صاحب پوچھتے ہیں اب یہ کیا ہوا۔ جی کچھ نہیں مولوی صاحب تختی گر پڑی تھی اب تختی کی آواز تھی۔ جی ہاں اور نہیں تو کیا۔ اتنے میں دو چار شریر لڑکوں نے آپس میں منھ چڑھانا شروع کیا۔ دیکھیے مولوی صاحب یہ منھ چڑھاتا ہے۔ نہیں مولوی صاحب یہ جھک مارتا ہے ہاں مولوی صاحب میں بھی دیکھتا تھا۔ نہیں مولوی صاحب یہ تو باہر گیا تھا وہ جانے والے کی ایسی تیسی۔ مولوی صاحب نے کیا خوب فیصلہ کیا کہ چپ رہو (بک بک بک بک) کتاب کی طرف دیکھو نہ اچھا قضیہ چکایا۔ غل غپاڑے کی آواز ایسی بلند ہے کہ آسمان کی خبر لاتی ہے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی جدھر دیکھو چل پوں کاؤں کاؤں دھول دھپا پاڈ گی جوتی پیزار جھگڑا تکرار مگر سب کے سب ہل ہل کر بڑبڑاتے جاتے ہیں کتاب تو وہی چار پڑھ رہے ہیں۔ مگر واہی تباہی اناپ شناپ بہتوں کی زبان پر ہے۔

ایک۔ آج شام کو میں بالے کی کنکیاں ضرور لڑاؤں گا۔
دوسرا۔ آغا تقی کے باغ میں کترا حلال ہے۔
تیسرا۔ ارے مالی تجھے گل بوٹے کی پہچان ہے۔
چوتھا۔ مولوی صاحب گو پیر ہوئے نادان رہے۔

پانچواں۔ پڑھو گے لکھو گے تو ہو گے خراب
جو کھیلو گے کودو گے ہو گے نواب

الغرض اس بندہ رنگ غل مچا کر بیہودہ بک رہے ہیں مگر سب کی آواز مل ملا کر خاک سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا خرافات بکتے ہیں ورنہ مولوی صاحب قمچی سے ضرور خبر لیتے ادھر لونڈے یہ زٹل قافیہ اُڑا رہے ہیں اُدھر مولوی صاحب خراٹے لے رہے ہیں اور مکتب کے خلیفہ جی سوئی تاگا لیے ہوئے انگرکھے میں پیوند لگا رہے ہیں بہ اللہ پورے خلیفہ ہو گئے۔ آخر کار جب مولوی صاحب خواب خرگوش سے بیدار ہوئے تو ایک لڑکے کو بلایا۔ آؤ کتاب لاؤ۔ سبق پڑھ لو وہ سر کھجلاتا ہوا گلستاں بغل میں داب مولوی صاحب کے قریب جا بیٹھا اور سبق شروع ہوا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم مولوی صاحب۔ چھیدا ذری چلم تو بھر لانا۔ شاباش بیٹا دیکھو وہ تمباکو دھرا ہے لڑکے نے پھر کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم ہرمزگفتند از وزیران پدر چہ خطا دیدی کہ بند فرمودی گفت گناہے معلوم نکردم ولیکن بیقین دانستم کہ مہابت من در دل ایشاں بیکراں ست و بر عہد من اعتماد کلی ندارند ترسم کہ

از بیم گزند خویش آہنگ ہلاک من کنند پس قول حکما را کار بستم که گفته اند ۔ قطعہ

ازاں کز تو ترسد بترس اے حکیم — وگر با چنو صد بر آئی بجنگ
ازاں مار بر پاے راعی زند — که ترسد سرش را بکوبد بہ سنگ

مولوی صاحب بھی ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے ہیں اور حقہ گڑگڑاتے جاتے ہیں اب ترجمہ سنئے ۔ ہرمز کے تئیں کہتے ہیں کہ وزیروں سے کیا خطا دیکھی تونے کہ بند فرمایا تونے گفت کہا گناہ ایک معلوم نہ کیا میں نے ولیکن اور لیکن بہ یقین ساتھ یقین کے دانستم جانا میں نے کہ خوف میرا بیچ دل اُنھوں کے بہت ہے اور اوپر عہد میرے کے پورا نہ رکھا ۔ ڈرتا ہوں کہ خوف اپنے کے ڈر سے قصد مار ڈالنے میرے کا کریں پس قول حکما کے تئیں کام باندھا میں نے کہ کہا ہے قطعہ اُس سے جو کہ تجھ سے ڈرے ڈر تو اے حکیم ۔ جو ساتھ چنو کے تُو لڑے میں بیچ لڑائی کے اس سے سانپ اور پاؤں راعی کے مارتا ہے کہ ڈرتا ہے سر اُس کے کو ٹھونکے ساتھ پتھر کے ۔

ماشاء اللہ کیا ترجمہ ہے اور کیا روزمرہ ہے راعی کے معنی راعی کے تئیں کیا فصاحت ہے ۔ ع وگر با چنو صد بر آئی بجنگ ۔ کے معنی یہ بتائے گئے کہ اور جو ساتھ چنو کے بیچ لڑائی کے ۔ بر عہد من اعتماد کلی ندارند کا ترجمہ بھی سننے کے قابل ہے کہ اوپر عہد میرے کے پورا نہ رکھا ۔ اسی طرح نصف طلبہ نے مولوی صاحب کو سبق سنایا اور نصف نے خلیفہ جی کو خلیفہ جی نے مولوی صاحب کے بھی کان کاٹے ۔ مولانا غتربود سے بھی بڑھ گئے ۔ ؎ مرغ شاخ درخت ما ہو تیم ؛ گوہر درج گنج اسراریم ؛ کا ترجمہ یوں بتایا مرغا شام کے وقت ٹہنی پیڑ پر گڑ دوں کرتا ہے اور اگرچہ ہر موتی با گنج کا اسرار ہے ۔ اسے صل علیٰ کیوں نہ ہو ۔ ؎

گر ہمیں مکتب است و ایں ملا — کار طفلاں تمام خواہد شد

دوپہر کے وقت طلبا تختی سے لڑ بیٹھے کوئی گیندے کی پتی تختی پر ملتا ہے کوئی ٹھپے یا کوڑی سے تختی کو گھٹتا ہے ۔ کوئی دوات صاف کرتا ہے کوئی قلم پر چاقو تیز کرتا ہے الغرض آدھ گھنٹے تک یہی ہوا کیا بعد ازاں لڑکے لکھنے بیٹھے ۔ مولوی صاحب نے کوٹھری سے تکیہ نکالا اور دروازہ بند کر کے سو رہے ۔ یہاں خوب لپاڈگی ہوئی دو گھنٹے کے بعد مولوی صاحب چونکے کوٹھری کھولتے ہیں تو یہاں دو لڑکوں میں جیت پٹ ہو رہی ہے دونوں گتھے پڑے ہیں نکلتے ہی ایک بید رسید کیا اور ہنٹر لگانا شروع کیے ۔ اب سنئے کہ جو ڈنڈ پیل لڑکا بانی شر تھا اُس سے تو مولوی صاحب نہ بولے مگر دُبلے پتلے بیچارے پر خوب ہاتھ صاف کیا دو چار کی تختیاں دیکھیں پھر سبق سنا ۔ چلئے چھٹی ۔

یا مظہر العجائب ہاتھی مع ہودا غائب

میاں آزاد مکتب خانہ کی ہجو کرتے بڑبڑاتے دل ہی دل میں گالیاں دیتے جاتے تھے کہ واہ یہ مکتب ہے یا منڈی اتنے میں ایک رئیس با توقیر کی عالیشان کوٹھی کی طرف گذرے تو حسن اتفاق سے اُسوقت رئیس موصوف عالمگیر کا یہ فقرہ پڑھ رہے تھے ۔ (آدم خوب بدست نمی آید کشمیری دریں صوبہ نیست کہ ما مقرر کنیم) میاں آزاد تڑسے بول اُٹھے آدمی تو ہاتھ لگیں لیں مگر تہ زدان کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے ۔ دور کیوں جائیے ایک بندہ درگاہ یہی موجود ہے ۔ رئیس نے اشارے سے بلایا اور کہا ۔ (اچھا آؤ ادھر)

آزاد ۔ ع ۔ آتا ہوں پہنچے کو چڑھائے ہوئے کل پرزہ

رئیس ۔ ماشاء اللہ آپ شاعر بھی ہیں ۔

آزاد ۔ جی اور چشم بد دور اینجانب ساحر بھی ہیں ۔

رئیس ۔ ہم سحر کے کبھی قائل ہی نہیں ہوئے ۔

آزاد۔ بس معلوم ہو گیا کہ آپ کسی قوس ابرو کی تیغ نگاہ کے گھائل ہی نہیں ہوئے۔

رئیس۔ بھئی واللہ کتنے حاضر جواب ہو۔

آزاد۔ تم بھی بے تکے پن میں انتخاب ہو۔

رئیس۔ تم تو گالیاں دینے لگے تو نوکری کر چکے بس ہوا کھائیے

آزاد۔ بہت بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بنائیے یہاں اسی بات کے لاکھوں پلتے ہیں کہ ہر بات میں تک ملاتے ہیں۔

رئیس۔ اچھا آج سے آپ ہمارے مصاحب ہوئے گر سوتے جاگتے ہمیشہ قافیہ ہی میں جواب لیں گے۔

آزاد۔ دیں گے اور بیچ کھیت دیں گے۔

تھوڑی دیر کے بعد رئیس نے بلایا۔ آزاد

آزاد۔ خانہ احسان آباد۔

رئیس۔ آخاہ آپ ہیں۔

آزاد۔ جی اور نہیں تو کیا آپ کے باپ ہیں۔

رئیس۔ مت بک فضول۔

آزاد۔ جو رُخ سنبھال نامعقول

اب سنئے کہ رئیس معمور المکان بڑے دھوم دھڑکے سے ہاتھی پر سوار ہوئے اور سیر دریا کو چلے۔ میاں آزاد خواصی میں بیٹھے ہیں ہاتھی دتیلا مست کنا جیسے ہی دریا میں ہاتھی ڈالا اور اُس نے سونڈ سے پانی اُچھالا۔ ہودا ڈانواں ڈول ہونے لگا اب گرے اور اب گرے۔

رئیس۔ خدا بچائیو۔

آزاد۔ یا خدا ڈبوئیو۔

رئیس۔ امام ضامن کی دوہائی۔

آزاد۔ آج پوری شامت آئی۔

رئیس۔ یا علی مشکل کشا مشکل کشائی کیجئے۔

آزاد۔ خواجہ خضر ذرا ہاتھی کا پاؤں تو پھسلا دیجئے۔

رئیس۔ یا مظہر العجائب۔

آزاد۔ ہاتھی مع ہودا غائب۔

اتنے میں فیلبان ہاتھی کو نکال لایا اور رئیس نے مارے غصے کے آزاد کو دھتا بتایا دھکیلا تو زمین پر آ رہے۔ اچھا تک ملایا تھا وہ تو کہئے ریت نہ ہوتی تو قافیہ تنگ ہو جاتا ہاتھ کے ملتے جاتی یا پاؤں لنگ ہو جاتا۔ رئیس بھی سوچے کہ اچھے فقرہ باز سے وقت بے وقت تک ہی ملانے سے مطلب ہے۔ ہم کہتے ہیں یا مظہر العجائب وہ فرماتے ہیں ہاتھی مع ہودا غائب۔

کھوسٹ شوہر کے نام نوخیز بیوی کا خط

ایک روز میاں آزاد فرخ نہاد سیر کر رہے تھے کہ ایک پیر مرد سٹھیا سٹکتے کانکھتے کونکھتے آن کھڑے ہوئے اور میاں آزاد سے کہا کہ میاں ذری یہ خط تو پڑھ دیجئے اور اسکا جواب لکھ دیجئے میاں آزاد نے خط لیا کھولا اور پڑھ کر سنانے لگے

خط۔ میرے کھوسٹ شوہر خدا تم سے سمجھے۔

آزاد۔ ایں! یہ نرالا القاب انوکھا آداب ہے دعا چھپر پر۔ مزاج پرسی بالائے طاق۔ بسم اللہ ہی غلط۔ ابتدا ہی سے کوسنا شروع کیا۔ الٰہی خیر۔

پیر مرد۔ حضرت آپ خط پڑھتے ہیں یا میرے گھر کا قضیہ چکاتے ہیں پرائے جھگڑے سے آپکو واسطہ جب میاں بیوی راضی ہیں تو آپ کوئی قاضی ہیں سے خدا کے لیے آپ لفظ بہ لفظ پڑھ دیجئے کمباتی جھگڑے میں نہ پڑئیے۔

آزاد۔ اہاہا۔ تو یہ کہئے آپ کی زوجۂ مقدسہ کا خط ہے ماشاء اللہ خیر صاحب مجھے میاں بیوی کے جھگڑے سے کیا سروکار خط پڑھے دیتا ہوں

خط۔ میرے کھوسٹ شوہر خدا تم سے سمجھے۔ سکندر ظلمات سے پیاسا آیا مگر تم نے آب حیات کے دو چار قطرے ضرور پی لیے ہیں جب ہی مرنے کا نام نہیں لیتے کچھ اوپر سو برس کے تو ہوئے اب آخر کیا عاقبت کے بورئیے بٹورو گے۔ ذرا دل میں شرماؤ تو ہزاروں نوجوان نوخیز کفن پوش ہوتے جاتے ہیں اور تم ٹیاں سے موجود ڈنگو فیور بھی آیا مگر تم موچھوں پر تاؤ ہی دیتے رہے سینہ سنے لگو بکھا آدمی چٹ کیے گر ہضم بیجائی کی بلا دور ہیضہ کے باپ کو چٹ کر جائیں اور ڈکار تک نہیں۔ بخار میں ہزاروں حیادار اچل بسے مگر تم اور بھی موٹے ہو گئے تم پر فالج تک نہیں گرتا لقوہ بھی نہیں مارتا۔ لون کے تھپیڑے بھی تمہیں نہیں جھلساتے۔ دریا میں بھی تم پھنس نہیں جاتے۔ اور سو بات کی ایک بات یہ ہے کہ اگر حیادار ہوتے تو ایک چلو کافی تھا۔ مگر تم وہ چکنے گھڑے ہو کہ عرق انفعال کے تم پر ہزاروں ہی گھڑے پڑیں لیکن ایک قطرہ نہ ٹھہر سکے۔ واہ پیچھے۔ کیوں نہ ہو۔ بس نرے پیچھے ہی ہو۔ ہے ہے کس ساعت میں تمہارے پلے پڑی کس بری گھڑی تمہارے ساتھ بیاہ ہوا۔ ماں باپ کو کیا کہوں مگر میری گردن تو کند چھری سے ریت ڈالی۔ اس سے تو کسی کنوئیں ہی میں ڈھکیل دیتے قصائی ہی کے حوالے کر دیتے تو یہ روز روز کا کڑھنا تو نہ ہوتا۔ تم خود ہی انصاف کرو کہ تمہارے بڑھاپے سے مجھ پر کیا گاج پڑی۔ ہاتھوں میں تو آپ کے رعشہ پاؤں میں سکت نہیں۔ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت کمر کمان کی طرح خم۔ بینائی کی یہ کیفیت کہ دن کو اونٹ نہیں سوجھتا جریب ٹیک کر دس قدم چلے بھی تو سانس پھول گئی دم ٹوٹ گیا ستانے بیٹھے تو نقش قدم بن گئے صبح کو ننھی ننھی دو چپاتیاں کھالیں تو شام تک کھٹی ڈکاریں آ رہی ہیں۔ گر گری ہو گئی۔ تولہ بھر سکنجبین کا ستیاناس کیا مگر سوء ہضم کی شکایت بدستور۔ حافظے کا یہ حال کہ اپنے باپ کا نام بھی یاد نہیں۔ پھر آخر سوچو تو کہ بیاہ کرنے کا شوق کیوں چرایا۔ ایک پاؤں تو قبر میں لٹکایا ہے اور خیال یہ گدگدایا ہے کہ دولھا نہیں دولھن لائیں۔ نوشہ کہلائیں۔ افسوس جس وقت تمہارا پوپلا منہ اور سفید بھوں اور گالوں کی جھریاں اور دوہری کمر اور گنجی چاند اور منحوس صورت یاد آتی ہے۔ کھانا حرام ہو جاتا ہے واہ بڑے میاں واہ! خدا جھوٹ نہ بلائے تو ہمارے ابا جان سے بیس ساٹھ برس بڑے ہوں گے۔ اور اماں جان کو تم نے گود میں کھلایا ہو تو تعجب نہیں خدا گواہ ہے تم میرے دادا کے بھی باپ سے بڑے ہو مگر واہ ری قسمت کہ آپ اور میرے شوہر۔ زمین شق ہو تو میں دھنس جاؤں۔

آزاد۔ قبلہ و کعبہ۔ اس کا جواب کسی منشی بے بدل سے لکھوائیے۔

پیر مرد۔ بڑھاپے میں اب کبھی شادی نہ کریں گے۔

آزاد۔ کیا خوب! کیا ابھی شادی کرنے کی ہوس باقی ہے۔ ابھی پیٹ نہیں بھرا۔

پیر مرد۔ اچھا اس کا جواب کل سوچ کر دیں گے۔

میاں آزاد دوسرے روز اٹھے اور سویرے ہی چل کھڑے ہوئے چو طرفہ سناٹا پڑا ہوا۔ مگر ہر سمت لطف اللہ ہے نور کا عالم ہے جام گل قطرۂ شبنم سے لبریز نسیم سحری مشکبار و عنبر بیز کہیں رندان ساغر نوش کا جوش و غل۔ کہیں صراحی و بادۂ گلگوں کا قلقل ادھر فاختہ دستک زناں۔ ادھر قمری کو کو کناں پپیہوں کی پیا پیو کی جھنکار۔ جس شجر کو دیکھو نہال۔ ہر غنچہ گل زر سے مالا مال کہیں بلبل چہک رہے ہیں اور پھول مہک رہے ہیں کہیں قطرہ ہائے شبنم جھلک رہے ہیں اور تاروں کی روشنی سے چمک رہے ہیں۔

صبحے بہ فروغ دلکشائی	بگداختہ شب بروشنائی
روشن چو جبین صبح خیزاں	فیض از در و بام خرج ریزاں
افشاند بنفشہ و گل از دور	سرتا سر باغ سایۂ و نور
آن گل کہ ازو بروزگاراں	دریوزۂ بو کند بہاراں
می جست نسیم نو بہاراں	چوں دیدہ در انتظار یاراں

اس سہانے وقت کا سماں دیکھ کر آزاد مسرور ہوئے اور خوش و خنداں مست و غزلخواں دل شاد و روح فرحناک شعرائے ایران زمین کے ساتھ دمساز لب پر شعر حافظ شیراز۔ سہ

نسیم صبح کہ مستانہ دار میگذری	نہ ازمنت زکدامی ویارِ میگذری

تھوڑی دیر بعد کانوں میں بھنک پڑی کہ ان کو کوئی پکارتا ہے۔ ۶

	ادھر دیکھنا ادا ادھر جانے والے	

این بار یہ غیب کی آواز کیسی پیچھے پھر کے دیکھتے ہیں تو وہی پیر فرتوت جس کو اس کی بیوی نے کھوسٹ شوہر کے القاب سے یاد کیا تھا۔ اور خط میں خوب آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

آزاد۔ اخاہ۔ مزاج شریف۔ کہئے اور کوئی خط تو نہیں آیا۔

پیر مرد۔ اُس نے تو میرا ناک میں دم کر دیا اور سچ پوچھو تو جس دن سے اسکو بیاہ لائے ناک ہی کٹ گئی۔ ایسی تنک مزاج دیکھی نہ سنی مجال کیا کہ ناک پر مکھی تو بیٹھ جائے فوراً میری ناک اُڑا لے ذری کوئی خلاف بات ہوئی اور تنک گئیں۔

میاں آزاد نے وہ چکنی چپڑی باتیں کیں کہ بڈھا نان پاؤ کی طرح پھول گیا سوا سو برس کا تجربہ چٹکیوں میں بھول گیا۔ گاؤں کا نام مکان کا پتا صاف صاف بتایا اور ایسا دم میں آیا کہ بیوی کا کچا چٹھا کہہ سنایا میاں آزاد نے چپکے سے سب سن لیا جھٹ دوات قلم کاغذ لے گلگوں صبا رفتار خامہ کو صفحۂ قرطاس پر گرم کر دیا کھوسٹ شوہر کی طرف سے اس کی بیوی کے نام جواب لکھا لکھا۔ گڑیا۔ ان سرپل ایک اُستاد کسی جھانسے سے خط کی نقل اُڑا ہی لائے ذری سنئے گا۔

جواب خط۔ میری البیلی چھیل چھبیلی تنک مزاج نازک بدن مغلوب الغیظ غنچہ دہن آگ بھبھوکا سیمتن نو عمر نوجوان کمسن نادان بیوی۔ متوالی بیوی کو اُسکے سن رسیدہ گرگ باراں دیدہ کمر خمیدہ سنجیدہ۔ و فہمیدہ شوہر کی اُٹھتی جوانی دیکھنا نصیب ہو اے وہ جم جم جیے اور تم پوتوں پھلو دودھوں نہاؤ اٹھارہ لڑکے ہوں۔ اور اٹھارہ دونی چھتیس چھوکریاں جب میں دہلیز میں قدم رکھوں تو سب نکے ابا آئے ابا آئے کھلونا لائے بتاشے لائے۔ کہہ کہہ کر دوڑ پڑیں۔ گر ڈر یہ ہے کہ تم بھی ابھی کمسن ہو انکی دیکھا دیکھی کہیں مجھے ابا نہ کہہ اٹھا کہ پاس پڑوس کی عورتیں مجھے انگلیوں پر نچائیں اور اُلّو بنائیں مجھے تم سے اتنی ہی محبت ہے جتنی کسی کو اپنے جگر گوشہ کی ہوتی ہے۔ میری نانی کو میں ایسا پیارا نہ تھا جتنی تم مجھے پیاری ہو اور کیوں نہو تمھاری پردادی کو میں نے گودیوں میں کھلایا ہے اور میری بہن نے اُسے دودھ پلایا ہے مجھے تمھاری دادی کی خالہ کا گڑیاں کھیلنا اسی طرح یاد ہے جیسے کسی کو صبح کا کھانا یاد ہو۔ مگر تمھارے خط نے میرے دل کے ساتھ وہ کیا جو خزاں چمن اور برق خرمن کے ساتھ کرتی ہے۔ لیکن مجھ میں ایک بڑا وصف یہ ہے کہ پرلے سرے کا بیحیا ہوں اور کیوں نہو شرم دُلھن کے لیے زیبا ہے۔ بندہ تو چکنا گھڑا ہے۔ مانا کہ آنکھوں میں نور نہیں مگر چشم نگران ست قوت سامعہ سے بے بہرہ ہی سہی لیکن گوش بر آواز من جوان ست پیر ہوں مگر بلے پیر نہیں ہاتھ میں رعشہ سہی مگر حاجت دستگیر نہیں، تم عصائے پیری ہو مگر خاص الخاص میری ہو گو ضعف کے مارے مرتا ہوں مگر تمھاری محبت کا دم بھرتا ہوں

تمھارا پیارا پیارا مکھڑا۔ رسیلے نیناں نشیلی انکھڑیاں گوری گوری بہیّاں جس وقت یاد آتی ہیں کلیجے پر سانپ لوٹنے لگتا ہے۔ وہ خندۂ شکر آمیز۔ وہ زلف عنبر بیز۔ وہ خال مشکیں وہ لعل نگاریں۔ وہ ابر کی ایسی مستانہ چال وہ خط و خال جنہ سے آفتاب جنہ سے مہتاب وہ چاندنی رات میں نکھر کر نکلنا۔ کبھی مسکرانا کبھی کھلکھلانا۔ کسکا شرمانا کیسا لجانا اور تو اور تمھاری پھرتی سے دل لوٹ پوٹ ہے۔ کلیجے پر چوٹ ہے صحن سے جو طرارہ بھرا تو تڑ سے بام پر۔ یہ چلبلا پن۔ اور وہاں سے ایک ذقن میں مہتابی پر ہو رہیں اور وہاں سے چھلانگ ماری تو دن سے پھر صحن میں ابر کیطرح اٹکھیلیاں کر رہی ہیں بھر کی کے مثل چوطرفہ گھومنا طاؤس وار جھومنا۔ کبھی کھیلتے کھیلتے میری چیت گاہ پر ٹیپ جمائی۔ کبھی شوخی سے وہ ڈانٹ بتائی کہ کلیجہ لرز گیا۔ کبھی آپ ہی آپ رونا کبھی دن دن بھر سونا۔ الھڑپنے کے دن۔ بارہ برس کا سن۔ تیرے بیساختہ پن کے قربان۔ بیوی جان۔ ہے کہا مانو۔ ہمیں غنیمت جانو۔ میں چراغ سحری ہوں ہوا چلے یا نہ چلے۔ اب گل ہوا اب گل ہوا۔ میں آفتاب لب بام ہوں اب غروب ہوا اب غروب ہوا۔ میں وہ کشتی ہوں جو ڈبکا ڈبکا ہو رہی ہے۔ مجھے ستانا موسے پر سو دُرّے۔ تم خوب جانتی ہو کہ میں شیریں بیان ہوں۔ ستر برس ہوئے کہ دانت جو ہے کی نذر کیے تب سے حلوے پر بسر ہے پھر جو روز حلوا کھائیگا اسکی زبان تنگ شکر کیوں نہ بنجائے وہ میٹھی میٹھی باتیں کروں کہ لب بند ہو جائیں مگر تم بھی بیقصور ہو تمھارے گود میں کھیلنے کے دن ہمارا کچھ اوپر سو برس کا سن۔ تم طنّاز یہاں کمر خم۔ تم سرو بلند اقبال یہاں ریختہ دم۔ تم گلعذار باغ و بہار ہم ضعیف و خستہ زار گر ہمارا عشق بھی بلا کا عشق ہے ؎

عشقم کہ نصیبہ ایست نورس	نامش نہ شنیدہ بودم از کس
ایں شعلہ ندانم از کجا خاست	کز ہر رگ و ریشہ ام بلا خاست
بے وصل تو زندگانیم چیست	صد خندۂ مرگ بر چنیں زیست
دریاب کہ خاک خورد خونم	آتش بدماغ زد جنونم
باد تو رسید بر چراغم	بوئے تو زدند بر دماغم

تم لاکھ روٹھو پھر ہماری ہو۔ بیوی ہو لخت جگر ہو پیاری ہو وہ شبھ گھڑی یاد کرو جب ہم دولھا بنے پرانے سر پر نئی دستار جمائے سہرا لٹکائے منہدی لگائے الو کی دم فاختہ حواس باختہ ٹینی مرغی کے برابر گھوڑیا پر سوار میٹھی پونی جاتے تھے اور تم دلھن بنی سولہ سنگار کیے قفس زرنگار میں سے جھانک رہی تھیں ہمارے گالوں کی جھریاں ہمارا پوپلا منہ ہماری ٹیڑھی کمر دیکھ کر خوش تو نہ ہوئی ہوگی ع۔ وہ لب پہ آئی ہنسی دیکھو مسکراتی ہو۔ اب ایک نصیحت بزرگانہ یاد رکھو۔ ایک تو میلے ٹھیلے نہ جانا دوسرے آس پاس کی چھوکریوں کو گوئیاں نہ بنانا۔ خدا کرے جب تک زمین و آسماں قائم ہے تم جوان رہو اور نادان رہو۔ الھڑپن دن دونی ترقی پائے اور جوبن روز بروز بڑھتا جائے۔ ہمارے سفید بال تمھیں بھائیں۔ حاسد خار کھائیں۔ تمھارا پیر نابالغ شوہر

لکھنؤ کا چہلم

میاں آزاد تڑکے تڑکے جو اُٹھتے ہیں تو گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہر سمت تیرہ و تار ظلمات کی سی کیفیت نمودار کوئی شے نظر ہی نہیں آتی نور کا فور سرا کے باہر آئے تو چوطرفہ دل بادل قبلہ کی طرف سے جھومتی ہوئی گھٹا اُٹھی۔ کالی گھٹا متوالی گھٹا گھنگھور گھٹا گھنیری گھٹا۔ ابر اٹکھیلیوں پر ہے۔ شاخیں مستوں کیطرح جھوم رہی ہیں۔ ہوا سن سناٹے سے چل رہی ہے کہ کلیجہ لرزا جاتا ہے مرغان خوش نوا گھونسلوں میں دبکے بیٹھے ہیں۔ پرندہ

پر نہیں مارتا۔ ایکدفعہ ہی بجلی کونکی اور رعد نے گرجنا شروع کیا پھر تاریکی نے وہ زور باندھا کہ کالے کوسوں تک کالی کالی گھٹا ہی نظر آتی تھی اور ہوا سے سردسن سن کرتی جاتی تھی ؎

آتش گل کا دھواں بام فلک تک پہونچا
جوگیا بھیس کیے چرخ لگا ہی بھبھوت
ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے
جسطرف سے گئی بجلی پھر ادھر آ نہ سکی
کبھی ڈوبی کبھی اُچھلی مہ نو کی کشتی

جم گیا منزل خورشید کی چھت میں کاجل
یا کہ بیراگی ہی پربت پہ بچھائے کمل
برق سے عدو کٹ ہے گیلا نا شعل
قمر چرخ سے بھول بھلیاں دلی
بحر اخضر میں تلاطم سے پڑی ہلچل

ایک دفعہ ہی پھر دامنی دمکی اور بجلی چمکی تو اندھیری رات میں بس یہی معلوم ہوا کہ سونا کسوٹی پر کسا گیا۔ چشم زدن میں برق چشمک زن اُوپ انجن تھی اتنے میں ننھی ننھی بوندیں پڑنے لگیں اور کسی شوخ برقن نے الاپنا شروع کیا کہ ؎

برسن کو آئیں گھٹا کاری کاری
کالے کالے پیرے پیرے بڑا یہ گھ

اودی اودی عمری کاری بجری کی جیاری
بدر کی گرج سبت جیرا گرجت برسن گھٹا کاری

مگر ہوا نے پھر وہ زور باندھا کہ بادل اوپر ہی اوپر اڑ چھو ہو گئے کچھ یونہی سی بدلی تھی تو دیکھتے کیا ہیں کہ دھانی دوپٹہ پھڑکاتی ایک حسین مہ جبین چمکتی چلی آتی ہے وہ اودی اودی گھٹا اور وہ ہلکا دھانی دوپٹا فصل کی چیز ہر دلعزیز۔ پوچھا کہاں سواری چلی۔ مسکرا کر بعد ناز و ادا جواب دیا (لکھنؤ کا جہلم دیکھنے) میاں آزاد تو لکھنؤ کے محرم الحرام اور مجالس عزا کی دھوم دھام پر لٹو ہو گئے تھے ٹھان لی کہ جہلم کی چہل پہل بھی دیکھیں گے اور ضرور دیکھیں گے ریل پر سوار ہو کر لکھنؤ داخل ہو گئے اور وہاں سے تال کٹورے کی کربلا ہو پہنچے اللہ اللہ جہاں تک بیک نظر کی رسائی ہے بھیدوں اور اکوں اور گھوڑوں اور بہلیوں اور رتھ اور بہل اور ڈولیوں اور فنسوں کا تانتا لگا ہے جدھر جاؤ دھوم جدھر دیکھو ہجوم۔ بانکے ترچھے تیکھے نوجوان گنڈے سلے۔ لقندرے۔ دو انگل کی سنگے دار ٹوپیاں البیلن سے مستک گادیر جمائے۔ انگڑیوں میں سرمہ لگائے باڑی سیکتے۔ آنکھیں سیکتے بزرے ایڑتے تنتے۔ اینٹھتے تنتے کج ادائی اور اوچھی چوٹی کے اگر کھے پھر کاتے پرے جمائے کہارنے میں جو ہوا دیکھی بناڈنڈ پیل جو بل کرتا ہے۔ صوفیان صافی طینت میں ہوحق کی صدا بلند ہے مگر فلک راز ہے بان بند ہے خوش باش بھی بوقدمے جاتے ہیں ادھر ادھر دل بہلاتے ہیں چانڈوباز بڑھ بڑھ کر دم لگاتے ہیں جب گر جاتے ہیں تو دھوئیں کے لچھے اُڑاتے ہیں۔ میاں آزاد گھبرائے کہ یہاں بھی چانڈو خانہ بھلا چانڈو اور بانو کا یہاں کیا کام ہے واللہ کتنا اندھا ہے امرا و رؤسا عمائد شہر چھولداریوں شامیانوں خس کے بنگلوں اور خیموں میں تین دن سے مقیم تھے۔ امرا کی شان ہی اور تھی رؤسا کی آن بان ہی اور تھی کشمیر جنت نظیر کے دستکاروں کا ہار سب کی گردن پر تھا دوشالہ دوسالہ زیب دوش کوئی چاندی کی گڑگڑی گڑگڑاتا ہے۔ کوئی مشکبو دھواں دھار ہے پیچوان جیتا ہے۔ زیر انداز پر جوبن ہے حقہ کی دھن ہے ؎

حقہ نہیں عصا ہے یہ موسی کے ہاتھ میں
پیچوان بولتا ہے مسیحا کے ہاتھ میں

آگے بڑھتے ہیں تو ارباب نشاط کے جھکیلے معشوقوں کے جھرمٹے دو دو چھب وہ ادا وہ ناز وہ غمزہ کہ زاہد صد سالہ بھی تسبیح و تہلیل بھول جائیں اور صوفی کے بھی ہاتھ پانوں بھول جائیں میاں آزاد گو رنگین طبع سودائی مزاج آدمی تھے مگر دیکھتے ہی بگڑ گئے اور ایسے گرم ہوئے جیسے چولہے پر پانی چھڑک دیا لاحول ولا۔ انھوں نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اس متبرک مقام سے منھ نہ موڑا۔ ایک عاشق سنتے ہی لال بھبوکا ہو گئے۔ اور میاں آزاد کی طرف گھور کر کہنے لگے ؎

دھواں دھنی سے اُٹھ کر یا آئی ابرِ رحمت ہو | کہ مثیں نامرادِ خشک تر دامن کی عزت ہو

اتنے میں باجے کی آواز کان میں آئی۔ لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ جناب نواب ممتاز الدولہ بہادر کا تعزیہ آتا ہے بڑے دھوم دھڑکے سے اُٹھا ہے۔ میاں آزاد بھی ایک اونچے ٹیکرے پر کھڑے ہو گئے کہ کل کیفیت دیکھیں۔ اللہ اللہ کوسوں تک جلوس ہے ۵۴ ہاتھی دیتلے ایک دنتے مست قُم کٹے کوئی زنجیر کو سونڈ سے اُچھالتا ہے۔ کوئی جھومتا ہوا آتا ہے۔ کوئی سر پر خاک ڈالتا ہے۔ سیتیونکی دہشت گھوڑے چابکی کی لت اونٹ بلبلاتے ہیں۔ شتر غمزے کرتے جاتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ کیا کالا اک کھنڈ بھیانک جانور ہے ماشاءاللہ کیا قطع ہے یہ گردن ہے یا شیطان کی آنت باجے والے وردیاں ڈانٹے گھوڑوں پر اکڑے بیٹھے ہیں دماغ عرش بریں پر ہے نیچے زمین آسمان بالائے سر ہے۔ خاکی پلٹن کے چار سو تلنگے رپ رپ کرتے جا رہے ہیں۔ برچھی برداروں کی لال لال وردی سے گل لالہ کھلا تھا۔ سرخا سرخ بیر بہوٹی بنے ہوئے بان برداریان چمکاتے پھر رہے اُڑاتے بڑے دھڑلے سے ساتھ ہیں۔ بادبہاری شہید کربلا کی سواری۔ طنبورے چھیڑ رہے ہیں باجے نے رنگ جمایا کہ راگ اور راگنی نے مرحبا کا غلغلہ بلند فرمایا نشان کی وہ آن بان کہ ع۔ عجب تیری قدرت عجب تیری شان کشتیوں کی قطار اور اُنپر گلاب پاش عنبر بار گنگا جمنی پر بہار انگیٹھیوں میں مشک اذفر نافہ و عنبر۔ چوبدار عصائے نقرئی و طلائی لیے جلوس کا زیب و زین ہے۔ کسی سمت آہ و بکا اور صدائے بین ہے چپراسی لال لال پگیاں جمائے بزبز کی صورت بنائے ہاتھ میں خوشنما لکڑیاں اور اُنمیں پیتل کی پھلیاں پھکیت گتکا لیے اکڑ رہے ہیں گھائی اور جھوٹ لڑ رہے ہیں طمانچہ دکھایا اور ہاتھ گھمایا بارہ دیا اور سنگنی کا ہاتھ لگایا۔ گتکہ سو قدم پر اُچھل گیا۔ ہاتھوں ہاتھ سیر بھر حلوا سوہن لیا یہ چمکایا وہ کڑکی کر بانٹ کا بھرپور ہاتھ لگایا واہ استاد اس صفائی کے قربان کیوں نہ ہو واہ پہلوان پھر ایکدفعہ ہی تین کی دوہری صاف کی تو پرے کے پرے صاف تھے بیچ کھیت گھمار لڑتے ہیں گتکے پر گتکے پڑتے ہیں۔ اب ماتم داروں کا نام لیا تو کردیوں نے عرش بریں کو تھام لیا زمین کا گہوارہ ڈانواں ڈول تھا ہزاروں کا غول تھا اور حسن و حسین کی صدا نہ کرسی آسمان تک بلند تھی۔ گریہ و زاری بکا و اشکباری اور برسوں سے دوچند تھی۔ ہزارہا عزادار شریک ماتم سینہ مجروح آنکھیں پرنم مرثیہ خوان خوش الحان گریہ کناں جہاں جہاں جا رہے ہیں۔ ۵

واحسرتا کہ ماہ محرم گذر گیا | اور جشم امام دو عالم گذر گیا
تیسرا مصرع نمل ہیں سن خشک | ماتم رہا یہ موسم ماتم گذر گیا

اک دن اسی طرح سے یہ دنیا تمام ہو
پر شاہ کربلا کی عزا نا تمام ہو

اور یوں بیاں کرتے تھے سجاد خستہ حال | بندی بنا کے لیچلے دیکھو یہ بد خصال
سر ننگے بال کھولے مرا کاروان تھا | سب اونٹ پر سوار تھے میں ساربان تھا

اتنے میں پلا آیا تو ٹیپ کا شعر سننا محال ہو گیا اس کے بعد کوئی ۳۵ تعزیے آئے۔ ایک سے ایک خوشنما ہر ایک ضریح مبارک قابل دید تھی بلکہ دید تھی نہ شنید تھی چوطرفہ علم اور سونے کے پنجے اور پھریرے اور انمیں گوہر شاہوار لٹکتے اور در یتیم و آبدار جھلکتے۔ پھولوں کی بو باس سے دماغ طبلۂ عطار بن گیا۔ دُلدُل سبحان اللہ سبحان اللہ اشہب آہو شکار تند خو راہوار سمند و خاپسند رگ نمک نقرہ خنگ جویائے جنگ کمیت اور سرنگ۔ سونے کی دمچی۔ گنگا جمنی ٹول ڈھال۔ اس کے برابر شمشیر خارا شگاف و خونخوار غلاف لٹکتی ہوئی چادر میں خون کے ایسے دھبے جس نے عزاداروں کو خون رلایا ہر مومن پاک آنسو بھر لایا۔ بس یہی معلوم ہوتا تھا

کہ دلدل سوار نے ابھی زخم کھایا ہے۔ اور فرس سلیقہ شعار اس سانحہ ہوش ربا کی خبر لایا ہے اور میدان کارزار سے سیدھا چلا آیا ہے باگ ایک طرف کٹی ہوئی ہے ہائے یہ واقعہ بھی کیسا جگر خراش ہے۔ ہے ہے سینہ پاش پاش ہے ادھر تیر اُدھر کمان ادھر داستانہ اُدھر عمامہ حضرت فردوس آشیاں فخر زمین و زمان پل پر مجمع خاص و عام تھا خاتونان بلقیس منزلت اور بیگمات لکھنؤ کا بند گاڑیوں میں اژدہام تھا۔ لوگ بلے پڑتے تھے چپے چپے پر لڑتے تھے۔ ساقنوں کی دکان دھواں دھار ایک دم میں نو آسمان کے پار۔ میاں آزاد یہاں سے بھاگے تو افتاں و خیزاں کربلا میں دم لیا۔ کیوں میاں یہ قبر کس کی ہے ایک جوان طناز با سینۂ بریاں و دیدہ گریاں بول اٹھا کہ یہ مقام فشار ہے تیر غم جگر کے پار ہے ارے نادان یہ حسو جان کا مزار ہے۔ ہے ہے دلفگار ہے چشم اشکبار ہے ادھر اُدھر گلاس اور ہانڈیوں کی قطار بیچ میں مردنگوں کی بہار قبر پر زربفت کی چادر اور مقیش کی جھالر جو طرفہ کرن قبر ہے یا دلھن۔ مسہری میں ہریوں کی زمردگوں گھنڈیاں لگی ہیں ان سب پر زربفت کا نمگیرا ستم ڈھاتا ہے۔ دل ہے کہ امڈا آتا ہے اچھے اچھے وضعدار ارد گرد کھڑے آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں ایک جلسۂ یاران سرپل کی طرف سے گزر رہا تو عجب گفتگو سننے میں آئی ایک صاحب نے اپنی بیتی واردات یوں سنائی۔ بھئی قسم ہے خدا کی جیسے ہی جنگل میں پہونچا ہوں عجب تماشا دیکھا۔ واللہ باللہ ثم باللہ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شیر ببر دم ہلاتا درخت کے سایے میں کھڑا ڈکار رہا ہے اور ابا جان کی قسم یہ دیکھئے واللہ کہ مجھ سے اور اس سے کوئی چار ہی پانچ قدم کا فاصلہ ہوگا۔ حضرت میری اٹھتی جوانی اور گینڈا بنا ہوا۔ اور بھئی اللہ گواہ ہے کہ میں اپنی طاقت آزمائی بھی کر چکا تھا ایک دفعہ کٹنا ہاتھی کو بڑھ کر طمانچہ مارتا ہوں تو دم دبا کر یہ بھاگا وہ بھاگا۔ پھر میرا زعم بیجا تو تھا نہیں۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بس شیر کو ایکدفعہ ہی ڈپٹ دیا بھلا بے آگے قدم بڑھایا اور میں نے بھرپور ہاتھ جمایا تب تو شیر اور بھی غرایا بس اسپر مجھے بھی غصہ آگیا پھر تو حضرت قسم ہے جناب باری کی بندۂ درگاہ بھی جم گئے اور زناٹے سے برن تول کر ولایتی کا ہاتھ جو چھوڑا تو شیر نے تیورا کر منہ موڑا میں نے کہا او گیدی نامعقول تو شیر ہے یا بھیڑ ہے یہ کہکر میں جھپٹ پڑا اور جھپٹتے ہی میاں کی دُم جو دبائی تو ہاتھ میں تھی پھر بھاگا میں نے غل مچایا کہ ابے او لنڈورے (سب ہنسنے لگے) واللہ ہے بڑھ کر ایک ہاتھ ولایتی کا دیا کاسۂ سر کاٹتی ہوئی پیر کے تک پہونچ گئی۔ اتنے میں مجھے خیال آیا کہ ایں بار خدایا میں مسلح ہوں یہ تقاضائے شجاعت نہیں معاذاللہ گناہ ہے تلوار پھینک کر چمٹ گیا (پھر سب ہنسنے لگے) ہاتھوں ہاتھ دستی کھینچی اور کولے پر لاد کر دھم سے زمین پر دے پٹکا چاروں شانے چت وہ پچھاڑا تین دفعہ تال ٹھونک یاعلی کہکر اٹھا مگر اپنی جان کی قسم اسوقت داد دینے والا کوئی نہیں ادھر اُدھر دیکھا سناٹا اتنے میں جنگل کے بھورے ریچھ نے آکر ڈنڈل دیے۔

میاں آزاد چپکے چپکے بیٹھے سن رہے تھے جب داستان ختم ہوئی تو اُنکی گپ پر دل ہی دل میں ہنستے ہوئے چلے کہ اتنا جھوٹ یہ ریچھ کا ڈنڈ ملنا کیا معنی ریچھ بھی انکا کوئی چچا تھا اور ماشاء اللہ ایسے کرارے ہیں کہ شیر ببر سے مقابلہ کیا اسپر بات بات میں قسم کھانا اور جناب باری کو درمیان میں لانا لاحول ولا قوۃ۔

مکتب خانہ

ادھر آثار بہار گنبد دوار سے پدیدار ہوئے اُدھر میاں آزاد خواب نوشیں سے بیدار ہوئے۔ نور سحر جلوہ آمیز باد شمال عطر بیز نوبت خانے سے آوازہ بیم و بم بلند۔ نوائے نائے جاں نواز دل پسند مرغان خوش نوا

شاخ گل پر غزل سرا غنچہ سرگرم شگفتن۔ خار مستعد سبزہ زار گشتن

وقت ست کہ گل برفگند پردہ ز رخ باد
زانساں کہ ز فانوس چراغے بدر آید

میاں آزاد سرائے اس طرح نکل گئے زن سے جیسے روح تن سے یا بوئے گل چمن سے۔ یا بزدل سپاہی رن سے۔ شوق چرایا کہ اُس پیر فرتوت قبلۂ پیری و صد عیب گھوسٹ شوہر کی بیوی کا گھر ڈھونڈھ نکالیں خط دیں اور جواب لیں۔ دل لگی دیکھیں شوق نے ایسا گدگدایا کہ تیز گام جانے لگے اور ڈپٹ ڈپٹ کر قدم بڑھانے لگے دوپہر کو ایک ہرے بھرے درخت کے سایہ میں بستر جمایا روغنی روٹی اور گوشت اُڑایا جب ماندے ہوئے تو پھر کمر کسی اور چلتا دھندا کیا بارے خدا خدا کرکے کافر سفر سر سے اُترا اور حضرت آزاد داخل منزل مقصود ہوئے گو بڈھے گاؤدی کو جھانسے دے دیکر ٹھیک پتا پوچھ آئے تھے۔ مگر پردیسی آدمی جھٹ پٹا وقت گلی کوچوں سے ناواقف اجنبی غریب الوطن نیا شہر جائیں تو کہاں جائیں اور پتا پائیں تو کیونکر پائیں تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر بھٹکتے پھرے آخر کار سرا میں دھنسے۔ رات بھر وہاں بسیرا کیا۔ تڑکے تڑکے مکان کی تلاش میں چل کھڑے ہوئے۔ اب سنیئے کہ پیر نابالغ کا مکان نیب ٹولہ میں تھا ان حضرت کو املی محلہ یاد رہا چلیے مکان کھٹائی میں پڑ گیا۔ اب ایک ایک سے گڑگڑا کر پوچھتے ہیں کہ حضرت املی محلہ کدھر ہے کوئی دل لگی باز انگلی کے اشارے سے بتاتا ہے کہ ادھر ہے کوئی کہتا ہے کہ ادھر ہے ایک نے کہا ناک کی سیدھ پر چلے جائیے پھر داہنے ہاتھ آئیے پھر نکڑ کی طرف منہ پھیلائیے سامنے املی محلہ ہے لیجئے ایک تو کڑوا کریلا دوسرے نیم چڑھا۔ ایک تو پردیسی آدمی دوسرے ٹھٹھول فقرہ بازوں نے فقرے دینے شروع کیے چلتے چلتے ایک مکتب خانہ یہاں بھی نظر آیا مولوی صاحب بڑے عمر رسیدہ دروغ گو جہاں دیدہ گھٹیا پر دو زانو بیٹھے پڑھا رہے ہیں ریش مخضب بہ ناف سر مبارک کدو قاش گول گول دیدے کھوپڑی گھٹی گھٹائی اسیر کلاہ ترکی خوب جمی جمائی ہاتھ میں تسبیح لیے کھٹ کھٹا رہے ہیں لونڈے ارد گرد غل مچا رہے ہیں ہو حق کی آواز بلند۔ منڈی سے بھی غل غپاڑا دو چند تہذیب منزلوں دور۔ ادب کافور۔ مگر مولوی صاحب سے اس طرح ڈرتے ہیں جیسے چوہا بلاؤ سے یا افیونی ناؤ سے ذری چتون تیکھی ہوئی اور کھلبلی مچ گئی سب کتابیں کھولے جھوم جھوم کر مولوی صاحب کو پھسلا رہے ہیں ایک شعر جو رٹنا شروع کیا تو بلا کی طرح اس کو چمٹ گئے مطلب تو یہ ہے کہ مولوی صاحب منہ کا کھلنا اور زبان کا ہلنا اور اُن کا جھومنا دیکھیں۔ کوئی پڑھے یا نہ پڑھے۔ اس سے سروکار نہیں طرز تعلیم سے مولانا بالعلم والفضل اولٰنا محض ناواقف پڑھے لکھے بھی واجبی ہی واجبی تھے۔ کچھ شد بد جانتے تھے ایک شاگرد سے چلم بھروائی۔ دوسرے سے حقہ تازہ کرایا۔ دم دعا گئے میں کام لیا حقہ گڑگڑایا اور دھواں اڑایا شامت اعمال سے کہیں حضرت افیون کے بھی عادی تھے چینی کی پیالی آئی۔ افیون گھولی اور نوش فرمائی ایک مہاجن کے لڑکے نے برفی منگوائی آپ نے خوب ڈٹ کر چکھوتیاں کیں جب نگل چکے تو پینک نے آ دبوچا۔ اونگھے حقہ خم ہو گیا ناک میں دم ہو گیا گردن اپنے سینہ پر آئی اور اب زمین پر آئی حقہ یہ گرا وہ گرا۔ چل چل چل دھم چلیے حقہ تو چکنا چور ہو گیا۔ دو ایک لڑکوں کی کتابوں پر چنگاریاں گریں اب پینک سے چونکے تو دو چار شاگردوں کو دوہتڑ پیٹنا شروع کیا ایسے جھلائے کہ کسی کو چپت لگائی کسی کی کھوپڑی پر دھپ جمائی ایک کے کان گرمائے دوسرے کو چپتیں لگائیں ماشاء اللہ اس دہشت کے صدقے پینک میں آکر خود تو حقہ گرایا اور شاگردوں پر بقصور قمچیاں پڑنے لگیں خیر اتنے میں ایک لڑکا مفید نامہ لیکر قریب آیا۔ رب یسر و تمم بالخیر۔ یا فتاح برادر صاحب

مظہر اشفاق و مہربانی و مصدر اخلاق و قدر دانی سلمہ اللہ تعالیٰ۔

ترجمہ۔ برادر صاحب جائے ضرور اشفاق و نکے اور جائے صدر اخلاق وں اور قدر جاننے والے کے سلامت رکھے تم کو اللہ برتر۔ اے سبحان اللہ واللہ کیا ترجمہ کی مٹی پلید کی ہو۔ اور تو اور یہ مظہر کا ترجمہ (جائے ضرور) کا کتنا موزوں ہو مصدر کے معنی جائے صدر لیکن کم استعداد لڑکوں کے لیے جائے صدور اور مصدر دونوں یکساں۔ اور سلیے ازدوے

مواصلت سامی از تکلفات دانستہ بہ مطلب می گراید۔

ترجمہ۔ آرزو ملاقات بڑی کی تکلیفوں سے جان کر بیچ مطلب کے گراتا ہو۔ بارک اللہ کیا فصیح ترجمہ ہے۔ ماشاء اللہ کیا روزمرہ ہو (ملاقات بڑی کی) بیچ مطلب کے گراتا ہو) لاحول ولا ترجمے کی اچھی ٹانگ توڑی۔ پھر لڑکے نے کہا۔ ؎

دلم کشود کشادم چو نامہ ات گوئی	کلید باب گلستان دلکشائی بود

ترجمہ۔ دل میرا کھلا کھولا میں نے جو خط تیرا کہے تو کنجی دروازے باغ دل کھولنے کی تھی (واہ جل وجل)

اور دل لگی سنیے کہ مولوی صاحب بھی شاگرد کے ساتھ پڑھتے جاتے ہیں اور دونوں ہلتے جاتے ہیں۔ جب یہ پڑھ چکے تو دوسرے صاحب مینا بازار بغل میں دبائے تشریف لائے۔

لڑکا۔ بسم اللہ الر۔

مولوی صاحب۔ ہائیں۔ گاؤدی نئی کتاب شروع کی اد چراغی ندارد شکرانہ جیبر پر۔ ہدیہ بالائے طاق۔ جا دوڑ کر گھر سے دو آنے لے آ۔

لڑکا۔ مولوی صاحب کل لیتا آؤں گا۔ آپ تو ہتھے ہی پر ٹوک دیتے ہیں آپ کو اپنی مٹھائی سے مطلب ہو یا مفت کے جھگڑے سے۔

مولوی صاحب۔ یہ جھانسے کسی اور کو دینا اچھا اپنے ابا کی قسم کھا کہ کل ضرور لاؤنگا۔

لڑکا۔ مولوی صاحب کے بڑے سر کی قسم چڑھتے چاند تک لاؤں گا اس پر سب لڑکے ہنس پڑے کہ کیا حاضر جواب لڑکا ہو قسم بھی کھائی تو مولوی صاحب کے سر کی۔ اور سر بھی بڑا۔ واللہ کیا زبان دراز ہے۔

مولوی صاحب۔ چپ نامعقول میرا سر کیا کدو ہے۔ اچھا پڑھو بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ رب یسر وتمم بالخیر۔ یا فتاح عصمتیان روپوش حیا پرور وخلوتیان عفت کوش پاک نظر را مژدہ باد کہ وقت گرمی بازار نشاط است و بسط بساط انبساط یعنی زنانہ بازار ملائک نظر فریب دلنشین تمام۔ لاحول ولا قوۃ۔ اضافتوں کو کیسا ستیاناس کیا اور فقروں کے ہاتھ ایسے توڑے کہ بالکل لنجا ہی کر دیا۔ عفت کوش کو عفت مژدہ باد اسکی دال کو کاف بیانیہ سے خلط ملط کر کے دکہ بنایا۔ است کو بسط سے ملایا۔ ملائک نظر فریب کے ملائک کو اوپر کے فقرے میں داخل کیا نظر فریب کو دلنشین تمام سے پیوند لگایا۔ اور مولانا صاحب چوں بھی نہیں کرتے۔ وہ اور ہی فکر میں ہیں مٹھائی کی فکر میں لب بند ہیں سوچ رہے ہیں کہ جو کل دو آنے نہ لایا تو خوب کوڑے پھٹکارونگا تسمہ تک تو باقی رکھونگا نہیں۔ اپنے حلوے مانڈے سے مطلب دس پانچ طلبہ عجب قطع سے پڑھ رہے ہیں۔ کتابیں تو سامنے کھلی ہوئی ہیں مگر نظر آسمان پر ہے۔ منھ سے اول جلول بک رہے ہیں۔ خالق باری حفظ۔ باقیما بر زبان گر پوچھ بیٹھے کہ ع۔ چیل ہے در گوش کن گفتار من۔ کہاں لکھا ہو تو بغلیں جھانکنے لگیں۔ میاں آزاد اٹھ کھڑے ہوئے اور سیدھے سرا پہونچے۔

میاں آزاد کتب خانے کی حالت سقیم اور مولوی صاحب کی

طرز تعلیم اور لونڈوں کی چہل پہل (دیکھ سنکر) ایسے طیش میں آئے
کہ اگر بس چلتے تو مولوی صاحب کو کچّا ہی کھا جاتے۔ سرا میں جاتے ہی
حضرت مکتب خانہ کی تصویر کھینچی اور پھر اسکا خوب خاکہ اُڑایا۔ اشتہار

گر ہمیں مکتب ست و ایں ملا	کار طفلاں تمام خواہد شد

یہ مکتب خانہ ہی یا وحشت کی منڈی۔ جدھر دیکھو بوکھلاہٹ
کے ڈھیر بوکھلاہٹ کے تودے۔ جہل کی کھاپچیاں بھری ہوئی
ہیں چہل پہل غل غپاڑا دھول دھپّا۔ شور و غوغا معلوم ہوتا ہی۔
بھری برسات میں جنادری مینڈک غاؤں غاؤں یا سحر کاذب کے
وقت کوّے کاؤں کاؤں کر رہے ہیں۔ مولوی صاحب کی غرض
طرز تعلیم واہ جی واہ لہذا بندۂ درگاہ نے یہ چند سطور تنبیہ غافلین
اور قدر دانی کاملین کے لیے تڑ سے لکھ ڈالیں۔ کہ ثانی الحال
سند باشد و عند الحاجت بکار آید۔

۱۔ نور کے تڑکے سے جھٹپٹے وقت تک لڑکوں کو مکتب خانہ میں قید
رکھنا اینجانب کے پسند نہیں دس بجے آئیں چار بجے رخصت پائیں
چلیے چھٹی ہوئی۔ یہ نہیں کہ دن بھر وانتا کلکل کہ پڑھنا کبھی اجیرن
ہوجائے اور خواہ مخواہ یہی فکر دامن گیر ہو کہ درس تدریس کی دُم میں
موٹا سا رسا باندھیں اور دل کھول کر گلچھرے اڑائیں۔ مولوی صاحب
کو ہوا بتائیں۔ مدرسہ چھوڑیں۔ پڑھنے لکھنے کی گردن مروڑیں۔

۲۔ میاں اس بھونڈی روش کو چھوڑو۔ اور اس بھدّے قاعدے
سے منھ موڑو۔ کہ جتنے لڑکے ہیں سب کا سبق مختلف دشمنوں کی
آنکھوں میں خار۔ خیر سے تیس چالیس طلبہ ہیں دو دو چار چار
دس دس کی ایک ایک جماعت کیجیے تو کیا گناہ ہے محنت
کی محنت بچے۔ کام کا کام زیادہ ہو۔ اور فائدہ گھاتے
میں۔

۳۔ جدھر نظر ڈالتا ہوں۔ انشا کی تعلیم ہو رہی ہے۔ کوئی انشاء
خلیفہ بغل میں دبائے ہے۔ کوئی انشاء فیض رساں کھولے بیٹھا ہی۔
کوئی انشاء دلکشا کا سبق پڑھ رہا ہے۔ یا دیوانوں کی بھرمار ہی کہیں
دیوان عرفی کہیں دیوان بہار ہی۔ اللہ بس باقی ہوس۔ میاں صاحب
آخر تو سوچیے کہ تعلیم میں صرف علم ادب ہی شامل نہیں ریاضی میں
ریاض کیجیے جبر و مقابلہ اور اقلیدس کا سبق دیجیے۔ کسی گھنٹے میں
علم تاریخ لیجیے۔ وقس علیٰ ہذا یہ نہیں کہ گلستاں یا ما مقیماں مطالی
انشاء خرد افروز ہی پر لٹو ہیں واہ ری تعلیم گر پڑھ جائے کون۔
مولانا صاحب کو تو سو تک کی گنتی بھی نہیں آتی اقلیدس کی
صورت ہی نہیں دیکھی۔

۴۔ سب لڑکوں کا غل مچا مچا کر آواز لگانا مجربات خنس فضول
بالکل خرافات ہی۔ کوئی خوانچہ والا۔ گنڈیری والا۔ چنے بدل لا
اسطرح چلائے تو مضائقہ ندارد۔ مٹر و ڈگول کچے مصالح کے چگین
مولی۔ ترئی لو ترکاری کو۔ یہ تو پھیری دینے والوں کی صدا ہی بیس
مکتب کو منڈی بنانا حماقت نہیں تو کیا ہے بھلی واللہ یہ تماشا
ہے یہ چہل پہل وا ب آداب کے خلاف ہی۔ ہاں کسی وقت
با آواز بھی پڑھے تو خیر۔

۵۔ ترجمے پر خدا کی مار۔ شیطان کی پھٹکار جاتا ہوں بیچ ایک
باغ کے واسطے لانے اچھی چیزوں کے لاحول ولا۔ لاحول ولا۔ میں نے
دیکھا میں نے ترجمہ کیا ہی تو۔ اے واہ کیا تو زمیں میں ہی چھری گردن
پر۔ مولانا۔ واسطے خدا کے ذرا ترجمہ تو فصیح بنایا کرو ورنہ لڑکوں کا
روزمرہ صاف ہو چکا۔ ترجمے میں درد درپن نہ پایا جائے۔ نہ تو
نہ کوئی آواز دکسے کہ گفتگو میں ٹھیک ہانک رہے ہیں فقرے چست
ہوں لفظ درست ہوں۔ محاورات دلنشین سیکھیں آدمی بنیں یہ
نہیں کہ اول جلول ترجمہ کرکے زبان ہی خراب ہو جائے۔

۶۔ پڑھتے وقت لڑکوں کا ہلنا عیب ہی مگر کہیں کس سے مولوی صاحب

تو خود مجو مے لگتے ہیں ع - وزیرے چنیں شہریارے چناں -

۷ - یہ ناک سے غنغنانا چہ معنی دارد - مکتب خانہ ہو یا کتب خانہ معقول - جس لڑکے کو دیکھو ناک سے تلفظ کر رہا ہے -

۸ - مطلب مطلب متن پڑھو - اینڈا بینڈا ترجمہ کرو - مگر سمجھ خاک نہیں سمجھے اور بھگے ہوئے مولانا ذرا دل میں سوچیے تو کہ جب طالب علم مطلب ہی نہ سمجھے گا تو اس کو فائدہ کیا خاک ہوگا - پڑھاؤ چاہے کم مگر مطلب زیادہ بتاؤ املا ذرا لکھاؤ ہجے ضرور پوچھو

۹ - سبق کو برزبان رٹانا بھی حمق کی نشانی ہے - کتاب بند کی اور فرفر دس صفحے برزبان سنا دیے - خیر حافظے ہی نے قوت پائی سہی مگر ستم یہ ہے کہ پھر طوطے کی طرح حق اللہ پاک ذات اللہ کے سوا کچھ یاد نہیں رہتا مطلب پر نظر ہی نہیں ڈالتے - دعا سے سروکار ہی نہیں رکھتے - اور طرہ یہ کہ اگر پوچھ بیٹھے کہ فلاں شعر کہاں ہے تو لگیں بغلیں جھانکنے اور منہ تاکنے مولوی صاحب نے ایک سطر بتا دی وہ لڑکے نے تھوڑی دیر میں نوک زبان کر لی اب اگر پوچھیے کہ لفظ (گفتم) کہاں ہے تو انکی بلا جانے انھوں نے کل فقرہ یاد کر لیا - مگر حرف آشنا نہیں - اے لاحول اے لاحول -

۱۰ - اردو سے فارسی اور فارسی سے اردو میں ترجمہ روز لکھنا چاہیے ورنہ پھر یہی ہوتا ہے کہ مولانا یا العلم والفضل اولنا بتگئے لیکن ایک سطر نہیں لکھ سکتے -

۱۱ - کم استعداد طلبہ کو اکثر کتب ادق پڑھائی جاتی ہیں ماشاءاللہ کیا تعلیم ہے - ذری سے ٹٹو پر جب دہائیوں کا بوجھ لاد دو گے تو ٹٹو بیچارہ آنکھیں مانگنے لگے گا یا نہیں معصوم بچہ اور پڑھے سکندر نامہ - واہ ری عقل بیچارہ آخشیج کا لفظ اسکے پیر سے بھی نہ سرکے بھلا مناجات کا مطلب وہ کیا سمجھے جشن خوشابہ میں اسے کیا لطف اٹھے -

۱۲ - لڑکے کو ابتدا ہی سے فارسی پڑھانا اسکا ذہن کند کرنا ہے پہلے اردو پڑھائیے جب اسمیں عبور ہو تو بسم اللہ فارسی سہی مگر ابتدا ہی سے کریما مقیماں پڑھانا اسکی مٹی پلید کرنا ہے ابتدا میں فارسی کی ایسی کتابیں پڑھانی چاہئیں جو سہل ہوں جنمیں عمدہ محاورات ہوں - لفظ ادق نہ ہوں -

۱۳ - مولوی صاحب لڑکوں سے چلم بھروانا حقہ تازہ کرانا چھوڑ دیں اس کے عوض ان کو نشست برخاست کے قاعدے ادب اور تہذیب سکھائیں -

۱۴ - افیونی مولوی چھپر پر رکھے جائیں - مولوی نے افیون کھائی اور لڑکوں کی شامت آئی - وہ پینک میں جھوما کریں گے لڑکے ادھر ادھر گھوما کریں گے ع - کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو -

یہ اشتہار جلی قلم سے لکھ کر میاں آزاد راتوں رات مکتب کے دروازے پر چپکا آئے اور جھٹ سے نقل کر کے شہر کے تین چار مشہور مقامات پر بھی چپکا دیا - اور سرا میں لمبی تان کر سو رہے - میاں آزاد پھر آپ جانئے ایک دل لگی باز آدمی - مکتب خانہ کا خاکہ اڑا کر جا بجا مولوی صاحب کا اعمال نامہ چپکا کر چمپت ہوئے دوسرے روز گانوں والوں کو شگوفہ ہاتھ آیا ہر اشتہار کے پاس ٹھٹ کے ٹھٹ جمع - غٹ کے غٹ پلے پڑتے ہیں - جسے دیکھو قہقہہ اڑاتا ہے - ٹوٹن کبوتر ہوا جاتا ہے - بھئی واللہ کسی بڑے ہی فقرہ باز کا کام ہے - اچھی اچھی پھبتیاں کہیں خوب آوازے کسے اور مولوی بیچارے کو تو سلے ہی ڈالا - اسکو بٹرا ہی کر دیا - کیا گرما گرم فقرے ہیں - مکتب خانہ میں لڑکوں کے چہرے گلنار ہو گئے باچھیں کھلی جاتی تھیں - بات تر سے کی - روز جڈا گنجیر دمچیاں جماتے تھے چپتیں لگاتے تھے - افیون گھولی اور سر پہ شیخ سدو سوار ہو تھر تھر بیٹھنا شروع کیا کسی کے کان گرمائے کسی کے سر پر دھپ لگائی

جو بولا اسکی شامت آئی خوب امانچتیاں اڑائیں۔ اب آٹے
دال کا بھاؤ معلوم ہوگا۔ مولوی صاحب تشریف کا بقچہ لائے
تو دیکھتے کیا ہیں کہ ع۔ کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے۔ لڑکے کہنا
نہیں مانتے۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کتاب کھولو۔ شاگرد جواب
دیتے ہیں۔ بس منھ بند کرو۔ فرمایا دور ہو۔ یہاں سے اٹھ جا جواب
پایا کہ چپ۔ چاپ بیٹھا رہ۔ فرمایا کہ اب بولا تو ہم بگڑ جائیں گے۔
شاگردوں نے کہا ہم خوب بنائیں گے تب تو خوب جھلائے اور ڈپٹ کر
فرمایا کہ میں بڑا گرم مزاج ہوں ایک زبان دراز نے مسکرا کر کہا (ہم
ٹھنڈا بنائیں گے) دوسرا بولا (قبلہ اگر آپ گرم مزاج ہیں تو برفستان
میں بستر جمائیے) تیسرے حاضر جواب نے کہا (گرم مزاجی تو بخیر گر
دماغ پر البتہ گرمی چڑھ گئی ہے) باہر کی طرف نظر ڈالی تو دیکھا کہ
جوق جوق تماشائی بازاری سفید پوش خوش باش گنوار کھڑے
قہقہے اڑا رہے ہیں۔ باہر گئے تو اشتہار نظر آیا۔ پڑھا تو عرق عرق ہو گئے
دل ہی دل میں راقم اشتہار کو گالیاں دینے لگے۔ پاؤں تو کچا ہی
کھا جاؤں۔ اتنے ڈنڈے لگاؤں کہ بچہ جی چھٹی کا دودھ یاد کریں
مردود نے کیسا خاکہ اڑایا اور کچا چٹھا لکھ مارا۔ یہ جب ہی لڑکے
ڈھیٹ ہو گئے۔ میں کہتا ہوں آم وہ کہتے ہیں املی۔ اب عزت ڈوبی
جان ہی پر بن آئی۔ مکتب خانے میں قہر درویش بر جان درویش
اکڑ دھنس پڑوں تو خوف ہے کہ مبادا لونڈے روز کی کسر نکالیں اور
انجر پنجر ڈھیلے کر دیں۔ بھاگ جاؤں تو رئیسوں کے لالے پڑیں
کھاؤں کیا انگارے۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن سنگ آمد و
سخت آمد۔ الغرض ٹھان لی کہ بوریا بدھنا چھوڑو۔ ملاگیری سے
منھ موڑو چلتا دھندا کرو۔ بھاگے تو گھر پر دم لیا۔ لڑکوں نے جو دیکھا
کہ مولوی صاحب پتا توڑ بھاگے جاتے ہیں تو جوتیاں بغل میں دبا پائنچے
چڑھا تختیاں اور بستے دبا دواتیں سنبھال دم کے پیچھے چلے۔ فوج
طفلاں صفت یاران سرپل باہم کیا چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔
ایک۔ ارے میاں یہ بھاگا کون جاتا ہے بگٹٹ۔
دوسرا۔ شیطان روز بچۂ انسان کو بہکاتے تھے اب بڑھ گئے
لڑکوں کے داؤ پر کبھی انسے شیطان نے بھی پناہ مانگی۔ دیکھو نا کیا
بھیگی بلی بنے دم دبائے بھاگے جاتے ہیں لاحول ولا۔
اب سنئے کہ قصبے بھر میں کھلبلی مچ گئی۔ اجی ایسے مکتب کی ایسی
تیسی پڑھانے کی دم میں نمدا۔ برسوں سے لونڈے پٹتے ہیں ایک
حرف نہ آیا۔ لڑکوں کی مٹی پلید کی پڑھانا لکھانا خیر صلاح چلمیں
بھروایا کیے۔ بہت مکر کیٹی کی کہ ایک جلسۂ عام میں مولوی صاحب
کا امتحان لیا جائے اور منادی ہو کہ جس مقدس بزرگ نے یہ
اشتہار لکھا ہے وہ ضرور قدم رنجہ فرمائیں۔ عزت بخشیں تب بڑھائیں
ڈھنڈھورا قصبے بھر میں کہتا پھرا کہ خلق خدا کا ملک سرکار کا حکم
پریسیڈنٹ بہادر کا کہ آج نیب ٹولے میں ایک کیٹی ہو گی۔
مولوی صاحب جو لڑکوں کو پڑھاتے ہیں انکا کام تمام کیا
جائے اور امتحان لیا جائے گا جس نے اشتہار لکھا ہے وہ
بھی حاضر ہو کرم دھم کرم دھم۔
میاں آزاد نے جو یہ ہانک سنی تو بہت ہی خوش ہوئے۔ اوہو
ہو ہو ہو۔ مولوی صاحب کی قلعی بھی کھولیں گے اور نیب
ٹولے میں پیر فرتوت کی ایسی چھیچھا لیدر ہوگی سے کبھی ہنسیں لوٹینگے
ع چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار۔ ہوا کے جھونکے کی
طرح سن سے کیٹی میں داخل اور غڑاپ شریک محفل ہو گئے جب
دو ڈھائی سو آدمی اہالی موالی ڈوم ڈھاری اشراف اجلاف ایرا غیرا
نتھو خیرا حلوائی نان بائی۔ خوش باش۔ عیاش سب جمع ہوئے
تو صاحب پریسیڈنٹ جلسہ نے فرمایا۔
صاحبو آج آپکو اس غرض سے تکلیف مالا یطاق دی گئی ہے۔

کہ مولوی صاحب کی خبر لیجائے مولوی صاحب عرصۂ دراز سے
بیٹھے ٹکڑے اُڑایا کیے اور لڑکوں کو واہی تباہی سبق پڑھایا کیے
ادٹ پٹانگ اناپ شناپ بتایا کیے۔ اب ان کا امتحان لیا جائے
پورے اتریں تو خیر ورنہ الفقط۔

ایک ممبر نے کہا۔ حضرت یہ تو سب کچھ ہے گر مولوی صاحب اسوقت نزار دہیں۔ ایک طرفہ ڈگری نہ دیجئے۔ وہ آئیں تو امتحان لیجئے ورنہ ۶۔ خانۂ ملاح در چین ست وکشتی در ختن۔ گر کہیں یہ نہ کیجئے گا کہ آن کو کچا چبا ڈالو کہ بھیجئے۔ وہ کبھی جو آئیں ہم ایک سے بیر تا ہیں جو دو نہ آئیں تو مونچھ منڈوا ڈالوں ہاتھ قلم کرا ڈالوں۔ کہلا بھیجئے کہ زید بکر خالد کسی کے یہاں شادی ہے نکاح پڑھنے کیلئے ابھی بلاتے ہیں سب حاضرین جلسہ نے کہا خوب سوجھی۔ دور کی سوجھی واللہ اچھی سوجھی آدمی گیا دروازے پر آواز دی مولویصاحب مولویصاحب اجی مولوی صاحب ہوت ارے کیا مر گئے اس گھر میں کوئی ہے یا سب کو سانپ سونگھ گیا۔ اجی مولویصاحب الٰہی توبہ چیختے چیختے گلا سوکھ گیا مگر صدائے برنخاست۔ دروازہ دھڈ دھڑایا کنڈی کھڑکھڑائی مگر جواب ندارد تب تو آدمی نے جھلّا کر پتھر پھینکنے شروع کیے اور دو ایک مولویصاحب کے سر مبارک پر بھی پڑے۔

مولویصاحب۔ کون ہے ارے بھئی کون ہے۔

آدمی نے کہا ارے آپ زندہ تو ہوے میں سمجھا تھا کہ گورکن کی بن آئی مگر آپ نے موت کو بھی جُل بتائی۔ چلئے اغل خاں کے یہاں عقد ہے۔ نکاح پڑھ دیجئے۔ ابھی بلایا ہے۔ نکاح کا لفظ سنتے ہی مولانا خمیری روٹی پیسرح بھول گئے۔ انگرکھے کا بند تڑسے ٹوٹ گیا اور کفن پھاڑ کر چلا اُٹھے دآیا آیا ٹھہرے رہو ابھی آیا شملہ بمقدار علم کھڑی پر جا پا۔ پیرہن ڈانڈ عقیق کا کنٹھا ہاتھ میں لیے سرمہ لگا گھر سے چلے آدمی ساتھ ہے دل ہی دل میں کہتے جاتے ہیں

کہ آج یا پو بارہ ہے۔ بڑھ کر ہاتھ مارا ہے ٹے چھپن کرور کی تھالی ہاتھی کے ہودے میں گھٹے۔ اب لمبے لمبے ڈگ بھرتے آدمی سے پوچھتے جاتے ہیں کہ کیوں میاں اب کتنی دور مکان ہے کیوں بھئی پاس ہے نہ دیکھیں نکاح خوانی کا کیا ملتا ہے سوا روپیہ تو معمول ہی ہے مگر خدا نے چاہا بہت کچھ لے مروں گا۔ آدمی پیچھے پیچھے ہنستا جاتا ہے کہ میاں ہیں کس خیال میں کہیں گل کے عوض خار نہ پائیں بارے خدا خدا کر کے وہ کافر منزل طے ہوئی مکان میں آئے تو ہوش اُڑ گئے ایں یہ اچھا بیاہ ہے خدا کی پناہ ہے بھلا یہاں کیسا بیاہ ہے نہ ڈھول نہ شہنائی ہماری شامت آئی وزدیدہ نگاہ سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں۔ عقل دنگ کہ بارخدایا یہ سب کے سب ہیں کو کیوں گھور رہے ہیں۔ اتنے میں پریسیڈنٹ جلسہ نے کہا کہ جن صاحب نے اشتہار لکھا تھا وہ اگر رونق افروز جلسہ ہوں تو وہ مہربانی کر کے کچھ فرمائیں۔

میاں آزاد۔ ایہا السامعین۔ ایک روز سعید بہتر از عید بہ آں حمید۔ ؎

شب کو میں اپنے سر بستر خواب راحت — نشہ علم میں سرمست غرور و نخوت
مزے لیتا تھا بڑا علم و عمل کے اپنے — تھا تصور ما ہر امر میں تصدیق صفت
جو مسائل نظری تھے وہ بدیہی تھے تمام — عقل کو تجربے اتنی ہوئی تھی کثرت
کبھی میں کرتا تھا اعتراض مع جبہ برقائم — کبھی میں کرتا تھا معلول کے ثابت علت

ہو گیا علم حصولی تھا حضوری مجکو
تھا مرا ذہن نہ محتاج حصول صورت

کہ یکایک میٹھی نیند آگئی پلک کا جھپکنا تھا کہ۔ ؎

آکے اک رشک مسیحا نے کہا بالیں پر
لا تنم قم کہ یہ غافل نہیں وقت غفلت

آنکھ کھلی تو ایک مکتب خانہ نظر آیا پہلے مولوی صاحب کی قطع سنیئے

شربتی آنکھیں گول گول دیدے پھولے پھولے گال بھورے بھورے بال۔ لال داڑھی خرگوش کی جھاڑی تا بہ ناف معلوم ہوتا تھا کہ چوری نگل گئے ہیں۔ کوتاہ گردن تنگ پیشانی۔ شرافت اور اصالت کی نشانی نیلی لنگی کسے۔ افیون کی بو میں بسے۔ پینک میں اُونگھ رہے ہیں۔ یا سٹھائی ٹونگ رہے ہیں۔ پڑھانے سے جی چراتے ہیں۔ پینک سے چونکتے ہی لونڈوں پر چپتیں جماتے ہیں اور صلواتیں سناتے ہیں۔ طرز تعلیم سے محض ناآشنا اور کیونکر نہ ہوں ع۔ کار بوزینہ نیست نجاری ہ معلمی خالہ جی کا گھر نہیں کہ سر گھٹایا اور مُلّا بن گئے چوری نگلی اور پیر جی بن بیٹھے کنٹھا لیا اور لگے بڑبڑانے یا کریم یا رحیم یا اللہ۔

اتنے میں مولوی صاحب بھلگنے ہی کو تھے کہ یاران سر پل نے لنگرڈی لی ایک نے اَنٹی بتائی تو پھٹ سے زمین پر آرہے۔ نادِ علی اچھے پھنسے خوب عقد بندھا۔ یہ راز اب کھلا بنا بنایا گھر اب بگڑ گیا مفت میں اُلّو بنے یہ سب آہیں پر ہو رہی ہے۔ خیر اب تو اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں کا خوف کیا۔ میاں آزاد نے پھر لکچر شروع کیا۔

میاں آزاد۔ مولوی صاحب کو کسی مقبرے کا مجاور یا کہیں کا تکیہ دار کر دیجئے تو خیر۔ خوب میٹھے ٹکڑے اُڑائیں کھائیں اور ڈنڈ پیلیں اور خم ٹھونکیں۔ چیپڑی اور دو دو۔ یہ مکتب خانے میں اُلّو کا دسہرہ اُن کو کس نے بنا دیا۔ لڑکوں کی کیفیت سنئے کہ دن بھر گلی ڈنڈا کھیلا کرتے ہیں لڑتے ہیں اور ڈنڈ پیلا کرتے ہیں۔ مگر الف کے نام بے نہیں جانتے۔ حرف تک نہیں پہچانتے۔ یوسف زلیخا حفظ ہے مگر (زلیخا زن بود یا مرد) گلستاں نوک زبان لیکن حکایت چہ معنی دارد۔ سکندر نامہ رٹ لیا۔ ذری پوچھیے کہ خدایا میں الف کیسا ہے تو بغلیں جھانکنے لگیں دن بھر میں اٹھارہ مرتبہ بھی گفتگو کہ مولوی صاحب تماشہ کردہ بیایم مولوی صاحب آب خوردہ بیایم۔ مولوی صاحب دیکھیے یہ ہماری ناک پکڑتا ہے مولوی صاحب یہ ہم سے لڑتا ہے۔ مولوی صاحب شام ہوئی۔ چھٹی دیجئے مولوی صاحب سبق سن لیجئے۔ مولوی صاحب ایسی نہیں سنا کرتے ان باتوں میں سر نہیں دھنا کرتے پڑھو تو واہ واہ نہ پڑھو تو واہ واہ اگر ہلتے جاؤ اور ایسا غل مچاؤ کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دے اس میں چاہے جو کچھ اول جلول بکو۔ الف بے نگاڑا میاں جی کو چنے کے کھیت میں پچھاڑا۔ اتنے میں مولوی صاحب پھر رسّی توڑا کر بھاگنے لگے۔ لینا لینا جانے نہ دینا۔ واہ اچھا کلاج ہے۔ گئے تھے روزے بخشانے نماز گلے پڑی واہ میری اُلٹی کے سننے والے۔ انگی کہی نکاحی بڑی تباہی یا الٰہی۔ واہ بھئی اغل خاں تم تو بغلی گھونسے نکلے میاں آزاد۔ آج ہی تو تمہیں پھنسے ہر روز تو تند نکالے بیٹھے رہا کرتے تھے جیسے پن چکّی کا دتیہ یا گاؤ تکیہ در بغل۔ یہ تو زہر یا بے ایمان کی قبر یا غبارہ یا ہوا کا تکیہ اب پچک نہ جائے تو سہی۔ اور سنئے لڑکوں میں فراموش بدی گئی ہے تو قلم دوات دی اور فراموش دبیے ہونے دوات دی اور وہ کہتے جاتے ہیں کہ یاد ہے یاد ہے پہلے سبق بھول گئے فراموش البتہ یاد ہے اور کیوں نہ ہو اُنکے اُستاد بھی تو بیوقوف دیا دیے ہے شیطان نے مولوی صاحب کو یہ پٹی پڑھا دی ہے کہ لڑکے کو لفظ بتاتے جاؤ خود سمجھے کر کے وہ ایک لفظ نہ کہے۔ پھر لڑکا کو دن ہو تو کیا ہو اور ترجمہ تو اللہ ہی اللہ ہے۔ ترکی کے معنی تو ہے تو مُنّم کے معنی میں بھول میں۔ اور محاورات بالکل دیہاتی۔ خدا جانے کہاں کا گنوار بٹھا دیا ہے۔ اسکو تو ہمایوں کے مقبرے میں مجاور یا حضرت عباس کی درگاہ کا سقہ بناؤ۔

الغرض کل صبح کو ان حضرت کا امتحان لیا جائے تو قلعی کھل جائے کل حضار جلسہ نے میاں آزاد کی پیٹھ ٹھونکی اور ڈنڈ پیل دئے کہ

واہ استاد کیا کہنا ہے۔

مولوی صاحب۔ میاں آزاد بڑے شیطان ہیں۔

آزاد۔ اے حضرت یہ آپ اپنی تعریف کر رہے ہیں۔ بندہ کس لائق ہے بڑے تو حضور ہیں۔ سچ یوں ہے کہ آپ لنگور ہیں۔ مگر حیرت ہے کہ یہ چاہ زنخداں سے دم کی کونپل کیسے پھوٹی۔ لوگوں نے دل میں ٹھان لی کہ کل چاہے اولے پڑیں چاہے کڑکڑاتی دھوپ ہو چاہے کچھ خیال آئے جو ہو ہم آئیں گے اور ضرور آئیں گے مولوی صاحب سے تاکید کی تھی کہ حضرت کل نہ آئیے گا تو یہاں رہنا مشکل ہو جائیگا دل میں تو سب کی صورت سے نفرت تھی اور چہرہ ابھی اتر گیا تھا مگر بہت کڑک کر فرمایا کہ۔ ؎

جوانمرداں نہ پیچید از سخن رو	ہمیں میدان ہمیں چوگان ہمیں گو

ہم اور نہ آئیں ان ہوتی بات ہے۔ ہم اور منہ چھپائیں یہ محال ہے۔ جی آئیں اور بیچ کھیت آئیں اور ڈنکے کی چوٹ آئیں۔ ہم کیا کوئی چور ہیں یا کسی کا مال مارا ہے۔ آزاد تو کیا بیچارہ ہے۔ ہم ایسے ویسے نہیں کہ پھسڈی ہو جائیں۔ آئیں اور سرخرو ہو جائیں۔ جسے دیکھو مولوی صاحب ہی کی طرف نظر ہے۔ چھوٹے بڑے سب حضرت ہی کو تاک رہے ہیں۔ جلسہ برخاست۔

مولوی صاحب کی خرابی

مولوی صاحب کے حواس غائب۔ آوازوں کا چھرا ایسا چلا کہ جل بھن کے خاک ہو گئے مگر بیحیائی کی بلا دور۔ اور بھی بیباک ہوئے۔ دل ہی دل میں کروروں صلواتیں سنائیں۔ لاکھوں گالیاں یاد آئیں۔ لگے پانی پی پی کر کوسنے۔ اس ملعون پر گاج پڑے اسکی زبان سڑے منہ بھول جائے ساری چوکڑیاں بھول جائے آسمان سے انگارے برسیں۔ میاں آزاد ایسی جگہ مریں جہاں پانی نہ ملے بوند بوند کو ترسیں۔ ڈنگو فیور چٹ کرے۔ انجن کے نیچے دب کر مرے۔ ہاتھی روند ڈالے بھینسہ کھائے۔ خیر ان کی تو خدا سن چکا ایسے ایسے مداری میاں آزاد نے بہت چنگے کئے تھے صدہا گنوار رنگے سیاروں کے دھرے کیے تھے۔ دوسرے روز نیب ٹوٹے میں اہالی موالی۔ ٹونی کالی۔ کنجڑے مالی۔ شریف نجیب۔ منشی طبیب۔ ان پڑھ نسیب ہر پیشہ کے آدمی پو پھٹتے ہی آن موجود ہوئے مگر مولانا ایسے مفقود ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ بارے یاران سرپل تتو تھمو کر کے سر سہلاتے کھسیا کھاتے سبز باغ دکھاتے گھسیٹ ہی لائے۔ آئیے آئیے مولوی صاحب آئیے مکتب کے لڑکے بھی ڈٹے بیٹھے تھے۔ مگر مولوی صاحب سے ذرا ہٹے بیٹھے تھے کہ مبادا شیخ سدو سوار ہو تو مفت میں تکرار ہو

میاں آزاد۔ کیوں مولوی صاحب کس منصوبے میں ہو۔

مولوی صاحب۔ سوچتا ہوں کہ اب کون چال چلوں تم نے تو زچ کر دیا واللہ رخ پھر گئے۔ سوچ رہے ہیں کہ اب ملاگیری چھوڑ پیادوں میں نوکری کریں گے۔ بس وطن سے جائیں گے تو پھر لوٹ کر گھر نہ آئینگے میدان فکر میں خوب گھوڑے دوڑائیں گے۔ رئیس امیر بادشاہ وزیر سب پر مصیبت پڑتی ہے پھر ہماری بساط کیا چار خانے کا پیرہن نہیں گاڑھے کی مرزائی سہی۔ چاہے کوئی توپ کے مہرے اڑا دے تم کو ہم صلواتیں ضرور سنائیں گے۔ تم نے ہم سے نرد دغا کھیلی۔ ششدر ہوں کہ کروں تو کیا کروں۔ اب نقشہ جمنا محال ہے۔ ہم نرے اناڑی ہم یار شاطر تم بار خاطر۔

میاں آزاد۔ آپ لاکھ چنگ پر چڑھائیے ہم جھانسے میں نہ آئیں گے یہ چکمہ کسی اور کو دیجئے۔

مولوی صاحب۔ چکمہ چکمے کی ایک ہی ہوئی۔ یہ عجب قماش کی بات ہے میں حضور کا غلام آپ میرے سرتاج سر مبارک کی قسم ادھر آفتاب بر آمد ہوا ادھر ہم نے مکتب کا راستہ لیا دن بھر

ورق گردانی کی۔ مجال کیا کہ شاگرد کھیل میں مصروف ہوں۔ ذرا اور میں نے ٹیپ جمائی۔ کھیلا اور شامت آئی سمجھ بوجھ کر چلتا تھا کوئی اکا دکا مکتب میں کھلونا دلونا لایا اور میں نے انگیٹھی میں سوختہ کر دیا۔ مگر میری سنتا کون ہے۔ آپ تو میر کے پایہ سے ہیں۔

پریسیڈنٹ۔ اجی اس داستان کلکل سے کیا واسطہ مولوی صاحب کا امتحان لیجئے۔ سوال کیجئے۔

میاں آزاد لا الٰہ الا اللہ کہکر کھڑے ہوے۔ اب مولوی صاحب کی بوکھلاہٹ کا حال نہ پوچھئے۔ رنگ فق خاصے (ہونق) کلیجہ شق یا مولیٰ۔ یا حق۔ آنکھیں پرنم۔ کمر خم۔ اشکبار۔ بیقرار۔ منھ پر ہوائیاں چھوٹ رہی ہیں۔ کلیجہ دھک دھک کرتا ہے ہاتھ کانپنے لگے کھڑے تو ہوے مگر قدم نہ جما پاؤں ڈگمگا کے گرے وہ لڑکھڑائے۔ اوسان خطا حواس پراں۔ ہوش ہیاؤ کی سیر کر رہے ہیں۔ بلا اجازت غائب گول گول دیدے چمکا کر اور تو ند مٹکا کر کچھ کہنے ہی کو تھے کہ وحشت نے گلا دبوچا گھگھی بندھ گئی۔ ؎

به فهمم هیچ مضمون جز به لب بستن نمی آید
خموشی معنی دارد که در گفتن نمی آید

ہائے امتحان دینا تو لوہے کے چنے چبانا ہے۔ انگارے کھانا ہے نام سنا اور حواس بیترا۔ میاں آزاد نے جلسۂ عام میں سوالات شروع کیے۔ سب خاموش ہمہ تن گوش۔ کمیٹی رجوع ہو تو امتحان شروع ہو۔

سوال۔ یہ اشعار کس بحر میں ہیں۔

نہ پوچھو حال مرا ہوں مشعل دستی | کہ جسکے ہاتھ پڑا لیچلا جلائے ہوے
جو پہونچا تربت عاشق پہ ناز کرتا ہو | حضور خاک سے دامن ذرا اٹھائے ہوے

مولوی صاحب۔ بحر میں آپ ہی غوطے لگائیے اور خدا کرے ڈوب جائیے۔ تھاہ خاک نہ ملیئے۔ واللہ میرا تو قافیہ تنگ ہے۔ عقل دنگ ہے کوئی مونس نہ جلیس۔ خلیل نہ انیس جیسے دیکھو ہمیں بر سر شیر ہے۔ آتش زبانی دکھلانے پر مستعد۔ رند بنکر شیخ کے چھیڑنے کو تیار برق بنکر جلانے کو آمادہ۔ نامعقول اتنا نہیں سمجھتے کہ ہم مولوی آدمی لونڈے پڑھانا جانیں۔ یا شاعری۔ شعر و سخن کا ذوق کہاں۔ تک بندی کا شوق کہاں۔ بحر سے واسطہ۔ قافیے سے سروکار۔ نظم سے مطلب۔ آئے وہاں سے بحر پوچھنے۔ میں خود دریائے مواج علم و فضل ہوں۔ وہ سمندر جس کا اور نہ چھور۔ ساحل کا پتا ہی نہیں۔ تمہارے قعر تک زنجیر فکر پہونچے۔ کیا مجال۔

سوال۔ بشنو از نے چون حکایت می کند
وز جدائی ہا شکایت می کند

کز نیستان تا مرا ببریدہ اند | از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

ان اشعار کے معنی بتائیے۔

مولوی صاحب۔ (بنچ پر دو زانو بیٹھ کر) یہ مولوی معنوی جعل الجنۃ مثواہ کا کلام جمیل ہے۔ اسمیں جائے دم زدن نہ مجال قال و قیل ہے لیکن ساقی حلم فروش کی قسم وہ دھواں دھار معنی اڑاؤں کہ آسمان تک لو پہونچاؤں۔ سنے اب سنئے نے عبارت ہے چانڈو کی نے سے اس سے ایک تاریخی بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مولوی معنوی طاب ثراہ کے وقت میں بھی افیون کی گرم بازاری تھی اور چانڈو بازی بھی جاری تھی نیستان سے مراد ہے اُس گلزار سراپا بہار رشک فرخار سے جہاں چانڈو کی نے کا جنگل ہے اور چانڈو بازوں کا دنگل ہے نفیر کے لفظی معنی بیٹھ بیٹھ ہیں مگر چانڈو بازوں کی اصطلاح میں نفیر اُس آواز دلربا کو کہتے ہیں جو چانڈو پیتے وقت دہان پاک سے نکلے۔ دھک دھک۔ بھک بھک۔

سوال۔ بکری کی پچھلی ٹانگوں کو فارسی میں کیا کہتے ہیں۔

مولوی صاحب۔ یہ کسی اپنے بھائی بند مُرّ قصاب سے پوچھیے بندہ چھیچھڑے کھانے نہ جانے۔ واہ اچھا سوال ہے اب ملّاؤں کو بزقسایوں کی شاگردی بھی کرنا چاہیے۔ کیا دل گردہ ہے۔ پاؤں تو بوٹیاں ہی نوچ کھاؤں اور ویسا پچھاڑوں کہ بہت بڑھ بڑھ کر باتیں بنانا بھول جاؤ۔ بکری کی ماں کب تک خیر منائیگی۔ ایکدن چھری گردن پر ضرور پھر جائے گی۔

سوال۔ ہندوستان کے شمال میں کون ملک ہے۔

مولوی صاحب۔ خدا جانے میں کیا دیکھنے گیا تھا یا آپ کی طرح میں بھی کدچہ گرد ہوں۔

سوال۔ سب سے بڑا دریا ہندوستان میں کون ہے۔

مولوی صاحب۔ فرات۔ نہیں۔ وہ دیکھیے لاحول ولاقوۃ بھولا جاتا ہوں۔ توبہ۔ اجی وہی۔ دجلہ دجلہ خوب یاد آیا

حضّار جلسہ۔ اس یاد پر پتھر پڑیں۔ فرات و دجلہ ہند میں ہیں واہ واہ رے گاؤدی۔ اجی اُلٹی گنگا بہائی لے چلو بھر پانی میں ڈوب مرو مُلّی کرتے ہو اور اتنا نہیں جانتے کہ فرات کہاں ہے لاحول ولا۔

سوال۔ زلزلے کے اسباب اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کا سبب بتاؤ۔

مولوی صاحب۔ واہ کیا خوب خدائی میں دخل دوں ایک فراشن (فریشن) تو کسی کی سمجھ میں آتا ہی نہیں پھر بھلا یہ کون جانے کہ زلزلہ کیونکر آتا ہے۔ زمین میں کس طرح ہچل مچ جاتی ہے یہ رموز سربستہ خدا ہی جانے۔ باقی باتیں ہیں ہم ان ڈھکوسلو کے قائل نہیں باقی رہا چاند کا گھٹنا بڑھنا اور اس کا سبب سو حضرت سبب یہی ہے کہ خدا کا حکم۔ بندے کو دخل کیا ان قدرتی اُمور کا کچھ سبب بھی ہوا کرتا ہے۔

سوال۔ بارش کیونکر ہوتی ہے۔ یہ پانی کہاں سے آتا ہے۔

مولوی صاحب۔ (خوب اکڑ کر) ہاں دیکھیے اب سیدھے ڈھرّے پر آئے نہ۔ بارش کیونکر ہوتی ہے اسکا دیہاتی جواب یہ ہے۔

نہ بارد ہوا تا نہ گوئی بیار
زمیں نا ورد تا نہ گوئی بیار

اور پانی کہاں سے آتا ہے۔ یہ تو ہماری دادی جان تک کو معلوم تھا خدا انکو بخشے بیچاری کہ سنیے نہ کہ بادل تالابوں۔ ڈبروں جھیلوں حوضوں۔ کنوؤں۔ دریاؤں۔ ندیوں۔ گڑھوں۔ بدرروؤں۔ سمندروں پوکھروں۔ غلیجوں۔ ٹالیوں میں گھس پیٹھکر دو تین روز تک خوب ڈٹ کر پانی پیتا ہے جب پی چکا تو آسمان پر اُڑ گیا اور منھ کھولا تو پانی رم جھم برسنے لگا۔ اشجار نہال ہوگئے غنچے دہان چٹکے میگساروں کی بغل میں بادۂ ناب کے مٹکے۔ ع

تندبر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
مے کشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

حضّار جلسہ۔ ایسی تیسی پر شیطان کی پھٹکار۔ آئے وہاں سے مولوی بنکے۔ واللہ کیا بے پر کی اُڑائی ہے۔ کہنے لگے بادل پانی پیتے ہیں اچھی بٹی۔

سوال۔ گنتی آپکو کہاں تک یاد ہے اور پہاڑا کہاں تک۔

مولوی صاحب۔ جوانی میں روپیہ کے ٹکے گن لیتا تھا اب بھی آٹھ آٹھ آنے دو دو دفعہ میں گن سکتا ہوں۔ مگر پہاڑا کسی حلوائی کے لونڈے سے پوچھیے۔ ڈھونچے پونچے سے یہاں نفرت ہے۔

سوال۔ جونپور میں زید نے ۹۹۵۲۶۷ من غلہ خریدا اور شب کو چور نے موقع تاک ۶۲۳۶۱ من ہاتھوں ہاتھ راتوں رات اڑا دیا بتاؤ زید کو کتنا گھاٹا ہوا۔

جواب۔ یہ جھگڑا جو بندر کے قاضی چکائیں گے۔ بندہ کسی کے پھٹے میں پاؤں نہیں ڈالتا۔ چوری چکاری کا حال تھانیداروں سے پوچھیے بندہ مولوی ہے ملا کی دوڑ مسجد تک۔

سوال۔ شاہجہاں کے وقت میں ہندوستان کی کیا حالت تھی اور اکبر کے وقت میں کیا حالت تھی۔

مولوی صاحب۔ اجی آپ تو پرانے مردے اکھیڑتے ہیں اکبر اور شاہجہاں دونوں کی ہڈیاں گل کے خاک ہو گئی ہونگی۔ اس دو کوڑے سے واسطہ۔

سوال۔ طرز تعلیم کا سب سے بہتر قاعدہ کیا ہے۔

مولوی صاحب۔ اس بحث سے فائدہ کیا ہے۔ میں کیا کوئی گوئکا ہوں یا مجھے کوئی گدھا متر کیا ہو۔ بڑے بڑے استادوں کا کلام ذک زبان ہے۔

سوال۔ عقل بڑی کہ بھینس۔

مولوی صاحب۔ ان دونوں سے گھوس بڑی جو دودھ دیتی ہے۔

سوال۔ آپ بھی کہیں گے کہ ہم آدمی ہیں۔

مولوی صاحب۔ اے صاحب وہ آدمی نہیں گرگ باراں دیدہ گربہ مسکین۔ بچھیا کا تاؤ۔ الّو کی دم فاختہ سہی۔ اب آپ بندے کو آزاد کیجئے تو عمر بھر احسان نہ بھولوں گا۔

حضار جلسہ۔ لاحول ولا قوۃ۔ یہ چرکٹا ہے کون۔ اس مردک کو یہی نہیں معلوم کہ بجر کس چڑیا کا نام ہے۔ بادل کسے کہتے ہیں دو ایک کا پہاڑا نہیں یاد۔ گنتی جانتا ہی نہیں طرز تعلیم سے بالکل ناواقف دجلہ و فرات ہندوستان میں بتاتا ہے۔ اور بائیمہ شیخی جتاتا ہے۔ جغرافیہ میں محض کورا۔ آدمی ہے یا دھیا لٹورا۔ تاریخ میں الف کے نام بے نہیں جانتا اور خدا جھوٹ نہ بلائے تو شاید حرف بھی نہیں پہچانتا اور چلے ہیں مولوی بننے۔ لڑکوں کی مفت میں مٹی خراب ہو اور سنیے بادل بڑ روے پانی پیتا ہے اور تالابو کا پانی نوش کرتا ہے۔ اس تحقیقات کے قربان۔ واہ رے نادان۔

ہندی اور یوروپین کا طرز معاشرت

میاں آزاد کتب کا خاکہ اڑا۔ مولوی صاحب سے پیچھا چھڑا گاؤں سے ایک شہر میں جا پہنچے۔ اہو ہو ہو۔ جدھر جاؤ چہل پہل جدھر دیکھو لہر بہر۔ ہر محلہ آباد۔ کوچہ و بازار سواد چپہ چپہ رشک بہشت شداد۔ جگر ٹھنڈا کرنے والی ہوا کے جھونکے سن سن چل رہے ہیں۔ گویا پھلے پھولے ہرے بھرے درخت گلاب اور کیوڑے کے بسے ہوئے پنکھے جھل رہے ہیں۔ میاں آزاد دن بھر چک پھیریوں میں رہے اور جب زلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی تو میاں آزاد کو سونے کی دھن سمائی ہوٹل میں آئے اتنے میں ایک آدمی چھریرا بدن پستہ قامت چشم ازرق ہوئے میگوں رنگ زرد سامنے آن کھڑا ہوا۔ کون۔ ہم ہیں بھئی۔ ہم کا آخر کچھ نام بھی ہے۔ مسافر۔ پھر یہاں کیا کام۔ آفتابہ تاکا ہے یا لوٹی لے بھاگیئے گا۔ یا حضرت ذری بندہ درگاہ کی قطع شریف اور صورت مبارک تو دیکھیے۔ چوٹٹے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ بھلا۔ اخاہ۔ حضور ہیں آئیے۔ میاں آزاد نے آؤ بھگت کی پاس بٹھایا۔ عطر ملا۔ پان کھلایا۔ باہم خوب چہ میگوئیاں ہوئیں۔ آخرکار انھوں نے کہا کہ کیوں جی کیا یوروپین ہم لوگوں سے علم و فضل اور طرز معاشرت میں چڑھا بڑھا کر ہیں۔ میاں آزاد نے دو ہونکہ کر کے جواب دیا کہ دریں چہ شک۔ یورپ میں علم کی گرم بازاری ہے۔ یہاں حضرات ناعاقبت اندیش کی عقل حلیۂ عاقبت اندیشی سے عاری ہے۔ یہاں کیا بہ لحاظ علم کیا باعتبار معاشرت بنگالی البتہ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں

باقی خیر صلاح کے ڈھیر۔ اتنے میں بھٹیاری نے ہانک لگائی کہ پھاٹک بند ہوتا ہے باہر والو اندر آؤ۔ اندر والو باہر جاؤ۔ میاں آزاد بستر پر ڈٹ گئے۔ نور کے تڑکے حبیب لبیب نے میاں آزاد کو خواب نوشیں سے جگایا۔ ایں! آپ لمبی تانے پڑے خرّاٹے لے رہے ہیں۔ اُٹھو اُٹھو۔ یہ طوطے چشمی! کہ آنکھ تک نہیں کھولتے کچھ کنمنائیے تو سہی۔ اے لو وہ اُٹھ بیٹھے بسم اللہ کیا کل رت جگا تھا۔

میاں آزاد نے کہا حضرت ایسا شل ہو گیا تھا کہ گھوڑے بیچکر سویا اور رات تک سوتا ہی رہا۔ خیر بارے آپ اُٹھے تو۔ ہاں حضرت یہ فرمائیے۔ بنگالی اور یورپین میں کیا بات ہے جس سے ہمارا علم اور طرز معاشرت اُنکے آگے مات ہے۔ اگرچہ وہ منطقی آدمی ہیں براہین انی و لمی پیش کیجئے۔ میاں آزاد نے چپ چپ کپڑے ڈانٹے حبیب لبیب کو ساتھ لیا اور چل کھڑے ہوئے تڑکے کا سہانا وقت۔ ؎

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور
دیکھے تو غش کرے ارنی گوے اوج طور

ادھر شوالے کا گھنٹہ بجا ٹھنا ٹھن۔ ادھر دو ناگوں سے صبح کی توپ دغی دنادن چلتے چلتے بستی کے باہر پہونچے۔ سبحان اللہ خدا کی قدرت مجسم نظر آتی ہے۔ بہار دل کو بھاتی ہے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک دلچسپ پُر فضا فرح بخش و دلکشا بنگلہ خس پوش ہے پٹریاں صاف روشیں شفاف۔ اشجار کا جھرمٹ مستانہ وار نسیم نوروزی عنبر بار دماغ طبلۂ عطار۔ ہر سمت باغ و بہار پتے زمردیں بنگلے مینو آئین دروازے رنگین ایک عالی شان کمرے میں ایک صاحب کرسی پر بیٹھے ہیں اور اُن کے قریب ایک بت حور وش زیبا اندام گلبدن گلفام زن حسینہ و جمیلہ نازک سی کرسی پر شکن ہے۔ وہ نورانی چہرہ وہ قیمتی ریشمی سیاہ لباس اُس پر عطر کی بوباس جس کی لپٹیں سڑک تک آتی تھیں۔ اور دماغ کو تختۂ گلاب بناتی تھیں۔ ؎

ز کجا می آئی اے سرمست خوبی محو ناز
عطر آگیں تا بدامن عنبر افشاں تا کمر

دونوں میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں اور ٹن چاپ اُڑاتے ہیں کمرے بھر میں وہ صاحب اور وہ بت بلند و بالا نے غم دزد نے غم کالا حبیب لبیب اس لطف کو مشاہدہ کرکے پھڑک گئے اور بے اختیار کہہ اُٹھے کہ۔ ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

میاں آزاد اُنکے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ دیئے چپکے سے آگے بڑھے بیس قدم آگے نہ گئے ہوں گے کہ سامنے سے کئی بابو کرنگ سرنگ اور نقرہ خنگ گذرے تیز اور سبک خیز اُن پر خوشنما کاٹھیاں اور سیمیں تن غنچہ دہن لڑکے تمکن سنتے کھیلتے بولتے جاتے ہوا کھاتے جاتے ہیں۔ کپڑے سفید جیسے بگلے کے پر۔ کئی منٹ تک حبیب لبیب اُن گلبدن لڑکوں کو دیکھا کئے اور میاں آزاد سے کہا کہ بھئی واللہ بچوں کی صحبت و تربیت کا خیال آتا تو ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھتے ہیں کہ ایک فٹن پر پانچ نوجوان بنگالی ایک بیرسٹر۔ ایک سول سروس دو ایم۔ اے ایک بی۔ اے چلے آتے ہیں۔ انہیں سے ایک میاں آزاد کے خواجہ تاش تھے۔ علیک سلیک کے بعد ہاتھ ملایا اُنھوں نے انکو چرٹ پلایا معلوم ہوا کہ وہ چار نوخیز بنگالی غریب آدمیوں کے لڑکے ہیں مگر اُن کے عالم باپ کے ہمدرد احباب نے اُن کو ولایت بھیجا اور خود صرف کے

مشتمل ہوئے۔ اب وہ مدارج اعلیٰ حاصل کرکے آئے ہیں رخصت ہوئے تو میاں آزاد اور اُن کے حبیب مشرق اور وہ نوجوان مغرب کی طرف چلے حبیب لبیب نے آہ سرد کھینچکر کہا کہ بس ان بنگالیوں کے قدم لے بیس بیس برس تک کے لڑکے ایم۔اے۔بی۔اے ہوجاتے ہیں۔امیر تو امیر غریب تک اعلیٰ درجے کی تعلیم پاتے ہیں۔مگر ہندی ابھی بحر جہل ہی میں غوطے کھاتے ہیں چلتے چلتے ایک مقام پر پہونچے جہاں سڑک پر دردیہ سوداگروں کی عالیشان کوٹھیاں ہیں جان اینڈ کمپنی رو اینڈ سن کے سہ منزلہ۔ پنج منزلہ۔ سر بفلک کشیدہ ایوان سپہر تو امان گویا آسمان سے باتیں کرتے ہیں فلک الافلاک سے ٹکر لڑتے ہیں میاں آزاد حبیب لبیب کو ایک کوٹھی میں لیگئے۔ الٰہی یہ مکان ہے یا صناعی کا کارخانہ کوٹھی ہے یا لندن کا عجائب خانہ اشیاء غریبہ لاتعد و غیر محدود۔ تمام عالم کی نعمتیں موجود۔ حبیب لبیب نے کہا صل علیٰ صل علیٰ۔ یہ تجارت کے شعبدے ہیں۔ واری تجارت تیرے قدم دھو دھو کر پیے۔ اتنے میں سامنے سے کئی بگھیاں آئیں اور زن سے نکل گئیں۔ سب پر یورپین جنٹلمین اور لیڈیاں تمکن۔ ہندوستانی کا منزلوں پتا بھی نہیں آگے بڑھے تو ایک کتب خانہ نظر آیا۔ لاکھوں کتابیں چنی ہوئیں دفتیاں قابل دید بلکہ دیدہ شنید۔ کسی الماری میں گل لالہ کھلا ہے۔ کہیں زمرد گوں تختہ بنا ہے۔ انسان اگر سال بھر اس کتب خانہ میں جم کر بیٹھے تو عالم اجل اور فاضل اکمل ہو جائے سر شام سے آٹھ بجے تک شائقین آتے ہیں سیر کتب سے دل بہلاتے ہیں۔ لیڈیاں اپنے مذاق کے اخبار اور کتب مطالعہ میں لاتی ہیں اور دنیا کے حالات پر واقفیت پاتی ہیں مگر ہندوستانی جنٹلمین کو ان امور سے کیا سروکار۔

اس سیر سے جب خوب سیر ہو چکے تو سرا کی سوجھی۔ حیران و ششدر کہ؎

کس لیے آئے تھے ہم کیا کر چلے	تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے

خدا خدا کر کے بستی میں داخل ہوئے۔ راہ میں ایک مرفہ حال اور صاحب جاہ و مال کے دروازے پر اُن کے دو کم سن لڑکوں کو دیکھا بنک بنک سے تو درست ہیں۔ مگر وضع نرالی کانوں میں بالے۔ پانوں میں بھدے بھدے کڑے۔ انگرکھا میلا کچیلا کثیف پائجامہ چار جگہ سے چاک ہاتھوں پر گرد منھ پر خاک دروازے پر ننگے پانوں کھڑے ہیں۔ مولوی صاحب ڈیوڑھی میں بیٹھے دو اور لڑکوں کو پڑھا رہے ہیں لیکن ڈیوڑھی اور پاٗخانہ ملحق۔

میاں آزاد۔ کیسے پیر دمرشدہ غنچہ دہن سیمیں بدن لڑکے اور وہ پابوبھی یاد ہیں۔ انکو دیکھیے نیلے گندے دن بھر بیت الخلا کے پڑوس بھلا یہ توانا و تندرست چالاک و چست کیونکر ہوں۔ ہاں زیور سے البتہ گدھوں کی طرح لدے ہیں حق یوں ہے کہ جیسا ہم ڈھکا جس قدر زیور پہنے ہوگا اسکو وہ سچی خوشی نہیں حاصل ہوسکتی جوان ہمارے بچوں کو نسیم تری کے جھونکوں اور نالیوں کی کھٹ پٹ سے حاصل ہوتی تھی لڑکا تڑکے بھر دم بیدار ہوا۔ حمام خانہ گیا۔ صاف ستھرے کپڑے پہنے۔ صبح کی ہوا کھائی یہ اچھا یا یہ اچھا کہ پنجے اور پہنچے اور بندتا کے کپڑوں میں جکڑ دیا جائے اور زیور سر سے پانوں تک لاد دیا جائے اور گدھا پر بٹھا دیا جائے کہ کوڑے کے ڈھیر سے گنا کرے الامان۔ الحذر۔ اتنے میں سات آٹھ نوجوان سامنے سے گزرے ابھی ۹ ہی برس کا سن ہے مگر گالوں پر جھریاں کیسی کمر خم کیسی چہرہ زرد۔ دل سرد

سُرخ و سفید رنگ دھواں بنکر اُڑ گیا اور طرہ یہ کہ الف کے نام سے نہیں جانتے۔ بس اور ش نہیں پہچانتے ایک نمبر اول کے چانڈو باز ہیں۔ دوسرے بڑے زباں دراز ہیں وہ فرماتے پھرتے ہیں کہ بھلا کیونکا آدمی کھچکر ہو جائے ایک بہترین درجے میں تعلیم پاتے تھے مگر پروفیسر ریاضی سے کھٹ پٹ ہو گئی جھٹ مدرسہ چھوڑا کیوں نہ ہو میرے شیر۔ تنک مزاجی ختم ہے۔ ایک صاحب اپنے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے بائیں ہاتھ پر تال بجاتے ہیں۔ دھن تا دھن تا دُو صاحب بہادر نامے بٹیر کے گھٹ جانیکا افسوس کر رہے ہیں کسی کو ناز ہے کہ میں بانے کی کنکیاں خوب لڑاتا ہوں تکل خوب بڑھاتا ہوں۔

میاں آزاد نے پوچھا کیوں قبلہ کیسے وہ بنگالی نوجوان بھی یاد ہیں۔ ان حضرات کو دیکھئے کہ مدرسہ چھوڑا۔ کوچہ گردی سے ناتا جوڑا صحبت نیک سے منہ موڑا افعال شایستہ کی گردن کو مروڑا۔ لیاقت خدا کا نام ہو شیار گشتی سے کام ہے یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دو صاحب اور ملے سفید پوش۔ صاحب تج توش حبیب لبیب نے کہا حضرت انکو پہچان رکھیے۔ ان مدعیان خرد نے روپیہ کو دفن کر رکھا ہے۔ ایک کے پاس دو لاکھ سے زیادہ ہے دوسرے کے پاس کوئی اسی ہزار۔ مگر زمین میں دفن بی بی اور لڑکوں کو کچھ زیور تو البتہ بنا دیا ہے۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاح اگر تجارت کریں تو وہ فروغ ہو کہ باید و شاید۔ مگر یہ سیکھا ہی نہیں میاں آزاد نے کہا کیوں میاں وہ کوٹھیاں بھی یاد ہیں۔ بنگال بنک اور دہلی بنک کو سنا تھا یہ زمین کا بنک آج سنا بحمد اللہ کہ اب میاں آزاد اور حبیب لبیب سرا میں داخل ہوئے آزاد۔ کہو یار چپے۔ صبح کے سوال کا جواب پایا۔ سچ کہنا۔ جو کہا تھا ثابت کر دیا یا نہیں۔ اب پھر پوچھو گے کہ بنگالیوں سے عموماً اور یوروپین سے خصوصاً ہندی کس بات میں کم ہیں حبیب لبیب نے گردن جھکالی۔ آنکھیں نیچی کریں ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگے اور فرمایا کہ خدائے پاک کی قسم کیا شافی اور برجستہ جواب پایا کہ عمر بھر تو بھولونگا نہیں بھئی آج کی سیر نے تو جام جمشید کا لطف دکھایا یوروپین اور اہل ہند کے طرز معاشرت میں زمین اور آسمان کا فرق پایا۔ واللہ تہذیب بھی صدہا امراض جہالت کی دوا ہے۔ جوب بالوسے ہے۔ اکسیر کی پڑیا ہے۔

دوسرے روز ہمارے سودائی مزاج میاں آزاد جھٹپٹے وقت حبیب لبیب کو ساتھ لے شہر کے صدقے ہونے چلے۔ چاندنی نے سبزے میں کھیت کیا ہے۔ نوعروسان چمن کا جوبن پھٹا پڑتا ہے ایک باغچۂ فرح بخش و دلکشا میں احباب بذلہ سنج و صافی مذاق بیٹھے عظیم اللہ خانی حقے اڑاتے تھے۔ اور رنگ رلیاں مناتے تھے کہ ایک دفعہ ہی بحث اور بحث سے تکرار۔ تکرار سے کھٹ پٹ شروع ہوئی میاں برق نے کہا کہ بھئی کلجگ ہے کلجگ۔ اس میں جو نہو تھوڑا۔ پرانی رسموں کو اب بعض ذات شریف دقیانوسی بتاتے ہیں شادی بیاہ کے خرچ کو اخراجات فضول کہتے ہیں۔ بچوں کو زیور پہنانا گالی ہے وقس علیٰ ہذا اب کوئی ان حضرات سے اتنا تو پوچھے کہ جو رسم باپ دادا کے وقت سے چلی آتی ہو اسکو کوئی کیونکر مٹا لے۔ یار دوست ہارے یہ اندھیر دوسرے صاحب مشرقی ان خیالات کے خلاف تھے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں پورب کی طرف سے شور و غل کی صدا ایسی بلند ہوئی کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی کسی نے کہا ر چور آیا لینا جانے نہ پائے۔ کوئی بولا سانپ ہے سانپ۔ کوئی بھیڑیا بھیڑیا چلا اٹھا کسی کو شک ہوا کہ آگ لگی۔ سب کے سب بھڑ بھڑا کر اٹھ کھڑے ہوئے تو چور نہ چکار بھیڑیا نہ مار آگ نہ باگ۔ ع۔ کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے + ایک خواجہ صاحب لنگوٹ کسے

لٹھ ہاتھ میں لیے اکڑے کھڑے ہیں اور اُن سے دس قدم کے فاصلے پر ایک ٹیکرے پر کوئی لالہ جی بانس کی کھپاچ لیے ڈٹے ہیں اور گرد تماشائیوں کا ہجوم ہے۔ شور و فساد دنگا اور دھوم ہے۔ ادھر خواجہ صاحب پینترے بدل رہے ہیں ادھر لالہ انگلیاں مٹکا مٹکا کر غل مچاتے ہیں۔

برق۔ اے خواجہ صاحب خیر تو ہے۔

خواجہ۔ کیا عرض کروں منشی برق صاحب۔ آپکو دل لگی سوجھتی ہے اور یہاں جان پر بن گئی ہے۔ یہ لالہ میرے ہمسایہ ہیں ان کا قاعدہ ہے کہ ٹھرّا پیکر مجھے ہزار ہا گالیاں دیا کرتے ہیں آج سنیے کہ کوٹھے پر چڑھ کر خدا واسطے کو صلواتیں سنائیں۔ اب فرمائیے انسان ضبط کہاں تک کرے۔ لاکھ سمجھایا کہ بھئی آدمی سے اونٹ اور انسان سے خر بے دم نہ بن جاؤ۔ عقل کے ناخن لو ہوش میں آؤ یہ بادشاہ کی نہیں سنتے ہیں کس شمار قطار میں ہوں۔ خم ٹھوک کر لڑنے کو تیار ہو گئے خدا نہ کرے کہ کسی بھلے مانس کو اَن پڑھ سے سابقہ پڑے۔

لالہ۔ ہو گا اور سنیے گا۔ ہم چار پانچ برس لکھنؤ میں رہے۔ ان پڑھ ہی رہے۔

خواجہ۔ بارہ برس دلی میں رہ کر تم نے کیا سیکھ لیا جو اب چار برس لکھنؤ میں رہنے سے فاضل ہو گئے۔

لالہ۔ یہ ساٹھ برس سے ہمارے پڑوسی ہیں۔ خوب جانتے ہیں کہ برس دن کا تہوار ہے ہم شراب ضرور پئیں گے۔ چسکی ضرور لگائیں گے نشے میں صلواتیں ضرور سنائیں گے۔ ہماری رسم ہی یہی ہے کہ ہاہی آؤ محلے والوں کو گالیاں سناؤ خوب گھیرے اور یہ لوگ ہم سے زیادہ ہیں کہ چند مردمان سلیقہ شعار سبھا منعقد کرتے ہیں کہ شراب قلیہ چھوڑ دو واہ بڑے نستعلیق تو لد بھئے۔

برق۔ اجی لالہ صاحب عقل کے ناخن لیجیے بہت بہکی بہکی باتیں نہ کیجیے ہم نے مانا کہ یہ رسم قدیم ہے۔ مگر ایسی رسم پر تین حرف آپ دیکھیں تو کہ اسوقت آپکی قطع کیا ہے کیچڑ میں لت پت بھئی واہ واللہ تمہارا باپ دادا قدم لے بھلے مانسوں کو گالیاں دیتے ہو اور کہتے ہو یہ تو ہماری رسم ہے۔ وہ بھاڑ سے دور اندیش بزرگواروں نے قائم کی ہے۔ تم ہی ایسے حمقا کی تنبیہ کے لیے۔

شرق۔ یا حضرت برق۔ ذرا مجھ سے تو آنکھیں ملائیے شرمائیے تو نہیں گے کیوں صاحب یہ دن وہ ہیں کہ اندھیر جو بات اس لالہ کے یہاں جسطرح ہوتی آئی ہے اُسی طرح اب بھی ہوگی۔ ابھی تو آپکا کچھ مقولہ تھا۔ اب کچھ اور کہنے لگے۔ یہ دھوپ چھاؤں کی رنگت آپنے کہاں پائی یہ گرگٹ کی خاصیت کیوں بھائی۔ میاں رسم بد کی حماقت پابندی کی نشانی ہے۔

خیر برق کو قائل کر کے میاں شرق اور میاں آزاد اور حبیب لبیب اور یاران موافق اُسی باغچہ نزہت آتما کی طرف جانے لگے اور برق کو ہنس ہنس کر جلانے لگے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک گنوار عورت روتی چلی جاتی ہے۔ اور ایک مرد چپکے چپکے سمجھا رہا ہے کہ (چپائی ہا، چپائی ار) میاں آزاد سمجھے کہ کوئی بدمعاش ہے۔ مگر ملکا ہے کہ زبردستی لیے کرن ہے۔ اُس عورت کو کہاں بھگائے لیے جاتا ہے۔ اس گنوار نے کہا صاحب بھگائے نہیں لیے جات ہوں یہ ہمری مہرارو ہے ہمارے یہاں رسم ہے کہ جب جورو کا میکے سے سسرال لیجات ہیں، تو دوئی تین کوس تلک مہرارو رووت جات ہے۔

برق۔ لاحول ولاقوۃ۔ واللہ میں کچھ اور ہی سمجھا تھا۔ بھئی ان گنواروں سے خدا کی پناہ۔ محض رسم کی پابندی کو فرائض دینی تک پر ترجیح دیتے ہیں۔

شرق۔ بجا ہے پیر و مرشد خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت گنوار تو خیر گنوار ہیں کہ چھوٹ جائیں گے مگر آپ ابھی اس باغ میں کیا

نہ رہے تھے سچ ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ شایستہ اور تربیت یافتہ آدمیوں کا پابند رسوم مذموم ہونا البتہ مقام استعجاب ہے۔ مگر دن دہاڑے یہ اندھیر۔ جو رسم اس عورت کے یہاں ہوتی ہے اُسے کیونکر چھوڑے اور اُس کے خلاف کرے تو آپ ہی کے قول کے بموجب اُسکا یہ فعل داخل گناہ کبیرہ ہے۔

آزاد۔ واہ مولوی شرق صاحب۔ کیا کہنا۔ واللہ مانتا ہوں خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ اب تو میاں برق مسکرا مسکرا کر رہجاتے ہیں بھائی کچھ فرض نہیں کہ عقل کی آنکھوں کو پاکٹ میں بند کرکے پرانی رسموں کے ڈھرے پر چلنا شروع کرے۔ اور اتنی ٹھوکریں کھائے کہ قدم قدم پر مُنھ کے بھل گرے خدا نے عقل اس لیے نہیں دی ہے کہ رسوم قدیم میں ترمیم نہ کرے بلکہ اس لیے کہ خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل کیجئے۔ اگر پرانی باتوں کی پوری پوری پیروی کی جاتی تو یہ جامدانی کے کرتے اور شربتی کے انگرکھے اور زربفت و کمخواب خواب میں بھی نظر نہ آتا باقر خانی اور پلاؤ اور نرگسی کباب کے عوض انسان باڑھے اور ہرن کا کچا گوشت کھاتا خدا نے آنکھیں دی ہیں مگر افسوس کہ ہم نے بند کرلیں پر موجود ہیں مگر کام میں نہیں لاتے یار دیکھو تو بلند پروازی کرو۔ ذرا تو آنکھ کھولو۔ ؎

اے ذرہ۔ کی قصدہ گردوں کن	توی قطرہ کی میل لب جیحوں کن
اے دانہ کہ خوشہ میتوانی گشتن	در خاک چہ ماندہ سری بیرون کن

برق۔ واہ بھئی واہ۔ واللہ تم بڑے گرما گرم آدمی ہو۔ اچھا آڑے ہاتھوں لیا اور ایسا معقول کر دیا کہ میں تمہارا ہی کلمہ پڑھنے لگا۔

بوڑھے کھوسٹ کی نوخیز اور چنچل بیوی کی باتیں اور عاشقی و معشوقی کی گھاتیں

پھر مجھے لے چلا وہیں دیکھو	دل خانہ خراب کی باتیں

میاں آزاد کو شوق چرایا کہ پیر فرتوت کی البیلی چھیل چھبیلی بیوی کو وہ خط دیں اور دل لگی دیکھیں۔ ٹانگن کی سواری باد بہاری غڑاپ سے اُسی مقام پر داخل۔ رات کو پنچھیوں کی طرح ایک پیڑ کے سایہ میں بسیرا لیا۔ اور صبحدم مُنھ ہنوا خط گھٹوا آب سرد سے غسل کر جاکٹ زیب بر پتلون ڈانٹ ترکی پھندنے دار لال لال ٹوپی سر پر جما بُدھو کی صورت بنا نیب ٹولے کی طرف بوئے گل کی طرح چل کھڑے ہوئے۔ کپڑے فوق البھڑک زرنگ طاؤس نگاریں رو کش مرغ زریں۔ چلتے چلتے نیب ٹولے میں دن سے جا دھمکے پیر فرتوت نے توان کے دم دھاگے میں آکر اور ایسے حریف عیار کو لنگوٹیا یار جان کر کچا چٹھا کہہ ہی سنایا تھا ناک کی سیدھ پر چلے اور ٹھیک اُسی نزہت کدہ بر فضا میں پہونچے جہاں اس گل رعنا کا مسکن تھا۔ اب اندر قدم رکھتے کلیجہ لرزا جاتا ہے اور باہر خیال دید گدگداتا ہے۔ ؎

تنگ آیا تھا نہایت خاطر مشتاق سے	ہر گھڑی کہتی تھی چل ہر وقت سمجھاتی تھی ہاں

اتنے میں ایک طرار اور ستمگار کہاری چمکتی ہوئی آئی۔

کہاری۔ میاں کون ہو۔ کہاں سے آنا ہوا۔ کس کی تلاش ہے۔

آزاد۔ بی مہری صاحب سلام۔ ہم مسافر پردیسی ہیں۔

کہاری۔ (جھڑک کر) اے واہ اچھے آئے۔ میاں یہ کیا کچھ سران ہے۔

آزاد۔ (ہاتھ جوڑ کر) از برائے خدا اپنی بیوی سے نہیں کہہ دیتیں کہ بڑے میاں نے ایک خط بھیجا ہے۔

مہری نے ایک طرارہ بھرا تو گھر کے اندر تھی۔ میاں کے

پاس سے ایک صاحب آئے ہیں خط لائے ہیں۔ وہ چونک اُٹھیں ایں! میاں کے پاس سے چل جھوٹی مجھے نہ جھٹلانا کسی اور کو جاکر اُڑانا۔ یہاں کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔ میاں کسی قبرستان میں میٹھی نیند سو رہے ہونگے۔ بیوی ذری جھروکے سے جھانکیے تو دیکھا سامنے کھڑے ہیں۔

اتنے میں میاں آزاد نے دو عورتوں کی باتیں سنیں۔ ایک جوان۔ دوسری اسکی ماں۔ سنئے کیا مزے مزے سے چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔

جوان۔ اے اماں آج تو بیطور کنگھی چوٹی کی فکر ہے ــہ

خدا جانے یہ آرایش کریگی قتل کس کس کو
طلب ہوتا ہے شانہ آئینہ کو یاد کرتے ہیں

کوئی گھورے تو انسان کھایا کرے۔ کوئی مرے تو آدمی شکار کرے۔ تم دو اوپر اسّی برس کی ہوئیں منھ میں دانت نہ پیٹ میں آنت مگر جوانی کا بل نہ گیا سہیلیاں ارد گرد سنوار رہی ہیں عطر لاؤ۔ غازہ لاؤ۔ ہنکار رہی ہیں۔ حسن دان سامنے ہے۔ کس ٹھسّے سے مشاطہ چوٹی گوندھ رہی ہے۔ خدا ہی خیر کرے۔

پیرزال۔ مجھ نصیبوں جلی کی قسمتوں میں یہی بدا تھا کہ سخت محنت میں بائیں سنوں اور بیٹی تہمتیں تراشے۔ کوئی اور کہتی تو دشنام سے زبان نکال لیتی تم تو میری آنکھوں کی پتلی ہو۔ ہائے ماماتا بری چیز ہے۔ بیٹا تم یہ باتیں کیا جانو۔ نام خدا ابھی جوان ہوا الھڑ ہو نادان ہو ــہ

ذی لیاقت ہزار ہو بابا		ابھی ناکردہ کار ہو بابا

بناوٹ سجاوٹ تو میری گھٹی میں پڑی تھی اور میں نہ بنتی ٹھنتی تو تمھاری چشم فسوں پرداز کو تعلیم ناز کون دیتا ستمگاری کا سبق کون لیتا۔ بہت بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناؤ باہر جاؤ تمھارے میاں کا آدمی آیا ہے خط لایا ہے۔

میاں آزاد نے جو یہ باتیں اور رمز و کنایہ کی گھاتیں سنیں تو ہوش پرّاں ہو گئے آئے حواس غائب۔ اُس ــہ

شمع افروز محفل عشاق		نمک جان بسمل عشاق
جرس کاروان منزل شوق		طرفہ لیلیٰ نمائے محمل شوق
نامہ آموز مکتب حیرت		تخم افشان مزرع الفت

نے جھروکے سے دیکھا کہ ایک آدمی سچ مچ کھڑا ہے۔ مہری نے اُنکو بلایا باہر کرسی پر حضرت متمکن ہوئے ادھر چق کے اُدھر وہ گلبدن اُس حور وش پر جو نظر پڑی تو نوک کا بکّا نظر آیا تیر عشق جگر کے پار تھا دل مضطر و بیقرار تھا۔ کمر ایسی پتلی کہ سایہ کے بوجھ سے بل کھائے مکھڑا ابن گہنے چاند کو شرمائے۔ چاہ زنخداں وہ جسمیں زلیخا کا دل ڈانواں ڈول ہو جائے۔ ــہ

بہ فرقش گل کند گر سایبانی		قدش خم گردد از بار گرانی
بر اندامش فتد گر پرتو ماہ		نزاکت سازدش در خواب آگاہ

اس حسن گلو سوز پر وہ سیاہ ریشمی لباس۔ اور ا سر عطر عروس کی بو باس۔ جوبن جو پھٹا پڑتا تھا۔ نظارے کا قدم پھسلتا تھا۔ ــہ

حسن پر اس پری کے کی جو نگاہ		نظر آئی وہ شکل غیرت ماہ
پر ا نیلی کمال ہے وہ سمن		کمسنی کے سبب سے الھڑ پن
اک جھمکڑے سے پھر وہ غیرت برق		زن سے بھاگی جھمک کے صورت برق
حسن و خوبی میں وہ بت مغرور		سر سے پا تک برنگ شعلۂ نور
سن برس چودہ اکا ہوگا کمال		پردہ ماہ دو ہفتہ بدر جمال
مست صہبائے غمزہ و انداز		اُٹھتا جوبن شباب کا آغاز
انکھڑیاں قہر کی لگاوٹ باز		دلربا بات کا نیا انداز

لٹہ کے لال لال وہ ڈورے ۔ جن پہ نرگس کے پڑتے ہیں ڈورے
اونچی چوٹی وہ گوٹے کا موباف ۔ تیج سانے گندھے ہوئے شفاف
ناک میں بھی وہ نور کا تنکا ۔ چشم زہرہ میں جسکی کھٹکے ضیا
اور گلے میں وہ نورکی ہیکل ۔ دیکھ کر جس کو جان ہو بیکل
زیب ہاتھی جڑاؤ وہ پازیب ۔ آدمی کیا ملک کو دے جو فریب
کاندھوں پر وہ دوپٹہ ململ کا ۔ فالسائی رنگا ہوا ہلکا
دھانی اطلس کی خوب چوڑی گوٹ ۔ دل عاشق ہو جس کو دیکھ کے لوٹ
کرتی شبنم کی آئینوں دار ۔ لگیجے پن پہ اُس کے ابھار
پائنوں میں بوٹ بھی وہ زردوزی ۔ شمع رُخ محو گلشن افروزی
ناز سے پائینچے اُٹھائے ہوئے ۔ شرم سے جسم کو چرائے ہوئے
نشۂ بادۂ شباب سے چور ۔ چال مستانہ حسن پر مغرور

سیکڑوں بل کمر کو دیتی ہوئی
جان طاؤس و کبک لیتی ہوئی

وہ جادو نگاہ غیرت مہر و ماہ مستوں کی طرح جھومتی اٹکھیلیاں کرتی چلدی! دھوبی نے میاں آزاد سے کہا کہ آپ سے خفا ہو گئیں اسی وقت بوریا بدھنا اُٹھائیے۔ میاں آزاد با دل پر درد و آہ سرد چل کھڑے ہوے جان سے عاری عاشقانہ اشعار زبان پر جاری۔

میاں آزاد تو تھے بڑے فراٹے باز۔ زبان دراز حاضر جواب لگاوٹ میں انتخاب میٹھی میٹھی باتوں میں طاق رمز و کنایہ کی گھاتوں میں مشاق عاشقی بس مجنوں و فرہاد سے تھے سودائی پکے آزاد لیکن بڈھے کھوسٹ کی چلبلی چنچل جورو سے جو آنکھ لڑی تو بلا کی مصیبت پڑی یہ شوخ و شنگ وہ بڈھا دقیانوس کا ہم آہنگ اُسکی اٹھتی جوانی نام خدا بارہ تیرہ برس کا سن۔ اُنکے چلا کھانیکے دن۔ اسکا حسن گلو سوز۔ وہ کالا بھجنگا ہفتہ کا زنہ یہ رگ جان جان میں آفت اُٹھانے والی وہ صید پیرانہ سالی۔ یہ بت جادو جمال۔ وہ تیرہ صدی کا دجال۔ اسکا پیارا پیارا مکھڑا ایسا جیسے چودھویں کا چاند۔ اسکا وہ کالا کالا چہرہ جسکے مقابل میں اُلٹا توا بھی ماند۔ نشیلی انکھڑیوں کے لال لال ڈورے خون رلاتے تھے طفل اشک رنگ لاتے تھے۔ زلف عنبریں سے بہشت کی لپٹیں آتی تھیں۔ دماغ کو طبلۂ عطار بناتی تھیں۔ وہ طاؤس کی سی چال مستانہ کمر کا پائینچے کے بوجھ سے سیکڑوں بل کھانا۔ وہ جلوہ فروشی۔ وہ معشوقانہ انداز۔ وہ عربدہ جوئی وہ دلربایانہ ناز۔ وہ شوخی وہ مسکرانا۔ وہ دست خائی وہ شان دلربائی۔ وہ گردن کا موڑنا۔ دوپٹے کا پسینے سے لپٹا جانا ؎

ناتوانی وہ چشم جادو کی
اور کھچاوٹ وہ تیغ ابرو کی

الغرض جنوں کی ترنگ اور عشق کی اُمنگ میں میاں آزاد ؎

پنجہ زد عشقش لباس پارسائی پارہ شد
طاعت صد سالہ ام تاراج یک نظارہ شد

کہتے ہوئے سر دھنتے تھے کہ یکایک ایک شخص سامنے آن کھڑا ہوا چھریرا بدن سیمتن نازک اندام۔ گلفام۔ یا حضرت حضور کی تو دھوم ہے۔ ذری اس گاڑھے وقت غریبوں کے بھی آڑے آیئے تو احسان ہو گا۔

آزاد۔ آپ اپنا مطلب فرمایئے حال صاف صاف کہہ سنایئے ہائے ؎

میں تو اس درد سے نہ تھا آگاہ ۔ دل کو کیا ہو گیا مرے اللہ
تپ عشق صنم نے شدت کی ۔ سوز غم نے تباہ حالت کی
بیقراری دل ستانے لگی ۔ چشم تر اشک خوں بہانے لگی
شعلۂ شوق دل بھڑکنے لگا ۔ مرغ جان حزیں پھڑکنے لگا

یا حضرت وضع سے تو مولوی پن برستا ہی۔ گر گفتگو سے ٹپکتا ہے

کہ کسی ترک شوخ کے تیر نگاہ کی دل میں خلش ہو۔ بندہ میر شکار کمر بستہ خدنگزار مطلوب سے ملاؤں۔ محبوب کو لاؤں دل شکستہ کی مومیائی میرے پاس ہو۔ مرہم زخم عشق دیا س ہو۔ لیکن ذری آشنا احسان کیجیے کہ یہ اخبار پڑھ لیجیے اور جواب ترکی بترکی لکھ دیجیے۔

یہ کہکر میر شکار نے کئی اخبار میاں آزاد کو دیے یہ لاکھ سودائی تھے تو کیا ہوا۔ مگر چیتونوں سے تاڑ گئے کہ یہ طائف بچہ پڑھنے لکھنے کا شائق ہے۔ حلّال غوامض و دقائق ہے۔

میاں آزاد نے بآواز بلند پڑھا (اقوام مجہول النسب کی تعلیم) آخاد یہ بحث ہے۔ ہم تمہاری طرف سے بیڑا اٹھاتے ہیں اور اقوام مجہول النسب کی تعلیم کے فوائد زبان قلم پر لاتے ہیں۔

ارباب نشاط کی تعلیم

کل شیخ بنکے مجتہد العصر ساقیا
دکھلاکے سبز باغ عذاب و ثواب کا

کہنے لگا ز راہ تحتر مجھے بہ طنز
معلوم ہوگا حشر میں پینا شراب کا

میں نے کہا کہ ہم بھی ہیں یہ خوب جانتے
پر کیا کریں کہ ہو ابھی عالم شباب کا

تقصیر ہو معاف تو اک عرض میں کروں
لیکن نہ کیجئے مجھے مورد عتاب کا

سبزہ ہو کنج باغ ہو ساقی ہو ماہوش
اور واں کوئی مخل نہ ہو باعث حجاب کا

گردن میں ہاتھ ڈالکے کہ شوخ بیحجاب
دے ذائقہ دہن کو زباں کے لعاب کا

منت سے یوں کہے کہ ہمارا لہو پیئے
گر پی نجائے جلد یہ پیالہ شراب کا

اُسوقت ہم سلام کریں قبلہ آپ کو
گر کچھ بھی خوف کیجئے روز حساب کا

اور امتحاں بغیر تو یہ آپکا غلام
قائل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ و شاب کا

اڈیٹر صاحب۔ مجرا عرض ہے۔ ذرا بایاں قدم اور دایاں ہاتھ دیکھئے واللہ آپ کو تو دور ہی سے سلام کرے۔ میں کہتا ہوں یہ آخر آپ کو سوجھی کیا کہ اقوام مجہول النسب کی دھجیاں اڑا دیں واللہ مانتا ہوں۔ اچھا فتوی دیا پہلے تو میں چکرایا کہ یہ مجہول النسب اور معروف النسب چہ معنی دارد یائے معروف و مجہول سنا کرتے تھے اقوام معروف و مجہول اب سننے میں آئیں خیر پیر شو بیاموز اب سنئے کہ گھبرا کر ایک مولانا العلم و الفضل دام ظلکم کے پاس گیا السلام علیکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ مزاج اقدس الحمد للہ علی کل شئی قدیر یا حضرت ایک شے ہے۔ فرمایا سگ ہو۔ یا خالی بک بک ہو یا آئی اتنے قافیے کہ قافیے کا قافیہ تنگ ہو عقل دنگ ہے پوچھنا صرف اسقدر ہے کہ اقوام مجہول النسب چہ معنی دارد۔ استغفر اللہ کوئی مسئلہ منطقی پوچھا ہوتا تو جواب دیتا۔ علم ہیأت کا سوال کیجئے تو زمین و آسمان کے قلابے ملاؤں۔ لا مکان کی خبر لاؤں ستارے آسمان سے اسماروں حکیم تھل تھل کی قبر پر لات ماروں فقہ کا مسئلہ پوچھو تو وہ بات بتاؤں کہ سیدھے طوبے اسکے سایے میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاتے رہو میوہ گرا اور غٹ سے نوش جان سات طبق زمین اور نو طبق آسمان سمک سے سما اور فلک الافلاک سے تا بہ تحت الثریٰ کی خبر ہے قبلہ و کعبہ بندے کو اس تقریر سے الجھن ہوتی ہو۔ سوال از آسمان جواب از ریسمان میں کہوں الٰہی آپ کہیں آم حضور بور آگئے ہیں یا غلام۔ اچھا تو سنو۔

اقوام مجہول النسب عبارت ہو ان اقوام ناعاقبت اندیش و ستم کیش خستہ جگر و دلریش سے جنکے باپ کا پتا نہ دادا کا ٹھکانا لاکھ میدان فکر میں عقل کے گھوڑے دوڑ لیجئے گا۔ اُنکا پتا نہ پایئے گا مثل رنڈی طائف وغیرہ کے۔ بس رخصت۔ ع منز نا خورد و حلق خود بزدید۔ لو صاحب اب ہم شیر ہو گئے معلوم ہوا کہ اقوام مجہول النسب طوائف بچوں اور طائفوں کو کہتے ہیں یا جو اُن کے قبیل کے ہوں۔

یا حضرت آپ سچ سچ کہدیجئے۔ کبھی جھوٹ بولے تو تمہارا ہی خون پیئے راست راست بے کم و کاست بڑے بیدھڑک کہدو کہ انکی

تعلیم میں گناہ کیا ہے۔ اور ایمان سے کہنا تعلیم ارباب نشاط کے لیے موزوں ہے یا آپ کے لیے وہ ہنسے بھی وہ ناک پر ہنسی آگئی۔ وہ ہونٹھ پر آئی۔ ع۔ وہ لب پہ آئی ہنسی دیکھو مسکراتے ہو ؛ ہم تو پہلے ہی کہتے تھے۔ ؎

ہم خوب سمجھتے ہیں تمھاری باتیں — دکھلانے کی ہیں فقط یہ ساری باتیں
منظور ہے جلوہ لن ترانی حیلہ — اللہ ری تمھاری پیاری پیاری باتیں

میاں ارباب نشاط کا دم غنیمت ہے دنیا کی چہل پہل اُنکے دم سے محفل کی رونق اُن کے قدم سے۔ بھلا گونگی محفل کس کام کی۔ یہ زہد خشک ہی کو مبارک رہے۔ یہاں تو جب تک طبلے کی گمک نہو تیغ انوری کی جھلک نہو۔ کڑوں کی جھنکار نہو۔ چھڑوں کی جھنکار نہو چھما چھم کی آواز نہ آوے۔ کان سرور نہ پائے۔ کوئی برقوش نظر نہ پڑے۔ کسی شوخ ستمگار سے آنکھ نہ لڑے۔ کمرہ نہ سجے۔ تال نہ بجے دھما چوکڑی نہ مچے۔ مہندی نہ رچے۔ رنگ رلیاں نہ منائیں شادیانے نہ بجائیں۔ آوازے نہ کسیں۔ عطر میں نہ بسیں۔ تانیں نہ سنیں۔ سر نہ دھنیں۔ نازک آوازی نہو۔ نظارہ بازی نہ ہو۔ آنکھوں میں لال لال ڈورے نہوں۔ دودھیا لٹو رے نہوں تاؤ نوش نہو صنم باده فروش نہو۔ عقل فراموش نہو۔ پریاں عین مستی میں بلبل ہزار داستاں کی طرح چہکتی نہوں۔ سیودھی کے پھول اور حنا کی ٹٹیاں مہکتی نہوں قہقہے نہ ہوں۔ چہچہے نہ ہوں۔ تو کس مردود و مطرود کو اپنے حساب دم بھر جینے کو جی چاہے واللہ محفل باؤلے کتے کی طرح کاٹ کھائے۔ ؎

محفل میں گدگداتی ہو شوخی نگاہ کی
شیشوں سے آرہی ہو صدا قاہ قاہ کی

ادھر جام مے ہو اُدھر صراحی کی قلقل ہو۔ ادھر گل ہو اُدھر بلبل ہو۔ اور کوئی نازنین مہ جبین بصد ناز معشوقانہ بہار رہی ہو۔ اور گا رہی ہو کہ۔ ؎

مطرب خوش نوا بگو تازہ بتازہ نو بنو — بادۂ دلکشا بجو تازہ بتازہ نو بنو
با صنمے چو لعبتے خوش بنشین بخلوتے — بوسہ ستاں بکام از و تازہ بتازہ نو بنو
شاہد دلربائے من میکند از برائے من — نقش و نگار و رنگ و بو تازہ بتازہ نو بنو

محفل کا رنگ خوب جما ہو۔ عجب دلربایانہ سماں ہو۔ پھر اگر گردن نہ جھک جائے تو جھک کر سلام کروں۔ اب غور فرمائیے کہ ایسے طائفے کو جوڑ بیا میں بند کر رکھنے کے قابل ہو جھنوں نے کن الفاظ سے یاد کیا ہو۔ واہ بندہ نواز۔ ارباب نشاط کی اچھی گت بنائی۔ اس کو بھی جانے دیجئے۔ ہاتھوں ہاتھ ایک اور دلیل لیجئے۔ گر ہٹ دھرمی نہ کیجئے سنیے عالی خاندانی کا غرور۔ معالی دودمانی کا فخر۔ شرافت کا ناز۔ نجابت کا غرّہ۔ دقیانوسی باتیں ہیں نئی روشنی سوجھاتی ہو ع۔ کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست ؛ آپ حضرت نوحؑ کے ہمعصر ہوں تو وہ بات ہی اور ہے۔ ورنہ نظر انصاف سے کہئے کہ افعال کی نیکی اور بدی پر لحاظ کرنا چاہئے یا اس پر کہ پدرم سلطان بود ماشاء اللہ بود یا نبود۔ مرا چہ ترا چہ۔ مانا کہ اُنکے فعل کو بعض دنیا پرست مخل تہذیب ہی سمجھیں مگر حضرت یہ تو اپنا اپنا پیشہ ہے۔ وہ ناچنے گانے ہی کی روٹیاں کھاتے ہیں۔ آپ کیوں اپنے اڑھائی چاول گلاتے ہیں۔ یہ بھی نہ سہی جانے دیجئے اور سنئے۔ نیک کو تعلیم دینا تحصیل حاصل ہو اس کی تو گھٹی میں نیکی پڑی ہے۔ تعلیم بدوں کو دو کہ نیک ہو جائیں طبلے اور ڈھولک کو توڑ دیں۔ تھرکنے ناچنے سے منہ موڑیں۔ بھاؤ بتانا چھوڑیں۔ تہذیب سے ناتا جوڑیں مگر بخیر آن کو چچا سعدی کا شعر خوب یاد ہے۔ اور اسی سے دل فرحناک و روح شاد ہے کہ۔ ؎

شنیدم کہ در روز اُمید و بیم — بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

لیکن۔ ع۔ جہاں دیدہ بسیار گوید دروغ ؛ میاں سنو تعلیم

وہ سمندر ہے جس کا اور نہ چھور۔ اور سمندر میں ناپاک بھی پاک ہو جاتا ہے حزیں بھی فرحناک ہو جاتا ہے۔

اور کروڑ باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ جو اُسنے کہا ہمنے لکھ مارا اور نہ اپنا تو مقولہ یہ ہے کہ چاہے کسے باشد خیر سے خالی نہ ہو شر کے قریب نہ پھٹکے راہ راست سے نہ بھٹکے۔ ع

خیرے کن اے فلاں وغنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

ایک چھیل چھبیلی کامنی کی سواری باد بہاری اور میاں آزاد کی بیقراری و اشکباری

میاں آزاد منہ نہار شہر میں چکر لگا رہے تھے تو ایک دفعہ ہی کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے سے ایک زرنگار پُر بہار فنس بڑے ٹھسّے اور دھوم دھڑکے سے آرہی ہے۔ کہاروں کی ہری ہری وردی طوطے پھڑکے۔ لال لال پگیا فوق البھڑک۔ کندے جوڑے ہوئے تیز گام جا رہے ہیں۔ چھکا سرخا سُرخ لال بھبھوکا فنس زرنگاری سواری ہے یا باد بہاری۔ ایک طرحدار باغ و بہار گلعذار شوخ و عیار چھوکری ساتھ ہے۔ نظر ادھر ادھر مگر فنس کے ایک کونے پر ماہ بے حجاب برافگندہ نقاب۔ چندے خورشید چندے مہتاب۔ آنکھوں میں صہبائے جوانی کا سرور۔ وہ حسن وہ نور کہ ع

دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوج طور

میاں آزاد دل ہی دل میں سوچ رہے ہیں کہ اللہ اللہ جس پری کے جلو میں ایسی ایسی چھیل چھبیلی بانکی ترچھی دنیا سے نرالی سہیلیاں ہیں وہ خود کیسی ہوگی۔ اب بی مہری کی چال ڈھال اور جوڑے کا حال سنئے۔ فالسئی اطلس کا لہنگا ہے۔ ناز سے پائنچے اُٹھائے ہوئے بڑ پڑاتے کی ڈیڑھ ہاتھ چوڑی سبز سرخ گلابی آسمانی گوٹ ہے۔ میاں آزاد کے کلیجے پر چوٹ ہے۔ گوٹ پر آٹھ آٹھ

پلیٹیں اُس پر تاج بنے ہوئے لال گرنٹ کا نیفہ جو یاقوت احمر کو خون رلائے اسمیں فالسئی ریشمی ازار بند پڑا ہوا گچھے دار کرن لگی ہوئی۔ ہاتھ میں آٹھ آٹھ لڑکا توڑا اگنگا جمنی وہ گوری گوری بھیاں اور کالی کالی مچھیاں جیسے شاخ صندلی پر مار رآپ دال کا چست پھنسا ہوا شلوکا آئینوں دار۔ جوڑی کے کڑے شیر دہاں اور نازک نازک سبز سبز کریاں۔ پوروپہ چھلے۔ بازوؤں پر کیہ اور جوشن بلا کا نکھار غضب کا جوبن۔ ناک میں فیروزے کی ننھی سی کیل کانوں میں تین تین انتیاں اور بیچ میں بجلیاں۔ زلف چلیپا تا بکمر۔ چھپکا زیب سر آگے جھلی غیرت ماہ۔ چاہ زنخداں کی چاہ وہ دست حنائی اور فرد تہا بوٹی کی دلائی۔ شربتی کا اسنر زریجہ بانشت کی گوٹ۔ دل لوٹ پوٹ۔ اُسپر تنّا دُنے اور بھی تنّا دکیا گلے میں ٹھکدھکی پڑی ہوئی میاں آزاد سے آنکھ لڑی ہوئی کبھی بصد ادائے دلربائی دلائی کو سنبھالنا کبھی بالوں کو سنوارنا۔ پائنچے اُٹھائے فنس کے ساتھ ساتھ چلی جاتی ہے کبھی مسکراتی ہے کبھی کمر لچکاتی ہے جھٹکے میں سے وہ نور کا بکا نظر آیا کہ میاں آزاد کلیجہ پکڑ کر رہ گئے۔ اب شہر بھر میں جس طرف فنس جاتی ہے سودائی مزاج چھری پر آوازے کستے ہیں۔ کوئی بولا فنس ہر یا اُڑن کھٹولا دوسرے حیرت زدہ نے کہا کسی پری کی سواری ہے۔ باد بہاری ہے۔ تیسرے عاشق تن کیا کہتے ہیں۔ راجہ مہرا ذری دھیرے قدم۔ چوتھے محب عشق باز موزوں طبع بولے۔ ع

دیکھنا پیلس ہے یا سکھپال ہے
وہ میاں وہ جسکا پھُکا لال ہے

کوئی امیر فقیر کا بھیس بدل کر کہتا ہے مہری کا جوبن برقرار میں صدقے میں نثار۔ بیگم صاحب ان گورے گورے پیارے پیارے

ہاتھوں سے زکوٰۃ حسن دے ڈالو۔ سائیں کو بے دیے نہ ٹالو مہری جھمک رہی ہے۔ اے چل موئے درگور تجھے دور کبھی ہنس کر گھڑکیاں دینا کبھی جھنجھلا جھنجھلا کر برا بھلا کہنا یہ موا مرچڑا تو اچھا رنگ لایا ہے کیا نشہ پی کر آیا ہے۔

میاں آزاد غور کر کے دیکھتے ہیں تو وہی مہری جو پیر فرتوت کی چھیل چھبیلی بیوی کی جلو میں تھی۔ دیکھتے ہی کھل گئے اُہو ہو ہو آج تڑکے تڑکے بہنی اچھی ہوئی۔

آزاد۔ بی مہری سلام غریبوں کو بھی پہچانتی ہو۔

مہری۔ آخاہ آپ ابھی جیتے جاگتے ہیں۔ بھیا کی بلا دور۔

آزاد۔ زندہ تو ہوں مگر زندہ درگور۔ اب جینا محال ہے زندگی وبال ہے۔

مہری۔ ہم ابھی سے فاتحہ کے لیے ہاتھ اُٹھاتے ہیں۔

اتنی شہ جو پائی تو میاں آزاد نے آگے قدم بڑھایا۔ مگر ٹکا سا جواب پایا۔ بس بس ذرا الگ رہیے گا۔ بچہ خوش ہاتھ دیتے ہی پہونچا پکڑ لیا۔ اتنے میں کہار ہولے سے باتیں کرتے زن سے نکل گئے اور یہ بیچارے سٹپٹا کر رہ گئے۔ جب تک فنس نظر آئی اُدھر ہی نگاہ تھی۔ اُدھر وہ نظر سے غائب ہوئی تو آنکھوں سے جھڑے اٹک گئے واں منہ پر ہوائیاں قدم اُٹھانا دوبھر تھا۔ الٰہی یہ چھلاوا تھا یا سواری واہ ری ناکامی جو کام جو ارادہ پورا ہی نہ ہوا۔ میاں آزاد مارے رنج کے جا کر سو رہے۔

ماں بیٹیوں کی زبان درازی اور میاں آزاد کی نظارہ بازی

خدا ترا بت ناداں دراز سن تو کرے
ستم کے تو بھی ہو قابل خدا وہ دن تو کرے

ہمارے سیلانی جوان میاں آزاد تو راہ عشق کے خضر مجنوں و فرہاد و وامق کی قبر تک سے واقف تھے رات تو جوں توں کاٹی مگر سحر کاذب کے تاروں کی چھاؤں میں زیب ٹولے پہونچے۔ دل ہی دل میں دعا مانگتے جاتے ہیں کہ خداوندا آج اُس جادو نگاہ غیرت ماہ نوش لب سیم غبغب کا چاند سا مکھڑا دور ہی سے دکھا دے تو جی اُٹھوں تیری بندہ نوازی کے صدقے جاؤں اور نہیں تو نظر بھر کر جھلک ہی دیکھ پاؤں۔ اہو ہو ہو۔ جامے میں پھولے نہ سماؤں اس رشک خوباں فرخار مست بادۂ پندار کے ایوان لطافت بار کی طرف سے نکلے تو کان میں بھنک پڑی کہ کسی سے میٹھی میٹھی باتیں کر رہی ہیں اتنے میں اس کی بڑھی ماں نے کہا اہو ہو ہو۔ اے ذری دیکھ تو کیا نور کی چاندنی چھٹکی ہے چاند اس وقت دلھن بنا ہوا ہے اس نے عجب سادگی سے جواب دیا۔ امی جان تمھاری بھی انوکھی باتیں ہیں سڑی کی چاندنی جیسے بوڑھے کی نصیبوں جلی بیوی کی جوانی۔ اور آج تو آسمان یوں ہی جھک جھک رہا ہے آج نکلا تو کیا جب جانے کہ اندھیرے گھپ میں ہیں اور بدرالاشکل دکھائے اندھیری رات میں نظر آئے۔ بوڑھیا ایک جہاندیدہ سن رسیدہ لگی تشفی کرنے۔ جانی ذری صبر کرو اپنی جوانی کی قسم بڈھا تو قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔ آج موا کل دوسرا دن۔ ٹیں سے اُٹھا غفیل ہو جائیگا پھر ہم تم کو کسی اچھے گھر بیاہیں گے۔ ایک خدائی بھر کی خاک چھان کر وہ ڈھونڈھ نکالوں جو اپنے وقت کا یوسف ہو قبول صورت جو صبح و شام خبر آیا ہی چاہتی ہے کہ بڈھا چل بسا۔ یہ سنکر وہ پرکالۂ آتش کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اماں جب تم اپنی جوانی کی قسم کھاتی ہو تو ہمیں بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ تم تو اپنے کو بالکل ننھی ہی سمجھتی ہو۔ کروڑوں لونگ کے گالوں پر جھریاں چونڈا سفید جیسے بگلے کا پر۔ سر آپ کا گھڑی کا کھٹکا بنا ہوا ہے۔ کمر ٹیڑھی ہو گئی۔ مگر مہندی کا لگانا نہ چھوٹا نہ چھوٹا۔ رنگین دوپٹہ ہی عمر بھر اوڑھا

جب دیکھو کنگھی چوٹی سے لیس اللہ سوں الیسی ان گنڈا بوڑھی دیکھی نہ سنی سلے چلو کوئی اور ذکر چھیڑو گئے مردے نہ اکھیڑو تم پیر۔ میں دلگیر۔ تم سن رسیدہ۔ میں ستم دیدہ۔ بوڑھیا نے تو ئیاں طوطے کی طرح گردن ہلا کر پوپلے منھ سے کہا۔ پیاری تمھاری باتوں سے مجھے ہول ہوتا ہے۔ اللہ میری بچی پر رحم کھائے۔ بوڑھے کے مرنے کی خبر جائے۔ سوا زندہ درگور ہو مہری آمین آمین کہتی جاتی ہی تڑکے تڑکے بھی دعا مانگی۔ اتنے میں مہری بھی چھپر کھٹ سے انگڑائیاں لیتی ہوئی اٹھی بیوی آپکے نمک کی قسم صاحبزادی کو دل وجان سے آپکا پیار ہے۔ مگر ابھی نام خدا بچہ ہی ناکردہ کار ہے سادگی سے جوانا پ شناپ منھ پر آیا کہہ سنایا اور اکھڑ پنے کے تو ان کے دن ہی ہیں ابھی جماجما (جمعہ) آٹھ دن کی پیدائش نیک بر اونچ نیچ کیا جانیں جب سیانی ہونگی تو شہور (شعور) آپ ہی آپ سیکھ جائیں گی۔ بڑھیا نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا جو مجھے ان کی باتوں سے رنج ہوا ہو تو نیک بیبیوں کے ساتھ حشر نہ ہو۔ مگر کیا کروں آگئی ادب میں۔ اپنا کیا اپنی آنکھوں اور گھٹنوں کے آگے آیا۔ اسمیں کسی کا کیا اجارا پھر ایک دفعہ ہی چھاتی پر ہاتھ مار کر بولی برا تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجھ کو یہ آئے دن طعنے دیتی ہیں کہ تم بڑھیا ہو اس ضعیفی میں نکھرنی کیوں ہو۔ ید ہو لوگوں میں کس سے کہوں کہ اُس کے غم نے میری کمر توڑ ڈالی۔ نہیں میرا ابھی سن ہی کیا ہے۔ اچھا از روئے حلف تو ہی کہہ کہ کوئی ذرہ بھی مجھے بوڑھی کہتا ہے مہری اپنے دل میں تو ہنستی تھی کہ انھیں جوان بننے کا شوق چرایا۔ بی حوا کے ساتھ کھیلی ہونگی مگر ابھی ننھی ہی بنی جاتی ہیں۔ لیکن۔ ایک طرار مکا کوتی گیا ہے۔ اے توبہ بوڑھے پن کی تو آپ میں چھانٹ بھی نہیں میرا اللہ جانتا ہے جب آپ اور بٹیا کو کوئی ساتھ دیکھ لیتا ہے تو پہلے آپ پر نظر پڑتی ہو تب جیسے ان پر۔ بلکہ ایک موئی دل جلی ہنسے پر سول

آوازہ کسا تھا کہ چھوٹی بی تو چھوٹی بی بڑی بی سبحان اللہ لوگ کہتے ہیں کہ لڑکی تو خیر۔ اسکی ماں نے خوب کاٹھی پائی ہے آپ کے چہرے سے تو رخ ترخ نور برستا ہو جو دیکھتا ہی رہتا ہے۔ پیرزن تر کھلکھلیں ارے خوشی کے۔ بشیہ خطمی ہو گئیں اتنے میں وہ پرکالۂ آتش آگ بھبھوکا ہو گئی۔ اٹھلا کر اٹھی اور کڑک کر بولی چل چپ۔ خوشامد خوری اللہ کرے تیرا میاں بھی میرے میاں کا ایسا بڈھا ہو جائے اور تم خوشامد نہ کرو تو کہا دکیا۔ اماں یہ لوگوں کی نظر پڑتی ہو چھوٹے پر شیطان کی پھٹکار۔ بوڑھی عورت۔ کچھ اوپر ستّر برس کا سن لیکن ٹیک کر دس قدم چلتی ہیں تو گھنٹوں ہانپا کرتی ہیں۔ دن کو اچٹ اور سلاس نہیں سوجھتا۔ میں اندھیری رات میں تاگا پرولوں ایک پھر دوں تو آسمان میں تھگلی لگاؤں انکے بوڑھے غمزے دیکھ کر مجھے ہنسی آتی ہے۔ جی جلتا ہی کیسی رستے بہاتی ہیں منھ میں دانت نہ پیٹ میں آنت۔ بھلا کمر تو میرے غم کے سبب سے خم ہو گئی اور دانت کیا ہوے۔ مہری نے سمجھا بجھا کر بات کو ٹال دیا۔ اب وہ بت قوس ابرو عنبریں مو پلنگڑی سے بصد ناز اٹھی اور پائنچے پھر اٹھلا اٹھلا کر چہل قدمی کرنے لگی۔ بال بکھرے ہوئے یہی معلوم ہوتا تھا کہ سانپ لہرا رہا ہے۔ کمر لاکھوں بل کھا رہی ہو میاں آزاد نے جو اُس بت پندار کو پراگندہ نقاب دیکھا تو سن سے جان نکل گئی زلف چلیپا پر نظر پڑی تو سانپ کلیجے پر لوٹنے لگا۔ وہ آب و تاب وہ شباب وہ شوخی وہ دلربائی وہ شان خودنمائی۔ ا بو ہر موا کی سے اُس زاہد فریب دشمن صبر و شکیب نے کہیں اُن کو دیکھ لیا کہ مصروف نظارہ بازی ہیں اندر دوڑ ہی سے جوبن لوٹ رہے ہیں جسم کو چھپائے آنکھ چرائے بجلی کی طرح لونک کر نظر سے غائب ہو گئی میاں آزاد حیران کہ اب کیا کروں آخر کار دل کی بیقراری نے انہیں مجبور کیا کہ بآواز بلند آٹھ آٹھ آنسو روئے اور کر یہ اشعار زبان پر لائے

اور اُس صنم ستم کوش کو سُنائے۔ ــ ۵

او بت پرغرور و بے پروا — ہم غریبوں پہ تو ہو رحم کی جا
تمکنت کو نہ کام فرماؤ — اک نظر مڑکے دیکھتی جاؤ
عاشقوں سے نہ اسقدر شرما — اک نگہ کےلیے نہ آنکھ چرا
جان جاں کچھ ترس نہ کھاؤ گی — نیم بسمل ہی چھوڑ جاؤ گی
خنجر ناز سے کیا ہے جو قتل — تیغ انداز سے کیا ہو جو قتل

وہ ان ایڑوں کی کب سننے والی تھی۔ مڑکے دیکھنا گالی تھی تمکنت ماشاءاللہ تھی۔ حسن پر تفاخر تھی۔ وہ گیسوے عذار انداز یہ شہید کشتۂ ناز۔ وہ طرحدار نکیلی گلعذار۔ یہ صید عشق دا دبار ایک دفعہ ہی وہ غمزہ فروش سمن اندام پھیر دیں کی دُھن میں لہرا لہرا یہ ٹھمری زبان پر لائی اور جوش جوانی میں بحسرت خوب گائی۔
پیا کے آون کی کبھئی بریاں دردجوا ٹھاری رہوں۔ مورے پیا کو بیگ سے آوری نکست تہرا جائے ہو۔ پیا دردجوا ٹھاری رہوں اسکے جواب میں انکی اماں جان ٹیپ ار آواز میں کیا کہتی ہیں۔ جو بنوا ہو چار دنا دینو ساتھ۔ جوبن رُت جات سیہ ہیں کہ مورت ہے۔ لدر نہ پوچھے بات ہے۔ یہ جو بنوا ہو چار دنا دینو ساتھ۔ میاں آزاد نے باہر سے تان لگائی۔ ــ ۵

تیرے نینو نے سنے مجھے مارا — رسیلی متواریوں نے جادو ڈارا

بی جہری نے دیکھا کہ سب اپنے اپنے حسب حال ہانک لگائی ایک ہیں ہی پھر منڈوا رہگئی۔ یہ بھی کفن پھاڑ کر ٹپ جھاڑکر جیخ اُٹھیں۔

جاؤ جاؤ لگاے ٹھواتے ڈاٹے گلے باہیں رے — ہمگر رہت نت نیرے جیسے چھائیں رے
جانت ہوں جو ہم سے چہت ہو — ناہک آنی نتی کرت ہو
لدکرنے جوانے ناہیں ناہیں رے — جاؤ چلے کاہے ٹھارے ڈارے گلے باہیں رے

ماشاءاللہ کیا ہی خوش قطع جانور ہو

ایک روز میاں آزاد پچھلے پہر سے ہی سیر گشتی کے لیے نکل کھڑے ہوے تو سڑک پر کیا دیکھتے ہیں کہ چھکڑوں کا تانتا لگا ہو۔ پہیے چوں چوں کرتے جاتے ہیں۔ گاڑی بان برہا گاتے ہیں۔ مسافر کوئی کمر کسے کوئی سر پر بوجھ لادے کوئی آفتابہ یا لوٹیا رسی میں لٹکائے کوئی جوتا پہنے یا بغل میں دبائے چلا جاتا ہو۔ کوئی تیز تیز قدم اُٹھاتا ہے۔ یکلخت یہ آئی وہ زن سے نکل گئی بھوپوں بھوپوں مسافر ادھر اُدھر کترا گئے۔ کوئی گھوڑے کی پیٹھ پر سوار۔ ٹھیمی پوئی اجاتا ہو کوئی ٹٹو کو ریخ کرتا ہو کہ اتنے میں سامنے سے بیس پچیس اونٹ نظر آئے کسی پر نانبہ چلغوزہ کسی پر خوبانی و انگوزہ مغلیے ساتھ ہیں۔ کہ معلوم ہو نہ شُم۔ ایک اونٹ کا سر دوسرے کی دم ایک مسافر نے میاں آزاد سے کہا سچ کہیے گا۔ یہ وزن ہی نرالا ہے گردن کا بول بالا ہے۔ ایسا جانور دیکھا نہ سنا۔ ماشاءاللہ کیا قطع شریف ہے۔
میاں آزاد۔ صورت واہ جی واہ۔ سیرت سبحان اللہ قطع دنیا سے نرالی طبیعت نہایت عالی۔ جانور کیا جانوروں کا قبلہ گاہ ہی۔ اور حق یوں ہی کہ وہ نوروان دشت عرب کا یہی پشت و پناہ ہی۔ بے تکاپن قطع ہی سے ظاہر ہو گردن شیطان کی آنت یا طول امل۔ گرگدم میں شتر۔ خاصہ بلند ورا۔ ابدہ بلیلا نا ماشاءاللہ کتنا موزوں ہو گویا ارگن باجا بجا رہے ہیں اور سنیئے کہ یہ حضرت بڑے جادری ہیں۔ اس سے بڑا نا جانور ہی نہیں ساری خدائی کی خاک چھانیئے مگر کھلا شعل آفتاب سے کر ایسا پرانا جانور کہیں سے ڈھونڈھ تو لائیے۔ جب ہی تو ہمنے انکو جانوروں کا قبلہ گاہ کہا۔ ہمالیہ پہاڑ کی چوٹی پر جو علما نے تحقیقات کی اور پہاڑ کھودا تو اونٹ کی ہڈیاں پائیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اونٹ کا یہ مقولہ صحیح ہے ــ ۵

من آنوقت بودم کہ آدم نبود — کہ آدم عدم بود وحوّا نبود

اور لطیفہ سنیئے کہ جنگل سے حضرت ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ حضرت انسان کے پکے خیر خواہ ہیں جنگل میں نام نہیں۔ غیر آباد مقام سے ان کو کام نہیں جب دیکھیے سواری آپکی خدمت کے لیے تیار۔ ناک میں نکیل پڑی ہوئی کمر پر بوجھا لادے ریگستان میدان بیابان میں گردن اُٹھائے بلبلاتے چلے جاتے ہیں۔ اور طرّہ یہ کہ کٹکٹیا ہی کھاتے ہیں۔ سادگی جو مزاج میں سمائی تو اغذیۂ نفیس ولذیذ سے نفرت ہو گئی۔ تارک اللحم بھی حد سے سوا۔ گوشت کا چھونا قسم ہے۔ ہاں کانٹوں پر عاشق ہیں اسمیں کسی کا اجارہ نہیں املی کی پتی پر بھی لوٹ ہیں۔ اب بعض علمانے تحقیقات کی ہے کہ دنیا میں ایسا بھی ایک مقام ہی جہاں اونٹ جنگلوں میں رہتے ہیں ورنہ ابتک سب کو شک کی جگہ یقین تھا کہ اونٹ پالو ہی جانور ہے جنگل سے اسکو کوئی واسطہ ہی نہیں۔ دور کیوں جائیے۔ امریکہ اور اسٹریلیا میں کیوں ٹھوکریں کھائیے ترکستان اور شمالی چین ہی کے جنگلوں میں انسے نہ مصافحہ کر لیجئے اب سنیئے کہ جنگلی اونٹ پالو کی نسبت زیادہ خاکی رنگ کا ہوتا ہی لیکن ناک کے پاس زرد زرد۔ پھر سلیم الطبع حلیم المزاج اتنے رہے کہ جب چاہیئے جنگل سے پکڑ لائیے۔ ہاں ذرا نخرے تو دکھائیں گے مگر جھپ سے دم میں آجائیں گے۔ بیچون وچرا۔ شر تو مزاج میں چھو ہی نہیں گیا۔ حضرت انسان کو اپنے حلوے مانڈے سے مطلب۔ پکڑا اور چھری تیز کی اور گوشت خوب چھک کر چکھ گئے مگر ہاں کوئی جنگل کا اونٹ پکڑ لینا دل لگی نہیں ہی اور پکڑ بھی گیا تو پالنا محال ہے۔ وحشت عمر بھر جاتی ہی نہیں کتے کی دم ہی جنگلی اونٹ ہوا سے باتیں کرتا ہے۔ گھوڑے کو سانڈنی کی دم میں باندھ دو یہ کیسا ہی تیز رفتار ہو مگر

کیوں نہ ہو اُسکے غبار کو تو پہونچے نہیں مگر جنگلی سانڈنی کی آواز نازک ہوتی ہے بلبلانے میں بھی معشوق پن کا انداز کہیں ایسا نہ ہو کہ بعض بے تکے شاعر اپنے معشوق کی آواز کو سانڈنی کی نازک آواز ہی سے تشبیہ دیدیں۔ ہر سال بچہ جنے ممکن کیا کہ کسی سال ناغہ ہونے پائے۔ کبھی کبھی توام بچے بھی جن پڑتی ہو۔ ورنہ عموماً ایک جنگلی کا گوشت پالو کے گوشت سے شیریں اور خوش ذائقہ ہوتا ہی جھیل تالاب نالہ پر بیشتر گھوما کرتے ہیں لوگوں کی یہ بھی دل لگی ہے کہ شکار کیا اور نوش جان فرمایا اور کھال دو ڈھائی روپیہ کو بیچ ڈالی۔ نظر منزلوں کی خبر لائے گد شرمائے قوت شامہ ایسی تیز کہ کتا بھی مان جائے اور کان تو بلا کے یا سنے ذرا پتا کھڑکا اور اونٹ سرکا۔

نام بھی حضرت کے مختلف ہیں اونٹ شتر بعیر کیمل سانڈنی اونٹنا اور عرب کے لغات میں تو شاید ہی کوئی ایسا لفظ ہوگا جس میں انکا ساجھا نہ ہو کبھی چاہے کوئی اس کو بنائے چاہے اسکی نرالی سج دھج پر قہقہہ اُڑائے اس میں شک نہیں کہ ریگستان کے تو یہ بادشاہ ہیں مہینوں کا پانی ایک ہی دفعہ سڑک لیتا ہے پیٹ ہے یا بحر اوقیانوس۔

ہات تیرے پھینکنے والے کی ناک کاٹوں

میاں آزاد تو تیر عشق کے گھائل تھے۔ اُس پری پیکر رشک قمر کی تصویر ہر دم نظر کے روبرو رہتی تھی ایک دن اس تاک میں بیٹھے تھے کہ شاید اُس مست بادۂ ناز بت طناز کی سواری اور وہ قفس زرنگار ہی نظر آئے تو جیتے دم ہی سے آنکھیں سینک لیں جب دل زیادہ بیقرار ہوا تو آپ ہی آپ بڑبڑا اُٹھے ہائے وہ مہ سیما وہ لب وہ سیم غبغب وہ ترچھی چتون۔ وہ نور کا جوبن۔

اُس لبِ جاں بخش کا بوسہ نہ پایا ایک شب
مثلِ اسکندر تلاشِ آبِ حیواں میں رہے

یا خدا قسمت رسا ہو اس دلِ صد چاک کی
شانہ بن کر یار کی زلفِ پریشاں میں رہے

اتنے میں دور باش و ادب کی کانوں میں بھنک پڑی یہ سمجھے وہی سرخا سرخ چھٹکا وہی فنس زنگاری وہی مہری وہی سواری ہی جیرا اگنار ہو گیا۔ کلیجا دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ مارے خوشی کے آنسو ڈبڈبا آئے اور یہ شعر زبان پر لائے۔ ؎

آمد آمد انکی ہے پر آج تک آتے نہیں
غلغلے مدت سے سنتے ہیں مبارکباد کے

اگر دیکھتے ہیں تو ایک مست ہاتھی پر ایک مہنت جی سوار۔ گیروے کپڑے پہنے۔ بھبوت رمائے پلتھی مارے بڑے طنطنے سے بیٹھے ہیں چیلے چاپڑ ساتھ کوئی گھوڑے کی پیٹھ پر سوار۔ کوئی پیدل کوئی خواصی میں بیٹھا ہوا مورچھل ہلاتا ہے۔ کوئی نرسنگا بجاتا ہے۔ میاں آزاد نے اپنے دل میں کہا کہ اچھے رہے ہم تو کچھ اور ہی سمجھے تھے مگر اپنی ناکامی کے صدقے۔ واہ ری قسمت۔ اتنے میں ایک خواہ مخواہ مرد آدمی انکے سامنے آن کھڑے ہوئے۔

مرد آدمی۔ خیر تو ہے حضرت خیر تو ہے۔ آخر اس بیقراری اور پریشان حالی کا سبب کیا کچھ ہم سے تو کہیے۔

آزاد۔ کہیں کیا بُرے کا سر۔ اور آپ سے کہیں بھی تو مطلب آپ بیچارے بھلا کیا بنائیں گے۔ ہمارے زخم کا کسی کے پاس مرہم ہی نہیں کوئی پری کو شیشے میں اُتارے تو ہم دردِ دل سنائیں ورنہ اپنا کلیجا کیوں پکائیں۔ ؎

دل می رود ز دستم صاحب دلاں خدا را
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

مرد آدمی۔ میاں میری صورت پر نہ جاؤ میں عشق کے کوچے سے خوب واقف۔ پرانا جغادری ہوں سے ذری چلیے تو میرے ساتھ جیسے ہی میاں آزاد اُٹھے پٹ سے چھینک پڑی مرد آدمی تو جرے بچھیا کے تاؤ تھے کہنے لگے۔ الٹ ہت ترے چھینکنے والے کی ناک کاٹوں۔ نامعقول سنتے ہیں پر ٹوک دیا۔ یار ذرا دم کے دم تامل کرو چھینکتے چلنا بدشگونی ہے۔

آزاد۔ لاحول ولاقوۃ۔ تو قبلہ ہمارا آپکا ساتھ ہو چکا۔ چھینک کی ایسی تیسی۔ خیر دونوں پو قدمے چلے دس قدم بھی نہ گئے تھے کہ بلی راستہ کاٹ گئی۔ مرد آدمی نے میاں آزاد کا ہاتھ پکڑ کر اُنکو اپنی طرف کھینچ لیا۔ بھئی عجب بے تکے آدمی ہو۔ میاں بلی راہ کاٹ گئی دم کے دم ٹھہر و پہلے کوئی اُدھر جائے تو ہم بھی جائیں۔ اب سنیے کہ آدھ گھنٹے تک منہ کھولے کھڑے ہیں اللہ بھیج مولا بھیج یا آتی کوئی اُدھر سے آئے آزاد نے جھلا کر کہا کہ بھئی ہم کو آپکا ساتھ تو اجیرن ہو گیا۔ یہاں ان باتوں کے قائل نہ ان مزخرفات کی طرف طبیعت مائل۔ خیر خدا خدا کر کے وہاں سے چلے تو پھر تھوڑے عرصے کے بعد مرد آدمی نے میاں آزاد کو روکا۔ ہائیں ہائیں خدا کا واسطہ ادھر سے نہ جانا میاں اندھے ہو گئے ہو۔ دیکھتے نہیں دو گدھے کھڑے ہیں۔ انکے بیچ جانا بدشگونی ہے آزاد نے کہا۔ گدھے تو آپ خود ہیں اتنے میں مرد آدمی نے ڈھنڈلے سے گدھوں کی خبر لی۔ پھر دونوں ساتھ چلے تو مرد آدمی کی بائیں آنکھ پھڑکی۔ غضب ہی ہو گیا ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ساری چوکڑی بھول گئے۔ کیوں یار کوئی تو تدبیر بتاؤ۔ للہ اسوقت کام آؤ بھئی ہماری بائیں آنکھ بے طور پھڑک رہی ہے۔ مرد کی بائیں اور عورت کی دائیں آنکھ کا پھڑکنا ستم ہے ایک دفعہ ہی آہستہ آہستہ کہنا

شروع کیا۔ جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو میاں آزاد کھل کھلا کر ہنس پڑے کہ عجیب بزرگوار ہیں چھینک پڑی اور حواس غائب۔ بلی نے راستہ کاٹا اور ہوش پیترا گئے دیکھو اور اوسان خطا اور جو بائیں آنکھ پھڑکی تو ستم ہی ہوا۔ حضرت اب آپکا ٹھکانا نہیں۔ اب بائیں پھڑکی خدا ہی خیر کرے۔ کہنا مانو ان خرافات باتوں میں نہ جاؤ یہ وہم ہی وہم ہے جسکی دوا لقمان کے پاس بھی نہ تھی۔ لیکن میں آپکے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتا آپ جانیں آپکا کام جانے۔ ع۔ بندہ رخصت میشود اللہ نگہبان شماست۔

مول تول نو دا جبی سو

میاں آزاد یا ٹھوکریں کھاتے ڈونڈا بلاتے ٹھنڈی سانسیں بھرتے گریہ وزاری کرتے مارے مارے پھرتے تھے وہ شباب وہ آب و تاب وہ جوش جوانی وہ طرز غزلخوانی وہ چاند سا مکھڑا الغرض پرانا دکھڑا سب نوک زبان تھا کبھی بیقرار ہو کر چلا اٹھے رسیلی قوالیوں نے جادو ڈالا۔ کبھی بآہ وزاری اشعار عاشقانہ اپنے حسب حال زبان پر لائے۔

حسن اتفاق سے ایک خوشنخو خوبرو جوان طناز سے دوچار ہوئے انھوں نے انکو انھوں نے انکو نظر بھر کر دیکھا یہ آگے بڑھنے ہی کو تھے کہ جوان طناز نے کہا۔ ؎

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے	بے نیازی تری عادت ہی سہی

پیچھے پھر کر دیکھا تو جوان رعنا نے مسکرا کر کہا۔ ؎

گو نہیں پوچھتے ہرگز وہ مزاج	ہم تو کہتے ہیں دعا کرتے ہیں

یا حضرت وحشت عرض ہو۔ کہئے پہچانا واہ استاد یہ آن کہاں گئی گویا کبھی کی علیک سلیک ہی نہیں۔ میاں آزاد چکرائے کہ بھئی یہ اچھے آئے حضرت ہیں تو اس اٹھتی ہی جوانی میں قبلہ پیری و صد عیب ہو گیا۔ واللہ کس مردک نے آپکو پہچانا ہو۔

ایں ماشاء اللہ۔ کمال کیا واللہ۔ ابتک نہ پہچانا۔ میاں ہم تمھارے لنگوٹیے یار ہیں۔ انور۔ اخاہ۔ میاں انور ہیں یہ کہکر دونوں گلے ملے اور ایسے خوش ہوئے کہ دونوں رو دیے پھر بغلگیر ہوئے۔ پھر آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ پھر ملے۔ پھر آنسو ڈبڈبا آئے اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہم تم برسوں ایک جگہ رہے ساتھ ساتھ سیر گشتی کی۔ کبھی باغ میں۔ کبھی راغ میں۔ کبھی چاندنی رات میں بھاگ اڑا رہے ہیں کبھی جنگل میں منگل گا رہے ہیں۔ کبھی منطق کی بحث کبھی معقولات میں قیل وقال۔ کبھی عدم اور وجود عبد و معبود کی بحث میں جنگ و جدال۔ کبھی بانک کا شوق کبھی لکڑی کا ذوق۔ میاں وہ دن لد گئے۔

میاں آزاد نے اپنے پرانے دوست کو جو پایا کچا چٹھا کر سنایا انور نے کہا بھئی چلو اب ساتھ ساتھ رہیں۔ جئیں یا مریں۔ مگر رفاقت نہ چھوڑیں یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک شہر ہے مینو سواد چپہ چپہ آباد۔ وہاں چلکر بیفکری سے بسر کریں مگر یار ہمیں آج کچھ سودا خریدنا ہے۔ چلو لگے ہاتھوں بازار سے لے آئیں یہ کہکر میاں آزاد اور میاں انور چوک چلے اور چلتے چلتے چوک میں غڑاپ داخل پہلے بزازے میں دھنسے چاروں طرف سے آؤ آؤ اور کاؤ کاؤ آوازیں آنے لگیں۔ آئیے آئیے اجی میاں صاحب کیا کچھ خریداری منظور ہے۔ کہاں صاحب کپڑا خریدئے گا آئیے وہ وہ کپڑا دکھاؤں کہ یکبار شہر میں کسی کے پاس نہ نکلے ایک دکان میں جاکر بیٹھے ہی تو گئے دکان میں ٹاٹ بچھا ہوا اسپر سفید چاندنی۔ اور لالہ نین سکھ دوڑے کا انگرکھا ڈانٹے بڑے ٹھٹھے سے بیٹھے ہیں۔

تو وہ فرمائشی کہ اللہ ہی اللہ جیسے روپیہ کے دو دو والے تربوز ایک سمت ترتیب شربتی ادھی کے تھانوں کی قطار۔ دوسری سمت

مومی چھینٹ اور قطائین کی بہار۔ ایک جانب گرنٹ اور ساٹلیٹ دوسری جانب چکن یا کیچل لیٹ۔ الگنی یا کھونٹی پر رومال قرینے سے لٹکے ہوئے سرخ سرخ۔ لال بھبوکا۔ یا سفید جیسے بگلے کے پر۔ ہرے ہرے دھانی۔ جیسے لہر۔ دروازہ لال رنگا ہوا پنی سے منڈھا ہوا دیوار پر صدہا چھیل

میاں آزاد اور اُن کے یار جاکر دکان پر ڈٹ گئے۔

انور۔ بھئی سیاہ مخمل دکھانا۔

بزاز۔ بدلو بدلو۔ جری کھانصاحب کو کالی مخمل کے تھان دکھاؤ بڑھیا۔

لالہ بدلو کئی تھان تڑسے اُٹھالائے۔ سوتی کا شانی۔ بوٹی دار۔ باغ و بہار انور نے کئی تھان دیکھے۔ خوب دیکھ بھال کر پوچھا دام۔

لالہ۔ گزوں کے حساب بتاؤں یا تھان کے دام۔

بھئی گزوں کے حساب بتاؤ۔ مگر لالہ جھوٹ کم بولنا۔ لالہ نے قہقہہ اُڑایا۔ ہجور ہماری دکان میں ایک بات کے سوا دوسری نہیں کہتے لوگن میل پرندہی۔ انور نے ایک تھان پسند کیا اسکی قیمت بتاؤ سنئے کھداوند۔ جی چاہے لیجئے جی چاہے نہ لیجئے۔ جی اکھتیار ہے مل دس روپیہ گج سے کم نہ ہوگی ایں! دس روپیہ گز میاں خدا سے ڈرو۔ اتنا جھوٹ۔ الٰہی توبہ۔ یار عزیز آخر خوف خدا بھی کچھ چیز ہے۔ اچھا تو پھر آپ بھی کچھ بھر ماؤ۔ ہم چار روپیہ گز سے ٹکا زیادہ نہ دیں گے میاں آزاد کیا کہتے ہیں۔ برادر ادل بہا شک بہا انور نے جھڑک کر کہا۔ بس آپ چپکے بیٹھے رہیں آپکو ان باتوں میں ذرا بھی دخل نہیں۔ شیخ کیا جانے صابون کا بھاؤ۔

لالہ۔ تو چار روپیہ گج تو بجار بھر میں نہ ملے گی۔ اچھا آپ سات کے دام دیجئے۔ بولئے کتنی کھریداری منجور ہے۔ دس گج اتاروں کیا خوب دام چکائے ہی نہیں اور گزوں کی فکر پڑ گئی۔ واجبی بتاؤ واجبی۔ چکا کسی اینٹلے کو دیجئے گا۔ ہم ایک گھاگ ہیں اچھا صاحب پانچ روپیہ گج لیجئے گا یا اب بھی چکا ہے۔ نا میاں۔ بڑی مہنگی ہے۔ خیر خاطر ہے سوا چار سہی۔ لے بس پانچ گز اُتار دو لالہ نے ناک بھوں چڑھا کر پانچ گز مخمل اتار دی اور کہا آپ بڑے کڑے کھریدار ہیں ہمیں گھاٹا ہوا۔ پھر کھالی ہاتھ آپ کو کیا بھیجتے ل ان داموں میں شہر بھر میں نہ پایئے گا۔

آزاد۔ بھئی قسم ہے خدا کی میرا ایسا اینٹلا تو پھنس ہی جائے اور وہ غچا کھائے کہ عمر بھر نہ بھولے۔

انور۔ اجی ابھی آپنے دیکھا کیا ہے۔ آج تو شام ہو گئی۔ کل سہ پہر کو ہم آپ کو بازار کی سیر کرائیں گے۔ دیکھئے گا کیا دل لگی ہوتی ہے یہ کہہ کر انور اپنے شفیق بالتحقیق کو اپنے گھر لے گئے۔

تمھاری تیغ کا منھ چڑھ کے لے لیا بوسہ
کبھی نہ آپ سے ہم دبکے بانکپن میں رہے

میاں آزاد کے تنور سینے میں تو حسرت کا داغ تھا اور خونابۂ دل دریا یاغ تھا۔ چہرے سے وحشت آشکار۔ بشرے پر جنون کے آثار۔ چشم خوں چکاں سینہ بریاں۔ دن کو گریہ وزاری شب کو اختر شماری۔

انور نے جو اپنے لنگوٹیے یار کی یہ حالت زار دیکھی تو گھبرائے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ ع۔ درد ہے کہ درد لا دوا ہے۔ آزاد نے ایک آہ سرد کھینچ کر کہا۔ ے

دلبرے بُرد از دلم صبر و قرار — گر زحش برقع بود صبح بہار
فتنہ جوئے آفت صبر و شکیب — نوگلے چشم خراش عندلیب
زلف برجبیں کردہ عمر دراز — نوک مژگاں خامۂ تصویر ناز
بند برقع طرۂ گیسوئے حور — طرق گردن مشرق صبح ظہور
چشم جادو دیش گہ تسخیر جاں — در نگہ سازد تبسم داعیاں

زلف و کاکل سنبل گلزار طور	ساق و ساعد ماہی دریائے نور

انور تو چتونوں سے تاڑ گئے تھے کہ کسی ترک نذریں کمر کے تیر نگہ نے گھائل کر دیا۔ اب ان اشعار سے اور بھی یقین کامل ہو گیا کہ کسی نگار تند خو۔ آتشیں رو کی نظر غلط انداز تیر کی طرح کلیجے کے پار ہو گئی اور یہ عشق وہ سم قاتل ہے کہ تریاق اکبر کو بھی مسموم کر دے۔ آدمی تھے دانا و دور اندیش۔ سوچے کہ فہمایش انکی آتش عشق پر روغن کا کام کریگی۔ انکو نصیحت کرنا گویا سمند جنوں پر تازیانہ لگانا ہے آؤ ادھر اُدھر کے سیر سپاٹے سے انکا دل بہلائیں باتوں میں لگائیں۔ پوچھا کہو کہیں بھئی چلنے کا قصد ہے۔ میاں آزاد تو مستر گشتی پر اُدھار کھائے ہی بیٹھے تھے جھپ راضی ہو گئے ایک پانؤں میں ادھوڑی استر کا گنوارو جوتا دوسرے میں ستھر اگھیتلا۔ اس وحشت کو دیکھیے گا یاران سرپل آوازے کسنے لگے۔ نری کے جوتے کا جوڑ ہے۔ ماشاء اللہ کیا دو رنگی ہے چلتے چلتے انور نے کہا لو خوب یاد آیا۔ اس پھاٹک میں ایک بانکے رہتے ہیں ذری ہیں انسے مل لوں۔ میاں آزاد اور انور دونوں پھاٹک میں ہو رہے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کس بل کے جوان رعنا ادھیڑ گر جری اور دلیر بنوٹ پٹے میں طاق بانک لکڑی میں مشاق کرسی پر بیٹھے ہیں گھٹنا چوڑی دار چیت۔ ذرا شکن نہیں چنّت دار انگرکھا ایڑی تک چھاتا گول کٹا ہوا چولی اونچی۔ نکے دار ماشہ بھر کی کٹی ہوئی ٹوپی چیت گاہ کے ایک کونے پر بانگ نکلی ہوئی۔ سروہی سامنے رکھی ہے۔ اور جابجا قرولی قرابنچہ کٹار کھانڈا تلوار تمنچہ خدائی کے ہتھیار چنے ہوئے ہیں۔ علیک سلیک کے بعد انور نے کہا حضور وہ بندوق آپ نے پچاس روپیہ کو خریدی تھی دو دن کا وعدہ تھا جس کے چھ مہینے ہو گئے مگر آپ سانس ڈکار تک نہیں لیتے۔ بندوق ہضم کی تو صاف صاف کہد یجئے۔ روز روز کی ٹھائیں ٹھائیں سے کیا فائدہ؟ اس بانکے نے سکرا کر کہا ہوش کی دوا کیجئے عقل کے ناخن لیجئے۔ کیسا صندوق کیسی بندوق۔ اپنا کام کرو میرے منھ نہ چڑھو میاں ہم بانکے لوگ ہیں سیکڑوں کو غچے۔ ہزاروں کو جھانسے دیئے آپ بیچارے کس کھیت کی مولی ہیں۔ یہاں سو پشت سے سپہ گری ہوتی آئی ہے۔ ہم اور دام دیں۔ خدا خدا کیجئے۔ معقول؟ لو حضرت یہ اچھا بانکپن ہے۔ واہ اچھے بانکے ہیں۔ کہ آنکھ چوکی اور کپڑے غائب۔ کمل ڈالا اور لوٹ لیا ساون کہنے لگے ہم بانکے ہیں۔ لقوں لچّوں۔ شہدوں تچّوں کا کام ہے کیا بانک پن اسی کا نام ہے کہ قرض خواہ کو آنکھیں دکھائے اور گیدڑ بھبکیاں بتائے۔ آج کے ساتویں دن چہرہ شاہی بائیں ہاتھ سے گن دیجئے گا۔ ورنہ خیر نظر نہیں آتی۔ انور بکتے ہی رہے اور وہ مونچھوں پر تاؤ ہی دیا کیے۔ کہا تو یہ کہا کہ معلوم ہوتا ہے زندگی اجیرن ہو گئی۔ ہمارے ہاتھ تمھاری موت بدی ہے بہت بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناؤ۔ پہلے اپنا منھ تو دیکھو آپ اور ہم سے لڑائیں۔ آپ اور بانکوں سے لڑائیں۔ اے تری قدرت۔ اسپر انور آگ بھبھوکا ہو گئے۔ اے زرف ہے اس بانکپن پر۔ سینہ لگائیں اور بانکے کہلائیں آخر کار اس تکرار اور تو تو میں میں کے بعد میاں آزاد کے ساتھ ساتھ گھر کی طرف رُخ کیا۔

اب سنئے کہ انور اور میاں آزاد ادھر راہی ہوے۔ اُدھر اُس بانکے کا بھانجا جو گھر میں گیا تو دیکھتا کیا ہے سب عورتیں ناک بھوں چڑھائے منھ بنائے غصے میں بھری بیٹھی ہیں؟ ایں کیوں کیوں خیر تو ہے۔ یہ آج سب چپ چاپ کیوں

بیٹھے ہیں گھر ہے یا شہر خموشاں۔ مکان ہے یا گنج شہیداں۔ اتنے میں انکی ممانی کڑک کر بولیں اب چوڑیاں پہنو۔ چوڑیاں اور بہو بیٹیوں میں دب کر بیٹھ رہو۔ وہ موا درگور کروڑوں باتیں سنا گیا اور پکّے پھر بھر تاک اول فول بکا گیا اور تمھارے ماموں بیٹھے سب سُنا کیے۔ دیکھی تیری کاہلی اور باون پوٹے اجاڑ۔ بس بس۔ پھیری مُنھ پر لوئی تو کیا کریگا کوئی۔ جب شرم ہی نگوڑی بھون کھائی تو پھر کیا۔ بڑے مردوے بنے ہیں یہ نہ ہوا کہ موے کلجبھے کی زبان دست پناہ سے نکال لیں۔ آلہی تیرا اُنھوں نے تو بانکوں کے بھی کان کاٹے۔ بلا کی عورت ہو۔ یہ خم ودم۔ بانکے کے بھانجے کو جوانی کا زعم طاقت کا غرّہ شیر خشمگیں کی طرح بھرا ہوا باہر آیا۔ ماموں جان یہ آج آپسے کس سے کلمخب ہوئی جلد بتائیے ورنہ میں ہیرے کی کنی کھالوں گا ہمارے بانکپن میں بٹّہ لگ گیا۔ عورتوں تک کی رگ حمیت جوش زن ہوئی اور آپ چپکے بیٹھے سنا کیے واللہ عزّت ڈُوب گئی لے ازبرائے خدا اسکا نام تو بتلائیے قسم جناب امیرؑ کی ابھی آنتوں کا ڈھیر ہو۔

ماموں صاحب۔ بھائی وہ ایک شریف زادہ ہے میں اُسکا قرضدار ہوں۔ اگر دو باتیں اُسنے سنائیں بھی تو کیا اور وہ ہو ہی بیچارہ کیا۔ وہ بڈی میں شہباز۔ وہ دُبلا پتلا آدمی میں جوان طناز۔ پوسنے کا موقع ہوتا تو اسوقت اُسکی لاش نہ پھڑکتی ہوتی مجھے جانتے نہیں کیسا مجرد المزاج مغلوب الغیظ ہوں کھی تو ناک پر بیٹھنے نہیں پاتی۔ لے غصہ تھوک دو۔ جاؤ کھانا کھاؤ۔ آج میٹھے ٹکڑے پکے ہیں۔ قسم خدا کی جبتک اُس شمر کا خون نہ پی لوں تب تک کھانا حرام ہے۔ میٹھے ٹکڑوں پر آپ ہاتھ لگائیے یہاں زندگی تلخ ہے۔ الغرض ایسے طیش میں آئے کہ چل ہی کھڑے ہوئے۔ ماموں نے لاکھ سمجھایا مگر یہ ہوا کے گھوڑے پر سوار تھے۔

اب ادھر کا حال سنئے کہ انور جو اپنے گھر پر پہونچے تو دیکھتے کیا ہیں کہ انکا لڑکا تڑپ رہا ہے۔ ہائیں! یہ کیا! خیریت ہے۔ لونڈی نے کہا میاں کیا بتاؤں بھیّا یہاں کھیل رہے تھے کہ (کہ) کا لفظ کہکر وہ کچھ اور کہنے کو تھی کہ انور نے چلاکر کہا اُف غضب ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے وہ سفاک طیش کھا کر آیا۔ جب مجھ کو نہ پایا تو اس معصوم بچے پر ہاتھ صاف کیا۔ آزاد کے حواس غائب اری نکبخت جلد بتا۔ خیر تو ہے۔ ہاں ہاں سنئے تو سہی۔ بھیّا یہاں کھیل رہے تھے بچھی نے کاٹا بڑی دیر سے بچہ تڑپ تڑپ کر لوٹ رہا ہے۔ اتنے میں میاں انور کی زوجہ مخدرہ نے اپنے شوہر کو سب حال بتایا اور آنسو بھر لائی۔ ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتے کہا کہ (ڈاکٹر کو لپک کے بلا نہیں لاتے) آزاد کو لڑکے کے پاس بٹھا کر میاں انور ہسپتال چلے کہ جھٹ پٹ ڈاکٹر کو بلا لائیں۔

اب سنئے کہ راستے میں نیا گل کھلا۔ پچاس قدم بھی انور نہ گئے ہونگے کہ سامنے سے اُس بانکے کا بانکا بھانجا آنکلا۔ آنکھیں چار ہوئیں دیکھتے ہی شیر ببر کی طرح ڈکارا۔ بس نا لڑی بس تیری عمر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ ابھی ابھی کاسۂ سر خاک و خون میں لوٹ رہا ہوگا ہمارے ماموں کو صلواتیں سنانا بڑھ بڑھ کر باتیں بنانا۔ بانکوں کے مُنھ چڑھنا استادوں سے بھڑ پڑنا خالہ جی کا گھر نہیں ہو۔ ہلا اور میں نے ہاتھ دیا۔ بڑھا اور میں نے کوچے کاٹے انور بیچارے کی حیرانی و پریشانی ناگفتہ بہ۔ اُدھر نور بصر اور لخت جگر کی وہ حالت سقیم پیارے معصوم بچے کا تڑپنا بلبلانا۔ بیوی کا رونا تلملانا اعزا و اقربا کا بکا و بین سارڈ سیوں پڑ دسیوں کا شور و شین

لڑکے کی محبت۔ ادھر اُس شقی القلب سے مقابلہ۔ جسم میں سکت نہیں زور نہیں طاقت نہیں بھاگیں تو قدم نہیں اُٹھتے ٹھہریں تو پاؤں نہیں جمتے نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ اور گرد ٹھٹ کے ٹھٹ جمع ہیں۔ سب سمجھاتے ہیں کہ آپ بانکے جوان۔ یہ دُبلے پتلے آدمی۔ آپ شیر غرّیں یہ گربۂ مسکیں۔ ؎

بہ بازوانِ توانا و قوت سر دست — خطاست پنجۂ مسکین ناتوان شکست
بترسد آنکہ بر افتادگاں نہ بخشاید — کہ گر ز پائے در آید کسش نگیرد دست

انور نے بادیدۂ مطروح خلق خدا سے کہا کہ بھائی اس وقت میرا معصوم بچہ جاں بلب ہی۔ ہائے کیا جانے اسوقت کیسا ہوگا میں اسکو بیجان چھوڑکر آیا ہوں۔ ڈاکٹر کو بلانے جاتا تھا کہ راہ میں انھوں نے گھیرا۔ اب کسی صورت سے مجھے بچاؤ اکثر رقیق القلب آدمی یہ رقت انگیز تقریر سنکر رو دیے۔ اور سب کے سب دست تاسف ملنے لگے۔ مگر اُس دھن کے پکّے نے ایک کی نہ مانی۔ خدمت گار سے کہا ایک ولایتی ہیں دے دوسری انکے حوالے کر۔ انھوں نے پھر بہ گریہ و زاری کہا کہ مرد خدا میرا پیارا بچہ میرے خاندان بھر کا چشم و چراغ میری آنکھوں کا نور میرے دل کا چین اسوقت حالت نزع میں تھا ہائے ہائے خدا جانے اُسپر اب کیا گذرتی ہوگی۔ بھائی مجھ پر رحم نہ کرو اس معصوم پر تو رحم کی جاہے وہ سر دہی سلے پینترا بدل کر سامنے آن کھڑا ہوا اور پھر خوب ڈہکار کر کہا چپ بزدل زنان منتری آ چوٹ کے سامنے۔

اتنے میں کسی نے انور کے گھر پر خبر پہونچائی کہ میاں سے خانہ جنگی ہوگئی تلوار چل گئی۔ آپ جانیں جتنے آدمی اُتنی ہی زبانیں کسی نے کہدیا کہ چرکا کھایا اور گردن کھٹ سے الگ ہوگئی۔ یہ سنتے ہی انور کی بی بی دوہتڑ پیٹنے لگی لوگو دوڑو ہائے لوگو دوڑو ارے مجھ پر بجلی گری۔ ہائے میں جیتے جی مرمٹی ہی ہی میرے سرتاج کا سر خاک میں لوٹتا ہی۔ ہی ہی اُسکی گردن سے خون کے فوارے بہ رہے ہیں یہ کہکر عین حالت بدحواسی میں لڑکے سے چمٹ کر خوب چلاّ چلاّ کر روئی ارے میرے بچّے اب تو یتیم ہوگیا ارے تیرا باپ داغ دے گیا۔ ہائے میں اب کہاں جاؤں اس اگلے کو کہاں پاؤں۔ ہائے میرا سہاگ لٹ گیا۔

یہ بیچاری عفیفہ دیوانی کی طرح سر ٹکراتی پھرتی تھی اور تمام عالم اُسکی نظروں میں تیرہ و تار تھا۔

میاں آزاد یہ خبر پاتے ہی تیر کی طرح زن سے دوڑ گئے دیکھا تو وہ شقی شمشیر اصفہانی لیے فیل مست کی طرح چنگھاڑ رہا ہے۔ میاں آزاد خود بڑے بنوٹیے تھے جھٹ سے جھپٹ کر دوسری سرہی اپنے قبضے میں کی اور انور کو ہٹا کر یہ بھی پینترا بدل ٹھاٹ سے سامنے جا ڈٹے وہ تو جوش جوانی اور دعوی ہمہ دانی کے نشہ میں سرشار تھا پہلے ہتھکٹی کا ہاتھ لگانا چاہا مگر آزاد نے خالی دی وہ پھر ڈپٹا اور چاہا کہ چاکی کا ہاتھ جائے مگر یہ آڑے ہوگئے وہ پھر جھپٹا چاہا کہ انی کی چوٹ دے مگر یہ ہتھکٹی کی طرف جھکے تو اُسکا ہاتھ آگے نہ بڑھا۔

آزاد۔ چڈا گلخیر و کسی اینڈے گنوار کو یہ اُڑن گھائیاں بتا۔ سیہ مقابل میں چپکے چھوٹ جائیں تو سہی۔ ہاں ہاں آ چوٹ پر یہ ستانے کی سند نہیں۔ یہ گھس کے ہاتھ۔ وہ رنجک چاٹ گئی اتنے میں وہ بانکا جھلا کر جھپٹا اور گھٹنا ٹیک کر بالٹ کا ہاتھ لگانے ہی کو تھا کہ آزاد نے پینترا بدلا اور توڑ کیا۔ موڈھا موڈھا تو اُس نے بچایا مگر آزاد نے ساتھ ہی جنیو کا وہ تلا ہوا بھرپور ہاتھ جمایا کہ اُس کافر شقی کا بند بند ڈھیلا تک کھل گیا۔ اور فیل تن اراراکر دھم سے زمین پہ آرہا۔ میاں آزاد کو سب نے گھیر لیا

کوئی بیٹھ ٹھوکتا ہے۔ کوئی ڈنڈ ملتا ہے۔ انور لپکتے ہوئے گھر گئے ان بی بی کی باچھیں کھل گئیں گویا مردہ جی اٹھا لڑکے کو کچھ افاقہ تھا ہمارے حبیب لبیب ادیب۔ اریب۔ شور بخت بد نصیب دشت نوردی کے گرد باد میاں آزاد کو وہ پیاری پیاری صورت گورا گورا مکھڑا۔ زلف چلیپا لب لعل شکر خا جو یاد آیا تو کلیجہ دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ دل مثل سیماب بیقرار آنکھیں چار کی طرح آتش بار در و دل کی چمک غضب ڈھاتی تھی وہ نور کی صورت ہر دم آنکھوں میں پھر جاتی تھی۔ ؎

بڑھتی جب دل کی بیقراری
پڑھتا یہ غزل بہ آہ و زاری

کیا حال ہو گیا ہے دل بیقرار کا — آزار ہو کسی کو اگر ہی نہ پیار کا
مشہور ہے جو روز قیامت جہان میں — پہلا پہر ہے میری شب انتظار کا
امسال دیکھنا مری وحشت کے ولولے — آیا ہے دھوم دھام سے موسم بہار کا
راہ انکی تکتے تکتے یہ مدت گذر گئی — آنکھوں کو حوصلہ نہ رہا انتظار کا

مقطع ہنوز پڑھنے نہ پائے تھے کہ انور نے بات کاٹ دی۔ میاں اس عشق کا برا ہو جس نے تم کو دین و دنیا ایک کا بھی نہ رکھا۔ آزاد نے کہا حضرت اس کوچے سے حضور واقف ہی نہیں۔ کوئی میرے جی سے پوچھے کہ مجھ پر کیا گذرتی ہے میں عاشقوں میں لاجواب وہ حسن و جمال میں انتخاب اور اُسپہ طرہ شباب۔ ؎

یاد زلفے سوخت خوں در پیکرم — بوے عنبر مید ہد خاکسترم

گو ایک دفعہ پہلے بھی ایک بت خورخ و تنگ کے طرہ کا تیر نگ اور لیلۃ المعراج گیسو میں دل اٹک رہا تھا مگر۔ ؎

نازد بہ مغزم شرابی ریخت عشق — رد غنم با شعلہ آمیخت عشق

انور نے دیکھا کہ یہ بالکل دیوانے ہی ہو رہے ہیں سوچے چلو ذرا ہوا کھلاؤں شاید یہ وحشت دل دور اور شیشۂ جنون چکنا چور ہو۔ دل میں

ٹھان لی کہ اس کے سوا کوئی علاج ہی نہیں اور انکا ایسا کوئی سودائی مزاج ہی نہیں۔ خیر ٹال ٹول کر لے چلے تو چلتے چلتے ایک باغ میں پہونچے یہ دونوں دن سے پھاٹک میں داخل دیکھتے کیا ہیں کہ ایک شامیانہ بصد تزک و احتشام نصب ہے اور اُس میں بارہ نوجوان بیٹھے رنگ رلیاں منا رہے ہیں مگر تخلیے کی صحبت ہے انور نے کہا یار انکے مخل نہ ہو۔ نظر سے اوجھل کیفیت دیکھنے لگے واہ وا واہ عجب لطف ہے ہندو بھی ہیں مسلمان بھی ہیں۔ مگر شراب بے تکلف لنڈھائی جا رہی ہے۔ آزاد کو دن کو اونٹ نہیں سوجھتا تھا مگر میاں انور نے اتنی دور سے بوتلوں کے لیبل کو پڑھنا شروع کیا۔ ڈیرا کاگ نیک۔ اولڈ ٹام جن۔ شام بین ارتھ۔ ہو سکی۔ کیا خوب یہاں تو دور چل رہا ہے بڑے بڑے باچھیں اور شیخ شراب ناب کی چسکی لگا رہے ہیں۔ ایک ہندو بیچارہ نیا پھنسا تھا پہلے تو جام شراب لیتے جھجکا مگر ایکبار ہندو نے جو اس وقت ساقی بلکہ پیر مغاں تھے کہا کہ کچھ سودائی سے ہوا ہے یہ نرل گنگا جل ہے پیتے ہی سیدھا بیکنٹھ بھیج جائیگا چلئے وہ غٹ سے نگل گئے ایک مسلمان نو آموز تھے ڈرتے ڈرتے ایک ایک گھونٹ پیتے تھے مگر ایک شیخ صاحب نے ٹھوکا دیا۔ اور کھاتی بھی جاؤ میاں۔ ؎

شراب ایک بوند بھی ہو کہ کوثر کی — اک اپنے واسطے زاہد حلال کرتے ہیں

پیچھے وہ بھی کھٹ سے اُڑا گئے بڑی دیر تک دور چلا کیا جب سب کے سب پیتے پیتے ست مخمور ہوئے تو ایک پری وش کو بلایا کچھ دیر تک چہل کی باتیں ہوا کیں بعد ازاں اُسنے یہ غزل گائی اور محفل بھر کو وجد میں لائی۔ ؎

طرف گلشن نہ اشک گلگوں گل بداماں کسی ست — خندہ سنبل طرۂ زلف پریشان کسی ست
شور محشر خندۂ زخم نمایاں کسی ست — مرہم دلخستگاں شور نمکدان کسی ست
شب برو زآمد ز سوز نالہائے گرم خیز — داغ در دل ہا چراغ زیر دامان کسی ست

بلبل بیدل برنگ گل دریدہ قبا ... در دل شوریدہ پنہاں درد پنہاں کسی ست
بے تو در محفل دل پروانہ سوز چون کباب ... سیخ آہ آتشیں شمع شبستان کسی ست
رخنہ بردے کار زخم دل افتاد آہ ... کار خود در پردہ ساز دچشم فتان کسی ست
رشتے آسایش مداری از پیہ دیدش نظر ... یا تو عاشق صحبت دگریبان کسی ست

حاضرین جلسہ بادۂ گلرنگ کی ترنگ میں ایسے مست ہوے کہ سر و پا کی خبر نہیں دنیا و مافیہا سے بیخبر۔

اتنے میں اُن رندان مے آشام میں سے ایک نے دوسرے کی ناک پکڑی دوسرے نے تیسرے کے کان اُمیٹھے تیسرے نے چوتھے کی گت بنائی چوتھے نے پانچویں پر چپت جمائی پانچویں نے چھٹے کے چانٹا رسید کیا چھٹے نے ساتویں پر دوہتڑ دیا۔ یہ ہو ہی رہا تھا کہ سب کے سب بھڑ بھڑا کر اُٹھ کھڑے ہوے گرے اُٹھے لڑکھڑائے۔ دھم۔ دھس۔ ارارا دھوب۔ دو قدم چلے اور لڑھک گئے۔ آزاد اور انور وہاں سے چمپت ہوے تو راہ میں یوں باتیں ہونے لگیں

آزاد۔ اس شراب خانہ خراب پر لعنت خدا۔ الٰہی توبہ توبہ ابتک ہم نے نباہی توبہ۔ آیندہ خدا حافظ و ناصر ہے۔ ~

از مے گل معقود چیدست کسے ... ہرگز بمرادے زبردست کسے

انور۔ اجی حضرت آپنے شرفا کی صحبتیں نہیں اُٹھائی ہیں آنکھیں ہی نہیں دیکھی ہیں۔ ~

گر بادہ خوری تو باخردمندان خور ... یا باصنمے لالہ رخے خندان خور
بسیار مخور فاش مکن درد مساز ... کم کم خور و آہستہ خور و پنہاں خور

الغرض دونوں یار گھر پہونچے اور لمبی تان کر خرخر خراٹے لینے لگے۔

ضرورت ہے ایک جورو کی

انور مع اپنے رفیق اور خلیل باتحقیق عالی نژاد و فرخ نہاد میاں آزاد کے ایک دن اپنے باغیچہ فرحت انتما اور نزہت افزا میں بیٹھے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھا رہے تھے اور گرما گرم چائے اُڑا رہے تھے کہ ایک دفعہ ہی ڈاک کا ہرکارہ ہری وردی پہن لٹکائے لال لال تکیا جمائے خاصہ شیطان بنا ہوا سامنے سے آن موجود ہوا جھک کر سلام کیا اور ایک اخبار دیکر لمبا ہوا۔ اتنے میں انور کے ایک اور لنگوٹیے یار المتخلص بہ بہار تشریف لائے علیک سلیک اور مصافحہ و معانقہ کے بعد ایک کرسی پر زدہ بھی ڈٹ گئے انور نے جھٹ پٹ اخبار کھولا عینک لگائی اور بڑے غور سے پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے صفحہ آخر پر نظر پڑی تو باچھیں کھل گئیں چہرہ گلنار مزاج زعفران زار۔

بہار۔ اللہ اللہ اسوقت حضور کھلے ہی جاتے ہیں جامے میں پھولے ہی نہیں سماتے۔ کیا پڑا پایا۔

آزاد۔ ہم بتائیں اور وہ بیتے پتے کی بات بتائیں کہ حضرت بھی وجد میں آئیں کسی معشوق پریوش کی آمد آمد اسوقت ہے دیکھو گے وسیع کیسے گا کیا چتونوں سے تاڑ گیا۔ واللہ ذہن کا بنا وہ کھلا ہوا ہے قربان اپنے استاد کے کیا دور کی کوڑی لاتا ہوں ہم نے سب پاپڑ بیلے ہیں۔ ~

کوچۂ عشق کی راہیں کوئی ہمسے پوچھے ... خضر کیا جانیں غریب اگلے زمانے والے

انور۔ حضرت آپ تو عاشق تن آدمی ٹھہرے جب دیکھو عشق کے پھیر میں بندہ اس کوچے سے منزلوں بھاگتا ہے۔ بتان زہرہ تمثال حسن و جمال اور عاشقی معشوقی کا خیال آپ ہی کو مبارک رہے بندے کو یہ مرض ہی نہیں اسوقت ایک اشتہار پڑھکر باغ باغ ہو گیا۔ خدانے چاہا تو اسی اشتہار نے یہاں بھی گل کھلائے ہیں۔ اشتہار سنئے تو آپ خود ہی سمجھ جائیے گا۔ نقل۔

Wanted
An Arabia Professor For the
Nasir Pur College pay Rs. 200.
For Particulor a apply to the
Principal.

ترجمہ۔ ضرورت ہے ایک عربی پروفیسر کی تصیرپور کالج کے لیے تنخواہ دو سو روپیہ ماہواری۔ اسکی نسبت جو کچھ دریافت کرنا ہو پرنسپل سے دریافت کیا جائے۔

بہار۔ ہم کچھ سمجھے و مجھے خاک بھی نہیں۔ آخر اس سے مطلب کیا

آزاد۔ ارے حضرت ایک عربی پروفیسر تصیرپور کالج کے لیے چاہئے ہے۔ دو سو روپیہ تنخواہ ملیگی میاں الو درخواست داغنے والے ہیں۔

بہار۔ خدا کامیاب کرے لیکن سنئے تو سہی۔ یہ تو اخبار ہے۔ اس میں خلوے عہدہ اور تنخواہ اور درخواست کا کیا جھگڑا۔ اس میں محاربہ کا حال۔ یا جنگ و جدال۔ علمی اور پولٹکل قیل و قال چاہئے یا یہ جنجال۔

آزاد۔ تو قبلہ آپنے اخبار پڑھا ہی نہیں۔ پیر و مرشد اخبار تو عطر مجموعہ ہے۔ لڑکوں کا اتالیق جوانوں کا ناصح شفیق۔ بڈھوں کے تجربہ کی کسوٹی۔ رکن رکین سلطنت۔ تجار کا دوست حیناعون کا یار غار۔ رعایا کا وکیل۔ جمہور انام کا سفیر۔ مدبروں کا مشیر۔ کسی کالم میں ملکی چھیڑ چھاڑ۔ کہیں شوشل امور میں تکرار۔ کہیں اشعار آبدار کہیں نوٹس اور اشتہار۔ انگریزی اخباروں میں طرح طرح کی باتیں درج ہوتی ہیں اور دیسی اخبار بھی انکا تتبع کرتے ہیں۔ شطرنج کے حل طلب نقشے۔ قرضہ قومی کا نرخ۔ گھوڑدوڑ کا تذکرہ۔ سب ہی کچھ ہوتا ہے۔ اور جب کبھی کوئی عہدہ خالی ہوا اور اچھا اہلکار نہ ملا تو حکام خلوے عہدہ کا حال مشتہر کرتے ہیں لوگوں نے پڑھا اور درخواست داغدی۔ جہاں اشتہار کے صفحے میں دیکھا کہ (ضرورت ہے) ضرور پڑھیں گے کہ کسکی ضرورت ہے بعض اوقات بڑی دل لگی ہوتی ہے (ضرورت ہے) پڑھکر شوق چرایا کہ دیکھیں شاید ہمارے مذاق کے موافق ہو تو آدھ آنے کا خون کریں گے تو تیر نہیں تکا پڑھتے ہیں تو وہاں کچھ اور ہی رنگ ہے (ضرورت ہے) ایک آیا کی بوڑھی خرانٹ ہو شریف ہو دنیا دیدہ ہو گرد و نواں آنکھیں ہوں (کانی تمونہ ہو) لاحول ولا قوۃ سمجھے تھے کہ کسی کلرک یا اکونٹنٹ یا مترجم کی ضرورت ہوگی وہ آیا کی نکلی۔ میں دیسی اخباروں میں بھی اسکا کما حقہ رواج ہو تو بڑے مزے ہوں جس راجہ مہاراجہ نواب رئیس کو اہلکار کی ضرورت ہو کسی نامی گرامی اخبار میں چھپوا دے تاکہ شرفا علما وغیرہ کو درخواست بھیجنے کا موقع ملے۔

بہار۔ لیکن حضرت پھر تو طرح طرح کی ضرورتیں چھپنے لگیں چانڈو باز چھاپیں کہ (ضرورت ہے) ایک بمبو کی جس میں دقیانوس کے وقت سے چانڈو پیا گیا ہو اور جو چونٹ کیٹ جمی ہو) کوئی نیا گنج آباد کرے تو اسکو لا محالا یہ نوٹس چھپوانا پڑے (ضرورت ہے) ایک نوجوان ساقی کی نئے گنج میں دکان جمانے کے لیے۔ کیونکہ جبتک دھواں دھار چلمیں نہ اڑیں چرس کی تو آسمان کی خبر نہ لائے۔ بگڑے دل تو تکی خبر نہ منائیں دلسوز دم پر دم نہ لگائیں تب تک گنج کی رونق نہیں۔

افیونی اپنے رنگ کے موافق مشتہر کریں کہ (ضرورت ہے) ایک ایسے شخص کی جو افیون گھولنے میں طاق ہو دن رات پینک میں رہے مگر افیون گھولنے کے وقت چشم نیم باز سے چینی کی پیالی پر نظر ڈالے آرام طلب لوگ چھپوائیں کہ (ضرورت ہے) ایک داستان گو کی جسکی زبان کترنی کی طرح چلی جائے جس کو امیر حمزہ کی داستان نوک زبان ہو۔ بدر منیر اور گلزار نسیم حفظ ہو بات بات میں قافیے کا قافیہ تنگ کرے ضلع جگت میں برق ہو۔ اور زمین و آسمان کے قلابے ملا دے۔ جھوٹ کے چھپر اڑا دے شام سے جو بکنا شروع کرے تو تڑکا کر دے سننے والوں کا بھور ہو جائے۔ مگر یہ عادت نہ ہو کہ سامعین (ہوں ہوں) کرتے جائیں تب وہ داستان سنائیں ہم چاہے خراٹے ہی لیتے ہوں لیکن وہ منھ کھولکر بکتا ہی جائے خوشامد پسند حضرات یہ خواہش ظاہر فرمائیں کہ (ضرورت ہے) ایک مصاحب کی جو آٹھوں گانٹھ کمیت ہو۔ ہاں میں ہاں ملائے اور

ہکو سخاوت میں حاتم شجاعت میں رستم حسن میں یوسف ثانی حکمت میں ارسطوئے یونانی شاعری میں لاجواب۔ شادی میں انتخاب بنائے منھ پر خوشامد کہ حضور ایسے اور حضور کے باپ ایسے مگر پیٹھ پیچھے گالیاں دے کہ ان پڑھ ناتجربہ کار کو میں نے خوب ہی بنایا بیفکرے اعلان کریں کہ (ضرورت ہے) ایک بٹیر کی جو بڑھ بڑھ کر لات لگاتا ہو اور اچھے اچھے بٹیروں کو پالی سے دُم دبا کر بھگاتا ہو۔ (ضرورت ہے) ایک مرغ کی۔ مگر ڈنڈ پیل ہو۔ تنا ہوا جوڑا اچھا تا گتھ جائے تو حریف کو پیٹھ نہ دکھائے بلکہ خون رلائے اور چھکے چھڑائے۔ سوایا مارے ڈیوڑھا مارے (ضرورت ہے) ایک مینڈھے کی جو پہاڑ سے ٹکر لڑنے میں بند نہ ہو اور بپھرے تو دس بیس پہلوانوں سے بھی نہ رک سکے (ضرورت ہے) طبیلے کے لیے ایک جناوری بندر کی۔ مگر اینٹھا سنگھ ہوں۔ لال چقندر (خاصہ مچھندر) حضرت اور تو باتیں ہیں لیکن ہمیں اسوقت اپنی ضرورت یاد آگئی بھائی از برائے خدا چھپوا انہیں دیتے ضرورت ہے ایک جورو کی چالاک اور چست خط و خال۔ نک سک سے درست شوخ و زباں دراز ہو۔ جوان ہو طناز ہو ہزاروں میں انتخاب لاکھوں میں لاجواب۔ اٹھتی جوانی عنفوان شباب ہو مگر بلا کی چنچل ہو۔ کبھی ہنسی ہنسی میں ماہتاب کی چیت گاہ پر ڈھول جائے کبھی بصد ناز ڈپٹی چھین کر چیتا جڑے۔ کبھی روٹھ جائے کبھی گدگدائے۔ چنچل ہو ورنہ ہم سے میزان نہ بیٹھے گی۔ گاؤ دیدہ نہ ہو سن رسیدہ نہ ہو۔ تنجرنی چہرہ ہو برف کے ایسے ہاتھ پاؤں ہرن کی ایسی آنکھ۔ لیکن قد تاڑ کے برابر نہ ہو کہ ہم کو پاڑ باندھنے کے لیے مزدور بلوانے پڑیں۔ بندہ پست قد آدمی ہے اور شرط یہ ہے کہ کھانا پکانے میں استاد۔ سینے پرونے میں گل بوٹے بنانے میں برق ہو لیکن ہوا ہضم کی روز شکایت نہ رہے اور ضعف معدہ کا عارضہ ضرور ہو۔ ہلکی پھلکی دو چپاتیاں کھائے تو تین دن میں ہضم ہوں۔ سادہ مزاج ایسی ہو کہ زیور گہنے پاتے سے مطلب ہی نہ رکھے سادگی ہی جوبن دکھائے اور یہ بھی شرط ہے کہ مذہب کے ہاتھ نہ بک گئی ہو خدا کو واجبی ہی واجبی مانتی ہو۔ مگر برانڈی کی تاک میں ہر دم رہے۔ غٹاغٹ جام شراب پیئے اور ہم سے میلے ٹھیلے بھی نہ جانے دیں گے۔ اور محلے کی کسی عورت کو بھی نہ آنے دیں گے اور یہ بھی یاد رہے کہ پھریرا بدن ہو۔ نزاکت سے آنچل کا بوجھ نہ اٹھ سکے کمر لچک جائے گردن بل کھائے۔ ہنس مکھ بھی ضرور ہو روتے کو ہنسائے مگر یہ نہیں کہ پھٹی جوتی کی طرح موقع بےموقع محل بے محل دانت کھول دے۔ ہاں اور ہڑدنگی نہو۔ ورنہ اجیرن ہو جائے گی طرار ہو۔ مکار ہو عیار ہو۔ ستمگار ہو طرحدار ہو۔ باغ و بہار ہو۔ وہ ترچھی چتون۔ وہ بانکی ادا کہ بیساختہ زبان سے نکل جایا کرے (تیری بانکی ادا نے مجھے مارا) گانے بجانے کو عیب نہ سمجھتی ہو بلکہ وقت بے وقت تحریک کرنے میں عار نہو۔ لیکن چال بھونڈی نہو بھدے پاؤں نہ پڑیں جب چلے اٹھلا اٹھلا کر درخواستیں کھٹا کھٹ بندۂ درگاہ کے پاس آئیں مگر ٹکٹ چپاں نہونگی تو بیرنگ واپس۔ مگر یہ کہ بی صاحب کے رخ انور پر ریش مبارک نہو۔

آزاد۔ اور تو خیر۔ مگر یہ ڈاڑھی کی بڑی کڑی شرط ہے بھلا کیوں صاحب عورتیں بھی رضیائیل یا مجاکڑ ابیگ ہوا کرتی ہیں یہ انوکھی بات بتائی اچھی قید لگائی۔

بہار۔ واہ معقول۔ آپ کیا جانیں۔ ابھی قبلہ یہ نکاح کی شرطیں ہیں احتیاط شرط ہے جب شرطیں ہی کرنے پر آئے تو کوئی بات اٹھا کیوں رکھیں کہ پیچھے ہماری مونچھ ان کے ہاتھ اور انکی داڑھی ہمارے ہاتھ میں ہو۔

آزاد۔ اجی بندہ نواز عورت کی داڑھی چہ معنی دارد۔
بہار۔ معنی سے کیا مطلب یہاں تو صورت کا ذکر ہے۔ یعنی چاہے جو ہو۔ یہ تو تم ضرور لگائیں گے کہ بی صاحب زن بروتی نہوں۔ احتیاط شرط ہے۔ ؏۔ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست ؛

انور۔ قبلہ سنئے جورو کی تو پیچھے فکر کیجئے گا پہلے دماغ کی فکر کیجئے کسری سودائی کو شادی سے کیا کام۔

بہار۔ جی تو دماغ کی آپ جیسے زہاد خشک فکر کریں بندے کا دماغ خوب چاق ہے۔ دیکھئے آج کے آٹھویں ہی دن کسی شوخ و شنگ سے بیاہ نہ رچے تو سہی مگر یار شرطیں بڑی کڑی ہیں۔

آزاد۔ اور خصوصًا یہ داڑھی والی۔

ضلع جگت

ایک اٹھوارے میں انور عربی پروفیسر ہو گئے۔ سمجھے تھے کہ ٹکا سا جواب آئیگا گر کھٹ سے درخواست منظور اور نادری حکم کہ بقچہ سنبھال کر تڑسے دھر دھمکو۔ ذری دیر ہوئی اور عہدہ غتربود ہوا۔ المعد تو نوکری پر اُدھار کھائے بیٹھے ہی تھے جھپلے پر کمر کس لیس ہو بوریا بدھنا اٹھا روٹیاں اور گوشت دسترخوان میں باندھ لڑکے کو چوم بیوی سے مل چلے ڈاکگی نہ۔ میاں آزاد ساتھ جب تنکرم پر سوار ہوئے تو آزاد نے کہا۔ ؎

تو عزم سفر کردی و رفتی ز بر من | بستی کمر خویش و شکستی کمر من

انور نے کہا بھائی گھر میں برسوں بیٹھے بیٹھے پھپھوندی لگ گئی زبان حال و قال سے یہی شعر ورد زبان تھا۔ ؎

سفر گزیدہ نگزینم ز آستانۂ خویش | کہ ہمچو مردم چشم چراغ خانۂ خویش

آزاد در خیر المکتوب نصف الملاقات۔ یار زندہ صحبت باقی۔ دونوں نے معانقہ کیا بغلگیر ہوئے تنکرم گھڑگھڑ کرتی ہوئی چلی انور نے کہا۔ الوداع۔ آزاد بولے فی امان اللہ۔ جبتک تنکرم نظر آئی حیرت کیساتھ میاں آزاد دیکھا کیے جب نظر سے اوجھل ہوئی تو یہ بھی کھسکے چلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اثنائے راہ میں پانچ چھ نوجوان سفید پوش شریف و نجیب سڑک پر جا رہے ہیں مگر سب خوش رو خوش خو۔ میاں آزاد نے پوچھا یا حضرت کہاں کی تیاریاں ہیں۔ کہیں مشاعرہ ہے یا ناچ رنگ کا جلسہ۔ جی نہیں جلسہ نہ مشاعرہ مگر جہاں چار آدمی بیٹھ گئے وہیں جلسہ ہے۔ اسوقت چاندنی خوب نکھری ہے جی چاہتا ہے لپک کر چاند کا مکھڑا چوم لوں ہم یاران بذلہ سنج مرنجاں مرنج نے ٹھان لی کہ گلگشت چمن اور تماشائے نسرین و نسترن کریں نوعروسان چمن کا جوبن لوٹیں نرگس شہلا سے آنکھیں لڑائیں شادیانے بجائیں دھما چوکڑی مچائیں خوب مزے اُڑائیں شب ماہ کے لطف اٹھائیں۔ آئیے آپ بھی تشریف لائیے۔ باغ میں قدم رنجہ فرمائیے عزت بخشئے رتبہ بڑھائیے میاں آزاد تو ایک ہی بیفکرے نمبر اول کے کوچہ گرد جھٹ سے راضی ہو گئے چلے بسم اللہ الامر فوق الادب باغ میں پہنچے تو ایک روش میں چبوترے پر جا ڈٹے پہلے کچھ عرصے تک شعر خوانی رہی پھر بعد ازاں ضلع جگت کی ٹھہری جو ہر ضلع میں طاق جگت بازی میں مشاق پہلے حقے کا ضلع شروع ہوا۔ میاں تم کندن کیے دیتے ہو۔ ایک کش ہم بھی تو لیں اے صل و جل قش کے کیا معنی حضرت۔ جی یہ قشیدن سے ہے بس بہت دم نہ دیجئے واللہ کیا گرما گرم آدمی ہو بندے کا مکان جہنال دروازے میں ہے اور ہمارا مسکن تو چرخ چنبری ہے۔ یہ آدمی ہے یا الٹا توا تمباکو کا پنڈا یہ حقہ بازی ہم خوب سمجھتے ہیں اجی ایسے مارے ہم نے بہت چگلے سکیے اسکو کوئی لے کر کرے کیا سے بہت شیخیے نا۔ آپ تو میری باتوں سے سوخت ہوئے جاتے ہیں۔ بندہ تازہ دم ہے ڈینی حاک کے مین بات۔ واللہ آپکا سر تو چھلا چھلایا ناریل ہے۔ یار تو تو ریت

کی طرح چپٹا۔ تمہارا ضامن کون ہے۔ میاں کل تک تو کوڑی کوڑی کو محتاج پھرتے تھے آج باتیں بناتے ہو۔ لے اب برف کی قلفی کھایئے یہ آپ کا سر ہے یا شلجم کا سرپوش۔ بہت ٹرّایئے نہ ورنہ بیچ میں چلم لگائینگے۔ بھئی کیا بے تکی اُڑائی۔ واہ چلم کا تلازمہ تو رہا ہی جاتا تھا اب اسکو چھوڑیئے اب بے تکی ہونے لگی چل شک۔ آیئے پان کا تلازمہ ہو بھئی واللہ کیا خوب بنگلہ ہے۔ دساور سے مال آیا ہے۔ میرے جوتے کا باٹن خوب چمکتا ہے۔ بہت چبا چبا کر باتیں نہ کیجئے آج تو میں سرخرو رہا۔ آپ سبز بخت ہیں۔ ذری کیوڑے کی بوتل کو تو بلانا۔ برگ سبز ست تحفۂ درویش + آپ کے پھول کا نشان کیا ہے کیا چکنی چپڑی باتیں ہیں۔ میں تیرا یار کتھا۔ اہا! یہ کیا حضرت یہ کتھے کا تلازمہ ہے۔ لاحول ولا۔ بس لگے بے تکی اڑانے آیئے گانے بجانے کا تلازمہ ہو واہ بندہ نواز کہئے آج تال برتی کیا ہے۔ طبیعت ناساز ہے۔ آپ مستان شاہ ہیں دنیا کے پردے پر ایسا گمٹی نہ ہوگا۔ کیا بیوقت کی شہنائی بجائی ہے۔ بتیاں کیسی پڑھیے بھئی تمہیں قسم ہے آپ کے گلے میں تو بڑا ڈال دو ڈھول نہ جائے گا۔ اب لا بات لا ہم اپنا دیس بھول گئے۔ جنگل کی دھن ہے یہ سر ہے یا تونبی۔ اب میں کہیں کان نہ اینٹھوں اچھا راگ لائے۔ بھئی اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ۔ بس بس تانت باجی اور راگ بوجھا۔ بیوقت کی شہنائی ہے واہ یہ پہ چکی ہے۔ چلو خوشی کے شادیانے بجاؤ۔ کہیں لونڈے تالیاں نہ بجائیں وہ ناچ نچاؤں کہ عمر بھر یاد کرو۔ بے بھاؤ کی پڑنے لگینگی۔ آدمی ہے یا گھنچکر۔ اپنا تو کلیان ہو گیا۔ آیئے اب کھانے کا ضلع ہو۔ بھئی نوجوانان سے آشام سے خدا بچائے۔ آپکی دال نہ گلنے کی جی چپڑی اور دو۔ ظرافت تو آپکے خمیر میں ہے۔ تم تو ماش کا آٹا ہوئے جاتے ہو۔ یہ ناحق اپنے ڈھائی چاول گلاتے ہیں۔ آپ کے منہ میں گھی شکر۔ ابھی کھچڑی پک رہی ہے کچھ دال میں کالا کالا نظر آتا ہے۔ جاؤ ہنڈیا چڑھاؤ۔ آج تو پانچوں گھی میں ہیں اور سر کڑھائی میں۔ اس میں پوری نہ پڑے گی۔ اب مزعفر کتنی کیجئے۔ ایکی ہوئی ہے تیرہ مالیں کھائیں تھیں۔ باؤں تو تمہاری بوٹیاں ہی چبا جاؤں۔

میاں آزاد نے جو دیکھا کہ اب گی یہ سب کے سب جھک مارنے لگے تو وہاں سے چل کھڑے ہوئے اجی حضرت ذرا سنئے تو سہی۔ بس اگر بہرہ ست ہیں قدر بس ست لاحول ولاقوت اس تضیع اوقات سے فائدہ ایک کہتا ہے چل شک دوسرا کہتا ہے تیرا سر کڑھائی میں مفت میں بیہودہ بکنے سے فائدہ قبلہ یہ تو دل لگی کا وقت ہی ہے علما فضلا شعرا کملا کے سامنے تھوڑے ہی یہ باتیں ہونگی۔ ہو نہ ہو ہم کو کوئی گھس کھدا سمجھے ہیں بس رخصت۔

میاں آزاد ایک روز سیر گشت کرتے ہوئے ایک محلے میں جا نکلے تو سنتے کیا ہیں کہ ایک شخص کراہتا اور غل مچا مچا کر چلاتا ہے ہائے مرا ارے مرا۔ ہائے جان گئی۔ باپ رے باپ یا خدا بچائیو اُف اُف ہائے ہائے۔ ارے کوئی دوڑو خداوندا موت دے۔ یا الٰہی میری سُن لے اُف اُف ادھر انکے کان میں جو بھنک پڑی تو آواز کی سیدھ پر چل ہی تو کھڑے ہوئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک ضعیف آدمی دقیانوس کا ہمعصر چھپر کھٹ پر بیٹھا ہوا سسک رہا ہے مگر چہرے سے موت کے آثار پائے جاتے ہیں۔ آنکھوں سے جوئے اشک رواں ہے انھوں نے نبض پر ہاتھ ڈالا تو پتا ہی نہیں سینے پر ہاتھ لے گئے تو کلیجہ دھڑ دھڑ کر رہا ہے۔ پوچھا مزاج کیسا ہے صد ملے برخواست۔ اشارے سے دریافت کیا کہ کیسے ہو۔ آنکھ بند کرلی دو گھنٹے تک سسکتا رہا بعد ازاں گھڑ گھڑا لگا اور اوپر کی سانس بھرنے لگے اور آناً فاناً میں مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میاں آزاد کا دل بھر آیا اور رقیق القلب تو تھے ہی آٹھ آٹھ آنسو روئے ایک مرد آدمی سے جو قریب بیٹھے تھے پوچھا کہ یا حضرت، بھلا یہ پیر مرد کس عارضے میں مبتلا تھے آپنے آہ سرد کھینچکر کہا کہ یہ نہ پوچھیے حمق کا عارضہ تھا کیا حمق! یہ کون عارضہ ہے۔ صاحب قانونچے میں اسکا کہیں پتا نہیں۔ طب اکبر میں اسکا ذکر بھی نہیں یہ نیا عارضہ ہے۔ جی ام العوارض ہے ذرا اسکے علامات تو بتائیے اجی حضرت کیا بتاؤں عقل کی مار اسکا خاص باعث ہے عرض کروں کہ یہ پیر مرد اسّی برس کے تھے۔ مگر عقل کے پورے تمیز چھو نہیں گئی خدا جانے دھوپ میں بال سفید کیے تھے یا نزلہ سے یہ عارضہ ہو گیا تھا۔

اب سنئے کہ شامت اعمال سے حضرت کی پیٹھ پر ایک پھوڑا نکلا دس دن تک علاج نہ کرد۔ دسویں دن کسی گنوار نے کہہ دیا کہ گل عباس کے پتے اور سرکہ باندھو جھپ راضی ہو گئے سرکہ بازار سے خریدا۔ گل عباس کے پتے باغ سے توڑ لائے اور سرکہ میں پتوں کو خوب تر کر کے پیٹھ پر باندھا دوسرے روز پھوڑا آدھ انگل بڑھ گیا کسی اور گھسے نے کہہ دیا کہ بھٹکٹیا اور نمک باندھو بسم اللہ کر کے آپ نے وہ بھی کیا۔ لوگوں نے سمجھایا کہ بڈھے کچھ نکانس تو نہیں کھا گیا ہو آڑے بھوڑے کو بھٹکٹیا سے کیا واسطہ۔ فرمایا کہ واہ آپ کیا جانیں یہ کیا علاج تھوڑا ہی ہے یہ تو ٹوٹکا ہے۔ خیر صاحب ٹوٹکا سہی۔ خدا کرے اس چھومنتر کی کالی بوٹی سے آپ چنگے ہو جائیں مگر یہ بگڑ۔ درد اور زیادہ شروع ہو گیا کسی نے بتایا املی کی پتی اور دھتورہ اور گوبر باندھو وہاں کیا تھا فوراً منظور۔ اب تڑپنے لگے اُف اُف اُف اُف کرنے لگے تلملانے اب ہوش و حواس باختہ۔ آگ لگ گئی۔ محلے کی ایک عورت نے کہا میں بتاؤں مجھ سے کیوں نہ پوچھا بس تین سیے مولی کا اچار دفنا دو مگر تین تھلے ہنٹل یا اور دفنا کر نکال لاؤ اور نکال کر کنوئیں میں ڈالدو اور اپنے ہاتھ سے پانی بھرو۔ اسی دم چنگے ہو جاؤ تو ناک کٹا ڈالوں سوچے کہ بھئی نسخہ تو نے بڑی کڑی کی ہو کچھ تو ہو کہ ناک بدلی جھپ مولی کے تھلے سے دفن کیے اور پھر نکالے کنوئیں میں تینوں تھلے غڑاپ داخل لگے پانی بھرنے۔ ڈول تھا دزنی۔ اور اسپر طرّہ یہ کہ مارے درد کے تڑپ رہے تھے رسی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور حضرت دھم سے گرے پھوڑا تو آپ جانئے شیشے کی مثال ٹھیس لگی اور بھی درد بڑھا لگے تلملانے آخر کار دم توڑا۔

آزاد۔ افسوس صد افسوس ان مدعیان عقل سے کوئی اتنا تو پوچھے کہ ہر کس و ناکس کی رائے پر علاج کیوں کر بیٹھتے ہو جس نے جو بتایا آمنا و صدقنا منظور۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو عارضہ بڑھ جاتا ہے یا جان تن سے نکل جاتی ہے۔

وحشی مگر خدا ترس ریشائیل

میاں آزاد ایک دن چلے جلتے تھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کسی پرانی دھرانی گڑھیا کے کنارے ایک ریشائیل بیٹھے کائی کی کیفیت دیکھ رہے تھے کبھی ڈھیلا اٹھا کر پھینکا جھپ۔ ماشاء اللہ سن شریف چہل و شش نازم بایں ریش فش۔ مسن آدمی اور لونڈے بنے جاتے ہیں۔ اس داڑھی کا بھی خیال نہیں اور لطف یہ کہ محلے بھر کے لونڈے لاڈیے ارد گرد جمع تالیاں بجا رہے ہیں اور اُلّو بنا رہے ہیں لیکن آپ گڑھیا کی لہروں ہی پر لٹو ہیں۔ کمر جھکائے ہوئے جو طرف ڈھیلے اور ٹھیکرے ڈھونڈھتے پھرتے ہیں ایک دو ہی کئی ڈھیلے اٹھا کر حضرت نے گڑھیا میں پھینکے جھپ جھپ جھپ جھپ ادھر سے ایک مرد آدمی بھی چلے آتے تھے۔ آپکو دیکھا تو نظر سے اوجھل ذرا ٹھٹک کر لگے سیر دیکھنے دل ہی دل میں کہتے ہیں کہ ماشاء اللہ اگر سالہا پیر شد گاؤ نہ شد۔ یہ سن و سال اور یہ حال ؎

چہل سال عمر عزیزت گذشت	مزاج تو از حال طفلی نہ گشت

نشین بدن۔ لباس فاخرہ زیب تن۔ یہ وضع اور یہ جسم بددور کس مزے سے گڑھیا پر بیٹھے رنگ رلیاں منا رہے ہیں اور یہ خبر ہی نہیں کہ گانوں بھر کے لونڈے نیچے تالیاں بجا رہے ہیں وہ ایک لونڈے نے چیت جمانے کا قصد کیا۔ مگر ہاتھ کھینچ لیا دوسرے نے پیڑ کی آڑ سے وہ کنکری لگائی تیسرے نے ریش مبارک پر گھانس پھینکی پر جوتے نے کہا میاں تمھاری داڑھی میں تنکا مگر میرا تیر ذرا نہ منکا۔ اب سنئے کہ گڑھیا سے اُٹھے تو دور کی سوجھی جھپ سے ایک پیڑ پر چڑھ گئے اور ٹہنگی پر جا بیٹھے اور بندر کی طرح لگے اُچکنے۔ اُس ٹہنی پر سے اُچکے تو دوسری شاخ پر پھدک رہے اور ایسا ہلایا کہ درخت پر بید مجنون کا دھوکا دھونے لگا طرّہ یہ کہ لڑکوں کو بھی ہدایت کرتے جاتے ہیں کہ آؤ درخت پر آؤ املی کا درخت۔ ؎

شاخش کہ بلند رہ سر کشیدہ	سیلے برخ قمر کشیدہ

بلند ایسا کہ گویا آسمان سے باتیں کرتا تھا حضرت مزے سے بے تکلف بیٹھے ہوئے املی کھاتے ہیں اور جبیں لونڈوں پر تاک تاک کر پھینکتے جاتے ہیں۔ اور وہ غل مچاتے ہیں کہ ایک چیاں ہمکو ادھر اُدھر ہاتھ ہی ڈوٹیں جو اُدھر پھینکے خدا سمجھے کیا مزے سے غپڑ غپڑ کرتے کھاتے جاتے ہیں ادھر ایک چیاں بھی نہیں پھینکتے او بخیل۔ او کنجوس۔ او ممسک۔ او بندر۔ او مچھندر۔ ایک ادھر ایک ادھر کیا خوب گویا شہدے کسی اُبس سے مانگ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں کھٹ کھٹ کرتے درخت سے اُترے اتفاق سے کسرت کے تین چار ہاتھی مستول کی وحشت میں جھومتے ہوئے جا رہے تھے مگر سب چار سے اور سے لدے ہوئے۔ آپنے لونڈوں کو سکھایا کہ اب غل مچا کر کہو کہ ہاتھی ہاتھی گنا دے لونڈوں نے جو اتنی شہ پائی تو آسمان سر پر اُٹھا لیا ہاتھی ہاتھی گنا دے ہاتھی ہاتھی گنا دے۔ اتنے میں ایک ریچھ والا

نکلا۔ ریشائیل نے جھٹ ریچھ کی گردن دبائی اور پیٹھ پر ہو رہے ٹخ ٹخ ٹخ ٹخ۔ معقول! اچھا سوار ہی۔ ریچھ والا جل بھن چیا ہی کیا اُنھوں نے دو تین لڑکوں کو آگے پیچھے اغل بغل بٹھا ہی لیا مزے سے اکڑے تنے بیٹھے ہیں گویا اپنے وقت کے فغفور چین ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد لڑکوں کو زمین پر ٹپکا اور خود بدولت بھی دھم سے کود پڑے گویا اپنے حساب اونٹ پر سے اُترے تھے اور جھٹ لنگوٹ کس خم ٹھوک کر ریچھ سے کشتی پر آمادہ ہو گئے۔ تب تو ریچھ والا کفن پھاڑ کر چیخ اُٹھا۔ میاں کیوں جان کے دشمن ہوئے ہو چبا ہی ڈالے گا یہ تو ہوا کے گھوڑے پر سوار تھے۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ ہی تن گئے اور ایک آنٹی بتائی تو ریچھ چاروں شانے چیت وہ مارا لونڈوں نے وہ غل مچایا کہ ریچھ پورب اور ریچھ والا پچھم کی طرف بھاگا محلے بھر میں قہقہہ اُڑنے لگا۔ چند ہی منٹ گذرے تھے کہ ایک بھڈری کی شامت اعمال اُسکو کشاں کشاں اطرف لے آئی ساعت بچاریں۔ شگن بچاریں دھوتی باندھے پوتھی بغل میں دبائے اڈراج کا مالا پہنے آواز بلند ہانک لگاتا جاتا ہی۔ ریشائیل کے قریب آ نکلا تو اُنکو شکار ہاتھ آیا بھی ادھر آنا اُسکی باچھیں کھل گئیں کہ گھرے ہیں۔ پو بارہ ہیں۔ اچھی بوہنی ہوئی۔ ریشائیل نے ہاتھ دکھایا اور پوچھا کہ ہماری کتنی شادیاں ہونگی۔ اُس نے کنیا۔ برچھک۔ مکر۔ سنگھ کرکے بہت خوض اور فکر کے بعد کہا کہ پانچ۔ آپنے آؤ دیکھا نہ تاؤ اُسکی پگڑی اُچھال دی۔ ۶۔ لڑکوں کو شگوفہ ہاتھ آیا پہ کسی نے سر سہلایا کسی نے چپت جمایا۔ واہ اچھی بوہنی ہوئی۔ ریشائیل نے کہا واہ اچھی ساعت بچارتے ہو۔ اپنی ساعت بھی دیکھ لیتے ہو یا اوروں ہی کو راہ بتلاتے ہو۔ سچ کہنا آج ساعت دیکھ کر چلے تھے۔ یا یوں ہی۔ میاں ہم سچ بتائیں کہ ہم کیوں جھلا گئے وجہ یہ کہ ہماری بیاہتی بیوی کو تمنے کوسا۔ بس مزاج کا پارہ ایکسو بیس ڈگری پر ہو پہنچ گیا۔ اچھا خیر بتاؤ

ہمارے یہاں لڑکا کبتک ہوگا۔ بس بس آپ کسی اور سے پوچھئے بھر پایا اپنا کیا اپنے آگے آیا۔ یہ کہہ کر وہ اُٹھ کر چلنے ہی کو تھا کہ ریشائیل نے لڑکوں کو اشارہ کیا وہ تو اُنکو اپنا پیر دستگیر سمجھتے ہی تھے اُٹھ کھڑے ہوئے ایک نے پوتھی لی۔ دوسرے نے مالا چھپایا۔ تیسرے نے پگیا اُتار لی۔ دس پانچ چمٹ گئے۔ بیچارے کو ہزار دقت پیچھا چھڑا کر بھاگنا پڑا۔ اور قسم کھائی کہ اب اس محلہ کی طرف رُخ کروں تو چمار۔ اتنے میں ایک خوانچے والے نے آواز دی۔ گلابی ریوڑیاں کراری کھٹیاں۔ دال موٹ سلونے۔ مٹر تکونے۔ لونڈے اپنے اپنے دل میں خوش ہو گئے کہ ریشائیل کی بدولت خوب مٹھائیاں چکھیں گے اور خوانچہ لوٹ لیں گے۔ مگر انھوں نے منع کر دیا خبردار ہاتھ نہ بڑھانا جب خوانچہ والا پاس آیا تو انھوں نے ٹھہرایا اور کہا سب خوانچے کے کیا دام ہیں اُسنے کہا ڈھائی روپیہ ایں۔ ڈھائی روپیہ! ہمّی مول تول نہیں واجی کہو واجبی۔ اچھا تو دو روپیہ دیجئے۔ دو روپیہ جیب سے نکال کر اُسکے ہاتھ دھرے اور لڑکوں کو خوب چھک کر کھلایا۔ دس منٹ کے بعد آواز آئی کھیرے لو کھیرے۔ حضرت نے اُچک کر ٹوکرا اُلٹ دیا کھیرے زمین پر آرہے جیسے ہی لڑکوں نے چاہا کہ کھیرے بٹوریں کہ اُنھوں نے ڈانٹ بتائی کھیرے والے کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور لڑکوں سے کہا کہ کھیرے اُٹھا اُٹھا کر اسی گڑھیا میں پھینکتے جاؤ۔ اُنکے نزدیک یہ بھی ایک دل لگی تھی کھیرا اُٹھایا اور غڑاپ گڑھیا میں پچاس ساٹھ کھیرے آناً فاناً گڑھیا میں تھے جھٹپٹے وقت ایک چڑیمار کنپا جال لیے ہوئے آنکلا۔ ہاتھ میں تین چار جانور کچھ جھولے کے اندر سب پھڑپھڑا رہے ہیں کالا بھجنگا جنگل کا روز۔ ریشائیل نے پکارا۔ آؤ آؤ میاں ادھر آؤ۔ ایک بھجنگا لیکر اپنے اوپر سے صدقے کر کے چھوڑ دیا۔ چڑیمار نے کہا (ٹکا ہوا) دوسرا جانور دو ایک لڑکوں پر سے صدقے کرکے چھوڑ دیا تیسرا جانور ایک سینگی والی پر سے صدقہ کیا۔ اسی طرح دس پندرہ جانور صدقہ کرکے خاموش کھڑے ہوئے۔ گویا کچھ مطلب ہی نہ تھا۔ چڑیمار نے کہا۔ حضور دام۔ آپنے فرمایا تمھارا نام۔ تب تو وہ چکرایا کہ اچھے ملے۔ خوب جھانسا دیا۔ حضور دھیلی کے جنور تھے۔ ایں! دھیلی! کچھ گھانس تو نہیں کھا گیا کیسی دھیلی۔ کتا کس سے ہو ہوش کی دوا کر ہوش کی۔ بھنگ پی گیا ہو یا شراب کا نشہ ہو۔ یا بیدھا ہو۔ اور سنیے۔ ارے کھداوند۔ جنور سب سدکے کر دئے اب آنکھیں نکالت ہو لڑکوں نے جال کنپا سب ٹہلا دیا۔ تھوڑی دیر رو یا پیٹا۔ آخر کار صبر کرکے چل دیا۔

اس کارروائی کے بعد ریشائیل نے لڑکوں کو چھوڑا اور اس محلے سے منھ موڑ کر لمبے ہونے ہی کو تھے کہ میاں آزاد اُنکے قریب آئے یا حضرت آپ آدمی کیا معجون وحشت ہیں۔ میں عرصۂ دراز سے آپ کی انوکھی حرکتیں دیکھ رہا تھا کبھی کھیرے گڑھیا میں پھینکے کبھی املی پر اُچک رہے۔ کبھی چڑیمار جنگ کا قافیہ تنگ کیا۔ کبھی بھڈری کو آڑے ہاتھوں لیا۔ حضرت واسطے خدا کے فصد کھلوائیے چندیا کے بال پر تیغ کروا لیجئے ورنہ آپ بہت جلد پاگل ہو جائیں گے۔

ریشائیل۔ اس تر زبانی اور خوش بیانی کے قربان۔ بندہ سڑی سودائی۔ خبطی۔ مستان۔ آئیے وہاں سے بڑے وہ بنکے سنیے قبلہ ع۔ نکتہ ہاست بسے محرم اسرار کجا۔ نہ سمجھنے کے لیے بڑی عقل چاہیئے گڑھیا پر بستر جما کے ڈھیلے پھینکنے اور پیڑ پر اُچک کر املی کھانے اور ہاتھی سے گنے مانگنے کا سبب یہ کہ لڑکے کبھی ہماری دیکھا دیکھی اُچک پھاند دوڑ دھوپ میں مشاق ہو جائیں۔ یہ نہیں کہ مرلی شو یا گاؤدیل کی طرح جہاں بیٹھے وہیں جم گئے لڑکوں کو کم سے کم دو گھنٹے روز دوڑ دھوپ کی مشق کرنی چاہیئے ورنہ آئے دن بیماری ستائے گی اور صحت و تندرستی گھٹتی جائے گی۔ ریچھ والے کے ریچھ پر اُچک بیٹھنے اور ریچھ کے بھگا دینے

اور چڑیمار کے جانوروں سے مفت بے کوڑی بے دام صدقہ کردینے کا سبب خاص یہ ہو کہ جب ہم جانوروں کو ایذا یا تکلیف کی حالت میں دیکھتے ہیں تو کلیجے پر سانپ لوٹنے لگتا ہو اور ان چڑیماروں کا تو بندہ جانی دشمن ہو واللہ پاؤں تو کالے پانی بھجواؤں جہاں دیکھا کہ دو چار سفید پوش کھڑے ہیں سگے جانوروں کو ذوڑے دبانے تاکہ وہ بے زبان ایذا کے سبب سے محشر بپا کریں اور لوگ اُن کی حالت دیکھ کر کچھ دے نکلیں۔ آنکی ہنڈیا چڑھ جلئے۔ مردہ دوزخ میں جائے یا بہشت میں۔ سہ

تو اے کبوتر بام حرم چہ میدانی | طپیدن دل مرغان رشتہ بر پا را

اُنکے درد دل کا حال کوئی کیا جانے۔ کھیرے اس لیے گڑھیا میں پھنکوا دئے کہ آجکل ہوا خراب ہے۔ کھیرے کھانے سے مرتا تھو تو انسان مرجائے گر ان کنجڑوں کبڑیوں کو ان امور سے کیا واسطہ اُنکو اپنی بکری سے مطلب ہم تو بنی نوع انسان کے ہمدرد ہیں ایک کبڑیے کا نقصان ہو ہزار سے پچاسوں بندگان خدا کی تو جان بچے گی دیکھ لو خوانچے والے کو ہم نے اپنے پاس سے دو روپیہ کھنا کھن گن دئے میاں ہم خدا ترس ہیں۔ مردم آزار نہیں۔

نشہ بُری چیز ہے

ایک دن میاں آزاد حسب معمول کوٹ پتلون پہنے ٹرکی ٹوپی زیب سر کئے چھڑی کے ساتھ کسی طرف جاتے تھے اور سامنے سے ایک صاحب آتے تھے۔ جب دونوں قریب پہونچے تو اُسنے پوچھا حضرت آپ افیون تو نہیں کھاتے۔ خدا کی مار افیون پر شیطان کی پھٹکار۔ کسی ملعون نے آجتک ہاتھ سے بھی چھوئی ہو۔ اس سیہ کاری سے بندہ ابتک تو بچا رہا آیندہ خدا مالک ہو واللہ افیونکی تو نام سے نفرت ہو اینجانب کو۔ افیونی کی صورت دیکھوں تو لاحول پڑھوں اور جو کہیں افیون پر ہاتھ پڑ جائے تو آب گوہر سے ہاتھ دھوؤں اُسوقت

اس کالی بلا کا نام زبان پر آیا بس جی چاہتا ہو کہ پونے دو سو کُلّیوں سے زبان پاک کروں۔ یہ کہکر میاں آزاد ندی کے کنارے جا بیٹھے وہاں سے پلٹ کر جو آئے ہیں تو کچھ اور ہی گل کھلا ہوا دیکھتے کیا ہیں کہ وہ ذات شریف پڑے آنکھیں مانگ رہے ہیں اور کراہتے ہیں۔ صورت پر مردنی چھائی ہو۔ لب خشک چشم تر۔ سر کی فکر نہ پاؤں کی خبر تب تو میاں آزاد چکرائے کہ یا الٰہی کیا اسرار ہو۔ پوچھا کیوں بھائی خیر تو ہو ابھی تو خاصے بھلے چنگے تھے۔ یہ اتنی جلد کا یا پلٹ کیسی ہو گئی۔ کچھ مُنھ سے بولو سر سے کھیلو۔ ع۔ دریا ہو کہ درد لا دوا ہو؛ اُسنے کانکھ کانکھ کر آہستہ سے کہا کہ یار دیں قمر شا بھائی کہیں سے پانچ چھ ٹکے کی افیون لے آؤ۔ بیوں تو آنکھیں کھل جائیں۔ جان میں جان آئے بندہ چھٹپنے سے افیون کا عادی ہو۔ وقت پر نہ ملے تو نزع کی حالت پہونچے اس یہ کیفیت ہو۔ حضرت آپکا کہیں ٹھکانا ہی نہیں کچھ انتہا بھی ہے چھ ٹکے کی افیون ایک ہی دفعہ نوش جان۔ آدمی ہو یا بلا نوش بچہ ایک دن ٹیں سے مر جائیں گے۔ جی بجا ہو اور آپ تو شاید آب حیات پی کر آئے ہیں عاقبت کے بورئیے آپ ہی بٹورئیے گا واہ میاں واہ ہو تیکھے آدمی جیتوں سکھے دیتی ہو کہ بڑے غم و دم کے آدمی ہو رسی جلی مگر رسی کا بل نہ گیا واہ آکا کیوں نہ سسک رہے ہو مگر جواب ترکی بترکی نہ دو تو دوزخ ہی نصیب ہو۔ حضرت افیون لاتی ہو لائیے ورنہ یہاں بک بک کا دماغ نہیں۔ سہ

دوزخ تو مجھے قبول ہو یا منکر و نکیر | لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا

جی تو اس بھروسے بھی نہ رہئے گا کہ ہم اور افیون لائیں۔ ہم تو اس فکر میں بیٹھے ہیں کہ آپ مریں تو نوحہ موزوں کریں۔ ع۔ مرگیا کشتۂ تیغ افیوں؛ یہ پہلا مصرع ہو گا۔ ایک بات مانو تو ابھی لپک جاؤں اور افیم لاؤں۔ ذرا لکڑی کے سہارے سے اس ہرے بھرے پیڑ تک چلو۔ وہاں ہری ہری گھانس پر لوٹ مار ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاؤ

واہ اچھی صلاح لے میاں یہاں جان دو بھر ہی چلنا پھرنا اُٹھنا بیٹھنا کیسا۔ بھائی کہا مانو میرے سہارے سے چلو۔ الغرض میاں آزاد نے اُس افیونی کو پیٹھ پر لادا اور لے چلے۔ اُنکی یہ قطع کہ آنکھیں بند منہ کھلا ہوا معلوم ہی نہیں کہ جاتے کہاں ہیں۔ ایکدفعہ میاں آزاد نے انکو ندی میں لیجا کر غوطہ دیا۔ بس قیامت بپا ہوگئی ستم ڈھایا آفت کا سامنا بلا کا سامنا مصیبت کا سامنا تھا افیونی آدمی پانی کی صورت سے نفرت۔ لگے چلانے۔ بڑا غیا دے گیا۔ مار ڈالا پیڑا کر دیا عمر بھر میں آج ہی ندی میں قدم رکھا۔ خدا سمجھے تجھ سے۔ سن سے جان نکل گئی۔ ہو ہو ہو ہو ٹھٹھر گیا او خدا ناترس اب تو رحم کر اتنے میں میاں آزاد نے ایک اور غوطہ دیا۔ تیسرا غوطہ دیا۔ چوتھا غوطہ دیا تابڑ توڑ کئی غوطے دئے اب اُنکی کیفیت نہ پوچھئے۔ بس ناگفتہ بہ کروروں گالیاں دیں۔ لاکھوں صلواتیں سُنائیں۔ میاں آزاد نے اُن کو ریتی میں چھوڑ دیا اور لمبے ہوئے۔ اور سو افیون سنئے صاحب ہم نے جو ایک دوستانہ صلاح دی تو کہنے لگے تم عاقبت کے بورئے شور وگے لوچڑا لگخیر دا اور بڑھ بڑھ کر باتیں بناؤ۔ بات تیرے کی۔ میاں آزاد وہاں سے چلے تو راہ میں ایک اور حضرت ملے۔ آداب عرض ہو۔ تسلیم آپ سے کچھ عرض کرنا ہو۔ فرمائیے۔ بندہ چانڈو باز ہو۔ اسوقت شہر بھر میں چانڈو کی دوکان ہی نہیں۔ سب چانڈو والے میلے گئے ہیں وہاں جاؤں تو شام ہو جائے اور پھر جایا کس سے جائے گا۔ ہم تو نیم جان ہیں۔ آپ کچھ سبیل کر دیں تو بڑا ہی احسان ہو میاں آزاد نے کہا میں بتاؤں۔ سامنے ناک کی سیدھ پر چلے جائیے وہ ہرا بھرا پیڑ نظر آتا ہو ندی کے کنارے۔ وہاں ایک صاحب بیٹھے ہوئے چانڈو اڑا رہے ہیں آپ بھی شریک ہو جائیں۔ اہاہاہا۔ اہو ہو ہو کہہ کر اُچکتے ہوئے چلے کہ بھئی دو چار چھینٹے تو اُڑائیں اور ذرہ اگر پائیں میاں آزاد ایک پچاس قدم گئے ہونگے کہ ایک اور ذات شریف سے دوچار ہوئے

کیوں بھئی گھبرو کبھی جام بھی دیکھا ہو سکیا! جام۔ جام کیسا۔ جام جہاں نما کانوں سُنا ہو دیکھا نہیں۔ سنتے میاں ہم تو اس جام کو پوچھتے ہیں جو کونین نما ہو۔ کونین! کیا بخار کا عارضہ ہو واہ بھئی اُلٹی کے سمجھنے والے۔ کونین دوا نہیں۔ کون کی جمع۔ نہ صاحب ہم نے ایسا جام دیکھا نہ سُنا۔ میاں اب صاف صاف کہدیں کبھی شراب بھی پی ہو۔ استغفراللہ۔ استغفراللہ۔ ؎

کیا ذکر شراب یار توبہ خادر
دوزخ میں جلیں گے مے کے پینے والے

ہوا ایسا نہ شرمسار توبہ خادر
توبہ خادر ہزار توبہ خا در

اجی تم تو نکما مرے ہی نکلے میاں۔ ع۔ نام خدا ہو جوان کچھ تو کیا چاہئے۔ کیا کہیں بوتل میں اسوقت ایک بوند تک نہیں ورنہ آپکو ضرور مزہ چکھاتے۔ اسوقت طبیعت بے لطف ہو۔ بندہ ہر روز دو وقتہ شراب پینے کا عادی ہو۔ آج جان عذاب میں ہو۔ میاں آزاد نے کہا ہم بتائیں وہ دیکھو سامنے املی کا پیڑ ہو چلے جاؤ وہاں دو چار آدمی بیٹھے راسی اُڑاتے اور چسکی لگاتے ہیں۔ جاؤ غٹا غٹ شراب اُڑاؤ میاں شرابی تو کھل گئے۔ لے خانہ احسان آباد واہ اُستاد۔ کیا بات بتائی۔ اسوقت جان بچائی۔ چلو تم بھی ایک چلو میں اُلّو ہو۔ میاں آزاد نے کہا معاذ اللہ میں اور شراب آجتک کبھی پی نہ ہیونگا۔ یہ کہتے ہی تھے کہ ہلیا کلوان اودی اودی بھریا پھڑکائے اُدھر سے گذری صورت دیکھتے ہی میاں آزاد سیدھے تو کدم بھاگے پیچھے پھر کے دیکھنا قسم تھا گر مل ہی دلیں سوچتے جاتے ہیں کہ نشہ بھی کیا بری چیز ہے کہ ذرا وقت پر نہ ملا اور دم ٹوٹنے لگا۔

میاں مسافر۔ میاں مسافر سچ کہنا
میں نشہ میں تو نہیں ہوں

ابتک تو میاں آزاد دن بھر چکر لگا کر رات کو دو گھڑی سے سوتے تھے

اب گرمی کی فصل جو آئی تو رات کو بھی لگیں چک پھیریاں ہونے ایک نہ شد دو شد۔ ایک شب کو ایک پرانے دھرانے برگد کے پیڑ کے تلے جس کی ٹہنیاں آسمان پر ٹکٹکی لگاتی تھیں اور جس کی زمین دوز جڑائیں پاتال کی خبر لاتی تھیں پہونچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک ذات شریف نشہ میں چور سیہ مست و مخمور۔ ایک ذرا سی دبلی پتلی ٹٹوی پر سوار ٹخ ٹخ کرتے جا رہے ہیں میاں آزاد نے پوچھا اس ٹٹو پر کون لدا ہے۔ اوچھا جی کون لدا ہے۔ اچھا لدا ہے۔ ایسا نہو کہیں میں اتر کر انجر پنجر ڈھیلے کر دوں۔ یوں نہیں پوچھتا کہ اس راہوار صبا رفتار پر آسن جمائے باگ اٹھائے کون شہسوار جاتا ہے آنکھوں کے آگے ناک سوجھے کیا خاک ٹٹو ایسے ہی ہوا کرتے ہیں بولو۔ میاں آزاد نے کہا حضرت قصور ہوا معاف فرمائیے واقع میں یہ تو دور کا پورا گھوڑا دیلا کی نسل سے ہے خدا جھوٹ نہ بلائے۔ جمنا پار کی بکری اس سے ذرا یوں ہی سی نکلتی ہوگی مگر مرغ مٹی سے کہیں بڑا ہے۔ ہاں اب راہ راست پر آئے اور سماں۔ ابتو۔ ؎

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان	طوق زریں ہمہ در گردن خر می بینم

اب عربی ترکی کاٹھیاوار دیکھنے ہی میں نہیں آتے اور قبلہ اس گھوڑے کی کچھ نہ پوچھیے۔ دو باگے ہیں۔ تباگے ہیں واللہ یہ بچھیرا ملا تو ماں کے پیٹ سے پھدکتا اُچکتا نکلا تھا۔ بجا ہے وہ تو اسکی آنکھیں ہی کہے دیتی ہیں آپ کیوں تعریف کی تکلیف گوارا کرتے ہیں۔ واللہ گھوڑا کیا اُڑن کھٹولا ہے الوپ انجن ہے کہ دیکھا اور نظر سے غائب۔ اسکی قیمت بھی۔ آپ کو معلوم ہے۔ نا صاحب بھلا میں کیا جانوں۔ آپ تو خیر گدھے پر سوار بھی ہیں۔ یہاں ٹانگوں کی سواری روز ازل سے ہمارے نامۂ اعمال میں لکھی ہے مگر آپکے گھوڑے کو رقعات عالمگیری ازبر ہے۔ اسکے کیا معنی۔ جی کچھ نہیں ایک شعر مجھے اس کے حسب حال یاد آیا۔ ؎

آہستہ خرام بلکہ مخرام	زیر قدمت ہزار جان ست

ہاں اسی بات پر کڑا کر دوں۔ یہ کہکر ایڑ لگائی مگر ٹٹو نے جنبش تک نہ کی اب ایڑ بھاڑ لگاتے ہیں۔ مگر وہ نقش قدم کی طرح جم گیا ابتو خدا ہی ہٹائے تو ہٹے ورنہ ڈٹے سو ڈٹے۔ میاں آزاد نے کہا بس زیادہ شیخی میں نہ آئیے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھائیے خیر ادھر ٹٹو اُدھر میاں آزاد پو قدمے جانے لگے۔ جب نفخے کے طلوع کا وقت ہوا تو پاؤں ڈگمگانے لگے۔ باگ اب جھٹی اور اب جھٹی۔ دس قدم چلے اور باگ روک لی میاں مسافر میاں مسافر جی بیر و مرشد۔ ارشاد۔ سچ کہنا میں نشے میں تو نہیں ہوں ناصاحب نشہ کیسا۔ پھر گھوڑا یا خیز کی اور ایک بیس قدم پر ٹھٹک رہے میاں مسافر میاں مسافر۔ حاضر ہوں۔ حکم۔ تمھیں ایمان کی قسم سچ کہنا میں نشے میں تو نہیں ہوں۔ اجی حضرت کیسا نشہ آپ ہوش کی باتیں کر رہے ہیں۔ پھر گھوڑا کو ایڑ لگائی سات ہی آٹھ قدم گئے ہونگے کہ پھر ہانک لگائی۔ ارے میاں مسافر۔ حضرت ارے میاں کیا سو گئے۔ جی ہمراہ رکاب ہوں۔ بھئی سچ نہ کہے تو ہمارا ہی خون پئے۔ تمھیں واللہ نشے کے کچھ بھی آثار ہمارے چہرے سے پائے جاتے ہیں۔ ہوش و حواس درست ہیں نا۔ ہاں ہاں صاحب درست ہیں۔ عرض تو کر چکا کہ آپ ہوش میں ہیں ایمان سے کہتے ہو۔ توبہ آپ بھی عجیب شخص ہیں ایمان سے نہیں تو کیا بے ایمانی سے کہتا ہوں۔ پھر چند قدم گئے اور گھوڑا کو روک کر کفن پھاڑ کر چیخ اُٹھے۔ میاں مسافر میاں مسافر۔ میاں مسافر سچ کہنا ذرا بھی ہوائی بات تو زبان پر نہیں آئی ہے۔ کیوں ہے نہ یہی بات۔ بیشک جو بات

کبھی پتے کی اور بوکھلاہٹ تو آپ کے قریب نہیں پھٹکنے پاتی فوراً میرے شیر نے ٹٹو کی باگ پھیری اور لگے اُلٹے چلنے۔ ہائیں ہائیں ائے حضرت کیا یہ اُلٹی گنگا بہائی۔ ارے میاں یوں چلو یوں۔ پچھاڑوں سہی یا یوں سہی لیکن سچ کہنا کوئی بات نشے کی پائی جاتی ہے۔ میاں آزاد نے اپنے کان اینٹھے اور کہا بندہ نواز وہم کی دوا تو لقمان کے پاس نہ تھی۔ ایکدفعہ بیس دفعہ پچاس دفعہ سمجھا دیا کہ آپ ہوش کی پُڑیا ہیں۔ پھر آپ بار بار کیوں پوچھتے جاتے ہیں۔ خیر خدا خدا کر کے جانور کو پھیرا اگر نشہ نے اثر نہ کر دیا۔ مسافر۔ مسافر۔ مسافر۔ مسافر دیکھئے کیا قدم ہے نہ کہو گے۔ سچ کہنا۔ جھوٹ بولنا اور سور کھانا اپنے حساب برابر ہے ذرا بھی نشہ کی کوئی بات پائی گئی۔ کیا مجال بالکل ہوش کی باتیں ہیں۔ حضرت۔ خصوصاً اسوقت جو آپ نے گھوڑے کو پھیر دیا تھا یہ عین ہوش و حواس کی نشانی ہے اور یہ بار بار ایک ہی بات کو دہرانا صاحب ہوش کی باتیں ہیں۔ جیو شیر۔ ایک کجی اور چڑھا لو تو تم ہی ہو جاؤ۔ ایکدفعہ ہی آواز آئی۔ مسافر۔ مسافر او میاں مسافر۔ بدحواسی کی بات تو میں نے نہیں کی۔ تمہیں قسم ہے اپنے دین و ایمان کی۔ میاں آزاد نے پھر اپنے کان اُینٹھے بدحواسی تو چھو نہیں گئی۔ معاذ اللہ جو کہیں آپ بیہوش ہوتے تو ممکن تھا کہ گھوڑیا کا رُخ پھیر دیتے۔ ایک یہی ہوش کی بات ہے کہ کوئی اٹھارہ کروڑ مرتبہ مجھ سے آپ پوچھ چکے کہ میں ہوش میں ہوں نہ۔ پھر میاں شہسوار نے چیخنا شروع کیا کہو بھئی مسافر دیکھنا ہم بھی کس خم و دم کے جوان ہیں۔ چشم بد دور دم غنیمت ہے۔ اور یہ دیکھو ذرا نشے کی بو تک نہیں آتی۔ بجا ہو مشفق میں خوب واقف ہوں نشہ ہوتا تو ایسے ٹھکانے کی باتیں نہ سوجھتیں جب میاں آزاد نے دیکھا کہ اب یہ غیں ہوئے اور گھوڑیا پر سے لڑھکا ہی چاہتے ہیں اب خیر نظر نہیں آتی ہے جھٹ گھوڑیا کو ایک کھیت میں ہانک دیا اور غل مچایا کہ او کسان او کسان دیکھ یہ تیرا کھیت چرائے لیتا ہے کسان کے کان میں جو یہ بھنک پڑی تو لٹھ کاندھے پر رکھ لاکھوں صلواتیں سناتا ہوا جھپٹا آج بچا بنا کے چھوڑوں گا۔ روز سوری چرا لے جاتے تھے آج ہی تو ہتھے چڑھے ہو بچہ جی۔ اب کہئے کیا درگت بناؤں قریب گیا تو دیکھتا ہے کہ ٹٹو ہی ہے اور ایک آدمی اسپر لدا ہے۔ ایں! ایں گل دیگر شگفت اخاہ آپ ہیں چلیے گھر لے چلوں رات کو گھر ہی پر سویئے کسان گو کسان ہی تھا گنوار۔ مگر تیز طبع یہ بھانسا دیکر کہ تم کو گھر لے چلوں گا سیدھا کانجی ہوس پہونچا۔ پیچھے پیچھے ٹٹو ہی ایک دفعہ حضرت جو چونکے تو ہانک لگائی میاں مسافر میاں مسافر بھئی سچ کہدو ذرا نشہ کی جھانک تک نہیں ہے۔ او چھاجی یہ اپنے حساب ابھی راہ میں میاں آزاد ہی کے ساتھ چلے جاتے ہیں۔ اس وحشت کو ملاحظہ فرمایئے۔ الغرض ٹٹو ہی اور سوار دونوں کو کانجی ہوس میں ڈھکیلا اور چمپت ہوئے ادھر میاں آزاد نے راہ لی۔ یہ بیچارے رات بھر کانجی ہوس میں رہے صبح کو دس آنے دیکر پیچھا چھوٹا۔ خدا اس شراب خانہ خراب کو غارت کرے۔ آمین آمین۔

اپنے حلوے مانڈے سے کام

میاں آزاد کے تو پاؤں میں آندھی روگ تھا۔ ادھر ادھر چکر لگائے راستہ ناپا اور پڑ کر سو رہے ایک دن حسب معمول تلوے کھجلائے تو چلے سرا کی طرف وہ تو کہئے خیر گزری کہ جوش جنون نے جنگل نہ دکھایا۔ دونوں وقت ملتے سرا میں پہونچے بڑی چہل پہل ہے۔ ایک طرف روٹیاں پک رہی ہیں

دوسری طرف دال بگھاری جاتی ہے بھٹیاریاں مسافروں کو گھیر گھار کر لا رہی ہیں صاف ستھری کوٹھریاں دکھا رہی ہیں۔ حضرت ادھر اُدھر خوب گھومے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک کوٹھری کے پاس ایک صاحب لحیم و شحیم فربہ و جسیم جیسے ہی چارپائی پر بیٹھنے لگے پٹی ٹوٹ گئی اور حضرت غڑاپ سے جھلنگے میں ہو رہے ہائے موٹاپا بھئی کیا بری چیز ہے۔ اب سنئے کہ کسمساتے ہیں مگر اُٹھا نہیں جاتا آخر کار دایاں ہاتھ بھٹیاروں نے لیا۔ بائیں طرف میاں آزاد نے ہاتھ دیا اور بعد خرابی بصرہ حضرت کو نکالا جھلنگے سے باہر آئے تو نہایت ہی خفیف پہلے تو بی بھٹیاری سے خوب گلخپ ہوئی۔ واہ اچھی چارپائی دی اور جو میرا ہاتھ پاؤں ٹوٹ جاتا سر پھوٹ جاتا تو کیسی ہوتی۔ اے واہ میاں! الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے ایک تو چپر کھٹ کر چکنا چور کر ڈالا۔ پٹی کے بہتر ٹکڑے ہو گئے دیں گے ٹکا۔ اور جو گنڈے پہ پانی پھیر دیا دوسرے ہمیں کو للکارتے ہیں۔ الغرض لوگوں نے سمجھا بجھا کر جھگڑا پاک کیا تو حضرت ٹہل ٹہل کر یہ شعر پڑھنے لگے۔ ؎

روا ہے دل حزیں نہ تڑپے ہجر یار میں ॥ بیمار کو مضر ہے تڑپنا بخار میں

میاں آزاد نے پوچھا! حضرت کہاں سے تشریف لانے کا اتفاق ہوا۔ فرمایا یہیں تک آیا ہوں معقول سوال دیگر جواب دیگر۔ قبلہ آپ آئے کہاں سے ہیں۔ جی وطن سے آتا ہوں۔ آخر وطن کا کچھ نام بھی ہے۔ یا گمنام ہے جی گوپامؤ میں مکان ہے اخاہ آئیے آئیے۔ واللہ خوب ملے۔ تو یہ کہئے حضور کا دولت خانہ گوپامؤ میں ہے خوش آمدی۔ یہاں کس غرض سے آنا ہوا۔ حضور جی بندہ حکیم ہے۔ یہ کہئے تو آپ طبیب ہیں کیا! طبیب طبیب آپ خود ہوں گے ہم حکیم ہیں۔ طبیب کہیں اور رہتے ہوں گے خیر صاحب وہ طبیب نہیں آپ حکیم بلکہ سلطان الحکما سہی خفا کیوں ہوتے ہو صاحب۔ کیا یہاں مطب کرنے کا قصد ہے اور نہیں تو کیا بھاڑ جھونکنے آیا ہوں! اسٹیمر پاؤں پر سوار تھا بھلا یہ فرمائیے کیسا مقام ہے لوگ کس قماش کے ہیں آب و ہوا کیسی ہے۔ حضرت یہ نہ پوچھئے۔ باشندے شستہ و رفتہ چاق و چوبند آٹھوں گانٹھ کمیت۔ اور آب و ہوا کا تو خیال ہی نہ کیجئے برسوں رہیے اگر کسی دن سوء ہضم کی شکایت ہو تو جرمانہ دوں پاؤ بھر کی غذا ہو تو تین پاؤ کھائیے۔ ڈکار تک لیجئے تو مجھے سزا دیجئے یہ سن کر حکیم صاحب نے منہ بنایا اور گو لاکھ ضبط کیا مگر بے اختیار بول اُٹھے لاحول ولا قوۃ۔ بڑے برے پھنسے! ایں بڑے پھنسے! یہ کیوں کیوں۔ اجی آب و ہوا مرغوب ہے۔ بیماری کا نام نہیں یہ تو اچھا مقام ہے لاحول چہ معنی دارد! حضرت آپ بڑے کوڑھ مغز ہیں۔ ایک تو آپ نے یہ گولا مارا کہ آب و ہوا اچھی ہے اتنا نہیں سمجھتے کہ اگر آب و ہوا اچھی ہے تو ہم سے کیا واسطہ۔ ہمیں کون پوچھے گا بس ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیکار بیٹھے مکھیاں مارا کریں گے۔ ہم تو ایسے شہر جانا چاہتے ہیں جہاں ہمیشہ گھر گھر ہو۔ بخار پیچھا نہ چھوڑتا ہو۔ ڈنگر روز ٹیٹوا دبوچے۔ قبض و ہیضہ کی سب کو شکایت ہو آب و ہوا میں سم کی خاصیت ہو۔ چیچک کا وہ زور ہو کہ الامان جب البتہ ہماری ہنڈیا چڑھے۔ آپ نے تو واللہ آتے ہی گولا مارا سنتے ہی پر توڑ دیا اور ماشاء اللہ کس ہمدردی سے آپ فرماتے ہیں کہ سوء ہضم کی شکایت نہ ہوگی۔ واہ سوء ہضم کی شکایت اُن کو ہوتی ہوگی جو ضعف معدہ کے عارضہ میں مبتلا ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ پاؤ بھر کے عوض میں تین پاؤ غذا کھانے لگوں۔ واہ وا واہ۔ بیڑا ہی کر دیا۔ آمدنی ٹکا نہیں اور کھاؤں جوگنا تو فرمائیے مرے یا جیے صاحب بندہ سویرے ہی بوریا بدھنا اُٹھا کر چمپت ہوگا۔ ایسے منحوس شہر میں میری بلا رہے

جہاں سب ہنستے گئے کبھی نظر آتے ہیں جیسے دیکھو ڈنڈ پیل سنڈا بنا ہوا بھلا کوئی خاص عارضہ بھی یہاں ہے یا عارضہ کا اس طرف گذر ہی نہیں ہوا حضرت یہاں کے پانی میں یہ تاثیر ہے کہ برسوں کا مریض آئے اور ایک قطرہ پی لیا چاہیے بس خاصہ ہٹا کٹا لا حول ! پانی کیا آب حیات ہے۔ تو سہی جو پانی میں ہیں زہر نہ ملا دیا ہو لے تو قبلہ ہزاروں کنویں سیکڑوں اندارے پچاسوں باؤلیاں کس کس میں زہر ملاتے پھریے گا۔ خیر بھی سمجھا جائے گا گر بُرے پھنسے واللہ بہت بُرے پھنسے۔ اس وقت ہوش ٹھکانے نہیں ہے ہترانی۔ ہترانی۔ بی ہترانی ذری ہم کو پنساری کی دکان سے تولہ بھر سکنجبین تو لا دینا اس وقت جی قابو میں نہیں ہے۔ اے میاں پنساری یہاں کہاں۔ کسی فقیر کی دعا ایسی ہے کہ یہاں حکیم اور پنساری پنپنے ہی نہیں پاتا۔ کئی حکیم آئے مگر گور میں ہیں کئی پنساریوں نے دکان جمائی مگر چتا پر پھونک دئے گئے یہاں تو بیماری نے آنے کی قسم کھائی ہے۔ ارے توبہ! ارے توبہ بھئی واللہ کیا نکما شہر ہے خداوندا بچائیو! اس طرف رُخ جو آج سے کرے اُس پر لعنت لے یار، خدا کے لیے ہیں ٹٹو کرایہ کر دو تو رفوچکر ہو جائیں آج ہی ہزار نعمت کھائی ایسے شہر کی ایسی تیسی۔ غضب خدا کا یہاں پنساری کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے۔

میاں آزاد نے ان کو چھوڑا تو سرا سے دوسرے گوشہ میں ہوتے ہوئے گیا دیکھتے ہیں کہ ایک بزرگوار گوشہ محل میں بستر جمائے زرق برق کپڑے پہنے بیٹھے ہیں۔ یہ بے تکلف آدمی۔ السلام علیکم۔ کہکر گوشہ محل میں داخل ہو گئے۔ وہ بھی بڑے تپاک سے پیش آئے ہاتھ ملایا بغلگیر ہوئے تعظیم کی۔ لطف و اخلاق سے بٹھایا۔ مزاج اقدس الحمد للہ۔ جناب کا مزاج عالی۔ شکر ہے۔ میں تو ایک مسافر غریب الوطن ہوں۔ آپ نے بڑی بندہ نوازی فرمائی۔ اور ممنون احسان کیا۔

ز قدر شوکت سلطان نگشت چیزے کم	ز التفات بہ مہمان سرائے دہقانے
کلاہ گوشہ دہقاں بآفتاب رسید	کہ سایہ بر سرش انداخت چنیں سلطانے

میاں آزاد سمجھ گئے کہ یہ کوئی بڑے لسان آدمی ہیں۔ پوچھا آپ یہاں کس تقریب سے تشریف لائے ہیں۔ فرمایا عرض کردوں پیر و مرشد میں وکیل ہوں۔ قصد ہے کہ یہاں وکالت کروں کیسے یہاں عدالت کی کیا کیفیت ہے۔ میاں آزاد نے فرمایا یہ نہ پوچھیے یہاں کے باشندے بھیگی بلی ہیں۔ لڑنا بھڑنا جانتے ہی نہیں۔ سال بھر میں دو چار مقدمے شاید ہوتے ہوں چوری چکاری یہاں کبھی سننے ہی میں نہیں آتی۔ زمین آراضی لگان پٹی داری حقیت کے مقدمے کبھی سنے ہی نہیں قرض کوئی لے نہ دے۔ وکیل صاحب کا رنگ زرد ہو گیا۔ مگر حکیم جی کی طرح مخبوط تو تھے ہی نہیں کہ بلبلا اُٹھتے نہایت متانت سے فرمایا کہ سبحان اللہ بڑے مسکین آدمی یہاں بستے ہیں مگر دل میں افسوس ہوا اس ٹیم ٹام دھوم دھام سے آئے اور یہاں وہی ڈھاک کے تین پات انکو بھی چھوڑا اور یہاں سے اور طرف چلے۔ دیکھا کہ چارپائی بچھائے شہتوت کے پیڑ کے تلے ایک صاحب بیٹھے حقہ اُڑا رہے ہیں پوچھا آپکا اسم شریف۔ فرمایا گمنام۔ پوچھا مسکن فرمایا۔ ع۔

درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست

پوچھا پیشہ فرمایا خون جگر کھانا۔ آہاہ آپ شاعر ہیں۔ یہ کہکر میاں آزاد چارپائی کے ایک کونے پر بیٹھ گئے لے حضرت حقہ تو بندے کے حوالے کیجیے اور آپ اپنا کلام سنائیے۔ بسم اللہ شاعر موصوف نے بہت کچھ چنیں و چناں کے بعد پڑھا کلام

اپنا کہہ کر یوں سنایا۔ ؎

گفتمش اے مہر خوب از من روئے تابیدن چہ سود
گفت گستاخانہ سوئے من آن دیدن چہ سود
گفتمش رویت گل ست و گل برائے دیدن ست
گفت بر دیدن دگان عاشقی چیدن چہ سود
گفتمش عشق گل رویت مگر باشد گناہ
گفت ایں رمزیست پنہاں فاش نالیدن چہ سود
گفتمش نالیدہ ام کز جور تو رنجیدہ ام
گفت چوں عاشق شدی بر جور رنجیدن چہ سود
گفتمش بر جور نافہمیدہ گشتم مبتلا
گفت ایں رسم قدیم است فہمیدن چہ سود
گفتمش فہمیدہ نافہمیدہ گشتم مبتلا
گفت بس اے عقل مغز باخراشیدن چہ سود

سبحان اللہ حضرت آپ تو شاعر غرا ہیں۔ عرض کردن حضرت شاعر غرا ہونا تو محال ہے مگر آپ قدردان آدمی ہیں۔ ورنہ شاعر غرا تو عرب میں متنبی اور امراء القیس۔ فارس میں سعدی و خاقانی و فردوسی و انوری۔ ہند میں کالیداس اور کبراج اور اردو میں انیس و دبیر آتش و میر گذر رہے ہیں باقی خیر صلاح۔ اچھا حضرت کچھ اردو کلام تو سنائیے۔ بہت خوب۔ ؎

داغ مرے جلتے ہیں جبکے ہیں
یہ شگوفہ وہ نیا لاتے ہیں

سبحان اللہ داغ کے لیے شگوفہ کیا خوب۔ (تسلیم)

یار تک بار کہاں چلتے ہیں
راستہ ناپ کے رہ جاتے ہیں

کیا بول چال ہے کیا روزمرہ ہے (آداب)

پھر جو انگشت نہ دکھلائے کہیں
آج تلوے مرے کھجلاتے ہیں

لو ہو ہو۔ کیا زبان ہے۔ سبحان اللہ حضرت (کورنش)

ٹال جاتے ہیں جو بوسہ مانگا
بات مطلب کی چبا جاتے ہیں

بارک اللہ خدا کی قسم زبان چوم لے۔ بوسے کیلیے چبانا بھی کیا خوب ہے ؎

پھول کا جام پلا دو ساقی
کانٹے تالو میں پڑے جاتے ہیں

اہا ہا۔ پھول کے لیے کانٹے ؎

کنگھی کے نام سے ہوتے ہیں خفا
بات سلجھی ہوئی الجھاتے ہیں
نگہ رحم کبھی تو کیجے
کوئی دم برہم بھی فرماتے ہیں
ساتھ لاتے ہیں رقیبوں کو ضرور
دل دکھانے کو وہ عقل آتے ہیں

اسکے بعد شاعر نے پوچھا کیوں حضرت یہاں کے رؤسا میں کوئی قدردان شعر و سخن بھی ہے۔ یہ نہ پوچھیے یہاں مارواڑی البتہ رہتے ہیں کتاب یا کتب فروش شاعر۔ یا منشی کی صورت سے نفرت ہے یہاں کے رؤسا سے کچھ بعد و سانہ رکھیے وہ شعر و شاعری کے قریب نہیں پھٹکتے۔ لاحول ولا قوۃ۔ تو یہ آنا ہی بیکار ہوا۔ اجی اسمیں کیا شک۔ لاحول ولا قوۃ۔ اسے صاحب آخر کوئی سمائی نزاق بھی ہے۔ اب آپ تو مانتے ہی نہیں یہاں قدردان خدا کا نام ہے۔

آٹھوں کا میلا

وہاں سے جو میاں آزاد تیر کی طرح رواں ہوئے تو راہ میں دیکھا کہ کئی مسافر لدے پھندے جا رہے ہیں۔ کیوں بھئی اسوقت کہاں لکھنؤ لکھنؤ! یہ کیوں! کیوں کیا! آٹھوں کا میلا ہے یا نہیں اس دھوم دھڑکے کا میلہ دیکھا نہ سنا۔ ہاں! تو اب ہم بھی چلتے ہیں محرم الحرام اور رہا بسنت کے تو خوب مزے اڑائے اب چلیے یہ میلا بھی دیکھ لیں۔ کیا جانے پھر ہاتھی چھوٹے گھوڑا چھوٹے۔ یہ کہکر میاں آزاد بھی لکھنؤ چلے۔ نور کے تڑکے داخل۔ سبحان اللہ کیا صبح ہے۔ عارفان حق پرست کے دل کی طرح نورانی۔ اور باطن میں اہل تصوف کے

شل مہبطِ فیضِ ربانی جدھر دیکھو تجلی اور نور۔ جدھر جاؤ لطف اور
سرور سلطان قادری کے تاجِ زریں کی چمک اور شعاع زرنگار
سے ذروں کی جھلک نمود اور در و دیوار سے آیۂ وجعلنا الشمس
ضیاءً آشکار۔ شنبہ کا دن جس کی شان میں فصحا نے کہا ہے۔ د کہ
مکتب خانہ ہا را در بازار از دست اطفال دبستان سبق آموز
اد۔ الف ابجد زبانان است و نقطہ اولیں پرکار دوران دیکھتے
کیا ہیں کہ صبح ہی سے میلے کا رنگ جما ہے۔ نخلِ بہار کی نشو و نما ہے
غٹ کے غٹ ٹھٹ کے ٹھٹ۔ شہدے لُچّے۔ ٹُورے سیٹے
گرہ کٹ جیب کترے چرسیے مدکیے۔ گنجریے کلنگیریے شریف و
نجیب زیرک و لبیب سب جوق جوق امنڈے آتے ہیں۔ تاجران
ہوادار رہوار باد رفتار فنس زرنگار ٹٹو گھوڑا سبک خراماں تیز قدم
آتے ہیں۔ بگھی پر بگھی ٹوٹی پڑتی ہے۔ گاڑی سے گاڑی لڑتی
ہے۔ رنگیلوں چھیل چھبیلوں کی بن آئی۔ گاڑھی بوٹی چڑھائی
بن ٹھن کے چھیلا بن کے میلا دیکھنے چلے۔ بالوں میں حنا کا تیل
چھوڑے کیچل لیٹ کا دھانی رومال اوڑھے دو آنگل مانگ
نکھرے باندی سے پٹیاں جمائے گھڑی لگائے۔ ڈاڑھی چڑھائے
گلے میں گلوبند دلفریب شربتی کا انگرکھا تن کا زیب پاؤں میں
مخملی جوتی۔ کاشانی یا سوتی قہقہے اڑاتے آنکھیں لڑاتے
جا رہے ہیں ادھر اُدھر نظارہ بازی کرکے مسکرا رہے ہیں فنس
پر ماہرو کھٹے سے بیٹھی ہیں۔ مگر بند۔ ہٹو بچو کا شور بلند ساقیوں
کا بازار گرم کسی نے دو کش پیے ٹکا ہتھیایا۔ ساقنوں کی
دکانیں دھواں دھار۔ تنبولیوں کے بیڑے مزیدار۔
کان میلے کی سرگوشی۔ حجام کی رونمائی۔ برف والے کی سر بہری
سنکروں کی ہانک۔ آنب کے مجمے کی کمرکھ ہیں۔ کابل کا میوہ
رس بھری۔ تاجے گلابیاں شہتوت۔ بوٹ لو ہرے بھرے
بوٹ۔ کسی طرف سرمہ مسی شیشہ۔ کنگھی دیا سلائی کی ڈبیا ہے
بخششی بھولا ناتھ کا باغ میلے کا چشم و چراغ ہے۔ ٹکیٹ رائے کا
تالاب ہزاروں میں انتخاب لاکھوں میں لاجواب ہے کہ جو سلسبیل
و کوثر کو شرمائے۔ تسنیم دیکھے تو پانی پانی ہو جائے۔ عجب
لطف دیتا ہے۔ ہزارہا تماشائی تالاب کے اردگرد بستر جمائے
کوئی دری کوئی زین پوش بچھائے بیٹھا میلا دیکھ رہا ہے۔ کوئی
جہانیاں جہاں گشت چکر لگا رہا ہے کوئی ہوا کھاتا ہے۔ ایک
فنس پر ایک جوان رعنا ڈھوم کا ڈھوم پچیس برس کا سن چلنے
پھرنے کے دن لدا ہوا جا رہا ہے۔ کوئی ٹٹو کو ٹخ ٹخ کرتا آ رہا ہے۔
امرا کے لڑکے زیور سے گوندنی کی طرح لدے مٹھائی خریدنے
میں مصروف ہیں مگر خدمتگار دیکھ بھال رہا ہے کہ کوئی دست
چالاک ہاتھوں ہاتھ پاؤں کے گوکھرو نہ اڑا لے عورتیں الگ
زیور سے سجی گھونگھٹ کاڑھے دبکی چلی جاتی ہیں کہ کوئی چوہے
دتیاں نہ موس لیجائے۔ تخت رواں آتے ہیں سوانگ کرتب
دکھاتے ہیں۔ شعبدہ باز سوانگ لاتے ہیں۔ کوئی دہکتا انگارا
کھا گیا کوئی لوہے کے چنے کرکر کے چبا گیا۔ برہمن ڈول لیے گشت
لگاتے ہیں سقے اور بہشتی کٹورے کھنکھناتے ہیں سہ پہر تک
خوب جمگھٹا رہا۔ چراغ روشن ہوئے اور یار لوگ کھسکے کسی
نے مٹی کا بدھوا لیا۔ کسی نے روئی کا لنگور۔ اتنے میں ایک
ریلا آیا تو کھلونے چکنا چور۔ ایک نے غل مچایا کہ وہ ہاتھی
آیا بھیڑ چھٹ گئی اور وہ ڈراتے ہوئے چلے۔ مگر بگڑے
دل اپنی جگہ سے نہ ٹلے شربتی کا انگرکھا چاہے ان گاؤ
زوریوں میں جڑ سے نکل جائے مگر ممکن کیا کہ ہل جائے
اس بھیڑ بھاڑ میں پولیس کا انتظام خوب رہا جو منٹے اچکے
جا کر چھپائے بھلے مانس مزے سے گھر آئے۔

ایک رئیس کی صحبت

ہمارے دقیقہ رس اور صبح نفس سیاح میاں آزاد آج سرِ شام سے سیر گشت کے لیے چل کھڑے ہوئے ہیں اور اس فصل بہار میں جنون کے پینگ بڑھاتے ہوئے ہیں۔ وہ شام کہ شام اودھ بھی اس کے مقابل میں گرد۔ وہ نور کہ صبح بنارس کا رنگ اس کے آگے زرد۔ طرۂ شام رو کش زلف مہوشان فرخار۔ سواد سرمہ کش دیدۂ خوبان گلعذار۔ ماہ مثل محبوب چاردہ سالہ منظر فلک سے جلوہ افگن۔ حیرت تھی کہ الٰہی یہ شام ہے یا روز روشن یہ قمر ہے یا محفل طرب کا چشم و چراغ۔ یہ شب ہے یا نور کا جھلکتا ہوا ایاغ آسمان ہے یا خوان جواہر الوان۔ میاں آزاد با دل شاد سیر کرتے پھونک پھونک کر قدم دھرتے مزے مزے چلے جاتے تھے اور بہار طبع تو تھے ہی قدم قدم پر وجد میں آتے تھے۔ چلتے چلتے ایک چمنستان پُر بہار گلزار بیخار میں گذر ہوا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ جو در و دیوار ہے لطافت بار ہے۔ کہیں امرود کے ہرے بھرے درخت کہیں تختۂ انار ہے۔ جس گل کو دیکھتے ہیں شگفتہ طبع کشادہ جبین۔ جس پھول کو سونگھتے ہیں مشکبو عنبریں۔ عنادل پرسوز زمزمہ پرداز۔ ہر روش گلستان سعدی شیراز جس غنچے کو دیکھو ناز پرورد۔ کوئی سبز کوئی سُرخ۔ کوئی زرد کہیں نرگس حیران و نگران۔ کہیں ارغوان و عشق پیچاں گل صبو صناعی مصور بہار کا گواہ اور شمیم مشکبار سے عنبر از ماہی تا بماہ گلنار انتخاب فصل بہار۔ کوکنار خال عارض شاہدان فرخار۔ ؎

در چمن بنگر بہار کوکنار
لالہ غلطاں در کنار کوکنار
گرچہ افیوں خوارش را بیدل کشید
کم نشد زاں اعتبار کوکنار
نشہ دارد معرا از خمار
شوخ پُر کارے نگار کوکنار

مخزن رازست و مہرے بر دہاں
اہل دل باشند یار کوکنار
تنگ بر سر می‌نہد از ننگ آں
تیک تنگ آمد زکار کوکنار

ناشپاتی کی آبداری و سیرابی۔ شفتالوئے آبدار کی سُرخی کی شادابی کچھ سبز کچھ سُرخ۔ ؎

تو گوئی کہ گل چہرگان فرنگ
کشیدہ بسر چادر سبز رنگ

انار لعل آبدار شیریں کار۔ عناب بالب لعل لبراں در شکرآب۔ ہر روش رشک بستان۔ ہر قطعہ رو کش روضۂ رضواں۔ ؎

در دامن ہر شگوفہ باغے
ہر برگ گلے چو شب چراغے
گلہائے شگفتہ جام بر دست
برداشتہ بانگ بلبل مست
در ہر چمنے بہ چشم بینا
مینو کدۂ برنگ مینا
سیرابی سبزہ ہائے نوخیز
از لولوئے تر زمرد انگیز

وسط باغ میں سنگ مرمر کا ایک صاف و شفاف چبوترہ ہے اور اس پر فرش مکلف بچھا ہے اور ایک رئیس با توقیر صدر محفل خلد نظیر مع رفقائے فرمان پذیر و نخریہ بیٹھے ہیں شعر خوانی ہو رہی ہے اپنا اپنا رسوخ پیدا کرنے کے لیے ہر ایک مصاحب اساتذہ بے ہمتا اور شعرائے غرا کے چیدہ چیدہ اشعار پڑھ رہا ہے۔ ؎

۱۔ وحشت عیاں ہے خاک سے مجھ خاکسار کی
چوکڑے ہرن بھی سونگھ کے مٹی مزار کی

دوسرے صاحب بولے بھئی یہ رنگ پسند نہیں۔ پھیکا رنگ ہے۔ دیکھئے شعر ہم سُنائیں ؎

۲۔ آبداری تو کرے خنجر مژگاں پیدا
ہم بھی کر لیں گے ہر اک عضو میں رگ جاں پیدا

دو چار حاضرین نے گردن ہلائی۔ مگر ایک صاحب جل مرے کہ ایسا نہ ہو یہ رئیس گردوں مدار کے مزاج میں دخیل ہو جائیں تو ہم پھسڈی ہی رہیں انھوں نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

۳۔ من عاشقم و یار بکار دگراں ست
چوں عربدہ متوال کہ بیگانہ خانہ است

اکثر مصاحبین نے اس پر وجد کیا۔ سبحان اللہ۔ چوں غرۂ شوال
کہ عید رمضان ست ۔ کتنا خوب کہا ہے۔
اتنے میں رئیس والا تبار نے فرمایا کہ جام و مینا کی تعریف
میں کچھ شعر سنائیے۔ ؎

ساقی سرِ قدح چو ز جا برخیزد
از لب ساغر مے نام خدا برخیزد
بیرون خندہ زناں از صراحی برگ ع
ایں نماز نیست کہ از قہقہہ باطل گردد
اعجاز دمی کہ مسیحی بصد نیاز
تعلیم تم قم از لب مینا گرفتہ است
کہنہ ہرچند شود بیشترش می خواہند
دختر تاک عجب بخت جوانی دارد
دے شراب ارغوانی ساقیا
ہے ابھی جوش جوانی ساقیا

اتنے میں ایک صاحب کو جام و مینا کا کوئی شعر اُس وقت یاد
نہ تھا فرمانے لگے کیا ہیں حضور گردن کی تعریف میں محمد قلی بیگ
نے کیا جادو بیانی کی ہے۔ اہا ہا ہا۔ ؎

از لطافت می توان چوں نور در فانوس دید
در بیاض گردن او شعلۂ آواز را

سبحان اللہ کا دونگڑا برسنے لگا۔ اور کئی منٹ تک لوگوں
نے تعریف کی تب تو ایک بزرگوار نے اونکا رنگ پھیکا
کرنے کے لیے یہ شعر فرمایا۔ ؎

خونِ عشاق بر آں گردنِ سیمیں باشد
چوں بیاضے کہ پُر از معنی رنگیں باشد

واہ واہ سبحان اللہ خون کے لیے معنی رنگین۔ واللہ اس لفظ
سے شعر میں جان پڑ گئی۔ اچھی طبیعت لڑ گئی خداوند یہ کسی کا حصہ
نہیں حضور یہ اشعار سنیے گا۔ میں نے ایک شیرازی کے سامنے
پڑھے برب کعبہ کہنے لگا کہ ایں قال شماست میں نے عجز کی راہ سے
کہا کہ بابا ما نہ شاعر نیستیم۔ نمیدانیم کیستیم۔ پھر اصرار کیا کہ کلام
خویش بر خواں۔ عرض کیا کہ بندہ کم کم می گوید نہ قابل سماعت تھے
خاک پاک شیراز کو حق اللہ۔ خیر وہ شعر تو سناؤں۔ ؎

تا گرد ماہ سنبل مشکیں نہادۂ
بس داغہا کہ بر دلِ مسکیں نہادۂ
بر عارض تو زلف سمن سا چہ حکمت است
یعنی بجیب فاتحہ آمین نہادۂ
واں خال نازنین تو بر گوشۂ دلفریب
طغرائے مشک بر گل نسرین نہادۂ
جانہا حیات یافت ز حسن کلام تو
در زیر لب چہ شیوۂ شیریں نہادۂ
فریاد ہائے قاسمی از آسماں گذشت
زیں جور ہا کہ شیوۂ آئیں نہادۂ

رئیس باوقار نے اس غزل کی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ بھئی
ہمیں تو آتش اور حافظ کا رنگ دل سے پسند ہے۔ ؎

مُردوں کو اُن کی محو کشش طفلی دیا
عجب نہیں یہ چھوں کی بزرگواری ہے
چال اُبر کی چلا جو گلستاں میں ہجوم کر
خدا نے قدم ترے رہوار کے لیے

رفقا اور لیے وہ نچوڑ تڑپے بول اُٹھے کہ بجا ہے خداوند آتش کی
سی زبان کسی کو نصیب ہی نہیں ہوئی۔ یہ روزمرہ کہاں
سے پائیے وہ تو وہ اُن کے تلمیذ سعید و رشید صبا کے
محاورات اور بول چال کو تو دیکھیے۔ ؎

نہایت جوش پر دریا ہے اپنی طبع موزوں کا
جہاں میں شور ہے طوفان آب گوہرِ مضموں کا

ایک صاحب نے کہا خداوند نعمت فصاحت اور جادو طرازی
میں انیس مبرور۔ بول چال میں آتش مغفور۔ خیالات میں ناسخ۔ تشبیہ
میں ذوق۔ عاشقانہ رنگ میں مومن۔ بلاغت میں وزیر۔ استعارہ
میں میاں امانت۔ مثنوی میں نسیم لکھنوی۔ واسوخت میں عیشی
ریختی میں بتیدل۔ محلات کی بول چال میں حکیم نواب۔ خدا
جانتا ہے کہ قلم توڑ گئے۔ اور سرور مبرور تو خدائے نثر تھے۔ ذرا
اس بول چال کو دیکھیے۔
وہ سُرخ سُرخ پیاز سے بناری کا بگھار۔ سُریلی جھنکار شیرِ مال

سنگرف کے رنگ کی خستہ بھربھری ایکبار کھائے نان نعمت کا مزہ پائے۔ ہر کنجڑوں کی وہ تیکھی چتون کہ آدمی صورت دیکھتا ہے رعب حسن سے بات نہ کر سکے۔ سنگ زمین پر پڑا د سرد قامت رشک شمشاد دُکانوں میں انواع و اقسام کے میوے قرینے سے چُنے۔ محاورے اُن کے دیکھے نہ سُنے۔ کبھی کوئی پکار اُٹھی میاں یہ سکّے کو ڈھیر لگا دیا ہے۔ خواجہ حیدر علی آتش کی آتش بیانی سے شرر افشانی سے دل جلوں کے سینہ میں سوز و گداز ہے۔ مرقاۃ نغ شاعر ممتاز ہے یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک صاحب نے اُٹھ کر ایک کاغذ رئیس جم جاہ کی خدمت میں پیش کیا۔

رئیس۔ یہ کیا ہے بندہ نواز۔

شاعر۔ حضور کی شان میں کچھ نثر پریشان کہی ہو اور کچھ اشعار موزوں کیے ہیں۔ اب لگے فارسی میں گفتگو کرنے۔ خدا دنرجہ گویم از مفلسی و تنگدستی نوبت کارد باستخواں رسیدہ نان گریہ بہ تیر می دوزم اگر قصیدۂ ہذا کہ بیش از مزخرفات نیست پسند خاطر عاطر افتد فہو المراد ورنہ خیر خدا حافظ و ناصر ست زیادہ بجز دعائے دولت بندگان عتبۂ عالیہ متعالیہ چہ گویم۔

رئیس نے ایک مصاحب کو اشارہ کیا کہ پڑھو۔ انھوں نے یوں پڑھنا شروع کیا۔

تعالی اللہ چہ دولت دارم امشب — کہ آمد ناگہاں دلدارم امشب

روزے بباغے رسیدم دیدم کہ بلبل خوش نوا برگ گل در منقار داشتہ و روے سخن بما نمودہ می سراید کہ اے مرد خدا کہ بسبب وحشت و حیوانیت دور از قصور حضور موفور السرور سرتا پا نور حاجت روائے جمہور اکلیل تاج ارجمندی درر غرر افسر سربلندی۔ کان سخا جان وفا۔ مزین مسند علم و افضال۔ رونق محفل ہنر و کمال۔ حمیدہ خصال خجستہ جمال۔ مریخ جلال۔ سکندر اقبال۔ ماہ خدم سپہر حشم۔ عطارد قلم۔ آسمان خیم۔ ستودہ شیم۔ عالی ہمم کیواں ایوان۔ فریدوں مکان۔ دادرس مظلومان سحبان طلاقت انوری بلاغت۔ بوعلی ذکاوت۔ حاتم سخاوت۔ اسفندیار شجاعت۔ زینت وسادۂ دولت۔ زیب انجمن حشمت صفا اخلاق۔ عمیم الاشفاق۔ سہ

نیر آسمان عز و علا — آفتاب سپہر مہر و وفا
کوکب برج دولت و اقبال — گوہر درج عظمت و اجلال
زیرک و مدرک و فہیم و عقیل — نثنی بے بدل شکیل و جمیل
دُرِ دریائے ہمت و جرأت — معدن جود و مخزن نصفت
گل شاداب بوستان لقا — بلبل شاخسار بذل و عطا

اتنے میں میاں آزاد چپکے سے بول اُٹھے کہ یہ جوہرن والے کی بانی ہے یا امیر حمزہ کی کہانی ہے۔ حضرت دم گھبرانے لگا۔ اب اُلجھن ہوتی ہے۔ یہ دنبالۂ توصیف۔ الٰہی خیر۔

حاضرین جلسہ نے قہقہہ لگایا۔ اور اُنکو بھی چبوترہ پر بلایا اور پھر وہ زٹل قافیہ شروع ہوا۔ والا نژاد۔ پاک نہاد۔ سرو قامت گل رخسار سہی قد ماہ عذار سنبل مو خورشید رو۔ کاکل در پیچ و تاب بلبل را دل از مشاہدۂ جمال کباب۔ یاقوت لب سیم غبغب۔ ماشاء اللہ لب فوق از ظہور ریت تماشاگاہ حور۔ چاہ زنخداں از نمود ریش مصداق نور علی نور۔ از خجلت ابرواں خمدار قوس قزح گوشہ پذیر۔ از خوف سنان مژگان تیر بہ دامن نرگس امان گیر۔ چشمانش رشک غزال ختن و شیر افگن۔ سلک دندانش خجلت دہ دُر عدن و عقیق یمن ماہ کامل بمقابلۂ عارض صاف آں دریا دل داغدار و مہر زنگار پیش روئے آں والا تبار شرمسار۔ حکیمی کہ ارسطو جالینوس بقراط و بطلیموس را در مطبش لیاقت نسخہ نوشتن نیست و بوعلی بن سینا را پیش او مجال دم زدن نہ بہ تصدیق می گویم کہ در علم

منطق بہ تصورم در اشکال انواع انسانی شل آن صاحب کمال کسنے ہیچ بخش بدیہی نہ گذشت۔ ــہ

اے فیع المرتبت عالی نسب والا مقام — یافتہ از فیض ذاتت زیب بزم احتشام
مہر بابان و انما با اینہمہ شان و شکوہ — بردر دولت سرائیت نیاید اہتمام
حسن یوسف در تماشائے رخ چون ماہ نو — چون زلیخا با ہزاران دیدہ میماند مدام
از نہیب قہر تو لرزان شال شاخ بید — زیر مر قدر ستم و اسفندیار و زال و سلم
گر دہی ترتیب بزم راحت و عیش و سرور — چون گدا جمشید آید در پیت محتاج جام
از ادب پیش تو کے ہر کس تواند ایستاد — چون کند اقبال در بانی و رشل غلام

اسپر ایک شخص نے دبے دانتوں فرمایا در باتی دیکی ایکہ ہی کہی۔ ــہ

چون بگیرد دام از خلق تو باد شمال — در گلستان غنچۂ گل بر انداز دلجام
ایک مصرع کی کٹ گئی ہے دُم — بے لنڈورا یہ مصرع دُم دار
گر کنی جولاں سمند با د پا اد نبرد — فرق بخش خصم را در بزد دی زیر گام
زیں بادو اسپ گلگونت بسی فرق ب بیت — تا بماند و ہیں حاطے کند ایں دم و شام

واہ واہ واہ اسپ گلگوں کیا خوب فرمایا اور یہاں بھی کلمہ تنبیہ اچھا آیا۔

نعرہ ہائے الحفیظ والاماں گردد بلند — روز میداں گر کشی تیغ غضب را از نیام
دشمنت چہ برنج جوز اگر بجوید حفظ جاں — ہمچو کھیرا میکند دو نیم تیغ سبز فام

اہا ہا ہا کھیرا خوب موقع پر یاد آیا اس سے تو یوں ہی کہا ہوتا کہ۔

۶۔ چون خیار ترکند دو نیم تیغ سبز فام۔

تیر می ترسد چو بر از خونت علل داد و — ساخمی گردن کشلی و ہر بلا ایں ورجہ ام
حاتم طے در طے میدان بخشش پیش تو — اے سخی ابن السخی ابن السخی سرنگوں باشد مدام

بارک اللہ مصرعۂ ثانی کیا مختصر و موزوں ہی ایک دفعہ ابن السخی اور آجاتا تو مصرع ابن الشیطان کی آنت بن جاتا۔ ــہ

عادل بغربا نواز و جوہر مردم شناس — سند آرائے امارت ہست آں گردد خلق

ماشاء اللہ جوہر مردم شناس اچھی ترکیب ہی۔ تیغ نہیں کہہ گئے ہیں۔ در زبان آفریں۔ غربا کی رائے مہملہ کا سکون عین لطف شاعری در ثبوت

کمال شاعر ہی۔ ــہ

فخر شعرائے زمان حالی دم وجین بنا — میکند ختم دعا ختم کل ختم کلام

اس مقطع کے قربان۔ یہ تعلّی تو جارہی ہی۔ نظامی نہیں کہہ گئے ہیں

نظامی بسا صاحب آوازۂ
کہن گشتہ و ہمچناں تازۂ

ضعیف الاعتقادی

کوچہ گردوں کے پشت پناہ۔ رہ نوردوں کے قبلہ گاہ۔ قلمرو دحشت کے شہنشاہ ذیجاہ میاں آزاد کو ایک دن شوق چرایا کہ کسی مسجد میں جاکر نماز دوگانہ پڑھیں۔ سوچے کہ آج یوم الجمعہ روز آدینہ ہی مکتبوں میں یہ آزادی کا سکہ بیٹھا تا ہی۔ مسجدوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا ہی۔ آج کے مبارک دن سے سبزہ دگل بھی ہزار زبان سے وحدہ لاشریک لہ گویاں ہے۔ بلبل رنگین گفتار کو وظیفہ معشوق حقیقی ورد زبان ہی۔ طاؤس طناز فرط طرب سے رقص کناں ہی۔ طوطی مثل حلہ پوشان جناں سبز پوش ہی۔ صوفی صافی نشۂ بادۂ عرفان حق معرفت میں سرخوش و مدہوش ہی۔ جدھر دیکھو تسبیحیں کھٹا کھٹ چل رہی ہیں شراب عرفان کی مٹھوریں جوش سے اُبل رہی ہیں۔ بارک اللہ کیا روز برکت آثار ہی کہ ہر در و دیوار فیض بار ہے۔ جمعہ رہ گم کردگان بادیہ ظلمت کے لیے چراغ سراغ ہے۔ جمعہ عرفان کا پھلا پھولا باغ ہے۔

میاں آزاد ایسے مزے میں آئے کہ معًا چل کھڑے ہوئے دیکھتے کیا ہیں کہ بڑے بڑے زہاد اور مولانا بالعلم والفضل اولٰنا اور قاضی و مفتی شیخ و شاب عمامۂ فضیلت برسر اور قبائے معرفت در بر باجبہ و دستار بصد فخر و افتخار چلے جاتے ہیں چہرے سے نور الٰہی برستا ہی۔ اتنے میں دو رندان ساغر نوش

بصد جوش و خروش جن اور چڑیل کی باتیں کرتے انکے قریب آئے ایک لحیم و شحیم دوسرا لاغر۔

لحیم۔ یار تم تو مغز کے بھیجے کے گودے کے کیڑے تک چاٹ گئے بڑے بکّی ہو۔ لاکھوں دفعہ سمجھایا کہ یہ سب ڈھکوسلا ہے مگر تمھیں تو کچے گھڑے کی چڑھی ہو۔ تم کب سب سننے والے ہو۔ مرد آدمی یہ سب لغو باتیں ہیں واللہ بنی ہوئی باتیں ہیں۔

لاغر۔ قبلہ مرد آدمی تو خواہ مخواہ آپ ہی ہیں۔ ماشاء اللہ صاحب تن و توش واللہ گینڈے بنے ہوئے ہو۔ یار کس چکّی کا پیا کھاتے ہو موٹے آدمی تو بہت دیکھ ڈالے مگر واللہ ہے جو ایسی کلائی ایک کی ہو مٹا یا پٹھا پڑتا ہے مگر استاد یاد رکھو۔ ؎

اسپ لاغر میاں بکار آید || روز میدان نہ گاؤ پرداری

جیسے تم بھدّے ویسی تمھاری عقل بھدّی۔

لحیم۔ بجا ہے پیر و مرشد۔ یونان کے حکما کا سرتاج بقیوز بھی بڑے تن و توش کا آدمی تھا۔ مگر اچھے اچھے حکیم اریب اور علمائے ادیب اسکے سامنے زانوے ادب تہ کرتے تھے۔ یہ بحث میں موٹے اور دُبلے سے کیا واسطہ اگر آپ بھوت پریت دکھا دیں تو ٹانگ کے راستے نکل جاؤں۔

لاغر۔ ہاں۔ یہ دعویٰ کبھی پرسوں ہی کا تذکرہ ہے کہ میرے ایک دوست نے آدھی رات کے وقت دیوار پر ایک چڑیل دیکھی چوٹی تا بناف اور چھپے کا موباف۔ بال بال موتی پرتے ہوئے یہ مسٹ مارے پڑے رہے مٹکے تک نہیں مگر آپ کہہ دینگے جھوٹ ہے۔

لحیم۔ بھائی یہ سب غیب ہے۔ یہ واہمہ وہ بلا ہے جو صورت بناوے اور سناوے حسن و حرکت دکھاوے۔ چلا پھرا دے۔ واہمہ خلّاق ہے آپ کیا جانیں۔ ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن کی تو پیدائش ہے آپ کی۔ اور میاں کرور باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ بے دیکھے اینجانب نہ پتیائیں گے لوگ بات کا بتنگڑ سوئی کا بھالا۔ بدر کا نالہ بنا دیتے ہیں۔ ایک صحیح تو ننانوے لغو۔ پتا کھڑکا اور بندہ سرکا اور آپ ایسے ڈھلمل یقین حضرات کا تو کہیں ٹھکانا ہی نہیں جو سُنا فوراً تسلیم کر لیا۔ برہان و دلیل سے سروکار نہیں۔ رات کو درخت کی پھنگی پر بندر دیکھا اور روح فنا ہو گئی کہ پریت جھانک رہا ہے بولے اور ٹمیوا لیا۔ کلبلائے اور گلا دبوچا۔ ذرا ہلے اور شامت آئی اندھیرے گھپ میں تو یوں انسان کا جی گھبراتا ہے۔ اور جو بھوت پریت کا خیال جم گیا تو ساری چوکڑی بھول گئے ہاتھ پاؤں سب پھول گئے۔ بلّی نے میاؤں کیا اور مرغ روح قفس تن سے پرواز کر گیا۔ چوہوں کی کھڑبڑ سنی اور بل ڈھونڈھنے لگے اب جو چیز سامنے آئے گی پریت بن جائے گی۔ اس دخت کے قربان۔ میاں بندۂ درگاہ سب پاپڑ بیل چکے ہیں۔ کئی جن ہم نے اُتارے کئی چڑیلوں سے ہم نے محلے خالی کر لئے جہاں دبن جمتے کھوپڑی پر جمائے اور پریت نے بقچہ سنبھالا۔ میاں ہم جیتے جاگتے بھوت ہیں اور پڑھے لکھے جن۔ یہ سب ڈھکوسلا ہی ڈھکوسلا ہے کوئی ہمیں بلائے تو جانیں اور لیل گپ اُڑانے کو کہئے تو ہم بھی بے پر کی اُڑانے لگیں یاد رکھو یہ عامل داعل سب رنگے سیار ہیں۔ ۶۔ روٹی تو کما کھائے کسی طور مچھندر۔ بندر نہ نچائے۔ مرغ نہ لڑائے پتنگ نہ جھپکائے۔ بھوت پریت ہی جھاڑنے لگے اتنا نہیں سمجھتے کہ بھوت پریت چڑیل برمھ راکس کو مانو تو پھر لونا چماری اور ٹیتا پیتا کی بھی بیت لاؤ۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ لونا چماری کو کوئی بھی مانے گا۔ ارے غضب۔ ارے ستم۔

لاغر۔ خیر اس تو تو میں میں سے کیا واسطہ۔ چلئے ہمارے ساتھ یہاں سے کوئی دو تین کوس کے فاصلے پر گاؤں ہے وہاں ایک صاحب بستے ہیں اگر آپکی کھوپڑی پر اُنکے عمل سے بھوت نہ چڑھ بیٹھے تو گدھے کے

پیشاب سے مونچھ منڈوا ڈالوں کہئے گا تشریف نہیں چارہی۔ پس اب چلیے۔ دعویٰ بے دلیل کے مہمل ہوتا ہے۔ بندہ بدیہی ثبوت دیگا۔ آپنے تو جہاں ذرا سی چڑھائی اور بس کہنا شروع کیا کہ سب پوچ۔ سب ہیچ۔ پیر و پیمبر۔ دیبی دیوتا۔ بھوت پریت۔ حور قصور شیطان۔ خبیث۔ بہشت دوزخ تک کے آپ قائل نہیں لیکن آج ٹھیک بنائے جائیے گا۔ یہ کہکر وہ دونوں اُس گانوں کیطرف چلے میاں آزاد تو دنیا بھر کے بیفکرے تھے ہی۔ شوق چرایا کہ چلو سیر دیکھ آؤ۔ اچھی دل لگی ہوگی۔ یہ بھی ان خیالات دقیانوسی کے جانی دشمن تھے اب کہاں تو مسجد جاتے تھے کہ نماز دوگانہ پڑھیں کہاں جھو جھکے کے دیکھنے کا شوق ہوا۔ مسجد کو دور ہی سے سلام کیا اور سیدھے سرا چلے۔ ارے کوئی اِکہ کرایہ کو ہوگا۔ کوئی اِکّے والا ہے۔ ارے میاں کوئی بھٹیارا اِکہ بھاڑے کرے گا۔ جی ہاں کہاں کو جائیے گا۔ کہاں کو۔ سک جلدی پور کیا دیجئے گا۔ پہلے گھوڑا اِکہ تو دیکھیں۔ گھر گھوڑا انجاس مول دہ کیا کمانی دار اِکہ کھڑا ہے اور یہ سرنگ گھوڑی ہے۔ ایسے! تو بہ مریل۔ دُبلی پتلی۔ ہڈی ہڈی گن لو۔ یہ تو کوئی نو دن میں اڑھائی کوس چلے گی۔ کون؟۔ یہ گھوڑی۔ واہ حضور۔ ہوا سے باتیں کرتی جاتی ہے۔ بیٹھے اور دن سے پہونچے واہ وا۔ گھوڑیا کیا ریل کا انجن ہے کہ چلتے ہی الوپ انجن ہو جاتی ہے۔ اچھا کسو چار آنے دیں گے۔ دھیلی کے پیسے لیں گے۔ میاں آزاد دوسری طرف چلے پھر پلٹے اچھا پانچ آنے۔ ناہیں کھدا دند۔ سات گنڈے سے کوڑی کم نہیں گے۔ اچھا کسو۔ اتنے میں میاں آزاد نے ایک صاحب سے پوچھا کیوں حضرت اس گانوں کو سک جلدی پور کیوں کہتے ہیں۔ بندہ نواز اسکی بڑی داستان ہے ایک صاحب تھے شیخ جمال الدین انھوں نے گانوں بسایا۔ اور شوق چرایا کہ

اپنا پورا نام رکھدیں۔ شیخ جمال الدین پورا نام رکھا۔ گنوار آدمی شیخ جمال الدین کیا جانیں۔ انھوں نے شیخ کا سک اور جمال کا جمل اور الدین کا دین کر دیا اتنے میں اکّے والے نے آواز دی کہ یکہ تیار ہے۔ میاں آزاد جلدی سے اِکّے پر سوار ہوئے اور اکہ کھڑکھڑاتا چلا۔ اثنائے راہ میں انھوں نے پوچھا کہ کیوں بھئی دن بھر میں کیا ملتا ہوگا۔ اے حضور اب رُجگار کہاں صبح سے شام تک جو ملا چر ندم پرندم۔ دو ڈھائی آنے جنور کھا گیا۔ دو تین گنڈے گھر کے خرچ میں گئے دھیلے پیسے کا سُلپھا تمباکو اڑایا۔ پھر موچی کے موچی۔ مہاجن کے پچیس روپیہ چھ مہینے سے بیباک نہ ہوئے اور جو کہیں کچی میں چار پانچ کوس لے گئے۔ تو پٹھیاں دھنس گئیں بینجنی بال دھرے انجر پنجر سب نکل گئے۔ دو چار کے ماتھے گئی۔ اور میاں رجگار تو تمھاری سلامتی سے تب ہو جب یہ ریل اڑ جائے۔ اس نے سب رجگار لے ڈالے۔ اب آپ ہی نے سات گنڈے جلدی پور تک کے دیے کل تین چکر لگا کر۔ یہ تو رجگار رہ گیا ہے ل ل کے ٹیپہ نکلتا ہے۔ کوئی دو پونے دو گھنٹہ میں میاں آزاد سک جلدی پور پہونچے۔ پتا دیتا تو انکو معلوم ہی تھا۔ سیدھے چلے اور عامل کے مکان پر کھٹ سے داخل۔ اللہ اللہ بڑی بھیڑ ہے۔ خلقت ہے کہ اُمڈی چلی آتی ہے۔ عورت مرد ٹوٹے پڑتے ہیں تماشائیوں کا تانتا لگا ہے۔ ایک آدمی سے انھوں نے پوچھا کیا آج یہاں میلا ہے۔ ناہیں میلا ویلا ناہیں۔ ایک منتی کے موڑ پر آج پریت آئے ہے۔ تون ہمار و نیسر سب دیکھے آوت ہیں ہاں ہے دل لگی۔ اس جھنڈ میں انھوں نے اس لحیم و شحیم آدمی کو ڈھونڈھ نکالا جو دعوے کر کے آئے تھے کہ بھلا ہم پر تو کوئی پریت بلا دے اور تنہا ایک گوشے میں

لے جاکر یوں کہا۔

آزاد۔ میاں ہم اُسوقت مسجد کے پاس تمھاری چہ میگوئیاں کان دھر کے سُن رہے تھے۔ ربِ کعبہ جو آج تک ہم کبھی بھوت پریت کے قائل ہوئے ہوں۔ یار اب کچھ ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ اس عامل کی قلعی کھل جائے۔

حکیم۔ اور میں آپ کس فکر میں ہوں۔ آپ خاموش رہیں دیکھیے میں ابھی ابھی ٹھیک بناتا ہوں۔ ساری شیخت کرکری ہو جائے تو سہی آج ہی تو پھنسے ہیں چڑا گلہرو۔ ایسا داؤں کہ چھٹی کا دودھ نکل پڑے۔ اب ہم ایک سے دو ہوئے۔

اتنے میں عامل صاحب عباسی تہ بند باندھے لمبے لمبے بال بڑھائے حنا کا تیل پڑا ہوا۔ پٹیاں جمی ہوئیں۔ مانگ نکالے کھڑاؤں پہنے تشریف لائے۔ آنکھوں سے جلال برستا تھا جسکی طرف نظر بھر کر دیکھا وہی کانپ اُٹھا۔ کسی نے قدم لیے کسی نے سر ٹیک کی اور انھوں نے غل مچانا شروع کیا کہ دھونی میری جلتی ہے۔ جلتی ہو اور ملتی ہو۔ دھونی میری جلتی ہو۔ کڑی مونچھیں اور چڑھی داڑھی لمبے گیسو والا ہو۔ لمبی زلفوں والا ہو میرا درجہ اعلیٰ ہے۔ جھوم جھوم کر جو انھوں نے ہانک لگائی تو حوالی موالی سب سناٹے میں آ گئے۔ ایک دفعہ ہی آواز بلند پکارا کہ کسی کو دعویٰ ہو تو آ کر کشتی لڑے۔ ہاتھی کو ٹکر دوں تو چنگھاڑ کر ٹوک دم بھاگے دُم کھڑک کر آ۔ کون آتا ہے۔ اب سُنیے کہ پہلے سے ایک شخص کو سکھا پڑھا رکھا تھا وہ تو سدھا ہوا تھا ہی جھٹ کھڑا ہو گیا۔ ہم لڑیں گے لوگوں نے دیکھا کہ ایک ڈنڈ پیل کشتی گیر مقابلے کے لیے کھڑا ہوا ہے۔ تین انچ کی دبیز گردن۔ گینڈا بنا ہوا خدا ہی خیر کرے۔ مگر عامل کی وہ ہوا بندھی تھی کہ لوگ اُس پہلوان کی حالت پر افسوس کرتے تھے کہ بید حاہی عامل چٹکیوں میں زور سحر سے چُر مُر کر ڈالے گا۔

الغرض دونوں آمنے سامنے آئے۔ اور عامل نے گردن پکڑتے ہی زمین پر دے پٹکا۔ وہ بڑا کاوا دنگڑ ا برس گیا اور پہلوان پندرہ منٹ تک بیہوش پڑا رہا۔ میاں آزاد نے حکیم سے کہا کہ یہ ملی بھگت ہے اسی طرح گنوار معتقد ہو جاتے ہیں انھوں نے کہا جی ہاں ایسے مزوروں کی قبر تک سے واقف ہوں۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ میاں عامل نے پھر اکڑتے ہوئے ہانک لگائی۔ کوئی اور زور آزمائے گا۔ میاں آزاد نے آؤ دیکھا نہ تاؤ چیٹ لنگوٹ باندھ دھم سے کود پڑے۔ آؤ استاد ایک ایک پکڑ ہم سے بھی ہو جائے تب تو عامل صاحب چکرائے کہ یہ اچھے بگڑے دل ملے۔ پوچھا آپ انگریزی خوان ہیں۔ آزاد نے کڑک کر کہا حضرت میں ہفتخوان ہوں۔ بس اب سنبھلیے میں آ گیا۔ یہ کہہ کر گھٹنا ٹیک کر قلا جنگ کے پیچ پر مارا چاروں شانے چت۔ عامل زمین پر دھم سے گرے انکا گرنا تھا کہ میاں آزاد چھاتی پر چڑھ بیٹھے۔ اب بتاؤ بچا کاٹ لوں ناک کترلوں کان۔ باندھوں دم میں ہندا۔ بات تیرے کی عامل بنے ہیں۔ حکیم نے جھپٹ کر آزاد کو گود میں اُٹھا لیا واہ اُستاد کیوں نہ ہو۔ میاں عامل کی ساری شیخی خاک میں مل گئی۔ گنواروں کا عقیدہ جاتا رہا۔ بیچارے کو اُسی دن گاؤں چھوڑنا پڑا صحرائے دشت نوردی کے گرد باد ہوئے جو دت دقّاد میاں آزاد اُس سنگے یار عامل کو ٹِھنی بنا کر اور گاؤں کے ڈھلمل یقین گنواروں کو سیدھے ڈھرے پر لگا کر میاں حکیم فہیم کو ساتھ لے ہاتھ میں ہاتھ دیے شہر کی طرف چل کھڑے ہوئے راستے میں اُسی عامل کی باتیں مزے مزے کی چہ میگوئیاں کھلی بازیاں ٹھٹھے ہوتے جاتے ہیں کیوں سچ کہنا کیسا اڑنگا دیا بہت

بلبلا رہے تھے چڑا ۔ سے

سمجھے تھے اب اکوئی سرگروہ ہی نہیں	فرعون کیلیے کوئی موسیٰ نہ آئیگا

یہاں اُستادوں کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ پور پور رتی رتی چیبتی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ ایک ایک پینچ کے دو دو سو توڑ یاد ہیں۔ گھنٹوں لڑوں ہانپنے کا نام نہ لوں ممکن کیا کہ دم ٹوٹے۔ ارے ٹنتے کا تو گینڈا ہی اُس کا نہ تھا۔ گردن موٹی نہیں چھاتا چوڑا نہیں۔ بدن کسا پٹھا نہیں۔ کان ٹوٹے نہیں چتونوں سے تاڑ گیا کہ گھامڑ ہے۔ گردن پکڑتے ہی چرمر کر ڈالا۔ ہار جاروں شانے چت دھڑ سے زمین پر گرا۔ ارا را دھوں بہت بلوں پر تھے بچا جی۔ عامل کی دُم بنے تھے۔ یاد ہی تو کرتا ہوگا قسم حسینؑ کی جو ان باتوں کی ذرا بھی اصلیت ہو۔ کیسا پریت۔ کسکا بھوت کہاں کی چڑیل۔ سب ڈھکوسلا سب گپ مگر خلقت بھی کیا بھیڑیا دھسان ہے سُن لیا چاہیں بس فوراً ایمان لائیں۔ اور سُنیے ایک مرتبہ ایک بنے ہوئے سدھ پلتھا مار کر بیٹھے اور لگے للکارنے کہ کوئی چھپا کر ہاتھ میں پھول لے ہم چٹکیوں میں بتا دیں گے۔ آگ لگ گئی واللہ شعلے بدن سے نکلنے لگے۔ میں نے کہا اچھا ہم نے پھول لیا آپ بتائیے تو سہی بس تو آنکھیں نیلی پیلی کر کے مجھے ڈرانے لگے۔ میں نے کہا میاں عقل کے ناخن لو۔ میں ان گیدڑ بھبکیوں میں نہ آنے کا۔ یہ پتلیوں کا تماشا کسی نادان کو دکھاؤ۔ بتاؤ بس بتاؤ۔ تھوڑی دیر سوچ ساچ کر بولے زرد پھول ہے۔ میں نے کہا کہیں ہو نہ زرد اتنا کہنا تھا کہ کہاں پھول کا رنگ زرد بتاتے تھے کہاں خود حضرت کا چہرہ زرد ہوگیا۔ رنگ فق۔ ع۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں ۔ پھر گھبرا کر فرمایا کہ ارے دھوکا ہوا سبز پھول ہے۔ میں نے کہا واہ بھئی لال بھبوکا کیوں نہ ہو۔ کھسیں نہ کودی کودی گوں یہ تماشا دیکھے کون۔ ہرا پھول آج تک دیکھا نہ سنا۔ ایں گل دیگر شگفت۔ اچھا شگوفہ چھوڑا۔ واللہ یہ نیا گل کھلا۔ واہ بھئی۔ میرا اس قدر کہنا کہ اُنکا گلاب سا چہرا کمھلا گیا۔ میری باتیں کانٹے کی طرح چبھنے لگیں اور ادھر۔ ع۔ لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا ۔ واللہ کوئی اسوقت اُنکی بیکلی دیکھتا اور میں جامے میں پھولے نہ سماتا تھا غنچے کی طرح کھلا جاتا تھا۔ ان باتوں سے اُنھیں ایسا خار ہوا کہ بگولا بن گئے وہاں سے پٹا توڑ بھاگے۔ حکیم نے کہا اُستاد واللہ باللہ آپ نے ہم کو اپنا ہمصفیر ہمدرد پایا۔ یار ہم بھی یہ سب معرکہ جھیلے ہوئے ہیں سب کھیل کھیلے ہوئے ہیں۔

سنیے ایک دفعہ ایک صحبت میں جانے کا اتفاق ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نیم ملا خطرۂ ایمان لسان الغیب بنے بیٹھے ہیں اور اچھے اچھے تربیت یافتہ اُن کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ پوچھا آپ کی تعریف کیجیے ایک صاحب نے جو اُس مزوّر کا ایمان لا چکے تھے بولے دانتوں کہا شاہ صاحب غیب داں ہیں آپ کے کمالات ظاہری و باطنی کے جھنڈے گڑے ہوئے ہیں۔ دس پانچ نے تو اُنکو آسمان ہی پر چڑھا دیا۔ میں نے کہا تو رند جو اسے جھنڈے ہی پر نہ چڑھاؤں پوچھا کیوں شاہ جی صاحب قبلہ یہ تو بتائیے کہ ہمارے گھر میں لڑکا کب تک ہوگا۔ شاہ جی سمجھے کہ یہ بھی نرے چونگا ہی ہیں۔ چلو انا پ شناپ بتا کر چونگا کرو اور کچھ لے مرو میرا اور میرے باپ دادا اور اُنکے باپ کے پردادا کا نام پوچھا یہاں حافظے کی یہ کیفیت ہے کہ باپ کا نام تو اکثر یاد بھی رہتا ہے دادا جان کا نام کسی ملعون کو یاد ہو مگر خیر جو زبان پر آیا الل جلول بتایا تو حضرت فرماتے ہیں کیا۔ بچہ دو مہینے کے اندر ہی اندر بیٹا لے آئیں! شاہ صاحب قبلہ ذری سنبھلے ہوئے۔ اب تو کہا اب نہ کہئے گا دیکھیے میں جتلائے دیتا ہوں کیا خوب آپ اچھے ملے ابھی حضرت کچھ خیر ہے۔ پندرہ دن تو بندے کی شادی کو ہوئے

اور آپ فرماتے ہیں دو مہینے کے اندر ہی اندر لڑکا لے واللہ دوسرا کہتا تو خون پی لیتا۔ اس فقرے پر یار لوگ کھلکھلا کر ہنس پڑے وہ فرمائشی قہقہہ پڑا کہ کمرہ گونج اٹھا اور شاہ جی کے آئے حواس غائب ہو گئے۔ دل میں تو کروڑوں ہی صلواتیں سنائی ہوں گی اے حضرت کیا عرض کروں اس جوار میں لوگ انھیں معاذ اللہ خدا سمجھتے تھے۔ شاہ جی کبھی روپیہ برساتے تھے کبھی بے فصل کا میوہ منگاتے تھے۔ کبھی گھڑے کو چکنا چور کر کے پھر ثابت کر دکھاتے تھے۔ غرض کہ سیکڑوں ہی السیٹھیں یاد تھیں مگر میاں میرے سامنے تو ایک نہ چلی۔ نام سنا تو ہکا بکا ہو گئے۔ صورت دیکھی اور تھرا اٹھے جیسے ساہ چور سے اور سانپ مور سے ڈرے۔

میاں آزاد نے مسکرا کر کہا کہ واللہ ساہ اور چور کی اچھی تشبیہ دی۔ بھئی سنو آزاد ہم گنوار آدمی تین پانچ تو جانتے نہیں ہمیں بات کرنا کیا آئے۔ یار ہم تو دوست کے دوست ہیں مگر ایسے قابو جیوں کے البتہ دشمن ہیں۔ جہاں میں ہوں بھلا کسی سدھو یا شاہ جی یا عامل کا رنگ جم تو جائے۔ کیا مجال۔ رگید رگید کر اور کھدیڑ کھدیڑ کر ماردوں ادمرا کر دوں تو وجہ کیا میں تو زمانہ بھر کا نیاریا۔ چھٹا ہوا شہدا۔ ایک ہی کائیاں ہوں نہ۔ مجھ سے اڑ کر جائیں گے کہاں نیچے پاتال تک کی تو خبر میں لاؤں۔ اوپر آسمان میں تھگلی لگاؤں مجھ پر بھلا وہ بیچارے کیا ہاتھ صاف کریں گے۔

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک صاحب نے پوچھا کہ کیوں پیر و مرشد آپ انگریزی پڑھے ہیں۔ میاں آزاد نے کہا جی ہاں کچھ شد بد جانتے ہیں آپ اپنا مطلب کہیں۔ یا حضرت ایک دو بیٹی عرضی کا ترجمہ منظور ہے۔ میری ہفتاد پشت پر احسان کیجیے اسکو فصیح انگریزی میں خوب نمک مرچ لگا کر لکھ دیجیے۔ نمک مرچ! نمک مرچ لگانا میں کیا جانوں۔ یہ کسی گول گپے والے سے کہیے بندے نے کالج میں یہ علم پڑھا ہی نہیں۔

مصاحبت

ہمارے نیزہ باز فرہنگ۔ ہم سنگ دانایان فرہنگ۔ والا نژاد فرخ نہاد میاں آزاد کڑی کمان کے تیر کی طرح چل کھڑے ہوے اور سیدھے ریل کے اسٹیشن پر پہونچے سے گئے پلیٹ فارم پر چہل قدمی کرنے بل مارنے کی دیر ہوئی تھی کہ سامنے سے نور کا بکا نظر آیا چکا چوند کا عالم تھا۔ ان کے کان کھڑے ہوے کہ این گل دیگر شگفت۔

اتنے میں دیکھتے کیا ہیں کہ اغل بغل مشعل دستی وحشی ادھر ادھر مصاحبین رفقا خوشامد خورے بھونچڈے بیچ میں ایک امیر کبیر رئیس ابن رئیس ڈٹے کھٹے سے آرہے ہیں۔ ہٹو بچو دور باش و ادب کی آواز بلند ہے۔ سب کے پہلے اس جھنڈ کی نظر میاں آزاد پر پڑی جو ہے انھیں کو گھور گھور کر دیکھ رہا ہے۔ یہ اسوقت وحشت میں جو آئے تو اور بھی ڈبل چال چلنے لگے۔ رئیس کے مصاحبین سب حاضر جواب تیز طبیعت زبان دراز فقرہ باز کٹھڑ ضلع جگت میں طاق پھبتی کہنے میں مشاق آوازہ کسنے میں شہرۂ آفاق تھے پھبتی نہ کہیں تو ذہن کند ہو جائے۔ ایک نے کہا حضور دیکھیے گا یہ فرنگی بھی واللہ عقل کے پتلے ہیں۔ آسمان میں انھوں ہی نے تھگلی لگائی ذری دیکھیے تو بے تیری کے چھوٹا موٹا انجن چبوترے پر چلا دیا۔ دوسرا بولا خدا کی قسم کیا لاگ ہے تیسرے صاحب نے فرمایا خداوند یہ چلتا پرزہ ہے۔ چوتھے ماشاء اللہ! ذری اس وحشت کو ملاحظہ فرمائیے گا یہ احتباس یہ گرمی اور آپ سیاہ بانات کا دگلا ڈالے گھوم رہے ہیں۔ پانچواں بادۂ انانیت کے نشے میں جھوم رہے ہیں چھٹا یہ سر اڑیل ڈھیلے والا کدو یہ توند ہے یا اگر شو کا تربوز۔ ساتواں ماشاء اللہ

کیا چہرہ نورانی ہے۔

میاں آزاد نے دیکھا کہ پھبتیوں کا گراب ہی پڑنے لگا۔ جیسے دکھنی سنا تا ہے۔ جو ہے وہ بنا تا ہے تو پر پرزے جھاڑ کر یہ بھی جواب ترکی بہ ترکی دینے پر آمادہ ہو گئے جیسے ہی ایک مصاحب نے کہا کہ ماشاء اللہ کیا چہرۂ نورانی ہے۔ میاں آزاد تڑ سے بول اُٹھے واللہ اچھا غول بیابانی ہے۔ اب تک تو سیارہ سنگ زرد برادر شغال ہی دور دورے ہو ہو کیا کرتے تھے اب برمہو راکس بھی اسٹیشن پر آنے لگے۔ میں تو اس روشنی ہی سے تاڑ گیا تھا۔ کہ غول بیابانی ہے۔

مصاحب۔ اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی۔

رفیق۔ اس کالی بانات کے وگلے پر مجھے دھوکا ہوا کہ کسم کے کھیت سے بنڈیلا نکل آیا۔

لیمو نچوڑ۔ ع۔ سب صورت لنگور ذرا دُم کی کسر ہے۔

میاں آزاد نے اسکا مصرع اولیٰ پڑھ دیا۔ ع لاحول لاقوۃ یہ کون بشر ہے۔ ایک اور صاحب نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ اسم نامبارک۔ میاں آزاد نے کہا آپ کا مزاج بلید؟ دوسرے نے قہقہہ لگا کر کہا کس کھیت کے جو یہ بولے بھیڑیے کے بھاٹے سے کب نکلے بھئی۔ رئیس کو میاں آزاد کی باتیں ایسی بھائیں کہ پاس بلوا لیا۔ حضرت آپ اسوقت جو کچھ لڑ رہے تھے یہ آپ ہی کا کام ہے۔ میاں آزاد جھک کر ایک فرشی سلام بجا لائے رئیس با توقیر تو امیر کبیر تھے ہی جس سے خوش ہوئے دم کے دم میں نہال کر دیا فرمایا کہ آج سے آپ ہمارے ساتھ رہا کیجیے۔ خانۂ احسان آباد بہت خوب ہمراہ رکاب ہوں۔ جہاں حضور کا پسینا گرے میں خون گراؤں۔ کوئی ترچھی چتون سے دیکھے تو آنکھیں پھوڑ ڈالوں۔ مصاحبوں کو میاں آزاد کا نوکر ہونا کانٹے کی طرح کھٹکا۔

ایک۔ (دبے دانتوں) پیر و مرشد۔ استخارہ تو دیکھ لیں آج آئے تو کیا مضائقہ۔

دوسرے۔ (جل بھن کر) خداوند بے تمیز بوجھے کیونکر رکھ لیے گئے۔ خدا جانے چور ہیں اُچکے ہیں۔ خونی ہیں۔ یہ ہیں کون بلا اور یوں صورت سے تو مرد آدمی سب ہی معلوم ہوتے ہیں مگر کسی کے دل کا حال کیا معلوم۔

تیسرے۔ بیشک کیا چوٹٹوں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔

چوتھے۔ حضور والا یہ ایک دفعہ جعلی دستاویز بنانے کی علت میں ماخوذ ہو چکے ہیں۔

پانچویں۔ اجی یہ تو برف بیچا کرتے ہیں۔ مگر واللہ اچھا نقشہ جمایا۔

چھٹے۔ خداوند انکی چشم ازرق پر نظر ڈالیں یہ عین دلیل طوطے چشمی کی ہے۔

ساتواں۔ تم صاحب انکا یہاں کہاں ٹھکانا۔

میاں آزاد سب کی ہانک سنکر بولے۔ پیر و مرشد یہ سب چوٹٹے اُٹھائی گیرے ہیں۔ جانبازوں میں بندہ درگاہ ہی ہیں۔ اچھا ایک کام نہ کیجئے الیکشن پر کوئی کام بتا دیجئے۔ دیکھیے کون حسن لیاقت سے انجام دیتا ہے۔

مصاحب۔ تو آپ تو ریل کے خلاصیوں میں کام کر چکے ہیں آپ سے اسمیں کون بڑھے۔

آزاد۔ اچھا حضور عروض میں کچھ سوال و جواب ہوں۔ دیکھئے ان سب کا قافیہ تنگ کر دیتا ہوں یا نہیں۔

اتنے میں ایک صاحب نے جھلا کر کہا۔ ابے واہی ہوا ہے ٹٹی میں لگائی ہے۔ کہیں میں ایک گدا نہ دوں حضور کو بھولا بھالا

سادہ مزاج دیکھ کر بہت چل نکلا ہے۔ چل الگ ہٹ۔

میاں آزاد	پری رخوا ہی کی میں نے بھی آنکھیں دیکھی ہیں میں ڈر نجاؤں گا آنکھیں دکھایئے نہ مجھے	

میاں آزاد یہ گیدڑ بھبکیاں! اے کیوں نہ ہو۔ شان خدا۔ آپ اور ہمیں گدا دیں سُن او گاؤدی ہم گدا کھانے والے نہیں کیا کہوں ایک رئیس کے مصاحبوں میں نہ ہوتا تو اسی دم میں گردن ناپتا۔ مگر کل تم کو ٹھیک بناؤں گا۔ اس میں ایک اور رفیق نے ڈپٹ کر کہا آپ ہیں کس بھکوے رئیس کے مصاحب! میاں آزاد نے کہا دیکھیے خداوند نعمت ایسے مصاحب ہیں حضور کے ایک تو حضور کے سامنے گدا دینے پر آمادہ ہیں۔ دوسرے پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ گئے۔ تیسرے نے آپکے دشمنوں کو بھکوا بنایا۔ چوتھے صاحب نے فرمایا کہ ہمارے آقا بھولے سادے آدمی ہیں اب کون نہیں جانتا کہ بھولا اور سادہ اس زمانے میں گاؤدی احمق گھامڑ سے مراد ہے۔ لاحول ولا قوۃ رئیس کو یہ کلمے ایسے برُے معلوم ہوئے کہ فوراً مصاحبوں کو للکارا جسنے بھکوا کہا تھا وہ تو کھڑے کھڑے موقوف ہوا کیوں بے نمک حرام یہ کیا بات چیت تھی جس کا نمک کھائے اُسی کو بھکوا بتائے۔ ابھی موقوف۔ انکو نکال دو۔ میاں آزاد نے (بہت خوب پیر و مرشد) کہہ کر ان کو تو اسٹیشن کے باہر نکالا۔ اب اُسکی شامت آئی جو سادہ مزاج بتاتے تھے۔ کیوں بے مردک ہم احمق ہیں بھولے ہیں گدھے ہیں۔ ابھی دور ہو سامنے سے۔ اگر ڈیوڑھی پر آیا تو رئیس نے تو کہا ہی تھا کہ میاں آزاد نے فقرا پورا کر دیا (تو وہ بے بھاؤ کی پڑیں گی بچہ کہ سر پر ایک بال نہ رہے گا) رئیس نے پوچھا کوئی ہے؟ حاضر پیر و مرشد کہکر آزاد نے ان کی بھی گردن ناپی اور اسٹیشن سے بدر کیا۔ خبردار جو ڈیوڑھی پر آیا تو تو جانیگا اب ان حضرت کی باری آئی جو گدا دیتے تھے۔ ہاں جی کیا تم نے کہا تھا ذرا پھر تو کہنا۔ گدا دو گے۔ میری طرف دیکھو۔ گدا دو گے اللہ اللہ اب آپ اتنے ہو گئے۔ کہ جس کو ہم نوکر رکھیں اسکو آپ گدا دیں ہٹ سامنے سے۔

میاں آزاد نے دیکھا کہ سب کے سب کا موقوف ہونا اچھا نہیں تو کس مزے سے کہتے ہیں۔ اے خداوند۔ انسے بھول سے مذاق ہوتا ہے جانے دیجئے۔ دیکھو جی تم کو رئیسوں کی ابھی صحبت نہیں رہی ہے۔ کوئی اپنے آقائے نامدار کے سامنے ایسا کلمہ منہ سے نکالتا ہے۔ لے اب خطا معاف کدورت صاف کراؤ ہاتھ جوڑو قدموں پر ٹوپی رکھو۔ بیچارے نے ناچار ہاتھ جوڑے اور کانپتے ہوئے کہا خداوند قصور ہوا۔ از خرداں خطا واز بزرگاں عطا۔

اب سنیئے کہ میاں آزاد نے کہا چلیے حضور ہوٹل گھر دکھا دوں رئیس گردوں مدار مع شعل دستی و رفقا چلے تو آزاد نے کہا حضور اگر میرا کہنا مانیں تو اس غٹ کے غٹ کو ساتھ نہ لے چلیں ان لوگوں کو حکم دیجئے کہ باہر جہاں کگڑ والا بیٹھا ہے۔ وہاں ٹھہریں اور دستی گل کر دی جائے۔ حضور تشریف لے چلیں۔ کمترین ہمراہ رکاب ہو اور ایک خادم باادب۔ بس اُدھر رئیس مع میاں آزاد مصاحب خاص اور خادم باادب کے ہوٹل کیطرف چلے ادھر مصاحبین میں ہنڈیاں پکنے لگیں۔ واہ بھئی واللہ ہم سمجھے تھے کہ ہم ہی زمانے بھر کے فقرہ باز ہیں مگر یہ ہمارے بھی چچا نکلے۔ آدمی کیا بلائے بے درماں ہے۔ یہ وہ کالی ناگن ہے جس کے کاٹے کا منتر نہیں ابھی سونگھ جائے تو انسان ٹیں کر کے رہ جائے۔ ارے یار ہم جانتے تو اس بدبخت پر آوازے ہی کیوں کستے۔ کیا کہیں۔ شدنی بشدنی۔ دیکھو واللہ چٹکیوں میں رنگ جمایا۔ آتے ہی دو کو کھڑے کھڑے نکلوا دیا اور تیسرے کی خطا معاف کرائی ایسے دخیل ہو گئے۔ اور سنیئے

کس فقرے سے ہم سب کو اسوقت ٹہلایا۔ اور گگڑ والے سے مصاحبت گرمانے کا حکم دلوایا ہات تیری دم میں موٹا سا رسّا باندھوں مصاحب خاص بنے ہیں چڈان یار دبیڈ ھب ہوئی اب اس مردود کا نکلنا مشکل ہے۔ اسپر فقرہ چلنا سخت دشوار ہے پرلے درجے کا مکار طرار عیار ہے۔ واللہ ہنسی آتی ہو جی تو آپکو ہنسی آتی ہوگی۔ ہماری روح تو رو رہی ہو۔ بھلا ہنسی کا یہ کون موقع ہو جسطرح دودھ سے مکھی نکالی جاتی ہو۔ اس طرح ہم آپ برسوں کے رفیق نکال دئے گئے۔ کٹ جانے کا مقام ہے بیچے اس ملعون نے خدا اُسے غارت کرے دستی گل دو مصاحب غائب۔ خود مصاحب خاص الخاص بن بیٹھے اب کوئی ایسی فکر کرنا چاہیئے کہ اب یہ جمنے نہ پائیں۔ ہم بتائیں مشہور کردو کہ یہ بوچڑ ہیں نیچ قوم۔ ہمارے حضور کو اسکا بڑا خیال ہو کبھی جو ابھی موقوف نہ کردیں تو ہاتھ کٹا تا ہوں ناک ناک بدتا ہوں۔ واللہ بوچڑ کی خوب سوجھی گرکہے کون کسی ایرے غیرے نیچ کلیان کو لگا دو۔ اُدھر رئیس خورشید کلاہ کو آزاد شیخوخیت پناہ نے ہوٹل دکھایا لمونیڈ کا ایک جام پلایا اور خراماں خراماں اسٹیشن کے باہر سیر کرانے لاسے مصاحبوں نے دیکھا کہ مصاحب خاص سے میٹھی میٹھی باتیں کرتے آتے ہیں۔ ایک شخص کو پہلے ہی سے سکھا پڑھا رکھا تھا۔ اُسنے آگے بڑھ کر آوازہ کسا کہ واہ رے زمانے کے اُلٹ پھیر۔ ؎

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان
طوق زرّیں ہمہ در گردن خرمی بینیم

شریف بیچارے تو نکالے جائیں اور قوم کے بوچڑ رئیسوں کی مصاحبت پائیں۔ اتنا سننا تھا کہ رئیس کے کان کھڑے ہوئے۔ انکو نیچ قوم خصوصًا بوچڑوں سے بہت نفرت تھی فورًا میاں آزاد سے بیساختہ پوچھ بیٹھے کہ کیا آپ بوچڑ ہیں۔ اتنے میں ایک مصاحب چلا اُٹھے کہ حضور نہیں تو اور ہیں کون۔ دوسرے نے موقع پاکر کہا ابھی کل تک تو کبھی نیچتے تھے۔ آج حضور کے مصاحب خاص ہوئے۔ ایاز قدر خود بشناس۔ کیا مزے سے گرما رہے ہیں۔ گوشت بیچتے بیچتے عمر گذر گئی۔ اب باتیں بناتے ہو۔ اور رئیس زادوں کو بہکاتے ہو اب میاں آزاد حیران ہیں کہ یہ سردست اچھی ہٹی۔ خوب پچھاڑا کیا دل گردہ ہے کہ کلّہ بکلّہ بوچڑ بنا رہے ہیں۔ الغرض میاں آزاد کا رنگ پھیکا پڑگیا۔ مصاحبین کا داؤں چل گیا۔ میاں آزاد بیچارے بوچڑ بنا کر نکالے گئے اور مصاحبین نے کہنا شروع کیا کہ حضور تو اس بوچڑ والے کے دم میں اچھے آگئے ہم برسوں کے جاں نثار پشت ہا پشت کے نمکخوار گگڑ والے کے سپرد کئے گئے اور وہ حضور کے ساتھ ساتھ اسٹیشن کی سیر کر رہا تھا صاحب لوگوں نے دیکھا ہوگا تو کیا کہا ہوگا کہ یہ امیر آدمی اور بوچڑ کے ساتھ ہوا کھا رہے ہیں۔ الٰہی توبہ۔ الٰہی توبہ۔

کیا کمال ہے

زعفران کشمیر کوچہ گردی۔ گیسوئے غذار دشت نوردی۔ دبستان جنون کے مسلّم الثبوت اُستاد میاں آزاد ایک روز بادۂ طرب کے نشہ میں چور سرخوش و مخمور نور کے تڑکے سبزان چمن اور خوبرویان گلشن کا جوبن لوٹتے چلے جاتے تھے۔ ہر سمت باغ وبہار انفاس نسیم سحری عطر بیز و عنبر بار۔ آب جوئبار کا جھلکنا مرغان خوش الحان کا چہکنا غنچوں کا پیاری ادا سے چٹکنا چکور کے قہقہے۔ بلبل کے چہچہے۔ ابر کی اٹکھیلیاں برق کی بتابیاں سبزے کی لہک کلغی کی دمک سے فلک الافلاک پر دماغ تھا سینہ فرط مسرت سے باغ باغ تھا۔ ایک دفعہ ہی چاروں طرف سے ابر تند و پرشور گھر آیا فیل مست کی طرح جھوم جھوم کر گھٹا کھلی اور سیر باغ کی کیفیت دہ چند بڑھائی۔ پہلے تو ٹپ ٹپ

ننھی ننھی بوندیں پڑنے لگیں اور پھر چشم زدن میں رم جھم موسلا دھار دونگڑا برس پڑا۔ آسمان پر ابر محیط ناپیدا کنار اور سحاب پر بحر کا دھوکا ہوتا تھا اتنے میں ہوا نے وہ زور باندھا کہ ٹہنیاں پھٹ پڑیں اُدھر برق نے چشمک زنی کی ادھر رعد گرجنے لگا پتے جلترنگ بجاتے تھے۔ سارنگ گاتے تھے۔ کالی کالی گھٹا میں لال لال انگارا سی بجلی کا لوکنا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی حبشی کے جسم سے خون کے تراڑے بہ رہے ہیں۔ یا کسی گنوارن نے مانگ میں سیندور بھرا ہے۔ یا سونا کسوٹی پر کسا ہے۔ میاں آزاد ایک دکان میں دبکے دبکائے بیٹھے تھے جب پانی کسی قدر کھل گیا اور سبزے کا غبار دھل گیا تو میاں آزاد خراماں خراماں چلنے لگے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک یوروپین معزز سوداگر ایک گلعذار کو بغل میں بٹھائے برانڈی کے نشے میں گاڑی اُڑائے زن سے نکلگیا پھر دو رہوار صبا رفتار ایک اسپ پا رکختہ پر فرانسیسی سیاح اور دوسرے گلگوں آہو شکار پر ایک خاتون زہرہ جبین کڑکڑاتے اور چمکاتے چلے جاتے ہیں ایک جنٹلمین تاجر باوقار زن جمیلہ وطرحدار کو ساتھ لیے ہاتھ میں ہاتھ دیے یہ میٹھی میٹھی باتیں کرتے وہ ناز و ادا سے قدم دھرتے میاں آزاد کے قریب سے نکلے۔ زن حسین و مہ جبین کی زلف پر شکن مشکبار ہے الٰہی یہ زلف ہے یا عرق بہار یا فتنۂ روزگار۔ سامنے سے تین چار لیڈیاں غنچہ دہن سیمتن ہمجولیوں سے چہل کرتی اٹھلا اٹھلا کر آ رہی ہیں اُدھر ایک عالیشان و سپہر توامان کوٹھی میں تین جنٹلمین پیارے پیارے اونچے سُروں میں کچھ الاپتے ہیں اور آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک احاطۂ دلکشا اور فرح بخش میں چار پانچ لڑکے اور لڑکیاں سبزہ زار پر بہار پر آنچ پھاند میں مصروف ہیں

میاں آزاد اپنے دل میں سوچے کہ بہار عمر انھیں کو حاصل ہے زندگی کے مزے یہی لوٹتے ہیں۔ کہیں باجا بج رہا ہے کہیں گانا ہوتا ہے۔ کوئی بگھی پر ہوا کھاتا ہے۔ کوئی پیدل جاتا ہے اُس سہانے وقت اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں اور پھولوں کی بھینی بھینی مہک کی یہی داد دیتے ہیں۔ نوعروسان چمن کا جوبن دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں۔ میاں بیوی خوش و خرم خنداں و فرحاں تر دماغ و غزل خواں یہ اُسپر عاشق وہ اُسپر مفتوں۔ ع نے غم دزدنے غم کالا یہی خوشی اسے کہتے ہیں۔ اب شہر کی طرف پلٹے تو بوئے بد دماغ میں آنے لگی۔ کوئی پڑا سو رہا ہے کوئی اپنی قسمت کو رو رہا ہے۔ ایک شخص نے ذرا سی بات پر اپنی بیوی کی کمر پر ایک لات کس کر لگائی اور پھر ایک چھڑی جمائی اور لے گی۔ حلوائی اور حلوائن نانبائی اور اُسکی بیوی میں جوتی پیزار تند بھاوج میں گلخپ اور تکرار۔ دیورانی جٹھانی میں مار دھاڑ بٹوے اور پٹوعن میں گالیوں کی بوچھار ہو رہی ہے جس گلی کوچے میں نکل جاتے ہیں شور محشر بپا ہے چو طرفہ سے یہی آواز آتی ہے کہ تڑکا ہوا اور لڑنے لگے۔ صبح صبح آدمی رام کا نام لیتا ہے خدا کی یاد کرتا ہے پیر پیغمبر کو منا تا ہے۔ یہ نہیں کہ تڑکے تڑکے جوتا چلنے لگا۔ خیر یہ تو نیچ قوموں کی بات چیت تھی۔ اب شرفا کا حال سنئے کوئی تو دروازے پر بیٹھا حقہ پی رہا ہے کوئی لمبی تانے پڑا خراٹے لے رہا ہے۔ کوئی بیوی کو ڈپٹ رہا ہے کوئی لہسن پیاز گوشت کی فکر میں ہے۔ اور کہیں میاں بیوی میں جوتی چل رہی ہے۔

میاں آزاد نے اپنے دل میں افسوس کیا کہ واہ رے ہم اور ہمارے شغل کجا وہ سجے سجائے بنگلے۔ وہ میٹھی میٹھی باتیں۔ وہ پیاری پیاری ادائیں۔ وہ اودی گھٹائیں۔ آبی لباس کی جھلک

وہ مل جل کر گانا۔ وہ مزے مزے سے باجا بجانا۔ وہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے وہ چمن اور روشوں میں اٹھلانا۔ کجا یہ جنون خیز گلیاں۔ یہ وحشت انگیز کوچے۔ یہ عفونت بیز ہوا۔ یہ کیچڑ یہ ہوتی بیزار۔ یہ میاں بیوی میں تکرار ہے دیکھیے گھر سے باہر نکلنا ہی نہیں جانتا۔ کوئی مردوں سے شرط کر کے سویا ہو۔ کوئی انگڑائیاں لے رہا ہے۔ کوئی کروٹ پر کروٹ بدلتا ہے عجبیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ اتنے میں میاں آزاد ایک مکتب کے قریب پہونچے بیس بائیس لڑکے جھوم جھوم کر بیٹھے پڑھ رہے ہیں اور ایک کم سن طالب علم کو مولوی صاحب یہ پڑھا رہے ہیں۔

آں عشوۂ گر کرشمہ سنج شیوۂ سامری بکار بردہ و شعبدہ ساحری آشکار کردہ مرا تے از بغل برآوردہ درویں برکب انداختہ در محاذی آں بیدل لمحہ گذاشت و برگے چند از نار دیدہ آب ریختہ گفت منزل من حصنی ست حصین و حصاری ست بلند چوں چرخ برین کہ در ہوائش پرواز گم کند و سیمرغ در نیمہ راہش بال مجال بریزد و بیہودہ ببندان ہوس بسوی اجل ممتاز و بیہودہ بکام نہنگ گام منہ عبث پا در بیابانِ بادیہ جنوں مباش و چوں مجنوں بزنجیر رسوائی سر در مکن کہ ذرہ احقر اک خورشید ست نتواند زد و پشہ بربام آسمان نتواند پرید ایں بگفت و راہ منزل خود پیش گرفت زر گر خدنگ دلدوز عشق آں جادو فطرت ماہ فریب تا سوفار در دل نشستہ بود بر خاک بیقراری برافتاد۔ میاں آزاد کے کان کھڑے ہوئے کہ ایں! یہ تو بہار دانش ہے آگے بڑھ کر علیک سلیک کے بعد مولوی صاحب سے پوچھا کہ جناب مولانا صاحب آپ کیا درس دے رہے ہیں۔ فرمایا بہار دانش کا سبق پڑھا رہا ہوں۔ کیا بہار دانش! ۔ اور مکتب میں۔ افسوس۔ کیئے بید ہم بھی پڑھایا۔ جی دو لڑکے تو ملک زادۂ ختن اور عشق مہربانو کا سبق پڑھتے ہیں اور ایک نے ابھی کوئی چالیس صفحے تک پڑھا ہے۔ مولوی صاحب کیا بال دھوپ میں سفید کیے ہیں گردن پیرانہ سالی کے سبب سے ہلنے لگی مگر ابھی تک عقل نہ آئی یا یوں کہوں کہ آپ سٹھیا گئے۔ اے قبلہ بھلا یہ کتاب اس لائق ہے کہ مکاتیب میں تعلیم دی جائے سن شریف شصت و شش ناز م با ریش و فش۔ اسمیں کہیں عشق جنوں خیز کا قصہ۔ کہیں بتان جادو فطرت کا فسانہ کہیں گل فروش خونی نگاہ کا ذکر کہیں معشوقوں کی کج ادائی۔ کہیں عورتوں کی بیوفائی کا مذکور یا جادوگروں کی حکایت دیو دجن کی شکایت ہے۔ از سرتاپا فحش بلکہ افحش الافحاش۔ کم سن طلبہ کے دل پر اس کے مطلب کا کیسا خراب اثر ہو گا۔ حضرت از رائے خدا اس کتاب کو نہ پڑھایئے واہ صاحب آپ کیا جانیں۔ یہ تو ہمارا علم ادب ہو۔ پھر آخر پڑھائیں کیا۔ میاں آزاد نے افسوس کیا کہ بعض گاؤدی مدرس کیسی کیسی واہیات کتابوں کا طلبہ کو سبق دیتے ہیں کہ معاذ اللہ۔

چلو میں اُلو

میاں آزاد ایک روز چلے جاتے تھے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک چوراہے کے نکڑ پر بھنگ والے کی دکان ہو۔ اور اُسپر اُنکے ایک لنگوٹیے یار بیٹھے ڈینگ کی لے رہے ہیں کہ ہم نے جو خرچ کر ڈالا وہ کسی کو پیدا کرنا بھی نصیب نہ ہوا ہو گا۔ لاکھوں کمائے کروڑوں لٹائے کسی کے دینے میں نہ لینے میں۔ اتنے میں میاں آزاد نے جھک کر کان میں کہا۔ واہ بھئی استاد کیوں نہ ہو۔ لفاظی کے صدقے اچھی اچھی لنترانیاں ہیں۔ ہاہا تو آپکے عمر بھر فالودہ بیچا کیے اور دادا جوتے کی دکان رکھتے رکھتے بڑھے ہوئے آپ نے کما یا کیا اور لٹا یا کیا۔ یاد ہے کہ ایک دفعہ ساڑھے چھ روپیہ ماہواری کی

تحریری پائی مگر اس سے بھی نکالے گئے۔ اب آپ ڈینگ کی لے رہے ہیں اُس نے کہا آپ بھی نرے گاؤدی ہیں ارے میاں اب گپ اُڑانے سے بھی گئے گذرے۔ بھنگ والے کی دکان پر بندۂ درگاہ تہذیب کو رفوچکر کر دیتے ہیں۔ تہذیب آئے تو بھنگ گھوٹنے کا سونٹا ہی لگاؤں اور پھر اتنا تو سمجھو کہ یہاں ہمیں جانتا کون ہے۔ بھئی خیر بیٹھو یا جاؤ مگر از برائے خدا ہتھے پر نہ ٹوکو۔ میاں آزاد تو ایک سیلانی آدمی تھے۔ خود بھی تپائی پر ڈٹ گئے۔ تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک درخت کے تلے چھپر پڑا ہے مگر سرکی کا۔ صاف ستھرا ایک تخت بچھا ہے۔ دو تین تولیاں دو ایک گھڑے ڈول رسّی لوٹے کونڈی بھنگ بھری دھتورا شکر کالی مرچ یہ سب سامان موجود ہے۔ بھنگ والا سل پر رگڑے لگا رہا ہے۔ لگے رگڑا اٹھے جھگڑا۔ دو چار گرگٹ دل دنیا و مافیہا سے بیخبر۔ نہایت بیتابی سے غل مچا رہے ہیں کہ واہ استاد تیری دکان پر ہن برسے ہاں ہاں ایسی چکی پلا جس میں جوتی کھڑی ہو۔ آج تو دھتورا بھی چاہے ذرا سا کبڑ ڈے۔ ہاں جس میں خوب سرور گٹھیں ارے تیری دکان کے تو جو ہے بھی بھنگیڑی ہوں گے۔ بھنگ والے نے دو تین کو خوب گاڑھی بوٹی پلائی وہ رفوچکر ہوئے تو دو چار آئے۔ اتنے میں میاں آزاد کے دوست نے جن کو لوگ موٹاپے کے سبب سے بھد بھد کہا کرتے تھے یوں ہانک لگائی۔ اُستاد آج تو دودھیا پلواؤ۔ مگر خوب چکی ہو۔ پیتے ہی لے اُڑے چلّو میں اُلو ہو جائیں اُستاد تو ان ایسوں کی نبض تک سے واقف تھے دودھیا میٹھی کیوڑے سے بسی ہوئی پلائی۔ پہلے تو میاں آزاد نے کہا کہ کیا! بھنگ نشے کی چیز! نا صاحب توبہ توبہ عطائے تو بلقائے تو بخشیدم۔ بندہ درگذرا۔ بلی بخشیے چوہا لنڈورا ہی جی جائے گا۔ نشے کا تو میں جانی دشمن ہوں۔ زر دادن و درد سر خریدن کونسی دانائی ہے۔ دام خرچ کر کے اُلّو بننا۔ ذی ہوش ہو کر بیہوشی کو ترجیح دینا آدمی سے اونٹ بنجانا انسانیت سے اپنے کو خارج کر دینا حماقت ہے یا نہیں۔

بھد بھد۔ تو یہ کہیے۔ جنیں وجناں کے پھندے میں پھنس گئے اور پڑھو کہتے ہیں رفتہ رفتہ پاگل ہو جاؤ گے لے اب پہلے تو آپ فصد کھلوائیں پھر دماغ کا علاج کریں۔ میاں ؎

بہار عمر ملاقات دوستداران ست
چہ حظ برد خضر از عمر جاوداں تنہا

ایک گلھڑ پیو۔ دیکھو تو کیسے سرور گھٹتے ہیں نہ پیئے تو ہمارا ہی خون پیئے

بھد بھد نے اپنے ایک دوست ہرنجھ کو پلا دی اور سب مل کر چلے۔

بھد بھد۔ یہ چھوہارے کا پیڑ ہے۔

آزاد۔ ہاں ہم خرما ہم ثواب۔

بھد بھد۔ کیا خوب۔

آزاد۔ تسلیم۔

راستے میں ہرنجھ نے پوچھا کیوں یار یہ کون محلہ ہے۔ جی چینی بازار ہے واہ کہیں ہو نہ۔ یہ چینا بازار ہے۔ ماشاءاللہ یہ نیا نام سنا۔ چینا بازار کیسا چینی بازار ہے۔ آپ تو کہنا نہیں مانتے کہتے ہیں کہ چینا بازار ہے۔ کیا! کہتے ہیں۔ آپ ہیں کون جو کہتے ہیں ہم گلی گلی کوچے کوچے چپّے چپّے سے واقف ہیں۔ آپ ہمیں راستہ بتلاتے ہیں۔ اے تیری قدرت اسی شہر میں پیدا ہوئے۔ اسی میں عمر بھر رہے اسی میں اتنے بڑے ہوئے۔ آپ فرماتے ہیں چینا بازار نہیں تو کیا آپ کی طرح چلنی بازار کہیں۔ نا قبلہ بندۂ درگاہ کی زبان سے غلط لفظ نہ نکلے گا۔ جی ایسے ہی تو آپ بڑے محقق ہیں لے خبردار اب چینا بازار نہ کہئے گا۔ میرے سامنے گنوار رہا ہے: ابے چینا بازار کے کیا معنی مردک۔ ہائیں کیا بکا۔ مردک! یہ مردک کسے کہا میری شان میں اور یہ کلمہ شہدہ مردوں سے بھی دل لگی

اچھا کسی ثالث سے پوچھو۔ آزاد نے دونوں کو سمجھایا کہ کیوں لڑتے مرتے ہو۔ مگر سنتا کون تھا۔ اسوقت سامنے سے ایک آدمی چلا آتا تھا آزاد نے بڑھ کر پوچھا کہ ادمیاں جانے والے بھلا یہ کون محلہ ہے۔ اس نے کہا کہ چینا بازار اب بھد بھدا۔ ہر نیچ دونوں نے اسکو دق کرنا شروع کیا چینی بازار کہ چینا بازار۔ بولو۔ جلد بولو۔ چینا بازار کہ چینی بازار۔ بتاؤ جھٹ پٹ۔ چینا بازار کہ چینی بازار چینی بازار یا چینا بازار۔ سو سو دفعہ پوچھ رہے ہیں کہ چینی بازار یا چینا بازار اور آدھ کوس تک اُس کے ساتھ گئے اس بیچارے کو ان بھنگڑ سلطانوں سے پیچھا چھڑانا مشکل ہوگیا بار بار چمٹ رہے ہیں کہ چینی بازار یا چینا بازار۔ اسنے صدہا مرتبہ کہدیا کہ صاحب چینا بازار اور چینی بازار دونوں صحیح ہے۔ مگر ان کو تو کچے گھڑے کی چڑھی تھی۔ انھوں نے سوائے اس کے اور کچھ بات ہی نہ کی کہ چینی بازار یا چینا بازار۔ جب آدھ کوس تک اس بیچارے رہرو کو رگیدلے گئے اور چینی بازار اور چینا بازار سنتے سنتے اُسکے کان تک پک گئے تو وہ جھلایا اور ڈانٹ کر بولا کہ چپ رہو بدمعاش۔ چینی بازار اور چینا بازار دونوں کی ایسی تیسی اور تمھاری ساتھ لے کر۔ اب بولے تو ہم کھوپڑی پر ایک ڈنڈا جمائیں گے نامعقول۔ ہم کو بنا تا ہے۔ ہم کوئی گنوار نہیں۔ تم اپنے دل میں سمجھے کیا ہو۔ ابھی آواز دوں تو تین سو لٹھ بند تلوار یں سوت سوت کر آن موجود ہوں۔ ایک گھنٹے سے جان عذاب میں کر دی کہ چینا بازار یا چینی بازار۔

ہر نیچ۔ ہٹ ترے بھد بھد کی ایسی تیسی۔ کہتے تھے مردک سے کہ تم کو نہ پڑا نہ ما۔ دیکھ بھنگ سے کیسی مت بھنگ ہوئی۔

صنعت اور تجارت کے کرشمے

اُدھر خاتون شب نے شکست فاش پائی اور عامل روز کی سواری بصد کر و فر آئی چراغوں نے برطرفی کا پروانہ پایا اور سفیدۂ صبح نظر آیا۔ ادھر مجنون لیلائے دنیائے دوں۔ حدت تیغ کشورکشایان معرکۂ جنوں۔ وحشت کے نہنگ بحر آشام۔ شیطان سے زیادہ مشہور خاص و عام۔ شیخو خیت پناہ میاں آزاد لوحش اللہ چلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بستی سے کوئی دو گولی کے ٹپے پر ایک جوئبار اور لب چشمہ سار بگلوں کی قطار ہے اور ہر گلبن پر بلبل رنگین گفتار ہے غزل خوان گلشن کی زبان صرف قصیدہ ہائے نوروزی۔ ہر سمت سامان طرب ہی اور اسباب عشرت اندوزی۔ ہر مرغ خوش الحان ترانہ سنج ہی اور مرنجاں مرنج۔ سبزہ مثل ساکنان خلد سبز پوش ہی رند عالم سوز بھی بادۂ وحدانیت کے نشے میں سرخوش و مدہوش ہے۔ در و دیوار سے وجعلنا النہار معاشًا آشکار اور مفہوم جعلنا سراجًا وہاجًا نمودار۔ چہاں چہاں اور خراماں خراماں حضرت بھی گلگشت چمن کرتے چلے جاتے تھے اور تماشائے نسرین و نسترن سے دل بہلاتے تھے کہ دفعتًا ایک مقام پر پہونچے مینو سواد ہر کوچہ و برزن آباد۔ چپہ چپہ رشک بہشت شداد۔ ذکور چست و چالاک اُناث مست و فرحناک۔ مکانات فرح بخش و نغز آراستہ دکانیں بصد قرینہ پیراستہ۔ دلبر میوہ فروش۔ سبزۂ گلگوں کی پیاری صدا انیکھی چتون بانکی ادا۔ جس گل زمین میں اُسکی دکان ہے وہ رد کش باغ نعیم رشک جناں ہے۔ ثریا دور سے خوشۂ انگور کو تا کے۔ امرود حلوائے بید ود۔ سیب دافع آسیب بہی قوت دل۔ انار راح روح۔ تنبولی کی دوکان پر شوقین آدمی مصروف جاں سپاری ہیں اور ایک عالم مشغول خریداری اور کیوں نہ سرخروئی کا بیڑہ اُٹھایا ہے۔ سبز بخت کا خطاب پایا ہی ادھر ٹکا ہاتھ میں لیا اُدھر چاندی کا ورق لگا کر بیڑہ دیا کتھا کیوڑے کا بسا ہوا ایک گلوری کھائے تو غذائے

ثقیل ہضم ہو جائے۔ حقے کا منھ کالا۔ جھوبا گرد کر ڈالا۔ تمباکو والے کی دلکش دکان پر اور ہی آن بان ہے۔ نرالی سج دھج، نوکھی شان ہے جسے دیکھو اُسی کا دم بھرتا ہے۔ ناک پر بیٹھے تو جھنالی دروازے تک تڑاقے کی آواز جائے۔ نیچہ کیا ہزار داستان ہے۔ ہر فصل میں چہک رہا ہے۔ تمباکو مشک و عنبر کی طرح مہک رہا ہے۔ آتش زبانی میں فرد۔ دود افگن کی گرم بازاری۔ اسکے مقابلے میں سرد پھول ہے سدا بہار۔ یا کوہ ہے آتش بار۔ بقول رسا گل بھی ہے بلبل بھی ہے۔ نقل بھی ہے قُل بھی ہے۔ گیند لطافت کا سر طوق چنبر ہے چلم گویا کلاہ ناز بر سر ہے۔ چہچہ زنی پر آمادہ ہوا تو اچھے اچھوں کے دھویں اڑا دیے آتش نفسوں کے چھکے چھڑا دئے۔ محفل کی رونق اسکے دم سے مجلس کا لطف اسکے فیض قدم سے۔ خوبان شکر لب کے ساتھ دمساز ہے۔ ہوا خواہوں کا سرمایۂ ناز ہے۔ دود عنبریں سرمہ کش چشم پری رخان فرخار۔ چاند و بازوں کا لنگوٹیا یار گندھی کی دکان عنبر بار کی طرف جو گذر ہوا۔ تو دماغ طبلۂ عطار بن گیا خوشبو کیا فتنۂ روزگار ہے کبھی کنٹر میں عرق عروس کبھی میں عرق بہار ہے خراج خطا و ختن اسکا مول ہے قنوج اور جونپور اسکی چاہ میں ڈانواں ڈول ہے۔ لخلخہ درائحہ سے دماغ معنبر ہے دور تک شمیم عنبر عطر روح پرور ہے۔ دلدار چوڑی فروش بلائے بید رماں ہے۔ چوڑی سیاہ رو کش سرمہ آلودہ چشم خوباں ہے۔ سبز چوڑی سبزان ہند کی یاد دلائے۔ سرخ چوڑی کے رشک سے یاقوت احمر ہیرا کھائے صورت دیکھے جی للچائے زاہد صد سالہ بھی دیکھ پائے تو بے دام چکائے خرید لیجائے رعب حسن سے مول تول کا لفظ زبان پر نہ لائے چوڑی کیا مشاطۂ چابک دست ہے جو ساعد سیمیں کے جوبن کو بھڑکاوے بانکے دیر ینہ روز کو محبوب چاردہ سالہ بناوے پھر جوہری کے دکانچۂ زرنگار پر جو نظر پڑی تو گویا پکھراج پری سے آنکھ لڑی جھلک

دیکھے تو لآلی آبدار پر انجم نثار کرے۔ ایک ایک دُرِ یتیم کا مول خراج بدخشاں ہے۔ حاصل بحر ایک در مکنوں کا بہا نہو۔ پھر بزازے کی طرف جو نکل گئے تو آب رواں کی جھلک پر خریداری کا شوق چرایا روپیہ گاڑھے وقت کام آیا۔ زربفت گلبدن کو بھایا۔ لالہ نین سکھ نے بھاؤ چکایا۔ انھوں نے کبھی دس کبھی پانچ دام بتائے دھوپ چھانو نے گرگٹ کے ایسے رنگ بدل کر شرمایا۔ حلوائی کا میٹھا پکوان غضب کا آبِ تاب ہے ہم خرما وہم ثواب۔ برفی دیکھے تو منھ میں پانی بھر آئے۔ گرسنہ چشم کا جی چاہے کہ تھال کے تھال کھا جائے۔ کتب فروش کی دکان پر شائقین علم و ہنر کی گرم بازاری شمع کتب پر اہل قلم کا پروانہ وار ہجوم ہے شعرا کے تذکرے دواوین نذرت طراز مثنوی کتب اخلاق طب کے نسخے تاریخ علم ہیأت اور طبیات کے رسالے۔ شعرائے گرانمایہ ایران کا کلام فصاحت التیام علماء عرب کے مصنفات۔ عاشق مزاجوں کے مطائبات ظرافت فنون کے ہزلیات مزاح سمات۔ جدھر نکلتے ہیں خوشی کی کھانچیاں بھری ہیں۔ مسرت کے انبار لگے ہیں۔ بازار نشاط کی گرم بازاری نے غم دزد نے غم کالا۔ عیش و عشرت کا بول بالا۔ میاں آزاد دل ہی دل میں سوچتے جاتے ہیں کہ الٰہی یہ شہر ہے یا خلد بریں۔ یہ زمین ہے یا سواد اعظم عرش تمکین۔ راستے صاف۔ سڑکیں شفاف۔ کوئی خوشی کے شادیانے بجاتا ہے۔ کوئی ننگ لیاں سناتا ہے۔ کہیں دنگا نہ فساد ایک کو دوسرے سے رنج نہ عناد چلتے چلتے ایک شخص سے مڈبھیڑ ہوئی علیک سلیک کے بعد پوچھا کہ یا حضرت یہ کون گلزمین ہے میں تو اسیر ہزار جان سے عاشق ہو گیا۔ یہ سماں دیکھا نہ سنا۔ باشندے سب مرفہ حال سیم و زر سے مالامال بشرے سے خوشی ٹپکتی ہے۔ چہرے سے مسرت برستی ہے میاں یہ شہر تقدس بنیاد مینو سواد (چشمش مرساد) چند ہی روز سے آباد ہے لیکن ایسی ساعت سعید اور آوان حمید میں اس کی بنیاد پڑی

کہ صناعی نے روز بروز ترقی پائی تجارت نے خوب ہاتھ پھیلائے دستکاری کو دن دونی رات چوگنی فروغ ہوا۔ حضرت یہ سب صنعت و تجارت کے کرشمے ہیں۔ علم و فضل میں بھی یہاں کے باشندوں نے ید بیضائے ناموری حاصل کیا۔ شاعری میں ہمیشہ عدیم و سہیم۔ شاعری میں فقید المثال نثر نثرہ نثار۔ شعر شعری شعار۔ الغرض کسی فن کسی صناعی میں کم نہیں۔ سیم و زر کالعدم نہیں۔ ہاں ایک بات ضرور ہے نوکری کا کوئی شائق نہیں اور نوکری بھی کی تو اعلیٰ فنون کی اسسٹنٹ سرجن۔ ڈپٹی کلکٹر افسر انجینیر۔ اکونٹنٹ تاجر اور دستکار البتہ یہاں بکثرت موجود ہیں کشمیر سے شال۔ ڈھاکہ سے ململ۔ مالوے سے افیون۔ متھرا سے پیڑے لکھنؤ کی کامدانی اور چکن دہلی کی سادہ کاری انگوٹھیاں آگرہ کی دریاں کانپور کے منڈے۔ بسواں کا تمباکو بمبئی کی اشیاء غریبہ عرب کے گھوڑے شتقلبند کے چاقو۔ منچسٹر کا کپڑا۔ کابل کے انار بہی سیب کشمیر کا بنفشہ۔ احمود خراسانی ساری خدائی کی مشہور چیزیں یہاں آتی ہیں اور دم کے دم میں بک جاتی ہیں۔ ایک ایک دلال نے کوٹھیاں بنالیں۔ لکھ پتی ہو گیا۔ میاں آزاد ایسے خوش ہوئے کہ جامے میں پھولے نہ سمائے واہ ری تجارت تیرے قدم دھو دھو کے پیئے یہ تیرے ہی دم کا ظہور ہے یہ خدا کے مقبول بندے ہیں۔ یہ نہیں کہ الف بے پڑھی اور منڈا سا باندھ کر کچہری پہنچے پر پر ختم کی اور چپڑاسی کلارکی دکا نپر ادھار کھا بیٹھے برسوں ایڑیاں رگڑ رہے ہیں مگر نوکری نہ ملی نہ ملی۔ چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے تو وہ نوکری ہی پر لٹو رہیں گے۔ ہائے افسوس یارو از برائے خدا ذرا اس شہر کی حالت پر نظر ڈالو نوکری کے پھندے سے چھوٹو۔ یہ چہل پہل یہ رونق یہ کیفیت یہ لطف تازہ اور سرور بے اندازہ نوکری میں کہاں۔

میاں آزاد مترجم

اس شہر مبارک بنیاد سے چلے تو ایک نئے مقام پر پہونچے۔ اب سنئے کہ کڑکڑاتی دھوپ پڑ رہی ہے۔ کھوپڑی چٹخی جاتی ہے ٹھیک دوپہر چیل انڈے پر انڈا چھوڑ رہی ہے۔ لون کے تھپیڑے وہ زناٹے کے چل رہے ہیں کہ الاماں۔ دانہ زمین پر گرتا تو بھن جاتا۔ چہار طرف سناٹا۔ ہو کا عالم۔ پرند اپنے اپنے گھونسلوں میں دبکے دبکائے حضرت انسان مکانوں میں جان بچائے بیٹھے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت آ گئی آفتاب سوا نیزے پر ہو رہا مگر او رے میرے فقیر کیا کہنا۔ میاں آزاد گلی کوچوں میں چکر لگانے سے کب بند ہوتے ہیں۔ گو کہ

تیر اٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے

لیکن میاں آزاد بے غل و غش شہر کے صدقے ہو رہے تھے آخر کار پھرتے پھراتے چلتے چلاتے ایک جوہری کے دکان پر زرنگار کی طرف سے جو گذرے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کمسن لڑکا بھکا ہوا کچھ لکھ رہا ہے میاں آزاد گھومتے گھومتے جہاں دیدہ ہو گئے تھے ہی تیوروں سے تاڑ گئے کہ یہ جوہری بچہ نوکری کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ لفافہ دور سے دیکھتے ہی خط کا مضمون بھانپ لیا۔ سوچے کہ اس سے کسی طرح ملیں مگر جان نہ پہچان خالہ جی سلام۔ ملاقات کے لیے کچھ تو تقریب چاہئے آپنے آؤ دیکھا نہ تاؤ پوچھا کیوں صاحبزادے اس گاؤں کا کیا نام ہے۔

جوہری بچہ۔ گاؤں یہاں سے کوئی دس بارہ کوس کے ٹپے پر ہے گاؤں کہیں اور ہو گا گاؤں کی ایک ہی کہی یہ شہر ہے یا گاؤں۔

آزاد۔ ہاں وہی شہر۔ لاحول۔ کیوں میاں یہاں میٹھا حلوا بھی بکتا ہے۔

جوہری بچہ۔ (مسکرا کر) اور کیا آپکے گاؤں میں کھٹا حلوا بھی بنتا ہے۔ کیا کریلے کا حلوا بناتے ہیں یا نیم کا۔

آزاد - میاں میں مسافر غریب الوطن ہوں سرا کا پتا بتا دیجئے تو احسان ہوگا

جوہری بچہ - پورب کی طرف ناک کی سیدھ پر چلے جاؤ بائیں ہاتھ کو راستہ گیا ہے دس ہی قدم پر چورا ہہ ہے - بس سامنے سرا کا پھاٹک نظر آتا ہے - میاں آپکا کس غرض سے آنا ہوا - کسی بھٹیاری سے رشتہ داری ہے -

آزاد - کیوں صاحب شہید مردوں سے بھی دل لگی - ہمپر فقرہ بازیاں اے تیری قدرت آپ بھی اتنے ہوئے خدا رکھے میاں صاحبزادے ابھی نام خدا اٹھارہ برس کا سن ہے - جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش - کل ہوش سنبھالا آج ہمپر تنبیہ آنے لگے سنئے بندہ نواز ہم یہاں مسافر آن طور پر آئے ہیں اگر ترجمہ در ترجمہ کہیں - ملے گا تو فہو المراد ورنہ چلتا دھندا - سو اگر آپ کے امکان میں ہو تو آپ ہی ترجمہ دلوادیں چہارم آپ کی بھی نذر ہے - ۶۔

	کوشش کرو کار خیر ہے یہ	

جوہری بچہ - واہ وا ازیں چہ بہتر نیکی اور پوچھ پوچھ گر ترجمہ ایسا نہ ہو کہ لوٹیا فرستاد دو دھوتی رسید اور نہ ایسا کہ لکھے موسیٰ پڑھے خود آئے -

آزاد - اجی ایسا ترجمہ کروں کہ آنکھیں کھل جائیں ہم کیا کوودں دے کر پڑھے ہیں خط دیکھیے موتی پروتا ہوں -

جوہری بچہ - اچھا تو ہماری عرضی کا ترجمہ کر دیجیے چونی نذر کر دوں گا - ابھی ابھی دوں گا - کھری مزدوری چوکھا کام -

آزاد - چونی! تو ایسے مترجم بہت مل جائیں گے اچھا آپ لائیں تو سہی صبح صبح بوہنی سہی -

جوہری بچہ - اچھا جی - ابھی آپ کے نزدیک تڑکا ہی ہے - تو لیجیے معاف کیجیے - دوپہر ڈھل گئی - آپکے یہاں ابھی بوہنی ہی کا وقت ہے - دن دہاڑے یہ اندھیر تو ترجمہ کیا بڑے کا سر کیجیے گا بس قبلہ بس - خیر سن تو لیجیے -

عرضی - کرم پرور غریب گستر نوشیروان ثانی عادل زمانی سلامت فدوی کے چینگی پوٹے ماشاء اللہ کھا بچیوں بھرے ہیں کوئی رتی بھر کا کوئی ماشہ بھر کا کوئی تولے بھر کا کوئی چھٹنکی کوئی پنسیری یہ دونی چونی اٹھنی گنتی سب ہی رقم کے ہیں - میری مصیبت پر نظر ڈالکر کوئی عہدہ عطا فرمائیے تو اسکے جلد دیں خدا حضور کو فرانس کا پریسیڈنٹ کرے فدوی نے ایک کندے والے کی زبانی سنا ہے کہ آجکل داروغگی بم پولس بشاہرہ تیس روپیہ ماہواری خالی ہے - چونکہ کمترین کو صفائی کا بہت خیال ہے - لہٰذا اس استحقاق کے بموجب عرض رساں ہے کہ عہدہ مذکور پاؤں - واجب تھا عرض کیا - فدوی -

آزاد - سبحان اللہ عرضی کیا لکھی ہے کہ قلم توڑ دیئے - کیوں بھئی کتنی صاحبزادیاں اور صاحبزادے آپکے ہونگے - ہیں کوئی آدھے درجن -

جوہری بچہ - (ہنسکر) اجی یہاں تو ابھی شادی ہی نہیں ہوئی ہمارے چھوٹے بھائیوں تک کا بیاہ ہوگیا - چھما چھم کرتی بیویاں آئیں مگر ہم ترس ہی رہے ہیں - لڑکے کیسے -

آزاد - پھر یہ آپنے کیا لکھدیا کہ کھا بچی بھر چینگی پوٹے ہیں -

جوہری بچہ - اجی تو اب لکھنے سے بھی گئے گذرے - جو رجوری سے گیا ایرا پھیری سے بھی گیا - اب صاحب کو تو یہی پڑی ہے کہ تحقیقات کرتے پھریں ہر محلے سے پوچھیں تحصیلدار کے ذریعہ سے دریافت کریں - اور تو کچھ انھیں کرنا ہی نہیں آپ کی باتیں بھی واللہ لکھ رکھنے کے لائق ہیں -

آزاد - عہدہ بھی چشم بد دور وہ تجویز ہوا کہ زمانے بھر کا گو ملا - ترکا بھدا اور بم پولس جھانکنے لگے - کبھی بھنگیوں سے جوتی چل رہی ہے - کبھی بھنگنوں سے گٹھنپ ہو رہی ہے - بھائی ابھی جوان ہو پڑھو لکھو جم کر محنت کرو نوکری کی تمہیں کیا فکر ہے - لکھے پڑھے آدمی - جواہرات کے ڈھیر

لگے ہیں۔ دکان جھک جھک کر رہی ہے۔ اور چلے تیس روپیہ کی نوکری کرنے۔ اے لعنت خدا۔

جوہری بچہ۔ ہائیں! ہائیں! کہاں تو عرضی لکھتے سے تھے کہاں لگے پانی پی پی کر کوسنے۔

آزاد۔ میاں پڑھنے لکھنے کا یہ حاصل نہیں ہے کہ خواہ مخواہ نوکری ہی کرے۔ اور نہیں تو دارو غہ پولیس ہی سہی۔ خاصے جوہری بنے ہوئے معقول آدمی۔ لالہ جی لالہ جی کہتے ہیں۔ لالہ جی کے دماغ پر گرمی چڑھ گئی تو دارو غہ پولیس بن بیٹھے۔ بات ترے کج خلقی کی دم میں خدا۔ ایسے شوق ملازمت کی ایسی تیسی۔ خدانخواستہ ایسا کیا گاڑھا وقت ہے کہ پندرہ بیس کی نوکری پر جان دیتے ہو۔ یار عزیزا۔ بنی دکان کا کاروبار دیکھو نہیں، روپیہ تو بات کی بات میں خیرات کر سکتے ہو۔

میاں آزاد وہاں سے اُٹھے تو سوچے کہ کچھ شگون اچھا ہے۔ جب سرچوک ایک کمرہ کرایہ پر لے کر مترجم بن بیٹھے اور دروازے پر ایک تختہ لگا دیا کہ (میاں آزاد مترجم)

اب دل لگی دیکھیے کہ صبح سے شام تک پچاسوں غرضمند آنے لگے جسے دیکھو صاحبت گرماتا ہے ایک لالہ صاحب قلمدان دبائے عینک لگائے تشریف لائے۔ آداب بجا لاتا ہوں کہہ کر دستی سے کاغذ نکالا۔

لالہ۔ بندہ پرور اس عرضی کا ترجمہ کر دیجئے۔ جو کچھ ہو لیجیے۔

آزاد۔ آخاہ یہ تو عرضی کیا امیر حمزہ کی داستان ہے۔ ذرا پڑھیے تو سہی۔

لالہ۔ حضور پرنور دام۔ بعد آداب آداب بجا آورد معروض رائے فیض انجلائے گردانیدہ می آید کہ چوں فی زمانہ بفضل قادر یگانہ عہدہ ہائے چند در چند بہ وجوہ انتظام دریابردنی و دریابرآمدنی خلوے خواہد شد او بفدوی جاں نثار کئی ماہ سے مستمر ادر ما ذطیفہ ترقی آپ کا اور زبان میمون کے لاتا ہے لہٰذا تسدیا پرداز ہے کہ اگر عہدۂ تحصیلداری عطا ہو تو پرورش ہے۔ اور کمترین ماہین سے بندوبست میں محرر ہے کمترین کے بڑے بھائی کی بیوی یعنی کمترین کی پھوپھی جس سے مذاق کا رشتہ ہے اسکے باپ کے پہلے خسر کا چچا زاد بھائی دارو غہ بشاہزادی روپیہ ماہواری تھا۔ چونکہ حکم ہے کہ عالی خاندانان کی پرورش ہوگی لہٰذا اسی استحاقیت پر ملحوظ رہے۔ اور بندہ آبکاری کے کام سے بخوبی واقف ہے۔ ازانجا کہ کارگزاران کی پرورش اور پرماکاں سے کہ خداوند مجازی اُن کو خواص و عوامان کہتے ہیں اُسی طرح لازم ہے جس طرح آسمان کو رخ عقبات عالیات اور ہم بندوں کو تیرتھ دگنگا توری لہر ہمارے من بھائی گنگا توری لہر) واجب ہے۔ اگر عہدۂ مسطورۂ بالا عطا ہو تو خدا حضور اور حضور کے بال بچوں اور بابالوگ اور قبیلہ کو الیاس کی عمر دے۔ الٰہی دولت کا ستارہ بلند رہے۔ فدوی۔

میاں آزاد نے جو یہ عرضی سنی تو لوٹنے لگے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے اسقدر ہنسے اسقدر ہنسے کہ آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔ لالہ جی عقل کے ناخن لیجئے۔ ہوش کی دوا کیجئے۔ پیش پا افتادہ الفاظ کا املا میں تو آپنے ہزار جگہ غلطی کی۔ معروض کو (معروق) یہ نئی گڑھت کا لفظ ہے۔ انتظام کی خرابی (انترام) تقدیہ کے عوض (تسدیا) ملحوظ کی جگہ (ملحوذ)، ماشاء اللہ۔ اور یہ دریابردنی اور برآمدنی کی ایک ہوئی (بعد آداب آداب بجا آوردہ) سب سے افصح محاورہ ہے۔ عالی خاندان کے لیے (عالی خاندانان) بہت ہی خاصہ (استحقاقیت بابت استحاقیت سے ہے۔ اور واللہ دگنگا توری لہر ہمارے من بھائی) یہ تان تو ایسی اڑائی کہ صاحب بھی رہ جائیں گے۔ واہ استاد اچھے گر یاد ہیں عالی خاندانی کا ثبوت بھی کتنا صاف ہے کہ حضرت کے بڑے بھائی کی بھاوج کے باپ کے پہلے خسر کے چچا زاد بھائی اسی روپیہ مہینے کے نوکر تھے اللہ اللہ اے حضرت آپ تو بڑے عالی خاندان سے نکلے

اور یہ سمجھا دینا تو آپ پر فرض عین تھا کہ بجاو ہے سے آپکو دل لگی کا رشتہ ہے۔ اسکے بغیر عرضی پھیکی رہتی۔ قبلہ بندہ سے اس کا ترجمہ نہ ہو سکے گا ذری اتنا تو بتا دیجیے کہ آپ ہیں کون ٹھاکر۔

لالہ جی بندہ تو اگن ہوتری ہے۔

آزاد۔ اگن ہوتری! یعنی بھڑ بھونجے۔ یہ کہیے تو پھر آپ کی خالی خانداني میں کیا شک ہے۔ میاں آدمیت سیکھو۔ مات کی محرری سے تحصیلداری کے طالب ہو۔ بھلا کوئی بات بھی ہے۔

میاں بھڑ بھونجے بڑبڑاتے ہوئے چلے کہ واہ اونچی دکان پھیکا پکوان۔ نام بڑے درشن چھوٹے۔ مترجم بنے ہیں بڑا ساتختہ دروازہ پر لگا دیا اور موٹے حرفوں میں لکھدیا کہ میاں آزاد مترجم۔

اکڑفون

میاں آزاد زمین سے گز بنے ہوئے ادھر اُدھر گھوم رہے تھے کہ اتنے میں ایک بڈھے کھوسٹ نے ایک بانکے سے کہا کہ میاں بیدھے آئے ہو یا جان وبال ہے یا زندگی دوبھر ہے۔ یا چھینکتے گھر سے چلے تھے یہ اکڑنا اور برنا کیا معنی یہاں گردن جھکا کر چلا کیجیے ورنہ کوئی پہلوان گردن ناپے گا۔ تو یہ شیخیت ساری خاک میں ملجائے گی۔ تنا اور اینٹھنا بھول جائیے گا۔ مفت میں کرکری ہو گی۔ اس سے کیا واسطہ۔ یہ شہر کشتی پٹے بانک لکڑی کی ٹکسال ہے بہت سے لڑنتیے آئے مگر چنی کھا گئے۔ ہاتھ ملاتے ہی یہاں کے پہلوان پکڑ لائے۔ اور مارا چاروں شانے چت۔ لنگڑی پر اسوا اُنے میں طاق سواری کسنے میں مشاق۔ کولے پر لادنے میں بڑاق۔ یہ سنتے ہی وہ میاں بانکے آگ بھبھوکا ہو گئے۔ جی۔ تو کہیں اس بھروسے بھی نہ رہیے گا بندہ چنی کھانے والا آدمی نہیں ہے پیچ کھیت پچھاڑ تو سہی قربان اپنے استاد کے جنھوں نے ہمیں لکڑی کھلائی۔ طباؤں کی لکڑی پھینکنا تو سب ہی جانتے ہیں مگر میدان کا۔ زار میں ٹھہرنا البتہ کارے دارد۔ اور زبانی داخلہ تو اور ہی بات ہے ہمارے استاد تیس تیس آدمیوں سے گھار لڑتے تھے اور کون لوگ۔ ایسے ایسے گنوار گھامڑ نہیں۔ پڑھے ہوئے پٹھے جنہیں انکو ناز تھا۔ پھر یہ خیال کیجیے کہ تیس تیس گتکے برابر پڑتے تھے مگر تیسوں کی خالی جاتی تھیں۔ کبھی آڑے ہو گئے کبھی گتکے سے چوٹ کاٹ دی کبھی بدن کو سمیٹ لیا۔ کبھی پینترا بدل دیا۔ شاگردوں کو للکارتے جاتے تھے کہ لگا بڑھ کے ہاتھ گتکے کا اور وہ جھلا جھلا کے چوٹیں لگاتے تھے۔ مگر منھ کی کھاتے تھے۔ اور اپنا سا منھ لے کر رہ جاتے تھے۔ جب سب کا دم ٹوٹ گیا اور لگے ہانپنے تو گتکے ہاتھ سے چھوٹ چھوٹ پڑنے مگر استاد۔ اُن کے وہی خم دم وہی چتون۔ وہی تاؤ بھاؤ۔ پھر دس لکڑی پھینکیں لیکن دم نہ پھولے اور جو کہیں بھڑ پڑے تو بات کی بات میں پرے صاف تھے کسی پر پالٹ کا ہاتھ جمایا۔ کسی کو جاکی کا ہاتھ لگایا۔ پھر بھی یہی معلوم ہوتا تھا کہ پھلجھڑی چھوٹ رہی ہے۔ یا آتشبازی کی چھچھوندر ناچ رہی ہے (استاد کی اچھی تعریف کی) یا چرخی چکر میں ہے جنیو کا ہاتھ تو آجتک کوئی چاروانگ عالم میں روک ہی نہ سکا وہ تلا ہوا پڑتا تھا کہ ادھر اشارہ کیا اُدھر تڑسے پڑ گیا۔ جنیو کا ہاتھ کیا قضائے مبرم ہے پیام اجل ہے آفت ناگہانی ہے۔ بلائے بیدرماں ہے۔ گتکا ہاتھ میں آیا اور معلوم ہوا کہ بجلی لوکنے لگی۔ ممکن نہیں کہ انسان کی آنکھ جھپکنے پائے اور آدمی تیورا نہ جائے۔ للکار دیا کہ روک جائی پھر لاکھ جتن کیجیے بھلا روک تو لیجیے۔ نشانہ تو کبھی خالی ہی جانے نہیں پایا۔ تاکا اور بھرپور ہاتھ لگایا۔ پھری عمر بھر نہ چھوٹی۔ ایک انگ ہی نرالا کیسے اُنکے ٹھاٹھ ہی نرالے ہیں۔ چھریرا بدن سادہ مزاج۔ آدمی صورت دیکھے تو یقین نہ آئے کہ یہ استاد بے بدل ہیں۔ مگر ایک ذرا سی بانس کی کھپاچ دیجیے پھر دل لگی دیکھیے کہ کیسے جوہر دکھاتے ہیں میاں ہم ایسے استادوں کی آنکھیں دیکھے ہوے ڈھاپٹے بانکے نبوٹ کشتی لکڑی کسی میں

بند نہیں۔ جی چاہے کسی سے بھڑوا کر دیکھ لیجئے اتنے میں ایک گنوار کا لڑکا چلا جاتا تھا انھوں نے پکارا کہ ابے ذرا ادھر آنا۔ ادھر آ ہماری بات سنے جاؤ۔ لڑکا قریب آیا تو پوچھا کہ انسے دو چوٹیں ہوتی ہیں اُس نے نظر بھر کر دیکھا اور کہا ہاں ہم کسی سے دب کے نکلنے والے نہیں جس کا جی چاہے ارمان نکال لے۔

بانکا۔ ابے جا ایسے دیہاتی چھوکرے ہم نے بہت چرائے ہیں۔

گنوار۔ جی تو کہیں سوریاں چرائی ہونگی۔ دیہاتی چھوکروں سے شیطان نے پناہ مانگی ہے۔ آپ ہیں کس شمار و قطار میں ہم نے بھی شہر ہی میں تعلیم پائی ہے۔ ان گیدڑ بھبکیوں میں اور آتے ہونگے گنوار تو یہ فقرے سنا کر چل دیا میاں آزاد اور بانکا پھر شہر میں چکر لگانے لگے چوک میں پہونچے تو جبیر نظر پڑتی ہے بانکا ترچھا تیکھا چنت دار انگرکھے پہنے نکے دار کٹی ہوئی ٹوپیاں سر پر جمائے چست گھٹنے ڈانٹے آدھو پڑے ہوئے ڈھالنے باندھے ہوئے تنے چلے جاتے ہیں تمنچے کی جوڑی کمر سے لگی ہوئی دو دو ولاتیاں پڑی ہوئیں باڑھیں چڑھی ہوئیں۔ قرابنچہ۔ پیش قبض۔ کٹار۔ سروہی۔ شیر بچہ۔ سب لیس۔ خاصے او بچی بنے ہوئے۔ ایک بانکے کو دیکھ کر ایک دکاندار شامت اعمال سے کہیں ہنس پڑا۔ انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ دن سے تمنچہ داغ دیا۔ مگر حسن اتفاق سے خالی گیا لوگوں نے پوچھا کیوں آپ کا کیوں بگڑ گئے تیکھے ہو کر فرمایا کہ ہم کو دیکھ کر یہ جی مسکرائے تھے ہم نے گولی لگائی کہ دانت پر پڑے اور اس جواب دنداں شکن سے انکے بھی دانت کھٹے ہو جائیں۔ مگر زندگی تھی کہ گولی سے بچ نکلا میاں آزاد اپنے دل میں سمجھے کہ یہ بانکے تو بالکل ناخدا ترس ہیں انکو زیر نہ کیا تو کچھ بات نہیں۔ ایک تنبولی سے پوچھا کہ کیوں بھئی اس شہر میں بانکے بہت ہیں اُس نے کہا میاں بانکا ہونا تو دل لگی نہیں۔ ہاں یوں کہیے کہ بنکرے بہت ہیں اور ان سب کے گرو گھنٹال وہ ذات شریف ہیں جن کو لوگ یکرنگ کہتے ہیں وہ صندلی رنگا ہوا جوڑا پہن کے نکلتے ہیں۔ مگر مجال کیا کہ شہر بھر میں کوئی صندلی جوڑا پہن تو لے یکرنگ صندلی جوڑا کوئی پہن نہیں سکتا کوئی پہنے تو گولی بھی سر کر دیں اس کے ساتھ یہ بھی ہے۔

میاں آزاد سوچے کہ اس یکرنگ کا ٹینٹوا نہ لیا تو کھانا حرام دوسرے دن حضرت بھی صندلی بوٹ صندلی گھٹنا صندلی انگرکھا صندلی ٹوپی دے کر نکلے۔ میاں بھی صندلی۔ اب جس گلی کوچے بازار سے گذر ہوتا ہے لوگ تعجب کرتے ہیں کہ یہ آج اس ڈھب سے کون نکلے ہیں بھئی چو طرفہ انگلیاں اُٹھنے لگیں شدہ شدہ حضرت یکرنگ کے جیلی چاپڑنے لگے کان میں بھی بھنک پڑ ڈالدی۔ سنتے ہی منھ لال چقندر ہو گیا۔ کپڑے پہن ہتھیار لگا چل کھڑے ہوے۔ میاں آزاد تنبولی کی دُکان پر جا کر ٹک گئے اُن کی وضع دیکھتے ہی اُس کے ہوش اُڑ گئے۔ لگا ہاتھ جوڑنے اور منت کرنے کہ از برائے خدا میری ٹوپی دے لیجئے یا جوتا بدل ڈالیے ورنہ وہ آتا ہی ہوگا مفت کی ٹھائیں ٹھائیں سے کیا واسطہ انکو تو کچھ گھوڑے کی چڑھی تھی یہ مانتے کب تھے۔ گلوری لی اور اکڑ کر کھڑے ہو گئے ارد گرد تماشائیوں کا ہجوم ہے اور شہر بھر میں دھوم ہے کہ آج یکرنگ سے تلوار چلے گی اتنے میں حضرت یکرنگ بھی نمودار ہوئے۔ تنبولی نے میاں آزاد سے کہا کہ سنبھلے وہ۔ ۔ آتے ہیں تمنچے کو چڑھائے ہوئے کل پر اُن کے آتے ہی بھیڑ چھٹ گئی۔ ہر کوئی ادھر کترا گیا کوئی اُدھر دبک رہا۔ کوئی گلی میں گھسا۔ کوئی کمرے پر چڑھ گیا۔ یکرنگ نے جوان کو دیکھا کہ از سر تا پا صندلی پوشاک پہنے ہے۔ تو جل ہی مرا۔ نظر قہر آلود ڈال کر کہا۔ ابے او ہولا عبث۔ اُتار ٹوپی بدل جوتا۔ گستاخ! ہمارے ہوتے ساتھی تو صندلی جوڑا پہنکر نکلے

تیرے اور یہ خم و دم۔ اُتار اُتار نہیں ہے بڑھ کر کام تمام کردونگا میاں آزاد پینترا بدل کر تیر کی طرح جھپٹ پڑے اور نہایت پھرتی سے یکرنگ کی توند پر تیغچہ رکھدیا۔ او خرنا شخص جنبش کی اور دھواں اُس پار۔ ہلا اور دائیں کی آواز آئی۔ بولا اور لاش پھڑکنے لگی۔ مردک بڑا بانکا بنا ہے۔ صدہا شرفا کو بے عزت کیا تم جیسے بدمعاش اور بانکپن کا دم بھرو۔ اتنے چابک مارونگا کہ یاد کروگے بچہ۔ ابھی اتار ٹوپی۔ اُتار اُتار نہیں دھول اُس پار۔

اتفاق سے کہیں ایک درزی کا اُدھر سے گذر ہوا۔ میاں خلیفہ کی پگڑی اُتار یکرنگ کی چیت گاہ پر رکھی اور یکرنگ کی صندلی ٹوپی اپنی جیب میں رکھ لی۔ ہات تری ایسی تیسی۔ بڑے بانکے بنے تھے شہر بھر میں کوئی یکرنگ جوڑا نہ پہنے۔ نادری حکم لگادیا۔ زیردستوں غریبوں شریفوں کو بہت ستاتے تھے۔ ہم سے ایک نہ چلی۔ حوصلہ ہو تو آؤ دو دو ہاتھ بھی ہو جائیں خبردار جو آج سے صندلی جوڑا پہنا تو تم جانوگے۔

شہر بھر میں یہ دھوم ہو گئی کہ میاں آزاد نے یکرنگ کے چھکے چھڑادیے گھگھی بندھ گئی چپ چاپ درزی سے ٹوپی بدلی سچ ہے دبے پر بلی چوہے سے کان کٹاتی ہے۔ اب تو میاں آزاد پر بانکوں کی بھی نظر پڑنے لگی۔ جس ٹکڑی میں جاتے تھے لوگ بہ تعظیم پیش آتے تھے۔ ایک دن اُنھوں نے منادی کردی۔ آج میاں آزاد چھ بجے صبح سے آٹھ بجے تک اپنے فن کے کرتب دکھائیں گے جن اصحاب کو شوق ہو آئیں اور حظ اُٹھائیں روز معینہ کو ایک فراخ و وسیع میدان میں غٹ کے غٹ جمع ہوے اور میاں آزاد نے طرح طرح کے جوہر دکھائے۔ لیموں پر نشان بنایا اور تلوار سے اُڑایا تو نشان کے پاس کھٹ سے دو ٹکڑے۔ کیسر و اُچھالا اور پانچ چھ مرتبہ میں چھیل ڈالا۔ تلوار کی باڑھ سے دس بارہ کی آنکھوں میں سرمہ لگایا۔ چراغ جلایا اور کھانڈا پھینکتے پھینکتے گل کاٹ ڈالا وانگ بتی الگ۔ ایک پیالے میں دس کوڑیاں رکھیں اور دو پر نشان بنادیا دونوں کو تلوار سے پیالے ہی میں کاٹا اور باقی کوڑیاں بلوہ بچ نکلیں۔ لکڑی ٹیکی اور چھت پر ہو رہے گنگے کا ذرا اشارہ کیا اور بیس ہاتھ اُڑ گئے۔ چالیس چالیس آدمیوں نے گھیرا اور یہ صاف نکل بھاگے۔ پلنگ کے نیچے ایک جنگلی کبوتر چھوڑدیا گیا۔ اُنھوں نے اس کو نکلنے نہ دیا دہ لاکھ کوشش کرتا رہا مگر پھڑپھڑا پھڑپھڑا کر رہ جاتا تھا۔ اتنے میں ایک پھکیت بولے ابھی یہ شعبدہ بازی ہے میدان کارزار میں سامنا ہو تو جانیں۔

آزاد۔ ہاں یہ دعوی۔ اچھا فہمیدہ خواہد شد۔ تمھارے یکرنگ رنگے سیار کا رنگ تو پھیکا ہو گیا۔ اب تم مُنھ آتے ہو۔ کسی دن گردن ناپھل گا۔

پھکیت۔ چو پنچ سنبھالو نہیں ہم تمھاری خبر لے لیں گے۔

آزاد۔ یہی دلی خواہش ہے کہ تم جتنے گو کھے بانکے ہو سب کو نیچا دکھاؤں اور تمھارا بل نکالوں۔ دیکھو صبح و شام تمھاری بھی قلعی کھلی جاتی ہے۔ تم لوگ بانکے نہیں مردم آزار خونخوار ناخدا ترس ہو جس طرف سے نکل جاؤ اُدھر آدمی کانپ اُٹھیں کہ بھیڑیا آیا کوئی ہنسا اور تم نے بندوق چھتیائی۔ کسی نے بات کی اور تم نے چوٹ لگائی بھئی واہ اچھا بانکپن ہے تو وجہ کیا جہاں دس ڈنڈ پیلے اور ابلہ چہ سے دس بارہ دن لکڑی پھیکی اور محلہ والوں پر شیر ہو گئے ورنہ باکمال کو ہمیشہ بردبار ہی دیکھا تم ایسے تو۔ ے

دشنوندار بچراغی رسند	دو دشنوندار بدماغی رسند

جب سے رذیلوں میں پھکیتی بنکیتی بانا شروع ہو گیا تب سے شرفا اُس کو معیوب سمجھنے لگے اور یوں اوبھی بن کر اور خوب تن کر

نکلنا تو سب ہی جانتے ہیں مگر فن کا جاننا اور ہی شے ہے۔

اتنے میں میاں آزاد کے قریب سے ایک پہلوان اینڈتے ہوئے نکلے جٹ لنگوٹ باندھے ململ کی چادر اوڑھے دو تین پٹھے ساتھ ایک کسیرو والے کی چیت گاہ پر پہلوان نے خدا واسطے کو دھپ لگا دی وہ پیچھے پھر کر دیکھتا ہی تو ڈھونڈھو ڈھونڈھو آدمی قہر درویش بر جان درویش۔ بولے تو خوب پیٹا جائے۔ کان دبا کر دھپ کھا کر دل ہی دل میں کوستا ہوا چلا گیا۔ ایک تھوڑی ہی دیر میں میاں پہلوان نے ایک خوانچہ والے کا خوانچہ الٹ دیا۔ تین چار روپیہ کی مٹھائی خاک میں مل گئی۔ جب اُس نے خوب ہی غل غپاڑا مچایا تو شاگردوں نے سر سہلایا۔ دو تین گدّے گھونسے ٹکے لگا دیے دو چار لپڑ جما دیے وہ بیچارا روتا چلاتا دہائی دیتا چلا گیا! دہائی ہے میرا خوانچہ لوٹ لیا۔

میاں آزاد اپنے دل میں سوچے کہ یہ تو کوئی بڑا ہی شورہ پشت معلوم ہوتا ہے۔ کسی پر لپڑ کسی پر تھپڑ۔ واہ کیا پہلوانی ہے اسکی خبر نہ لی تو کچھ نہ کیا۔ اُس نے تو شہر بھر میں تہلکہ مچا دیا ہی یہ سوچتے ہی میرا شیر جھپٹ پڑا اور پہلوان کے پاس جا کر گھٹنے سے ایسا دھکا دیا کہ میاں پہلوان نے باایں ہمہ تن و توش میں لڑھکیاں کھائیں اور سنبھلتے ہی انکی طرف ڈپٹ پڑے یہ بھی شیر نر کی طرح ڈکارتے ہوئے چلے۔ تماشائی تو سمجھے کہ پہلوان قوی ہیکل کس بل کا آدمی ہے چُرمُر کر ڈالے گا۔ لیکن آزاد نے پہلے ہی سے وہ داؤ پیچ کیے کہ پہلوان کے چھکے چھوٹ گئے ایسا دبایا کہ چھٹی کا دودھ حضرت کو یاد آیا پہلوان نے جیسے ہی میاں آزاد کا بایاں ہاتھ گھسیٹا انھوں نے داہنے ہاتھ سے اسکا ہاتھ باندھا اور اپنا چھڑا لیا اور چٹکیوں میں کولے پر لاد گھنا ٹیک کر چاروں شانے چت۔ یا علی پہلوان ابتک کورا تھا کسی دنگل میں آسمان دیکھنے کی نوبت نہیں آئی تھی میاں آزاد نے جو سر بازار ایک پٹخنی بتائی اور اُس نے ہزاروں آدمیوں میں پچھاڑ کھائی تو بڑی کرکری ہوئی اور تمام عمر کے لیے داغ لگا۔ میاں آزاد نے شادان و فرحاں اور اُس پہلوان نے نالاں و گریاں وہاں سے اپنی اپنی راہ لی ابتو میاں آزاد جگت استاد ہو گئے۔ یکرنگ کا رنگ پھیکا پڑ گیا پہلوان نے پٹخنی کھائی اور وہ وہ جوہر دکھائے کہ لوگ دم بھرنے لگے بنکیتی پھکیتی کشتی شورہ پشتی کی شہر بھر میں دھوم تھی جدھر جاتے تھے لوگ تعظیم بجالاتے تھے جس سے چار آنکھیں ہوئیں اُس نے فراشی سلام کیا اچھے اچھے بانکوں کی کور دبنے لگی جہاں کسی زبردست نے زیر دست کو دبایا اور اُس نے غل مچایا دہائی میاں آزاد کی۔ دہائی استاد کی اور یہ بانڈی لے کر آن موجود ہوئے کمزور کو کسی مردم آزار نے ذرا ایذا پہنچائی اور اُس نے ڈانٹ بتائی۔ ہائیں نہیں مانتے بلاؤں میاں آزاد کو شہدے لقّے لُورے لپّے میاں آزاد سے ایسے تھراتے تھے جیسے چوہے بلّی سے یا مریض تلی سے نام سنا اور بغلیں جھانکنے لگے صورت دیکھی اور گلی کوچوں میں دبک رہے۔ الغرض شہر بھر میں ان کا ڈنکا بج گیا چو طرفہ سکہ بٹھا دیا ایک دن میاں آزاد سرو ہی لیے اینڈتے جا رہے تھے اور لوگ انگلیاں اٹھا رہے تھے کہ ایک درزی کی دکان کے قریب سے انکا گذر ہوا دیکھتے کیا ہیں کہ تیرہ صدی کے ایک رنگیلے چھیل بانکے ترچھے جوان چھوٹے پنجے کا پڑھواں مخملی جوتا پہنے زلفیں لٹکائے بگڑی اکڑے لگائے درزی سے تکرار کر رہے ہیں۔

بانکے۔ واہ میاں خلیفہ تم نے تو ہمیں اُلٹے اُسترے سے مونڈا واللہ عجیب قطع کے آدمی ہو بھئی۔ میں تو زمین کا گز بن گیا کہیں کبھو کوئی ہاتھ آئی اور جوتے سلوائی ہوئی تم سے سلوائی گر

تم خدا جانے کس کتر بیونت میں رہتے ہو سینا پرونا بخیر۔ ہاں زبان البتہ کترنی کی طرح چلا کرتی ہے تم سے کپڑا سلوانا اپنے کو انگشت نما کرنا ہے۔ تمھارے رشتہ دار سب اُستاد ہیں مگر تم بڑے نکھٹو نکلے۔ ہاں دم دھاگا دینا خوب جانتے ہو۔ ٹوپی ایسی بھونڈی بنائی کہ یاران سرپل نے پھبتی پر پھبتی سنائی۔ واللہ ہمارے ایک شفیق کا درزی کیا ٹوپی سیتا ہے کہ سر پر قالب کا دھوکا ہو جاتا ہے

خلیفہ۔ اے تو حضور میں اس کو کیا کروں۔ میرا بھلا اس میں کیا قصور آپ کا سر ہی کاواک ہے۔ میں ٹوپی بناتا ہوں سر بنانا نہیں جانتا۔

بانکے۔ او گیدی جو بخ سنبھال۔ بہت بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بنا نہیں مارتے مارتے اُلو کر دوں گا جامے سے باہر ہوا جاتا ہے بانکوں کے منہ آتا ہے اور سنئے ہمارا سر کاواک ہے بے۔ تیرا سر سانچے کا ڈھلا ہے۔ چو مغز انا معقول اے تیرے ایسے ایسے درزی میری جیب میں پڑے رہتے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ لکڑی کھڈ نس دوں ملعون کے حلق میں۔ منہ بند کر نہیں دوں گا اُلٹا ہاتھ تو منہ ٹیڑھا ہو جائیگا اور تماشا دیکھیے۔ ہمارا سر گویا کدو ہو گیا ہم چو مغزے ہیں کان کتر لونگا بچہ۔

درزی۔ حضور مالک ہیں ل میری کھتا نہیں جیسا سر ویسی ٹوپی ایسا سر تو میں نے دیکھا ہی نہیں۔ یہ نئی گڑھت کا سر ہے صاحب بیچ پچ ہزار لعنت کھائی۔ آپ پھیر لیں بس میں سی چکا بھر پایا۔ جب دام دینے کا وقت آیا تو یہ فقرا سنایا۔ یہ سنتے ہی بانکے نے درزی کو چپت رسید کیا۔ اور اس درجہ پیٹا کہ وہ بیچارہ بے دم ہو گیا آخر کار کفن پھاڑ کر چیخا کہ دہائی میاں آزاد کی۔ دہائی میرے اُستاد کی۔ میاں آزاد دور سے کھڑے سیر دیکھ ہی رہے تھے جھٹ تلوار سوت عین موقع واردات پر پہونچ گئے۔ سنبھل او آکا کی دُم بانکپن کا دعویٰ اور تم پر بگڑے دیکھا تو میاں آزاد جگت اوستاد۔

آزاد۔ اس ڈونڈبل کے قربان واہ بھئی پہلوان۔ تم تو رستم دستاں ہو۔ خلیفہ بیچارے پر ساری چوٹیں صاف کر دیں۔ کبھی کسی کڑیل خاں سے بھی پالا پڑا ہے۔ کہیں گھاؤ بھی لگا ہے۔ یا غریبوں ہی پر شیر ہو۔ بڑے دلیر ہو تو آؤ ہم سے بھی دو دو ہاتھ ہو جائیں تم ڈھیر ہو جاؤ یا ہم چرکا کھائیں آئیے پھر پینترا بدلیے۔ اے ہے تو اب تاؤں کیا ہے۔ لے تیغ دو دم اور لگا بڑھ کر ہاتھ ادھر یا اُدھر۔

بانکے۔ بائیں بائیں! اُستاد ہمیں پر ہاتھ صاف کرنے کا داعیہ ہے۔ ہماری تلوار تم پر چلے۔ اور تمھاری سڑی ہمیر چلے۔ کیا مجال ہم ابھی نو سکھیے تم گرو گھنٹال۔ کچی چرکرا کچا طاؤس زمرد یں بال اور اس کمینے درزی کی طرف سے آپ بولتے ہیں اور شریفوں پہ تلوار تولتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ آئیے آپ سے کچھ کہنا ہے آگے اپنا اپنا لنا ہے۔ شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن۔ مصیبت تکلیف سب کچھ سہنا ہے۔ اگر تم کمک کرو تو بیڑا پار ہے ورنہ ہم ہیں اور منجدھار ہے۔

آزاد۔ اچھا توبہ کرو کہ اب کسی غریب زیر دست کو نہ دھمکائیں گے۔

بانکے۔ ابی حضرت دھمکانا کیسا ہم خود بلا میں پھنس گئے خدا ہی بچائے تو بچیں۔ صاف صاف یوں ہے کہ یہاں ہمارا ایک چپٹ ہے کمیدان۔ بلا کا پھکیت۔ ستم کا نکیت۔ قیامت کا ہاتھ ہے۔ اُس سے ہم سے لاگ ڈانٹ ہو گئی۔ کل نوچندی جمعرات کو ہمیں درگاہ میں گھیرے گا کوئی دو سو بانکوں کی جماعت سے ہم پر حربہ کرنے کا قصد ہے۔ اُس طرف ساری خدائی ہے ادھر کچھ بھی نہیں۔

ہم سوچتے ہیں کہ درگاہ نہ جائیں تو بانکپن میں حرف آتا ہے جائیں تو کس برتے پر یار تم ساتھ چلو تو مزے ہیں۔ ورنہ بے موت مرے۔

آزاد۔ بس اتنے ہی کے واسطے تو تمھارا ساتھ دیتے ہیں بیڑا اُٹھا لیا کہ تم کو کل لے چلیں گے۔ اور سب سے بھڑ پڑیں گے وہ سو ہوں خواہ ہزار۔ ہم ہیں اور ہماری تلوار۔ خنجر ہے اور کٹار۔ اتنی کٹاریں بھونکوں کہ دم بند ہو جائے۔ مگر یہ بتا دو کہ تمھارا قصور تو نہیں ہے۔

بانکے۔ نہیں استاد شہید کربلا کی قسم۔ جو میری جانب سے پہل ہو تو ناک کاٹ لیجئے اور جو چاہیئے سزا دیجئے مجھ سے انھوں نے ایک دن اکڑ کر کہا کہ تو تلوار نہ باندھا کر میں بھی آپ جانیے انسان ہوں بشر ہوں فرشتہ نہیں ملک نہیں مجھے بھی غصہ آگیا۔ میں نے کہا۔ وت۔ تو اور ہم سے ہتھیار رکھوائے۔ اسے تیری قدرت وتنے میں لگا بے نقطا سُنانے اور پندرہ بیس آدمی اُنکی طرف سے بولنے لگے مصلحت وقت سمجھ کر میں نے بھی دو چار باتیں کہیں دبا نہیں مگر لڑ پڑنا خلاف عقل سمجھا بانکا ہوں تو کیا ہوا لیکن بے سمجھے بوجھے بات نہیں کرتا۔ خیر اُسنے بآواز بلند کہا کہ اچھا چڑھاو درگاہ میں سمجھ لیں گے ابکی نوچندی میں یا ہمیں نہ ہونگے یا تم ہی نہ ہوگے۔

آزاد۔ اچھا تم بس رہنا میں دو گھڑی دن رہے آؤنگا۔ گھبراؤ نہیں تمھارا بال بیکا ہو تو مونچھ منڈوا ڈالوں۔ سو دو سو آدمی دیکھنے ہی بھر کے ہوں گے جانباز اُنمیں دو ہی چار ہوں گے جو آزاد کی تیغ کی چمک اور آب خنجر کی جھلک کا سامنا کریں ورنہ انکو پچھاڑ دے نو کدم بھاگیں تو سہی۔ اجل کا مقابلہ کرنا دل لگی نہیں ہے۔ مرد میدان باید۔ لے بس اب رخصت کل ملیں گے۔

میاں آزاد دوسرے دن ہتھیار باندھ کر اور بچی بنے ہوئے چلے راستے میں وہی بانکے ملے۔ علیک سلیک کے بعد دونوں ساتھ ساتھ چلے۔ جھٹپٹے وقت ٹہلتے ہوئے درگاہ پہونچے۔

نوچندی جمعرات جسکے آگے بنارس کا بوڑھوا منگل مات ہے چو طرفہ چہل پہل۔ کہیں مہوشان غنچہ دہن۔ کہیں پری رویان سیمتن تماشائیوں کا ہجوم ہشو بچو کی دھوم۔ ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے ہیں آدمی پر آدمی ٹوٹے پڑتے ہیں کوسوں کا تانتا لگا ہوا ہے۔ میوہ فروش صدا لگا رہے ہیں۔ تنبولی بیڑے بنا رہے ہیں۔ گنڈیریاں ہیں کیوڑے کی۔ بکتے ہیں کباب۔ میاں آزاد خراماں خراماں سیر کرتے گھورتے گھارتے پھاٹک پر داخل ہوے۔ دیکھا کہ سامنے تیس چالیس آدمیوں کا غول ہے۔ بانکے نے کان میں کہا۔ یہی حضرات ہیں۔ دیکھ لیجئے دنگے پر آمادہ ہیں یا نہیں اور لطف یہ کہ کوئی ہتا نہیں۔

آزاد۔ بھلا یہاں تمھارا بھی کوئی جان پہچان ہے۔ ہو تو دس پانچ کو تم بھی بلا لو۔ بھیڑ بھڑکّا تو ہو جائے۔ لڑنے والے ہم کیا کم ہیں مگر ذرا دو چار جالی خر پڑے بھی چاہئیں ڈالی کی رونق ہو جائے باقی ہاتھی کے کھانے کے دانت اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔

بانکے۔ ابھی لایا۔ دس بیس اچھے جیوٹ آدمی کٹ مرنے والے آپ ٹھہریں میں دم کے دم میں آیا مگر باہر ٹہلیے تو اچھا ہے یہاں جوکھم ہے۔

میاں آزاد پھاٹک کے باہر ٹہلنے لگے اور انکے یار جے چلے جیوٹ آدمیوں کی تلاش میں۔ کیدان نے جو دیکھا کہ دونوں کھسکے تو باہم ہنڈیاں پکنے لگیں۔ وہ بھگا یا وہ ہٹا یا بھاگا ہے نو کدم ہات تیری دم میں ہندا۔ ایک شخص نے

حضور وہ بھاگا نہیں ہو واللہ ایک ہی کائیاں ہے کسی فکر میں گیا ہے ذری کسی آدمی کو دوڑا دیجئے تو خبر لائے ایک بگڑے دل باہر گئے تو دیکھا بانکے بیگم کی طرف شتر بے مہار کی طرح گردن اُٹھائے چلے جاتے ہیں اور میاں آزاد پھاٹک سے دس قدم پر چہل قدمی کر رہے ہیں اُلٹے پاؤں آکر خبر دی کہ واللہ بس یہی موقع ہے پچھیے چلیے مار لیا ہے اناڑی کو۔ بائیں ہاتھ چلا جاتا ہے اور اکیلا ہے بیک بینی و دو گوش۔ تلوار آزاد کے پاس ہے۔ وہ سب دوسرے پھاٹک سے کھڑ بھڑ ملا کر چڑھ دوڑے۔ ٹھہر لے ٹھہر۔ اِدھر اُدھر بس رُک جا آنگے قدم بڑھایا اور تلوار کا زخم کھایا جنبش کی اور دیا تلا ہوا ہاتھ۔ بچہ آج نوچندی جمعرات ہے۔ پندرہ بیس آدمیوں نے چوطرفہ سے گھیر لیا۔ اور لگا گالیوں کا چھرّا چلنے۔ کمیدان کی آنکھیں لال انگارا۔ خون ٹپک رہا تھا۔ بدن مارے غصّے کے تھرتھرا رہا تھا۔ بانکے کو اکیلا پا کر رفقا بھی شیر ہیں کوئی اکڑتا ہے کوئی بدرتا ہے۔ اتنے میں دس پانچ نے مشیخت میں آکر تلوار کھینچ ہی لی ہائیں ہائیں ہائیں اور لوگوں نے دیکھا کہ ہم ہی پسنڈی رہے جاتے ہیں سڑسے سروہی میان سے باہر تھی۔ بانکے کا رنگ فق کہ غضب ہی ہو گیا۔ اب گتے کی موت مرے کس کس سے لڑونگا۔ ایک کی دوا دو نہ کہ سو۔ خیر۔ پھر ہرچہ بادا باد۔ بیچارے میاں آزاد کو کوئی خبر کر دیتا تو وہ جھپٹ ہی پڑتے۔ مگر اب موقع کہاں۔ جبتک کوئی جائے جائے ہمارا کام تمام ہو جائے گا۔ ایک یار نے بڑھ کر بانکے بیچارے مصیبت کے مارے پر ایک لٹھ لگا دیا تو بائیں ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اسمیں غل غپاڑے کی آواز میاں آزاد نے بھی سُنی انھیں کیا معلوم کہ ان کے یار پر کیسا وقت گذر رہا ہے ٹہلتے ہوئے چلے اور کھٹ کھٹ کر دڑاتے ہوئے پہونچے۔ اہو ہو ہو۔ یہ بانکے یہاں پھنسے ہوئے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ ہم ٹہلتے ہی رہ گئے اور حریف جھانسا دے ہی گیا تلوار کو ذرا ٹیکا اور زن سے اُس پار آن پہونچے یکئی کھلاڑی خبردار اناڑی۔ ہاتھ اُٹھایا اور میں نے چیپڑ خوٹ کیا اور منھ موڑ لیا بانکے کے دل میں ڈھارس ہوئی کہ شکر ہے خدا داد۔ جان بچائی از سر نو زندگی پائی۔ اتنے میں میاں آزاد نے کہا رد کو اور۔ ہ

یہ کہہ کے لی نیام سے تیغ شرر فشاں	شعلے نے الحذر کہا بجلی نے الاماں
آواز دی زمیں نے کہ یا حافظ جہاں	دہشت سے تھرتھرا گیا مریخ آسماں

تلوار کا چمکنا تھا کہ سب ساتھی رفیق نام کے بانکے تتر بتر ہو گئے۔ میدان خالی فقط میاں آزاد اور انکے ایک طرف کمیدان اور دو شریف زادے دوسری طرف۔ باقی رفو چکر۔ ایک نے آزاد پر تمنچہ چلایا دائیں۔ گر خالی گیا پھر کل پر چڑھایا اور داغا مگر رنجک چاٹ گئی۔ آزاد نے جھپٹ کر ان کو تو ایسا چرکا دیا کہ تلملا کر گر پڑے۔ دوسرے حضرت دس قدم پیچھے ہٹ گئے بانکے کھسک گئے اب میاں آزاد اور کمیدان وہ کڑک کر پر جھکے اُنھوں نے نہایت خوبصورتی سے چوک روک کر سر پر ہاتھ لگانا چاہا۔ اُس نے روکا اور چالاکی کا ہاتھ دیا الغرض آدھ گھنٹے تک ان کے اُن کے تلوار چلا کی۔ آخر کار اُنھوں نے بڑھ کر جنیو کا وہ کا فر ہاتھ لگایا کہ بھنڈارا تک کھل گیا۔ مگر کمیدان بھی گرتے گرتے باہرہ دے ہی گیا۔ طرفین سے خون کے تّرانے بہنے لگے۔ ادھر یہ اُدھر وہ دھم سے گرے اُنھوں نے کہا یا علی وہ بولے الا اللہ۔

بھولے بھالے نواب

کمال بھی کیا چیز ہے واللہ انکے ٹھاٹھ دیکھیے کہ کیا آن بان ہو جدھر گذر ہوتا ہے اُنگلیاں اُٹھتی ہیں شدہ شدہ نوابوں رئیسوں میں بھی ان کا ذکر خیر پہونچا۔ رئیسوں کو مرض ہو کہ پہلوان پھکیت

بنوٹیے کو ساتھ رکھیں۔ کبھی پر لیکر ہوا کھانے نکلیں۔ ایک نوابصاحب نے انکو بھی بلوایا۔ یہ او بچی بنے ہوئے دو دو دو لائیاں کمر سے لگائے تنتے ہوئے جا پہونچے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک نواب صاحب اپنی ماں کے لاڈلے اندھیرے گھر کے اجالے بھولے بھالے مسند پر بیٹھے بیچوان گڑگڑا رہے ہیں۔ تمام عمر زنان خانے ہی میں حضرت نے پرورش پائی تھی کبھی گھر کے باہر جانے تک کی نوبت نہ آئی تھی گویا باہر قدم رکھنے کی قسم کھائی تھی۔ دن بھر کمرے میں بیٹھنا یاروں دوستوں سے گپیں اڑانا کبھی چوسر کا رنگ جمایا کبھی بازی لڑی۔ کبھی پو پر گوٹ اڑی۔ کبھی سہ بازی دینی پڑی کبھی چکہ اڑانے لگے۔ ۶۔ آفتاب آیا ہے سورج کنڈ میں ۵۔ ۶۔ بزن ٹیپے کہ کفرستاں بلرزد ۵۔ تاج کی کھیل اعلیٰ غلام نذار و برات کا سر۔ یہ فقرے اڑے۔ پھر شطرنج بچھی۔ شاطر اپنے اپنے منصوبے کرنے لگے کسی نے پیادہ دیں کی کسی نے گردپیلا۔ مہرے کھٹ کھٹ پٹتے تھے۔ کشت بادشاہ کہ پھر کشت۔ وہ گھوڑا پیٹ پیادہ پیادہ ٹھپک لیا۔ رخ جھڑا دیے۔ فکر کے میدان میں عقل کے گھوڑے دوڑ رہے ہیں جب دل گھبرایا تو مدک کا دم لگایا۔ چانڈو کے چھینٹے اڑائے۔ افیون کی چسکی پی۔ اسدن حضرت اپنے صاف ستھرے کمرے میں بیٹھے ہوے تھے کہ اتنے میں میر آغا بٹیر کو مٹھا کرتے ہوے تشریف لائے اور آداب بجا لاکر دو زانو بیٹھ گئے۔ میر آغا ابھی اچھی طرح بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اچھے مرزا بونڈا جھیلتے ہوئے آہی گئے اور ایک کونے میں جاڈٹے میاں جھمن انگرکھے کے بند کھولے گدی پر ٹوپی رکھے کھٹ سے موجود۔ آکا دنی دن سے داخل۔ پھر کیا تھا تو آ۔ میں آسودس بندرہ حضرات جمع ہو گئے گر سب جھنڈے تلے کے شہدے بیٹھے ہوے گر گئے۔ کوئی چینی کی پیالی میں افیون گھول رہا ہے۔

کوئی چانڈو کا قوام بنا رہا ہے۔ کسی نے گنڈیریاں بنائیں کسی نے امیر حمزہ کی داستان چھیڑی۔ سب اپنے اپنے دھندے میں مصروف ہوے اتنے میں نواب صاحب نے میر آغا سے پوچھا کہ میر صاحب آپ نے خشکے کا درخت بھی ملاحظہ فرمایا ہے۔

میر آغا۔ حضور قسم ہو جناب امیر علیہ السلام کی ستر اور دو جو بہتر دادہ بہتر لاحول مجھے تو گنتی بھی نہیں آتی) بہتر برس کی عمر ہونے کو آئی غلام نے آجتک آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ لیکن حضور ہوگا درخت بڑا تو وجہ کیا۔ ایک عالم کی اس سے پرورش ہوتی ہے جسے دیکھو خشکے پر ہتھے لگاتا ہے۔ پھر آخر یہ آتا کہاں سے ہے۔

اچھے مرزا۔ قربان جاؤں درخت کے بڑے ہونے میں کیا منت ہے۔ کشمیر سے لے کر قربان جاؤں بڑے گاؤں تک اور لندھن سے تا بولایت سب اسکے خوشہ چین ہیں گر حضور بنگال میں خشکے کے پیڑ بڑے بڑے کوئی بلینڈی کے برابر ہوتے ہونگے۔ وہاں تو اسی پر دار و مدار ہے۔

نوابصاحب۔ میرا قیاس بھی یہی کہتا ہے کہ درخت ہوگا عظیم الشان لیکن ہاں دریافت طلب یہ بات ہے کہ آخر کس درخت سے زیادہ مناسبت ہے۔ اگر یہ دریافت ہو جائے تو پھر جانیے کہ ایک نئی بات ایجاد ہوئی اور بھئی سچ پوچھو تو تحقیقات کے بھی یہی معنی ہیں کہ جبتک ایک ایک بات کی خوب چھان بنان نہو تب تک لطف نہیں۔

مسیتا بیگ۔ حضور برگد بڑا عظیم الشان درخت ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ نیم کا پیڑ تو ہم نے بھی دیکھا ہے۔ کتا بونہیں البتہ بڑھا ہے کہ۔ ۶۔ برگد کی جٹائیں بال اسکے۔ اگر درخت بڑا نہ ہوتا تو شاعر مثال کیوں دیتے۔

پچھڈن۔ ہم نے کیلے کا پیڑ امرود کا پیڑ گیندے کا پیڑ خربوزے کا پیڑ یہ سب انھیں آنکھوں دیکھ ڈالے۔

آزاد۔ بھلا یہاں کسی صاحب نے واہ واہ کی پھلیوں کا پیڑ بھی دیکھا ہے۔

گپی۔ جی ہاں حضرت۔ ایک دفعہ نیپال کی ترائی میں دیکھا تھا مگر شیر جو ڈکارا تو میں گیندے کے درخت پر جھپ سے چڑھ گیا۔ کچھ یاد نہیں کہ پتی کیسی ہوتی ہے۔

منے میاں۔ بھئی خشکے کے درخت کا کچھ تو حال دریافت کرنا چاہئے۔ یہ بھی فریشن ہو گیا ہے کیا کہ لاکھ جتن کیجئے بھید ہی نہیں کھلتا۔ اور یوں گدّے بازیوں سے کام نہیں چلتا۔ پیپل سے بڑا درخت تو آجتک سنا ہی نہیں حتیٰ کہ لوگ اُسکے سایہ تلے کے لوگوں کی قسم کھاتے ہیں۔ مثلاً۔ ۶ پیپل تلے کے بھتنے کے شیطان کی قسم ؎ انشاء اللہ کہہ گئے ہیں۔

اچھے مرزا۔ قربان جاؤں ان لوگوں کی باتوں کا اعتبار کیا سب سنی سنائی کہتے ہیں۔ ۶ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ قربان جاؤں غلام نے وہ بات سوچی کہ سنتے ہی پھڑک جائیے۔ قربان جاؤں کہتے ہوئے لب بندھے جاتے ہیں۔

نوابصاحب۔ ہاں واللہ میر صاحب۔ آپکو قسم ہے پنجتن پاک کی جو نہ کہئے۔ حضرت اب اشتیاق بڑھتا جاتا ہے۔ لے ماشاءاللہ مجھے یقین ہو گیا کہ آپ نے اسکی لم دریافت کر لی ہوگی واللہ دور کی کوڑی لائے ہو۔

اچھے مرزا۔ قربان جاؤں دکتارے کو ٹھیک کرا دو نیم خیرہ یکہ اگر خشکے کا درخت ہوگا تو اس کتارے کے برابر ہوگا جَو بھر بڑا نہ تل بھر چھوٹا۔

نوابصاحب۔ واللہ واہ میر صاحب کیا بات نکالی ہے

مصاحبین۔ سبحان اللہ واہ اچھے مرزا واہ میرزا صاحب قربان اس سوجھ بوجھ کے۔ کیا شیریں بیانی ہے واللہ اس کتارے کے صدقے۔

آزاد۔ آپ تو اپنے وقت کے لال بجھکڑ نکلے کیا بات پیدا کی ہے بھئی معلوم ہوتا ہے سفر بہت کیا ہے۔

اچھے مرزا۔ کون۔ میں نے۔ سفر۔ ارے توبہ قسم لو جو نخاس سے باہر گیا ہوں۔ مگر میاں میں لڑکپن ہی سے ذکی تھا۔ والد مرحوم تو بالکل بیوقوف تھے مگر اماں جان بلا کی عورت تھیں اُن فوہ۔ وہ وہ بات میں بات پیدا کرتی تھیں کہ اچھے اچھے مردوں کی عقل دنگ ہو جائے۔ سترہ برس کی عمر تک نھوں نے ہمیں پالا پرسا۔ پھر بھلا ہم برق کیوں نہ ہوں۔

اتنے میں غل غپاڑے کی آواز آئی۔ ہائیں! خیر تو ہے۔ بھئی آخر ماجرا کیا ہے اندر سے مبارک قدم لونڈی پاؤں ننگے سر پیٹتی ہوئی آئی حضور حضور میں صدقے واسطے خدا کے جلدی چلیے یہ ہنگامہ کہاں ہو رہا ہے۔ پڑوس میں موئے سنڈے خون کیے ڈالتے ہیں بڑی بیگم صاحب کھڑی رو رہی ہیں کہ میرے بچے پر آنچ نہ آ جائے اور سنئے پچاس قدم پر تو جھگڑا ہو رہا ہے انکے یہاں کھلبلی مچ گئی نواب صاحب جوتیاں چھوڑ کر اندر بھاگے دروازے سب بند اب کسی کو حکم نہیں کہ زور سے بولے اتنے میں ایک مصاحب نے ڈیوڑھی پر سے پکارا کہ پیر و مرشد میاں آزاد پھر آخر کس مرض کی دوا ہیں۔ گنڈیری چھیلنے کے کام کے نہیں قوام بنانا نہیں جانتے بھیر مٹھیانے میں جانگو ان کو بھیج کر دریافت نہ کرائیں کہ یہ دنگا کہاں ہو رہا ہے۔

مبارک قدم۔ ہاں ہاں بھیجیے کہئے کُتے کی چال جائیں اور بلّی کی چال آئیں۔

میاں آزاد نے ایک خدمت گار کے ہاتھ میں تیغ اصفہانی دی اور خود کمر کسکر اینڈتے ہوئے چلے راہ میں لوگوں سے پوچھتے جاتے ہیں کہ کیوں بھئی یہ فساد کیا ہے۔ یہ دنگا کہاں ہو رہا ہے ایک نے کہا اجی چکمنڈی میں بڑ قصابوں میں بھیجڑے پر چھری چلی۔ ایک شخص گوشت لینے آیا تھا اسکو سر دست یہ سوجھی کہ اپنے کتے کے لیے بھیجڑے لے بھاگے۔ جب بوچڑ نے دبوچا تو سب بوچڑوں کے نام لے لے کر کوسنے اور صلواتیں سنانے لگا اس بھیجڑے پر چھری چلگئی ایک نے پچھاڑا دوسرے نے ٹنگڑی لی اور وہ تو چھٹنے سے چور ری چکاری میں برق ہوگیا ہے اس دل گردے کو تو دیکھیے کہ دن دہاڑے آنکھ میں خاک جھونک کر دکان پر سے مال غائب کیا یہ چوری ہے یا سینہ زوری پانچ چار قدم آگے بڑھے تو دو چار آدمی باتیں کرتے جاتے تھے کہ میاں ہو یہ کہ نیاری نے بڑا میں جانگوٹا باندھ دیا بس انھوں نے آتے ہی گردن ناپی کہ منزکد کے عوض جانگوٹا لا دیا اور دس قدم چلے تو ایک شخص نے کہا وہ تو کہیے خیریت گذری کہ جاگ ہوگئی نہیں تو بھیڑیا گھر بھر کو اُٹھا لیجاتا۔ ہائیں بھیڑیا کیسا۔ جی حضور ایک سنہار کے گھر سے بھیڑیا تین بکریاں دو مینڈھے ایک خرگوش اور ایک خالی پنجڑا اُڑا لے گیا اسکی عورت کو بھی پیٹھ پر لاد چکا تھا کہ سنہار جاگ اٹھا۔ اب میاں آزاد چکرائے کہ بھئی یہ عجب بات ہے جو ہے نئی سناتا ہے انوکھی روایت بتاتا ہے قریب پہونچے تو معلوم ہوا کہ پندرہ بیس آدمی ملکر چھپرا اُٹھاتے ہیں اور غل مچا رہے ہیں لاحول ولا قوت۔ کوئی کہتا تھا کہ بھیجڑوں پر چھری چلی۔ کوئی نیساری اور جانگوٹے کی کہانی سُناتا تھا۔ ایک گرگ باراں دیدہ بھیڑیے کی روایت جٹ لائے بس دس ہی قدم پر پچاسوں باتیں سننے میں آئیں اور قریب آئے تو ٹائیں ٹائیں فش معقول جتنے منہ اتنی باتیں۔ جتنی زبان استنے ہی بیان۔ الامان۔ الامان۔ اور واللہ ہنسی تو یہ آتی ہے کہ نواب صاحب کیسے بدحواس ہوکر غڑاپ گھر کے اندر ہو رہے اور گھر میں کہرام مچ گیا رفقا اور مصاحبین نے دروازے بند کرلیے آخر کار ہم اس میدان میں جن کر کھیجے گئے۔ اللہ ری دہشت واہ میاں واہ بانکپن ختم ہے۔

ایک دن کوچہ گردوں کے پیر پہلوان کشتی گیر منازل وحشت کے ہفت خوان رُستم جوان میاں آزاد ادھر اُدھر دلائتی لٹکائے بانکے بنے ہوئے۔ اکڑتے اور تنتے ہوئے اپنے آقا نواب صاحب بہادر کے یہاں پہونچے۔ مجرا عرض کرتا ہوں حضرت۔ آئیے آئیے۔ آج تو میاں آزاد پورے اوپچی بنے ہیں۔ آپ ڈھال نہیں باندھتے؟ پیر و مرشد ڈھال تو زنانوں کے لیے ہے۔ ہم عمر بھر ایک انگ لڑا کیے۔ تلوار ہی سے چوٹ لگائی اور اسی پر چوٹ روکی۔ یا خالی دی یا کاٹ گئے یہ بنوٹ کے ٹھاٹھ ہی نرالے ہیں۔ کون ایسا فن ہے کہ جس میں ہم طاق نہیں شہرۂ آفاق نہیں۔ واہ آقا کیوں نہ دھوم ہو۔ یہ سب حضور ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ ایکدن حضور کو تلوار کے کچھ ہنر دکھاؤنگا اور حضور کی آنکھوں میں آب شمشیر سے سرمہ لگاؤں گا نا صاحب بندہ درگذرا۔ یہ کھیل اُجڈپن کے ہیں۔ میری روح کانپتی ہو تلوار کی صورت دیکھے جوڑی چڑھ آتی ہے۔ ہاں میرزا صاحب چوٹ کے آدمی ہیں۔ اُن کو چورنگ کیجیے وہ اُف کرنے والے نہیں۔

مرزا جی۔ خداوند۔ ؎

مرا ہمچنیں چہرہ گلفام بود	بلورینہ ام از شوخی اندام بود

گر قربان جاؤں حضور۔ ؎

بیان خواب کی طرح جو گزر رہا ہے	یہ قصہ ہے جب کا کہ مرزا جواں تھا

ابو ابتوسہ	وقت پیری شباب کی باتیں ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں	

اب بال پک گئے۔ دانت چوہے کی نذر ہوئے۔ گالوں پر جھرّیاں پڑگئیں۔ کمر دونا ہوئی۔ بصارت نے ٹکا سا جواب دیا۔ ہوش و حواس چمپت ہوئے۔ بس ایک گرمٹ تو عصائے پیری ہے۔ باقی خدا کا نام۔ کیا کہوں حضور جسوقت یاران سرپل گنڈیریاں چوستے ہیں مُنہ دیکھ کر رہ جاتا ہوں۔ اور گنڈیری والا جب صدا دیتا ہے تو کلیجہ پکڑ کر رہ جاتا ہوں۔ اتنے میں حوالی موالی میاں لُدتی میاں کمالی۔ آن موجود ہوئے۔ دربار گرم ہے۔ اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔

مشر گشت۔ خداوند آج تو بڑی تشویش کی بات سنی میرے تو حواس فرد اہو گئے۔ شہر بھر میں کھل بلی مچی ہے۔ اللہ بچائے ابکی گرمی کی فصل خیر سے گذرتی نہیں سوجھتی۔ آثار بُرے ہیں۔

نواب۔ کیوں کیوں خیر باشد کیا قیامت آنیوالی ہے۔ یا آفتاب سوا نیزہ پر ہوا ہے۔ یا دوسرے طوفان نوحؑ کا خیمہ نصب ہو گیا ہے یہ کھل بلی کیسی مچی آخر ماجرا کیا ہے کچھ بتاؤ تو سہی۔ یہ تو بڑی بُری سُنائی اللھم احفظنا من کل البلیات۔

میرزا۔ اے حضور یہ جب آتے ہیں ایک نیا شگوفہ چھوڑتے ہیں خدا جانے کون فرشتہ انکے کان میں پھونک جاتا ہے۔ اسوقت ایسی سنائی کہ واللہ نشہ ہرن ہو گیا۔ جمائیاں آنے لگیں۔ ابھی افیم گھولی تھی ابھی ڈبیا کھولی تھی۔ حضور کے سامنے ہی چسکی پی۔ مگر انکے آتے ہی نشہ ہرن ہو گیا۔ انکی عادت ہے کہ جب آئیں گے کچھ نہ کچھ اوٹ پٹانگ ضرور سنائیں گے۔ مفت میں نشہ اُتر گیا۔

مشر گشت۔ اجی آپ کس کھیت کی مولی ہیں ہم سے تو بڑے بڑوں کے نشے ہرن ہوئے ہیں۔ آپ نے تو جہاں افیون کا جوگا کھایا اور آنکھیں بند کیں بس پھر لوناقسم ہو کسی نے بات کی اور آپکی پینک میں فرق آیا۔ جب پہلی تاریخ آئیگی تو آپکی آنکھیں کھل جائیں گی۔ آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔ اور دو چار دن بڑھ بڑھ کر باتیں بنالو۔ ماپختیاں اُڑالو لیجئے صاحب ہم تو ڈھونڈ ڈھانڈھ کر خبریں لائیں آپ دن بھر پینک میں اونگھا اور مٹھائی ٹونگا کریں اور ہمیں کو الّو بنائیں۔ ایںڈی بینڈی سنائیں۔ پہلی کو قلعی کھلے گی بچہ صورت بگر جائے تو سہی۔

نواب۔ کیا کیا پہلی تاریخ کیسی۔ ارے میاں تم تو پہیلیاں بجھواتے ہو کچھ حال تو کہو۔ آخر پہلی کو کیا ہونے والا ہے۔

مشر گشت۔ اے حضور یہ نہ پوچھئے۔ بس کچھ عرض نہیں کیا جاتا یہ ایک حلوائن ابھی جوان جہان ہے۔ کچوری کے ایسے پھولے پھولے گال آنکھیں جیسے بتاسہ پھینی۔ کہیں اتفاق سے اونٹا ہوا دودھ جو مارے ہوکے کے پی گئی۔ تو پیٹ پھول کے کپّا ہو گیا۔ کسی نے کچھ بتایا کسی نے کچھ نسخہ پلایا۔ مگر وہ انٹا غفیل ہو گئی۔ اب سنیئے کہ اُسکا میاں اُسکو بہت چاہتا تھا جب چتا پر جانے لگی تو ایک دفعہ ہی کلبلا کر اُٹھی۔ آئیں۔ ارے رام۔ ارے باپ رے باپ توبہ توبہ جیو کا ڈُبھوا۔ حلوائیوں اور گنواروں نے وہ بم مچائی کہ توبہ ہی بھلی ارے چپٹی ہو۔ یو دیکھو۔ لہاس ہلت ہے۔ آخر کار دو چار حلوائیوں نے جی کڑا کرکے لاش کو چپکے سے گھسیٹ لیا تو آہستہ سے کہتی کیا ہے (ارے یو کا اندھیر مچایو) ارے میں جلی جات ہوں رے۔) جھٹ پٹ کفن پھاڑ کر اسکو نکالا تو ٹھیاں سی اُٹھ بیٹھی۔ حضور قسم ہے خدا کی اس نے وہ وہ باتیں بیان کیں کہ سننے سے تعلق رکھتی ہیں کہنے لگی کہ جب مری تو فرشتوں نے مجھے فرش گل پر چلایا۔ اور میری پیاری پیاری صورت پر عاشق

ہو گئے۔ دو تین میں خوب گدّے بازی ہوئی۔ دو نے تو لڑھکنی کھائی۔ ایک نے مجھے اُٹھا کر خدا کے پاس پہونچایا خدا ئن میٹھی پوری بنیلت رہیں (نقل کفر کفر نہ باشد) ہم کا دیکھ کر خدا ڈپٹا کہ اس کو لیجاؤ۔ اتنے میں تم نے چپاہی پر رکھدیا۔ حضور مجھے اُنکی بولی تو یاد نہیں مگر مطلب یہی تھا۔ پھر اس نے کہا کہ پیلی کو بڑا اندھیر الگھپ چھا جائیگا اور طوفان آئے گا جتنے گنہگار بندے ہیں سب سے اُس دن منکر و نکیر سوال کریں گے اور افیمی جس گھر میں ہونگے اُس کو فرشتے جلا کر خاک سیاہ کر دیں گے۔

نواب۔ میرزا صاحب بوریا بدھنا اُٹھائیے۔ آپ کا یہاں ٹھکانا نہیں۔ ناحق کہیں فرشتے میری کوٹھی پھونک دیں تو کہیں شنوائی بھی نہ ہو سکے۔ قبلہ اب میرا پیچھا چھوڑیئے بس بقچہ سنبھالیئے کہیں اور بستر جمائیے۔

میرزا۔ پیر و مرشد یہ بڑا اڑی مار بے ایمان آدمی ہے۔ حضور تو بھولے بھالے رئیس ہیں جس نے جو کہا فوراً باور کرلیا۔ جو اسکی کچھ بھی اصلیت ہو۔ بھلا کہیں فرشتے گھر پھونکا کرتے ہیں۔ ذرا تو سوچئے اس مزدود کے بھرّ دل میں آ کر مجھ بڈھے کو نہ نکالیے۔ غلام پشتہا پشت سے اسی دربار میں پرورش پایا کیا۔ اب کس کا دامن پکڑوں۔ حضور کا سایہ دامن کافی ہے۔ اس مردک کی افترا پردازی پر نہ جائیے۔ یہ تو میرا جانی دشمن ہے۔ بلے تو کچا ہی کھا جائے۔ ارے واہ رے فقرہ باز اچھی رٹ۔ حلوائن کی چھوکری مری بھی اور جی بھی اُٹھی۔ جھوٹے کی ایسی تیسی بھلا کسی نے کبھی یہ باتیں سنی تھیں اور سنئے کہنے لگے آنکھیں جیسے تباشن چینی واہ بھئی واہ کیا مثال دی ہے۔

ظریف۔ حضرت یہ افیون کا تلازمہ تھا۔

میرزا۔ جی بس آپ بیٹھے رہیں گھنے میں۔ یہ دل لگی کا موقع نہیں ہے آپکو تو سوائے مسخرے پن کے دوسری بات ہی نہیں آتی۔

نواب۔ خیر صاحب یہ جھگڑا تو ہوا ہی کرے گا آپ اپنا بھیتا کریں میرے باپ دادا کی ملکیت مفت میں فرشتے پھونکدیں تو میں کہیں کا بھی نہ رہوں۔ آپ ہیں کس مرض کی دوا چار پائیاں توڑا کرتے ہو۔

میرزا۔ واہ ری قسمت برسوں ریاض کیا۔ جان لڑا دی بکری کی جان گئی کھانے والے کو مزہ نہ آیا۔ اس ملعون سے خدا سمجھے جس نے میرے حق میں یہ کانٹے بوئے۔ خدا کرے اس کا آج کے ساتویں ہی دن جنازہ نکلے۔ جیسے ہی یہ آ کر بیٹھا اور میری بائیں آنکھ پھڑکنے لگی۔ سمجھا کہ کچھ دال میں کالا کالا ہے تو یہ گل کھلا۔ اچھا بچہ چپا ہی بنا کر چھوڑوں تو سہی۔

نواب صاحب نے صاحبوں کو یہ نادری حکم دے کر زنانخانہ میں گھس گئے کہ میرزا صاحب کو نکلوا دو۔ وہ تو داخل دفتر ہوئے یہاں میرزا صاحب کی لے دے شروع ہو گئی۔

ہمارے بھولے بھالے امان والے نواب صاحب کا زنان خانہ میں داخل ہونا تھا کہ ماں نے چٹ پٹ بلائیں لیں۔ ماما اصیلوں نے دعائیں دیں چھوٹی بیگم صاحبہ نے آٹھ آٹھ آنسو رونا شروع کیا سب نے منتیں مانیں۔ ابکی تو چندی خیر سے گذر ے تو مسجد میں گھی کے چراغ جلائیں۔ کمال شاہ کے مزار پر پھولوں کی چادر چڑھائیں ہر ہر پہلی تاریخ کیا آتی ہے جیسے کال آتا ہے۔ اے خدا کے لیے اس نگوڑے افیمی کو نکال دو۔ موے نے افیم گھول گھول کر اتنے دن سیہ کاری کی جب دیکھو سوگ نشینوں کی طرح ماتم میں رہتا ہے ادھر باہر رفقا اور مصاحبین نے میرزا بیچارے کا ٹٹو ادبوچا اور تکدم کر دیا۔

مٹرگشت۔ میرزا جی افیون کا ڈبا بغل میں دبایئے اور

چلتے پھرتے نظر آیئے سرکار کا وری حکم ہے۔ اور چھوٹی بیگم صاحبہ ہنا متھو مچا رہی ہیں کہ اس بڈھے خبیث کو کھڑے کھڑے شہر بدر کرو و سواب کھسکئے ورنہ بری ہوگی۔

مسیتا بیگ۔ واجبی بات ہے۔ سرکار چلتے چلتے حکم دے گئے تھے ہم لوگ مجبور ہیں۔ اب آپ اپنا سبیتا کیجئے۔ ابھی سویرا ہے۔ نہیں ہم پر پھٹیس پڑے گی۔ اور کبھی جب فرشتوں کے آنے کا ڈر ہے۔ تو کوئی تم کو کیونکر اپنے گھر میں رہنے دے۔ جو کم ہے نہ۔ اور جو فرشتوں نے ایک ننھی سی چنگاری رکھ دی تو کہئے مکان جل بھن کر خاک سیاہ ہو جائے گا یا نہیں پھر کیسی ہوگی۔

میرزا۔ ابے تو نامعقول فرشتے کہیں گاؤں جلایا کرتے ہیں وہی اوٹ پٹانگ باتیں بکتا ہے جنکا سر نہ پیر۔ لو صاحب ہمارے منہ سے بہیں جو کہم سہے۔ جو آٹھوں پہر ڈیوڑھی پر بنے رہتے ہیں تم سے اٹھائی گیرے اور ہمیں نکلوائیں۔ خدا کی شان تم سب کی ملی بھگت ہے۔ ارے میں تو تمہاری قبر تک سے واقف ہوں بھاڑ ڈنگا دیا۔

جھمن۔ اڑنگا ڈرنگا میں نہیں جانتا اب آپ کھسکنت کی ٹھہرائیں قبلہ۔ بہت دن میٹھے ٹکڑے اڑائے چنڈو خور رئیس کا مزاج بگاڑ دیا۔ ذرا سی خطا کسی سے سرزد ہوئی اور آپ نے جڑ دی بس میں چنگی ڈال جما لو الگ کھڑی۔ صدہا تو خدمت گار تو نے موقوف کرائے۔ اور پچاسوں بھلے مانسوں کی روٹی لی۔ بندہ بشر ہے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ یہ چغلی کھانا کیا معنی۔ ع۔ اصل بد از خطا خطا نکند ؏ تو سہی جو جہنم میں نہ ڈلا دوں۔ ع۔ سیڑی تو صاحبی اُسپر چبوترہ گج کا ٹکے کا آدمی اور لگا فرعون سے ٹکر لڑنے پہلے اپنی ہستی کو دیکھ۔ غفور! میاں غفور! مرزا نے تمہاری بھی تو بیخ کنی کی فکر کی تھی۔

غفور۔ (خدمتگار) کون مرزا جی۔ یہ تو اپنے باپ کی جڑ کو کھود دے والے آدمی ہیں۔ اندر سے باہر تک کوئی ماکوئی اصیل کوئی آدمی ان سے خوش نہیں۔ ایسے چرچرے تو دیکھے نہ سنے۔ آج ہی تو ہتھے چڑھے ہیں انکے سر پر تڑاتڑ پڑیں۔ پھر سیر دیکھیے جیسے مینڈک کی کھوپڑی پر نمک چھڑک دیا۔

مسیتا بیگ۔ مرزا اگر غیرت ہے تو اس مصاحبت پر پامردی سے لات مارو جس اللہ نے منھ چیرا ہے وہ رزق بھی پہونچا دے گا۔

مبارک قدم۔ (لونڈی) غفور۔ غفور۔ چھوٹی بیگم صاحبہ کا حکم ہے کہ اس موئے اینچی کو شہر بدر کردو۔ فرماتی ہیں کہ جبتک یہ دفان نہ ہوگا داہنے ہاتھ کا کھانا حرام ہے۔

میرزا۔ شہر بدر! کیا شہر شملہ ہے کچھ لوٹ پڑی ہے۔ تمام شہر پر بیگم صاحبہ کا کیا اجارہ ہے وہ ابھی کل آئیں یہاں اس گھر میں عمر تیر ہوگئی۔ اب وہ ہمیں گدھے پر سوار کراکر شہر بدر کرواتی ہیں جیسے نواب ویسے مصاحب ویسی ہی بیگم صاحبہ۔

اتنے میں جو یاروں نے شہ پائی تو چوطرفہ سے للکار اٹھے۔ ابے اونکھرام۔ چھوٹا منھ بڑی بات بیگم صاحب کے کہنے کو ڈلکتا ہے اتنی پڑ ینگی تب بھاؤ کی کہ یاد کروگے بچہ بہت ترانیاں اچھی نہیں ہوتیں کیسے بلوں پر ستے۔ جب دیکھو نتھنے پھلائے بیٹھے ہیں بات کی اور لپک کے جکت دی۔ آپ ایسے شیر ہوگئے کہ بیگم صاحبہ کو برا بھلا کہنے لگے۔ چاند گنجی کردیجائے گی۔ جو زیادہ ٹرّائے۔

میرزا۔ اب جو یہاں پانی پیئے تو اسکی ہفتاد پشت پر لعنت۔ چوطرفہ سے ہمیں پر بوچھار ہونے لگی۔ اٹھائی گیروں کا یہاں طوطی بولتا ہے لو خدا حافظ۔ نظم۔

نواب کی جاہ دیکھئے گا	مرزا کا نباہ دیکھئے گا
بچوں سے کڑے کڑے سمجھو لوں	انشاء اللہ دیکھئے گا

جوتی خورے ہیں بنائیں — ماشاء اللہ دیکھئے گا
افیون کی قلم میں یاں سے نکلے — تقصیر و گناہ دیکھئے گا
مرزا کی اتیک افیم کا رنگ — سبحان اللہ دیکھئے گا

مصاحبین۔ واہ کیا زٹل قافیہ ہے۔ بڑے شاعر کی دم بنے ہیں ہات تیرے کی چلیے نہیں گردن نابی جاوے گی سے بڑھو نہیں دو نگا دھکا بیس لڑھکنیاں کھاؤ گے۔

میرزا سنتے تو بیر فرتوت گر تیکھے۔ جھٹ بھرا ہوا تمنچہ لیکر کھڑے ہوگئے یاجیو یہ لام کاف چہ معنی دارد۔ میں بھی ہمایوں کی نسل سے ہوں کوئی ایسا ویسا نہیں تم ٹکڑگدوں کی یہ مجال کہ ہمکو مارنے اٹھو اس پر سب کے سب کھلکھلا کر ہنس پڑے کہ واہ رے بڈھے بڑا تیکھا ہے۔ رسی جل گئی رسی کا بل نہ گیا۔ القصہ میرزا نے افیم کی ڈبیا اُٹھائی اور چلے۔ لو بھئی۔ ؎

رفتیم یاران تخفیف تصدیع — گر دردسر بود از ما شما را

خدمت گاروں نے اُنکے جلانے کے لیے فقرہ چست کیا کہ مرزا صاحب کبھی کبھی آجایا کیجئے۔ ایک بولا لائیے ڈبیا میں پہونچا دوں۔ دوسرے نے کہا کہیئے تو گھوڑا کسوا دوں۔

میرزا ؎
جو ہاتھ اپنے سبزی کا گھوڑا لگا
تو سلفے کا اور اُسکو کوڑا لگا

مرزا تو چار و ناچار بحسرت و ارمان نکلے۔ ادھر پہلی تاریخ آئی تو سرگشت چکرائے کہ اب میں چھوٹا بنا اور ساکھ گئی۔ لوگوں نے نواب کو چنگ پر چڑھایا کہ حضور جو ہم کہیں وہ کیجئے تو آج کی بلا ٹل جائے نواب صاحب نے مصاحبوں کو سیاہ سفید کا اختیار دے دیا۔ اب سر شام سے کیفیت قابل دید تھی۔ ایک طرف تو برہمن بیٹھے استت پڑھ رہے ہیں۔ اور گھنٹا گھنٹ جاپ کر رہے ہیں سواہا سواہا کی آواز آرہی ہے۔ دوسری طرف قرآن خوانی ہو رہی ہے اور علما قرأت کے ساتھ عمل پڑھ رہے ہیں۔ امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء۔ گھر بھر میں چراغاں کی بہار۔ اور چراغوں کی قطار۔ ہزاروں لمپ جھاڑ کنول روشن ہیں۔ اور محفل رقص و سرود آراستہ ہے۔ قدسی تماشا دیکھیں تو لاہوت کو بھول جائیں۔ ؎

جبتک کہ نہ دل کی بیکلی جائے
او دائرہ والے گت چلی جائے

ہاں اور چھیڑے جائے یہی آہنگ۔ یہی رنگ۔ فرشتوں کو بھگانا کچھ خالہ جی کا گھر تو ہے نہیں اسوقت تو حضرت جنوں ہمارے مرشد کامل ہیں پھیر پھیر کر جھنجھوٹی کی دھن رہے۔ سنا ہے کہ سبحان ملاء اعلیٰ اسی راگ پر مفتوں ہیں۔ اور اب اُنسے خوف ہی کیا ہے۔ وہ تو افیمیوں کی تلاش میں آتے ہیں یہاں کوسوں افیمی کا پتہ نہیں مرزا سدھارتے نہیں تو معاذ اللہ کا مقام ہوتا اسوقت خدا جانے کیا کچھ ہو گیا ہوتا۔

نواب۔ ہوتا کیا کوٹھی کی کوٹھی بھک سے اُڑ جاتی۔ توبہ کی کہ اب کسی افیونی کو آنے تک نہ دونگا۔ اس کالی بلا سے اللہ بچائے جاڑو تک خیریت ہے۔ افیم کا بندہ دشمن ہو گیا۔ خبردار آج سے افیونی دہلیز کے پار ہونے پائے ہی ہی جو کہیں مرزا ہوتے تو فرشتوں نے وہ دند مچائی ہوتی کہ تو بہ ہی بھلی دل مسوس کر رہ جاتا۔ پہلی تاریخ کے انتظار میں آنکھیں پتھرا گئیں بارے صد شکر کہ بخیر گذشت۔

مسیتا بیگ۔ حضور میاں خوری کا ٹپا سنئے گا۔ یا کوئی غزل چھیڑ دی جائے اچھا غزل ہی سنئے۔ ذرا اشارے کی دیر تھی دو تین طوائفوں نے ملکر یہ غزل گائی۔ ؎

مرا گھر کہاں اُنکے آنیکے قابل — بلاؤں اگر ہوں بلانے کے قابل

ابھی بوسہ مانگا دہن کا تو بولے ۔ چلو تم نہیں منہ لگانے کے قابل
ہنسا میں تو ہنس کر کہا اُسنے مجھسے ۔ ہوئے آپ بھی مسکرانے کے قابل
کہا کچھ جو میں نے تو بولے وہ صفدرؔ ۔ ہوئے تم بھی باتیں بنانے کے قابل

بھئی واہ واللہ کیا دور کی سوجھی کہ محفل رقص و طرب آراستہ ہو فرشتوں کے پھسلانے کا نیا طریقہ ایجاد ہوا۔ ماشاء اللہ۔

میاں آزاد کئی دن سے ساری کیفیت چپ چاپ بیٹھے دیکھ رہے تھے سوچے کہ ایسے رئیسوں کی سرکار میں نوکری کرنا بڑی ٹیڑھی کھیر ہے چغلخوری کا بازار ہر دم گرم ایک کا ایک دشمن۔

ایک دن مرزا جی منڈی میں پونڈے چکار رہے تھے اور سامنے سے میاں آزاد بانڈی ہاتھ میں لیے جھومتے جھامتے گھومتے گھامتے آرہے تھے۔ جب دوچار ہوئے تو باہم یوں گرم گفتار ہوئے۔

آزاد۔ تسلیم کا چھرّا پھینکتا ہوں۔ سن سے بچیے۔

میرزا۔ ہاں! تو میں بھی آداب داغتا ہوں۔ دن سے سنبھلیے

آزاد۔ اللہ اللہ ابھی تک چشمۂ لفاظی جاری ہے۔

میرزا۔ گر یار چغل خوروں سے عقل عاری ہے۔

آزاد۔ کہئے اب کیا شغل کیا رنگ ڈھنگ ہیں۔

میرزا جی۔ قینچے کل پر چڑھے ہیں آمادۂ جنگ ہیں حضرت میں نے دھوپ میں تو بال سفید کیے نہیں ہیں ایک در بند صد در کھلے۔ گر

۶۔ بہر جا کہ رسیدیم آسمان پیداست * ایک اور رئیس کے یہاں گیا اور جاتے ہی چینی کی رنگ برنگ پیاری پیاری پیالیوں میں اس حکمت کے ساتھ افیم گھولی کہ رئیس پیتے ہی پینک میں آگئے جس نے چسکی لگائی آنکھیں بند ان ہاتھوں کے قربان ابھی مجھ میں تو وہ جوہر ہے کہ جہاں جاؤں قدر ہو۔ افیم کا بول بالا اور چنکیے کا منہ کالا۔ جب رئیس اور اُن کے رفیقوں کو ذری ہوش آیا تو حقے کی پکار ہوئی۔ کوئی ہے۔ دس پانچ آدمی بول اُٹھے۔ حاضر حکم پیر و مرشد۔ ذرا نیچوان تازہ کر کے بھر لانا۔ بھائی ہماری تنک بھی لاؤ۔ میاں ایک اچھی سی چلم بلاؤ۔ میں تڑسے حقہ بھر لایا! اور مشکبو تمباکو دھواں دھار رئیس کو پلایا۔ پینا دینا بخیر منال منہ سے لگائے اونگھ رہے تھے۔ جب پھر ہوش آیا تو دو چار کش پیئے آنکھیں کھل گئیں۔ باچھیں کھل گئیں۔ یہ حقہ کس خدمتگار نے بھرا ہے؟ اسکو ہماری دلائی انعام دیدو۔ تب تو بندۂ درگاہ ہاتھ جوڑ کر سامنے آن کھڑے ہوئے۔ خداوند یہ غلام کی کار گذاری ہے خدمتگار کو اشارہ کیا تو دلائی اینجانب کے کاندھوں پر جھک کر سات مرتبہ فراشی سلام بجا لایا۔ حق تعالیٰ ایسے رئیسوں کو سلامت رکھے۔ دم غنیمت ہے۔ اسوقت حضور کا بار احسان بر دوش ہے۔

رئیس۔ یہ افیم بھی تو آپ نے گھولی تھی واللہ مزہ آگیا۔

بندہ۔ قربان جاؤں حضور ایسی افیون پلاؤں کہ قیامت تک پینک رہے دخل کیا کہ بے کیف ہو جائیے۔ ہاتھ تلے ہوئے ہیں سانچے کے ڈھلے ہوئے ہیں پیر و مرشد کمال یہ ہے کہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں سُرخا سُرخ ہو جائیں۔ لال لال ڈورے لگ جائیں بلبل کے زیر بال کا لطف حاصل ہو۔ کیا مجال کہ کسی دوسرے کے ہاتھ کی افیم بھائے۔ اب شام کو حکم ہو تو غلام پھر پلائے۔

رئیس۔ ضرور! شام کیا معنی اب میں آپکو جانے نہ دونگا۔ آپ تو واللہ ڈبیا ہی میں بند رکھنے کے قابل ہیں۔ افیون تو کروڑوں روپیہ کی پی ڈالی گر ایسی کبھی آج تک نصیب ہی نہ ہوئی واللہ کیا ہاتھ ہیں۔ جی چاہتا ہے چوم لوں۔ میں نے پھر جھک کر فراشی سلام کیا۔ حضور کا سایۂ دامن مجھے کافی ہے۔ مگر بھائی اُسوقت جتنے خوشامد خورے بیٹھے تھے سب کا رنگ فق اور کلیجہ شق ہو گیا۔ پیٹ میں چوہے چھوٹے کہ اسنے اچھا رنگ جمایا

ایسا نہ ہو ہم نظروں سے گر جائیں۔ کل کدھارے کو کہیں دھتا بول دیا جائے تو آفت قیامت ہی کا سامنا ہو۔ واللہ مقا وہ تدبیر کی کہ ہمارا جما جمایا رنگ پھیکا پڑ گیا (سنئیے افترا پردازوں نے کیا شیطانی حرکت کی) ایک شخص نے کہا حضور کی آواز اسوقت کچھ بھاری ہے دوسرے نے فقرہ چست کیا کہ آواز سے کچھ ضعف بھی پایا جاتا ہے تیسرے صاحب بولے نصیب اعدا کیا طبیعت بے لطف ہوگئی۔ چوتھے نبض پر ہاتھ دے گئے۔ اخاہ تپ چڑھی ہو۔ پانچویں نیم حکیم پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بولے: اُف فوہ ماتھا کیسا جلتا ہے چھٹے صاحب نے فرمایا کہ حضور کی آنکھوں ہی سے نصیب دشمناں علالت پائی جاتی ہے۔ اب جو طرف سے یہی بانگ سنائی دی کہ رئیس علیل ہیں۔ جب سب نے ٹکر کہنا شروع کیا تو وہ بھی گھبرائے فرماتے کیا ہیں۔ ہاں آج تو کچھ بدن بھی ٹوٹ رہا ہے۔ آنکھیں بھی جلتی ہیں اور نبض میں بھی سرعت ہے اتنے میں ایک مصاحب نے کہا خداوند کیا عرض کروں کلیجہ بیٹھا جاتا ہے خدا جانے کیا ہو گیا دوسرے نے سر پکڑ کر کہا اُف سر پھٹا جاتا ہے۔ تیسرے نے آنکھیں مل کر کہا بھئی آنکھیں نکلی پڑتی ہیں۔ الغرض سبنے ایک نئی بیماری بتائی۔ کسی کو بخار آیا۔ کسی کو جوڑی کسی کا بدن گنگنا ہو گیا کسی کا جی متلایا۔ سب یکمان بن بیٹھے۔ ایک کانکھنے لگا دوسرا ہائے ہائے کرنے لگا۔ ہم چکرائے کہ بارخدایا یہ کیا بات ہے یہ سب کے سب ایکدم سے بیمار کیونکر پڑ گئے۔ ارے! پھر تو میں سوچا کہ یہ یاران سرپل کی کارستانی ہے۔ اُکھاڑا ٹکر۔

رئیس۔ آخر کچھ سوچئیے تو یہ بیٹھے بٹھائے کیا گل کھلا۔ ابھی تو ہم سب بھلے چنگے بیٹھے تھے آناً فاناً میں یہ کیسی ہوا چلی کہ درد سر درد کمر تپ لرزہ نے آدبوچا۔ اس میں کچھ فیہ ضرور ہے۔

مصاحب۔ حضور تو جہاں کسی نے دو چار چکنی چپڑی باتیں سنائیں بس دم میں آگئے خدا جانے ان ذات شریف نے افیم میں کیا ملایا تھا کہ سب کے منھ پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے۔

رفیق۔ کیا پتے کی بات کہی ہے۔ واللہ میری زبان سے لے گئے جب سے افیم پی جی متلانے لگا۔ اور ایک ہم پر کیا فرض ہے۔ سب کا یہی حال ہے۔

لیمو نچوڑ۔ میں کہنے ہی کو تھا کہ یہ انھیں تازہ وارد حضرت کے کانٹے بوئے ہوئے ہیں۔ اور حضور سچ کہوں مجھے تو یہ کوئی اُٹھائی گیرے سے معلوم ہوتے ہیں دیکھئیے آنکھوں ہی سے چوٹا پن برستا ہے۔ اور خدا جھوٹ نہ بلائے۔ تو یہ جیبر کی فکر میں آئے ہوں گے۔ ضرور افیم میں کچھ ملا دیا انکو تھانے پر لے چلیئے۔

خدمتگار۔ میرے سامنے انھوں نے کچھ جیب سے نکالا اور افیم کے ساتھ گھولا۔ پھر حقہ بھرا تو تمباکو میں بھی کچھ ملا دیا۔ اب مجھے انکی نیت کا حال کیا معلوم تھا بھلا شکل صورت سے تو بھلے آدمی معلوم ہوتے ہیں کوئی کسی کے پیٹ میں تو بیٹھا ہی نہیں ہے۔

رئیس۔ واہ صاحب آپکے جوہر تو اب کھلے۔ بھلے کو جلد آپ کی ذات پہچان لی ورنہ آپ تو ایک آدمی کی جان لیتے اور سنکھیا دے دیتے اب خیر اسی میں ہے کہ آپ چپکے سے کھسک جائیں ورنہ بری ٹھہرے گی۔

مصاحب۔ ہم تو ان کو بغیر ٹھیک بنائے نہ جانے دیں گے۔ وہ تو کہئیے حضور کی نیک نیتی اس گاڑھے وقت آڑے آئی۔ ورنہ اس نے تو تسمہ تک نہیں باقی رکھا تھا۔ انکو کوٹھری میں بند کر کے خوب ٹھونکے اور پھر راہ خدا پر چھوڑ دے۔ مگر ذرا یہ خیال رکھے کہ خون نہ نکلنے پائے۔

حضرت تب تو میرے ہوش اُڑ گئے کہ خدا ہی خیر کرے بُرے پھنسے

دلائی کیا پائی کہ شامت ہی آئی۔ اب کروں تو کیا کروں بھاگوں
تو چور بنوں بیٹھوں تو پٹا جاؤں گر اتنی غنیمت تھی کہ کوتوالی کو پیٹھ
نہ دکھلائے گا انہیں اتنی جرأت کہاں ایک دفعہ ہی میں اُٹھ کھڑا
ہوا سو وہ بھی غنیمت سمجھے کہ ازیں چہ بہتر۔ ایک نے دلائی پر ہاتھ
مارا۔ دوسرے نے ہردتی چھین لی۔ تیسرے بنے کہا بھاگتے بھوت
کی لنگوٹی ہی سہی۔ لیجئے کہاں تو دلائی انعام میں پائی تھی کہاں
شجاع الدولہ کے کوٹھوں کی ہردتی بھی ہاتھ سے دی
قہر درویش برجان درویش۔ بھاگا تو یہاں آکر دم لیا۔
رخصت فی امان اللہ۔

میاں آزاد دل میں سوچے کہ بھئی رئیسوں کے دربار میں
چغل خوروں کی بڑی گرم بازاری ہے ان ملعونوں کی دم میں رسّا
نہ باندھا تو آزاد نہیں۔ اسوقت سے بیڑا اُٹھا لیا کہ انکو ٹھیک بناؤنگا۔
پھر سوچے کہ کوشش ٹھکانے لگنا معلوم۔ بیل گھر پر تو ایک دفعہ
بوچڑین چکے ہیں اب کہیں منہیار یا چار نہ بنائے جائیں کہ ساری
مشیخت نکل جائے یعنی کم کھائے غم نہ کھائے۔ اتنے میں میاں
آزاد اپنے آقائے نامدار کی کوٹھی پر پہنچے تھوڑی دیر بیٹھے تھے
کہ ایک شخص نے نواب صاحب کو ایک خط دیا اور کہا حضور
میرزا جی نے یہ خط بھیجا ہے اسکو ملاحظہ کرکے جواب عنایت
کیجئے۔ مصاحبین کا چہرہ زرد اور دل سرد ہوگیا کہ اب
اس نے یہ تدبیر نکالی کہ چٹھیاں بھیجنے لگا۔ اے حضور اس
ردّی کو چاک کر ڈالیے۔ وہ اور خط بھیجے۔ اتنے بوسے
اے تیری قدرت یہاں تک آتے کیا پاؤں کی مہندی گھستی
تھی ایسے بڑے مشیخت پناہ ہوگئے۔ نواب صاحب نے کہا
اچھا پڑھو تو دیکھو لکھا کیا ہے۔

میرزا صاحب کا خط

حقوق خدمت صد سالہ لعب طفلاں ست	بکشورے کہ در و کودکاں خداوند ند

الیمپیوں کے پشت پناہ۔ مرکیوں کے قبلہ گاہ دام لعنتہٗ۔ لاکھ سکھایا
پڑھایا گر تم لونڈے ہی بنے رہے۔ ابھی جمعہ جمعہ آٹھوارے کی
پیدائش اور ہمیں عتاب ہے۔ تمھارے دادا جان تک کی تو میں نے
آنکھیں دیکھی ہیں اور تمھارے لکڑ دادا کے دادا پیر تک کی قبر سے
واقف ہوں۔ اس بڑھوتی وقت تم نے مجھ کو نکالا ناچ نچاؤں تو
سہی۔ سنئے صاحب ایک بدمعاش نے آکر زٹل قافیہ اُڑایا اور
حضرت کو چنگ پر چڑھایا کہ یم کو فرشتے گھر پہونچینگے۔ ہات ترے
بھوٹے کی دم میں رسّا۔ اور نواب کو تو کیا کہوں وہ تو بچھیا کے
تاؤ ہی نکلے۔ جس کو اتنی عقل بھی نہیں کہ فرشتے کہیں چھوڑے
جلایا کرتے ہیں واہ ری عقل قربان اس فہم و دانش کے۔ لو صاحب
اب فرشتے بھس میں چنگاری ڈالنے لگے۔ ارے توبہ ارے
توبہ۔ ان بے ایمانوں پر آسمان نہیں پھٹ پڑتا۔ اور دل لگی
دیکھئے گا کہ حلوائن مر کر جی اُٹھی اس کذب پر شیطان کی پھٹکار۔
نواب اب ذرا تو دل میں غور کرو کہ ساری خدائی بھر میں کہیں بھی
اندھیر اگھپ چھایا۔ کوئی بھی فرشتہ آیا ایک بھی گھر جلایا آپ کے
یہاں مفت خوروں نے میری بیخ کنی کے لیے یہ بٹی مگر آپ تو
سادہ لوح ہیں سنتے ہی نادری حکم دیدیا کہ نکال دو۔ افسوس
ع۔ گوسالہ ما پیر شد و گاؤ نہ شد۔ تمام خدا سیانے ہوگئے مگر ہو نہ
دیوانے ہو۔ ذرا تو عقل سے کام لو۔ ذرا ان خشامدیوں کے
منہ میں کالک ملو کیل کو کہیں بیچاری بیگم پر آنچ نہ آجائے ایسا نہ ہو
کہ کسی دن اسکو بھی شہر بدر کرائیں۔

واہ بھئی واہ۔ کیوں نہ ہو آگئے نہ جھانسے میں کھا گئے نہ غچا
چڑھ گئے نہ چنگ پر ابھی کیا ہے دیکھنا جو کہیں نو مہینے یہ

لوگ جم گئے تو کوٹھے پر جھنڈی کا پھریرا اُڑ رہا ہوگا۔ ڈگڈگی بجے تو سہی۔ کسی کا دل دکھانا اچھا نہیں۔ اب تمھارے یہاں تو بندہ آنے سے رہا۔ لاکھ روپیہ دو آنے والے کی دم میں نمدا۔ ؎

گر صد ہزار لعل دگہر می دہی چہ سود
دل را شکستۂ نہ کہ گوہر شکستۂ

اب دل لگی دیکھئے تمھاری قلعی نہ کھولوں تو میرزا نہیں مجھے تو اندر باہر سب کا حال معلوم ہے نا۔ وہ پتے پتے کی سناؤں کہ یاد ہی تو کرو۔ دریا میں رہکر مگر سے بیر۔ ارے نادان نواب نوابی کے ٹھاٹھ ہی اور ہوتے ہیں۔ ریاست کے تیور ہی اور ہیں وہ خم و دم ہی اور ہیں تم تو دمڑی کے بھرے ہی بنے رہے۔ نام کے نواب۔ میاں نواب بننے کا شوق چرائے تو ہم ایسوں کو نوکر رکھو۔ داستان گوئی میں ہم بند نہیں لفاظی میں ہم بند نہیں۔ خوشامد میں ہم بند نہیں۔ خیر اب کہے کون۔ آدمی ہو تو سمجھ جاؤ گے۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔

ہمارے گول مول نواب صاحب ایکدن دونوں وقت ملتے اپنی خوش سواد کوٹھی کے ایک رنگین کمرے میں بیٹھے مصاحبوں رفیقوں سے چہ مگوئیاں کر رہے تھے کہ اتنے میں میاں آزاد نے دروازہ میں سے گردن نکالی مجرا عرض کرتا ہوں پیر و مرشد آیئے میاں آزاد کہئے کہاں سے سواری آتی ہے اسوقت تو کچھ چہرہ تمتمایا ہوا ہے۔ کیا کسی سے جھوڑ ہوئی ہے۔ اے حضور آپ کی جوتیوں کے صدقے میں اس جوا میں تو کوئی آنکھ نہیں ملا سکتا دعا کہ ہے محلہ محلہ ہوا بندھی ہے۔ اچھے اچھے پہلوانوں نے پچھاڑیں کھائیں۔ ہم بندہ وہ پھبتیاں بتائیں کہ چھٹی کا دودھ یاد آیا ہوگا۔ اسوقت بندہ ایک نانبائی کی دُکان پر کو کو پلاؤ بنا نا سیکھتا تھا۔ آنچ کے سامنے جو جم کے کچھ دیر بیٹھنا پڑا تو چہرہ لال انگارا ہوگیا۔ خاصے تو یہ کہئے نانبائی گری کا بھی شوق چرایا۔ ع۔ دماغ بیہدہ پخت وخیال باطل بست + خیر صاحب۔ ع۔ روٹی تو کما کھائے کسی طور مچھندر + کیوں بھئی معقولات میں بھی کچھ دخل ہے۔ یا لنگوٹا باندھ کر کشتی اور دھینگا مشتی ہی جانتے ہو۔ کون! میں! معقولات! ہو نہہ۔ عمر بھر کیا کیا کیے۔ اس فن کی وہ کونسی کتاب ہے جسپر اینجانب نے نکتہ چینی نہیں کی۔ فقہ امامیہ اور فقہ حنفیہ اور کتب تفسیر و تصوف جس میں چاہیے بحث کیجئے۔

مصاحب۔ حضور اس شہر میں ایک عالم آیا ہے کہتا ہے دنیا بھر کی کتابیں چاٹ گیا ہوں خصوصًا علم مناظرہ میں تو یدطولیٰ رکھتا ہو۔ منطق کے زور سے جھوٹ کو سچ کر دکھائے مگر خدا کو نہیں مانتا ہے۔ پکا ملحد اور منکر ہے۔

آزاد۔ واہ منطق کی اچھی قدر کی حضرت انکے تو ہم بھی مشتاق ہیں۔ واللہ خدا کا وہ کامل ثبوت دوں کہ وہ خود پھڑک جائیں ذری یہاں تک لائیے تو سہی۔ بھاگے راہ نہ ملے۔ جو پھر اس شہر میں منھ دکھائیں تو آدمی نہ کہنا۔

نواب۔ ہاں ہاں میر صاحب ذری انکو پھانس پھونس کر لائیے تو۔ میاں آزاد کے جوہر تو کھلیں۔ مگر میاں ان منکروں سے بھڑنا دل لگی نہیں کسی کے قائل ہی نہیں۔ بس ایک مادے کے قائل ہیں۔

اسپر میر صاحب نے زور سے دو چار قدم لگائے اور لڑھکتے ہوئے گئے اور جھپ سے اس دہریے کو لائے یہاں ہجوم عام تھا وہ اژدہام تھا کہ تھالی اُچھالیے تو سر ہی سر جائے ملحد نے

آتے ہی پوچھا کہ کون بزرگوار بحث کریں گے۔

میاں آزاد بولے ہم۔ اب سب منتظر ہیں کہ دیکھیں کیا سوال جواب ہوتے ہیں چو طرفہ کھچڑی پک رہی ہے کہ یہ ملحد تو کسی سے آجتک قائل ہی نہیں ہوئے انھیں کوئی بند کیا کرے گا۔

میاں آزاد	توحید میں مقام نہیں قال وقیل کا	
	ہے کس کو ناطقہ ترے ذکر جمیل کا	

یا ایہا السامعین۔ اس دہریے کے دل گردے کو دیکھیے کہ اللہ میاں ہی کے قائل نہیں۔ یہ شکل اور یہ صورت اور یہ خیال اے لعنت۔

ملحد۔ پانی پی پی کر کوسنا اور بات ہے اور بحث کرنا اور بات ہے ہمیں کوئی معقول کر دے تو البتہ جانیں۔ یہ بات کیا کہ لگے گالیاں دینے۔

آزاد۔ نامعقول کو معقول کون کرے۔ کوئی سوال کیجئے تو ہم جواب دیں شک ہو رفع کر دیں۔

ملحد۔ اچھا پہلے تو ان تین سوالوں کا جواب دیجئے پھر اور بحث چھڑیں گے۔

سوال اول۔ خدا ہے تو ہمیں نظر کیوں نہیں آتا۔

سوال دوم۔ شیطان ناری ہے اور وہ دوزخ میں جلایا جائے گا۔ واہ وا واہ۔ بھلا ناری کو آگ کا کیا ڈر ہے۔ اس سزا سے وہ ضرور نڈر ہے۔

سوال سوم۔ جو کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ پھر انسان کا قصور کیا۔

چوطرفہ سناٹا پڑ گیا۔ کہ واللہ کیا عالم ہے۔ اہو ہو ہو۔ کیا کڑے سوال کیے ہیں سب کے اوسان خطا۔ ہوش اڑے ہوئے۔ بگڑے دل لوگ دانت پیس رہے ہیں کہ باہر نکلے تو گردن ہی ناپیں کوئی دل ہی دل میں کوس رہا ہو کہ خدا کرے یہ مردک ابھی ابھی مر جائے کوئی قہر کی نگاہ سے گھور رہا ہے کہ اتنے میں میاں آزاد نے کہا یار عزیز ایسی باتیں نہ کر دجہنم میں جلائے جاؤ گے جہنم میں اسنے مسکرا کر کہا کہ۔ ع

	ہمکو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن	
	دل کے خوش کرنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے	

اسپر میاں آزاد نے ایک ڈھیلا کھینچ مارا کھٹ سے اُس منکر کی کھوپڑی پر پڑا ہائے کرکے بیٹھ گیا۔ اُف لاحول ولا قوت اچھے وحشی سے پالا پڑا ہمیں بحث کرنے آیا یا لپاڈگی۔ جب تقریر میں ہارے تو کلوخ اندازی کرنے لگے اور جو ہمیں بھی ایک پتھر کھینچ ماروں تو پھر کیسی ہو کہیے جی۔ جاہلوں کا قاعدہ ہے کہ ہاتھا پائی پر آمادہ ہو جاتے ہیں دہائی ہے نواب صاحب کی بیوجہ بے سبب ہم پر ایک چار کا چھا کھینچ مارا سر بھنّا گیا۔

نواب۔ بھئی آزاد ہمیں یہ تمھاری حرکت پسند نہیں آئی۔ یہ ڈھیلے بازی کے کیا معنی۔ مانا کہ یہ ذات شریف کشتنی سوختنی گردن زدنی ہیں مگر بحث کر کے معقول کیجئے۔ یہ نہیں کہ جوتا کھینچ مارا یا تان کے ایک ڈھیلا لگایا۔

آزاد۔ پیر و مرشد میں نے تینوں سوالوں کا وہ جواب دیا کہ اگر کوئی قدردان ہوتا تو اس وقت گلے سے لگا لیتا اور کروڑوں روپیہ انعام کا دیتا۔ سنئے۔

پہلا سوال۔ خدا ہے تو ہمیں کیوں نظر نہیں آتا۔

جواب۔ اگر اس ڈھیلے سے انکو چوٹ لگی تو چوٹ نظر کیوں نہیں آتی۔

سبحان اللہ کا ڈونگرا برس گیا۔ واہ استاد واہ۔ واللہ کیا جواب ترکی بترکی دیا ہے۔

دوسرا سوال۔ شیطان کو نار جہنم میں جلانا بیکار ہے۔

تو خود نازی ہے۔۔۔

جواب۔ ان سے پوچھئے کہ یہ مٹی ہی کے پتلے ہیں یا نہیں۔ انکی کھوپڑی مٹی ہی کی بنی ہے یا سو برس کی۔ پھر مٹی کا ڈھیلا لگا تو سر کیوں جھنا گیا۔ بات ترے کی۔ واہ میاں آزاد کیا جواب دنداں شکن دیا کہ دانت کھٹے ہو گئے۔

تیسرا سوال۔ جو کرتا ہے خدا کرتا ہے۔

جواب۔ پھر ڈھیلا لگانے کا جرم ہم پر کیسا۔

تو بیاں چوطرفہ اچھلنے لگیں۔ کہ واہ میرے شیر کیا کہنا ہے۔ آخو جیئے ہو کھو چڑا گنجیرہ۔ اب خدا کے قائل ہوئے یا اب بھی کچھ مین میکھ ہے۔ کروروں باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ جب آپ ہی خاکی ہیں اور مٹی ہی کا ڈھیلا مارا تو آپکی کھوپڑی کیوں جھنائی۔

لیجئے صاحب ابتک تو میاں آزاد پہلوان اور پھکیت ہی تھے اب صوفی صافی اور مولوی بھی مشہور ہو گئے۔ نوابنے میاں آزاد کی پیٹھ ٹھوکی۔ واہ کیوں نہ ہو۔ پہلے تو میں جھلایا کہ یہ ڈھیلا بازی چہ معنی دارد مگر پھر تو پھڑک گیا کہ واہ کیا نازک خیال آدمی ہو۔ یہ بہیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک مصاحب بڑی سی رضائی جسمیں کوئی دس سیر روئی پڑی تھی اوڑھ کر تشریف لائے ایں! یہ رضائی کیسی۔ رضائی کیا لحاف کہئے۔ کیوں میاں یہ بے فصل رضائی اوڑھنا کیسا واہ قبلہ اس بھید کو آپ نہ سمجھے۔ ارے بھائی رضائی تو طالبعلم کی لنگی ہے اوڑھیے تو گرم بچھائیے تو نرم۔ دیکھئے تو دھرم۔ باندھیے تو بھرم۔ واہ بھئی قافیہ سنجی بھی ہو تو اتنی۔

ایک دن ہمارے باغ و بہار جوان لڑنتیے پہلوان میاں آزاد اپنے آقائے نامدار نواب گردوں مدار کی کوٹھی میں دو زانو بیٹھے مصاحبین سے گپ اڑا رہے تھے۔ کسی کو لکڑی کی چوٹیں کسی کو کشتی کے داؤ بتا رہے تھے کہ اتنے میں نواب صاحبنے کہا کیوں آزاد کبھی بٹیریں بھی لڑائی ہیں۔ نیت شب بخیر۔ ابکی ربیع الاول میں وہ گھماسان کی لڑائیاں دکھائیں کہ واہ جی واہ۔

مصاحب۔ میاں آزاد تم تو اپنے کو بڑا جہانیاں جہاں گشت سمجھتے ہو مگر واللہ یہ لڑائی نہ دیکھی ہوگی۔ اسطرح گتھ جاتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔ بٹیر کی لڑائی کے آگے تو توپ و تفنگ بھی گرد ہے۔ اور پھر ہمارے نواب صاحب کے یہاں کی پالیاں۔ اُف فوہ آج ہماری سرکار میں جتنے بٹیر ہیں اُتنے تو مٹیا برج کے چڑیا خانے میں بھی نہ ہونگے ایک ایک بٹیر ہزار ہزار کی خرید کا۔ نوکدم کے بنانے میں توڑے کے توڑے صرف ہو گئے۔ سیروں موتی مروارید تو میں نے اپنے ہاتھوں پیسکر کھلا دئے ہیں۔ کچھ دنوں روز کھرل چلتا تھا۔ مگر واللہ آپ بھی کہیں گے کہ ہم آدمی ہیں۔ اس ڈیوڑھی پر اتنے دن سے ہو ابتک بٹیر خانہ بھی نہ دیکھا۔ آؤ چلو تم کو سیر کرائیں۔ یہ کہکر بٹیر خانہ لے گئے۔ میاں آزاد کیا دیکھتے ہیں کہ چوطرفہ کابکیں ہی کابکیں نظر آتی ہیں۔ اور کابکیں بھی وہ جنکی بہار کہ اُہو ہو ہو۔ ہاتھی دانت کی تیلیاں۔ اُنپر گنگا جمنی گمذیاں اور کارچوبی چھتیں اور مقیش کی جھالر اُسپر کامدار مخملی غلافیں۔ رنگ برنگ سونے چاندی کی ننھی ننھی کٹوریاں جسمیں بٹیر اپنی پیاری پیاری نکیلی چونچوں سے پانی پئیں۔ پانچ پانچ چھ چھ سو کی لاگت کی کابکیں ہر سمت لگی ہیں۔ کھونٹیاں بھی رنگ برنگی۔ مصاحب ایک ایک کابک اُتار کر بٹیر دکھا کر تعریف کرنے لگے تو پل باندھ دیئے ایک بٹیر کو دکھا کر کہا کہ اللہ رکھے کیا منجھولا جنور ہے۔ صف شکن جو آپنے سنا ہو یہی حضرت ہیں لندن تک خبر کے کاغذ میں اسکا حال چھپ گیا میری جان کی قسم ذری اسکی آن بان۔ کر تو دیکھیے گا دبوسہ نیک ہائے کیا بانکا بٹیر ہے۔ یہ نوابصاحب

کے دادا جان کے وقت کا ہے۔ ایسے رئیس پیدا کہاں ہوتے ہیں دم کے دم میں لاکھوں پھونک دئے۔ روپیہ تو ٹھیکریاں سمجھا کیے پتنگ بازی کا شوق ہوا تو شہر بھر کے پتنگ بازوں کو نہال کر دیا کنکوے والے بن گئے۔ ابھی اور تو اور لونڈے جو گلی کوچوں میں لنگر لڑا کرتے لیکر ڈور لوٹا کرتے ہیں روز ڈور بیچ بیچ کر چکھوتیاں کرتے تھے۔ عیاشی میں بھی وہ نام روشن کیا کہ کوئی ڈوم ڈھاڑی غریب نظر نہ آیا۔ چانڈو کا شوق ہوا تو دقیانوس کے وقت کی نگالیاں ہزاروں روپیہ کو خرید لیں اور فی سبیل اللہ دو دو ڈھائی ڈھائی سو آدمیوں کو ایک ایک دن میں چانڈو پلا دیا افیم اتنی خریدی کہ ٹکے سیر سے سولہ روپیہ سیر بکنے لگی مالوا خالی چین کھکھل۔ دن رات قوام کے چوٹلے کا منہ کالا۔ افیم کے ست کا بول بالا۔ جب دیکھو لمپ روشن جاگتی جوت کھیا تک فیض سے محروم نہیں رہیں۔ بمبئی تک کے گنے آتے تھے اور ہاتھی کے قد آدم چھلکوں کا ڈھیر لگ جاتا تھا۔

آزاد۔ ہاتھی کے قد آدم بھی کتنا خوب۔

مصاحب۔ اللہ کی عنایت سے جو شوق کیا ایسا ہی کیا۔ پھر بٹیر بازی میں انکے سامنے کون ٹھہرتا۔ لاکھوں روپیہ صرف کر ڈالا اب یہ ایک صف شکن انکے وقت کا باقی رہ گیا ہے۔ یہ بزرگوں کی نشانی ہے۔ بٹیر کیا ہفت خوان منازل پہلوانی ہے ہفت اقلیم میں لاثانی ہے۔ انکی وفات کو کوئی بیس تیس برس ہوئے ہونگے۔ پس یہ سمجھئے کہ محمد علی شاہ کے وقت میں خریدا گیا تھا۔ اب کوئی سو برس کا ہوگا دو کم یا دو اوپر۔ مگر اس بڑھوتی وقت بھی وہ ہڈے سو کھڑے ہیں کہ مرغ پر ایک کر لات دے تو وہ بھی چیں بول جاوے جیسے باز اور بڑے کی لڑائی اور کیوں نہ ہو کس کس شوربے کا کھاتا ہے اور نواب صاحب کے جوٹ پینے کو تو آپ جانتے ہی ہیں شاہی میں جب دگلے والی پلٹن بگڑی تھی تو ہمارے حضور ہی بھیجے گئے تھے بارسال کی دل لگی ہے نواب صاحب کے ماموں تشریف لائے ان میں بھی ریاست کی بو ہے۔ کنکوا تو ایسا لڑاتے ہیں کہ میاں ولائتی ان کے آگے پانی بھریں دو دو تولے افیم پی جائیں اور وہی غم و دم۔ بٹیر بازی کا بھی بڑے سرے کا شوق ہے۔ آپکا ظفر پیکر تو بلا کا بٹیر ہے۔ بٹیر کیا شیدی لندھور ہے۔ ڈھوہ کا ڈھوہ۔ جیسے خاصہ چھوٹا تیتر۔ خیر آتے ہی نواب کو لیکر بٹیر دیکھنے گئے بٹیرے منھ سے بیساختہ نکل گیا کہ حضور کو تو بٹیروں کا مدت سے شوق ہے کروروں ہی بٹیر دیکھ ڈالے ہونگے مگر صف شکن سا بٹیر تو حضور نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔

ماموں۔ ہونہہ اسکی اصل حقیقت کیا ہے۔ ظفر پیکر کو دیکھو تو آنکھیں کھل جائیں عقل کے ناخن لیجئے بڑھ کر ایک لات دے تو صف شکن کیا معنی آپ کو نو کدم پالی باہر کر دے۔ حوصلہ ہو تو منگوا دوں۔

نواب۔ اچھا ماموں جان پھر کل شد ہو جائے۔ دو دو چونچیں تو ہوں۔

ماموں۔ کیا مضائقہ۔ مگر اپنا بٹیر آپ مفت کٹوائیں گے آپس کی لڑائی سے فائدہ یا اچھا کل ہو ہی جائے یا ادھر یا ادھر

الغرض دوسرے دن پالی ہوئی۔ ہزاروں آدمی جوق جوق آن موجود۔ شہر بھر میں دھوم تھی کہ آج بڑے معرکہ کی جنگ ہے۔ بھئی قسم ہے رزق کی دو چیزیں جس نے نہیں دیکھیں اسنے دنیا میں کچھ دیکھا ہی نہیں ایک تو یہ پالی۔ دوسرے پیر دل کی سوگھی۔ ادھر ظفر پیکر اس ٹھاٹھ سے آیا کہ زمین ہل گئی اور میرا تو کلیجہ دہلنے لگا مگر صف شکن نے اسدن آبرو رکھ لی۔ جب ہی تو نواب صاحب اسکو بچوں سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں پہلے اسکو دانہ کھلوا لیتے ہیں

پھر کہیں آپ کھلاتے ہیں ایکدن خدا جانے بلی دیکھی یا کیا ہوا کہ اپنے آپ پھڑکنے لگا۔ نواب سمجھے کہ بوندا ہو گیا پھر تو ایسے دھاڑوں دھاڑ روئے کہ گھر بھر میں کہرام مچ گیا۔ میں نے نواب صاحب کو کبھی روتے دیکھا نہیں۔ مجالس عزا میں ایک آنسو نہیں نکلتا۔ جب بڑے نواب صاحب نے انتقال کیا تو اشک کا ایک قطرہ بھی نہ گرا۔ بھئی یہ بٹیر ہی ایسا انمول ہے۔ اور سچ تو یوں ہے کہ اُس نے اسدن نواب کی سات پیڑھیوں پر احسان کیا واللہ جو کہیں گھٹ جاتا تو بندہ تو جنگل کی راہ لیتا میاں جنگ میں آبرو ہی آبرو تو ہے۔ اور ہے کیا۔ خیر صاحب جیسے ہی دونوں چکھی کھا چکے۔ ظفر پیکر بجلی کی طرح صف شکن کی طرف چلا۔ یہ ٹوری دہ کھاگر آتے ہی دلپچ بیٹھا اور چوٹی کو چونچ سے پکڑکر ایسی ایسی مرڑدڑیاں دیں کہ دوسرا ہوتا تو ایک رگڑے میں پھُر سے بھاگ کھڑا ہوتا۔ نواب کا اُسدم چہرہ فق ہو گیا۔ اور کلیجہ شق مُنھ پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں۔ نصیب اعدا زہر کھانے کا وقت پہونچا کہ اتنے میں صف شکن قلفی کرکے لوٹ ہی تو پڑا۔ واہ میرے شیر۔ خوب پھرا۔ پالی بھر میں آواز گونجنے لگی۔ کہ اہو ہو ہو وہ مارا ہو ہاں بیٹے وے بڑھ کر لات ایک لات ایسی جمائی کہ ظفر پیکر نے منھ پھیر دیا۔ مُنھ کا پھیرنا تھا کہ صف شکن نے اُچک کر ایک جھنجوڑی بتائی کہ واہ واہ وا۔ اسی مقام پہ ایک لات اور کس کر اہو ہو ہو شاباش۔ واہ پٹھے۔ اہو ہو ہو۔ اسی جگہ ایک اور اہو ہو ہو لگا ایک اور مڑوڑی۔ اہو ہو ہو اتنے میں میاں ظفر پیکر تیغ کرکے نوکدم پالی باہر۔ پھُر سے اُڑ گیا۔ پالی بھر نے کہا وہ بھگایا۔ وہ مارا۔ چوطرفہ ٹوپیاں اُچھل گئیں۔ اور نفیل بجنے لگیں واہ رے صف شکن۔ ظفر پیکر گھٹ گیا تو صف شکن کا دل اور بھی بڑھا۔ آج یہ بٹیر اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

میاں آزاد نے دیکھا کہ نواب کا ہزار ہا روپیہ بٹیروں کے پھیر میں ناحق گھولجا تا ہے۔ ذہن کے پکے تو تھے ہی سوچے کہ آؤ آج ان سب کو اُڑا دیں تو ابھی دل لگی ہو یہ سوچتے ہی مصاحب سے کہا کہ یار آج ابھی سی افیون گھول کر پلاؤ تو ہم بھی بسم اللہ کر دیں۔ مصاحب کی باچھیں کھل گئیں کہ ا چھے تو چیلا کیا۔ بڑے بڈھے کو مونڈا دوڑتے ہوئے گئے۔ کہ افیون گھول کر لائیں۔ ادھر میاں آزاد نے میدان عالی پاکر کابکوں کی کھڑکیاں کھولدیں۔ بٹیر سب پھرسے بھاگ گئے۔ صف شکن کو انھوں نے چھپا لیا۔ باقی سب ہوا میں موجیں لے رہے ہیں۔ ہات ترے کی گھر بھر میں کتاب کا نام نہیں کاغذ قلم دوات سے کام نہیں کہیں اور کابک اور بٹیر کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ لو بچہ اور پالو بٹیر۔

ہمارے رئیس نامدار یعنی نواب عرش وقار جھٹپٹے وقت اپنے باغچۂ پر بہار میں فرش مکلف پر بیٹھے رنگ رلیاں مناتے تھے مصاحب اور رفقا خوشامد کی باتیں بنا رہے تھے اور میاں آزاد صحبت گرما رہے تھے اتنے میں دریائے اخضر فلک پر کشتی ہلال نظر آئی۔ یعنی مہ نو نے اپنی پیاری پیاری صورت دکھائی چاندنی کا چھٹکنا تھا۔ کہ مصاحب بلبل کی طرح چہکنے لگے۔ نوابوں کے درباروں میں مسخروں کا کال نہیں۔ ایک افیمچی پلاؤ کی چاٹ پر مسخرے بن گئے۔ چوطرفہ اُن پر بوچھار ہونے لگی۔ ایک شخص نے پوچھا کیوں یار۔ واحد علی تمھارے کون ہیں بھائی ہیں نہ۔ تو فرماتے کیا ہیں۔ جی واحد علی ا میری خالہ جان کی بہن کے میاں کے لڑکے کے باپ کے بیٹے ہیں اسپروہ فرمائشی قہقہہ پڑا کہ فلک ہفتم تک آواز پہونچی۔

بھئی واللہ یہ پیارشتہ ہے اچھی اُلٹ پھیر ہے۔ اور کیوں میاں تمھارے باپ تمھارے کون ہوئے۔ واہ وا اسمیں کونسی مشکل بات ہے بھلا۔ ہوے کون ما باپ ہوے اچھے رہے اب آہیں ایسا گھامڑ سمجھ لیا ہے مجھے بھی کوئی گنوار مقرر کیا ہے۔ نواب صاحب نے کہا خوجی اس حوض میں نہاؤ تو ایک اشرفی دیتا ہوں۔ پیر مرشد اشرفیاں تو حضور کی جوتیوں کے صدقے میں بہت سی مل جائینگی مگر پھر جینا دوبھر ہو جائیگا۔ وہ نہ مرے سہی لیکن نکلنا جیا برے حوال۔ نا صاحب مجھے تو کوئی فی غوطہ ایک اشرفی دے تو بھی پانی میں نہ پیٹھوں۔ پانی کی صورت دیکھے بدن کانپ اُٹھتا ہے اور روح لرزنے لگتی ہے۔ بھئی واہ کیسے مردوے ہو جی۔ میاں نہاتے نہیں۔ تو آپ کوئی قاضی ہیں۔ ہم نہیں نہاتے پھر آپ کو کیا۔ اجی سرکار کا حکم ہے۔ چلیے آپکی بلا سے کہنے لگے سرکار کا حکم ہے۔ پھر کوئی اپنی جان دیدے۔ حضور جو یہ اسوقت وہم سے حوض میں نہ کود پڑیں تو افیم انھیں نہ ملے۔ آپ بہت چل نکلے ہیں۔ کھلائیں حضور کھائیں ہم۔ آپ کون بیچ میں بولنے والے اور ستر برس سے تو میں افیم کھاتا آیا ہوں اب آپ کے کہنے سے چھوڑ دوں تو کہئے مرا یا جیا نواب صاحب نے کہا اچھا بھئی جانے دو۔ دودھ کھاؤ گے۔ واہ خداوند نیکی اور پوچھ پوچھ دودھ تو وہ شے ہے جسکو انسان ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی غٹ غٹ پیتا ہے لیکن ذری مٹھاس خوب ہو۔ شاہجہاں پور کی سفید شکر یا دس کی کوٹھی کا قند یا کالپی کی مصری گھولیے گا اور تھوڑا سا کیوڑا بھی گیر دیجئے تو پیتے ہی آنکھیں کھل جائیں نواب صاحب نے حکم دیا کہ بھئی ان کے واسطے دودھ لاؤ۔ کیوں جی تم ملائی کا دودھ پیتے ہو یا گھوسن کا۔ حضور جو مل جائے۔ آم کھانے سے کام ہے یا پیڑ گننے سے۔ خدمتگار چاندی کے کٹورے میں دودھ لایا

خواجہ صاحب دودھ پیجیے۔ چُپ نامعقول اتنا بڑا لومڑ ہوا ہے ابھی تک تمیز نہیں آئی۔ یہ دودھ پینا کہاں کا محاورہ ہے گنوار دودھ کھاتا نہیں کہتا۔ کٹوری یہاں رکھ دے۔ میں ابھی آیا ذری کٹے بٹی کو دیکھتے رہنا۔ کہاں کہاں۔ خوجی کہاں۔ اے دودھ تو کھائے جاؤ مرد آدمی۔ کہیں نہیں حضور ابھی آیا۔ خوجی جب نظر سے اوجھل ہوئے تو میاں آزاد چپکے سے آدھا دودھ کھا گئے اور کٹورا لبالب کرنے کے لیے حوض سے پانی لے کر بھر دیا۔ اتفاق سے ایک چھوٹی سی مچھلی بھی پانی کے ساتھ کٹورے میں آرہی جب خواجہ صاحب تھوڑی دیر میں پھونک پھونک کر قدم اُٹھاتے ہوئے برآمد ہوئے اور کٹورے کو دودھ سے لبالب پایا تو باچھیں کھل گئیں جاتے ہی منھ ڈال دیا۔ اتنے میں مچھلی بھی منھ میں آئی تب تو چکرائے کہ الٰہی یہ کیا اسرار ہے۔ غفور پر بہت ہی جھلائے اور نواب صاحب سے بڑی شکایت کی کہ حضور اس کی کان گوشی واجب ہے۔ ایسا غافل ہوگیا کہ حوض سے مچھلی اُچک آئی اور انھیں کانوں کان خبر نہیں اور گیدی اتنی قرولیاں بھونکی ہونگی کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا حاضرین نے خوب قہقہہ لگایا جسے دیکھو لوٹ رہا ہے کہ واللہ اچھی دل لگی ہوئی۔ اسپر میاں آزاد نے کہا۔ ارے کمبخت یہ شیر ماہی ہے تب تو میاں انھیں بھی نہایت ہی افسوس کرنے لگے کہ ہائے ہائے سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکل گئی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ شیر ماہی ہے ورنہ کچا ہی چبا جاتا۔ اس قسم کی مچھلی میں یہ خاصیت ہے کہ اسی برس کا بڈھا کھائے تو جوان ہو جائے نئے سر سے دانت نکل آئیں اسپر گھنٹوں دل لگی رہی اتنے میں ایک صاحب نے پوچھا کہ خواجہ صاحب لوگ آپکے پدر بزرگوار کو باورچی بتاتے ہیں واللہ ہم تو آپ کو شریف زادہ سمجھتے تھے مگر آپ باجی ہی نکلے باجی آپ اور آپ کے باپ۔ کچھ بعید سے تو نہیں ہو یہ باجی کی

کونسی بات چیت ہے ہم نے تو عمر بھر کبھی چوٹھا نہیں پھونکا باپ دادا کا حال نہیں معلوم کون تھے کون نہیں تھے۔ واہ میاں واہ تو یہ کہئے آپ کو اپنے باپ دادا کا حال ہی نہیں معلوم۔ یہ لاعلمی تو بندہ نواز آپ کی عالی خاندانی کی قلعی کھل گئی۔ بس بس اب آپ اس دربار کے لائق نہیں۔ نواب صاحب نے مسکرا کر کہا۔ ارے میاں خوجی تم کو اپنی زبان سے بھی اتنا نہیں یہ تم بک کیا گئے۔ کوئی اپنے باپ دادا کو بھی نہیں جانتا واہ بے پاگل ساٹھ برس کا ہوا آدمیت نہ آئی سٹھیا گیا ہے۔ میاں آزاد نے پوچھا کیوں میاں صاحب آپ پٹھان ہیں یا شیخ۔ جی میں تو ہندوستانی ہوں۔ ایں! یہ بھی کیا خوب ارے کبھی مسلمان ہو یا کافر صاحب پیدا کہاں ہوئے۔ ہندوستان کے بیچ میں پھر اس سے کیا واسطہ۔ اگر اصطبل کے بیچ میں پیدا ہوتے تو کیا لوگوں کے بیچ میں گھوڑے کہلاتے۔ اس معاملے کے بیچ میں انصاف تو کیجئے پھر ایک فرمائشی قہقہہ پڑا اور حاضرین لوٹنے لگے۔

اب سنئے کہ ایک اور مسخر الدولہ آئے۔ حضور کو مجرا۔ اخاہ میر مذاق ہیں آئیے مشفق بکہئے کوئی تازہ خبر۔ تازہ خبر یہ ہے کہ آج سے اینجانب تارک اللحم ہو گئے۔ گوشت اب نہ چھوئیں گے۔ نباتات ہی پر دانت لگائیں گے۔ کیوں کیوں خیر باشد یہ کیا بدپرہیزیاں ہیں۔ کیا باورچی نے گوشت نہیں دیا۔ غفور۔ حضور۔ محمدو کو بلاؤ۔ محمدو آیا۔ آداب بجا لایا۔ کیوں جی تم سے تو ہم نے کہدیا تھا کہ سب کو ایک آنکھ سے دیکھا کرو (اتفاق سے میاں محمدو اعور تھے) حضور غلام سب کو اسی ایک آنکھ سے دیکھتا ہے۔ جھوٹ کہتا ہو تو یہ (کانی کو دکھا کر) آنکھ اپنے بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے پھوڑ ڈالے (بائیں ہاتھ کی چھنگلیا نواب صاحب کی نذر تھی) اس پر نواب صاحب ہنس پڑے۔ انکا ہنسنا تھا کہ مصاحبوں نے بھی کھلکھلانا شروع کیا۔ مسخر الدولہ بولے کہ خدا و ندا اسکا قصور نہیں۔ میں کچھ اور ہی عرض کرتا ہوں۔ وہ فرمائیے۔ حضور ایک بڑے عالم نے لکھا ہے کہ نباتات کھایا کرو گوشت کھانا بُرا۔ سو حضور کچھ دن آپ بھی اس کا تجربہ کریں۔ مصاحبوں نے جو یہ سُنا تو پیٹ میں چوہے چھوٹ گئے کہ کہیں ایسا نہو کہ نواب سیدھے سادھے تو ہیں ہی گوشت دوشت کا کھانا چھوڑ دیں تو پھر ہم مُنھ ہی تاکا کریں یہ سیخ اور شامی کباب اور قورما اور کوفتے اور دوپیازا اور کوکو پلاؤ کھانے ہی میں نہ آئے۔ واہ بے بھاجی خور۔ اچھا آیا۔

۱۔ اے حضور انکو تو سودا ہو گیا ہے۔ گرمی کے دن آئے اور ان کے سر پر شیخ سدو سوار ہوے کہنے لگے گوشت نہ کھائیے پھر کھائیں کیا بربے کا سر۔ آپ تو گھاس کھا گئے ہیں۔

۲۔ پیر و مرشد یہ ایسی ہی بے ٹھکانے بات بک دیا کرتے ہیں جنکا سر نہ پیر ایک عالم گوشت چکھتا ہے انکے یہاں ممانعت۔ ہر لو صاحب گوشت نہ کھائیں تو پھر کیا بھوسا کھائیں ساگ کھائیں بھیلا کھائیں چھپر کا پھوس کھائیں۔

۳۔ ابھی انکی فصد کھلوائیے۔ قطرب کی علامت پائی جاتی ہے حضور گوشت کبھی نہ چھوڑیئے گا یہ بڑی نعمت ہے۔

۴۔ میاں کیسی باتیں کرتے ہو۔ حضور چھوڑیں بھی تو کہیں چھوٹ سکتا ہے۔ رئیسوں سے گوشت بغیر ایک لقمہ تو کھایا نجائے نہ کہ ترک کرنا۔ اور انکی نہ کہئے۔ یہ تو دیوانے مشہور رہی ہیں۔ پائیں تو بکرے کا بکرا چکھ جائیں۔ اوپر ڈکار تک نہ لیں۔ مگر فضیحت کرنے میں آندھی ہیں۔ آپکو قسم ہے جو آج سے گوشت کھائیے گوشت کھاؤ تو مردار۔ حرام سود۔ کہو بیش باد بس رہ گئے۔

مسخر الدولہ۔ میاں سو برس کے بعد گھورے کے بھی دن بہورتے ہیں سو کئی صدی بعد گھانس پھونس کی بھی رتی چمکی۔ دیکھ لینا جو دس برس میں ایک گوشت خور بھی نظر آئے سب گھانس خور ہو جائیں تو سہی۔

میاں آزاد ایکدن سویرے مُنہ اندھیرے بازار میں گشت کر رہے تھے۔ بازار بھر میں سناٹا حلوائی بھٹی میں سو رہا ہے۔ گر نانبائی برتن دھو رہا ہے بزازہ بند۔ کنجڑوں کی دکان پر اروی نہ شکر قند۔ جوہریوں کی دکان میں قفل لگا ہوا ہے۔ گر تمباکو والا جگا ہوا ہے۔ خاکروب سڑک پر جھاڑو دے رہا ہے میدے والا پسنہاریوں سے جائزہ لے رہا ہے۔ ادھر صدائے مرغ سحر اُدھر ندائے اللہ اکبر۔ شوالے کا گھنٹا ٹھن ٹھن بج رہا ہے کوئی اپنی دکان سج رہا ہے۔ میاں بز قصاب دکان پر ڈٹے ہوئے کھٹا کھٹ چھری چلا رہے ہیں کتّے دُم ہلا رہے ہیں اور بوٹیوں کی خیر منا رہے ہیں۔ اتنے میں دیکھتے کیا ہیں کہ ایک شخص لنگی باندھے افیم کی پینک میں جھوم رہا ہے۔ اور بوکھلایا ہوا چو طرفہ گھوم رہا ہے ہاتھ میں چلم۔ دکان کے صدقے ہو رہا ہے کہ کہیں سے ایک چنگاری مل جائے تو دم لگے دھواں دھار حقہ اُڑے۔ جہاں جاتے ہیں پھر مانگ کی آواز آتی ہے بہت ہی چکر لئے۔ لاحول ولا قوت۔ بھئی ایسا شہر نہیں دیکھا منحوس جہاں آگ مانگے نہ ملے۔ جاڑا اس میں بھی کرکی چھین ٹکے صرف ہوتے ہیں۔ یا گرہ سے کچھ جاتا ہے۔ الغرض محلے والوں کو صلواتیں سناتے اور دل ہی دل میں جھلاتے ہوئے نانبائی کی دکان پر حضرت پہونچے۔

حضرت۔ بڑے بھائی اک ذری آگ تو جھپ سے دیدینا میرا یار لا تو جھٹ پٹ۔

نانبائی۔ اچھا تو دکان سے الگ رہو۔ چھاتی پر کیوں چڑھتے بیٹھتے ہو۔ یہاں سو دھندے کرنے ہیں آپکی طرح کوئی بیفکرا تو ہے نہیں کہ تڑکا ہوا اور چلم لی اور لگے کوڑی دکان مانگنے لگی تو خیر نہیں تو گالیاں دینی شروع کیں۔ صبح صبح اللہ کا نام نہ رسول پیغمبر سے کام نہ رام رام۔ چلم لیے دکان پر ڈٹ گئے۔ واہ اچھی دل لگی مقرر کی ہے۔ ایسی ہی طلب ہو تو ایک کنڈی کیوں نہیں گرم رکھتے کہ رات بھر آگ ہی آگ رہے۔ اب ہم اپنا کام کریں گاہکوں کو سودا دیں یا آگ دیتے پھریں۔ اب کیا کوئی خوان سے بھاگے گا۔ یا کٹھا تا کاہے یا سنکھ پر دانت ہے۔ ایسے ہی اُچکّے تو چوری کرتے ہیں۔ آنکھ چوکی اور مال غائب۔ کیا سہل ہے کہ چلم لیکر آگ مانگنے آئے ہیں کسی دن میں چلم ولم نہ توڑ تاڑ کے پھینکدوں۔ تم تڑکے تڑکے دکان پر نہ آیا کرو جی۔ نہیں محنت میں کسی دن لٹائیں لٹائیں ہو جاوے گی۔

حضرت کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا جی چاہا کہ بھٹی ہی میں سر ٹھونس دیں مگر سوچے کہ ہم افیمی آدمی وہ نانبائی گوشت پراٹھے کھا کھا کر گینڈے کی طرح پھول گیا ہے ایسا نہ ہو کہ ایک یخنی بنا دے خیر دانت پیسکر رہ گئے۔ وہاں سے چلے تو حلوائی کی دکان پر پہونچے۔

حضرت۔ میاں اک ذری سی آگ دینا بھائی ہوت۔

اُس وقت حلوائی کا دودھ بلی پی گئی تھی جھلایا بیٹھا تھا گھبراہٹ میں سمجھا کہ کوئی فقیر بھیک مانگنے آیا ہے کڑک کر اور جھڑک کر بولا کہ ادھر دکان دیکھو۔ سویرے سویرے کوڑی کی پڑ گئی۔ جاتا ہے کہ دوں دھکا۔ رہیں کہیں مریں کہیں۔ کوڑی مانگنے یہاں موجود دنیا بھر مردے نا نا منہ گھاٹ۔ اب کھڑا گھورتا ہے کیا۔ دونوں کہیں پھوڑ نہ ڈالوں میں۔

حضرت - کچھ واہی ہوا ہے بے - ابے ہم کوئی فقیر ہیں میں ایک فلس بھی نہ بتاؤں بچہ - لو صاحب ہم تو آگ مانگنے آئے ہیں - یہ ہم کو بھک منگا بتاتا ہے - اندھا ہے بے کون -

حلوائی - (دوکان سے اُتر کر) بھک منگا نہیں تو ہے کون لنگوٹی باندھے ہیں اور چلے آگ مانگنے - تمہارے باوا کا کرج (قرض) دھرا ہے؟

جب انھوں نے دیکھا کہ یہ لپاڈگی پر آمادہ ہو ہی گیا اور لنگ کس کر دھم سے کود پڑا تو سوچے کہ بولے اور پٹے گئے - یہ اسوقت جھلایا ہوا ہے ایسا نہ ہو کہ دو چار گدے کس کے لگا دے تو بھرکس ہی نکل جائے چپکے سے کان دبائے چل کھڑے ہوئے آج تڑستے تڑستے کس کا مُنھ دیکھا تھا کہ جہاں جاتے ہیں جھونڑ ہو جاتی ہے آگ نہ ملی نہ ملی - اتنے میں دیکھا کہ ایک سنار کی دُکان پر آگ دہک رہی ہے او ہو ہو ہو بھئی یہ بیچارہ بھلامانس آدمی ہے بے عذر آگ دیدے گا اتفاق سے اسوقت سنار دکان پر نہ تھا - یہ تو سنتے کی فکر میں چوندھیائے ہوئے تھے ہی جھپ سے دکان پر چڑھ گئے اِنکا دکان پر چڑھنا تھا کہ سنار بھی اُسی وقت آگیا اور انکو دیکھ کر آگ بھبھوکا ہو گیا تو کون ہے بے - دیکھو بے تے نہ کرنا - سنار نے جھلا کر ایک چپت جمائی ابے تو ہے کون - اور سنئے صاحب خالی دکان پر کیا مزے سے چڑھ گئے (ایک اور دھپ جماکر) اور جو کوئی عدد جاتا رہتا - میاں افیمی نے دیکھا کہ اسنے تو "اینجانب کا سر بنجوں کا سر مقرر کیا،" معاً چلم پھینک کر سامنے کھڑے ہوئے بھلا ابکی تو ہاتھ چلا - سنار نے دیکھا کہ منحنی سا آدمی دُبلا پتلا اور اتنا اکڑتا ہے - بڑھ کر ایک چانٹا اور رسید کیا اور دینے لگا - اتنے میں تیس چالیس آدمی جمع ہو گئے - کیا ہے میاں کیا ہے - سنئے کیا یہ ہماری دکان پر چوری کرنے آئے تھے - ہم نے گردن ناپی - تو میں چوری کرنے آیا تھا - میں چور ہوں چور کی ایسی ہی صورت ہوتی ہے -

لوگ - کون! تم! ہمیں تو تم شاہین چار سلام پڑھتے ہو - کال جواری - اچھا پھر تم اُنکی دکان پر گئے کیوں - دکاندار نہیں تھا تو وہاں تمھارا کیا کام - اور جو سونا چاندی کا گہنا لے بھاگتے تو یہ تمہیں کہاں ڈھونڈھتے پھرتے -

سنار - تو یہ گرد صاحب انکا پھر پتہ کہاں ملتا یہ چانڈو خانے میں جاتے یا جمنا اُس پار - چلو تھانے پر -

لوگ - میاں اب جانے دو - تم اپنی طرف دیکھو جاؤ خبردار اب دکان پر نہ چڑھ جانا - نہیں پٹتے جاؤ گے بچہ -

افیمی کی جان اس مخمصے سے بچی تو سب سے پہلے چلم کی فکر ہوئی ابی چلم کون بھاگا بارے خدا خدا کرکے چلم ملی سنار نے کہا اچھا آؤ آگ لیتے جاؤ - حضرت نے آگ پائی اور گھر کی راہ لی تڑکے تڑکے اچھی بھی ہوئی - چور بنے مار کھائی جھڑکے گئے تب کہیں بعد خرابی بسیرہ آگ پائی - ایسی طلب کو آگ لگے -

میاں آزاد یہ دل لگی دیکھ کر آگے بڑھے، چلتے چلتے نواب کی ڈیوڑھی پر آئے اور آداب بجا لائے -

نواب - آج اتنا دن چڑھ گیا کہاں تھے - کیا دربار گئے تھے -

آزاد - حضور آج بڑی دل لگی دیکھنے میں آئی - واللہ ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ جائیے گا - طلب بھی کیا بری چیز ہے اور یہ افیمی تو اور بھی ستم ڈھاتے ہیں (ساری داستان کہہ سنائی)

نواب - (کھلکھلا کر) واللہ اچھی دل لگی ہوئی - آگ کے عوض چپتیں پڑیں ارے میاں ذرا خوجی کو بلانا ہاں ذرا خوجی کے

سامنے سنانا۔ کسی دن وہ بھی بہکیں گے۔

اتنے میں خواجہ صاحب تولہ بھر افیم پی کر نشے میں غرق جھومتے جھامتے لڑھکتے پڑھکتے آئے۔ غلام کو حضور نے یاد کیا ہے جی ہاں اسوقت کس فکر میں تھے۔ اے خداوند افیم گھول رہا تھا۔ اور فکر تو حضور کی بدولت قریب ہی نہیں پھٹکنے پاتی۔ میں فکر کیا جانوں جو رونا جانتا اللہ میاں سے ناتا۔ دو وقتہ پلاؤ اُڑانا اور افیم کی چسکی لگانا۔ حضور ابتو لٹ گیا نوابی میں غلام پر بھی جوبن تھا۔ چوک میں انگلیاں اُٹھتی تھیں۔

مصاحب (قہقہہ لگا کر) اچھی بے تکی سُنائی اسوقت جوبن اور ڈنڈبل کا کیا ذکر تھا جی۔

اتنے میں ایک چوبدار برہنہ سر پریشان و مضطر لپکتا ہوا آیا۔ خداوند بڑا غضب ہو گیا۔ کیا۔ کیوں کیا کہوں۔ کہو ایں خیر ہے۔ بولو تو۔

سب کا رنگ فق کہ خدا ہی خیر کرے۔ نواب کا کلیجہ دہل گیا میاں کچھ منھ سے بولو۔ سر سے کھیلو۔ آخر کیا آفت آئی۔ کچھ معلوم تو ہو

چوبدار۔ (ہاتھ جوڑ کر) جان بخشی ہو تو عرض کروں۔ بٹیر سب اُڑ گئے۔

نواب۔ (ہاتھ ملتے ہوئے) سب!!! ارے سب اُڑ گئے۔ ہائے میرے صف شکن کو جو ڈھونڈھ لائے ہزار نقد انقد گنو لئے اسوقت میں جیتے جی مر مٹا۔ اُف اُف بھئی ابھی سانڈنی سواروں کو حکم دو کہ چو طرف دورہ کریں جہاں صف شکن ملے سمجھا بجھا کر لے ہی آئیں۔

مصاحب۔ خداوند سمجھانا کیسا۔ وہ بھی کوئی آدمی ہو کہ سمجھ جائے گا۔ جنور لاکھ پڑھے پھر جنور ہے۔

نواب۔ کوئی ہے۔

رفقا۔ حاضر۔ پیر و مرشد خداوند جی حضور۔

نواب۔ انپر جوتے پڑیں۔ لو صاحب ہم تو اسوقت گھبرائے ہوئے ہیں۔ یہ بات کاٹتا ہے۔ صف شکن کو تم ایسے گدھوں سے زیادہ تمیز ہے۔

رفقا۔ حق ہے۔ اسے حضور وہ تو عربی سمجھ لیتا ہے۔

دوسترے بولے خداوند اُس کو قرآن کے کئی پارے یاد ہیں۔ تیسترے نے کہا قسم ہے پنجتن پاک کی میں نے اسکو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ چوتھے ایک ٹن ہنس رہا تھا۔ پانچویں جی ہم نے ڈنڈ پیلتے دیکھا ہے۔

نوابصاحب کو ان کل باتوں کا یقین آگیا۔ اس مصاحب بیچارے کی گدی پر دو چار گدے پڑ گئے۔

بٹیر کیا اُڑ گئے کہ نوابصاحب کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے آنکھوں سے اشک جاری ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہیں کلیجہ بلیوں اُچھل رہا ہے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ ہائے میرا صف شکن۔ پیارا صف شکن۔ ؎

اگر دانستم از روز ازل داغ جُدائی را	نمیکردم بلا روشن چراغ آشنائی را

مجھے تو اُس سے عشق ہو گیا تھا جی۔ میں تو اسکی بانکی ادا پر جان دیتا تھا۔ یارو۔ وہ نکیلی چونچ۔ وہ بیتابی سے کاکن چگنا۔ چکھی لگائی اور ڈٹ گیا۔ سیکڑوں معرکوں میں لڑایا مگر کورا آیا۔ دو دو چونچ جیں ہوئیں۔ اور بٹیر دم دبا کر بھاگا۔ پھر۔ سامنا ہوا اور منھ پھیر دیا۔ کس بانکپن سے جھپٹ کر لات دیتا تھا کہ پالی بھر تھرا اُٹھتی تھی اور اسکی بساط ہی کیا تھی۔ منجھولا جنور۔ لیکن بلا کا کس بل۔ اور قسم ہے صف شکن ہی کی اسکی خوبیاں تو مجھ پر آج کھلیں۔ یہ تو میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ وہ حقانی جانور ہے۔ صورت بٹیر کی۔ مگر سیرت فقرا کی۔ اور ایک پنڈت نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ کیا جانے کیسی منت ہو گئی نہیں تو اسکا بڑا درجہ تھا۔ اب سنا کہ نماز بھی پڑھتا تھا۔

مصاحب۔ حضور کو یاد ہو گا کہ رمضان شریف کے مہینے میں

اُس نے دن کے وقت دانہ تک نہ چھوا حضور سمجھے تھے بو دزا ہو گیا مگر میں تاڑ گیا کہ پابند صوم وصلواۃ ہے۔

خوجی۔ جل جلالہٗ۔ جل جلالہٗ۔ کیا شان کبریائی ہے۔ خداوند اب میں حضور سے کہتا ہوں کہ دس پانچ دفعہ میں نے افیم بھی پلا دی مگر واللہ باللہ ثم باللہ جو ذرا بھی نشہ ہوا ہو۔ ہاں انکھڑیوں میں لال ڈورے تو پڑ گئے تھے۔

میر صاحب۔ پیر و مرشد یقین جانئے پچھلے پہر سے سحر کاذب تک حق حق کی آواز کابک سے آیا کرتی تھی۔ غفور تم کو بھی تو ہم نے کئی بار جگا کر سنایا تھا کہ صف شکن یاد خدا میں مصروف ہیں۔

غفور۔ ہاں میاں پچھلے سے حق حق کیا کرتے تھے اور اکثر دیکھا تھا کہ سجدہ کر رہے ہیں۔

خوجی۔ جل جلالہٗ۔ جل جلالہٗ۔ واہ میاں صف شکن علی شاہ۔

نواب۔ بھئی ہم نے اُسے پہچانا ہی نہیں۔

افسوس کہ عمر رفت و ہشیاری نیست
دردا کہ خیال خویشتن داری نیست

اُف اُف بھئی کوئی پنکھا جھلنا۔

مصاحبین (غل مچا کر) پنکھا لاؤ جلدی۔ سامنے کھڑے ہو کر جھلو۔

نواب ؎
جیتم جو میں جانتی کہ پیت کئے دکھ ہوئے
نگر ڈھنڈھورا پیٹتی کہ پیت کرے نا کوئے

خوجی (پینک سے چونک کر) ہاں ذری اونچے سروں میں۔ واہ اُستاد چھیڑے جا۔ اسوقت تو میاں شوری کی روح پھڑک گئی ہوگی

نواب۔ چپ نامعقول کوئی ہے اسکو یہاں سے ہٹاؤ۔ یہ رئیسوں کی صحبت کے قابل نہیں مجھکو بھی کوئی گویا مقرر کیا ہے۔ یہاں تو جی جلتا ہے اور اندر ہی اندر پھنک رہا ہوں اُنکے نزدیک قوالی ہو رہی ہے کہنے لگے اونچے سروں میں میاں شوری یاد آتے ہیں۔ تم ایسے مفت خوروں کو کسی کے درد دکھ سے کیا سروکار۔ تم کو تو چکھوتیوں سے مطلب ہے اور بس۔ فیرنی ہو کھیر ہو۔ مزعفر پر ہاتھ پڑے ٹکڑے کھائے دل بہلائے کپڑے پہنے گھر کو آئے۔

خوجی۔ خداوند غلام تو اسدم اپنے آپے میں نہیں۔ ہائے صف شکن کی کابک خالی ہو اور میں اپنے ہوش و حواس سے چوکس رہوں۔ میرا معشوق نظر سے غائب ہو تو طبیعت کیونکر حاضر ہو حضور نے اسوقت مجھے چھیڑ دیا۔ افسوس ہائے افسوس۔ ملدے یار و صف شکن کو کہیں سے ڈھونڈھ لاؤ کوئی تو پتہ لگاؤ چور تمیدی ہے خدا سمجھے۔

نواب۔ شاباش۔ خوجی شاباش۔ اسوقت طبیعت بہت ہی خوش ہو گئی۔ بیشک تم نمک حلال تمھارے باپ دادا نمک حلال ارے بھئی سانڈنی سوار دوڑائے گئے یا نہیں۔

مصاحب۔ شجاعت علی سے کہا ابھی سانڈنی تیار ہو۔ اور پنجکوسی چکر لگائے۔ جہاں صف شکن ملیں اُنکو سمجھا بجھا کر لے ہی آئے

شجاعت۔ جاتا تو ہوں مگر وہ تو منطق پڑھے ہیں میری کیا سنیں گے کوئی مولوی بھی تو ساتھ بھیجئے اُنسے بکنے گا کون۔ غلام تو کچھ اونٹ ہی چلانا خوب جانتا ہے۔ مسئلے دلیل کون کرے بھلا۔

خوجی۔ خداوند قربان جاؤں۔ افیم چانڈو کے جرس کی بحث ہو تو بندہ درگاہ کو بھڑا دیجئے مگر وہاں تو حقانی باتیں ہونگی اس میں اینجانب کو داجبی ہی واجبی دخل ہے پھر دخل در معقولات دیگر انکو بنوں مفت میں۔

میاں آزاد۔ پیر و مرشد۔ اگر بنوٹ لکڑی پٹے کا چرچا ہوتا تو بندہ بھی تلوار سوت کر عین موقع واردات پر جا ڈٹتا اور چرکے پر چرکا نشتر پر نشتر لگاتا۔ گر منطق کی بحث کچھ خالہ جی کا گھر تو ہے نہیں کسی جغادری مولانا کو بلوائیے۔

مصاحبوں نے ایک مولانا صاحب کو تجویز کیا مولانا بیچارے

پھٹے حالوں تھے۔ سمجھے کہ جو لے غنیمت ہے مگر یاران سر پل نے اُنسے کل داستان نہیں بیان کی۔ چوبدار مکان پر گیا اور کہا کہ نوابصاحب نے آپکو یاد کیا ہو چلیے کسی بڑے عالم سے بحث ہو گی۔

مولانا۔ السلام علیکم۔ حضور نے آج یاد فرمایا ہے؟ زہے نصیب

نواب۔ وعلیک السلام۔ آپکو اسوجہ سے تکلیف دی کہ میرا قرۃ العین لخت جگر نور بصر ناراض ہو کر چلا گیا مگر منطقی آدمی ہے اسرار خدائی سے واقف۔ علم مناظرہ میں طاق۔ پابند روزہ و نماز آپ بحث کیجیے اور معقول کر کے لے آئیے۔

مولانا۔ انشاء اللہ۔ والدین کا بڑا حق ہوتا ہے وہ کیسے نادان آدمی ہیں کہ والدین سے خفا ہو گئے مقام استعجاب ہے۔

خوجی۔ مولانا صاحب وہ بٹیر ہے۔ مگر خوش تمیز۔ عارف۔ زاہد۔ عفت کوش۔ متقی۔ متشرع۔ منطقی۔ فلسفی ہیأت داں۔ عربی خواں۔

میر صاحب۔ کیا صف شکن کا نام مولانا صاحب نے نہ سُنا ہو گا وہ تو روم تک مشہور تھے قبلہ حقیقت حال یوں ہے کہ سرکار کا بٹیر صف شکن کل کابک سے اُڑ گیا۔ اب تجویز یہ ہوئی ہے کہ ایک سانڈنی سوار جائے اور سمجھا بجھا کر لے آئے مگر شتربان پھر شتربان ہے۔ لاکھ صحبت یافتہ ہو تو کیا لہذا آپ بلائے گئے کہ سانڈنی پر سوار ہو جیے اور اُن کو بلطائف الحیل بُلا لائیے۔

مولانا۔ درست آپ سب کے سب نشے میں تو نہیں ہیں۔ ہوش کی باتیں کیجیے۔ خود مسخرے بنتے ہو یا مجھے مسخرہ بناتے ہو بٹیر منطقی کیسا لا حول ولا قوت۔ آپنے مجھے بھی کوئی نقل محفل بنایا ہے اور سنئے بٹیر اُڑ گیا اُسکو سمجھا کر لاؤ۔ وہ بھی کوئی مولوی ہے یا آدمی ہے۔ صف شکن؟ کون لڑائی سر کی تھی۔ استغفر اللہ استغفر اللہ اچھے گاؤدیوں کا مجمع ہے بندہ رخصت ہوتا ہے۔

نواب۔ یہ کس کودن مغز کو لائے تھے۔ خاصا جانگلو ہے۔

آزاد۔ اچھا حضور بھی کیا یاد کریں گے کہ اتنے بڑے دربار میں ایک بھی منطقی نہ نکلا۔ لے اب غلام نے بیڑا اُٹھا لیا کہ جاؤنگا اور لاؤنگا۔ ایک تو سانڈنی دیجیے باد رفتار اور دو دن کی خوراک دیجیے اور ایک خط اپنے دستخط مبارک سے لکھ دیجیے تیسرے دن غلام مع صف شکن خاں بہادر کے ڈیوڑھی پر موجود نہ اس مونچھیں منڈوا ڈالیے۔

نواب۔ اچھا آپ جائیے اور لیس ہو کر آئیے۔ میں یہاں بندوبست کیے دیتا ہوں۔ مگر ابھی آئیے۔ دیر نہ ہونے پائے۔ اتنا خیال رہے۔

میاں آزاد گھر گئے تو اور مصاحبوں میں کھچڑی پکنے لگی۔ یار وہ تو بازی جیت لے گیا۔ پالا اسی کے ہاتھ رہا۔ اور جو کہیں صف شکن کو لے آیا تو پھر ہم سب پر تبر ہو جائے گا پھر آزاد ہی آزاد جو طرف نظر آئیں گے ہم کو آپ کو کوئی نہ پوچھے گا۔ اسکی فکر ضرور کیجیے۔

خوجی۔ حضور جان بخشی ہو تو عرض کروں۔

نواب۔ کہیے نہ یہ جان بخشی کا کون موقع ہے۔ کوئی عمدہ صلاح بتائیے۔ کوئی معقول تدبیر نکالیے۔

خوجی۔ حضور میاں آزاد بھی دو دن سے اس دربار میں آئے ہیں اُنکا اعتبار کیا۔ خدا جانے اُچکے ہیں۔ اُٹھائی گیرے ہیں چور ہیں۔ گرہ کٹ ہیں۔ کوئی کیا جانے۔ اور جو سانڈنی ہی لیکر رفو چکر ہوں تو پھر کوئی کہاں اُنکا پتہ لگاتا پھرے۔ انصاف سے کہیے گا کہ ایک خانہ برباد خانہ بدوش آدمی کا ٹھکانا کیا اور وہ بھی سیدھا ہے کہ پھر واپس آئے گا۔

مصاحب۔ ہاں خداوند کہتے تو سچ ہیں۔

رفیق۔ پیر و مرشد سڑی ہے تو کیا ہوا مگر کہتا پتے کی ہے۔

میر صاحب۔ یہ خوجی صورت ہی سے ایسے معلوم ہوتے تھے لیکن

بات کسی ٹھکانے کی۔ اے ہاں ایسے آزاد کا ٹھکانا کیا۔ سانڈنی کے کوڑے کرے اور اپنی راہ لے۔

سیتا بیگ۔ ہم تو حضور کو صلاح نہ دیں گے کہ میاں آزاد کو سانڈنی دیجئے۔

نواب۔ چلو بس بہت نہ بکو۔ تم اُٹھائی گیرے مفت خورے ہو نہ سب کو اپنا ہی ایسا سمجھتے ہو۔ آزاد کی جوتن کہے دیتی ہے کہ وہ ذرّات کے قابل ہے۔ تم میں سے کوئی اسکی جوتی کی پھٹ پھٹ کو نہیں پہونچتا اور فرض کرو کہ سانڈ جاتی ہی رہے تو کیا میں بھی کوئی ٹکڑ گدا ہوں کہ سانڈنی کے کھونے سے مجھے بھیک مانگنے کی نوبت آئے گی اور ہزار بات کی ایک بات تو یہ ہے کہ صف شکن پر سے لاکھوں صدقے ہیں سانڈنی کس میں ہے۔

پریوں کا دنگل (بمبئی کے پارسیوں کا تماشہ)

ہمارے سیلانی جوان۔ رنگیلے پہلوان۔ ظریفوں کی جان زندہ دلوں کی روح رواں میاں آزاد لے سانڈنی پر کاٹھی کسی اور بھولے بھالے دیوانے متوالے نواب سے رخصت ہوئے
پیر و مرشد رخصت خدا حافظ و ناصر ہے میاں آزاد۔ سہ

بہ سفر رفتنت مبارک باد	بہ سلامت روی و باز آئی

خوجی۔ فی امان اللہ۔ میاں آزاد جس طرح بیڑا اُٹھا کر جاتے ہیں خدا کرے اُسی طرح سُرخ رو آئیں۔

میر صاحب۔ ذری سانڈنی سے چوکس رہئے گا ہاں ایسا نہو کہ ع۔ چوجاستہ رہے کہ اندھیاری + کا ایسا نقشہ ہو۔

آزاد۔ خداوند رخصت۔ مجرا عرض ہے۔ غلام کے حق میں دعائے خیر دیجئے۔

نواب۔ خدا حافظ و ناصر ہے اور میرا تو رونگٹا رونگٹا دعا دے رہا ہے۔ لے بسم اللہ کیجئے۔

میاں آزاد نے پشت پھیری تھی کہ اتنے میں پٹ سے چھینک پڑی بات ترے کی ناک کاٹوں ہتھے پر ڈاکا کمبخت نے لو میاں ذری جوتا بدل ڈالو اور یہ گلوری کھالو۔ میاں آزاد پھر سب سے رخصت ہوئے۔ فی امان اللہ۔ خدا حافظ اللہ کو سونپا۔ مگر سانڈنی کی خیر نہیں نظر آتی۔ بی مبارک قدم لونڈی اور ماما اصیلوں نے چٹ چٹ بلائیں لیں اور دعائیں دیں۔

الغرض میاں آزاد سانڈنی پر سوار ہو کر ہوا ہوئے۔ یہ جادہ جا تھوڑی دیر میں نظر سے اوجھل۔ بانکا صندلی عمامہ بر سر اور جامۂ بہارانی در بر۔ شتر بے مہار زیر ران۔ صرصر تک و سبک عنان گھونگھرو چھن چھن بستے جاتے ہیں۔ کاٹھی پر قرمزی زردوزی پوش اور کارچوبی گوٹ سے اونٹنی کا جوبن دوبالا ہو گیا چلتے چلتے ایک پھاٹک پر بڑا لمبا چوڑا اشتہار دیکھ کر ٹھٹک رہے پڑھا تو باچھیں کھل گئیں۔

بڑے بڑے کھیل اور بڑے بڑے تماشے

(آؤ کھلاڑی آؤ) پریوں کے پدن دیکھ جاؤ بمبئی کے پارسی لکھنؤ چھتر منزل میں اندر سبھا کا وہ تماشا دکھاتے ہیں کہ اس فن کے مبصر تک وجد میں آتے ہیں۔ وہ پیاری پیاری صورتیں مٹی کی مورتیں دکھائیں کہ ناظرین دنگ ہو جائیں۔ درجہ بندی تو ضرور ہے۔ پھر جیسا گڑ ڈالو گے ویسا مزہ پاؤ گے۔ مگر دیکھیں گے سب از برائے خدا آؤ آؤ اور ضرور آؤ ورنہ پچھتاؤ گے۔

آزاد تو سیر بہانے پر اُدھار کھائے ہی ہوئے تھے جھٹ سانڈنی کو لکھنؤ کے رُخ سبک پو یہ کیا جہاں تماشا ہونے کو تھا۔ سانڈنی بلا کی ہاد رفتار آہو شکار و غا بلند و سر بلند۔ گردن اُٹھائے دم دبائے بلبلاتی اور شتر غمزے دکھاتی شہ گام جانے لگی۔ او دن سے لکھنؤ کے پکے پل پر لگی دو گھڑی میں داخل۔ میاں آزاد کا دماغ فلک الافلاک پر

کہ میری اونٹنی کی کچھ نہ پوچھو۔ یہ بے پر کی پریوں کو مات کرتی ہے
وہاں سے ایک طرارہ بھرا تو جھٹ منزل میں کھٹ سے آن موجود۔
آہو ہو ہو کیا مقام مینو سواد ہے! الٰہی یہ زمین ہے یا بہشت شداد ہے۔ یہ
رنگین دالانے ہیں یا باب گلستاں۔ یا ابواب جنان۔ اہا ہا آج جمعرات
ہے مشتری کی کرامات ہے۔ روز آدینہ پر اسکو تقدم بالزمان ہے سعد اکبر مشہور
جہاں ہے لیلائے شب کا کل پریشاں۔ نوعروسان چمن مست و
غزلخوان۔ اُدھر چشمۂ سار کی روانی۔ ادھر بحر طرب کی طغیانی۔ تماشائی
جوق جوق ڈٹ رہے تھے۔ ٹھٹ کھٹا کھٹ بٹ رہے تھے اتنے میں گھنٹی
بجی۔ اور محفل دلھن کی طرح سجی۔ سامنے پردۂ زرنگار اور اسپر کہسار اور
دامن کوہ میں سبزہ زار ادھر اُدھر اشجار پربہار عقل دنگ ہے کہ الٰہی
یہ پردہ ہے یا نگارخانۂ ارژنگ ہے۔ وہ گل بوٹے کہ واہ جی واہ
وہ نقش و نگار کہ سبحان اللہ۔ تماشائی پرانے رسیا تاڑ گئے کہ ع
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں ؛ اتنے میں وہ اُٹھا۔ تو
آنکھ جھپک گئی۔ وہ چکاچوندھ کا عالم کہ نظر کا پاؤں پھسلا جاتا تھا۔
راجہ اندر تخت جواہر نگار پر بڑی شان اور بان سے متمکن ہیں۔ تخت
فیروز بخت کو دیکھ کر حیرت تھی کہ یا للعجب یہ جواہر ثمین کی دکان ہے۔
یا تخت رواں ہے۔ تاج مکلل کے گوہر شاہوار افشاں جبین ہلال
لیقائی۔ اور عکس یواقیت آبدار نور مہر دلربائی۔ برنائی اور خودنمائی
چہرے سے عیاں۔ شان کشورکشائی بشرے سے نمایاں۔ ؎

بالائے سرش زہوشمندی	می تافت ستارۂ بلندی

پھر تو ہر در و دیوار سے چھُن چھُن چھم چھم کی آواز آنے لگی۔ اور
محفل بھر کھکھلانے لگی۔ ایک نئی غلمان نظیر نے عجب ادائے دلپذیر
سے جھک جھک کر گانا شروع کیا اور دائرہ والے نے گت کا بجانا شروع کیا ؎

سبھا میں دوستو اندر کی آمد آمد ہے
پری جمالوں کے افسر کی آمد آمد ہے

اوں۔ اوں۔ ایں! یہ کیا؟ جی کالے دیو کی آمد ہے۔
ماشاء اللہ۔ انوکھی قطع اور نرالی وضع کے علاوہ خوش گلو بھی
کتنے بڑے ہیں۔ اس گلے پڈیاں اور چوہے نثار۔ پڈیوں اور
چوہوں کی خصوصیت کیا تھی۔ کتے کیوں نہ صدقے کر دئے۔ واہ واہ
ٹڈیاں اور چوہے تو کھیت کے کھیت ستیاناس کر جاتے ہیں اور کتے
رات بھر چوکی پہرہ دیا کرتے ہیں۔ اُنھوں نے آتے ہی وہ داد مچائی کہ
ساری محفل لوٹ گئی۔ ماشاء اللہ خوش لقا ہی نہیں خوش ادا بھی
ہیں اللّٰھم زد فزد۔ راجہ اندر نے حکم دیا کہ میری پریوں کو بلاؤ اور
کہو اپنا اپنا جوہر دکھاؤ۔ پردہ پڑ گیا۔ اب تماشائی نرگس کی طرح
دیدۂ حیران ہیں کہ کہیں پردہ اُٹھے۔ زبان حال سے پکار
رہے ہیں۔ ؎

کیسا حجاب کسلی حیا اور کہاں کی شرم
پردے سے ہاتھ ہاتھ سے پردہ ہٹائیے

اتنے میں ؎

بل مارنے کی ہوئی جو دیری
سبحان اللہ شان تیری

یہ پردہ ہلا۔ وہ اُٹھا۔ جل جلالہ۔ عم نوالہ۔ آہو ہو ہو۔ کیا پیاری
پیاری صورت نظر آئی ہے۔ کیا شان کبریائی ہے۔ چھم چھم چھم چھم۔ وہ برق دم
وہ خم و چم کہ زاہد صد سالہ بھی آیۂ فتبارک اللہ احسن الخالقین پڑھیں
کیوں نہیں قدرت حق کا نمونہ ہے یا ہاتمی۔ ستی اب تھا کہ یہ بادہلدی ہے
یا پکھراج پری کی سواری ہے۔ یہ انسان ہے یا سچ مچ کی پری آ کر مزا دلو۔
پھر شان دلبری۔ ؎

اس ترلقے سے تھی وہ مہ پارہ	پھسلتا تھا پائے نظارہ
روئے تاباں چراغ گلشن نور	صبح رخسار۔ روکش رخ حور

محفل راجہ میں پکھراج پری آتی ہے
سلک معشوقوں کی سرتاج پری آتی ہے

چھم چھم چھم چھم۔ ہاں گت چلی جائے گت۔

پھر پردہ پڑ گیا۔ دیکھیں اب کس کا جھمکڑا نظر آتا ہے۔ کس برق وش شعلہ رو کا حسن گلو سوز خرمن دل کو جلاتا ہے۔ کھٹ سے حجاب مرتفع ہوا چھما چھم کرتی ہوئی نیلم پری آئی۔ اُس مصور کے صدقے جس نے یہ نورانی صورت بنائی۔ ؎

سبھا میں آئی نیلم پری ہے
سراسر وہ نزاکت سے بھری ہے

نہ دیکھا ہوگا ناچ ایسا کسی نے
بلا ہے سحر ہے جادوگری ہے

پھر پردہ پڑا اور دم میں غائب۔ یا مظہر العجائب۔ لال پری چمکتی ہے اور سر تا سر سرخ پوشاک دمکتی ہے۔

سبھا میں لال پری کی سواری آتی ہے
جانے رنگ اب اندر کی پیاری آتی ہے

پھر وہ پردہ پڑ گیا۔ ابھی تو کچھ ٹھاٹھ ہی نرالے ہیں۔ پردہ بھی فرط مستی سے جھوم رہا ہے۔ اور اندر کے اکھاڑے کو بار بار چوم رہا ہے۔ الٰہی یہ کس مست صہبائے ناز بت طنّاز کی آمد آمد ہے۔ کرشاطیں جھومتی ہیں نالۂ بلبل ہے مستانہ۔ خدا ہی خیر کرے۔ اب تو قہر کا سامنا ہے۔ ابھی سے دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس پردۂ زنگار میں کوئی ترک زریں کمر ستمگر ضرور ہے۔

بعزم دل نوازیہا کہ می آید کہ در گوشم
صدائے آمد آمد می برد از دل شکیبہا را

وہ پردہ اٹھا اور نور کا بکا نظر آیا جیسے دامنی دمکے یا بجلی چمکے۔ الٰہی یہ نور کی سواری ہے یا خاتون حسن کا ہنڈولا ہے۔ نہیں نہیں میاں یہ سبز پری کا آسن کھٹولا ہے۔ جل جلالہ۔ جل جلالہ۔ الٰہی یہ طوطی زمردیں پر و بال ہے۔ طاؤس رنگیں خط و خال ہے یا بت جادو جمال ہے قیامت کی چھب قہر کی چال ڈھال ہے۔ انکھڑیاں لگاوٹ باز سر مست خوبی و محو ناز گورا گورا مکھڑا چاند کا ٹکڑا غالیہ مو۔ قوس ابرو نازک خرام۔ گلفام وہ سبک روی رفتار کہ نسیم فردوس اُس پر نثار۔ خرام ناز موج تسنیم بہار ابرو بسم اللہ سورۂ نور یا پیش طاق منظر سرور۔ زلف سیاہ کے قریب کانوں میں دُر خوش آب۔ جیسے اندھیری رات میں کرمک شب تاب وہ جوڑا وہ پازیب ملائک نظر فریب۔ ؎

خشمگیں برق خرمن دل و جاں
چتون رہزن متاع تو اں

غیرت چشمۂ حیات دہن
روزنِ کوزۂ نبات دہن

سرو جس پر فدا وہ قامت ہے
ناز پروردہ قیامت ہے

نشۂ بادۂ شباب میں چور
چال مستانہ حسن پر مغرور

شور خلخال برق خرمن ہوش
عکس نور عذار جلوہ فروش

پھر دستے پر جو نظر پڑی تو بے اختیار محفل کی محفل زبان حال سے کہنے لگی کہ۔ ؎

خوش وسمہ کشیدی خم ابروے دوتار
کردی چہ سیہ تابِ دم تیغ قضا را

جب اس ٹھسے سے سبز پری آئی اور سوہنی کی دھن میں امانت کی غزل گائی تو در و دیوار نے یہ صدا سنائی۔ ؎

تو بدیں جمال و خوبی سر طور گر خرامی
ارنی بگوید آں کس کہ بگفت لن ترانی

سر تا پا سبز پوشاک ہری۔ بقول استاد۔ چہرے میں زمرد سے سوا جلوہ گری فیروزے سے خوش رنگ اور کھری۔ آب گوہر سے منھ دھوئے ہوئے بال بال موتی پروئے ہوئے وہ چمک دمک کہ الاماں۔ وہ شوخی کہ الحفیظ وہ قہر آلود نظر غلط انداز کہ الحذر محفل کا رنگ ایسا جما اور وہ سماں بندھا کہ واہ جی واہ۔ وہ نازک آوازی وہ لحن داؤدی وہ صورت بار بڑی کہ اُو ہو ہو ہو۔ ذرا مسکرا دیا تو عجمی بول اٹھے کہ بابا ایں تبسم نازست۔ نظامی گنجوی نے تربت سے آواز دی کہ دکان شکر فروش بازست۔ ناچنا شروع کیا تو دل عشاق پامال ہو گیا۔ شجر عاشقی نہال ہو گیا۔ ؎

ہر رقص سبزہ پوشی جرہ زر خاک می رقصد
تو گوئی در لباس خضر پیدا شد مسیحائی

زمزمۂ جانفزا۔ نغمۂ روح افزا۔

الغرض سبز پری کا شہزادہ گلفام کو خواب ناز میں دیکھنا اور شمع رخسار شہزادہ شعلہ روسے آنکھیں سیکنا۔ انگوٹھی کا بدلنا۔ اور فرط عشق سے مچلنا۔ کالے دیو کو اسکی تلاش میں بھیجنا۔ اور شہزادے کا مع پلنگ آنا اور سبز پری کا شانہ پکڑ کر ہلانا اور خواب سے جگانا اور شہزادے کا بیدار ہو کر نظر حیرت سے چاروں طرف دیکھنا۔ سبز پری کا اصرار شہزادے کا انکار پھر سبز پری کے ساتھ اندر کے اکھاڑے میں جانا اور لطف اڑانا اس خوبی و خوش اسلوبی سے ادا کیا کہ ہر سمت شور تحسین بلند تھا۔ ہر تماشائی خرم و خرسند تھا۔ سبز پری نے راجہ اندر کی سبھا میں برج کی دھن میں (موری انکھیاں پھرکن لاگیں رے) اس ٹھمری کو گایا۔ اور راجہ کو لبھایا۔ اتنے میں لال دیو چغل خور نے چغلی کھائی۔ اور گلفام کی شامت آئی اور سزا پائی۔ سبز پری با دیدۂ مطروح و سینہ مجروح جوگن بن کے (شہزادے کو ڈھونڈھن چلیاں) ہاتھ میں سمرن دبلے منھ پر بھبھوت۔ مائے سر پر اٹھوا جمائے گردن میں سیلیاں پڑی ہوئی اور در و دیوار سے آنکھیں لڑی ہوئی لٹ چھٹکا کر بھیس بنا کر (شہزادے کو ڈھونڈھن چلیاں) اف رہی لگاوٹ اور واہ رہی بناوٹ نقل کو اصل کر دکھایا محفل بھر کو زار زار رلایا اس جوگن پن پر اور ہی عالم تھا شدہ شدہ راجہ اندر کو خبر ہوئی کہ ایک جوگن بن بن متوالے کی طرح گھوم رہی ہے انھوں نے طلب کیا اور محظوظ ہو کر پان دیا۔ گلفام اور سبز پری کا وصل ہونا یہ سماں قابل دید بلکہ دید نہ شنید ہے اور جس وقت سب پریاں ملکر مبارکباد گائیں اسوقت تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ راگ اور راگنی ہاتھ باندھے سامنے کھڑی ہے۔ پریوں کی چمک اور پاؤں کی ٹھمک اور پازیب کی چھمک اور نیلی ہری لال پوشاک کی جھلک اور طبلے کی گمک ستم ڈھاتی تھی۔ ہر سمت سے صدائے احسنت آتی تھی۔ الغرض جل بل ناچنے گانے تحرک کرتا سنے میں سب پریاں بلائے جان تھیں۔ مگر سبز پری سارے معشوقوں کی سرتاج تھی۔

پارسیوں کا عجیب و غریب تماشا

میاں آزاد پھر آپ جانئے ترنگی آدمی۔ پرلے سرے کے سیلانی بلا کے رنگیلے غضب کے چھیل چھبیلے بمبئی کے پارسیوں کا تماشا دیکھا تو لوٹ ہو گئے پیاری پیاری ادائیں آنکھوں میں کھپ گئیں دوسرے دن سانڈنی کو مالی کے پیڑ میں باندھ۔ گٹھری بقچہ بھٹیارن کو سونپ بھاڑے کی بگھی پر سوار ہو کر جھٹ منزل پہونچے کھٹ سے ٹکٹ لے جھپ سے درجۂ اول میں داخل۔ بگھیاں کھڑکھڑاتی ہوئی چلی آتی ہیں فٹن آئی اور شہزادے اترے۔ نواب زادے آئے۔ یوروپین جنٹلمین اور عمائد رؤسا اور عوام جوق جوق اُمڈے چلے آتے ہیں۔

ادھر ٹھن سے نو بجے اُدھر دن سے تماشے شروع ہوئے۔

پہلے چھیل بٹاؤ اور موہنا رانی کا دلچسپ قصہ شروع ہوا۔ موہنا دہ پری چہم کامنی کہ شیخ و شاب تک کا بے اختیار پیار کرنیکو جی چاہے۔ چاہ زنخداں وہ جو کنویں جھکائے وہ چلبلاہٹ وہ اچپلاہٹ۔ وہ سجاوٹ۔ وہ لگاوٹ۔ وہ بناوٹ کہ ایک ایک ادا پر انسان عش عش کرے۔ یوسف مصری بھی دیکھے تو غش کرے خماری انکھڑیاں رسیلے نیناں۔ نگیلی۔ گلعذار حاضر جواب طرار شوخ و شنگ گلرنگ۔ رشک پری رشک فرنگ۔ فرط مستی میں خیال ناموس نہ پاس ننگ۔ طاؤس رنگیں خط و خال کی سی مستانہ چال۔ خرام ناز سے دل عشاق پامال۔ ؎

چہ گردن کشتۂ او شمع کافور　بلوریں دستۂ فوارۂ نور
نباید گردنش را داشتن دوست　کہ خون عالمی برگردن اوست
صراحی تا نظر گردش بگردن　سرش فرسود از بس سجدہ کردن
نمودہ موج رنگ پان ز سینہ　برنگ موج مے در آبگینہ
خوشا آئینۂ بے رنگ زانو　کز و شد طوطی طبعم سخن گو

اب سنئے کہ یہ جادو جمال مشتری خصال رانی راجہ جے سنگھ راجپوت کے ساتھ کہ جوان رعنا بلند بالا تھا منسوب ہوئی۔ مگر ایک عورت دلالہ نے کچھ ایسا چھلاوا کر دیا اور پڑھ کر وہ افسوں پھونکا کہ جے سنگھ سے اُس پری رو کا دل پھر گیا اور ایک جوان نوخیز و طناز۔ سر مست صہبائے ناز پر جادو کے اثر سے ایسی مفتوں ہوئی کہ یہ غزل گانے لگی ؎

ساقیا برخیز و دہ جام را	خاک بر سر کن غم ایام را
ساغرے برکفم نہ تا ز سر	برکشم این دلق ازرق فام را
گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں	ما نمی خواہیم ننگ و نام را

اُدھر چھیل بٹاؤ کو سحر نے وہ پٹی پڑھائی کہ تیر عشق کلیجے کے پار ہوا اور وہ زخم کاری لگا کہ بلبلا اٹھا۔ ؎

کس سے کروں میں دعویٰ دل جبکہ یہ کہا	دلدادۂ زلف رخ دلبر ندیدہ ہوں

سچ ہے۔ ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد	بسا کیں دولت از گفتار خیزد
درآید جلوۂ حسن از رہ گوش	ز جان آرام برباید ز دل ہوش

ہائے اس عشق کا برا ہو جس نے فرہاد کی جان شیریں لی جسنے مجنوں کو بن بن پھرایا جسنے وامق کو کنویں جھنکائے جسنے خسرو پر آفت ڈھائی۔ چھیل بٹاؤ بھی جوان نازک بدن سیمتن غنچہ دہن تھا دل میں ٹھان لی کہ پیاری موہنا رانی نہ ملی تو دم توڑوں گا۔ زندگی سے منھ موڑوں گا۔ شدہ شدہ چھیل بٹاؤ کی بوڑھی ماں کو پاس پڑوس کی عورتوں نے خبر دی کہ تمہارا لڑکا چل نکلا کسی ڈائن کے عشق میں دیوانہ ہو رہا ہے ماں کی محبت نے جوش کیا اور ڈھاریں مار مار کر رونے لگی۔ ہر ہو دنیا میں ایک لڑکا اور اسکا یہ حال! اتنے میں چھیل بٹاؤ بھی سر پر خاک اڑاتا ریاں کرتا۔ افتاں و خیزاں زار و نالاں۔ حیران و ششدر بیقرار و مضطر اپنی ماں کے پاس گیا۔ دونوں کا مکالمہ سننے کے لائق ہے۔ ماں بیٹے جو ملے تو رو رو کر یوں کہنے لگے

چھیل بٹاؤ۔ میری پیاری اماں دودھ مجھے بخش دو میں صدقے میری اماں۔ دودھ بخش دو۔ قسم لو جو پھر کچھ مانگوں۔ ہی ہی مادر مہربان سے مادر نامہربان نہ بن جاؤ۔ اماں میری تو جان پر بنی ہے۔ ہائے عشق کے خنجر نے مجھے گھائل کر دیا۔ میرا کہا مانو دودھ بخش دو۔ اُف۔ اُف۔ ہائے کلیجہ بلیوں اچھل رہا ہے۔

ضعیفہ۔ میری جان کوئی ایسا نادان ہوجاتا ہے۔ بہکی بہکی باتیں نہ کرو۔ یہ موئے شہدے گوڑوں کی صحبت میں بیٹھ بیٹھ کر چل نکلا ہے؟ باپ نہ مارے پیڈری بیٹا تیر انداز۔ اچھا نام جگاؤ گے شاباش برخوردار۔ آخر کچھ منھ سے بولو تو۔ کس پڑھائی پر جاؤ گے جو تیر کمان سے جوڑے کھڑے ہو۔ اے لڑکے جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش ذرا ہوش کی باتیں کرو۔

چھیل بٹاؤ۔ اماں میں اپنا گلا آپ گھونٹ کر مر جاؤنگا سنکھیا کھاؤنگا۔ مگر دودھ بخشواؤنگا۔ ہائے میرا دل تو موہنا نے موہ لیا بیمار عشق کا بس یہی علاج ہے کہ شربت دیدار نصیب ہو۔ اماں خدا را دودھ بخشو۔ تو میں اپنی موہنا پیاری موہنا کو ڈھونڈھ نکالوں ہائے وہ تو میری پتلیوں کی تارہ ہے پری رخسار ہے مہ پارہ ہے۔ موہنا! موہنا!! موہنا رانی!!! ہائے موہنا وائے موہنا! بار خدایا کسی در و دیوار سے موہنا پیاری کی پیاری صورت دکھا دے اے خضر پے خجستہ راہ ہی بتا دیجئے۔

یہ کہکر چھیل بٹاؤ دیوانہ وار عشق کی ترنگ اور جنون کی امنگ میں بصد حسرت مستوں کی طرح جھومنے لگا۔ کبھی کنواں جھانکا اور پکارا موہنا۔ کبھی اوپر نظر کی اور آواز دی موہنا کبھی موہنا موہنا کرتا لوٹ گیا کبھی موہنا کی یاد میں سر دھننے لگا ابھی رو دیا ابھی مسکرانے لگا۔ کبھی خاک سر پر اڑائی۔ کبھی کہا جنوں کی دہائی ہے۔ یا مشکل کشا وقت مشکل کشائی ہے

یا علی مدد دے۔ مرتضیٰ علی مدد دے۔ ایک دفعہ ہی تنکے چننے لگا اور گریبان کو جڑ سے چاک کر ڈالا۔

ضعیفہ۔ لوگو دوڑو دو (سر پیٹ کر) ارے لوگو دوڑو (چھاتی پیٹکر) ہے ہے میری ستر برس کی کمائی لٹی جاتی ہے۔ میرے لال مجھے چھوڑ کر کہاں جائیگا۔ ارے تو تو پوتڑوں کا رئیس ہے۔ ہے ہے بن میں تجھے کون کھلائیگا یہ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی کون پلائیگا یہ جلتی بلتی فصل یہ گرما گرم لوں۔ یہ چلچلاتی دھوپ کہ ہرن کالا ہو جائے۔ مجھ نصیبوں جلی کو موت بھی بھول گئی ارے نادان وہ راجا تو پرجا۔ کجا راجہ بھوج کجا گنگا تیلی۔ آدمی آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی کنکر۔ وہ بت مہوش تو رند سبو کش۔ وہ شوخ عیار۔ تو ناکردہ کار۔ وہ بلائے جان تو نادان وہ اپنے حسن و جمال پر مغرور۔ تو شراب عاشقی کے نشے میں چور۔ وہ راجہ کی رانی مہارانی۔ تو زمیں گیر کوئے پریشانی۔ وہ نازک اندام وگلفام۔ تو نامراد و ناکام۔ وہ گلعذار جانانہ۔ تو نام پر دیوانہ۔ تیرا اسکا سامنا۔ مٹھی میں ہوا کا تھامنا۔ اسکی چاہ نے اچھے اچھے شہزادوں کو کنویں جھنکائے۔ تو ادرا اسکو پلئے۔ نادان بن اس کا نہ نام لے۔ بات مان عقل سے کام لے۔ اسکا مکان پرستان۔ تیرا جھونپڑا کلبۂ احزان۔ تجھ سے سیکڑوں سودائی اسکے در پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ مگر اس کی گلبدن سہیلیوں کی چھانو نہیں پاتے ہیں۔ بیٹا اس خیال خام سے درگذر و اور میری ضعیفی پر نظر ڈالو ایسی بات پھر نہ سنانا۔ تمھارے ابا کو خدا بخشے مرتے وقت مجھے تمھارے سپرد کر گئے۔ اب مجھے اس بڑھوتی وقت کہاں چھوڑ جائے گا۔

چھیل بٹاؤ۔ اماں انھیں کی روح پاک کی قسم۔ اب بن جائے زلیست محال اور زندگی وبال ہے۔ لدی سوہنا پیاری میں صدقے ایک جھلک تو دکھادے۔

ضعیفہ جب سمجھاتے سمجھاتے ہار گئی تو تھک کر پڑوس کی ایک طرار جوان حسین عورت کو لپک کر بلالائی۔ وہ برق وش بجلی کی طرح چمکتی آئی اور بیڑا اٹھالیا کہ میں سمجھا بجھا کر پٹی پڑھا کر نہ جانے دونگی نہ جانے دونگی۔

حسین۔ چھیل چھیل۔ ہائیں! لے واہ میاں یہ آج آپکا حال کیا ہے وہ رنگ نہ وہ روغن۔ نہ وہ جوبن نہ وہ شباب نہ وہ آب تاب چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی۔ بال بکھرے گریبان چاک دامن کا پتا ہی نہیں انکھڑیاں لال انگارا واہ اچھا سوانگ ہے۔ اب رنگ لائی گلہری۔ ہم نے سنا آپ موہنا رانی پر عاشق ہوے ہیں۔ سچ ہے جیسی روح ویسے فرشتے۔ جو عشق ہی چرایا ہے تو پیارے ہم کیا برے ہیں۔

چھیل بٹاؤ۔ پیارا تمھارا کوئی اور ہوگا میں تو پیاری موہنا کا پیارا ہوں۔ ہائے اسوقت پری خانہ میں سہیلیوں کے ساتھ اٹھکھیلیاں کر رہی ہوگی۔

حسین۔ (جھڑک کر) بس جائیے دیکھ لیا ہم پر رئیس زادوں بادشاہ وزیروں کی نظریں پڑتی ہیں تم اپنی موہنا کے پھیر میں ہو۔ کیا میں چنچل نار چھیل چھبیلی کامنی نہیں ہوں۔ موہنا کہاں کی ایسی پدمنی ہے جو بے جانے بے دیکھے بھالے ادھر ریجھ گئے۔ اتنی دور جاتا کیا دل لگی ہے اس سے پڑوس ہی میں کوئی شعلہ رو عنبر مو ہجائے تو دور کیوں جاؤ کہا مانو۔ ہمارے ساتھ بیاہ کر لو موہنا کو اپنی ایڑی چوٹی پر سے قربان کر دوں۔ میری رگ رگ میں شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔

چھیل نے قہر کی نگاہ سے اپنی زبان دراز اور بیباک ہمسائی کو دیکھا اور ایک نعرہ مار کر وہاں سے چل کھڑا ہوا۔ بن بن جنگل جنگل کوہ و دامون میں گھومتا ہوا موہنا رانی کے راج میں پہونچا۔ ایک گنوار

سے یارانہ پیدا کیا

چھیل۔ کاہے ہو بھیا بھلا موہنا رانی کبھیں گھر سے باہر نکلت ہیں یا گھر ہی ماں رہت ہیں۔ سنت ہیں بھل سُندر ہیں۔ مانو پچھی۔

گنوار۔ کو۔ موہنا رانی۔ ارے وہ آنگمن کا اس ٹھکادت ہیں جس کنھیا کا کا کیا ربٹوا۔ بھائی اس ٹھنک چھنکت ہو جیسے گوڑیا۔

اب سنئے وہی ساحرہ جس نے یہ کانٹے بوئے تھے آن موجود ہوئی اور جادو کے زور سے وہ کرتب کیا کہ اہو ہو ہو۔ چھیل ایکدن چھیلا بنے ہوئے جوش عشق اور خمار صہبائے جنون سے نگری بھر میں گھوم رہے تھے۔ گویا اپنے وقت کے میاں آزاد ہو گئے ادھر موہنا رانی نے شبکو خواب میں چھیل بنا کی صورت دیکھی اور خواب ہی میں ہزار جان سے عاشق زار ہو گئیں نیند اُچٹ گئی اُسی وقت سہیلیوں کو جگایا ذری میرے کلیجے پر تو ہاتھ رکھنا دھک دھک کر رہا ہے۔ آج سپنا دیکھا کہ ایک جوان رسیلا چھیل چھبیلا۔ رنگیلا ایک کنوئیں کی جگت پر کھڑا ہے جیسے ہی چار آنکھیں ہوئیں۔ جی چاہا بلائیں لوں۔ ہائے دیکھتے ہی کنوئیں میں دھم سے گر پڑا اور دھماکے کی ایسی آواز ہوئی کہ آنکھ کھل گئی۔ ہائے اب اُسے کہاں سے لاؤں۔ کیونکر پاؤں میں تو جیتے جی مرمٹی۔ نوجوان سہیلیاں تو آنکھوں سے باہم اشارے کرنے لگیں کہ رانی کا کسی پر کالا آتش پر دل آگیا۔ مگر ایک بڈھی سہیلی نے بڑھ کر کہا رانی میں بتاؤں۔ وہ کنواں نہ تھا وہ تمھارے پیار کی چاہ تھی دیکھ لینا صبح و شام ہی تمھارا دلدادہ تمھیں ملا چاہتا ہے۔

نور کے تڑکے موہنا رانی پیاری پیاری سہیلیوں کے ساتھ باغ میں اٹھکیلیاں کر رہی تھی کہ اتنے میں چھیل بنا بھی سامنے سے آن موجود ہوا۔

موہنا۔ اسے! یہ تو وہی جوان سیم غبغب دلبر شکرلب ہے۔ یہی پیارا پیارا مکھڑا تو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔

چھیل۔ الٰہی یہ ابرو ہے یا خنجر بران یہ بحر لطافت ہے یا چاہ زنخداں یہ گردن ہے یا فوارۂ نور۔ الٰہی یہ رانی ہے یا حور چشم بد دُور نوراً علیٰ نور۔ ؎

منم کہ دیدہ بدیدار دوست کردم باز | چہ شکر گویمت اے کارساز بندہ نواز

موہنا ؎ | صد شکر کہ آفتاب مقصود
از برج اُمید چہرہ بنمود

الغرض عاشق و معشوق میں دور ہی دور سے میٹھی میٹھی باتیں اور رمز و کنایہ کی گھاتیں ہوتی تھیں کہ موہنا کی ساس بر آمد ہوئی موہنا موہنا کچھ خیر ہے۔ ناحق بن ناحق کلنگ کا ٹیکا لگائے گی۔ سات پیڑھیوں کا نام ڈبائے گی۔ یہ محل کے باہر بے حجاب برافگندہ نقاب آنا اور اٹھلانا۔

موہنا۔ ہمیں ایک بات کی اجازت دیجئے کہ کل ہم دیوا استھان جائیں مگر سہیلیاں سب ہمارے ساتھ ہوں۔

ساس۔ اچھا آج منادی کرا دونگی کہ کوئی مرد کل گھر سے باہر نہ نکلے۔

موہنا۔ تو میں جا چکی کیا کچھ ڈر پڑا ہے۔ یا شہر شہر شلہ ہو رہ جاتی جوت ہے کہ کوئی نگاہ بد سے دیکھے تو آنکھیں نکال لوں ہماری تو یہ خواہش ہے کہ ہم جائیں اور دن دہاڑے بیچ کھیت جائیں۔

ساس۔ اچھا بہتر تم خود مختار ہو جو چاہے سو کرو۔

دوسرے دن پچھلے پہر سے موہنا نے زرد فرق الہمرکک ساری زیب تن کی اور سولہ سنگھار بلا کا نکھار کر کے چھم چھم کرتی دیبی کے مندر گئیں کمسن نوعمر نوخیز پری پیکر رشک قمر سہیلیاں ہجولیاں ارد گرد ہیں اور چہل کرتی چلی جاتی ہیں۔

چھیل بٹاؤ سے کہہ دیا تھا کہ کل فلاں مقام پر ان دونوں کی آنکھیں ہوئیں چار تو دل میں آیا پیار۔ یہ تیر نگاہ غلط انداز کا گھائل اُسکی طبیعت اسپر مائل۔ اتنے میں ایک سہیلی نے چمک کر کہا اے یہ مردوا یہاں پر کون ہے۔

موہنا۔ (تنک کر) ہائیں! ہائیں! کوئی ہوگا۔ تم کو کیا تم کوئی خدائی فوجدار ہو۔ وہ بیچارہ تو گردن جھکائے دیوانستھان میں بیٹھا ہے تم کیوں گھبرائی جاتی ہو۔

اس کے بعد موہنا رانی گردن نیوہڑائے بیٹھ رہا ساری پھڑکائے ہاتھوں میں مہندی لگائے۔ پٹیاں جمائے گیسو کی لٹ لٹکائے بوٹی بوٹی پھڑکاتی۔ اینٹھتی اٹھلاتی۔ کنویں کے ارد گرد پھیرے دینے لگی سہیلیاں پرستان کی پریاں بنی ہوئی ساتھ ساتھ گھومتی تھیں کوئی نوعمر اچپا کے سبب سے پیشقدمی کرتی تھیں کوئی شوخ و شنگ فرط مستی سے جھوم رہی تھی اکوئی چلبلے پن کے مارے ہمجولیوں کو چوم رہی تھی۔ مگر پیاری موہنا نظر غلط انداز سے اپنے معشوق طناز چھیل بٹاؤ کو دیکھتی تھی اور اُسی کے رُخ آتشیں سے آنکھیں سینکتی تھی اُسکا انکھیوں سے دیکھنا قہر ڈھاتا تھا حشر توڑتا تھا۔ ادھر سہیلیوں کی آنکھ چوکی اُدھر اُس نے چٹ چٹ بلائیں سے لیں جنوں نے سلسلہ جنبانی کی اور اُس نے ہاتھ پھیر دیا۔

محفل بھر کی اُسی سماں کی طرف نظر تھی۔ اور غلغلۂ جزاک اللہ ہر سمت سے بلند تھا کہ واہ رے پارسیو۔ وہ تماشا دکھلایا کہ روح فرحناک ہوگئی خصوصًا موہنا رانی کی پیاری پیاری صورت غماری انکھڑیاں بیساختہ پن۔ بلا کا پھبن۔ جبین مبین کی افشاں اور بھی قیامت بپا کرتی تھی۔ چال تو ایسی مستانہ دیکھی نہ سُنی۔ اس ناز و ادا سے قدم دھرتی تھی۔ کہ اہو ہو ہو۔ اُسکی صنعت بالغہ کے صدقے کہ ایسی ایسی رانیاں بنائیں نذر پارسیوں کے ہاتھ چوم لے جنھوں نے یہ نقلیں دکھائیں اور چشم فسوں پرداز کو قتل عام کی گھاتیں سکھائیں الغرض آخر کار جادو کا اثر جاتا رہا اور طلسم ٹوٹا تو راجہ جے سنگھ اور موہنا رانی اور چھیل بٹاؤ اور سب سہیلیاں مل کر خوب گائیں گرداد رہی موہنا کہ پاکدامن ہی رہی۔

پارسیوں کا نادر تماشا

میاں آزاد کو پارسیوں نے ایسا بھایا اور تماشا ایسا بھایا کہ دوسرے دن ادھر گھڑیالی نے ٹھن ٹھن آٹھ کا گجر بجایا ادھر میرا شیر تماشا دیکھنے آیا۔ پارسیوں نے تماشے کے آخر میں ایک نقل ایسی دکھائی کہ محفل بھر بے اختیار کھلکھلائی۔ پہلے ایک سیٹھ جی دھتیا لٹکائے گال پھلائے۔ لال لال پگیا مستک کا ہ پر جمائے تشریف لائے ماشاء اللہ کیا قطع مبارک ہے ترخ ترخ زور برس رہا ہے آدمی ہے یا کشت زعفران جسنے دیکھا لوٹنے لگا تیند کوئی پچاس ٹن کی کھوپڑی سن کی۔ بوکھلاہٹ بشرے سے نمایاں۔ کائیاں پن چہرے سے عیاں۔ صورت سے تو بچھیا کے تاؤ ہی معلوم ہوتے تھے لیکن بڑے ہی گھاگ ایک ہی نیارئیے بڑے بڑے چالاک آدمیوں کو کھڑے کھڑے نخاس میں بیچ لیں۔ اور اچھے اچھوں کو چٹکیوں میں اُڑا دیں۔ اس کے بعد اُن کی چاہتی بیوی عجب ناز دلربایانہ اور انداز معشوقانہ سے جاں جاں آئیں۔ کمر پر رگ گل کا دھوکا ہوتا تھا جو دیکھتا تھا عقل سے ہاتھ دھوتا تھا بیر بہوٹی کی ایسی لال بھبوکا ساری سُرخا سُرخ اور اُسکے نیچے آستینوں دار ہری ہری کرتی آستینیں پھنسی ہوئیں سیٹھانی جی تنی ہوئیں شوخی رگ رگ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے حیرت تھی کہ یہ

ہندنی ہے یا کوہ قاف کی پری ہے۔ گل رخسار کی وہ رعنائی
کہ گلاب پانی پانی ہو جائے۔ دست سیمیں وہ حنائی کہ یاقوت
احمر ہیرا کھائے۔ آنکھیں وہ شوخ کہ الامان یہ عورت ہے
یا برق دمان۔ یا بلائے بے درمان۔ یہ ابرو ہے یا فتنۂ
دوراں۔ بلا کی ادا۔ ستم کا ناز۔ ایک ایک اشارہ سرلوحۂ
دیباچۂ انداز۔ زاہد صد سالہ کو مرید بنائے۔ رگ جاں
میں نشتر لگائے۔ میاں بیوی میں خوب گھل گھل کر میٹھی
میٹھی باتیں ہونے لگیں۔

سیٹھ۔ پیاری آج تمھارا چہرہ اُداس کیوں ہے مطلب (مطلب)
کی بات بولو تو تم کو کھوش (خوش) کر دوں

سیٹھانی۔ (تنک کر) اجی تم کو میری کیا پڑی ہے۔ میں تو دل
ہی دل میں کڑھا کرتی ہوں۔ آج یہ کیا جاتی دنیا دیکھی کہ
آپ نے پوچھا یہ کدھر سے چاند نکلا ہے۔

راوی۔ اری واہ ری سیٹھانی۔ اللہ اللہ یہ خوش بیانی بلا
کی شوخ و چالاک۔ غضب کی بیباک شین و قاف سے
درست چالاک و چست۔

سیٹھ۔ اچھا تو کچھ کہو (کہو) تو میرے سے۔ میرے کو تمھارا
بڑو بیار ہے۔

سیٹھانی۔ اے آگ لگے تیرے ایسے پیار کو موئے نگوڑی کنڈے
والیاں تک بچھوا۔ ٹڑیاں۔ ہنسلی۔ چوڑیاں پہنے رہتی ہیں گہنے
پاتے سے گونڈنی کی طرح لدی رہتی ہیں۔ یہاں نگوڑی کیل تک
ناک میں نہیں۔ ناک پھوپھی یہ لاکھوں کماتے ہو کس دن کے لیے جب
دیکھو گا رہے کی لنگوٹی باندھے ہیں۔ یہ ڈھائی ستلے کا چمڑا دھا
جو اکیا جانے ان کے دادا کے وقت کا ہے یا لکڑدادا نے مول لیا تھا
یہ گانٹھ گانٹھ کے توڑے کس دن کے لیے رکھتے ہو میری یہ جوانی
ہے ہے اُٹھتی جوانی۔ پہننے اوڑھنے کے دن۔ کھانے پینے کے دن
تم ایسے تھائی کے پالے پڑی سکھ پہننے میں کبھی نہیں دیکھا رُتی
کا نہ کپڑے کا۔ سیت میت کا بھترا۔

سیٹھ۔ ناک پھوپھی کا ہے کھاطر (خاطر) ہو لاکھ کی کالی کالی کیل
نہ بڑوا دوں گا۔ اس گورے گورے مکھڑے پر کالی کالی کیل
کھوب (خوب) جھلکے گی۔

سیٹھانی۔ چمڑی جائے، پا دمڑی نہ جائے۔ کیل بھی ہو تو
لاکھ کی۔ اچھا تم اپنا گہنا رہنے دو۔ ہمیں ایک آدمی نوکر
رکھ دو۔ یہ گورے گورے ہاتھ یہ پیاری پیاری ہتھیاں روز
شل کرنے میں کالی ہو جائیں گی۔ ہمیں ایک آدمی رکھ دو۔
میں صدقے اجی اس میں تو کوئی چھپن ٹکے کا صرف نہیں
ہے۔ خاصی رانی بنی میٹھی رہوں گی۔

سیٹھ۔ شاستر میں لکھو ہے کہ گرت (گرہست) کو کام کاج کرنا
اچھا ہے وہ بے کام کاج بیٹھے تو بری باتان کا کھیال
(خیال) جاتا ہے۔

سیٹھانی۔ اجی تمھیں تو یہی سوجھتی ہے۔ آخر ہم مردوے
پر کبھی نظر بھی کی ہو تو تمھاری ہی آنکھیں پھوٹیں۔

راوی۔ دونوں۔ دائیں بائیں دونوں۔ داد بی سیٹھانی کیا
قسم کھائی۔ سیٹھ بیچارے کی آنکھیں کیا مفت کی پڑی
پائی ہیں۔

سیٹھ۔ اچھا آج ہی کوئی کھدمدار (خدمتگار) کی تلاش کرتا ہوں

اتنے میں ایک بابو صاحب تشریف لائے یہ بڑے ہی رسیا نکلے۔
آئے تو تھے سیٹھ سے حساب کرنے آنکھ پری چہرہ بیوی کو جو
دیکھا تو لوٹ ہو گئے۔ اب سیٹھ جی سے بات ہی نہیں کرتے
سیٹھانی سے لَسر کا لگایا۔

سیٹھ۔ بابو شاحب میری جورو کو ایک چھوکرا کی تلاش ہے کوئی بارہ (۱۲) برس کا آدمی لا دوگے گر ایسا نہ ہو کہ کام تو کرے کم اور کھائے بہت۔ کھائے سیر جگہ بارہ (۱۲)۔ اور کام میں ننھا بیچارہ۔ گر بارہ برس کا ہو جی۔

بابو۔ (مسکرا کر) بھلا چھ چھ (۶) برس کے دو نہوں۔

سیٹھانی۔ (جھنک کر) اجی بابو صاحب میں صدقے کوئی لا دو۔

سیٹھ۔ بش بش اب متی بولیو۔ یہ صدکے بدکے کیوں بولی پرائے مردوے سے بولنا کیا بات ہے۔

سیٹھانی۔ اجی بھلے مانس آدمی ہیں۔ دیکھو بیچارہ نیچی نظر کرکے دیکھتا ہے۔

سیٹھ۔ تو بابو شاحب ایسا ہو جو سیٹھانی کی کھندمت (خدمت) کرے اور لے کم۔

بابو۔ اچھا جبتک کوئی اور ملے۔ میں ہی نہ خدمت کیا کروں اور دینے لینے کی کیا بات چیت ہے۔ تمھاری چیز ہماری۔ ہماری چیز تمھاری۔

سیٹھ۔ نہیں نہیں آپ جاؤ ہم کھد (خود) تلاش کریں گے جی۔

سیٹھانی۔ اجی تکلیف تو ہوگی۔ رہا بابوجی تکلیف نہ ہو تو کبھی کبھی آدمی کو سکھا جایا کرو۔

سیٹھ۔ (گال پھلا کر) ہجار بار کھدیا کہ پرائے مردوے سے نہ بول بکتی جاؤتی ہے۔ بش اب نہ بات کرنا کھدیا ہے۔ یہ سکھائیگا آدمی کو۔ کیا میرے کو سکھاؤنا نہیں آتا۔

سیٹھانی۔ بابوجی کب تک آدمی لاؤ گے۔

بابو۔ سیٹھ دکان پر جالیں تو ابھی لا دوں۔

سیٹھ۔ ہم آج دکان ہی نہ کھولوں گا جی۔ تم پرائی استری سے کیوں باتیں کرتے ہو گے جی۔

بابو۔ اجی سیٹھ جی تمھاری جورو بڑی ہسیار (ہوشیار) ہیں۔

سیٹھ۔ (غصہ میں) ہاں ہاں سنو بابو شاحب میں بھی بڑا ہسیار ہوں لے آپ ادھر کھڑے ہو جیے۔

سیٹھانی۔ بابوجی صاحب اسوقت کے بجے ہوں گے۔

سیٹھ۔ (آنکھیں نکالکر) ارے میرے پاس تو ایک جھوڑ دو دو گھڑی رکھی ہے۔ تو بابو شاحب سے کیوں پوچھتی ہے۔

بابو۔ سیٹھ جی تمھاری عورت تم سے چالاک ہے۔

سیٹھ۔ نسان کھاطر (خاطر)، ہو ہم اُس سے بھی چالاک ہیں۔

سیٹھانی۔ اجی بابوجی تمھاری طرف کیا سب ایسے ہی گورے ہوتے ہیں۔

سیٹھ (بگڑ کر) پھر بولی۔ اری تو بولی۔ تیرے کو گورے کالے سے کیا مطلب ہے ری۔ بابوجی تم یہاں نہ آیا کرو کارڈ بھیجا کرو۔

سیٹھانی۔ اے واہ اچھے آئے۔ کوئی بھلے مانس آئے تو دُتکار دیں۔

سیٹھ۔ ارے اُس نے ناک میں دم کر دیو رے (گڑگڑا کر) لے اور لے گی۔

بیچاری سیٹھانی نے رونا شروع کر دیا۔ ہائے یہ ہات ٹوٹ جائیں اور نگوڑے کی ٹانگ بھی ٹوٹے۔ جب دیکھو۔ موا دانتا کلکل کیا کرتا ہے۔ کسی چنچل سے پالا پڑا ہوتا تو چاند گنجی کر دیتی جب دونوں میں گتھم گتھا ہونے لگا تو بابوجی کی بن آئی بڑی ہمدردی سے بیچ بچاؤ کرنے لگے اب سنئے کہ سیٹھ نے تو ہاتھ پکڑ لیے اور سیٹھانی کو اشارہ کیا تو لگی دھڑ دھڑ کوٹنے اور جب سیٹھ کا وار ہوتا تھا تو حضرت بڑی ہمدردی سے میر فیصل بنکر سیٹھانی کو چھپا لیتے تھے۔ آخر کار بابوجی آدمی کی تلاش میں گئے اور میاں بیوی پھر ایک ہو گئے۔

بابو جی سٹر پٹر کرتے ہوے چلتے تھے کہ اتنے میں دیکھتے کیا ہیں کہ ایک آدمی بانسری بجاتا چلا آتا ہے۔ ابے تو کون ہے۔ ہم کون ہیں ہم آدمی ہیں آدمی۔ آدمی نہیں تو کیا جانور ہے۔ جانور نہیں تو کیا آدمی ہوں۔ آپ اپنا مطلب کہیں۔ ابے چل نوکری کر۔ ہاں ہاں (اچھل کر) آہو ہو ہو کس کے یہاں۔ ایک سیٹھ ہیں۔ نا میاں وہ مجھے مارینگا بھلا سیٹھانی بھی ہیں۔ ہاں ہیں۔ اچھا چلو رہا صبح کو کھاؤنگا۔ نو بجے کھاؤنگا۔ دوپہر کو کھاؤنگا۔ تیسرے پہر کو کھاؤنگا۔ شام کو کھاؤنگا۔ اور شام سے لمبی تانوں گا تو صبح کی خبر لاؤں گا۔ اور جو آنکھ کھلی تو سیٹھ جی یا سیٹھانی کھانا دیجائیں۔ اچھا چلو تو وہاں تک چلتا ہوں مگر کھانا بہت سا کھاؤنگا۔ بہزار خرابی بابو صاحب اُسکو لے چلے راہ میں کوئی اٹھارہ دفعہ ہی مچلا۔ بارے خدا خدا کر کے پہونچے۔

بابو۔ لو سیٹھ جی آدمی لے آئے۔

سیٹھ۔ کام اچھا کرے گا رے۔

آدمی۔ ہاں بہت کھاؤنگا دس دفعہ کھاؤنگا۔

سیٹھانی۔ ارے کچھ کام کاج بھی کرے گا یا دن بھر منہ ہی چلاتا جائے گا موئے۔

آدمی۔ دس دفعہ کھاؤنگا۔

سیٹھانی۔ اب میں کہیں چپت نہ جاؤں بڑھ کر۔

سیٹھ۔ ارے تو بھر ہلی۔ عورت جات اور چپت کی بات چیت۔

سیٹھانی۔ اجی تو کیا یہ کوئی تمھارا کوئی قبلہ گاہ ہے۔

الغرض وہ بحث سے نوکر ہو گیا۔ مگر برابر یہی کہتا گیا کہ دن بھر میں اٹھارہ بار کھاؤنگا۔

سیٹھ۔ ہم ابھی دکان جاتا ہوں۔ سیٹھانی جو کہیں وہ چپکے سے کان میں کہہ جانا۔

یہ کہہ کر سیٹھ جی تو دکان پر گئے اور بابو صاحب سے حساب ہونے لگا۔

سیٹھ۔ (بہی کھولکر) آپ پر پانچ سو ہیں جی۔

بابو جی۔ ارے! پانچ سو! یہ ڈھائی سو کے پانچ سو ہو گئے!

سیٹھ۔ اور سود نہیں چڑھا!۔

سیٹھانی۔ آدمی او آدمی۔ ارے تیرا نام کیا ہے۔

آدمی۔ فضیحت۔ اجی مجھ کو روٹی دو۔ بھوک لگی ہے۔

سیٹھانی۔ مر موئے آگ لگے تیرے پیٹ کو۔ جا سیٹھ جی سے دکان پر جا کر چپکے سے کہدے کہ گھر میں چاول نہیں ہے۔ رہا کان میں کہنا الگ بلا کر۔

فضیحت۔ اجی روٹی تو دیدو۔ بڑی بھوک لگی ہے۔

سیٹھانی۔ اوئی دور ہو نگوڑے چاول تو ہیں نہیں کھائیگا کیا انگارے۔

فضیحت نے دکان پر جا کر اور اشارے سے بتا کر سیٹھ کو علیحدہ بلایا اب سیٹھ جی جوں جوں آگے بڑھتے آتے ہیں میاں فضیحت پیچھے ہٹتے جاتے ہیں آخر کار کان میں غل مچا کر کہا کہ چاول نہیں ہیں۔

سیٹھ۔ دت گدھا۔ ارے گل (غل) کیوں مچایا۔ ہمارے یہاں چاول نہیں اور تو سب کے سامنے جور (زور) سے کہتا ہے۔

بابو۔ دیکھو فضیحت جو اب سیٹھانی جی بھیجیں تو اُنکے کان میں کہنا جسمیں کوئی اور نہ سنے۔ خبردار۔ کان میں کہو کان میں۔

سیٹھانی۔ ارے فضیحت کہہ آیا۔ جا اب اُن سے کہدے کہ تمھاری ماں ابھی ابھی مرگئیں۔ جلدی جا دوڑتا ہوا۔ ہائے میری ساس بیچاری اُٹھ گئی۔ ارے جلدی جانا۔

فضیحت۔ اجی مجھے کھانا تو دیدو۔ جلدی دو بڑی بھوک لگی ہے۔

سیٹھانی۔ بھاڑ میں جائے تیرا پیٹ موئے۔ ارے مردے گھر میں پڑا ہے اور تو کھانا مانگتا ہے۔ اُن کی تو ماں مرگئی اور تجھ کو پیٹ کی پڑی ہے۔

فضیحت۔ اچھا مردہ اُٹھ جائے تو دوں گی۔ تو لاؤ اُدھر سے اس بڑھیا کو بھی گڑھیا میں پھینکتا ہی جاؤں اور انکو بھی سے آؤں جسمیں کھانے میں دیر نہ ہو۔ اچھا جاتا ہوں وہ دُکان پر پہونچکر اپنی بانسری بجائی اور چپکے سے اشارہ کیا کہ یہاں آؤ سیٹھ جی قریب آئے تو کہا کان پاس لائیے اور کھسک آئیے آپ کی بڑھیا ڈھلک گئیں۔ سیٹھ نے سر پیٹنا شروع کیا اور میاں فضیحت پر ایک دو ہتڑ ایسا لگایا کہ اُن کے پھتر بگڑ گئے بابو بیچ بچاؤ کرنے آئے تو اُنپر بھی دو ایک پڑ گئیں۔

بابو۔ ارے بیوقوف (بیوقوف) یہ کون چھپانے کی بات تھی کہ تو نے کان میں چپکے سے کہا اُنکی ماں مر گئیں اور تو چپکے سے کہتا ہے جا کہ جھے روتے سر پیٹتے کیوں نہ آیا۔

سیٹھانی۔ ارے فضیحت جا دوڑ کر کہہ آ کہ تمھارے گھر میں لڑکا ہوا دوڑتا جا۔

فضیحت۔ آہو ہو ہو۔ اہا ہا۔ ابتو روٹی کھلاؤ۔ اجی مجھے بڑی بھوک لگی ہو پہلے تو چاول نہ کھتے غرّہ۔ پھر بڑھیا ڈھلک گئی فاقہ۔ اب لڑکا ہوا ہے۔ اسی بات پر کھانا کھلوا دو۔

سیٹھانی۔ ارے موے میں تو زچا خانہ میں ہوں۔ اُن کو بلا لا تو آج وہی منہ پھونکیں۔ لکڑیاں لیتا آنا۔

میاں فضیحت روتے سر پیٹتے غل مچاتے آنسو بہاتے دُکان پر پہونچے۔ ہائے ہائے ارے یہ کیا ہوا۔ ارے دوڑو ہائے رے اُف اُف ارے آسمان پھٹ پڑا ارے۔ اوہ اوہ سیٹھ جی بھی لگے سر پیٹنے کہ کیا جانے کیا واقعہ ہوا۔

بابو۔ ارے بتا تو ہوا کیا۔ آخر کوئی مر گیا ہے۔

فضیحت۔ اجی بابو جی پہلے رو تو لو۔ خوب رو لو۔ ہائے ہائے ارے اُف یا خدا (اہل جلسہ کی طرف مخاطب ہو کر) تم بھی رو لو (سیٹھ کے کان میں) آپ کے یہاں لڑکا ہوا ہے جائیے منھ پھونکئے لکڑیاں لیتے جائیے گا۔

سیٹھ نے فضیحت کو خوب ٹھونکا اُس شخص کے یہاں تو لڑکا ہوا وہاں سے روتا چلاتا چیختا غل مچاتا آیا اور کہتا ہے کہ منھ پھونکو چلکر اور لکڑی لیتے چلو۔

بابو۔ ابے تو بڑا گدھا ہے بے۔

فضیحت۔ واہ بابو بڑے تو سیٹھ ہیں اُنسے اتر کر آپ۔

بابو۔ جا اب ایسی بات ہو تو شکر بانٹتے آنا اور خوب کھلکھلانا۔

سیٹھانی۔ ارے غضب لو آگ لگ گئی۔ ارے فضیحت جلدی دکان پر جا۔ کہہ گھر میں آگ لگ گئی۔

فضیحت۔ اجی مجھے روٹی تو کھلا دو ہائے میں تو مرا جاتا ہوں۔

میاں فضیحت دکان پر جاتے ہی خوب کھلکھلائے۔ اہو ہو ہو۔ اہاہاہا۔ قہ قہ قہ۔ لو شکر کھاؤ۔ محلے بھر کو شکر بانٹئے اور دکان کی طرف سے جو نکلے اُسے شکر کھلائیے۔

سیٹھ۔ کیا ہے؟ کیا کوئی اور لڑکا ہوا۔

فضیحت۔ گھر میں آگ لگی ہے۔ سیٹھانی گھر کے باہر منھ کھولے کھڑی سر پیٹ رہی ہے۔ سیٹھ جی ایسے گھبرائے کہ ہی کو نہ کان پر چھوڑ سیدھے گھر گئے اور بابو صاحب موقع غنیمت جان کر بہی بغل میں دبائی اور مع فضیحت کے چلے آگ بجھانے وہاں پہونچے تو بہی کو بھی آگ میں "بھسم" کر دیا اور پانچ سو کے پانچ پیسے بھی نہ دئے۔

پارسیوں کا دلربا تماشا

ادھر عروس عدن نے پرند مشکیں سے رُخ انور کی جھلک دکھائی لیلائے شب زلف عنبریں کھولے ہوئے آئی اُدھر شاہنشہ تخت روئے زمین خدیو مصر کو چہ گردی فلک سیر د ملک نہاد میاں آزاد کو تماشے کی دُھن سمائی پھر کیا تھا ڈنڈا سنبھالا اور ڈبل چال

کھٹ کھٹ کرتے لمبے لمبے ڈگ بھرتے ٹھنڈی ہوا کھاتے سیر دریا کے مزے اُڑاتے چھتر منزل میں دھم سے آن کودے۔ دریا کی روانی بذلہ سنجوں کی نکتہ رانی۔ بگھیوں کی گھڑگھڑاہٹ۔ معشوقوں کی اچپلاہٹ۔ تماش بینوں کے ٹھٹ اور بے فکروں کے جتھے دیکھ کر میاں آزاد ریشہ خطمی ہو گئے۔ ایک جگہ بیٹھنے کی تو انھوں نے قسم کھائی تھی سوچے چلو اس وقت دریا میں ککڑی لگائیں یا ملاحی چیریں یا چڑھاؤ کاٹیں کپڑے ویڑے اتارنے ہی کو تھے کہ گھنٹی بجی ٹھن ٹھن ٹھن ٹھن اور بھلے کو دریا میں کود نہیں پڑا تھا۔ ورنہ غضب ہی ہو جاتا۔ جھٹ تنگ تو بڑا چڑھا کر آپ بھی ایک کرسی پر جا ڈٹے سامنے نگار اور بہار پردہ پڑا ہے یہ ہا۔ وہ اُٹھا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک تاجدار ثریا جاہ زین الملوک کجکلاہ تخت ہمایوں بخت پر بیٹھا آنکھیں ٹانگے ہے اور بہ چتر سعادت اثر و تاج مکلل زیب سر اپنے نور بصر شہزادۂ عالی مقام تاج الملوک گلفام پر جو شاہ گیتی پناہ کی نظر پڑی تو چشم زدن میں آنکھ کی بینائی غائب۔ یا مظہر العجائب۔ ؎

مہرِ لب شہ ہوئی خموشی	کی نور بصر سے چشم پوشی
دی آنکھ جو شہ نے رونمائی	چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی
گھر گھر یہی ذکر تھا یہی شور	خارج ہوا نور دیدۂ کور

کوئی نسخۂ نور لایا کوئی سرمۂ طور لایا۔ مگر آنکھوں میں اُجالا نہ آیا نہ آیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے سچ مچ کوئی اندھا ہی بیٹھا زبان حال سے پکار رہا ہے کہ آنکھوں والے بابا آنکھیاں بڑی نعمت ہیں اتنے میں ایک کحال فرید الدہر دقیانوس کے دادا کا ہمعصر آیا اور اُس نے خوب سوچ ساچ کر بتایا کہ۔ ؎

ہے باغ بکاؤلی میں اک گل	پلکوں سے اُسی پہ مار چنگل

یہ سنتے ہی چاروں خوش خو خوش رو خوش ادا شہزادے بادشاہ سے رخصت ہوئے اور بوئے گل کی طرح چمن وطن سے جنگل کی طرف چلتے چلتے راہ میں حسن اتفاق سے زین الملوک سے چار آنکھیں ہوئیں پوچھا کدھر کی سدھیاں ہیں۔ کسی لشکری نے ساری داستان کہہ سنائی اور تاج الملوک کو گل بکاؤلی کی دھن سمائی۔ پردہ پڑا اور جب حجاب مرتفع ہوا۔ تو دیکھتے کیا ہیں کہ وہ چاروں شہزادے بیٹھے شش و پنج کر رہے ہیں اور دلبر بیسوا انکو داؤں پر چڑھا رہی ہے۔ کھیلتے کھیلتے اُن سب کو بازی میں جیت لیا تاج الملوک بھی گرتے پڑتے کہیں وہاں پہونچے اور انھوں نے دلبر کے چھکے چھڑا دیے تب تو وہ چکرائی کہ میاں میں تو سمجھے تھی تم ولی نکلے پھر پردہ پڑا اور اُٹھا تو تاج الملوک کے سر پر قضا۔ ایک دیو سر بفلک کشیدہ کھڑا غرا رہا ہے دیو تو ایسا بنایا تھا کہ بارہ صدی کے بنگالی صورت دیکھتے ہی آنکھیں بند کر لیتے۔ الغرض دیو کو انھوں نے ایسا جیتے یار بنایا کہ وہ بھی اُنکا دم بھرنے لگا۔ پھر پردہ پڑا ابکی کچھ اور ہی ٹھاٹھ نظر آتے ہیں پردہ اُٹھا جل جلالہ تیری بندہ نوازی کے صدقے۔ کیا گلزار پر بہار دکھایا۔ یہ بکاؤلی کا چمنستان لطافت ہے۔ باغ کیا ہے سچ مچ باغ و بہار ہے۔ اللہ اللہ کہکر انھوں نے چپکے سے پھول توڑا اور۔ ؎

گل لے کے چلا ایاغ بر کف	چوری سے چلا چراغ بر کف

ایک دفعہ ہی دیکھتے کیا ہیں۔

بارہ دری ایک سونے کی ہے	وہ خواب گہہ بکاؤلی ہے
گول اُسکے ستون ساعد حور	چلمن مژگاں چشم مخمور
پردہ جو حجاب سا اُٹھایا	آرام میں اُس پری کو پایا

شوق چرایا کہ اُس مست نشۂ خواب ناز کو جگائے مگر پھر۔ ؎

سوچا کہ یہ زلف کف میں لینی	ہے سانپ کے منھ میں انگلی دینی

ادھر گلچین تو جیب و دامن کو گل مقصود سے بھر کر چمن سے بوئے گل کی طرح چل کھڑا ہوا ادھر ؎

وہ سبزۂ باغ خواب آرام   یعنی وہ بکاؤلی گل اندام
جاگی مرغ سحر کے غل سے   اُٹھی نکہت سی فرش گل سے

بکاؤلی کا خواب ناز سے بیدار ہونا اور حوض لطیف پر منہ دھونا پھول کا بُرا بتانا اور گلچین کا نیا گل کھلانا۔ بکاؤلی کا جھنجھلانا سنبل سے تازیانہ منگانا۔ شمشاد کو سولی پر چڑھانا ان سب باتوں کو اس خوش اسلوبی اور لطف سے ادا کیا کہ تماشائی عش عش کرنے لگے اور پارسیوں ہی کا دم بھرنے لگے اب بکاؤلی بھیس بدلکر گلچین کی تلاش میں چلیں اور حضرت کو ڈھونڈھ نکالا۔ جب دونوں میں ملاقات ہوئی اسوقت کا لطف قابل دید تھا پہلے وہ قہر کی نگاہ پھر پیار و چاہ۔ پہلے وہ تیکھی چتون پھر عشق گلچین و گلبدن۔ ـ ـ

بولی وہ پری بصد تامل   کیوں جی تمھیں لیگئے تھے وہ گل

وہ شکرلب اس بیساختہ پن سے بول رہی تھی کہ معلوم ہوتا تھا لبوں سے قند گھول رہی تھی۔

تاج الملوک بیچارہ سرگردان و آوارہ نے۔ ـ

کی عرض رضا ہو جو خوشی ہو   عاشق کی سزا جو پوچھتی ہو
مشکیں زلفوں سے مشکیں کسواؤ   کالے ناگوں سے مجھ کو ڈسواؤ
تلوار سے قتل ہو جو منظور   ابرو کے اشارے سے کر و چور

القصہ ساری داستان کو اسطرح ختم کیا کہ حاضرین جلسہ پھڑک گئے اسکے بعد اندھیر نگری کی نقل چھیڑ دی۔ ایک رنگے سیار بابا جی گیروے کپڑے پہنے ایک موٹے تازے چیلے کو ساتھ لیے بھجن گاتے کھنجڑی بجاتے ایک نئی بستی میں وارد ہوئے۔

بابا جی۔ بچّہ جاؤ کچھ لون تیل لکڑی لاؤ۔ روٹی پکاؤ۔ خود بھی کھاؤ ہمکو بھی کھلاؤ۔ اور دند ناؤ۔

چیلا چلا بازار میں پہونچے تو دُکانیں جمی ہوئیں۔ کالے تل کے لڈو اُڑل پچے مصالح کے شروڑ۔ گنڈیریاں لوپونڈے کی گلاب پڑے ہوے اب جس دکان پر جاتے ہیں اور جو سودا چکاتے ہیں سب ٹکے سیر چکرائے کہ ایں یہ کیا اسرار ہے ٹکے ہی سیر مُرتا ٹکے ہی سیر اجابہ تو خوانچے والے سے پوچھا یہ کیا ہے۔ بابا جی یہ ریوڑیاں ہیں اور یہ؟ یہ بیسن کے لڈو ہیں۔ اور یہ؟ یہ دال موٹھ ہے اور یہ؟ یہ کھاجا ہے جو کھا جائے تو کھا جا۔ ایک کھاجا چکھ گئے۔ پھر دوسرا اُڑایا۔ اسی طرح خوب مٹھائی لوٹی اور کچھ کھائی کچھ باندھی پوٹ وہاں سے ماری لوٹ تو بابا جی کے پاس۔

بابا۔ کیوں بچّہ کچھ گھی شکر آٹا لایا۔

چیلا۔ ہونھ گھی کیا کروگے کھاجا کھاجا چکھوتیاں کرو مٹھائی چکھو۔

بابا۔ اس نگری کا کیا نام ہے۔

چیلا۔ بابا جی ہمیں تو مٹھائی کھانے سے کام ہے۔ اندھیر نگری چوپٹ راجا ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا۔

بابا۔ ہاں بچّہ۔ یہ نگری رہنے کے لایق نہیں۔ چلو بھاگ چلیں

چیلا۔ واہ۔ تم جاؤ میں تو مٹھائی چھوڑ کر نہ جاؤنگا۔

پردہ پڑگیا اُٹھا تو اندھیر نگری کے چوپٹ راجہ برآمد ہوے واہ واہ بھئی واہ اچھے راجہ ہیں تو اندھیر نگری کیوں نہ ہو راجہ صاحب شرابی مدکیے۔ چرسیے۔ گنجیریے۔ بھنگیڑیے۔ چانڈو باز پینک میں چور سیہ مست و مخمور کرسی پر بیٹھے ہیں۔ گرگرے پڑتے ہیں اتنے میں ایک فریادی آیا۔

وزیر۔ جہاں پناہ ایک فریادی آیا ہے۔

راجہ۔ ہمارا دادی آیا ہے۔

وزیر۔ نہیں جہاں پناہ ایک فریادی آیا ہے۔

راجہ۔ اچھا ہوں تو پانچ بلاؤ۔

راوی۔ یہ بہکی بہکی باتیں یہ بے تکا پن۔

فریادی۔ حضور کل دیوار گر پڑی میرا لڑکا دب کر مر گیا۔

راجا۔ ہاں دیوار مر گیا۔ لڑکا دب گیا دیوار کو سولی دیدو۔

وزیر۔ جہاں پناہ۔ دیوار گر پڑی اور اسکا لڑکا مر گیا۔

راجا۔ ہاں ہاں جہاں پناہ گر پڑا اور دیوار پر لڑکا مر گیا۔ اچھا لڑکے کو پھانسی دیدو۔

وزیر۔ نہیں خداوند لڑکا دب کر مر گیا۔

راجا۔ معمار کو سولی دیدو۔

معمار۔ پیر و مرشد میں بے قصور ہوں۔ یہ مزدور کی شرارت ہے۔

راجا۔ مزدور کو سولی دیدو۔

مزدور۔ میں نے کیا کیا سقے کا قصور تھا۔

راجا۔ اچھا جاؤ سقے کو سولی دیدو۔

سقہ۔ حضور میری کیا خطا۔ آپ کا کوتوال جو آیا تو مارے ڈر کے پانی زیادہ گر گیا۔

راجا۔ کوتوال کو سولی دیدو۔

راوی۔ واہ رے چوپٹ راجا۔ تحقیقات کسی کی نہ کر جو ہو اُسے پھانسی دیدو۔ پھانسی پر کوتوال صاحب چڑھائے گئے تو چوبدار نے عرض کیا کہ پیر و مرشد۔ پھانسی کا منہ بڑا ہے اور کوتوال دُبلا پتلا

راجا۔ اچھا تو کسی موٹے آدمی کو پکڑ کر پھانسی دیدو۔

موٹا اس اندھیر نگری بھر میں باباجی کا چیلا تھا دھرے گئے ہائے غضب بھئی ہم نے کیا کیا کہ پھانسی پر چڑھائے جائیں گے واہ تم سب میں موٹے ہو چور نگ کئے جاؤ گے ارے تو یارو یہ بھی کوئی جرم ہے کہ موٹا تازہ ہوں۔ اتنے میں باباجی بھی حسن اتفاق سے سامنے نکلے دیکھا کہ چیلا رو رہا ہے۔

بابا۔ کیوں بچہ کیا کہا تھا کہ یہ اندھیر نگری چھوڑ دو۔ نہ مانا آخر وہی آگے آیا نہ۔

چیلا۔ باباجی بچاؤ۔ میری طرف سے پھانسی پر چڑھ جاؤ۔

بابا۔ ارے آج اچھا دن ہی جو پھانسی پر چڑھے وہ سیدھا سرگ لوک کو جائے میں پھانسی پر جاتا ہوں۔

چیلا۔ نہیں میں جاتا ہوں۔

اتنے میں راجہ بھی گرتے پڑتے آنکلے۔

راجا۔ وزیر پھانسی نہیں ہوئی۔

وزیر۔ خداوند گرو اور چیلے لڑ رہے ہیں کہ میں پھانسی چڑھوں وہ کہتا ہے میں پھانسی چڑھوں آج بڑا تیرتھ کا دن ہی جو پھانسی چڑھے وہ بیکنٹھ میں جائے۔

راجا۔ ہاں تو چل میں خود پھانسی پر چڑھ جاؤں۔ لیجئے چوپٹ راجہ کھٹ کھٹ کرتے پھانسی پر چڑھ گئے۔

لیلیٰ مجنوں

بیا ساقی بیا جان تماشا
نہاں در پردہ تاکے میکشی ہا

بیا ساقی بیالے من مریدت
بدہ جامے کہ خواہم شد شہیدت

بیا ساقی بیالے عین جادو
بدستت ساغرے چشم آہو

بیا ساقی بیالے ابر احسان
بساغر کن مے از خون رقیبان

سرت گردم بیجالے ساز شادم
کہ رنگیں قصۂ آمد بیادم

ہمارے آزاد آزادہ۔ سر بصحرا دادہ۔ میاں آزاد خانہ برباد شب کو خواب کی برق وش باد رفتار سانڈنی پر سوار ہو کر بگولے کی طرح اُڑے تو لب جوئبار چھتر منزل کے ایوان جواہر نگار میں موجیں لینے لگے۔ دونوں ہاتھوں سے دعائیں مانگ رہے ہیں کہ الٰہی کہیں جلد گھنٹی بجے اور نقل سجے۔ اتنے میں پردۂ زرکار بندھا تو آنکھیں کھل گئیں۔ ہے

بیا ساقی بیا اے جان جمشید | بدہ جامے و آتش دہ بخورشید

کہ دارم از تمنائے دل ریش
خیال سیر مکتب خانہ در پیش

واہ کیا پری بزم مکتب خانہ ہے۔ مدرسہ کیا عیش و طرب کا کاشانہ ہے ہر طفل پریزاد فن دلبری میں بے بدل استاد۔ ستم ایجاد بلائے جان وامق و فرہاد۔ میاں جی شمس بازغہ کے عوض بدر منیر کا سبق دیتے ہیں اور کھڑے بلائیں لیتے ہیں۔ کج ادائی میں شہرۂ آفاق دلربائی کے فن میں طاق۔ مولوی صاحب کی ریش مخضب تا بناف شریر لڑکوں پر شرطاپ شرطاپ قمچیاں جماتے ہیں اور وہ اخوان الشیاطین حضرت کو بناتے ہیں۔ اتنے میں سامنے جو نظر پڑی تو ایک بت غنچہ دہن سیم غبغب سے آنکھ لڑی گیسو لیلۃ القدر جبین مطلع الفجر نسیم گلشن دلربائی شمیم زلف آشنائی۔ پرافشاں جبین ناز۔ سراپا انداز خوش وضع خوش قد۔ قامت دلجو۔ زلف عنبر بار جبین ابرو تیغ جوہر دار۔ قیامت کبریٰ سے دوش بر دوش۔ عارض گزینا رہزن ہوش مصحف رخ سجدہ گاہ آتش پرستان ابروئے کج قبلۂ کفر گزینان۔ روکش خوبان فرنگ۔ نرگس مخمور صہبائے حسن سے گلرنگ۔ رنگین ادا۔ وہ بانکی ادا وہ تیکھی چتون وہ قہر بھری نگاہ وہ جوبن کہ محفل بھر پھڑک گئی۔ یہ پیاری صورت اور چنچل پدمنی گھورنے ہی کے لائق تھی۔ گورا گورا مکھڑا ایسا جیسے چاند۔ بلکہ چودھویں کا چاند بھی اُسکے مقابل میں ماند۔ بال بکھرے ہوئے بانکی ٹوپی سر پر دھرے ہوئے۔ عجب عجب و غرور حسن سے تمکن تھی اسکی کم سنی اُسکے اٹھنے پنپنے کے دن۔ اُسکی نزاکت اور صباحت ستم ڈھاتی تھی۔ ؎

سرتا قدمش کرشمہ و ناز | ہم سرکش حسن و ہم سرانداز
افگندہ بدوش زلف چوں شست | او بے خبر و نظارہ گر مست

ہمچون لبش بدرفشانی | پروردہ بہ آب زندگانی

میاں آزاد آپ جانیے حسن پرست آدمی زند شاہد باز صورت دیکھتے ہی اُس گل چمن نزاکت پر ہزار جان سے عاشق ہوگئے لوگوں سے پوچھا کہ کیوں حضرت یہ پری چہرہ خورشید لقا مہ جبین شیریں ادا۔ دختر گل رخسار۔ نازک اندام و طرار کون بت عیار ہے۔ ایں! اجی واہ حضرت آپکو یہی نہیں معلوم۔ لعنت کی خبر ہی نہیں اے میاں یہ لیلیٰ مجنوں کی نقل ہوتی ہے۔ محفل بھر عقل سے ہاتھ دھوتی ہے۔ اُہو ہو ہو اب سمجھا۔ اُس لیلیٰ پر تو ایک مجنوں کی طبیعت مائل تھی مگر اس پیاری لیلیٰ کے تیر نگاہ سے ساری محفل گھائل ہے۔ یہ میاں جی لیلیٰ کے پدر بزرگوار ہیں اور مکتب میں لونڈے پڑھا رہے ہیں۔ ؎

بہ مکتب میرود طفل پریزاد | مبارک باد مرگ نو باستاد
اگر باشد معلم خود فلاطوں | باندک روز خواہد گشت مجنوں

اس مکتب خانۂ عشق کاشانہ میں مجنوں بھی درس لینے آیا اس طفل سیم بدن غنچہ دہاں۔ سرتا بقدم آفت جان پر جو طلبہ کی نظر پڑی تو۔ ؎

ز طفلاں ہر طرف برخاست فریاد | کہ یاراں آتشے در مکتب افتاد
بگفت استادش اے مجموعۂ ناز | کہ بسم اللہ ز بسم اللہ کن آغاز
بہ پیش او الف چوں دال خم شد | لسان عشق باز انش علم شد

اب سنیئے کہ میاں جی نے اور سب لڑکوں کو تو چھٹی دیدی اور خود بھی سرگشت کو چلدیے مگر لیلیٰ مجنوں دونوں وہیں رہے لیلیٰ کی نظر جو اس سرو گلشن رعنائی پر پڑی اور مجنوں کی آنکھ جو اس بحر لطافت و خودنمائی سے لڑی۔ جوان طناز نے بت سراپا ناز کو پایا اور صنم پری چہرہ کو امرد گلعذار نے والہ و شیدا بنایا۔ خلوت میں دونوں سنے لبوں سے قند گھولے اور باہم یوں ہنسے بولے۔

لیلیٰ ؎
سرمست ناز آں بت بدست میرود
مرد میکند خرام و خود از دست میرود

مجنوں ؎
دست دہم بہ یار کہ بدست میرود
دستے بدل نہم کہ دل از دست میرود

لیلیٰ ؎
سبزۂ دامن نسریں ترا بندہ شوم
ابتدائے خط شکیں ترا بندہ شوم

حرف ناگفتن و تمکیں ترا بندہ شوم　　　طرز محبوبی و آئین ترا بندہ شوم
اللہ اللہ زکہ ایں قاعدہ آموختۂ　　　کیست اُستاد تو اینہا زکہ آموختۂ

مجنوں
صد شعلہ جنوں ریخت بآشفتہ سرا
زد پنجۂ مژگاں کہ بخون جگر ما

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک مامکِ دیرینہ روز نے لیلیٰ کے باپ سے کچا چٹھا کہہ سنایا۔

ضعیفہ۔ لیلیٰ۔ پیاری لیلیٰ میری آنکھوں کی پتلی اب ادہی چمن میں ہیں۔ مجنوں بڑا بکا۔ کہتے کلیجہ لرزتا ہے اور مارے شرم کے گڑی جاتی ہوں۔ لیلیٰ کو اب روگ لگے مجنوں نے اُسکا دل۔ منھ سے وہ لفظ نہیں نکلتا۔

میانجی۔ دت نابکار۔ میری لیلیٰ اور ایسی خوار۔ وہ روپوش عصمت گوش ابھی نام خدا کمسن ہے۔ عاشق معشوق کی باتیں رمز و کنایہ کی گھاتیں کیا جانے۔ تو تہمت تراشتی ہے اور جھک مارتی ہے۔

الغرض وہ مامک دیرینہ ایک روز اُنکو ساتھ لیگئی تو دیکھتے کیا ہیں کہ لیلیٰ اور مجنوں گلے مل کر میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں۔ لیلیٰ کا سر مجنوں کے کاندھے پر اور مجنوں کا ہاتھ لیلیٰ کے دست حنائی میں۔ ادھر مجنوں کہتا ہے کہ عمر بھر تیرے اِس مکھڑے کی بلائیں لیا کروں ؎

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود　　　سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

وہ فرط محبت سے بولیں۔ ؎

معلمت ہمہ شوخی و دلبری آموخت　　　جفا و ناز و عتاب و ستمگری آموخت
من آدمی بچنیں شکل و قد و روئے جمال　　　ندیدہ ام مگر ایں شیوہ از پری آموخت

لطف یہ کہ لیلیٰ کے والد بزرگوار اور وہ زن عیارہ دونوں کے دونوں کھڑے چھپکے چھپکے سب سن رہے تھے۔ بس پھر کیا آسمان پھٹ پڑا۔ لیلیٰ اور مجنوں عاشق و معشوق کو داغ ہجراں نصیب ہوا۔ پھر پردہ پڑا۔ ؎

صحرا و کوہ و دروہ من خستہ دل ضعیف　　　اے خضر پے خجستہ مدد دہ بہ ہمتم

پردہ کھڑکھڑایا۔ تو سامنے ایک لق و دق جنگل نظر آیا سبحان اللہ پھر منزل میں بیچ بیچ کا جنگل۔ وہی بیل وہی بوٹے۔ وہی پہاڑیاں وہی دشت وہی ہامون۔ اور ادھر مجنوں اُدھر مجنوں۔ سر پر خاک اڑاتے پھونک پھونک کر قدم جاتے جنگل جنگل بیچارہ گھوم رہا ہے زار و نحیف۔ لاغر و ضعیف بدن کی ہڈیاں ہڈیاں گن لیجئے لب پر نالہ زبان پر آہ و نالہ چشم تر ابر گریاں۔ آہ آتشیں برق سوزاں۔ شہید حسرت آغوش سیاہ پوش درد دل سے ایسا کراہتا تھا کہ سامعین کے کلیجے پر چوٹ لگتی تھی۔ وہ ڈاڑھیں مار مار کر رونا۔ اشک گلگوں چشم خونیں سے بہانا غم و الم کی تصویر کھینچ دیتا تھا۔ ؎

ماکوس پادشاہی دست جنوں زدیم　　　تخت رواں آبلہ در زیر پائی ماست

ادھر لیلیٰ بیچاری سوز غم سے شمع کیطرح جلنے لگی۔ گل رخسار کو نسیم ہجراں نے مرجھا دیا غزلخواں سو پریشان سینہ بریاں دیدہ گریاں بصد حسرت و ارمان لیلیٰ کی بیقراری و بیتابی دیکھ کر حاضرین جلسہ نے دل مسوس لیا کہ ہر ہر یہ مہ پارہ اور یہ حال زار۔ باغ حسن دست خزاں گرفتار۔ ؎

صد بلغ در زم چشم براہ نشست و من　　　دست جنوں گرفتہ بویرانہ میروم

آخرکار دونوں کا وصال ہوا مگر فرط مسرت سے لیلیٰ نے ملتے ہی ابدی جدائی کی اور ملک عدم کی راہ لی عشق صادق اسے کہتے ہیں۔ ؎

در ماتم تو دہر بسے شیون کرد　　　لالہ ہمہ خوں دیدہ در دامن کرد
گل جیب قبائے ارغوانی بدرید　　　قمری نمد سیاہ در گردن کرد

بھلا اب یہ مجنوں کیونکر زندہ رہ سکتا ہو مثاً دم توڑا اور
دنیائے دوں سے منھ موڑا شہید خنجر ناز ایسے ہوتے ہیں۔

نیست پروائے عدم وا زدہ ہستی را | از قفس مرغ بہر جاکہ رود بستان ست

چہ میگوئیاں

آج میاں آزاد سرا میں لمبی تانے پڑے خراٹے لے رہے ہیں۔

بھٹیارن۔ (پاؤں ہلاکر) اُٹھئے اُٹھئے۔ لے اٹھو بھی۔ آج تو جیسے گھوڑے بیچ کر سوئے ہولے لو وہ آٹھ کا گجر بجا۔ لے واہ میاں انگڑائیوں پر انگڑائیاں لے رہے ہیں مگر اُٹھنے کا نام نہیں لیتے اجی میاں مسافر (شانہ ہلاکر) اے میاں مسافر آپ تو کہتے تھے کہ ایک دن تماشا نہ دیکھیں تو کھانا نہ ہضم ہو۔ یہ آج بر پر بیزیاں کیسی لے اٹھو بھی بہت نخرے نہ بگھارو۔ اے ہوش کی دوا کر مردوے۔ اوئی۔

چانڈو باز۔ اے بی تو تم کو کیا پڑی ہے سننے نہیں دیتیں کیا جانے کس مزے میں پڑے ہیں۔ ترنگی آدمی تو ہئی ہیں گر پیچ کتنا کیسا دھادت سیلانی ہو۔ اُف اوہ۔ کچھ ٹھکانا ہے۔ دوسرا اتنا گھومے تو ہلکان ہو جائے انکا تلوا ٹکتا ہی نہیں۔ کبھی خاکی ہو تما شے کوئی ناری یہ سیمابی ہے۔ اور جو جگانا ہی منظور ہے تو آفتابے کی ٹونٹی سے ذرا سا پانی کان میں چھوڑ دو دیکھو کیسے کلبلا کر اُٹھ بیٹھتے ہیں۔

بھٹیاری نے چلو سے مُنھ پر قطرہ افشانی شروع کی دس ہی پانچ بوندیں ٹپ ٹپ گری تھیں کہ میاں آزاد ہائیں! ہائیں! ہائیں! کرتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

آزاد۔ واہ خوب اچھی دل لگی نکالی ہو کیسی میٹھی نیند سو رہا تھا کہ واہ جی واہ خواب میں وہ پریچہرہ صورتیں نظر آتی تھیں کہ بس کچھ پوچھو نہیں۔

بھٹیاری۔ واہ وا۔ تو نقد تیرہ اُدھار اتو پری چہرہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

آزاد۔ کون؟ آپ نہ!

بھٹیاری۔ اے آج حضور کی سواری چھتر منزل نہیں گئی وہ دیکھو سانڈنی بلبلا رہی ہے۔

آزاد۔ ارے آج تو اتوار ہے۔ بی بی۔ آج چھٹیاں منائیں کل سمجھا جائیگا۔

چانڈو باز۔ کیوں میاں جٹاؤ تو خوب ہوتے ہونگے بھئی کل ہمیں بھی سانڈنی پر بٹھا لینا۔

بھٹیاری۔ میں واری مجھے ٹکٹ لے دینا۔

آزاد۔ اے یار بس یہی تو افسوس ہے کہ آدمی تھوڑے ہی آتے ہیں جو سب کے سب ملکے چلیں تو خوب ہی نقشے جمیں اور وہ دل لگیاں ہوں کہ آدمی لوٹتے لوٹتے فرش ہو جائیں۔

چانڈو باز۔ سنئے بندہ نواز رات کا وقت۔ نو بجے شروع ہو بارہ بجے ختم ایک بجے گھر پہونچے۔ محلہ بھر میں آگ ڈھونڈھے سلگائے حقہ بھرے تو آجائے گھنٹہ بھر گڑگڑائے۔ پلنگ پر جائے نیند اُچاٹ کروٹیں پر کروٹیں لے تب کہیں چار بجتے بجتے آنکھ لگے پھر فرمائیے جو کھلے مانس چار بجے تڑکے سوئے وہ دوپہر تک اُٹھنے کا نام لے گا بھلا لیجئے دن یوں گیا رات ڈوں گئی۔ اب انسان چانڈو کب پیے۔ داستان کب سنے۔ قوام کب بنائے پینک کے مزے کب اُڑائے۔ بھئی کون جائے۔ مفت میں مٹی پلید کرنا اس سے فائدہ۔ کیا گلا بوشتا بو کے تماشے سے اچھا ہوتا ہوگا۔ اجی بس بیٹھے بھی جس وقت وہ ٹنک ٹنک کہتی ہیں (جنیاں لال ہونگی) واللہ بے چانڈو پیئے نشہ چڑھ جاتا ہی جو بال جائے تو اس سے رکھ والے ہی کا تماشا نہ دیکھے وہ بختی دی

اور وہ دے مارا۔ چاروں شانے چت۔ میاں اینٹھا سنگھ کے مزے نہ اڑائے۔ بکری برتنے بیٹھے ہیں۔ چھینک پڑی اور کھٹ سے پھٹ پڑنے دار ٹوپی الگ۔ آچھیں۔ وہ پہونچی ڈگڈگی بج رہی ہے بندریا تھرک رہی ہے۔ ناچ کھلاڑی دھنک دھنا بھئی کوئی بدھا ہی ہو جو ہاں جائے ہم تو نجائیں گے۔ اور میاں لوگ آئیں کہاں سے خلقت تباہ خستہ ہے کسی میں دم کہاں اور جب سے افیم سولہ[۱۶] روپیہ سیر ہو گئی تب سے تو اور بھی خلق خدا کا دوالہ نکل گیا اور رہا سہا یہ چانڈو کی ٹھیکیوں نے مار ستیاناس کر دیا جائے تو دام کس کے گھر سے لائے۔ سیلانی تو یہاں کا جو چاہو جسے دیکھو سیر سپاٹے پر لٹو۔ گرگٹ کا نام نہ ہوا اور بھی صاف تو یہ ہے کہ ہم لوگ مفت کے تماشا دیکھنے والوں میں ہیں میلا ٹھیلا تو کوئی چھوٹنے ہی نہیں پاتا ایک بندہ درگاہ ہی ہیں کہ ساون بھر عیش باغ کے میلے نہ چھوڑے۔ کبھی املیوں میں جھول رہے ہیں۔ کبھی بندروں کی سیر دیکھ رہے ہیں۔ بہت بڑھ کر حاتم کی قبر پر لات ماری تو ایک گنڈے کے پونڈے لیے۔ ایک گنڈا اور بڑھایا اور بی ساقن کی دکان پر دم لگایا چلئے پانچ چھ پیسے میں میلا ہو گیا۔ بھلا یہ بات یہاں کہاں حقہ نوشی کی پہلے ہی سے قطعی ممانعت ہو گئی۔ نادری حکم ہے کہ دھواں کوئی نہ اڑائے نہیں تو ہم سوچے تھے کہ چانڈو کا سامان سب لیتے چلیں گے اور مزے سے کسی کونے میں لیٹے ہوئے اڑاتے جائیں گے یہیں کسی کے باپ کا کیا اجارا بندے کو خدا نے فعل کا مختار کر دیا پھر اپنی اپنی سب بھگت لیں گے ٹکٹ تو کرا دیجئے معاف اور چنڈو کی دکان دیجئے کھول اور دس دن پہلے ڈھنڈھورا پٹوائیے کہ فلاں تاریخ کو سرے شام سے بڑے بڑے کھیل اور بڑے بڑے تماشے ہونگے ٹکٹ ندارد۔ کڑم دھم کڑم دھم پھر دیکھیے جو لکھنؤ بھر نہ ٹوٹ پڑے تو اپنا نام بدل ڈالوں۔

آزاد۔ جی بجا ہے۔ سوجھی تو خوب۔ چشم بد دور۔ دور کی کوڑی لاتے ہو۔

بھٹیارن۔ ہاں ہاں۔ اچھے آزاد پھر تو ہم بھی روز چلا کریں۔

آزاد۔ کتنی سادی ہو۔ یہ تو بھنگیل گئے ہیں۔ رہا تمہاری عقل بھی دیمک چاٹ گئی انکو کیا پڑی ہے بھلا۔ کہ بمبئی سے اگڑ دھنگڑ لے کر کوسوں اتنی دور آئیں چلتے چلتے آندھی روگ آجائے اور یہاں آن کر آپ کو مفت تماشا دکھائیں چیڑی اور دو[۲] دو[۲]۔ وہی بے ٹھکانے بات کہتی ہو جس کا سر نہ پیر۔ ایسے آنکھوں کے اندھے گانٹھ کے پورے اللہ کے بندے کہیں اور رہتے ہونگے ایسی تو خوبصورت بھی نہیں ہو۔

چانڈو باز۔ اچھا تو تمہاری خاطر ہی سہی تم بھی کیا یاد کرو گے بھلا ایک دن ہم بھی چونی گلائیں گے چار آنے کا خون ہی سہی کہاں تماشا ہوتا کہاں ہے گول دروازہ میں نہ۔

آزاد۔ ہیں گول دروازہ نہ لمبا پھاٹک چھتر منزل میں یہاں سے دس قدم پر ہے۔

چانڈو باز۔ ہونھ تو بندہ جا چکا دس قدم کی ایک ہی کہی۔ ہاں تم کو البتہ پاس ہے مینڈو خاں کی سرائے سے نکلے اور کھٹ سے داخل یہاں سات بجے سے چلنا شروع کریں تو دس بجے پہونچیں آدھا تماشا ہو چکا ہو مفت میں الو بنیں اور جو کہیں پینک نے زور کیا تو خود تماشا بن گئے۔ یکّہ کرایہ پر کریں تو آٹھ آنے آنے کے اور آٹھ ہی آنے جانے کے ایک روپیہ ہوا اور جو تین گھنٹے بھی روک لی تو ڈیڑھ روپیہ اس نے اور ٹھونک دیئے مفلسی میں آٹا گیلا تین بجے گھر پہونچیں تو جچ چلے کہ اب تک میاں تھے کہاں نا صاحب ہم نجائیں گے اور میاں اتنی عمر تماشے ہی دیکھتے دیکھتے گزری ہے اب تین اوپر ساٹھ برس کے ہوئے مگر یاد رہنا ہے کہ سنہری پیر بلا کا نکھار ہے جو شوقین

سبے تو کسی روز چانڈو پینے آوے ہی گی دیکھ لیں گے۔
آزاد۔ جی منہ دھو رکھیے۔ یہ مداری لال کی اندر سبھا نہیں ہے کہ چانڈو نہ ہو تو آواز ہی نہ نکلے۔ ارے نادان یہ سب تربیت یافتہ لوگ ہیں نرے گاؤدی ہی ہے۔ اچھا بھئی اب انکو صلاح دینگے کہ شہر میں بھی دو ایک دن کے لیے چلیں۔ وہاں تو آؤ گے۔
چانڈو باز۔ مونچھوں پر تاؤ دیکر انشاء اللہ تعالیٰ ضرور خیال کیجئے کہ کجا چھتر منزل اور کجا نگریاں دنیا کے اس سرے چلتے چلتے پاؤں سوج جائیں تین دن تک کھٹیا سے اٹھنا مشکل ہو۔ الٰہی توبہ کیوں جی سنا اُڑن کھٹولے آتے ہیں اور سچ مچ کی پریاں آن کر تو ذرا اکھڑا دکھاتی ہیں۔ بھئی چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے اینجانب کل ضرور ڈٹین گے مگر یہ قید تو نہیں ہے کہ کوئی باہر نہ جائے ایسا نہ ہو چار گھنٹے تک قید میں پڑے رہیں۔ بلا سے ہم باہر چنڈو اڑائیں گے اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے اندر سبھا تو دیکھنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے کل سو کام چھوڑ کر جاؤں گا۔
بھٹیارن۔ واہ تو شہر میں ہم کیونکر جائیں گے اتنی دور بھلا۔ اچھا آزاد کی سانڈنی پر انکے ساتھ ہی سوار ہو لیں گے۔ مزے سے دل لگی دیکھ کر دو بجے تک سرا میں آجائیں گے۔ پیدل جانا کٹھن ہے۔

بلبل بیمار

بیا ساقی کہ خلوت خانۂ ما	مصور گشت از جانانۂ ما
بیا ساقی کہ شوق صحبت یار	دلم را ہمچو من بردشت از کار

بدہ جامے کہ چوں چشمم کشاید
نگاہم بر جمال دوست آید

ہمارے جوانمرد جہاں نورد میاں آزاد فرخ نہاد سرا میں ٹکٹ بانٹ زرق برق کپڑے ڈانٹ۔ سانڈنی پر کاٹھی کس کر عطر و عنبر میں بس کر بی بھٹیاری کو پیچھے بٹھائے اونٹنی کو چمکائے یہ جا وہ جا۔ شہر بھر میں دھوم ہے ہر سمت ہجوم ہے۔ جو ہے جو ہے کو معلوم ہے۔

بشہر امشب رسیدہ طرفہ جمعے	شرر پروانہا بر گرد شمعے
مقلد پیشہ باطرز و انداز	شعبدہ سیرتاں با نغمۂ ساز
بعلم رقص و تقلید اوستادان	مراد خاطر عشرت نژادان
بفن خویشتن اُستاد ہر یک	گہے مردو گہے زن گاہ طفلک
گہے ساسیان مو پریشاں	گہے اسلامیان اہل ایماں
گہے رنگ زن نوزادہ بر رو	بدست دایہ گریاں زادہ او
زہر قومے کہ خواہی جلوہ ساز ند	بہر رنگے کہ گوئی جلوہ باز ند

آہو ہو ہو۔ آج تو محفل جگمگائی ہے۔ آنکھ جھپکی جاتی ہے۔ ہر دیوار پرستان کا لطف دکھاتی ہے۔ باد عنبر بیز سے باغ نعیم کی لپٹ آتی ہے سامنے پردۂ زمرد گوں اور اسپر نقش و نگار بوقلموں۔ دامن کوہ میں لالہ زار سراپا بہار تھا۔ کوہ پر سپہر زرنگاری دالا اعتبار۔ یک دفعہ ہی پردہ میں سے زمزمۂ سحر آمیز اور نغمۂ فسوں انگیز سامعہ افروز ہوا اور دل سامعین رنگین طبع مصروف آہ جگر سوز ہوا۔ ہر سمت شور تحسین بلند تھا۔ ہر فرد بشر آرزو مند تھا کہ کہیں گھونگھٹ کا طلسم ٹوٹے چاند گہن چھوٹے نازک آوازی اور جادو طرازی کہے دیتی ہے کہ پردے والی ابھی کمسن ہے۔ نام خدا اٹھنے کے دن ہیں۔ ؎

بیا جاناں کہ من از خویش رفتم	زخود چندیں بیاباں بیش رفتم
شنیدم لحن خوبت رفتم از کار	چہ خواہی کرد با من وقت دیدار

خدا خدا کر کے وہ کافر پردہ اٹھا۔ تو۔ ؎

نظر پڑا اک بت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا	جو عمر دیکھو تو دس برس کی یہ قہر آفت غضب خدا کا

زہرہ کا کیا زہرہ کہ تاب جمال لائے مہ انور کو شوق دیدار چرائے تو پہلے سو بار آب کوثر سے منہ دھو آئے۔

فروزاں شمع با حسن گلو سوز | پر پروانہ نمایش صبح نو روز
بر رویش طرۂ پر پیچ و تاب ست | سیہ مستی ز جام آفتاب ست

اُس بت شکر لب اور دلبر سیم غبغب کا بلبل بیمار نام ہے۔ اور واقعی اُنکی رسیلی آنکھ نرگس بیمار ساقی رندان مے آشام ہے۔ اس محبوب چاردہ سالہ کو اُسکا دادا اچھیا کا ماما ایک پیر فرتوت کے سپرد کر گیا جسنے دقیانوس کے باپ کو گودیوں کھلایا تھا اور بابا آدم کو بولنا سکھایا تھا لو بھئی ہم تو سفر کو چلے۔ ایک مہینہ میں جیتے بہورے تو فہو المراد ورنہ تم جانو اور یہ پریزاد۔ فی امان اللہ۔ یہ کہکر اس پریزاد بار بہزاد پری چہرہ کے جدامجد تو سدھارے۔ اور ایک مہینہ بات کرتے گذر گیا اُنھوں نے آنے کا نام نہ لیا۔ اُدھر بڈھے میاں کو یہ بڑھبھس ہوا کہ اُس برق دم پری چہم تو دکو ہسار دلربائی جدت تیغ رعنائی کے ساتھ بیاہ رچے۔ ؎

پیر یکدم ز عشق زند بس غنیمت است | از شاخ کہنہ میوۂ نو رس غنیمت است

واہ بھئی بوڑھے میاں۔ واہ میاں لال خاں۔ بڑھوتی وقت ان سفید بالوں میں کالک لگاؤگے مگر بہتر جگہ سے خم۔ کریہہ دم ماشاء اللہ منھ بجق رنگ فق۔ خاصے ہونق۔ گالوں پر کر دردن جھریاں آنکھیں اندھا کنواں کا تمہ کو نکمے کے ٹھیا ٹیکتے ہوے ذرا چلے تو بے ڈھیلن کے کھیل پڑے۔ دانت بتیسوں چوہے کے بل میں اور خیال گدگدایا کہ اس پری پیکر کو عقد میں لائیں اور بیوی بنائیں اور دل کھلے۔ ایک دن کمر ہمت کس کر سفر کی تیاریاں کردیں۔

پیر نابالغ۔ او بت عیار۔ ترک ستمگار۔ نکیلی گلعذار۔ پیاری بلبل بیمار میں اس چاند سے مکھڑے پر واری۔ میری جان میری پیاری وہ تو آج تک آتے ہی رہے اور ہم مناتے ہی رہے۔ آج ہم سوچے کہ کسی ناخدا ترس کے پالے پڑو گی تو میری روح پر صدمہ ہوگا اسسے میری شبستان کو اپنے چاند سے چہرے سے منور کردو تو کیا۔ ہم ابھی پرانی گھوڑی پر نئی نئی پگیا جمائے نوشہ بنائے ٹٹو پر سوار ہو کر پیں پیں کرتے آئیں تم سولہ سنگار کئے گردن نیوہڑائے بیٹھی رہو۔

بلبل بیمار (مسکراکر) اے واہ میاں (واہ میاں کا ڈونگرا برس گیا)

پیر نابالغ۔ ادھر ساون بھادوں کے جھلے ہوں۔ ادھر ہم میں تم میں پینگ بڑھیں۔ دونوں جھولے پر چڑھیں۔ بانس گڑے ہوں امریوں میں جھولے پڑے ہوں۔ بیوی ملار گائیں میاں بغلیں بجائیں۔

بلبل بیمار۔ بغلیں نہیں میاں تالیاں بجائیں۔ امریوں میں تو آجائیں

پیر نابالغ۔ اشرفی لقمہ کھلاؤں۔ پھولوں کی سیج پر سلاؤں۔

بلبل بیمار۔ اے واہ ری چاہ بس اتنے ہی کے لیے بیاہ۔

پیر نابالغ۔ تمھارے دم کے لیے گرمی کی فصل میں خس خانہ و برف خانہ ہو اور سردی کے دنوں میں شراب ناب اور گرما گرم نرگسی کباب ہو۔

بلبل بیمار۔ یہ ٹھنڈی گرمیاں۔

پیر نابالغ۔ رات کو کہانیاں سناؤں۔ فرمائشی قہقہے لگاؤں۔

بلبل بیمار۔ یہ سوکھے ٹھٹھے۔

پیر نابالغ۔ رات کو ہم مال کی کوٹھری میں تم مہتابی پر سو رہو۔

بلبل بیمار۔ (گردن نیوڑھاکر) پھر آگے کیا۔

پیر نابالغ۔ کہا مان میری جان۔

بلبل بیمار (قہقہہ لگاکر) اے واہ جی میاں۔

پیر نابالغ۔ میں نہان عاشقی ہوں۔

بلبل بیمار۔ مگر نخل بے ثمر۔

پیر نابالغ۔ میں شمع محفل عشق ہوں۔

بلبل بیمار۔ مگر چراغ سحری۔

پیر نابالغ۔ میں آفتاب سپہر سرودہ ہوں۔

بلبل بیمار۔ مگر آفتاب لب بام۔

پیر نابالغ۔ ابتو عشق چرایا سو چرایا۔

بلبل بیمار۔ کس رستے پر۔

پیر نابالغ۔ بیاہ ہو نگا۔ ضرور بیاہ ہو نگا۔

بلبل بیمار۔ شرط جوانمردی یہی ہے۔

پیر نابالغ۔ ہے

کوچ کی اپنے اب تیاری ہے | تیرا حافظ جناب باری ہے

بلبل بیمار۔ (انگلیاں مٹکا کر) چخے دور۔

اس بت عنبریں مو۔ قوس ابرو کی اس حاضر جوابی اور بوڑھے میاں کی بیقراری و بیتابی پر محفل عشق عش کرتی تھی۔

بلبل بیمار کی تیکھی چتون اور پیاری ادا پر دل لوٹ پوٹ تھا کلیجے پر چوٹ تھی۔ کس ناز و ادا سے تھرک تھرک اور چمک چمک کر پیر فرتوت کو دنداں شکن جواب دیتی تھی کہ واہ جی واہ عنفوان شباب اور آب و تاب اٹھتی جوانی اور خوش الحانی نازک آوازی اور زبان درازی نے ستم ڈھایا۔ حشر بپا کیا۔ ستم بپا کرنے اور آفت ڈھانے والی تھی ساری خدائی سے نرالی تھی۔ بوڑھے میاں نے بوڑھی خرانٹ ماما عصمت کو بلایا اور کہا کہ لو عصمت ہم تو کچھ دن کیلیے باہر جاتے ہیں گھر بار اور پیاری بلبل بیمار تم کو سونپ چلے پنبے غلام حبشی کو طلب کیا اور کہا خبردار چوکس رہنا عصائے پیری تھام کر راہ لی۔

اب سنئے کہ وہ گل سدا بہار یعنی بلبل بیمار ایک جوان سادہ کار گل رخسار پر مفتوں تھی اور وہ اسیر ہزار جان سے عاشق۔ سمجھا کہ مالک دیرینہ روزگار گرگ باراں دیدہ ہے چلو مطرب پسر اور خنیاگر کے بھیس میں چلیں۔ بڑھیا رنگین مزاج چمن طبع ہو شاید ریجھ جائے سارنگی بجاتے اور خوش الحانی سے ٹھمریاں گاتے بلبل بیمار کے ایوان جواہر نگار کے پھاٹک پر پہونچے پنبے کو شراب کی بوتل بطریق رشوت دی اور بیٹھ کر گانا

شروع کیا (بیاکے آون کی بھئی بریاں درد جوانیا لاگ رہی) بلبل بیمار نے جو یہ آواز سنی تو بیقرار ہو کر دروازے کی سلاخوں کے پاس سے تاک جھانک کرنے لگی۔ ادھر بڑی بی نے للکارا۔

عصمت۔	پنبے پنبے اندر نیچے کیا ہو یہ طوفان
پنبے۔	عاشق و معشوق ملے ہیں جیئے ہلے نادان
عصمت۔	منہ کالا ہو تیرا پنبے کیا بکتا ہے بدنام
	بڑھا ہم کو سونپ گیا ہے یہ وحشت گلفام
عاشق۔	کیا ترڑ ترڑ کرتی ہے بڑھی تجکو اس سے کیا کام

پنبے۔ ارے یہاں قلف لگا ہے۔ اور قلفا۔ قلف کا بھی باپ۔

عصمت۔ ہی ہی اس بڈھے نے میرا بھی اعتبار نہ کیا۔ تو عصمت جو اس نیاض جوان طناز کو گھر میں داخل نہ کردوں قفل لگا کا لگا ہی رہے یہ کہکر عصمت نے دو سو کی تھیلی سیدھی کی اور پچھواڑے کے دروازے سے عاشق زار جھٹ سے بلبل بیمار سے ہمکنار ہوا۔

عصمت۔ ارے جوانی میں میں بھی آفت کی پرکالہ تھی۔ مجھپر بھی عالم تھا۔ اتنے میں پیر نو ۹۰ سالہ سفر سے واپس آئے دروازے کو دیکھا تو افیونیوں کی آنکھ کی طرح بند۔ میاں پنبے کہیں اتفاق سے شراب لینے باہر گئے تھے انکی انکی چار آنکھیں ہوئیں۔

پیر۔ پنبے پنبے ارے کمبخت گھر بار کس پر چھوڑ گیا تھا۔

پنبے۔ بلبل بیمار کے عاشق زار پر۔

پیر۔ ہائیں بلبل بیمار کا عاشق زار تو میں ہوں۔ کیا اور بھی پیدا ہوا۔

پنبے۔ ہونہہ۔ اب چار دن میں سن لینا کہ لڑکا پیدا ہوا۔

پیر۔ (سر پیٹ کر) اُف۔ ہائے ستم۔ وائے ستم۔

گھر میں گھسے تو بلبل بیمار اور عاشق زار بیٹھے بکٹیاں منا رہے ہیں۔

اُسوقت اُنھوں نے توبہ کی کہ اب اس سن میں شادی کرے تو اسپر لعنت

نواب صاحب اور رفقا کی چہ میگوئیاں

اب اُدھر نواب کے یہاں کا حال سنئے کہ وہاں کیا ہوتا تھا جب کئی دن گذر گئے تو خوشامد خوروں نے چنگ پر چڑھایا کہ پیر و مرشد دیکھا ہم نہ کہتے تھے کہ میاں آزاد خانہ برباد کا ٹھکانا کیا۔ حضور نے نہ مانا آخر ش سانڈنی کی سانڈنی گئی اور رنج کا رنج ہوا۔

خوجی۔ اور بے وقوف کے بے وقوف بنے۔

میر صاحب۔ اور انعام و زاد راہ جو دیا گیا گھاتے میں۔ اسکی گنتی ہی نہیں۔

غفور۔ ہجور اب وہ پھرتے بخیر نہیں آتے۔ دو تین سو کی سانڈنی پر پانی پھر گیا۔

خوجی۔ ہونہہ۔ یہ دو ہی تین سے لیے پھرتے ہیں۔ اے میاں وہ سانڈنی بلا کی دھاوا کرنیوالی ہے۔ ریل کی دُم میں باندھ دو دیکھو چند وسی تک برابر چھم چھم کرتی چلی جاتی ہو یا نہیں۔ ہندوستان سے ملک میں ویسی ایک تو نظر آتی نہیں۔ کیا دم خم ہے بھئی میں دو ایک دفعہ سوار ہوا۔ واللہ ہے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہوا پر جا رہا ہوں وہ ٹھمک ٹھمک چال کہ اہو ہو ہو۔ سواری اور اونٹ گھی گھوڑا پالکی ہاتھی سب اسکے مقابل میں گرد ہیں۔ اور بھئی سچ پوچھو تو میاں صف شکن سے اسکے کھونے کا زیادہ رنج ہوا۔

میر صاحب۔ واہ خواجہ صاحب آپ بھی واللہ کیا بے تکی باتیں کرتے ہیں۔ کجا بے زبان جانور کجا ہمارے صف شکن سلمہ اللہ تعالےٰ بات جی اور بھلے انس کا مقابلہ کیا ارے وہ اشرف الحیوانات ہے ایسی ایسی ہزارہا سانڈنیاں اُسکی ایک لات پر نثار سکنے لگے سانڈنی کے کھونے کا زیادہ رنج ہوا۔

نواب۔ اتنے بڑے لونبڑ ہوئے مگر گو کھے ہی رہے جو بات کرینگے بے ٹھکانے سانڈنی ٹکے کا جانور۔ گئی گئی اب اُسکا رونا کیا۔ ہائے رنج تو یہ ہے کہ میاں صف شکن اب ہاتھ نہ آنے کے میرا ہی دل جانتا ہے کہ کلیجے پر کیسی چوٹ لگی ہو بھئی اس سے تو مجھے ہی موت آجاتی تو سمجھتا بڑا خوش نصیب ہوں۔ افسوس۔

مصاحب۔ حضور صبر کیجئے ؎ صبر تلخ ست ولیکن بر شیریں دارد آتش کہہ گئے ہیں۔ بڑے نواب صاحب مر گئے تو حضور نے کیا کر لیا بچا حضور کو چھوڑ کر چل بسے تو حضور نے کیا کر لیا دادا جان ساری ثروت سے مُنہ موڑ کر داغ جدائی دے گئے تو حضور نے کیا کر لیا اب صبر کیجئے۔ صبر کیجئے۔

نواب۔ میاں بات یہ ہے کہ باپ دادا تو سب ہی کے مرا کرتے ہیں مگر صف شکن سے وفادار جانور کا ایکدم بھی جدا ہونا کھلتا ہو نہ کہ کابک سے اُڑ جانا۔ خیر خدا اُن کو بخشے اسوقت دل ہے کہ بے اختیار اُمڈا چلا آتا ہے۔

خوجی۔ یہ کیا بک دیا کہ صبر تلخ ست ولیکن بر شیریں دارد ۔ آتش کہہ گئے ہیں۔ واہ ری معلومات۔ اے حضرت یہ سعدیؒ کا شعر شیخ جی کا کلام ہے۔

نواب۔ کیا خرافات بک رہا ہے یہ شعر شاعری کی تحقیقات کا بھلا کون موقع ہو۔ وہ سعدی نہیں رودکی کہہ گئے اسی پر اس سے واسطہ۔ معلوم ہے کہ آپ بڑے شاعر کی دم ہیں عجیب نامعقول آدمی ہے بھئی۔

مصاحب۔ اور خداوندیہ ان میں سخت عیب ہو کہ کسی نے بات کی اور انھوں نے چٹ کاٹ دی۔ یوں نہیں یوں ہو دھن نہیں ولدن ہو۔ آم نہیں املی ہو۔ پوچھئے ہم تو اپنے آقا کی تسلی کے لیے تشفی آمیز باتیں کر رہے ہیں کہ صبر کیجئے۔ یہ ٹیٹو ے پر چڑھے بیٹھتے ہیں کہ آتش نہیں سعدیؒ کا کلام ہو جسمیں لوگ سمجھیں کہ آپ بھی بڑے

شاعر غرا ہیں اور املا تک درست نہیں بھلا صف شکن تو اس کاغذ پر لکھ دیجئے۔

خوجی۔ چلئے صاحب وہ ہم گوکھے گھامڑ گاؤدی سہی۔ آپ تو اپنے وقت کے افلاطون ہیں نہ بس چھٹی ہوئی۔

نواب۔ چھٹی وٹی کے بھروسے نہ رہئے گا۔ چھٹی نہیں ہوئی ایک بھلے مانس کو آپنے دس آدمیوں کے سامنے ذلیل کیا آپ کو ہم ذلیل کریں گے۔ غفور قلم دوات کاغذ خوجی کو دو۔ لکھئے قبلہ۔ صف شکن کا لفظ لکھئے۔

مصاحب۔ نہیں حضور یہ فقرہ لکھوائیے کہ اسوقت ہوش وحواس درست نہیں۔

خوجی۔ نے یوں لکھا (اسوقت حوش وہواس درست نہیں)

مصاحب۔ (ہنسکر) واہ وا واہ۔ کیا لیاقت ہو حوش کھائے حطی اور ہواس کو آپ ہائے ہوز سے لکھتے ہیں۔ یہ دیکھ لیجئے نہ

نواب۔ اے لعنت خدا۔ اور بڑھ بڑھ کر باتیں بناؤگے۔ پھر کسی کو ٹوکوگے بچہ۔ اے میاں ہوش وحواس نہیں لکھ سکتے۔ اے پھٹکار شرمائے تو نہ ہوگے ؟

میر صاحب۔ وہ شرما چکے۔ شرم چہ کتی ست کہ پیش مرداں بیاید شرم تو انھوں نے بھون کھائی ہے۔ تب تو شرمائے نہیں جب بڑی بڑی محفلوں سے نکالے گئے۔

خوجی۔ حضور کے مزاج میں انصاف توضرور ہو۔ لیکن برب کعبہ اسوقت حضور نے میری گردن کند چھری سے ریتی ہائے ہائے اتنا تو سمجھئے کہ اگر ہوش وحواس ٹھکانے ہوتے تو میں با افتادہ الفاظ کے املا میں بھلا کیوں غلطی کرتا۔ شاعر ہیں۔ نثار ہیں۔ مولوی ہیں۔ منشی ہیں۔ مگر جب ہوش بھی ہوں ہائے صف شکن کا پتا نہ ملے اور ہم ماما پختیاں اڑائیں۔

نواب۔ واہ خوجی واہ۔ اسوقت طبیعت تمھاری نمک حلالی دیکھ کر خوش ہوگئی۔ شاباش۔ کوئی ہو ؟۔

مصاحبین۔ کوئی ہے۔ حاضر ہو جلد۔ چلا۔

پیرو۔ پیر و مرشد (دست بستہ) کیا حکم ہے۔

نواب۔ داروغہ سے کہو کہ ہمارے رفیق خواجہ صاحب کو وہ عباسی رومال اڑھادیں جو پرسوں خریدا تھا۔ لوخوجی یہ ہم نے انعام دیا۔ واہ بھئی واہ۔ گاہے بہ سلامے برنجند وگاہے بہ دشنامے خلعت دہند کہاں تو خوجی پر وہ عتاب تھا کہاں اب انعام پایا۔ داروغہ نے طشت میں رومال لاکر خوجی کو اڑھادیا خوجی نے استادہ ہوکر سات دفعہ سلام کیا اور کہا کہ واہ حضور کیا ریاست ہو۔ اب خدا گواہ ہو کہ اسوقت تہ دل سے دعا نکلتی ہو کہ میاں آزاد مع صف شکن علیحدہ کے کھٹ سے آجائیں اور حضور واللہ دل گواہی دیتا ہو کہ آیا ہی چاہتے ہیں بس صبح وشام آئے داخل۔

نواب۔ تمھارے منھ میں گھی شکر۔

سیتا بیگ۔ حضور مٹھائی کا اقرار کرلیں۔

خوجی۔ اورسنئے یہ بندۂ شکم گرسنہ چشم خوب بولا۔ اب مٹھائی کیسی وہ جلسے اڑیں وہ جشن ہو کہ واہ جی واہ۔ مہینوں طبلے پر تھاپ پڑے اور دور دور سے طائفے آئیں۔ صف شکن کا آنا کوئی ایسی ویسی بات ہے۔ گھر ہی کہیں کا۔

نواب۔ انشاء اللہ۔ پھر میں اپنے دل کا ارمان نکالوں وہ دھما چوکڑی مچے کہ واہ جی واہ۔

سیتا بیگ۔ میر صاحب کے کان میں چپکے سے (نقل عیش بہ از عیش۔ آنا جانا ملنا ملانا معلوم۔ مگر واللہ آزاد بھی بلا کا جن ہے وہ چھانسا دیا کہ نواب بھی ساری عمر نہ بھولیں گے۔ یاد رہی تو بھی اٹھنے بیچ لی۔ اونے پونے دام سیدھے کئے۔ صف شکن کی دم میں نمدا

میر صاحب (آہستہ سے) کیوں جی یہ ہمارے رئیس بھی کتنے بھولے ہیں۔ پٹیر سے صف شکن ہوا اور صف شکن سے اب ضف شکن علی شاہ بنے (ہا ہا ہا) لاحول ولا قوۃ واللہ رنگا دو ہی رہا

سیتا بیگ۔ اجی خدا کرے ایسا ہی بنا رہے مگر یہ یار خوجی کا عباسی رومال آنکھوں میں کھٹکتا ہو۔ یہ مردک بگڑی بات کو ایسا بنا لیتا ہے کہ کچھ پوچھیے نہیں۔

میر صاحب۔ ہاں مگر آزاد اُنکے بھی چچا نکلے اُنکے کان اُنھوں ہی نے کاٹے۔ اور یہی آدمی بھی پرکالہ آتش ہو۔ پڑھا لکھا عالم فاضل۔ شاعر۔ ستار۔ پھر کشتی پٹے میں طاق۔

نواب۔ اب زنان خانہ میں جاتے ہیں ہم۔ رخصت۔

شکر بی کی نقل

ہمارے رسیا یار چے میاں آزاد کے کان میں بھنک پڑی کہ پونے نو کا عمل ہو۔ ارے توبہ۔ آج ہم نرے اُلّو ہی بنے۔ بی بھٹیاری ایک سیلانی لگی للکارنے۔ اجی بس چلو میاں۔ جاؤ بھی۔ آپ بھی کہیں گے کہ ہم آدمی ہیں۔ کنگھی چوٹی ہی سے مہلت نہیں ملتی جب دیکھو ڈھاٹا باندھا ہی پٹیاں جمائی جاتی ہیں اوئی نگوڑی بیوائیں بھی اتنا سنگار نکرتی ہونگی۔ لے اب کمر کسو چلوگے یا کھٹّلے بازی ہی کیا کروگے۔

چانڈو باز۔ اے بی آخر ش جوان جہان ہیں۔ آرائش سر و دستار کے شوق پر لٹو ہیں۔ تم بھی تو بے بال سنوارے گھر سے قدم نہیں نکالتیں۔

بھٹیاری۔ آپ بھی پینک سے چونکے۔ آج جسکی کم پی تھی کیا لو ایک چھینٹا اور نہ آڑالو۔ ہمارے تو سنگھار نکھار کے دن ہی ہیں میاں۔ اُلٹا کیا دیتے ہو۔

میاں آزاد نے لپ جھپ نوق البھڑک کپڑے ڈانٹے اور بی بھٹیاری کو پیچھے بٹھا کر اونٹنی کو کڑکڑا دیا۔ راہ میں بی صاحب رنگ لائیں ہو ہو اس موئی سواری پر خدا کی سنوار اللہ سوں مارے ہچکولوں کے ناک میں دم آگیا۔ میاں آزاد ایک کھٹول آدمی۔ ایک ایڑ کا اشارہ جو بتلاتے ہیں تو سانڈنی اور بھی تیز ہوئی تب بے آگ بھبھوکا ہوگئیں۔ لے مُوے کچھ خیر ہے۔ واہ اچھی دل لگی مقرر کی ہو مجھے بھی کوئی اور سمجھے ہو۔ واہ میں لاکھوں سناؤنگی لے بس سیدھی طرح چلنا ہو تو چلو نہیں میں چیختی ہوں۔ پیٹ کا پانی تک ہل گیا ایسی سواری کو آگ لگے۔ میاں آزاد نے ذرا لگام کو کھینچا تو سانڈنی بلبلانے لگی۔ بی بھٹیاری تو سمجھیں کہ اب جان گئی گذری۔ دیکھو یہ چھیڑ چھاڑ یہاں کسی کو گوارا نہیں ہمیں اُتار دو ہی بس تیج پی ہزار نعمت کھائی۔ لو اور سنو ذرا سے ہچکولے میں منہ کے بھل آرہوں تو چکنا چور ہی ہو جاؤں۔ تم مشٹنڈوں کو اسکا کیا ڈر ہے روکو۔ روکو۔ روکو ہائے میرے اللہ میں کس بلا میں پھنس گئی میاں اپنے خدا سے خوف کرو۔ بس ہمیں اُتار ہی دو۔ سانڈنی کیا نگوڑی جوڑی ہو۔ اتنے میں حُسن اتفاق سے سانڈنی ایک درخت کا سایہ دیکھ کر ایسی بھڑکی کہ جھک کر دس قدم پیچھے ہٹ آئی۔

میاں آزاد تو ران پٹری جمائے ہی تھے وہ تو نلوہ بچ نکلے آگے گئی بی بی صاحب بے ماتھے گئی۔ سانڈنی کا بچکنا تھا کہ وہ بھی ساتھ ہی دھم سے زمین پر اررر دھوں۔ خدا کی مار اس موئے موذی پر۔ وہ تو کہو خیر سے پکی سڑک نہ تھی نہیں تو مفت میں ہڈی پسلی چور چور ہو جاتی۔

چانڈو باز۔ شاباش ہو تیری ماں کو تجھنی بھی کھائی گودہی تیوری ہی خم و دم ہیں۔ دوسری حیادار ہوتی تو لاکھ برس تک سوار ہونے کا نام نہ لیتی۔ سواری کیا جنازہ رواں ہو۔ مگر جھاڑ پونچھ کر پھر موجود۔ بیجا کی بلا دُور۔

بھٹیاری۔ چلیے آپ کی جوتی کی نوک سے۔ ہم بیجا ہی سہی۔ آپ اپنی سیا کو چھپر پر رکھیے۔ عورت کوئی اور ہی ہوگی۔ بندی سوا مرد ہے سوار کو کھڑے کھڑے گھوڑے پر سے اُتار لوں۔ کیا پھانسے دینے آئے ہیں جس میں اتر پڑوں اور آپ مزے سے جم جائیں منہ دھو رکھیے ہم نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔

چانڈو باز۔ بیوی تو سہی جو آپ کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے تیر کھوئے

الغرض بعد خرابی بصرہ میاں آزاد داخل منزل مقصود ہوئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ محفل جمی جائی مثل نوعروسی سجی سجائی اتنے میں ایک پارسی نے آن کر کہا کہ (صاحبان مجلس) علاء الدین اور اُسکے نادر چراغ کا ذکر آج ختم ہوا۔ اب شکر بی کی کہانی باقی ہے جس طرح آپ لوگوں نے آج آسرا دیا اُسی طرح ہمیں امید ہے کہ کل بھی آئیے گا۔

میاں آزاد۔ ارے! ایک داستان کی داستان ختم ہو گئی اور ہم نداردو آج مزا ہی کر کرا ہو گیا۔ کہیں بی بھٹیاری سے نوک جھونک ہوئی کہیں بالوں میں حنا کا تیل ڈالا گئے۔ کہیں ڈاڑھی میں ڈھاٹا باندھا واللہ بڑا ہی افسوس ہوا۔

اتنے میں شکر بی کی کہانی شروع ہوئی۔ پہلے ایک مخارام آئے۔ واہ میاں تندیل چشم بد دور کیا قطع مبارک ہے۔ لال لال اگیا پر لٹو۔ صورت دیکھی اور ہنسی آئی اور حضرت کی بھونڈی ادا اور بھی ستم ڈھاتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ سفر کی تیاریاں ہیں دسا ور مال لینے جاتے ہیں۔ اسکے بعد ایک نگار شوخ و طرار چمکتی ہوئی آئی صورت سے چلبلاپن برستا ہے۔ رگ رگ میں شوخی۔ بوٹی بوٹی پھڑک رہی ہے۔ کبھی دھوتی کو سنوارنا۔ کبھی بالوں پر ہاتھ پھیرنا۔ کبھی آنکھیں لڑانا۔ کبھی مٹکنا۔ کبھی اٹھلانا۔ ابھی یہ کھڑی تھیں دم کے دم میں تڑپ کر وہ ہو رہیں۔ اُف ری شوخی جو طرفہ تماشا تھا۔ غضب کا بناؤ چناؤ تھا

میاں۔ ہم نے چھکڑا دکڑا ٹھیک کر رکھا ہے اسباب سباب لد گیا ہے سب سامان لیس ہے تم میری جدائی میں گھبرانا نہیں جب جی گھبرائے تو گردجی کو بلا لینا دو گھڑی دل بہلانا۔ میں نے مال لیا اور لمبا ہوا ابکی پو بارہ ہیں۔

شکر بی۔ شبھ گھڑی جاؤ اور توڑے لے کر آؤ۔ دیکھو مجھے نہ بھول جانا نہیں میں یہاں کڑھ کڑھ کر مر جاؤنگی۔ آسمان سر پر اُٹھاؤنگی۔ ہے ہے تمھاری دو گھڑی کی جدائی بھی شاق ہے جلدی آنا۔ میں واری جلدی سے آ جانا کسی کے کلپانے سے کیا ملے گا بھلا اچھا اب ٹھنڈے ٹھنڈے تاروں کی چھانو میں جاؤ۔

میاں مخارام تو چوردھے چھکڑے پر لاد کر سدھارے ادھر انکے گردجی نے میدان جو خالی پایا تو آن موجود ہوئے اور لگے اختلاط کی باتیں عشق کی گھاتیں کرنے۔ شکر بی ایک طرار عورت تاڑ گئی کہ گردجی کی نیت ڈانواں ڈول ہے۔

گردجی۔ مخارام تو چلے گئے۔ ہم روز آئیں گے۔ اور میٹھی میٹھی باتیں اچھی اچھی کہانیاں تم کو سنائیں گے۔ مگر شکر بی واہ وا تم نے کتنی پیاری صورت پائی ہے۔ دیکھوں میں صدقے۔ ذری مکھڑا تو دیکھوں (چٹکی بجا کر) ادھر اُدھر۔ پیاری ادھر دیکھو۔ اس جوبن کے واری کیا کامنی ہے چھب ادا سب میں برق دم۔

شکر بی۔ ہم آپکا مطلب آپکی چتونوں ہی سے تاڑ گئے۔ ہاں ایک بات ان لو تو ہم بھی تمھاری بات مان لیں۔ اسوقت تو ہوا کھاؤ کل آٹھ بجے آؤ تو خوش روزہ منائیں خوب گائیں بجائیں ابتو میدان خالی ہے۔

گردجی جو پورے گرد تھے۔ کھل گئے کہ کل آٹھ بجے اور دم سے یہاں آن کودے۔ پیاری شکر بی اور ہم اینجانب رسیا دہ

پری چھم خوب مزے سے کہنے لگی۔ آج کسی اچھے کی صورت دیکھ کر اُٹھے تھے گرو جی مہاراج جو اس لائق تھے کہ دُور ہی سے ڈنڈوت کرے خوش خوش گھر چلے گر مچل مچل کر پھر پھر دیکھتے جاتے تھے اور اشاروں سے بتاتے جاتے تھے کہ ہم اب مفتوں ہو گئے۔ شکر بی لجا کر مُنھ پھیر لیتی تھیں۔ مگر اس لجانے ہی میں وہ جوبن تھا کہ گرو جی لٹے خلی ہوئے جاتے تھے جب خدا خدا کر کے گرو جی سدھارے تو شکر بی ایک جگہ کھڑی ہو کر ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگیں اُدھر سے کہیں کوتوال شہر برآمد ہوئے۔ اس بت گلعذار کا رخسار تاباں اور پتلی کمر اور نرگس بیمار دیکھکر ہزار جان سے عاشق ہو گئے۔

کوتوال۔ اے پری پیکر و رشک قمر جوان و طرحدار۔ شوخ و عیار ہو اگر سر بازار رو رہی ہو۔ کیا کسی نے ستایا ہو۔ یا کسی پر دل آیا ہے تیرے رونے سے اسوقت میرا کلیجہ پھٹتا ہے۔ از برائے خدا بتا تو یہ بات کیا ہے۔

شکر بی۔ میاں میں کیا بتاؤں۔ اسوقت کلیجے پر چوٹ لگی ہے کہتے شرم آتی ہو۔ میرے گرو جی مجھ کو چاہنے لگے آپ سے فریاد کرنے آئی ہوں

کوتوال۔ گرو اور تجھ پر ریجھے۔ اُنکی ایسی تیسی ایسا ٹھیک بناؤں کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔ ساری چوکڑیاں بھول جائیں۔ میری عملداری میں اور یہ اندھیر تجھ سی پری کے لائق ہم ہیں یا وہ شیطان واہ کیا رنگین طبع شوخ مزاج معشوق ہو اسوقت دیکھا تو جی خوش ہو گیا۔ ؎

حسن تو ہمیشہ در فزوں باد | رویت ہمہ سال لالہ گوں باد

اس حسن کے قربان اس رُخ کے صدقے۔ چلو تمھارے مکان چلیں۔

شکر بی۔ اچھا کیا مضائقہ۔ آیئے مگر ایک بات مانو تو میں لونڈی ہو جاؤں آج تو رو ندیر ہو آؤ کل نو بجے چلیں گے اور گھل گھل کر باتیں کریں گے۔ عورت مرد راضی تو کیا کرے گا قاضی۔

کوتوال۔ مگر ادھر دیکھو ڈرتے ڈرتے ایک عرض ہے۔

شکر بی۔ اے ہے تو اسمیں ڈر کاہے کا۔ کہہ تو دیا کہ کل نو بجے آؤ بس سمجھ جاؤ۔

کوتوال صاحب خوش خوش چلے ادھر شکر بی نے پھر الحمد اللہ رونا شروع کیا۔ حسن اتفاق سے کہیں وزیر ریاست اُدھر سے آ نکلے ایں! یہ کون رو رہا ہے۔ بھئی۔ مگر آواز ہو کسی چلبلی کی۔ آہو ہو ہو کیا چاند سی صورت ہے چاند بھی دیکھے تو بلائیں لے عورت کیا پرکالہ آتش ہو کیوں چنچل نار کس نے دُکھ دیا جو ڈاڑھیں مار مار کر رو رہی ہے۔ میں اسی شہر کا وزیر ہوں جس نابکار نے ستایا ہو اُس سے کھرے کھرے سمجھ لوں اور میں تو تیری صورت پر دیوانہ ہو گیا جو حکم دے بجا لاؤں۔

شکر بی۔ ہاتھ جوڑ کر عرض ہو کہ اپنے کوتوال کو سمجھا دو وہ مجھ پر بُری نگاہ ڈالتا ہے اب آپ کے سوا کس سے کہوں۔

وزیر۔ میرا کوتوال اور ایسا بد اعمال! کیا مجال۔ ابھی اُس لعین کو قتل کا حکم دوں تو وزیر۔ تیری اُٹھتی جوانی اور یہ بھبن تو اس لائق ہے کہ وزیروں کے محل میں رہے میں تو تیرا درم نا خریدہ غلام ہوں جو حکم دیجئے بجا لاؤں اشارے کی دیر ہے مگر۔

شکر بی۔ ہاں ہاں میں سمجھی۔ زہے نصیب۔ یہ اگر مگر کیا معنی۔ اس وقت تو اب آپ جائیں۔ کل دس بجے میرے مکان پر آئیں۔

وزیر۔ (دست بستہ) ذرا خوب بن ٹھن کر بیٹھنا۔ ہاں خوب نکھر کر کے اب ہم جاتے ہیں۔

یہ حضرت بھی رفو چکر ہوئے تو سُنیئے کہ بادشاہ سلامت تشریف لائے ہائیں! ہائیں! تو کون ہو۔ عورت یا پری۔ آج تڑکے تڑکے خدا نے اچھی صورت دکھائی۔ یہ کوہ قاف سے آئی ہو یا پرستان سے حور ہو حور۔ تمھارا نام کیا ہے بی

شکر بی مجھے شکر بی کہتے ہیں۔

بادشاہ۔ شکر بی! واہ کیا میٹھا نام ہے اور کیوں نہ بات کرتے وقت لبوں سے قند گھولتی ہو۔ اپنے وقت کی شیریں ہو۔ اچھا پری پیکر یہ تو بتاؤ کہ طبع صبح یہ بیقراری اور آہ و زاری کیوں ہو کیا کسی اگلے پچھلے کو روتی ہو۔ میرے کلیجے پر سانپ لوٹنے لگا۔

شکر بی۔ اجی حضور کیا کہوں آپکے وزیر کی مجھپر بے طور طبیعت آئی ہے۔ وہ وزیر میں فقیر۔ میری عزت اب آپ ہی کے ہاتھ ہے۔

بادشاہ۔ اوہ توبہ کتنی بڑی بات ہے وزیر کو ابھی بید خل کیے دیتا ہوں تو کہا مان میرے ساتھ بیاہ کر لے۔ مزے سے راج کرنا میں اب دالہ و شیدا ہو گیا۔

شکر بی۔ اجی واہ تم بادشاہ ہیں داد خواہ۔ تم راجا میں پرجا کہیں گزی میں زربفت کا پیوند لگا ہو۔ تمھارے یہاں ایک ایک پیش خدمت مجھ سے اچھی ہوگی۔ میں ہوں کس میں۔

بادشاہ۔ کوئی میرے دل سے پوچھے۔ یہ نرگس غمزہ زن۔ یہ زلف پر شکن۔ اُہو ہو ہو۔ بلائے جان ہے۔ اب اتنا مان لے کہ

شکر بی۔ بس بس۔ اچھا۔ تو اتنا کہنا اس گھڑی آپ بھی مان لیں آج تو میں سب سامان لیس کر رکھوں۔ کل آپ گیارہ بجے آئیں بس شکر بی اور بادشاہ سلامت گھُل گھُل کر باتیں کریں گے۔

بادشاہ اور وزیر اور کوتوال اور گرد جی بشاش ہو گئے کہ پالا مار لیا کل ڈٹ گئے ادھر آٹھ بجے اُدھر گرد جی برآمد ہوئے مارے خوشی کے جامے میں پھولے نہیں سماتے شکر بی کے سراپا کی جو تعریف کرنے پر آئے تو پل باندھ دیے۔ شکر بی اپنے دل میں سوچتی تھی کہ یہ گھانس تو نہیں کھا گیا ہو۔ موا یہ توند جیسے نقارہ یہ سن و سال۔ یہ صورت کالا کلوٹا اور میرا عاشق بنا ہو۔ اس موے کو تو اپنی جوتی پر سے بھی نہ قربان کروں۔ واہ رے گرو۔ تیرا ستیاناس جائے یہ گرہستو نہیں آنے کے لائق نہیں رہا۔ رہ جا تیرا منہ نہ جھلسا ہو تو شکر بی نہیں۔ کیا مزے مزیلے میٹھی باتیں بنا رہے ہیں اور خبر ہی نہیں کہ انکے بھی باپا آیا ہی چاہتے ہیں۔ اب گرو جی چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔ شکر بی ٹال ٹال جاتی تھی کبھی شرماتی تھی کبھی مسکراتی تھی کہ واہ رے گرو۔ کیا بڑھ بھس ہو۔ گرد جی بڑے مزے سے پلتھا مارے اکڑے ہوئے بیٹھے تھے کہ اتنے میں کسی نے دروازہ کھڑکھڑایا۔ ایں! یہ کون آیا۔ ارے باپ رے باپ یہ ہو کون۔ کوتوال۔ اُف رے غضب اب جان بچتی نظر نہیں آتی شکر بی ذرا ہم کو کہیں بچاؤ۔ یہ کیوں! یہ کیوں!۔ آپ عاشق جو ہوے ہیں۔ ہات ترے گرو کی دُم میں بندا۔ رہ تو دیکھ تیری بوٹی بوٹی نہ چیلوں کو دوں تو شکر بی نہیں لے ہو اب کیا کروں شکر بی۔ شکر بی کہاں چلی کہاں کہیں دروازہ نہ کھول دینا میں تو باتوں ہی تک کا گنہگار تھا۔ شکر بی نے گرد جی کی کھوپڑی پر جھلا کر دو تین ٹھیپیں زناٹے سے لگائیں اور ایک بورئیے کے نیچے بٹھا کر دروازہ کھول دیا۔

کوتوال۔ شکر بی آج شام کو اُس گرو کی خبر لونگا اور قید کر دونگا تم میری معشوق ہو اُس موذی کی ایسی تیسی قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہو اور یہ عشق چرایا۔ تمھارے لائق تو ہم ہیں پیاری آؤ ادھر بیٹھو۔ واہ کیا جمال ہو۔ کیا مستانہ چال ہو۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ وزیر بھی آن موجود۔ دھم۔ دھم۔ دھم دھم دروازہ کھولو اجی شکر بی دروازہ کھولدو۔ کوتوال کے اوسان خطا کہ غضب ہی ہوا لو وزیر اعظم آگئے۔ اب میرا کہیں ٹھکانا ہی نہیں آلٰہی خیر خدا ندا بچائیو۔ ہائے کیا برے پھنسے دیکھ پائیگا تو وجاہت کا خیال گدگدائیگا اور بوٹی بوٹی نوچ کھائیگا۔ شکر بی خدا کیلئے شکر بی بوبی موئے تیرا جنازہ نکلے یہ تو کوتوالی کرتا ہو میں تو گئی فریاد کرنے آپ مجھی پر پھٹ گئے اب خمیازہ اُٹھاؤ گے بھلے مانسوں کی بہو بیٹیوں سے یہ بد نیتی

کیا شہر شملہ ہے۔ چل اُس صندوق میں بیٹھ اور چپ چاپ بیٹھ۔
یہ کہکر شکر بی نے دروازہ کھولا تو وزیر برآمد ہوئے۔

وزیر۔ پیاری قسم لو جو کل رات کو آنکھ بھی جھپکی ہو۔ کوتوال مردک کو تو آج ہی موقوف کرتا ہوں۔ مگر قسم دو کہ آج سے تم ہماری ہو۔ میں تو تیری ایک ایک ادا پر عاشق ہوں۔ اب ادھر اُدھر ناچتی کہاں پھرتی ہو آؤ ادھر آؤ۔

اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا کون! یہ کون نابکار آیا۔ چُپ جہاں پناہ ہیں۔ ارے! ستم ہی بپا ہو گیا۔ میں کہاں جاؤں شکر بی بچالے واسطے خدا کے کہیں چھپالے۔ اُف اُف۔ میں اس صندوق میں گھس جاتا ہوں تو بلالے۔ دروازہ کھولا تو جہاں پناہ برآمد ہوئے شکر بی چاند میں داغ ہے تیرے مکھڑے میں داغ نہیں آفتاب میں یہ چمک کہاں۔ تو بادشاہوں ہی کے لائق ہو۔ یہ ادا کوئی کہاں سے لائے۔ یہ بوٹی بوٹی کوئی کیونکر پھڑکائے تجھے کیا دیکھا کہ خدا کی قدرت مجسم نظر آئی۔ جل جلالہ۔ اجی حضور میں آپ کے لائق کہاں۔ آپ بادشاہ ہم غریب آدمی۔ ایں! کسی نے دھم دھمایا کون شخص ہے۔ اسوقت کہاں سے یہ کمبخت آیا۔ ارے! ہٹو تو ہٹو تو جی۔ یہ تو میرا میاں ہے خوب مال لائے ہونگے! شکربی او شکربی! میری عزت اب تیرے ہاتھ ہے کرسی کی آڑ میں ان کو بھی چھپایا۔ دروازہ کھولا تو مخارام دن سے داخل۔

شکر بی۔ آئیے آئیے میاں آئیے۔ سب خیر و عافیت۔

مخارام۔ کئی آنکھ کے اندھے گانٹھ کے پورے مل گئے اونے پونے بیچا اور دام کھرے کئے اور یہاں تو سب خیریت ہے گرو جی تو اچھے ہیں۔

شکر بی۔ آگ لگے موئے گرو کو۔ گاج پڑے اوسپر۔ زندہ تو کسی اور ہی گھات میں تھے (بورا اُٹھا کر) لیجئے درشن کیجئے۔

مخارام۔ لعنت ہے تجھپر۔ مردک۔ ڈوب مر چلو بھر پانی میں تھو تیری اوقات پر (چپت لگا کر) اے پھٹکار (دھول جما کر) اے ٹھیکا

شکر بی۔ موذی جوتی خورے شرم نہیں آتی۔ دیکھ پاک دامن عورتیں ایسی ہوتی ہیں۔

مخارام۔ تم نے کوتوال سے کیوں نہ فریاد کی۔

شکر بی۔ بس چپ بھی رہئے وہ موا اس کا بھی چچا نکلا (صندوق کھول کر) یہ آپکے کوتوال صاحب ہیں۔ یہ اپنے ہی ڈورے ڈالتے تھے۔ یہ کیا حرکت تھی کھڑی ہے۔

مخارام۔ کیوں بے نالائق۔ جاؤں وزیر سے کہدوں۔

شکر بی۔ واہ وزیر ان کے بھی گرو گھنٹال ہیں (صندوق کی طرف اشارہ کرکے) یہ وزیر بیٹھے ہیں۔ اے لعنت۔ دیکھ حیا پروری اسے کہتے ہیں۔

مخارام۔ سلام صاحب سلام۔ چلو بھر پانی میں ڈوب مر جاکر تُف ہے۔ تم نے جہاں پناہ سے ان سب کی کیوں نہ فریاد کی۔

شکر بی۔ ہونہہ وہ بھی اسی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں (کرسی ہٹا کر) مجرا عرض کرو بادشاہ سلامت یہ چھپے ہوئے ہیں۔ واہ حضور۔

مخارام۔ ارے ستم! بادشاہ وقت اور یہ حال!۔

شکر بی۔ کیوں جہاں پناہ میں نے انعام کا کام کیا یا نہیں۔ واہ ری شکر بی۔

نہ ہر زن زن ست و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

دوسرے روز میاں آزاد نے سانڈنی کی دُم میں بندا باندھا اور کرایہ کی گاڑی پر لدکے چلے تماشہ دیکھنے۔ کوچبان کو چبان گھوڑیوں کو کڑکڑادو۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر وہی غل غپاڑا!

مچایا کہ کوڑے پھٹکار دھوڑوں کو للکارو۔ واہ اچھی گھی ہو نو دن چلے ڈھائی کوس۔ لے ہجو راب چلتے چلتے چلیں یا کہیں اُڑنے لگیں گیا۔ ریل گاڑی مگر کی ہو بھاڑے کی گاڑی تو یوں ہی جائیگی۔ چاہے اُتر پڑیے۔ جی سویرے۔ میاں چھا چھا باتیں نیچے بنانا۔ چلو تیز ہائیٹ ہائیٹ بارے خدا خدا کرکے پہونچے اور ڈٹ گئے لیلیٰ مجنوں کی داستان شروع ہوئی۔ آج تو پارسیوں نے محفل کو لوٹ لیا چھوڑا مجنوں کا بن بن جنگل جنگل ٹھوکریں کھانا جوش جنوں میں ہر در و دیوار سے لیلیٰ کو بلانا۔ دن کو گریہ وزاری شب کو اختر شماری۔ چلا چلا کر رونا اور اشک گلگوں سے ہر دم گل رخسار کو دھونا ایسا ثابت کیا کہ حاضرین جلسہ پھڑک گئے۔ کبھی کسی شجر ارفع سے جھپٹ کر پکارا لیلیٰ لیلیٰ۔ کبھی لب جویبار اشجار سبزہ زار کا عکس دیکھ کر غل مچایا - لیلیٰ لیلیٰ - پاؤں میں کانٹے چبھے مگر اُف تک نہ کیا۔ بدن گلا جاتا تھا لیکن زبان پر لفظ فریاد نہیں آتا تھا یوں نام کو مجنوں بن جانا سب ہی جانتے ہیں مگر وہی ادا وہی بیقراری وہی عشق صادق ظاہر کرنا کار دارد۔ ادھر لیلیٰ بھی تڑپ رہی تھی آخر کار جذب دل نے رنگ اثر دکھایا اور عاشق و معشوق کو باہم ملایا۔ اسوقت لیلیٰ نے وہ ستم ڈھایا کہ الاماں۔ اتنے میں مجنوں نے آنکھ کھولی معشوق پری پیکر کو ہمکنار پایا دیکھتے ہی دم توڑا۔ اور لیلیٰ بھی ساتھ ہی چھری بھونک کر چل بسی۔

اس مقام پر حاضرین جلسہ کا دل بھر آیا اور بعض رقیق القلب آدمی ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگے محفل سکتے کی حالت میں تھی بس شہر خموشاں معلوم ہوتا تھا ۔ دیکھو مارے رنج کے بات نہیں پھوٹتی۔ آنسو ڈبڈبا آئے۔ کلیجہ دھک دھک کرنے لگا۔

الغرض پارسیوں نے اسدرجہ رقت اور حسرت ظاہر کی کہ جلسے کو ایک قسم کی مجلس کر دکھایا اور حاضرین کو زار زار رلایا۔ سب کی گردن ہل رہی تھی کہ اہوہو ہوا اور باہم یہی گفتگو چپکے چپکے ہوتی تھی کہ آج تو غضب ڈھایا اتنے دن سے تماشا دکھایا مگر یہ حسرت کبھی نہ ہوئی تھی جو اسوقت ہوئی واہ وا واہ خصوصاً لیلیٰ کا مجنوں کی لاش پر رونا اور بصد حرماں کہنا کہ ہائے دل کی دل ہی میں رہی مراد ایک نہ بر آئی۔ داغ جدائی نصیب ہوا۔ صدمہ ہجر سہا۔ اے وائے بخت میاں آزاد کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرتے تھے آنسو گرتے تھے اور اردگرد کے حضار جلسہ رومال سے اپنے اپنے اشک پونچھتے تھے اور بعض تو پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔ اس درجہ محو ہو گئے کہ دو تین بد تمیز آدمیوں نے عین اسوقت جبکہ لیلیٰ نہایت حسرت میں ہجر کے صدموں کو رو رہی تھی ہنس دینے پر محفل بھر قہر کی نگاہ سے دیکھنے لگی جب پہلا تماشا ختم ہوا تو چہار طرف سے واہ واہ۔ سبحان اللہ۔ بارک اللہ عزوجل اہوہوہو کا غلغلہ بلند تھا۔

میاں آزاد سرگشت کے عادی ڈھائی گھنٹے جم کر بیٹھنا پڑا تو گھبرا اُٹھے سوچے کہ چلو محفل بھر میں گھوم آئیں دیکھیں تو لوگوں کی کیا رائے ہے اب سنئے کہ بیس منٹ درجۂ دوم میں ادھر بیٹھے ۱۵ منٹ اُدھر ڈٹے پھر پھدک کر درجۂ سوم میں ہو رہے۔ وہاں چہ می گوئیاں کیں اور پر پھٹے درجے میں گھٹ سے موجود۔ کئی آدمیوں کا مکالمہ سنا۔

ایک ۔ یار اُن کے پاس سامان تو خوب لیس ہے۔

دوسرا۔ واہ کیا کتنا زرق برق پوشاکیں ہیں اور لطف یہ کہ سب سچی جھک جھک کر رہی ہیں۔ اور پردے تو ایسے دیکھے نہ سُنے بس یہی یقین ہوتا ہے کہ بارہ دری کا پھاٹک ہے یا پری خانہ ہے جنگل کا سامان دکھایا تو وہی بیل بوٹے۔ وہی دوب۔ وہی پیڑ۔ وہی جھاڑیاں وہی باڑیاں۔ وہی کہسار۔ وہی لالہ زار۔ بس بالکل گُندرین معلوم ہوتا ہے۔

تیسرا۔ اور سبز پری کی تعریف ہی نہ کی۔

چوتھا۔ کون! حضرت واللہ یہ جو وہ کہیں لکھنؤ میں چھ مہینے بھی تعلیم پائے تو پھر آفت ہی ڈھائے۔ یہ نورانی گلا یہ ٹیپ دار آواز یہ سن وسال یہ حسن وجمال۔ واللہ لاکھوں لوٹ لیجائے لاکھوں۔ ہر رئیس کے یہاں سے بلوا آئے اور جہاں جائے کھنا کھن اشرفیاں لیئے اور جو مشاطہ سنوارے تو پھر دیکھیئے جوبن دونا ہو جائے۔

تیسرا۔ (پھر) اجی ہاں کیا خوب بات کہی ہے۔ جو کہیں دو مہینے بھی یہاں تک جائیں تو پھر واللہ کلیوں دار پائیجامہ نہ پہنا دیا ہو تو لکھنؤ نہیں۔ اصیلیں پائینچے اٹھائے جاتی ہوں اور سبز پری جھوم جھوم کر آتی ہوں اور حاضرین جلسہ پکار رہے ہوں کہ خدا کر کو بچائے کہیں کلائی میں موچ نہ آجائے۔ بھئی لکھنؤ پھر لکھنؤ ہے ہاتھی نئے گا تو کہاں تک۔

دوسرا (پھر) بھئی ان کے ساتھ میں وہ پینے بڑا جید مسخرہ ہے بس پورا بھانڈ ہے میاں۔

ایک طرف تو یہ باتیں ہوتی تھیں۔ اب درجہ سوم میں جو گئے تو دو تین تیانڈو باز شمسو اور میاں چمرو اور قنبر بیٹھے چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔

چمرو۔ اجی دھو یا ہی دھو یا ہے۔ کچھ ہیں نہیں۔

شمسو۔ ہاں ٹن ٹن کی آواز تو آتی ہے۔ باقی خیر صلاح۔

قنبر۔ اجی تم دونوں تو چانڈو کی پینک میں اونگھ رہے تھے نہ نقل دیکھی نہ کچھ اور لگے گالیاں دینے بھلا قسم تو کھاؤ کہ لیلیٰ مجنوں کا سارا قصہ دیکھا آنکھیں تو آپ کی بند تھیں آکر سوچا کیا خاک تم نے تو کچھ دیکھا ہی نہیں مرے تو ہم لوٹتے تھے اسوقت اس سرے سے اس سرے تک کہرام مچا تھا سب دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے آپ نے گھنٹا بھر کے بعد آنکھ کھولی تو بر اٹھے کہ دھو یا ہی دھو یا ہے ذرا آنکھیں کھولکر دیکھو تو۔

شمسو۔ کیا پارکی اندر سبھا سے بڑھ کر ہے۔

چمرو۔ اجی واہ اندر سبھا کی ایسی تیسی وہ لوگ کیا جانیں یہ چمکتی دمکتی پوشاکیں۔ یہ روشنی یہ حسن وجوانی یہ سبز پری کی غزل خوانی اُن کو نصیب کہاں۔ آپ بھی گزی اور شربتی کو ملاتے ہیں۔

قنبر۔ ہاں۔ اور نہیں تو کیا۔ اجی یہ سیکڑوں نقلیں کر سکتے ہیں ایک اندر سبھا کیسی۔ لیلیٰ مجنوں کا قصہ۔ چھیل بٹاؤ اور موہنا رانی کی داستان۔ سات پریوں کا تماشہ۔ گل بکاؤلی۔ ٹنکر بی کی چٹک مٹک میاں فضیحت کا مسخرہ پن۔ صدہا تماشے یاد ہیں اور سب چوٹی کے یہاں سے پھدک کر میاں آزاد درجۂ اوّل میں آئے۔

رئیس۔ ان لوگوں کو کمال حاصل ہے۔

مصاحب۔ ہاں پیر و مرشد یہ دیکھیئے بڑے بلا کے نقال ہیں۔

رئیس۔ بلا کے۔! اجی یوں کہو کہ نور کی طبیعت پائی ہے۔

مصاحب۔ بجا ہے خداوند۔ یہ دیکھیئے گلے کتنے نورانی ہیں اور مانگ پر تو حضور یہ دیکھیئے وہ جوبن ہے کہ واہ جی واہ۔ حضور یہ دیکھیئے محفل بھر اُسی کو گھورا کرتی ہے۔

خانصاحب۔ ہاں واللہ سچ کہئے گا کتنی پیاری ادائیں ہیں۔

رئیس۔ وہ ایک کی آواز بھی بہت اچھی ہے۔

مصاحب۔ ہاں خداوند۔ یہ دیکھیئے بہت اچھی ہے روشنی بہت ہی اچھی۔

رئیس۔ روشنی تو ہے ہی۔ میں آواز کو کہتا ہوں۔

مصاحب۔ بجا ہے حضور والا۔ آوازیں بھی نورانی ہیں۔ کوئی کیا گائے گا۔ اور گائے گا بھی تو یہ گلا کہاں سے لائیگا۔ یہ خداداد بات ہے۔ حضور کی قدردانی پر اُن لوگوں کو بڑا بھروسہ ہے حضور نے بڑی جوہر شناسی کی یہ دیکھئے سب مداح ہیں۔

صاحب بہادر۔ دل لیلیٰ اچھا بنی تھی۔ پسند کیا۔

میم صاحب۔ اویس بہت پسند مکھ بے پڑا اور بات کو سمجھاتا

اچھا۔ لیلیٰ کی شکل بھی گذری ہے۔

اتنے میں بہادر شاہ ظفر کا حال شروع ہوا۔ واہ واہ۔ یہ اس سے بڑھ کر ہے۔ اس میں اور ہی لطف ہے بھئی۔ ہائے دلی کی تباہی کو اس طرح بیان کیا کہ لوگ پھوٹ پھوٹ کر روئے جلسہ برخاست ہوا۔

تھانہ دار

ادھر دھوم دھڑکے سے خاتون شب کی سواری آئی۔ اور چراغوں نے پروانۂ تقرری کی خوشخبری پائی۔ ادھر قبلہ کے رخ سے جھومتی ہوئی گھنگھور گھٹا چھائی۔ موریلوں کی سریلی جھنکار اور پپیہوں کی پکار نے گھٹا کی کیفیت بڑھائی۔ اتنے میں بجلی تڑپی اور بادل گرجنے لگے ارے! واہ کیا بیوقت کی تنہائی ہے غضب ہی ہوگیا۔ اب تماشا و ماشاء خیر صلاح ہے۔ یہ لیجئے وہ ٹپ ٹپ بوندیں گرنے لگیں۔ میاں آزاد جھنجھلا کر کہنے لگے۔ ؎

کیا برستا ہے یوں برس کمبخت	کوہ سے لیکے ڈوب جائیں درخت

بارے ایک دفعہ ہی ہوا نے وہ زور باندھا کہ بادلوں کو اوپر ہی اوپر اڑا لے گئی۔ مطلع صاف۔ اہو ہو ہو۔ اب تو لیلیٰ شب پر بلا کا نکھار ہے غضب کا سنگار ہے ؎

مہتاب شبے چو وصل معمور	بر روز گشیدہ پردۂ نور
در راہبری چو دور بیناں	در پردہ دری چو مہ جبیناں
ابروے افق گرہ کشادہ	افلاک صلائے نور دادہ
از خوش طرب زمانہ سیراب	پالغز نظر زمیں ز مہتاب

اللہ اللہ رات کیا لیلۃ البرات ہے۔ بلکہ وہ بھی مات ہے چاندنی سینۂ عارفان حق پرست کی طرح صاف۔ پرتو ماہ از قاف تا قاف پردہ دار عاشقاں ہے مضمون اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَاءَ بِزِیْنَۃِ الْکَوَاکِبِ ہر ذرہ دل سے عیاں ہے۔ شب معشوق بے پردہ ہے۔ تو چاند

محبوب چاردہ سالہ۔ ہمارے صوفی صافی طینت۔ ریاض جنوں کے زیب و زینت میاں آزاد بی بھٹیاری کیساتھ لٹکے پر سوار ہو کر ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاتے خوش گپیاں اڑاتے چلے راہ میں ایک فقیر نے پیچھا کیا۔ جوڑی سلامت میاں بیوی کی جوڑی سلامت ان گورے گورے ہاتھوں سے ایک پیسہ دلوائیے سائیں کو۔

چانڈو باز۔ ہائیں میاں بیوی نہیں۔ بہن بھائی ہیں۔

فقیر۔ بھائی بہن کی جوڑی برقرار۔ ماں کا کلیجہ ٹھنڈا رہے۔

میاں آزاد بہت ہی جھینپے۔ بی بھٹیاری خوب کھلکھلا کر ہنس پڑیں لو اب تو ہمارے میاں ہوے اور میاں سے بھائی جان اب مکرنے کی سند نہیں۔ بولو دونوں میں کون پسند ہے۔ میاں آزاد اور بھی شرمائے۔ لاحول ولا قوت۔ بھئی آج سے تمھارے ساتھ آئے تو تمھارا ہی بھائی۔ خیر قہقہا لگاتے اور اٹکا اڑاتے دن سے داخل محفل ہوئے آج ستم کا جوبن ہے کہیں لولیان گلعذار کہیں پری رخان شنگ و عیار۔ کچا کھچ آدمی بھرے ہیں۔ اور شہر بھر ٹوٹ پڑا ہے اتنے میں نقل شروع ہوئی۔

ایک سیٹھ جی دستار گلنار سر پر جمائے دھوتی کی لانگ لٹکائے مچھندر کی صورت بنائے۔ دانتوں میں مسی لگائے مٹکتے ہوئے آئے اور ساتھ ساتھ انکی نکیلی رنگیلی البیلی چھبیل چھبیلی بیوی عجب ناز و دلربائی سے آئیں وہ پھبن وہ بانکپن۔ وہ نکھار وہ سنگار کہ زاہد صد سالہ دیکھے تو کلیجے پر چوٹ کھائے۔ ہزار جان سے عاشق ہو جائے ؎

جھبھکار روپ سیج دھج قہر آفت چلبلاہٹ ہے
جھمکڑا الوٹ کا نکھرا غضب اسکی سجاوٹ ہے
خبر لیجیو یہ کس کے پاؤں کی ٹھنکیل آہٹ ہے
کہ ہر ٹھوکر یہ جسکی دلمیں اٹھتی گدگداہٹ ہے

پیکا چوندی نہ لگ جاوے بھلا کس طرح آنکھوں کو
بسان برق بیتابانہ اُسکی اچپلاہٹ ہے

بہار باغ رعنائی۔افشاں جبین دلربائی۔تیز و گرم خیز شکستہ دلوں کے لیے مومیائی۔پیاری مائی۔

میاں۔پیاری اسوقت تو رنگ فق اور کلیجہ شق ہو گیا۔اب جان پر بن آئی ہو۔ملک الموت کی دہائی ہے۔ہائے میرا یہ سن و سال اور موت کا خیال۔کیا بُرا دھڑکا ہے۔کس مزے سے کٹتی تھی۔

بیوی (روتی ہوئی) اجی کچھ تو کہو یہ اجرا کیا ہو۔خاصے جیتے جاگتے ہٹے کٹے کھڑے ہو۔مرنا کیسا۔ہوا کیا۔ہائے میرا تو کلیجہ پھٹ گیا۔

میاں۔جس سوداگر کا میں کمبخت نوکر ہوں اُسکی بیگم نے بلا کر کہا کہ وہ چل بسے اور کہہ گئے ہیں کہ سیٹھ کو میرے پاس بھیجدینا۔سو اب میں جاتا ہوں۔رخصت۔ہائے تیری محبت کا پانی پیٹ میں چلبلا رہا ہے۔آؤ پیار کر لیں یہ آخری پیار ہے۔اب وہاں ملیں گے۔

بیوی۔ارے میں تو کہیں کی نہ رہی۔ہائے۔اسوقت آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔مجھے چھوڑ کر کہاں جاؤگے۔کس کو سونپے جاتے ہو (گلے چمٹ کر) اب گلے کس کو لگاؤں گی۔ہائے میرا سوہاگ سوگ سے بدل گیا۔رنڈاپا دیکھنا قسمت میں بدا تھا جتنی ہنسی نہ تھی اتنی اب روؤنگی۔

میاں۔آؤ پھر گلے مل جائیں ارے اب پیار کون کرے گا یہ آخری ملاقات پیاری آخری ملاقات ہے۔تمھارا پیارا اب تم سے جدا ہوتا ہے کہا سنا معاف کرنا۔یہ دم واپسیں ہے خوب نظر بھر کر دیکھ لو۔بس پھر وہاں دیکھنا نصیب ہوگا۔

بیوی نے دھاروں دھار رونا شروع کیا۔ہچکیاں آنے لگیں سر پر خاک اُڑائی۔چوڑیاں چٹ چٹ توڑ ڈالیں۔لوگو دیکھو رانڈ بیوہ کی صورت دیکھو۔ہائے جیتے جی مر مٹی۔ہے ہے مجھی کو موت آئی ہوتی۔ہائے میں بیجیانہ مری نہ مری۔اب ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مروں گی۔

میاں۔واہ واہ واہ۔تو جب میں مرونگا تب رو لینا۔ابھی تو سامنے کھڑا ہوں اور تو کہتی ہو کہ میں رانڈ ہو گئی۔میں سنڈا بنا ہوا ہوں تو رانڈ کیونکر ہو گئی۔

یہ نقل اتنی ہو چکی تھی کہ میاں آزاد کو ایک سپاہی نے بلایا اور کہا چلیے تھانیدار صاحب نے بلایا ہے۔

میاں آزاد مزے سے بیٹھے ہوے تماشہ دیکھ رہے تھے۔سیٹھ جی کی دستار گگنار اور زوجہ شوخ دستمگار سیٹھانی کی چوائی اور خوش بیانی چلبلاپن اور کھلبن دیکھ کر عش عش کرتے تھے کہ دفعۃً عین کریال میں غلہ لگا سارا مزہ کرکرا ہو گیا۔برقنداز نے آن کر کہا کہ آپکو تھانہ دار صاحب نے اسوقت بلایا ہے چلئے ذرا جلدی اُٹھئے۔

آزاد۔کون تھانہ دار؟ ہم سے تھانہ دار سے واسطہ۔کوئی وجہ بھی ہے یا یوں ہی بلایا ہے۔چلو چلو ایسے بہت بلایا کرتے ہیں ہمیں بھی کوئی ایسا ویسا مقرر کیا ہے۔کیا دل لگی ہے۔جاؤ بلا لاؤ اُنسے کہئے کہ آپ کو خود میاں آزاد نے یاد کیا ہے ابھی حاضر ہو۔

بھٹیاری۔ہوں ہوں لے بس بیٹھے رہو۔بہت اُجڈ بننا بھی نہیں اچھا ہوتا۔واہ کہنے لگے ہم نہ جائیں گے وجہ جنیہ وجہ محنت میں بیٹھے بٹھائے لڑنا بھگڑنا۔بڑے وہ بنے ہیں اور نہیں تو کیا۔آخرش سانڈنی کی رپٹ لکھوائی ہے کہ نہیں۔پھر اب دوڑ دھوپ کرگے نہیں تو بنے گی کیونکر اور وہاں تک

جانے کیا چوڑیاں ٹوٹتی ہیں یا پاؤں کی مہندی گھس جائے گی
میں تو مرد ہوتی تو اب تک سانڈنی کی کھوج لگائی ہوتی انسے ذری
تھانہ تک نہیں جایا جاتا۔ واہ یہ دھا چوکڑی تو روز ہی مچی رہتی ہے
نکل آکے دیکھ لینا کیا تاؤ مارا جاتا ہے۔

آزاد۔ بھلا تماشا چھوڑ دوں۔ یہ پری چہرہ نازنین یہ گلفام حسین
پھر کہاں سے نظر آئے گی۔

بھٹیاری۔ اے میاں ادھی کے روغن میں تو وہ روپ نکل آتا
ہے کہ آدمی سجدہ کرنے لگے۔ اچھا ہم تم کو سرا ہی میں یہ رنگ و
روغن نہ دکھا دیں تو آدمی نہیں۔

آزاد۔ اچھا چلو چلیں مگر چلو تم بھی ساتھ چلو راستے میں دو گھڑی
دل لگی ہی ہوگی۔ ہاں خوب یاد آیا تھانہ دار سے اور ہمسے تو
لاگ ڈانٹ ہے اسدن تیغ چل گئی تھی نہ۔ کہیں ایسا نہو کہ
وہ کوتوالی کے چبوترے پر بیٹھ کر فرعون بے سامان بن جائیں اور
ایک آدھ اوکھی سنائیں تو پھر میں لے ہی پڑونگا اتنا سمجھ لینا
میں آدھی بات سننے کا روادار نہیں۔ سانڈنی ملے یا جہنم میں
جائے اُسکی پروا نہیں مگر کوئی اینڈا بینڈا فقرہ سنایا اور میں نے
کرسی کے نیچے پٹخا۔ میں آدمی مراقی ہوں اور پھر کیوں سننے لگا
سبب کیا۔ چور نہیں کہ کوتوال سے ڈروں جواری نہیں کہ پیادے
کی صورت دیکھ کر جان نکلے۔ دوڑ کا خوف ہو۔ بدمعاش نہیں
کہ منہ چھپاؤں۔ مریل نہیں کہ دو باتیں سہ جاؤں کوئی بولا
اور ادھر بندے نے خنجر تولا۔ یا ہم نہیں یا وہ نہیں۔

بھٹیاری۔ تم کو تو خفقان (خفقان) ہے میں دیوانی تو ہوں
نہیں وہ بیچارہ تو ایک ہنس مکھ آدمی ہے۔ رنگیلا جوان
لڑائی کیوں ہونے لگی۔

کانسٹبل۔ چلئے یا نہ چلئے مگر ہمیں تو دیر ہوتی ہے چلئے تو اچھا
نہ چلئے تو کہدوں کہ وہ اسوقت نہ آئیں گے۔ رہا ہم وجانے میں
چلے ہی چلئے دو دو باتیں کیجئے گا اور پھر یہیں آجائیے گا۔

آزاد۔ ارے ہاں ہاں تم تو تھانہ دار کے مزاج سے واقف
ہوگے بھلا گالی تو نہیں دے بیٹھتے ہیں۔

کانسٹبل۔ (دانت کے تلے انگلی دبا کر) تا ہیں گالی دینا
کیا کچھ ہنسی ٹھٹھا ہے آپ نشان کھاطر رہیں (نشاں خاطر)

الغرض اس قیل وقال کے بعد میاں آزاد بی بھٹیاری
اور کانسٹبل تھانہ پر چلے۔ راہ میں ایک آدمی اکڑتا ہوا جاتا تھا
میاں آزاد ست آدمی اس کا اینڈنا دیکھ کر آگ ہوگئے قریب
جا کر ایک دھکا جو دیتے ہیں تو کوئی پچاس (ھکنیاں کھائیں اور
بازار بھر نے تالیاں بجائیں۔ بی بھٹیاری نے حضرت کے د[illegible] ن تھامے
اور تھوڑی دور چلے تھے کہ ایک شخص چادر بچھائے جڑی بوٹی اسیر
پھیلائے گپ اُڑا رہا تھا کہ اس بوٹی سے اسی برس کا بڈھا جوان
ہوجائے۔ اس جڑ کے استعمال سے بال سفید نہ ہونے پائیں یہ
جو تیئس[۲۳] دن نہار منہ ایک ایک تولہ پئے تو بواسیر عمر بھر نہ ستائے
میاں آزاد اسکی طرف جھک پڑے کہو بھئی کھلاڑی یہ کیا کر کری خانہ
پھیلا کر بیٹھے ہو۔ آج صبح سے کتنے گوکھے پھانسے کتنے عقل کے
اندھے گانٹھ کے پورے کو غچا دیا کس کس کو مونڈا واللہ سوجھی
خوب بہت سے بیوقوف اُلّو بنے ہونگے کہو سلامتی بھی ہے۔ ہا ہا ہا ہا۔
وہ ایک کائیاں تاڑ گیا کہ یہ بڑے حضرت ہیں۔ کان میں
چپکے سے کہا کہ اُستاد جانتے تو ہو پھر یہ سب کے سامنے
ہماری ہجو کرنا کیسا یہاں۔ ع۔

رو ٹی تو کما کھائے کسی طور مچھندر

میاں آزاد نے آہستہ سے اُن کی کھوپڑی سہلا دی اور چل کھڑے
ہوئے تو ایک تیلی جا رہا تھا۔ پوچھا کیوں میاں تیلی کتنا دن ہوگا

تیلی جو تیچھے پھر کے دیکھتا ہو تو اُس کے اوسان خطا ہو گئے چپکا چلدیا یہ دس قدم آگے بڑھے تھے کہ غل غپاڑے کی آواز آئی ایک حلوائی گاہک سے تکرار کر رہا تھا۔

حلوائی۔ کھالی بھُجیا نا ہیں بکت ہے ہمری دکان پر کس کس دے دیئی بھلا۔

گاہک۔ ابے میں کہتا ہوں کہیں ایک گدٗا نہ دوں۔

آزاد۔ گدا تو پیچھے دیجئے گا میں ایک گدٗا آپکی گدی پر نہ جماؤں کہیں۔

گاہک۔ آپ کون ہیں کہیں بیدھا تو نہیں ہوا ہے۔

آزاد۔ ان ہاتھ پاؤں پر یہ طیش۔ بھلا اس بیچارے کو جو تم للکارتے ہو تو اس کی وجہ۔

بھٹیاری۔ اے ہے تو مردوئے تو کوئی خدائی فوجدار ہے! دوئی کسی کے پھٹے میں تم کون پاؤں ڈالنے والے۔ میرا تو ناک میں دم آگیا۔ اسکو سمجھاتے سمجھاتے تھک گئی مل مُسنے نہ مانا نہ مانا۔

آزاد۔ وہ تو کہو چلدیا نہیں تو میں گھسن پٹی بتاتا۔

کانسٹبل۔ بھتیا یو بڑے لڑاکا۔ بس کا ؤ کہی۔ جہاں دیکھو ارے پڑت ہیں

یہاں سے چلے تو بی بھٹیاری نے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور کہا جواب کسی سے تم بھڑے تو خون خچر کر ڈالوں گی۔ تھوڑی دیر میں تھانہ پر پہو نچے۔

کانسٹبل۔ لے آیا وہ کھڑے ہیں۔

تھانہ دار۔ اور یہ زنانہ ساتھ کیسا۔ اخاہ بی اللہ رکھی ہیں۔ میں تو اس چلبلی مست چال ہی سے سمجھ گیا تھا کہ بی چگو ہیں۔ دوسرا کوئی ہے۔ کچھ بیٹھنے کو دو انھیں۔ سچ کہنا تمھاری چال سے کیسا پہچان لیا۔

آزاد۔ واہ بھئی واہ۔ واللہ دور کی کوڑی لائے اور اپنے اپنوں کو سب ہی پہچان لیتے ہیں۔

تھانہ دار۔ یہ کون بولا۔ ہادی حسن کون ہے بھئی۔

بی بھٹیاری نے دیکھا کہ اب بات بڑھے گی۔ اور مفت میں ٹھائیں ٹھائیں ہو گی۔ آزاد مست آدمی۔ تھانہ دار کو حکومت کا غرہ۔ یہ ایک کہیں گے تو میاں آزاد دس سنائیں گے عورت تھی چالاک ع۔ بگڑی بات یوں بنائی۔

چمک کر تھانہ دار کی طرف چلی۔

بھٹیاری۔ اے بس چلو دیکھ لیا۔ منھ دیکھے کی محبت ہے۔ یہ گھر کی تھانہ داری اور تین دن سے موئی سانڈنی نہ ملی۔ تم سے تو بڑی بڑی امیدیں تھیں (آزاد کی طرف مخاطب ہو کر) آؤ مولانا صاحب آؤ ادھر آن کر بیٹھئے (تھانہ دار کی طرف مخاطب ہو کر) اے ذری ہٹو جگہ دو۔ آخر بیٹھیں کہاں زمین پر۔

میاں آزاد نے مونڈھا اپنی طرف گھسیٹا اور ٹک گئے۔

تھانہ دار۔ کہو جی وہ سانڈنی تمھاری ہے نہ۔

آزاد۔ تم کی تقریر کا اینجانب جواب نہیں دیا کرتے۔ آپ کہئے میں کوئی جرکنا نہیں ہوں۔

تھانہ دار۔ کیا!۔

بھٹیاری۔ (سر پیٹ کر) ہائے میرے اللہ میں کیا کروں یہ تو جہاں جاتے ہیں دنگا مچاتے ہیں۔ مجھ اُجڑی ہوئی کو ان کے لچھن کیا معلوم تھے بھلا۔

تھانہ دار۔ کیا کچھ ان سے تعلق ہے۔ سچ کہنا تمھیں قسم ہے اپنے تیغ سدو کی۔

بھٹیاری۔ تو تمھیں معلوم ہی نہیں۔ لے واہ اچھی تھانہ داری کرتے ہو میں تو ان کے گھر پڑ گئی ہوں نہ۔

تھانہ دار۔ لاتا ہاتھ۔

آزاد۔ بس الگ کسی کی بیوی سے ہاتھ ملانا کیا دل لگی ہے۔ ذرا سنبھل بیٹھئے گا ہٹ کر۔

تھانہ دار۔ حضرت آپکو بیوی مبارک ہوں۔ لے مجھے اُس رشتے کا حال کیا معلوم تھا۔ بھلا یہ عقدہ تو اب کھلا کہ عقد ہو گیا ہے۔ مبارک مبارک۔ چین کیجئے۔ آج ہماری بائیں آنکھ پھڑکتی تھی۔

میاں آزاد سمجھ گئے کہ یہ بڑے ضعیف الاعتقاد ہیں۔

بولے حق۔ حق۔ حق۔ اللہ باقی والکل فانی۔

اسکو جو میاں آزاد نے لہرا لہرا کر بہ آواز بلند پڑھا اور قرأت کے ساتھ ادا کیا تو تھانہ دار کے ہوش اُڑ گئے پڑھے لکھے بھی واجبی ہی واجبی تھے لگے تھر تھرانے۔

تھانہ دار (ہاتھ جوڑ کر) یا شاہ اجنہ۔ اگر کوئی خطا سرزد ہوئی ہو تو تو تو۔ وہ تو تو تو ہی کرتے رہے میاں آزاد نے کڑک کے کہا کہ السعید من وعظ لغیرہ۔

تھانہ دار صاحب نے کانپتے کانپتے کہا کہ جو حکم۔ بی بھٹیاری بولیں کہ سانڈنی کانجی ہوس سے منگوا دو۔ تھانہ دار نے فوراً حکم دیا کہ ابھی سانڈنی لاؤ۔

گھنٹ بھر میں سانڈنی آن موجود ہوئی۔ میاں آزاد سوار ہوئے اور پیچھے بی بھٹیاری مزے سے بیٹھیں۔

بھٹیاری۔ میاں تمھارا بایاں قدم لے۔ اخوہ تم تو آدمی کیا بلا ہو۔ ہم تو مان گئے۔ ایمان کی قسم آج سے مان گئے وہ ڈانٹ بتائی کہ تھانہ بھر تھرّا اُٹھا۔

آزاد۔ (کڑک کر) البقر صندوق العمل۔ الدال علی الخیر کفاعلہ۔

بھٹیاری۔ ذرا سنبھلے ہوئے کہیں سانڈنی پر سے ڈھکیل نہ دو ن مجھے بھی کوئی ڈرپوک سمجھے ہو مجھ سے ذری یہ شیخی کی نہ لیجئے گا یہ نخرے کسی اور ہی سے بگھاریے۔

آزاد۔ ہائیں تم ہم سے نہیں ڈرتا۔

بھٹیاری۔ یادشت۔

آزاد۔ ہم شاہ اجنہ ہیں۔

بھٹیاری۔ ہم تمھارا ابھی کان کاٹے گا۔

دونوں نے ملکر خوب قہقہے لگائے۔

آزاد۔ لے آج تو تم دس آدمیوں کے سامنے ہمیں اپنا میاں بنا چکی ہو۔ مکر نہ جانا۔

بھٹیاری۔ پھر تمھاری قسمت۔ ایسی قبول صورت بستی بھر میں کوئی دکھلا دو بھلا۔ مگر ہمیں غرض کیا۔ ہمارے میاں آپ موجود ہیں جی۔

اتنے میں سرا پہونچ گئے۔ روز تو میاں آزاد سویرے منھ اندھیرے نور کے تڑکے گجر دم بلکہ پچھلے سے اُٹھتے تھے آج کچھ ایسے گھوڑے بیچکر سوئے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہیں۔ بی بھٹیاری جھٹ پنے سے صبح صبح اُٹھنے کی عادی مگر نو بج گئے دس کا عمل ہو ابھی خراٹے ہی لے رہے ہیں۔ دونوں خواب خرگوش میں ہیں دو نونکی چارپائیوں پر دھوپ پھیلی ہوئی ہے۔ خُر۔ خُر۔ خُر۔ خرار۔ خٹ خٹ اے واہ یہ وزن ہی نرالا ہے۔ اچھی خٹ خٹ اور خُر خُر نکالی ہو کیوں نہیں۔ سانڈنی پائی ہے یا باتیں۔

بی بھٹیاری کھلی جاتی ہیں کہ میاں آزاد ہم پر فریفتہ ہو گئے اب نکاح ہوا ہی چاہتا ہے جب سے یہ خبط ہوا تب سے وہ بھی نخرے بگھارنے لگیں۔ جاگی تو ہیں مگر مکر کیے پڑی ہیں۔ منکتی تک نہیں۔

اتنے میں میاں چاچو باز آئے آتے ہی پکارا میاں آزاد میاں آزاد۔ بی بھٹیاری بی بھٹیاری۔ صدائے برنخاست

یہ آج ہو کیا میاں۔ خدا ہی خیر کرے۔ اُنو وہ بھلا کچھ ٹھکانا ہے دس کا عمل اور ابھی تک کھٹیا ہی پر پڑے ہیں کل شب کو تماشا بھی تھا۔ پھر یہ کیا کیا کئے۔ درخت کی طرف نظر پڑی تو سانڈنی بندھی ہوئی۔ اہو ہو ہو۔ یہ بی سانڈنی آگئیں شکر ہے جب ہی خوش خوش سو رہے ہیں۔ ارے بھئی آزاد ہوت ارے میاں آزاد۔ ارے میاں کیا سانپ سونگھ گیا۔ یہ ماجرا کیا ہے (ہاتھ ہلا کر) اُٹھیئے اُٹھیئے۔ آخر کب تک خفتن کا صیغہ گردانئے گا۔ ہاں اللہ کہکر اُٹھ تو بیٹھو شاباش ہے میرے شیر۔

آزاد۔ (انگڑائی لیکر) اوں۔ اووں۔ اووں۔ اُف کیا صبح ہوئی ہے۔

چانڈو باز۔ صبح گئی کھیلنے۔ آنکھ تو کھولو لڑکے کا باپ ہے یا صبح ہے۔ اب کوئی دم کے دم میں بارہ کی توپ دغا چاہتی ہے دن سے دیکھنا آج دن بھر سستی نہ رہے تو کہنا۔ وہ تو جہاں ذرا دیر کرکے انسان اُٹھا اور بس ہاتھ پاؤں ٹوٹنے لگے۔ اب ایک کام کرو سر سے نہا ڈالو۔

آزاد۔ کیا بک بک لگائی ہے سونے نہیں دیتا۔

چانڈو باز۔ اچھا۔ ابھی سونے سے پیٹ نہیں بھرا آپکا۔ تو یہ کہئے کوئی برس دو برس سوئیے گا۔ ایسی نیند بھی کیا ممنہ نوئی رنگ ہوا بی بھٹیاری چپکے چپکے سب سن رہی ہیں مگر اُٹھتی نہیں اتنے میں میاں چانڈو باز نے ان کی طرف بھی نظر عنایت سے دیکھا۔ اور غڑاپ سے چارپائی کی پٹی پر جا بیٹھے اسے اُٹھ اللہ کی بندی۔ ایسا سونا بھی کیا۔ بکھرے ہوئے بال جو زمین پر لٹک رہے تھے ان کو اُٹھا کر حضرت نے چارپائی پر رکھا ہاتھ سونگھا تو وہ بوئے خوش کہ دماغ معنبر ہو گیا ادھر میاں آزاد کی آنکھ کھل گئی۔ اور جاگے تو پہلے ہی سے تھے۔

چانڈو باز۔ (گدگدا کر) اُٹھو میری جان کی قسم وہ ہنسی آئی وہ مسکرائی۔

آزاد۔ او گستاخ یہ کیا حرکت تھی۔ الگ ہٹ کر بیٹھ۔ ہمارے سامنے اور یہ بے ادبی۔

چانڈو باز۔ اوہو۔ اوہو۔ بڑے وارث علی خان بن بیٹھے۔ بھائی آخر تم کو بھی تو جگایا تھا۔ اب اُنکو جگانا شروع کیا تو تنکتے کیوں ہو بھلا۔ ہم تو سیدھے سادھے بھولے بھالے صاف طینت آدمی ہیں۔

آزاد۔ اس صفائی پر شیطان کی پھٹکار نہیں تو شانہ پکڑ کر جگایا یہ معلوم ہوا کہ چارپائی کو جوڑی چڑھی یا بھونچال اور انھیں گدگدا کر جگاتے ہیں۔ کیوں بچہ۔

یہ سنکر بی بھٹیاری جاگی تو تھیں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑیں اے ہٹ مردوے۔ یہ پلنگ پر آن کر بیٹھ جانا کیا معنی تجھے بھی کوئی وہ مقرر کیا ہے۔ چانڈو باز نے طیش کھا کر کہا۔ واہ وا۔ پلنگ پلنگ کی اچھی کہی۔ رہیں چھوپڑوں میں اور خواب دیکھیں محلوں کا کبھی باوا راج پلنگ دیکھا تھا کہنے لگیں پلنگ۔ اے تیری قدرت۔ میاں مجھ سے یہ جلی کٹی باتیں نہ کیجئے گا ذری وہ ہم جھوپڑوں ہی میں رہتے سہی اور پھر اب تو ہم ایک بھلے مانس کے گھر پڑنے والے ہیں۔ کیوں میاں آزاد۔ ہے نہ یہ بات دیکھو مکر نہ جانا۔

آزاد۔ (مسکرا کر) واہ کرنے کی ایک ہی کہی۔ نیکی اور پوچھ پوچھ۔ نیچ کھیت۔ ایسی بات ہے بھلا۔ جو کہا وہ نہ کریں قول جان کے ساتھ ہے۔

بھٹیاری۔ ہاں اور کیا۔ قول مرداں جان دارد۔ تمھیں شرم نہیں آتی کہ اس نامحرم نے ہاتھ لگایا اور تم ٹکر ٹکر دیکھا کیے

ڈوب نہیں مرتے جاکر چلو بھر پانی میں پھیری مُنھ پر لوئی تو کیا کریگا کوئی - دوسرا ہوتا تو جھنا منھ تھا تا -

چانڈو باز - کیوں لڑ داتی ہو لے بھلا مفت میں - ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہاں نکاح کی تیاریاں ہو رہی ہیں -

اتنے میں میاں آزاد حمام گئے - تو چانڈو باز اور بی بھٹیاری میں یوں باتیں ہونے لگیں -

چانڈو باز - آخر کہو یہ بات کیا ہے - واللہ تمھارا اباباں قدم لے پھانسا تو بڑے ڈھ کو - کیا سچ مچ نکاح پر راضی ہی ہو گئے جانے نہ دینا - ایسا نہ ہو نکل جائے - بھئی قسم خدا کی عورت کیا بس کی گانٹھ ہے تو -

بھٹیاری - مگر تم بھی کتنے بے شہور (شعور) ہو اس کے سامنے آپنے گدگدانا شروع کیا - اب وہ کھٹکے نہ کھٹکے - تمھاری بھی جو بات ہے دنیا سے انوکھی بلینڈی ساقد بڑھایا مگر تمیز چھو نہیں گئی -

چانڈو باز - اب تم سے جھگڑے کون - میں کیا کچھ علم غیب تھوڑا ہی پڑھا ہوں مگر پکی کر لو -

بھٹیاری - ہاں پکّی پوڑھی ہونا چاہیے - کسی اچھے وکیل سے صلاح لو - وہ کون وکیل ہیں جو کمید گھوڑے کی جوڑی پر نکلتے ہیں اجی وہی گبھرو سے ہیں ابھی -

چانڈو باز - اجی وکیلوں کی نہ پوچھو - وکیل تو تین سو ساٹھ ہیں کسی کے پاس نے چلیں گے -

بھٹیاری - نہیں واہ - ہونہہ - کسی بوڑھے وکیل کے یہاں تو ہم نہ جائیں گے - ایسی جگہ چلو جو جوان ہو اچھی صلاح دے - یہ نہیں کہ عورت کو دیکھا اور وووو بک بتائی -

چانڈو باز - اچھا آج تو اتوار ہے شام کو میاں آزاد سے کہنا کہ ہمیں اپنی بہن کے یہاں جانا ہے - بس ہم پھاٹک کے اُس طرف بکے کھڑے رہیں گے - تم آنا ہم تم چلکر سب معاملہ بھگتا دینگے - کیوں ہے نا عقل کی بات -

بھٹیاری - (قہقہہ لگا کر) اچھا اچھا اچھا ہو ہو ہو - کیا سوجھی ہے

ادھر عامل روز نے بحر ظلمات کا راستہ لیا اور مہ انور نے جلباب خفا سے رُخ انور نکالا ادھر بی بھٹیاری نے میاں آزاد پر فقرہ چست کیا -

بھٹیاری - ہمیں تو آج بہن کے یہاں نیوتہ ہے - کوئی کچھ دھنتر منتر میں سمجھاؤں گی تو اب ہمیں جانے دو - تمھاری سالی نے بڑے پیار سے بلایا ہے -

آزاد - ذرا سالی کی صورت ہمیں بھی تو دکھا دو - ایسا بھی کیا پردہ ہے کہو تو ہم بھی ساتھ ساتھ نہ چلے چلیں - تھک جاؤ گی تو گود میں اُٹھا لوں گا -

بھٹیاری - بس رہنے دیجئے - یہ دل لگی نہ کر رکھیے تو گود کسی اور کو بٹھائیے -

یہ کہکر بی بھٹیاری ٹنک کر کوٹھری میں گئیں اور سولہ سنگار کر کے نکلیں تو میاں آزاد پھڑک گئے اُسوقت انپر ظلم تھا جوبن پھٹا پڑتا تھا - پٹیاں جمی ہوئیں - گوری گوری ناک میں کالی کالی لونگ پیارے پیارے مکھڑے پر زلف عنبر بو - ہاتھوں میں کڑے پانوں میں چھڑے - چھم چھم کرتی ہوئی چلیں - میاں چانڈو باز دالان میں منتظر کھڑے ہی تھے جھپ سے ہاتھ میں ہاتھ دے کر لے چلے -

چانڈو باز - ذرا اُن کے سامنے جھک جھک کر باتیں کرنا - یہ نہیں جھینپنے لگو -

بھٹیاری - مجھے اور آپ سکھائیں - جنکو ابھی کچھ سکھانے سے آتا ہے میری تو بوٹی بوٹی یوں ہی پھڑکا کرتی ہے نہ کہ ایسی جگہ آپ چلیں تو

جو نیکی باتوں اور میری آنکھوں پر نہ عاشق ہو جائیں تو اقندر کچھ نہیں۔ بات تو انھیں کرنے نہ دوں کچھ ایسا کرو کہ وہ بھی نکاح پر رضامند ہوں تو آنسے اور آزاد سے ذری جوتی چلے۔

اتنے میں وکیل کے مکان پر پہونچے۔ اہو ہو ہو۔ مکان کیا بہشت بریں ہی۔ باغ نعیم ہی۔ وہ فرح بخش بنگلہ کہ روح خوش ہو جائے پاگل جائے تو آدمی بن جائے باغچۂ دلکشا میں تخت بچھے ہیں اور انپر ٹاٹ اور اُسپر دری اور اُسپر سفید چاندنی جیسے بنگلے کا پردہ اور اُسپر یاران بذلہ سنج بیٹھے رنگ رلیاں منا رہے ہیں۔ اغل بغل کرسیاں اسپر بھی احباب چمن طبع رنگیں مزاج۔

خدمتگار۔ (وکیل سے) اگریب (غریب) پرور ایک عورت آئی ہو کہتی ہے کچھ کہنا ہو۔

احباب۔ کون کون۔ کیا۔ کون آیا ہو بھئی۔ ارے میاں عورت کیسی جوان ہے یا پیر زال۔

خدمتگار۔ اب ہجور یہ تو دیکھنے سے معلوم ہو۔ ل ابھی ہو جوان

وکیل۔ کہو صبح کو آئے۔ اسوقت نہیں۔ آخر ہی کون۔

احباب۔ واہ واواہ۔ صبح کی ایک ہی کہی۔ اجی بلاؤ بھی۔ بھئی ہمارے سر کی قسم بلاؤ ذرا واسطے خدا کے۔ کہو ٹوپی تمھارے قدموں پر رکھ دیں۔

بی بھٹیاری جھڑوں کو چھم چھم کرتی ہوئی عجب مستانہ چال سے اٹھلاتی بوٹی بوٹی پھڑکاتی ناز و انداز سے قدم دھرتی ہوئی چھماں چھماں آئیں جسنے دیکھا پھڑک گیا کوئی چال پر عاشق ہوا کوئی ناز دلربایانہ پر مرنے لگا۔ کسی کو پیاری پیاری صورت دیکھ کر بلبل تصویر کی طرح سکتا ہو گیا۔ لطف یہ کہ تخلیہ کی صحبت۔۔

یاران سرپل جمع سب رنگیلے۔ عاشق تن۔ سودائی مزاج شمشمول بگڑے دل۔ مہذب شہد۔ یہ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

نواب۔ (وکیل سے) یا حضرت آداب عرض ہی۔ اجی قبلہ تسلیم باایںہمہ تہذیب یہ شاہد پرستی۔ مگر واللہ آپکے مذاق پر صاد ہی خدا کی قسم حسینان روزگار ڈھونڈھ نکالی۔

منشی۔ مرشد بھئی صورت سے تو بڑے مہذب معلوم ہوتے تھے لیکن ایک ہی مرشد نکلے۔

شمیم۔ میاں عالم جوانی است۔ لیکن چیز خوب ہی۔ خوش رو خوش نحو خوش سلیقہ خوش تمیز۔

وکیل بھئی اب ہم کچھ نہ کہیں گے اور کہیں کیا۔ چھا گئی۔ قسم لو جو انکی صورت بھی دیکھی ہو۔ بی صاحب آپ کس کے پاس آئی ہیں کہاں سے آنا ہوا۔

بھٹیاری۔ آلہی خیر ایسی اجیرن ہو گئی۔

جوان۔ اے نہیں۔ اے تو واہ۔ تم اور اجیرن ے

گر برسروچشم من نشینی	نازت بہ کشم کہ ناز نینی

بیٹھئے ادھر تخت پر آیئے۔ مزاج شریف۔ میں اور میرا خدا رعب حسن سے بات کرنا دوبھر ہے۔

بھٹیاری۔ ہاں بنائیے ہم تو سیدھے سادھے ہیں صاحب۔

جوان۔ ہائے تیرے اس بھولے پن کے صدقے۔ آپ بھولی ہیں بجا ہے۔

وکیل۔ واللہ بڑی معزز معلوم ہوتی ہیں۔ عورت ہی یا پرستان کی پری ہے۔

احباب۔ (قہقہہ لگا کر) رتیجے۔ رتیجے۔ رتیجے۔ رتیجے۔ حضرت رتیجے۔ لو بی اب پو بارہ ہیں۔

بھٹیاری۔ حضور ہم یہ پو بارہ اور تین کانے تو جانتے نہیں ہمارا مطلب نکل جائے تو آپ سب صاحبوں کا منہ میٹھا کر دینگے۔

احباب۔ آپ کی باتیں ہی کیا کم شیریں ہیں اور حُسن ہی کیا

کم نمکین ہے۔

بھٹیاری۔ کیا خوب شیریں نمکین دونوں۔ تو یہ کہیے کھٹ مٹھی ہوں۔ واہ اچھی کڑوی تعریف ہے۔

ٹھٹھول۔ اللہ ری شوخی۔ اُف ری چھبن۔ بلا کا نکھار ہے اور تقریر میں جادو ہی جادو ہے۔

اتنے میں میاں چانڈو باز برآمد ہوے۔

وکیل۔ (گھبرا کر) کون باہر ٹھہریے اسوقت۔ لاحول ولاقوت

بھٹیاری۔ میرے بھائی ہیں سگے۔ آپ ڈر ڈرائے دیتے ہیں۔

جوان۔ آئیے آئیے۔ آپ کی ہمشیرہ جان تو واللہ بلا سے بے درماں ہیں۔

چانڈو باز۔ حضور عرض کروں یہ بی اللہ رکھی بھٹیاری ہیں آج دور دور تک انکا نام روشن ہے۔

جوان۔ اور آپکا اور آپکے باپ کا نام بھی انھوں نے خوب روشن کیا۔

چانڈو باز۔ بندہ نواز سرا میں ایک خوش رو جوان کرارے پہلوان زندہ دل صبیح نفس روشن ضمیر بزرگوار ٹکے ہیں۔ وہ انکے اوپر جان دیتے ہیں اور یہ انپر مرتی ہیں۔ کئی آدمیوں کے سامنے وہ قبول چکے ہیں کہ انکے ساتھ نکاح کریں گے گر آدمی ہیں تلوّن مزاج ایسا نہ ہو کہ انکار کر جائیں۔

بھٹیاری۔ حضور مجھ غریبنی سے کوئی چھپن ٹکے تو آپکو ملنے نہیں ہیں رہا اتنا ثواب کیجئے کہ کوئی تدبیر بتا دیجئے جسمیں وہ شکنجے میں جکڑ جائیں اور سرکار کے ذریعہ سے نکاح کرنا ہی پڑے اب اکیلے رہتے رہتے جی گھبراتا ہے۔

ٹھٹھول۔ اگر نکاح ہی کرنے کا شوق چرّایا ہے تو ہم کیا بُرے ہیں صدقے ہمیں سے نکاح پڑھا لو۔

جوان۔ اچھا تم نہیں ہم سہی۔

احباب۔ ایک تم پر کیا فرض ہو۔ جی یہاں سب جھنڈے تلے کے شہدے چھٹے ہوے لچے جمع ہیں تم جسکو پسند کرو اسی کے ساتھ نکاح ہو جائے یوں سہی۔ ہاں جوانو۔ ذرا نکھر کر اور اکڑ کر بیٹھنا وہاں سے اب چھیتئے خدا کرے ہم ہی پر نظر پڑے۔

وکیل۔ اچھا کل آؤ تو ہم وہ ترکیب بتائیں کہ تم بھی یاد کرو۔ یہ بتاؤ کہ تمھارے میاں کہاں ہیں۔

بھٹیاری۔ خدا گنج پہونچے۔

وکیل۔ اوہو تو پھر کیا مشکل ہو۔ کل تم اُنسے کہو کہ چڑھے چاند کو بیاہ ہو جائے۔ جو نہ مانے تو نالش داغ دو۔

بھٹیاری۔ (جھک کر سلام کیا) مگر بندی نے کبھی سرکار دربار کی سکل (شکل) تک تو دیکھی نہیں۔ آپ وکالت کیجئے گا۔

جوان۔ ہاں ہاں جی اسمیں منت ہی کیا ہو۔ مگر جانتی ہو یہ وکیل تو روپیہ کے آشنا ہیں۔

بھٹیاری۔ واہ روپیہ یہاں اللہ کا نام ہو۔ ہنم ہیں چاہے بیچ لو۔

وکیل۔ اچھا تم کل آؤ پہلے دیکھو تو وہ کہتے کیا ہیں۔

میاں آزاد کی پیاری اللہ رکھی بھٹیاری بیٹھے بیٹھے اکتا گئیں نام خدا خوش سلیقہ تھیں۔ کچھ دیہاتن تو تھیں نہیں کہ دفعتہً فتنہ کیطرح اُٹھ کھڑی ہوتیں طبیعت کو تو کلفت ہوگئی تھی لیکن مصرع ناموزوں کی طرح سکتے میں رہ گئیں جب بیکلی بڑھی تو کنکھیوں سے میاں چانڈو باز کی طرف دیکھا اور چشم فسوں پرداز سے اشارہ کیا کہ اب بوریا بدھنا اُٹھائیے اور سرا میں بستر جمائیے وہ ایک خرانٹ آٹھوں گانٹھ کمیت چھوٹتے ہی تاڑ گئے کہ بی اللہ رکھی زلف مہوشاں فرخا کیطرح پریشان ہیں تیوریں سنسنائے۔

چانڈو باز۔ لے حضور ذری گھڑی تو تکلیف دیجئے گا دیکھئے تو کے بجے ہیں

بھٹیاری۔ میں تو جانوں کوئی بارہ بجے ہونگے اٹکل سے کہتی ہوں

چانڈو باز۔ میں بھی کہوں یہ جمائیوں پر جمائیاں کیوں آرہی ہیں۔ انگڑائیاں الگ بدن کا کچومر نکال رہی ہیں۔ ہڈیاں جدا چٹر مٹر ہو رہی ہیں۔ ابتو میں بھس ہو گیا۔ نشے کا وقت ٹل گیا کمبخت حلوائیوں کی دکانیں بھی بڑھ گئی ہونگی۔ بالائی سے بھی گئے آج بے موت مرے صبح صبح میاں آزاد کی منحوس صورت دیکھی تھی جب ہی ان دہاڑوں کو پہونچے۔ اے پیر و مرشد اگر پروانگی ہو تو رخصت ہوں۔ ابتو چانڈو کی لو لگی ہے۔ مگر۔

بھٹیاری۔ اگر مگر تو رکھو چھپر پر۔ یہ میاں آزاد کا نام کیسا لیا ہوش کی دوا کرو مردوے۔ قدرت خدا کی۔ ابکی کہا تو کہا اب ایسی اینڈی بینڈی سنائی تو مجھ سے برا کوئی نہیں۔ دست پناہ سے پکڑ کر زبان کھینچ لوں گی۔ چلو ہٹو ایسی باتیں ایک نکھ یہاں نہیں بھاتیں خدا جھوٹ نہ بلائے تو آئینے میں سویرے اپنا ہی منھ دیکھا ہوگا ناحق بن ناحق کسی پر چھدا رکھنا اچھا نہیں۔

چانڈو باز۔ کیوں مفت میں جھینٹڑوں سے بیزار ہوئی جاتی ہو یہاں خود ستر ہوں کرم ہو گئے ۔؎

بیوی خطا معاف کرو میں نشے میں ہوں
شیشے میں می ہو ہی میں نشہ میں نشے میں ہوں

لے وکیل صاحب۔ اب ٹھیک ٹھیک وخت (وقت) بتا دیجئے یہ تو ہندی کی چندی نکالا ہی کرینگی۔ یہاں اپنا قفل ہوا جاتا ہے ایک آدھ چھینٹا اڑائیں تو جی میں جی آئے بے پئے نشہ چڑھ گیا۔

یاران سرِپل۔ قدرت ارے میاں قدرت۔ دیکھو دکانیں بڑھ گئی ہوں تو ان کو چانڈو یہیں بلوا دیں۔ ذرا دو گھڑی بی اللہ رکھی سے صحبت گرمائیں۔

قدرت۔ جانے کو کہئے میں جاؤں ایک نہیں بیس دفعہ۔ مگر دکانیں کب کی بڑھ گئی ہیں ۸ بجے سے چانڈو خانے میں جانے کا حکم نہیں۔ کوئی بیدھا ہو جو اسوقت چانڈو بیچے گا کتے بھونک رہے ہیں۔ سناٹا بازار (بازار) بھر میں پڑا ہوا ہے۔ چڑیاں چنگن تک سوتی پڑی ہیں۔ چوکیدار خربوزوں کے کھیت بچا رہے ہیں باغبان گوزنی کے کھٹکھٹے کو کھٹکھٹا رہے ہیں۔ اب کوئی دم میں چکیاں چلیں گی۔

بھٹیاری۔ (تالیاں بجا کر) اے اوئی کیا آدھی رات ڈھلگئی باتوں باتوں میں یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ رات کدھر گئی۔ لے ابتو بندی رخصت ہوتی ہے۔

یاران سرِپل۔ اے واہ۔ یہ اندھیری رات۔ آدمی آدم ذات (ذات) ٹھوکریں کھاتی اس اندھیاری میں کہاں جاؤ گی۔ ساتھ میں ایک مرد وا سو بھی عورت سے بدتر۔ کیا بدی کیا بدی کا شوربا آج رات یہیں بسیرا کیجئے۔ فجر کو اپنے چل دینا۔ ہم تمھارے ہی بھلے کے لیے کہتے ہیں۔ نہیں تو ہم پہونچا دیں۔

چانڈو باز۔ جی ہاں گود میں اٹھا لیجئے نا۔ ؎

جب حسن ہو تو عشق کا ہونا ضرور ہے
آنکھوں کی کچھ خطا ہو نہ دل کا قصور ہے

یہ چہرہ کیا پری کا ٹکڑا ہے۔ واللہ کیا گورا مکھڑا ہے۔

بھٹیاری۔ اب خوش گپیاں تو ہو چکیں۔ آنکھیں بند ہوئی جاتی ہیں نیند نے بوکھلا دیا بس اب رخصت حضور بھولیے گا نہیں۔ اتنی دیر مزے سے باتیں کی ہیں۔ یاد رکھئے گا لونڈی کو۔

یاران سرِپل

وہ ہنستے آئے یہاں سے ہمیں رلا کے چلے
نہ بیٹھے آپ مگر درد دل اٹھا کے چلے

وکیل

دکھا کے چاند سا مکھڑا چھپا یا زلفوں میں
دو رنگی ہم کو زمانے کی وہ دکھانے چلے

جوان	دکھایا ضعف نے زور اپنا جب مکان سے چلے مثال نبض وہیں رہ گئے جہاں سے چلے
ٹھٹھول	ہوائے عشق سے ہو شہر بھر میں اب شہرہ قلم کی طرح جدھر ہم چلے زباں سے چلے
وکیل	انیس بار علائق یہ اور بار گناہ وہ بوجھ اُٹھا کہ جو اس مشت استخواں سے چلے
داروغہ	نہ تھا جو کوچے میں اپنا قیام تو نظر تو میرے بعد مری خاک بھی اڑا کے چلے

احباب۔ قسم حسینؑ کی۔ اسوقت دل مسوس کر رہ گئے۔ واللہ کیا پیاری صورت پائی ہو۔ شان کبریائی ہو۔ اس دم تو سب کے سب شہید ناز مرغ بسمل ہو رہے ہیں (ہاتھ جوڑ کر) از برائے خدا آنا تو اقرار کرتی جاؤ کہ کل ضرور ملوں گی۔ ہاتھ زیر ہاتھ مارد۔

بھٹیاری۔ ہو ہو میرے دل کا تو عجب حال ہو۔ یہ کیا جادو کر دیا بھلے مانسو۔ بس رخصت۔

احباب	یہ بھی کوئی ہنسی ہو کہ رخصت کا لیکے نام سو بار بیٹھے بیٹھے ہیں تم رُلا چلیں
وکیل	آنکھوں آنکھوں میں لے گئیں وہ دل کانوں کانوں ہمیں خبر نہ ہوئی

اتنے میں بی بھٹیاری چمک کر انا البرق کہتی ہوئی چل کھڑی ہوئیں میاں چانڈو باز سایہ کی طرح ساتھ ساتھ ہیں۔ اُدھر وہ نظر سے اوجھل ہوئیں اُدھر یاران بزلہ سنج ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگے خوب۔ ہے ہے یا چھلاوا۔ جادو کر دیا۔ سحر کر دیا۔ ٹونا کر دیا۔ واللہ معشوق تو بہت دیکھے گر یہ آنے دارد۔ ع

بسیا خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

غیر بی اللہ رکھی میاں چانڈو باز کو لے کر سرا میں پہنچیں راہ میں وہ تو اپنے حسن و جمال اور کبک دری سی حال اور رنگین خط و خال اور پیاری پیاری بول چال کی تعریف کرتی جاتی ہیں کیوں سب کے سب ہماری ادا پر لوٹ گئے نہ۔ میاں یہ تو فقیر کی دعا ہے کہ جس محفل میں جا کر بیٹھ جاؤں وہیں کٹا ڈھونے لگے۔ راہ میں سیکڑوں شریف زادے آوازے کستے ہیں۔ ہزاروں عاشق مزاج ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہو خدا نظر بد سے بچائے کوئی کہتا ہے الٰہی اس مکھڑے کے صدقے اس چھب کے واری اس سج کے قربان اس ناز کے نثار۔ قسم لو جو آنکھ اٹھا کر کسی کو دیکھتی بھی ہوں اور جو کہیں کسی سے آنکھ لڑ گئی تو کلیجہ پکڑ کر رہ گیا بی اللہ رکھی تو اپنے حسن پر اتراتی تھیں۔ اُدھر میاں چانڈو باز اپنی ہی سناتے تھے سچ کہنا کیسے وکیل کے پاس لے گیا۔ صحبت کتنی اچھی ہو۔ میری جان کی قسم نہ کہو گی۔ ہم تو ہوا خواہ ہیں۔ دونوں میں خوب تو تو میں میں چلی۔ ہوتے ہوتے میاں آزاد سے سرا میں دوچار ہوئے۔

بھٹیاری۔ اللہ اللہ آپ جاگ رہے ہیں۔ آج کیا ہو۔ ع

پلک تک نہ جھپکی جی۔ یہ کس کی یاد نے نیند اُچاٹ کر دی۔ ع

دل میری طرف نظر کہیں اور نہ آثار تو کچھ بُرے ہیں۔

آزاد۔ ہاں جلاؤ۔ جلاؤ۔ دو دو دو بجے تک ہوا کھاؤ اور ہم سے تم باتیں بناؤ۔ اور غمزے چلے بس دیکھ لیا۔ یہ چلتر باز یاں کسی اور سے میں ایک گھاگ ہوں مجھ سے اُڑ کر کہاں جاؤ گی بھلا تم ڈال ڈال تو میں پات پات۔ بندہ پرانا سیار ہو۔

بھٹیاری۔ اے واہ۔ یہ بدگمانی۔ تو میزان پٹ چکی سنیئے اب انکے مارے کوئی بھائی بہن کو چھوڑ دے۔ آخر ہم نے کیا کیا وہاں گئے تو شہر بھر کی بھٹیاریاں جمع۔ خوب ڈھولکیں بجیں چہل پہل رہی دھما چوکڑی مچی۔ ابھی تم کو بھی لے چلیں گے۔

آزاد۔ ہاں ضرور اور میاں چانڈو باز کیا کیا کہے۔
بھٹیاری۔ کون یہ اونگھا کیے۔ آنکھیں بند۔ گردن زمین دوز یہ گرے وہ گرے۔ چل چل چل۔ دھم۔ وہ گر پڑے۔ اے لعنت خدا اتنا پی کیوں جاتے ہو جو پھر اپنے آپے میں نہیں رہتے۔ خیر جی یہ دکھڑا تو ہوا ہی کریگا۔ اب یہ بتاؤ کہ نکاح کا کون دن قرار پایا ہے ہم آج سب سے کہہ آئے کہ میاں آزاد کے گھر پڑیں گے۔ پھر جھٹ پٹ نکاح پڑھوا لو۔ بکھیڑا جلائے یہ روز روز کی فکر کیسی (گردن میں ہاتھ ڈال کر) اچھے آزاد۔ اگلی چڑھتے چاند نکاح ہو جائے صبح شام کیوں لگاتے ہو۔ خو جانے (خدا جانے) ہاتھی چھوٹے گھوڑا چھوٹے۔
آزاد۔ تم یہ کہتی کیا ہو۔ کیا سچ مچ تم سب سے کہہ آئیں غضب ہی کیا۔ واللہ کہیں ایسا کرنا بھی نہیں۔ میں دل لگی کرتا تھا۔ خدا کی قسم فقط دل لگی تھی۔ میں پردیسی آدمی۔ شادی بیاہ کے کیا معنی۔ اور پھر بھٹیاری کے گھر پڑوں۔ مانا کہ تم ہو پری جہم مگر پھر بھٹیارن ہی تو۔ اپنی وضع کے خلاف ہو۔ چار دن کیلیے سرا میں آن کر ٹکے یہاں سے بلا ساتھ لے جائیں۔
بھٹیاری۔ چمک کر) ہو بچ سنبھال مردوے۔ اور سنئے گا ہم بلا ہیں جسپر سارے شہر کی نگاہ پڑتی ہو۔ بے تکا پن بھی تو کتنا۔ ادھر لکتا تو خون خرابا کر ڈالتی۔ مگر کیا کروں قول ہار چکی ہوں۔ برادری بھر میں کلنگ کا ٹیکا لگے گا۔ انگلیاں اٹھینگی۔ بلا کی اچھی کہی۔ تمھارے منہ سے میری ایڑی گوری ہو جا ہے ملا لو۔ آئے وہاں سے بڑے مخادین بن کے۔
آزاد۔ تو بی صاحب سنئے۔ اس خیال خام سے در گذر یئے تم کو میں دیکھتا ہوں گلے کا ہار ہو گئیں۔ کیسی شادی کس کا بیاہ کہاں کا نکاح معقول۔
بھٹیاری۔ معقول معقول کیا کرتا ہے نامعقول۔ کل ہی تو میں نالش داغتی ہوں۔ تو سہی جو ناچ نہ نچاؤں۔ کیا نکلے جاتے ہیں اقرار کرکے کر جانا خالہ جی کا گھر ہی۔ دیکھو یہ سٹی بٹی سب بھول جاؤ گے اے واہ (انگلیاں مٹکا کر) ذری ٹھہرے ہوئے۔ میاں جو میں والی پرآئی تو بڑا گھر ہی دکھاؤنگی کسی ادھر بھر دسے یہ نہ بھولنا مجھ سے برا کوئی نہیں۔
آزاد۔ توبہ۔ خدا کی پناہ۔ میں ابتک سمجھتا تھا کہ میں ہی بڑا مقرر ہوں۔ مگر اس عورت نے میرے بھی کان کاٹے۔ بھلا دی سا۔ ری چوکڑی۔ ہاری مانتی ہی نہ جیتی۔ خداوندا کہیں ترڑ کا جلد ہی سے ہو تو میں دوسری کوٹھری لوں۔
بھٹیاری (ناک پر انگلی رکھ کر) رو دے رو دے۔ اس سے چھوکری ہی جنے ہوتے تو کسی بھلے مانس کا گھر بستا۔ واہ رے مردوے۔ بھلا مجال پڑی ہی کہ کوئی بھٹیاری ٹکائے۔
آزاد۔ تو سارے شہر بھر میں آپکی حکومت ہی کچھ۔
بھٹیاری۔ ہئی ہی۔ ہئی ہی۔ دیکھ لینا نہ۔ کیا ہنسی ٹھٹھا ہی کل پرسوں تک آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائیگا۔
آزاد۔ چلئے آپ کی بلا سے۔
چانڈو باز۔ بلا دلا کے بھروسے کبھی نہ رہیے گا۔ الٹی آنتیں گلے پڑیں گی۔ دو چار دن تا تھیا مچے گی۔
آزاد۔ ذری آپ چپکے بیٹھے رہیے گا۔ تو کون بولنے والا ہی بے کر دگرے جوتی خورے۔ یہ تو ناز مین کا منی ہے۔ تمھاری مفت میں شامت ہی آجائے گی۔
چانڈو باز۔ میرے منھ نہ لگیے گا۔ ہاں اتنا کہہ دیا ہی۔
میاں آزاد نے اٹھ کر دو چار چانٹے جڑ دیے۔ بی بھٹیاری نے بیچ بچاؤ کر دیا۔ ہاتھ ہی ڈھیں ہوئے کے۔ کیا زنا کر چپ چپ

مارنے لگے ۔ جانو ۔ اسکی ہڈیاں مفت کی ہیں لیکے پیٹ ڈالا ۔ جانڈو باز کمزور مار کھانے کی نشانی ہوئے تو کیا بولے (میرے بھی تو دو ایک پڑ گئیں جی) اُسوقت تو سبکے سب لڑ جھگڑ کر سو رہے تڑکے بی بھٹیاری اور جانڈو باز دکیل کے گھر پہونچے ساری داستان سنائی اور میاں جانڈو باز نے اور بھی حاشیہ چڑھایا دکیل تو بی بھٹیاری پر ریجھ ہی گئے تھے فوراً مسودہ عرضی تیار کیا ۔

اللہ رکھی ۔ مدعیہ ساکن سرائے مینڈو خاں ۔ بنام میاں آزاد خانہ برباد ولد نامعلوم ساکن دحشت آباد ۔ اللہ رکھی مدعیہ حسب ذیل عرض کرتی ہے ۔

۱ ۔ یہ کہ مدعاعلیہ جو شکل وصورت سے بھلا مانس معلوم ہوتا ہے اسنے اس مہینے میں کئی بار مدعیہ سے شادی کرنیکا اقرار کیا ۔ کبھی کہا تم پدمنی ہو ۔ کبھی کہا رشک نگار رمنی ہو ۔ کبھی مستانہ چال پر ریجھا کبھی لال لال گورے گورے گالوں کی تعریف کی ۔ کبھی پیاری بنایا ۔

۲ ۔ یہ کہ مدعاعلیہ کے دعدے پر مدعیہ نے ایک رئیس سے جن کو اسکے ساتھ بیاہ کرنے کا شوق چرایا تھا صاف انکار کردیا تو وجہ کیا اس خوش رو جوان کا حسن گلوسوز دل میں کھپ گیا تھا ۔

۳ ۔ یہ کہ رئیس سے انکار کرنے میں اسکا دو ہزار سات سو اکتیس روپیہ ۱۲ ر آنہ پانچ پائی کا نقصان ہوا ۔

لہذا داد خواہ ہے کہ مدعاعلیہ قرق کرلیا جاوے اور مدعیہ کے ساتھ بیاہ دیا جاوے اور زر مذکور مع سود بحساب ہے ر فی صدی مع ہرجہ مدعیہ کو دلایا جاوے ۔

میں کہ نام میرا عرضی دعویٰ میں درج ہے اقرار کرتی ہوں کہ بیان دعویٰ میرے علم ویقین میں صحیح اور درست ہے اور ماحصل اس کا یہ ہے کہ شوہر مستقل دلایا جائے ۔

میاں آزاد تو سرائیں موجیں لے رہے ہیں اور بی اللہ رکھی اس فکر میں ہیں کہ انکے ساتھ بیاہ رچے ۔ اب صبح شام نقش دعا ہی چاہتی ہے اور کچہری جگاہی چاہتی ہے میاں جانڈو باز اور بھی شہ دے رہے ہیں ۔ دکیل اور انکے احباب بذلہ سنج کو گویا شگوفہ ہاتھ آیا انھوں نے بی اللہ رکھی کو وہ پٹی پڑھائی کہ کھل گئیں ۔ اب یہ فکر ہے کہ میاں آزاد قرق ہوجائیں ۔ ابھی قرقی ہے انکو یہ حال معلوم نہیں کہ وہاں کیا ہنڈیا پک رہی ہے ۔ یہ تو یہاں کا حال ہوا ۔

اب نواب نامدار کے دربار دُربار کا کچا چٹھا سنئے ۔ ایکدن نواب صاحب زنان خانے میں بیٹھے بیگم صاحب سے میٹھی میٹھی باتیں کر رہے تھے ۔

بیگم ۔ اے ہاں آزاد کس کھوہ میں دھنس گیا میں تو جانوں کوئی دو مہینے سے کم نہ ہوئے ہوں گے جسدن سدا بہار کی لڑکی گل چمن کی ہنسلی بڑھائی گئی تھی اسی دن لدبھندر کرگیا تھا ۔ میں کھڑکی سے جھانک رہی تھی ۔

سدا بہار ۔ اے وہ چمپت ہوا موا چور ۔

بیگم ۔ بس انھیں باتوں پر تو میں جھلا اٹھتی ہوں پھر کہتی ہے چھوٹی بیگم مجھ سے تیکھی رہتی ہیں تیری باتوں سے میرا جی جلتا ہے ۔

نواب ۔ تو کٹی کیوں مرتی ہو بھلا ۔ چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے مگر آزاد میاں صف شکن علی شاہ کو ناہی چھوڑے گا ۔ ہم جانتے ہیں علمی بحث ہو رہی ہے ۔ اور پھر تم جانو علم تو وہ سمندر ہے جسکا اور نہ چھور ۔

بیگم ۔ (قہقہہ لگاکر) علمی بحث ہو رہی ہوگی ۔ کیوں صاحب میاں صف شکن علی شاہ علم بھی جانتے ہیں (پھر قہقہہ) میں کہتی ہوں آخر اللہ نے تم کو کچھ رتی ماشہ تولہ عقل بھی دی ہے ۔ موا بٹیر ذری سا جنور کا کن کے تین دانوں میں پیٹ بھر جائے اس کو آپ بوڑھے حافظ سے بھی زیادہ علم والا سمجھتے ہیں (پھر قہقہہ) میرے میکے کے پڑوس ایک سڑی سودائی دن رات واہی تباہی بکا کرتا ہے اس کی اور تمہاری

باتیں ایک سی ہیں۔

سدا بہار۔ نا بیوی (دانت کے تلے انگلی دبا کر) اوئی کوئی ایسا کہتا ہے اُس سودائی نگوڑے کو انبر سے صدقے کردوں۔ واہ وا۔

نواب۔ تم سمجھی نہیں سدا بہار۔ ابھی تو الھڑ پنے ہی کے دن ہیں نہ انکے۔ خدائی قسم مجھے انکی یہی باتیں تو بھاتی ہیں۔ یہ کمسنی کا سُبھاؤ ہے اور دو تین برس۔ پھر یہ شوخی اور چلبلاپن کہاں۔ یہ جب جھڑکتی یا لگڑتی ہیں تو جی خوش ہو جاتا ہے۔

سدا بہار۔ ہاں ہاں پھر جوانی تو باؤلی ہوتی ہی ہے۔

بیگم ۔ اچھا سدا بہار سے کہو کہ انکو اپنے بڑھاپے کی قسم جو جھوٹ بولے۔ بھلا کیوں سدا بہار۔ بٹیر پڑھے لکھے بھی ہوا کرتے ہیں مُنھ دیکھی نہ کہنا اللہ لگتی کہنا۔

سدا بہار۔ بڑھاپا! ہونھ۔ بڑھاپا کیسا۔ بیوی بس یہی باتیں تو اچھی نہیں لگتی ہمیں۔ میں بوڑھی کاہے سے ہو گئی۔ بُرا نہ ماننا تو کہوں آپ سے ابھی ٹانٹھی ہوں۔

اتنے میں غفور خدمت گار نے پکارا۔ فرخندہ۔ فرخندہ۔ لے بوا فرخندہ سرکار سے کہدو کہ پیچوان بھر رکھا ہے۔ یہاں بھیجدوں یا بغیچے میں رکھوں۔ حضور باہر نہ آئیں گے کیا۔

نواب۔ وہ چاندی والی چھوٹی گڑگڑی بیگم صاحب کے واسطے بھر لاؤ۔ کل لبواں سے تمباکو آیا ہے۔ وہی بھرنا اور پیچوان باہر لگا دو ہم ابھی آئے۔

یہ کہکر نواب نامدار بیگم صاحب کے ہنسی ہنسی میں آہستہ سے ایک چٹکی لے کر مسکراتے ہوئے باہر تشریف لے گئے اور حالی موالی مصاحب رفقا انکے جاتے ہی سروقد تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آداب بجا لاتا ہوں حضور کورنش ہے پیر و مرشد تسلیمات عرض کرتا ہوں۔ خدا وند مجرا عرض ہے حضور والا۔ چو طرفہ سے آداب و تسلیمات کے چھرّے چلنے لگے

خوجی۔ اُف اسوقت ملک الموت سے سامنا ہوا۔ ایسا دھچکا لگا کہ کلیجہ بیٹھا جاتا ہے اور بے اختیار رونا آتا ہے۔ ہائے تیرے گیدی چُوں کی

نواب۔ کیوں خیر باشد۔

خوجی۔ پیر و مرشد اسوقت بٹیر خانے کی طرف گیا تھا وہاں۔

نواب۔ اُف (دھم سے گر پڑے)

مصاحبین۔ یا علیؑ۔

نواب۔ بھئی دل بیقرار ہے طبیعت بے لطف ہو گئی۔ خوجی میاں تم کو تو ہماری تشفی کرنا چاہئے تھی نہ کہ اُلٹے خود ہی روتے ہو۔ جس میں ہمارے ہاتھ پاؤں اور بھی پھول جائیں۔ اب شاہ جی سے ہاتھ دھونا چاہئے۔ ہم جانتے ہیں کہ انکا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رفقا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خوجی۔ (پینک سے چونک کر) اسی بات پر کچھ مٹھائی نہیں کھلاتے منگواؤ تو کوبی کی دکان کی مٹھائی۔

نواب۔ کوئی ہے۔ اس مردک کی گردن تو ناپنا۔ ہم تو اپنی قسمتوں کو رو رہے ہیں یہ مٹھائی مانگتا ہے بے تکا نمک حرام۔

خوجی۔ دیکھئے دیکھئے پھر میری گردن کند چھری سے ریتی جاتی ہے میں مٹھائی کچھ کھانے کے واسطے تھوڑا ہی منگواتا ہوں میں تو اس لیے منگواتا ہوں کہ فاتحہ پڑھوں۔

نواب۔ شاباش جی خوش ہو گیا۔ خوجی مجھے معاف کرنا بے اختیار نمک حرام کا لفظ نکل گیا تم بڑے۔

مصاحب۔ حلال خور۔ حلال خور ہو۔

اسپر وہ فرمائشی قہقہہ پڑا کہ نواب صاحب لوٹنے لگے۔ اور بیگم صاحب نے گھر سے لونڈی کو بھیجا کہ دیکھنا تو یہ کیا ہنسی ہو رہی ہے۔

نواب۔ بھئی کیا آدمی ہو واللہ روتے کو ہنسانا اسی کا نام ہے

خوجی بیچارے کو حلال خود ہی بنادیا۔

خوجی۔ حضور اب میں یہاں نہ رہوں گا۔ کیا بیوقت کی شہنائی سب کے سب بجانے لگے کہ توبہ ہی بھلی۔ افسوس صف شکن علی کا کسی کو بھی خیال نہیں۔

اتنے میں نواب صاحب پلنگ پر دراز ہوئے اور رفقا میں سے کوئی چانڈو خانہ پہونچا کوئی افیم گھولنے لگا۔

رند ساغر نوش۔ فتنہ ہمدوش۔ ستم ایجاد۔ میاں آزاد سر میں کھٹیا کی پائنتی پر مزے سے بیٹھے سرور کے ساتھ بلبل شاخسار معجز طرازی حضرت لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی جعل الجنۃ مثواہ کی یہ غزل بہ لحن داؤدی لہرا لہرا کر پڑھ رہے تھے اور اس سرمست صہبائے عرفان کے کلام سحر نظام پر احسنت و مرحبا کہہ رہے تھے ؎

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گل بیز است
بانگ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز است

در آستین مرقع پیالہ پنہاں کن
کہ ہمچو چشم صراحی پیالہ خوں ریز است

عراق و فارس گرفتی بشعر خوش حافظ
بیا کہ نوبت بغداد و وقت تبریز است

مقطع پر میاں آزاد لوٹ گئے اور عین حالت وجدان میں غلغلہ جزاک اللہ بلند کرنے لگے۔ اور چارپائی سے دس دس ہنگل اچھل پڑے بار بار یہی شعر شیریں اور کلام رنگین زبان پر لائے کہ ؎

عراق و فارس گرفتی بہ شعر خوش حافظ
بیا کہ نوبتِ بغداد و وقت تبریز است

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بزرگ حلہ پوشان بہشت کیطرح جامۂ سبز در بر اور شملہ بمقدار علم بر سر سامنے آن کھڑے ہوے چہرے سے نور الٰہی برستا ہے۔ ریش مبارک یک مشت و دو انگشت میاں آزاد اور اُس بزرگ قدسی نہاد کی چار آنکھیں ہوئیں تو اس بزرگ موصوف نے یوں فرمایا ؎

آں سیہ چردہ کہ شیرینی عالم با اوست
چشم میگوں لب خنداں دل خرم با اوست

گرچہ شیریں دہناں بادشہانند ولے
او سلیمان زماں است کہ خاتم با اوست

میاں آزاد نعرۂ حق سرہ بلند کرنے ہی کو تھے کہ ایک سیمتن اور غنچہ دہن طفلک دہ سالہ آفت کے پرکالہ نے ایرانیوں کے لب و لہجہ میں ان اشعار سحر بار کو ادا کیا اور میاں آزاد کو لٹا دیا۔ ؎

اے نسیم سحر آرامگہ یار کجاست
منزل آن مہ عاشق کش عیار کجاست

اسپر میاں آزاد کی پیاری بی اللہ رکھی بھٹیاری بھی انا البرق کہتی ہوئی آئیں اور یوں گائیں۔ ؎

شب تاریک و رہ وادی ایمن در پیش
آتش طور کجا موعد دیدار کجاست

ہمارے عارف باللہ ولی حق آگاہ میاں آزاد درویش تیغ و خیت پناہ تڑپے کہ اُٹھے۔ ؎

دلم از صومعہ و صحبت شیخاں بگرفت
یار ترسا بچہ و خانۂ خمار کجاست

سب کے آخر میں میاں چانڈو باز بھی منمنائے۔ انھوں نے دیکھا کہ سب بلبل ہزار داستان کی طرح اسوقت چہک رہے ہیں ایک ہم ہی پھسڈی رہے جاتے ہیں کچھ بات نہیں لمو لل کے شہیدوں میں داخل ہوگئے اور بولے تو کیا بولے۔ ؎

گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد
بے دو سہ چھینٹہ گٹی روح رمیدن ہم

اب میاں آزاد چکرائے کہ خداوندا یہ اسرار کیا ہے۔ ان بزرگ نے آکر حضرت خواجہ حافظ طاب ثراہ کا کلام معجز نظام پڑھا مقام استعجاب نہیں۔ مگر بی اللہ رکھی اور حافظ شیراز کا شعر اس آب و تاب سے پڑھیں اور شین قاف درست۔ فقرے اور بندش چست۔ حیرت تھی کہ یا للعجب یہ کیا بو العجبی ہے اور طرہ یہ کہ ذری سا لونڈا وہ بھی جھوم جھوم کر ۶۔ اے نسیم سحر آرامگہ یار کجاست پڑھ رہا ہے اور میاں چانڈو باز جنکو ٹھک اور چانڈو اور بمبو اور گرمٹ اور چھینٹے کے سوا دنیا و مافیہا کی خبر ہی نہیں وہ بھی مصروف

خوش الحانی اور مشغول غزلخوانی ہو گئے۔ ایک نظر غلط انداز سے اُنھوں نے سب کو آنکھ بھر کر دیکھا مگر بلجۂ حیرت میں غوطہ کھا رہے ہیں کہ الٰہی میں یہ خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے اس بھٹیاری کو حقانی کلام سے کیا سروکار۔ اور یہ سبزپوش کون بزرگوار ہیں جنکے چہرے سے نور الٰہی اور صفات ملائکہ نورانی آشکارا ہیں واللہ قدسیوں نے لاہوت پر بھی یہ تماشا نہ دیکھا ہوگا جو ہم یہاں مشاہدہ کر رہے ہیں۔ خدا کرے کسی طرح یہ بھید ہم پر کھل جائے واللہ اسوقت تو پیٹ میں چوہے چھوٹے ہوئے ہیں کہیں یہ سب ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھائیں تو ہم بی اللہ رکھی کی خوشامد کریں کہ واسطے خدا کے کچھ حال ہمیں بھی تو بتاؤ انھوں نے غور کرکے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ بزرگوار رنگے سیار ہیں اور بی اللہ رکھی کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے ہیں ایک دفعہ ہی اپنے حق حق حق تین بار کہا اور پھٹ سے زمین پر گر پڑا آپ تو یا علی کہکر میاں آزاد جھپٹے اور اُن کو تڑ سے اُٹھایا۔ یا حضرت پیرجی اتنا کہنا تھا کہ وہ بزرگ آنکھیں کھول کر مسکرائے اور میاں آزاد کو جھک کر سلام کیا اور کہا (حضور میرا انعام ہوا) سچ کہئے گا ایسے بہروپئے کم دیکھے ہونگے۔ کیوں کیسا روپ بھرا۔ لونڈے نے کہا اور میں کیسی پارسی بولا) بی اللہ رکھی مسکرا کر بولیں (ہم نے بھی کیا جلد تنک ملادیا) میاں چانڈو باز مونچھوں پر تاؤ دیکر فرمانے لگے کہ کیوں بھئی اس شعرخوانی میں بھی اپنے چانڈو کو نہ چھوڑا۔ میاں آزاد اس درجہ خفیف ہوئے کہ گویا عرق خجالت کے سیکڑوں گھڑے ان پر پڑ گئے۔ اب ایسے خوش ہوئے کہ بوکھلا کر بی اللہ رکھی کی توتی بھڑک کر لائی اسکو انعام میں جٹ دیدی بی صاحب نے دیکھا تو دلائی گئی مگر شاباش شاباش کہ آزاد نے پھر چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ بہروپئے نے دُلائی لی جھک کر سلام کیا اور لمبا ہوا۔ تو بڑھیا نے دیکھا کہ میں ہی رہا جاتا ہوں بڑھ کر میاں آزاد کا دامن پکڑا" ہمیں کچھ بھی نہیں" حضور! میاں آزاد نے جیب سے ایک روپیہ نکال کر دیا کہ جس سے بی اللہ رکھی سمجھیں کہ اسوقت میاں آزاد حاتم کی قبر پر لات مار رہے ہیں فرط شوخی سے جھک کر آگے بڑھیں اور ہاتھ ایک عجیب ادائے دلربا سے بڑھا کر کہا (اور ہمیں) ؟۔

آزاد - تمھارے لیے جان حاضر ہے۔

چانڈو باز - سب زبانی داخلہ۔ خالی خولی باتیں۔ اور بیوی کو یہ خبر ہی نہیں کہ دلائی انعام میں دیدی گئی۔ میاں ہی کی جوتی میاں ہی کا سر۔ ہو کھا الٹی چلی ہیں مانگنے۔ بڑی کی خبر ہی نہیں بہروپئے کو کیا جھٹ سے دلائی اُڑھا دی یہ نہ ہوا کہ بی بھٹیاری کو بھی اودی اطلس کا پاجامہ بنوا دیں پڑلتے کی چوڑی گوٹ لگی ہو یہ نہ ہوا کہ چاندی کے چھڑے بنوا دیتے کہ سرا بھر میں چھاچھم کی آواز گونجتی یہ نہ ہوا کہ کسی دن ہمکو دو چار روپے دے ڈالتے کہ کبھی اتنے دن سانڈنی کی رکھوالی کی ہے۔ جاؤ میاں بس تم کو بھی دیکھ لیا گوں کے یار ہو۔ چمڑی جائے دمڑی نہ جائے۔

بھٹیاری - (ہنستی ہوئی) اے واہ ری ہانک۔ کہیں گرمی تو نہیں چڑھ گئی۔ ذرا چندیا کے پٹے کتر ڈال۔ زرا گو کھا ہی رہا۔ یہ چمڑی اور دمڑی کا کون موقع تھا۔

آزاد - اجی نہ کہو یہ جوتی خورے ہیں پٹنے کا انھیں ڈر نہیں جوتے کھانے کا انھیں خوف نہیں گالی کھانے کا انھیں لحاظ نہیں خاصے پاک بیباک۔ چھٹے ہوئے گرگے ہیں مردک کو کہتے ہوئے شرم نہیں آئی کہ سانڈنی کی رکھوالی کی۔ اچھی رکھوالی کی سدہ تو کہئے قسمتوں سے مل گئی ورنہ ہم تو ہاتھ ہی دھو چکے تھے۔ اور اوپر سے باتیں بناتا ہے شرمائے نہ شرمانے دے۔

بھٹیاری - چلو یہ باتیں تو ساری عمر نہ ختم ہوں گی اب کہو نکاح کی کب تیاریاں ہیں۔

آزاد۔ ابھی نکاح کی امید آپ کو ہی۔ واللہ کتنی خوش عقیدہ ہو سچ ہے دنیا بہ امید قائم۔

بھٹیاری۔ چہ خوش چرا نباشد۔ معقول۔ کیا آپ نکل بھی جائینگے اے میں تو چڑھونگی عدالت واہ کہہ کر مکر جانا کیا ہنسی ٹھٹھا ہے مجھے بھی کوئی ایسی ویسی سمجھے ہو۔ مجھ سے بُری کوئی نہیں۔

آزاد۔ اخاہ۔ یہ خم وچم۔ یہ دعویٰ۔ واہ جی واہ۔ عدالت! اچھا کیا نالش کیجیے گا۔

بھٹیاری۔ کیوں! کیا کچھ شک بھی ہو۔ کریں گے اور بیچ کھیت کریں گے۔ ہم کیا کسی کے دبیل ہیں۔ یہ چکنی چپڑی باتیں وہاں ایک نہ چلیں گی دیکھیے گا مزے۔ وکیل ایسا دیا نہیں ہے معلوم ہوگی قدر آفیت (عافیت)

چانڈو باز۔ (داڑھی پر ہاتھ پھیر کر) اور گواہ کو دیکھیے پیر و مرشد ڈلائی کیا جھپ سے اُٹھادی۔ پرائی ڈلائی کے آپ کون دینے والے تھے یہی ثبوت کافی ہی اور میں تو وہ تقریر کروں کہ آپکے ہوش اُڑ جائیں ایسے گواہ بھی نہ دیکھے ہوں گے۔

آزاد۔ اچھا تو میاں جھگڑا کاہے کا۔ یہ شوق سے نالش کریں نہ اور آپ گواہی دیں تو۔ چشم ما روشن۔

چانڈو باز۔ کیا! چشم ما روشن۔ یا چشمان ما روشن کیا ایک ہی آنکھ ہے۔

آزاد۔ اب ایسا نہ ہو کہ میں دونوں پھوڑ دوں۔

چانڈو باز۔ ذری میرے منھ نہ لگیے گا۔ ہاں میں نے عرض کر دیا میں پھر گواہی دوں گا۔

بھٹیاری۔ (جھڑک کر) چل ہٹ بڑا آیا وہاں سے گواہ دینے والا ایسا ہی ہوتا تو نہ جانے کیا کرتا۔ گواہ دینگے۔ ابھی میں چمٹ جاؤں تو بچتی کھاجائے گواہ دینگے۔ اور پٹ چکا ہے تیسر۔ بڑا بیحیا ہے

خیر میاں چانڈو باز تو اپنے گھر سدھارے اور بی اللہ رکھی چھپر کھٹ پر سو رہیں۔ میاں آزاد کے پیٹ میں چوہے چھوٹے دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ کیوں جی جو کہیں سچ مچ اس نے نالش داغدی تو بڑی ہنسی ہوگی وکیل کا نام لیا ہو ایسا نہ ہو کوئی وکیل چنگ پر چڑھ جائے ان کی دو گھڑی کی دل لگی ہوا اپنا کام تمام ہو جائے اسی سوچ میں میاں آزاد سو رہے۔

شوخ مہوش فتنۂ مہوش ستم ایجاد۔ جان آزاد بی اللہ رکھی بھٹیاری سے

جاگی مرغ سحر کے غل سے
اُٹھی نکہت سی فرش گل سے

میدان نشہ بازی کے یکہ تاز۔ بی بھٹیاری کے ہمراز میاں چانڈو باز گرمٹ لیے۔ لدے پھندے سامنے موجود۔

چانڈو باز۔ لگی بھی کیا بری ہوتی ہی۔ ہونہ کہاں تو آٹھ آٹھ بجے تک پلنگڑی پر دراز رہتی تھیں۔ راحت افزا پھولوں کی پنکھیا جھلا کرتی تھیں۔ مجر کو چاندنی تان دیجاتی تھی کہ دھوپ سے گورا گورا مکھڑا کمھلا نہ جائے مگر پھر بھی چھن چھن کے شعاع آتی ہی تھی گل شبو بچنی کرتی جاتی تھی۔ بی اللہ رکھی ہیں کہ مسہری ہی پر انگڑائیاں لے رہی ہیں کبھی ادھر کروٹ بدلی۔ کبھی ادھر لڑھک گئیں ہر پٹیا ملگجا لباس اور اسپر عطر فتنہ کی بو باس کوسوں کبیبنی بھینی مہک سے دماغ معنبر ہوا جاتا ہی۔ زلف چلیپا کیا مشک اذفر تھی یا خلخۂ عنبر تھی۔ یا آج دیکھئے تو سویرے سویرے منہ اندھیرے آنکھیں کٹورا سی کھلی ہوئی ہیں۔ بکھرے بال چہرے کی بلائیں لے رہے ہیں۔

آزاد۔ (چادر کو منہ سے اُٹھا کر) جھوٹے پر خدا کی مار شیطان کی پھٹکار پلنگڑی! یہ نہیں کہتے ہو کہ ٹوٹی پھوٹی کھاٹ۔ اور وہ راحت افزا اور گل شبو کہاں ہیں۔ اپنے ہاتھ سے تو پیری پنکھیا جھلتی ہیں کہنے لگے مشک اذفر ہے۔ اور خلخۂ عنبر ہی۔ ہات تیرے خوشامد خورے کی

دم میں رستا باندھوں۔ دس بجے تک تو بیوی دھوپ میں پڑی رہتی تھیں سہری اور پھولوں کی پنکھیا کی ایک ہی کہی۔

چانڈو باز۔ جی ہاں آپ جلے پھپھولے پھوڑیے۔ فریاد کیجئے فریاد۔

آزاد۔ کیسی شکایت کس کا شکوہ۔ ع۔ تقدیر سے گلا ہے بتوں سے گلہ نہیں

میں نہ فریادی بتوں کا ہوں خدا کے سامنے
آشنا کا کیا گلا نا آشنا کے سامنے

اللہ رکھی۔ اے تو اس بخشا بخشی سے مطلب کیا جب سرکار کا پیادہ آئیگا تب میاں کی آنکھیں کھل جائیں گی یہ کہہ کر کر جانا واہ کیا ٹھٹھی ہو

چانڈو باز۔ چلو پھر اب دن چڑھتا جاتا ہو۔ وہاں ہو آئیں نہ ا بھی گنگھی چوٹی میں تمھیں گھنٹوں لگیں گے۔ اور وہ سرکاری درباری آدمی ٹھہرے یک انار و صد بیمار۔ ایک انگور و صد زنبور۔ مقدمہ والے صبح شام ٹوٹے رہتے ہیں۔ جب دیکھو بگھیاں ٹم ٹم فٹن۔ جوڑی گاڑی گھوڑے ہاتھی پالکی۔ آگے پابوس فنس میانے دروازے پر موجود۔

آزاد۔ بس چُپ نہ ہو رہے بکتے جاؤ نہ۔ آج سرور خوب گٹھے ہیں معلوم ہوتا ہے۔

چانڈو باز۔ اجی ہماں بی اللہ رکھی کی بدولت روز ہی سرور گٹھے رہتے ہیں میاں آپ اپنی کہئے۔ کہ ہر دم بچے گھڑے ہی کی چڑھی رہتی ہے۔ اب دیکھئے نشہ ہرن ہوا جاتا ہے۔ انشاء اللہ۔

بی اللہ رکھی نے کوٹھری میں جا کر سنگار کیا اور نکھر کر چلیں تو میاں آزاد کی آنکھ پڑ ہی گئی۔ ہائے حسن بھی کیا بری چیز ہو۔ چار آنکھیں ہوئیں تو دونوں مسکرا دئے۔ میاں چانڈو باز کن انکھیوں سے دیکھ ہی رہے تھے بولے کہ ؎

انکو دیکھا تو یہ ہنس دیتے ہیں
آنکھ چھپتی ہی نہیں یاری کی

ہنسنے مجھئی ہنسیے۔ ع۔ زہ لب پہ آئی ہنسی دیکھو مسکراتے ہو

آزاد۔ رعد کا شور ہو موذی کی صدا سے پیدا ۔ جھومتا ابر بہاری ہو ہوا سے پیدا
قد کشی آج وہ کرتے ہیں کرتے جاتے ۔ کل کی ہو بات ہو تھے جو ذرے پیدا
لے ترے حسن ترے عشق میں مرنے کیلئے ۔ لڑکے ہوتے ہیں فقیروں کی دعا سے پیدا

اتنے میں بی اللہ رکھی ایک ہری ہری نازک سی چھتری لگائے چانڈو باز کو ساتھ لیے ہوئے چھم چھم کرتی چلیں۔ بازار میں جدھر جاتی تھیں یاران سرپل آوازے کستے تھے۔ جسے دیکھو مصروف نظارہ بازی ہے مگر وہ غرور حسن سے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتیں چانڈو باز ہٹو بچو دوت دبک کرتے جاتے ہیں۔ ذری ہٹ جانا سامنے سے ایں ا واہ میاں۔ کیا چھکڑا آتا ہے۔ ہٹ جاؤ بائیں کو یا وحشت آخر کیا ہے کیا۔ کچھ معلوم تو ہو۔ اخاہ۔ یہ کہئے یہ انکی آمد آمد تھی۔ کیوں نہیں۔ لو صاحب ہٹ گئے بس۔ مگر واہ رے زمانے اب بھلے مانسوں نے بس یہ شیوہ اختیار کیا ہے کہ ایک کو ساتھ لیا کسی کے وارث بنے۔ بازار بھر میں غل مچاتے چلے جاتے ہیں۔ اے لاحول ولا قوۃ۔

عاشق تن۔ اسوقت تو بازار بھر مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا ہے۔

بی اللہ رکھی اور میاں چانڈو باز آگے آگے پو قدمے جا رہے ہیں۔ اور میاں عاشق تن لڑھکتے پڑھکتے پیچھے آ رہے ہیں طبع موزوں کا دریا ہے کہ اُڈا آتا ہے۔ شعر پر شعر پڑھ رہے ہیں تکمے سے مطلب نہیں کبھی دیوان ناسخ کا مطلع پڑھ دیا کبھی عمر خیام کی رباعی بک دی کبھی امقیا یاد کرنے لگے کبھی خالق باری کے شعر وہ د زبان ہیں ع۔ چیل ہو در گوش کن گفتار من۔ اور سمجھاتے بھی جاتے ہیں کہ اس ذرا سے مصرع میں۔ ہے در گوش کن گفتار من ۔ اسقدر برائے بیت ہے۔

چانڈو باز نے دیکھا کہ یہ اچھے بگڑے دل ملے۔ ساتھ جو ہوا تو پیچھا ہی نہیں چھوڑتے۔ اور منھ جو کھولا تو دیوان کے دیوان

بڑھو ڈالے۔ ان سے کسی طرح پیچھا چھڑانا چاہیئے۔ اتنے میں عاشق تن نے کہا۔ ؎

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسدؔ
کچھ نہیں اور تو حسرت ہی سہی

چانڈو باز بولے کہ حضرت آپ کون ہیں اور یہ ساتھ ساتھ آواز سے کستے ہوئے آپ کیوں آتے ہیں۔ یا آگے بڑھیے یا پیچھے چلئے۔ کسی بھلے مانس کو ستانا کیا معنی۔ اسیر بی اللہ رکھی نے چانڈو باز کے کان میں چپکے سے یوں کہنا شروع کیا۔ سنو تو بھلا۔ یہ بھی تو شکل صورت سے بھلے مانس معلوم ہوتے ہیں ہمیں ان سے کچھ کہنا ہے پس یا تو انھیں اپنے یہاں لے چلو۔ یا ان کے یہاں چلو وہاں! تو یہ کہئے اب آپ اپنے رکھ گئیں اچھا ہمارا ہرج ہی کیا ہے۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں بیوی جو کہو منظور۔ مگر چلتی تو وکیل کے پاس تھیں کہاں عرضی دینے کی فکر میں تھیں کہاں اس سڑی سودائی سے بال ویر ملانے کی فکر ہوئی سچ ہے معشوقوں کے مزاج کا ٹھکانا ہی کیا تو آخر یہ تو بتاؤ کہ اس سے کہوں کیا ”کہنا اور سننا کیا معنی یہی کہو کہ ان کو آپ سے کچھ کہنا ہے۔

چانڈو باز۔ یا حضرت ذری ادھر گلی میں آئیے گا۔ آپ سے کچھ کہنا ہے۔

عاشق تن۔ واہ نیکی اور پوچھ پوچھ۔ چلیے اس گلی میں۔ مگر انکو یہاں بیچ سڑک پر اکیلا کہاں چھوڑ جائیے گا۔ انھیں بھی ساتھ لیتے چلئے بی تم بھی چلی چلو نہ۔

عاشق تن اور چانڈو باز اور وہ تینوں گلی میں گئے تو دیکھا کہ اُس گلی کے اندر ایک اور گلی ہے اس میں دھنسے اس کے اندر ایک اور گلی تھی اس میں گھسے ”کہئے حضور کیا حکم ہے“ ”جی انکو آپسے کچھ مشورہ کرنا ہے۔ ہاں زہے نصیب زہے نصیب اس وقت تو ہم نے منھ مانگی مراد پائی دل کی آرزو بر آئی۔ یہ اور ہمیں بلائیں آج ہمیں اپنی قسمت پر ناز ہے۔ کہئے بی صاحب جو حکم ہو تو اس گلیارے میں کیا کہوں۔ کوئی آئے کوئی جائے۔ کھڑے کھڑے کہیں باتیں ہوا کرتی ہیں ہمیں اپنے گھر لے چلو تو خیر۔ کیا مضائقہ (مضائقہ) چلیے چلیے واہ نیکی اور پوچھ پوچھ۔ چانڈو باز سوچے کہ دوسرا گل کھلا چاہتا ہے پوچھا کہ میاں تمھارا مکان یہاں سے کتنی دور ہے جو کالے کوسوں ہو تو میں ایک بگھی کرایہ کر لوں۔ انسے اتنی دور چلا نہ جائیگا عورت ذات اور نازک اور دھوپ اب زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ انکو تو مارے نزاکت کے چھتری ہی کا سنبھالنا دوبھر ہو گیا ہے اتنی دور جائیگا کون۔ آندھی روگ۔ نا صاحب دور نہیں۔ بس کوئی دس قدم۔ آئیے ایک لمحہ میں ہو پہنچتے ہیں۔ چلے تو عاشق تن نے چھتری لے لی اور خدمت گار کی طرح چھتری لگا کر ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ چانڈو باز نے دیکھا کہ اچھا گاؤدی ملا۔ اپنا بوجھ بھی اپنر لادا اور خود بھی چھتری کے سایہ میں ہیں بنے ہوئے چلنے لگے گلیوں میں سے نکلے سڑک پر آئے۔ سڑک سے بائیں کو مڑے نالے میں گئے چڑھائی اترے پھر بازار ملا۔ چلیے کھٹ سے عاشق تن کے مکان پر تھے۔ صحن میں چوکیوں پر صاف ستھرا فرش بچھا ہے۔ جا کے بیٹھے۔ خدمت گار پنکھا جھلنے لگا۔

عاشق تن	وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں	
چانڈو باز	عشق بلبل میں اثر ہے تو قفس میں آتش بوئے گل پھاند کے دیوار گلستاں آئی	

عاشق تن۔ جب ہم چھٹے ہوئے گرگے بدمعاش تھے تب تو ایک بھی معشوق پری پیکر نظر نہ آیا۔ اب جو توبہ کی تو یہ صورتیں دیکھنے میں آتی ہیں ؎

یوں تو اے ابر جا بھی نہیں ملتا تیرا
توبہ کرتے ہی جھلکتی ہے سیاہی تیری

مگر اپنا عشق بھی دنیا سے نرالا ہی جسکو دل دیا اُسکو دیا بچّۂ مغز جنوں ہوں۔ جان جائے۔ مال جائے۔ عزّت جائے۔ بدنام ہوں۔ ستم سہوں۔ یہ سب گوارا ہے میں تو ہزار جان سے عاشق زار ہوں کہو تو پانی میں کود پڑوں کہو جلتا بلتا انگارا اُٹھا لوں ہمارا عشق خام نہیں جان کا دینا یہاں بائیں ہاتھ کا کرتب سمجھتے ہیں۔ ؎

تو عاشقان مسلّم ندیدۂ جائے　　کہ تیغ برسر خود بندہ دار درپیش اند

چانڈو باز۔ اب انکا مطلب سنئے۔ یہ بیچاری ابھی کوئی اٹھارہ انیس برس کی ہونگی سے ابھی کل تو پیدا ہوئی ہیں مگر بلا کی شوخ طبیعت اور چنچل اور بات ایسی تاڑتی ہیں کہ جس کا حق ہی حسن و جمال پر تو آپ ہی دیکھتے ہیں۔ اب سنئیے کہ انکے میاں یہاں سے لڑ جھگڑ کر اور شاید کچھ بگڑا بھی کیا تھا خیر غرض کہ بھاگ کر حیدر آباد دکن گئے وہاں کسی کو گھر میں ڈال لیا۔ اب یہ اکیلی ہیں۔ انکا جی گھبراتا ہے اور پھر آپ جانئے یہ شباب یہ حسن۔ شوق ہوا کہ بیاہ کریں۔ ادھر اُدھر میں اور یہ دونوں ملکر خوش رو گبھرو جوان ڈھونڈھتے تھے کہ حسن اتفاق سے سرا میں ایک وجیہ کرارا جوان آیا۔ ابھی مسیں بھیگتی ہیں۔

بھٹیاری۔ ہاں کلّے ٹھلّے کے جوان ہیں اور میاں آنکھیں تو ایسی رسیلی دیکھیں نہ سنیں میں کیا کہوں تم سے بس دیکھنے سے تعلق ہے

چانڈو باز۔ اے تو مجھی کو اب کہنے دو۔ تم تو بات کاٹے دیتی ہو ہاں تو حضرت میں کیا کہتا تھا۔ ہاں اُنکی اِنکی چار آنکھیں ہوئیں تو اُدھر وہ ادھر یہ دونوں گھائل ہو گئے۔ پہلے تو آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں ہوا کیں پھر کھُل کے صاف کہدیا کہ ہم تم کو بیاہیں گے مگر پھر کر گئے۔ رہا ایک بات یہ تو ہے کہ جب انکو دیکھ لیتے ہیں تو ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہیں اور اُف اُف کرنے لگتے ہیں۔ اب ان کا قصد ہے کہ آپپر نالش جڑ دیں۔

عاشق تن۔ اجی انکو بھاڑ میں جھونکو۔ جو بیاہ ہی کرنا ہی تو ہم سے نکاح پڑھوا لو انکو دھتا بتاؤ۔ واہ چاہئیے تھا انھیں عاشق ہو! الٹے تم ہی عاشق ہوئی جاتی ہو۔ ہمارے ساتھ عقد کر لو دونوں کے دونوں مزے سے رہیں۔ پھر بولو بیوی کیا مرضی ہے۔

اللہ رکھی۔ سچ کہوں۔ تم مردوں کا ہمیں اعتبار دمڑی بھر نہیں رہا اب جی نہیں چاہتا کہ کسی سے دل ملائیں اور محنت کا (مفت کا) دکھ لیں۔

عاشق تن۔ تم نے ابھی ہمیں پہچانا ہی نہیں۔ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ بھلا ہمیں بھی آزما دیکھئے۔ ہم شریف زادے ہیں بیوی۔

اللہ رکھی۔ سچ کہوں۔ لوگ ایرے غیرے تو ہیں ساری خدائی یہی سمجھتی ہی کہ اللہ رکھی بڑی خوش نصیب ہیں۔ مگر میاں میں کس سے کہوں دل کا حال کوئی کیا جانے اُنھوں نے جھک ٹک دیکھی اور مرنے لگے۔ اب مجھ سے سنو کہ مجھ سے بڑھ کر کوئی بد قسمت ہی نہیں اس سن میں میاں ندارد۔ اُٹھتی جوانی اور یہ حیرانی کہاں ماری ماری پھروں۔ دن رات اسی سوچ میں رہتی ہوں کہ کوئی بھلے مانس ملیں تو نکاح پڑھوا لوں سو میاں اپنے سوچ سمجھ لو اور مجھے قول دو۔

عاشق تن۔ قول مرداں جاں دارد۔

چانڈو باز۔ یہ دیکھئے عرضی دعویٰ ہے۔

عاشق تن۔ ارے یہ کس پاگل نے لکھی ہی جی۔ یہ کہیں ایسا ہو سکتا ہے بھلا۔ سرکار یہ نہیں کر سکتی ہی کہ آزاد کو خواہ مخواہ تمھیں دلوا ہی دے۔ ہاں اتنا ہو سکتا ہی کہ ہرجہ دلوائے سو اسکا بھی ثبوت مشکل ہی ذرا۔

بھٹیاری۔ اجی ہوگا بھی سودا دسودہ، پھاڑ ڈالو صاحب میاں آزاد سے مطلب ہی کیا رہا۔

عاشق تن - ہم بتائیں۔ تاش قوا غدو۔ ہرچہ ملا تو ہرج ہی کیا ہی! بی بیاہ کسی کے اختیار میں نہیں ادھر تم مقدمہ جیتیں ادھر ہم برات سے کر آئے اور تم کو سکھپال پر بٹھا کر لے چلے۔

اللہ رکھی - تو چلو تم بھی وکیل کے یہاں تک چلے چلو نہ۔

عاشق تن - ہاں۔ہاں۔چلو۔چلو۔

عاشق تن اور میاں چانڈو باز اور بی اللہ رکھی چلیں وکیل کے یہاں۔

میاں آزاد ایک دن خواب خرگوش سے بیدار ہوے تو سوچے کہ واللہ واہ رے ہم بیفکری بھی تو کہاں تک۔ آزادی تاکجا واللہ آئے تھے تماشا دیکھنے لیکن خود ہی تماشا بن گئے پہلے تو وہ فکر ہوئی تھی کہ سانڈنی نشتر غمزے کرتی ہوئی سدھاریں۔ واہ میرے الٹی کے سننے والے۔ اور اسکی کاٹھی اپنے ہی اوپر کسنی پڑتی پھر یہ گاج پڑی کہ بیاہ کا قول ہارے۔ گر آنکھ کھلی تو بنشاخہ ہاتھ میں برات نکل گئی خود بدولت نئی سڑک پر پتا پوچھتے چلے جاتے ہیں اور جو کہیں نواب کے آدمی چھوٹیں تو پھر خدائی بھر میں اپنا ٹھکانا نہ رہے چور کے چور بنیں اور الو کے الو بنائے جائیں اور طرہ یہ کہ کسی کے منہ دکھانے کے لائق نہ رہیں۔ کوئی کہاں تک بدنامیوں کا ٹوکرا اٹھائے۔ اس آزادی نے تو کلنگ کا ٹیکا لگایا۔ آبرو پر پانی پھر گیا۔ عزت خاک میں ملگئی۔ ابھی دیکھئے کیا کیا ہوتا ہے۔ کس کس کی ناز برداریاں کرنی پڑتی ہیں کس کس کے آگے سر ٹیک کی نوبت آتی ہی۔ کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتے ہیں کیسی کیسی نرکیں بلتے ہیں۔ سلجھی ہوئی بات ہم نے الجھائی دل کا دل دکھایا اور داغ کا داغ پایا۔ جب دیکھو تلوے کھجلایا کرتے ہیں۔ دنیا بھر کا راستہ ناپتے پھرتے ہیں۔ اس جنوں کے صدقے جس نے ہمیں دشت دکھلایا فلک بے مہر نے کبھی نگہ رحم نہ فرمائی۔ کوئی دم چین لینے ہی نہ دیا گر پہلے کانٹا چبھتا ہو پھر کہیں پھول ہاتھ آتا ہی خدا کو اسی میں کچھ مجھ غریب کی بہتری منظور ہوگی ؎

درد ہر کسے بہ گلعذاری نرسید	تا بر دلش از زمانہ خارے نرسید
در شانہ گر کہ تا بصد شاخ نہ شد	دستش بسر زلف نگارے نرسید

دفعتاً سرا میں غل مچا۔ لینا۔ لینا۔ لینا۔ یہ گڑبڑا کر کوٹھری سے باہر نکلتے ہیں تو ع - کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے ؛ سانڈنی رسی بے رسی تو ڑتا ڑ کر بھینکدی ہو اور سرا بھر میں اچکتی پھرتی ہو مگر حقیقت حال حضرت نہ سمجھے کہ ایک کٹھڈل نے دل لگی دل لگی میں رسی کو چاقو سے کاٹ ڈالا اور بھس میں چنگی ڈال جمالو بھاگ کھڑی سانڈنی پہلے تو ایک مسافر کے ٹٹو کی طرف جھکی اور اسکو مارے لتکوں کے بوکھلا دیا۔ مسافر بیچارہ ایک لگا لیے ہوئے کھٹا کھٹ ہاتھ صاف کر رہا ہو مگر کہیں کھیا نچوں سے اتنے بڑے جانور رانتے ہیں پھر جو وہاں سے طرارہ بھرا تو دو تین بیلوں کا کچومر ہی نکال ڈالا گاڑیبان ہائیں ہائیں ہائیں کر رہا ہے لیکن اس آئیں بائیں شائیں سے بلا دنٹ سمجھا کیے ہیں۔ یہاں سے بلا کی طرح جھپٹی تو ایک کمہار چپیٹ میں آگیا۔ دھم سے منہ کے بھل زمین پر۔ مٹی کے بھولے بھالے کھلونے سب چکنا چور پھر دم دبائے ہوئے ذقند بھری تو دو چار اکوں کو گرا دیا۔ کسی کی کمانی توڑ دی۔ کسی کے انجر پنجر الگ۔ سرا میں چو طرفہ غل مچا ہوا ہے۔ ٹٹو والا اپنا سر پیٹتا ہے۔ گاڑیبان کھڑا رو رہا ہے۔ کمہار ادھ مرا ہو گیا۔ چانڈو باز تو بڑا دکھاتے پھرتے ہیں۔ ہنسوڑ آدمی فقرے پر فقرے چست کر رہے ہیں۔ تھان سے تھان واہ ری اونٹنی کیا کہنا ہے دے بڑھ کر لات چبا جا ایک آدھ کو چانڈو باز سانڈنی کو پکڑنے دوڑتے ہیں تو یار لوگ دور ہی سے

تالیاں بجا دیتے ہیں وہ اور بھی بوکھلا گئی۔ لگی بلیوں اچھلنے جب جو طرفہ سے یاران سرپل نے خوب ہی دق کیا تو لپک کر اُس نے ایک ذات شریف کو دانتوں سے دبا کر اُٹھا لیا اور پھینکا دھم سے ہائے بچو مر نکل گیا۔ گرے تو بیدم زخموں سے خون کے سرّاٹے بہنے لگے اور حوالی موالی سب فقر دہو گئے۔ ساری بھیڑ کائی کی طرح پھٹ گئی تب تو چانڈو باز لپکے کہ نکیل لوں۔ وہ نام پوچھتی ہے بارے جب خوب ہی شل ہو گئی تو اُنکے ہاتھ آئی۔ اُنھوں نے چمکار کر باندھ دیا کبھار کبھی جھاڑ پونچھ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ بیل بھی کنمنا کر بھوسے کیطرف جھکے مگر ٹٹو کی بری نوبت ہے۔

ادھر کا تو یہ حال تھا اب اُدھر کا ذکر سنئے کہ میاں چانڈو باز اور عاشق تن اور بی اللہ رکھی ملکر وکیل کے یہاں گئیں۔ لیکن بڑی دیر تک تینوں کے تینوں باہر ہی ٹہلا کیے۔ یہ رئیس آئے وہ امیر آئے۔ کبھی کوئی مہاجن آیا کبھی کسی بیوپاری نے اپنا مقدمہ سنایا آخر عرصہ کے بعد انھوں نے بار پایا۔ وکیل جو دیکھتے ہیں تو آج وہ رنگ و روغن ہی نہیں۔ وہ جوبن ہی نہیں۔ وہ مسکرانا وہ لجانا سب بھولی ہوئی ہیں۔ کیوں خیر باشد۔ آخر ماجرا کیا ہے بی۔ آج چہرہ اتنا اُداس کیوں ہے۔ خدا ہی خیر کرے۔ ہماری جان کی قسم سچ سچ بتا دو مقدمہ تو گیا جہنم میں یہ دو ہی دن میں ہو کیا گیا کہاں تو وہ چمک دمک تھی۔ کہاں یہ حال۔ کہاں وہ شگفتگی تھی کہاں یہ ملال۔ کہاں وہ جوش جوانی۔ کہاں یہ سراسیگی و پریشانی۔ کہاں وہ رُخ انور غیرت ماہ۔ کہاں لب پر فغان و آہ۔ کہاں وہ چھب وہ پھبن کہاں یہ رنج و محن۔ زلف پرشکن کا وہ پیچ و تاب نہیں چہرہ پر وہ آب و تاب نہیں الٰہی یہ کیسی ہوا بندھی کہ حسن کا چراغ ہی گل ہو گیا شوخی و مستی کا قتل ہو گیا۔ اتنے میں بی اللہ رکھی کا دل بھر آیا اور ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ خوب پھوٹ پھوٹ کر روئیں۔ آنسو کا تار بندھ گیا روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں وکیل سناٹے میں کہ الٰہی یہ کیا اسرار ہے اُس دن تو کھلکھلا کر ہنسی تھی آج آٹھ آٹھ آنسو روتی ہے یا تو ادائے دلربا میں لاکھ انداز تھے۔ کبھی سیاہی زلف چلیپا کی جھلک دکھائی کبھی دُر دنداں کی چمک دکھائی مسکرا مسکرا کر باتیں کرنا ناز و انداز سے قدم دھرنا۔ آج بیقراری اور اشکباری اور گریہ و زاری ہے۔ انکی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے لاکھ ضبط کیا مگر دامن تر ہی ہو گیا۔ ؎

واں جھوٹ موٹ تم نے بناوٹ سے غش کیا
ہم سچ مچ ایسے روئے کہ یاں جھٹ سے غش کیا

میاں چانڈو باز تو کل کارروائی سے واقف تھے بی اللہ رکھی کے درد دل کو وہ ہی خوب سمجھے اور وکیل کی پریشانی دیکھ کر بولے کہ حضرت یہ بڑی پاکباز عفت کوش حیا پرور عورت ہیں۔

بھٹیاری۔ جی وہ تو میری وزادو وضع رکھے دیتی ہے۔ اُف

چانڈو باز۔ انکی ظاہری وضع پر نہ جایئے گا یہ واقعی بڑی وضعدار ہیں۔ جیسی گلعذار باغ و بہار طرحدار ہیں ویسی ہی خدا کی قسم وضعدار ہیں گو سر تا بقدم نور ہے۔ پرستان کی حور ہے۔ چنچل رنگین مزاج بہار طبع رنگیں ادا نازک آواز۔ فصیح نکتہ پرداز چست طرار عالم فریب ستمگار مگر بیر اخدا اور ہیں کہ بری راہ چلتے آجتک نہیں دیکھا۔ انکی پاکدامنی کی قسم کھانی چاہیئے خیر اب یہ فرمایئے کہ مقدمہ کی کیا صورت کیجائے۔

عاشق تن۔ جی ہاں پیر و مرشد۔ کوئی فکر معقول بتلایئے مگر زبردستی تو یہ شادی نہیں کرا سکتیں۔ ہاں۔ ہرجہ کا ثبوت ہو تو بیشک ملجائے پھر ہرج ہی کیا ہے۔ بھاگتے بھوت کی لنگوٹی ہی سہی کچھ نہ لے ہی مرنگی

چانڈو باز۔ مریں انکے دشمن آپ بھی کتنے بھوہڑ ہیں۔ واہ۔

وکیل۔ اچھا تو یہ بتایئے کہ وہ رئیس کہاں سے آئیں گے جو عدالت میں بید ھڑک کہہ گذریں کہ ہم سے اور ان سے بیاہ کی

کچہری تھی پہلے کوئی تجویز تو کر لیجئے ورنہ عدالت میں جانا کچھ خالہ جی کا گھر تو ہے نہیں۔

عاشق تن۔ اب بتایئے دو دل بندہ سمجھے صاحب۔ بندۂ درگاہ کہیں گے کہ ہم سے تینوں سے بات چیت ہو بیچ میں میاں آزاد کو دیکھے ہم منہ تاک کر رہ گئے۔ واللہ وہ وہ جواب دوں کہ آپ بھی خوش ہو جائیں۔

وکیل۔ واہ تو پھر کیا پوچھنا ہے۔ ہم آپکو دو ایک کنایہ بتادیں گے پھر آپ فراٹے بھرنے لگئے گا گردو ایک گواہ تو ٹھہرا لیجئے۔ بس ایک روپیہ سے گننے۔ بٹی ہم انھیں پڑھا دیں گے۔

چانڈو باز۔ ایک گواہ تو میں ہی بیٹھا ہوا ہوں۔ فراٹے باز۔

خیر اب بات کو طول کون دے بی اللہ رکھی سیدھی کچہری پہونچیں جس پیڑ کے نیچے جا کر بیٹھیں وہاں وہ جٹاؤ کہ الامان۔ جدھر گذر ہوا کٹاؤ کر دیا۔ کچہری بھر کے آدمی ٹوٹے پڑتے ہیں۔ میاں چانڈو باز عظیم اللہ خانی حقہ گڑگڑا رہے ہیں۔ اور وارث علی خاں بنے بیٹھے ہیں"جاؤ بھئی اپنا کام کرو۔ آخر یہاں کیا میلا ہے بھئی واہ اچھی دل لگی نکالی۔ کیا بھیڑیا دھسان خلقت ہے۔

ایک۔ جی بھیڑیا دھسان خلقت ہے۔ آپ لائے ہی ایسی ہیں۔

دوسرا۔ اچھا ہم کھڑے ہیں۔ آپکا کچھ اجارہ ہے۔ واہ اچھے آئے۔

تیسرا۔ آپ کوئی خدائی فوجدار ہیں۔

چوتھا۔ بھائی ذری ہنس بول لیں۔ آخر مرنا تو ہے ہی۔

خیر جب ایک بجا تو بی اللہ رکھی ناز و ادا سے اٹھلاتی دوپٹا پھڑکاتی چھڑوں کو چھم چھم کرتی ہوئی چلیں عرضی دینے چانڈو باز ایک ہاتھ میں حقہ لیے ہیں دوسرے میں چھتری خدمتگار بنے چلے جاتے ہیں اب سنئے کہ کچہری کے دروازوں پر یاران سر پل ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگائے کھڑے ہیں چانڈو باز تو برآمدے میں ٹھٹک رہے۔ اب بی اللہ رکھی کو کوئی بتاتا نہیں کہ عرضی کہاں لیجاتی ہے۔ ایک کہتا ہے دہنے ہاتھ جاؤ دوسرا کہتا ہے نہیں نہیں بائیں بائیں۔ تیسرا بولا میاں کیوں بہکاتے ہو بیچاری کو دیکھو وہ سامنے کمرا ہے۔

الغرض بی صاحب جھکتی ہوئی منصرمی میں پہونچیں عرضی دی منصرم صاحب پرلنے رسیا خوب گھورا کئے۔ خیر انہوں نے پرچہ لیا اور یہ چل کھڑی ہوئی۔

دوسرے دن تڑکے تڑکے میاں آزاد چھپر کھٹ پر لیٹے ہوئے لہرا لہرا کر عین حالت وجد میں پڑھ رہے تھے کہ ؎

شگفتہ شد گل حمرا و گشت بلبل مست	صلائے سرخوشی اے عاشقان بادہ پرست
بیار بادہ کہ در بارگاہ استغنا	چہ پاسبان و چہ سلطان چہ ہوشیار و چہ مست

اتنے میں عدالت کے مذکوری نے سمن لا کر دیا اور بی اللہ رکھی سکرانے لگیں۔

مذکوری۔ سمن آیا ہے۔

آزاد ؎
شب صحبت غنیمت دان و داد خوش دلی بستان
کہ مہتاب دل افروز ست و طرف لالہ زار ے خوش

مذکوری۔ حضور سمن آیا ہے گانے کو تو دن بھر پڑا ہے لیجئے دستخط تو کر دیجئے۔

آزاد۔
بغفلت عمر شد حافظ بیا با ما بہ میخانہ
کہ شنگولاں سرمستت بیاموزند کارے خوش

مذکوری۔ اجی صاحب شعر ہی پڑھا کیجئے گا یا میری کٹی بنے گا۔

آزاد۔ کیا ہم سے کہتے ہو۔

مذکوری۔ جی اور نہیں تو کس سے کہتے ہیں۔ یہ لیجئے آپکے نام سمن آیا ہے۔

آزاد۔ (سمن لے کر) یہ سمن کیسا بھئی۔ ذرا پڑھیں تو۔

ازانجا کہ بی اللہ رکھی نے تم پر نالش کی ہے لہٰذا حکم ہوتا ہے کہ حاضر عدالت ہو۔ ارے واہ واہ واہ۔ یہ سچ مچ نالش ہی جڑ دی۔

آزاد۔ کیوں میاں مذکوری اگر ہم۔ جائیں تو کیا ہو گا۔

مذکوری۔ جی کچھ بھی نہیں وارنٹ آنے سے رہا۔ ایک طرفہ ڈگری ہو جائے گی۔

آزاد۔ اور جو روپوش ہو جائیں۔

مذکوری۔ تو کیا ہو۔ وارنٹ جاری ہو۔ بس دیوانی کے مذکوریوں کی حراست میں آئیں۔ مزے سے دو چیرا سی ساتھ

مذکوری نے دستخط کرائے اور بی اللہ رکھی کو گھیرا۔ آج تو ہاتھ گرما دو ایک چہرہ شاہی لاؤ۔ لے تو بھی سوت نہ کپاس کوری سے لٹھم لٹھا بیٹھیں تو انام و نام دیں محنت محنت میں کون سے بھلا۔ اجی تم جیتی داخل ہو بی بی۔ ہمارا ایک دھیلا۔ مارو اچھا کل آؤ تو لیجاؤ۔ اچھا۔

میاں آزاد کے پیٹ میں چوہے پھدکے کہ بڑی بدڈھب ہوئی شوہر بنے تو مزے ہیں جب چاہیں گے بیوی کو ٹھکا۔ گر جیت ہو جائیگی لیکن جو کہیں ہرجانہ ہو تو کس کے گھر سے دیں گے یہ بڑی ٹیڑھی کھیر! ہو ہو ہو۔ خوب یاد آیا۔ نواب کی ساڑنی کے کوڑے کریں گے۔ پو بارہ ہیں۔ ع۔ ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر۔ لیکن بی اللہ رکھی ہشاش بشاش چو طرفہ چہکنے لگیں اور آس پاس کی بھٹیاریوں سے چلا چلا کر کہنے لگیں۔ اب تو چاندی ہے جیتے تو گھی کے چراغ جلائیں گے یہ نہ کہا کہ منہ میٹھا کریں گے گلگلے کھلائیں گے۔ دوسری نے کہا اللہ کرے جیتو تو نہ کھلاؤ گی تو نکاح والے دن ڈھولک کون بجائیگا

میاں آزاد و حشن اللہ نے جب سے سمن پایا تب سے انکے ہوش بیترا ہوئے۔ آزادی کا نشہ ہرن ہو گیا سوچے اب کریں کیا۔ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ بھاگ کھڑے ہوں تو مذکوریوں کی حراست میں آئیں نواب صاحب کے مصاحب حسد کے مارے خوب ہی خاکا اڑائیں ڈٹے رہیں تو یہاں والے قہقہے لگائیں کچھ کرتے دھرتے

بن ہی نہیں پڑتی۔ یار نہ مددگار۔ ع۔ زمانہ برسر جنگ ست یا علیؓ مددے۔ ع۔ یا علیؓ مشکل کشائی کیجئے۔ یکایک دفعہ انھیں خیال آیا کہ بوسوچ کاہے کا ہے۔ چپکے سے چلتا دھندا کرو کوئی کہاں ڈھونڈھتا پھریگا۔ کھور نہ ٹھکانا۔ یہ سوچتے ہی انکا چہرا بشاش ہو گیا۔ ادھر بھٹیاری کی آنکھ چوکی ادھر چھپاک سے کاٹھی کس لیقچہ سنبھال ڈنڈا لے یہ جا وہ جا۔ ناکے تک تو انکو کسی نے نہ ٹوکا۔ مگر جب ناکے سے کوئی گولی بھر کے ٹپے پہ باہر نکل گئے تو میاں چانڈو باز سے چار آنکھیں ہوئیں۔ لٹے! غضب ہوگیا اب دھر لیے گئے۔

چانڈو باز۔ اے بڑے بھائی کدھر کی تیاریاں ہیں یہ بھاگ جانا ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے بندہ پرور کہ کاٹھی کسی اور چل کھڑے ہوئے مگر تمہیں انھوں نے بھاگنے کیا سمجھ کر دیا بھئی۔ یا آنکھوں میں خاک جھونک کر چلے آئے لے بس اتر پڑو۔ آؤ ذری حقہ تو پی لو دم تو لگاؤ۔

آزاد۔ اس دم میں ہم نہ آئیں گے یہ فقرے کسی گنوار کو دیجئے آپ اپنا حقہ رہنے دیں بس اب ہم خوب پی چکے۔ ناکوں دم کر دیا بدمعاشوں نے۔ چلے تھے مقدمہ دائر کرانے۔ اب جو ہماری بھاگتے بھی پاؤ تو آزاد نہیں۔ ہات تیرے کی۔ کس مزے سے کہتے ہیں کہ حقہ پیئے جاؤ۔ ایسے ہی تو بڑے ہمدرد ہیں۔ آپ اپنی ہمدردی تہ کر رکھیئے۔

چانڈو باز۔ نیکی کا زمانہ ہی نہیں۔ ہم نے تو کہا اتنے دن ملاقات رہی ہے۔ آئے بھئی تواضع تکریم خاطر مدارا کریں اب خدا جانے کب ملنا ہو۔

آزاد۔ خدا نہ کرے کہ تم ایسے منحوس بے ایمانوں کی صورت پھر کبھی خواب میں بھی نظر آئے

اتنے میں چانڈو بازنے غل مچانا شروع کیا کہ دوڑو چور ہے لینا چور چور۔ میاں آزاد نے ادھر چانڈو باز پر سٹر اپ سے کوڑا پھٹکارا اور اُدھر سانڈنی کو جو ایک ایڑ لگاتے ہیں تو چھن چھن چھن چھن یہ پہونچ وہ پہونچ شہر سے باہر ہوے تو میاں آزاد کی روح فرحناک ہو گئی۔ صبح کا سہانا وقت۔ صبا نافۂ نسیم عنبر بیز طرف چمن غالیہ بار۔ ہر سمت باغ و بہار۔ سانڈنی اٹھکھیلیاں کرتی جاتی ہیں۔ سوچے کہ انشاء اللہ آج بعد مدت روح نے غذا پائی اور میدان کی صورت نظر آئی۔ چلو بڑے ضغطے سے جان بچی سستے چھوٹے میاں آزاد سرائے کی سرگذشت سوچتے چلے جاتے تھے کہ راہ میں دو مسافر باہم یوں باتیں کرنے لگے۔

ایک۔ ارے میاں آجکل لکھنؤ میں ایک نیا گل کھلا ہے کسی ذات شریف نے لاکھوں روپیہ کے جعلی اسٹامپ بنائے اور لندھن تک میں جاکر کوڑے کیے۔ سُنا کابل میں دو جعلیے گرفتار ہوے مشکیں کس لی گئیں اور ریل پر بند کر کے یہاں پہونچ گئے مگر میاں اللہ جانتا ہے کیا جعل کیا۔ جو جو کبھی فرق معلوم ہو تو مونچھیں منڈوا ڈالو۔ سُنا کئی برس سے یہ کئے کوئی ڈیڑھ سو دو سو برس سے بیچتے تھے اور کچھ چوری چھپے نہیں۔ کھلم کھلا۔ اور سنئے ایک میاں حسین بخش ہیں مصور اور فوٹوگراف کی تصویر کھینچتے ہیں وہ بھی اس چپیٹ میں آگئے۔ کنھیا لال نامے ایک جعلیا ہے وہ بھی دھر اگیا اور اُسکے چیلے چاپڑ بھی پھنسے ہیں۔

دوسرا۔ واہ دنیا میں بھی کیسے کیسے کانٹے پڑے ہیں ایسوں کے ہاتھ کٹوا ڈالے۔

ایک۔ واہ وا۔ کیا قدر دانی کی ہو کہنے لگے ہاتھ قلم کروا ڈالے یہ نہ کہا کہ پھانسی دیدے۔ واللہ ہے کہ اگر انگی تو وہ کام کیا کہ ہاتھ چوم لے۔ جاگیر بدہد کارے کردہ است برادر کارے کردہ است واللہ کارے کردہ است۔ اس سوجھ بوجھ کے صدقے۔

میاں آزاد کو پہلے مسافر کے مبالغہ اور تعریف پر بے اختیار ہنسی آئی اور سوچے کہ ایسے ہی ذات شریف تو بات کا بتنگڑ بناتے ہیں کیا جھپٹ جعلیوں کو کابل تک پہونچا دیا اور ہندوستان کے اسٹامپ لندن میں رکھائے واہ ری عقل اچھی ہٹی۔ انھوں سے ان سے پوچھا کہ کیوں جی کیا کروڑوں کے اسٹامپ بیچ لیے بھئی کمال کیا ہے واللہ۔ وہ دونوں سمجھے کہ یہ کوئی پولیس افسر ہیں اور بھیس بدل کر سانڈنی پر سوار ہو چلے ہیں ٹوہ لینے۔ ایسا نہ ہو کہیں ہم کو بھی گرفتار کر لیں۔ کوئی کہدے کہ (اینہم بچہ شتر است) تو پھر بیٹھے بٹھائے ٹھہرے آؤ صاف کر جاؤ۔ انگریزی ہے دل لگی نہیں ہو کہ بیچ میدان میں کھڑے ہو کر سرکار دربار کی باتیں کرنے لگے۔ اس سے بالکل انکار ہی کرنا اچھا۔

آزاد۔ کیوں صاحب کتنے کے جعلی اسٹامپ بیچے۔

مسافر۔ جی!۔

آزاد۔ آپ ابھی کہتے نہ تھے کہ جعلی اسٹامپ بیچنے والے دھر لیے گئے ہیں۔

مسافر۔ کون؟ ہم نہیں تو۔

آزاد۔ اجی آپ باتیں نہیں کر رہے تھے کہ اسٹامپ کس نے بنائے اور ڈیڑھ سو دو سو برس سے بیچتے چلے آئے مگر اب پکڑے گئے۔ کیری بتوں کی آڑیں کب تک چھپے گی۔

مسافر۔ (کانپتے ہوئے) حضور ہم کو تو کچھ معلوم نہیں

آزاد۔ (ڈانٹ کر) ابھی بتاؤ سور نہیں ہم تم کو بڑا گھر دکھائیگا اور بیڑی پہنائے گا۔ تم بدمعاش بھی بتا۔

میاں آزاد تو ان کی چتونوں سے تاڑ گئے کہ دونوں کے دونوں چونگا ہیں۔ مارے ڈر کے اسٹامپ کا لفظ زبان پر نہیں لاتے

آؤ اِن کو ذرا دق کریں۔ جیسے ہی اُنھوں نے ایک ڈانٹ بتائی اور اُن کے اوسان خطا ہوئے۔ ایک تو بگٹٹ پچھم کی طرف بھاگا دوسرا اکھڑ بگڑ کر تا ہوا پورب کے رُخ۔ اُنھوں نے سانڈنی کو ذرا تیز کیا تو وہ بھی دوڑنے لگے۔ اس وحشت کے قربان۔

میاں آزاد چلے جاتے تھے تو راہ میں دو چار مسافر ایک پیڑ کے سایہ میں بیٹھے حقہ پی رہے تھے یوں گفتگو کرنے لگے۔

جوان۔ کوئی تدبیر ایسی بتائیے کہ لُو نہ لگے۔ آج کل کے دن بڑے ہی بُرے ہیں۔ اب دو پہر یا کسی باغ میں منائیے چلکر۔

پیر مرد۔ لو نہ لگنے کی سہل ترکیب یہ ہے کہ پیاز کی گٹھی پاس رکھے جتنی لو چلے گی وہ سب اُس گٹھی میں جذب ہوتی چلی جائے گی۔ یا دو چار کچے آم تو ڑ لو اور ایک کنکری نمک کی یا ذرا سی شکر ڈال کر اور ایک آبخورہ پانی ملا کر پی جاؤ۔ مگر آموں کو پہلے بھون لینا جب خوب پلپلے ہوں تو گودا نکال کر چھلکا پھینک دو اس سے سہل نسخہ ہی نہیں۔

جوان۔ اور جو کہیں اس وقت برف مل جائے تو پانی میں ڈال کر غٹ غٹ پی جاؤں۔ کلیجہ تک ٹھنڈا ہو جائے۔

پیر مرد۔ کہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا۔ نرے صاحبزادے ہی رہے پانی میں تو برف ڈالنی ہی نہ چاہئے۔ برف کے پانی میں آبخورہ رکھ دیا جب خوب ٹھنڈا ہو جائے تو آبخورہ کا پانی پیجئے ورنہ مضر ہے۔

جوان۔ واہ لاکھوں آدمی پیتے ہیں۔

پیر مرد۔ اجی لاکھوں آدمی جھک مارتے ہیں۔ لاکھوں حماقتیں بھی تو کرتے ہیں بس دیکھ لیا کہ لاکھوں آدمی ایسا کرتے ہیں۔ پھر اس سے مطلب۔ صدہا آدمیوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ گڑھیاؤں اور تالابوں کا پانی سفر میں پیتے ہیں۔ آپ تکیئے گا۔ ہزاروں آدمی دھوپ میں کوسوں چلکر کھڑے کھڑے تین چار لوٹے پانی کے پی جاتے ہیں مگر یہ کچھ ابھی بات تھوڑا ہی ہے۔

میاں آزاد کا ایک دلکش باغ کی روح افزا بہار دیکھ کر جی للچایا کہ ذرا اٹک جائیں۔ سانڈنی پر سے دھم سے کود ے ایک درخت کے قریب اُسکو باندھا اور زین پوش اُتار کر ایک صاف ستھرے مقام پر پیڑ کے سایہ میں بچھا کر لڑھک رہے تو کیا سنتے ہیں کہ ایک گاؤں میں دو آدمی بیٹھے ہوئے باہم مزے مزے سے یوں گفتگو کر رہے ہیں۔

ہندو۔ ارے میاں کچھ اور بھی سُنا۔

مسلمان۔ اب سو نے دو بھئی۔ آخر منزل طے کرنی کچھ دل لگی ہے بک بک بک لگائی ہے یہ سنو وہ سنو۔ یہاں آج مارے گرمی کے ہنجر بگڑے ہوئے ہیں۔

ہندو۔ اجی وہ بات سناؤں کہ نیند خواب میں کبھی نظر نہ آئے یاد ہو گا کہ اس بوڑھے کھوسٹ نے ایک جوان طناز شوخ سراپا ناز کو بیاہا تھا نہ اور خود جاکر دوسرے شہر میں بسے تھے وہ اجل غفیل ہوئے اور اُنکی بیوی نے سرا میں کچھ دُکانیں سی بنوا کر رہنا اور مسافروں کو بسانا شروع کیا۔ میاں آزاد نامے ایک بھلے مانس اُنپر ایسے لٹو ہوئے کہ، ذرا اپنے ساتھ سانڈنی پر بٹھا کر تماشہ دکھانے لے جاتے تھے۔ ایک دن ایسے ریجھے کہ اسکے ساتھ بیاہ کرنیکا اقرار کر لیا۔ اور پھر مُکر گئے اب اُسنے نالش جڑ دی تو وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے یہ دیکھئے یہ لیٹے ہوئے ہیں۔

مسلمان۔ ہونہہ کہنے لگے بھلے مانس بھلے مانس ہوتے تو چھوڑ بھی دیتے۔ اجی مزے سے نکاح پڑھواتے۔ اور اُسکی جمع جتھا لیکر دفعتا بول دیتے۔

میاں آزاد کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ یہاں بھی ہمارے پہچاننے والے موجود ہیں۔ جب ٹھنڈا وقت ہوا تو میاں

آزاد پھر چلے مگر افسردہ اور پژمردہ چلتے چلتے خدا خدا کرکے نواب کے شہر کے قریب پہونچے۔ جب کوئی دو ڈھائی کوس شہر رہ گیا تو ایک کنوئیں پر پانی پیا کہ اتنے میں ایک بھڈری آنکلا۔ ساعت بچاریں ساعت شگن بچاریں۔

بھڈری۔ (پوتھی سنبھال کر) تمھاری نواب صاحب کے یہاں بڑی تلاش تھی جی۔ تم غائب کہاں ہوگئے تھے اونٹ سے کے اب میں جاکے کہونگا کہ میں نے پرشن دیکھا تو نکلا کہ آجاد (آزاد) پانچ کوس کے اندر ہی اندر ہیں جب تم ٹپ دینی پہونچ جاؤ گے تو پھر ہماری چڑھتی کلان ہوگی۔ تم کہی آدھوں آدھ بتادینگے مگر بھانڈا نہ پھوڑنا چڑھ باجی ہے۔ جو تم راضی ہوجاؤ تو چاندی ہے۔

آزاد۔ واللہ کیا سوجھی ہے۔ منظور ہے بس اب تم جاؤ ہم بھی دم کے دم میں پہونچتے ہیں۔

بھڈری نے پستک بغل میں داب کر راہ لی اور نواب کے یہاں دھر دھمکے۔

خوجی۔ اجی جاؤ بھی تمھاری ایک بات بھی ٹھیک نہ نکلی اب کہو کچھ حکم لگاتے ہو۔

نواب۔ برسوں ہمارا نمک تم نے کھایا ہے برسوں۔ ایک دو دن نہیں برسوں برسوں۔ اب اسوقت کچھ پرشن دوشن بھی دیکھوگے یا باتیں ہی بناؤگے چکنی چپڑی۔ ہم کو تو مسلمان بھائی تمھاری وجہ سے کافر کہنے لگے اور تم ذرا محنت کرکے کوئی اچھا سا حکم نہیں لگاتے۔

بھڈری۔ وہ حکم لگاؤں کہ پٹ ہی نہ پڑے۔

خوجی۔ اجی جاؤ بھی دیکھ لیا۔ بس زبانی داخلہ ڈینگے ہوجاتے کہیں کسی روز میں قردلی نہ بھونک دوں۔ سوائے بے پرکی اڑانے کے اور بات سیکھی ہی نہیں۔ مرد آدمی سال بھر میں ایک دفعہ تو سچ بولا کرو۔

مصاحب۔ واہ سچ بولتے تو قصائی کے کتے کیطرح پھول نہ جاتے

نواب۔ یہ کیا واہیات گفتگو ہے۔

بھڈری۔ ناہیں ہم سے انسے ہنسی ہوتی ہے۔ یہ ہمیں کہتے ہیں ہم انھیں۔ اب آپ کوئی پھول من میں لیں۔

نواب۔ یہ ڈھکوسلے ہمیں اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ ہمیں صاف صاف بتادو کہ میاں آزاد کب تک آویں گے۔

بھڈری۔ (کچھ بڑبڑا کر) پانی کے پاس ہیں۔

مصاحب۔ واہ آسوں برکھا گھم گھم برسے۔ واہ اُستاد پانی کے پاس کی ایک ہی کہی لڑکی نہ لڑکا۔ دونوں طرح بنی ہی جیت

بھڈری۔ یہاں سے کوئی تین کوس کے اندر ہی اندر ہیں جو نہ ہوں تو ناک کٹا ڈالوں۔

خوجی۔ آزاد ناک ناک بدتے ہیں دہ منزلوں کی راہ میں سانڈنی کے کوڑے کئے ہوں گے۔ گل چھرّے اڑا رہے ہوں گے آپ تین کوس لیے پھرتے ہیں۔

رفقا۔ حضور یہ بھڈری بڑا فیلیا ہے آپ تو پوچھتے ہیں کہ میاں آزاد کب آئیں گے وہ کہتا ہے کہ تین کوس کے اندر ہی اندر ہیں۔ واہ رے جھپ جھاپنے۔ سوائے جھوٹ سوائے جھوٹ۔

بھڈری۔ تو بتاتے بتاتے بتائیں گے۔ یا ایکدم سے بتادیں سرکار بچاریں بھی تو۔ بے ناک ناک کون بدتا ہے۔ کاٹ ہی لونگا۔ تالے کے پاس گوندنی والی بغیہ میں میاں آجاد بیٹھے ہونگے جاؤ دیکھ لو پوتھی جلادوں ناک کٹا ڈالوں جو جھوٹ نکلے۔

نواب۔ جاؤ ایک سوار کو بلاؤ اور حکم دو کہ ابھی شرنگ گھوڑی پر سرپٹ جائے اور دیکھے میاں آزاد ہیں یا نہیں۔ ہوں تو اس بھڈری کا آج گھر بھر دوں۔ بس آج سے اسکا معتقد ہی ہوجاؤں

چابک سوار نے بانکا سنڈاسا باندھا اور سرنگ گھوڑی پر کاٹھی کس یہ جا وہ جا پچاس ہی قدم گئے ہونگے کہ گھوڑی بھڑکی اور عین تیزی میں دوسرے ناکے کی راہ لی۔ چابک سوار بہت اکڑے بیٹھے تھے مگر روک نہ سکے۔ دھم سے منہ کے بل سڑک پر گھنڈری چیت۔

خوجی۔ حضور گھوڑی نے نادر علی خاں کو دے پٹکا اور کیا جانے کس طرف نکل گئی۔

نواب۔ چلو خیر سمجھا جائیگا۔ تم شترغمزہ ٹانگن کسواؤ اور دوڑ جاؤ۔

خوجی۔ پیر و مرشد میں تو بوڑھا ہو گیا اور رہی سہی کسر افیم نے لے لی۔ ٹانگن ہے بلا کا شریر کہیں پھینک پھانک دے ہاتھ پاؤں ٹوٹیں تو دین و دنیا دونوں سے جاؤں۔ آزاد خود بھی گئے اور ہم سب کو بھی بلا میں مبتلا کر گئے حضور مجھے معاف کیجئے شترغمزہ تڑا ہے تاہے دادا یہ ٹانگن برسوں سے بندھا ہے اور کاٹ کھاتا ہے پشنک اُچھالتا ہے دولتیاں جھاڑتا ہے خدائی بھر کے عیب تو اسمیں کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں میرا تو بھرکس ہی نکل جائے گا۔

میاں آزاد اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے تھوڑی دور پر ایک پختہ مکان بنا ہے مختصر موزوں خوشنما اور دلکشا۔ ارد گرد گلبن بھی ہیں۔ دوب بھی چوطرفہ جمی ہوئی ہے۔ سڑک پر سرخی بھی کٹی ہے۔ شوق چرایا کہ دیکھیں تو یہ کیا ہے جب ہم گئے تب تو یہاں اسکا نام و نشان بھی نہ تھا حال ہی میں بنا ہے خراماں خراماں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاتے لکڑی ہلاتے پہونچے تو دیکھا کہ کسی کا مقبرہ سا ہے اخاہ یہ کسی بڑے شخص کا مقبرہ ہے کتبہ پڑھا تو یہ لکھا تھا؎

شورے شد و از خواب عدم چشم کشودیم　　دیدیم کہ باقیست شب فتنہ غنودیم

مزار پر انوار مقبول بارگاہ لم یزلی ولی حق آگاہ عارف باللہ حضرت صف شکن علی شاہ۔ برد اللہ مضجعہٗ انار اللہ برہانہٗ؎

پختہ مکاں کی طرح سے ہو گر گور بھی　　انسان جان دیتا ہے آرام کے لیے
رہتا ہے آدمی کا نشاں اس جا نہیں　　بنتی ہے قبر بعد فنا نام کے لیے
اے خاک تیرہ خاطر مہماں نگاہدار　　کیں نور چشم ماست کہ در بر گرفتۂ

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

میاں آزاد نے جو یہ پڑھا کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ یہ کہئے یار لوگوں نے قبر بھی بنوا دی۔ واللہ کیا کیا فقرے باز ہیں۔

ادھر چابک سوار نے شدید آہو شکار سے پٹخنی کھائی۔ اُدھر ایک لونڈے نے تالی بجائی۔ گر دلاورے شہسوار کچومر نکل گیا لیکن وہی خم و دم گرد پیچھے جھاڑی پہلے نواب کے اصطبل میں گئے اور ایک خوش خرام و تیز گام کمیت پر کاٹھی کس سوار ہوتے ہی کڑکڑا دیا۔ ہوا سے باتیں کرتے جا رہے ہیں چلتے چلتے گومتی والی بغیہ میں دھم سے جا کودے دیکھا تو سانڈنی پر کاگزی جھول جھلک رہی ہے اور آدمی گردن جھکائے چوطرفہ تک رہی ہے۔ پکارا میاں آزاد۔ میاں آزاد ہوت۔ آخاہ۔ آپ ہیں۔ آیئے ذرا بغلگیر تو ہو جئے۔ مصافحہ معانقہ دونوں میں سے ایک تو ہو بسم اللہ کہئے مزاج معلیٰ اجی ہمارے مزاج کی نہ پوچھو۔ گھڑی میں ماشہ گھڑی میں تولہ۔ ابھی شیطان انگلی دکھائے تو دتی ہو رہیں وہاں وحشت ٹیٹوا لے تو دھاکے سے جیل پورہ پہنچیں۔ آپ کہئے نواب کے یہاں تو خیریت ہے۔ جی ہاں خیر صلاح سکے ڈھیر ہیں۔ مگر آپکی راہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں پتھرا گئیں ارے میاں کچھ اور بھی سنا اس مٹیر کی قبر بنائی گئی ہے۔ سمجھے صاحب یہ سامنے وہی تو ہے واللہ لا ثانی تو ہاتھ۔ یار تمہاری ہی کرتُتی کہو ہم نے سنا خوب گلچھرے اڑائے چلو پھر اب نواب نے یاد کیا ہے۔ ایں! انھیں ہمارے آنے کی کہاں سے خبر ہو گئی بھئی۔ اجی اب یہ ساری داستان راہ میں سنا دیں گے۔ اچھا تو پہلے آپ ہمارا خط نواب کے پاس لیجائیں۔ لایئے ایک نہیں دس۔

میاں آزاد نے تڑسے خط کھینچ ڈالا۔

آج قلم کی باچھیں کھلی جاتی ہیں۔ دماغ فلک الافلاک پر ہی سینہ تختۂ گل بن گیا۔ اور کیوں نہ ہو۔ میاں صف شکن علی شاہ حق آگاہ قدس سرہٗ الشریف کی سواری آتی ہے:۔

ساقی بنور بادہ برافروز جام ما | مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما
چنداں بود کرشمۂ و ناز سہی قداں | کاید بجلوہ سرو صنوبر خرام ما
اے باد اگر بگلشن احباب بگذری | زنہار عرضہ دہ بر جاناں پیام ما

حضور کے نمک کی قسم ادھر تحت الثریٰ اُدھر کرسی آسمان تک ہو آیا تب کہیں جاکے کھوج پایا۔ شاہ جی صاحب ہر روز ڈاڑھیں مار مار کر روتے ہیں اور الحق مرٔ الحق مرٔ کیا کرتے ہیں۔ کل میں نے عند التذکرہ لاآلی ذکر خیر حضور بہ سلک بیان پروئے تو آہ سرد کھینچکر فرمایا کہ بخداوندے شخصے کہ رحیم ست و کریم ست و علیم است و حلیم ست و حکیم ست و عظیم ست و سلیم ست و قدیم ست و شریف ست و لطیف ست و خبیر ست و بصیر ست و کبیر ست و رؤف ست و غفور ست و شکور ست و ودود ست مرا خلق نمود ست و بود خالق آفاق قسم میخورم کنوں مرا ہیچ از ہجو تو سر و کار نبود ست دلی از خرفت گشت شروع ایں ہمہ اقوال مزخرف شنولے مردک نادان اندر دہنت آب زمزم دمبدم یاد اللہ کی دم بدم۔ خم اور خم۔ خم اور خم اہو بھئی اہو سے۔

ہو عطر سہاگ کا لگا کر مسرور | آرام محل رکھا ہم دل کا اور حور
وہ طور دکھا ہم کو کہ گل ہو معلوم | موسیٰ کا عالم اور وہ لمعۂ طور

سنیئے حضور پر نور۔ بندۂ جاں نثار نے وہ کام کیا ہی کہ خلعت دیجئے انعام و اکرام دیجئے۔ زر و جواہر دیجئے۔ یاقوت و جواہرات ہیرے اوپر سے صدقہ دیجئے۔ اللہ اللہ یہ کار نمایاں کیا کہ صف شکن علیشاہ غازی کو سمجھا بجھا منا منو کر لے آیا۔ بڑی بڑی دلیلیں چھانٹتے تھے پہلے فرمایا کہ۔ ع۔ در ہیں بزم رہ نیست بیگانہ را۔ میں نے چھوٹتے ہی جواب دیا کہ شاہ جی۔ ع۔ کہ پروانگی داد پروانہ را۔ کھلکھلا کر ہنس پڑے اور اشارہ سے بلالیا۔ روبرو گیا تو خدمت گار سے کہا۔ ع۔ رمضانی تگساں می آیند: میں نے بڑھ کر عرض کیا کہ پیر و مرشد۔ ع۔ تا کساں پیش کساں می آیند: پیٹھ ٹھونکی اور فرمایا کہ شاباش برخوردار نوابصاحب کی صحبت میں آپ بہت برق ہو گئے ہیں۔ الغرض کامل ڈو ہفتے تک مجھ سے بحث رہی۔ آخر کار فرمایا کہ تمھاری سر مغزن سے یاد الٰہی میں فتور پڑتا ہے۔ میں نے قدم لیے اور دست بستہ عرض کیا کہ آپ چلئے ورنہ میں زہر کھاکر مر جاؤنگا مجھے سمجھایا اور کہا دیکھو یہ زندگی ہمیں عطیۂ یزداں ہی اسکو مفت میں رائیگاں کرنا خلاف عقل و سعادت ہی۔ مگر خیر تمھاری خاطر سے چلتا ہوں۔ لیکن وہ خوجی جو نوابصاحب کے مزاج میں دخیل ہیں اُنسے میری طبیعت نفور ہی۔ میں ایک شرط سے چلتا ہوں کہ جسوقت میں وہاں پہونچوں تو نواب صاحب کے سامنے خوجی پر پیش سنگیں پڑیں عرض کیا بس نہیں: بس فرمایا کہ قول دو عرض کیا کہ قول جان کے ساتھ ہی۔ تب کہیں آئے۔ اب آپ لوگوں کو ٹھاٹھ سے بھیجئے تو دھوم دھام سے میاں آزاد کو ساتھ لائیں اور اہل شہر اُنکی زیارت سے استفادہ اُٹھائیں۔ میں بالکل چُر مُر ہو گیا ہوں لیکن حضور کا سایہ دامن مجھے کافی ہی۔ لے اب جلوس جلد بھیجئے تو شاہ جی صاحب تشریف لائیں۔

یہ خط لے کر ایک سوار روانہ ہوا۔

نواب کا کاٹل فن شہسوار شبدیز باد رفتار کو ران کے تلے دبائے باگ اُٹھائے آسن جمائے مہمیز کا اشارہ کرتا اکڑتا اینڑتا کھٹا کھٹ جا رہا تھا اور پچھا پچھٹ کوڑے جا رہا تھا۔ اصیل گھوڑا اور اسپر کوڑا تاب کمال بلا کی طرح جھپٹا بگولا بن گیا۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ ہوا پر لہریں مارتا ہی۔ ہوا بھی مقابلے کو آئے تو پچھاڑیں کھاکے اُسکی گرد تک کو نہ پائے۔ کیوں نہیں۔ نواب کے اصطبل کے گھوڑے خاصے کے گھوڑے پریزاد

گھوڑے دیو نژاد گھوڑے ہیں کہ بائیں۔

الغرض میاں آزاد کا خط لیکر چابک سوار نواب کی خدمت میں حاضر ہوا۔

چابک سوار۔ مجرا عرض ہے۔

نواب۔ سلام۔ کہو بیٹا کہ بیٹی۔ جلدی سے بولو یہاں پیٹ میں چوہے چھوٹے ہوئے ہیں۔

چابک سوار۔ حضور غلام نے راہ میں دم لیا ہو تو جریمانہ دوں بس گھوڑے کی پیٹھ پر آیا اور کڑکڑا دیا۔

خوجی۔ کتنے بے تکے ہو میاں۔ سوال دیگر جواب دیگر کہیں کھیت کی سنیں کھلیان کی۔ بھلا اپنی کارگذاری جتانے کا یہ کون موقع ہی جی آزاد کا پتہ بتاؤ مارے مشیخت کے دُبلے ہی ہوے جاتے ہیں۔

چابک سوار۔ حضور گوندنی والی بغیہ کے پاس زین پوش بچھائے بیٹھے ہیں اور حضور کو یہ عرضی دی ہی۔

نواب۔ لاؤ لاؤ لاؤ لاؤ بھئی لاؤ کہیں لاؤ تو۔ کوئی ہے۔ منشی صاحب کو آواز دینا۔

منشی۔ تسلیمات عرض کرتا ہوں پیر و مرشد۔

منشی صاحب نے خط پڑھنا شروع کیا تو حاضرین جلسہ کا رنگ فق ہو گیا۔ ع۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

خیز دلا صبح سعادت دمید	فصل گل و باد بہاری وزید
ازمدد شیر خداے ودود	صورت عنقاے طرب بر کشود
ذہن و ذکا رقص چو طاؤس کرد	مست شدہ آہوے صحرا نورد
طائر اقبال بہ نشو و نما	سایہ فگن گشت بسان ہما
بوقت صبح ہوئی یوں نشہ شراب طلوع	کہ جیسے شرق سے کرتا ہی آفتاب طلوع
یکایک ابر سے شیشے کے ہو گیا ساقی	دفور نور سے خورشید جام ناب طلوع

خوجی۔ خداوند جان بخشی ہو تو غلام کچھ عرض کرے۔

نواب۔ جان بخشی کیسی۔ آج تو وہ خوشی ہی کہ بادشاہ قیدیوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور یہاں تو اسوقت شادی مرگ کی نوبت ہو گئی ہی قدسیوں نے لاہوت پردہ نہ دیکھا ہوگا جو ہم نے ان آنکھوں سے اس دار الغرور میں دیکھ ڈالا۔ ایسی خوشی کے وقت جان بخشی بھی کیسی بے تکی بات ہے کہنا۔

خوجی۔ پیر و مرشد۔ اور تو میاں آزاد نے جو کچھ لکھا اسمیں رتی بھر فرق نہیں مگر غلام کا جو حال لکھا ہی وہ سب ڈھکوسلا ہی جو ذری بھی اصلیت ہو تو ہاتھ کٹا ڈالوں۔

بھڈری۔ بس بیٹھے رہئے تم پہلے بھی تو ناک کٹاتے تھے۔ اب کاٹ لوں جڑ سے ناک۔ ہجور، غلام کا پرشن کیسا ٹھیک نکلا جو ہے سو مانو نشانے پر تیر۔ کھٹ دینی بیٹھ گیا۔

نواب۔ ہاتھی گھوڑا جاگیر انعام اکرام خلعت جو کہو دینگے مگر ذرا میاں آزاد کو آنے تو دو اور کیوں بھئی رمال نے تو بیان کیا تھا کہ صف شکن علی شاہ کے دشمن خدانخواستہ داخل خلد ہوئے یہ میاں آزاد کو کہاں سے مل گئے خیریت ہے۔ کیوں میر صاحب واللہ عالم یہ کیا اسرار ہے۔

میر صاحب۔ خداوند نعمت اسکی کُنہ حقیقت تک پہنچنا امر محال ہی۔ جناب باری کے قصر رموز کا کنگرہ رفیع اسدرجہ بلند ہی کہ اسکے لب بام تک کمند اوہام کا پہنچنا دشوار ہی۔ از بس دشوار ہے۔ ماعرفناک حق معرفتک۔ ماعبدناک حق عبادتک۔ ب۔

ہے کچھ کو جنوں کی قسم اے جذب محبت
اس نور تجلی کی جھلک مجھ کو دکھا دے

رفیق۔ قربان جاؤں حضور نہیں تو کچھ دال میں کالا کالا معلوم

ہوتا ہے شق القمر تک تو جناب رسالتمآب نے کر دکھایا اور اسد راج پر اعتبار ہو تو سمندر پھاند پھاند گئے ہیں لیکن یہ ہمارے فرشتوں نے بھی نہیں سنا کہ مردہ بٹیر از سر نو زندہ ہو جائے کیا لوٹ پوٹ کے پر پرزے جھاڑ کر اٹھ بیٹھے ہیں تو دیکھئے جو سچ ہو تو ڈاڑھی منڈوا ڈالوں۔

اتنے میں اندر چھوٹی بیگم کو خبر ہوئی مبارک قدم نے کچا چٹھا کہہ سنایا۔

بیگم۔ ہمارے میاں کا ایسا سست اعتقاد کوئی خدائی بھر میں تو ہووے گا نہیں۔ لیڈے کے برابر تو موا بٹیر اور خوشامد خوروں نے ابھار ابھار کر مقبرہ بنوا دیا۔ میری باتیں تو انھیں بری لگتی ہیں میں خواہی نخواہی روز روز کہاں تک بکوں مجھے تو ڈر ہو کہ کوئی مجھ پر کچھ طوفان نہ باندھ دے۔ اسی سے میں چھیڑ خانی نہیں کرتی ان کے پاس جو آتا ہو جھوٹوں کا سردار۔

مبارک قدم۔ بیوی برا مانو یا بھلا۔ تمھیں وہ راہیں ہی نہیں معلوم کہ میاں قابو میں آجائیں۔ ہم نے تو نیک قدم کے ابا کو شیشے میں اتار لیا تھا۔ تمھیں تو بھولی مونگ سمجھتے ہیں جھوٹے خوشامدیوں کے دھاڑ کی دھاڑ جمع رہتی ہے۔ نوج ایسے کسی کے میاں ہوں آپ تو جان بوجھ کے انجان بنی جاتی ہیں۔

بیگم۔ تم نے تو مبارک قدم دھوپ میں یہ چونڈا سفید کیا ہو۔ میری جوتی کی نوک کو کیا غرض پڑی ہوئی ہے۔ جب تو میں ان دہاڑوں کو بھونچی جو کلہ درازی کرتی تو جانے کیا ہوتا۔ ایکدن ذری منہ پھلا کر بیٹھی تھی تو چرخا دو کیل اگلے نے نہ بنوادی نہ بنوادی۔ تم ابھی پٹی پڑھاتی ہو۔

ادھر تو بیوی اور لونڈی میں یہ بیچ چل رہی تھی ادھر سنئے کہ نواب قمر رکاب نے کل رفقا اور مصاحبین اور حوالی موالی کو بلا کر حکم دیا کہ اصطبل کے سب ترکی عربی تازی گھوڑے اور فیل خانے کے دیوزاد مستیوں کی دھت ہاتھی اور فنس اور بگھیاں اور خاص بردار اور جھنڈی بردار سپاہی جتنے ہماری سرکار میں ہیں سب سے کہو لیس ہو رہیں اور شہر بھر کے امیروں اور رئیسوں سے جلوس طلب کر لو اور سجا کر جاؤ صف شکن علیشاہ کو ساتھ ہی لے آؤ مگر انتظام ایسا ہو کہ لوگ دور دور تک تعریف کریں سب چیزیں اپنے اپنے قرینے سے۔ انگریزی باجا ضرور رہو۔

خوجی۔ اے پیرو مرشد انگریزی باجا تو آج کل دھوبیوں بھنگیوں تک کی برات کے ساتھ ہوتا ہے اس میں کیا منت ہے رہا جو دھوم دھام چاہتے ہوں حضور تو غلام کو افسر مقرر کیجئے اور میر صاحب کو میری نیابت میں دیجئے۔ پھر مزہ دیکھئے انتظام کا۔

میر صاحب۔ جی بجا ہے۔ یہاں بادشاہوں کی مصاحبیں کیا کیے ہیں اور آپکے نائب ہوں۔

نواب۔ اچھا تم دونوں مل جل کر انتظام کرلو۔

پھر کیا تھا اتنا اشارہ پانا تھا کہ لگے ہاتھوں سب بند و بست ہو گیا کیل کانٹے سے درست۔ چھوٹی بیگم کوٹھے پر کھڑے کھڑے جلوس دیکھ رہی ہیں اور دل ہی دل میں ہنس رہی ہیں کہ نواب کے دماغ پر گرمی چڑھ گئی ہو۔ اسوقت کوئی خوجی کو دیکھتا۔ دماغ ہی نہیں ملتے تھے اسکو ڈانٹ اسکو ڈپٹ کسی پر دھول جائی کسی کو چانٹا رسید کیا۔ اسکو پکڑ لاؤ۔ اسکو گرفتار کرو۔ کبھی مشعلچی کو گالیاں دیں کبھی نشان والے کو بے نقط سنائیں۔

الغرض جد و جہد اور اہتمام بلیغ کے بعد جلوس اس ترتیب سے چلا سبکے آگے نشان کا ہاتھی۔ ہری ہری جھول پڑی ہاتھی دانت پر سلیندر سے گل بوٹے بنے ہوئے ایک دنتاکنا ہاتھی جھوم جھام کر جا رہا ہو۔ اسکے بعد ہندوستانی باجا۔ گڑگڑا جھنجھر۔ تڑ تڑ تڑ تڑ دھم دھم دھم دھم۔ اسکے بعد آرائش۔ پھولوں کے تخت چنبیلی

کھلا ہی چاہتی ہے۔ کلیاں چٹکنے کو ہی ہیں کیتکی اب مہکی اور اب مہکی۔ جوہی پر نیا عالم ہے۔ موگرے کا تختہ جوبن پر ہے۔ گل لالہ کھلا ہوا ہے۔ رہس منڈل وہ بنایا کہ جس نے دیکھا جی خوش ہو گیا۔ چانڈو بازوں کے تختہ میں قلم توڑ دئے (ماشاء اللہ کیا تعریف کی ہے) دو چار تو پینک میں غیں ہیں۔ دنیا کی خبر ہی نہیں دس پانچ اوندھے پڑے ہوئے منہ سے دھوئیں کے بقے اڑا رہے ہیں۔ کوئی بمبئی کا پونڈا لیے ہوئے چانڈو بازانہ ادا سے چھیل رہا ہے ایک گنڈیری چوس رہا ہے۔ گرمٹ تھک۔ افیم بنگالی۔ تیل کی کپی۔ سب ہی کچھ ہے شکار کا وہ سماں باندھا کہ واہ جی واہ۔ ایک شکاری بندوق چھتیائے گھٹنا ٹیکے آنکھ دبائے نشانہ لگا رہا ہے۔ دائیں کی آواز بس آیا ہی چاہتی ہے۔ ہرن چوکڑیاں بھرتے جاتے ہیں خرگوش وہ کان دبائے لپکے آتے ہیں۔ اسکے بعد انگریزی باجا تال سم سے درست اسکے بعد گھوڑے۔ کمیت کاٹھیاوار کچھ سرنگ۔ کرنگ۔ نقرہ۔ خنگ۔ کمیت سبزہ۔ ویلا۔ چھم چھم کرتے ہوئے جا رہے ہیں۔ دو دو آدمی تعینات گھوڑے دلہن بنے ہوئے مہندی کا رنگ رچائے پرے جمائے۔ کمر نازک تو اسی تحتی چوڑی پیشانی کنوتیاں بدل رہے ہیں۔ اسکے بعد پھر ارگن باجا غول کے غول۔ اسکے بعد تامدان۔ فنس۔ پالکی۔ نالکی۔ سکھپال اسکے بعد پھر باجا اسکے بعد پریوں کے تخت۔ نازنینان عرب جو اور پری پیکران جنبر مو تختوں پر تھرک رہی ہیں۔ صدہا تماشائی اُن کے شمع رخسار کے پروانہ ہیں۔ اسکے بعد روشن چوکی والے ستم ڈھا رہے ہیں ؎

مطرب خوش نوا بگو تازہ بتازہ نو بنو
بادۂ دلکشا بجو تازہ بتازہ نو بنو
با صنمے چو بعتے خوش بنشین بخلوتے
بوسہ ستاں بکام از تازہ بتازہ نو بنو

اسکے بعد ہاتھیوں کی قطار جھومتے جھامتے سونڈ سے کھیلتے جاتے ہیں۔ روشنی کا انتظام بھی چوکس تھا۔ پنشاخے اور لالٹینیں جھک جھک کر رہی تھیں۔ سوئی گرے تو اٹھا لیجئے۔ رائی کا دانہ صاف نظر آئے۔ اس ٹھٹے سے برات چلی۔ ارے توبہ۔ برات کیسی جلوس چلا کہ میاں صف شکن علی شاہ کو لائیں۔ جلوس کا جال چکر کھاتے شہر بھر کو دکھاتے ؎

آہستہ خرام بلکہ مخرام | زیر قدمت ہزار جان ست

شہنائی میں گاتے بیفکرے بے تکی اُڑاتے۔ اڑھائی چانول گلاتے چلے گونڈنی والی بنیا۔ راہ میں جو دیکھتا ہے چکر میں آتا ہے کہ واہ اچھی برات ہے۔ دولہا کا پتا ہی نہیں۔ برات کیا گو گِہ خدا ہی ٹیم ٹام دھوم دھام سب کچھ۔ مگر نوشہ ندارد۔ دولہا غائب تمام شہر اور شہر کے گلی کوچوں۔ اور گلی کوچوں کے مکانوں اور مکانوں کے در و دیوار کے صدقے ہوتے جلوس عین گونڈنی والی بنیا پہونچا

اب سنیئے کہ میاں آزاد اپنی سانڈنی پر سوار صف شکن علیشاہ کو کابک میں بٹھائے سڑک پر ڈٹے ہوئے تھے۔ ایں! صف شکن علیشاہ کہاں سے آ گئے۔ اجی کسی اٹیر بٹیر کو ادھر اُدھر سے خرید لیا ہوگا۔ نا صاحب وہی صف شکن۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ میاں آزاد نے اور بٹیروں کو تو اُڑا دیا تھا مگر صف شکن علیشاہ کو چھپا رکھا تھا اب موقع پر انکو نکالا۔ خیر خوجی آتے ہی اُنسے بغلگیر ہوئے اور میر صاحب گلے ملے اور غفور خدمتگار نے سلام کیا اور نقاد مصاحبین مصافحہ ہوا۔ **خوجی**۔ مثل مشہور ہے کہ سو برس بعد گھورے کے بھی دن بہورتے ہیں سو ہمارے تو آج دن بہورے کہ آپ آئے اور شاہ جی کو لائے نواب کے یہاں سناٹا پڑا ہوا تھا۔ وہ چہل پہل ہی نہیں وہ دل لگی ہی نہیں۔ صف شکن کے سوگ میں سب پر مردنی چھائی تھی۔ نواب چونک چونک پڑتے تھے۔ کھٹ ہوا اور پوچھا آزاد آئے دھم ہوا

اور کنمنائے گر آپ نہ آئے نہ آئے حاسدوں نے تو جڑ دی تھی کہ حضور وہ ساڈنی واڈنی لیکر بلے ہوئے کیسے آزاد اور کہاں کے صف شکن وہ پہونچے یہاں سے سو منزل پر۔ مگر یار ہم تمھارا جنبہ کرتے تھے۔

میر صاحب۔ جی ہاں اور ہم بھی آپ ہی کی طرف سے لڑتے تھے۔ ہم اور خواجہ صاحب دونوں۔

آزاد۔ بھائی کچھ پوچھو نہیں۔ واللہ آسمان میں تھگلی لگائی تب کہیں انکی زیارت نصیب ہوئی خدا جانے کن کن جنگلوں میں جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں کیا کیا اُفتادیں پڑیں۔

خوجی۔ جی اسمیں کیا شک ہے حضرت۔ یہاں لوگوں نے وہ گپیں اُڑائی تھیں کہ توبہ ہی بھلی۔ کسی نے کہا بھانڈوں کے یہاں نوکری کرلی۔ کوئی طوفان باندھتا تھا کہ کسی بھٹیاری کے گھر پڑ گئے اگر سب بہتان۔ لوگ تہمتیں تراشتے تھے۔ لیکن اب سب نے منھ کی کھائی ہات تیرے گیدی کی۔

خلاصہ یہ کہ خوجی اور میر صاحب اور رفقا اور مصاحبین سب کے سب ملکر میاں آزاد کو چینتے یار بناتے تھے مگر ہمارے آزاد ایک ہی اُستاد۔ ان مردکوں کی تہ تک سے واقف تھے خوب سمجھے کہ اب نواب کے یہاں جو ہمارا طوطی بولے گا اس سبب یہ سب ہمارے یار بنے رہے ہیں۔ تھوڑی دیر تک خوب گھل گھل کر باتیں ہوئیں۔ تو میاں آزاد نے کہا حضرت اب رات جاتی ہے یا آتی ہے چلیے نہ اب انتظار کس کا ہے۔ اچھا بسم اللہ کیجیے۔ پٹاخے چڑھاؤ لالٹینیں جلاؤ گھوڑے چلاؤ۔ ہاتھی کے پرے جماؤ۔ باجا بجاؤ۔ تامدان بڑھاؤ سب قرینے سے لگاؤ جب جلوس آراستہ ہوا تو میاں آزاد ایک فیل فلک شکوہ پر جا ڈٹے اور صف شکن علی شاد کی کابک کو آگے رکھ لیا خوجی اور میر صاحب کو حکم دیا کہ خواصی میں بیٹھیں۔ ہائیں! واہ ہم بھی کوئی چونڈے چار چرکٹے ہیں جو خواصی میں بیٹھیں گے۔ آپ بھی خوب کہتے ہیں۔ لوگوں نے سمجھایا کہ اجی کچھ واہی ہے معلوم ہوتے ہو بیٹھ نہیں لیتے خواصی میں۔ کیا شیخت میں بٹا لگے گا۔ یا شان کرکری ہوگی۔ خیر قہر درویش برجان درویش دونوں کے دونوں پیچھے بیٹھ لیے اور جلوس چلا۔ شہر میں تو پہلے ہی سے ہلڑ تھا کہ نواب والا تبار بڑے ٹھسّے سے آرہا ہے۔ لاکھوں آدمی چوک میں تماشا دیکھنے کو ڈٹے ہوئے تھے چھتیں پھٹی پڑتی تھیں۔ وہ بھیڑ بھڑکا کہ شانہ سے شانہ چھلتا تھا باجے کی آواز جو کانوں میں پڑی تو تماشائی چشم در راہ انتظار ہوئے نشان کا ہاتھی جھنڈے کا پھریرا اُڑاتا اٹکھیلیاں کرتا سامنے آیا پھولوں کے تخت آگئے تھے۔ انگریزی باجے نے کانوں کو سرور تازہ بخشا پریوش کے رخ انور نے آنکھوں کو نور بخشا۔ جیسے ہی عین چوک میں میاں آزاد کا ہاتھی پہونچا ویسے ہی دیوانی کے دو مذکوریوں نے ڈانٹ کر کہا کہ ہاتھی روک لے۔ آزاد کے نام وارنٹ آیا ہے ارے! اوسان خطا ہوگئے۔ فیلبان نے جو دیکھا کہ سرکاری آدمی لال لال پگیا باندھے کالی کالی وردی ڈانٹے۔ خاکی پتلون پہنے چپراس لٹکائے وارنٹ لیے ہاتھی روکے کھڑے ہیں تو اُس کے ہوش پراں ہوگئے اور ہاتھی کو جدھر الھوں نے کہا اُدھر ہی پھیر دیا۔ میاں آزاد مع خوجی اور مع میر صاحب مع میاں صف شکن علیشاد اور مع فیلبان اور مع ہاتھی اور مع ہاتھی کی دُم مذکوریوں کے ساتھ ساتھ چلے۔ جلوس تتر بتر۔ کوئی تخت لیے بھاگا جاتا ہے۔ کوئی جھنڈی لیے دبکا پھرتا ہے گھوڑے تھان پر پہونچے۔ تامدان اور پالکیوں کو چھوڑ چھوڑ کر کہار ادھر ادھر ہو رہے ہیں۔ جلوس کا پتا نہیں۔ برات ورات سب غائب غلہ اب نئی سڑک کا پتا پوچھتے جاتے ہیں خوجی ابھی افیم کی پینک ہی میں ہیں میر صاحب چانڈو کے نشے میں غلین۔ ابھی دل لگی ہوئی۔ الٰہی یہ کیسی ہوا بندھی کہ ایک ہی جھونکے میں برات کا چراغ گل جلوس

غائب ۔ میاں آزاد لدے پھندے خوجی اور میر صاحب خواصی میں بندھے میاں صف شکن علی شاہ جور و جفا سہتے ہوئے اور فیلبان بری اور دھت کہتے ہوئے چلے نئی سڑک کا پتہ پوچھتے پنشاخ ہاتھ میں دو مذکوری ساتھ ہیں ۔ اب سنئیے کہ ہاتھی اک وتناست ؎

گویا خرطوم اژدہا تھی | صورت دیوار قہقہہ تھی

سنسان بیابان ۔ ہو کا عالم ۔ پرند کہیں پر نہیں مارتا تھا اتنے میں ہاتھی جو گرجا تو جنگل بھر میں ہوک پڑگئی اور خوجی اور میر صاحب ایک دفعہ ہی پینک سے چونک پڑے ۔

خوجی ۔ ایں پنشاخے چڑھاؤ ۔ پنشاخے ۔ اپے یہ کیا اندھیر مچا یا ہے (آنکھیں ابھی نیم باز ہیں) اور سنئیے گا ۔ ذری یوں ہی آنکھ جھپک گئی تو کی کرائی محنت ساری خاک میں ملا دی ۔ اب میں اُتر کر گوڑے پھٹکاروں گا تب مانیں گے ۔ قود جہ کیا باتوں کے آدمی کہیں لاتوں سے مانتے ہیں (کہتے کچھ ہیں منھ سے نکلتا کچھ ہے)

میر صاحب ۔ ہائیں ! ہائیں ! ہائیں ! او فیلبان ۔ یہ کہاں گلی میں آیا ۔ یہ کیا آتشبازی سے بھڑکتا ہے ہاتھی ۔ بڑھائے چلو ۔ میل میل ۔ دھت ۔ دھت (آنکھیں کھول کر) ایں ! ارے میاں خوجی یہ کس چٹیل میدان میں آنکلے ۔ فدوی خواب خرگوش سے جاگو بھاگو بھاگو ۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے بھئی میاں ذری دیکھو تو الٰہی خیر اللّٰھم احفظنا من کل البلیات ۔ یا اللہ بچائیو ۔ ع ۔

یا علی مشکلکشا مشکل کشائی کیجئے

خوجی (چونک کر) پنشاخے چڑھاؤ پنشاخے ۔ اور یہ باجے والوں کو کیا سانپ سونگھ گیا ہے ۔ ذرا زور ، زور چھیڑے جاؤ ابتو بھاگ کا وقت ہے بھاگ کا ۔

میر صاحب ۔ آنکھیں تو کھولیے زندگی کا چراغ گل ہو گیا ۔ آپکا اور میرا دونوں کا قتل ہو گیا ۔ باجے والوں کی درگت ہو گئی آپ وہی بیوقت کی شہنائی بجا رہے ہیں ۔ اس جنگلے میں آپکو بھاگ کی دُھن سمائی ہے ۔

خوجی ۔ پنشاخے چڑھاؤ پنشاخے ۔ نہیں میں کچّا پیا تو دونگا نہیں جھپ سے چڑھانا تو پنشاخے ۔ شاباش ہے بیٹا ۔

میر صاحب تو جلے بھنے بیٹھے ہی تھے ۔ خوجی نے جب کئی بار یہ ہانک لگائی کہ پنشاخے چڑھاؤ تو وہ جھلا اُٹھے ۔ ایکدفعہ ہی آؤ دیکھا نہ تاؤ خوجی بیچارے کو دھم سے ہاتھی پر سے نیچے دھکیل ہی تو دیا اور دھول کون گرا ۔ کون گرا ۔ ذری لوٹہ تو لینا کون گرا کون اے حضرت لوٹہ کیا لیں آپ ہی تو لڑھکے ۔ ارے ! ایں ۔ ہائے ہائے وہ تو کہئیے ہڈّی پسلی بچ گئی ۔ نہیں شیطان نے تو تسمہ تک باقی نہیں رکھا تھا یارو ذری دیکھنا تو ہمارا سر بچا یا نہیں ۔ واہ رے میرے گرنے بس یہی معلوم ہوا کہ کوئی ڈوہ کا ڈوہ ہاتھی گرا ۔ اللّٰھم احفظنا من کل البلیات

مذکوری ۔ چلو بس کل بلیّا رہنے دو ۔ ہو نہ کل بلیّا وہ تو کھو تیل ہتا نا ہیں کلبلیّا نکل جات ۔ پھر ہین تھتّا اور چلے کلبلیّا لے ۔ ادھر آؤ اٹھاؤ اٹھاؤ ۔ اپنا بوجھ ایک مذکوری نے خوجی پر لادا ؟ ۔

خوجی ۔ ہائیں کیا کوئی مزدور امقرر کیا ہے ۔ یا سر بوجھ بنایا ہے شریف اور پاجی کو نہیں پہچانتا لے اب اُتارتا ہے بوجھ یا میں نالے میں پھینکدوں ۔ یا باپ کا سر سمجھ کر بوجھ لاد دیا جانو ہم گدھے ہیں ادگیہ می لا' تا قردلی ۔

میر صاحب ۔ گدھے نہیں اور ہو کون ۔ تم نے بوجھ اُٹھایا ہی کیوں بڑا پاگل ہے جب بوجھ سر پر رکھ لیا تب جھگڑتے ہیں سنر اسنر تیری اور سنئیے گا بوجھ سر پر رکھ لیا اور لگے گالیاں دینے مزدور کہیں کا

دوسرا مذکوری ۔ تین کوس لے ۔ ارے تین کوس اتر ہاتھی پر سے اترت ہے ۔ کہ ہم پہو نچے پھر ۔ ہائیں منھ میں ناہیں لت ہے تو لے ہم بکت ہیں اودن پھر ۔ تین اس نہ منھیئے ۔

میر صاحب۔ کتا کس سے ہی۔ ارے کس سے کتا ہی کچھ بیدھا تو نہیں ہی۔ اور سینئے گا صاحب۔ اسے کی یہ کیا تقریر ہی بچہ۔ الٹے ترے کیسا۔ اور کتنے میں ہم کچھ نابر تھوڑا ہی ہیں لو آئے (دھم)

دوسرا مذکوری۔ اُٹھا یہ بوجھ اُٹھا۔ لکڑی ہی۔ ایک تھریا ایک لوٹیا رکھ موڑے پر اور آگو آ۔

میر صاحب نے نیچے اُتر کر دیکھا تو سرکاری پیادہ لال پگیا جمائے وردی ڈلنٹ کھڑا ہے۔ اوسان خطا ہو گئے لگے تھر تھر کانپنے چپ چپاتے تھالی لوٹا اُٹھایا اور مچل مچل کر چلنے لگے۔ مذکوری دونوں کے دونوں خواصی میں جا بیٹھے۔ اب خوجی اور میر صاحب دونوں مزدور بنے ہوئے لدے پھندے گرتے پڑتے جلنے لگے۔

خوجی۔ واہ ری قسمت کہاں تو فیل نشین تھے کہاں اب سر بوجھیے بنے چلتے ہیں۔ واہ کیا زمانے کا نشیب و فراز ہے۔ کیوں جی میر صاحب ہم تو یاد الٰہی میں تھے۔ یہ تم کو کیا ہوا تھا تم کہاں تھے۔

میر صاحب۔ جہاں حضور تھے وہاں بندہ بھی تھا۔ آپ بھی پینک میں تھے میں بھی پینک میں تھا۔ دونوں غیں واللہ باللہ ثم باللہ یہ آزاد جکمہ دے گیا۔ یہ اُسی کی ساری کارستانی ہی۔

خوجی۔ خدا کی قسم ایسا شریر آدمی تو دیکھا ہی نہیں واللہ ہے۔

آزاد۔ ذرا چرخ سنبھالے ہوے نہیں اُترتا ہوں پھر آ دُں کردوں مرمت۔

خوجی۔ بھائی فیلبان ہوت۔ تم کو خدا کا واسطہ آنا بتا دو ذری کہ یہ ہوا کیا۔ یہ برات کدھر رخ چکر ہوئی انشاخے پنشاخے سب غائب غلہ باجا واجا سب تین تیرہ۔ نہ وہ روشنی نہ وہ گھر۔ فقط ہم اور بار ددخ واللہ طلسمات کا سامان نظر آتا ہی۔ یہ سب جادو کی کرامات ہی۔

چلتے چلتے تڑکا ہو گیا تو خوجی بولے لو بھئی ہمارا تو بھور ہی ہو گیا اب جو بوجھ اُٹھا کر لے چلے تو اُسکی ہفتاد پشت پر لعنت (بوجھ پھینک کر) اسے جسکا جی چاہے اُٹھائے مذکوریوں نے بوجھ تڑسے اُٹھا لیا۔ اور ان دونوں کو بھی ہاتھی پر چڑھا لیا۔ جب ذرا دن چڑھا تو ایک مذکوری نے کہا بھئی پھیلبان سامنے ہاتھی روک لینا ہم ایک دو گھوتے (غوطے) تو لگا لیں جھپاک سے بے نہائے چین نہیں۔

فیلبان۔ یہ کیوں۔ کیا کُتیا گھسیٹی ہے۔

مذکوری۔ ہاں تم کو کیا تم تو چاہے بیس بیس دن نہ نہاؤ۔ ہم تو جات باہر کر دئے جائیں۔

فیلبان۔ اجی تو ایسا نہانا بھی کیا۔ تالاب دیکھا اور کود پڑے گڑھیا ملی اور پھاند پڑے۔ واہ نہانا بھی کچھ قضا ہے کہ ٹلے ہی نہیں اپچھے رہے۔ تم گنور دل ہی رہے۔

مذکوری۔ ہاں تمھرے ترون (طرح) عید بکرید نہائیں تو گنوردل نہ رہیں۔

آزاد۔ خوجی کہو یار سچ نہاؤ گے۔ بھئی ایک غوطہ لگاؤ ہماری خاطر سے واسطے خدا کے۔

خوجی۔ یوں ہی نہ زہر کی پڑیا دیدو۔ گلا گھونٹ ڈالو یہ دل لگی ہمیں پسند نہیں۔

خیر صاحب خدا خدا کر کے کہیں شہر میں داخل ہوے آزاد نے متحیر ہو کر کہا کہ ایں اتنا دن چڑھ گیا۔

اب سنئے کہ سب سے پہلے تو میاں چانڈو باز کی منحوس صورت نظر پڑی۔

چانڈو باز۔ بڑے بھائی سلام۔ کہو خیر سلا چینگی پونے کچھ بچ سب اپچھے یار کرورں منتیں مانیں تب میرے اللہ نے تمھاری صورت دکھائی بھائی آنکھیں تم کو ڈھونڈھتی تھیں۔ ترس گئے یار ترس گئے۔ اب کہو بناؤ کی بھی کوئی صورت ہی۔ ہمارا کہا مانو تو اس فضیحتی سے بچ جاؤ۔ بی اللہ رکھی نے یہ خط دیا ہی چپکے سے پڑھ کر جواب لکھ دو اور اب کہا مان لو اپنا خاکا اُڑانا مفت میں اپنے تئیں ہنسوانا اس سے فائدہ۔

میاں آزاد نے خط لیا کھولا پڑھا۔

بی اللہ رکھی کا خط

صدقے آنکھوں کے تیرے ساقی
ایسی ہی شراب دے دھواں دھار
اطراف حبش میں جو بنی ہو
تیزی میں سیاہ مرچ سی ہو
جس سے جھٹ چاندنی کرے کھیت
بادل آئے ہیں عیش کے جھوم
جس سے کہ سرور یاد آئے
گھری دلدار سے چھنی ہے

ہے مجھ کو ہوس ابھی تو باقی
بڑھ جائے یہ جس سے نشہ کا تار
انگور سیاہ کی جنی ہو
چھونک انکی نکلی کچ سی ہو
چمکے تاروں کی وضع سے ریت
اسوقت نہ رکھو تو مجھ کو محروم
اللہ رکھی مراد پائے
آزاد سے عقد کی ٹھنی ہے

میاں مجرا عرض ہے۔ کیوں جی اسی منھ سے کہتے تھے کہ میاں آزاد کی پیاری بی اللہ رکھی بھٹیاری۔ کیوں حضور بندی کا قصور آپ تو مفت کے بھپارے دیکر سدھارے مگر اپنا دل کراہا کرتا ہے ہر ہر انداز والے کو کوئی کہاں تک سمجھائے یہ کسی کے مان ہی کا نہیں انھیں کر تو تو ں تو اس درجہ کو پہونچا۔ ہائے یہ کیسا از غیب کا بکھیڑا خدا کے واسطے کا بکھیڑا ہو۔ دیکھیں ابھی کیا کیا جھک جھوڑے جھیلنے اور کیسے کیسے پاپڑ بیلنے ہیں۔ بن بیاہ کے تو میاں یہ بیل منڈھے نہ چڑھے گی۔ یہ عشق بھی حد بھر بڑا عارضہ ہے خدا جانے مجھے یہ ہوا کیا گھر گھاٹ نہ سوچا اور ساری آبرو کھاری کنوئیں میں ڈبائی۔ اور روز کی دانتا کلکل اور ان تمھارے چوچلوں سے اور بھی میرا جی جلتا ہے جو ہمارے ساتھ بیاہ رچے تو تمھارا نصیبا جاگ اٹھے میاں میں شوخ محبوب۔ تم مست و مجذوب۔ میں چندے آفتاب چندے مہتاب۔ تم خانہ بدوش خانماں خراب میں مہ پارہ۔ تو ہیچکارہ میں باغ و بہار تو دلفگار۔ میں ستم ایجاد۔ تو خانہ برباد۔ میں فتنہ ہوشِ تو خود فراموش۔ میں برق شرربار۔ تو رند بادہ گسار۔ ذری اپنا منہ تو دیکھو میاں چہرہ زرد۔ دل سرد۔ کپڑوں میں نومن گرد۔ رہ نورد عورت سے بدتر نام کا مرد۔ میں بت طناز سراپا انداز سرمست خوبی محو ناز۔ نازک آواز۔ گلعذار۔ گلبدن۔ گلرخ گلرنگ۔ رنگین ادا شوخ و شنگ چست وطرار۔ مردم آزار۔ آتش رو۔ یاسمین بو۔ میں آشوب دوراں تو شکست پیماں۔ ع

نمی گویم کہ تو نامردی آزاد
بجانِ من بلا آوردی آزاد

ولیکن بو العجب بیدردی آزاد
جہازم را تباہی کردی آزاد

ترا من ناخدا دانستہ بودم

زجورت جان من برلب رسیدہ
بردم کارت از دستت رسیدہ

جگر خوں گشتہ از مژگاں چکیدہ
دلت دادم مسلماں زادہ دیدہ

نہ کافر ماجرا دانستہ بودم

پاک پروردگار کی قسم جو ہمارے میاں بنو تو وہ پیاری پیاری صورتیں دیکھنے میں آئیں کہ پرستان کو بھول جاؤ۔ دھارٹے کا دھاڑا راجہ اندر کا اکھاڑا۔ جو ہے وہ پری چہم۔ جو ہے وہ جانِ عالم مگر تم تو وہی ہیر پھیر کے وحشت ہی کی لیتے ہو پہلے اتنے ہو تو لو کہ کوئی نازک بدن محبوب چاردہ سالہ تم پر مرے۔ سچ ہے۔ ع

غالب ان سیمیں تنوں کے واسطے
چاہنے والا بھی اچھا چاہیئے

خاتون جنت کی قسم جو کہیں ہم نے تم سے بیاہ رچے تو کیسی مزے مزے سے کٹے۔

اور پھر لطف یہ کہ جہاں کہیں ہمکو اپنے ساتھ لیجاؤ وہاں خدائی بھر تمھاری ہی خوشامد کرے اور نہیں تو کیا۔ اور کیوں صاحب یہ دھاندلی کیسی۔ بھلا نہا دھو کر اور صاف پاک ہو کر قرآن شریف پر ہاتھ دھر کے بیاہ کا وعدہ نہیں کیا تھا پھر فرمائیے ہیں گنجائش شکوہ سبھی ہو یا نہ ہو۔ کیوں ناحق انصاف کا گلا کند چھری سے ریتتے ہو۔ چلو اب ہنسی دل لگی تو ہو چکی کہیے اب وحشت دور ہوئی یا نہیں۔ تم پھولوں

کی سیج پر سوؤگے۔ سونے کو خسخانہ۔ پینے کو برف آب صبح کو شراب شام کو کباب۔ چپڑی اور دو دو۔ بیمروت اب اس خط کا جواب تو لکھ دینا۔ نہیں میں اپنی جان دونگی۔ اب جواب کے بدلے کہیں ٹکا سا جواب نہ دے بیٹھنا

میاں آزاد کی پیاری بی اللہ رکھی بھٹیاری۔

میاں آزاد پھر آپ جانئے عاشق تن آدمی اور بی اللہ رکھی کی پیاری پیاری ادائیں تو دل میں کھپ ہی گئی تھیں وہ اچپلاہٹ وہ چلبلاہٹ آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ خط کو سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا اور جواب میں لکھا مگر دو ہی باتیں۔

سُنو بیوی ہم جنٹلمین ہیں کوئی اُٹھائی گیرے نہیں ہیں تم لیڈی ہوتیں تو خیر مضائقہ نہیں۔ مگر ٹھہریں بھٹیاری۔ بھلا پھر ہم سے کیونکر بنے۔ مانا کہ آشوب دوراں بلائے جسم و جان ہو لیکن شریف زادی تو نہیں۔ زر لفت میں ٹاٹ ہی کا پیوند لگتا ہے گاڑھے کا پیوند بے تکا پن ہو۔ اللہ اللہ آپ بھی آتی ہوئیں کہ ہماری چاہتی بیوی بنیں۔ اے تیری قدرت شان خدا۔ مگر سچ کہوں جسوقت وہ زلف چلیپا یاد آتی ہو کلیجے پر سانپ لوٹنے لگتا ہے۔ وہ چال۔ وہ بال۔ اچھا پھر اب کیا کہتی ہو۔ بیاہ کرو گی تو خیر ہم بھی موجود ہیں۔ جب کہو سہرا بندھے۔ بس اب خوش ہوئیں وہ ہنس دیں۔ اس مسکراہٹ کے قربان لو قول دیا اب بیاہ رچے چلو اس مقدمہ کے جھنجھٹ ہی سے بچے سہی۔ اب کوئی کہاں تک بکے۔ اسوقت تو نیند آرہی ہو آنکھیں جھکی پڑتی ہیں۔

والسلام۔ خانہ برباد میاں آزاد

چانڈو باز نے جو یہ خط پایا تو۔ ع۔ چنگا ہوا۔ اور چتے پہ آیا۔

چانڈو باز۔ بی اللہ رکھی۔ لے بی اللہ رکھی۔ لے سو رہیں لے خلہ دن دہاڑے خرخر خرّاٹے لینے لگیں۔ دیکھو تو میں لایا کیا ہوں۔

اللہ رکھی۔ وہ۔ کی کوڑی لائے کیا ہوا پنا سر۔ میٹھی نیند میں جگادیا لے کے بڑے وہ بنے ہیں۔

چانڈو باز۔ بڑے چھوٹے کے برتے پر نہ رہنے گا دیکھو تو میں کیا لکھوا لایا۔ آزاد نے تو اپنے ہاتھ ہی کاٹ دیئے لو اب کیا پوچھنا ہو اب تو چڑھ بنی۔ آج کے دسویں دن دلھن بنو۔ میاں پائے۔ بیاہ مبارک۔ ہمارا حق دلواؤ۔ جس طرح وکیل صاحب نے پٹی پڑھائی تھی اُسی طرح کل کارروائی بھگت گئی۔

اللہ رکھی۔ چین کرو یہ لکھا ہو کہ نکاح کر لونگا؟ جو یہ نہیں لکھا تو پھر کچھ بھی نہیں۔ جاؤ وکیل کو خط دکھا دو۔ اور جو کہیں وہی کرو۔

قسمت کو دیکھنا کہ کہاں ٹوٹی جا کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

نواب پھول کے کپّا ہو گئے تھے جیسے خاصہ ہاتھی کا پاٹھا مارے خوشی کے ایسے پھولے کہ سچ مچ جامے میں نہ سمائے بند چٹ چٹ ٹوٹ گئے۔ اور کیوں نہ غنچۂ دل کھل گیا تھا۔ بڑے ٹھسّے سے بغیچے میں جھوم جھوم کر ٹہل رہے تھے۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے جاتے ہیں کہ جلوس اب آیا اور اب آیا۔ کڑکیتوں کی آواز اب آئی اور اب آئی۔ نشان کے ہاتھی کا پھریرا اب سامنے آڑا اور اب اُڑا اب اُڑا۔ صف شکن علی شاہ کی زیارت اب نصیب ہوئی اور اب نصیب ہوئی۔ ایکدفعہ ہی چوبدار بدحواس دوڑتا ہوا آیا

چوبدار۔ خداوند لُٹ گئے لُٹ گئے لٹ گئے۔ ہائے لٹ گئے وہ دیکھو صاحب تمھارے لٹ گئے۔

نواب۔ ہائیں! ہائیں! یہ کوئی بہروپیا تو نہیں ہو۔ میاں لُٹ کیا گئے کچھ کہو گے بھی۔ یا لُٹ گئے لُٹ گئے ہی بکا کرو گے کہیں پاگل خانے سے تو نہیں بھاگ آیا ہے۔

چوبدار۔ خداوند برات کو اُٹھائی گیروں نے لوٹ لیا۔ مع ہاتھی نشان

نواب ۔ ہوں ۔ برات ابرات کیسی ۔ کہیں شاہ جی صاحب کی سواری سے تو نہیں مطلب ہے ارے یارو جلدی بتاؤ ۔ آف ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے ۔

چابک سوار ۔ غلام عرض کرے جو جان بخشی ہو تو ۔

نواب ۔ اے ہے تو اب ان چوچلوں کا بھلا کونسا موقع ہے میری بائیں آنکھ پھڑکنے لگی ۔

چوبدار ۔ وہ دیکھو صاحب تمھارے ۔ برات بھری بھراتی گھومتی پڑے کٹھتے سے آرہی تھی ۔ چوک میں تماشائیوں کا یہ عالم کہ چھتیں پھٹی پڑتی تھیں ایک پروشنی اور دس پر سو گز سے پڑتے تھے شانے سے شانہ چھلتا تھا ۔ تھالی اُچھالیے تو سر ہی سر جائے آتشبازی سے برات کا جوبن اور بھی دونا ہو گیا ۔ کوئی پھلجھڑی پر لٹو ہے ۔ کوئی چرخی کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور تخت رواں ۔ اجی وہی دیکھو صاحب تمھارے پریوں کا تخت تو بس اُڑن کھٹولے تھے ۔ وہ دیکھو صاحب تمھارے بس جیسے بادشاہوں کی سواری نکلتی ہے مُدا میاں جیسے ہی بیچ چوک میں پہونچے کہ بس دو چپراسیوں نے للکارا کہ ہاتھی روک لو ۔ ہاتھی ابھی پھیر دو ۔ ہاتھی پھیر اُدھر بس وہ دیکھو صاحب تمھارے ہاتھی اُدھر جھک پڑا ۔ اب اِدھر صاحب تمھارے پنشاخے تو یار لوگ لے اُڑے اور دو چار چوٹے بدمعاش نے ٹوپیاں دوپیاں بھی اُڑا لیں ۔ سب تتر بتر غائب غلہ ۔ وہ دیکھو صاحب تمھارے کہاں تو باجے بج رہے تھے کہاں سناٹا ۔

نواب ۔ بھلا شاہ جی کہاں ہیں ۔

چوبدار ۔ اجی حضور شاہ جی کو لیے پھرتے ہیں یہاں دیکھئے صاحب تمھارے ۔

نواب ۔ کوئی ہے ؟ ادھر آنا ۔ انکے کلے پر کھڑے ہو جتنی مرتبہ (وہ دیکھو صاحب تمھارے ۔ انکی زبان سے نکلے اُتنے جوتے انپر پڑیں ۔ وہ دیکھو صاحب تمھارے ۔ اُنھوں نے کہا اور جوتا پڑا تڑسے ۔ نامعقول ۔ ایک لفظ بولتا ہے تو تین سو ساٹھ [۳۶۰] (وہ دیکھو صاحب تمھارے)

چابک سوار ۔ اجی خداوند ۔ اب اسوقت غصے کا موقع نہیں ہے ۔ اب کوئی فکر ایسی کیجئے کہ شاہ جی صاحب تو چھوٹ آئیں ۔

نواب ۔ ایں ! کیا وہ بھی گرفتار ہو گئے ۔

چابک سوار ۔ جی اور میر صاحب بھی ۔

چوبدار ۔ اور خوجی بھی ۔

غفور ۔ اور میاں آزاد بھی ۔

چوبدار ۔ اور ہاتھی بھی اور اُسکی دُم بھی ۔

نواب ۔ اہاہ تو یہ کہئے بیڑے کا بیڑا گیا ہے واہ ۔ کارے کہ خدا کند فلک را چہ مجال ۔ اب ہمیں یہ کیا معلوم تھا بھلا ۔ ورنہ ایک گارد ساتھ کر دیتے ۔ چلو خیر اب تو جو ہوا سو ہوا افسوس صف شکن علی شاہ کی زیارت نصیبوں میں نہیں ہے ۔ آخر کچھ معلوم بھی ہوا کہ یہ دھڑ پکڑ کیسی تھی بھئی ۔ سچ تو یوں ہے کہ اسوقت ہمارے ہاتھ پاؤں پھول گئے ہم سے تو کچھ امید نہ رکھو یہ بیڑا ہم سے لو اور فکر تم کرو ۔

مصاحبین کی بن آئی اب کیا پوچھنا ہے چین لکھتا ہے ۔ پانچوں گھی میں اب تو چاندی ہے آپس میں ہنڈیا پکنے لگیں کہ واللہ ایسا موقع پھر تو کبھی ہاتھ نہ آئے گا جو کچھ لینا ہو لے لو اور عمر بھر چین کرو ۔ اسوقت یہ بوکھلایا ہوا ہے جو کہو گے بے دھڑک دے نکلے گا لیکن ایک کام کرو ۔ دس پانچ آدمی مل جل کر باتیں بناؤ اور چنگ پر چڑھاؤ ایک آدمی کے کیے کچھ بھی نہ ہو گا کہیں بھڑک گئے تو پھر غضب ہی ہو جائے گا اکیلی تو لکڑی بھی چولہے میں نہیں جلتی ۔ چلو سب کے سب ہمصفیر ہو کر اُلو بنائیں

آج تو واللہ بی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا ہے۔ خدا کرے روز اسی طرح وارنٹ جاری ہوں تو دل لگی ہو گر اتنا یاد رکھیے گا جو کہیں زنان خانے میں خبر ہوئی تو چھوٹی بیگم واللہ چھپیں نہ ہی کسطرح سے ناچیں گی اور ماما چھو چھو اصیلیں اور بھی تھنا مچائیں گی۔ پھر آپ کے کرتے دھرتے کچھ بھی نہ بن پڑے گی۔ ہاں اتنا سمجھے رہیے گا ذری۔

اب سنئے کہ مبارک قدم دروازے کے پاس کھڑی سب سن رہی تھی۔ نواب تو بغیچے میں ٹہلتے تھے اور مصاحب دھر چہ میگوئیاں کر رہے تھے اور بی مبارک قدم چپکے چپکے ساری داستان سن سن کر مسکراتی جاتی تھیں لپک کر گئیں اور چھوٹی بیگم کو بلا لائیں ذری چلیے تو سہی میں صدقے۔ ذری جلدی جلدی قدم اٹھائے آئیے آپکو کچھ باتیں سنوا لاؤں۔ یہ موئے خوشامدخورے کیا دہی تیا ہی بک رہے ہیں؟ منہ جھلس دے پکڑ کے اور نہیں تو بیگم دبے پاؤں گئیں۔ ذرا جاپ بھی نہ معلوم ہوئی۔ آہٹ کیسی وہ بیفکری سے نواب کو صلواتیں سنا رہے تھے اور گھاتیں باہم بتا رہے تھے۔ بیگم صاحب نے تھوڑی دیر میں مبارک قدم سے پوچھا۔ کیوں مبارک قدم یہ گورا گورا جوان سامنے کون بیٹھا ہے وہ کیا ہیں سامنے چھریرا چھریرا بدن ہے اور ابھی مسیں بھیگتی ہیں۔ وہ بولی لے حضور یہ بھی رئیس زادے ہیں کوئی ایسے ویسے تھوڑا ہی ہیں۔ ان کے یہاں ابھی کل کی بات ہے ہزاروں مصاحب نوکر چاکر تھے۔ انکے باپ فیل نشین تھے۔ یہاں چھوٹا بڑا ایسا کون ہے جو انھیں نہیں جانتا۔ اب نواب صاحب سے سب باتیں کہو گی کہ نہیں میں تو ابھی ابھی جڑ دوں گی۔ تو جس پتل میں کھائیں اسی میں چھید کریں۔ بیگم کھڑکھڑا کر بولیں۔ اچھی مبارک قدم اور سب کی جڑنا۔ وہاں اس بیچارے کا نام نہ لینا بھلا انکی عمر کیا ہوگی

مبارک قدم نے مسکرا کر کہا میں تو جانوں کوئی ہونگے برس بیس ایک کے۔ اے ابھی کل کا لڑکا ہے مسیں بھیگتی ہیں۔ ہاں منچلے اور بانکے آدمی۔ انکا نام نواب سے ہم نہ لیں گے۔

بیگم۔ ہاں مفت میں کسی کی روٹیاں کیوں لو بھلا۔

اتنے میں بی مبارک قدم گئیں نواب کو بلا لائیں۔

بیگم۔ اے میں کہتی ہوں آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ منہ دیکھنے کو نگوڑا جی ترس گیا۔ دن رات کڑھا کرتی ہوں۔ اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر میرے جی کا حال اللہ ہی جانتا ہے یا میں جانتی ہوں۔ آپ کا یہ حال ہے کہ جو بیسویں دن صورت بھی دکھائی تو جیسے آگ لینے آئے تھے۔ آخرش یہ کس گاؤں کی ریت نکالی ہے۔ اے واہ بس چلیے زبانی اختلاط دیکھ لیا آپ کا۔

مبارک قدم۔ یہ حضور کے مصاحب اللہ جانتا ہے کہ ایک ہی اڑی مار ہیں جنکے کاٹے کا منتر ہی نہیں۔ پلاؤ پر ہاتھ لگائے اور اینٹھو ہوئے جو ہے وہ جھوٹوں کا سردار۔ مگر حضور انکو کیا جانے کیا سمجھتے ہیں۔ میری تو عقل گم ہے جو مزدور ادھر ایڑیاں رگڑتے تھے وہ لگے گھوڑوں پر آپ کی بدولت سوار ہونے۔ پھر انکا دماغ کہاں سے ملے۔ ایسے ہی جھوٹے خوشامدیوں نے تو لکھنؤ کو ستیاناس کر دیا۔ پھرا ہوا جلتی تو ٹھنڈا پانی پیتے اب دن بھر شورے کا جھلا پانی ملتا ہے پینے کو اور خدا نے نیامت (نعمت) کھانے کو دی۔ پھر انھیں دور کی نہ سوجھے تو کیسے سوجھے۔

نواب۔ یہ آج کیا ہے کیا۔ بیوی بھی ناک بھوں چڑھائے ہیں لونڈی بھی منہ پھلائے ہے۔ کچھ دال میں کالا ضرور ہے آتے ہی شکایت کے دفتر کھل پڑے۔

مبارک قدم۔ ہونھ۔ لونڈی کو آجتک کسی نے لونڈی نہیں بنایا تھا

بڑے نواب صاحب کو خدا بخشے جب کبھی مبارک قدم صاحب ہی کہا۔ آپ لونڈی بناتے ہیں۔ سنتی ہو ماما جی۔ ذری سنو تو ہم لونڈی ہیں۔

ماما جی۔ بیٹا انھیں آنکھوں آصف دولہ (آصف الدولہ) کا زمانہ دیکھا۔ انھیں آنکھوں امجد علی شاہ کی عملداری دیکھی ان آنکھوں جانے کیا کیا دیکھ ڈالا۔ بڑے بڑے شہزادوں نے ہماری گود پھولوں سے بھری۔ ہمارا بھی کوئی زمانہ تھا۔ جسوقت گلابی پشواز پہن کر نکلتی تھی اچھے اچھوں کی آنکھیں پڑتی تھیں۔ جب ہماری یہ بیقدری ہے تو تم کس کھیت کی مولی ہو۔

مُبارک قدم۔ جی ہاں دریں چہ شک۔ ستر چوہے کھا کے بلی حج کو چلی۔ ہم کوئی ایسے ویسے ہیں۔ آپ بڑی وہ بنی ہیں۔

بیگم۔ اے تو اے جھنجھٹ سے کیا مطلب (نواب کی طرف مخاطب ہوکر) چلو ہمیں تخلیہ میں کچھ مشورہ کرنا ہے۔

میاں بیوی دونوں تخلیہ میں گئے۔ کیا جانے چپکے چپکے کیا باتیں ہو رہی تھیں۔ اب کہیں کل بات پھوٹے گی۔

میاں آزاد جس دن شہر میں داخل ہوئے اُس دن اتفاق سے تعطیل تھی۔ دوسرے دن پھر تعطیل۔ کچہریاں بند۔ لیکن جس گلی کوچے بازار کیطرف سے نکل جاتے ہیں انگلیاں اُٹھتی ہیں لوگ آپس میں پوچھتے ہیں کہ کیوں بھئی یہ کہاں کے رئیس ہیں ایک بولا راجہ ہیں کہیں کے دوسرے نے کہا کہ کوئی ٹھاکر ہیں اور اُسوقت تو یہ رئیس ابن رئیس ابن رئیس بنے ہی تھے فیل نشین۔ خواصی میں دو شریف بیٹھے ہوئے اغل بغل دو چپراسی یہ کسی کو معلوم ہی نہیں کہ میاں کے نام وارنٹ جاری ہوا ہے مذکوریوں نے حضرت کو ایک باغ میں اُتارا۔ آپ الا اللہ کہکر ہاتھی پر سے دھم سے کود پڑے

خوجی۔ میاں فیلبان بھئی ذری زینہ لگا دینا۔

فیلبان۔ کیا از زینہ اچھے آئے اب آپ کے لیے زینہ بنواؤں ایسے تو خوبصورت بھی نہیں ہیں آپ۔

میر صاحب۔ ہونھ۔ زینہ ڈھونڈھتے ہیں۔ پاڑنہ ہند ہو اِدّا ہاتھی پر سے کودنا کتنی بڑی بات ہے

یہ کہکر میر صاحب بہت ہی بررکر دُم کی طرف سے کودے اس بوکھلاہٹ میں کہ سر نیچے اور پاؤں اوپر۔ روک روک۔ ہائے تیرے فیلبان کی سچ ہے گاڑیبان شتربان کوچبان فیلبان۔ جتنے بان ہیں سب شریر سب متفنی لاکھ بچے گر اوندھے ہی ہو گئے واہ ہمارا ہی کلّہ جانتا ہے۔ کھٹ سے بولا وہ تم کہتے میں ہی ایسا جیا ہوں کہ باتیں کرتا ہوں ورنہ دوسرا تو پانی نہ مانگتا خوجی بہت کھلکھلا کے ہنس پڑے ہائے تیرے کی۔ ہمنے جو زینہ مانگا تو ہمیں بنانے لگے۔ مگر بیحیائی کی بلا دور۔ دوسرا ہوتا تو گھنٹوں سینکا کرتا انگے بھاؤں میں کچھ بھی نہیں۔ میاں اُترتے ہو کہ میں دوں دھکا۔ خوجی بیچارے جان پر کھیل کر جیسے ہی اُترنے کو تھے کہ اتفاق سے ہاتھی جُھرجُھرا ہوا۔ یا علی۔ یا علی بچائیو۔ خداوندا خداوندا میں گنہگار بندہ ہوں۔ گنہگار۔ گنہگار۔ تو رحیم و غفور ہے۔ قہار ہے جبار ہے۔ ست

رحمت کا تری امیدوار آیا ہوں
منھ ڈھانپے کفن میں شرمسار آیا ہوں

چلنے نہ دیا بار گنہ نے ۔

دست ابھی۔ کہہ چکے تھے کہ فیلبان نے سچ مچ ڈھکیل ہی دیا۔ دھڑ دھڑ دھم ارے او ظالم فیلبان کاہے کو شہر ہی مردک ادھر جو میری ہڈی پسلی ٹوٹ جاتی تو پھر کیسی ہوتی۔

ہونھ ٹوٹ جاتی ٹوٹ جاتی۔ ہونھ دو دکھ کے بھروسے نہ رہنے گا ذری ہاں ہیں نے جتا دیا ہے۔ اچھا تو ہڈی پسلی ٹوٹتی تو سمجھ لیتے اب پیڑ کے تلے لوٹ مارئیے۔ ہاں بھئی پھر لوٹ نہ ماریں گے تو کرینگے کیا بھلا یہاں کچھ کھانے والے کو بھی ملتا ہے۔ جی ہاں۔ گھاس

چھیل چھیل کے کھایئے۔ ہم تو آج میاں آزاد کے ساتھ کھانا کھائینگے استاد دیکھو تکلیف نہ کرنا۔ بس اپنے اور ہمارے برابر پکوانا۔ کوئی دو سیر کا قورمہ ہو۔ ایک تین پاؤ کی سیخ اور شامی کباب اور کوئی سیر بھر کا پلاؤ اور دھنیے کا دوپیازا اور کچھ پراٹھے اور نان پاؤ ہوں۔ بس زیادہ بکھیڑے سے مطلب نہیں۔ بھئی آزاد آج کھانے ہی ساتھ کھائیں گے۔ میاں آزاد ایک کانٹے بولے کہ ہم اسوقت کھانا ہی نہ کھائیں گے سو ہضمی کی شکایت ہے شام کو کھچڑی اور دو پھلکے کھالیں تو کھالیں ورنہ غرّہ۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ میاں آزاد نے دیکھا کہ باغ کے ایک گوشۂ محل میں ایک دختر دہ سالہ ململ کا دوپٹہ اوڑھے چھڑے پہنے ہوئے ایک پیرمرد سے پوچھ رہی ہے کہ کیوں ابّا صاحب لف و نشر کسے کہتے ہیں اسکی کوئی مثال تو دیجئے۔

پیرمرد۔ لف کے معنی لپیٹنا۔ اور نشر کے معنی پھیلانا یہ ایک صنعت کا نام ہے۔ مثال۔ ؎

پیٹ کر جو چلا کوئی چاندنی اپنی
کھلا یہ راز کہ اب راہ لیتے ہیں اپنی

آزاد۔ الغلط۔ الغلط۔ الغلط۔ لف و نشر کی یہ مثال ہی نہیں اور واللہ شعر بھی کتنا برجستہ پڑھا ہے؎ چہ خوش گفت ست تلسی داس درضو ؛ کالا اجلا سیہ سفید ؛ اس لپیٹنے اور کھلنے نے شعر میں جان ڈالدی۔ لف و نشر کی دو قسمیں ہیں۔ مرتب اور غیر مرتب۔ مرتب کی مثال لیجئے۔ ؎

سرو گل شوق میں تیرے قد و عارض کے سدا
نالہ کرتے ہیں بہم قمری و بلبل کی طرح

سرو کے لیے قمری۔ اور گل کے لیے بلبل۔ یہ اسیر فدا۔ وہ اسیر شیدا۔ اور مثال سنئے۔ ؎

بروز نبرد آن یل ارجمند
بہ شمشیر و خنجر بگرز و کمند
برید و درید و شکست و ببست
یلاں را سر و سینہ و پا و دست

شمشیر کے لیے برید اور خنجر کے لیے درید اور سینہ گرز کے لیے شکست اور پا کمند کے لیے ببست اور دست۔ بعض اسکو تفسیر جلی بھی کہتے ہیں اور مثال دوں؟ لیجئے ؎

امین ہلاہل مد بھرے سویت شیام رتنار
جیت مرت جھک جھک پرت اجہہ چتوت اکبار

ہائے قربان اس کتابائی کے۔ واہ واہ۔ واہ واہ۔ واہ واہ امین کے معنی آب حیات کے اس کے لیے سویت یعنی سفید اور جیت لائے ہلاہل یعنی زہر اسکے لیے شیام۔ یعنی سیاہ اور مرت لائے رتنار یعنی بادۂ احمر اسکے واسطے جھک جھک پرت۔ اہو ہو ہو۔ یہ معشوق کی آنکھ کی تعریف ہے۔ اب لف و نشر غیر مرتب کی مثال سنئے۔ ؎

روئے پیٹے مرے ماتم میں وہ اتنا اے قدر
ہاتھ کی مہندی چھٹی آنکھ کا سرمہ چھوٹا

پہلے مصرعے میں روئے پہلے ہے پیٹے اسکے بعد مگر سنئے آنکھ کا سرمہ چھوٹتا ہے۔ وہ مصرعہ ثانی میں دوسرے نمبر پر ہے۔ اور پیٹنے میں ہاتھ کی مہندی چھٹتی ہے وہ مصرعہ ثانی میں اول نمبر پر ہے۔ یا ؎

یاد میں اس طرّہ و رخسار کے
ہاتھ سر پر مارتا ہوں صبح و شام

سمجھے صاحب۔ طرہ کے لئے شام اور رخسار کے لیے صبح ہے لیکن پھیر پھار کے ساتھ۔

پیرمرد۔ شاباش تم تو اپنے وقت کے عرفی ہو بھائی۔

آزاد۔ آپ کی صاحبزادی نے جو میری پیاری بہن ہے عرفی کے بھی کان کاٹے۔ یہ سن و سال اور اسقدر بدیع الخیال۔

پیرمرد۔ جہاں آرا ذرا یہاں آؤ۔

جہاں آرا۔ حاضر ہوئی ابا جان ابھی آئی۔

جیسے ہی جہاں آرا نے باہر قدم رکھا اور میاں آزاد سے چار آنکھیں ہوئیں ویسے ہی نامحرم کو دیکھ کر دیوار سے ٹھٹھک رہی لیکن عجب الہڑ پن کی ادا سے۔

پیر مرد۔ آؤ آؤ۔ شریف زادے ہیں۔ آؤ بیٹا۔ اتنا نہیں سمجھتی کہ بھلا میں نامحرم کے سامنے تم کو خدا کے واسطے کیوں بلاتا۔ کیا ستر برس بھاڑ جھونکا کیا ہوں۔

جہاں آرا۔ حاضر ہوئی (میاں آزاد کو) آداب بجا لاتی ہوں۔

آزاد۔ زندہ باش۔ جان برادر زندہ باش۔

کچھ دیر تک آزاد نے خوب گھل گھل کر باتیں کیں اور دل میں سوچے کہ واہ ری لڑکی حیا پرور۔ پاک نظر۔ اور بلا کی ذہین۔ نازنین حسین دمہ جبین خدائی بھر کی صفتیں اسمیں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں کبھی ہم کو یہ مل جائے تو ہم اسکو خوب ہی پڑھائیں اور جو کہیں پڑھ جائے تو واہ واہ ہندوستان بھر کا نام روشن کرے۔

جہاں آرا۔ اچھا ابا کوئی اور صنعت بتاؤ۔

آزاد۔ ہم سے پوچھو۔ بہن ہم بتائیں۔ ہجو ملیح۔ یعنی اسطرح ہجو کہ بادی النظر میں وہ تعریف معلوم ہو مگر سمجھنے والا سمجھ جائے کہ ہجو کر رہا ہے۔ مثلاً ؎

یک قطرہ بود پیش ذہانت یم قلزم
وصف دہن تنگ ترا ہیچ نہ گفتم

ظاہر میں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا معشوق کے دہن تنگ کی بڑی ہی تعریف کی کہ اس کے منہ کے سامنے ایک قطرہ گویا یم قلزم ہے۔ اتنا سا منہ۔ مگر در پردہ مطلب یہ کہ تیرا منہ سمندر کا قبلہ گاہ ہے جس کے مقابل میں یم قلزم ایک قطرہ ہے۔

پیر مرد۔ اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو مشہور صنعتیں مع مثالوں کے جہاں آرا کو لکھ دیجئے تو یہ یاد کر لے۔

آزاد۔ بسر و چشم۔ ضرور بالضرور چشم ما روشن دل ما شاد۔

جہاں آرا۔ خانۂ احسان آباد۔

میاں آزاد اس فکر میں تھے کہ اسی دم جھپ سے ایک رسالہ کا رسالہ لکھ ڈالوں۔ کیونکہ اس پیاری لڑکی کی بھولی بھالی ادا انکے دل میں کھپ گئی تھی بے اختیار جی چاہتا تھا کہ اپنی سگی بہن کیطرح اسکو پیار کریں پڑھائیں لکھائیں اور اچھے گھر بیاہیں۔ اتنے میں لونڈی نے آکر کہا کہ میاں کھانا پکا ہے چلئے پیر مرد نے میاں آزاد سے کہا کہ آپکو تو سوء ہضمی کی شکایت ہے۔ آج کل کے دن ہیں خراب بندہ اصرار نہ کرنے کا اگر شام کو کھچڑی یا مونگ کی دال اور پھلکا غریب خانہ ہی پر تناول فرمایئے گا۔

یہ کہکر وہ تو گھر میں گھس گئے اور انکی دختر دہ سالہ دو پٹہ سنبھالتی ہوئی پیچھے پیچھے اٹھکھیلیاں کرتی چلی میاں آزاد نے اپنے دلمیں سوچا کہ واللہ اچھے پھنسے۔ زبان سے کہنا ہی نہیں۔ ہم نے تو دل لگی دل لگی میں کہا تھا کہ اسوقت سوء ہضمی کی شکایت ہے یہ اگلے وقتوں کے لوگ سچ مچ ہی سمجھ بیٹھے۔ اور لطف یہ کہ شام کو دعوت بھی ہوئے تو کھچڑی اور دال مونگ لو ری قسمت اب اسوقت روزہ ہے شام کو بھی غرّہ مرے بے موت۔

میاں آزاد اپنے دل میں یہ سوچ رہے تھے کہ سامنے سے ایک جوان طناز اکڑتے ہوئے آئے۔ علیک سلیک کے بعد وہ بھی کرسی پر جا ڈٹے۔ ایں! یہ اجنبی کون ہے بھئی۔ ہے تو آدمی سرخ و سفید اور سفید پوش۔ مگر یہ یہاں کہاں پہنچے۔

جوان۔ آپ کا کہاں سے آنا ہوا۔

آزاد۔ بندہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر رہتا ہے اسوقت ایک ضرورت سے یہاں باغ میں فروکش ہوا تو پیر مرد کی

پیاری بیٹی کی بھولی بھالی باتیں سنکر جی خوش ہو گیا۔ ذرا دو گھڑی یہاں ہی آ بیٹھئے۔ ہ

جوان	من ازاں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم	
	کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را	

میاں یہ تو بھولی بھالی لڑکی ہے اسکی بہن کو آپنے نہیں دیکھا اُسمیں معشوق پن کی ساری باتیں خدا نے کوٹ کوٹ کر بھری تھیں اور ایسی خندہ پیشانی ہنس مکھ عورت تو دیکھی ہی نہیں لیکن بڑے میاں اُس سے ناراض ہیں۔ وجہ۔ سنیئے۔ ابھی یہ تو تیرہ صدی ہے اور وہ ٹھہرے حضرت نوح کے وقت کے۔ اف ری جوانی کی اُمنگ اور ہائے رے شباب کی ترنگ اس زمانہ کی ناداں لڑکیاں واللہ مچاتی ہیں آسمان سر پر اُٹھاتی ہیں سسرال جانے کی خوشیاں مناتی ہیں ان بڑے میاں کو دیکھئے کیا ڈھب لگا کہ اٹھارہ برس اپنی بڑی صاحبزادی کی شادی نہ کی۔ تب تو اُس شوخ فتنۂ محشر نے ایک دن اپنی ماں سے کہا کہ اماں جان ابتو تم صاف صاف کہلاتی ہو۔ آخر میرا کیا اچار ڈالوگی جو ایک مہینہ کے اندر شہنائی کی آواز دروازہ پر نہ آئی تو ہم ہیرے کی کنی کھا کر مرجائیں گے۔ خاتون جنت کی قسم پھر آپ کو اپنی صورت نہ دکھائیں گے پاس پڑوس کی عورتوں نے سمجھایا کہ بیوی اب یہ ماشاء اللہ سیانی ہوئیں کھیلنے کھانے کے دن ہیں۔ اب بیاہ نہ ہوگا تو کیا جب سر ہلنے لگے گا تب ہوگا۔ اُس کی یہ کیفیت کہ چٹاخ پٹاخ ہجولیوں میں کسی کو منھ چڑھایا۔ کسی کو بنایا۔ اُف رے تیری شرارت اللہ رے تیری شوخی۔ الغرض عمدہ جگہ اور اچھے گھر میں نسبت ٹھہری تو ماں نے کہا۔

ماں۔ لے بیٹی مبارک ہو۔ تیری شادی ٹھہر گئی۔

لڑکی۔ اماں ہمیں یقین نہیں آتا۔

ماں۔ اوئی بیٹا تمہارے ابا نے خود ٹھہرائی ہے۔

جب منگنی ہو گئی تو پھر ماں نے کہا کہ۔

ماں۔ لے بیٹی مبارک ہو ابتو منگنی بھی ہو گئی۔

لڑکی۔ اماں جان۔ مجھے تو ابھی ہرگز ہرگز یقین نہیں آتا۔

ماں باپ نے جھٹ پٹ سامان درست کیا اور مانجھے بٹھایا۔

ماں۔ لو بیٹا ابتو مانجھے بھی بیٹھیں۔

لڑکی۔ نا اماں مجھے یقین نہیں آتا۔

آٹھ دس دن کے بعد سانچق آئی چڑھاوا چڑھا۔

ماں۔ لو بیٹی مبارک ابتو سانچق بھی ہو چکی۔

لڑکی۔ (شرما کر) اماں جان مجھے تو اب بھی یقین نہیں آتا۔

دوسرے دن مہندی کی رسم ہوئی۔ دلہن کے مہندی لگائی گئی اور وہی جھوٹی مٹھائی دولہا کو بھیجی گئی۔

ماں۔ لے بیٹی۔ ابتو مہندی رچی۔ ابتو مبارک ہو۔

لڑکی۔ (لجا کر) اماں جان کہو تمہاری خاطر سے کہدوں ورنہ مجھے تو ابھی یقین نہیں آتا۔

راوی۔ یقین کیونکر آوے۔ ہ

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک	
آتش شوق تیز تر گردد	

اے لو صاحب دوسرے دن بڑے دھوم دھام سے برات آئی دروازہ پر دھما چوکڑی مچی ہوئی۔ سمدھنیں زرق برق پوشاک پہنے ہوئے چھما چھم کرتی اُترنے لگیں۔ ادھر گالیوں کی بوچھار ہوئی۔ ڈومنیوں نے تھرک تھرک کر گانا اور دست حنائی سے گھڑی گھڑی بجانا شروع کیا۔ باہر ناچ ہونے لگا مولوی صاحب آئے نکاح پڑھا گیا دولہا اندر آیا ریت رسم ہوئی وقت رخصت ماں نے چپکے سے بیٹی کے کان میں کہا کہ۔

ماں۔ لے بیٹی مُبارک ہو اب تو دولھا کے گھر چلیں۔

لڑکی۔ (مسکرا کر) امّاں جان۔ ابھی یقین نہیں۔

الغرض برات چلی۔ یہ گئی وہ گئی۔ دوسری صبح کو دُلھن اپنے میکے آئی۔

ماں۔ لے بیٹی مُبارک اب تو شادی ہو گئی۔

لڑکی۔ (آنکھیں نیچی کرکے) امّاں جان بندگی۔ (دبے دانتوں) جی ہاں بندگی سمجھئے قبلہ وہ ایسی تھیں۔

آزاد۔ حضرت خدا را ان کے مکان کا پتا ہمیں بتائیے۔ واللہ کیا گرما گرم فقرے سُنائے ہیں وہ تو خدا کی قسم زیارت ہی کے قابل ہے ہائے ہائے یار ایسی ہی بیوی تو ہم بھی چاہتے ہیں تو پھر سچ سچ بتلائیے کیا سچ مچ بیاہ پھر ہو ہی گیا۔

جوان۔ اللہ ری بدگمانی۔ حضرت اُس کو تو یقین ہو ہی گیا۔ لیکن آپکو ابتک یقین نہ آیا۔ اللہ ری بدگمانی۔ اللہ ری بدگمانی اجی بیاہ ہو گیا یا اب۔ ع۔ پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا۔ اور۔ ع۔ اُمید کے نخل نے دیا بار۔

آزاد۔ سچ کہو واللہ وہ تو اسی لائق ہے کہ اُس کے قدم دھو دھو کر پیے۔ کیوں نہ کہے صاحب جب ماں باپ پاگل بنا کریں تو کیونکر نہ کہے۔

وہ جوان تو یہ داستان دلچسپ سنا کر اور میاں آزاد کو والہ و شیدا بنا کر لمبا ہوا یہاں کیا سنتے ہیں کہ دو آدمی باہم یہ باتیں کر رہے ہیں۔

ایک۔ بھئی آخر مُنھ پھلائے کیوں بیٹھے ہو۔ یا کیا مُنھ ایسا ہی ہے ہاں عشرے کے دن تو پیدا ہی ہوے تھے۔

دوسرا۔ ہاں یار جسکو نہ دے بوائی وہ کیا جانے پیر پرائی یہاں جان پر بنی ہے۔ آپ عشرۂ محرم لیے پھرتے ہیں اجی سہنے بی اللہ رکھی سے دو سَو روپے مہینہ بھر کے وعدے پر لیے تھے سو اُسکو آج کوئی دو برس ہونے آئے اب وہ کہتی ہیں کہ یا تو ہمارا روپیہ دو یا ہمارے مقدمہ کے گواہ ہو جاؤ نہیں تو ہم داغ دیں گے اور جیل خانہ دکھائیں گے وہاں چکی پیسنی ہوگی اور سڑک پر دُرمٹ چلانا ہوگا۔ رام بھج۔ سو اب ہم سوچتے ہیں کہ کریں تو کیا کریں مصیبت میں پڑ گئے بھائی۔ گواہی دیں تو کس برتے پر میاں آزاد کی صورت ہی سے آشنا نہیں اور نہ دیں تو وہ نالش جڑے دیتی ہیں اور یہاں دو سَو کیا معنی پچاس روپیہ کا دینے والا بھی کوئی نظر نہیں آتا۔ پس سوچ لیے ہیں کہ آج شام کو جھپ سے چل کھڑے ہوں۔ ریل کو خدا سلامت رکھے بھاگوں تو پتا بھی نہ ملے۔

دوسرا۔ ارے میاں وہ ترکیب بتاؤں جسمیں سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے۔ تم میاں آزاد سے مل جاؤ۔ اور انھیں کے مفید مطلب گواہی دو ادھر اللہ رکھی سے بھی ملے رہو اور میرے دونوں بیٹھے کہتے ہوئے عدالت سے سرخرو آؤ تمھارا اُلّو کہیں نہیں گیا ہو اور بچہ تم ہو کس بھروسے پر چار چار گنڈے میں تو وہ گواہ ملتے ہیں جو تڑسے جھوٹا قرآن یا گنگا اُٹھا لیں اور جھوٹ کے پُل باندھ دیں آپ ہم کس میں کوئی دو ہی روپیے دے قرآن اُٹھوا لے۔ جو چاہے کہلوا لے آخر ہماری طرف سے کوئی ڈبلیہ ہو گا یا نہ ہو گا پھر واہی ہو خاصے میاں دو سَو ملتے ہیں دو سَو۔ اللہ رکھی کی طرف سے ضرور گواہی دو اور بیچ کھیت گواہی دو۔ جھوٹ سچ سے واسطہ سچ وہی جسمیں دو سَو لیں۔ بھئی یہ تو کلجگ ہے اس میں سچ بولنا حرام ہو اور جو کہتے نے کا ٹا ہو تو سچ ہی بولیے۔

ایک۔ حضرت سنئے سچ پھر سچ ہے اور جھوٹ پھر جھوٹ ہے

اتنا یاد رکھیے گا۔

دوسرا۔ اجی جالا یا وہاں سے جھوٹ پھر جھوٹ ہی ہمارے ناؤں اس زمانے میں جھوٹ ہی سچ ہے۔ اک ذرا سے جھوٹ بولنے میں دو سو چہرے شاہی آئے گئے ہوتے ہیں۔ ذرا زبان ہلا دی اور دو سو ہضم۔ دو سو کا خیال کیجیے۔ کتنی رقم کثیر ہے دل لگی نہیں ہے دو سو کیا کچھ تھوڑے ہوتے ہیں ہیں کسی سے تم دو گنڈے ہی دلوا دو دیکھو حلف اٹھا لیتے ہیں یا نہیں سو بھائی جو عقل ہے کام لو تو ہمارا کہا مانو ورنہ تم جانو تمھارا کام جانے۔

آزاد۔ کیوں بھئی جوانو! اور جو اقرار کرکے مکر جائے تو پھر کیسی ہو عورت کی بات کا اعتبار کیا اس سے بہتر ہے کہ اللہ رکھی سے اسٹامپ کے کاغذ پر لکھوا لو۔

ایک۔ اچھا اچھا واللہ کیا سوجھی ہے۔

دوسرا۔ کیا میاں۔ کیا کہتے ہو۔ اسٹامپ کیسا ہم کیا جانیں کیا مشورہ کر رہے ہیں۔ آپ آئے وہاں سے۔ اسٹامپ پر لکھوا لو۔ ہم کیا کوئی چور ہیں۔

ایک۔ اجی وہ تمھارے ہی بھلے کے لیے کہتے ہیں۔ تم تو سمجھتے ہی نہیں۔

دوسرا (چپت لگا کر) چپ گوکھے نامعقول۔ ایسی باتیں کہیں راہ چلتوں سے کہہ دیا کرتے ہیں۔ آخر وہ آپکے ہیں کون پھر بھلا انسے رازِ دل بتانا حماقت ہے یا نہیں۔ مجھ کو بھی لیکر دھر داؤ گے معلوم ہوتا ہے۔ بس اب تم سے مشورہ کرے تو اُسپر لعنت۔

آزاد چپکے سے جا کر دونوں مذکوریوں اور خوجی اور میر صاحب اور فیلبان کو بلا لائے تھے اور کہا تھا کہ ساری داستان سُن رکھیے گواہی دینی ہوگی۔

خوجی۔ سننے کو تو سب سُنا لیکن میاں گواہی دواہی ہم نہ دینگے اور جو زبردستی کروگے تو تم کو دھر واہی دیں گے۔

میر صاحب۔ اجی ہم گواہی دیں گے اور ڈنکے کی چوٹ۔

فیلبان۔ جو سُنا وہ کہہ دیں گے۔

میاں آزاد مذکوریوں کی آنکھ بچا کر چل دیے یہ جادہ جا اسٹیشن پر داخل اور جھٹ سے ٹکٹ لیکر ریل کے ایک درجے میں بیٹھے جاتے تھے کہ اتنے میں ایک بڑے اسٹیشن پر ریل ٹھہری اور آپ کھٹ سے اُتر پڑے رات کا سماں جو طرفہ اندھیرا گھپ گھٹا ٹوپ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔ انھوں نے ریل سے اُترتے ہی دانت مچائی کہ کوئی قلی ہے۔ کوئی مزدور ہے۔ خدا کے فضل سے زنانہ بچہ کو ٹھگ کر آئے تھے کپڑے کی گٹھڑی۔ چینی کی پیالی دو ڈھائی سو روپیہ کی پوٹلی۔ میوہ کا ٹوکرا۔ بیگ۔ بچہ۔ بچھونا۔ الم غلم کئی گدھوں کا بوجھ انکے پاس تھا قلیوں کے سر پر لاد کر باہر نکلے آئیے حضور ہم گاڑی دیں۔ بیٹھیے یہ پالکی گاڑی آپ ہی امیروں کے لائق ہے۔ اجی یہ کمانی دار کہ کرتے لیجیے ہوا کے موافق مشکی یابو جاتا ہی چھن چھن کرتا ہوا اجی ادھر آئیے میاں ہم بگھی دیں کہاں چلئے گا کہاں۔ کیا لوگے۔ کہاں جائیے گا۔ سرا۔ سرا تو یہاں ایک چھوڑ دس دس ہیں۔ جو سب میں بڑی ہو مگر صاف ستھری۔ اچھا ایک روپیہ ہوا۔ واہ پہلے گھنٹے کے ۶ ر دوسرے گھنٹے کے ۳ ر اور پندرہ منٹ کی راہ جس کے سولہ گنڈے مانگتے ہو۔ ہم پانچ آنے دیں گے ہزار دفعہ غرض ہو چلو نہیں نہ سہی اچھا چلئے پہونچا دیں۔

میاں آزاد نے اسباب کو بگھی پر لادا۔ اور چل کھڑے ہوئے کھٹ سے سرا میں داخل۔ سرا کے محلے اور بھٹیاروں کے ہتھکنڈوں سے تو یہ خوب ہی واقف ہو چکے تھے ایک کوٹھڑی میں جا ڈٹے اور بچھونا بچھا کے خوب لہرا لہرا کے باواز بلند گانا شروع کیا۔ ؎

بیا ساقی کہ آں مے کہ حور بہشت	عبیر ملائک دراں می سرشت

میاں آزاد بڑے ذوق اور جوش شوق سے گاتے تھے کہ ایک آواز آئی۔ بس زبانی داخلہ ہے یا اور کچھ بھی۔ اسکے بندۂ درگاہ قائل نہیں ایسا کر دکھائیے تو جانیں۔ اگر شوق چرایا ہو تو دوں ایک ساغر آب اندیشہ و بادۂ جان پرور۔ گلگوں احمر قدح ارغوانی۔ لطف زندگانی کیمیائے فتوح۔ جوہر روح۔ صبح کا سہانا سماں ہے۔

میاں آزاد نے جو یہ آواز سنی تو چوکنّے ہو کر لگے ادھر اُدھر دیکھنے کوئی بھی نہیں بھئی یہ کس گوشے سے آواز آئی۔ ہو کوئی طرار آدمی الفاظ چست۔ لب و لہجہ درست۔ معجز بیان۔ طلیق اللسان بلبل ہزار داستان ہے اتنے میں ایک صاحب برآمد ہوئے۔ فالسئی تہ بند شربتی کا زعفرانی پیرہن زیب تن کئے مانگ نکالے پٹّوں میں حنا کا تیل ڈالے آنکھوں میں سرمہ لگائے ہاتھوں میں مہندی رچائے ایک نمکین دبنرہ رنگ جوان شوخ و شنگ کی طرف ہو کر حضرت نے یوں فرمایا۔ ؎

اے پیک پے خجستہ چہ نامے فدیت لک
ہرگز سیاہ چردہ ندیدم بایں نمک

علیک سلیک کے بعد آزاد کے چھپر کھٹ پر ڈٹ گئے۔ بابا ہم شاہ جی ہیں قدسی شاہ ہمارا نام ہے عشق بتاں ہمارا خاص کام ہے اسوقت جو آپ نے ہمارے مرشد کامل حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ کا شعر لحن داؤدی پڑھا تو طبیعت مسرور ہو گئی اور دنیا و مافیہا کی فکر دور ہو گئی۔ لیکن بابا کبھی بادۂ آتش فشاں کا جام زرّیں لبِ لعل بھی دیکھا تھا سچ کہنا معلوم ہوتا ہے چوری چھپے پیا کیے ہو۔ گر فعل نیک میں محتسب کا ڈر نہ قاضی کا خوف۔ ؎

زیادہ خوردن پنہاں ملول شد حافظ
ببانگ بربط و نی رازش آشکارا کنم

آزاد۔ شراب تو بندۂ درگاہ نے ترک کر دی۔ کب کی توبہ کر چکا اب تو اس مُردار کو چھوڑا سو چھوڑا آپ پیتے ہوں تو پیجیے۔ ؎

نہ قاضیم نہ مدرس نہ محتسب نہ فقیہ
مرا چہ سود کہ منع شراب خوارہ کنم

شاہ جی۔ ناپچہ۔ توبہ کیسی۔ یاد رکھو توبہ توڑنے کے لیے اور قسم کھانے کے لیے ہے بہار توبہ شکن ہے ساقی گلعذار توبہ شکن ہے۔ یہ مرغزار توبہ شکن ہے۔ یہ ردو بار توبہ شکن ہے۔ وہ جھومتی ہوئی گھٹا آئی۔ وہ گھنگھور گھٹا چھائی۔ ؎

توبہ زمے کردم و آمد بہار
ساقی توبہ شکنم آرزوست

یہ کہکر شاہ جی نے جھولی میں سے سونف کی ولایتی میٹھی شراب نکالی۔ دھانی بوتل اور کہا کہ۔ ؎

سبز بوتل میں لال لال شراب
شاہ جی میکدے میں بیٹھے ہیں
خیر ایمان کا خدا حافظ
اس مسلمان کا خدا حافظ

آزاد۔ یا حضرت اینجانب نے تو قسم کھائی ہے کہ جبتک کوئی زن جوان و زہرہ جبین۔ گلرخسار نازنین اپنے دست حنائی سے شراب آتش خواص نہ پلائے گی اور سیکڑوں قسمیں نہ کھلائے گی کہ اگر یہ پیالہ غٹ غٹ کر کے نہ پی جائے تو ہمارا ہی لہو پیئے تب تک ایک قطرہ نہ پیوں گا۔ ؎

کردہ ام توبہ بدست صنم بادہ فروش
کہ دگر مے نہ خورم بے رخ بزم آرائے

شاہ جی۔ اس برہم نے بھٹ پٹے میں مصرعے لگائے ستھرے سنئے گا ذری۔ ؎

واعظا چوں بلطف چند درآئی بخروش
گرم آن خوش سیرت خوش ست ولیکن منیوش
کہ بیا در چمن خلد شمے کوثر نوش
کردہ ام توبہ بدست صنم بادہ فروش
کہ دگر مے نخورم بے رخ بزم آرائے

آزاد - بارک اللہ خوش گفتی بلکہ دُر سفتی۔

قدسی بہ فصاحت و بلاغت ‖ گویا سلمان ساؤجی ہے

قدسی شاہ سمجھے کہ اب میاں نیم راضی ہوگئے اشارہ سے اس جوان سراپا انداز سرمست صہبائے ناز کو بلایا اور وہ ایک ادائے دلربا سے قدم دھرتی چھما چھم کرتی میاں آزاد کے چھپر کھٹ پر غڑاپ موجود ہوگئی۔ اتنے میں بھٹیاری نے جو یہ حال دیکھا تو بجلی کی طرح چمکتی ہوئی آئی اور اس درجہ چیخی چلائی کہ الامان "لے واہ میاں اٹھارہ اٹھارہ سنڈوں کو لیکر کھٹیا پر بیٹھتے ہیں۔ جو پائی کھٹ سے ٹوٹ جائے تو کس کے ماتھے۔ ایسے بھی مسافر نہیں دیکھے۔ ایک تو ماشاءاللہ سے خود نھنے سے آدمی ہیں دوسرے دنل دنل کو لیکر بیٹھے ہیں۔ لے چرپائی خالی کیجئے ہم ایسے کرایہ سے درگذرے چرپائی نگوڑی کی بساط ہی کیا ہے" میاں آزاد کی تو بھٹیاری کے نام سے روح تھرّاتی تھی چپکے سے چارپائی خالی کردی اور پائی چھڑکوا کر دری بچھوا کر مزے سے شاہ جی اور اُس نوعروس سرمایہ ناز کو لے کر بیٹھے اور دور چلنے لگا۔

وہ گلبدن اپنے پیارے ہاتھوں سے بھر بھر کر جام شراب۔ ناب پلاتی جاتی تھی اور میاں آزاد کے جسم میں گویا جان تازہ آتی جاتی تھی شاہ جی نے ایک جرعہ لیا۔ اُس غنچہ دہن نے ایک گھونٹ پیا میاں آزاد نے مزہ چکھا اسی طرح جام پر جام لنڈھایا جاتا تھا۔ اور دونوں کو شیر مادر کا مزا آتا تھا۔ ؎

دور چلے دور چلے ساقیا ‖ اور چلے اور چلے ساقیا

اور سہی پھر دور چلا۔ اب کی کورے سکورے میں انگور کی شراب ہو یہ بھی سہی۔ پہلے اُس سیمتن نے چسکی لگائی پھر جھوٹی جھائی میاں آزاد نے اڑائی۔ بچی بچائی میاں قدسی شاہ کے حصے میں آئی۔ ابھی دور کا قُلق نہیں ہوا ہوش باقی ہے۔

دور چلے دور چلے ساقیا ‖ اور چلے اور چلے ساقیا

اتنے میں میاں آزاد تو غیں ہوگئے۔ مدہوش وبیہ مست سروپا کی خبر نہیں۔ یکدفعہ ہی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُٹھتے ہی دھڑ سے گِرے گِرے تو پا بدست دگرے دست بدست دگرے۔ ادھر شاہ جی تو اسی گھات میں آئے ہی تھے جھپاک سے کپڑے ویڑے باندھے جمع جتھالی اور چلتا دھندا کیا۔ سیمتن بھی ان کے ساتھ ساتھ لبی ہوئیں۔ میاں آزاد رات بھر بیہوش پڑے رہے سحر کا ہے وقت آنکھ کھلی تو حال پتلا۔ یکہ و تنہا۔ نہ قدسی شاہ نہ وہ گوہر دُرج دلربائی فقط میاں آزاد اور اُنکی چارپائی ؎

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند
تہی خمخانہا کردند و رفتند

پیاس کے مارے گلے میں کانٹے پڑے جاتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں ٹوٹ رہے ہیں۔ جی مالش کرتا ہے۔ طبیعت گھبراتی ہو ؎

دوشینہ بکوے میفروشاں ‖ پیمانۂ مے بزر خریدم
اکنوں ز خمار سر گرانم ‖ زر دادم و درد سر خریدم

اُٹھے تو لڑکھڑاہٹ نے پاؤں لیے۔ لڑھک گئے۔ پھر اُٹھے پھر مُنہ کے بل گرے۔ بارے خدا خدا کرکے بہزار خرابی آفتابہ سے پانی لیا۔ آب سرد خوشگوار نے کسی قدر تقویت بخشی پیتے ہی آنکھ لگ گئی۔ پھر اُٹھے پھر پانی پیا۔ پھر پیا پھر پیا۔ لیجئے تڑکا ہوگیا تو دیکھتے کیا ہیں کہ سرہانے پر ایک خط رکھا ہے۔ کھولا پڑھا۔

خط

ساقی بہوش باش کہ غم در کمین تست
مطرب نگاہ دار ہمیں رہ کہ میزنی

کیوں کیسا دور ہیو گے اب پیو گے تو پھر جیو گے بھی نہیں وہاں اسکے

ساتھ یہ بھی ہے۔ ہوکا بھی کتنا۔ بوتل کی بوتل مُنھ سے لگالی۔ اب خمیازہ کھینچا۔ ہات تیرے کی۔ کیا مزے سے معشوق پری پیکر رشک قمر کے پاس بیٹھے ہوئے غٹ غٹ اُڑا رہے تھے۔ گھڑی دو گھڑی گھوم گئی نہ۔ ہات ترے کی اب کہو استاد صبوحی نہ اُڑے گی بھئی ہماری خاطر سے ایک جام تو لو۔ کہو تو اُسی کے ہاتھ بھیجوں ہات تیرے کی۔ مثل مشہور ہے کہ انسان کچھ کھو کے سیکھتا ہے۔ مگر تم کھو کے بھی نہ سیکھے۔ یاد ہے ریل پر ہم نے تمھارا بقچہ اُڑا دیا تھا اب جیتے مچھی۔ وہی شاہ جی ہم ہیں۔ مگر ہاں تب اور روپ میں تھے اب اور بھیس ہے۔ تب بھی چکما دیا تھا۔ ابکی بھی غچّا دیا جو تم انسان ہوتے تو ہمارے بھرّوں میں نہ آتے۔ لے اب ہم جانے دیتے ہیں خبردار مسافر کا اعتبار نہ کرنا اور سفر میں تو کسی پر بھروسا رکھنا ہی نہیں دیکھو آخر ہم لوٹ کر چلدئے نہ تم نے عمر بھر سفر کیا مگر آدمی نہ بنے۔

"درویش مشیخت پناہ قدسی شاہ"

یہ خط پڑھ کر میاں آزاد پر گویا عرق خجالت کے سیکڑوں گھڑے پڑ گئے اور اتّفاق وقت بی ہنسیا کلوارن بھی اُدھر سے چمکتی ہوئی گذریں۔

لیجئے چور کے گھر چور بیٹھے ڈاکو کے یہاں ڈاکہ پڑا۔ گٹھ کٹے کی جیب کتری گئی۔ بڑے نیاریے نے غچّا کھایا۔ میاں آزاد سب کو موس لائے تھے مگر یہاں بقچہ وقچہ گھڑی دھڑی۔ روپیہ پیسہ جمع جتھا سب غائب غلّہ ہو گیا دکھن کی کمائی کاندو کے نالے میں گنوائی ساری چوری سرا میں لٹائی اب ٹکا کفن کو پاس نہیں کوڑی کوڑی کو محتاج۔

بہت کچھ غل غپاڑا مچایا۔ سرا بھر کو سر پر اُٹھایا۔ بھٹیارے کو دو چار چپتیں لگائیں۔ بھٹیاری کو بے نقط سنائیں۔ مگر ہاں نہ ملنا تھا نہ ملا شاہ جی رفو چکّر ہوئے مگر نام کیا متبرک رکھا تھا قدسی شاہ شاہ یا چوروں کے پشت و پناہ اور ڈاکوؤں کے قبلہ گاہ۔ لوگوں نے صلاح دی کہ جاؤ تھانہ پر رپٹ لکھاؤ گرتے پڑتے چلے تھانہ پر اثناء راہ میں پنساری کی دُکان پر ایک شخص اخبار پڑھ رہا تھا میاں آزاد اپنا نام اسکی زبان سے سُنکر چونکتا ہوے۔ ایں! ہمارا ذکر خیر اخبار میں کیسا۔ سنتے ہی ٹھٹک رہے کیوں قبلہ ذرا یہ اخبار ہم بھی پڑھ سکتے ہیں۔ جی ہاں جو پڑھے لکھے ہیں آپ تو پڑھ سکئے گا ورنہ خیر صلاح کے ڈھیر لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔ وہ تو گلقند آفتابی لے کر رفو چکر ہوے۔ یہ اخبار پڑھنے لگے۔

میاں آزاد! میاں آزاد!! میاں آزاد!!!

نگوڑی چاہت کو کیوں سیٹا عبث کے جھک جھورے جھیلنے کو
دوگانہ پڑ جائے پکی ایسی تمھارے اٹھکیل کھیلنے کو
نصیب جاگیں گے میرے جسدم تو میں بھی اک رت جگا کرونگی
ابھی تو آزاد سے ہیں ہاں پڑے ہیں پاپڑ سے بیلنے کو

پر بپتی کون کہے ہماری بپتی سنو۔ سرا میں ایک گورا گورا لانبا لانبا جوان خوبرو آکر ٹکا۔ ٹکا کیا بلکہ جم گیا۔ اور جیتے ہی ہم سے نکاح کا وعدہ کیا۔ ہم تو سیدھے سادھے ہیں۔ ہمیں اُسکے ہتکھنڈے کیا معلوم ہم بھی نکاح پر جھپ سے راضی ہو گئے۔ لے جب نکاح کے دن قریب آئے تو مُوا اُکر گیا ہم نے نالش داغدی تو بھاگ گیا سرکار نے اُسکو پکڑوا بلایا۔ پھر چمپت ہو گیا۔ تو جو کوئی ڈھونڈھ لائے ہم اُسکے ساتھ نکاح کرلیں گے۔ اللہ رکھی بھٹیاری

یہ اشتہار میاں آزاد پڑھ ہی چکے تھے کہ دوسرا نظر سے گذرا۔

لوٹ لیا! لوٹ لیا!! لوٹ لیا!!!

چل دیا دے کے جُل ہیں مکار | ایسے شیطان پر خدا کی مار

دُہائی ہے۔ دُہائی ہو۔ وقت مشکل کشائی ہو۔ بس اب جان پر بن آئی ہو میں بوڑھا مہاجن اگلے وقتوں کا رنڈوہ۔ کچہری دربار عدالت سرکار سے

ناواقف۔ ایک چوروں کے قبلہ گاہ ڈاکوؤں کے پشت پناہ ذات شریف کے چنگ پر چڑھ گیا تو اُسکو اڑھائی سو ۲۵۰ روپیہ نقد کھنا کھن گن دیئے اب سنئے کہ مشک تو ہمارے پاس ہو مگر اُسکا ستیاناس ہو کیا جانے کہاں چلدیا میاں آزاد کے ساتھ آیا تھا جو کوئی اُسکو پکڑ لائے اُسکو ہم دو روپیہ انعام دینگے۔

لالہ گوبرلی مہاجن۔ اسکے بعد ایک تیسرا اشتہار پڑھا۔

موس لیا! موس لیا!! موس لیا!!!

ہات ترے چور کی دُم میں مٹیا سا رسّا باندھوں۔ نابکار چھ سات روپیہ کا میوہ لے کر جھانسا دیکر چلدیا آزاد نامے ایک صاحب اُنکے ساتھ تھے صبح کو کافور ہوگیا۔ یہاں سے منزلوں دور ہوگیا اگر کوئی صاحب اُنکا پتا لگائیں تو بے فصل کے آم کھلواؤں۔

جمالی مالی

یہ تینوں اشتہار پڑھ چکے تو ایک چوتھا اور نظر آیا۔

لینا! لینا!! لینا!!!

جانے نہ پائے جانے نہ پائے۔ چور۔ چور۔ چور۔ بلکہ سینہ زور واضح ہو کہ میاں آزاد کے ایک دوست نے ہماری کوٹھی سے کئی روپیہ کا سامان جاکر خریدا اور وعدہ کیا کہ تڑکے دام بھیجدیں گے۔

ہم تو سادے غریب کیا جانیں
اُس مزوّر کو کیونکہ پہچانیں

سمجھے کہ شکل و صورت سے بھلے مانس معلوم ہوتے ہیں جھوٹ کیا بولیں گے وہ تڑکے لے دے کے چلدیے تو آجتک آتے ہی ہیں اسی سے تو کسی کی ساکھ نہیں رہی۔ اگر کوئی بزرگوار اُس بے ایمان کو گرفتار کرادیں تو ہم دس گز ریشمی کپڑے سے کیٹس۔

کلاتھ اینڈ کمپنی سوداگر

پانچواں اشتہار بھی موجود۔

ٹھہر تو جا! ٹھہر تو جا!! ٹھہر تو جا!!!

آزاد نامے ایک عروض داں اور سخنداں ہمارے باغ میں ٹکے تھے۔ دو چار دن ہمارے ساتھ خوب بیٹھے ٹکڑے اڑائے آخر کار اُن کے دوست جو اُنکے ساتھ تھے کوئی پانچ چھ روپیہ کے چینی کے پیالے بھی لے بھاگے سو بھئی آزاد جو یہ اشتہار پڑھو تو واسطے خدا کے وہ پیالے اپنے دوست سے دلوادو۔

پیر مرد

ابھی ایک اور باقی ہے۔

پھنسا دیا! پھنسا دیا!! پھنسا دیا!!!

ہم ایک برات میں ہاتھی لے کر گئے تھے۔ شامت اعمال سے ایک اشتہاری مجرم اُسی ہاتھی پر سوار ہوا۔ سرکاری مذکوروں نے انکو گرفتار کر لیا اور یہاں لے آئے اب وہ تو خود چلدئے اور ہم کو مع ہاتھی اور ہاتھی کی دُم کے قرق کرا گئے۔ یارو جو اُنکو پاؤ تو لاؤ۔

فیلبان

ادھر میاں آزاد تو اس جھنجھٹ میں پڑے تھے اُدھر نواب کے یہاں کا حال سُنئے کہ وہ کس مصیبت میں مبتلا تھے جب برات لُٹ گئی تو لوگ رو رو کر یوں کہنے لگے۔ ؎

ہوا آزاد پر وارنٹ سرکار
کچہری میں گئے ہو کر گرفتار

غضب ہشیار تھے بیباک تھے وہ — ہوئے مفرور کیا چالاک تھے وہ
ازل سے نام جب اُنکا ہو آزاد — وہ سہتے کس طرح مجلس کی بیداد

دوسرا ؎
گئے تھے ہو کے جس ہاتھی پہ اسوار
ضمانت میں اُسے لکھوا یا اکبار

امانت میں انھیں قرق ہو وہ — ضمانت میں انھیں کے قرق ہو دم

تیسرا ؎ گئے خالی ہاتھ سے بھی حضرت — ہر اک کو موس کر کے بھاگے دولت

چوتھا؎ کسی سے پیالیاں چینی کی لی تھیں
فقط ترٹ کے ہی کے وعدے پڑی تھیں

انھیں کبھی ہضم حضرت نے کیا ہے
وہ بوڑھا پیالی والا اڑ رہا ہے

پانچواں؎ تھے بزازوں سے جاکر مال لائے
اُنھیں بھی خالی ٹیتے ہی بتائے

چھٹا؎ مہاجن سے لیے تھے ڈھائی سو قرض
ادائی اُن کی تھی آزاد پر فرض

ساتواں؎ ہمیشہ سے یہی تھا اُن کا شیوہ
لیا اک میوہ والے سے تھا میوہ

عجب کھوٹی ہر کچھ انکی بھی نیت
اُسے بھی آجتک دیتے ہیں قیمت

آٹھواں؎ سوار اک گاڑی پر ہو کر گئے تھے
کئی گھنٹے اُسے چکر دیے تھے

غضب کا پیٹ ہے اللہ اللہ
اکرایہ نوش اُسکا کر گئے واہ

نواب؎ بڑا افسوس ہوتا ہے ہمیں یاں
نہ تھے اس طرح کے ہرگز وہ انساں

نہایت ہی دیانت دار تھے وہ
نہ تھے خائن امانت دار تھے وہ

راوی۔ واہ اچھی بے پر کی اُڑ رہی ہے اس شاعری کے صدقے۔

میاں آزاد تھانہ تک جاتے جاتے راہ میں کوئی اٹھارہ ہی جگہ پر ٹھکے ہونگے۔ تھانہ پر جانا گویا جوئے شیر لانا تھا۔ اخبار میں درحن بھر اشتہار پڑھتے تو ماتھا ٹھنکا کہ خدا ہی خیر کرے اور طرّہ اکسیر یہ کہ بی اللہ رکھی نے لڑہ لگا کر خط بھی بیرنگ روانہ ہی کر دیا۔

اب جائے رفتن نہ پائے ماندن
ضغطے میں جان ہے خوف یہ کہ تھانہ پر جائیں تو مبادا کوئی حلیہ ملائے مفت میں دھر لیے جائیں بارے۔ ؎

ما کار خویش را بخداوند کار ساز
بسپردہ ایم تا کرم او چہا کند

کہتے ہوئے تھانہ پر دن سے داخل ہوگئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ تھانہ دار صاحب چھپر کھٹ بچھائے بیٹھے ہانک رہے ہیں کہ میں نے فلاں گاؤں میں ۱۸۔ ڈاکوؤں سے مقابلہ کیا اور ۲۴۔ برس کی چوری برآمد کی اور گلباز سے نامی چور کو گرفتار کر لایا۔ کانسٹبل ہاں میں ہاں ملاتے اور بھرّے دیتے جاتے تھے کہ آپ ایسے اور آپ ایسے اور آپ ڈبل پیسے۔

اتنے میں انکے اور تھانہ دار صاحب کے ساڑھے تین آنکھیں ہوئیں ایں! یہ ساڑھے تین چہ معنی دارد تھانہ دار کی ڈیڑھ ہی آنکھ تھی۔ آدھی ڈاکوؤں کی نظر کر چکے تھے۔

آزاد۔ السلام علیکم۔

تھانہ دار۔ وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ و برکاتہٗ مزاج اقدس۔

آزاد۔ عالم بالا پر لے اب گٹھری دلواؤ اُستاد جی۔

تھانہ دار۔ اُستاد جی کس بھکوے کا نام ہے۔ یہ استاد جی کہاں رہتے ہیں۔ اور گٹھری کیسی؟ یہ کیا بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔

آزاد۔ واہ ری تیری تھانہ داری۔ ماشاء اللہ صورت سے نہیں پہچان جاتے کہ مستغیث مظلوم ہے۔

تھانہ دار۔ کیا کوئی واردات ہوگئی۔

آزاد۔ جی اور نہیں تو کیا کتّے نے کاٹا تھا جو میں خاک پھانکتا ہوا یہاں آتا۔

تھانہ دار۔ اچھا پھر آپ روزنامچے میں رپورٹ لکھوائیے منشی جی لکھ لو۔

منشی جی۔ آپکا کیا نام ہے۔

آزاد۔ اس سے آپکو کیا کام ہے۔ آخر آپکو ناؤں اور گاؤں سے کیا واسطہ۔

میاں آزاد اور تھانہ کے منشی سے آدھ گھنٹے تک گپ شپ ہی میاں آزاد کا نام بتانے میں انکار منشی کا اصرار۔ اور میاں آزاد نام بتاتے تو بتلاتے کیونکر میاؤں کا جو خوف تھا۔

خیر آخر کار بڑی غرفش کے بعد نام بتایا۔ مگر مصنوعی۔ اچھا لکھ لیجئے۔ ہمارا نام جنٹلمین ہے۔

منشی۔ کیا جنٹلین؟ بھئی واللہ یہ تو انوکھا نام۔ آپ کرشان ہیں۔ ہندو مسلمان کا تو ایسا نام آجتک سُنا نہیں۔

آزاد۔ آپ کوئی قاضی ہیں۔

منشی۔ آپکا اسباب وساباب نہیں کھویا ہے بس معلوم ہو گیا آپ فقرہ باز آدمی ہیں۔ نو برس سے ہم منشی تھانہ ہیں ایسے منطقی دیکھے ہی نہیں جیسے آپ ہیں۔ سوائے اسکے دوسری بات نہیں یاد ہے اگر بیوجہ بھی کسی سے پوچھیں کہ آپکا اسم مبارک کیا ہو تو اُسکو بتانے میں اغماض نہو مگر آپکی عقل کے قربان آئے ہیں رپٹ لکھانے اور نام بتلانے میں مچلتے ہیں۔

آزاد۔ مجھ سے زبان نہ ملائیے گا اتنا میں نے کہدیا ہے ذری میں ٹیڑھا آدمی ہوں۔

تھانہ دار۔ اچھے اچھے ٹیڑھوں کو تو ہم نے سیدھا بنایا۔ آپ ہیں کس کھیت کی مولی۔ کوئی ہے۔ گیان سنگھ۔ وہ حلیہ تو ملاؤ۔ بالکل ویسی شکل وصورت ہے۔

گیان سنگھ نے حلیہ جو ملایا تو سر مو فرق نہیں۔ غضب ہی ہو گیا مگر اسوقت کر کیا سکتے تھے دھر لیئے گئے فوراً حوالات میں دھنسانے لگے۔

میاں آزاد مصیبت رسیدہ ایک ہی گرگ باراں دیدہ۔ بڑے سرے کے عیار۔ سے خرانٹوں کے قبلہ گاہ استادوں کے پشت پناہ بھلا وہ اور حوالات میں رہیں۔ واہ رہ چلبلے۔ یہ ستم سہ چکے کانسٹبل کو وہ وہ بھرّے دیئے کہ چنگ پر چڑھ گیا۔ باتوں باتوں میں یارانہ پیدا کر لیا۔ دم کے دم میں وہ پینگ بڑھائے کہ اُن کا دم بھرنے لگا۔ اب اُسے فکر ہوئی کہ اُنکو حوالات سے ٹہلا دے حوالی موالی سنتری گھڑیالی کی آنکھ چوکی اور میاں آزاد اسطرح غائب ہوئے جیسے جان تن سے یا بوئے گل چمن سے۔

کب سبکدوش رہے قیدیٔ زندانِ وطن
بوئے گل پھاندتی ہے باغ کی دیواروں کو

دائیں بائیں دیکھتے چپ چاپ دبے پاؤں جانے لگے ذرا آہٹ ہوئی اور ان کے کان کھڑے ہوئے کہ پکڑے گئے کھٹ کی آواز آئی اور ہوش پرّاں۔ کسی نے کسی کو پکارا اور میرے شیر نے قدم بڑھایا۔ بارے خدا خدا کرکے وہ کافر راستہ طے کیا اور وہاں سے سرا میں داخل ہوئے۔ جاکٹ پتلون ڈانٹا ہاتھ میں ایک موٹا بید لیا۔ اسباب کا بقچہ سنبھال بیگ گلے میں ڈال بی بھٹیاری کو بھاڑا دے کر عینک چڑھا قدم بڑھا۔ یہ جا وہ جا اب راہ میں ایک ایک سے پوچھتے ہیں کہ کیوں حضرت اسٹیشن کی راہ کدھر ہے۔ کیوں میاں ریل کا راستہ کسطرف ہے دل لگی باز آدمی پھر آپ جانیئے ایک کٹھّڑل۔ کوئی پچھم بتاتا ہے کوئی پورب۔ ایک مزدور گٹھا لیے ہوئے اُتّر کی طرف چلا دوسرے نے دکھن کی راہ لی۔ سوچے کہ ابھی ہم پورے جنٹلمین نہیں بنے جھپاک سے ایک گاڑی کرایہ کی اب ٹھیٹھ جنٹلمین بن گئے۔ بگھی گڑگڑاتے ہوئے اسٹیشن پر داخل ان کو تحقیقات کا ہیضہ نہ لگے ہر ایک سے اِدھر اُدھر کی گپ

اُڑانے آدمی تھے مشین جاکٹ پتلون اور البرٹ فیشن کے بال دیکھ کر لوگ سمجھے کہ کوئی جلیل القدر عہدہ دار ہیں دس پندرہ آدمیوں سے ساری خدائی کے تذکرے کرکے ایک صاحب سے مڈبھیڑ ہوئی یہ اُنکی آنکھوں سے تاڑ گئے کہ آدمی چمن طبع اور باوضع ہے اُنھوں نے جو اِنپر نظر ڈالی تو دیکھتے ہی بھانپ گئے کہ رنگین مزاج اور خوش فکر باغ و بہار آدمی ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ وہ پہلے بولیں۔ وہ کہتے ہیں یہ اقدام کریں۔ آخرکار میاں آزاد نے سکوت کا کفر توڑا۔

آزاد۔ یا حضرت سچ کہئے گا کیا غضب کی گرمی پڑتی ہے۔ ہرہُن موالعطش گویا ہے۔

جواب۔ عرض کروں حضرت العطش تک تو خیریت ہے جو کہیں خدا ناکردہ ہفتہ عشرہ یہی چلچلاتی دھوپ پڑی اور امساک باران کی یہی کیفیت رہی تو ہر بُن مو سے الجوع الجوع کی صدا نکلیگی۔ غلہ صاف جواب دے جائیگا۔ خداوندا بچائیو۔ اور جو کہیں جھڑی لگ جائے تو پھر مزے ہیں۔ کھیت لہلہائیں۔ لوگ ملار گائیں۔ کسان بغلیں بجائیں۔ امریوں میں جھولے پڑیں۔ اور اِنپر جھوشان طنانہ جھوٹیں تماشائی سیر دیکھیں۔ عاشق تن آنکھیں سینکیں۔

آزاد۔ اسم شریف۔

جواب۔ موج اور آپکا اسم مبارک۔

آزاد۔ آزاد خانہ برباد۔ کہئے کس طرف کے عزم ہیں مضائقہ نہو تو ہمارا آپ کا ساتھ ہو۔ ایک ہی درجہ میں بیٹھیں۔ خوب گپیں اُڑیں کسی طرح راستہ تو کٹے۔

موج۔ میاں۔ ع۔ ہم کو تو دل لگی سے غرض ہے کہیں سہی لیکن حضرت راستہ کاٹنے کا یہ طریقہ ہی نہیں۔ بندہ ریشائیل آپ مجھا کرڈابیگ راستہ کٹنے کی یہی صورتیں ہیں۔ بھلا ہاں اگر کوئی عروس نوخاستہ ساتھ ہو تو راستے کے لطف دیکھئے واللہ یہی دعا مانگوں کہ الٰہی آج کی رات کی سحر ہی نہو۔ اسٹیشن کا پتہ ہی نہ ملے۔

آزاد۔ لاناہا تھ۔ واللہ اُستاد کیا کہنا ہے۔ بھئی ہم تو چتونوں ہی سے تاڑ گئے تھے کہ اسٹیشن بھر پر ہمارے مذاق کے بس ایک تم ہی تو ہو پھر چلیے کوئی رنگین کرہ ڈھونڈھیں۔ ع۔ گھڑی چھنیگی آج کسی گلعذار سے ۔ واللہ بس ہمارا بھی یہی فشن ہے۔

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک دفعہ ہی چھاچھم کی آواز آئی۔

آزاد۔ یادش بخیر۔ ع

دل گواہ است کہ در پردہ دل آرائی ہست
ہستیٔ قطرہ دلیل ست کہ دریائی ہست

الٰہی یہ کس متوالی کی آمد آمد ہے کہ چھڑوں کی جھنکار سنتے ہی ایسے مست ہو گئے جیسے بسنت کی رُت میں بھونرا۔ مگر ایسے لاحول ولاقوت۔ ہم سمجھے تھے کہ اس نقاب سے کوئی جھلکتا ہوا رُخ انور غیرت شمس و قمر جلوہ کناں ہوگا مگر نہ وہ حسن گلوسوز نہ وہ نور عالم افروز کالا بھجنگا ہفتہ کا روز۔

اتنے میں تیسری گھنٹی ہوئی اور میاں آزاد اور میاں موج ریل پر ترسے جا بیٹھے اور انجن بھک بھک کرتا ہوا چلا۔ اب اِنکی دل لگی سُنئے کہ میاں آزاد کے درجے میں بہت سے مسافر بیٹھے تھے اور سب اپنی اپنی ہانک رہے تھے انھوں نے جو سب پر نظر کی تو اُنکو جنٹلمین کوئی نظر نہ آیا دیجز لیپٹ) ٹوپی کو تو انھوں نے تڑسے پھینکا۔ آپ چھیں ٹانگیں پھیلا کر ناول پڑھنے لگے (ماٹی کرسٹو) پندرہ بیس منٹ میں ناول کو بھی پھینکا اور لگے ٹہلنے۔ گلاس نکالا اور لمنیڈ کی بوتل کو کھولا کاگ دن سے اُڑا کر غٹ غٹ پی گئے۔ رومال سے مُنھ پوچھا پھر ٹہلنا شروع کیا پھر ناول پڑھا پھر شراب کی بوتل بیگ سے نکالی (کارلوڈنر) چسکی لگائی کہ اتنے میں سامنے دو باپ بیٹوں میں تکرار ہونے لگی۔

باپ۔ تو بڑا شہدہ ہے بے۔

بیٹا۔ آپ تو ناحق بن ناحق کانٹوں میں گھسیٹتے ہیں قبلہ وکعبہ آپکے ہوتے ساتھی بڑا میں کیونکر ہو سکتا ہوں۔ بڑے آپ چھوٹا میں۔

باپ۔ محض بے وقوف ہے۔

بیٹا۔ دریں چہ شک۔ آپکی بیوقوفی میں ہی تو ہوں۔

باپ۔ اُلّو کہیں کا۔

بیٹا۔ اُلّو نہیں اُلّو کا پٹھا سہی۔

درجے بھر میں اس حاضر جوابی پر قہقہے پڑنے لگے۔ میاں آزاد کو تحقیقات کا مرض۔ گھنٹوں دریافت کیا کئے کہ آخر لڑکے کی گستاخی کا سبب کیا۔ تو معلوم ہوا کہ تعلیم اچھی نہیں ہوئی ماں نے لاڈ کیا۔ باپ نے طرح دی مولوی صاحب دن بھر اونگھا کیے لونڈا خدائی خوار گدھے اسوار زمانہ بھر کے گنڈوں لقوں شہدوں لچوں کے ساتھ پھرنے لگا۔

میاں آزاد صافی مذاقوں کو اشعار آبدار سناتے کن رسوں کو سُریلی آواز سے رجھاتے کشتی گیروں کو بیٹھے ہی بیٹھے ہاتھوں ہاتھ دستی اور دم قلا جنگ اور حلقوم کے داؤ پیچ بتاتے ہنستے کھلکھلاتے ریل پر چلے جاتے تھے۔ ایکدفعہ ہی ریل ٹھہری اور اسٹیشن کے چبوترے پر ایک شخص نے کفن پھاڑ کر چلانا شروع کیا (ہو ہو ہو) ایں! یہ وزن ہی نرالا ہے۔ وحشت کا بول بالا ہے آگے سنئیے کہ چبوترے کے اس سرے سے اس سرے تک اپنی ہی ہانک ہے ہے ہیں (ہو ہو ہو) آگے خیر بٹھوں مسافروں نے آوازے کسنے شروع کیے دماغ پر گرمی چڑھ گئی۔ شیطان نے دور سے انگلی دکھا دی یا وحشت ٹھہرے ہوے۔ فصد کھلاؤ فصد آخر یہ ہو ہو ہو کے معنی کیا بھئی تو کہتا کیا ہے کسی! واہ معنی! معنی! کیسے! معنی کسی مولوی سے پوچھیے۔ ہو ہو ہو۔ ہائیں! پھر وہی ہو ہو ہو۔ اسٹیشن ماسٹر دیکھیے یہ پاگل ہو ہو ہو کرکے ہم کو ڈراتا ہے۔ ہائیں (نہیں) پاگل نہیں جاپ (سی) (چپر اسی) ہے اسٹیشن کا نام بتاتا ہے پھپھو ہو گیا! بھیو ہو؟ لاحول ولا۔ وہ تو ہو ہو ہو کر رہا ہے۔ ہاں دل جولدی جولدی (جلدی) بولتا ہے۔ اجی ایسی جلدی پر شیطان کی پھٹکار۔ آخر گھبراہٹ کیا ہے بارے چلتے چلتے ایک اور اسٹیشن پر پہونچے اخاہ کچھ ٹھکانا ہے یہاں تو مسافر پٹے پڑے ہیں۔ اسٹیشن پر بنارس کے بڑھوا منگل اگرے کی تیراکی کا ایسا جماؤ ہے۔

اسٹیشن ماسٹر (ایک مسافر سے) یہ لاکھوں من کا بوجھ تم کیسے لے جانے پاوے گا۔

مسافر۔ لاکھوں من کا بوجھ تو سوجھا مگر یہ کروڑوں آدمی نہ سوجھے

اسٹیشن ماسٹر۔ ول تو اتنا آدمی کہاں ہے۔

مسافر۔ ول تو پھر اتنا بوجھ کہاں ہے تم نے سیروں بوجھ کو منوں کہا ہم نے پچاسوں مسافروں کو کروڑوں کہا۔ چلیے برابر ہوگئے نہیں تم لوگوں کا قاعدہ ہے کہ ناحق بن ناحق پیٹتے بیل کے سینگ پکڑتے ہو گیارہ آدمی اور چوبیس سیر بوجھ۔ کیا بہت ہوا جو ہیں چیر کرتے ہو۔

اتنے میں تیسری گھنٹی ہوئی۔ گارڈ نے جھنڈی کے عوض ہاتھ دکھایا اور ریل گھر گھراتی ہوئی چلی تو کھٹ سے اسٹیشن پر داخل اب مارے پیاس کے مسافروں کے گلے میں کانٹے پڑ گئے۔ چو طرفہ جل پون مچی ہوئی ہے۔ پانی والا۔ پانی والا۔ میاں بھشتا ہوت۔ مصر جی مصر جی پانی والے مصر جی۔ اتنے میں اسٹیشن ماسٹر نے غل مچایا۔ مسافر لوگ کو پھور نگ (فورًا) جال (جلد) پلاؤ۔ ایک طرف مصر جی دھوتی باندھے دوسری طرف میاں بھشتا پاینچے چڑھائے پانی پلانے لگے۔ مگر آدھا لوٹا پلایا اور دن سے دوسری گاڑی میں۔ پانی کی جھلک دکھائی اور جھپاک سے پچاس قدم پر ہو رہے اب مسافروں کا ریلا آیا

میاں آزاد کوٹ پتلون ڈلنے جنٹلمین بنے ہوئے تھے مجال کیا کہ کوئی اُنکے درجے میں قدم تو رکھے پھر ریل چلی گھڑ گھڑ بھک بھک پھنک چھنک۔ دھمک دھمک ایں! یہ چھنک چھنک۔ دھمک دھمک کے کیا معنی۔ جی یہ ریل گنگا کے پُل پر سے جا رہی ہی بہت ہی خاصے۔ ایک دفعہ ہی ہندوؤں نے غل مچایا کہ (بول سری گنگا جی کی جے) ریل بھر گونج اٹھی۔ جے۔ میاں آزاد بھی الاپنے لگے۔ گنگا توری لہر ہمارے من بھائی۔ گنگا توری لہر۔ بلہاری بلہاری ریل ہوا ہوئی اور دھاک سے اسٹیشن پر موجود۔

میاں آزاد کھٹ سے ہوٹل میں پہونچے۔ حکم دیا کہ ایک گلاس شری ایک بوتل لمونیڈ اور برف لاؤ۔ غٹ غٹ پی گئے کیا دام ہوئے ہجو۔ شری کے ۸ر لمینڈ کے ۴ر برف کے ۲ر آٹھ اور چار بارہ بارہ اور دو ۱۴ر آنے ہوئے۔ روپیہ دیا دو آنے واپس لیے اور ریل کے درجے میں تھے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک جوان رعنا بلند بالا بیگ گلے میں ڈالے درجے کی تلاش میں گھوم رہا ہی مگر چہرہ اُداس حید حسرت دیاس آنکھوں سے جوئے اشک جاری اور ایک غشی سی طاری۔ حیرت تھی کہ بارخدایا یہ کیا اسرار ہی گبھرو جوان نک سک سے درست۔ یہ رونی صورت کیوں بنائے ہوئے ہے جھپ سے اپنے درجے کی کھڑکی کھولی اور اور کہا آئیے یہاں آئیے وہ بیچارہ مصیبت کا مارا چپکے سے آن بیٹھا ریل چلی تو میاں آزاد سے یوں مکالمہ ہوا۔

آزاد۔ کیوں میاں صاحبزادے بھلا بتاؤ تو۔ تم۔ کس کے ستم رسیدہ ہو کس کے ستائے ہو۔ آخر یہ کیوں منھ بنائے ہو۔

جوان۔ جی صورت ہی ایسی ہے۔ ؎

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

آزاد۔ نا صاحب صورت سے صاف برتا ہٹ کہ آپ شگفتہ جبین ہیں مگر اسوقت سرکہ جبین ہونے کا سبب کچھ اور ہی ہی۔ ہم نے بھی اس کوچے میں خاک اڑائی ہے بس تاڑ گئے کہ کسی بت حور وش پر حضور کی طبیعت آئی ہی اور کسی ترک ستمگار نے تاک کر عین جگر پر نظر کی برچھی لگائی ہی۔

جوان۔ حضرت اسوقت آپکی تقریر سے دل بھر آیا۔ اور پرانا قصہ از سر نو یاد آیا۔ اصل حال یوں ہے کہ خدا ہر شریف کو صحبت بد سے بچائے۔ ؎

کم نشیں با بداں کہ صحبت بد　　گرچہ پاکی ترا پلید کند

صحبت بد وہ کالی ناگن ہی جسکا کاٹا منھ سے بولے نہ سر سے کھیلے

آزاد۔ حق ہے مگر صاف صاف حال کہیے۔

جوان۔ عشق خانہ خراب نے ہمیں ادھر کا رکھا نہ اُدھر کا۔ دین کا رکھا نہ دُنیا کا۔ ؎

ایں عشق ندانم از کجا خاست　　کز ہر رگ و ریشہ ام بلا خاست

اُف اک روز گھنگھور گھٹا چھائی تھی۔ بادل جھوم جھوم کر منڈلا رہے تھے یاران سر پل ملار گا رہے تھے اور بندہ درگاہ چوک میں چکر لگا رہے تھے کہ دفعتہً ایک رنگین کمرے پر نظر پڑی تو دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ صورت سے لوگ بھانپ گئے کہ عشق چرایا۔ لاکھ چھپایا مگر کہیں عشق چھپائے سے چھپتا ہے۔ اے توبہ۔ پھر صورت وہ کہ پری یا چاند کا ٹکڑا۔ یاران سر پل نے سمجھانا تو در کنار اور الٹا پھنسوا دیا اور روز بندہ درگاہ شہدوں کے ساتھ وہاں پہونچنے لگے۔ خوب گلچھڑے اڑنے لگے۔ مگر زبانی داخلہ۔ ہاں اتنا تو ضرور کہوں گا کہ اسکو بھی گو نہ لطف تھا۔

خیر ایکدن یاران سر پل اُسکو میلے لے گئے اب سنئے کہ پہلے ہی دن پیڑ کے تلے شراب میں لنڈھائی گئیں۔ اکتا نمبر دن ایک بوتل

شامپین ایک بوتل۔ روز ایک بوتل۔ ہوسکی ایک بوتل۔ اولڈ ٹام ایک بوتل۔ اور پیل برانڈی ایک بوتل۔ کل چھ بوتلیں اور دس آدمی پینے والے ساقی اور صنم بادہ فروش وہ خود ہیں ساڑھے چار بوتلیں تو یاران سرپل نے پیں اور مارے ہوکے کے وہ خود ڈیڑھ بوتل اڑا گئیں۔ شام کو گھر آئیں تو مخمور نشے میں چور۔ بارہ بجے سے طبیعت گھبرائی اوس کی بہن ایک فنس میں سوار کرکے اسکو اسپتال لائی مگر آتے ہی آتے ذرا سے تڑپ کے دم توڑا دنیائے دوں سے منھ موڑا یاران سرپل کو خبر ہوئی کہ چل بسیں۔ سر پر خاک اڑاتے اور چلاتے وہ بھی پہونچے۔ ع

قبر پر آئے بہت روئے کیا یاد مجھے
خاک اڑانے لگے جب کر چکے برباد مجھے

اسپتال میں جو طرفہ کہرام تھا۔ فنس کے ارد گرد اژدہام تھا جسے دیکھو مصروف گریہ وزاری۔ ہر آنکھ سے اشک جاری ہے ہے گل نوخیز گلستان صباحت مرجھا گیا۔ ہے ہے پھلا پھولا ہرا بھرا گلبن کمھلا گیا۔

یہاں اس حادثۂ نادیدنی اور سانحۂ ناشنیدنی کی کانوں کان خبر ہی نہیں مگر تڑکے بستر سے جو اٹھے تو میٹھا میٹھا درد سا ہونے لگا سوچے کہ ڈاکٹر سے رجوع لائیں اور دوا کھائیں۔ اسپتال میں آئے تو انبوہ کثیر۔ جم غفیر۔ ٹھٹھ کے ٹھٹھ جمع۔ کیوں کیوں خیر باشد حضرت خیر کیا۔ ایک بیچاری کی مفت میں جان گئی۔ ہائے ابھی اٹھتی جوانی تھی۔ حسن پھٹا پڑتا تھا۔ مگر رہے نام اللہ کا۔ ہمارا ماتھا ٹھنکا کہ خدا ہی خیر کرے کچھ دال میں کالا ضرور ہے۔ ع

ندی کنارے دھواں اٹھت ہے میں جانوں کچھ ہوئے
جسکے کارن میں جوگن بھئی وہی نہ جلتا ہوئے

فنس کے قریب گئے تو شک دور اور گمان کافور ہو گیا۔ ہائے جوانی کا یہ جوش اور کفن پوش۔ ہے ہے یہ کیا ہوا۔ میں تو جیتے جی موا طبیعت بیقرار۔ سینہ فگار۔ حالت زار۔ آنکھیں اشکبار دنیا کی فکر نہ عقبیٰ کا ہوش۔ بادۂ محن کے نشے میں مدہوش۔ میں خرقہ پوش۔ خونابہ نوش۔ رند شاہد باز۔ بندۂ بتان طناز۔ خوگر راحت اب یہ مصیبت سہنی پڑی جوش سودا نے وہ رنگ اثر دکھایا کہ فکر بیگانہ نہ خیال خویش میں اور دل ریش۔ ع

زہر عضوم طپیدن زد چناں سر	کہ شد پیراہنم بال کبوتر

اُف اُف۔ اوف۔ دوستوں نے سمجھایا کہ مرد خدا عقل کے ناخن لو۔ دیکھو رسوا ہو جاؤ گے۔ اب معشوق کا زندہ ہونا معلوم پھر گریہ وبکا سے فائدہ۔ مگر جوش جنوں اور وعظ ناصح چہ ع

بر پند عاقبت طلباں گوش کے نہیم
کیں مومیائی است کہ خواہد شکست ما

کسی حضرت نے جڑ دی کہ زہر دیا گیا تھا۔ حکم ہوا کہ لاش چیری جائے ہائے ستم کہ یہ کام اُس نوجوان کے سپرد ہوا جو اُس پری پیکر کے عشاق زار میں سے تھا۔ مگر حکم حاکم مرگ مفاجات۔ ناچار قہر درویش برجان درویش کہہ کے رنج والم سہہ کے چھری لیکر کمرے میں گیا تو اپنے معشوق زہرہ تمثال مشتری خصال کی نورانی صورت گورے گورے کھڑے شرگیں آنکھ لب لعل شکر خا دست حنائی کو آغشتہ خون وخاک دیکھ کر ایک چیخ ماری اور چھری پھینک کر بھاگا تو دھم سے زمین پر۔ کسی اور نے جڑ دی کہ یہ بھی اُس جلسہ میں شریک تھے حالانکہ ہمارے فرشتے خاں کو بھی خبر نہیں۔ مگر مجرم ہیں تو صرف اسقدر کہ دو چار بار آنے گئے لیکن صحبت بد کا برا ہو کہ رجسٹر پر ناکردہ گناہ اینجانب کا نام بھی درج ہو گیا گر خدا ہی خوب جانتا ہے کہ ہم بالکل بے گناہ ہیں۔ ہاتھ بھی لگایا ہو تو ہاتھ ہی ٹوٹیں کبھی اشارہ بھی کیا ہو تو آنکھیں پھوٹیں خدا صحبت بد سے بچائے۔ شہدوں کی نگری میں

بھلے مانس کو نہ پھنسائے ۔ ؎

اے طالب لذت غذا ہائے لذیذ	جو ہائے حلاوت مربائے لذیذ
با نان جویں بساز و بیش و نان	کف کفچہ مکن از پے حلوائے لذیذ

میاں آزاد ریل پر بیٹھے ناول پڑھ رہے تھے کہ دوسرے درجے سے ایک شخص نے پوچھا (یا حضرت) دو ایک دم لگائیے تو بیچوان حاضر ہے۔ واللہ وہ مشکبو دھواں دھار پلاؤں کہ پٹھانا کی دُکان کی تمباکو کا مزہ حاصل ہو۔ لیکن قبلہ اتنا یاد رہے کہ ؎

حقہ یک دم دو دم سہ دم باشد	نہ کہ میراث جد و عم باشد

ایسا نہ ہو کہ آپ پھنسیا جونک بنجائیں۔ جی ذری اتنا خیال رہے ہیں! - حقہ یہاں ریل پر کیسا۔ تیوچیے پھر کے میاں آزاد نے دیکھا تو ایک بگڑے دل مزے سے بیٹھے ہوئے غل غش پی رہے ہیں۔

آزاد۔ یہ کیا اندھیر ہے بھئی واللہ کیا کیا بگڑے دل جمع ہیں آپ ریل ہی پر گڑگڑانے لگے دھواں دھار اور طرفہ اسپر یہ کہ حقہ بھی نہیں بیچواں اور اینٹ کا جنگی تو اجبہروں کی خبر لائے جو کہیں گارڈ یا اسٹیشن ماسٹر دیکھ لے گا تو الٹی آنتیں گلے پڑینگی پھر آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔ چلّا اور جو آگ لگ جائے۔

بگڑے دل۔ اور جو مینھ بھی ساتھ ہی برس پڑے اور جو آگ لگتے ہی بجھ جائے اور جو ریل ہی ٹکرا جائے اور جو آسمان پھٹ پڑے اور جو بجلی گرے۔ اس (اور جو) کا تو جواب ہی نہیں ہے لے پیچئیے گا۔ یا باتیں بنائیے گا۔ دیکھئے کیا خمیرہ ہے کوڑی نہ دیجئے دم تو لگا لیجئے۔

آزاد۔ یہ دم کسی اور کو دیجئے گا۔ بندہ مثال دروازہ میں رہتا ہے آپ ضامن ہوتے ہیں کہ ریل پر حقہ پینا جرم نہیں ہے۔

بگڑے دل۔ اجی یہاں تو بے حقہ گڑگڑائے چین ہی نہیں آتا دوزخ جلنے میں اینجانب خوش کاٹ رہے ہیں۔ اسی سے کہ ہاں جلتے بلتے انگارے ملیں گے۔ یاروں کے توے خوب مزے دیں گے سچے اور پکے کوئلوں کی آنکے آگے اصل حقیقت ہی کیا ہے اے توبہ۔ اجی جائیے بھی آپ تو باتوں میں لگاتے ہیں یہاں حقہ بھڑکا جاتا ہے۔

دو چار بفکروں نے خوب مزے سے حقہ پیا دو چار نے چلم ہی پر کفایت کی جب اسٹیشن قریب آیا تو آگ گل چلم غائب۔

میاں آزاد اپنے دل میں سوچے کہ دھت بھی کیا بری چیز ہے۔ چاہے جُرمانہ ہو جائے دھرے جائیں ذلیل و خوار ہوں مجرم بنیں مگر حقے کا دم نہ چھوٹے۔ ایسی دھت پر تین حرف۔

ایک اسٹیشن پر ریل ٹھہری تو خربزے اور آم بیٹے ہوئے کھانچیوں کی کھانچیاں لدی پڑی ہیں۔ شاخیں آم کے بوجھ سے پھٹی پڑتی ہیں ٹپکا لگا ہے۔ آم ٹپ ٹپ گر رہے ہیں۔ کوئل کی سُریلی جھنکار ستم ڈھاتی ہے پپیہوں کی پیاری پیاری صدا کانوں میں آتی ہے اللہ اللہ یہ اسٹیشن ہے یا آم کی دُکان۔ یا خربوزے کی کھان۔ کیوں بھئی یہ آم پور ہے یا خربزہ نگر۔ جدھر نظر اُٹھتی ہے آم اور خربزہ ہی نظر آتا ہے۔

ایک مسافر بولے ابھی نظر نہ لگائیے حضرت ایکی فصل تو کھا لینے دیجئے یہاں اسی پر تو زیست ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلائے ہم بھی کس آفت کے بندے ہیں۔ الغلط۔ اچھا خدا کے بندے سہی۔ تلفظ اور املا غلط۔ اچھا اپنے آپ کے بندے سہی۔ انشا غلط اچھا صاحب شیطان کے بندے سہی۔ از سر تا پا غلط۔ ارے بھئی کھاؤ پیر کے بندے سہی۔ پیٹ کے بندے سہی۔ ہاں یہ مانی۔ اسکے ساتھ زبان کا چسکا بھی ایسا ہی ہے کہ خدا کی پناہ۔ دن بھر کولھو کے بیل کی طرح منھ چلا جاتا ہے۔ الّم غلّم خدا جانے کیا کیا زہر مار کیا کرتے ہیں۔ یہ سال بھر کے چٹخے کا ست ہے۔ مگر خربزہ اور آم کی فصل میں اور ہی مت ہے۔ اور سچ پوچھو تو دُرگت ہے۔ فالیز میں بیل بڑھی اور

یہاں پچّے گھڑے کی چڑھی۔ آم بازار میں آئے اور اپنی انبج رلنے ایں یہ بورا ناچہ معنی دارد۔ لاحول ولا۔ آپ بھی کہیں گے میں آدمی ہوں۔ زرے چوپنج ہی نہے واللہ۔ بس جمالی خربزے ہی نکلے۔ اس بھدّی کھدری سمجھ پر تینؔ حرف۔ ذرا تو مغز سخن کو پہونچو بندۂ درگاہ تو خربزے اور آم پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔ کپڑے بیچ کھائیں۔ باسن نخاس پٹیل لائیں بدن پر لتّا نہ رہے۔ جو ڈھیر پر توانہ رہے۔ اُدھار لیں ستھنا تک گرو رکھیں بگر لڑا کریں۔ جھگڑا کریں گر خربزے پر چھری ضرور تیز ہو۔ مابدولت ہوں اور فالیز ہو۔ تڑ کا ہوا چاقو ہاتھ میں لیا اور بندہ چلا بازار ہے کہ مہک رہا ہے کھانچیوں کی کھانچیاں۔ کچا کچھ بھری ہوتی ہیں نوجم سنگر نین عجیب ناز معشوقانہ سے ہانک لگا رہی ہیں۔ ؎

نخلے بروا از دل گذرد ہر کہ ز پیشم
من قاش فروش دل صد پارۂ خویشم

خریدار ہیں کہ ٹوٹے پڑتے ہیں لڑتے ہیں جھگڑتے ہیں یہ کھانچی ہماری وہ ڈھیر ہمارا۔ دلبر میوہ فروش جوانی کی اُمنگ وہ شباب کی ترنگ میں فرط غرور حسن سے اُچھلے اچھول کو ڈانٹ بتاتی ہی۔ میاں الگ رہو۔ کھانچی پر نہ گر پڑو۔ لیں دور ہی سے بھاؤ تاؤ کرو۔ واہ تحت (مفت) کی جھنجھٹ۔ لینا ایک نہ دینا دو ابھی کنجڑا بولے تو دھپ کھائے وہ دس کے بیس ہاتھوں ہاتھ لے لیں۔ ایک تراشا دوسرا تراشا تیسرا تراشا۔ خوب چکھے۔ آنکھ چوکی تو دو چار منھ میں دبائے اور چلتے پھرتے نظر آئے واہ آدمی کیا بند رہو گئے۔ میاں سچ تو یوں ہے کہ لکھنؤ کے ایسے گدّے خربزے ساری خدائی میں نہیں دیکھے نہ سُنے لذیذ و شیریں اور پھر ابکی سال تو یاروں کے پو بارہ ہیں۔ گرمی کی شدت آفتاب کی حدّت دھوپ کی تمازت۔ زمین کی حرارت نے وہ اعجاز دکھایا کہ ایک ایک پھل کو کوزۂ قند و نبات بنایا۔ کابل کے سردے کا بازار سرد ہے۔ کشمیر کا گلاس گرد ہے۔ ادھر خربزوں کا خاتمہ بخیر ہوا۔ اُدھر آم کی فصل آئی پھر گیا تھا منھ مانگی مراد پائی جدھر دیکھئے ڈھیر کے ڈھیر چنے ہیں جس طرف نظر کیجئے انبار کے انبار لگے ہیں۔ بمبئی۔ سلٹ۔ مالدا۔ شاہ پسند۔ زعفران پیوندی۔ تخمی۔ قلمی۔ وزیر پسند۔ سفیدا۔ الفن۔ جعفر باغ فقیر والا۔ لنگڑا۔ کچا کچھ کھانچیوں میں بھرے ہیں۔ شیرہ شیریں خوشگوار بو باس میں تار تار۔ مہک میں طبلۂ عطار۔ شیرینی میں شہد کی پُٹی یا تنگ شکر۔ نکہت انگیزی میں گشت زعفران یا مشک اذفر۔ ؎

معطر چو جیب سمن غبغباں
از و لب چشی کام شیریں لباں

سفیدا رنگ و بو میں ضرب المثل۔ یہ سرخا ہی یا کہدی رد نہ کی بوتل۔ پونڈے کا قلم بناؤں تب تو شیرینی کی تعریف لکھ پاؤں واہ کیا بات ہے۔ آم کیا ہمشیرۂ قند و نبات ہی یا یوں کہوں کہ چاشنی بخش حیات ہی۔ شاخ نبات ہی۔ سچ تو یوں ہی کہ اسکا شیرہ آب حیات ہی۔ ریشہ ریشہ مسرت دلہائے ریش میں دوڑ آئے شکر لبوں کے منھ میں پانی بھر آئے۔ یہ اصل قند نقل ہے عسل کی بھلا کیا اصل ہے۔ یہاں تو یہ کیفیت ہے کہ دیکھا اور چھپاک اُٹھایا۔ اُٹھایا اور تراشا۔ تراشا اور کھایا۔ کھایا اور لوٹ ہو گئے دم نقد آدمی ٹھہرے۔ مال اسباب کے کوڑے کیے اور بے گنتی لیے۔ کھانے بیٹھے تو دو ڈاڑھی کھا گئے چار ڈاڑھی کھا گئے۔ اِن یہ ڈاڑھی کھانا کیسا۔ اجی حضرت آم اتنے کھائے اتنے کھائے اتنے کھائے کہ۔ اکی خیر کچھ کھو گئے کیا۔ اجی

اتنے کھائے کہ ڈاڑھی اور ٹھوڑی تک اچار لگائے۔

حضرت گرسنہ چشم یہ ڈرینگ ہانک ہی رہے تھے کہ ریل ٹھہری اور ایک اہلکار سرکار نے انکے درجے میں آکر پوچھا کہ فلاں شخص کہاں ہے۔

میاں آزاد آپ جانئے کہ ایک ہی کائیاں آدمی۔ دُنیا بھر کے نیارے بھانپ گئے کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہی۔ بولے کہ ہم مسافر آدمی ہیں بھلا کیا معلوم کہ کون کہاں ہی ہم کیا کوئی خدائی فوجدار ہیں اسپر حضرت بندۂ شکم نے چادر سے منھ لپیٹ کر روپوشی کی اور وہ اہل کار دوسرے درجے میں تلاش کرنے لگے۔

میاں آزاد نے دبے دانتوں کہا کہ استاد تم جو روپوش ہوئے تو ہیں کچھ دفیہ ضرور ہی بھلی اور کسی سے کہو یا نہ کہو یاروں سے تو نہ چھپاؤ اس نے کہا کیا۔ روپوشی۔ ماشاءاللہ اچھی کہی۔ کیا کسی کا قرض دھرا تے ہیں۔ یا مال مارا ہے۔ یا کسی کا باپ مارا ہے یا کہیں خون کرکے آئے ہیں۔

آزاد۔ آپ بہت تیکھے ہو جیسے گا تو بندہ دھروا ہی دے گا بس کچا چٹھا کہہ سناؤ ورنہ میں پکارتا ہوں پھر۔

ارے نہیں نہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا یار ہے میاں صاف صاف بتا دیں ہم نے اب کی فصل میں خربزے اور آم خوب چھک کر چکھے مگر ٹکا کفن کو پاس نہیں۔ پوچھو لائے کس کے گھر سے پہلے تو قرض وام لیا پھر ایک دوست کا مکان اپنے نام سے پٹیل ڈالا۔ کوڑے کیے اور آم لیے۔ اب نالش ہوئی ہے سو ہم بھاگے جاتے ہیں۔

آزاد۔ ایسے آم کھانے پر بھی چار حرف۔ ل ع ن ت۔

ارے نادان۔ ہے

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن ست | تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن ست

دیکھئے نادان داداں نہ بنائیے گا۔ یہ چلے کٹے فقرے کسی اور کو سنائیے گا۔ ورنہ بیڈھب ٹھہرے گی۔

ہاں یہ کہئے کہ بیڈھب ٹھہر گئی اچھا بلاؤں چپراسی کو دھروا دوں پھر۔

نا بھائی چاہے دو چار صلواتیں اور سنا لو۔

اتنے میں ایک مسافر نے کئی درجے پھاندے۔ وہ آچکا یہ آیا یہ جھپٹا وہ پہونچا اور دم سے میاں آزاد کے پاس ہو رہا۔

مسافر۔ (میاں آزاد سے) غریب پرور۔ غریب پرور۔

آزاد۔ کس سے کہتے کس سے ہو۔ ہم سے؟ آج تو کہا اب نہ کہنا ہم غریب پرور نہیں۔ امیر پرور ہیں۔ رئیس پرور ہیں۔

مسافر۔ حضور امیر لوگ غریبوں کی بھی سنا کرتے ہیں۔

آزاد۔ ہاں تو جو امیر ہو نہ۔ اینجانب تو امیر پرور رئیس گر ہیں۔ امیر پرور بن کر اب غریب پرور ہمارے دشمن ہوں۔

مسافر۔ چلو صاحب وہ امیر پرور نہیں۔ امیر کے باپ پرور دادا پرور سہی۔ ذری ہماری بھی تو سنو۔ ہم بھی امیر زادے ہیں۔ رئیس کے لڑکے ہیں۔ اسوقت ایک سوال ہے۔

آزاد۔ سوال سکول کے لڑکوں سے کیجئے۔ یا وکالت کے امیدواروں سے۔

مسافر۔ داتا ذرا سنو تو

آزاد۔ داتا بھنڈاری باورچی کو کہتے ہیں۔ داتا کہیں اور رہتے ہوں گے۔

مسافر۔ آہی تو بہ اچھے سوم سے سوال کیا۔ کسی سخی سے مانگتے تو گھر بھر دیتا۔

آزاد۔ کہو تو تمھارا منھ ہم بھی موتیوں سے بھر دیں۔ اب کچھ کہو گے بھی یا بکتے ہی چلے جاؤ گے۔

مسافر۔ کہوں کیا۔ صورت سوال ہو۔ ایک روپیہ دلوا دو۔ تو دعائیں دیتا جاؤں۔

آزاد۔ اوہ۔ جی۔ دعا کے تو اینجانب قائل ہی نہیں۔

مسافر۔ اچھا تو پھر گالیاں دوں صلواتیں سناؤں۔
آزاد۔ گالیاں دو تو تیسی حلق میں ہو۔ الٹی آنتیں گلے پڑیں۔
مسافر۔ یا الٰہی یوں چین نہ دوں یہ چین۔ ارے غضب۔ ارے لو اسٹیشن قریب آگیا۔ اب مفت میں بے عزت ہوں گے۔
آزاد۔ یہ کیوں۔
مسافر۔ کیوں کیا ٹکٹ پاس نہیں۔ گھر سے دو روپیہ لے کر چلے تھے شامت اعمال بنارس کا لنگڑا آم نظر پڑا۔ بندۂ درگاہ کھاؤ پیر کے مرید۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ دو روپیہ ٹینٹ سے نکالے اور آم پر چھری تیز کی۔ اب گرہ میں کوڑی نہ پاس لتا گئے کھائیں البتہ۔
آزاد۔ واہ بے بیٹو۔ بھلا پھر یہاں تک آئے کیونکر۔
مسافر۔ اسکی نہ پوچھیے۔ یہاں سیکڑوں ہی السیٹیں یاد ہیں۔ لیکن اب ایک نہ چلے گی اب تو اشٹیشن آگیا۔

اتنے میں ریل کوکی اور اشٹیشن موجود۔ ٹکٹ بابو کی کالی کالی ٹوپی اور سفید کھوپڑی چمکتی ہوئی نظر آئی۔ ٹکٹ۔ ٹکٹ۔ ٹکٹ۔ نکالو۔ میاں آزاد تو ٹکٹ دے کر چلتے ہوئے۔ بابو نے انسے ٹکٹ مانگا تو لگے بغلیں جھانکنے۔ ول تمھارا ٹکٹ کہاں۔ صدائے برنخاست وہ سر کھجلا رہے ہیں۔ ول ٹکٹ نکالو۔ تم کیسا آدمی ہے۔ بابوجی ہم پر تو آپ کی سال ٹکس وکس نہیں بندھا۔ یو فول اُلّو آدمی۔ معقول۔ اُلّو آدمی کیسا ہوا کرتا ہے۔ آپ کے بنگال میں ہوتا ہوگا۔ ادھر تو کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ تب تو بابو جھنجھلایا کانسٹبل کانسٹبل اسکو حوالات کرو۔ ٹکٹ نہیں دکھاتا۔ اور اول فول بکتا ہے سالا۔ کانسٹبل نے حضرت کی گردن ناپی اور حضرت گرسنہ چشم۔ زنداں کو چلے مچل مچل کر۔

سرآمد محفل آرایان بزم رہ نوردی۔ جوہر شمشیر کشور کشایان معرکۂ کوچہ گردی میاں آزاد خانہ برباد گردوں وددی میں خوش گپیاں اڑاتے لطیفے سناتے قہقہے لگاتے جا رہے تھے۔ ریل کیا ان کے حساب خالہ جی کا گھر تھا۔ ایک دفعہ ہی کیا دیکھتے ہیں کہ۔ ؎

قطرہ نشاں میرسد ابر بہاری زراہ
دقت گل ولالہ خوش مژدہ بجار دگیاہ
تا میاں خیاط وار ز اطلس گلگوں دگر
فرق گل ولالہ را دوختہ رنگیں کلاہ
لشکر گرد و غبار چوں نگریزد کہ باز
برسرش ابر سیہ راندہ زباں را سیاہ

ہر سمت جوش بہار ہے۔ ہر طرف فیض سحاب آزار ہو زاہد پرہیزگار شعار بھی رند بادہ گسار ہو۔ ہر طرف چمن غالیہ بار ہو نسیم سحری کی مشک بیزی اور بادۂ طرب انگیز کی نافہ ریزی سے غنچۂ دل تک کھلا جاتا ہو۔ ہر مرغ چمن ہزار زبان سے شکر الطاف خداوندی بجا لاتا ہو۔ عندلیب نالاں کو وظیفۂ گل نوک زبان ہو طاؤس طناز فرط ابتہاج سے رقصاں ہو۔ قمریوں کا شمشاد پر ہجوم ہو۔ کوکو کا شور نالۂ حق سرہ کی دھوم ہے۔ ؎

عیش و شور از در و دیوار پدید است پدید
لوحش اللہ ازیں دور ہمایوں آثار

ریل پر جو مینھ برسے تو فرمائیے لطف نے اندازہ ہوا یا نہو۔ ریل پر موسلا دھار پانی پڑے تو مسرت تازہ ہو یا نہ ہو۔ رنج وملال کی گرد میاں آزاد کے دل سے دھل گئی اور ریل ہی پر لگے ملار اڑانے اور تان لگانے۔ اسٹیشن پر ریل ٹھری تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوبصورت جوان کوئی بیس اکیس برس کا سن پڑھنے لکھنے کے دن۔ گیروے کپڑے پہنے ہاتھوں میں ہتھکڑی پاؤں میں بیڑی ہو اور دو کانسٹبل ساتھ۔ گردن نیوڑھائے آنکھیں جھکائے منہ بنائے انکے ساتھ چلا جاتا ہو اور پیچھے ایک پیر فرتوت آٹھ آٹھ آنسو روتا ہے

وہ گریۂ تلخ کہ الامان اسٹیشن بھر پر ایک کہرام سا مچا ہو جوان و پیر جسے دیکھو مصروف آہ و بکا ہے۔ میاں آزاد رقیق القلب آدمی انکا بھی دل بھر آیا۔ اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے اتنے میں میاں آزاد کے قریب کے درجے میں کانسٹبل اس نوجوان کو لے کر بیٹھے اور پیر مرد نے بہ خشوع و خضوع میاں آزاد سے روتے روتے کہا کہ اگر مضائقہ نہ ہو تو میں آپ کے پاس بیٹھوں تاکہ اس کمبخت لڑکے کی قربت رہے۔ میاں آزاد کا تو دل بھر ہی آیا تھا فوراً بلا لیا۔ اور بڑے تپاک سے بٹھایا۔ جب ریل کوکی۔ اور گھڑگھڑاتی ہوئی چلی تو میاں آزاد نے پیر فرتوت سے یوں گفتگو کی۔

آزاد۔ کیوں قبلہ۔ اگر بے ادبی معاف ہو تو بصد عجز دریافت کروں کہ اس اشکباری اور گریہ وزاری کا کیا سبب ہو۔ دل گواہی دیتا ہے کہ آپ نے جو چوٹ کھائی ہو کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ روتے آپ ہیں مگر آواز میرے کلیجے کے پار ہوتی ہے اور خلق خدا یہ گریہ وزاری سنکر روتی ہو۔ ؎

پیر مرد ؎	دست الم سے اے دلے دیلا سونے نہ پلنے تک پاؤں پھیلا	

کیا کہوں کل تک بھلا چنگا تھا آج مجھ سے زیادہ مصیبت زدہ ستم رسیدہ ساری خدائی میں کوئی نہیں۔ آنکھوں میں نور نہ رہا۔ قوت سامعہ سے بے بہرہ ہو گیا تاب و طاقت نے ٹکا سا جواب دیا۔ کمر پیرانہ سالی کی سبب سے تو خم ہو ہی گئی تھی اس سانحہ نا دیدنی نے اور خم کر دی یہ جوان بدبخت میرا داماد ہے۔ ریاض خاندان کا زیب و زین۔ دل کا چین۔ ایک لڑکی کے سوائے اور کوئی اولاد نہیں۔ لیکن صحبت بد سے خدا سمجھے جس نے اسکی مٹی پلید کر دی۔ اور آج یہ دن دکھایا کہ میں اس اسّی برس کے سن میں اسکو ایسی حالت زار میں دیکھتا ہوں جو خدا کسی کو نصیب نہ کرے۔ اُف ساتویں دشمن کو بھی نصیب نہ کرے (لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر) ؎

	انچہ کردی تو بہ من ہیچ بہ انساں نہ کند مرگ با جاں نکند کفر بہ ایماں نہ کند	

اُف۔ ستم ستم۔ غضب غضب۔ جب اسکی شادی ہوئی تو یہ کوئی گیارہ برس کا تھا مگر اُسی سن سے اس کے ماں باپ نے اسکو بالکل مطلق العنان چھوڑ دیا تھا۔ بازاروں میں بے محل و عش گھومنا بات بات پر زبان سے گالی نکالنا۔ کسی کو دھول کسی کو چپت جانا دو دو دن گھر میں نہ آنا۔ ہر بات پر مچل جانا اسمیں یہ خوب ہی طاق تھے۔ اسکے پدر بزرگوار کو اسکا اصلا خیال نہ تھا میں نے جو دو چار بار سمجھایا کہ بھائی دیکھو لڑکا خراب ہوا جاتا ہے تو مجھے للکارنے اور صلواتیں سنانے لگے کہ واہ آپ ٹوکنے والے کون۔ کیا خانہ داماد بنا لیجئے گا یا غلام بنانے کی فکر ہے آپ نے لڑکی کیا بیاہی کہ اتالیق بن بیٹھے رفتہ رفتہ صاحبزادۂ بلند اقبال نے چوری چوری اسباب کے کوڑے کرنے شروع کئے کبھی آفتابہ غائب۔ کبھی زیور کا پتہ نہیں۔ کبھی میوہ فروش دروازے پر غل مچا رہے ہیں کہ دو مہینے سے ڈھائی روپیہ نہیں دیا اب باہر نکلو گے نہ بچہ۔ کبھی تنبولی نے نالش جڑ دی کہ گیارہ روپیہ کی گلوریاں چکھ گئے۔ دام مانگتا ہوں تو اوپر سے غراتے اور آنکھیں دکھاتے ہیں۔

آخر کار یہ نوبت پہونچی کہ آج پابجولاں ہیں افسوس صد افسوس۔

آزاد۔ حیف صد حیف۔ پھر اب علاج۔

پیر مرد۔ علاج! علاج اب کیا۔ ۶۔ علاج واقعہ قبل از وقوع

باید کرد۔ مگر وکیلوں نے رائے دی ہے کہ گھبرانے کی بات نہیں ہے مقدمہ جان دار ہے۔ اپیل میں رہا ہو جائے گا۔

آزاد۔ خدا چنیں کند۔

پیرمرد۔ بچہ بازیچہ۔ ابھی اگر رہا بھی ہوئے تو آگے چل کر کیا ہونا ہے۔ اگر یہی حرکتیں ہیں تو خدا ہی حافظ ہے۔ ان کے ہتھکنڈے نہ چھوٹیں گے۔

خوئے بد در طبیعتے کہ نشست
نرود جز بوقت مرگ از دست

میاں آزاد بڑی دیر تک اس نوجوان کو سمجھایا کیے بعد ازاں دوسرے اسٹیشن پر وہ نوجوان اور پیرمرد دونوں اُتر گئے ؎

بیا ساقی بیا اے من مریدت
بدہ جامے کہ خواہم شد شہیدت
سرت گردم بجامے ساز شادم
کہ رنگیں قصہ آمد بیاد م

مشاطگان عرائس روایات دلنشین اور نگار بندان عرائس حکایات رنگین نے شاہد مضمون کو یوں جلوہ پرداز بیان کیا ہے کہ عروس وحشت کے برقع کشا۔ جرعہ نوش جام بلا نمک پاش شارع خوان عشق۔ اسیر زندان عشق۔ میاں آزاد خانہ برباد ریل پر سے اترے تو اندھیرا گھپ۔ اسٹیشن بھر گھُپ چُپ ؎

بود شبے چوں دل کُرد سیاہ
تیرہ دروں چوں مژۂ شمع نگاہ

الٰہی یہ رات ہے یا نمونہ ظلمات ہے بلکہ وہ بھی اس کے مقابلہ میں مات ہے۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہے کالا متوالا بادل جھوم جھوم کر قبلہ کے رُخ سے آیا ہے وہ گھنیری گھٹا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھے بار خدایا یہ شب تار ہے یا طالع عشاق زار ہے۔ یا زلف مہوشاں فرخار ہے۔ تاریکی نے کچھ ایسی ہوا باندھی کہ چراغ ماہ گل ہو گیا۔ فوج انجم کا قتل ہو گیا یہ شب ہے یا تیرہ دروں کا دل۔ یہ شب ہے یا جنوں کی پہلی منزل۔ ہر فرد بشر جریب ٹیکتا ہوا چل رہا ہے گر کلیجہ دہل رہا ہے کہ کہیں ٹھوکر نہ کھائیں۔ کہیں منہ کے بل زمین پر نہ لڑھک جائیں۔

اب میاں آزاد کے آئے حواس غائب کہ یا مظہر العجائب پردیس کا واسطہ مسافر آدمی جاؤں تو کدھر جاؤں۔ سر کا پتا پاؤں تو کیونکر پاؤں۔ ایک دفعہ ہی کسی شخص سے۔ سر ٹکرایا کھٹ کھٹ ہائیں یہ اندھا ہے۔ کون۔ تو کون۔ جانتا ہے کہ دن ایک کہیں بیدھا تو نہیں ہے ایسا نہ ہو ایک جلو میں تو پھر روتے ہوئے جاؤ۔

میاں آزاد نے جو دو چار گرما گرم فقرے چست کیے تو انکی عقل سرد ہو گئی۔ تاڑ گئے کہ اس سے بولوں گا تو خوب پچھتاؤں گا آؤ چپکے ہو رہو۔ اور دو قدم بڑھے تو ایک مسافر نے للکارا کون آتا ہے میاں ذری سنبھلے ہوئے دیکھو تنگ رکھے ہیں دب کے جانا۔

آزاد۔ این! معقول۔ راستے میں تنگ کیسے۔ واہ۔ اچھی بے پر کی اُڑائی۔

تلنگ باز۔ بھئی ریل پر بھی واللہ کیا کیا بگڑے دلوں سے سابقہ ہو جاتا ہے۔ ہم تو لجاجت سے کہتے ہیں کہ میاں ذری دب کے جاؤ آپ تیکھے ہوئے جاتے ہیں۔

آزاد۔ دب کے جاؤ! ہونہہ دب کے کوئی اور جاتے ہوں گے ہم دبنے والے آدمی نہیں۔ اور واللہ کتنے گو کھے ہو۔ ایسے نادان میاں ہاتھ کو ہاتھ سوجھتا ہی نہیں تنگ کس بھکوے کو سوجھینگے۔

تلنگ باز۔ کیا ر تو نری آتی ہے۔

آزاد۔ اچھی کہی۔ ہ۔ اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی۔ کیا تنگ نیچے جاتے ہو۔

تِلنگ باز۔ لاحول ولاقوت کیسے نِبے تکے آدمی ہو۔ ہم خود گھر کے امیر ہیں تِلنگ بجیں ہمارے دشمن۔ کوئی اور کہتا تو گردن ناپتا۔

آزاد۔ گردن تو پیچھے ناپیے گا ذری ڈنڈ بل میرے دیکھ لیجئے۔

تِلنگ باز۔ ارے بھئی یہاں سے کوئی چار کوس پر ایک قصبہ ہے وہاں ایک رئیس زادے ہمارے لنگوٹئے یار ہیں اُنسے ہم سے تِلنگوں کا میدان بدا گیا تھا ہم اپنے رفقا کو لے کر ایک بارہ دری کے کوٹھے پر تھے وہ اپنے دیوانخانے کی چھت پر حوالی موالی کو لیے ہوئے تھے۔ کوئی سات بجے سے ادھر بھی تِلنگ چھپکے اُدھر بھی بڑھے خوب لم ڈوروں لڑے۔ پانچ روپیہ فی پیچ بدا تھا یار ایک تِلنگ خوب لڑا ہم نے مانگدار بڑھایا تھا اور اُدھر سے گول دو پنا کل پتّا چھپکا دیا دس بارہ منٹ داؤگھات کے بعد پیچ پڑ گئے پہلے تو ہمارے کنّے نتھ گئے۔ ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے سمجھے کہ اب کٹے اور اب کٹے مگر واہ رے اُستاد ایسے کنّے چھڑائے کہ واہ جی واہ پھر تو پیچ لڑ گیا خدا جھوٹ نہ بلائے تو پنسیریوں ڈور پلا دی کنکوا آسمان سے جا لگا جو کوئی دم اور ٹھہرتا تو جل بھن کے خاک ہو جاتا کرہ نار تک پہونچنے ہی کو تھا اتنے میں ہم نے غوطہ دیکر ایک جھپکا جو دیا تو وہ کاٹا وہ کاٹا۔ فریق ثانی (ارے) کر کے رہ گئے اب کوئی کہتا ہے کہ ہتّے پر سے اکھڑ گیا کوئی کہتا ہے ڈور الجھ گئی تھی مگر یہ باتیں ہیں اب سنئے حماقت نے جو گھیرا تو چلے چٹانے کھٹ سے الگ تھا بیدی گئی تھیں نماز بخشانے روزے گلے پڑے۔ ایک خربوزیے کنکوّے سے ہم نے کوئی نو دس کے قریب کاٹے۔ مگر پھر تو کچھ ایسی ہوا چلی کہ توبہ ہی بھلی۔ اُنکی طرف کوئی بلا کا استاد آ گیا اُسنے تو حضرت کھینچ کے وہ وہ ہاتھ دکھلائے کہ الامان۔ ہاتھ ہی ٹوٹیں مردک نے جھکّے چھوڑا دیے کبھی سر سر کرتا ہوا نیچے سے کھینچ گیا کبھی اوپر سے تِلنگ پر چھاپ۔ بیٹھا کبھی دھوکا دے کر ڈہرا نکال لے گیا۔ آخر میں نے حساب جو لگایا تو پچاس کے پیٹے میں گئے اور یہاں ٹکا پاس نہیں ہم نے بھی ایک ال ٹک لیا ہے گھر کے سونے کے کڑے کسی کے ہاتھ پٹیلیں گے کوئی دس تولے کا ہو گا چپکے سے اُڑا دوں گا۔ کسی کو کانوں کان خبر ہو تو ہاتھ کٹوا ڈالوں آئی گئی نوکروں ماماؤں اصیلوں کے ماتھے جائے گی۔

آزاد۔ آپکے والد کیا پیشہ کرتے ہیں حضرت۔

تِلنگ باز۔ جی زمیندار ہیں مگر اینجانب کو زمینداری سے نفرت ہے۔ زمیندار کی صورت سے نفرت۔ اس پیشہ کے نام سے نفرت شریف آدمی اور لٹھ لیے ہوئے مٹّیر مٹّیر گھوم رہے ہیں ہم سے یہ نہو گا۔ انگریزی فارسی پڑھ کر کسانی کرنا چہ معنی دارد۔ ہم کوئی مزدور سے تو ہیں نہیں۔ یہ گنواروں ہی کو مبارک رہے۔

آزاد۔ حضور نے تعلیم کہاں پائی ہو۔ واللہ آپکے خیالات تو حکیمانہ ہیں آپ تو لندن کے عجائب خانہ میں رکھنے کے لائق ہیں۔

تِلنگ باز۔ یہیں کے تحصیلی اسکول میں کچھ دن گھاس چھیلی ہے۔

آزاد۔ کیا گھسیارے بننے کا شوق چرایا تھا۔ کہیں گھاس تو نہیں کھا گئے ہو۔

تِلنگ باز۔ بھائی کوئی چھ سات برس پڑھے مگر گنڈے دار پڑھائی ایک دن حاضر تو دس دن غرّہ۔ اتنے میں پہلے درجہ کا امتحان دیا مگر لڑھک گئے پھر دیا پھر اپنا سا منھ لیکر رہ گئے وظیفہ ملا نہیں اور ابّا نے کہا کہ بلا وظیفہ ہم نہ جانے دینگے ورنہ ضلع اسکول میں ہم تعلیم پاتے۔ خیر اس جھنجھٹ سے نجات پائی تو تحصیلدار صاحب کے منجھلے صاحبزادے سے دوستی بڑھائی۔ تب تک ہم نرے جانگلو ہی تھے بس انتہا یہ ہے کہ حقہ تک پینا نہیں جانتے تھے۔ تو وجہ کیا اچھی صحبت میں کبھی بیٹھے ہی نہ تھے۔ چھوٹے میرزا

بیچارے نے ہمیں حقہ پینا سکھایا۔ شدہ شدہ چانڈو کے چھینٹے انکے ساتھ اڑائے۔ پہلے آپ مجھے دیکھتے تو کہتے قبر میں ایک پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔ بدن میں گوشت کا نام ہی نہیں ہڈی ہڈی گن لیجیے۔ اب جب سے بھیّو نے مرزا کی صحبت میں تاڑی پینا شروع کی تب سے ذری ہرا ہوں۔ پہلے ہم بالکل گاؤدی ہی تھے یہ پتنگ اڑانا تو اب آیا ہے مگر ابھی پیچا کش کے پیٹے میں آگئے۔ منجھلے میاں سے ہم نے تدبیر پوچھی واللہ تڑسے بتایا کہ جب بہن یا بھاوج یا بیوی کی آنکھ چوکے تو کوئی طلائی عدد صاف اڑا دو بھئی ضلع اسکول میں پڑھتا تو ایسی اچھی صحبت نہ ملتی یارجی۔

آزاد۔ واللہ آپ تو خراد پر چڑھ گئے آٹھوں گانٹھ کمیت سب گنوں پورے تمھیں کون کہے لنڈورے۔

پتنگ باز۔ آپ یہاں کہاں فروکش ہوں گے چلئے اسوقت غریب خانہ ہی پر ماحضر تناول فرمائیے۔ اور شب باش ہوجیے ع۔ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا۔ سرا میں تو تکلیف اٹھائیے گا۔ ہاں جو کوئی تعلق ہو یا پیدا کرنے کا شوق چرّایا ہو تو کیا مضائقہ (مسکرا کر) سچ کہنا استاد کچھ لسر کا ہے۔ یا ڈھکوسلا ہی ڈھکوسلا ہے۔

آزاد۔ میاں یہاں ع۔ دل ہی نہیں ہو پاس محبت کریں گے کیا۔ مگر خیال خاطر احباب ضرور چاہیے چلئے آپ ہی کے مہمان ہوں یہاں تو بیفکری کے ہاتھ بک گئے ہیں۔ مگر استاد اتنا یاد رہے کہ بہت تکلیف نہ کیجیے گا بندہ تکلف کا دشمن ہے۔ ؎

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر
آرام سے ہیں وہ جو تکلف نہیں کرتے

پتنگ باز۔ ہائے واللہ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ بس ایک دس سیر کا پلاؤ تو بنوائیے گا مگر تکلف نہ کیجیے گا اور کوئی آٹھ دس قسم کا گوشت بھی ہو۔ مگر میرے ہی برابر۔ واللہ مانتا ہوں آپ کا بابایاں قدم ملے۔

اتنے میں میاں آزاد اور پتنگ باز رتھ پر سوار ہوئے تو خوشامد خوردل لیمو نچوڑوں نے کہا کہ آداب بجا لاتا ہوں حضور۔ رخصت ہوتا ہوں پیر و مرشد۔ کورنش عرض ہے خداوند۔ کل نو کے تڑکے حاضر ہونگا۔ جناب میں بھی دوپہر کو کھانا کھانے کے قبل پہونچ جاؤں گا۔ رتھ چلا تو ہوا سے باتیں کرتا ہوا کھٹ سے مکان پر داخل۔ آئیے آئیے منجھلے میاں آئیے۔ اندر سے باہر تک خبر ہو گئی کہ منجھلے میاں تشریف لائے۔ میاں آزاد اور وہ دونوں اترے۔ صاف ستھرے کمرے میں فرش مکلف پر جا کر بیٹھے اتنے میں ایک لونڈی اندر سے آئی۔

لونڈی۔ منجھلے میاں چلئے بڑے صاحب نے آپکو اندر یاد کیا ہے۔

منجھلے میاں۔ (وہی پتنگ باز) اے ہو ناک میں دم کر دیا۔ آتے دیر نہیں ہوئی بلاتے ہیں۔ چلو آتے ہیں نبی بخش آپکے لیے حقہ بھر لاؤ اور خاصدان میں گلوریاں تیار کرو (آزاد سے) آپ اجازت دیں تو ذری والد سے مل آؤں ابھی آیا۔ آپ تب تک حقہ نوش جان فرمائیے گانا دانا سنئے تو بلواؤں کسی کو۔ مغنی ہو مطرب ہو قوال ہو۔ صنم خوش جمال زہرہ تمثال ہو۔ شراب ناب ہو۔ نرگسی کباب ہو۔ یہ کہکر منجھلے میاں تو ایک خادم باادب سے علیحدہ چپکے چپکے کچھ چہ میگوئیاں کرنے لگے اور لونڈی اندر پہونچی۔

لونڈی۔ میاں۔ میاں۔ انکے پاس تو کوئی ان کے دوست سند تکیہ لگائے زانو سے زانو بھڑائے بیٹھے ہیں۔

میاں۔ ان کے دوستوں کی نہ کہو شہر بھر کے خدائی خوار گرگے سوار بدمعاش عیار چور مکار جھوٹوں کے سردار ان کے لنگوٹیے یار ہیں۔ بھلے مانس سے ملتے جلتے انھیں دیکھا ہی نہیں۔

لونڈی ہیں۔ نامیاں شکل صورت وضاد وضع) سے شریف خاصے بھلے مانس معلوم ہوتے ہیں مگر ہیں بڑے لسان۔ ابھی جوان جہان گلے تھلے کے گھبرو ہیں اور قبول صورت ہنس مکھ ہیں تو جانوں کہیں باہر سے آئے ہیں نبی بی انھیں اچھی طرح کھلانا پلانا دوڑ دوڑ کر یں موجود ہیں اور لونڈیوں اصیلوں کی دھاڑ کی دھاڑ موجود ہے رہا منجھلے میاں سے دوستی نبھتے نہ دیکھی چار دن کی چاندنی پھر اندھیرا پاکھ۔

خیر شب کو میاں آزاد اور منجھلے میاں نے خواب ناز کے لطف اُٹھائے صبح کو حوالی موالی جمع ہوئے۔

لقّاظ۔ حضور کل تو خوب خوب پیچ لڑے اور ہوا بھی خوب ہی موافق تھی

منجھلے میاں۔ پیچ کیا لڑے پچاس ۵۰ کے ملتھے گئی خیر اسکا تو یہاں غم ہی نہیں مگر کرکری بڑی ہوئی۔

طرّار۔ واہ حضور کرکری کی ایک ہی کہی قسم خدا کی وہ لمڈورا پیچ نکالا کہ بایدوشاید۔ ہزار پیچ بھی جو کٹ جاتے تو آپکے آگے گرد تھے۔

فقرہ باز۔ دریں چہ شک۔ حق ہے حضور۔ واللہ باللہ ثم باللہ زمانہ بھر یہی کہتا تھا کہ کبھی نہ پیچ کیا کاٹا کہ کمال کیا۔ کچھ انعام دلوایئے خداوند۔

لسّان۔ خداوند آپکے قدموں کی قسم ہے۔ آج شہر بھر میں اُس پیچ کی دھوم ہے اور قربان جاؤں پیر و مرشد۔ چالیس پچاس روپیہ کی بھلا کوئی اصل و حقیقت ہے؟ اسے یہ تو ہاتھ کا میل ہے۔

رند۔ حضور آج منجھلے آغا کے یہاں مشاعرہ ہے تشریف لے چلئے گا۔

آزاد۔ ضرور۔

مشاعرہ کی دھوم اور شعرا کا ہجوم

چوں اکذب اوست احسن او | در نظم مپیچ و در فن او

شام کے وقت میاں آزاد اور انکے حبیب بلبل شاخسار معجز طرازی حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نور اللہ مرقدہٗ کے مطائبات خبیثہ اور غزلیات انیقہ با معان نظر مطالعہ کر رہے تھے۔ شیخ مبارک نہاد کے کلام ندرت التیام نے آزاد کو کہ خود سخن سنج ملیح الکلام شیریں مقال ذکی الطبع بدیع الخیال ہیں ایسا مست الست کر دیا جیسے بسنت کی رُت میں بھونرا کلیوں کے رس سے مست ہو جاتا ہے عین حالت وجد میں جھوم جھوم کر یہ اشعار آبدار لحن داؤدی پڑھ رہے تھے۔ ؎

اے نفس خرم باد صبا | از بر یار آمدہ مرحبا
قافلۂ شب چہ شنیدی ز صبح | مرغ سلیماں چہ خبر از سبا
بر سر خشم است ہنوز آں رقیب | یا سخنے میرود اندر قضا

کہ یکایک ایک مرد معمّر و سن رسیدہ۔ گرگ باراں دیدہ مولویانہ قطع بنائے پٹّی دستار کھوپڑی پر جمائے۔ کانی آنکھ کو اُس کے خم و پیچ میں چھپائے دوسری میں سرمہ بریلی کا لگائے عقیق کا کنٹھا ہاتھ میں دبائے کھٹ کھٹ کرتے کمرے میں دراتے چلے آئے۔ السلام علیکم۔ وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ مزاج شریف الحمد للہ علی کل شئی قدیر۔

خیر ان تکلفات ضروری کے بعد جیب سے ایک اشتہار نکالا اور آزاد کی خدمت میں بصد ادب بطریق نذر پیشکش کیا۔

اشتہار

فصحائے گرامایہ کو مژدۂ تازہ اور شعرائے بلند پایہ کو نوید بے اندازہ ہو کہ ۳۱۔ فروری کو روز آدینہ وقت شام نواب ملیح الدولہ بہادر کی گلابی بارہ دری میں صحبت مشاعرہ قرار پائی ہے خاکسار میرغلام نے اہتمام و انتظام کار خیر میں بڑی محنت شاقہ اٹھائی ہے لہذا ناظرین تقدس آئین کی خدمات رفیع البرکات میں بصد خشوع و خضوع التماس عجز اساس ہے کہ بروقت مقررہ دستار پیچ معینہ تو کام چھوڑ کر عبادت الٰہی سے منہ موڑ کر

مشاعرہ میں قدم رنجہ فرمائیں۔ عزت بخشیں۔ رتبہ بڑھائیں مصرعہ ہائے طرح درج ذیل ہیں۔

۱۔ ہم سے اُس شوخ نے عیاری کی ۔۔ ۲ پریشاں گشتہ ام جاناں زبخت واژگون خود۔

مولانا صاحب تو اشتہار دیکر اور اشتیاق دلا کر الوداع کہتے ہوئے اُلٹے پاؤں لیے ہوئے یہاں حیرت دامنگیر ہو کہ یا للعجب فروری تو ۲۹۔ اور کبھی ۲۸ ہی دن کا مہینہ ہوتا ہی یہ ۳۱۔ فروری چہ معنی دارد۔ بارے معلوم ہوا کہ اسی وقت مشاعرہ تھا۔

خیر میاں آزاد اور اُن کے دوست نہایت شوق اور غایت ذوق سے پتا پوچھتے ہوئے گلابی بارہ دری میں داخل ہوئے حبیب لبیب نے اس دلکشا بارہ دری کی تعریف میں زبان فیض ترجمان سے شاعر آتش زبان خواجہ آتش لکھنوی جعل اللہ مقامہ فی الجنان کا یہ معرکہ کا شعر فرمایا۔ ؎

یہ کس رشک مسیحا کا مکاں ہی		زمیں جسکی چہارم آسماں ہی

آگے بڑھے تو ایک گلزار پر بہار لطیف و خوشگوار و دلکش فرحاں نظر سے گذرا۔ ؎

دامن ہر شگوفہ باغے		ہر برگ گلے چو شب چراغے
سیرابی سبزہ ہائے نوخیز		از لولو تر زمرد انگیز

غرض کہ عجب سماں ہو بارہ دری گیا ہفتم آسماں ہی فرش مکلف سے آراستہ اور تکلفات اہل لکھنؤ سے پیراستہ۔ شمع کافوری نور بخش چشم نابینائے مادر زاد جیسے چیبہ فصحائے نکتہ پرور کے فیض قدم سے آباد در و دیوار سے نور برستا ہے۔ اس زمین کی لطافت دیکھ کر پیر فلک ترستا ہی۔ نئی نئی وضع نئی نئی قطع نئے نئے لباس نئے نئے فیشن کے لوگ جمع ہیں کسی کا دماغ ہی نہیں ملتا جسے دیکھو اپنے خیال میں مست تانا شاہ بنا بیٹھا ہی ہفت اقلیم کی بادشاہت کو جوتی کی نوک پر مارتا ہی عظیم اللہ خانی حقوں کے تڑاقوں سے لطف صحبت دیرینہ آنکھوں میں پھر گیا۔ ؎

	زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم	
	کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست	

ارباب صافی مذاق و آزادہ۔ اصنام شعر و سخن کے عاشق و دلدادہ سیہ خیمہ لیلائے نظم کے نالہ مجنوں۔ دلبر نظم طرازی کے مفتوں جوق جوق اُمڈے چلے آتے ہیں۔ شعرا اور سامعین کھچا کھچ بھرے ہیں۔ کہیں تل رکھنے کی جگہ نہیں۔ تھالی اُچھالیے تو سر ہی سر جائے غرض کہ جب رات بھیگی۔ اور چاندنی خوب نکھری مشاعرہ شروع ہوا۔

طرۂ دستار کلام کلیم		بسم اللہ الرحمن الرحیم

شعرائے طلیق اللسان اور فصحائے رنگیں بیان کے گلدستہ اشعار لطافت بار نے وہ رنگ اثر دکھایا کہ گلابی بارہ دری میں گل لالہ کھل گیا جسے دیکھو بلبل ہزار داستان کی طرح چہکتا ہی۔ کوئی عالم تصور میں نرگس غمزہ زن سے چشمک زنی کرتا ہی۔ کسی کا دل زلف پرشکن کے پیچ و تاب میں پھنسا ہی۔ بلبل کی خوش نوائی گل کی کج ادائی ایک پیر اُنے مرے کو اکھیڑ کر منصور کو از سر نو دار پر کھینچتا ہے۔ دوسرا مدت سال بعد سرو شمشاد کا گلا رہتا ہی۔ کوئی دُرد نداں کے مقابل میں سلک۔ گہر کو بے آبرو بناتا ہی۔ کوئی رقیب روسیاہ کو سگ حبشی بناتا ہی۔ کوئی زلف چلیپا کو طول امل سے زیادہ طول دیتا ہے کوئی عالم خیال میں چاند سے مکھڑے کی بلائیں لیتا ہے۔ قدردان کی ہر جگہ خرابی ہو۔ ارباب اولو الالباب داد سخن دینے پر آئے تو اس درجہ چیخے چلائے کہ لب اور گلا سوکھ کر کانٹا ہو گئے اہو ہو ہو۔ !!!۔ واہ واہ۔ اے سبحان اللہ شاعر نے پورا شعر پڑھا ہی نہیں کہ یار لوگ لے اُڑے حاصل زمین

واہ حضرت کیوں نہ ہو۔ قسم سنین کی قلم توڑ دیئے۔ واللہ آج اس لکھنؤ میں یکہ ہو۔ ایک پستہ قامت زیبا اندام تیز طبیعت ملیح الکلام شاعر بلگرام تربیت یافتہ لکھنؤ نے طرح کے مصرع پر ایک غزل پڑھی جسکا ایک شعر درج ذیل ہو۔ ؎

ہم کو دیکھا تو وہ ہنس دیتے ہیں
آنکھ چھپتی ہی نہیں یاری کی

سامعین۔ گاڑی کی۔ بارک اللہ کیا نایاب شعر فرمایا کیا گاڑی کی۔ اب جسے دیکھئے غل مچا رہا ہو گاڑی کی گاڑی کی شاعر بیچارہ چیختا ہو کہ حضرت گاڑی کی نہیں یاری کی۔ مگر غل غپاڑے میں سنتا کون ہے۔ تب تو میاں آزاد نے جھلا کر کہا کہ صاحبو۔ اگاڑی نہ پچھاڑی چوپیانہ پالکی گاڑی۔ واسطے خدا کے پہلے شعر سن لو۔ پھر تعریف کے پل باندھو۔ گاڑی کی نہیں یاری کی ع۔ آنکھ چھپتی ہی نہیں یاری کی :: واہ کیا نیچر ہے۔ شاعر بھی کھل گئے کہ خیر سچے کلام کی سچی داد دینے والے بھی موجود ہیں۔

دوسرے شاعر خوش فکر نکتہ سنج نے اپنی پرانی غزلوں میں سے ایک غزل پڑھی۔ پڑھتے پڑھتے یہ شعر فرمایا۔ ؎

امید روز وصل تھی کس بد نصیب کو
قسمت الٹ گئی مرے روز سیاہ کی

سامعین۔ نگاہ کی جل وجل۔ حضرت یہ آپ ہی کا حصہ ہو۔ شاعر۔ قبلہ نگاہ نہیں روز سیاہ۔ نگاہ تو بالکل مہمل و بےمعنی لفظ ہوگا۔ آزاد۔ واللہ کیا مارچال ہو اور کیا صاف بول چال ہو۔

شاعر صاحب جھک کر آداب بجا لائے اور پھر اسی شعر کو باواز بلند فرمایا اس مرتبہ سیاہ کے لفظ پر خوب زور دیا کہ کوئی ذات شریف پھر نگاہ نہ کہہ اٹھیں۔

واضح ہو کہ مارچال ہندی کی شاعری میں ایک صنعت کا نام ہو۔ روز سیاہ کی قسمت الٹ گئی یعنی بخت خفتہ بیدار ہو گیا چونکہ شاعر موصوف کتنائی میں بھی دخل رکھتے ہیں اس سبب سے انکا کلام درد انگیز اور عشق خیز ہو۔ اس صنعت مارچال کو تو حضرات سمجھے نہیں اور تعریف کے پل باندھ دیئے۔

تیسرے شاعر غرا نے فارسی طرح پر یہ مطلع دلکش فصحائے خطۂ پاک ایران کے لب و لہجہ میں پڑھا۔ ؎

نشستم تا کمر در خوں زچشم لالہ گوں خود
تو چوں دشمن شدی من ہم۔

سبحان اللہ۔ ارشدک اللہ۔ میں اور میرا خدا کہ آپ نے مشاعرے بھر کی ناک رکھ لی۔ میدان فصاحت میں کل فصحائے دہر سے گوئے سبقت لے گئے۔ اب ذرا اس دخشت کو ملاحظہ فرمائیے کہ شاعر نے مصرعۂ ثانی نصف بھی نہ پڑھا تھا کہ تعریف کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ توصیف کی جھڑی لگ گئی۔ پھر شاعر نے مجبور ہو کر دوسرا مصرعہ پڑھا۔ ع

تو چوں دشمن شدی من ہم کمر بستم بخون خود

اب سنئے کہ خون کا خون کرکے اس لفظ کو ایک رکیک لفظ سے بدل دیا اور لگیں ٹڈیاں اچھلنے۔ بارک اللہ کا غل فلک ہفتم سے پار ہو کر لامکان تک پہونچ گیا کوئی لوٹ رہا ہو۔ کوئی ہوحق کر رہا ہو شور محشر بپا ہو۔ واہ واکی صدا سے پڑوسیوں کی نیند حرام ہو گئی۔ شاعر نے غل مچانا شروع کیا کہ جناب یہ لفظ خون ہو مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہو من چی سرایم طنبورہ من چی سراید۔

الغرض تین بجے تک وہ دھوم اور وہ ہجوم تھا کہ باید و شاید مچا کیا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے ایک ایک شعر کے پڑھنے کی چار چار دفعہ فرمائش ہوتی ہو اور بیس بیس مرتبہ اٹھا بیٹھی سلام پر سلام اور آداب

پر آداب۔ اور کورنش پر کورنش۔ ابھی قواعد ہوئی غزل ختم ہوئی تو دم ٹوٹ گیا۔ ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگے۔ بعض بعض شعرائے تلامذ الرحمن معدن طبع وقاد عالی خیال وخوش فکر نے البتہ وہ وہ اشعار فصاحت بار سنائے کہ سمجھنے والوں کو حال آگیا اور بے اختیار بول اٹھے کہ بھئی یہ غزل نہیں خدائے سخن کا کلام مجید ہے احسنت و مرحبا کی آواز گونج رہی تھی۔ خوشوقت رائے حمار اور خورسند رائے بعیر تین تین سو شعر کی غزل کہہ لائے ہیں جس کا ایک شعر درست نہ ایک مصرعہ چست۔ سات بجے سے پڑھنے بیٹھے تو آٹھ کا گجر بجا دیا لوگ کانوں میں انگلیاں دے رہے ہیں۔ مگر وہ موجیں لے رہے ہیں۔

حقیقت حال یوں ہے کہ جو بزرگوار شاعری کے رموز سے واقف ہیں وہ ٹھیک موقع پر داد خوش کلامی دیتے ہیں ورنہ چپ رہتے ہیں برعکس انکے بعض کم علم کم عقل کم فہم بقولے ؏۔ ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں :۔ تعریف کے دریا بہا دیتے ہیں جسکے پاٹ کی ابتدا ہے نہ انتہا۔ یہ مضامین منافی نیچر اور خلاف طبیعت ہیں انکو خیرباد کہکر مشوقہ خیالات مغربی کو اپنی زبان کے لباس میں مزین اور مشین کریں تو پھر دیکھیے شاعری کیسی چمکتی ہے۔ افسوس ہے کہ نوجوان نوخیز انگیا اور چولی اور موباف اور نار پستان اور موئے میان پر اس درجہ لٹو ہیں کہ فن شاعری کے پنجر بگاڑ دیے اکثر بہ احسنہ نے نکہت وحشت پر اور بھی ایک کوڑا جمایا۔ پھر کیا پوچھنا تھا لگے زمین و آسمان کے قلابے ملانے۔ قد کو تار اور زلف کو سنبل بتانے۔

وہاں سے میاں آزاد دو بجے اور منجھلے میاں تڑکے آئے صبح کو یوں باتیں ہوئیں۔

آزاد۔ ابی حضرت تسلیم۔ آج تو آپ بڑے سویرے اٹھے ابھی تو دس ہی بجے ہیں بھئی بڑے سونے والے ہو۔ آپ کے یہاں گویا اب تڑکا ہوا۔

منجھلے میاں۔ بجا ہے کل تو مشاعرے میں تڑکا ہی ہوگیا۔ اپنا تو بھور ہوگیا۔ مگر واللہ کیا کیا غزلیں سنی ہیں کہ واہ جی واہ اب انصاف کیجیے کہ جب انسان تڑکے سوئے تو دس بجے خواہ مخواہ اٹھا ہی چاہے اور سچ تو یوں ہے کہ ابھی اور سونے کو جی چاہتا ہے لیکن کچھ مشاعرے کے جھگڑے کا حال بھی سنا۔ ارے میاں بڑی شکررنجی اور بے لطفی ہوگئی تم تو کوئی چار بجے سو رہے تھے ہم نے ساری داستان سنی کیا سنتے آنکھوں دیکھی۔ لاحول ولا قوۃ۔ بڑی جوتی چل گئی۔ مولوی بدر اور منشی فشار میں تو لکڑی چلتے چلتے رہ گئی جو میاں رنگین نہ ہوں تو دال میں جوتی بٹے۔ بارے بخیر گذشت لیکن ابھی دل کے بخار نہیں نکلے۔

آزاد۔ کیوں کیوں خیر تو ہے۔

منجھلے میاں۔ آپ تو بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھے تھے۔ ہم سے پوچھیے جو تڑکے تک وہاں ڈٹے رہے۔ اُف واللہ میں تو سمجھا کہ اب لکڑی چلی اور اب چلی۔ اور خرابی یہ کہ دو میں پھکیت بھی موجود تھے۔ انکو اپنی پھکیتی کا دعویٰ۔

آزاد۔ تو مشاعرہ کیا پالا تھا۔ پوچھیے شاعری کو لکڑی اور بانک سے کیا واسطہ زور قلم دکھانا چاہیے تھا یا زور بازو۔ افسوس ہے کہ مشاعرہ پھر بھنڈ ہوگیا اب جمنا محال ہے کسی طرح بدر اور فشار میں ملاپ کرا دیجیے۔

منجھلے میاں۔ اے توبہ۔ ملاپ۔ کیا مجال۔ ملاپ ہو چکا۔ بدر کے چہرے سے جلال برستا ہے۔ ایسے مغلوب الغضب تو عمر بھر آنکھوں سے نہیں دیکھے۔ بات کی اور غصہ آگیا۔ اور میاں فشار انکے بھی چچا ہیں یہ بات پیچھے کرتے ہیں چانٹا پہلے رسید کرتے ہیں۔ پھر پھوٹ کیونکر

تو - میل کی اب کون صورت ہے - ؎

اگر در ہر دو جانب جاہلانند	اگر زنجیر باشد بگسلانند

ایک حلیم الطبع ہو تو بات بنجائے اور جب دونوں طرف سے اجہل ہوں تو بات بن چکی -

آزاد - آخر بکھیڑے کا سبب کیا -

منجھلے میاں - حضرت اس بغض وحسد کا برا ہو کہ انسان کی آنکھ پر پٹی باندھ دیتا ہے - ہوا یہ کہ فشار نے پہلے پڑھا - اسیر مولوی بدر بگڑ کھڑے ہوے اسوقت تو کچھ بولے نہیں جب انکے پاس یکہ (ذاکہ) گیا تو جھٹ ہی گرمائے کہ واہ ہمپر انکو کیوں ترجیح دی گئی اُنمیں کیا بات ہے - ہم بھی تو استاد زادے ہیں آخر یہ بیچارے ہیں کیا - آپ بھی اتنے ہوے - اسیر فشار بولے کہ میاں صاحبزادے ابھی بوئے شیر دہن سے آتی ہے - اک ذرا ہوش سنبھالو ابھی دنیا دیکھو تم ابھی پیش پا اُفتادہ الفاظ کے ہجے تو جانتے ہی نہیں شاعری کیا جانو - کچھ دن اُستاد کی جوتیاں سیدھی کرو خدمت کرو تو آدمی بنو - شان خدا آپ اور ہم پر منہ آئیں اے تیری قدرت - ؎

بُت کریں آرزو خدائی کی	شان ہے تیری کبریائی کی

بدر بہت گرمائے اور خوب ہی جھلائے - آستینیں اُلٹیں ادھر چڑھ دوڑے - فشار کے شاگردوں نے بھی ڈنڈا سیدھا کیا اسیر تو آئیں! ہائیں - ہائیں - ہائیں جانے دو - جانے دو - لوگوں نے بیچ بچاؤ کر دیا مگر مشاعرہ بھر آمادہ ہو گیا تھا کہ تیغ چلے تو خوب بات ہے بارے ۶ - رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت ؛

ہمارے وحشی مزاج میاں آزاد کا بیٹھے بیٹھے جی گھبرایا - تلوے کھجلائے اور وحشت نے سیر صحرا کی یاد دلائی - اپنے شفیق بالتحقیق منجھلے میاں سے کہا کہ قبلہ ابتو ایک جگہ بیٹھے بیٹھے پھپھوندی لگ گئی - چلئے ذرا چار پانچ کوس سیر تو کر آئیں منجھلے میاں نے چار پانچ کوس کا نام سنا تو چکر لئے کہ خدا ہی خیر کرے - یہ بیچارے حسین آدمی آدھ کوس چلنا بھی دو بھر تھا دس قدم چلے اور ہانپنے لگے - ذرا چکر کھایا اور چکر آیا - بھلا دس میل کون جاتا - قدم ڈگمگانے لگتے اور واقعہ ہی ہو جاتا - جو کہیں گئے بھی ٹانگن پر یا فنس پر لدلیے - یا رتھ کی سواری -

آزاد - اب کہئے چلئے گا نہ - بس اک پانچ کوس کا چکر لگائیں گے اور دم کے دم میں واپس آئیں گے کھانے کے وقت یہاں ہی ہوں تو سہی -

منجھلے میاں - حضرت بندہ اس سیر سے در گذرا - آپکو تو ڈاک کے ہرکاروں میں نوکری کرنی ہے - بندۂ درگاہ اس جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتے مجھے کیا کتے نے کاٹا ہے کہ بے وجہ بے سبب پنجکوسی چکر لگاؤں اور آدمی سے اونٹ بنجاؤں - آپ جائیں مگر جلد آئیگا - یار سچ کہتے ہیں کہ لمبا آدمی عقل کا دشمن ہوتا ہے یہ گپ اُڑانے کا وقت ہے یا جنگل میں گھومنے کا -

مصاحب - بجا ہے پیر و مرشد - بھلے مانسوں کو کبھی جنگل کی دُھن سمائی ہی نہیں اور حضور کے یہاں رتھ پالکی - گھوڑا - یابو - بگھی - سب سواریاں اللہ کی عنایت سے موجود ہیں - پیادہ پا جوتیاں چٹخاتے ہوئے آپ کے دشمن چلیں - آپ ایک نازک رئیس ہیں کبھی پیدل چلنے کا اتفاق کا ہیکو ہوا -

آزاد - بھئی ان خوشامد خوروں سے تو اور بھی ناک میں دم آگیا یہ نزاکت نہیں اسکو تپ دق کہتے ہیں اے صاحب آپ پانچ کوس نہ چلئے دو ہی کوس چلیے - آدھ ہی کوس چلئے - ایسی بھی کیا نزاکت ہے - لاحول ولا قوۃ -

مصاحب - نا صاحب حضور نہ جائیں گے - آپ اپنے جائیے

اور جو سوء ہضم کی شکایت ہو تو کھانے کا وقت ٹال جائیے گا بہت ہوکا اچھا نہیں ہوتا۔

آزاد۔ کہیں اس بھروسے بھی نہ رہیے گا۔ بندہ بلا نوش آدمی ہے پاؤں تو آپ تک کو چٹ کر جاؤں۔

میاں آزاد لمبے لمبے ڈگ بڑھاتے۔ ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے پچھم کی طرف چلے اونٹ جب بھاگتا ہے پچھم کی سمت چلتے چلتے رستوگی ٹولہ پہونچے۔ اس محلے میں قدم رکھا ہی تھا کہ وہ غل غپاڑے کی آواز سنی کہ الامان۔ شور محشر بپا تھا کان پڑی آواز کا سننا مشکل زمین لرزنے لگی۔ در و دیوار غل کی دھمک سے کانپ رہے تھے گھبرائے کہ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے بجلی گری یا آسمان پھٹ پڑا آگ لگی یا بھیڑیا دن دہاڑے نکل پڑا خداوندا بچائیو۔ سوچے کہ بھئی یہاں سے بھاگ چلو۔ انگریزی زمانہ ہے۔ کہیں فوجداری ہو رہی ہو تو گواہی میں دھرے جائیں اب وہ ہر لونگ کا وقت تو ہے نہیں کہ ہر روز خانہ جنگیاں ہوتی ہیں ہر طرف تلوار میان سے باہر شراپ شراپ شڑشڑ کی آوازیں آ رہی ہیں۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں۔ جب بانکے تلواریں مارکوٹ کر چلدئیے تو پولیس آئی دھوتو دھوتو دھو تو وہاں میدان صاف آدمی نہ آدم زاد۔ دو ایک دوکانداروں کو دھمکایا۔ ذرا غرفش کیا۔ چلئے تحقیقات ہو چکی۔ اب قضیہ بالعکس ہے۔ بھئی ہم گواہی شہادت سے منزلوں بھاگتے ہیں۔ یہاں سے پولیس کی چوکی پر جائیں۔ وہاں سے تھانے پر۔ وہاں سے مجسٹریٹی وہاں سے اگر گڑبڑائے تو جیلخانہ۔ چلیے اب چکی پیس رہے ہیں آئے تھے سیر سپاٹے کو مفت میں مصیبت جھیلیں۔ بھاگنے ہی کو تھے کہ ایک آدمی سے پوچھا کہ۔

آزاد۔ کیوں میاں یہ غل غپاڑا کیا ہو رہا ہے۔ وہ شور ہے کہ کان کے پردے پھٹے جاتے ہیں۔ الٰہی توبہ۔

آدمی۔ (ہنس کر) کل طویلؔ احمقؔ تو برسوں سے سنتے آئے ہیں مگر آنکھوں سے آج ہی دیکھا۔ یہ بلبیندی ساقد کس گاؤں میں ڈھالا ہے بانس بریلی کے پاگل خانے سے تو زنجیر تڑا کر نہیں چلے آئے سچ کہنا استاد۔ کرسی میں مکان ہے کیا۔ ہوش کی دوا کیجیے عقل کے ناخن لیجیے۔ کیسی لڑائی کیسا جھگڑا۔ کہاں کی گلچپ کسکا بگڑا۔ نہ کہیں فساد ہے نہ کچھ۔ گرو جی لڑکے پڑھا رہے ہیں۔

آزاد۔ ارے۔ لاحول۔ گرو جی بھی بس نرے گرو جی ہی ہیں۔ بندہ ناخواندہ تو ہے نہیں ہم نے بھی کئی مکتبوں کی خاک چھانی ہے لیکن معاذ اللہ یہ غل غپاڑا۔ ایسے شور پر تین حرف۔ یہ گڈری بازار ہے۔ یا مکتب خانہ۔ یا وحشت کا کاشانہ۔ لاحول ولاقوۃ پاگل خانے میں آتا غل مچے تو مضائقہ نہیں ذرا چلیے ذری گرو جی کے درشن تو کریں۔ واللہ زیارت ہی کے قابل ہونگے۔

آدمی۔ ہاں جائیے ضرور جائیے۔

میاں آزاد جو ادھر گئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ گرو جی مہراج دھوپ میں ایک چھپر کھٹ پر انٹا چت پڑے ہیں قطع وضع چال ڈھال دیکھی تو اللہ ہی اللہ۔ ماشاءاللہ آپ ہیں اسی لائق کہ بایاں قدم لے اور دور ہی سے ڈنڈوت کرے۔ لونڈوں کی مٹی پلید کرنا ہو تو اس مکتب میں بھیجے۔ گرو جی مہراج ذرا جیتے۔ دیکھیے تو لڑکے کہہ کیا رہے ہیں۔

اتنے میں دو چار لڑکے اور آئے۔ گرو جی رام رام گرو جی سیتارام۔ جیتے رہو۔ آؤ بیٹھو۔ آج ابیر کر کے کیوں آئے گرو جی آج نیوتا تھا۔ دیا بھئی رگھاناتھ کی تو چھٹی دونوں جون۔

یہ مقام لکھنؤ کے متصل ہے جہاں کے آدمی مثل بھونگام مشہور دیار ہیں۔

بلا ہمارے کھاتر کیا لائے۔

رام اوتار۔ کچھو ناہیں۔

گروجی۔ دھپ جاکر۔ دُت بیوکوف۔ سب لڑکے اس کے کان گرمادو۔

انند سروپ۔ گروجی دو پوریاں اور گوجھے لایا ہوں۔

گروجی۔ تم چلو بیٹھو۔ دیکھو لڑکو انندا ہماری کیسی کھاتر کرتا ہو ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ اگلے دن کے پہاڑا تو سُنا دیو۔ سب لڑکے مل کے۔ کھبردار۔ آگے پاچھو مت رہیو چلو۔ ارے چلو ایکن ایک دونے دو ترکو تین چوکے چار۔ پنجے پانچ چھکو چھ ستو سات۔ اٹھو آٹھ۔ نیا نو۔ دھام دس۔ دو کا دو۔ دو دنا چار۔ دو تیا چھ۔ دو چو کو آٹھ۔ دو پنجے دس دو چھنگ بارہ۔ دو ست چودہ دو اٹھ سولہ۔ دو نواں اٹھارہ۔ دو دھام بیس۔

ایک ایک سویاں دوسری اڑھیاں۔ تیسرے پونے چار۔ چار سویاں پانچ۔ پانچ سویاں سوا چھ۔ چھ سوئیں ساڑھے سات سات سوائیں پونے نو۔ آٹھ سوئیں دس۔ نو سوائیں سوا گیارہ دس سوائیں ساڑھے بارہ۔ ایک ایک ڈیوڑھے دو دو ڈیوڑھے تین۔ تین ڈیوڑھے ساڑھے چار۔ چار ڈیوڑھے چھ۔ پانچ ڈیوڑھے ساڑھے سات۔ چھ ڈیوڑھے نو۔ الخ۔

اونا ماسی ڈھنگ۔ کا کھا گا گھا نا۔ چا چھا جا جھا نا۔ تا ٹھا دا ڈھانا۔ پا پھا با بھا ما۔ جار الاوا شا کھا سا ہا۔

اسپر میاں آزاد نے ہانک لگائی کہ ٹیسو آئے دھوم سے ٹکا نکالو سوم سے سوم سوم تو ابھلا نہوئی۔ ہاتھ کی ڈنڈی لاگی کائی چھوٹیا کا چھوٹا بھائی۔ خوب قہقہہ پڑا اور کئی بازاری جمع ہو گئے اور گروجی بیچارے پر آوازے کسنے لگے۔

اتنے میں بارہ کی توپ دغی۔ دن۔ لونڈوں نے غل مچایا کہ گروجی جیو آئیں۔ کھائے آئیں۔ ہاں جاؤ۔ روٹی کھاکے جھپ سے آجاؤ نا دیرمت لگاؤ نا پارٹی تیری کھنڈی ہو کنوں رام بدل لائیو۔ بڑیو سے کیو کہ پارٹی بدل دیں۔ لڑکے بھر بھرا کر نکلے کسی نے لکڑی کا گھوڑا بنایا۔ کسی نے گھٹنوں پر دوہتڑ لگایا۔ غل غپاڑا مچایا آسمان سر پر اُٹھاتے چلے۔

میاں آزاد ایک دکان پر ٹک گئے کہ اُنکی سیر ذرا تو دیکھیں جب لڑکے واپس آئے تو گروجی نے دو لیکسے پوچھا کہو پاٹی کھریری گروجی کہن ہیں کہ دو چار رُج میں کالھ پاپڑوں جرور آ جیئے۔ دیر کیو لگائیس رہے۔ گروجی رسوئیاں میں ابیر ہتی۔ دیکھو گروجی بوہمرے باپ کا گریادت ہے۔

گروجی۔ بھلا بے کہاناہیں مانت رہے۔ چپائے رہ ہم تم کا کھوب جانت ہیں جو ہے سسُر۔

آزاد۔ اچھا سسُر کی ایک ہی کہی۔ ؎

گر ہمیں مکتب ست وایں مُلا	کار طفلاں تمام خواہد شد

جب چھٹی کا وقت ہوا تو گروجی بولے چوپائیاں۔ کہو۔ سری گنیش جی کرپا کریں لکھیں جو کڑی۔ ماں باپ پوجیں وہ گھڑی ایسی گھڑی رامچندر لادیں۔ گروجی آدیں۔ مہریں پادیں دہی برفی کھائیں۔ کھائے کھوئے کے دین اسیس۔ لڑکے جیو یں لاکھ بریس۔ آئے بسنت مہاسکھ دائی۔ رچھیا کریں کالکا مائی۔ اور ڈنڈے بجاتے جاتے تھے کھٹا کھٹ۔ گروجی مہنت بنے ہوئے سُن رہے تھے اور سوچتے جاتے تھے کہ برفی دہی کی دُعا روز مانگی جاتی ہو گر کھانے میں ایک دن نہیں آتی ہے۔

ڈاک

میاں آزاد خانہ برباد بوئے گل کی طرح ٹک سیر ایک دن کیا معنی دو دن کہیں ٹک جائیں تو تلوے کھجلانے لگیں دامن

نرگس یاد آئیے۔ سیر دشت کو جی چاہے۔ سیلانی آدمی۔ سیر سپاٹے کے عادی منجھلے میاں کے یہاں چار پانچ روز جو جم گئے تو طبیعت گھبرانے لگی۔ کھانا پینا حرام ہوگیا ہنسنا بولنا وبال سیر سپاٹے کا خیال ہوا جنگل کی دھن سمائی۔ دل میں ٹھان لی کہ اب نہ ٹکیں گے نہ ٹکیں گے چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے۔ بوریا بدھنا اُٹھایا اور مصافحہ کرکے ڈاکخانہ کی طرف چلے۔ راہ میں پوچھتے جاتے ہیں کیوں بھئی امام بخش کا ڈاکخانہ کہاں ہے۔ دمڑی صاحب کی ڈاک کا راستہ کس طرف سے ہے۔ پہلے تو امام بخش کے یہاں پہونچے۔ آئیے کہئے کیا چھٹے ڈاک ہوگی۔ ہاں ایک سواری اچھا تو دو روپیہ ہوئے۔ دو روپیہ؟ اچھا آپ ۲ رکم دیجئے۔ لائیے بیعانہ بائیں ہاتھ سے داخل کیجئے۔ ہم سوا روپیہ دیں گے۔ نہیں صاحب سوا میں نہ ہوگی۔ اچھا آئیے ڈیڑھ روپیہ دیجئے۔ آئیے حضور آپ تو چلے جاتے ہیں۔ میاں آزاد یہاں سے دمڑی صاحب کے ڈاکخانہ پہونچے ایک سواری کا کیا لوگے ڈیڑھ روپیہ اچھا ہم چلیں گے بیعانہ داخل کیجئے۔ لو ایک روپیہ اب کس وقت جائے گی ڈاک بس اب چالان چھوٹتا ہے۔ اسباب دسباب رکھئے ابھی یہاں اسباب خدا کا نام ہے فقیر دن کو اگر ٹھنگر سے کھیلا کیا کام ہے۔

اتنے میں سامنے سے ایک ڈاک نکلی یہ کس کے یہاں کی ڈاک ہے جی۔ این یہ؟ یہ امام بکس کی ڈاک ہے۔ پہلے ہی روانہ ہو جاتی ہے وہ جاہے جب روانہ ہو۔ کل بارہ بجے کے ادھر پہونچنے سے رہی اور آپ رات ہی کے چار بجے دن سے داخل ہو جائیے گا خیر میاں آزاد اور دو مسافر ڈاک پر بیٹھے اور شکرم کھڑکھڑاتی ہوئی زناٹے سے چلی۔ تو راہ میں ایک گنوار جو میاں آزاد کے قریب شکرم پر بیٹھے تھے لگے بے تکی اُڑانے۔ میاں آزاد تو آپ جانئیے خوش گپ آدمی اُنھوں نے بنانا شروع کیا۔

گنوار۔ کاہے ہو۔ ارے تم سے کہت ہے کوچ بکس۔

آزاد۔ (کوچمین سے) بولو بھئی کوچ بکس۔ ارے میاں کوچ بکس بولتے نہیں۔

گنوار۔ کاہے جہم تم سے پوچھت ہیں کہ یو داونٹ گاڑی ہے کہ بیل گاڑی۔

آزاد۔ گدھا گاڑی۔

جب رات ذرا بھیگی تو آزاد کی آنکھ جھپک گئی۔ آنکھ کا جھپکنا تھا کہ کھٹ سے داخل۔ ایں کیا پہونچ گئے۔ جی حضور دیکھئے ٹھیک چار بجے پہونچا یا۔ انعام ہوا حضور۔

آزاد۔ انعام ہوا؟ بیشک ہوا۔ ہماری ڈاک بڑی تیز آتی ہے۔ میاں امام بخش کی شکرم تو ابھی راستے ہی میں ہوگی۔

مسافر۔ (شکرم کی چھت پر سے) ہم سے سنئے۔ شامت اعمال نے جو گھیرا تو ہم پرسوں یہاں سے امام بخش کی ڈاک پر گئے تو بیچ بھلی دو روز دیے راستے ہیں۔ خدا کسی بھلے مانس کو نہ لیجائے لاحول ولاقوۃ ہم سے کہا کہ سات بجے گاڑی چھوٹ جائے گی آپ ساڑھے چھ بجے ضرور آجائیے۔ ہم کوئی پونے سات بجے لدے پھندے مزدوروں کو ساتھ لیے گھر سے چل کھڑے ہوئے۔ گر بدحواس۔ راہ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتے مزدوروں کو للکارتے چلے آتے ہیں کہ تیز چلو قدم جلد اُٹھاؤ۔ اور جہاں سنسان مقام پایا وہاں تھوڑی دور دوڑنے بھی لگے کہ وقت پر پہونچیں۔ ایسا نہ ہو کہ دیر لگے۔ وہاں ٹھیک سات بجے پہونچے تو گاڑی اگاڑی پچھاڑی سناٹا پڑا ہوا۔ آدمی نہ آدم زاد۔ ارے میاں چپراسی۔ منشی جی ابجی منشی جی کیا سانپ سونگھ گیا۔

اتنے میں ایک چپراسی آیا۔ کہئے کیا ڈاک کیجئے گا۔ ایں! اور سنئے ڈاک کیجئے گا کی تو ایک ہی کہی۔ میاں بیعانہ کا روپیہ

بھی دے چکے۔ ہاں تو اس گھانس پر بستر جمائیے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھائیے مزے اُڑائیے۔ یا ذرا بازار کی سیر کر آئیے۔ ایں سیر کیسی؟ ڈاک چھوٹے گی آخر کس وقت۔ کیا معلوم۔ دیکھیے منشی جی سے پوچھوں۔ (منشی جی آئے) ارے صاحب سات بجے بلایا تھا جس کے ساڑھے سات ہو گئے۔ جناب آج تو آپ ہی آپ ہیں اور کوئی مسافر ہی نہیں پھر ایک آدمی کے لیے چالان تھوڑا ہی چھوڑیں گے ایں! واہ وا۔ کہیں اس بھروسے بھی نہ رہیے گا۔ بندہ بیعانہ دے چکا ہو۔ اچھا ٹھہریے آٹھ بج گئے نو بج گئے۔ دس بج گئے۔ یا الٰہی کب تک ٹھہرے رہیں اب طبیعت پریشان ہو گئی جی چاہا کہ بھاگ جاؤں۔ کہ اتنے میں تین مسافر آئے ایک سے دو روپیے لیے دوسرے سے سوا روپیہ تیسرے سے پھر اور ہم سے ڈیڑھ روپیہ خیر صاحب خدا خدا کر کے بیٹھے اور چلے۔ اب منزل منزل وہ خراب چوکی۔ چوکی کا حال سنیئے۔

پہلی چوکی۔ ایک سرنگ ڈگا۔ دوسرا سبزہ میانہ قامت کوئی آدھ کوس تو دونوں گھوڑے تیزی کے ساتھ گئے۔ اور پھر سرنگ بول گیا۔ اب سبزہ تو گرایا اور چلا۔ لیکن سرنگ کے جی چھوٹ گئے یہ گرا وہ گرا۔ کوچبین نے گھوڑے پر کوڑے جمانے شروع کئے مگر اُس نے بھی عہد کر لیا کہ ٹلوں ہی گا نہیں کھسکا اور وضع کے خلاف نہ ہلا۔ نہ ہلا۔ کوچبین۔ بار گیر۔ گھسیارہ سب کے سب ٹھونک رہے ہیں مگر وہ کھڑا ہانپتا ہے۔ خدا خدا کر کے۔ ~~

آہستہ خرام بلکہ مخرام | زیر قدمت ہزار جان ست

کہتا ہوا پھونک پھونک کے قدم رکھا۔ راہ میں ناکوں دم آ گیا جان عذاب میں ہو گئی۔

دوسری چوکی۔ ایک ٹٹو دُبلا پتلا شرغہ۔ دوسرا گھوڑا مرا ہوا ہڈیاں ہڈیاں گن لیجئے۔ یہ پہلے ہی سے رنگ لائے۔ کوچبین نے حسب معمول شڑاپ شڑاپ کوڑے جمائے۔ بعد خرابی بسیار کہیں چلے۔ دس قدم چلے تھے کہ پھر دم لیا اور لگے ہانپنے سائیس نے آنکھیں بند کر کے رسّی پھٹکارنی شروع کی۔ پھر دس بیس قدم آہستہ آہستہ بڑھے اور ٹھہر گئے۔ خیر بہزار خرابی چوکی آئی

تیسری چوکی۔ ایک دُبلا پتلا گلا مرا گھوڑا مشکی رنگ کا۔ دوسرا نقرہ پہلے ذرا چیں چپڑ کیا۔ مگر چلے۔ ایک آدھ کوس گئے تھے کہ کیچڑ ملی۔ بس قبلہ پھر تو قیامت کا سامنا تھا گھوڑے تھان کی طرف بھاگتے تھے۔ کوچبین راس تھامے ٹخ ٹخ کرتا جاتا تھا۔ بارگیر پہیوں پر زور لگاتے تھے مسافروں کو حکم ہوا کہ اتر آئیے۔ ذرا ہوا کھائیے۔ اُترے بیچارے۔ آدھ کوس تک پیدل چلے اور گھوڑے قدم قدم پر منہ موڑے دیتے تھے اور جی چھوڑے دیتے تھے وہ غل مچا تھا کہ الاماں شور محشر بپا تھا آدھ کوس کے بعد حکم ہوا کہ اپنا اپنا بوجھ اُٹھاؤ گاڑی بھاری ہے چلیے صاحب سب نے گٹھریاں سنبھالیں۔ بقچہ سنبھالا۔ سر پر اسباب لادے چلے جاتے ہیں۔ واہ میری الٹی کے سننے والے مانگا تھا نیچے دیا اوپر۔ تین گھنٹے میں کہیں چوکی طے ہوئی۔ مسافروں کا ادھر دم ٹوٹ گیا اور اُدھر گھوڑوں کی نانی مر گئی۔ کوچبین اور سائیس کے ہاتھ کوڑے مارتے مارتے اور پہیوں پر زور لگاتے لگاتے تھک گئے۔ اب سنئے کہ جب سات گھنٹے گزر گئے اور ابھی تین ہی چوکیاں طے ہوئیں۔ لیکن مسافر گھوڑے آدمی نوکر چاکر سب بیدم۔

چوتھی چوکی۔ ڈگا شرغہ دوسرا کابہ نقرہ۔ ہاں یہ جوڑی ہے سابکی کبھی تیز جائے گی۔ مگر۔ ع۔ خود غلط بود آنچہ ماپنداشتیم۔ یہ گھوڑے تو جالی خر بوزے ہی نکلے۔ بس دیکھنے ہی بھر کے تھے۔ نام بڑے

درشن پھوٹے۔ کوچبان اور بار گیروں نے لاکھ لاکھ کوشش کی کہ چلیں مگر انھوں نے ذرا کان تک نہ ہلایا۔ کنوتی تک نہ بدلی۔ بُت بنے کھڑے ہیں۔ میدان میں اڑے ہیں۔ اڑے سو اڑے کوئی تو گھاس کا مٹھا لاتا ہے۔ کوئی توبڑا دور سے دکھاتا ہے۔ کوئی پہیے پر زور لگاتا ہے۔ کوئی اوپر سے کوڑے جماتا ہے۔ آخر کار مسافروں نے بھی اُتر کر زور لگایا۔ مگر ٹائیں ٹائیں فش۔ ناچار گھوڑوں کے عوض بیل جوتے اور ملار گاتے میاں امام بخش کو ہزاروں صلواتیں سُناتے چلے۔ لیجئے صاحب دام دیے شکرم کے سوار ہوئے بیلوں پر چلتے چلتے چوکی ملی تو جان میں جان پڑی کوچبان اتنے میں خوب سو چکے تھے۔ اُنکی چاندی تھی یہاں خوب حقے اُڑائے۔

پانچویں چوکی۔ بابا آدم کے وقت کا ایک گھوڑا آیا گھوڑا کیا اسپ خرس نما عمر تو نہیں معلوم۔ ؎

لیکن مجھے زردے تواریخ یاد ہے	شیطاں اسی پہ نکلا تھا جنت سے سوار ہو

آنکھیں مانگ رہا ہے۔ مکھیاں بھن بھن کرتی ہیں۔ رات کو بھی مکھیوں نے اسکا پیچھا نہ چھوڑا۔

مسافر۔ ارے بھئی اب چلو۔ آخر یہاں کیا ہو رہا ہے۔ راستہ چلنے ہی سے کٹتا ہے۔

کوچبان۔ اے لو صاحب گھوڑے کا تو بندوبست کر لیں۔ ایک ہی گھوڑا تو اس چوکی پر ہے۔

آزاد۔ اجی دوسری طرف بھینس جوت دو نہ۔

مسافر۔ یا ہم ایک سہل تدبیر بتائیں۔ ایک کام کیجئے مسافروں سے کہئے کہ اُتر پڑیں۔ بوجھ اپنا اپنا سر پر لادیں اور زور لگائیں بگھی کو ایک چوکی تک ڈھکیل لے جائیں۔

اتنے میں ایک بھٹیارا ٹٹو کو ٹخ ٹخ کرتا چلا آتا ہو گویا انکی جان میں جان پڑگئی۔

کوچبان۔ کہو بھئی بھاڑا کرتے ہو بھی جاہے سو مانگو دینگے نقد دام لو اور بگھی پر بیٹھ جاؤ۔ ایک چوکی تک تمھارے ٹٹو کو بگھی میں جوتیں گے نشان کھاتر اکھاطر رہو آہستہ آہستہ لیجائیں گے ایک چوکی کے بعد تم اپنے چلے آنا۔ چار آنے آٹھ آنے روپیہ تک دیں گے۔

بھٹیارا۔ واہ اچھے تُسنے ٹٹو کبھی گاڑی میں جوتا بھی گیا ہے مُرغی کے برابر ٹٹوا اور جوتنے چلے ہیں شکرم میں۔ یہ سلطانی ڈاک ہے یوں چاہو بیٹھ پر سوار ہو لو۔ مزے سے ایک چوکی دو چوکی چلے چلو داڈاک گاڑی میں کیسے چلائے سکت ہے۔

کوچبان۔ ارے بھئی تم کو بھاڑے سے مطلب ہی یا تکرر (تقریر) کروگے ہم تو اپنی ترکیب سے جوت لیں گے۔ لو چہرہ شاہی لو اور چلو۔ ہم نے بھٹیارے سے کہا کہ تم تو واہی سے ہو چکے ہو رہو۔ روپیہ ٹینٹ میں رکھو اور کہو اچھا جو تو۔ دل لگی ہی کچھ تھک تھکا کر آپ ہی ہار جائیں گے۔ رُوپیہ تمھارے باپ کا ہو گیا لو بارہ ہیں۔ ہم نے دل لگی دیکھنے کیلیے بھٹیارے کو چنگ پر چڑھایا اور وہ گاؤدی آدمی جھپ سے راضی ہو گیا گھنٹوں تدبیریں کیں کہ ٹٹو کو جوتیں۔ مگر اُسنے سیکڑوں ہی بار پُشتک اُچھالی اور دولتیاں جھاڑیں مگر گاڑی کے قریب نہ گیا نہ گیا۔ اسپر ایک شخص نے ٹٹو کو کوڑا مارا تب تو بھٹیارا آگ بھبھوکا ہو گیا۔ اے واہ میاں اچھے ملے۔ ہم نے پہلے ہی کہدیا تھا کہ ہمارا جانور بگھی میں نہ چلے گا۔ آپ نے زبردستی کی اب مفت میں گدھے کی طرح گدگد پیٹنا کیا معنی بھلا خیر کسی نہ کسی طرح اُسنے تو اپنا پیچھا چھوڑایا اور ٹٹو کو بغل میں داب لمبا ہوا۔ یہاں شکرم عین میدان میں پڑی ہوئی ہو مسافر بیچارے مصیبت کے مارے اللہ بھیج مولا بھیج کہتے جاتے ہیں۔ سائیس چلم پر چلم اُڑاتے ہیں اور مسافروں کو

جلاتے ہیں! بگھیاں شکریں کھڑکھڑاتی ہوئی زناٹے سے آئیں اور نکل گئیں بگل بھوں پوں بھوں پوں بج رہا ہے۔ یہاں پڑے آنکھیں مانگ رہے ہیں۔ سب مسافروں نے ملکر قسم کھائی کہ اب بھولے سے بھی امام بخش کی ڈاک پر نہ چڑھیں گے ادھر تو رُخ ہی نہ کریں گے خدا جانے کیا گناہ کیا تھا کہ یہ مصیبت سہی۔ اب ترنج بی ہزار نعمت کھائی۔ کان پکڑے توبہ کی۔ پیدل آنا۔ اس سے اچھا۔ ایسی شکرم پر تین حرف۔ سر بوجھ بنے۔ مزدور بنے۔ قلی بنے۔ بگھی کو ڈھکیلا۔ پہیوں پر زور لگایا۔ کیچڑ میں لت پت بیدم ہو گئے بیدم۔ لاحول ولاقوۃ۔ توبہ توبہ۔ خداوندا بچائیو۔ خلاصہ یہ کہ بہزار خرابی رو دھوکر یہاں تک آئے۔ جیل خانہ اچھا یہ ڈاک نہیں اچھی۔ اور بھئی ہندوستانی کارخانہ ہے نہ۔ بس دو کوڑی کا رمزی صاحب کی ڈاک واہ جی واہ کیا انتظام ہے۔

غواص محیط سداد میاں آزاد خانہ برباد نے دو دن اس شہر مینو سواد میں خوب سیر سپاٹا کیا۔ دوسرے دن شیطان نے انگلی دکھائی کہ بس اب بھاگو دو دن کچھ تھوڑے تھوڑا ہی ہوتے ہیں کیا یہاں چھاؤنی ڈالنے کا قصد ہے۔ چلیے جب اُنکے پیر سنے ڈانٹ بتائی تو پھر کیا تھا۔ بقچہ سنبھالا اور چلتے ہوئے قسم کھائی تھی کہ میاں امام بخش کی شکرم پر نہ جائیں گے نہ جائیں گے چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے یہ مصیبت کون سہے کہ دو دو کوس پیدل چلے اور پھر لطف یہ کہ سر پر بوجھ رکھے اور اسپر بھی قناعت نہیں گاڑی کو ڈھکیلو اور پہیوں پر خوب زور لگاؤ قلی بنا ہو تو البتہ ایسی شکرم پر جائے ورنہ اپنے حساب ایسی پر تین حرف لاحول ولا قوۃ رمزی صاحب کی ڈاک خوب ہی بیٹھے اور تڑاسے چوکی پر داخل ذرا آنکھ جھپکی اور کھٹ سے منزل مقصود پر۔ بہو بیچے رمزی صاحب کے ڈاک نہ گئے۔ پوری گاڑی کھینچے گا۔ جیسی کمپنی ایک سواری سوا روپیہ ہوا۔ لو بیعانہ۔ چونی ہے۔ آئیے تو حضور اب آپ جاتے کہاں ہیں۔ گاڑی چھوٹا ہی چاہتی ہے۔ بس ہاں تو روپیہ بھی دلائیے اسباب میں رکھدوں اور کچھ ہے۔ تا صاحب اور درویش کے پاس کیا خاک ہے۔ یہاں ٹکا کفن کو نہیں۔ آپ اسباب نہ لیے پھرتے ہیں۔ چپراسی نے اور مسافروں کو پکارا۔ رسالدار صاحب آئیے۔ وہ کہاں ہیں لالہ بلٹو۔ آؤ جی گاڑی چھوٹتی ہے تین مسافر اندر بیٹھیں گے۔ ایک اوپر کے درجے میں ہاں تو پھر تو چین ہی چین لکھا ہے۔

الغرض شکرم روانہ ہوئی۔ کوئی آدھ ہی کوس گئی ہوگی کہ لالہ بلٹو نے گل کھلایا۔ ٹھرّے کی بوتل نکالی اور لگے کچی پہ کچی اُڑانے میاں آزاد کا مارے بدبو کے دماغ پراگندہ ہو گیا۔ گو مذہبی خیالات سے انکو اصلا واسطہ نہ تھا۔ کیونکہ خدا کے سوائے اور کسی کو مانتے ہی نہ تھے۔ الہام اور وحی اور منہیات اور معصیات کے اصلا قائل نہ تھے۔ بہشت کو مانیں نہ دوزخ کو جانیں۔ لیکن بوئے بد نے انکی طبیعت کو بیچین کر دیا رسالدار صاحب کی جان عذاب میں تھی۔ یہ شراب کے نام پر لاحول پڑھتے تھے اور اُسکی بو سے منزلوں بھاگتے تھے۔ لیکن قہر درویش بر جان درویش۔ میاں آزاد سے رسالدار صاحب نے چپکے سے کہا کہ

رسالدار۔ حضرت یہ تو بیڈھب ہوئی۔ اب کہئے تو اُنسے صاف صاف کہدیں کہ واسطے خدا کے اسوقت نہ پیجیے۔ معاف کیجیے۔ ہم پر احسان ہوگا ورنہ تھوڑی دیر میں ہم اور آپ دونوں کو گالیاں نہ دینے لگیں تو کچھ ہارتا ہوں۔ ذرا آنکھ دکھا دیجئے جسمیں بہت بڑھنے نہ پائیں۔

آزاد۔ خدا کی قسم اسوقت روح پر صدمہ ہے اور دماغ تو

پھٹا جاتا ہے۔ گر جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ آپ ڈپٹ کر للکار دیجئے نہ مانے تو بندہ مستعد ہے کان گرا دوں گا۔

رسالدار۔ کہیں ایسا بھی غضب نہ کیجئے گا۔ پنجے جھاڑ کے لڑنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ شرابی کے منھ لگنا کس نے کہا ہو بھلا کسی حکمت سے انکو راہ پر لائیے تو خیر ورنہ چپکے ہو رہیئے۔

میاں آزاد اور رسالدار میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اتنے میں لالہ پلٹو نے ہانک لگائی ہات تیرے کی ہرے ہرے باغ میں۔ گولا بولا۔ بولا۔ آن بولا (ہنس کر) ایک آگے ٹیگ پیچھے۔ ہنا ہا ہا یہ بے تکی کہہ کے ایک دو ہترا جو لگاتے ہیں تو رسالدار کی دونوں ٹانگوں پر شراب کی چھینٹیں پڑ گئیں ہائیں ہائیں ارنا معقول مردود خبیث۔ مردک۔ الگ ہٹ۔ دیکھتے ہو بدبخت کی باتیں اور اوپر سے آنکھیں نکالتا ہے (لپڑتان کے) دوں ایک مردود اور سنیئے اچھی دل لگی نکالی ہے۔ اُٹھ جا یہاں سے رسالدار نے خوب ہی ڈانٹ بتائی۔ مگر یہاں سنتا کون ہے۔ ہوش کسے حواس کجا بولے تو کیا بولے۔

پلٹو۔ ہمارا بیوقوف باپ جنم کا باپ بڑا گدھا۔ بہت بڑا ہا ہا ہا ماشاء اللہ دزن ہی نرالا ہے سمجھے۔ دھنی کے برابر دیو۔ نہ دیو۔ اکبر اور بیربل۔ بر سو رام جھڑاکے سے رسالدار کی بڑھیا مر گئی فاقہ سے۔

رسالدار۔ (گھونسا تان کر) چپ مردک گھونس دوں بانس منھ میں مردک۔

پلٹو۔ اجی تو ہنسی ہنسی میں رونے کیوں دیتے ہو۔ آپ تو ڈپٹے لیتے ہیں۔ واہ ہم تو اپنے باپ کو بُرا کہتے ہیں یہ اپنے تئیں گدھا سمجھتے ہیں۔

آزاد۔ کیا تمہارے باپ گدھے تھے۔

پلٹو۔ ہونھ۔ یہ بھی کوئی چھپی ہوئی بات ہے اور نہیں تو تھے کون آخر آپ ہی بتائیے۔ عمر بھر ڈولی اُٹھائی مگر مرتے دم تک نہ اُٹھائی آئی۔

آزاد۔ ارے غضب کیا مر گیا بیچارہ۔ افسوس خوب آدمی تھا بڑا رنج ہوا۔

راوی۔ جی بجا ہے آپ کو رنج نہ ہوگا تو کس کو ہوگا۔ گویا آپ سے ملاقات ہی تو تھی نہ۔

رسالدار۔ اور ڈولی اُٹھانا کیا معنے۔ کیا کہار تھا؟

پلٹو۔ اور نہیں تو کون چمار تھا۔ یا بیلدار تھا۔ یا چوبدار تھا۔ یا وہ بھی آپ کی طرح رسالدار تھا۔

آزاد۔ ہے نشے میں تو کیا ہوا بات پکی کہتا ہے۔

رسالدار۔ جی ہاں درست ہے۔ آپ پچکار کے بے نقط سنوائیے گالیاں دلوائیے۔

پلٹو۔ اجی اس میں چوری کیا ہے۔ ہم کہار۔ ہمارا باپ کہار دادا کہار۔ پردادا کہار۔

آزاد۔ کہیے آپکی مہری تو بخیر و عافیت ہیں۔

پلٹو۔ چل شکرم۔ چل گھوڑے۔ چل کوڑے۔ بجے بگل بھوں بھوں بھوں بھوں۔ اگلے وقتوں کے لوگ سمجھتے کر اور کیا ہا ہا ہا خر خر خر۔ یہ کہکر دھم سے گرے۔ سر بولا کھٹ۔ پھر سنبھلے پھر لڑھکے پھر اُٹھے۔ پھر دھم۔ اب لگے واہی تباہی بکنے ہم ہم۔ ہم کو کوئی جانے۔ سامنے کانٹا۔ دکان میں کانٹا۔ کبڑیے کے یہاں بھانٹا۔ رسالدار کو لگاؤں چانٹا۔

رسالدار۔ اب ایسا نہ ہو کہ میں نشہ و شہ سب ہرن کر دوں نامعقول بیہودہ بکتا ہے۔ زبان کو لگام دے۔

پلٹو۔ کیا! لگام! سائیس سا معلوم ہوتا ہے۔

آزاد۔ میاں سیسی علم دریاؤ ہے۔

پلٹو۔ تیرا سر ناؤ ہے تو بن بلاؤ ہے۔

رسالدار۔ کوچمین بگھی ٹھہراؤ۔

پلٹو۔ کوچمین بگھی چلاؤ۔ گھوڑے والے گھوڑا دوڑاؤ اور گھوڑیو۔ ٹٹوؤں اور ٹٹویوں گرماؤ۔ گرماؤ۔ خوب گرماؤ۔ تیز تیز۔ تیز۔ تیز۔ بریز۔ بریز چلی چل چل نخرے نہ کر۔ آنٹا گوندھ گیلا نہ کر۔

میاں آزاد نے دیکھا کہ رسالدار کا چہرہ مارے غصے کے لال انگارہ ہوگیا جیسے چقندر۔ اور اب کوئی دم میں پلٹو مہرا پر ایک آدھ چپت جمایا ہی چاہتے ہیں۔ انھوں نے بات ٹال دی اور پوچھا کہ کیوں پلٹو مہراج سچ کہنا استاد تم نے تو کبھی ڈولی نہیں اٹھائی پلٹو بولے نہیں کبھی نہیں۔ برتن البتہ مانجے ہیں گر ہوش سنبھالتے ہی مدرسہ میں پڑھنے لگے اور اب تار گھر میں نوکر ہیں۔ ہم اور پیونگا۔ رسالدار جی لو پیتے ہو۔ رسالدار کے منھ کے پاس کپی لیجا کر کہا پیو پیو۔ بی بی آنا کہنا تھا کہ رسالدار جل بھن کے خاک ہوگئے۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ تڑ سے ایک چانٹا رسید کیا دوسرا اور دیا۔ تیسرا پھر۔ چوتھا اُپر اور۔ پانچواں گھاتے میں دکھلا دیا۔ لالہ پلٹو مزے سے میٹھے چپتیں کھایا کیے اور جب خوب تھک چکے تو ایک قہقہہ لگا کر فرمایا کہ اے جا بڑا رسالدار بنا ہے نام بڑا درشن چھوٹے ایک جوں بھی نہ مری رسالداری کیا خاک کرتے تھے۔ تم رسالدار۔ رسالدار۔ رسالدار چلو اب تو ایک کپی پیو۔ تمھیں قسم ہے اپنے بڑے سر اور کنجی آنکھوں کی۔ دوں پھر لو جھٹ پٹ لو پیو نہ۔

رسالدار۔ بھئی اس نے تو ناک میں دم کر دیا۔ پناہ خداوندا پناہ۔ ہماری ہاتھ ہے نہ جیتی۔ پیٹتے پیٹتے ہاتھ تھک گئے مگر اس کے خم ودم ویسے ہی ہیں۔ ذرا فرق نہیں۔

کوچمین۔ رسالدار صاحب یہ کیا غل مچ رہا ہے۔

آزاد۔ بڑی بات کہ تم جیتے تو بچے۔ ہم سمجھے کہ سانپ سونگھ گیا۔ یہاں مار دھاڑ بھی ہوگئی مگر تمھیں اطلاع ہی نہیں۔

کوچمین۔ مار دھاڑ! یہ مار دھاڑ کیسی؟ دیکھوں (اُتر پڑے)

رسالدار۔ دیکھو یہ بیچا سوز بیٹھا شراب پی رہا ہے اور سب کو بے نقط سناتا جاتا ہے۔ میں نے خوب ہی درست کیا۔ ایسا پیٹا ایسا پیٹا کہ یاد ہی تو کرتا ہوگا۔

پلٹو۔ جھوٹے پر لعنت کہو میش باد۔ کہو بس اب کہو نہ۔ لے بیٹھکال لعنت خدا یہاں تو کان پر جوں بھی نہ رینگی۔

کوچمین۔ تھوڑی سی ہم کو نہیں پلاتے۔

پلٹو۔ لو واہ وا۔ نیکی اور پوچھ پوچھ ہم تو چاہتے تھے کہ کوئی ساتھی ملے۔

الغرض لالہ پلٹو اور میاں کوچمین دونوں کے دونوں کوچ بکس پر جا کر بیٹھے اور کپیوں کا دور چلنے لگا۔ جب دونوں بدمست ہوگئے تو باہم خوب ہی گلخپ ہوئی۔ اُسنے اُسکو بیر لگایا اُسنے اُسکو ناک کے ڈگ جمایا۔ پلٹو نے دھپ دی۔ اُسنے ایک ٹیپ جڑ دی۔ اُسنے اُسکو رلایا۔ اُس نے اسکو ڈھکیلا اور پلٹو زمین پر ہو رہے۔ گرتے ہی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹا تو کوچمین بھی دھم سے گرے گرتے ہی چمٹ گئے۔ چمٹتے ہی وہ بھی گتھ گیا۔ ایک نے کولے پر لادا۔ دوسرا بغلی ڈوبا۔ اُسنے دستی کی اُسنے ہٹنے کا غشہ کے لیے پیش دستی کی۔ اتنے میں دونوں چمٹ گئے۔ اور لگا مکا چلنے۔ دائیں۔ دھائیں۔ دائیں۔ دھائیں۔ دھم دھم دھس۔ دھس۔ تڑ۔ تڑ۔ تڑاق۔ تڑاق۔ دھوں۔ دھائیں کوچمین نے جھپٹ کے میاں پلٹو کی ٹنگڑی لی۔ اُسنے پنجے پکڑے۔

اتنے میں رسالدار نے پلٹو کے بے بھاؤ کی چپتیں لگائیں ایک دو تین چار کر کے کوئی پچاس تک گن گئے۔ آزاد نے دیکھا کہ میں خالی کھڑا ہوں۔ اُنھوں نے کوچمین کو چپتیانا شروع کر دیا اب سنیئے کہ بارگیر اور سائیس اور ایرے غیرے سب بھاگ کھڑے ہوے۔ دونوں کا نشہ جب ہرن ہو گیا تب جا کے کہیں چھوڑا۔

آزاد۔ کیوں بچہ پھر پیوگے شراب۔ کیوں چڈا گلخیرو۔ اور شراب منگواؤں۔ نامعقول! گاڑی چلاتا ہے یا شراب پلاتا ہے ہاتھ پاؤں ڈھیلے کر دوں گا۔

رسالدار۔ ہاتھ تیرے کی۔

پلٹو۔ تو کیا آپ اکڑ رہے ہیں۔ آپ کی رسالداری کو تو ہم نے دیکھ لیا۔ آپ کے ہاتھ میں سکت ہی نہیں۔ دیکھو کوچمین کے سر پر آدھے بال رہ گئے۔ یہاں بال تک بیکا نہوا۔

رسالدار۔ بس اب ہم ہار گئے۔

اب سنیئے کہ اس ٹھائیں ٹھائیں اور جھنجھٹ اور مار پیٹ کو کچھ عرصہ ہوا لیکن کوچمین نے مارے خوف کے گھوڑے ایسے تیز چلائے کہ عین وقت پر بگھی پہونچ گئی ذرا دیر ہوئی جو کہیں لالہ بھگو یا میاں ۱۴ ما کی ڈاک ہوتی تو وہیں دن میں بد بختی لیکن ہندوستانی کارخانہ پھر ہندوستانی ہو۔ وہ قواعد کی پابندی کجا۔ ضابطہ کی فکر کس کو۔

این سبزہ این چشمہ و این لالہ و این گل
آن شرح ندارد کہ بگفتار در آید

ہمارے شفیق نیک نہاد کوچہ گرد خانہ برباد وحشی مادر زاد اسم بامسمیٰ وارستہ آزاد رنگیلے جوان بنے ہوئے بڑی آن بان سے تنے ہوئے شکرم پر سے اُترے تو سنئے شہر کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئے ہر محلہ آباد۔ کوچہ و برزن خوش سواد۔ ہر سمت لطف خداداد الٰہی یہ شہر ہے یا بہشت شداد۔ سڑکیں صاف چپہ چپہ شفاف۔ کوڑے کرکٹ سے کام نہیں۔ گندگی و عفونت کا نام نہیں۔ کہیں گرد نہ غبار۔ در و دیوار ندرت بار۔ ہر سمت سبزہ زار ہر باغ رشک فرخار۔ چو طرفہ گلزار اور گلہائے بے خار پت جھاڑ سے واسطہ نہ خزاں سے سروکار۔ دماغ طبلۂ عطار نسیم عنبر بار اور روکش صد ہزار نافۂ تاتار۔ اسمیں ایک رنگین کوٹھی جو نظر آئی تو آنکھوں نے چشم بد دور وہ طراوت پائی کہ واہ جی واہ اُسکی بناوٹ اور سجاوٹ ایسی بھائی کہ سبحان اللہ بس دل میں کھپ ہی تو گئی۔ وضع دنیا سے نرالی بیلیں ساری خدائی سے انوکھی۔ پودوں پر وہ جوبن کہ انسان برسوں گھورا کرے درختوں پر وہ پھبن کہ دیکھنے سے سیری ہی نہو۔ سرو مثل قامت مہوشان فرخار آزاد۔ سبزان چمن خندہ و شاد۔ زمین زمرد رنگ کوہ زمرد کے ہم سنگ۔

چمن زمردیں فلک اِس زمرد رنگ کو دیکھے تو شرما جائے گل لالہ کے تختہ پر یاقوت احمر ہیرا کھائے۔ صبح ہو اور شام ہو یہ باغ زیبا ہو اور دلارام گلفام ہو۔ تبارک اللہ یہ باغ نزہت فزا ہے یا عروس آراستہ۔ یہ گلشن پر فضا ہے یا نگار پیراستہ۔ گلزار ارم اس کے مقابل گرد ہے۔ باغ نعیم کا چہرہ زرد ہے۔ الٰہی یہ باغ جناں ہے یا روضۂ رضواں ہے۔ جو نہال ہے عشوہ ریز جو بوٹی ہے بہجت خیز جو پھول ہے رنگ آمیز اور مشک بیز۔ نرگس مثل چشم آہو چشمان چگل ملائک نظر فریب سنبل مثل طرۂ تابدار پری رخان فرخار آشوب زمانہ و عدوئے شکیب۔ رضواں دیکھے تو مارے شرم کے عرق عرق ہو جائے۔ فردوسی دیکھ پائے تو گلچین بن جائے

زمین زمین شعر کی طرح رنگین - ہوا عنبر بار و عطر آگین -
میاں آزاد نے ایک ہرے بھرے درخت کے سایہ میں جس کے زمردیں پتے حلہ پوشان بہشت اور سبزان ہند کی یاد دلاتے تھے - زین پوش بچھایا - سبزۂ بیگانہ کو اپنا مسکن خاص بنایا ٹہنیاں ہوا کے جھوکوں سے مستوں کی طرح جھومتی تھیں اور فرط میوہ سے زمین کو بار بار چومتی تھیں - چو طرفہ فرش زمردیں اور کلہائے رنگین - غنچوں کا چٹکنا - شاخوں کا جھومنا - پھولوں کی مہک سبزے کی لہک - سوسن کی زبان درازی نرگس کی نظارہ بازی آنکھوں کو سرور بخشتی تھی اور روح کو لطف موفور جہاں تک ایک نظر کی رسائی تھی قدرت نے عجب کیفیت خداداد دکھائی تھی اور ہر سمت سے نمایاں شان کبریائی تھی لیکن اس رنگین کوٹھی پر اور ہی عالم لطف دو بالا تھا اُسکا باوا آدم ہی نرالا تھا - گلابی رنگ - سبز دروازے لاجوردی پردے جن کے دیکھنے سے بادام ترکی طرح آنکھ سبز ہو جائے اور قوت باصرہ نضارت پائے ادھر اُدھر دوب ہری بھری اور اسکے بیچ بیچ میں رنگین بارہ دری - چو طرفہ چشمہ اور ادھر ادھر سبزہ لہلہا رہا ہے اور مرغ چہچہا رہا ہے - گرداگرد چشمہ سار اور جو بار پر بہار سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ جزیرہ ہے - ایک رہرو سے میاں آزاد نے پوچھا کہ -

آزاد - یا حضرت ذرا ادھر تو آئیے -

رہرو - الامر فوق الادب - لیکن قبلہ کہیں وہی سوار والی مثل نہو کہ ایک مجہول آدمی نے ایک سوار کو جو فرس تند خو کی باگ اُٹھائے کڑکڑاتا چلا جاتا تھا دور سے پکارا میاں سوار میاں سوار تمہیں قسم ہے خدا کی جو ادھر نہ آؤ - سوار بیچارہ سمجھا کہ کوئی شخص مصیبت کی حالت میں پڑا سسک رہا ہے جلد دگڑ پہونچو - گھوڑا پھیر دیا - جب قریب پہونچا تو دیکھتا کیا ہے کہ ایک ایک آدمی صاحب تن و توش خاصہ ہٹا کٹا موٹا تازہ ایک درخت کے نیچے لیٹا ہوا ہے مگر چت آنکھیں آسمان کی طرف - پوچھا - کیوں بلایا تو فرماتے کیا ہیں کہ بھئی پھلیندا ٹپ سے چھاتی پر گر پڑا اور ہی اتنا احسان کرتے کہ چھاتی پر سے اُٹھا کر کھلا دیتے تب تو سوار چکر میں آیا کہ لاحول ولا قوۃ اچھے نامعقول مجہول آدمی سے پالا پڑا - دو کوس سے ہمیں بلایا - اور یہاں بلا کر اُلو بنایا - تو حضرت اگر کچھ ضروری بات ہو تو خیر ورنہ رخصت -

آزاد - یہ ندی کہاں سے نکلی ہے اور گرتی کہاں ہے طول اور عرض کیا ہے اور اسپر کون شہر بستا ہے - اور پل کتنے بنے ہیں -

رہرو - لے اب سیدھے چلے جاؤ داروغہ پاگل خانہ بیچارے پر کیوں جرمانہ کراؤگے مفت میں - واہ کیا سہل بات پوچھی ہے ندی نکلی کہاں سے ہو نہ ہو - یہ اچھی سوجھی - اجی پہاڑ سے نکلی ہے اور کہاں سے نکلی ہے - کیا املی کی جڑ سے نکلی ہے گرنے کا حال خدا جانے -

آزاد - اس کوٹھی اور بارہ دری میں کون رئیس رہتا ہے -

رہرو - رئیس نہیں ایک رئیسہ رہتی ہیں - بڑی مالدار ہیں ابتو کوئی ساٹھ برس کی ہونگی - رات کو روز بجرے پر دریا کی سیر کو نکلتی ہیں - ان کی دونوں صاحبزادیاں بھی ہوتی ہیں اور دو تین ماما اصیلیں - مغلانیاں - ایک پینز کتا - دو ماما بھی روز بلا ناغہ جاتی ہیں -

آزاد - تو بجرہ کیا حضرت نوح کی کشتی ہے (بلا تشبیہ) بھلا کیوں صاحبزادیوں کی عمر کیا ہو گی - بیاہی ہیں

کہ بن بیاہی۔

رہرو۔ اب سن وسال کا حال بندہ کو کیا معلوم گر سیانی ہیں کوئی تیرہ تیرہ چودہ چودہ برس کی ہونگی۔ بس اور کیا۔ شریف زادیاں رئیس زادیاں ہیں۔ بڑی تمیزدار۔ بڑی سلیقہ شعار۔ بڑی خوش فکر اور بڑھیا تو بقراط ہے اپنے وقت کی۔ ایسی فتنہ تو دیکھی نہ سنی بڑی پاکباز۔ بڑی راستباز۔ مخیر۔ جواد۔ غیور۔ خوش خلق اور تربیت یافتہ۔ لڑکیاں بھی اپنی ماں کے قدم بقدم ہیں۔ آنکھوں میں شرم۔ مزاج میں آزرم۔ روپوش عفت کوش۔ حیاپرور۔ پاک نظر۔ نازدقیم پروردہ گرخاندہ۔ یہ نہیں کہ الف کے نام بے نہ جانتی ہوں۔ رات کو بڑی سیر ہوتی ہے۔ جب وقت بجرہ ذرا سٹے سے بہاؤ پر جاتا ہے۔ اہو ہو ہو۔ وہ لطف آتا ہے واہ۔ واہ شب ماہ میں البتہ کیفیت مزید حاصل ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ کھانا بھی بجرے ہی پر نوش جان فرمایا تھا۔ بڑی دل لگی ہوئی۔ چھوٹی صاحبزادی نے کھاتے کھاتے فرمایا کہ۔ ؎

دریاے اخضر و فلک و کشتی ہلال
ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما

واللہ کیا کہی ہے۔ کیا برجستہ سوجھی ہے۔ بڑی صاحبزادی نے ایک لطیفہ غضب کا سنایا۔ انکی اماں جان نے کہا کہ باقر روٹیاں خوب پکاتا ہے۔ (باقر انکے باورچی کا نام ہے) تو دیسر بڑی صاحبزادی مسکرا کر فرماتی کیا ہیں (ہاں ہاں اماں جان وہ نہیں تو اور کون پکائے گا اسی کے نام سے تو باقرخانی مشہور ہے) سبحان اللہ۔

آزاد۔ شادی ابھی نہیں ہوئی بھلا کہیں پیغام دیغام ہے۔

رہرو۔ ابھی شادی نہیں ہوئی نہ کہیں بات چیت ہو دونوں بہنوں کو مطالعہ کتب کا ازبس شوق ہے۔ پڑھنے لکھنے اور سیر دریا یا گلگشت چمن کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ اصغری اور اکبری کا قصہ ابھی وہی مراۃ العروس اور بنات النعش اور فسانۂ جلد اور تزک جرمنی اور علی بند اور اخلاق کاشی وغیرہ کتب تصنیف نو مطالعہ میں رہتی ہیں اور انکو دل لگا کر پڑھتی ہیں سینے پرونے کاڑھنے میں بھی دونوں بہنیں برق ہیں۔ کھانا بھی خوب پکا لیتی ہیں۔ صفائی کا دونوں کو خیال ہے میلے کچیلے مکان میں دم بھر نہ بیٹھیں۔ ہوادار کمروں پر لوٹ ہیں۔ خدا کرے انکی شادی اچھے گھروں میں ہو۔ ؎

غالب ان سیمیں تنوں کے واسطے
چاہنے والا بھی اچھا چاہئے

آزاد۔ بندہ نواز ہم تو اسوقت ریشہ خطمی ہو گئے یوں سمجھئے وجہ سنیئے جہاں ہم نے اپنے وطن کی تعلیم یافتہ پڑھی لکھی لڑکیوں کا حال سنا اور بس باچھیں کھل گئیں خدا کرے تعلیم نسواں اس ملک میں روز بروز ترقی پائے۔ اور ہر ایک لڑکی فارسی یا انگریزی پڑھے بھی آمین۔ لیکن واللہ اب دلی خواہش یہ ہے کہ کسی ترکیب سے بجرے کو دیکھیں اور خدا کا شکریہ ادا کریں کہ اس ملک میں بھی ایسی خوش فکر شریف زادیاں ہیں جو تعلیم و تربیت کو گناہ نہیں سمجھتیں۔

رہرو۔ تو پھر اسی جگہ بستر جما رکھئے۔ میں سر شام ہی آ جاؤں گا۔

آزاد۔ حضرت میں مسافر غریب الوطن آدمی ہوں ایسا نہو کہ آپ شام کے عوض صبح کو بھی نہ آئیے اور یہاں میدان لق ودق میں اینجانب کو بھیڑیا اٹھا لے جائے۔

رہرو۔ آپ بڑے دل لگی باز معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کو تو سانپ تو درکنار رسن سے بھی خوف نہیں۔ آپ ٹھہریں۔ میں

دم کے دم میں آیا۔

نہیں روزن جو قصر یار میں پروا نہیں ہمکو
نگاہ شوق رخنہ کرتی ہے دیوار آہن میں

غواص قلزم شرر فشانی۔ آشنائے محیط پریشانی۔ مصباح مجالس و داد وحشی مادر زاد میاں آزاد خانہ برباد زلف کی طرح خانہ بدوش و پریشان روزگار شام تک اس یار وفادار کے انتظار میں سر دھنا کئے اور مرغان خوش رنگ اور خوش آہنگ کے ترانے سنا کئے۔ تدرو خوش خرام کا قہقہے لگانا عندلیب شیدا کا چہچہانا۔ موریلوں کی سریلی جھنکار پپیہوں کی پکار۔ رامشگری مرغان چمن زار و مستانہ روی آب رود بار مرغزار ابر بہار کی نمک ریزی نسیم بہجت انگیز کی عطر بیزی شاخ گل کی مہک سبزۂ زمردیں کی لہک۔ دریا کی مد دانی۔ بحر مسرت کی طغیانی اہوہوہو۔ اہاہا۔ جو مرغ چمن ہے رنگین ادا خوش نوا ہر طرف مشاطۂ صبا کی گلکاری تھی۔ اور نسیم عنبر شمیم کی فیض باری چشمۂ سار کا پانی جو نوش جان فرمایا تو گویا قند و نبات کا مزہ پایا بلکہ آب حیات یاد آیا۔ ہر سمت نکہت روح افزا اور رائحۂ دل آرا۔ امرود۔ حلوائے بے دود۔ سیب دافع آسیب ترنج مشک آگیں۔ رشک آہوئے چیں عناب بالب شکر لبان و شکر لب شفتالوئے کاروی دآر دی کچھ سُرخ کچھ سبز گویا سبزان ہند گلابی پوش ہیں یا یاد معشوق میں خونابہ نوش ہیں انبہ پیوندی نوش پیوند ہے دلبند و بادشاہ پسند ہے۔ سبزہ ہمشیرہ جان شیریں۔ انار حقہ حقہ یاقوت نگار و حلاوت آگین میاں آزاد وحشی مزاج کو لطف بہار ایسا بھایا کہ بے اختیار لہرا لہرا یوں گایا۔ ؎

شب شنبہ و عید و ابر بہار
مے و مطرب از ہر چہ گویم خوش است
سرت گردم اے ساقی عشوہ باز
شب شنبہ از روز عیدم خوش است

میاں آزاد کا جنون بہار فروش تھا اور ستم کوش سوچے کہ جناب باری نصیب آزاد دیدار یار جانی کرے۔ دعائے حزیں گل زمین اجابت میں ریشہ دوانی کرے۔ کبھی دھنا دینے کا شوق چرایا۔ کبھی بھاگ جانے کو جی چاہا۔ کبھی سر دھنتے تھے کبھی تنکے چنتے تھے۔ آشنا نہ بیگانہ۔ خویش نہ یگانہ ہی ہی یہ بہار اور یار کا انتظار۔ فرقت کا دھڑکا۔ ہجراں کا کھٹکا۔ ؎

سوختم از غصہ دریں نو بہار
بادۂ من در خم و من در خمار

دل ہی دل میں یوں سوچنے لگے۔ وہ رہرو تو واللہ جھانسا ہی دے گیا اب شام میں باقی کیا ہے۔ آنا ہوتا تو آ گیا ہوتا بس آچکا اور مجرا دکھا چکا۔ ہائے یہ چاہ کنویں جھکائے گی تنکے چنوائے گی۔ مگر۔ ع۔ دل کو میرے آفرین یہ جو ڈٹا سو ڈٹا میں بھی نہ ٹلونگا نہ ٹلونگا۔ ع۔ اب تو آزاد نے اس در پہ جمایا زانو۔

ہندوستان میں ایسی شریف زادیاں نظر کہاں آتی ہیں جو زیور علم و فضل سے متحلی ہوں۔ حلی شایستگی سے متجلی ہوں کسی کو فکر پوری و دال ماش۔ کسی کو شوق تراش و خراش اللہ اکبر اس درجہ دنیا و مافیہا سے بیخبر۔ ہندیوں کا ادبار آٹھ آٹھ آنسو رُلاتا ہے۔ کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ ہمدردوں کا جی جلتا ہے اور فرط جوش حب وطن سے سینہ مثل دیگ اُبلتا ہے۔ پُرانے فشن کے اکثر بزرگ لکیر کے فقیر ہیں۔ جدّت سے طبیعت نفور شایستگی کی باتوں سے منزلوں دور۔

میاں آزاد عین حالت پریشانی میں یہ سوچ رہے تھے کہ رہرو نے کہا اما کم اللہ بالخیر۔

آزاد۔ عمرت دراز باد۔ خانۂ احسان آباد۔ آپ کے فراق نے کنوئیں جھنکائے مگر خیر وقت پر آئے پھر اس فرش زمردگوں پر بستر جمائیے۔ سبزۂ بیگانہ کو اپنا مسکن بنائیے۔ سچ کہیے گا کیا سہانا وقت ہے۔ ہر عروس چمن سبز بخت ہے۔ ؎

کشیدہ ام زجنوں ساغرے کہ ہوش نماند
دگر معاملہ باپیر مے فروش نماند

نرگس کی طرح دیدۂ حیراں ہوں اور مثل گل چاک گریباں ہوں۔ ؎

ماکوس بادشاہی دست جنوں زدیم | تخت رواں آبلہ در زیر پائے ماست

آج اس بہار کافر بہار نے ہمارے سمند جنوں پر اور بھی تازیانہ کا کام کیا۔ ؎

ہر صبح میز مہ شفق جوش خون ما | موقوف بر بہار نباشد جنون ما

رہرو۔ اگر یہی رنگ بہار ہے اور یہی لیل و نہار ہے تو مجنوں کا کوئی نام بھی نہ لے گا۔ ؎

میں وہ مجنوں ہوں کہ مجنوں بھی ہمیشہ خط میں
قبلہ و کعبہ لکھا کرتے تھے القاب مجھے

آزاد۔ حضرت یہاں تو جنوں نیک فال سے سروکار۔ نہ عشق پریرخان گل رخسار نہ شوق اصنام طرحدار مطلب سعدی دگر ست اصل منشا تو یہ ہے کہ ہندوستان کی عالی خاندان معالی دودمان نجیب الطرفین و شریف الجانبین رئیس زادیوں کو تربیت یافتہ اور شائستہ دیکھیں اور جناب باری کی درگاہ میں شکریہ ادا کریں ہم تو ہندوستان کے نام پر فدا ہیں اسی کے عاشق و شیدا ہیں عاشقی و معشوقی روح مجنوں و وامق ہی کو مبارک رہے ہم ایسے ویسے محبوب کو دل نہیں دیتے دل کا سودا دل لگی نہیں ہے۔ ؎

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد
بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

رہرو۔ الحمد للہ۔ الحمد للہ لو منھ مانگی مراد پائی۔ وہ سامنے سے پالکی آئی لے اب سجدہ کرو اور نماز شکریہ پڑھو۔

دیکھ لو وہ سامنے سکھپال ہے | وہ میانہ جسکا پردہ لال ہے

آزاد۔ (عینک کو کپڑے سے صاف کر کے) کہاں؟ کہاں! کدھر میاں بتاؤ۔ بتاؤ۔

رہرو۔ اینٹ کی عینک لگاؤ۔ اتنی بڑی پالکی نہیں دیکھ سکتے کیا، تو نذی آتی ہے۔

آزاد۔ آنکھیں ہی پھوٹیں جو نظر پڑی ہو۔ اندھا ہی ہوں جو پالکی سے آنکھ لڑی ہو۔ اہاہا وہ دیکھی۔ ایں! وہ تو درخت کے سایہ میں رک گئی ہی جی۔ یہ کیا۔ ؎

قسمت کو دیکھنا کہ کہاں ٹوٹی جا کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

رہرو۔ گھبرائیے نہیں آپکے تو ہوش ہی پیترا ہوئے جاتے ہیں بیکار ہاتھ پاؤں پھولے جاتے ہیں۔ اب کوئی اور ذکر چھیڑیے جس میں معلوم ہو کہ دو مسافر تھک کر کھڑے باتیں کر رہے ہیں۔

آزاد۔ سو بھی ٹھیک۔ اب میں کوئی اور ذکر چھیڑتا ہوں۔ کیوں صاحب! کی آم کی فصل خوب ہوئی۔ جدھر دیکھو بیتے پڑے ہیں شیرہ شکرریز ہے آم پر چھری تیز ہے۔ منڈی جائیے کھانچیوں کی کھانچیاں تربوز کی دیکھ آئیے۔ کوئی ٹکے کو نہیں پوچھتا اور آم کے سامنے تربوز کو کون ہاتھ لگائے۔ بمبئی ہیں تو بمبئی پسند ہے اور آمن تو قیامت کی شیریں ہے۔

رہرو۔ دیکھئے کہیں فرہاد کی روح کے منھ میں پانی نہ بھر آئے

بھئی امسال تو ہم نے خوب ہی آم کھائے۔
کچھ دیکھا وہ دیکھو ہاتھی آ رہا ہے۔ ہاتھی کیسا کوہ کا کوہ ہے
فیل فلک شکوہ ہے۔ ۵

بہ پیشانیش شنگرف ست دلکش
زکوہ طور شرخ بنمودہ آتش

اب سب آگئے وہ دیکھو بجرا تیار ہو رہا ہے۔ اس فیل مست پر دونوں بہنیں بصد ناز دلربائی و انداز زیبائی متمکن ہیں اور پالکی میں بڑی بیگم صاحب جلوہ فگن ہیں۔ اب بجرے پر سوار ہی ہوا چاہتی ہیں۔

یہ میٹھی میٹھی باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک دفعہ ہی قبلہ کے رُخ سے کالی گھٹا متوالی گھٹا جھومتی ہوئی اُٹھی اور بجلی نے کوندنا شروع کیا۔ رعد کی گرج سے کان پڑی آواز کا سُننا محال تھا اور رم جھم لگا مینھ برسنے۔ ۵

زفیض ابر سرخوش میگساراں
ہوا از تار بند از تار باراں

کند قوس قزح باراں سگالے
چنیں باشد گماں بر شنگالے

زفیض ابر گلشن کامیاب ست
صدائے رعد چوں بانگ رباب ست

فروغ برق ہیں در ابر سیر آب
بعینہ ہمچو عکس لالہ در آب

ادھر قطرہ افشانی ہوئی اُدھر فیلبان نے ہاتھی کا رُخ پھیر دیا کہاروں نے پالکی کو لیا اور چلے گھر کی طرف۔ اے چرخ ستمگار نے ہنستے ہی پر ٹوک دیا۔ آتے آتے روک دیا۔ بجرے کی روانی اور دریا کی طغیانی اور باران رحمت کی قطرہ افشانی کیا کچھ لطف نہ دکھاتی۔ دل کی کلی کیسی کھلکھلاتی۔ مگر قسمت۔ ۵

ساقی و جام مے دگر خندہ درست اینجا
للہ الحمد کہ احوال بخیر ست اینجا

نکتۂ عشق مپرسید کہ ہوشم باقی ست
سخن از یار مگوئید کہ غیرست اینجا

اس شہر نشاط آباد و خوش سواد میں میاں آزاد خانہ برباد نے بادل شاد شب حمل آویز کو بستر استراحت پر آرام فرمایا تو رات بھر کروٹ تک نہ لی نور کے تڑکے نسیم طرب انگیز نے جگایا اور بہار توبہ شکن نے ایسا لُبھایا کہ دل سیر کو چاہا۔ خیال گلگشت چمن و تماشائے نسرین و نسترن نے گدگدایا۔ شوق چرایا کہ احباب بذلہ سنج مرنجاں مرنج ہوں اور ارباب لطیفہ گو و نکتہ سنج ہوں اُٹھے تو اشعار آبدار در وزبان غنچۂ دل گل خنداں۔ ۵

بکوئے عاشقی چوں من نخواہد بود رسوائے
دلم صد پارہ و ہر پارۂ عاشق بیک جائے

رہرو۔ الٰہی خیر۔ صبح صبح رسول پیغمبر سے کام نہ خدا کا نام بس ایک ذکر جام دوسرے خیال دلآرام۔ ۵

محبت مے و معشوق ترک کر آتش
سفید بال ہوئے موسم خضاب آیا

آزاد۔ میاں یہ سب بڑھوتی وقت کے خیال ہیں۔ یہاں تو حضرت دل خرام ناز کے پامال ہیں۔ مگر ہم ترک نہیں کردہ موٹے میاں کے دلدادہ نہیں۔ عاشق جام و بادہ نہیں۔ یہاں اور ہی دھن ہے۔ اور ہی اُدھیڑ بن ہے۔ ہندوستان کے عاشق زار مرا ہی مرض میں گرفتار ہیں۔ دل سے لگی ہے کہ ہندی آدمی بجائیں میدان تہذیب میں علم وحدت اُٹھائیں۔ ذکور حلیۂ شائستگی سے شستہ ہوں۔ اناث زیور علم سے مزین ہوں۔ ۶

ہمکو سودا کبھی ہوا تو میرزا یا نہ ہوا

بہارست اے ساقی لالہ رنگ
بدہ ساغر مے مرا بیدرنگ

اسوقت تو در و دیوار عشرت بار ہے۔ رند چلو عالم بہار ہے خزاں کا بازار سنسان ہے۔ اللہ اللہ فصل گل کی بھی کیا آن بان ہے۔ ۵

ہے شوخیوں پہ حسن طرحدار آجکل
بال پری ہے طرۂ دستار آجکل

رہرو۔ لیجئے منہ دھوئیے۔ حمام خانے جائیے۔ ماحضر تناول

فرمایئے اول طعام بعدہٗ کلام۔ راحت الروح فی قلۃ المنام۔ ہاں
بے اب اللہ اکبر کہکر اُٹھ تو بیٹھیے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سستا کر اٹھا اور
جھنگی کر افیم۔ ادھر آفتاب نے رُخ انور کی جھلک دکھائی۔ ادھر
میاں آزاد کو سیر دریا کی دھن سمائی۔ رہرو کو ساتھ لیا ہاتھ میں
ہاتھ دیا اور اشعار سُناتے رہرو کو وجد میں لاتے گاتے لہراتے
پھونک پھونک کر قدم جماتے باد بہاری اور قدرت گلکاری
کے مزے اُڑاتے چلے۔

اب سنیے کہ شام کا سُہانا وقت۔ ہر عروس چمن شاد کام و بہزیمت
ٹھنڈی ہوائیں اودی گھٹائیں کلیوں کا مسکرانا۔ پھولوں کا
کھلکھلانا۔ نرگس شہلا کی چشمک زنی۔ عندلیب شیدا کی جانکنی
ادھر جوئبار۔ اُدھر بگلوں کی قطار۔ کہیں انہار آبدار۔ کہیں از ہار
مسرت بار۔ کہیں فاختہ دستک زناں۔ کہیں قمری کوکو کناں
لالہ کا لباس گلگوں۔ کہیں نمونۂ قدرت بیچون کہیں روش
دلکش کہیں بوئے خوش۔ ہوا فیض بیز۔ عنبر افشاں و بہجت انگیز
گل قدم کی زبان سے صدائے اللہ اکبر بلند ہے۔ مشک دانہ کا لباس
زعفرانی دلپسند ہے۔ گل چنپہ دُر خوش آب ہے۔ گل مہندی کی
رنگینی اور طراوت لاجواب ہے۔ یہ تختہ گل فرنگی ہے۔ بارک اللہ
کیا تازہ رنگی ہے۔

اب جو دونوں دوستان صادق اور یاران موافق نے جاکر
دم لیا اور حدیث حسن و عشق کو سر کیا۔ میاں آزاد خانہ برباد
اس بہار روح افزا اور گھنگھور گھٹا پر ہزار جان سے
عاشق تھے۔ ؎

بیوں نکہت گل چمن در آغوش	چوں زلف نسیم خانہ بر دوش

خاتون خیمۂ برق نیلی سحاب سے صورت زیبا چھپائی اور
کاٹ کوسوں تک وہ تاریکی چھائی کہ الحفیظ۔ الٰہی یہ شب دیجور ہے
گیسوئے حور ہے۔ جدھر دیکھو سیاہ ہی سیاہ۔ مہر نہ ماہ ہے
جوئبارِ دل کا یہ جوش۔ اور شب اس درجہ قیامت در آغوش
ماتمیوں کی طرح سیہ پوش۔

آزاد ؎	آہ کیا قہر کیا تفرقہ پردازوں نے	
	کردیا جلسہ ہی برہم خلل اندازوں نے	

رہرو۔ یہ بھی اپنی قسمت کی خوبی ہے۔ اس تیرہ بختی کے
قربان کہ شب ماہ شب تار سے مبدل ہوگئی بس یا تو یہ صحرائے
جنوں خیز و دشت وحشت بار ہے۔ ہم ہیں اور دل داغدار ہے
نہ لطف سیر نہ دیدار مہوشان برق رفتار۔ ؎

وردہر کسے بہ گلعذاری نہ رسید	تا بر دلش از زمانہ خارے نرسید
در شانہ نگر کہ تا بصد شاخ نشد	دستش بسر زلف نگارے نرسید

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک دفعہ کچھ آواز سی کان میں
آئی معلوم ہوا کہ بڑی دور سے کئی سوار رہوار آہو شکار و برق رفتار
اُڑ کر اڑاتے اور چمکاتے ہوئے آرہے ہیں۔ میدان بھر گونج گیا ایں!
اسوقت ہماری طرح کس کو تباہی آئی کہ سیر صحرا کی دھن سمائی
ترڑ ترڑ ترڑ کرتے ہوئے باد رفتار گھوڑے ہوا پتلیوں سے
اُڑتے چلے آتے ہیں۔ یہ کھائی پھاندی دن سے وہ نالی پر سے
اُچک آئے زن سے ایک دفعہ ہی بجلی جو چمکی تو گھوڑے ان کے
سر پر تھے دیکھا کہ چار پانچ سوار چست و چالاک گھوڑوں پر سوار
سبزہ زار پُر بہار میں اشجار تناور کے سایہ میں کھڑے ہیں گھوڑے
ہنہنا رہے ہیں۔ چمک رہے ہیں۔ یہ کڑکڑائے وہ پہونچے وہ
چمکے یہ آرہے جو شدید ہے بیک خیز ہے۔

آزاد۔ کیوں قبلہ۔ یہ جوان رعنا بلند و بالا گلعذار طرحدار کون
ہیں کہاں سے آئے۔ کدھر کے عزم ہیں۔ ذرا دریافت تو کیجئے
مگر واللہ کیا رنگیلے جوان ہیں اور گھوڑے تو سبحان اللہ

زمین پر قدم ہی نہیں رکھتے۔ گھوڑے ہیں یا پری۔ اللہ اللہ یہ شان دلبری۔ رگ رگ میں سرعت بھری ہو۔ جیسے دیکھو برق دم پری جھم۔

قدم بازایسے گویا زر یا مواج دریا ہے
سبک خیز اسقدر ہلنے نہ پائے پیٹ کا پانی

رہرو۔ اُدھر آسمان پر ادھر زمین پر بجلی چمک رہی ہو ابھی جرارہ بھریں تو فلک الافلاک پر تھگلی لگائیں۔ لیکن حضرت یہ فوجی آدمی ہیں ان سے باتیں کرتے ہوئے ذرا روح کانپتی ہے۔ یہ لوگ بات پیچھے کرتے ہیں چانٹا پہلے دیتے ہیں۔

آزاد۔ ہونھ۔ چانٹا! اسکا تو ذکر ہی نہ کیجئے۔ یہاں مرد میدان ہیں دیکھئے ہم پر دبال ملاتے ہیں۔ ابھی باتوں میں لگاتے ہیں دیکھیں تو ہیں کون۔ آئے کہاں سے۔ عزم کدھر کے ہیں یہ کہکر میاں آزاد نے۔ ع

پوچھا تم لوگ خیل کے خیل
جاتے ہو کدھر کو صورت سیل

شہسوار۔ ع

نہیں تاب کہ دیکھوں جمال صنم مجھے خوبی دیدہ وری کی قسم
رخ حسن کی جلوہ گری کی قسم غم عشق کی پردہ دری کی قسم

اے صنم یہ ستم خدا سے ڈر
قافلے والو اک ذرا ٹھہرو
تم کو چاہا بڑا گناہ کیا
عاشقانہ مزاج رکھتے ہیں

عاقبت بندۂ خدا ہیں ہم
پھر کے دیکھو شکستہ پا ہیں ہم
ہاں سزاوار ہر سزا ہیں ہم
حال میں اپنے مبتلا ہیں ہم

آزاد۔ اہاہا۔ آیئے مصافحہ تو کریں۔ آپ بھی عاشق مزاج یمن طبع باغ وبہار جوان طرحدار نکلے۔ ع

خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

شہسوار۔ ع

بنال بلبل اگر با منت سر یاری ست
کہ ما دو عاشق زاریم وکار ما زاری ست

رہرو۔ معقول! یہ اچھی ہوئی واللہ۔ دونوں سودائی ملگئے اب دیکھئے کوئی دیر میں دال میں جوتی بٹا ہی چاہتی ہے۔ خوب ہی گلچھپ ہوگی۔

پانچوں سوار گھوڑے پر سے اُتر پڑے اور سب نے میاں آزاد سے مصافحہ کیا۔ رہرو کے ہوش پراں کہ واہ رے آزاد کیا دم کے دم میں یار دوپر ملا لیے گویا برسوں کی ملاقات دانت کاٹی روٹی ہے۔

اتنے میں موسلا دھار مینھ برسنے لگا اور میاں آزاد رہرو کا ساتھ چھوڑکر سواروں کے ساتھ ہو رہے۔

آزاد۔ یہ باغ ہرا اور چوطرفہ راغ ہو اور احباب لطیفہ گو ہوں اور اصنام عربدہ جو ہوں۔

شہسوار۔ حضرت آپ ہمارے ساتھ چلیے تو ساری داستان سنیئے۔ مگر رقابت کی سن نہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ ماریے۔ قول ہارئیے برسوں یہاں ایک پری وش نظر پڑی جبدم سے آنکھ لڑی۔ عقل سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ فہم کو رو بیٹھا۔ دن ہو اور گریہ وزاری۔ شب ہو اور اختر شماری۔ ع

صد شعلہ جنوں ریخت بہ آشفتہ سرما
ز دیخچۂ مژگاں کہ بخونِ جگر ما

دوسرا سوار۔ (آزاد کے کان میں چپکے سے) انکو بہت منھ نہ لگائیے گا۔ ورنہ پچھتائیے گا اور دست حسرت ملکر رہجائیے گا یہ گھر بار چھوڑکر وطن سے منھ موڑکر جنون کی اُمنگ اور وحشت کی ترنگ میں اس طرف نکل آئے ہیں۔ یہاں ایک کافر پر نظر پڑگئی اور بت عربدہ جو غالیہ مو سے نظر لڑگئی لیکن وہ عفیفہ

وپاکدامن عصمت مآب عفت قباب ہو۔ چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے۔

قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام	قیامت کرے جسکو جھک کر سلام

اس کے جمال باکمال نے آپ کی آتش جنوں پر اور بھی تازیانے کا کام کیا بلکہ آپکا کام ہی تمام کیا۔ اب آپ ہاں میں ہاں نہ ملائیے گا بات ٹال جائیے گا۔ ورنہ انکا خدا حافظ ہو آیندہ اختیار بدست مختار۔

تیسرا سوار۔ حق یوں ہو کہ بلا کی صورت پائی ہو۔ کیا آن بان کیا شان دلربائی ہو۔ اوّل تو شباب اسپر یہ آب و تاب جوش جوانی اور شکل نورانی۔ قادر مطلق نے کل خوبیاں جو جو شان طنّاز و سراپا ناز میں چاہئیں اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ رگ رگ میں شوخی لیکن پاکباز پاکدامن۔ ؎

حیا بہ پیش رخت چشم بستہ می آید
ادب بہ بزم تو صد جا نشستہ می آید

آزاد۔ دیکھئے میں سراغ لگاتا ہوں کل ہی تو کچا چٹھا سناتا ہوں سچ کہوں صورت دیکھی ہو تو آسمان پھٹ پڑے لیکن۔ ؎

کرتے کردئیں دعویٰ دل جلکے ایجدا	دلدادۂ زلفِ رخ دلبر زدہ ہوں

چوتھا سوار۔ کیا خوب یک نہ شد دو شد مسیحا خود مبتلائے مرض ہیں تو مریض اچھا ہوچکا بس۔ اب مریض عشق کا خدا ہی حافظ ہے۔ ؎

مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہیں

الغرض ہوا کھاتے اور گپیں اُڑاتے ہوئے سب کے سب داخل منزل مقصود ہوئے۔

میاں آزاد تو وحشیوں کے استاد ادب آموز وامق و فرہاد تھے ہی رات بھر تو سواروں کی ٹکڑی میں چین سے بسر کی اُدھر مرغ سحر نے بانگ دی اُدھر میرے شیر نے بکھار کی راہ لی۔

کہاں کہاں اے حضرت کدھر کی سدھیاں ہیں تڑکے تڑکے کیا وحشت نے گھیرا کہ پاؤں پر سنیچر سوار ہوگیا۔ خدا ہی خیر کرے تو میاں آزاد کیا کہتے ہیں۔ حضرت چلئے ذرا شہر کی تو سیر کر آئیں کسی سے پوچھیں تہیں۔ پتہ لگائیں۔ جی چاہے تو آپ بھی چلے چلئے۔ نہ دو ایک بگڑے دل سیلانی جوان کمر کس کر لیس ہوگئے بسم اللہ چلیے چلیے۔ ترمست دعز لخوان۔ کبھی خنداں۔ کبھی گریاں چلتے چلتے شہر میں داخل ہوے۔ اہو ہو ہو۔ شہر تو خوش سواد ہو لیکن بھٹی کھیوں کی بھن بھن نے ستم ڈھایا۔ ناکوں دم آگیا۔ جس گلی کوچے بازار منڈی میں جاؤ بھن بھن بھن۔ الٰہی توبہ۔ کیا جانے کھیوں کو یہاں کے باشندوں سے کیوں عشق ہو سا ایک رہ رو نے سنا تو جوش وطن سے بولا کہ قبلہ یہ اس شہر کا قصور نہیں اپنی آنکھوں کا فتور ہو۔ عینک چڑھائی مگر پھر بھی بات سمجھ میں نہ آئی۔ ایں! سمجھو تو عینک سے کیا کام ہے۔ معقول مارون گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ لے صاحب مطلب یہ ہو کہ عقل کی آنکھوں سے کام لیجئے کھیاں کیونکر نہ ہوں بھلا۔ آخر آم کی فصل ہو کہ دل لگی اور ابکی آم سال آم ہوا۔ ہمارے ہوش میں تو اس کثرت سے کبھی بور ہی نہ آیا شاخیں پھٹی پڑتی ہیں منزلوں سفر کیجئے آم ہی آم چو طرفہ باغوں میں نظر آئیں اور بور کی خوشبو تو واہ جی واہ۔ جی خوش ہوا جاتا ہے بے اختیار جی چاہتا ہے کہ باغوں ہی میں لوٹ لگائیں۔ غلہ کی گرانی سے جو حشر ٹوٹا تھا وہ آم کی ارزانی سے دور ہوگیا اب غریب غربا دو وقتہ آم ہی آم چکھتے ہیں۔ ہمہ شما بھی روٹی اور گوشت کے ساتھ انبہ شیریں پر چاقو تیز کرتے ہیں لیکن حضرت جو لوگ باغوں میں آم کھا رہے ہیں اُنکی بدمزاجی پر شیطان کی پھٹکار آم تو گلی کوچوں میں پٹے پڑے ہیں انکے سر نہیں ہیں انکے ہزار

لگا دیے لیکن جہاں کسی بھلے مانس نے راہ چلتے کوئی آم اٹھالیا اور بس جھپٹ پڑے ابھی پرسوں ہی کی تو بات ہو کہ یہاں سے کوئی چار کوس پر ایک مسافر میدان میں راہ راہ چلا جاتا تھا اتفاق سے ایک کانا کھدرا آم ٹپ سے زمین پر ٹپک پڑا مسافر کو کیا معلوم کہ کون ادھر اُدھر تاک رہا ہے۔ دیکھا تو سناٹا پاکے آم اٹھالیا لیکن۔ع مچھلی کو کیا خبر تھی کہ پانی میں شست ہو۔ اٹھانا تھا کہ دو گنوار دل لٹھ کاندھے پر ڈالے مار سار ریکا۔ مار سار ریکا۔ مار سار ریکا کرتے ہوئے نکل آئے۔ کھڑ پڑ کھڑ بڑ۔ مسافر نے آم جھٹ زمین پر پٹک دیا۔ لیکن ایک گنوار نے آتے ہی بے نقط سنانا شروع کیں اور دوسرے نے گھونسا تانا۔ مسافر بھی چھتری آدمی۔ آگ ہو گیا۔ مارے غصے کے بدن تھر تھر کانپنے لگا۔ ایک دفعہ ہی آؤ دیکھا نہ تاؤ بڑھ کر جو ایک چانٹا دیتا ہے تو ایک گنوار لڑکھڑا کے لڑھکنیاں کھاتا ہوا دھم سے زمین پر۔ دوسرے نے جو یہ کیفیت دیکھی تو لٹھ تانا۔ لٹھ کا تاننا تھا کہ راجپوت بغلی ڈوب کر جا پہونچا اور ایک انٹی جو دیتا ہو تو حضرت چاروں شانے چت جیسے گون کو کوئی شخص بھینسے پر سے لڑھکائے ارارا دھو بات تیرے کی پھر اٹھا پھر چھتری نے اڑنگا دیا تو دھم سے زمین پر آرہا۔ دوں دھوں بات تیرے کی۔

الغرض ایک گنوار تو چانٹا کھا کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور دوسرے کا کچومر ہی نکل گیا اور ہم بھی پھنسے تھے۔ شامت جو آئی تو ایک درخت کے سایہ میں دوپہریا منانے بیٹھ گئے بیٹھنا تھا کہ ایک نے تڑسے گالی دی اب سنئے کہ گالی تو دی بکو لیکن ایک پہلوان بھی قریب ہی بیٹھا تھا۔ سنتے ہی جھپٹ گیا اور جھپٹتے ہی کولے پر لادا اور کولے پر لادتے ہی زمین پر پٹکا تو دھاک سے گرے۔ گر منہ کے بل۔ پہلوان تو داؤ پیچ سے واقف۔ معًا چھاپ بیٹھا اور فورًا ہفتے گانٹھ لیے اور بل بینگڑا باندھ کر آسمان دکھایا۔ اور اپنے شاگردوں سے کہا کہ چڑھ جاؤ پیڑ پر اور آم پتے بور ٹہنی جو پاؤ توڑ توڑ کر پھینک دو۔ پیڑ نوچ ڈالو۔ لیکن لوگوں نے سمجھایا کہ نا استاد جانے دو۔ اجی گالی دینا تو ان کا ادنے سا کام ہو۔ یہ تو انکے نزدیک کوئی بات ہی نہیں یہ اسی لائق ہیں کہ خوب دھنیں۔

آزاد۔ وجہ آخر کوئی وجہ تو دھننے کی بیان کیجئے۔ لے صاحب ایسا نہ کریں تو باغ بھر مسافروں ہی کے لیے وقف ہو جائے ایک ایک مسافر پیڑ کا پیڑ ح جڑ اور پھنگی سے چٹ کر جائے اور ڈکار تک تو لے نہیں۔ آپ تو سمجھے کہ یہ ایک آم پر کٹ مرا مگر اتنا نہیں سوچتے کہ ایک ہی ایک کر کے ہزار ہو تے ہیں اس تاکید اور احتیاط پر تو یہ حال ہو کہ ہزاروں آم مسافر لوگ نوش جان کر جاتے ہیں اور جو کہیں اتنی تو تو میں میں نہو تو معاذ اللہ خدا جانے کیا ستم برپا ہو۔ باغ والا تو بلٹ ہی جائے۔

ظرافت

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مرد آدمی اپنے لڑکے کو گودی میں لیے ہوئے تھپکی دے دے کر سلا رہا ہے اور بہلا رہا ہے کہ آجا ری نندیا تو آ کیوں نہ جا۔ میرے بالے کو گود سلا کیوں نہ جا۔ میاں آزاد ایک دل لگی باز آدمی قریب جا کر اُس سے پوچھتے کیا ہیں کیوں میاں یہ تمھاری گود میں کس کا پلا ہے۔ وہ بھی حاضر جواب آدمی۔ جیسے ہی انھوں نے پوچھا کہ کسکا پلہ ہے ویسے ہی اُس نے کہا کہ مت بھونک بلا پڑتا ہے۔ ڈدریلے کا انگرکھا پہن لیا اور چلے مشیخت پناہ بن کر بڑے نستعلیق بیدا

ہوئے ہیں میاں آزاد کی باچھیں کھل گئیں کہ خیر سے ایک ظرّاف تو ملا فوراً ہاتھ ملایا گلے لگایا۔ پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا یار اسوقت تمھاری حاضر جوابی سے جی خوش ہوگیا واللہ خوش مذاق آدمی ہو کیوں نہ ہو استادسے اب چلو ذرا اپنے شہر کی ہمیں سیر تو کرا لاؤ۔ کچھ عجائب وغرائب کچھ حسن وجمال کچھ علمائے باکمال کا ذکر مذکور فرمایئے

ہم غریب الوطن مسافر ہیں۔ ؎

خسرو غریب ست وگدا افتادہ در شہر شما
باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

ظریف۔ ہم تاڑ گئے۔ ہم بھانپ گئے شہر کے باہر دیکھئے گا لطف یا اندر۔

آزاد۔ جہاں چاہیئے۔

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست — می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

ظریف۔ سنیئے قبلہ اس شہر مینو نژاد میں ایک محلہ ہے خوش سواد محلہ کاہے کو مکان ہے۔ بلکہ مکان کیا باغ جناں ہے۔ پھر جہاں جناں ہو وہاں حور کیوں نہ ہو۔ لیکن حدود دراز قصور ہے۔ دشمن صبر وشکیب ملائک نظر فریب۔ مگر مجال کیا کہ کوئی تاب نظارہ لا سکے۔

آزاد۔ پھر کب۔

ظریف۔ کل شام کو جھٹپٹے وقت۔

آزاد۔ اچھا رخصت۔

ظریف۔ فی امان اللہ۔

میاں آزاد کی رگوں میں خون کے عوض پارہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ پھر ایک جگہ انکو چین کہاں کبھی اس محلے میں کبھی اُس محلے میں چوطرفہ باؤلے کتے کی طرح گھومتے پھرتے تھے شب کو سوار دل کے پاس بستر جمایا۔ بسیرا لیا۔ صبح تڑکے گجردم اُٹھے اور رواں۔ پہونچے ظرّاف کے مکان پر۔ کیبل حضرت اب لمبی تانے پڑے سویا ہی کیجئے گا۔ یا اُٹھیئے گا بھی یا الٰہی۔ ؎

شب نیمہ گذشت وصبح سر زد — اے مرد خدا بخواب تا کے

کیا گھوڑے بیچ کر سوئے ہو بھئی آئی خیر۔ واہ رے ناچا تو ڑ اُٹھو ہو ہو کیا وقت بہار ہے۔ اور کس جوبن پر سبزہ زار ہے۔ اے غافلو اُٹھو یہ وقت خواب نہیں۔ عالم بہار ہے نسیم سحری عنبر بار ہے یہ پڑے خراٹے لیتے ہیں بارے میاں ظراف کلبلا کر اُٹھے اور پھر دھم سے چھپر کھٹ پر۔ ایں! ماشاء اللہ میاں خدا کا نام لیکر اُٹھ تو کھڑے ہونا چھپا ک سے شاباش ہے نیم خیز ہوکر پھر لڑھک رہے تب تو میاں آزاد نے ہاتھ پکڑ کر ہلایا۔ مشفق۔ مشفق۔ اجی مشفق۔ میاں سات بج گئے۔ آپ اُٹھے مگر آنکھیں نیم باز۔ پھر کھٹ سے پائنتی کی طرف سر کرکے پڑ رہے۔ اتنے میں اُنکے دو چار دوست آشنا اور آئے اللہ اللہ ہم دو کوس سے آئے یہاں ابھی چھپر کھٹ بھی نہ چھوٹا بھئی بڑا سونیوالا ہے۔ اُف فوہ کچھ ٹھکانا ہے۔ ہم نے غسل کیا حقہ پیا۔ دو چپاتیاں کباب کے ساتھ کھائیں۔ منھ ہاتھ دھو یا کپڑے پہنے۔ اُن سب کو اِنکے گھروں سے لیا پو قدمے خراماں خراماں یہاں تک آئے یہ ابھی خفتن ہی کا صیغہ گردان رہے ہیں۔

دوسرے نے کہا اجی انپر پانی ڈالیے یاران سر پل نے منھ پر چھینٹے دینے شروع کیے۔ کسی نے کان میں پانی ڈالا کسی نے بستر پر۔ تب تو حضرت کلبلائے اور انتہا کے جھلّائے۔ دیکھو دیکھو۔ ہائیں ہائیں نہیں مانتے۔ واہ اچھی دل لگی نکالی ہے لگے صلواتیں سنانے سارے صاحب ذرا آنکھ تو کھولیے۔ نہیں کھولتے آپ کا کچھ اجارہ ہے۔ دیکھئے یہ میاں آزاد تشریف

لائے ہیں۔ بے تکیتی بھی تو کتنی۔ اُٹھیئے۔ ادھر مولوی صاحب کھڑے ہیں اُنسے تو ملیے۔ یار عزیز د ع۔ نام خدا ہو جوان کچھ تو کیا چاہیئے۔ سُو سُو کے نحوست پھیلا رکھی ہے۔

مولوی صاحب۔ اجی حضرت۔

ظرّاف۔ بھئی دق نہ کرو ہمیں سونے دو۔ واہ لائے وہاں سے اجی حضرت یہاں مارے نیند کے بُرا حال ہے آپکو دل لگی سوجھتی ہی بس اب ہم سے نہ بولیے گا۔ آپ کو تو کچھ کرنا نہیں ہے۔

آزاد۔ یا حضرت کورنش ہی۔

ظرّاف۔ اور سلیئے یک نہ شد دو شد آپ اور آئے وہاں سے جان کھانے۔ سویرے سویرے آپ کو بلایا کس نامعقول نے تھا بھلے مانس سکے مکان پر جانے کا یہ کون وقت ہی بھلا تڑکے تڑکے مستعد کچھ بندہ آپکا قرض تو نہیں چاہتا ہی چلیئے بس بوریا بدھنا اُٹھائیے۔ تڑکا ہوا اور مستعد۔ کہیں اور جگہ نہیں ملتی شاید (آنکھیں کھول کر) آخاہ آپ ہیں معاف کیجیے گا حضرت آزاد میں نے آپکی آواز نہیں پہچانی۔

مولوی صاحب۔ میں بھی مجرا عرض کرتا ہوں کیجیے خاکسار کی آواز تو پہچانی۔ یا کچھ مین میکھ ہے۔

ظرّاف۔ اخاہ جناب مولانا ہیں تسلیمات عرض ہی معاف فرمائیے گا میں اپنے آپے میں نہ تھا۔

مولوی صاحب۔ اے حضرت اتنا بھی نیند کے ہاتھ بکنا جانا کیا بھلا کوئی بات بھی ہی۔ آٹھ بجا چاہتے ہیں اور آپ پڑے سو رہے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ کیا کل رت جگا تھا خیر بندہ تو اب رخصت ہوتا ہے ریل کا وقت قریب ہی آپ حکیم صاحب کے نام خط لکھ بھیجیے گا مگر ابھی ابھی۔ ہاں ایسا نہو کہ دیر ہو جائے کہیں پھر نہ ڈھک رہیئے گا۔ آپ کی نیند سے ہم ہارے۔ معاذ اللہ۔ لے اب رخصت۔

ظرّاف۔

بسفر رفتنت مبارک باد
بسلامت روی و باز آئی

سب صاحبوں کو خدا کو سونپا۔

لفافہ کیا شیطان کی آنت ہے

ظرّاف۔ اور باتیں تو پیچھے ہوں گی پہلے آپ اس بات کا جواب دیجیئے کہ آپ کھانے دانے سے تو فراغت کر کے آئے ہیں نہ یا یہاں ہی ڈھئی دیجیئے گا۔ آج ماما علیل ہو گئی ہی اور گھر میں کچھ طبیعت ناساز ہی۔ بندے نے روزے کی نیّت کی ہی آپ بھی روزہ رکھ لیں خوش رہیے کا خوش روز اور اجر کا اجر۔ اور حکمت عملی کی رو سے بھی روزہ جائز ہے۔ د ع۔ چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار ٭

آزاد۔ ایسے خوش روزے پر تین حرف۔ اجر کی یہاں خواہش نہیں اللہ میاں ہمیں یوں ہی بخش دینگے اور حکمت کو آپ رگل حکمت کر رکھیے اچھی سنائی۔ واللہ تم بڑے دل لگی باز آدمی ہو۔

ظرّاف۔ جی تو کہیں دل لگی کے بھروسے بھی نہ رہیے گا ہاں بندہ کھرا آدمی ہے۔ اہوہو ہو۔ خوب یاد آیا مولوی صاحب خط لکھنے کو کہہ گئے ہیں۔ خیر دو پیسے کا یہ بھی خون سہی کل بھی روزہ رکھنا پڑا۔

آزاد۔ ہم تو آپ کے خیر خواہ ہیں۔ وہ تدبیر بتائیں کہ ٹکے کے عوض میں پیسہ ہی صرف ہو۔ مگر ڈبل۔

ظرّاف۔ وہ تدبیر کیا ہے بھئی بتائیے تو ہم بھی سُن رکھیں داغنہ آید بکار۔

آزاد۔ اجی اب پیسے والے ٹکٹ جاری ہوئے ہیں۔ پوسٹ کارڈ لفافہ اور خط سب ایک میں ایک طرف مطلب لکھیے دوسری جانب لفافہ کوئی ایسی ہی پوشیدہ بات لکھنی ہو تو مجبوری ہے ورنہ ایک پیسہ کافی ہے۔ چار دمڑی کا پیسہ ڈال دیا اور خط روانہ کیا۔

ظرافت۔ واللہ! ارے میاں۔ ایک ڈبل کا خط۔ بھئی انگریز بڑے حکمتی ہیں کچھ ٹھکانا ہے۔ وہ وہ ایجادیں کیں کہ عقل خود دنگ ہے۔ کلیں وہ ایجاد کیں کہ واہ جی واہ۔ فوٹوگراف میں وہ حکمت نکالی کہ سبحان اللہ ایک روپیہ دیجیے۔ دم کے دم میں تصویر لیجیے۔ کیوں صاحب وہ پوسٹ کارڈ کہاں بکتے ہیں ہم ابھی منگوائیں گے۔

آزاد۔ پوسٹ کاڑ نہ کہیے۔ پوسٹ کارڈ کہئے۔ ڈاکخانہ میں ملیں گے۔

ظرافت۔ روشن علی۔ روشن علی۔ ڈاکخانہ سے جا کے ایک آنے کے پوسٹ کارڈ تو لے آؤ۔

روشن۔ (مسکرا کر) میاں میں دیہاتی آدمی ہوں۔ انگریجی نہیں پڑھا ہوں۔

ظرافت۔ ارے بھئی تم کہنا کہ حضور وہ لفافے دیجیے جو پیسے پیسے بکتے ہیں اور جس میں خط اور لفافہ دونوں ہوتے ہیں جا جھٹ سے کتے کی چال جانا اور بلّی کی چال آنا۔

روشن۔ اجی مجھ سے کہیے تو میں گدھے کی چال جاؤں اور بس گھوڑے کی چال آؤں۔ بس میاں ڈاک والے مجھکو پاگل بنائیں گے اور تم تو ہو ہی جس نے کہدیا مان لیا بھلا آجتک کبھو پیسے کو پھاپھا (لفافہ) ملا ہے۔

ظرافت۔ ابے مردود تجھے اس حجت سے کیا واسطہ ہے بھئی کیا زمانہ ہے آدمی ملا وہ بھی منطقی۔

روشن۔ (تھوڑی دیر کے بعد) لو میاں لے آیا سچ کہتے تھے مل پھاپھا کیا کھلونا ہے۔

ظرافت۔ لاؤ دیکھوں تو۔ واہ واہ واہ۔ آہاہا۔ اہو ہو ہو کیا بات نکالی ہے کہ بس۔ قلم دوات لاؤ جلد لاؤ ابھی لاؤ لے لایا۔ پہونچا۔ جلد قدم بڑھا۔ چلا کہ میں پہونچوں۔

روشن جو جلدی جلدی دوڑے کہ میاں ٹھوکیں نہیں تو کیچڑ میں پاؤں پھسلا اور دھم سے وہ گرے گڑ گڑ۔ کمبخت گرے جا دہیں نابکار تجھ پر خدا کی مار۔ ٹانگ کی ٹانگ ٹوٹی اور اوپر سے گالیاں کی گالیاں سنیں۔ بکری کی جان گئی مل کھانے والے کو مجا (مزہ) نہ آیا چل بیٹھ دور ہو میرے سامنے سے میں خود لے آؤں گا میاں ظرافت جھپٹ کے قلم دوات لائے اور بڑی خوشی سے لکھنے بیٹھے۔ اب ذرا دل لگی دیکھئے حضرت نے لکھنا شروع کیا۔

بجناب فضیلت اکتساب عمدۃ المحققین زبدۃ المدققین مجمع کمالات صوری معنوی واقف السنۂ پہلوی دوری دبیر نکتہ دال بلیغ۔ طلیق اللسان گل سرسبز بوستان فصاحت کدیور گلزار بلاغت مسیح الزمان سحبان گیہان افصح الفصحا ابلغ البلغا۔ اکمل الکملا۔ المشہور فی المشارق والمغارب۔ زندہ دلوں کی جان وروح معززین ممدوح خلیل باصفا۔ دوست باوفا۔ مہر سپہر نکتہ رانی افشاں جبین خوش بیانی روکش بوعلی سینا حضرت حکیم مولانا مفتی محمد مسیح الزماں خاں بہادر دام شموس ظلالکم لامعۃ الی النشور بعد تسویغ لوازم تعظیم و تبلیغ مراسم تسلیم و تفخیم کہ در مورد فدویان عقیدت سعادت شعار است معروض رائے فیض انجلائے۔ ارے! لاحول ولا قوۃ۔ یہ تو پیاہی غارت گیا مطلب خاک نہ نکلا

اب لکھیں کہاں۔ جگہ تو باقی ہی نہیں۔ بری ٹھہری مفت میں ایک پیسہ گیا گزرا۔

آزاد۔ چلو جانے دو۔ اب غم کاہے کا ہے۔ دوسرے پر لکھیے

ظراف۔ (بہت خوب کہکر لکھنے بیٹھے تو لکھتے کیا ہیں کہ) حضرت طویل القاب اور لمبا چوڑا آداب اور تکلف کی باتیں اور رنگین نویسی اور منشی گری اور نوک جھونک اور فصاحت و بلاغت سب برطرف ہم نے طول نویسی کو اب طلاق دے دیا اختصار مدنظر ہے اور میاں۔ سے

کار دنیا کسے تمام نہ کرد	ہرچہ گیرید مختصر گیرید

بس اب دو ہی باتیں کریں گے۔ تو چل میں آتا ہوں۔ لوٹیا فرستاد دھوتی رسید وہ دل کے ولولے وہ جوش و خروش کی باتیں وہ رمز و کنایہ کی گھاتیں۔ سب کو برطرفی کا پروانہ دیا و جیسے سکھے بھر کے آداب وہ دس دس کھیت کے برابر القاب وہ مزاج پرسی وہ دعائے خیر سب پر اوس پڑ گئی وہ کچا چٹھا کہ سنانا چینگی پوتوں کا حال بتانا۔ بچے بچے انڈے بچوں کی خیر و عافیت سب روانہ ہوئے کالعدم کالعدم اب ہم بالکل مختصر لکھیں گے قسم کھائی ہے کہ جب قلم اٹھائیں گے۔ دس سطروں سے زیادہ نہ لکھیں گے نہ لکھیں گے۔ بھئی قسم قرآن کی نہ لکھیں گے اسامیں چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے چاہے آسمان کا آسمان پھٹ پڑے چاہے جو ہو سو ہو۔ بس قول مرداں جان دارد۔ ذرا اب آپ بھی اس پرانے فشن کو چھوڑ دیجئے ہم تو صرف مطلب سے مطلب رکھیں گے حشو و زوائد دور کیجئے دور اطناب مخل سے طبیع خاکسار ملول۔ وہ خط لکھوں کہ عرض ہو نہ طول۔ خیر اب حاصل مطلب تو سنئے وہ یہ کہ مولوی۔ ارے! آگے آیت یہ خط بھی گیا گزرا۔ اب جگہ تو تل رکھنے بھر کی بھی باقی نہیں لاحول ولا۔ اچھی کفایت پر کمر باندھی تھی۔ لیجئے بات کرتے کرتے دو پیسے کا خون ہو گیا اور مطلب نہ نکلا۔ اس سے دو پیسے کا ٹکٹ لاتے تو واللہ ہے کھرے کا کھرا لکھ ڈالتے اور نہیں تو کیا۔

آزاد۔ میں دیکھوں تو آپ نے لکھا کیا ہے اللہ اکبر۔ یہ پوارا کچھ ٹھکانا ہے یہ تو آپ نے اپنی بھٹی کا کچا چٹھا کہہ سنایا ہے۔ اے صاحب مطلب سے مطلب رکھیے بیہودہ نہ بہت بکیے۔ خیر اب آئے گھر سے آئے اب بسم اللہ کر کے تیسرے خط کو داغی لیجئے مگر ذرا خبر دیز قلم کو روکے ہوئے۔ ایسا نہ ہو کہ ابکی پھر جولانی پر آجائے اور منہ کے بل گر کے وہ ٹھوکر کھائے کہ بول ہی جائے بس خاص مطلب لکھو۔ یہ بحر طویل واہی تباہی خرافات واہیات مجنون کی سی بڑ آپ کیا لکھ مارا کرتے ہیں۔ اب کی سنبھل کے لکھیے وحشت بھی تو کتنی۔

ظراف۔ اچھا صاحب یوں سہی اب کی خاص خاص باتیں لکھونگا۔ بس حشو و زوائد پر طلاق (دے لکھنے لگے)

جناب فضیلت انتساب مولانا محمد مسیح الزماں خان بہادر مدظلکم العالی الی یوم النشور۔ پس تسلیم بعد عجز و الحاح و ہزاراں ہزار خشوع و خضوع التماس میرود کہ احوال اینجا بفضل ایزد منان مقرون صحت ست و اعتدال مزاج وہاج از بارگاہ صمدیت نیکو خواستگار۔ ماحصل اس تحریر کا یہ ہے کہ اختصار کے ساتھ لکھوں جسمیں ایک ہی پیسہ صرف ہو کل باتیں بالتفصیل والتوضیح لکھنا خلاف عقل و حکمت و منافی آداب ڈاک نہ و مصلحت و کفایت ہیں اب اصل حال عرض کروں قبلہ و کعبہ کو گنجائش خیالات بہت اس مہیلے لفافے پر بہت خیالات بیشمار لکھنا آب دریا بکوزہ پیمودن و آفتاب بگز تاہم جس قدر لکھ سکتا ہوں اس سے

دریغ نہ کروں گا۔ مگر میں لکھوں کیا کاغذ کو جو دیکھتا ہوں تو ایک رُخ کا سب لیپ گیا۔ دوسرا رُخ لکھنا پڑا اگر۔ ع عمر تھوڑی حسرتیں دل میں بہت ۔ اجی اب مطلب سُنو۔ باتیں ہوا ہی کریں گی۔ واللہ اسوقت جی چاہتا ہے کہ قلم کو رگڑ رگڑا دوں میں تو توسن خامہ کو ایڑ لگاتا ہوں۔ اور جولانیِ طبع دکھاتا ہوں پھر اسمیں ۶۔ ہرچہ باداباد ما کشتی در آب انداختیم ۔ مگر یہ ڈوبی وہ ڈوبی۔ چل چل چل چل۔ اے لو وہ تہ پر پہونچ گئی الے! ارے غضب! لو صاحب تین پیسے ہوے یہ سب میاں آزاد کے نام لکھے گئے۔ میرے تین پیسے بات کی بات میں آپ کی نذر ہوے۔ حضرت یاد تو رکھیئے گا۔ آپ چاہے دیں ٹکا نہیں حساب دوستاں در دل۔ لیکن صلاح حضور ہی نے دی تھی۔

آزاد۔ اے حضرت ہوش کی باتیں کیجئے۔ عقل کے ناخن لیجئے میں نے یہ کہا تھا کہ آپ تاریخ فرشتہ خط میں لکھ کر بھیج دیجئے یہ خط ہے یا طومار یا طول امل یا شیطان کی آنت۔ خط کیا رانڈ کا چرخہ ہے خلاصہ۔ ماشاء اللہ اتنے بڑے ہوے خط لکھنے تک کی لیاقت نہیں چلئے بس چکے ہو رہیے کہ دیا سمجھا دیا سکھا دیا پڑھا دیا کہ بس مطلب سے مطلب رکھو۔ آپ نے جو القاب شروع کیا تو خط ہی لیپ ڈالا۔ ایسے خط کا مُنھ کالا۔ تم لوگ پُرانے نقش کو نہ چھوڑو گے نہ چھوڑو گے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں آخر اس اتنے بڑے القاب کی کیا ضرورت تھی کہ دبیر نکتہ داں اور بلیغ طلیق اللسان اور افشان جبین حماقت اور مہر سپہر بلادت و جہالت یہ خط ہے یا کسی کتاب کی تقریظ اور پھر دعا بھی وہ دی جسکے لکھنے کو دس تختے چاہئیں۔ مادام شموس ظلالکم لامعہ الیسر اکتفا نہیں۔ اُس میں الی یوم النشور۔ اور بڑھایا۔ ابے واہ بے ناداں لاحول ولا قوۃ۔ واللہ تمھاری صورت سے نفرت ہو گئی۔ بس بے تکے پن کا آپ پر خاتمہ ہے۔

ظرّاف۔ واہ ری قسمت تین پیسے گرہ سے گئے اور اُلّو کے اُلّو بنے اور میاں آزاد للکارنے لگے۔ سچ ہے یکے نقصان مایہ دیگر شماتت ہمایہ۔ اس ہدایت کے صدقے کہ القاب نہ لکھو۔ آداب کو توپ دو۔ مزاج پرسی کو چھپّر پہ رکھو۔ ماشاء اللہ بھلا آپ ہی لکھیے تو جانیں لیکن قبلہ اب ایک ہی ٹکٹ رہ گیا ہے۔ خدا کے لیے بندۂ درگاہ پر رحم کیجئے گا ذرا۔ ورنہ روشن علی کو پھر ڈاک نہ دوڑانا پڑے گا۔ بسم اللہ پھر قلم اُٹھائیے دیکھیں تو سہی آپ اس ذرا سے کاغذ پر کُل مطلب کیسے لکھتے ہیں۔ اسکے لیے تو مانی و بہزاد اور کامل فن استاد چاہیئے جو پستے پر ہاتھی اور شیر اور گینڈے اور چیتے کی دس دس تصویریں بنا دیں۔

آزاد۔ آپ اپنا مطلب خاص مجھ سے فرما دیں تو ابھی لکھوں میں کچھ سڑی تو ہوں نہیں آپ کی طرح۔

ظرّاف۔ میرا مطلب سنیئے۔ یہاں خیریت۔ آپکی خیریت مطلوب مولوی ضامن علی صاحب خدمت شریف میں پہونچے ہوں گے اُنکو اُس تیس روپیے کی اسامی پر نوکر رکھا دیجئے آپکا عمر بھر احسان ہو گا۔ اور دعائے خیر دونگا۔ یہ گھاتے میں ہے۔ خیر و عافیت مزاج سے اطلاع بخشتے رہیے۔ بس اسی کو خوب بڑھا دیجئے۔

آزاد۔ معاذ اللہ۔ بڑھا دیجئے ہی پھر کہا۔ پھر وہی جھک مارا یہ نہ کہا کہ بس اسی قدر مطلب ہے۔ اسکو اختصار کے ساتھ لکھیے خدا کی مار۔ اس عقل پر۔ لاؤ لفافہ دیکھو یوں لکھتے ہیں۔

حضرت سلامت۔ مولوی ضامن علی صاحب پہونچے ہونگے وہ تیس روپیہ والا عہدہ انکو دلوا دیجئے تو احسان ہو گا۔ خیریت مزاج کا طالب۔ ظرّاف۔ لو دیکھا۔ اتنی سی بات کو اس درجہ

طول دیا کہ تین تین خط لکھے اور چاک کیے اور دونوں رُخ لیپ ڈالے۔ لاحول ولا قوۃ آدمیت نہ آئی۔

ظرافت۔ معقول یہ اچھا بریدہ دم کتا۔ لنڈورا خط ہی اور سچ پوچھو تو خط کیا دیوان غنی ہی۔ جس میں ایک دو دو شعر کی غزلیں لکھی ہیں اچھا اب لفافہ بھی تو لکھیے۔

آزاد۔ لایئے پتہ بتایئے۔

جبلپور۔
جناب حکیم مسیح الزماں بہادر۔

لیجیے لفافہ ہو گیا۔

ظرافت۔ دیکھوں۔ ماشاء اللہ۔ اجی بعونہ تعالیٰ کہاں ہی۔ اجی لفافہ ہذا در شہر جبلپور کہاں ہی۔ بملاحظۂ اشرف واقدس جناب مستطاب حضرت حکیم مسیح الزماں خان بہادر کہاں ہی۔ بوقت نیک در آید کہاں ہی۔ تاریخ کہاں ہے۔ میرا نام کہاں ہی۔

آزاد۔ آپکا نام بیوقوفوں کی فہرست میں ہی۔ تاریخ کتب فروش کی دکان پر۔ اگر بوقت نیک نہ لکھیے گا تو شاید خط نہ پہونچے گا۔ کیوں؟ واہ ری عقل۔

ظرافت۔ اچھا صاحب تو خط میں ابھی گنجایش ہی لایئے میں بھی دو چار سطریں بڑھا دوں۔

حضرت نے جو بڑھانا شروع کیا تو لفافے کی طرف بھی لکھ ڈالا۔ اور لکھتے کیا ہیں کہ۔

تھوڑے لکھنے کو بہت سمجھیے گا۔ اختصار کو گستاخی پر محمول نہ فرمایئے گا بندہ نیاز مند قدیم اور نمک پروردہ ہوں اب کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑتی۔ سـ۵

از دست گرد لئے جیوانا ید ایچ	جز آں کہ بصدق دل دعائے بکند

یہ شعر کسی فصیح شاعر کا ہے۔ مگر مصداق حال خاکسار

آزاد۔ ہائیں۔ ہائیں۔ ہائیں۔ غارت کیا نہ اسکو بھی۔

ظرافت۔ کیوں۔ کیوں آخر میں نے کیا کیا۔ جگہ باقی تھی پیسہ پورا تو وصول کرنے دو۔

آزاد۔ جی پیسہ نہیں ایک آنہ وصول ہو گیا۔ اسکی بھی خبر گئی اب اور منگو لیجیے۔ ایک ہی طرف مطلب لکھا جاتا ہی دوسری طرف فقط لفافہ۔ آپ سے تو عرض کر دیا تھا ہم نے۔

ظرافت۔ لاحول ولا قوۃ۔

روشن۔ میاں اب میں نہ جانے کا۔ آپ ہی ڈاکخانہ جائیں میں یہاں گھر رکھا تا ہوں۔

ظرافت۔ (ہاتھ مل کر) توبہ توبہ توبہ۔

میاں آزاد اپنے شفیق نیک نہاد و فرخ نژاد ظرافت کو ساتھ لیے ہوئے سیر کو چلے۔

آزاد۔ نئے شہروں میں جب جائے عجائب و غرائب ضرور دیکھے خدا کی خدائی ہمارا تماشا۔ یوں ہی تو کامل تجربہ ہوتا ہی۔ ۶
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے ۔ آگرے میں تاج محل دیکھکر روح خوش ہو گئی مولوی غلام امام شہید نے خوب ہی کہا ہی کہ۔

پھر جو روضہ نظر آیا تو وہ سماں آنکھوں میں سمایا کہ نہ دیدنے خواب کی آنکھوں سے کبھی دیکھا۔ نہ شنید نے خیال کے کانوں سے کہیں سنا۔ الٰہی یہ روضہ ہی یا خلد بریں۔ آسمان ہی یا زمین سنہرا کلس ہی یا سورج کی کرن۔ گنبد ہے یا نور کا مسکن قبرستان ہے یا روضۂ رضوان مکان ہی یا جواہرات کی کان۔ جو پتھر ہی جواہرات سے بہتر ہے۔ صبح نے مرمر کے ایسی صفائی پائی تب سنگ مرمر کی صورت بنائی۔ سنگ موسیٰ کو شعلۂ تجلی نے طور پر جلایا تب اس درگاہ کے صرف میں آیا۔ کلس کا سایہ دریا میں ایسا رہتا ہی جیسا برج آبی میں آفتاب۔ حوض میں چاند ایسا۔

نظر آتا ہے جیسے دریا میں حباب دیوار میں منھ نظر آتا ہے گویا آئینہ ہے جلا کیا ہوا گنبد سے دماغ تازہ ہوتا ہی گویا قرابہ ہی گلاب سے بھرا ہوا۔ صبح کی طیاشیر استرکاری کے صرف میں لائی گئی جو ابتک وہی نور کا عالم دکھاتی ہی رات کا مشک اور شفق کی زعفران پیش کر گارے میں ملائی گئی جو آجتک وہی خوشبو دماغ میں آتی ہے آفتاب کے ترنج کا عرق نچوڑ کر ماہتاب کے پیالے میں موتی کی آب سے ملایا تھا جو چونے میں یہ نور اور ایسی صفائی ہی بہشت کے کافور کو شفق کے ساتھ آفتاب کی ٹھول میں پیس کر صبح کے دامن میں چھانا تھا جو رنگ نے یہ آب و تاب پائی ہے۔ جالیوں کی نزاکت میں عقل کام نہیں کرتی کہ پتھر کو موم کر کے بال کا قلم پار کر دیا یا خیال کا جالا سمجھ کر نگاہ کی نوک سے جیسا چاہا کام بنالیا۔ ہر ایک جالی میں وہ ملاحت ہے کہ دیکھنے میں پنیر کی حالت ہی۔ کاغذکی دھلی پر حرفوں کا ابھراپن تو معلوم بھی ہوتا ہی یہاں پتھر پر پتھر کی پچہ کاری کا نہ جوڑ نظر آتا ہے نہ پیوند۔ اور جوڑ نہ کہیں سے پست ہی نہ بلند بس تمہید بس کر اب لکھنے کی مت ہوس کر۔ کلام کو طول ہوا جاتا ہی حاکم کے حکم سے عدول ہوا جاتا ہے۔ سحر بیانی تیری مشہور ہے تیرے قلم کو ہر طرز کی تحریر کا زور اور مقدور ہی پر فرمائش سے مجبور رہی کہ رنگین عبارت لکھنے کی اجازت نہیں۔ نہیں تو تجھے کس طرز کی تحریر کی طاقت نہیں لیکن یہاں بھی عجب کام کیا ہی کہ سادگی میں رنگینی کا رنگ دکھا دیا ہی۔ سو یہ دوستوں کے سیر کے لیے گلزار ہمیشہ بہار ہی۔ اور حاسدوں کی نگاہوں میں کھٹکتا ہوا خار ہے دہلی میں جامع مسجد کی زیارت کرتے ہی ہم نے جناب باری کا شکریہ ادا کیا اور معاً نماز پڑھی اور سر بسجود ہوئے۔ جے پور گئے تو صل دجلی بس صفائی کا اس شہر پر خاتمہ ہے۔ اسکی صفائی کی تو قسم کھانی چاہیے ایسا نادر اور دلکش شہر خواب میں بھی کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ ایک ایک مکان نمونہ جناں۔ ایک ایک محلہ غیرت گلستان ہی۔ واہ کیا بات ہی۔ باغ ارم بھی اسکے مقابلہ میں مات ہی بنارس سبحان اللہ۔ ؎

از بنارس نروم معبد عام ست اینجا	ہر برہمن پسر لچھمن و رام ست اینجا

صدہا مندر۔ جو ہی سر بفلک کشیدہ۔ آسمان سے باتیں کرتا ہوا صبح و شام گھنٹہ ٹھناٹھن بج رہا ہی۔ کوئی پجاری دیوتا کو رجھ رہا ہے کہیں نوبت کہیں نقارہ۔ پنڈتوں کے پو بارہ۔ جب دیکھو دریائے گنگ پر تماشائیوں کا ہجوم ہی۔ ایک ایک بچہ وہ پیرتا ہی کہ بارک اللہ کوئی کھڑی لگاتا ہی۔ کوئی تیر کی پیرائی سیکھتا ہی۔ کوئی ملاحی چیر رہا ہے۔ جس گھاٹ پر جائیے۔ وہ چہل پہل کہ میلا سا جما ہوا آدھا نو۔ گھرے گھاٹ پر کشتی پر کشتی آتی ہی اور ڈونگی پر ڈونگی جاتی ہی اور کلکتہ تو بس دیدہ ہی نہ شنیدہ ہی۔ ایک نادر دے مرگ تو وہاں نہیں باقی چڑیا کا دودھ تک موجود ہفت اقلیم کی نعمت وہاں سے لیجئے مگر ہاں ذرا گرانی ہی۔ پھر بڑے شہروں میں گرانی تو ہوا ہی چاہے گوشت گران۔ ترکاری گراں۔ مکان کا کرایہ گراں۔ آدمی گراں بس انتہا ہی اب اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔ بمبئی بھی قابل دید ہے۔ ایسا بندر نہ دیکھا ہوگا۔

ظرّاف۔ واللہ یہ باتیں سن سن کر جی بے اختیار بھر بھر آتا ہے کہ ابھی ابھی چلیں مگر سمندر کا سفر تو خوب بات ہی اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ۔ ؎

بدریا در منافع بیشمارست	اگر خواہی سلامت برکنارست

آزاد۔ خیر صاحب یہ باتیں ہوا ہی کرینگی پہلے آپ اس شہر کی تو سیر کرالائیے۔

ظرّاف۔ اچھا پھر آپ بھی کیا یاد کیجیے گا۔ آئیے چلئے (دونوں کے

دونوں ساتھ چلے)۔
دیکھئے یہ اسکول ہو۔

اتنے میں دو چار لڑکے اسکول سے نکلے۔ سب ہم سن اور کم سن۔ مگر انہیں سے ایک بڑا شریر۔ انتہا کا متفنی کسی پر دھپ جمائی۔ کسی کو چپت لگائی۔ کسی کے کان گرما دیئے۔ اپنے سے ڈیوڑھوں دونوں تک کو چپتیا تا تھا۔ اور کالا کلوٹا چیچک رو بد قطع بد وضع کپڑے سب پھٹے پھٹے پرانے دھرانے میلے کچیلے روشنائی سے آستین اسکی صورت کی طرح سیاہ۔ ہاتھ پاؤں پر اسقدر میل کہ خدا کی پناہ۔ معاذ اللہ آزاد نے ظرافت سے پوچھا کہ کیوں صاحب یہ حضرت تو بڑے مرشد پرلے سرے کے بدمعاش ایک ہی گرگے معلوم ہوتے ہیں۔ ذرا دیکھئے تو اپنے سے دونے تک کی خبر لیتا ہی۔ مگر دیکھ لیجئے گا کوئی انکا بھی گرد پیدا ہو ہی جائے گا کسی دن ٹھونکے جائیں گے بس پھر یہ سب باتیں بنانا بھول جائیں گے ظرافت نے مسکرا کر چپکے سے کہا کہ میاں خدا کے لیے انکے منہ نہ لگنا انکے کاٹے کا منتر ہی نہیں۔ یہ اسکول بھر میں مشہور ہیں جس طرف نکل جاتے ہیں انگلیاں اُٹھتی ہیں۔ دو دفعہ تو چوری کی علت میں دھرے گئے۔ ایک مرتبہ مارپیٹ کی وجہ سے چالان ہوا کچھ پوچھیے نہ۔ انکے مارے محلے بھر کا ناکوں میں دم ہی ایسا خدائی خوار تو کوئی دیکھا ہی نہیں۔ ایک روایت سنئیے۔ ایک دفعہ حضرت کو شوق شرارت چرّایا پھر سوچنے اور غور و خوض کرنے کی حاجت نہ تھی سوچتی ہی معًا۔ تو وجہ کیا انکی شرارت میں کچھ آورد تو ہی نہیں آمد ہی۔ اسکا ملکہ ہو گیا ہی۔ خیر صاحب فورًا سوچے ایک پاؤں کا جوتا نکال کر حضرت نے ایک الماری پر رکھدیا اور اسی الماری پر ایک طالب علم کی کتابیں بھی رکھی تھیں ان کتابوں پر آپنے جوتا باحتیاط تمام رکھدیا اور تھوڑی دیر کے بعد اُسی طالب علم سے کہا کہ ارے یار ذری اسوقت اُقلیدس تو دینا شب کو سو رہے ایک شکل بھی نہیں یاد کی۔ آج ماسٹر صاحب بے طرح ٹھونکیں گے اب بچنا محال ہی لاؤ بھائی ذرا بستے میں سے اقلیدس نکال دو سب نہیں تو کچھ تو یاد کر لیں گے وہ سیدھا سادھا لڑکا۔

وہ تو سادہ غریب کیا جانے	اس مزوّر کو کیوں کہ پہچانے

چپکے سے اُٹھا کہ تحریر اقلیدس نکال دے جیسے کتاب الماری پر سے اُٹھائی بس ویسے ہی جوتی سُتھر پر آئی اور اُچھل کر قریب کے ایک اور طالب علم کے شانے سے چھو کر زمین پر گری تڑسے اور کلاس میں فراشی قہقہہ پڑا سب لڑکے کھلکھلا کر ہنس پڑے ماسٹر صاحب یو۔ وہیں جنٹلمین وہ الگ چونک پڑے کہ یہ ماجرا کیا ہی۔ انکا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ ع۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ بہت ہی جھلّا کر پوچھا کہ یہ کسکی جوتی کا پاؤں ہی۔ آپ چپ چاپ بیٹھے جغرافیہ پڑھ رہے ہیں۔ گویا اُن سے کچھ واسطہ ہی نہ تھا کانوں کان خبر ہی نہیں۔ مگر انکا تو درجہ بھر دشمن تھا۔ کیونکہ یہ سب کو چھیڑا کرتے تھے۔ کسی لڑکے نے اشارے سے جڑ دی کہ حضرت ہیں زور سے جلا کر نہیں کہا کہ ایسا نہ ہو باہر نکل کر گُڈّے جمائے صاحب نے اُنکو میز کے قریب بلایا اب قلعی کھل گئی۔ حضرت کی قطع مبارک ملاحظہ فرمائیے گا بال بکھرے ہوئے سر پر خاک۔ بدن پر مٹی۔ ایک پاؤں میں بوٹ دوسرے میں صفایا۔

ماسٹر۔ ول دوسرا پاؤں کہاں تمارا دوسرا پاؤں کدھر (کدھر)
جواب۔ جناب پاؤں تو میرے دونوں مستعد ہیں (پاؤں دکھا کر) لیجئے۔ ایک اور یہ دوسرا۔ بس دونوں ہوگئے یا نہیں۔
ماسٹر۔ ول جوتا۔ جوتی۔ جوتو

جواب - بہت ہی خاصے - جوتا مذکر مردانہ - جوتی مؤنث زنانی اور جوتو جیسے چمار کہتے پھرتے ہیں کہ جوتو بنوالو جوتو۔

ماسٹر - بیچیا بنچ پر کھڑا ہو۔

جواب - (دگرگڑاکر) میں ڈنڈپیل جوان - بیہ ریش دراز اور کھڑا ہوں بنچ پر - ناصاحب کوئی اور سزا تجویز یے۔

ماسٹر - اچھا کل کے سبق کو سو بار کاغذ پر لکھ لانا۔

جواب کتنے کتنے کتنے مرتبہ ؟ سو !!! - اور سبق کب یاد کرونگا ناقبلہ کوئی اور سزا تجویز یے۔

ماسٹر - ول ایک درجہ ہم نے گھٹا دیا تمھارا۔

جواب - دیکھئے انصاف کا خون نہ کیجئے۔ قصور میں کروں مجرم درجہ ہو درجے بیچارے نے کیا کیا۔ وہ تو اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں

ماسٹر - اچھا آٹھ آنے جریانہ (جرمانہ)

جواب - اس طالب علم کی طرف مخاطب ہو کر جس بیچارے پر بوٹ گرا تھا) - لو بھئی پھر ٹھنائے کون ۔ کہو تو پورا روپیہ ہی نہ لیتے آئیں سمجھے اسپر ایک - اور فرمائشی قہقہہ پڑا اور درجہ بھر لوٹنے لگا اب صاحب حیران ہیں آخر یہ سب کے سب ہنسے کیا سمجھ کر۔ مگر وہ اس روایت کو کیا جانیں - خیر جب چھٹی ہوئی تو آپ ہاتھ باندھکر صاحب کے سامنے کھڑے ہوے حضور آپ بجائے میرے باپ کے ہیں۔ اُستاد اور باپ کا ایک درجہ ہوتا ہے جرمانہ میں نہ دے سکونگا آپ کل ضرور ضرور یاد کر کے آٹھ آنے ساتھ لیتے آئیے گا بھولیے گا نہیں - خیر دوسرے دن آپ جرمانے کے آٹھ آنے ساتھ لائے تو موٹے پیسے کھٹ کھٹ کر کے میز پر ڈال دیے - ایں ! یہ کیا - حضور پیسے ہیں - دل اٹھنی کیوں نہیں لایا - قبلہ و کعبہ یہ شرط نہ تھی - اور لطف یہ کہ لائے بھی تو پورے آٹھ گنڈے مگر موٹے پیسے زیادہ چلتے ہیں۔

ایک دفعہ آپنے ایک کتے کی دم میں کپڑا باندھا اور اُسمیں پھونڈر باندھی اور آگ دکھا دی پھر لطف دیکھیے کہ جو طرفہ کتا ناچتا تھا سگ یا سوختہ آپ نے سُنا ہوگا مگر ان میاں نے دکھا ہی دیا کئی چھپّر پھونک دیے کئی دکانیں جھلس دیں - کئی آدمیوں کے کپڑے جلا دیے بستی بھر میں شور تھا بارے خدا خدا کر کے آگ بجھی مگر اُس بے زبان بیچارے کی جان ہی پر بن آئی اور سنئے ایک بھلے مانس کے یہاں کہہ آئے کہ تمھارے لڑکے کو اسکول میں ہیضہ ہوا جلدی جاؤ اور ابھی لاؤ اُن کے گھر میں رونا پیٹنا مچ گیا - اُس لڑکے کا باپ اور بھائی اور چچا اور ماموں سب دوڑتے ہوئے اسکول پہونچے اور عورتوں نے آٹھ آٹھ آنسو رونا شروع کیا - کوئی سر پیٹتی ہے کوئی نام لے لے کر پکارتی ہے وہ لوگ جو اسکول گئے تو دیکھتے ہیں کہ لڑکا مزے سے باتیں کرتا ہوا اور طلبا کے ساتھ ساتھ آرہا ہے گلے ملے اور خدا کا شکریہ ادا کیا آخر کار معلوم ہوا کہ یہ انھیں ذات شریف کی کارستانی ہے - انتہائے شرارت یہ ہے کہ اپنے باپ کو ایک مرتبہ نمک کے عوض پھٹکری ہی کھلا دی اور جان بوجھ کر - طرہ اسپر یہ کہ بڑے فخر سے آپنے فرمایا کہ آیا سچ کہنا کیا گھر اچکا ہوا ہی کیوں نہ کہوگے۔

آزاد - واہ وا یہ تو ایک ہی مرشد نکلے۔

ہے یہ وہ درد کہ جس درد کا چارہ ہی نہیں
واں لڑی آنکھ جہاں اپنا گزارہ ہی نہیں

صبحے بہ فروغ دلکشائی | بگداختہ شب بہ روشنائی
روشن چو جبین صبح خیزاں | فیض از در و بام چرخ ریزاں
دریائے حضور موج در موج | خورشید ظہور اوج در اوج

بارقہ ہفت اختر رہ نوردی - افشاں جبین کوچہ گردی - ادب آموز وامق و فرہاد - میاں آزاد خانہ برباد لوحش اللہ نے عروس بہار کی

جوانی اور صبح مسرت کی گلفشانی جو دیکھی تو غنچۂ دل اہتزاز نسیم بہجت سے کھل گیا۔ گویا قارون کا خزانہ مل گیا۔ نقش مراد کرسی نشین ہوا تیر دعا بہدف اجابت قرین ہوا آرزوئے دلی برآئی منہ مانگی مراد پائی سیر دریا کا مزہ آیا گلگشت چمن کا شوق چرّایا چلے تو نوجوانان چمن محو ناز نرگس کی چشمک زنی میں لاکھ لاکھ انداز۔ باد بہاری صبح خیز نکہت گل عطر بیز۔ چرخ کہن فرط طرب سے رقّاص ہے میاں آزاد کے لیے عشرت خاص ہے۔ زمانہ محو خود آرائی۔ خلق خدا تماشائی غایت مستی سے نسیم سحری لڑکھڑاتی ہوئی چمن میں قدم دھرتی ہے شاخ گل جھوم جھوم کر کورنش بہ کورنش کرتی ہے۔ بلبل اگرچہ کابلی نہیں لیکن بقول غنیمت فارسی زبان ہے۔ زابلی نہیں مگر رستم ہزار داستان ہے طاؤس طنّاز کے زرّیں پر و بال نیرنگی قدرت حق پر دال۔ جو عروس چمن ہے۔ ستم کا جوبن ہے۔ قیامت کا پھبن ہے۔ شگفتہ جبین۔ نازک آئین۔ کہیں گل ریحاں کہیں عشق پیچاں وہ حسن برشتہ پر مغرور۔ یہ رشک طرّۂ حور۔ ادھر گلنار ادھر سدا بہار دختر رز بیباک۔ بنت العنب چست و چالاک انگور کی ٹٹیوں سے نوجوانان ساغر نوش کی تاک جھانک ہے۔ سبزۂ برگ کی طراوت سبزۂ نودمیدہ کی خضارت۔ الٰہی یہ کشمیر ہے یا باغ مینو نظیر ہے جو مقام ہے بہشت بہجت۔ جو شجر ہے طوبیٰ طراوت گزیں ہے۔ یا زمین شعر کی طرح دلکش۔ تسنیم ہے یا مثل آب غزلہائے رواں روح افزا۔ ع

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں سبزۂ صحرا کی وہ لہک	لہرائے جس سے اطلس زنگاری فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک	ہر برگ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک

ہیرے خجل تھے گوہر یکتا نثار تھے
پتّے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

پھر جو چشمہ سار نظر آیا تو آنکھوں نے وہ نور پایا کہ واہ جی واہ دم تحریر کلک سیہ مست جھوم رہا ہے۔ ناطقہ زبان کو چوم رہا ہے۔ میاں آزاد نے ٹوپی اچھالی۔ شیخ و شاب نے پگڑی سنبھالی۔ رندان ساغر نوش کو مے کی گلابی یاد آئی۔ آزاد چلا اٹھے کہ رند چلو فصل بہار آئی اور ایک دفعہ ہی کالی متوالی گھٹا چھائی۔ بادہ کشوں کی بن آئی دور چلنے لگے قرابے اچھلنے لگے۔ رندوں نے دن سے کاگ اڑائے اور چسکی لگائی۔ اب سنئے کہ بیچوں بیچ میں جوئبار اور لب چشمہ سار عشاق زار اور گرد بادہ گسار چو طرفہ سبزہ زار اور اشجار پُر بہار اور دشت جنوں خیز میں بہار نسیم مشک بیز و عنبر بار اور دیدار یار کا انتظار۔

آزاد۔ آج تو یہاں اژدہام عام ہے مگر جسکو دیکھو رند مے آشام ہے۔ کیا تیراکی کا میلہ ہے جسے دیکھو نقّارۂ بادشاہی دشت جنوں بجا رہا ہے روح مجنوں و فرہاد کو شرما رہا ہے۔ ع

گر جنوں آید ببویم رہ بہ بیگانہ نیست	ور خرد پرسد سراغ من بگو در خانۂ ظریست

ظرافت۔ میاں آمد آمد یار جانی ہے۔ وقت جانفشانی ہے۔ اجی تیراکی کا میلا کیسا۔ یہ کچھ اور ہی جھمیلا ہے۔ ان دونوں نوعروسان زہرہ تمثال اور مہوشان مشتری خصال کی چشم فتّان اور موئے میان اور گل رخسار اور نازکی کی رفتار نے ایک عالم کو مفتوں کر دیا۔ لیلائے زلف تابدار و عنبر بار نے خلق خدا کو مجنوں کر دیا۔ دیکھو ادا قیمت سرشک چشم خونبار سے رواں ہیں۔ طفل اشک ہر سو دواں ہیں۔ غشی سی سب پر طاری ہے۔ عقل عاری ہے۔ کبھی اشکباری کبھی گریہ زاری کبھی دل کی بیقراری۔ ع

خدا شکست اینکہ از چشم من مجھور می آید
برائے دیدنت شخصے غریب از دور می آید

جب شام ہوئی تو وہ پانچوں سوار نوجوان طرحدار افراس تند خو کو کڑکڑاتے اور چمکاتے آن موجود ہوئے کا سلے

کوسوں تک بجلی تو تکنے اور رعد گرجنے لگا اور تاریکی چھا گئی وہ گھنگھور گھٹا کہ الاماں ایک دفعہ ہی دور سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آنے لگی اور تماشائیوں نے نعرۂ فتبارک اللہ احسن الخالقین بلند کیا۔ اتنے میں گھوڑے قریب آئے تو شک دُور ہو گیا۔ اور شبہہ کافور۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شبدیز سُبک خیز پر ایک نوعروس سرمایۂ ناز بت شیریں انداز ملائک نظر فریب بلائے جان عدوئے شکیب بت شکن کفر گزینان۔ رو کش زہرہ جبینان چست و طرار باغ و بہار۔ عنبریں مو قوس ابرو سوار اٹکھیلیاں کرتی چلی آتی ہے۔ میاں آزاد نے اس بت رنگیں ادا مہ لقا کو پشت توسن پر دیکھا دوسرے سمند وغا پسند پر ایک حسین مہ جبین زن نازنین آفت جان ناتواں۔ بلائے بے درماں ناوک نگاہ مگر پاک داماں۔ ترش رو مگر شیریں زبان۔ تُند خو از سرتا پا جادو سرو قد یاسمیں بو تنی ہوئی بیٹھی۔ فرس سبک عناں کو جولاں کرتی ہوئی آتی ہے۔ ؎

بت رنگیں سمند ناز جولاں کردہ می آید
کلہ بر سر کج و کاکل پریشاں کردہ می آید

فرس تند خو اور شبدیز جنگجو سے دونوں بہنیں ایک عجیب ادائے دلربا سے اُتر پڑیں اور اُترتے ہی بجروں پر چڑھیں۔ اُدھر چشمہ سار لطافت بار میں بجرے رواں تھے۔ ادھر سبزہ زار میں عشاق دلفگار دواں تھے۔ اُدھر بہاؤ پر بجرے فرانٹے سے جاتے تھے ادھر قدم ڈگمگاتے تھے اُدھر شباب اور آب و تاب ادھر دل پر اضطراب وہ حسن و جمال سے چشم و چراغ۔ یہ خونابۂ دل در ایاغ۔ ادھر بادۂ جوانی کا سرور۔ ادھر نشۂ شراب غم عشق سے آنکھیں چور۔ اُدھر دریا کی طغیانی اور بجروں کی روانی اور جوش جوانی۔ ادھر شراب ارغوانی آب زندگانی اور شوق نظارہ یار جانی۔ ادھر موج مستول کی طرح آشفتہ دستار اور بجرا گرم رفتار۔ اِدھر جنون سر پر سوار۔ اور موج خیز گریۂ زار۔ اتنے میں میاں آزاد کو ایک۔ ؎

نمک پروردہ ملاّح ملیحے
چو کلک نکتہ پردازاں فصیحے

نظر پڑا اور اُس سے اُنھوں نے بآواز بلند بصد حسرت و حرماں نالاں و گریاں یوں کہا۔

آزاد ؎

دریا و کوہ و دررہ من خستہ و غریب
اے خضر پے خجستہ مدد دہ بہمتم

زر تو جواہر تو گرم دہ دو۔ ؎

چو داغ لالہ اے آشفتہ کردار
زر خود را بدست خود نگہہ دار

یہ سنکر ملاح خرد پرور نے لب پر انگلی رکھی اور اشارہ کیا کہ خاموش ؎

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نہ شد تختۂ بر کنار

اب سنئے کہ میاں آزاد نشہ میں ایسے غین ہو گئے کہ سر دپا کی خبر نہیں یہ گرے وہ گرے۔ پابدست دگرے دست بدست دگرے ملاح صبح نفس و دقیقہ رس چتون سے تاڑ گیا کہ یہ جوان طناز و نازک آواز ان دونوں مہوشان گلعذار رشک شاہدان فرخار کا عاشق زار ہے اور تیر عشق کلیجے کے پار ہے۔ ان دونوں بہنوں کیطرف مخاطب ہو کر کہا کہ۔ ؎

نمایاں شد باوج آفتابی
رخے چوں برگ گل بسیار نازک
ہنوزش خط رستہ از بناگوش

فروزاں اخترے از برج آبی
تنے ہمچو دل بیمار نازک
برگ عاشقاں زلفش سیہ پوش

بس یہی کہا کہ ان دونوں پر جان جاتی ہے۔ ہائے موت بھی نہیں آتی ہے۔ لیلۃ المعراج گیسو میں دل پھنس گیا۔ خدا گواہ اور صداقت مقال پر آگاہ ہے کہ ایسا جوان طلیق اللسان فصیح البیان شاعر غرّا

سخنداں ہیمتا خوش رو خوش خو حسین و مہ جبین دیکھا نہ سُنا۔ اور نام خدا ابھی اُٹھتی جوانی ہو۔ ـــہ

ہنوزش گرد گل نارستہ شمشاد	زخوبی سرو او چوں سرو آزاد

آں بتان جادو جمال و زہرہ تمثال نے فرط شوق سے جانب ساحل ایک نظر غلط انداز ڈالی تو میاں آزاد شکر خواب میں تھے نشے نے وہ زور باندھا کہ سبزہ زار پر دھم سے گر پڑے۔ ہائے کس موقع پر کیا ہوا پیر مرد بھانپ گیا کہ۔ ـــہ

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد	بسا کیں دولت از گفتار خیزد

ذکر خیر جوان طناز سن کر اُن کو بھی شوق دیدار چرایا۔ مگر محبوب مطلوب کو نہ پایا۔ ہائے اس شراب خانہ خراب کو خدا غارت کرے جس نے میاں آزاد کے ساتھ وہ کیا جو مرگ جان اور کفر ایمان کیساتھ کرتا ہو۔ ہائے کس شوق و جوش صادق سے آئے تھے اور کیا حالت ہو گئی۔ ـــہ

ہائے صیاد جفا پیشہ نے کیا گل کترے
دور لیجا کے چمن سے پر بلبل کترے

میاں آزاد نشے میں چور سرشار مخمور سبزۂ نو دمیدہ کے فرش زمردیں زنگین پر خدیو مصر ستی اور شاہنشہ ملک بادہ پرستی بنے ہوئے غش پڑے تھے اور اُنکے حبیب لبیب میاں ظرّاف سرہانے بصد حسرت و حرماں کھڑے تھے۔ ایک دفعہ ہی میاں آزاد ذرا کلبلائے اور کفن پھاڑ کر یوں چلائے۔ ـــہ

خوشتر ز عیش و صحبت باغ و بہار چیست
ساقی کجاست گو سبب انتظار چیست

ظرّاف۔ بس بس ذرا خبردار تیز زبان کی باگ روکے ہوئے دیکھیے سنبھلیے کہیں ٹھوکر نہ لے۔

آزاد۔ اے سبحان اللہ کیا بھٹیارے کا ٹٹو مقرر کیا ہو۔ اے قبلہ یہ دو باگے گھوڑے ہیں۔ ـــہ

اشاروں پر چلا کرتے ہیں یہ شایستہ گھوڑے ہیں
کہ صورت انکی حیوانی ہو سیرت ان کی انسانی

ٹھوکر کوئی اور کھاتے ہیں۔ یہ طرارہ بھر کے سیر گردوں کو ٹاپیں مار آتے ہیں۔ ـــہ

تصویر کھینچے اسکی مصور تو پڑے دھوم	سرعت قدم توسن تصویر کرے رم
کوڑا پئے تعزیر جو چاہو کرے مرقوم	اک آن میں تصویر کا سب رنگ ہو معدوم

نقاش کا دل نقش پہ آمادہ ہی رہجائے
بس ہاتھ میں اسکے ورق سادہ ہی رہجائے

ظرّاف۔ چلو بس چپ بھی رہوگے۔ یا زٹلّیں ہی اُڑایا کروگے کہنے لگے صحبت باغ و بہار اور طرفہ جوئبار اور مے خوشگوار۔ لے پھٹکار کچھ اپنی حالت بھی دیکھتے ہو یا زندان مست ہی کی یاد پر لٹو ہو۔ حیادار ہو تو ایک چلو پانی کافی ہو مگر بیحیائی بلا دور باشے جیتی تیری آسرا ہو۔ ہائے جس کے عشق میں خون تھوکا اُس سے آنکھیں بھی چار نہ ہوئیں۔ عین وقت نظارہ بازی بیہوش اور دین و دنیا فراموش۔ ہائے کن کنکھیوں سے نظر ڈالتی تھی مگر یہاں میاں گھاس پر لوٹ رہے تھے۔ اس شراب خانہ خراب سے خدا سمجھے۔ ہمیں تو رونا آتا ہے۔ اور تمھارا تو دل روتا ہوگا۔ اب ہمارے سامنے کبھی ساقی مہ وش اور بادۂ دلکش اور وقت خوش اور بادۂ ناب اور ارغوانی شراب کا ذکر نہ کرنا۔ آب زندگانی شراب ارغوانی۔ ہو نہہ۔ اچھا آب زندگی ہو۔ جسکے پیتے ہی انسان زندہ درگور ہو جاتا ہو۔ اور اچھی شراب ارغوانی ہے جسکا ایک چلو انسان کا منھ کالا کر دیتا ہو۔ واسطے خدا کے اب دیوان حافظ کو طاق پر رکھیے۔ بادۂ گلگوں کو مصفا جواہر نہ سمجھیے۔

آزاد ؎

صد غنچہ بشگفت الا دل من
اے داد ل من ہائے دا دل من

اس دل کی کلی نے چٹکنا سیکھا ہی نہیں۔ یہ کہہ کر میاں آزاد نعرۂ برباد اُٹھ کھڑے ہوے اور چاہا نہ اس ایوان کیواں نشان کی طرف چلے جو اُن بتان نازنین و دلکش لُعبتان جبین کا مسکن تھا۔ اور جس کی گل زمین کا چپہ چپہ چرخ بریں اور خلد علیین پر طعنہ زن تھا۔ ظرّاف نے جو یہ کیفیت دیکھی تو جھپٹ کر میاں آزاد کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور یوں سمجھانا شروع کیا اس بیقراری اور اشکباری سے مطلب برآری معلوم۔ ناحق ناحق سر دُھننا اور تنکے چُننا فعل عبث ہے۔ اسوقت جنون کی اُمنگ۔ اور عشق کی ترنگ نے تمھیں دیوانہ بنا دیا۔ آخر یار عزیز ذرا تو دل میں سوچ کہ جاتے کہاں ہو۔ کوئی تمھیں جانتا بھی ہے کوئی پہچانتا بھی ہے۔ آشفتہ دستار خدائی خوار بنکے جانا اور در و دیوار سے سر ٹکرانا یعنی چہ۔

آزاد۔ اب تو یہ سر ہے اور وہ در ہے بس آزاد ہے اور کوئے بتان ستم ایجاد ہے دل ہے اور بیتابی عشق ہے اور خانہ خرابی چشم ہے اور خونباری طبیعت ہے اور بیقراری۔ سر ہے اور سودا ہے اور پریشانی ہے۔ سرگرانی اور گران جانی ہے۔

ظرّاف۔ اسکا نتیجہ پشیمانی ہے۔ یہ محض نادانی ہے۔ یاد رکھو بس یہی حماقت کی نشانی ہے۔

آزاد ؎

فاش میگویم و از گفتۂ خود دلشادم
بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم

سایۂ طوبیٰ و دلجوئی حور و لب حوض
بہوائے سر کوی تو برفت از یادم

کوکب بخت مرا ہیچ منجم نشناخت
یا رب از مادر گیتی بچہ طالع زادم

نیست بر لوح دلم جز الف قامت یار
چہ کنم حرف دگر یاد نداد استادم

گر نہ در خون دلم مردمک دیدہ رواست
کہ چرا دل بجگر گوشۂ مردم دادم

ظرّاف۔ تم تو (آیا پانا) پی کر نشہ میں چور اور سیہ مست و مخمور لڑکھڑا کر سبزے میں لوٹ گئے مگر ہم پر ستم ڈھایا اپنا تو کلیجہ منھ کو آیا اُس ملّاح ملیح و دو جیسنے تمھارے حسن و جمال اور خط و خال اور مستانہ چال اور اُٹھتی جوانی اور نکتہ رانی عالی خاندانی اور معالی دودمانی کی اس درجہ تعریف کی کہ وہ دونوں پری خصال زہرہ جبین و نازنین نظر غلط انداز سے بصد شوخی و ناز دیکھنے لگیں اُنکا دزدیدہ نگاہ دیکھنا اور فرط شوق سے چپکے چپکے آنکھیں سینکنا ستم بپا کرتا تھا حشر ڈھاتا تھا۔ آخر کار ملّاح عیار اُستاد کامل فن سخنداں پروردہ پیر کہن نے بگڑی ہوئی بات بنائی اور کہا کہ آزاد پر غشی چھائی۔ تاب نظارہ نہ لاسکا اب صلاح یہی ہے کہ پہلے اس ملّاح سے پر وبال ملاؤ۔ کچھ چٹاؤ۔ پھر اُسکے مشورے کے مطابق عمل میں لاؤ۔ ورنہ بے سمجھے بوجھے جانا اور اپنا سا مُنھ لیکر واپس آنا نشان بالغ خردی نہیں۔ ع

چرا کارے کند عاقل کہ باز آرد پشیمانی

الغرض میاں آزاد وحشی مادر زاد و ظرّاف نیک نہاد دونوں ملک حشیمہ سار کی طرف چلے۔ تو دیکھتے کیا ہیں کہ وہی پیر مرد ملّاح ملیح ایک ڈونگی کھیتا ہوا آ رہا ہے۔ انکو دیکھا تو اشارہ کیا کہ ٹھہر نا میں آتا ہوں ڈونگی کو دم کے دم میں کنارِ جُو بار لاتا ہوں میاں ظرّاف کی باچھیں کھل گئیں دل کی مرادیں مل گئیں اور آزاد تو دستہ خلعی ہی ہو گئے۔ شادی مرگ کی نوبت آئی منھ مانگی مراد پائی پیرِ مرد ڈونگی سے اترا تو آزاد نے یوں کہا۔ ؎

خیر مقدم مرحبا اے طائر میموں قدم
شادماں کردی مرا نازم ترا سر تا قدم

تا بدانی تو کہ ہجراں جان عاشق میخورد
نالۂ شبگیر در کارست و آہ صبحدم

پیر مرد۔ کیسا نالۂ شبگیر۔ کس کی آہ صبحدم کسکا طاق کسریٰ۔ کیسا جام جم بھی گھبرو ہم تو تمھارے سچّے مددگار اور پکّے طرفدار ہیں لیکن حُسن و عشق کا جھگڑا چکانا عاشق و معشوق کا ملانا خالہ جی کا گھر نہیں بخون پاک حسینؑ اور بحق دین محمدؐ وہ دونوں شکر لبان زُہرہ تمثال اور مہوشان مشتری خصال حیا پرور ہیں پاک نظر ہیں۔ عفت کوش ہیں۔ روپوش ہیں وہاں پرندوں کے پر جلتے ہیں فرشتے سر کے بل چلتے ہیں۔ زہّاد صد سالہ سجدے کرتے ہیں سکان ملاء اعلیٰ پھونک پھونک کر قدم دھرتے ہیں بوئے گل کو خبر نہیں باد صبا کا گذر نہیں اس سرزمین کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ اس ایوان سپہر توامان کا درجہ فلک الافلاک سے بھی اعلیٰ ہے۔ مگر میری گود کھلائی ہیں۔ میں تقریب کرونگا۔ نکاح کا نشا ظاہر کردں گا۔ دونوں بہنیں پری زاد ہیں اور طرّہ اسپر یہ کہ تربیت یافتہ اور عالی نژاد ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ایک اونچے گھر سے پیغام آیا ہے۔ اُنکی ماں کو شوق چرایا ہے کہ وہاں ہی بیاہ ہو بشرطیکہ داماد خرد آگاہ ہو۔ تم خاطر جمع رکھو خدا کی عنایت پر شاکر رہو۔ ؎

غم مخور حافظا بہ سختی روز و شب ‌‌ عاقبت روزے بیابی کام را

دل کو ڈھارس دو بہت دحشت کی نہ لو اب اسوقت تو جاؤ مگر کل نور سکے تڑکے یہاں آؤ میاں آزاد الوداع کہہ کر چلنے ہی کو تھے کہ اتنے میں۔ ؎

پل مارنے کی ہوئی جو دیری ‌‌ سبحان اللہ شان تیری

کیا دیکھتے ہیں کہ وہ دونوں بتان سیم غبغب نوش لب جادو نگاہ غیرت مہر و ماہ جھروکے سے جھانک رہی ہیں۔ ؎

منم کہ دیدہ بدیدار دوست کردم باز
چہ شکر گویمت اے کارساز بندہ نواز

آزاد ؎ منم غریب دیار و توئی غریب نواز
دمے بحال غریب دیار خود پرواز

بہر کمند کہ خواہی بگیر و بازم بند ‌‌ بشرط آنکہ ز کارم نظر نگیری باز
برآستین خیال تو مید ہم بوسہ ‌‌ برآستین وصال تو نیست دست نیاز
درون سینہ دلم چوں کبوتران طپید ‌‌ چہ آتشی ست کہ بر جاں نہادی باز

جھروکے میں سے ایک صدائے دلربا آئی کہ۔ ؎

برو مثال ز شامے کہ صبح در پے اوست
کہ عیش و نوش ہم باشد و نشیب و فراز

اتنا سننا تھا کہ میاں آزاد کی جان پر بن آئی اور آنکھ فرط شادی سے آنسو ڈبڈبا لائی وہ دونوں نظر سے اوجھل ہوگئیں میاں آزاد کو حیرت تھی کہ یا للعجب یہ کیا بوالعجبی ہے۔ یہ چھلاوا تھا۔ ٹونا تھا۔ سحر تھا۔ جادو تھا۔ آخر تھا کیا طلسمات کا سا سماں ہے۔ عقل خود حیران ہے۔

اتنے میں پیر مرد نے اشارے سے کہا کہ بس اب جاؤ اور حسب مشورہ تڑکے گجردم آؤ۔ دونوں یاران موافق اور محبان صادق خوش و خنداں مست و غزل خواں چلے۔

ظراف۔ کیوں اُستاد کیا ترکیب بتائی ہے سچ کہنا کیا دور کی کوڑی لائی ہے۔ اس ملّاح کا خدا بھلا کرے اور اسکو خواجہ خضر کی عمر عطا کرے۔ واللہ خدا جانے یہ کون ہے۔ کیوں جی کہیں سچ مچ خضرؑ بے خجستہ ہی نہو۔ کیا اسے ہے۔

آزاد۔ یار یہاں ان باتوں سے نفرت ہے ضعیف الاعتقادی کے بندۂ درگاہ دشمن جانی ہیں۔ خواجہ خضرؑ کا ذکر آپ تہ کر رکھیں وہ مقدس بزرگ ہیں۔ ہم ایسے رندان مست میں اُنکا کیا کام۔

ظراف۔ اسوقت تو حضور کا چہرہ گلنار ہے طبیعت باغ و بہار ہے

سچ کہنا کیا صورت زیبا پائی ہو۔ کیا کج ادائی اور دلربائی ہو خدا نے یہ صورت پیاری پیاری مورت اپنے ہاتھ سے بنائی ہو۔ ـــہ

	اے خوش آن صبح کہ عاشق ز شکر خواب وصال دست در گردن معشوق حمائل برخاست	
آزاد ـــہ	روزیدا نیک نسیم وصل خوش در گلشن جانم چناں شادم کہ غم با من دریں غم خانہ می رقصد	

عروس وحشت سے برقع کشا۔ جرعہ نوش جام بلا۔ رُخ زدان عشق نمک پاش متاع خوان عشق۔ میاں آزاد خانہ برباد ایسے بشاش ہوے کہ ایوان سپہر تلامان جب نظر سے اوجھل ہوا اور سنسان بیابان کف دست میدان آیا تو خوب اُچکے پھاندے اور پھر پھر کے اسی طرف جھانکنے لگے اور آپ ہی آپ مجذوبوں کی طرح یوں بڑ ہانکنے لگے۔ ایک وسمہ ابرو دے دلربائی دوسری افشاں جبین خوش ادائی۔ ایک کے رُخ انور سے نور سعادت دوسری کے سر پر بال ہما کا سائبان ایک جست وچالاک دوسری شوخ و بیباک۔ میاں ظرّاف نے سمجھایا کہ دیکھیے دیکھیے پھر وحشت کی دُھن سمائی۔ پھر شیطان نے دور سے اُنگلی دکھائی پھر وہی بے تکی باتیں۔ پھر وہی حرکتیں جس میں شہر بھر واقف ہو جائے کہ ۶۔ یہ بھی ہیں پانچویں سواروں میں ؛ تم تو خدا جانے کہاں کے خدائی خوار ہو آج آئے کل ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاؤ گے چلتے پھرتے نظر آؤ گے۔ یہاں اسی شہر میں رہنا ہے ہم سے پردیسوں سے طعنے نہ سنے جائیں گے۔ یاران سرپل ضرور منھ آئینگے اس سے وہ بات کرو کہ سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے آخر متانت بھی تو کوئی چیز ہے یا بالکل عشق ہی کے ہاتھ بک گئے آج چل کر غریب خانے پر شب باش ہو۔ فور سے تڑکے ہم تم دونوں آئیں گے۔ لیکن حضرت واسطے خدا کے میرے گھر پر یہ حرکتیں نہ کیجیے گا کہ بیٹھے بیٹھے کودنے لگے یا اُچکے وہ آئے۔ وہ کودے یہ پہونچے۔ اب آپ بچوں میں نہیں ہیں جوان ہو۔ مسیں بھیگتی ہیں تو کیا ہوا۔ ایسی فکر نہ کیجیے گا کہ میری بیوی کو خبر ہو جائے کہ میاں بھی عاشق زار بن بیٹھے ہیں ورنہ ہماری زندگی تلخ ہو جائے گی اور جان پر بن آئے گی۔

آزاد ـــہ	طلب دنیا کی کر کے زن مریدی تو نہیں سکتی خیال آبروئے ہمت مردانہ آتا ہے	

کیا بیوی سے آپ اس درجہ خائف ہیں۔ خدا ہی خیر کرے ارے میاں اتنا خوف ؟ روح ہی فنا ہوئی جاتی ہو۔ کچھ ٹھکانا ہو۔ لاحول ولا۔ ایسے زن مرید بھی کم ہونگے۔ آخر خوف کاہے کا۔

ظرّاف۔ خیر آپ کو اس جھگڑے سے کیا سروکار۔ مگر وہاں چلکر متانت سے رہیے گا۔ یہ نہیں کہ غل مچانے لگے۔ چلانے لگے مذاق میں مضائقہ نہیں۔ لیکن سنجیدگی ضرور ہو۔

آزاد۔ یار سنتے ہو بیوی تم پر حاوی ہیں بھئی مگر خیر ہمکو یار کی یاری سے کام۔ اُسکے فعل سے کیا واسطہ۔ آم کھانے سے مطلب ہے کہ پیڑ گننے سے۔

الغرض میاں آزاد اور ظرّاف گھر پہونچے۔ روشن نے کہا حضور بیگم صاحب آپکو کوئی بیس بیر پوچھ چکی ہیں اتنے میں لونڈی اندر سے آئی (میاں گھر میں بلاتی ہیں) میاں ظرّاف نے دہلیز پر قدم رکھا ہی تھا کہ انکی بیوی نے آڑے ہاتھوں لیا۔ یہ دن دن بھر آپ غائب کہاں رہنے لگے۔ ابتو خیر سے بڑے سیلانی ہو گئے صبح کے نکلے نکلے شام کو خبر لی۔ چلو میرے سامنے سے جاؤ مجھے ان باتوں سے نفرت ہے پس آج کھانا وانا خیر صلاح ہے یہاں کچھ پکا وکا نہیں۔ حلوائی کی دکان پر دادا جی کی فاتحہ پڑھو

تو نری دو ٹیاں، مٹّو میاں کسی کو کتے نے نہیں کاٹا ہے کہ دخت بیوخت چوٹے کا منہ کالا کیا جائے۔ بھلے مانس آدمی دو ایک گھڑی کے لیے کہیں ذری گئے تو گئے یہ نہیں کہ دن دن بھر تیا ہی نہیں۔ ایسے ہتھکنڈے سیکھے ہیں۔ ظراف نے چپکے سے کہا کہ نیکبخت ذرا آہستہ آہستہ باتیں کر باہر ایک بھلا مانس ٹکا ہوا ہے اتنی بھی کیا بیحیائی۔ اسپر وہ چمک کر بولیں کہ بس بس زبان نہ کھلواؤ بہت۔ بھتیں جو دوست ملتا ہے خدائی خوار گھر نہ بار۔ جانے کہاں کے لفنگے انکو ملجاتے ہیں۔ کبھی کسی شریف زادے سے دوستی کرتے دیکھا نہیں۔ چلئے اب دور ہوجیے نہیں تو ہم بے طور پیش آئیں گے مجھ سے بُرا کوئی نہیں۔ میاں ظرّاف بیچارے کی جان عذاب میں کہ گھر میں بیوی بے نقط سناہی رہی اور باہر میاں آزاد لاکھوں ہی گالیاں دیں گے کہ آپکی بیوی نے آپ کو تو خیر جو کچھ کہا تھا وہ کہا ہی تھا مجھے کیوں بے ڈالا میں نے کیا انکا بگاڑا تھا۔ اپنا سا منہ لے کر باہر نکل آئے اور آزاد سے کہا کہ یار آج روزے کی نیت کرلو۔ بیوی فوجداری پر آمادہ ہیں کیسی ایسی ترش مزاج سرکہ جبین تو دیکھی ہی نہیں بات ہوئی اور تنک گئیں۔ مہینوں روٹھی ہی رہتی ہیں۔ مگر کیا کروں امیر کی لڑکی ہے۔ ورنہ میں ایک جھلّا۔ مجھے یہ بدمزاجی پسند کہاں لیکن۔ ــہ

باہمیں مرداں بباید ساخت	چہ تواں کرد مرداں این اند

سو بھئی آج فاقہ ہی فاقہ ہی سہی۔ قہر درویش برجان درویش آزاد بولے کہ فاقہ آپ کے دشمنوں کو چلئے نانبائی حلوائی کسی کی دکان پر مزے سے چل کر کھانا چکھ آئیں اور دو نوالے اُنھوں نے آہ سرد کھینچ کر کہا۔ اتنے ہی ہوتے تو پھر بیوی کی کیوں سنتے میاں پیسہ ٹکا پاس نہیں حلوائی کیا ہمارا ماموں ہے آزاد ایک ہی خرانٹ گرگ باراں دیدہ بولے کہ واہ اسکی فکر کسے ہے آپ ہمارے ساتھ چلیے اور مزے سے مٹھائیاں چکھیے۔ مگر جو تدبیر بتادیں اُس میں سرمو فرق نہ آنے پائے۔ ہاں ذری اس کا خیال رہے۔ چلئے بس اب ہمراہ رکاب۔ وہ سوجھی ہے کہ کبھی پیٹ ہی نہ پڑے۔ سونے کی چڑیا ہتھے چڑھے۔

الغرض میاں آزاد حضرت ظرّاف کو لیکر بازار پہونچے اور حلوائی کی دکان کے قریب سے یہ آگے بڑھ گئے آزاد ذرا پیچھے رہ گئے ظراف سکھائے پڑھائے سمجھائے بجھائے تو تھے ہی جاتے ہی حلوائی سے کہا کہ میاں آٹھ آنے کے پیسے دو اور آٹھ آنے کی پنج میل مٹھائی حلوائی نے پنج میل مٹھائی خاصی تازی تازی تول دی اور آٹھ آنے ڈبل گن دئے پیسے تو میاں ظراف نے دوپٹے میں باندھے اور مٹھائی اُسی کی دکان پر چکھنے لگے اتنے میں میاں آزاد نمودار ہوے۔ بھئی لالہ ذرا عمدہ تازہ لڈو تو ایک روپیہ کے تول دینا مگر نخودی نے ہوں۔ اُسنے ایکروپیہ کے لڈو تول کر چنگیل اُنکے ہاتھ دھری اتنے میں حضرت ظراف نے پیسے اور مٹھائی جو حلوائی سے پہلے لی تھی سنبھال کر چلنے کا قصد کیا اور بسم اللہ کہکر اُٹھ کھڑے ہوے تب تو حلوائی نے للکارا کہ میاں چلے کہاں ذری پہلے بائیں ہاتھ سے پیسے تو رکھتے جاؤ۔ وہ۔ پیسے کہتا ہوں۔ روپیہ۔ خوب اچھا مزا ہے ایں! ابے روپیہ کیا تو نے پایا نہیں پہلے روپیہ دیا پھر سودا لیا کیا چوروں اُچکوں سے سابقہ پڑا ہے۔ اور سنئے صاحب اچھے ملے دو دو مرتبہ روپیہ دیں لیلے مرتے ہو۔ کہیں میں رپٹ نہ لکھاؤں مجھے بھی کوئی گنوار سمجھے ہو۔ ارے نامعقول چہرہ شاہی تو ابھی دکھا دے چکا ہوں۔ اب کیا کسی کا گھر لیگا۔ اسپر حلوائی اور ظراف میں تکرار ہونے لگی اور اسدرجہ بڑھی کہ تو تو میں میں ہونے لگی لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا انکی دو گھڑی کی دل لگی ہوئی۔ اور گرد سب جاہل موالی بازاری تماشائی

اوٹ گئے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے ہوئے ہیں کوئی کہتا ہی لالہ گھانس
کھا گئے ہو۔ کوئی کہتا ہی میاں ایک روپیہ کیلئے نیت ڈانواں ڈول
کر دا۔ اتنے میں میاں آزاد نے کہا میاں حلوائی اب کہیں اسی طرح
میرا روپیہ بھی نہ بھول جائیے گا۔ کیا آپکا روپیہ! آپ نے روپیہ
دیا کس کو چلئے ایک نشد دو شد۔ اب جو سنتا ہی وہ اُس حلوائی
ہی کو اُلو بناتا ہی چوطرفہ سے اسپر لے دے ہونے لگی۔ اور لوگوں
نے بہت کچھ لعنت ملامت کی کہ شریف آدمیوں کو بے عزت
کرتے ہو۔ روپیہ لیکر خوب مکر جاتے ہو لالہ ساکھ جاتی رہے گی۔
اتنے میں اُس حلوائی کا بڈھا باپ جو آیا تو دیکھا کیا ہی کہ دکان
کے ارد گرد ازدحام عام اور ہجوم عفیر ہی پوچھا کیا ماجرا ہے کیا دکان
لٹ گئی بچے بھگت بگڑے دل نے کہا۔ اجی لٹ تو نہیں گئی مگر
اب تمھاری دکان کی ساکھ جاتی رہی۔ ابھی ایک بھلامانس نے
اُکن سے روپیہ پھینکا اب کہتا ہی کہ ہم نے روپیہ پایا ہی نہیں
اُسکو چھوڑا تو دوسرے بیچارے شریف کا دامن پکڑ لیا کہ تم نے
بھی روپیہ نہیں دیا حالانکہ وہ بیچارے سیکڑوں قسم کھاتے ہیں
کہ ہیں دے چکا ہوں حلوائی بڑا تیکھا بڈھا تھا۔ سنتے ہی آگ ہو گیا
اور جھلا کر اپنے لڑکے کی کھوپڑی پر تان کے ایک ٹیپ لگا بیٹھا
بات ترے کی کہتا ہوں کہ بھانگ نہ کھایا کر۔ مانتا ہی نہیں۔
کیوں پھر کھائیگا بھانگ۔ جا بیٹھ دکان پر۔

ظرّاف اور میاں آزاد نے مزے سے ڈیڑھ ہزار روپیہ کی مٹھائی
باندھ لی اور آٹھ آنے کے پیسے مزید براں۔ راستے میں قہقہے لگاتے چلے
جب گھر پہونچے تو خوب لڈو اور برفی اور پیڑے پھکتے بچے
بچائے اندر بھیجے۔ اب آزاد سے میاں ظریف نے کہا یار اسیطرح
روپیہ کی فکر نہیں کرتے۔ کہیں سے روپیہ دلواؤ تو جانیں۔
اُنھوں نے کہا یہ کتنی بڑی بات ہی اُستاد ہمارا ذمہ۔ ابھی ابھی

چلو۔ گرگسی سے مانگ مونگ کر کچھ اشرفیاں یار روپیہ لے چلو اشرفی
ہو تو نور علی نور۔ ظرّاف نے دو سو اشرفیاں کلدار نکالیں اور کہا
لیجئے معہ ہمیانی کے موجود ہیں اسکے بعد ہمیانی اٹھائی اور آزاد
و میاں روشن علی کو ساتھ لیا۔ بازار چلے پہلے ایک مہاجن کو اشرفیاں
دکھائیں اور پرکھائیں بیچتے ہیں کھری کھوٹی دیکھ لیجئے مہاجن
نے انکو خوب کسوٹی پر کسا اور کامل عیار پایا اور کہا اُنیس [۱۹]
کے حساب سے لیں گے۔ ظرّاف دوسری دکان پر پہونچے اور
وہاں بھی اشرفیاں گنوائیں اور پرکھوائیں اور چلتے ہوئے اب
اثنائے راہ میں میاں آزاد سے کہا کہ یہاں ایک کوٹھی بھی ہی۔
ایک کوٹھی کیا بلکہ بیس چلو وہاں چلیں۔ الغرض ایک مہاجن
کی کوٹھی پر پہونچے مگر اشرفیاں راستے میں آزاد کو دیدیں اور
کہا تم سیدھے گھر کی راہ لو کوٹھی پر پہونچ کر کہا کہ ہم دو سو اشرفیاں
خریدتے ہیں۔ مہاجن نے دیکھا کہ آدمی تین ہیں اور ریاست
چہرے سے برستی ہی۔ کپڑے بھی نفیس اور قیمتی زیب تن کیے ہوئے
ہیں۔ فوراً دو سو اشرفیاں اُنکے سامنے ڈھیر کردیں۔ ظرّاف نے
پوچھا کہ درکیا ہی۔ بولے خریدتے ساڑھے اُنیس [۱۹] کے حساب سے
ہیں اور بیچتے بیس [۲۰]۔ روپیہ کے درسے ہیں۔ اخّاہ اتنا فرق اچھا
دو سو اشرفیوں کا حساب ساڑھے اُنیس [۱۹] کے درسے کسی کاغذ
پر لکھ تو دو۔ مہاجن کے منیب جی نے ایک پرچہ پر حساب لکھدیا
حضرت نے وہ کاغذ تو جیب میں رکھا اور اشرفیاں باندھ کر کھڑے
ہوئے اور طرارہ بھر کے کوٹھی کے باہر تھے۔ ہائیں۔ ہائیں۔ ہائیں
ہاں لینا لینا۔ کہاں کہاں۔ ظرّاف پینترا بدل سامنے کھڑے ہو گئے
بس دور ہی سے بات چیت ہو سامنے آئے اور میں نے تلا ہاتھ
دیا۔ اے صاحب روپیہ تو دیجئے کیسے روپے۔ آخر روپے کیسے
ہم نہیں بیچتے۔ کیا کہا؟ نہیں بیچتے۔ کیا اشرفیاں آپ کی ہیں

جی اور نہیں تو کیا آپ کے باپ کی ہیں۔ ہم نہیں بیچتے آپکا اجارہ ہی کچھ۔ آپ ہیں کون زبردستی کرنے والے اتنے میں آزاد بھی آن پہونچے۔ ظراف بولے ساڑھے اُنیس کے حساب سے ہم کیوں بیچنے لگے بھلا۔ مہاجن اور اُن کے منیب جی اور چیلے چاپڑ غل مچا رہے ہیں کہ تم اشرفیاں لائے کب تھے وہ ایک نہیں سنتے اتنے میں کوئی دو سو آدمی جمع ہو گئے اور اہل پولیس بھی آن موجود۔

جمعدار۔ یہ کیا فساد ہے لالہ چنانچہ وہ نہیں بیچتے تو زبردستی کیوں کرتے ہو۔ اپنے مال پر سب کو اختیار ہے۔ وہ بیس چھوڑ بائیس کے حساب سے دیں پھر آپ کون۔ مفت میں دروازہ پر فساد کرنا کون سی دانائی ہے۔ بھلا۔ چلو اب جاؤ اپنا کام دیکھو۔

مہاجن۔ آپ اچھے میر فیصل بنے یہاں چار ہزار روپیہ پر پانی پھرا جاتا ہے آپ کہتے ہیں جانے بھی دو یہ تو ہماری اشرفیاں ہیں۔ یہ خریدنے آئے تھے ہم نے گن دیں۔ بس باندھ بوندھ کر چل کھڑے ہوئے۔

تماشائی۔ واہ بھلا کوئی بات بھی ہے۔ یہ اکیلے آپ دس۔ جو ایسا ہوتا تو یہ کوٹھی کے باہر بھی آنے پاتے۔ آپ سب مل کر ان کا اچار نہ نکال ڈالتے۔ ابتک انکا کچومر نکل گیا ہوتا۔ اتنے بڑے مہاجن اور دو سو اشرفیوں کے لیے ایمان چھوڑے دیتے ہو۔

جمعدار۔ حد بھر بُری بات ہے۔

ظراف۔ دیکھیے آپ بازار بھر میں دریافت کریں کہ ہم نے کتنی دکانوں میں یہ اشرفیاں دکھلائیں اور پرکھوائیں۔ بازار بھر گواہ ہے۔ کچھ ایک دو آدمی وہاں تھوڑا ہی تھے۔ اسکو بھی جانے دیجیے یہ پرچہ پڑھیے اس میں ساڑھے اُنیس کے در سے حساب لگا یا ہے یا کچھ اور۔ اور اگر بیچتے ہوتے تو بیس کے در سے حساب لگاتے یا ساڑھے اُنیس سے۔ ملان کر لیجیے یہ انھیں کے ہاتھ کا پرچہ ہے یا اس سے بھی ان کو انکار ہے۔ مفت میں ایک شریف کے پیچھے پڑے ہیں لینا ایک نہ دینا دو۔

جمعدار۔ یہ تو خوب ثبوت دیا۔ لالہ جی افسوس ہے کہ آپ اور یہ بگڑا آخر یہ آپ کے منیب کے دستخط ہیں یا کسی اور کے پھر جھگڑا کاہے کا بھلا سو بات کی ایک بات تو یہ ہے کہ بازار میں چلیے دیکھیے ان کے پاس اشرفیاں تھیں یا نہ تھیں۔ اچھا اسوقت وہاں اور بھی کوئی تھا۔

روشن۔ جی ہاں میں تھا۔

جمعدار۔ تم نے کیا دیکھا۔

روشن۔ یہ میاں آئے اور جردجرد (زرد) اشرپھی (اشرفی) انڈیل دی۔ لالہ سے بھاؤ تاؤ ہوا بس باندھ کے لے گئے۔ تو لالہ نے غل مچایا کہ لوٹ لیا۔ لوٹ لیا بس اور کچھ نہیں دیکھا ایمان نہیں چھوڑنا ہے۔

جمعدار۔ تو اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا۔ اب چلو بازار بھی چلیں۔

الغرض میاں ظراف اور ساہو کار۔ اُنکے منیب اور جمعدار اور تماشائی سب ملکر بازار چلے وہاں تحقیقات کی تو دلالوں مہاجنوں نے گواہی دی کہ بیشک انکے پاس اشرفیاں تھیں اور انھوں نے پرکھوائی بھی تھیں۔ ابھی ابھی یہاں سے گئے تھے۔

جمعدار۔ لالہ صاحب اب خیر اسی میں ہے کہ چپکے ہو رہیے۔ ورنہ بیڈھب ٹھہرے گی۔ ثبوت کافی موجود ہے۔ آپکی لاکھ کی ساکھ جائیگی اور منیب کی تو شامت ہی آئے گی۔ آیندہ آپکو اختیار ہے۔

مہاجن۔ کیا اندھیر ہے۔ چار ہزار روپیہ پر پانی پڑ گیا بٹے کھاتے میں اتنا روپیہ کبھی عمر بھر میں نے جمع ہی نہیں کیا تھا۔ آج تک

اور جو ہے ہمیں کو اُلّو بناتا ہے۔ خیر ہاتھ دھویا۔

میاں آزاد تو کھسکے اور روشن ہشّاش بشّاش اُنکے ساتھ چلے۔ میاں ظرّاف کے گھر پہونچے تو چہرہ گلنار۔ باچھیں کھلی جاتی ہیں۔ جاتے ہی دو سو اشرفیاں کھن کھن کرکے سامنے ڈالدیں۔ دیکھا یوں لاتے ہیں لو یہ اب اشرفیاں ہماری بھابھی جان کے پاس رکھو۔ خدا کی قسم تم نے وہ جل کیا ہے کہ واہ جی واہ تم سے بڑھ کر عیّار یا اور کون ہوگا بھلا۔

ظرّاف۔ بایاں قدم لے۔ واللہ تم سب گن پوُرے ہیں کون کہے لنڈورے۔ اُف فوہ واہ رے استاد بھائی یہ فن تم بھی سیکھ لو آج سے ہمارے شاگرد ہو۔

آزاد۔ یہ زبانی داخلہ پسند نہیں۔

ظرّاف۔ مٹھائی رکھو سامنے۔ دل لگی نہیں ہے۔ ڈیڑھ روپیہ کی مٹھائی۔

آزاد۔ لے بھابھی سے تو خوشخبری کہدو۔ بہت مُنھ پھلائے بیٹھی تھیں۔

ظرّاف۔ (گھر میں جاکر) کہاں ہو کیا سو رہی ہیں۔

بیوی۔ کیا کمائی کرکے لائے جو ڈپٹ رہے ہو۔ سو نہ رہیں تو کیا تمھاری طرح رات بھر چوکی پہرا دیں۔

ظرّاف۔ (اشرفیاں کھنکاکر) لو ادھر آؤ۔ بہت صلواتیں سناؤ یہ لو دس ہزار کی اشرفیاں۔

بیوی۔ واہ یہ پتے کسی انیلی کو دیجئے گا۔ یہ تو وہی اشرفیاں ہیں جب چچا جان امانت رکھوا گئے ہیں۔ اُڑتے ہیں آپ۔ شان خدا !!!!۔

ظرّاف۔ وہ یہ ہیں۔

بیوی۔ دیکھوں (کھلکھلاکر) واہ وا واہ کیا کہی یہاں پھاندے تھے آخر ش یہ لائے کس کے گھر سے۔ بس چپکے سے صندوقچے میں ہمارے رکھدو۔

ظرّاف۔ جی بجا ہے۔ آپکا صندوقچہ ایسا ہی تو بڑا ہے۔

بیوی۔ (ہنسکر) واہ اے واہ الائچی رکھنے والا نہیں وہ بڑا صندوق جس میں ہمارا زیور رہتا ہے۔

ظرّاف۔ یہ اشرفیاں وہی لائے ہیں جنکو تم آلفتے اور تکّے بناتی تھیں اور ہم نے مدد دی۔

بیوی۔ (ہاتھ جوڑکر) میاں قصور معاف کردو ہماری خاطر سے کہا سنا بھول جاؤ۔ انسان کی طبیعت ہمیشہ ایک سی تھوڑا ہی رہتی ہے۔ میں تو تمھاری لونڈی ہوں۔ بیوی پیاری بیوی ہوں۔

آزاد۔ (باہر سے) ہم بھی سن رہے ہیں بھابھی صاحب ابھی تو آپ نے ہمارے بھائی بیچارے کو ڈپٹ لیا تھا۔ اور خدا جانے کیا کیا صلواتیں سنائیں۔ گھر سے باہر کردیا۔ کھانا نہ دیا۔ کھرّے کھرّے نکال دیا۔ اور ہمکو جو بے نقط سنائیں وہ گھاتے ہیں۔ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس گیا۔ اب جو ندوا نورد اشرفیاں دیکھیں تو پیاری بیوی بن گئیں خیر چلیے بھائی تو بچ گئے۔ اب نہ للکاریگا اب انکا بھی پوٹا ترہے۔ اور جو کہیں ہم برس چھ مہینے ٹک گئے تو سونے کی اینٹوں سے مکان بنوا لیجئے گا مگر ذری انکے کان نہ گرما لیجئے۔ یہ بیچارے بے باپ کے ہیں۔

بیوی۔ (قہقہہ لگاکر) اب آپ ہمارے مہمان ہیں آپ کو کیا کہوں آپ تو ہنسی ہنسی میں دو چار فقرے چُست کر گئے۔ مگر آپکی ہنسی ہمارے سر آنکھوں پر۔

بے دیکھے بھالے شادی

چہرہ پرداز بیولانے رہ نوردی جرعہ نوش جام کوچہ گردی سر بصحرا دادہ۔ میاں آزاد آزادہ۔ سحر کاذب کے وقت خواب

کیا دیکھتے ہیں کہ مہر جہاں تاب نے جلباب خفا سے رخ انور نکالا ہے اور ظلمت شب دور ہے چوطرفہ اُجالا ہے۔ اور اُنکے سر بالین ایک بلبل ہزار داستان نشۂ راح ریحان نسیم میں سرخوش و مخمور جھک جھک کر یوں کہہ رہا ہے۔ ؎

صبح ست ساقیا قدحے پُر شراب کن
دورے فلک ورنگ ندارد شتاب کن

ایک دفعہ ہی آنکھ کھلی تو نہ نغمۂ عندلیب بے تاب نہ رباب فقط میاں آزاد اور دل پر اضطراب۔ آسمان کی طرف نظر پڑی تو تیرہ و تار بجلی سی چمکی وہ آسمان کے پار۔ سوچے کہ ہم مانیں یا نہ مانیں ہے فال نیک۔ اللہ کہکر شکر خواب سے اُٹھے

اتنے میں شوالوں میں ٹھنا ٹھن گھنٹوں کی آواز آنے لگی امرا کے یہاں نوبتی نوبت بجانے لگے۔ مسجدوں میں مؤذنوں نے نعرۂ اللہ اکبر بلند کیا۔ بادہ گساروں کو صبوحی یاد آئی مرغ سحر خیز نے گرگڑوں کوں کی بانگ لگائی۔ چلپے تڑکا ہوگیا۔ ادھر میاں آزاد بن ٹھن کر تیار رہے اور اُدھر میاں ظرافت کمر کس کر دن سے آن موجود دونوں چلے۔ ؎

علی الصّباح کہ مردم بکار و بار روند
بلاکشان محبت بکوئے یار روند

آپس میں میٹھی میٹھی باتیں ہوتی جاتی ہیں کہ ملّاح طبع کیا میرزا منش بزرگ ہو۔ دیکھیں آج کیسی گذرتی ہو۔ خدا نے چاہا تو گھری چھنے آج پو بارہ ہیں۔ اس بہار اور لب جوئبار اور طرف گلزار اور قدرت کے نقش و نگار کا لطف بے گلعذار اُگجا۔ سچ ہو۔ ؎

گل بے رخ یار خوش نباشد — بے بادہ بہار خوش نباشد
طرف چمن و بوئے بستاں — بے لالہ عذار خوش نباشد

اب اُدھر کا ذکر سنیئے کہ وہ دونوں بہنیں نام خدا سیانی تھیں اور مست بادۂ جوانی تھیں۔ لیکن ابتدا ہی سے انتہا کی حیا پرور اور پاک نظر۔ اور اسپر طرّہ یہ ہوا کہ تعلیم اعلیٰ درجہ کی پائی کتب اخلاق و پند و موعظت کی خوب ہی سیر فرمائی۔ لیکن اُنکی بوڑھی امّاں جان پرانے فشن کی رئیس زادی ضعیف الاعتقادی تو اُنکا خاص حصّہ تھا اُنھیں پرانی باتوں پر لٹّو تھیں۔ بلّی اگر گھر میں کسی روز آوے تو ستم ہو جائے۔ اُلّو بولا اور اُن کی روح فنا ہوئی اب صبح تک تالیاں ہی بجا کریں گی۔ جوتے پر جوتا دیکھا اور آگ ہوگئیں کسی نے سیٹی بجائی اور اُنھوں نے کوسنا شروع کیا۔ پانوں۔ پانوں پر رکھ کر کوئی سویا اور آپ نے للکارا ہجر یا غم و الم کا شعر کسی نے زبان سے نکالا اور انھوں نے فوراً روک دیا۔ کتّا گلی میں رویا اور اُنکا دم نکل گیا۔ کُتیا نے کان پھٹ پھٹائے اور اُنھوں نے تھوتھو کرنا شروع کیا راستے میں کانا ملا اور اُنھوں نے فلس پھیر دی۔ تیلی کی شکل دیکھی اور دو بلّی خون خشک ہوگیا۔ کسی نے لکیر بنائی اور اُسکی شامت آئی۔ جو کہیں جاتی ہوں اور کوئی ٹوک دے تو پھر اللہ دے اور بندہ لے۔

ہندوؤں کی طرح ساون کے مہینے میں چارپائی بنوانے کی قسم کھائی تھی۔ دن رات بڑھاچونڈا ہلانا اور باتیں بنانا اگرچہ تھیں بڑی مالدار۔ الغرض اس بڑھاپے میں بھی آنکھوں سے خون ٹپکتا تھا اور منھ سے انگارے برستے تھے جب دیکھا کہ لڑکیاں سیانی ہوگئیں تو سوچیں کہ کنوار پنے کے دن کبتک کاٹینگی بڑی لڑکی کی شادی کی فکر دامن گیر ہوئی اونچے اونچے گھروں سے پیغام آنے لگے اور کیوں نہ آتے ایک تو نوجوان دوسرے آن بان۔ تیسرے

مالدار چوتھے شوخ و طرار۔ پانچویں فہمیدہ و سنجیدہ چھٹے گلفام نازک اندام۔ ایک زمانے کا دل آنپر آیا تھا۔ مکھڑا چاند۔ بلکہ بن گہنا چاند بھی اُنکے مقابل میں ماند۔ قامت زیبا سرو آزاد بلکہ رشک شمشاد۔ زلف چلیپا بلائے بیدرماں۔ غارت گر دین ایمان۔ ابرو شمشیر براں یا تیغ اصفہان ؎

بہ قامت از قیامت مژدہ دادہ	بہ بالا از بلا حرفے زیادہ
بر اندامش فتد گر پرتو ماہ	نزاکت سازدش در خواب آگاہ
بفرقش گل کند گر سایہ افگنے	قدش خم گردد از بار گرانی
نگاہیں پلسے ازنگیں تند رشے	شگفتہ لالۂ بر پائے سروے

بڑی بیگم نے ایک رئیس با توقیر کے صاحبزادۂ اکبر کے ساتھ اپنی بڑی صاحبزادی کا عقد کرنا چاہا اور اُن کے پیغام کو قبول کر لیا بڑی لڑکی حسن آرا بیچاری ششدر اور حیران و مضطرب کہ یا الٰہی اب میں کیا کروں۔ میاں جو ہونے والے ہیں اُنکی صورت کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی۔ ہمجولیاں مبارک سلامت کہتی ہیں یہاں چلیوں خون خشک ہوا جاتا ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ خدا جانے بد قطع ہے بد وضع ہے۔ پڑھا لکھا ہے۔ یا جاہل ناخواندہ۔ واللہ اعلم خیالات کیسے ہیں۔ یا الٰہی کیا کروں کہاں جاؤں۔ راز دل کس کو سناؤں۔ بولوں تو اڑوس پڑوس کی عورتیں طعنے دیں کہ واہ لڑکی کیا بلائے بیدرماں ہے یہ تو ماں کو کٹھڑے کھڑے گھوڑے پر سے اُتار لے۔ اے ہے ایسی لڑکی نوج کسی کی ہو۔ یہ دیدہ دلیری!! ؎

عجب دردیست جانم را اگر گویم زباں سوزد
دگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

دل ہی دل میں بیچاری کڑھنے لگی۔ اپنی پیاری چھوٹی بہن سے درد دکھ کہتی تھی اور کس سے کہتی وہ بیچاری بھی سُن کر اُداس ہو گئی وہ اٹکھیلیاں سب بھول گئی۔

ایک دن بڑی بیگم جو صبح کو پلنگ سے اُٹھیں تو پٹ سے چھینک پڑی چھینک کا پڑنا تھا کہ انکے پاؤں تلے سے مٹی نکل گئی کلیجہ دھک دھک کرنے لگا ضعیف الاعتقاد تو تھی ہیں سمجھیں کہ فال بد ہو اب سنئے کہ خواہ مخواہ یہ بھی سمجھ بیٹھیں کہ میری بائیں آنکھ پھڑکتی ہو۔ اب کوا بھی بولتا ہو تو ماتھا ٹھنکتا ہو کہ فال بد ہو۔ تیور آنے لگے۔ بڑی بیگم کی تو یہ کیفیت تھی۔ اب حسن آرا کا ذکر سنئے کہ وہ اور اُسکی چھوٹی پیاری بہن سپہر آرا شہ نشین میں فرش مکلف پر بصد شان دلبری بیٹھی ہوئی اخبار پڑھ رہی تھیں پڑھتے پڑھتے کیا دیکھتی ہیں کہ ایک مضمون کی یہ سرخی ہو (شریر لڑکا) کیا! شریر لڑکا۔ آؤ اسکو پڑھیں۔ دیکھیں کس شریر لڑکے کا حال ہے۔

شریر لڑکا

کم سن لڑکوں کو تو حکما اور علما اخوان الشیاطین کہتے ہی آئے ہیں لیکن جس شریر لڑکے کا ہم ذکر کرتے ہیں وہ شرارت میں شیطان کے بھی چچا ہیں۔ ان نالائق کی حرکتیں اب اس لائق نہیں کہ ہم اُنسے اغماض کریں بلکہ ہم بحیثیت وقائع نگاری فرض ہو کہ اُن کو طشت ازبام کریں تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور شریف بزرگوار ایسے بد وضع لڑکے کی صحبت میں اپنے صاحبزادوں کو نہ بٹھائیں بلکہ اس سے احتراز و اجتناب کریں۔ یہ شریر لڑکا اسکول میں پڑھنے جاتا ہو۔ مگر گنڈے دار پڑھائی۔ دو دن گئے چار دن غائب تین گھنٹے درجے میں بیٹھے رہے اور بس بھاگ کھڑے ہوے۔ پتا ہی نہیں گھر سے دس دس دن غائب غلہ کنودوں میں باقس پڑ پڑ گئے مگر وہ چانڈو خانے سے نہ نکلے نہ نکلے اور اگر برآمد بھی ہوئے تو حوا خانے پہونچے مدرسے میں کُل طلبا

اُن سے نالاں۔ کسی پر دھپ جمائی کسی کو ڈھول لگائی کسی کی
کتاب کو پھاڑ پھوڑ کر پھینک دیا۔ کسی کی سلیٹ کو توڑ ڈالا کسی کے
قلم کو پاؤں سے کچل دیا۔ کسی کے کپڑے چاک کر ڈالے۔ ماسٹر روز
بنچ پر کھڑا کرا دیتے تھے اور سزائے سخت دیتے تھے مگر وہ چکنا گھڑا پانی
کی بوند پڑی اور ترسے زمین پر۔ دو دفعہ قید بھی رہ چکا۔ مگر بیحیا
باک بیباک۔ اور افسوس تو یہ ہے کہ ذات شریف ایک رئیس
کے صاحبزادے ہیں۔ خوب نام روشن کیا۔ افسوس صد افسوس
اسکول میں کئی بار لڑکوں کی کتابیں بھی چرائیں اور قلم اور
پنسل کے تو انسے بڑھ کر چور دیکھے نہ سنے درجے بھر میں قلم بچنے
ہی نہیں پاتا۔ لاحول ولا قوۃ۔ یہاں تک تو خیر خیریت تھی۔
اس سے بڑھ کر یہ شرارت کی پرسوں شب کو ایک مہاجن کے
یہاں کودے اور کوٹھری کے قفل کو توڑ کر اندر گھسنے لگے۔
اتنے میں اُس مہاجن کی چار دہ سالہ لڑکی نے جو آہٹ پائی تو
کلبلا کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور ڈرتے ڈرتے اپنی ماں کو جگایا۔ اماں۔
اماں۔ او اماں۔ ذری جاگو تو بلی نے تیل کا گھڑا گرا دیا بھشت
بھشت۔ بل بل۔ اُسکی ماں گڑبڑا کر جو اُٹھی تو حضرت کو
کوٹھری کے باہر ایک چارپائی کے نیچے دبک رہے اُس نے
اپنے لڑکے کو جگایا۔ وہ ڈنڈ پیل جوان خم ٹھونک کے ایک مرتبہ
دھم سے چارپائی پر سے کودا۔ چور کے پاؤں کتنے۔ چارپائی کے
نیچے سے گھبرا کر نکلا۔ مہاجن کا لڑکا بھی اُسکی طرف جھپٹ ہی تو پڑا
اُسکا جھپٹنا تھا کہ وہ ذات شریف ہاؤ ہاؤ کر کے اُسکو ڈرانے لگے
چھری کٹار نے والے۔ اور طرّہ اسپر یہ کہ ڈنڈ پیل جوان خاصے
پہلوان۔ ایک تو کڑوا کریلا دوسرے چڑھا نیم اُنکو تاب کہاں جاتے
ہی چمٹ گئے دونوں میں خوب کھینچا تانی ہوئیں۔ آخر کار
مہاجن کے لڑکے نے اُنکو اُٹھا کر دے مارا۔ اتنے میں اس کمبخت
لڑکے نے کمر سے چھری نکالی اور بھونک دی بیچارے کی آنتیں
نکل پڑیں۔ اُسکی ماں نے سر پیٹنا اور چلانا شروع کیا۔ پڑوسی
اور خدمتگار باری اور کہار پاسی اور برقنداز فوراً دوڑ پڑے
اور صاحب زادے صاحب کو ہاتھوں ہاتھ گرفتار کر لیا خاکسار اڈیٹر
کو یہ بات لکھتے ہی بے اختیار رونا آتا ہے کہ مہاجن کا لڑکا
دو دن کے بعد جاں بحق تسلیم ہوا اور وہ رئیس زادہ جو چوری
کرنے گیا تھا اب حوالات میں ہے اور ضرور پھانسی پائے گا۔
افسوس صد افسوس کہ اس رئیس زادے کی شادی ایک تربیت
یافتہ اور حسین رئیس زادی کے ساتھ قرار پائی تھی جس کا
نام حسن آرا ہے۔

یہ پڑھ کر حسن آرا آٹھ آٹھ آنسو رونے لگی اُسکی پیاری
چھوٹی بہن گلے سے چمٹ گئی اور اُسکی بہت کچھ تشفی کر کے اخبار
اپنی بوڑھی ماں کے پاس لے گئی اور روتے روتے بصد حسرت
و حرماں کہا کہ اماں جان دیکھیے کیا غضب ہو گیا تھا آپ نے
بے دیکھے بھالے بے سمجھے بوجھے شادی منظور کر لی تھی۔ اسکے
بعد اخبار کا کل مضمون از سرتاپا پڑھکر سنا دیا۔ اُنکی اماں روتے
روتے بولیں کہ بیٹا آج تڑکے جب میں پلنگ سے اُٹھی تو پٹ
سے کسی نے چھینکا۔ اور میری بائیں آنکھ بھی پھڑکنے لگی ہے ہے۔
اُسی دم پاؤں تلے سے مٹی نکل گئی۔ میں تو سمجھی ہی تھی بابا کہ
آج کچھ سنائی سنیں گے چلا اللہ نے بڑی خیر کی حسن آرا کو
میری طرف سے چھاتی سے لگاؤ اور کہدو کہ جو شریف زادہ
تم کو پسند ہو اس کے ساتھ نکاح کر دوں گی۔ مگر پڑھا لکھا
ہو عالی خاندان ہو۔ دس آدمی اچھا کہیں گو اس بات پر
اکثر آدمی ہم کو ہنسیں گے۔ مگر تم سوائے حسن آرا کے اور
کسی سے ذکر نہ کرنا۔

خاتون مہ لقا حسن آرا کی پیاری بہن سپہر آرا اپنی بوڑھی ماں کے پاس سے آئی تو باچھیں کھلی ہوئیں۔ ہنسی ضبط نہیں ہو سکتی آنکھوں سے خوشی برستی ہے۔ کلیجہ گز بھر کا۔ گویا قارون کا خزانہ مل گیا۔ آتے ہی بڑی بہن سے چمٹ گئی اور کہا لو بہن مبارک پیاری بہن مبارک ہو۔ لو اب تو منہ مانگی مراد پائی۔ دلی تمنا بر آئی۔ اب اُداس کیوں بیٹھی ہو اچھی بہن ذری مسکرا دو میری خاطر سے (گلے سے چمٹ کر) میں صدقے نہ ہنسے تو ہماری بھتی کھائے۔ ہکو روئے آخرش اب رنج کاہے کا۔ اللہ سوں وہ خوش خبری سناؤں کہ جی خوش ہو جائے۔

حسن آرا۔ اے ہے تو کچھ کہو گی بھی۔ یہاں کیا جانے اسوقت کس غم میں بیٹھے ہیں۔ انھیں دل لگیاں سوجھتی ہیں۔ یہ خوشی کا کون موقع ہے بہن۔ تم نے تو اللہ کلیجہ پیپ کر دیا۔

سپہر آرا۔ اے واہ یوں ہم بتا چکے۔ بلا مٹھائی لیے نہ بتائیں گے بات یہ ہے کہ میں نے اماں جان کو جا کر سب مضمون سارا کا سارا سنا دیا وہ بھی اُداس ہو گئیں اور کہنے لگیں کہ دیکھا آج سویرے سویرے میری بائیں آنکھ پھڑکتی تھی۔ سو یہ سنائی سننے میں آئی تب تو میں نے کہا کہ اماں جان اسکو آپ سنائی سمجھتی ہیں شکر نہیں بھیجتیں کہ لڑکی اتنی بڑی بلا سے بچی۔ نہیں جانے کیا کچھ ہو جاتا۔ اللہ نے بڑی آبرو رکھ لی۔ ہے ہے۔ غضب خدا کا آپنے تو اندھے کنوئیں میں لڑکی کو ڈھکیل دیا تھا۔ مگر خدا بڑا کارساز ہے۔ آپ تو آج گھی کے چراغ مسجد میں جلائیں کہ بڑی آئی ہوئی ٹل گئی۔ کیا جانے کس کا دیا آڑے آیا۔ اُف میں جب سوچتی ہوں تو میرے تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ سو بہن پیاری اماں یہ سنکر بولیں کہ اب میں نے حسن آرا کو اُن کے فعل کا مختار کر دیا۔ جس کے ساتھ جی چاہے شادی کریں اُنکی پسند پر ہے۔ میں اب دخل نہ دوں گی۔ گر شریف زادہ ہو اور عالی خاندان میں نے جھک کر سلام کیا اور کہا کہ اماں جان اپنے قول پر رہیئے گا۔ اُنھوں نے چھوٹتے ہی میری اور تمھاری دونوں کی قسم کھائی کہ اپنے اپنے نکاح کا تم دونوں کو اختیار ہے لیکن شریف زادہ ضرور ہو۔ خاندان کا نام نہ ڈبونا۔ پسند تمھاری منظوری ہماری۔ جس کو تم پسند کرو بشرطیکہ ہم بھی منظور کر لیں اُسی کے ساتھ نکاح ہو مگر باجی خبردار کسی سے ذکر نہ کرنا کوئی مرد حسین تمھارے واسطے تجویز کریں گے۔

حسن آرا۔ (مسکرا کر) یہ کیوں۔ حسن تو عورتوں کیلئے زیبا ہے مردوں کو اس سے کیا کام۔ ہاں سخن سنج ہو۔ سخنداں ہو۔ سخنور ہو۔ خاندان کا اچھا ہو۔ بد قطع چیچک رو کالا کلوٹا نہ ہو۔ بس۔

سپہر آرا۔ بس دس میں نہیں جانتی۔ آپ اتنا یاد رکھئے گا کہ جو دولھا بھائی کالے بھجنگا ہوئے تو ہم سے نہ بنے گی۔ اللہ نے حسن کو بڑا رتبہ بخشا ہے۔ آدمی آدمی انتر۔ کوئی ہیرا کوئی کنکر اور پھر تمھارا یہ چاند سا مکھڑا۔ کیا چاند میں گہن لگاؤ گی۔ لوگ نہ کہیں گے کہ بی بی کا یہ حسن گلوسوز (سالی کا یہ نور عالم افروز) اور میاں کالے بھجنگا ہبنتے کا روز۔

حسن آرا (ہنس کر) اے تو سوت نہ کپاس کوری سے لٹھم لٹھا۔ خاطر جمع رکھو مجھے اس کا خود خیال ہے۔ مگر بات وہ کرنی چاہیئے کہ پاس پڑوس کی عورتیں ہمجولیاں طعنے نہ دیں۔

اتنے میں پیر بخش بڈھے نے آواز دی بیٹا کہاں ہو میں بھی آؤں۔

سپہر آرا۔ آؤ آؤ تمھاری ہی تو کسر تھی۔ بلا آؤ۔ آج سویرے سویرے کہاں تھے۔ شام کو ہم بگڑے۔ پر ضرور ہوا

کھائیں گے۔ مگر شکر خدا یہ ہے کہ جو مطلع صاف رہا تو اور جو آج پھر گھٹا چھائی تو بندی نہ جانے کی دکانوں پر ہاتھ رکھ کر (حاشا میں نہ جانے کی۔ کل تو بجرا ایسا ڈانواں ڈول ہوتا تھا کہ میں سمجھی اب ڈوبی اور اب ڈوبی۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ جیسے تنکا بہا چلا جاتا ہو میں انکا مُنھ تاکتی تھی یہ میرا اُف کلیجہ دھک دھک کرتا تھا اور پانی بلّیوں اُچھلتا تھا۔

حسن آرا۔ اُسوقت تو میری جان پر بن آئی تھی۔ یا رب بخیر گذشت۔

پیر بخش۔ تم سے کچھ کہنا ہے بیٹا۔ دیکھو تم ہماری پوتیوں سے بھی چھوٹی ہو تم دونوں کو میں نے گودیوں کھلایا ہے۔ اور تمھاری اماں ہمارے سامنے بیاہ آئی ہیں۔ تمھارے ابا کو خدا بخشے اُن تک کو تو میں نے پالا تھا۔ مگر بہ نام اللہ کا میں تو تمھارے دادا کے یہاں داروغہ تھا۔ ملّاجی تو شوقیہ سیکھی کچھ میرا پیشہ تو ہے نہیں۔ تم دونوں کو میں اپنے فرزند سے زیادہ چاہتا ہوں جو میں کہوں اُسے کان دھر کے سُننا تمھارے بھلے کو کہتا ہوں سُنو تم اب سیانی ہوئیں اب تمھاری شادی کی ہمیں فکر ہے پہلے تم سے مشورہ کر لوں پھر بیگم صاحب سے عرض کروں یوں تو کوئی لڑکی آج تک بن بیاہی رہی ہی نہیں لیکن دولھا اُن ہی لڑکیوں کو اچھا ملتا ہے جو خوش قسمت ہیں تمھاری ماں کو پردے کا کچھ کچھ خیال ہو۔ ہاں اور اُمور میں پُرانی ہی لکیر کی فقیر ہیں۔ وہی دقیانوسی خیالات مگر یہ میرا ذمہ کہ جس شریف کو تم پسند کرو۔ اُس کو وہ بھی منظور کر لیں گی۔ اور تم بھی نام خدا سیانی اور فہمیدہ ہو تمھاری پسند کچھ ایسی ویسی تھوڑا ہی ہوگی۔ آج کل یہاں ایک جوان نوخیز وارد ہوئے ہیں۔ صورت شہزادوں کی سی۔ سیرت فرشتوں کی سی۔ وضع بھلے مانسوں کی سی مگر بانکپن لیے ہوئے۔ حسن کا یہ عالم کہ انسان گھنٹوں گھورا کرے۔ بدن چھریرا مگر گیلا۔ مسیں بھیگتی ہیں۔ داڑھی مونچھ کا نام نہیں۔ ابھی اُٹھتی جوانی ہو اور طبیعت وہ نور کی پائی ہے کہ اہو ہو ہو۔ شعر گوئی میں برق۔ بول چال روزمرّہ اُنکا حصہ ہو۔ علم و فضل میں یکتا۔ خوشنویسی میں دوسرے یاقوت رقم خاں۔ تصویر ایسی کھینچیں کہ نقل کو اصل کر دکھائیں بانک پٹے کشتی بنوٹ میں نظیر نہیں رکھتے۔ نثر نثرہ نثار۔ شعر شعری شعار۔ غرض کہ القصہ اوصاف حمیدہ جناب باری نے اُس جوان نوخیز کی رگ رگ میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں کہ شاید ایک متنفس میں تو اتنے اوصاف نہ ہوں گے عالی خاندانی چہرے سے برستی ہے۔ خدا ایسا کرتا کہ حسن آرا کے ساتھ اُنکا نکاح ہوتا تو خوب بات تھی۔ تم دیکھ لو جو تم کو پسند ہو تو تمھاری ماں سے ذکر کروں نہیں تو کہکر بات گنوانے سے فائدہ! ہاں خوب یاد آیا یہ وہی جوان ہے جو بجرے کے ساتھ تم کو دیکھتا ہوا باغ میں جا رہا تھا۔ سمجھیں۔ یاد آیا۔

حسن آرا۔ (آنکھیں نیچی کر کے) وہاں تو بہت سے آدمی تھے۔ کیا جانے کس کو کہتے ہو۔ چلو خیر ہے دیکھے کوئی کیا کہے۔

سپہر آرا۔ مطلب یہ کہ دکھا دو۔ بھلا دیکھیں تو ہیں کیسے آپ نے تو تعریف کے پُل ہی باندھ دیے۔ خوبصورت اور تربیت یافتہ اور عالی خانداں اور کم سن ہوں اور چاہے کوئی صفت ہو یا نہ ہو تو چشم ما روشن ورنہ بخیر۔

پیر بخش۔ بابا جب دیکھو گی تو خدا کا شکریہ ادا کرو گی کہ ایسی پیاری پیاری صورت دکھائی۔ ایسے جوان ہم نے تو آجتک کبھی دیکھے بھی نہ تھے۔ وہ نور ہو کہ نظر نہیں ٹھہرتی۔ نظر کا پاؤں پھسلا جاتا ہو اور تربیت یافتگی تو اُنکی تقریر ہی سے ظاہر ہے قسم ہے خدا کی جو بات کرے ریجھ جائے اور ابھی مسیں بھیگتی ہیں۔ ابھی سن اُن کا کیا ہو۔ حسن آرا کا اگر ان کے ساتھ نکاح ہو تو اُن کی خوش نصیبی۔ ہم تو تم کو اپنی لڑکیاں سمجھتے ہیں۔ تمھارے باپ ہم کو دادا کہا کرتے تھے۔ تمھارے دادا البتہ ہمارے ہم سن تھے۔

سپہر آرا۔ یہ تو تم تب کہو جب کوئی تمھارا کہنا مانے۔ اچھا پھر ان کو کب دکھاؤ گے اور وہ یہاں آنے کیوں لگے۔ بھلا ہم کسی کے مکان پر جایا نہ جاہیں۔ چلو بس دیکھ چکے ٹائیں ٹائیں فش۔

حسن آرا۔ ہم بتائیں جب ہم بجروں پر ہوا کھانے چلیں تو وہ بھی کسی ترکیب سے وہاں ہوں۔ بجرے پر تو ہم آنے نہ دینگے مگر وہ کنارے پر کھڑے رہیں۔ ہم اُن کو بخوبی دیکھ لیں گے تو اُن سے کہیں اور پھر اُنکو مکان پر بلوائیں اور باتوں باتوں میں اُن کا امتحان لیں دیکھیں تو پڑھے کتنا ہیں جو اچھی تعلیم نہ پائی ہو گی۔ تو ہماری نظروں سے گر جائیں گے۔ جو میاں اور بیوی دونوں تعلیم یافتہ ہوں تو خوب ہی مزے سے کٹے ہیں سنے تو دل میں ٹھان لی ہو کہ تو عمر بھر بن بیاہی رہوں گی یا اگر شادی کرونگی تو کسی ایسے کے ساتھ جو زیور علم و فضل سے متحلّی ہو اور حسین بھی ضرور ہو۔ وہ میاں کیا جو الف کے نام بے نہ جانتے ہوں جنکو میں خود برسوں پڑھانے کا دم بھروں مجھے تو مرجانے کے برابر ہے کہ میاں بالکل جاہل گنوار ہیں اور ایک مجھیر کیا فرض ہو جو پڑھی لکھی ہو گی وہ پڑھتے لکھے ہی کو چاہے گی۔ ہاں جو رکھو عورتیں چاہے اسکی فکر نہ کریں مگر ہمیں تو شاق گذرے لُطف یہ ہو کہ میاں کتاب پڑھ رہے ہیں بیوی مزے مزے سے سُن رہی ہیں بیوی نے پڑھا کبھی میاں کو سنایا۔ کبھی اخلاق کی بحث ہو رہی ہو کبھی شعر و شاعری کا چرچا ہو۔ کبھی کوئی دلچسپ قصہ پڑھا جا رہے ہیں۔ مذاق کی باتوں پر میاں بیوی دونوں کے دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ یہ انکو صلاح نیک دیں وہ اُنکو مشورہ دیں۔ ان پڑھ لاکھ ذکی ہو پھر جاہل ہو۔ عورت جبتک خواندہ نہیں کوئی صلاح معقول نہیں دے سکتی۔ وہ تو ہزار باتوں کی ایک بات کہدیگی کہ ہیں مورکھ جاہل یہ باتیں کیا جانوں بھلا میری سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ بن پڑھی بیوی سے تربیت یافتہ خوش کیونکر رہتے ہیں۔ مگر ہاں اُن کو یہ دُھارس ضرور ہوتی ہو گی کہ کریں کیا۔ تمام ہندوستان میں اگر مشعل لے کر ڈھونڈھیں تو بھی خواندہ اور تربیت یافتہ عورتیں شاید دو ہی چار ملیں گی۔ ہم نے دو ہی چار کا نام سُنا ہے۔ ایک راما بائی۔ دوسری چندر مکھی۔ اور دو چار ہوں گی اللہ اللہ خیر صلاح۔

حسن آرا یہ گفتگو کر ہی چکی تھیں کہ پیر مرد نے کہا تم ٹھہرو میں ابھی ابھی آتا ہوں۔ اور خدا نے چاہا تو آج ہی سب معاملہ ٹھیک ہو جائیگا۔ اب دیر اچھی نہیں۔ کسی تدبیر سے میں تم کو دکھا دیتا ہوں۔ اُنسے رخصت ہو کر پیر مرد باہر گئے اور انتظار میں کھڑے ٹہل رہے تھے کہ میاں آزاد اب آئیں اور اب آئیں۔

اور اُنکی کیفیت سنئے کہ ظرّاف کے ہاتھ میں ہاتھ دیے ہوئے جہاں جہاں چلے آتے ہیں۔ چو طرفہ اُودی گھٹائیں اور ٹھنڈی ہوائیں۔ ہر سمت بہار اور لالہ زار اور طرف چمن غالیہ بار اور میدان بھر میں میاں آزاد۔ اور اُن کے یار میٹھی میٹھی باتیں

ہوتی جاتی تھیں۔

ظرافت۔ اب گھبراہٹ کیا ہے میاں اب تو کوئے دلدار سامنے ہے۔

آزاد۔ سُنا نہیں۔ ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک	آتش شوق تیز تر گردد

ایک ایک قدم اسوقت ایک ایک منزل ہو۔ چلنا دوبھر ہو گیا بس یہی شوق ہو کہ پر لگا لیتا اور اُڑ جاتا۔ اور پھدک کر اُس ایوان کیواں نشان پر ہو رہتا جو اسوقت دھوپ نکل آئے تو موت ہی کا سامنا ہو۔

ظرافت۔ یار تمھاری وحشت سے ہم بہت ہی گھبراتے ہیں گر واسطے خدا کے وہاں وحشت کی نہ لینا۔ ورنہ کی کرائی محنت سب خاک میں مل جائے گی۔ ذرا آدمیت کے زمرے سے خارج نہ ہو جائیے گا۔

اتنے میں سامنے سے آٹھ دس گدھے آرہے تھے اور گدھے والا تڑا تڑ کوڑے اُن سب پر پھٹکار رہا تھا۔ میاں آزاد نے کہا کیوں بھئی آخر ان گدھوں نے تمھارا بگاڑا کیا ہو جو پیٹتے جاتے ہو۔ واہ واہ بیچارے جاتے ہیں اور تو خواہ مخواہ اُن کو اس بیرحمی سے ٹھونکتا جاتا ہو آخر کچھ خدا کا بھی خوف ہو یا نہیں۔ گدھے والے نے اسکا تو کچھ جواب نہ دیا اور گدھے ایک اور جمائی تب تو میاں آزاد آگ ہو گئے اور اُنھوں نے بڑھ کر ایک ڈگ جمایا اور پھر دوسرا دیا اور پھر تیسرا اور دے گا نامعقول۔ ابے آخر تیرے نزدیک ان میں جان ہی نہیں ہے اگر نہ چلتے تو ہم کہتے کہ بھئی خیر یوں بھی سہی۔ خاصے جا رہے ہیں کھٹا کھٹ اور آپ پیٹ رہے ہیں۔

ظرافت۔ بس اسی کو تو وحشت کہتے ہیں۔ کوئی پوچھے آپ کون آخر۔ آپ کو کسی فعل سے کیا واسطہ۔ آپ کوئی قاضی ہیں کوتوال ہیں مفتی ہیں۔ اُسکے گدھے ہیں وہ جو چاہتا ہو کرتا ہے آپ بیچ میں بولنے والے کون۔ آخر کوئی وجہ بھی تو ہو۔ کہنے لگے گدھوں کو کیوں پیٹا۔ اُس نے خوب کیا آپ بولنے والے کون۔

آزاد۔ بھئی پھر جو ہو ہم سے تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کسی بے زبان زیر دست کو کوئی ظالم زبردست دق کرے اور ہم ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے مضمون پر عمل کریں۔

کوئی دس ہی قدم آگے بڑھے ہوں گے کہ دیکھا ایک چڑیمار چنگ لے لاسا کمپے میں لگائے جانوروں کے فریب دینے کو ٹٹی پر بیچے جمائے جال لٹکائے ہوئے جانوروں کو پکڑتا پھرتا تھا ایک دفعہ ہی ایک طوطا پھنسا تو چڑیمار نے حسب معمول بڑی بیدردی سے اُسکو جھولے میں ڈالا۔ میاں آزاد آگ بھبھوکا ہو گئے اور غل مچا کر للکارا کہ او چڑیمار چھوڑ دے اس طوطے کو۔ ابھی چھوڑ ابھی ابھی چھوڑ۔ چھوڑتا ہو یا میں آؤں چڑیمار ہکا بکا۔ کہ یا الٰہی میں کروں تو کیا کروں۔ یہ تو عجب وحشی آئے۔ اُسنے کہا صاحب یہ تو ہمارا پیشہ ہو آخر اُسکو چھوڑ دیں تو کریں پھر کیا۔ آپ بولے کہ بھیک مانگ مزدوری کر۔ مگر یہ چھوڑ دے۔ تب تو میاں ظرافت اور بھی بگڑے۔ لاحول ولا قوۃ۔ آخر آپ کوئی خدائی فوجدار ہیں آپ ہیں کون کیسے وہاں اُس گدھے والے سے لڑ پڑے یہاں چڑیمار کی شامت آئی۔ ایسا تو مزاج ہم نے کسی کا دیکھا ہی نہیں۔ آج تک۔ جس سے دیکھو لڑنے پر آمادہ خم ٹھونک کے کشتی کے لیے موجود۔ میاں آزاد نے جھپٹ کر جھولا دو لاکھا دیا جال دال سب چھین چھان لیا اور جھولے کو جو کھولا تو چار جانور سب پھر سے اُڑ گئے۔ ایک شرق

دوسرا مغرب ۔ تیسرا شمال ۔ چوتھا جنوب کی سمت پھُر پھُر ۔ جانوروں نے جو قید سے آزادی پائی تو جنگل کی خوب ہوا کھائی مگر چڑیمار کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا کہ اتنی دیر دوڑ دھوپ کرکے چند جانور ملے تھے وہ یوں گئے ۔ میاں آزاد کو صرف اتنے ہی پر قناعت کہاں ۔ کپے کو کھٹ سے کاٹ کوٹ کے پھینکا ۔ جال کو بھی نوچ ناچ کے برابر کیا چڑیمار قہر درویش بر جان درویش ۔ کہکر چپ ہو رہا ۔ لیکن میاں ظرّاف کا چہرہ مارے غصہ کے سُرخ ۔ آزاد نے جیب سے نکال کر دس روپئے چڑیمار کو دیے اور بڑی دیر تک فہمایش کی ۔

آزاد ۔ کیوں قبلہ اب تو منزل مقصود قریب ہے ۔

ظرّاف ۔ قریب دریب میں نہیں جانتا ۔ آپکا دماغ صحیح نہیں ہے ہماری تو یہی رائے ہے کہ آپ کسی طبیب حاذق سے رجوع لائیں ۔

آزاد ۔ بھائی تم سمجھتے ہی نہیں کہ میرا اصل مطلب کیا ہی ۔

ظرّاف ۔ بس قبلہ اپنا مطلب آپ رہنے دیجئے ۔ سلام ۔

آزاد ۔ سُنئے تو سُنئے تو کہاں چلے کہاں ۔ خدا کا واسطہ جو آگے بڑھے ۔

ظرّاف ۔ آپ کو شاید جو اور کھٹکا ہو تو مطمئن رہئے گا ۔

آزاد ۔ اجی لاحول ولا قوۃ ۔ ۵

قرار در کف آزادگاں نگیرد مال
نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

لے اب غصے کو تھوک دیجئے اور چلئے ہمارے ساتھ ۔

ظرّاف ۔ اب تو راستے میں نہ لڑ پڑیے گا ۔

آزاد ۔ کیا مجال ۔

الغرض میاں آزاد اور ظرّاف چلے ۔ چلے تو دیکھتے کیا ہیں راہ میں ایک گاڑیبان بیل کی دُم اینٹھ رہا ہی ۔ آزاد نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک دفعہ ہی للکارا کہ او گاڑیبان خبردار جو آج سے بیل کی دُم اینٹھی ظرّاف نے غل مچایا کہ کیوں صاحب پھر وہی کیوں صاحب اتنے جلد قول و قرار بھول گئے ۔ یہاں میاں آزاد چپ چاپ چلنے لگے ۔ تھوڑی دیر میں دونوں اُس ایوان کے قریب پہونچے ۔

یہ نرالا امتحان ہی

دلدادۂ جمال جانانہ میاں آزاد موزوں ترانہ اپنے شفیق رفیق اور خلیل بالتحقیق میاں ظرّاف کے ساتھ اُس ایوان سعادت توامان کے قریب جھاں جھاں اور خراماں خراماں جانے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ملّاح ملیح یعنی وہی پیر مرد وجیہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا سامنے سے آرہا ہے ۔

آزاد ۔ السّلام علیکم ۔

پیر مرد ۔ علیکم السّلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

ظرّاف ۔ مزاج اقدس حضور کا ۔

آزاد ۔ مزاج معلّیٰ ۔

پیر مرد ۔ آپ اپنے مزاج کی کیفیت فرمائیے ۔ میرا مزاج تو آج اوج عیوق پر ہے ۔

آزاد ۔ ہاں تو پھر ہمارا دماغ بھی عالم بالا کی سیر کر رہا ہی ۔ بے پر کی آج اُڑا رہا ہے ۔ آپ کے چہرے سے خوشی برستی ہے ۔ ۵

مرحبا طائر فرخ پی و فرخندہ پیام
خیر مقدم چہ خبر یار کجا راہ کدام

ظرّاف ۔ راہ تو وہ نکالی ہے کہ ہم آپ کے لیے خضر ہو گئے اور یار خواب ناز میں ہے ۔

آزاد ؎ توبخواب نازبودی ومن ازرقیب پنہاں
کفِ پا توبوسہ وادم رفقا شنیدہ باشی

ظرّاف۔ درست تورقیب بندہ ہوا۔

آزاد۔ کہئے پھر کچھ کہئے تو مژدہ سنانے میں اتنی دیر۔

پیرمرد۔ آیئے غریب خانہ تک قدم رنجہ فرمایئے وہ سامنے کلبۂ احزان ہے چل کر بآرام تمام تشریف رکھیئے اور داستان سنیئے فتح ہے فتح۔

آزاد۔ اے وقت توخوش کہ وقت ماخوش کردی۔ خانۂ احسان آباد۔

پیرمرد۔ اے حضرت للہ تشریف رکھیئے۔ میاں ظرّاف صاحب میری خاطر سے آپ ہی یوں آیئے۔ یار و مجھ بوڑھے کا آنا تو کہنا مانو خیر صاحب۔ ؎۔ صدر ہر جا کہ نشیند صدر ست۔ سنیئے بندہ آج صبح کو اُن دونوں کے پاس گیا۔ اور آپ کی اس درجہ تعریف کی کہ پل باندھ دیے۔ اور پھر آپ جانیئے بندہ گو عالم نہیں فاضل نہیں۔ منشی نہیں۔ مولوی نہیں۔ لیکن آخر عُلما اور فضلا اور کملا اور شعرا کی آنکھیں تو دیکھی ہیں بڑے بڑے نکتہ پردازوں اور جادو طرازوں کی صحبت میں باریاب رہا ہوں اس لسانی اور لفاظی سے تقریر کی کہ اب آپ کے جمال باکمال دیکھنے کو نعل درآتش ہیں کئی بار کہہ چکیں کہ صورت تو دکھادو۔ تو حضرت معاملہ تو سب لیس ہے۔ ذرا کسر نہیں۔ لیکن بڑی بڑی پیخ ہے۔ وہ آپکا امتحان لیں گی۔ سوالات کے جوابات آپ کو دینے ہوں گے ہاں یہ بڑی سخت شرط ہے دونوں کی دونوں پرکالۂ آتش ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کچھ پوچھ بیٹھیں اور آپ بغلیں جھانکنے لگیں۔ یہ البتہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے جو لائے ہو اُس سے اطلاع دیجیئے۔ خدا کی قسم اُنھوں نے قسم کھائی ہے کہ جاہل مورکھ ان پڑھ کے ساتھ نکاح نکریں گے نہ کریں گے ہرگز نہ کریں گے آپ سوچ سمجھ لیجئے۔

آزاد ؎ اے خدا قربان احسانت شوم
این چہ احسان ست قربانت شوم

واللہ منھ مانگی مراد پائی۔ جو تمنائے دلی تھی وہ برآئی۔ ایک نہیں ہزار بار امتحان لیں تو کیا پروا ہے۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ ہمیں بھی آپ کوئی گرگھا سمجھے ہیں کیا۔ ہم تو لاکھوں میں امتحان دیں۔ ہمیں منظور ہے۔ بسم اللہ چاہے جو امتحان لے اور اگر وہ خود امتحان لیں تو واللہ روح خوش ہو جائے۔ ازیں چہ بہتر ہمارے جوہر تو کسی طرح اُنپر کھلیں۔ منطق میں فقہ میں ادب میں۔ فلاسفہ میں۔ ریاضی میں ہیأت میں نظم میں۔ نثر میں جس میں چاہیں امتحان لیں۔ بھئی جو نکل جاؤں تو آزاد نہیں۔ عمر بھر آخر کیا کیا کیے۔

ظرّاف۔ بھائی امتحان کا نام بُرا۔ شاید رہ گئے تو پھر۔

آزاد۔ پھر آپ کا سر۔ رہ جانے کی ایک ہی کہی۔ اور امتحان بجے نام سے آپ جیسے گو گھوں کی روح فنا ہوتی ہو یا ہماری۔ خیر آپ چپ چاپ بیٹھے رہیں ہم اپنے سمجھ لیں گے۔

پیرمرد۔ میں جاکر کہدوں کہ وہ آئے ہیں۔ بسم اللہ امتحان لیجئے۔ اُنھیں بسر وچشم منظور ہے۔ لیکن انھوں نے ہم سے کہا تھا کہ ہم بجرے پر سوار ہوں اور اسوقت اُنسے آنکھیں چار ہوں مگر شرط یہ کر دی ہے کہ چاہے بدلی ہو لیکن منھ نہ برستا ہو اور ہوا بہت تیز نہ ہو۔ سو اسوقت بدلی بھی چو طرفہ چھائی ہوئی ہے اور ہوا تو اس زنلکٹے سے چلتی ہے کہ دُبلا پتلا آدمی شاید پتا سنے لگے اچھا آپ بیٹھیں میں آتا ہوں۔

کہیں (تو چل میں آتا ہوں) کے مطابق۔ ہی

عملدر آمد نہ کیجیے گا۔

الغرض پیرمرد رخصت ہوکر اور اجازت لے کر محل میں گئے

حسن آرا۔ کہیے آپ کیا خبر لائے۔ کچھ خوش خوش آرہے ہو۔

پیرمرد۔ وہ آئے ہیں امتحان کا نام سنتے ہی باچھیں کھل گئیں۔ کہیے تو بلالاؤں بیٹی دیکھتے ہی جی نہ خوش ہو جائے تو سہی۔

سپہر آرا۔ نامحرم کا کھٹ سے گھر میں چلا آنا کیسا پہلے اُنسے کہیے کہ چلیے باغ کی سیر کریں۔ روشوں میں اُنکو لیکر ٹہلیے ہم جھروکوں سے دیکھیں تو سہی۔ یہ نہیں کہ ایرا غیرا پچکلیان جو آیا داخل۔ واہ۔

حسن آرا۔ ہاں کہتی تو سچ ہے ابھی بے موقع ہے۔

پیرمرد باہر گئے اور کہا کہ ابھی آرام میں ہیں آئیے تبتک ہم آپ مل کر گلگشت چمن کریں۔ دیکھیے تو باغ میں کیا فضا ہے اور روشوں میں سرخی پر قیامت کا جوبن ہے۔ بھئی چلو باغ میں ٹہلیں۔ ادھر میاں آزاد اور میاں ظرّاف اور پیرمرد باغ کی روشوں میں ٹہلنے لگے اور اُدھر جھروکوں سے اُن دونوں زہرہ جبین نازنین رشک قمر پری پیکر خاتونوں نے دُزدیدہ نگاہ سے دیکھنا شروع کیا۔ میاں آزاد مہر طلعت مہ لقا سبزہ آغاز شوخ و طنّاز حسین و مہ جبین ادبچی بنے ہوئے باغ میں ٹہل رہے تھے۔ دیکھتے ہی پھڑک گئیں۔ بڑی بہن نے تو ضبط کیا مگر چھوٹی سے نہ رہا گیا۔

سپہر آرا۔ اہو ہو ہو۔ کیا رنگیلا چھیل چھبیلا جوان ہے۔ کیا نورانی صورت ہے بہن یہ تو تمھارے ہی لائق ہیں۔ اللہ نے یہ جوڑی اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ میری لو بھی باجی جان ہماری خاطر سے انکے ساتھ بیاہ کرلو میں صدقے گئی مان لو۔

حسن آرا۔ اے واہ کیسی نادان ہو۔ بھلا شادی بیاہ بھی کہیں کسی کی خاطر سے ہوا کرتے ہیں۔ یہ دل کا سودا ہے۔ ہم بے سمجھے بوجھے دل سی پیاری چیز کسی کو نہ دینگے (جھلّا کر) اور پھر ایسی ہی تم گرویدہ ہو تو تم ہی سہی۔

سپہر آرا۔ (گردن نیچی کرکے) بڑی بہن ہو کیا کہوں۔

اُدھر وہ سب سبزہ و لالہ و گل و سنبل کے جوبن لوٹتے تھے اور وہ دونوں گلبدن سیمتن دزدیدہ نگاہ میاں آزاد پر ڈالتی تھیں کہ ایک دفعہ ہی دو سوار سبک خیز اور بلا کے تیز گھوڑوں پر سوار عجب بانکی ادا سے آن موجود ہوے اُنھوں نے میاں آزاد کو اور میاں آزاد نے اُن کو تیکھی چتونوں سے دیکھا۔

آزاد۔ (پیرمرد سے) یہ تو اچھے رقیب پیدا ہوگئے۔ بغلی گھرلنا انکو کسی ترکیب سے ٹال دیجیے۔

پیرمرد۔ یہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ ان دونوں کے منھ سے تو انگارے برستے ہیں فوجی آدمی ہاری مانتے ہیں نہ جیتی۔ گھر میں زمیں زادے یہ بھی اور فوج کے افسر ہیں۔ آپ ادبچی بنے ہوے ہیں۔ آپکی تلوار ہر دم میان سے دو انگل باہر رہتی ہے۔ آج خون ہوتا ہے۔ خدا ہی خیر کرے۔ اگر ایک بھی حلیم مزاج ہو تو بات بن جائے اور جو دونوں کے دونوں محرور المزاج ہوے تو پھر وہی شعر صادق آتا ہے۔

دگر در ہر دو جانب جاہلانند
اگر زنجیر باشد بگسلانند

ایک کام کیجیے آپ کا اور اُنکا سب کا امتحان لیا جائے۔ جو اول رہے اُسی کے نام فتح ہے۔ سچ کہیے گا کیا فیصلہ کیا ہے۔

آزاد۔ منظور۔

پیرمرد نے محل میں جاکر حسن آرا اور سپہر آرا سے کہا کہ وہ دونوں گبھرو جوان بھی سامنے گھوڑوں پر سوار کھڑے ہیں۔ ہم میاں آزاد

اُنکو اور وہ اُنکو قہر کی نگاہ سے دیکھنے لگے تو میں نے یوں فیصلہ کیا کہ تم سب کا امتحان لیا جائے دیکھیں کس کا ستارہ چمکتا ہے قسمت آزمائی ہے اُنھوں نے میرے اس مشورے کو پسند کیا مگر سپہر آرا سوچ کر بولیں نہیں بہن۔ آزاد ہی کے ساتھ بیاہ رچے تو کیا بات ہے۔ خیر۔ پیر مرد خوش خوش باہر گئے اور ان دونوں جوانان رُوئیں تن سے یوں گفتگو کی۔

پیر مرد۔ اُترو بھیّا گھوڑوں کو سائیس کے سپرد کر دو آؤ بیٹھو۔

الا اللہ کہکر وہ دونوں دھم سے آ بیٹھے تو پیر مرد نے کہا سنو بھائی ان دونوں مہ وشان جاہ و جلال پہ اگر آپکا دل آیا ہے تو ہم ایک سہل سی تدبیر بتا دیں یہ بے سمجھے بوجھے بیاہ نکر لینگی اتنا سننا تھا کہ ایک کڑک کر بولا کیا کہا۔ دوسرے نے کہا داغ دے دھواں اُس پار ہو۔ پیر مرد کے ہوش پرّاں کر پرے چپکے آہستہ سے کہا کہ وہ امتحان لینے کو کہتی ہیں۔ امتحان چہ معنی دارد سٹھیا گیا ہے بڈھے کیا۔ ارے ترے کہاں کی نکالی نامعقول۔ اجی حضور وہ علم و فضل میں امتحان لینگی کیا؟ علم و فضل ہم کیا کچھ مکتب خانے کے لونڈے ہیں۔ ہمارا علم ہماری تلوار (سڑاپ سے میان سے باہر نکال کر یہ چمکتی دمکتی تلوار دوسرے یہ تلوار (تڑ سے میان سے باہر تھی) اب پیر مرد ہکّا بکّا کہ بات کرتے ہی تلواریں اُگل پڑیں۔ خدا ہی خیر کرے بھئی اچھے اچھلوں سے سابقہ پڑا ہے۔ بولے کہ آپ امتحان دینگے یا نہ دیں گے ایک نے کہا دیں گے دوسرے نے کہا پہلے تیرا سر کاٹ لینگے تب۔ تو پیر مرد بھی کسیقدر تیز ہوئے۔ بس میاں بس بہت بانکپن کی نہ لو۔ میرے پوتے کے برابر ہو اور مجھی کو للکارتے ہو اور تلوار دکھاتے ہو بڈھوں کے منہ لگتے ہو (دانتوں کے تلے انگلی دبا کر) توبہ توبہ بانکپن کے یہ معنی نہیں کہ بڈھوں پر تیز ہو یہاں منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت ہم تو اب حلوا کھانے کے کام کے ہیں۔ لڑنے بھڑنے کا زمانہ اب کہاں رہا۔ ایک جوان نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ معاف کیجئے گا۔ دوسرے نے قدموں پر ٹوپی رکھی کہ قصور ہوا خیر اب اصل حال اور کل داستان کا لُب لباب سنئے۔ کہ حسن آرا سپہر آرا سولہ سنگار کرکے ایک پر تکلف کمرے میں جلوہ گر ہوئیں اور میاں آزاد کو وہاں بلوایا۔ یہ مژدۂ روح افزا سنتے ہی میاں آزاد کے رخسار تاباں پر فرط طرب سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے قدم بڑھاتے ہوئے کمرے میں پہونچے تو دیکھتے کیا ہیں کہ کمرہ دلہن کی طرح سجا ہوا ہے مشک و عنبر کی چو طرفہ خوشبو آتی ہے۔ جو شے ہے بے بہا۔ جو چیز ہے دلربا۔ فرش مکلّف کرسیاں رنگین در و دیوار غیرت آگین۔ ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

سامنے جو نظر کرتے ہیں تو ایک زرنگار اور پربہار پردہ پڑا ہے اور وہ دونوں خواتین ملائک نظر فریب مہ لقا اور جادو نگاہ رنگین ادا متمکن ہیں مگر پردہ حائل۔ نور نظر سے غائب تب تو میاں آزاد بے اختیار بلحن داؤدی کہہ اُٹھے۔ ؎

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

طالب نظارہ ام پردہ برافگن ز رُخ
پیش صف بیاستاں شعبدہ بازی مکن

حسن آرا۔ مزاج شریف۔

آزاد ؎
حسن تو ہمیشہ در فزون باد
رویت ہمہ سال لالہ گون باد

حسن آرا۔ یا الٰہی دیوان کے دیوان نوک زبان میں ہیں۔ میں مزاج شریف پوچھتی تھی۔

آزاد۔

خجالت آفتاب ہر نظر باد
زخوبی روئے خوبت خوبتر باد

سپہر آرا۔ کوئی فی البدیہہ شعر سنائیے۔

آزاد۔

کے شعر ترانگیزد خاطر کہ حزیں باشد
یک نقطہ دریں معنی گفتیم ذہیں باشد

حضرت اب تاب گفتگو نہیں روح پر صدمہ ہی واسطے خدا کے ہمارا اور رقیب روسیہ کا امتحان لیجیئے۔

الغرض پیر مردان دونوں جوانان طنّاز دسراپا انداز کو بھی لے آئے اور امتحان شروع ہوا۔

حسن آرا۔ اس مصرع کا دوسرا مصرع فرمایئے۔ مگر مطلع ہو۔

شب چو آمد ماہ ما بربام ما

جوان۔

شب چو آمد ماہ ما بربام ما
پر شدہ آز جوہر دل جام ما

آزاد۔ الغلط شراب کو فصحائے نکتہ پرور اور شعرائے ذی ہنر نے جوہر روح باندھا ہے۔ جوہر دل نیا محاورہ ہی۔ لسان الغیب حافظ شیرازی کا شعر ہے۔

بدہ ساقی آن جوہر روح را | دوائے دل ریش مجروح را

دیکھو مصرع یوں لگاتے ہیں۔

شب چو آمد ماہ ما بربام ما
خندہ زد بر صبح روشن شام ما

حسن آرا۔ بارک اللہ۔ ایک بوڑھا اپنی نئی شادی کرنے کی ٹھانے گر لڑکی چھوٹی ہو ۱۲۹۶ سنہ ہجری میں بیاہ قرار پایا مادۂ تاریخ تو اسوقت موزوں کیجئے۔

آزاد۔ پیر نا بالغ
۱۲۹۶

سپہر آرا۔ دیکھوں پیر کے دو اور دس بارہ اور دوسو دوسو بارہ ہوے اور نا کے پچاس اور ایک اکیاون اکیاون اور دوسو بارہ کتنے ہوے دوسو ترسٹھ۔ اور با کے تین دو دو چھیاسٹھ اور لغ کے تیس اور ہزار ایک ہزار تیس اور دوسو چھیاسٹھ بارہ سو چھیانوے ہوے۔

حسن آرا۔ واہ واہ وا۔ سبحان اللہ کیا موزوں طبیعت پائی ہے چشم بد دور کیا ذہن کی رسائی ہو کیا برجستہ تاریخ فرمائی ہی۔ وہ دونوں جوان سخت شرمائے اور گو بڑے کرلے اور طاقت اور فنون سپہ گری میں طاق تھے مگر آزاد پر نظر ڈالی تو انکے حسن اور کس بل اور قد و قامت اور رعنائی کے مقابل میں جھیپ کے چلدیے۔

بیا ساقی کہ فتح ماست امروز | شکست توبہ ہا برخاست امروز
بیا ساقی کہ خلوت خانۂ ما | منور گشت از جانانۂ ما
بدہ جام مے از میخانۂ عشق | کہ بنجود سر کنم افسانۂ عشق

اب میاں آزاد فلک الافلاک پر تھگلی لگا کر لامکان کے پار ہو گئے اور کیوں نہ ہو ایک مہ پارہ شوخ و شنگ رو کش پری رخان فرنگ سے دوچار ہو گئے۔ ادھر آزاد شیفتہ و دیوانہ شمع رخسار آتشیں پر پروانہ ادھر پری خانہ اور جان جانانہ۔ ایک دفعہ ہی بادہ بہاری نے اُس پردۂ زرنگاری کو جو اُٹھایا تو نور کا بکا نظر آیا حسن آرا بحجاب۔ سپہر آرا برافگندہ نقاب۔ دونوں نکھری ہوئیں زلفیں بکھری ہوئی۔ پردہ کا گرنا اور نامحرم پر نظر پڑنا ہی تھا کہ وہ انا البرق کہتی طرارہ بھر کے بدن کو چھپاتی ہوئی وہ ہو رہیں۔ اُسوقت اُن دونوں کا بیتابانہ پھرتی کے ساتھ اُچکنا اور بجلی کی طرح چمکنا میاں آزاد کی آنکھوں میں کھپ گیا سپہر آرا کی تو رگ رگ میں شوخی بھری تھی وہ تو دم کے دم میں چمک دمک کر ایک ہی ذقند میں نظر سے اوجھل ہو گئی مگر حسن آرا کسیقدر

مستعلیق تھیں عمداً ذرا ادھر ملانے لگیں اس بت طناز کو
میاں آزاد خانہ بر انداز نے نظر بھر کر دیکھ لیا۔ سہ

نگارین دختری برقش زہرہ وش
چہ دختر از قیامت دوش بردوش
نہاں در گیسوا و لیلۃ القدر
عیاں از جبہۂ او مطلع الفجر
غزال چشم تکلیف رم ہوش
نگاہ مست صد میخانہ در جوش
دراز از زلف او عمر مسلسل
عیاں از پیچ و تابش مرگ سنبل
لبش با آب حیواں در تکلّم
نمودہ عرض جاں ہا در تبسّم
حنائی پنجہ اش خورشید دلہا
ہلال ناخنش صید تماشا

سپہر آرا۔ اس ہوا کو آگ لگے۔ اس پر بجلی پڑ جائے۔
آزاد۔ اب تو آپ ہوا سے بھی لڑنے لگیں خدا ہی خیر کرے
حسن آرا۔ آپ تو کہئے ہی گا آپ اس کی ہوا خواہی کا دم نہ بھریں گے تو کون بھریگا۔ پردہ اٹھا دیا نہ۔
آزاد ہوا نے در پردہ فہمایش کی کہ بھلے مانسوں سے بھلے مانسوں کو پردہ کیسا۔ سہ

کس کا حجاب کیسی حیا اور کہاں کی شرم
پردہ سے ہاتھ ہاتھ سے پردہ اٹھائیے

حسن آرا۔ ماشاء اللہ ابھی شاید کلیجے میں ٹھنڈک نہیں پڑی بے نقاب تو دیکھ لیا اب اور کیا چاہتے ہو۔ بندہ پرور کچھ تو قناعت چاہئے۔

آزاد سہ
قانع بہ تجلی نشود شایق دیدار
پروانہ بہ مہتاب تسلّی نتواں کرد

حسن آرا۔ صاحب سنئے یہ دل کا سودا ہے دل لگی نہیں ہے تعجیل کار شیطان ہے۔
آزاد۔ در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست۔
ملّاح سنو بھئی آزاد ایسی جلد بازی ہمیں پسند نہیں۔ ذرا التاخیر من الرحمن والتعجیل من الشیطان کے مفہوم پر بھی نظر ڈالئے یا اپنی اماں جان سے تو پوچھ لیں۔ یہ بھی کیا کوئی گڑیا گڈوں کا بیاہ ہے۔

آزاد سہ
منم غریب دیار و توئی غریب نواز
دمے بحال غریب دیار خود پرداز

سپہر آرا (قہقہہ لگا کر)، سائیں اس وقت پھر مانگئے۔ ہاتھ خالی نہیں ہے۔

غرور حسن اجازت مگر نہ داد اے گل
کہ پرسشے بکنی عندلیب شیدا را

ملّاح۔ آپکا عشق اب دائرہ اعتدال سے باہر قدم نکالنے لگا۔

آزاد سہ
فاش می گویم و از گفتۂ خود دل شادم
بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم

ملّاح۔ آج تو آپ جائیں کل تشریف لائیں۔ معاملہ سب ٹھیک ہے لیکن ذرا انکی بوڑھی ماں کو بھی تو اطلاع دیدیں۔ کل اُن کے سامنے ذرا خوب مولویانہ تقریر کیجئے گا اور ایک بات اور دیکھئے تیمور لنگ ہی سے اپنا شجرہ ملائیے گا۔
آزاد۔ واہ یہ بھرّے کسی اپنے کو دیجئے۔ بندہ لنگڑے لولوں کا پوتہ نہ بنے گا۔ گر پدرم سلطاں بود حذر کہونگا اب بندہ رخصت ہوتا ہے لیکن خدا کی قسم عمر بھر شکایت رہے گی کہ مُنھ دکھاتے ہی نظر پھیر لی۔ سہ

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

رخصت۔
سپہر آرا۔ امام ضامن کو سونپا۔
حسن آرا۔ فی امان اللہ۔
ظرّاف فرخ نہاد اور میاں آزاد چلے تو آزاد کے انگرکھے کے بند

چٹ چٹ ٹوٹ گئے۔ ظرّاف نے کہا اللہ اللہ آج تو آپ جامے میں پھولے نہیں سماتے ہیں انگرکھے کے بند تک ٹوٹے جاتے ہیں ہم یہاں گھڑے ناپتے تھے اور راستہ ناپتے تھے رستہ دیکھتے دیکھتے طبیعت گھبرا گئی۔ میں تو جانے ہی کو تھا کہ آپ آگئے۔ کہیے کیسی گذری بامراد آئے یا ناکام۔ اجی ناکام آئیں ہمارے دشمن جو ہماری طرف دیکھ نہ سکیں۔ ہم بامراد آئے پیغام کون لاتا تھا اندر سے۔ پیغام! کیا خوب اجی حضرت پردۂ زنگاری بیچ میں حائل تھا اور وہ بھی زندق برق بخود نمائی مائل تھا۔ حسن اتفاق سے بادِ بہاری نے اُس پردۂ زنگاری کو بھی اُڑا دیا تو شمس و قمر ایک برج میں دیکھکر قران السعدین کا دھوکا ہوا نظر کا ٹھہرنا محال تھا۔ ؎

ہو دیدم رشئے خوبت سجدہ کردم	بحمد اللہ نکو کردارم امشب

قربان صنعت قلم آفریدگار۔ کیا کیا صورتیں پیاری پیاری صورتیں بنائی ہیں کہ اہو ہو ہر دو نوں چندے آفتاب چندے مہتاب مگر اس پھرتی سے طرارا بھرا ہو کہ جیسے بجلی کوند جائے بس نظر کی طرح غائب پھر حضرت وہ وہ کڑے سوال ہوے ہیں کہ اچھے اچھوں کے ہوش اڑ جائیں۔ مگر قربان اپنے استاد کے برجستہ جواب دیے ہیں۔ بھئی یہاں سوال و جواب کا دماغ کجا نکیرین کے سوالات تک کا جواب تو دوں نہیں۔ ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم۔ لیکن اُس بت نازنین غارت گر ہوش کے حکم کی تعمیل بسر و چشم منظور تھی۔ اب کل بلایا ہے۔

ظرّاف۔ پھر کیا ہے پانچوں گھی میں۔ اسی اتوار سے میں انشاء اللہ لال لال گلنار خلعت فاخرہ پہنے ہو تو سہی۔ دولھا بنو۔ یار ہو قسمت کے دھنی اچھی دلھن پائی مگر ہندوستان میں کبھی دلھنوں نے امتحان لے کر شادی نہیں کی ہے۔

بڑی بیگم

ادھر تو یہ خوش گپیاں ہوتی جاتی تھیں۔ اُدھر کا حال سنیے کہ سپہر آرا مچل گئی کہ بہن تم دس دن کے اندر ہی اندر میاں آزاد کے ساتھ بیاہ کرو۔ میں ایک نہ مانونگی۔ جہاں متھوں چاؤں گی آسمان سر پر اُٹھاؤں گی۔ اب پیر مرد اور حسن آرا دونوں سمجھاتے ہیں کہ سنو سنو ٹھہرو ٹھہرو کسکا سننا میں ایک نہ مانوں گی میں رووں گی جبتک بہن میری بات نہ مانیں گی۔ ہم کسی کی تو سننے کے نہیں پیر مرد نے سمجھا کر بسہولت کہا کہ تم اسوقت ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو تم سے بحثے کون۔ آخر اُس اسّی برس والی بوڑھی دادی سے بھی پوچھو گی یا تمھیں انکی بڑی بن بیٹھیں الڑھ پنے کی باتیں کرتی ہو چلو پہلے بڑی بیگم صاحب سے کہیں اُنکی رائے لیں اُنکو سمجھائیں صلاح مشورہ ہو بیاہ ہوا ہنسی ٹھٹھا ہو گیا۔ سپہر آرا اور پیر مرد بڑی بیگم کے پاس گئے اور آداب بجا لا کر پیر مرد نے کہا کہ حسن آرا آپکے سلام کو حاضر ہوئی ہیں اور کچھ عرض کرنا چاہتی ہیں اُنھوں نے گردن ہلا کر کہا آؤ بابا آؤ۔ کہو۔ ابتو میں نے شادی تمھاری ہی رائے پر چھوڑی۔ مگر شریف زادہ ہو۔ آج کیا جانے کیا خوشخبری سننے میں آئیگی کہ مجھ سے میری بائیں آنکھ پھڑک رہی ہو پیر مرد ایک جہاں دیدہ خرانٹ سوچا کہ بس یہی موقع ہو کہا کہ حضور اس سے بڑھکر اور مژدہ کیا ہو گا کہ حسن آرا اپنے نکاح کا کچھ حال کہنے حاضر ہوئی ہیں مگر شرماتی ہیں۔ لجاتی ہیں۔ کہہ نہیں سکتیں۔ یہاں ایک شریف زادہ آجکل آیا ہوا ہو۔ بس بلا تشبیہ یوسف ہو انتہا کا حسین و مہ جبین اور علم کا یہ حال کہ عجب نورانی طبیعت پائی ہو۔ شاعری میں اُنکے جھنڈے گڑے ہوے ہیں نثر لکھنا اُنکا حصہ ہو۔ اور شریف سلمان نجیب الطرفین۔ تیمور کے گھرانے سے ہیں عربی فارسی انگریزی حساب کتاب سیاق سب میں برق۔ اور تقریر ایسے

توجادو ہی ٹپکتا ہو۔ اور ابھی نام خدا سیں بھیگتی ہیں۔ بس اللہ
نے یہ جوڑی پچ پچ اپنے ہاتھ سے بنائی ہو کیا خوبصورت زمین زادہ
ہو کہ واہ سپہر آرا بولی کہ میں نے تو آجتک ایسا خوبصورت آدمی
دیکھا ہی نہیں اور لطف یہ کہ شریف ہنس مکھ اور پڑھے لکھے اماں جان
آپ بھی ایک دن دیکھ لیں اور آپ ان کو اجازت دیجئے۔
اتنے میں حسن آرا کو بڑی بیگم نے بلوایا بیچاری لجائی جاتی تھی اور
فرط حیا سے ہاں یا نہیں کچھ زبان پر نہ لاسکتی تھی نیچی نظروں
سے چپکے چپکے پیر زال کے چہرے کو دیکھتی جاتی تھی کہ بشاش
ہیں یا ملول۔ اتنے میں بڑی بیگم نے سپہر آرا کو چھاتی سے لگایا
اور ہنس کر کہا کہ لڑکی مجھ سے اُڑتی ہے سکھائی پڑھائی آئی ہو
اچھا کل ہم بھی اُنھیں دیکھ لیں تو پھر مشورہ کریں۔

حسن آرا اور سپہر آرا تو چلی آئیں مگر پیر مرد تھوڑی دیر تک
وہیں بیٹھے باتیں کیا کیے۔ جہاں تک زبان نے یاوری کی انھوں
نے میاں آزاد کی خوب ہی تعریف کی اور یقین دلا دیا کہ حسن آرا
کے لیے آزاد ہی سا شوہر موزوں ہو۔ وہ بہت ہی خوش ہوئیں
اور دعائیں دیں کہ حسن آرا کا جیسا تم نے خیال رکھا ویسا تم
کو خدا اجر دے۔

دوسرے دن میاں آزاد یکہ و تنہا وہاں پہونچے۔ ظرّاف
کی دُم میں بھی رسّا باندھا پہلے تو پیر مرد کے یہاں گئے۔ اُن سے
کچھ دیر گلچھپ رہی اور انھوں نے یہ مژدہ فرح بخش سُنایا کہ
بڑی بیگم نے بھی نکاح منظور کر لیا مگر ایک دفعہ آپکو دیکھینگی
ضرور۔ آج یا کل چلیے ہمارے ساتھ۔ انشاء اللہ وہ بھی
خوش ہوں تو سہی۔

میاں آزاد ملاقات طلب کرنے کو حسن آرا کے پاس گئے مگر
وہی پردے کی ملاقات۔

آزاد۔ بندہ حاضر ہے۔
حسن آرا۔ مزاج معلّیٰ۔
آزاد۔ الحمد للہ۔
سپہر آرا۔ بندہ پرور آج پردہ خوب مضبوط بندھا ہو آج تو
ہوا کیا معنی آندھی بھی آئے تو ذرا نہ ہٹے۔ مگر پڑنا کیا معنی۔

آزاد ؎	نہیں روزن جو قصر یار میں پروا نہیں ہم کو نگاہ شوق رخنہ کرتی ہو دیوار آہن میں	

حسن آرا۔ کل تو آپکے فیضان صحبت سے ہم نے بہت سی
باتیں سیکھیں۔ ہاں صاحب خوب یاد آیا۔ تقدم کی دو چار
قسمیں بیان کیجئے۔
آزاد۔ تقدم بالزمان۔ تقدم بالشرف۔ تقدم بالعلۃ
تقدم بالمکان۔
حسن آرا۔ علم منطق کی تعریف کیجئے۔
آزاد۔ آلۃ قانونیۃ تعصم مراعاتہا الذہن عن الخطاء فی الفکر۔
حسن آرا۔ جذب شعری کس قوت کا نام ہو۔
آزاد۔ تجاذیب انابیبت شعری اُس قوت کشش سے عبارت ہو
جسکے ذریعہ سے پانی اور اسی قسم کی اشیاء رقیق چھوٹے چھوٹے
سوراخوں کے وسیلے سے اپنی سطح سے کسی قدر اوپر چڑھ جاتی ہیں
اور وہاں قائم رہتی ہیں شعر بالفتح عربی میں بال کو کہتے ہیں وجہ
تسمیہ یہ کہ جسقدر نلکے کا سوراخ چھوٹا ہوگا اُسی قدر اشیاء رقیق
زیادہ بلند ہونگی۔ اگر بال کے برابر باریک ہوں تو اشیاء بہت
زیادہ اونچی ہو جائیں۔
حسن آرا۔ یہ اتنے پہاڑ اللہ میاں نے دنیا میں کیوں پیدا
کر دیے آخر فائدہ!۔
آزاد۔ جو بے شمار اور غیر محدود فوائد پہاڑوں سے حاصل ہوتے ہیں

وہ خدا کے فضل و کرم پر داں ہیں۔

پہاڑوں کی چوٹیاں بادلوں کے پانی کو جذب کر لیتی ہیں جس سے انسان فائدہ کثیر اُٹھاتے اور پودے نشو و نما پاتے ہیں پہاڑ نہ ہوتے تو منھ کا پانی زمین میں جذب ہو جاتا اور چو طرفہ دلدل ہی ہوتی۔ جو ابخرے کشش آفتاب سے صعود کر کے ہوائے جوّ میں منتشر ہوتے ہیں اُنکے سدِّ راہ ہو کر اُن کو ایک جگہ مجتمع کرتے ہیں۔ اور یہ بخارات اعتدال اور ہوائے محیط ارضی کے مطابق اولے یا برف یا بارش ہو کر زمین پر برستے ہیں جو رطوبات اس طرح حاصل ہوتی ہیں وہ پہاڑوں کی درزوں اور مسامات میں منجمد ہو کر زمین کے ابتدائی طبقوں میں جمع ہوتی ہیں اور انجام کار چشموں اور ندیوں اور نہروں وغیرہ کی مبدا ہو جاتی ہیں۔

حسن آرا۔ آپ کی ذکاوت اور طباعی پر صاد ہے۔ آپ بڑے ذی لیاقت آدمی ہیں۔

آزاد۔ پھر آپ زکاۃ حسن تو دیجئے۔ ؎

تو صاحب نعمتے من مستحقم
زکواۃ حسن دہ حق دارم اے شب

حسن آرا۔ گھبرایئے نہیں۔ ذرا استقلال بھی چاہیئے۔

آزاد ؎
عیشم مدام ست از لعل دلخواہ
کارم بکام ست الحمد للہ

اے بخت سرکش تنگش بر کش
گہ جام زر کش گہ لعل دلخواہ

مارا بمستی افسانہ کردند
پیران جاہل شیخان گمراہ

شوق رخت برد از یاد آزاد
درد شبانہ درس سحر گاہ

پیر مرد۔ (آزاد سے) حضور تشریف لائی ہیں۔ آداب بجا لایئے جھک کر۔ حسن آرا کی اماں جان ہیں۔ یہی میاں آزاد ہیں حضور

آزاد۔ (زمیں دوز ہو کر) آداب بجا لاتا ہوں۔

بیگم۔ جیتے رہو بیٹا۔ آزاد ادھر آ کے بیٹھو۔ مزاج اچھے۔

آزاد۔ دعا کرتا ہوں ایک عرصۂ دراز سے حضور کی قدمبوسی کا تہ دل سے اشتیاق تھا بحمد اللہ کہ یہ سعادت مجھے نصیب ہوئی بزرگوں کی زیارت بڑے خوش قسمتوں کو نصیب ہوتی ہے۔

بیگم۔ سپہر آرا تمھاری بڑی تعریف کرتی تھی اور بیشک تم اسی لائق ہو کہ تعریف کیجائے چشم بد دور لئیق اور خوبصورت اور ابھی بچے ہو اسوقت تم کو دیکھا بہت ہی طبیعت خوش ہوئی۔ اچھا پھر اب پرسوں ہم سے ملنا۔

آزاد۔ (اُٹھ کر) آداب بجا لاتا ہوں اور اسوقت رخصت ہوتا ہوں پرسوں بشرط زیست ضرور حاضر ہوں گا۔

بیگم۔ امام ضامن کو بھونپا۔

میاں آزاد اور پیر مرد دونوں باہر گئے پیر مرد نے کہا کہ لو میاں مبارک۔ فال نیک ہے۔ اب پرسوں آنا کل نہ آنا ملے خدا حافظ اب آپ نے پالا جیتا۔ ہو قسمت کے دھنی۔ ؎

بتوں کی گلی چھوڑ کر کون جاوے
یہیں سے ہے کعبہ کو سجدہ ہمارا

ادھر مہر عالم افروز لعبد کرد فروزافشاں ہوا۔ اُدھر سرتاج عشاق زار جواب مصرعۂ زلف مہوشان فرہاد یعنی میاں آزاد کوئے یار کی طرف سر کے بل رواں ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ برہمن چندن لگائے دھوتی بغل میں دبائے دریا سے نہا کر آ رہے ہیں اور بدجاری شیوالوں میں سنکھ بجا رہے ہیں۔ مُلّا سرگرم گفتگو۔ زاہد بہ تہیۂ وضو نوبتی نوبت بجا رہے ہیں۔ بادہ گسار جھومتے ہوئے میخانے جاتے ہیں بر قند از جابجا ڈٹے کھڑے ہیں۔ بدمست خواب خرگوش میں پڑے ہیں۔ حلوائی بھٹی پر سوتا ہے۔ کتابروں کی قسمت کو روتا ہے۔ افیونی فیں۔ چانڈو باز ٹیں۔ نئی روشنی والے ہوا کھاتے ہیں۔ مسافر لدے پھندے جاتے ہیں کوئی بھجن گاتا ہے

کوئی مثنوی سناتا ہے۔ ؎

سپیدہ دم کہ صبا بوئے گلستاں گیرد — چمن ز لطف ہوا نکہت جناں گیرد
نوائے چنگ بہ افسانہ نو صلائے صبوح — کہ پیر صومعہ راہ در مغاں گیرد
بہ بزمگاہ چمن رو کہ خود تماشائیست — کہ لالہ کاسۂ نسرین و ارغواں گیرد

اتنے میں ایک رند ساغر نوش بادۂ گلگوں کی بوتل دبائے لڑکھڑاتا اور پینترے بدلتا ہوا آ نکلا۔

رند۔ استاد جام حاضر ہو۔ بادۂ ریحانی شراب ارغوانی۔

آزاد۔ نوش جان۔ آپ ہی کو مبارک رہے۔ یہاں بے پئے ہر دم کچے گھڑے کی چڑھی رہتی ہو۔

رند۔ ؎

وقتیکہ صبح ازرق باشد — باید کہ بکف جام مروق باشد

میاں خدا را ذرا تو چسکی لگاؤ۔ اس میں عجیب خاصیت ہو کہ ٹھنڈک کے وقت پیو تو گرما جاؤ۔ اور رن میں پیکر نکلو تو جوڑی پچھاڑ آئے۔

آزاد۔ جی بجا ہے۔ بندہ اسکی خاصیت سے خوب واقف ہو اور ہم نے تو سنا ہے کہ شراب پی کر آگ میں پھاند پڑے تو آگ گل ہو جائے اور جو سمندر میں کود دے تو انسان سے پل ہو جائے اور جو زیادہ پی جائے تو بس قل ہو جائے۔ بس دور ہی دور سے باتیں کیجئے گا۔ الگ الگ۔

دس قدم آگے بڑھے تو دیکھا دکان پر ایک افیونی نے چینی کی پیاری پیاری چھوٹی رنگا رنگ پیالیوں میں افیون کو گھولا اور میاں آزاد سے کہا کہ کہو بھئی کہاں کی سدھیاں رہیں۔ آؤ۔ ذرا چنیا بیگم سے تو علیک سلیک کرتے جاؤ۔ میاں آزاد نے کہا جی بس چنیا بیگم کو دور ہی سے سلام ہے اس کالی بلا سے یہاں کیا کام ہو۔ اور دو چار قدم بڑھائے تھے کہ ایک بھنگڑ دستکدان سے منہ پھیڑ ہوئی۔ ایک چاو میں اٹو۔ یہ ایچ کی بوٹی اُڑائیں ذرا ادھر تو آئیے۔ خانہ احسان آباد۔ یہاں کوئی بنگ نوش نہیں ہو۔ آپ اپنی بوٹی رہنے دیں۔ اور آگے چلے تو دو چار آدمی اپنے بخت برگشتہ کی طرح اوندھے پڑے بھک بھک چپانڑو اڑا رہے ہیں اور حقّے کے دم لگا رہے ہیں۔ ایک چھینٹا پیئے جائیے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھائیے۔ جی بس عنایت خدا اس بلائے بیدرماں سے بچائے۔ یہ مرحلہ طے کرکے میاں آزاد کف دست میدان سنسان بیابان میں آئے تو پھولوں کا مہکنا اور کلیوں کا چٹکنا ستم بپا کر رہا ہے شاہد بہار کے خوب جوبن لوٹے اور چلتے چلتے دن سے داخل منزل مقصود پیر مرد سے چار آنکھیں ہوئیں تو دونوں مسکرا کر باتیں کرنے لگے۔

آزاد۔ کورنش عرض ہے قبلہ۔

پیر مرد۔ زندہ باش۔ آج بڑا کڑا امتحان ہو۔ بڑی بیگم صاحب امتحان لینگی اگر پورے اترے تو ہاتھوں ہاتھ انعام دینگی۔

آزاد۔ یا قسمت یا نصیب۔ آج بھی پالا جیتوں تو سہی۔ خدا کرے کوشش ٹھکانے لگے حضرت بحق قوت جبرئیل و بحق صور اسرافیل و بحق دین محمدؐ و بحق خلیل کچھ بتا تو دیجئے کہ کس میں امتحان لینگی اور کیا انعام دینگی۔

پیر مرد۔ میاں وہ پرانے فشن کی آدمی ہیں کوئی دقیانوسی باتیں پوچھیں گی۔ اللہ پر شاکر رہو بھائی۔ اور انعام کو کیا پوچھتے ہو وہی جان آزاد بت ستم ایجاد انعام ہے۔ اس میں غور و فکر کا بھلا کیا مقام ہے۔ یہ انعام بڑے خوش قسمتوں کو ملتا ہے۔ ؎

غالب ان سیمیں تنوں کے واسطے
چاہنے والا بھی اچھا چاہیئے

چلیے پھر بسم اللہ آپ کو بیگم صاحب تک لے چلوں۔

آزاد۔ (بڑی بیگم سے) آداب بجا لاتا ہوں۔

بیگم۔ جیتے رہو بیٹا۔ اے فرخندہ۔ ذری پنکھا جھلو آپکے آپکا سن شریف کیا ہوگا۔

آزاد۔ یہی کوئی اٹھتیس برس کا۔

بیگم۔ اللہ رکھے بوڑھے ہو۔

آزاد۔ (جھک کر) آداب عرض ہے۔ اسوقت آپنے وہ دعا دی کہ میرا ہی دل جانتا ہے۔ سچ ہے بڑے بوڑھوں کی کیا بات۔

بیگم۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اگر انسان کا سجدہ جائز ہوتا تو بیویاں اپنے شوہروں کا سجدہ کرتیں اور ان کے قدم پر سر دھرتیں کیا شان کبریائی ہے صدقے صدقے۔

آزاد۔ جل جلالہٗ۔

صدقے اس بندہ نوازی کے ترے ہم جائیں	
باپ ماں ہوتے ہیں کب ایسے شفیق و اشفق	

بیگم۔ کیوں بیٹا ہاتھی کو خواب میں دیکھے تو کیسا۔ اسکی تعبیر کیا ہوگی

آزاد۔ بُرا۔ ہاتھی کی تعبیر بلائے جان۔ مگر ہاں ایک بات ہے کہ اگر ہاتھی کسی پر اپنی سونڈ پھیر رہا ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ آئی ہوئی بلا مل گئی۔

پیر زال۔ شاباش تم بڑے لئیق آدمی ہو۔ چشم بد دور تھوڑا سا کالا دانا اسپر سے جلا دو۔

الغرض بیگم نے میاں آزاد کو دن بھر بٹھایا اور ساتھ ہی کھانا کھلایا اور خوب دیکھا بھالا۔ جانچا پرتالا۔ میاں آزاد گربۂ مسکین بنے ہوئے ہاں میں ہاں ملاتے جاتے ہیں اور دل ہی دل میں کھل کھلاتے جاتے ہیں۔ جب دن قریب اختتام ہوا اور وقت شام ہوا تو پیر زال خجستہ خصال نے کہا کہ بھائی اب وہ گھڑی حسن آرا اور سپہر آرا کے پاس بھی جاؤ۔ دو گھڑی وہاں بھی خوش گپیاں اڑاؤ۔ پیر مرد کو کنکھیوں سے اشارہ کیا کہ سایہ کی طرح قدم قدم پر ساتھ رہو میاں آزاد اور پیر مرد اٹھے اور بڑی بیگم سے رخصت ہو کر حسن آرا کے کمرے میں گئے آزاد نے پیر مرد سے کہا کہ حضرت ہمیں حیرت ہے کہ با ایں ہمہ ضعیف الاعتقادی اس قدر بے تکلفی کسی اور پرانے فیشن کے خاندان میں یہ بے تکلفی کب جائز رکھی جائے گی پیر مرد نے کہا یہ سچ ہے مگر مجھے نصیحت ہوئی ہے کہ خبردار ساتھ نہ چھوڑنا۔

آزاد۔ بندہ حاضر ہے۔

سپہر آرا۔ بسم اللہ آئیے بسر و چشم۔ کہیئے اماں جان سے کیا بات چیت ہوئی۔

آزاد۔ آپکی اماں تو بالکل سفید آدمی ہیں گریائی ضعیف الاعتقاد آج تمام دن بھوت پریت جنّ بن مانس چھلاوے جادو ٹونے ہی کی باتیں کرتی رہیں۔ میں بھی ہاں میں ہاں ملاتا گیا۔ آخر اور کیا کرتا مصلحت وقت کا تقاضا ہی یہ تھا۔

حسن آرا۔ اے تو بوڑھی عورت اور پڑھی لکھی نہیں پھر ان باتوں کو کیسے نہ مانیں۔

آزاد۔ اب تو اس گھونگھٹ کے طلسم کو توڑیے۔ مانا کہ آپ مہ پارہ ہیں مگر ہم بھی طالب نظارہ ہیں۔ اتنا بھی بخل کیا۔ دن مصاحبت گرماتے ہیں مگر صورت دیکھنے کو ترس ترس جاتے ہیں۔

سپہر آرا۔ چلیے آج ساتھ ساتھ سیر دریا کریں۔

بجرے کی روانی اور جان جانی

شب کو گھڑی بھر رات گئے حسن آرا اور سپہر آرا

ہر ہفت آرایش سے مجلیٰ اور محلی۔ پیرایش سے مزیّن ہو کر اس زرق برق سے اور اس شان سے نکلیں کہ بس معلوم ہوتا تھا کہ پرستان سے پریاں اُتر آئی ہیں گر دونوں کے چہرے پر نقاب ہر امر میں حیا و حجاب اتنے میں بت رنگین ادا حسن آرا اور معشوق دلربا سپہر آرا اور آزاد گرنگ اور سرنگ اور نقرہ خنگ پر سوار گھوڑوں کو جاتے اور چمکاتے لب جوبار آ کر اُتر پڑے اور اُترتے ہی بجرے پر چڑھے۔ ؎

بہار آئی اے ساقی گلعذار — کھلے گل ہوا لطف سیر و شکار
مرقع ہیں سبزے سے دشت و جبال — ہرن مست ہیں شوخیوں پر غزال
گھٹاؤں کی آمد ہے بارش کا تار — کبھی ہے تقاطر کبھی ہے پھوہار
چمن میں عنادل ہیں جنگل میں مور — وہ کوئل کی کوکو پپیہوں کا شور
کہیں جدول آب کی آب و تاب — کسی جا ہے لالہ کسی جا گلاب
گلستاں کا ہے اب سبق بر زباں — وہ موسم ہے کلیاں چٹکتی ہیں زباں
شکار لٹاتے ہے نرگس نظر — دکھا سیر میخانہ اے باخبر
نہیں دختر رز کو خلوت پسند — پری اب رہے گی نہ شیشے میں بند

ادھر بجرا دریا میں رواں ہوا۔ اُدھر میاں آزاد کو گلستان کا باب پنجم ورد زبان ہوا۔ موریلوں کی جھنکار پپیہوں کی پکار۔ تھوڑی تھوڑی پھوہار۔ حسن آرا کی ہنستی پیشانی۔ سپہر آرا کا جوش جوانی چاہ زنخداں وہ جو کنوئیں جھنکائے۔ زلیخا کا دل اُسکی چاہ میں ڈانواں ڈول ہو جائے رگ جاں میں آفت اُٹھائے۔ یوسف مصری کو شرمائے۔ ان دو گلبدنوں کے عکس سے دریا کا پانی گلاب ہو گیا۔ فرط خجالت سے گل آب آب ہو گیا۔ الٰہی یہ سرو قامت ہے یا قیامت ہے۔ یہ سرو ہے یا شمشاد یا الف بجان آزاد گردن رشک شمع کافور۔ فوارۂ نور۔ رخسارے گل تر۔ رشک قمر منڈھا دریا میں اُچھل رہا ہے۔ فرط جوش سے سینہ مثل دیگ اُبل رہا ہے۔ چو طرفہ بہار ہے۔ ادھر سبزۂ نو دمیدہ ادھر مرغزار ہے بیچوں بیچ میں چشمہ سار لطافت بار۔ اور بجرے پر وہ دونوں پری رخان طرحدار۔

آزاد ؎ صنم موسیٰ نقاب از چہرہ بردار
نمی آید خوشم ایں لن ترانی

الٰہی یہ عارض تاباں پر نقاب ہے یا مہر عالم افروز تہ سحاب ہے۔

سپہر آرا ؎ حیا کنم نہ چرا از رخ نقاب ہنوز
مرا حجاب نہ دیدست بیحجاب ہنوز

حسن آرا۔ حضرت وہ لگاوٹ باز آنکھڑیاں کہیں اور ڈھونڈھیے یہاں چشم حیا پرور ادب آموز نگاہ ہے۔ حیا بھی سامنے آئے تو آنکھیں بند کر کے برُے گل تک گریبان کو چاک نہ دیکھے۔

اب سنیئے کہ ادھر استغنائے ناز اُدھر آئین نیاز۔ ادھر نقاب و حجاب اُدھر طالب نظارہ کا دل پر اضطراب۔ ادھر کلیجہ فرط ابتہاج سے باغ باغ۔ ادھر نقاب رنگیں سے دل داغ داغ حسن آرا کا دھانی اور سپہر آرا کا ارغوانی لباس اور اُس پر عطر عروس کی بو باس۔

آزاد ؎ لباس سبز در بر کردہ سر و من برعنائی
برآید آفتاب طالعم از چرخ مینائی

حسن آرا ؎ تواں شناخت بیک روزہ از شمائل مرد
کہ تا کجاش رسیدست پایگاہ علوم

ولے ز باطنش ایمن مباش و غرہ مشو — کہ خبث نفس نگردد بسالہا معلوم

آزاد۔ سبحان اللہ یہ لب شیریں اور یہ جواب تلخ۔ تیوری چڑھا کر یہ ابھی جھڑکی وہی بس سخن طرازی اور نکتہ پردازی آپ پر ختم ہے۔ مہمانوں سے کوئی ایسی بد کلامیاں کرتا ہے۔ ؎

صبحدم مرغ چمن با گل نوخاستہ گفت — ناز کم کن کہ دریں باغ بسے چوں تو شگفت
گل بخندید کہ از دست نرنجیم ولے — ہیچ عاشق سخن تلخ بمعشوق نگفت

حسن آرا۔ (گردن موڑ کر) آپ بھی کیسے انجان بنے جاتے ہیں ذرا سی بات پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ بادل کی یہ اٹکھیلیاں بجلی کی یہ شوخیاں۔ پھر میں نے بھی شوخی کی تو کیا گناہ کیا ہمارا حریفانہ جواب اور تمہارا عتاب۔ اور خیر سے آپ معشوق کس کے بننے ہیں اے تیری قدرت آپ بھی اتنے ہوئے خیر مہمان ہو کیا کہوں۔

آزاد ۔ ؎
خوبرو جتنے ہیں دل لیتی ہے سب کی شوخی
ہو مگر آپ کی شوخی تو غضب کی شوخی

سپہر آرا کے تو اس وقت بڑے کڑوے تیور پڑتے ہیں۔ ذرا ہماری خاطر سے مسکرا دیجئے۔ غریبوں کی ہفتاد پشت پر احسان کیجئے۔ ؎

بر آسمان چہارم مسیح بیمار ست
تبسم تو ز بہر علاج می خواہد

پیر مرد۔ میاں یہ عروس شرگیں اور عصمتیان پردہ نشین ہیں حیا اور مزاج جیسے بو در گل۔ ادب اور طبیعت جیسے کیف در مل۔ خدا کا شکر کرو کہ ایک رنگین دیر بہار بجرے پر ایسے سہانے وقت یہ رو کش شاہدان فرخار تمہارے قریب اس شان برنائی اور زیب و خود نمائی سے بیٹھی مذاق کر رہی ہیں پہلے کوئی آتا ہو تو لے صبر کرو۔

آزاد ۔ ؎
عاشق سے بھی ہوتا ہے کہیں صبر و تحمل ا
وہ کام تو کہتا ہے جو آتا نہیں مجھ کو

اتنے میں وسط دریا میں ایک رنگین و عشرت آئیں و خوشنما اور باتزئین کوٹھی نظر آئی اور سپہر آرا اسکو مشاہدہ کرکے خوب ہی کھلکھلائی حسن آرا بول اٹھی کہ لو وہ کوٹھی آئی وہ کوٹھی آئی پیر مرد نے کہا چلو اب بن آئی۔

سپہر آرا۔ یہ کوٹھی ہے یا روضۂ رضوان۔ یہ مکان ہو یا چرخ کہن آسمان یہ دریا ہو یا سلسبیل یہ باغ ہو یا گلزار خلیل۔ سبزہ چوطرف لہلہایا گلستان عالم پر ابر مسرت چھایا۔ کہیں کوئل کی کوک کہیں موروں کی ہوک۔ ادھر ادھر دریا رواں۔ بیچ میں ایوان سپہر توامان چلیے یہاں لطف صحبت اٹھائیں سب سے الگ تھلگ بستر جمائیں۔

آزاد۔ واہ کیا پری خانہ ہے کہ پرستان بھی اسکے آگے مات ہے یہ رات ہو یا شب برات ہے اور کیوں نہ ہو سعد اکبر کی کرامات ہے۔ سچ تو یوں ہے کہ یہ سب طلسمات ہو۔ ساری کلفت دور ہو گئی دل کی بیتابی کافور ہو گئی ؎

نظر آیا کوثر کی موجوں کا نور
نہ ٹھہرے گا دل بے شراب طہور

میاں آزاد اور پیر فرخ نہاد اور وہ دونوں پیاری بہنیں لطف بہار اٹھاتی سیر دریا کرتی چلی جاتی تھیں۔ بجرے بہاؤ پر فراٹے سے رواں۔ باد بہاری چہاں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں کالی کالی گھٹائیں۔ سپہر آرا کی پیاری پیاری باتیں۔ حسن آرا کی رمز و کنایہ کی گھاتیں۔ بوندوں کا گرنا اور آب جوبار کا جنبش کرنا عجب بہار دکھاتا تھا۔ دریا کا پانی لہریں مارتا ہوا جاتا تھا ایک دفعہ ہی ہوا نے وہ زور باندھا کہ بجرا اچھلنے لگا۔ اب بجرے کی یہ کیفیت ہو کہ ڈانواں ڈول تہ و بالا ہو رہا ہے یہ گرا۔ وہ گرا۔ یہ ڈوبا وہ ڈوبا۔ یہ لہر آئی وہ چور ہا۔ وہ تھپیڑا کھایا یہ آیا۔ پیر مرد بیچارہ گو جہاں دیدہ اور خرانٹ تھا لیکن اسکے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ سیر دریا کی کہانیاں سب بھول گئے چہرے پر عرق ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ بدن بھر میں رعشہ۔ حسن آرا کا چہرہ زرد۔ سپہر آرا کا دل سرد۔ دونوں بہنیں ایک دوسرے کو حسرت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں سپہر آرا کی آنکھوں سے

جوئے اشک جاری۔ حسن آرا مصروف گریہ وزاری۔ میاں آزاد خستہ وخراب بادل پُراضطراب حیران و پریشان کہ یا الٰہی کیا بُرے پھنسے۔ کنار دریا کو جو دیکھتے ہیں تو کالے کوسوں بیچوں بیچ میں بجرا جا رہا ہے۔ ایک مرتبہ ہی بجلی اس زور سے تڑپی کہ حسن آرا ڈر کر میاں آزاد سے چمٹ گئیں۔ میاں آزاد اسوقت بے اختیار رو دیے کہ معشوق گلے بھی ملا تو اس نازک حالت میں یہ پہلا ہی مرتبہ تھا کہ میاں آزاد کو کسی نے روتے دیکھا ہو۔ حسن آرا اور میاں آزاد خوب پھوٹ پھوٹ کر گلے مل مل کے روئے۔ اتنے میں ایک دفعہ پھر بجلی لونکی اور رعد اس زور سے گرجا کہ سپہر آرا ڈر کر دوڑی اور افسوس صد افسوس کہ مارے گھبراہٹ کے ندی میں گر پڑی۔ ڈوبتے ہی پہلے غوطہ کھایا اور لگی ہاتھ پاؤں پھٹ پھٹانے۔ اور کبھی نیچے ہو رہی۔ اتنے میں ابھری اور پھر غوطہ کھایا۔ حسن آرا سکتے کے عالم میں۔ میاں آزاد نے جو یہ کیفیت دیکھی تو جھٹ پٹ کپڑے اُتار کر دھم سے کود ہی تو پڑے۔ اب حسن آرا بیچاری سمجھی کہ سپہر آرا اور میاں آزاد دونوں کے دونوں ڈوبے لگی دو ہتڑ پیٹنے۔

میاں آزاد نے غوطہ کھایا تو سپہر آرا کی زلف پریشان ہاتھ آئی انھوں نے جھپ سے زلف کو پکڑ کر جھٹکا دیا تو وہ ابھری یہ وہی سپہر آرا ہے جو پردۂ زنگاری کے اُٹھتے ہی عجب ادائے دلربا سے بھاگی تھی۔ یہ وہی حسن آرا ہے جو نامحرم کو مقابل دیکھکر بدن کو چھپاتی تھی۔ اور پھرتی سے بھاگ جاتی تھی کل یہ پردہ تھا آج گلے ملتی۔ الغرض میاں آزاد سپہر آرا کو ساتھ لیے ملاحی پیرتے اور کھڑی لگاتے ہوئے چلے کہ بجرے کی طرف لے چلیں لیکن بجرا ہے کہ ہوا سے باتیں کرتا چلا جاتا ہے اور دریا کی بلندیوں اُچھلتا ہے۔ ایک دفعہ ہی آزاد نے باواز بلند پکارا پیر مرد۔ پیر مرد۔ ملاح۔ ملاح بجرا روکو۔ واسطے خدا کے رو کو۔ پیر مرد کے اُسوقت ہوش وحواس اُڑے ہوئے تھے اور حسن آرا غش میں پڑی تھیں۔ بجرا خدا کی راہ پر جدھر چاہتا تھا جاتا تھا۔ ہوا ملاح اور خدا ناخدا۔ میاں آزاد گو پیراک بہت اچھے تھے لیکن برسوں سے مشق چھوٹی ہوئی تھی دم پھولنے لگا اتفاق سے ایک بھنور میں پڑ گئے اسکے پانی نے ایسا چکر کھایا کہ یہ بیخود ہو گئے لاکھ طاقت کی مگر ایک نہ چل سکی اور ستم پر ستم یہ ہوا کہ سپہر آرا چھٹ گئی۔ اور چھٹتے ہی تہ پر تھی۔ میاں آزاد کی آنکھوں سے پھر بے اختیار آنسو نکل پڑے اور یہ دوسرا مرتبہ تھا کہ میاں آزاد عمر بھر میں کبھی روئے۔ ابکی یہ بڑی پھرتی سے جھپٹے اور معًا لاش کو اُبھارا اور پھر لاد کر چلے مگر بجرے کا کہیں پتا ہی نہیں۔ وہاں حسن آرا تختے پر غش میں پڑی ہوئی تھی اور ملاح نے بجرے کو راہ خدا پر چھوڑ دیا تھا انھوں نے پھر پکارا کہ ملاح او ملاح بجرے کو روک لو۔ دل میں سوچے کہ معلوم ہوتا ہے بجرا غرقاب ہو گیا اور حسن آرا اور ملاح دونوں کے دونوں لقمۂ نہنگ اجل ہوئے۔ اب میں سپہر آرا کو لادے لادے کہاں تک جاؤں اور کیا کروں۔ لیکن آزاد نے دل میں ٹھان لی کہ چاہے بچوں چاہے ڈوبوں جب تک جان میں جان ہے سپہر آرا کو نہ چھوڑوں گا۔ نہ چھوڑوں گا۔ اتنے میں پھر پکارا کہ یارو کوئی مدد کو آؤ کیا دیکھتے ہیں کہ لب چشمہ سار ایک ٹیکرے پر ایک مقدس بزرگ کھڑا دیکھ رہا ہے اُس نے آزاد کو اس حالت زار میں دیکھ کر آواز دی کہ شاباش برادر شاباش ع۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند ؎ کارے کردۂ بابا کارے کردۂ۔ باش باش کہ من ہم میرسم۔ اسکے بعد اس پیر مقدس نے

کپڑے اُتارے اور لنگوٹ باندھکر دھم سے کود ہی تو پڑا الا اللہ اس الا اللہ کی آواز کا سُننا اور اس پیر قدسی صفات کا کودنا تھا کہ میاں آزاد کو ڈھارس ہوئی اور تیزی کے ساتھ چلنے لگے پیر مقدس بوڑھا سفید آدمی دو ہی ہاتھ کڑی کے لگائے تھے کہ سانس پھول گئی اور پانی نے اس زور سے تھپیڑا دیا کہ پچاس گز کے فاصلے پر مہور ہے اب نہ میاں آزاد کو وہ سوجھتے ہیں اور نہ انکو میاں آزاد نظر آتے ہیں۔ ملاح نے اُس پیر مقدس کو اس کیفیت میں دیکھ لیا اُسوقت اُسکی آنکھوں میں اندھیرا چھایا ہوا تھا جب سمجھا کہ میاں آزاد ہیں تب تو اُس نے آواز دی کہ آزاد بھائی آزاد ارے بھائی ذرا زور کرکے بجرے کی طرف آؤ پیر مقدس نے بڑی کوشش کی کہ بجرے کی طرف جھپٹے مگر نہ جا سکا۔ اتنے میں ملاح نے ڈنڈ وار کو ہاتھ میں لیکر کھینا شروع کیا قریب ہی پہونچ گیا تھا کہ ایک ناگ نے اس بوڑھے بیچارے کو بھاڑ سا منھ کھول کر ہضم کر لیا۔ ملاح نے ڈنڈوار کو پھینک کر سر پیٹنا شروع کیا۔ ہائے ستم ولئے ستم۔ وا حسرتا۔ آزاد۔ آزاد۔ آزاد۔ ہائے چل بسے۔ تم بھی چل بسے۔ سپہر آرا بیچاری کا ساتھ دیا۔ یار داغ جدائی دے گئے۔ آزاد ارے میرے آزاد۔ سپہر آرا پیاری سپہر آرا ہائے ہائے تجھے کس ناز و نعم سے پالا تھا۔ تیرے دم سے گھر کا اُجالا تھا پیارے آزاد جوانمرد آزاد۔ اُف۔ اُف۔ اوف یہ آواز میاں آزاد کے کان میں بھی پڑی۔ لیکن بُعد کے سبب سے کچھ سمجھ نہ سکے کہ کون ہے سمجھے کہ وہی پیر مقدس جو ٹیلے پر سے کودا تھا غل مچا رہا ہے تھوڑی دیر میں اُنکو بجرا نظر آیا تو باچھیں کھل گئیں۔ اب یہ بالکل خستہ اور شل ہو چکے تھے لیکن نہایت ہی استقلال اور جوانمردی سے اُنھوں نے کڑی لگانی شروع کی۔ ملاح نے دور سے دیکھا کہ کوئی شخص آرہا ہے آزاد کو تو یہ سمجھ گئے کہ وہ بہی چکے تھے اور سپہر آرا کے دیکھنے کی انکو ذرا بھی اُمید نہ تھی۔ اب انکو حیرت تھی کہ یا الٰہی یہ ہماری طرح اور کس بیچارے پر مصیبت پڑی کہ اسوقت پیرتا چلا آتا ہے آزاد نے پکارا کہ جیتے بچے۔ شکر ہو اُف ری تباہی اللہ نے عزت بچائی۔ کہو حسن آرا کہاں ہیں۔ پیر مرد نے بغور دیکھا ایں! یہ حسن آرا کا نام کس نے لیا پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ آپنے بجرا حاضر ہے۔ ایکبارگی وہ بھلے۔ ہائے دادیلا۔ آزاد نے کہا آپ اسوقت مستقل مزاج ہیں میں آزاد ہوں اتنا سننا تھا کہ پیر مرد کی باچھیں کھل گئیں۔ سوچے کہ یا الٰہی یہ خواب دیکھ رہا ہوں۔ یا سچ مچ آزاد ہی ہے۔

جب میاں آزاد فرخ نہاد بجرے کے قریب آئے تو پیر مرد یعنی ملاح طمع نے پہچانا اور فرط طرب سے تالیاں بجانے لگے آزاد نے سپہر آرا کو بجرے میں لٹا دیا اور پیر مرد سے کہا کہ آیئے آپ اور ہم انکو کسی طرح ٹانگیں اور انکے منھ سے پانی نکالیں یہ اتنی دیر میں کیا جانیں کسقدر پانی پی گئی ہیں پیر مرد اور میاں آزاد نے سپہر آرا کو خوب مضبوط پکڑا اور ٹانگا تو بہت سا پانی منھ سے نکلا اس کے بعد بجرے میں لٹا دیا اور بیگ کھول کر کسی دوا کا ایک جام اُس کو فوراً پلا دیا۔ اب حسن آرا کی فکر ہوئی۔ وہ بیچاری غش میں پڑی تھی آزاد نے اُس کے منھ پر خوب پانی کے چھینٹے دیے تو ذرا ہوش آیا مگر آنکھیں بند۔ ہوش آتے ہی پوچھا کہ پیاری سپہر آرا کہاں ہو آزاد جیتے بچے۔ پیر مرد نے پکار کر کہا کہ آزاد تمھارے سرہانے بیٹھے ہیں اور تمھارا سر اُنھیں کے زانو پر ہے اور سپہر آرا صحیح وسلامت تمھارے پاس لیٹی ہیں۔ اتنا سننا تھا کہ حسن آرا نے میاں آزاد کے زانو پر بوسہ دیا۔ اور یہ پہلا ہی مرتبہ تھا کہ حسن آرا نے اپنے سچے عشق کا حال کسی طرح منھ یا زبان یا لباس سے ظاہر کیا ہو جب حسن آرا نے آنکھ کھولی اور آزاد کو دیکھا تو کہا۔

حسن آرا۔ آزاد میری روح اگر تم پر سے فدا ہو جائے تو اسوقت مجھے اُس سے زیادہ خوشی ہو جس قدر سپہر آرا کے بچ جانے سے ہوئی سنو آزاد میں صدق دل سے کہتی ہوں کہ مجھے تم سے سچا عشق ہے یہ کہکر حسن آرا نے آزاد کا ہاتھ چوم لیا۔ اور یہ پہلا ہی مرتبہ تھا کہ میاں آزاد کے ہاتھ پر کسی معشوق کے بوسہ کا نشان پڑا ہو۔

اتنے میں دوا کا اثر جو ہوا تو سپہر آرا بھی آہستہ سے اُٹھ بیٹھی اور اُٹھتے ہی حسن آرا کو جھٹ کر فرط شادی و مسرت سے رونے لگی حسن آرا بھی خوب دل کھول کر گلے ملی اور اشارہ کیا کہ میاں آزاد نے جان بچائی۔ سپہر آرا نے میاں آزاد کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا اور رورو کر کہا کہ میاں آزاد میں تم پہ صدقے میں تم پر سے واری ہو جاؤں میں تم پر سے قربان ہو جاؤں تم نے آج وہ کیا جو ساری خدائی میں کوئی ایک اجنبی کے ساتھ نہ کرتا پیر مرد نے سپہر آرا کی پیشانی پر بوسہ دیا اور میاں آزاد کو صدہا دعائیں دیں اس مصیبت ناک کارروائی میں عرصہ گذرا اور وہ ایوان کیواں نشان جو دریا کے بیچوں بیچ میں واقع تھا نظر سے اوجھل ہو گیا۔ ہوا اب بند ہو گئی تھی اور دریا میں مینڈھا بھی نہیں اُچھلتا تھا بجرا آہستہ آہستہ کنارے پر آ لگا اور سب کے سب اُس پر سے اُتر پڑے۔

آزاد۔ دیکھا اس پر لیٹ کر اُٹھی مرتے ارے توبہ! کیا ناشکری کا کلمہ منہ سے نکل گیا (گال پر تھپیڑ لگا کر) یوں کہنا چاہئے کہ جی اُٹھے

حسن آرا۔ بے شک بے شبہ سپہر آرا کی جان بچائی۔ میری جان بچائی اماں جان کی جان بچائی۔ اس بیچارے بڈھے کی جان بچائی اس سے بڑھکر اور کیا ہوگا تم تو ہمارے لیے مسیحا ہو گئے خدا اس کا تمہیں اجر دے۔

آزاد۔ (ہنس کر) شکر ہے۔

حسن آرا۔ (دعا کر) خیر جان بچائی ہے۔

ملاح۔ میاں آزاد خدا تم کو ایسا بوڑھا کرے کہ تمہارے پرپوتے مجھ سے بڑے بڑے تمہارے سامنے کھیلیں میں کچھ اور ہی سمجھا تھا ایک شخص پیرتا ہوا جاتا تھا میں سمجھا تم ہو۔

آزاد۔ ہاں ہاں لو میں تو بھول ہی گیا تھا۔ پھر وہ کہاں گیا۔

ملاح۔ کیا کہوں اسکو تو ایک ناکا کھا گیا۔

آزاد۔ کھا گیا۔ ارے۔ توبہ! افسوس کیا جری آدمی تھا جب میں سپہر آرا کو لیے ہوئے ملاحی چیرتا تھا کبھی ٹکر سی لگتا جاتا تھا تو میں نے غل مچایا کہ یار دوڑو دوڑو وہ بیچارہ ایک ٹیلے پر سے دھم سے کودا اور اس طرف چلا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد تلاطم آب نے اُس کو بھی کوئی پچاس ساٹھ گز کے فاصلہ پر ہٹا دیا ہائے اب سُنا کہ وہ ڈوب گیا۔

سپہر آرا۔ ڈوب نہیں گیا ناکا کھا گیا ہائے کیا مرگ مفاجات تھی افسوس یہ مجھ کمبخت کے سبب سے اُس بیچارے کی جان مفت میں گئی۔ میرا دل اسوقت بھر آیا۔ میری آنکھوں میں تاریکی سی چھائی ہوئی ہے ہائے یہ دریا اس کا ستیاناس ہو جنے ہو کے وقت کال نظر آتا ہو اُف جو وقت میں اپنا گرنا اور غوطے لگانا یاد کرتی ہوں رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے جیسے ہی میں گری میرے ہوش اُڑ گئے پہلے تو خوب ہاتھ پاؤں مارے گر پھر جب تہ پر بیٹھ گئی تو منہ میں پانی جانے لگا منہ کو میں نے دونوں ہاتھوں سے بند کیا تو اُبھری۔ اُبھری تو پھر پانی نے بٹھا دیا۔ پھر مجھے کچھ یاد نہیں۔

حسن آرا۔ میاں آزاد بڑے گاڑھے وقت میں کام آئے۔

آزاد۔ کس ملعون کو اپنے حواس یقین بھی ہو کہ جیتے بچیں گے دو مرتبہ سپہر آرا ہاتھ سے چھٹ چھٹ گئیں بارے خدا نے بچایا مگر اس وقت میرے بدن کا یہ حال ہے کہ میں ہی جانتا ہوں جیسے

کسی کو جہنوں کا بخار ہو۔ بس وہی کیفیت ہے۔ شل ہوں۔ شل گر شکر ہے۔

ملاح۔ اب آپ ذرا سو رہیے تو تھکاوٹ کسی قدر کم ہو جائے اور بیگ یہ لیجئے حاضر ہے۔ دم کے دم آپ سو رہیں۔

میاں آزاد اور سپہر آرا اور حسن آرا اسی سبزۂ نودمیدہ کے فرش زمردگوں پر لیٹے تو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی ہوائے خنک کا چلنا تھا کہ تینوں کی آنکھ لگ گئی ملاح نے انکی حفاظت کی۔ سوئے تو گھوڑے بیچ کر۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوش ہی نہیں چار گھنٹے کامل سویا کیے اسکے بعد اُٹھے تو میاں آزاد نے مُنھ ہاتھ دھویا۔ حسن آرا و سپہر آرا نے سنگار کیا اور پیرمرد نے کہا ہمکو تو تم اپنے حساب غرقاب سمجھ بیٹھے ہوگے۔

آزاد۔ قبلہ اب یہ تذکرہ ہی جانے دیجئے۔ وحشت ہوتی ہے کتابوں میں کشتیوں کے ڈوبنے کا حال سنا کرتے تھے۔ آج دریا کے مصائب کو اپنی آنکھوں دیکھا اور بچشم تجربہ کیا۔ خود اپنے اوپر بیتی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا اس گفتگو کے بعد پیرمرد نے کہا کہ اس فرح بخش ایوان عالی شان میں کیونکر جائیے گا بجرے پر تو اسوقت سوار ہونا حماقت ہے میاں آزاد نے قہقہہ لگایا اور فرمایا کہ واہ ایسا بھی کیا خوف ہے اب کیا ہر دم طوفان ہی آیا کرتا ہے کچھ حسن آرا اور سپہر آرا نے کہا قسم ہے خدائے پاک کی کہ اُسوقت تو ہم بجرے پر نہ چڑھیں گے چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے۔

آزاد۔ جو اسوقت جھجک گئیں تو عمر بھر خوف ہی دامن گیر رہیگا۔

حسن آرا۔ آپ کی بلا سے۔

سپہر آرا۔ چلیے رہنے دیجئے۔ ابتو مارے تھکاوٹ کے آپ کے بدن میں اتنی سکت بھی نہ رہی ہوگی کہ کسی کی لاش کو دو قدم بھی لے چلیے۔ نا صاحب۔ بندی نہ جانے گی۔ ہے ہے بجرے کی صورت دیکھنے سے بدن کانپتا ہے۔ تم بڑے دلیر ہو۔ ہم تمھیں بھی نہ جانے دیں گے۔

آزاد۔ واہ

سپہر آرا۔ دیکھ لیجئے گا۔ آپ اُدھر بجرے پر بیٹھے اور ادھر ہم دریا میں پھاند پڑے۔

آزاد۔ اچھا پھر بجرا پیرمرد لائیں آپ اور ہم کنارے کنارے خشکی خشکی آئیں۔

ملاح۔ جی میں ہی تو فالتو ہوں۔ اچھا تجویزا۔

القصہ پیرمرد تو بجرے پر گئے اور یہ تین کے تینوں خشکی کے راستے چلے۔

پیرمرد جیسے تو ادھر چشمہ سار میں بجرا چلا رہے تھے اُدھر میاں آزاد دونوں شاہدان طنّاز اور سراپا ناز کے ہاتھ میں ہاتھ دیے ہوئے کنارے کنارے جا رہے تھے دریا کی روانی دیکھ کر سپہر آرا کانپ کانپ اُٹھتی تھیں اور حسن آرا صرف آزاد کے چھیڑنے کو نقاب سے مُنھ ڈھانپ رہی تھیں۔

آزاد۔ بس یہی تو قہر ہے۔ اب ہم سے پردہ کیا۔

حسن آرا۔ ہم نامحرم سے بات کرنا وضع کے خلاف سمجھتے ہیں۔

آزاد۔ ہاں ذرا ادھر چار آنکھیں تو کیجیے۔ پھر تو فرمائیے نامحرم! ہم نامحرم ہیں۔ کیوں سپہر آرا بیگم۔ انکی باتیں تو سنو ہمیں نامحرم بناتی ہیں۔

سپہر آرا۔ آپ اور نامحرم۔ اس وقت تو دریا کو دیکھ کر میں سہمی جاتی ہوں۔ اُف۔ رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو گیا۔ اللہ بچائے۔

ملاح۔ ہمارا بھی خدا حافظ ہے۔

حسن آرا۔ (گھاس پر بیٹھ کر) اُف بھئی ہم سے تو اب ایک قدم نہ چلا جائیگا۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ آپ جائیں ہم نہ جائیں گے۔

آزاد۔ اللہ اللہ اتنی آپ ہوئیں کہ اس چٹیل میدان سنسان بیابان میں تن تنہا گھاس پر لوٹیں چلیے بس اب تھوڑی دور تو ہے ہی ہماری خاطر سے چلی چلو۔

حسن آرا۔ اللہ جانتا ہے جو اُٹھا بھی جاتا ہو۔ آپ کچھ فکر کیجیے ہم سے تو ہمالک نہیں جاتا۔ آخر چلنے کا کچھ ٹھکانا بھی ہے۔

آزاد۔ اب آپ بجرے پر سوار ہوں میں ساتھ ہوں۔

سپہر آرا۔ (کانوں پر ہاتھ رکھ کر) معاذ اللہ۔ خدا کی قسم ہم نہ جانے کے۔ بجرے پر سوار ہوتے تو روح فنا ہوتی ہے بس بجرا دجرا رہنے دیجیے۔

حسن آرا۔ نہیں بہن بجرے پر میں خود ہی نہ سوار ہوں گی۔

یہ گفتگو ہوتی ہی تھی کہ میاں آزاد نے پیر مرد کو کنارے کیطرف پکارا اور کہا کہ بجرا ادک کر اُتر آؤ۔ جب پیر مرد نے بجرے کو چھوڑا اور کنارے پر آیا تو آزاد نے کہا کہ گھر جا کر گھوڑے یا فنس لے آؤ۔ حسن آرا تھک گئی ہیں۔ مگر واسطے خدا کے سپہر آرا کے ڈوبنے ڈالنے کا حال وہاں کچھ نہ کہنا۔

حسن آرا۔ تم اتنا کہدینا کہ کل تک ہم سب آئیں گے اور بخیریت ہیں۔

الغرض پیر مرد تو سواری لینے گئے اور میاں آزاد اور سپہر آرا در حسن آرا میٹھی باتیں کرنے لگے۔ شطرنج کا ذکر حسن آرا نے چھیڑ دیا۔ اور کہا کہ آپ تو علم صحبت کے بادشاہ ہیں کبھی کبھی شطرنج کا بھی شوق رہا ہے۔ ایک نقشہ حل کیجیے تو جانیں۔ خدا کی قسم رُخ چھوٹ چھوٹ جائیں رنج ہو جائے تو سہی۔ بڑا پیچیدہ نقشہ ہے اور چار چال کا کچھ کچھ بریجیے تو کیا مضائقہ ہے۔

آزاد۔ بسم اللہ کچھ فرمائیے۔ اسی بالو پر نقشہ بنا دیجیے ابھی حل کرتا ہوں۔

حسن آرا۔ دیکھیے یہ نقشہ ہے۔

سبز بازی

					وزیر سرخ		
	فیل سرخ		پیادہ سبز				
				شاہ سبز			
	پیادہ سرخ						
	شاہ سرخ						

سُرخ بازی چار چال میں مات کرے

آزاد۔ چار چال میں مات بنے۔ اچھا پہلے کون چلے۔ سبز یا سُرخ۔

حسن آرا۔ واہ واہ تو آپ نقشہ حل کر چکے جو مات کرتا ہے وہی پہلے چلتا ہے۔ نقشے کا یہ قاعدہ ہے۔ بس آپ حل کر چکے قابلیت حضور معلوم کردم۔

آزاد۔ اچھا چلیے کشت۔

حسن آرا (قہقہہ لگا کر) واہ کشت کی لیجیے کہی نقشے میں پہلے ہاتھ کشت تو دی نہیں جاتی۔

آزاد۔ تو ہم حل کر چکے۔ مگر ذرا غور کرنے دیجیے۔ چار چال کی

نقشہ بڑی ہوا تھا سوچیں تو وہ حل کر لیا۔ نہ کہو گی۔ اوّل چال شاہ سرخ بخانۂ دوم فیل کھیلے۔ دوم پیادہ سرخ ایک گھر چلے۔ سوم فیل سرخ بخانۂ چار وزیر کھیلے۔ چہارم وزیر کی شہ مات ہوگی۔

حسن آرا۔ اسکی تشریح کیجئے۔

آزاد۔ اوّل چال سرخ بخانۂ دوم فیل کی ہر طرح رہیگی اب اگر حریف شاہ سبز کو بخانۂ چہارم بادشاہ سرخ کھیلے تو مات کرنے والا پیادہ سرخ چلے اگر شاہ سبز بخانۂ وزیر یعنی جس گھر پر تھا جاوے تو شاہ سرخ کو بخانۂ سوم وزیر چلے شاہ سبز کو حکمی پیادہ چلنا پڑیگا اور فیل کی شہ مات ہوگی۔

حسن آرا۔ سبحان اللہ۔ آپ واقعی بڑے ذکی الطبع آدمی ہیں کیا چٹکیوں میں نقشہ حل کیا ہے۔ ہم نے تین دن میں بڑے غور کے بعد کہیں حل کیا تھا۔ آپنے دیکھتے ہی دیکھتے نقشہ نکال لیا۔

اتنے میں ایک آدمی سامنے سے آنکلا تو حسن آرا اور سپہر آرا دونوں نے مُنہ پھیر لیا کہ اجنبی کی نظر نہ پڑے۔ میاں آزاد نے اُس سے پوچھا کہ کہو بھئی تم کون ہو اور کہاں جاتے ہو۔ ادھر تمھارا کیا کام۔

اجنبی۔ حضرت میں ایک ایرانی کے پاس نوکر تھا پہلے تو کچھ عرصہ تک ادھر اُدھر مارا مارا پھرا کہیں روزگار نہ ملا۔ ایک دن گھومتا گھومتا سرا میں جا نکلا تو ایک ایرانی بڑا سا عمامہ باندھے بیٹھے تھے تین روپیہ ماہواری اور خوراک پر نوکر ہوا مگر اُن کی گفتگو میری سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ بک کیا رہے ہیں۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ لو یہ رکابی لو اور اُسکو دو کر لاؤ میں نے پوچھا کہ وجہ تو فرمایا کہ تم کون۔ وجہ سے تم سے کیا واسطہ۔ جاؤ اسکو دو کر لاؤ تب تو میں گیا اور ایک پتھا جو رکابی پر مارتا ہوں تو اتفاق سے تین ٹکڑے ہو گئے میں نے کہا خدا ہی خیر کرے اب مجھی ڈالے گا اُس نے کہا تھا دو کر لاؤ۔ ہم نے تین ٹکڑے کر دیے خیر میں نے کہا کہ پھر اب جو چاہے ہو۔ میں ڈرتا ڈرتا وہ رکابی اُن حضرت کے پاس لے گیا اور جا کر چپکے سے کونے میں کھڑا ہوا اُس وقت وہ کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ جب میری طرف دیکھا تو آگ ہو گئے پوچھا کہ یہ تم کیا کر لائے۔ میں نے کہا خداوند کیا لائے ایک کے تین کر لائے آپ نے دو ٹکڑے کہے تھے میں تین کر لایا۔ بتا جو بڑا تو ایک ٹکڑا زیادہ ہو گیا معاف کیجئے۔ اتنے میں ایک شخص نے اُن سے پوچھا کہ آپنے اس رکابی کے دو ٹکڑے کس غرض سے مانگے تھے انھوں نے کچھ فارسی میں جواب دیا تو معلوم ہوا کہ اسکا مطلب یہ تھا کہ اُس رکابی کو دھو کر لاؤ مگر دھو تو منہ سے نکلا نہیں۔ کہا دو کر لاؤ۔ میں دو کے اور تین کر لایا۔ جب سمجھا تو بہت ہی ہنسا۔ کہ بڑا دھوکا ہوا۔ اُنکی ایک لڑکی بھی تھی۔ اس لڑکی کی جہاں شادی ہوئی ہے وہاں میں جاتا ہوں۔

اتنے میں ملّاح سواریاں لے کر آگئے۔ فنس پر سپہر آرا۔ سوار ہوئیں۔ اور ایک ترکی پر حسن آرا اور ایک عربی راہوار پر میاں آزاد سوار ہو کر پو قدمے جانے لگے اب راہ میں وہ ہیں اور حسن آرا تیسرا کوئی نہیں۔ ملاح اپنے بجرے پر جاتے تھے۔ راہ میں آزاد نے بڑی بے تکلفی سے گفتگو شروع کی اور درد دل شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا اور کہا کہ اس مرض کی دوا حکیم کے پاس ہے نہ ڈاکٹر کے پاس فقط تمھارے ہاتھ میں ہے۔ چاہے جلاؤ چاہو قتل کر ڈالو۔ مختار ہو جو چاہو سو کرو۔

چلن ہی چلن لگتا ہے

پلا ساقی گلبدن جام مُل
کیا مست دورِ فرحناک نے

کھلا چاہتا ہے اب اک اک گل
لگی دخت رز جھانکنے تاکنے

سمجھو دیکھو کر رنگ صحبت ذرا — مبارک ہو یہ جشن ہے دوسرا
چٹکتے ہیں غنچے کھلا لالہ زار — ہوئیں بلبلیں مست آئی بہار
لڑی آنکھ نرگس کی شمشاد سے — کیا ربط مہوش نے آزاد سے
یہاں شیشہ و جام میں ربط ہے — نہ اب تاب نے طاقت ضبط ہے
یہ قلقل ہے پیغام عیش و سرور — دم بیحجابی ہے اے ذی شعور
دکھایا جوانی کی صحبت نے رنگ — ادھر ہے ترنگ اور ادھر جلترنگ
جدھر دیکھئے دید و داد یہ ہے — صراحی سکے ہیں قہقہے عید ہے
نہ ہے محتسب بر سر احتساب — نہ قاضی کا ڈر ہے نہ فکر حساب
یہی وقت ہے جام دے جام بھر — خدا کے لیے اب تو حرفہ نہ کر

غنیمت ہے یہ ولولہ یہ شباب
یہ صحبت یہ جلسہ یہ دور شراب

بہار عاشقی کے رنگ و بو دادادہ جمال اصنام سنبل مو میاں آزاد خانہ برباد اور نو عروس ستم ایجاد بلائے جان آزاد بت رنگیں ادا یعنی حسن آرا دو رکابے گھوڑوں سوار لطف بہار دیکھتے سنبل پرشکن اور نرگس غمزہ زن سے آنکھیں سینکتے شبدیز سبک خیز چمکاتے کبھی دوڑاتے کبھی چمکارتے چلے جاتے تھے اور بہار گلکاری قدرت داور دادار کے مزے اُڑاتے تھے۔ ادھر معشوق زہرہ تمثال مشتری خصال سپہر آرا نفس پر خواب نازمیں تھیں اور چشمہ سار میں بیر و بجرے پر قدرت حق دیکھ دیکھ کر وجد کر رہے تھے۔ میاں آزاد نے جو حسن آرا کو بے نقاب دلے حجاب پایا تو مدعا ضروری الاظہار زبان پر آیا۔ مگر رمز و کنایہ میں حسن آرا چتونوں سے تاڑ گئی کہ جلد باز آدمی ہیں۔ مطلب کی بات چبا گئی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں جواب دیا۔ کبھی لجائی کبھی مسکرائی۔ کبھی شرمائی۔ کبھی بات بنائی۔ مگر نکاح کا لفظ زبان پر نہ لائی نہ لائی۔ اتنے میں سب کے سب

اس جلیوان سپہر توامان میں پہونچے جو وسط چشمہ سار میں واقع تھا۔ اس عالی شان اور دلکشا فرح بخش و نزہت انتما محل میں جو میاں آزاد نے قدم رکھا تو بے اختیار کہہ اٹھے۔ سہ

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا است

فرش و فروش بے بہا۔ شیشہ آلات خوش نما۔ یہ قالین ہے۔ یا نگارخانۂ ارژنگ۔ یہ سوزنی ہے یا تختۂ تصویر فرنگ۔ نگین سائبان چھت گیری زرافشاں۔ پردے خوش نقش و نگار۔ در و دیوار مسرت بار۔ بادلان مکلل و رنگین نشان۔ ہوائے نخلہ سے بہشت کی لپٹ آتی ہے نسیم عنبر بیز دماغ کو طبلۂ عطار بناتی ہے۔ بزم طرب عطر روح پرور سے مست ہوئی جاتی ہے۔ طائر کلک نسرین سلک توصیف بزم طرب میں خس بدنداں ہے۔ اور کیوں نہ ہو ایک ایک ذرہ رودکش خورشید تاباں ہے۔ روشنی کا وہ عالم کہ مہتاب جگنو نظر آتا تھا۔ خورشید عالم افروز فرط غیرت سے بحر ظلمات میں ڈوبا جاتا تھا۔ کہیں چراغوں کی قطار کہیں کنول اور جھاڑ۔ جدھر نظر ڈالو جلوۂ رعنائی۔ جدھر دیکھو رنگ خود نمائی ہر سمت فیض کا ظہور۔ ہر طرف نور موفور۔ ہر شے سے صناعان چابک دست کی صناعی نمودار ہے۔ اور حضرت نوالانوار کی صنعت بالغہ آشکار۔ بطرفہ آرائش کا سامان اور اور لطف کا سماں۔

میاں آزاد خانہ برباد چاروں طرف حیرت زدوں کی طرح گھومتے تھے اور نشۂ بادہ طرب سے ہر قدم پر جھومتے تھے کبھی بجرے سے دریا کی روانی دیکھی۔ کبھی چراغاں کی نور افشانی دیکھی۔ حیرت تھی کہ یا للعجب یہ جشن جمشیدی ہے یا بزم فریدونی

ہر سمت بہجت و شادمانی۔ ہر جانب طرب و کامرانی۔ بادۂ ابتہاج جام سرور میں موجزن ہے۔ بزم طرب پر دلھن کا ایسا جوبن ہے۔ ؎

امشب ایں مجلس رنگین دخاب ید آنست
نتواں گفت بہشت ست کہ حد چند نیست

اتنے میں۔ ؎

پل مارنے کی جو تھی جو دیری
سبحان اللہ شان تیری

میاں آزاد کیا دیکھتے ہیں کہ چار مہوشان گلرخان حسن آرا اور سپہر آرا کے ہمکنار ہوتی ہوئیں چھما چھم کرتی چلی آتی ہیں۔ چاروں طرحدار باغ و بہار چاروں کم سن الھڑپن کے دن جسے دیکھو جوش شباب سے اکڑتی ہے۔ جوانی پھٹی پڑتی ہے آرائش اس حسن پر جان دے اور حسن خود بلائیں لے کسی کے ماتھے پر افشاں۔ کسی کے جبین مبین سے نور سعادت عیاں جو ہے پری زاد ستم ایجاد۔ سرو قامت رشک شمشاد۔ ایک کی پتلی پتلی کمر لچکتی ہے۔ دوسری انا البرق کہتی ہوئی بجلی کی طرح چمکتی ہے یہ کوہ قاف کی پریاں ہیں یا جنت کی حوریاں۔ نہیں۔ نہیں پریوں میں یہ خود نمائی کہاں۔ حوروں میں یہ کج ادائی کہاں ابرو قبلہ بے دل و دینان سجدہ گاہ زہرہ جبینان انگڑائیاں لگاوٹ باز سرمست خوبی و محو ناز۔ ؎

محفل ہے حسینوں کی یا کوئی مرقع ہے
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

حسن آرا کی زلف پریشان دیکھ کر میاں آزاد آشفتہ حال ہو گئے گیسوئے معنبر جان کے وبال ہو گئے۔

بتوں کے عشق میں اللہ کا جلوہ نظر آیا
حقیقی عشق پیدا ہو گیا عشق مجازی سے

حسن آرا اپنی ہجولیوں کو ساتھ لائی تھیں اور وہ بڑے شوق سے آئی تھیں کہ میاں آزاد کے جمال پر نظر ڈالیں دیکھتے ہی عش عش کر گئیں کہ واہ کیا جوان رعنا بلند بالا ہے آدمی کیا آفت کا پتلہ آتش کا پرکالہ ہے۔ گیتی آرا بیگم جو حسن آرا کی خالہ زاد بہن تھیں کہنے لگیں۔

گیتی آرا۔ حسن آرا بہن تمہاری پسند پر صاد ہے۔ یہ انسان ہے یا پریزاد ہے۔ جوش جوانی ہنستی پیشانی طاؤس مست کی طرح جھومنا اور شیر ژیاں کے مانند تننا۔ ؎

شگرفی چابکے چست و دلیری
بہر آہو بہ کینہ تند شیرے

سپہر آرا۔ (حسن آرا سے) باجی سلام۔ ہم نہ کہتے تھے کہ میاں آزاد سا طرحدار جوان کوئی کم نظر آئے گا۔ لے جناب مشکل کشا علی کی قسم مشعل لے کر بھی ڈھونڈھیے تو نہ پایئے میں صرف ظاہری صورت اور چاند سے مکھڑے کی نہیں کہتی۔ حسن باطن پر نظر ڈالو تو نور علیٰ نور۔ اور حسن ظاہری تو ظاہری ہے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ نظارے تک کے پر جلتے ہیں

گیتی آرا بہن بھی دیکھتے ہی لوٹ ہو گئیں۔ اور میری تو بے دست و پائی کی حالت میں انہوں نے دستگیری کی ہے کفران نعمت اپنا شعار نہیں جب تک جیوں گی ان کا دم بھروں گی۔

جہاں آرا۔ (گیتی آرا بہن) کیوں جی دبیر مردے) اس سن سے سفید بالوں میں خضاب کیوں نہیں لگاتے پہلے مہندی کا استر دیجئے پھر وسمہ کا ابرا لگائیے۔ اب تو آپ نام خدا کوئی دو سو سے اوپر ہوں گے کیا عاقبت کے بورئیے بٹوریں گے یا مرنا بالکل بھول بیٹھے۔ تمہیں ملک الموت نے بھی چھٹے سانڈ کی طرح چھوڑ دیا۔

ملاح ۔ اونھ جی ۔ خضاب وضاب سے کیا ہوتا ہے ۔ بہت کٹ گئی تھوڑی باقی ہے ۔ یہ بھی کٹ جائیگی ۔ خضاب لگاکر رو سیاہ کون ہو ۔ ؎

من موے خویش را نہ ازان میکنم سیاہ ۔۔ تا باز نوجوان شوم و نو کنم گناہ

گیتی آرا ۔ کیوں بہن ۔ میاں آزاد کچھ شعر بھی کہتے ہیں صورت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ شاعر آدمی ہیں ۔

حسن آرا ۔ کیا خوب ماشاء اللہ قیافہ شناس بھی آپ ہیں پھر آپ انھیں سے نہ پوچھئے ۔ یہ گھونگھٹ کیسا ۔

گیتی آرا ۔ کبھی کی جان پہچان ہوتی تو خیر مضائقہ نہ تھا ۔ بے جانے بوجھے نامحرم سے باتیں کرتے شرم آتی ہے ۔

آزاد ۔ فقیر بینوا سے جان پہچان کیسی ودہ نشِ گوشہ نشین سے جھجک یعنی چہ ۔

گیتی آرا ۔ یہ فقیر بینوا آپ کب سے ہوئے ۔

آزاد ۔ جب سے سلطان خوباں کی صحبت میں باریاب ہوا ۔

گیتی آرا ۔ (مسکراکر) چہ خوش ابھی الٹی گنگا بہائی ۔ بادشاہوں کی صحبت میں تو گدا تک مستغنی ہو جاتا ہے ۔ آپ کے سلطان خوباں اچھے خسرو ہیں کہ آزاد کو گدائے بینوا کر دیں ۔

آزاد ۔ (جھینپ کر) اپنی اپنی قسمت ۔

گیتی آرا ۔ واہ یک نشد دو شد قسمت کو تو نہ الزام دیجئے قسمت نے تو سلطان خوباں کے در دولت تک پہونچا دیا ۔

آزاد ۔ (پھر منھ کی کھائی) اسوقت بلبل شیدا کی طرح دلفگار ہوں ، دماغ صحیح نہیں ۔

گیتی آرا (تھتھولہ لگاکر) کیا خدانہ کردہ خشکی زیادہ ہے روغن گل لیجے ۔

آزاد ۔ سبحان اللہ اس گویائی کے صدقے بلبل کیلیے روغن گل اور دماغ کیلیے خشکی بھی اچھی رعایت ہے ۔ یہ عروس فصیح البیان ہے یا طوطی ہندوستان ۔ یہ بت نازک آواز ہے یا بلبل شیراز ۔ میرا تو ناطقہ بند کر دیا ۔

گیتی آرا ۔ (مسکراکر) آدمی ہیں منصف ۔

حسن آرا ۔ (گردن پھیر کر) چشم بد دور ۔

گیتی آرا ۔ اگر طبیعت حاضر ہو اور دماغ چاق ہو تو اس مصرعے پر ایک غزل موزوں فرمائیے ۔ ؎

مرض عشق لا دوا دیکھا

آزاد ۔ طبیعت کی نہ پوچھیے ہر وقت حاضر رہتی ہے غائب ہونا تو جانتی ہی نہیں ۔ باقی رہا دماغ اسمیں شمیم زلف عنبریں سمائی ہے ۔ اسوقت اور شعر و سخن ؟ مگر الامر فوق الادب بسم اللہ سنئے ۔ ؎

شیخ کعبے میں تم نے کیا دیکھا ۔۔ ہم بتوں سے ملے خدا دیکھا
سوز نالہ نے کچھ اثر نہ کیا ۔۔ ہم نے یہ ساز بھی بجا دیکھا
آہ نے میری کچھ نہ کام کیا ۔۔ ہم نے یہ تیر بھی لگا دیکھا
آئینہ کب مقابل دل ہو ۔۔ ن ۔۔ گرچہ دونوں کو باصفا دیکھا
وہ دکھاتا ہے عکس کم یہ کیف ۔۔ اسمیں روشن مدعا دیکھا
ہر مرض کی دوا مقرر ہے ۔۔ مرض عشق لا دوا دیکھا
شکل ناخن ہے گرچہ ابروے یار ۔۔ پر نہ اسکو گرہ کشا دیکھا

ہم نے دیکھا نہ عاشق آزاد
اور جو دیکھا تو مبتلا دیکھا

گیتی آرا ۔ بارک اللہ آپ تو شاعر غرا نکلے ۔ کیوں حسن آرا اب ہماری قیافہ شناسی کی آپ قائل ہوئیں یا اب بھی شک ہے ۔

حسن آرا ۔ قائل ! اے بہن ہم معتقد ہیں قائل کیا معنی

گیتی آرا ۔ کیا طبیعت حاضر ہے ۔ واہ وا واہ ۔ خصوصًا مقطع ۔

تو مطلع آفتاب سے روشن تر ہے۔ ع

شیخ کعبے میں تم نے کیا دیکھا	ہم بتوں سے بے خدا دیکھا

اور وہ آئینہ والا قطعہ کتنا دلکش ہو کہ واہ جی واہ۔

آزاد۔ اب انصاف تو اسی کا مقتضی ہے کہ میں نے آپکو خوش کر دیا آپ مجھے مسرور کیجئے۔

گیتی آرا۔ دل و جان سے منظور۔ آپ کچھ فرمائیں میں سعی کروں گی۔ شاید میری ہی کوشش ٹھکانے لگے۔

آزاد۔ صورت سوال ہے۔ حسن آرا کے حسن گلو سوز نے خرمن صبر و طاقت جلا دیا۔ نکاح کا سوال ہے ع۔ کوشش کرد کار خیر ہے یہ۔

گیتی آرا۔ یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے صاحب۔ دل کا سودا دل لگی نہیں ہے آخر حسن آرا میں کیا بات ہے جو آپ لٹو ہو رہے ہیں یا نام ہی پر عاشق ہو گئے (حسن آرا سے) بہن مان لو

حسن آرا۔ اے واہ کیا سفارش ہے۔ کیوں مان لیں یہ ہنسی ہم کو گوارا نہیں۔

آزاد ع۔

رحمے بدلم اے ستم ایجاد نکردی	ایں خانۂ ویراں شدہ آباد نکردی
دلجوئی من آہ ز بیداد نکردی	گو شتے بہ فغان دل آزاد نہ کردی

بلیشت ہمہ تن گرچہ زبانم چہ تواں کرد

حسن آرا۔ چہ خوش چرا نباشد۔ اب ایسا عشق چرایا کہ ذرا ضبط نہیں کر سکتے اس نالۂ شور انگیز کو تہ کر رکھیے۔ اور میٹھی میٹھی باتیں کیجئے۔

آزاد۔ تلخ کامی میں میٹھی میٹھی باتیں کیسی۔

حسن آرا۔ سنئے بندہ پرور میں بے سمجھے بوجھے ہاں نکرونگی

آزاد۔ تو نہیں بھی تو نہ کیجئے۔

حسن آرا۔ ع۔ عشق بازی را تحمل باید اے دل پائے دار ہے سنئے (کان میں) میں آپکی ادا۔ آپ کی وفا۔ آپکے خط و خال آپکی چال ڈھال آپکے حسن گلوسوز۔ آپ کے نور عالم افروز آپ کی بناوٹ آپ کی سجاوٹ۔ آپکے فضل و علم آپ کی متانت و حلم۔ آپکی فصاحت۔ آپکی ذکاوت پر ہزار جان سے عاشق ہوں جو ایسے گلبدن کے ساتھ میرا عقد ہو تو جامے میں نہ پھولے سماؤں۔ باغ باغ ہو جاؤں۔ زہے نصیب کہ تمھارا سا شوہر ملے زہے بخت کہ کوئی تمھاری بیوی بنے۔ مگر یہ یاد رکھیئے گا۔ کہ میں وہ فعل کرنا نہیں چاہتی جس سے تربیت یافتہ عورتیں بدنام ہوں اور وہی مثل صادق آئے کہ ایک مچھلی سارے تالاب کو گندہ کرتی ہے میری دلی خواہش یہ ہے کہ تعلیم یافتہ شریف زادیاں ایسا چال چلن رکھیں جو اوروں کے لیے نمونہ ہو تاکہ اور شرفا زادیاں بھی ہمارے نقش قدم پر چلیں اور زیور علم و فضل سے آراستہ و پیراستہ ہو کر اپنے ملک کو فائدہ پہونچائیں بچوں کی تعلیم میں مدد دیں حیا پرور رہیں پاک نظر ہوں عصمت ہاتھ پاؤں پھیلائے۔ عفت دن دونی رات چوگنی ترقی پائے میں جو بے سمجھے بوجھے آپ کے ساتھ نکاح کر لوں تو آس پاس کی عورتیں طعنے نہ دینگی کہ واہ چٹ تیری منگنی اور پٹ تیرا بیاہ آج دیکھا کل نکاح۔ بوڑھی دادی کو طاق پر بٹھایا اور آپ بیاہ رچایا۔ میرے چال چلن پر ہزاروں کی نظر ہے۔ اس شہر کی سب مائیں اور سب بیٹیاں مجھے غور سے دیکھتی رہتی ہیں کہ دیکھیں اس نے جو ایک نئی بات کی کہ فارسی عربی پڑھی تو اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ ہمارے خاندان بھر پر دو رنگی انگلیاں اٹھتی ہیں ایک مجھ پر کیا ذرا ہی جتنی بہنیں ہیں سب پڑھی لکھی ہیں۔ گیتی آرا بیگم کچھ کم ہیں۔ یا جہاں آرا ان پڑھ ہیں۔ میرے خاندان اور میری

ہمجولیوں میں کوئی جاہل نادان مُورکھ نہیں ہم جب کوئی بات کرتے ہیں آپس میں مشورہ کرکے۔ یہ نہیں کہ کاتا اور لے دوڑیں ہم چاہے مرجائیں لیکن یہ نہ ہوگا کہ ننگ و ناموس میں دھبا لگائیں شادی کرنے سے انکار نہیں لیکن غور کرکے دیکھو میاں اور بیوی کو عمر کا ایک معتدبہ حصہ باہم صرف کرنا پڑتا ہے اگر نہ بنی یا پھوٹ ہوگئی یا تیغ چلی یا شکر رنجی ہوگئی تو زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ میاں نے کس کر بیوی پر ایک لات لگائی بیوی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ چٹ چٹ کوسنا شروع کیا۔ وہ الگ منہ پھلائے بیٹھے ہیں یہ الگ روٹھی ہوئی ہیں ایسے میاں اور بیوی کو دور ہی سے سلام ہے آپکی ایک ایک ادا دل میں کھب گئی ہے۔ آپ سے اچھا بیشک مجھے نہ ملے گا لیکن آپ کو یہاں کوئی جانتا بھی تو نہیں ہے۔ آپ دو تین مہینے یہاں رہئے اور جو میں کہوں وہ کیجئے۔

۱۔ پندرھویں دن آپکے یہاں مشاعرہ ہو تاکہ اس صحبت سے آپکا نام ہو اور لوگ آپکو جانیں کہ آپ بھی کوئی ہیں۔

۲۔ کوئی عمدہ اور خوشنما بنگلہ یا کوئی کوٹھی کرایہ پر لیجئے مگر سر راہ اور اسکو نفاست سے آراستہ کیجئے تاکہ لوگ سمجھیں کہ خوش سلیقہ آدمی ہو اور روپیوں کو محتاج نہیں ہے۔

۳۔ شریف زادوں رئیس زادوں علما فضلا شعرا کے سوائے اور کسی ایسے ویسے سے صحبت نہ گرمایئے۔ شہدوں بدمعاشوں اوباشوں کو نہ آنے دیجئے

ہمنشین تو از تو بہ باشد تا ترا عقل و دیں بیفزاید

۴۔ نماز جمعہ پڑھنے کیلئے ہر بار مسجد جایا کرو۔ جس میں مسلمان یہ نہ کہیں کہ پابند صوم و صلوٰۃ نہیں۔ لامذہب آدمی کو کوئی اچھا نہیں سمجھتا خیالات چاہے جو ہوں۔ لیکن دنیا پرستی اور ظاہر پرستی بھی کسی قدر ضرور ہے۔

۵۔ ایک سواری رکھیے اور صبح و شام ہوا کھانے جایا کیجئے۔

۶۔ امّاں جان سے کبھی کبھی ملا کیجئے۔

اگر ان باتوں کو آپ پسند کریں اور میرا کہنا مانیں تو مجھے شادی کرنے میں اصلا عذر نہیں۔ غور کرکے اسکا جواب لطف فرمایئے یوں تو میں اور سپہر آرا دونوں ممنون ہیں۔ آپنے اسکی جان بچائی آپ کی عنایت سے اُسنے دوبارہ زندگی پائی میں تو آپکی لونڈی ہوں لیکن چونکہ آپ عالم آدمی ہیں اور فہمیدہ اور سنجیدہ۔ لہذا صاف صاف سمجھا دیا۔ جو آپ جاہل ہوتے تو بڑی مصیبت پڑتی۔

آزاد۔ ایسے عالم ہونے سے ہم درگذرے ہمنے علم و فضل کو ابھی سے استعفےٰ دیدیا ہم جاہل ہی سہی بلکہ اور گنوار کا لٹھ کندہ ناتراش اچھا آپنے جو کچھ کہا یہ سب منظور لیکن واسطے خدا کے دوسرے تیسرے دن مجھ غریب الوطن کو اپنے پاس تک تو آنے کی اجازت دیجئے اور یہ سب بھی آپ کے یہاں رونق افروز ہوں۔

گیتی آرا۔ ذرا پھر تو فرمایئے گا۔ چہ خوش۔ پہونچا دیتے ہی ہاتھ پکڑ لیا آپ کو اپنی حسن آرا سے کام ہے یا اُن کی بہنوں سے۔ ذرا سمجھ بوجھ کے کہا کیجئے۔ حسن آرا نے جو تقریر دلپذیر کی اُس کو گوش دل سے سنئے اور سمجھئے۔ ہم اور وہ سب اس بات پر راضی ہیں کہ آپ کے ساتھ انکا عقد ہو لیکن ابھی جلدی نہ کیجئے گا سچ کہئے گا آپ شراب تو نہیں پیتے۔

آزاد۔ شراب! توبہ صورت سے اور نام سے نفرت ہے۔ مص

کہانتک آنکھ نہیں سُرخی شرابخواری کے سفید ہو مجھے بازآ سیاہ کاری سے

حسن آرا۔ پھر آپ کے پاس بجرے پر کہاں سے آئی جو آپ نے سپہر آرا کو پلائی۔

آزاد۔ سبحان اللہ وہ تو دوا تھی۔

کیا ذکر شراب یار توبہ خادر | مرہ ایسا نہ شرمسار توبہ خادر
دوزخ میں جلینگے مے کے پینے والے | توبہ خادر ہزار بار توبہ خادر

میاں آزاد یہ کہہ ہی رہے تھے کہ ہنسا کلوارن دھاتی پھر یا پھر کائی ہوئی لب چشمۂ سار نظر آئی اور اسکو دیکھتے ہی اُن کو اُن خرابیوں کی دُرگت یاد آئی جو بسنت کے دن سیہ مست ہو گئے تھے۔

جہاں آرا۔ اے باجی بھیّا کب سے سو رہا ہے۔ ذرا جگا دو۔ دو گھڑی کھیلنے کو جی چاہتا ہے۔

گیتی آرا۔ نا کہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا بچے جب سوتے ہوں تو ان کو جگانا نہ چاہیئے۔ اب آج سے یاد رکھنا کمسنی میں جب بچے سوتے ہیں تو انکی بالیدگی ہوتی ہے۔ اُنکو جگانا اُن کی نشو و نما کو روکنا ہے۔ اپنے آپ جاگ ہی جائیں گے یہی تو بڑی خرابی ہے کہ بچوں کی غور و پرداخت کا کسی کو خیال نہیں بچے تو کوبل ہیں کوپل۔ چاہے جس طرف جھکا دو۔ لیکن بڑھ کر پھر مشکل ہے۔ تندرستی اُنکی صحت اُنکے چال چلن کا ابھی سے خیال چاہیئے جس میں بڑھ کر توانا اور تندرست چاق و چوبند ہوں۔ یہاں کی عورتیں بچوں کو راہ خدا پر چھوڑ دیتی ہیں اسی سے تو اکثر بچے بیمار رہا کرتے ہیں۔

حُسن آرا۔ اسوقت ہوا بڑے زور سے چل رہی ہے اُف۔ جگر تک ٹھٹھرا جاتا ہے۔ لے ہے۔ باجی یہ کیا باتیں ہیں تمھاری اور سنو۔ ہم بڑے بڑے تو کانپ رہے ہیں رضائی اوڑھنے کا جاڑا ہے۔ یہ دولائی چھوڑنے کو جی جو چاہتا ہو اور بھیّا کو باریک شربتی کی آصف خانی خالی خولی پنھا دی اسی سے تو سردی کا مرض ہو جاتا ہے اے دل بہار فلالین کا کرتا نیچے پہنا دو اور کانوں میں دو ہرا ریشمی رومال باندھو یہ گلاب کے پھول ہیں کھلا نہ جائیں گے۔ اس تنی ہوا کی انھیں برداشت کہاں یہ روپیہ کون بھیّا کے ہاتھ میں دے گیا ہے۔ واہ اچھا پیار ہے۔ اور جو کھیلتے کھیلتے مُنھ میں روپیہ لیجائے تو کیسی گذرے چھین لو۔

دل بہار۔ اے حضور چھین تو سب کچھ لوں۔ جب وہ مٹے بھی وہ تو رونے لگتا ہے۔

حُسن آرا۔ دیکھو ہم کس ترکیب سے لیتے ہیں بھلا روئے تو۔ (چمکار کر) بھیّا (ہنس کر)، بھیّا (جھنجھنا ہلاکر) بھیّا (تالیاں بجاکر) بھیّا۔ (ہونٹ پر آہستہ سے انگلی رکھ کر) بھیّا (گدگدا کر) بھیّا۔ گدگدانا تھا کہ لڑکا کھلکھلا کر ہنس پڑا اور روپیہ ترسے ہاتھ سے الگ حُسن آرا نے (روپیہ چپکے سے ہٹا کر) کہا کیوں دل بہار ہم نے روپیہ کیونکر بہلا کر لے لیا رو یا نہ دھویا۔

دل بہار۔ جی ہاں۔ رونا کیسا اور ہنستا گیا بڑا شہدا ہے۔ (ٹھیل کر) بڑا شہدا ہے۔ ہات ترسے کی۔ خالہ کو کیسے چپ چاپ روپیہ حوالے کیا اور ہم نے ہاتھ ہی لگایا تھا کہ غل مچانے لگا۔

گیتی آرا۔ عمر بھر تم نے لڑکے پالے۔ ہا۔ تمھیں سلیقہ نہ آیا۔ بچوں کی پرورش ہنسی کھیل تھوڑا ہی ہے۔

دل بہار۔ آدمی کے بچوں کا پالنا تو ایک طرف اے ہم کہتے ہیں کہ کتوں کے پلوں تک کا پالنا ذری دل لگی نہیں ہے۔ ایکخود کا پالنا مشکل ہے۔ اور ابھی میرا سن ہی کیا ہے جو میں یہ باتیں جانوں۔ بھیّا کو کل سے دست پر دست آرہے ہیں اور ایک ہی دن میں اسکے دشمن گھل کر کانٹا ہو گئے۔ یہاں جنگل میں اوپر آسمان نیچے سمندر نہ حکیم کوئی نہ ڈاکٹر۔

گیتی آرا۔ ہاں ہاں پھر دست تو آویں ہی گے۔ دانت نکلتے ہیں نہ۔ بخار اور دست تو قاعدہ ہی ہے اس کا اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ ہم دوا دیں گے۔ رات کو درخت کے تلے بچوں کو نہ سلایا کرو۔

حسن آرا۔ کیوں اسکا سبب۔
گیتی آرا۔ لوگ کہتے ہیں کہ رات کو درخت کے نیچے سونا برا
آدمی کو بیمار کرتا ہے۔
دل بہار۔ بیمار ویمار تو کوئی بھی نہیں ہو جاتا یوں کہو کہ سائیں
کے سو کھیل۔ خدا جانے آسیب ہو بھوت ہو پریت ہو کیا ہو
کیا نہ ہو لڑکا جھپیٹ میں آجاتا ہے۔
حسن آرا۔ توبہ توبہ جھپیٹ کیسی اور بھوت پریت کیا بلا ہے۔
یہ سب ڈھکو سلا ہی ڈھکو سلا ہے۔ تم ہی مورکھ عورتوں نے
تو جھوٹی باتیں مشہور کر دی ہیں۔ رات کو درخت کے نیچے سونا اس لیے
برا ہے کہ شب کے وقت درخت سے ایک قسم کی خراب ہوا نکلتی ہے
اور وہ صحت کے حق میں زہر کی خاصیت رکھتی ہے۔ سویا اور
بیمار ہوا اسکا اثر رفتہ رفتہ تندرستی پر پہونچتا ہے۔ ہاں دن کے
وقت البتہ درختوں کے سایہ میں سونا اچھا ہے۔ دن کے وقت
جو ہوا درختوں میں سے نکلتی ہے وہ صحت کے حق میں فائدہ بخش ہے
باقی چڑیل اور بھوت کے تو ہم قائل نہیں اور نہ یہ کوئی ان پوچ
باتوں کو مانتی ہوں گی۔
حسن آرا۔ ہماری تو دلی آرزو ہے کہ ہم یہاں مدرسۂ نسواں
قائم کریں یہاں ہندوؤں کی بستی زیادہ ہے۔ میں نے ایک لکچر
لکھا ہے میاں آزاد اگر اصلاح دیدیں تو میں کسی دن یہاں کی
شریف زادیوں کو جمع کر کے لکچر دوں شاید کسی کے دل پر
اثر کرے اور کوئی نتیجہ نکلے۔
آزاد۔ ہاں ہاں۔ ذرا لکچر سنائیے تو۔ آپکا لکچر تو قابل دید
ہوگا۔ باقی رہا اصلاح۔ یہ آپکا حسن اخلاق ہے۔ میں ژولیدہ
بیان کج مج زبان جاہل آدمی اصلاح دینا کیا جانوں ہاں
اگر آپ اپنی زبان سے خیالات فاخرہ فرمائیں تو بجان منت۔
حسن آرا۔ الامر فوق الادب۔ ہمیں عذر نہیں مگر دست بستہ
التماس ہے کہ ہنسئے گا نہیں۔
آزاد۔ ہنسوں بھی تو ہنس نہیں سکتا۔ من ضحک ضحک
بسم اللہ فرمائیے۔

لکچر نسبت تعلیم النسا مصنفۂ صاحب طبع رسا خاتون مہ لقا حسن آرا زاد اللہ حسنہا

ظرفائے بصرہ میں سے چار بزرگوار جنمیں سے ہر ایک بذلہ سنجی
میں طاق اور لطیفہ گوئی میں مشاق تھا حضرت رابعۂ بصری
کے پاس گئے۔ ایک نے کہا۔ اے رابعۂ ذکور کامل العقل ہیں
اور اناث ناقص العقل۔
رابعہ نے پوچھا وجہ۔ برہان۔ فرمایا کہ انکے نقصان عقل کی
یہی کافی دلیل ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے
برابر سمجھی جاتی ہے۔ دوسرے صاحب نے فرمایا کہ آجتک کسی
عورت نے پیغمبری کا درجہ نہیں حاصل کیا۔ تیسرے بزرگوار بولے
کہ عورتیں مہینے میں تین روز روزہ و نماز سے باز رہتی ہیں
چوتھے بزرگ نے فرمایا کہ پس دلائل متذکرۂ بالا سے ثابت
ہے کہ عورتوں پر مردوں کو فضیلت ہے۔
رابعہ نے کہا کہ آپ کی دلیلیں اور اعتراض ہمارے سر
آنکھوں پر لیکن تنہا پیش قاضی روی راضی آئی کا نقشہ ہے۔
اگر کسی عورت سے پوچھیے تو وہ بھی عورتوں کی تین فضیلتیں
بیان کر سکتی ہے۔
اولاً عورتوں میں کوئی ایسی نہیں سنی گئی کہ نہ مرد ہو نہ عورت
ثانیاً آجتک کوئی ایسی عورت نہیں سنی گئی جس نے خدائی کا
دعویٰ کیا ہو یہ بے ادبی مردوں ہی سے سرزد ہوئی۔
ثالثاً۔ انبیا اور اولیا اور صلحا اور صدیقین نے عورتوں ہی کے

بطن میں پرورش پائی تھی۔

جب سب پر ظاہر ہے کہ اُناث کو ذکور پر جس قدر فضیلت ہے اُسے ذکور اپنے غرور کے سبب سے تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

یہ برجستہ جواب سنکر اُن چاروں کے حواس خمسہ مختل ہو گئے اب میری پیاری بہنوں کو غور کرنا چاہیئے کہ ذکور ہمکو کسقدر بُرا سمجھتے ہیں اور کس درجہ نظر حقارت سے دیکھتے ہیں جاہل مورکھ ان پڑھ ناقص العقل ناقص الدین یہ خطاب ہمارے لیے تجویز ہوئے ہیں لیکن ہم اسی پر قناعت کرتے ہیں حالانکہ یہ بھونڈی قناعت ہے ہمیں چاہیئے کہ وہ تدبیر کریں جس سے ناقص العقل ہونے کا دھبّہ مٹ جائے۔ اور وہ تدبیر یہی ہے کہ زیور علم سے متحلی ہوں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم ناقص العقل ہیں مسلمان اور ناقص العقل ہونے کے سبب سے ناقص الدین بھی ہیں۔ لیکن یہ قصور کسکا ہے ذکور کا۔ وہ ہم کو تعلیم و تربیت سے محروم رکھتے ہیں ہمارے پڑھانے لکھانے کو کفر و خطا تصور کرتے ہیں اور پھر ہمیں کو للکارتے ہیں کہ تم کم عقل ہو۔ ذکور ہم کو بڑی ہی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں ہمارے دل پر داغ ہوتا ہے کہ وہ ہمیں بہائم سے کچھ ہی بہتر سمجھتے ہیں مگر ہماری آنکھوں پر وہ غفلت کا پردہ چھایا ہوا ہے کہ ہمیں اپنا نیک و بد کچھ نظر نہیں آتا اگلے وقتوں کے لوگ تعلیم نسواں کو آتش زن کالائے پارسائی اور فروغ بازار بیحیائی کہتے تھے۔ اور شریف زادیوں کے تربیت یافتہ ہونے کو معائب شرافت۔ خیر۔ اب نئی پود کے نوجوان البتہ اس امر کی طرف کسیقدر مخاطب ہوئے ہیں لیکن زبانی داخلہ بہت یہ نہیں کہ اپنی اپنی بیوی کو پڑھائیں لکھائیں۔ بس خالی باتیں سن لیجئے جو لوگ تعلیم نسواں کو اچھا سمجھتے ہیں وہ تین سوال پوچھتے ہیں۔

اولاً کیا شرع محمدی اور دھرم شاستر کی رو سے تعلیم نسواں ممنوع ہے۔

ثانیاً۔ ہمارے اسلاف فردوس آرام گاہ کے وقت میں تعلیم النسا کا رواج تھا یا نہیں۔

ثالثاً۔ کب سے اور کیوں موقوف ہوئی۔

یہ تین سوال غور طلب ہیں اور اکثر اخباروں میں وقتاً فوقتاً انکی بحث دیکھی۔

واضح ہو کہ امر اوّل کی نسبت سب یہی کہیں گے کہ تعلیم النسا ممنوع نہیں ہے دھرم شاستر اور شرع محمدی دونوں کے رو سے اسکا جواز ظاہر ہے۔ اگر شرع محمدی کی رو سے عورتوں کی تعلیم ناجائز ہوتی تو اہل اسلام کی وہ عورتیں جو مقدسہ سمجھی جاتی ہیں اور جو واقع میں اس لائق تھیں کہ انکے نقش قدم پر چلے اور انکے چال چلن کو دستور العمل بنائے علم و فضل سے ضرور محروم رہتیں ظاہر ہے کہ علم کے بغیر شرع محمدی کو مرد ہو یا عورت کوئی بخوبی سمجھ نہیں سکتا اور جب تک بخوبی نہ سمجھے گا ضرور ناقص العقل رہیگا پس دین کی ترقی کے لیے لازم آیا کہ ذکور ہی نہیں بلکہ اُناث بھی تعلیم پائیں۔ شرع کی رو سے ایسے امر مستحسن کی ممانعت یعنی چہ باقی رہا دھرم شاستر اسکی رو سے جواز ظاہر ہے۔ میری ہندو بہنیں جانتی ہونگی کہ منتری جی جو جاگ ولک رکھیشر کی استری تھیں وہ علم و فضل میں آجتک مشہور ہیں۔ مہاراجہ دھرتراشٹ کی استری گندھاری جی اسدرجہ عالمہ متبحر تھیں کہ بیاس جی جیسے عالم اجل سے علمی بحث ہوا کرتی تھی۔ لیلاوتی جی کے نام سے کون فرد بشر واقف نہیں ہے۔ حساب میں ان کو اسقدر دستگاہ حاصل تھی کہ اچھے اچھے محاسب اُن کو مانتے ہیں راجہ بھوج کے عہد میں وریا دھری جی مدارس نسواں کی معلمہ

ستر رکھیں۔ ایک اخبار میں ہم نے پڑھا ہے کہ راجہ بھوج کی بیٹی نے راجہ پرتھی راج کے نام اپنے ہاتھ سے خط لکھ کر بھیجا تھا اگر تعلیم نسواں خلاف احکام دھرم شاستر ہوتی تو ایسے ایسے منی اور رشی اور مہاراجہ اُسکو کب جائز رکھتے۔

اہل اسلام میں تعلیم نسواں کا رواج اس سبب سے کم ہو گیا کہ وہ رفتہ رفتہ کاہل ہوتے گئے اور عیش و عشرت میں پڑ گئے عورتوں کی تعلیم کا بالکل خیال نہ رہا اب یہ کیفیت ہے کہ اہل اسلام کی شرفا زادیاں نماز بھی اچھی طرح نہیں پڑھ سکتیں اور اہل ہنود میں شاید پردے کی رسم کے سبب سے موقوف ہو گیا۔

عورتوں کا ناقص العقل ہونا ہنود میں مشہور نہیں ہے۔ تم میں البتہ مشہور ہے۔ لیکن یہ اسی سبب سے کہ وہ بیچاریاں جواب نہیں دے سکتیں اگر وہ بھی پڑھی لکھی ہوں تو مردوں اور عورتوں کا اس میں مقابلہ کر کے ثابت کر دیں کہ مرد زیادہ خوش وضع اور نیک ہیں یا عورتیں۔ عورتیں اگر ناقص العقل ہوتیں تو مدارس نسواں میں لڑکیاں ایسی ترقی نہ کرتیں جیسی اُنھوں نے کیں۔ بلکہ تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ عورتیں مردوں سے ذہن و ذکاوت میں کسی طرح کم نہیں ہیں۔ صاحب ڈائرکٹر مدارس بنگال و مدراس وغیرہ افسران اعلیٰ کی رپورٹ سال تمام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مدارس نسواں میں لڑکیوں نے بہت جلد ترقی کی اور لڑکوں سے بڑھ گئیں۔

عورت اگر تربیت یافتہ ہو گی تو اپنے بچوں کو ابتدا ہی سے عمدہ تعلیم دیگی۔ اخلاق سکھائے گی اچھی اچھی باتیں بتلائیگی کیونکہ دس بارہ برس تک بچے کنار مادری میں پرورش پاتے ہیں اور ماں کی خو بو اُن میں زیادہ اثر کرتی ہے اگر ماں تعلیم یافتہ ہو گی تو اوائل عمر میں جس قدر عمدہ تعلیم لڑکے اُس سے پا سکتے ہیں اسقدر اور کسی طرز پر ممکن نہیں۔

اوائل عمر میں جب لڑکے اور لڑکیاں ساتھ کھیلتی ہیں تو اُن کی ذکاوت اور ذہانت میں فرق نہیں معلوم ہوتا ہے اور اگر محسوس بھی ہوتا ہے تو مفید بحق نسواں۔ لیکن پڑھ کر مرد عالم فاضل منطقی و فلسفی ہو جاتے ہیں اور لڑکیاں گڑیا گڈے کھیلتے کھیلتے محض جاہل رہتی ہیں عورتوں کی ناقص العقلی اگر تھوڑی دیر کے لیے تسلیم بھی کی جائے تو خلقی نہیں۔ افسوس ہے کہ گو انکو تحصیل علوم اور اکتساب فنون کی قابلیت حاصل ہے تاہم ذکور کی عدم توجہی ہم کو اُن سے محروم رکھتی ہے یہ کہنا کہ عورتوں کو پڑھنے لکھنے کا وقت نہیں ملتا ایک عذر بدتر از گناہ ہے۔ بعض عورتیں جو گھر کی اکیلی ہیں وہ البتہ عدیم الفرصتی کا عذر پیش کر سکتی ہیں مگر یہ عذر عام نہیں ہے۔ بہت سی عورتیں ایسی ہیں جن کو ع۔ بجز خفتنی بازیا خوردنی ،، کے اور کوئی کام نہیں۔ مانا کہ نسواں علم برق میں بُراق نہ ہوں۔ جر اثقال میں طاق نہ ہوں۔ شاعری میں شہرۂ آفاق نہ ہوں۔ نثاری میں مشاق نہ ہوں۔ لیکن اخلاق کی کتابیں تو پڑھیں کفایت شعاری کے رسالے معائنہ کریں۔ مذہبی کتب معقول کی سیر کریں۔ حساب میں ضرب تقسیم کسر اربعہ تک سیکھیں۔ گھر کا خرچ روزمرہ لکھ لیں چھوٹے چھوٹے بچوں کو ناگری یا اردو کی کتابیں تو پڑھا سکیں۔ اب انصاف کیجئے کہ کیا اس قدر تحصیل کے لیے خضر و الیاس کی عمر چاہیئے ہم دعویٰ کر کے کہتے ہیں کہ چاہے کیسی ہی غبی لڑکی کیوں نہ ہو چار پانچ برس میں یہ سب بآسانی سیکھ سکتی ہے۔

یہ کتنا فائدہ ہے کہ اگر عورتیں پڑھی لکھی ہوں تو اپنے شوہر کو کہیں زیادہ خوش رکھیں۔ ناخواندہ عورت سے دست جاہل ہے-

تربیت یافتہ بی بی مونس و دانا پڑھی لکھی عورتیں عموماً گھر کا انتظام ایسی خوبی خوش اسلوبی سے کر سکتی ہیں جیسے اہل انگلستان ملک کا انتظام کرتے ہیں۔ بعض اصحاب اعتراض جڑتے ہیں۔ کہ تعلیم و تربیت سے عورتیں بد وضع ہو جائیں گی۔ توبہ توبہ۔ کیا بھونڈے خیالات ہیں۔ یہ علم و فضل پر بڑا بھاری الزام ہے مگر پایۂ اعتبار سے ساقط۔ اکثر صاحبوں کا مقولہ ہے کہ جب عورتیں پڑھ لکھ جائیں گی تو خفیہ عشقیہ خط و کتابت شروع کر دیں گی۔ توبہ توبہ۔ کیا بدگمانی ہے جو عورتیں ناخواندہ ہیں کیا وہ زبانی پیغام نہیں بھیج سکتیں۔ ایک صاحب نے بہت صحیح لکھا ہے کہ خط کے بھیجنے میں تو یہ خوف دامنگیر ہو سکتا ہے کہ مبادا خط پکڑا جائے اور پھر ساری قلعی کھل جائے انکار کی گنجائش بھی مطلق باقی نہ رہے اور اگر زبانی پیغام ہوا تو کھلے گا کیا اور کھلے بھی تو صاف انکار ہو سکتا ہے۔

بہرحال اب میری دلی خواہش یہ ہے کہ ایک مدرسۂ نسواں قائم ہو اور آپ سب مل کر مدد دیں کہ ہندو اور مسلمانوں کی شریف زادیاں اُس میں پڑھنے آئیں۔ بڑی احتیاط کی جاوے گی کہ اُس مدرسہ میں کوئی مرد نہ آنے پائے پرند پر نہ مار سکے اور عورتیں بھی وہی آ سکیں گی جو شریف زادیاں ہیں ایسی ویسی عورتوں کو آنے کی اجازت نہ دی جاوے گی۔

بس اسی طرح لکھا ہے ابھی صرف اسی قدر ہے بعض خیالات اس میں نہیں آئے۔ وہ بھی بڑھا دوں گی۔ اب آپ فرمائیے حضرت آزاد کہ پسند ہے یا نہیں۔ ایک بات اور سن لیجیے کہ یہ لکچر ایک جلسے میں پڑھا جائے گا ذرا بغور اصلاح دیجیے اور عجب نہیں کہ اخباروں میں بھی مشہور ہو۔

آزاد۔ بارک اللہ بارک اللہ۔ یہ مضمون ہے یا فصاحت کا جیحون۔ اسوقت فرط طرب سے سینہ باغ باغ ہے۔ چشم بد دور کیا طبع رسا پائی ہے اور کیا خداداد ذکاوت پائی ہے۔

ہاں آج سخن وروں میں فائق ہے تو — ذی فہم و ذکی ذہین و لائق ہے تو
ہمپایۂ چرخ ہے تری فکر مشد — علال غوامض و دقائق ہے تو

گیتی آرا۔ حسن آرا کی زبان چوم لے۔ اللہ جانتا ہے کہ کیا طبیعت پائی ہے۔ آمد ہے آمد۔ آورد کا نام نہیں کیا خوب ثابت کر دیا کہ تعلیم نسواں ضرور ہونی چاہیے۔ جی خوش ہو گیا مدرسہ قائم ہو تو ایک گھنٹے بھر ہم بھی تعلیم دیں۔

جہاں آرا۔ دو گھنٹے ہم بھی پڑھائیں۔

سپہر آرا۔ ہم کو تو چھوکریاں پڑھاتے ہوئے شرم آئے مگر جایا کریں ہم بھی۔

آزاد۔ اور ہم۔

حسن آرا۔ جی بجا ہے آپکا وہاں گذر کہاں۔ ۵

انسان کو علم فائدہ دیتا ہے — آئینۂ عقل کو جلا دیتا ہے
دنیا میں عزت ہے تو عقبیٰ میں بہشت — یہ دونوں جہاں میں مرتبہ دیتا ہے

واہ رے علم ہندوستان میں کروڑوں عورتیں ہیں۔ گنوارنیں بھی ہیں دہقانیں بھی ہیں بیگمیں بھی ہیں۔ شریف زادیاں بھی ہیں لیکن سبکے خیالات مختلف ہیں اسی طرح سیرت بھی ایک سی نہیں رہتی۔ کوئی گورا ہے کوئی کالا۔ کوئی صبیح و ملیح۔ کوئی نازک اندام کوئی گلفام کوئی بد قطع کوئی خورد۔ گنوارنوں کو دیکھیے کہ ٹکلی ماتھے پر چپکائے لال لال چنریا پھڑکائے کھیتوں میں لہلہاتے ہوئے سبزے کے دھانی رنگ پر لوٹ پوٹ ہیں۔ پٹیاں گوند سے جمائے اور سیندور کی لال لال مانگ نکالی اور سمجھیں کہ بس اب ہم ہی ہم ہیں اور ایسی پری زادیں دنیا کے پردے پر کم ہیں۔

شہر کی عورتوں کے ٹھاٹھ ہی ہیں دنیا سے نرالے۔ ساری خدائی سے انوکھے وہ فوق البھڑک لباس زرق برق کہ ظہر کا پاؤں پھسل پھسل جائے وہ تراش خراش کہ زاہد صد سالہ تک انکی بیعت لائے اور انھیں کا کلمہ پڑھنے لگے۔ لیکن الف کے نام بے تک نہیں جانتیں۔ بالکل جاہل کندۂ ناتراش نری مورکھ ہائے ہائے۔ یہ شریف زادیاں اور جاہل مطلق افسوس شہر کی عورتیں عموماً بات چیت بول چال روزمرہ محاورے میں تو برق ہوتی ہیں مگر پڑھنا لکھنا خیر صلاح۔ پھر خالی خولی طراری اور لفاظی اور لسانی سے کیا ہوتا ہے فرانس میں بھی لیڈیوں کو تراش خراش اور بناوٹ سجاوٹ کا بدرجۂ اتم شوق ہے اور نئی نئی وضع نئی نئی قطع ایجاد ہوتی ہے نئے نئے فیشن نکلتے ہیں لیڈیاں بانکی پوشاک بانکی وضع سے بن ٹھن کر سیر کو جاتی ہیں لیکن یہی نہیں کہ خالی لباس پر لٹو ہوں علم و فضل میں دستگاہ نہ ہو ہائے یہی تو رونا ہے کہ یہاں تو بالکل گنوارپن ہے یا پھر چلتہ پن اور طراری کا شوق لکھنے پڑھنے سے تو کوئی واسطہ ہی نہیں۔ شریف زادی کے یہ معنی ہیں کہ بھلے مانس کے یہاں پیدا ہوئی ہو۔ خیالات چاہے گنواروں کے خیال سے بھی بدتر ہوں اس سے بحث نہیں بڑی خرابی یہ ہے کہ اب وہ لوگ جو نیچ قوم کہلاتے ہیں انکی عورتیں پڑھنے لکھنے لگیں اور شریف زادیاں رئیس زادیاں امیر زادیاں بھلے مانسوں کی مستورات ابھی جہالت ہی کی تاریکی میں رہیں۔ اب چار دن میں سن لیجئے گا کہ نیچ قوم کی عورتیں شریف زادیوں کو دھمکائینگی کہ بیگم صاحب آپ جانیں کیا۔ گویا اچھر بھینس برابر لاحول ولا قوۃ۔ شریف زادیاں ناحق اپنے کو داغ لگاتی ہیں۔

واہ ری حسن آرا حسن و جمال تو خدا نے دیا ہی تھا اسی کے ساتھ طبیعت بھی وہ نورانی عطا کی کہ واہ جی واہ۔ خیالات ایسے فاخرہ کہ باید و شاید۔ دل وہ نیک کہ اہو ہو ہو۔ رائے وہ نادر کہ سبحان اللہ۔ فکر وہ متین کہ اسکی متانت فکر کی قسم کھائے اور یہ سب علم کی بدولت۔ طبیعت ذکاوت تو جناب باری نے کوٹ کوٹ کر بھری ہی تھی اس پر عمدہ تعلیم پائی لے اُڑی گویا آئینۂ عقل پر جلا ہو گئی۔ چمک گیا۔ کیوں نہ ہو۔ حسن آرا کا لکچر قابل دید ہے بلکہ دید ہے نہ شنید ہے۔ زبان کیسی شستہ و رفتہ خیالات کیسے بدیع و شگرف۔ رائے کیسی فرخ اور نادر ہمدردی ایک ایک لفظ سے ٹپکتی ہی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسکے دل سے لگی ہے اور ہندوستان کی عورتوں کو غریق بحر جہل دیکھ کر اسکا جی جلتا ہے اُسنے بیڑا اُٹھا لیا ہے کہ عمر بھر تعلیم نسواں کی ترغیب دیتی رہے گی۔ آفرین صد آفرین اب حسن آرا کے خاندان کی اور شریف زادیاں حسن آرا کی بہنوں کی حسن لیاقت دیکھیے کہ کیسی خوش سلیقہ باتمیز ذی جودت تربیت یافتہ اور ذی خلق ہیں کہ انسان اگر ایک دم کے دم بھی ان کی صحبت میں بیٹھے تو اُس کا جی خوش ہو جائے اور اخلاق و سلیقہ دیکھکر عش عش کرنے لگے کہ واہ۔ ایسی شریف زادیاں تو آج تک ہندوستان میں دیکھی ہی نہیں دیکھیے تربیت یافتگی نے کیا رنگ اثر جمایا کہ بچوں کی پرورش اور غور پرداخت اور علاج اور دل جلانے میں حسن آرا اور سپہر آرا اور جہاں آرا اور گیتی آرا سب کی سب طاق تھیں بدتمیز عورتیں عموماً اپنے بچوں کی تندرستی کا اصلا خیال اور مطلق پروا نہیں رکھتیں گو بچوں کی عاشق زار تو ہوتی ہیں لیکن اپنی بدتمیزی کے سبب سے وہ فعل کر گزرتی ہیں کہ لڑکا بیمار نہ ہوتا ہو تو ہو جائے۔ حسن آرا اور گیتی آرا نے اُس دایہ کو کیسا للکارا تھا کہ خبردار لڑکے کو جگانا نہیں ابھی سویا ہے۔

نیند بھر کے سونے دو جب لڑکا سوتا ہو تو اُسکو کبھی نہ جگائے۔

خیر حسن آرا اور سپہر آرا اور انکی خالہ زاد بہن گیتی آرا اور جہاں آرا اور میاں آزاد اور پیر مرد سب کے سب نے مل کر اس ایوان کیوان نشان میں بڑے لطف و سرور اور مسرت و بہجت سے دو روز کاٹے خوب خوش روز منایا اور حسن آرا نے میاں آزاد کی چال ڈھال وضع قطع بات چیت کو میزان خرد میں خوب تولا خوب جانچا پرتالا اور اُنکے زر شرافت کو کامل عیار پایا حسن آرا کی دلی آرزو تھی کہ میاں آزاد کی خوبیے بخوبی واقف ہو جائیں۔ دس دن میں بیس دن میں ایک مہینے میں دو مہینے میں جسقدر عرصہ میں چاہیے معلوم ہو کوئی دقیقہ باقی نہ رہجائے۔

دو دن اُس ایوان سپہر توامان میں اسی غرض سے رہی تھیں کہ میاں آزاد کے چال چلن کو بخوبی جانچیں پرتالیں۔ جب دو دن تک خوب دیکھ بھال چکیں تو گیتی آرا نے کہا کہ حسن آرا اب چلو گھر چلیں اور میاں آزاد سے کہو کہ کسی اور محلہ میں مکان لیں گھر آیا جایا کریں۔ بہن آزاد کی ہم کو دل و جان سے محبت ہے اللہ وہ دن دکھائے کہ آزاد کا اور تمھارا عقد ہو جائے آزاد ہم کو اپنی بڑی سالی کہیں اور ہم اُن کو اپنا بہنوئی کہیں آنکھیں ہیں آہو ہو بہو۔ کیا رخسارے ہیں واہ واہ واہ۔ کیا قد و قامت ہے کیا شکل و صورت ہے کہ سبحان اللہ یہ ایک طرف علم و فضل کو دیکھو۔ شاعر کیسے غرّا۔ سخنداں کیسے یکتا منشی کیسے بے بدل۔ نثار کیسے بیمثل۔ مورخ کیسے زبردست۔ کیا برجستہ غزل کہی ہے کتنی دلربا اور چیدہ ہے۔ مطلع مجھے نہ دل سے پسند ہے۔ ؎

شیخ کعبے میں تم نے کیا دیکھا ہم بتوں سے بے خدا دیکھا

اور لطف یہ کہ فی البدیہہ کہی ادھر فرمائش ہوئی اور غزل برجستہ موزوں کر دی۔

حسن آرا نے کہا بہن سُنو ہم تو اُنکے بڑے ممنون ہیں انھوں نے تمھاری بہن سپہر آرا کی جان بچائی میں تو انکی لونڈی ہو جاؤں خدا کی قسم مگر بیاہ میں بے جانچے پرتالے نہ کروں گی اب تم اُن سے یہ کہو کہ کسی اور محلے میں فوراً نہایت ہی عمدہ مکان کرایہ پر لیں اور اس میں رہا کریں اور بہن اُن سے کوئی ایسی بری سی بات کہو۔ جو شریف زادوں کی وضع کے بالکل خلاف ہو۔ دیکھو یہ مانتے ہیں یا نہیں ان سے تم کہو کہ فلاں بات کر لاؤ جو بالکل وضع کے خلاف ہو اور اُن کو ترغیب دو کہ اگر تم یہ بات کرو تو ہم حسن آرا کو بیاہ کرنے پر مجبور کر دیں گے دیکھو مانتے ہیں یا نہیں گیتی آرا نے کہا خوب سوچیں تم اب یہاں سے چلو تب کوئی بات ہو تم نے تو یہاں خیمہ ہی نصب کر دیے۔ حسن آرا نے کہا پھر چلیے۔

گیتی آرا۔ (میاں آزاد سے) اب تو گھر چلنا چاہئے دو دن ہو گئے۔

آزاد۔ ہاں اب بوریا بدھنا اُٹھائیے بقچہ سنبھالیے۔ بڑی بیگم صاحب اپنے دل میں کہتی ہوں گی کہ دو دن غائب غلہ بنا چہ معنی دارد۔

گیتی آرا۔ اس کا تو آپ خیال ہی نہ کیجیے حسن آرا کی والدۂ ماجدہ کو اُنپر کافی اعتماد ہے آپ اسکی فکر نہ کیجئے اپنے بچھڑے کے دانت سب ہی پہچانتے ہیں۔ وہ حسن آرا کو خوب جانتی ہیں حسن آرا بڑی نیک اور پارسا اور عفیفہ اور پاکدامن حیا پرور اور عفت کوش لڑکی ہے گو مجھ سے اُنسے دو ہی تین برس کی چھٹائی بڑائی ہے لیکن میں خوب سمجھتی ہوں کہ وہ مجھ سے علم و فضل لیاقت

تمیز سلیقے میں بہت بڑھی ہوئی ہیں۔ اُنکی ماں اپنیر جان دیتی ہیں آپ ہرگز یہ نہ سمجھئے گا کہ یہاں دو دن رہنے سے حسن آرا کی ماں اُنکو برا سمجھیں یا اُنسے ناراض ہو جائیں یہ ان ہونی بات ہی۔
آزاد۔ نہایت طبیعت خوش ہوئی بی حسن آرا بیگم سے اور بھی زیادہ محبت ہو گئی۔

الغرض سب کے سب بجروں پر سوار ہو کر چلے راہ میں میاں آزاد نے کئی بار گیتی آرا سے کہا کہ اگر یہ نہ مانیں گی تو میں زہر کھا لونگا۔ میری تو جان جاتی ہے میں کیا کروں ہائے ستم مجھے خدا نے ایسی پاکیزہ صورت کیوں دکھائی ہیں اور میرا خدا کہ اُنکی ذکاوت اور جودت اور چال چلن اور عفت نے مجھے اور بھی ان کا عاشق دلدادہ کر دیا اب میں کروں تو کیا کروں اگر یہ صرف اتنا مجھ سے کہدیں کہ تو گھبرا نہیں تو میرا جی خوش ہو جائے گر حیف صد حیف کہ یہ بالکل انکار کرتی ہیں اور ذرا امید نہیں دیتیں۔
حسن آرا۔ (کان میں) آزاد ہم تم پر دل و جان سے عاشق ہیں اور عاشق صادق ہیں گر دیکھئے ذرا صبر کیجئے ذرا تحمل کیجئے۔ ع۔ صبر تلخ ست ولیکن بر شیریں دارد۔ ؎ آپ میرے جمال میرے حسن میری پیاری پیاری صورت میری سیرت کے عاشق زار ہیں۔ گو یہ غرور کے کلمے ہیں لیکن میں صاف صاف کہتی ہوں کہ اگر کوئی سُنے گا کہ اس طرح نکاح ہوا تو ہنسے گا یہ نئی بات ہوگی اور جگت ہنسائی الگ۔
گیتی آرا۔ ہم سمجھ گئے۔ بس میاں آزاد اب زیادہ اصرار کرد حسن آرا نے صاف صاف کہدیا جو کچھ کہنا تھا اب بھی آپ نہ مانیں تو افسوس ہی۔ الغرض میاں آزاد اور حسن آرا اور گیتی آرا اور سپہر آرا اور پیر مرد سب بجروں پر سوار ہوے۔

ہوا سے پنڈرے اُچھل رہے تھے۔ دریا نوجوانوں کے مزاج کی طرح بلیوں پر تھا موجیں لہراتی ہوئی آتی تھیں پانی ساحل کو چوم کر اٹکھیلیاں کرتا ہوا جاتا اور پر جیت القہقری واپس آتا تھا۔ اشجار پر بہار کا عکس جوبن دے رہا تھا۔ بعض بعض شاخیں پانی کو چوم رہی تھیں۔ انپر طیور ذی شعور اور مرغان خوش الحان کا مزے سے بیٹھنا اور ہوا کے جھوکوں کا اس قدرتی جھولے کو پینگ دینا اور مرغان خوش نوا کا فرط طرب سے جھوم جھوم کر چہکنا عجب لطف بہار دکھاتا تھا۔ مچھلی یہ اُچکی وہ ہو رہی کسی نے کہا رہو ہی۔ کوئی بولا بام ہی۔ وہ دریائی جانور نے سر نکالا اور غڑاپ غوطہ کھایا۔ کچھوا یہ تیرتا جا رہا ہو وہ گردن غوطے سے پیٹ کے اندر تھی۔ کنارے پر گھاس خوب جمی ہوئی ہی۔ اور ایک کونے پر غوطہ خور بیٹھا تماشا دیکھ رہا ہی۔ لہریں لہراتی ہوئی آتی ہیں اور اُسکے پاؤں کو چوم جاتی ہیں۔ ہوا ایسی سرد چل رہی ہے کہ جگر تک کرۂ زمہریر بن گیا روح ٹھٹھری جاتی ہی جسم کے لحاف میں دبکی دبکائی پڑی ہی۔ نظر کے لیے جو طرفہ خسخانہ بنا ہوا ہے۔ شہتوت کی ہری بھری شاخ وہ تیرتی ہوئی چلی آتی ہے سامنے سے کسی نے دریا میں چراغ بہایا اور اس کے دیکھتے ہی دل بہار نے غل مچایا۔ اے بیگم صاحب دوڑو دوڑو دیکھئے کل آپ حجت کرتی تھیں کہ بھوت پریت سب ڈھکوسلا ہے وہ دیکھئے ہر مہ راکھس دریا میں سامنے سے چلا آتا ہی۔ اس پر زمانشی قہقہہ پڑا۔ چراغ یہ آیا وہ بجھا یہ ٹمٹمایا۔ جا بجا نذریں پڑ رہی ہیں۔ کہیں گنڈ کہیں بھنور۔ یہ کیفیت دیکھنے سے غنچۂ دل کھلا جاتا تھا اور بے اختیار جی چاہتا تھا کہ عمر بھر یہاں ہی بسر کیجئے۔ جانے کا نام تک نہ لیجئے۔ ہر سمت قدرت بالغہ نمودار ہر طرف صنعت کاملہ آشکار۔ ؎

پہونچے معنی تلک جو صورت دیکھے — صانع بلجائے گر یہ صنعت دیکھے
قطرہ قطرہ جو آدمی غور کرے — دریا دریا خدا کی رحمت دیکھے

اور اُس دریا کے بیچوں بیچ میں اس فرح بخش و دلکشا عصمت آثار اور ندرت انتما کوٹھی پر کچھ اور ہی عالم تھا ہر طرف دریا دیکھ لیجئے نیچے دریا بہہ رہا ہے۔ مشرق مغرب شمال جنوب چو طرفہ پانی ہی پانی اور لطف یہ کہ اوپر نظر اُٹھائے تو بھی دریائے اخضر فلک و کشتی ہلال اور زمین پر تو نظر کا دامن پھولوں سے مالا مال تھا جدھر دیکھو گلشن نگاریں۔ جدھر نظر اُٹھائی فرش زمردیں ادھر پھارہ ہو اُدھر بہا ہو۔ اتنے میں باد طرب انگیز خوب سنناتی ہوئی آئی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے کالی گھٹا چھائی اسوقت دریا کی کیفیت قابل دید تھی بلکہ دید تھی نہ شنید تھی سب کے دلوں سے رہی سہی کلفت دور ہو گئی۔ فکر منزلوں کا فور ہو گئی۔ دو چار دن پری رُخان زہرہ تمثال مشتری خصال جوانی کے نشے میں چور میاں آزاد بادۂ شباب سے سرخوش و مخمور ان کی شوخیاں اور امنگ۔ انکی آہ سرد اور جوانی کی ترنگ۔ میاں آزاد نے پیرمرد سے کہا کہ شراب خواری تو بلائے بے درماں ہو ہم تو اُس کے نام پر لاحول پڑھتے ہیں جس طرح ماہ کنعاں کو خسوف چاہ سے خلاصی بخشی۔ یونس و ایوب کو بچایا۔ خلیل پر شرر ہائے جہندہ کو گلزار کر دیا اسی طرح خداوند مجھے بھی اس آب آتش خواص سے بچا گیتی آرا نے آزاد کا غم غلط کرنے کے لیے طرح طرح کے مذاق کی باتیں کرنا شروع کیں لیکن آزاد کی نظر حسن آرا کے رُخ انور پر تھی اور وہ کنکھیوں سے آزاد پر نظر غلط انداز ڈال رہی تھی۔

میاں آزاد نے حسن آرا سے پوچھا کہ کیوں صاحب ہمارے بجرے پر کیوں نہ سوار ہوئیں بھلے مانسوں کا اس زمانے میں عقبار نہیں رہا۔ اُس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں جواب دیا

اس پر سپہر آرا بولی۔ باجی تمھارا تو اچھا سبھاؤ ہے۔ لے واہ کوئی بھلے مانس بات کرے تو جواب تک نہ دو۔ حسن آرا نے ایک عجیب دلربا ادا سے کسی قدر تنک کر کہا کہ بھلے مانسوں کو دیکھ لیا بسم اللہ ہی غلط ہوئی انکی بھلمنسی انھیں کو مبارک رہے آزاد بآواز بلند گانے لگے۔ ؎

کبھی زینت نہ ہوگی واعظ شراب گلگوں کی مے کشوں سے
زباں سے اُس کو بُرا کہیں کیا جسے کہ مُنھ ہم لگا چکے ہیں

حسن آرا۔ جو دختِ رز کو مُنھ لگاتے ہیں اُنکو ہم نہ مُنھ لگائینگے۔

اتنے میں بجرے داخل ساحل ہوے وہ بتان جادو جمال بدر و ہلال تو ایوان کیواں نشان میں گئیں اور میاں آزاد نے اپنی راہ لی دور تک فنسوں کا جمگھٹا اور جھریوں کا جھمکڑا دیکھتے رہے جب فنسیں نظر سے اوجھل ہوئیں تو حضرت اپنے شفیق با تحقیق میاں ظراف کے یہاں چلے آنکھیں اشک فشاں اور اشعار عشقیہ ورد زبان۔ ؎

پڑ گیا زخم تیغ عشق کاری اندنوں — مرغ بسمل کی تڑپ ہے بیقراری اندنوں
واہ کیا جوبن پہ ہے حسن عروسان چمن — ناز کرتی پھرتی ہے باد بہاری اندنوں
وقت گلزار میں رخصت ہوئے ہوش و حواس — ورد اک کرتا ہے دل کی غمگساری اندنوں
جا بجا سبزہ ہوئیں سر نہریں موج زن — کیا گلستاں میں ہے لطف بادہ خواری اندنوں

عاشق تو ہے گر مزاج داں تہیں اپنے ساقی لاؤ بالی کا بایاں قدم لیں چھنٹے ہیں بادہ گساری میں یکا کر دیا ؎

چھکا یا مے سے اک عالم کو ساقی تو نے محفل میں
ادھر بھی کوئی ساغر ہم بھی ہیں امیدواروں میں

ہائے اتنا کہنا بھول گیا کہ فصل بہار میں مجھے جنوں ہو جایا کرتا ہے۔ سڑی سودائی کی باتوں کا کیا بُرا مانتی ہو۔

اب سنئے ادھر میاں آزاد تو اس سوچ میں تھے ادھر ملّاح

ملیح یعنی بیر بخش کو خط گھٹوانے کا شوق جو چرّایا تو حجّام کو بلایا
حجّاموں کا قاعدہ ہے کہ مُنھ بناتے بناتے چہ میگوئیاں بھی
کرتے چلتے ہیں میاں شگیفہ ملاّح ملیح کا خط بناتے جاتے ہیں
اور ساری خدائی کی گرما گرم خبریں سناتے جاتے ہیں ۔
میاں میں لکھنؤ ایک دفعہ گیا تھا تو وہاں سرا میں یہ بھی ٹکے
تھے ۔ ابھی بھی جوان ہیں نہیں گبھرو سے جون آپ
کے پاس بیٹھے تھے اُس روج (روز) ارے کون
جوان گبھرو ۔ کچھ بتادے ۔ ابی ہجور وہی گورے
گورے ہیں نہیں ۔ وہ جون بجرے پر بھی گئے تھے ۔
ہاں ہاں وہ ہی میاں آزاد ۔ جی بس بس وہی میاں آجاد
ہاں ۔ پھر کچھ کہے گا ۔ وہ صاحب تمھارے ایک بھٹیاری
سے شادی کرنے کو تھے مل پھر نکل گئے ۔ اُسنے ان پر نالش
جڑدی تھی ۔ کہ یہ مجھے کچھ رُپی پھرادینے دیتے نہیں ۔ اُس بھٹیاری
کو یہ اونٹ پر سوار کر کے رات کو لیے پھرتے تھے اور کل پرسوں
اُنھوں نے ایک چڑیمار کو مارا ۔ اُس سے کہن کہ تو جال اور لاسا
اور کمپا پھینک پھانک کے چل دے ۔ وہ کب مانتا ۔ آپ نے
اُسپر دو تین چپتیں جمادیں آدمی کچھ ٹھیک نہیں ہیں ۔
اور شراب بہت پیتے ہیں ۔ مُدا بڑے علم کے آدمی ہیں اور
کبول (قبول) صورت بھی ہیں ۔ دیدار و جوان ۔ ملاح کا رنگ
یہ داستان سنتے ہی فق ہو گیا ۔ خبردار اور نہ کسی سے کہنا
ہم سے کہا تو کہا اور کسی سے کہا تو بیڈھب ٹھہرے گی ۔ بس
اب زبان سے نہ نکالنا ۔ اچھا میں نے تو ہجور سے کہا اور سے
گنج (غرض) ادھر میاں خرّاٹ کے مکان پر حضرت آزاد پہونچے ۔
آزاد ۔ بھائی ہوت گھر میں ہو ۔
لونڈی ۔ میاں تو ابھی کہیں گئے ہیں ۔ آپ کہاں سے
تشریف لائے ۔
آزاد ۔ اجی وہ ہم کہیں سے آئے تم کوئی قاضی ہو ۔ تم بھابھی
صاحب سے ہماری بندگی کہدو اور کہو مزاج پوچھتے ہیں پہچانا
یا بھول گئیں غریبوں کو ۔
لونڈی ۔ (دروازے کے پاس آن کر) بیگم صاحب سلام
عرض کرتی ہیں اور فرماتی ہیں کہ کہئے کہاں رہے اتنے دن ۔
آزاد ۔ ادھر ہی اُدھر ۔
لونڈی ۔ وہ کہتی ہیں جی بس ۔ ہم سے نہ بہت اُڑیلے ۔ یہاں
کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں ۔ کہئے آپکی حسن آرا تو اچھی ہیں ۔
یہ چار چار روز بجروں پر ہوا کھانا اور یہاں آن کر تیتے
بتانا ۔
آزاد ۔ (مسکرا کر) کیا خوب آخر آپ سے یہ کس نے کہا
کچّا چٹھا ہی سُنا گیا یہ کن بزرگوار کی عنایت تھی ۔
لونڈی ۔ فرماتی ہیں کہ آپکے بھائی ایک ہی جہانیاں جہاں
گشت ہیں ۔ شہر بھر کا حال اُنسے پوچھ لیجئے ۔ اب ہمیں اتنا بتادیجئے
کہ برات کس دن چڑھے گی ۔ ہم نے سنا کہ حسن آرا آپ پر فریفتہ
ہوگئیں اور کیوں نہ ہو آپ پر بھی ماشاء اللہ عالم ہے ۔
نک سک سے درست ۔ ہاتھ پاؤں خوبصورت مکھڑا پیارا
آنکھیں نشیلی ۔ جن پئے ہر وقت کچے گھڑے کی
چڑھی رہتی ہے ۔
آزاد ۔ پھر بھائی کس کے ہیں جیسے وہ خوبصورت ویسے ہم ۔
لونڈی ۔ فرماتی ہیں کہ بس دھاندلی رہنے دیجئے ۔
آزاد ۔ بھابھی صاحب یہ گھر گھٹ کا طلسم کیسا ۔ آپ اور
ہم سے پردہ ؟ رنج ہو یا نہو ۔
اتنے میں کسی نے پیچھے سے میاں آزاد کی آنکھیں بند کردیں آزاد چلّا اُٹھے

کہ بھائی ظرّاف بھائی ظرّاف۔ دونوں گلے لپٹ گئے۔

ظرّاف۔ (پیٹھ ٹھونک کر) شاباش ع۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ کیوں نہ ہو واللہ مان گیا۔

آزاد۔ قبلہ کچھ نہ پوچھیے۔ چلتے چلاتے سارا مزا کرکرا ہو گیا اس شراب سے خدا بچائے اُس پر شیطان کی پھٹکار۔ (کل حال کہہ سنایا)

ظرّاف۔ (دانتوں کے تلے انگلی دبا کر) ارے! اُف لاحول توبہ توبہ! کتنے نادان ہو۔ تمہاری صورت سے نفرت ہو گئی۔ لاحول ولا قوۃ۔ کوئی ایسی حرکت کرتا ہے بھئی حد بھر احمق ہے تمہاری صورت سے واللہ نفرت ہو گئی۔

آزاد۔ جی مجھے تو اپنی صورت سے آپ نفرت ہو گئی۔ مگر اب کچھ چارہ بتاؤ۔

ادھر آفتاب لب بام ہوا اور وقت شام ہوا ادھر میاں آزاد خانہ برباد اور ظرّاف فرخ نہاد نے کوے جاناں کی راہ لی اور ملّاح ملیح سے ملاقات کی۔

آزاد۔ السلام علیکم۔

ملّاح۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج اقدس۔

آزاد۔ (اور ظرّاف) الحمد للہ۔ آپ کا مزاج مبارک۔ ہمارے مزاج کی نہ پوچھیے۔ ؎

نے طبل جنگ گل نو دمیدہ ہوں
میں موسم بہار میں شاخ بریدہ ہوں
خنداں بشکل شیشہ وگریاں بشکل جام
اس میکدہ میں آ و عبث آفریدہ ہوں
میں کیا کہوں کہ کون ہوں سودا بقول درد
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

ملّاح۔ خدا پر شاکر رہو۔ وہی بیڑا پار کریگا۔ ہم اب بھی ساعی بالخیر ہیں۔

آزاد۔ (ہاتھ جوڑ کر) ذرا دھیمی سے وہ چاند سا ٹکڑا دکھا دو واسطے خدا کے۔ للہ۔ بس عمر بھر تمہارا غلام ہی بنا رہوں گا

کیا بزرگ ہے۔ واللہ۔ مقدس۔ متبرک۔ پاک نظر۔ قدسی صفات۔

ملّاح۔ اب بھاٹ تو بنیے نہیں۔ باقی چلیے میں تقریب کر دوں

پیر بخش نے آزاد کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور لے چلے۔ حسن آرا بیٹی ہم آتے ہیں اور میاں آزاد بھی تشریف لاتے ہیں۔ آئیے آئیے تشریف لائیے اور جو کوئی صاحب ہوں اُن سے کہیئے اسوقت تو معاف ہی فرمائیں ایک ضروری کام ہے۔

آزاد کو تاب کہاں تڑ سے اندر داخل۔ جاتے ہی حسن آرا کے قدموں پر ٹوپی رکھ دی۔

حسن آرا۔ (ٹوپی اٹھا کر) ؎

گر ز دست زلف مشکینت خطائے رفت رفت
ور ز ہندوے شما بر ما جفائے رفت رفت
گر دلم از غمزۂ دلدار تابے برد برد
درمیان جان جاناں ماجرائے رفت رفت

اب آپ کل تشریف لائیں۔

میاں آزاد خانہ برباد کلیجے پر چوٹ کھائے ہوئے رونی صورت بنائے ہوئے نماز مغرب کے وقت میاں ظرّاف کے ساتھ گپ اڑاتے اور تدبیریں بتاتے کوئے جاناں کی طرف سدھارے بھری برسات کے دن کوئی گھڑی ہی بھر کے چڑھے پر گئے ہوں گے کہ قبلے کے رُخ سے متوالی کالی گھٹا جھومتی ہوئی آئی اور دم کے دم میں چوطرفہ تاریکی چھا گئی کہ الاماں۔ دکانداروں دکانیں جھٹ پٹ بند کرنے لگے۔ خوانچے والوں نے خوانچہ سنبھالا اور لپے ہوئے کوئی بگھی پر سوار کوئی گھوڑے پر سوار شرّاپ شرّاپ کوڑے جما رہا ہے۔ کوئی فرس تند خو کو کڑکڑاتا ہوا جا رہا ہے۔ فٹن کھڑکھڑاتی ہوئی یہ آئی وہ سن سے ہوا ہو گئی۔

آگے والا ٹٹو کو سامنے پر ساٹنا لگا تا ہے کسی کا بیل دم دبائے بگٹٹ بھاگا جاتا ہے۔ کہار فنس اُٹھائے قدم جمائے اُڑے جاتے ہیں دہنے جنگی بائیں چرخا۔ ہونھ ہونھ ہونھ ہونھ ہونھ پیادہ یار ہرو تیز قدم اُٹھاتے ہیں پائینچے چڑھاتے ہیں کسی نے جوتیاں بغل میں دبائیں اور سرپٹ بھاگا کسی نے کمر کسی اور پابو کو ایڑ دی۔ کھٹ پٹ کھٹ پٹ تاریکی اس قیامت کی کہ راہ سُوجھتی ہی نہیں ایک پر ایک بھد بھد کر کے گرتا ہے۔ اور میاں آزاد قہقہے لگا کر کہتے جاتے ہیں کہ (دب) (گرٹ) (جل چل) دھم ارے! کیوں حضرت پوچھا نہ پاچھا اور دھماک سے لڑھک جانا۔ اتنے میں تاریکی نے اور بھی زور باندھا ہندو الخلوک اور مسلمان برابر آیتیں پڑھنے لگے اس عرصہ میں میاں آزاد بستی کے باہر نکل گئے وہاں کف دست میدان سنسان بیابان مگر وہ تاریکی کہ الامان۔ ؎

وہ شب تھی کہ ناگن بلا تھی کہ تمام	نہ تھا نور کا نام کو جس میں نام
وہ بیہڑ وہ جنگل وہ آفت کی رات	کہے تو کہ کوئی قیامت کی رات
شرربار تھا اژدھا یا فلک	ستارے یہ تھا نیش عقرب کا شک
دیا باد صرصر نے خبر کہ فشار	زمیں کی طرح ہل گئے کوہسار

ظرافت آہستہ کہ رہ بر دم تیغ ست قدم را۔ اے میاں کچھ خبر ہے بھلا یہ بھی کوئی موقع سیر ہے۔ سمک سے سماں تک تیرہ و تار ہے۔ لب پر آہ و فریاد ہے مگر ذری دیکھ بھال کر قدم اُٹھایئے گا ورنہ پیچھے پچھتایئے گا۔ یا الٰہی یا خدا۔ آفت ہوا نے کیا زور باندھا ہے میں تو دانت بتانے لگا اگر صلاح ہو گھر پلٹ چلیں۔

آزاد ؎

باز گلبانگ پریشاں سے زنم	آتشے در عندلیباں سے زنم

جملۂ من بہر من بستند دمن	سر بہ دیوار گلستاں می زنم
دذ بن ہر خار خنجر می خوردم	بر سر ہر میش جلاں می زنم
بسکہ لذت دوستم یک لخت دل	بر متاع صد نمکداں می زنم

اتنے میں بوندیں پڑنے لگیں۔

ظرافت۔ وہ دیکھئے قطرہ فشانی ہونے لگی۔ اب کوئی دم کے دم میں جل تھل کر دے گا۔

آزاد ؎

ابر ست و بہار ست و ہوا ہم مزہ دار	برخیز کہ تعزیدن یا ہم مزہ دار

ظرافت۔ کسی بھلے مانس کے پاس جانے کا بھلا کون موقع ہے۔

آزاد۔ یہ عقل کی باتیں ہیں اور یہاں عشق کی گھاتیں ہیں پھر عقل اور عشق میں بھا کیونکر سبنے گنگا اور مدار کا ساتھ کیا۔ یہاں تو کوس شاہی دشت جنوں بجا رہے ہیں۔ اور مزے مزے سے کوئے جاناں کی طرف جا رہے ہیں۔ پیامبر کہاں جو راز دل کا اظہار کرے۔ خود ہی عاشق۔ خود ہی قاصد۔ ؎

سویت کہ پیام یار ساند	ایں قصۂ گر صبا رساند
کو نکہت زلف عنبر نیش	سوئے من مبتلا رساند
خود کیست کہ درد ناتوانی	در جلوہ گہ دوا رساند

اتنے میں ایوان کیواں نشان نظر پڑا اور میاں آزاد نے فرط طرب سے ٹوپی اُچھالی۔ روکی اور اُچھالی۔ پھر روکی اور پھر اُچھالی دو قدم چلے۔ اور پھر اُچھالی تب تو ظرافت نے ٹوپی لے کر مارے غصے کے ایک اندھے کنوئیں میں پھینک دی اور کہا کہ بس یہی تو تم میں عیب ہو کہ اپنے آپے میں نہیں رہتے اور مجھ سے کے گھر تیتر باہر رکھوں کہ بٹیر۔ ذرا سی بات ہوئی اور لگے اُچھلنے۔

آزاد ؎
یا تنگ نہ کر ناصح نادان مجھے اتنا
یا لا کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

میاں تم روکھے پھیکے آدمی۔ دماغ میں یبوست۔ چہرے پر بوسا اُڑ رہا ہے تم عاشقی معشوقی کی راہیں کیا جانو۔ ؎

کوچۂ عشق کی راہیں کوئی ہم سے پوچھے
خضر کیا جانیں غریب اگلے زمانے والے

ایوان عالیشان کے قریب پہنچے تو چوکیدار نے للکارا (کون) دربان بولا (بس وہیں سے بات چیت) ظرافت تو جھجکے مگر میاں آزاد نے بڑھ کر کہا کہ (ہم) اور (پھر) (ہم) ہم؟ ہم کون ہم کا نام بھی ہے۔ یا ہم ہی ہم۔ اجی ہم اور کون۔ ہاں ہاں ہم ہی ہم۔ نہیں تو کیا تم۔ لے صاحب ہم کا نام تو فرمائیے۔ یا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھائیے۔ ہم میاں آزاد آزاد! آزاد کون۔ اجی تم دل بہار کو اطلاع کر دو۔ چوکیدار نے دربان سے کہا۔ دربان نے آواز دی۔ لے بوا دل بہار ذری ادھر آؤ کوئی صاحب تشریف لائے ہیں۔ اندر سے آواز آئی پوچھو کون ہیں اُس نے کہا آزاد نام بتاتے ہیں۔ میاں آزاد کی مطلوبہ وہ۔ لقا حسن آرا تو اُس وقت خواب ناز میں تھیں لیکن آپ کی پیاری بہن سپہر آرا دیوان صفدر پڑھ رہی تھیں اور وجد کر رہی تھیں۔ جب دل بہار نے میاں آزاد کے آنے کی خبر سنائی تو سپہر آرا پھولے نہ سمائی کہاں کہاں کدھر۔ بلاؤ بلاؤ اتنے میں میاں آزاد غڑاپ مکان کے اندر داخل ہوئے۔

سپہر آرا ؎
وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

آزاد۔ جی بجا ہے مگر خدارا ہمیں میاں آزاد نہ کہنا۔ ہمیں دولھا بھائی کہا کیجئے۔

سپہر آرا۔ انشاء اللہ خدا وہ دن بھی دکھائے تو میرا آزاد منہ مانگی مراد پائے۔

آزاد۔ آپکی باجی کہاں ہیں۔

سپہر آرا۔ آج نصیب اعدا کچھ طبیعت ناساز ہے۔ دل بہار جگا دو۔ کہو میاں آزاد آئے ہیں۔

جب اُس گوہر دُرج رعنائی اختر برج خودنمائی کو خواب ناز سے جگایا اور میاں آزاد کے آنے کا مژدۂ طرب انگیز سنایا تو باچھیں کھل گئیں انگڑائی لیتی ہوئی بڑے ناز و ادا سے اٹھیں اور اٹھکیلیاں کرتی ہوئی چلیں۔ اصیلوں نے دعائیں دیں اور چٹ پٹ بلائیں لیں۔ عجب ٹھسّے سے وہ نوعروس سرمایۂ ناز میاں آزاد کے قریب آن کر بیٹھی تو لباس گراں بہا سے بہشت کی لپٹیں آنے لگیں۔

آزاد۔ مزاج اقدس۔

حسن آرا۔ درد سر ہے۔

آزاد ؎
صندلی رنگوں سے مانا دل ملا
درد سر کس کے ماتھے جائے گی

حسن آرا۔ خیر سے آپ صندلی رنگ بھی ہیں۔

آزاد۔ کوئی سپہر آرا کے دل سے پوچھے۔

سپہر آرا۔ کیا اس میں شک بھی ہو کچھ۔ لاکھوں میں لاجواب کروڑوں میں انتخاب۔ یہ رخسارے ہیں یا گلاب۔ اُف رے حسن۔ اللہ رے آب و تاب۔ اس ادا کے واری۔ اس سج دھج کے صدقے یہ ہٹ دھرمی باجی اچھی نہیں۔

آزاد ؎
اے ترک غمزہ زن کہ مقابل نشستۂ
در دیدہ ام خلیدۂ و در دل نشستۂ

کیا سچ مچ ہماری صورت نہیں بھائی اپنے نظروں سے گر گئے۔

حسن آرا۔ ہا رے شرم کے آنکھیں نیچی کرکے بولی (ابا

کوئی اور بھی تذکرہ ہو یا نہیں۔

آزاد ع
سر پیش فگندہ بہ خجالت نرگس ہے
شرمندہ ام از مردمی چشم سیاہت

آپ کی چشم بیمار۔ جو فردوس و گندم نما ہوش ربا ہے اصل میں ظالم بلکہ اظلم لیکن ظاہر میں مظلوم نما ہے۔

حسن آرا نے اپنے دست نازک سے ایک گلوری بنائی اور اپنے ہی ہاتھ سے میاں آزاد کو کھلائی۔ آہو ہو ہو۔ سپہر آرا بولی کہ میاں آزاد نقشہ جم گیا۔ اُس پر میاں آزاد نے پاندان چھین کر ایک گلوری خود بنائی اور ہزاروں قسمیں دے دے کر اپنی مطلوبۂ مطبوعہ کو اپنے ہاتھ سے کھلائی سپہر آرا نے کہیں دیکھ لیا تو کھنی کیا ہے۔ اب ہمارے کلیجے میں ٹھنڈک پڑی کوئی لاکھ چوری سے پان کھائے۔ لبوں کی شوخی کب چھپ سکتی ہے۔ حسن آرا کی پیشانی پر عرق آگیا۔ مگر جب ایک دفعہ چھوٹی بہن کی طرف دیکھا اور مسکرا کر گردن پھیرلی۔ میاں آزاد اُس وقت ریشہ خطمی ہوئے جاتے تھے جامے میں نہیں سماتے تھے۔ چہرہ گلنار۔ کلیجہ دھڑ دھڑ کرتا ہے۔ باچھیں کھلی جاتی ہیں اور حسن آرا عرق عرق نیچی نظروں سے تاک جھانک ہونے لگی۔

آزاد۔ اسوقت ہمارے دل کی کلی کھل گئی۔

سپہر آرا۔ کیوں نہیں پھر منھ مانگی مراد بھی تو مل گئی۔ اب مٹھائی کھلایئے۔ منھ میٹھا کیجئے۔ نہیں میں بھانجی خوری پر کمر باندھوں گی۔

حسن آرا۔ اللہ یہ ان دونوں میں کیا رمز و کنایہ کی باتیں ہو رہی ہیں۔ یہ کھسر پھسر کیسی۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔

آزاد۔ ہم سمجھا دیں کیوں حضور۔

حسن آرا۔ جی نہیں بس معاف کیجئے۔

آزاد۔ آخر ہم کب تک ترسا کریں۔ امتحان دیا پورے اُترے اب انعام تو ملے۔ بس اب تکلف برطرف آج میں بے قبولوائے اُٹھوں تو آزاد نہیں ادب آموز فرہاد نہیں۔ ایک حسن گلو سوز اُس طرۂ ناز جگر دوز۔ ع

آوازۂ حسنت شدہ از ناز دو بالا
چوں نغمہ کہ لطفش شود از ساز دو بالا

حسن آرا۔ ہمارا تو اسوقت بُرا حال ہے۔ نیند اُمڈی چلی آتی ہے آنکھیں جھپکی پڑتی ہیں۔ اُف جمائی پر جمائی آرہی ہے۔ بند بند ٹوٹا جاتا ہے۔ (نیم خیز ہو کر) اب ہمیں سونے جانے دیجئے۔

آزاد۔ ذرا دو پٹا پاؤں سے دبا کر بسم اللہ آرام کیجئے۔ جائیے اب جائیے اے صاحب تشریف لیجائیے۔

حسن آرا۔ (تنک کر) چھیڑ خانی سے آپ باز نہیں آتے۔ دامن تو دبائے ہیں اور کہتے ہیں جائیے جائیے اب جائیں تو کیونکر جائیں۔

آزاد۔ دوپٹے کو پھینک جائیے۔

حسن آرا۔ بجا۔ یہ کسی اور کو سکھلائیے (بیٹھکر) اب منا کہدوں

آزاد۔ ضرور۔ مگر آپ کے تیور اسوقت بیڈھب ہیں۔ خدا ہی خیر کرے۔ کہہ ڈالیے جو کچھ کہنا ہو خدا کرے میرے مطلب کی بات منھ سے نکلے۔

سپہر آرا۔ آمین۔

حسن آرا۔ آپ لائق فائق۔ علم و ہنر کے شائق بہروز ممدوح زندہ دلوں کی جان و روح۔ زخیز نوجوان۔ خوش تقریر خوش بیان۔ فصیح درزبان دان۔ نکتہ سنج۔ مرجاں مرنج۔ عالی خاندان عالی دودمان فہمیدہ و سنجیدہ جبین و مہ جبین سب کچھ ہیں۔ اور میں تو آپ پر ایسی ریجھی ہوں کہ بیدل ہی جاتا ہو۔ فصاحت و بلاغت میں آپکو سلمان ساؤجی پایا تو حسن و جمال میں یوسف مصری ع

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار | گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

مگر آپ مسافر غریب الوطن اجنبی پردیسی آدمی۔ آپ کا ٹھور نہ ٹھکانا۔ گھر نہ بار خانہ بدوش خانہ برباد خانماں خراب میں کسی سے آپ کا ذکر کروں تو کہوں کیا کس کے لڑکے ہیں۔ کس کے پوتے ہیں کس کے نواسے۔ کس خاندان کے ہیں۔ مکان کہاں ہے۔ میں بتاؤں گی کیا۔ شہر بھر میں یہی خبر مشہور ہو جائے گی کہ حسن آرا نے ایک پردیسی کے ساتھ نکاح پڑھوا لیا جسکے حسب نسب کا پتا ہی معلوم نہیں مجھے تو اسکی پروا نہیں۔ میں تو خوب جانتی ہوں۔ ع۔

که دریں راه فلاں ابن فلاں چیزے نیست

لیکن مجھے ڈر یہ ہے کہ مبادا اس نکاح سے اور تعلیم یافتہ شریف زادیوں کو عوام حقارت کی نظر سے دیکھنے لگیں۔ اور مجھکو لوگ بد وضع سمجھیں جو مجھ کو مر جانے کے برابر ہو گا۔ بات وہ کرنی چاہیے کہ دھبّا نہ لگے۔ اور ہم اور تم لطف سے زندگی بسر کریں۔ اب ساری بات یہ ہے کہ اپنے مشہور کرنے کی فکر کیجئے۔ مشہور کرنے کے یہ معنی نہیں کہ آپ کسی کے گھر پھاندیے اور ڈکیتی میں نام پیدا کیجئے مطلب کہ نیکی کیساتھ لوگ آپکو یاد کریں۔

آزاد۔ (خوش ہوکر) چشم ما روشن دل ما شاد کہئے تو آگ میں پھاند پڑوں۔

حسن آرا۔ ماشاء اللہ کہی بھی تو وہی وحشت کی بات تم آگ میں پھاند پڑو اور مجھے جلاؤ۔ کوئی معقول بات سوچو جس میں نام ہو۔ اگر آگ میں پھاند پڑے اور بفرض محال بچ بھی گئے تو لوگ آپ کو سڑی سودائی ہی سمجھیں گے۔

سپہر آرا۔ کوئی کتاب تصنیف کیجئے۔

حسن آرا۔ نہیں کوئی ہمت اور بہادری کی بات ہو کہ جو سُنے عش عش کرنے لگے۔ اور پھر اچھی اچھی رئیس زادیاں چاہیں کہ اُنکے ساتھ میاں آزاد کا بیاہ ہو جائے۔ لیکن پھر اسوقت ہیں آپ کاہے کو پوچھنے لگے۔ پھر دماغ ہی نہ ملیں گے۔

آزاد۔ اگر میرے ایسے خیالات ہوں تو خدا مجھے غارت کرے

حسن آرا۔ تو سنئے اب روم و روس میں جنگ چھڑنیوالی ہے روم کی مدد آپ پر فرض ہے۔ آپ روم کی طرف سے لڑئیے۔ اور تیغ بسالت کے خوب جوہر دکھائیے تمغے لٹکائے ہوئے آئیے تو وہ نام ہو کہ ہندوستان بھر میں گھر گھر آپ ہی کے چرچے ہوں اور ہم فخر سے کہیں کہ میاں آزاد غازی ہمارے شوہر ہیں

آزاد۔ (ٹوپی اُچھال کر) منظور منظور۔ جاؤں اور بیچ کھیت جاؤں مرے تو خیر اسلام کے نام پر جان دی اور زندہ رہے تو تم کو پایا۔

سپہر آرا اس تقریر کو سنکر آنسو بھر لائی اور آزاد کے قدموں پر ٹوپی رکھکر کہنے لگی کہ واسطے خدا کے یہ خیال دل سے دور کرو کجا روم کجا ہندوستان۔ وہاں تک خیال بھی منزل بمنزل دم لیتا ہوا جاتا ہے اور میدان کارزار کے نام سے میرے ہوش پراں ہوتے ہیں۔ میاں آزاد نے کہا آپ ابھی بالکل کمسن لڑکی ہیں میاں آزاد وہاں سے رخصت ہوئے کہ کل ملیں گے اور پرسوں کوچ۔

سپہر آرا کا اصرار

بتا ساقیا دخت رز کا نشان	کہ ہو رنج فرقت سے ہو خون نہ جان
فرح بخش خاطر ہو وہ جام دے	طبیعت ہے پر کسل آرام دے
کہاں تک یہ گردش یہ سوزان سر	سفر ہو گیا اب تو شکل سقر
یہ تفریق اور تفرقہ تا کجا	کہیں یہ نہیں اور کہیں میکدا
قیامت ہے ہر دم کی لیڈیا س	پہونچ جائیں منزل پہ منزل شناس

ناظرۂ ملائک نظر فریب عدوے صبر و شکیب خاتون مہ لقا حسن آرا نے جوان گلعذار طرار و طرحدار میاں آزاد کو ٹرکی جانیکی خبر جو سنائی تو سپہر آرا اپنے بھولے پن کے سبب بہت ملول ہوئی دھاڑوں دھاڑ آنسو بہلئے اور گول گول اشک ڈھلکتے ہوئے دامن تک آئے ایک دفعہ اپنی بڑی بہن سے چمٹ گئی۔

سپہر آرا۔ باجی ہم کیا کریں دل بیقرار ہی چشم پُرنم اور اشکبار ہی میرے تو کلیجے میں جیسے کسی نے برچھیاں چُبھو دیں رات کاٹے نہیں کٹتی ہائے تم کیسی بے رحم ہوئی جاتی ہو آزاد کو بیکار جنگ پر بھیجتی ہو۔ اُس بیچارے نے ابھی زلف چلیپا بھی نہیں چھوئی مگر خدا نہ کرے کہ عشق کی کالی ناگن اسے ڈس جائے۔ ابھی طرح راز دل بھی نہ کہنے پایا لیکن تم نے وہ گرما گرم فقرہ سُنایا کہ دوسرے کی عقل سرد ہو جاتی۔ ہے ہے باجی۔ کہاں کالے کوسوں بھیجتی ہو۔ تمھیں خاتون جنت کی قسم (گلے لپٹ کر) میری باجی میں صدقے اب اس خیال خام سے درگذرو۔ آزاد جائیں گے تو پھر ان کی صورت دیکھنے کو ترس جاؤگی۔ دن رات آنسو بہاؤگی زندگی تلخ ہو جائے گی قیامت بپا ہوگی آزاد سا نوعمر گل رخسار شوخ و طرار خلیق۔ باغ و بہار نہ پاؤگی۔ اچھا ہیں کیا تم ہی پچھتاؤگی وہ بڑا دلیر آدمی ہے مورچے سے آزاد کا پھر آنا ایسا ہی ہے۔ جیسا ملک الموت کا واپس جانا کیوں مفت میں کسی کی جان کی دشمن ہوئی ہو۔ ہائے اُس نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور خدا نے اُس کو یہ دن دکھایا۔ ؎

کنار دریا پہونچ کے پانی پیا نہیں ایک بوند تسیر	چڑھی ہے موجوں کی ہم سے تیوری حباب آنکھیں دکھا رہے ہیں

حسن آرا۔ ہائیں ہائیں بہن۔ لے واہ۔ یہ مفت کا رونا دھونا اچھا سوانگ ہے۔ وہ مبارک دن میری نظروں کے سامنے پھر رہا ہے جبکہ آزاد تمغے لٹکائے ہوئے روم کی لڑائی سر کر کے ہمارے دروازے پر کھڑے ہوں گے۔ گھوڑا ہنہناتا ہوگا اور آزاد جھٹ سے اُتر آئیں گے اور ہم خوش خوش ملیں گے۔

اتنے میں میاں آزاد بھی دن سے داخل ہو گئے۔ اُس سے میاں آزاد پر اور ہی عالم تھا۔ شباب وہ جوبن دکھاتا تھا کہ ہوبہو جوانی پھٹی پڑتی تھی آنکھیں سُرخ جیسے خون کبوتر گورے گورے رخسارے بعینہ گلاب کی رنگت اور لباس تو وہ بانکا پہنے تھے کہ سر سے پاؤں تک ایک ایک عضو بدن قابل دید تھا ٹوپی وہ بانکی کہ بانکپن بھی لوٹ ہو جائے جوانمردی خود بلائیں لے شمشیر خوش غلاف و خنجر خارا شگاف اور از سرتاپا صندلی لباس۔ اسپر انگریزی عطر کی بوباس۔ سپہر آرا تو اُنکو دیکھتے ہی آٹھ آٹھ آنسو رونے لگی لیکن حسن آرا نے ضبط کیا اور بار بار کنکھیوں سے اُنکے گل رخسار پر نظر ڈالنے لگی۔ اور ہنسی دل لگی کی باتوں میں رنج فرقت ٹالنے لگی۔ اُسوقت آزاد کا چاند سا مکھڑا حسن آرا کو ایسا بھایا کہ بے اختیار اُسی وقت نکاح کرنے کو جی چاہا مگر اللہ رے استقلال و ضبط۔ ذرا اُف تک نہ کی۔ سپہر آرا نے کلیجے کو تھام آزاد سے، روتے روتے پوچھا کہ یہ کہانکی تیاریاں ہیں آج کس پر چڑھائیاں ہیں۔ چھری کٹار خنجر تلوار لیکر کہاں چلے۔ تیور بڑے سخت پڑ رہے ہیں۔

آزاد۔ آج موت کی تلاش میں نکلے ہیں۔ کفن باندھ کر قاتل کی جستجو ہے۔

سپہر آرا۔ (قدموں پر گر کر) واسطے خدا کے اس خیال سے درگذرو۔

آزاد۔ اب تو۔ ؎

یا ہاتھ ٹوٹ جائینگے یا کھولینگے نقاب	سلطان عشق کی یہی فتح و شکست ہے

حسن آرا سی بیوی پانا دل لگی نہیں ہے۔ ایسی حسین مہ جبین معشوقہ نازنین خوش رو۔ خوش خو۔ خوش سلیقہ۔ خوش تمیز۔ بڑے خوش قسمتوں کو ملتی ہیں سہ

غالب ان سیمیں تنوں کیواسطے	چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

اب ہم حسن آرا سے اصرار کریں تو جوانمرد نہیں۔ اب ہمارے تنگے اُسی روز شادی ہوگی جب ہم میدان کارزار سے سرخ رو ہوکر واپس آئیں گے۔ حمیت اسلام بھی اسی کی مقتضی ہے کہ روم کے نام پر جان فدا کریں۔ سر کٹوائیں اور زخم پر زخم کھائیں مگر میدان سے رُخ نہ پھیریں قدم نہ ہٹائیں۔ ہم رَش سبجکٹ ہیں۔ سہ

آب نہ من باشم کہ در جنگ بینی پشت من	آن منم کاندر میان خاک و خوں بینی سرے

سپہر آرا۔ جو آپنے دہلیز تک بھی قدم رکھا تو ہم رو رو کے ابھی ابھی اپنی جان دیدیں گے۔ ہائے یہ کیا سنائی سنائی۔

آزاد۔ سنو سنو تم ابھی ناکردہ کار اور کم سن ہو تم ہمارے دل کے جوش و خروش کو کیا جانو مگر تم گھبراؤ نہیں جیتے بچے تو پھر آئینگے۔ ہمارے دل سے حسن آرا کی اور تمھاری محبت جاتی رہے یہ محال ہے بس ہمارا اتنا کہنا یاد رکھو۔ اور میری خاطر سے اب رونا دھونا چھوڑو مجھے چلتے چلتے رنج پر رنج نہ دو۔ خوب یاد رکھو کہ حسن آرا میرے ساتھ نکاح نہ پڑھوائیں گی جب تک روم کی لڑائیاں سر کر کے میں واپس نہ آؤں گا پھر سوچ لو کہ تمھارا اصرار بیجا ہے یا نہیں میرے دل سے لگی ہے کہ میں جاؤں اور بیچ کھیت جاؤں ماروں اور مروں۔ کاٹوں اور کٹوں۔ تم روئے کیوں جاتی ہو کیا لڑائی میں سب کے سب مر ہی جاتے ہیں۔ کیا میدان جنگ سے کوئی واپس نہیں آتا۔ پھر تم اپنی آنکھوں کی کیوں دشمن ہوتی ہو۔

سپہر آرا۔ ہائے میری بہن کو یہ کیا ہوگیا اس بیچارے سنتے تو جان بچائی اور اُسکے جلد دیں اپنی جان خیریں گنوانے کو جاتا ہے اتنی دُور دراز جاکر واپس آنا معلوم۔ بس اب میری زندگی محال ہے مجھے دفنا کے جانا۔ ہے ہے اللہ جانے کن کن جنگلوں میں آب و دانہ رہو گے کیسے کیسے پہاڑوں پر چڑھا ہوگا۔ کہاں کہاں لڑنا بھڑنا ہوگا۔ کس کس سے مقابلہ ہوا کہ ذرا سی گولی تو ہاتھی کا کام تمام کردیتی ہے انسان کی کون کہے ہائے یہ صورت یہ شکل گولیوں سے چھلنی ہو ہیں تو تمھارا حال ہی معلوم نہو گا۔ دن رات بیٹھے کڑھا کریں گے اور ایک ایک دن ایک ایک برس ہو جائیگا۔ اور پھر کیا جانے آؤ نہ آؤ۔ لڑائی پر چڑھائی پر جانا کچھ ہنسی ٹھٹھا تھوڑا ہی ہے۔ یہ تو تم ہی مردوں کا کام ہے ہم تو یہاں ہی سے سُن سُن کے کانپتے رہیں۔

حسن آرا۔ بہن پیاری بہن اب تم ہمارا کہنا مانو کہ۔

سپہر آرا۔ (کانوں کو ہاتھوں سے بند کرکے) نا۔ نہ مانوں گی نہ مانوں گی لاکھ برس تک نہ مانوں گی۔ مر جاؤں۔ رہا یہ نہ مانوں گی۔

حسن آرا۔ سن تو لو۔

سپہر آرا۔ جی بس سُن چکی خون کیجیے اور کہیے سُن تو لو۔

حسن آرا۔ میں فقط یہ کہتی ہوں کہ۔

سپہر آرا۔ کہتی کس سے ہو۔ ہم ایسی سنتے کب ہیں۔

آزاد۔ اچھا انکی بھی خاطر کرو بڑی بہن ہیں۔

سپہر آرا۔ واہ۔

حسن آرا۔ میں فقط اتنا کہتی ہوں کہ تم پہلے منھ دھو ڈالو۔

سپہر آرا۔ واہ آزاد سے ہاتھ دھو کر منھ دھونے کی بھی طاقت رہے گی۔

حسن آرا۔ یہ کیا بُری بُری باتیں زبان سے نکالتی ہو ہیں

بڑا معلوم ہوتا ہے۔

سپہر آرا۔ جی اگر ایسی ہی محبت ہوتی تو توپ کے مہرے ان کو نہ بھیجتیں۔

حسن آرا۔ ہائیں ہائیں اور توپ کے مہرے انکو بھیجتا ہی کون ہے کیا میں زبردستی تھوڑا ہی کرتی ہوں وہ تو آپ جاتے ہیں۔ ہاں میں انکو روکوں گی نہیں وہ اسلام کے نام پر سر کٹانے جاتے ہیں اور برٹش گورنمنٹ کی رعایا ہیں منع کروں تو کیونکر سلطان المعظم روم ہمارے ظہیر المذہب ہیں۔ ہم پر انکی مدد ایسے نازک وقت میں فرض ہے اور ہماری ملکۂ معظمہ کی گورنمنٹ کے دوست۔

آزاد۔ ہاں انھوں نے مجھ سے اصرار کب کیا کہ تو ضرور جا ہی۔ میں تو خود جاتا ہوں۔ یہ منع کرکے دیکھ لیں۔ دیکھیں میں کہنا مانتا ہوں۔ کبھی نہیں۔ جاؤں اور پھر جاؤں۔

سپہر آرا۔ محبت اور عشق اسکے معنی ہیں کہ زبان سے اتنا بھی نہیں نکالتے کہ قاتل ہمارا دہ ہے۔ ہائے مقتول ہونے چلے مگر اُف تک زبان پر نہ لائے سچ ہے۔

عاشقان کشتگان معشوق اند
بر نیاید ز کشتگان آواز

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کاں سوختہ را جان شد و آواز نیامد

بھلا خشکی خشکی جائیے گا۔

آزاد۔ سمندر سمندر۔

سپہر آرا۔ ہی ہی (ہاتھ مل کر) اُف اُف سمندر؟ بڑی بری تباہی۔ خدا بچائے۔ اللہ بچائے۔ علیٰ مشکل کشا مشکل کشائی کرے اُف کلیجہ منہ کو آگیا۔ آج۔

آزاد۔ اب رات زیادہ آئی۔ آپ آرام فرمائیں ہم کل صبح کو یہاں سے کوچ کریں گے۔

سپہر آرا۔ ہی ہی کوچ! اُف! وہ پھر دل دکھانے ہمارے پاس آئے ہی کیوں تھے (دامن زور سے دبا کر) جائیے تو دیکھوں کیونکر جاتے ہیں آپ۔

حسن آرا۔ (ٹپ ٹپ آنسو بہا کر) ؎

داغ الفت لگا دیا کس نے — نقش ہستی مٹا دیا کس نے
گل سے شبنم بنا دیا کس نے — ہنس رہے تھے رلا دیا کس نے
زلف تیری اگر نہیں لیلےٰ — مجھ کو مجنوں بنا دیا کس نے

سپہر آرا۔ اللہ میں کسکو سمجھاؤں۔ دل کو سمجھاؤں جو مچلا جاتا ہے آزاد کو سمجھاؤں جو داغ فرقت دئے جاتے ہیں یا حسن آرا کو سمجھاؤں کہ اس جوان کے قتل کا بیڑا اُٹھایا ہے۔

آزاد ؎
دل و جگر خوں ہو چکے ہیں ہم اس تک اپنے جا چکے ہیں
وہی محبت کا حوصلہ ہے ہزار صدمے اُٹھا چکے ہیں
ستم سے دل اور شادماں ہو کبھی نہ سختی کوئی گراں ہو
کسی کا اب اور امتحاں ہو ہمیں تو آپ آزما چکے ہیں

حسن آرا۔ ہائے کس غضب میں جان پڑی۔ اس وقت عجب حالت ہے۔ پنڈا پھیکا پڑ گیا۔ ہاتھ پاؤں ٹوٹے جاتے ہیں آنکھیں جل رہی ہیں آزاد۔ جو میں جھوٹ کہتی ہوں تو یہ دونوں آنکھیں پھوٹ جائیں کہ اگر دنیا میں کسی کی چاہ ہے تو آزاد کی لیکن دل سے لگی ہے کہ تم روسیوں کو نیچا دکھاؤ روم کی کمک کو جاؤ۔ مرنا جینا مقدر کے ہاتھ ہے۔ کون رہا اور کون رہے گا۔ ؎

غیرت حور مہ جبیں نہ رہے — ہیں مکاں گر تو وہ مکیں نہ رہے
جو کہ تھے بادشاہ ہفت اقلیم — ہوئے جا جا کے زیر خاک مقیم
رشک یوسف جو تھے جہاں میں حسیں — کھا گئے ان کو آسمان و زمیں

تاج میں جنکے چمکتے تھے گوہر — ٹھوکریں کھاتے ہیں وہ کاسۂ سر
ہر گھڑی منقلب زمانہ ہے — یہی دنیا کا کارخانہ ہے
ہے نہ شیریں نہ کوہکن کا پتا — نہ کسی جا ہے نل دمن کا پتا
بوئے الفت تمام پھیلی ہے — باقی اب قیس ہے نہ لیلی ہے
صبح کو طائران خوش الحان — پڑھتے ہیں کل من علیہا فان

میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم سرخرو ہوکر آؤگے۔

آزاد۔ یہاں کیا راضی برضا۔ جو مرضی ہو۔ ہم تو کفن ساتھ لے کر جاتے ہیں مورچے سے ہٹ جائیں کیا مجال۔ زندہ رہے تو خیر ورنہ رخصت۔

سپہر آرا۔ (رو رو کر) ایسی باتیں میرے سامنے تو نہ کرو ذرا رحم۔ ذرا رحم۔

آزاد۔ اب ایک کام کیجئے، بات کو زیادہ طول نہ دیجیئے میں تو گھر جاتا ہوں اور شب کو دل کڑا کرکے کوچ کردوں گا۔ تم سپہر آرا کو سمجھا رکھو ورنہ راہ میں جب میں اُنکے پیار کی باتیں یاد کردوں گا تو قدم نہ اُٹھے گا۔ بے دم جائے صورت نہ دکھاؤں گا۔

حسن آرا۔ سپہر آرا۔ اچھا اب انکو جانے دو کل آئیں گے۔

سپہر آرا۔ اچھا جائیے۔

آزاد۔ رخصت کل ملیں گے۔

سپہر آرا۔ نیت شب بخیر۔

حسن آرا نے کہا اُف اسوقت بڑی نیند آرہی ہے۔ اب سو رہو سپہر آرا بولی باجی سونا کہو۔ ہمکو تو رونا کہو۔ نیند کس کی سونا حرام ہے آزاد۔ آزاد۔ پیارے آزاد تو نے ہماری جان بچائی گر اسکے صلے میں اپنی جان مفت میں گنوائی۔ خیر خدا مالک ہے۔

آج میاں آزاد بُرے پھنسے بڑی ہی مصیبت پڑ گئی جان۔ عذاب میں ساری شیخت خاک میں ملی۔ سخت کرکری ہوئی۔ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ افعال بد کا نتیجہ دیکھا اعمال زبوں نے روز بد دکھایا۔ میاں آزاد جب سے گھر سے نکلے گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے رہے کبھی درویش شیخوخیت پناہ ولی اللہ عارف باللہ حق آگاہ شیخت دستگاہ۔ کبھی جرعہ نوش میخانۂ بادہ فروش۔ رند مے آشام صبح کو شراب شام کو جام۔ کبھی پہلوان یا پھکیت بن گئے کسی لڑنتیے یا بنوٹیے کو دیکھا اور تن گئے۔ اس کو دبوچا۔ اُسکا مُنہ نوچا اسکو زمین پر دے ٹپکا۔ اسکو گدا دیا۔ کبھی پری رخوں کا جمال دیکھ کر مفتوں ہوگئے کسی لیلی وش پر نظر پڑی اور مجنوں ہوگئے مگر ایسے بڑے بڑے کار نمایاں بھی سرزد ہوئے۔ کتنوں کی انھوں نے اصلاح کی۔ مدرسوں اور کٹھ ملاؤں کی انھوں نے خبر لی۔ پادشاہوں کا انھوں نے خاکا اُڑایا۔ ان بڈھے گرگوں کو انھوں نے راستہ بتایا۔ مگر دو ایک حرکتیں فضول بھی سرزد ہوگئی تھیں جنکا اب خمیازہ اُٹھائیں گے۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ میاں آزاد نواب صاحب کے حکم سے میاں صف شکن علی شاہ کو سمجھانے چلے تھے اور ایک سرائے میں اللہ رکھی بھٹیاری سے آنکھ لڑ گئی تھی مگر زبانی داخلہ اللہ رکھی خود بھی انپر ریجھی تھیں۔ اس بارے میں تو میاں آزاد بڑے ہی خوش قسمت ہیں کیسی ہی گلعذار پری رخسار کیوں نہ ہو انکو نظر بھر کر دیکھا اور عاشق زار ہوگئی۔ اللہ رکھی نے انپر نالش جڑ دی اور حضرت کو بھاگتے ہی بن پڑی۔ اب سنئے کہ اللہ رکھی نے اُڑتی سی خبر پائی کہ میاں آزاد اس شہر میں ایک خاتون مہ لقا کی زلف چلیپا اور رُخ زیبا پر ہزار جان سے عاشق ہوگئے ہیں اور وہ زہرہ تمثال بھی اُن کو چاہتی ہے دونوں عاشق اور دونوں معشوق ہیں سوچی کہ بدلہ لینے کا اچھا موقع ہے میری زندگی میں تو میاں آزاد شادی نہیں کرنے پاتے تو سہی جو دہیں نہ بھونچوں اور سب معاملہ بھربھنڈ نہ کردوں۔ کیا دل لگی ہے ہمیں جتے بتائیں اور اوروں کو

بیاہ لائیں۔ اللہ رکھی نے دل میں ٹھان لی کہ جاؤں اور پھر جاؤں۔ یہ سوچ کر اپنے رفیق میاں چانڈو باز کو ساتھ لے کر چلیں اور دھم سے داخل۔ ایک سرا میں بڑے ٹھسّے سے رہنے لگیں۔ میاں چانڈو باز چو طرفہ ٹوہ لینے لگے کہ میاں آزاد کہاں ہیں۔ ایک دن چانڈو کی پینک میں جھومتے ہوئے چلے جاتے تھے اور سامنے سے میاں آزاد اونچی بنے ہوئے آتے تھے۔

چانڈو باز۔ (ہنس کر) السلام علیکم (گلے مل کر) مزاج اچھے اللہ اللہ بعد مدت کے زیارت ہوئی آنکھیں آپکو ڈھونڈھتی تھیں واللہ ترس ترس گئے۔ وہ جو چلتے وقت ناک پر آپکو اپنے تان کر شتر اب سے چابک جمایا تھا اُس کا نشان ابتک بنا ہے آپکی کس کس عنایت کا ذکر کروں بالے لے خوب۔ بی اللہ رکھی تو مر گئیں بیچاری۔ ہائے غضب ہو گیا مرتے وقت خدا کی قسم اللہ اللہ کیا کیں اور دم توڑنے کے پہلے تین دفعہ آزاد آزاد آزاد کہا اور چل بسیں۔ رہے نام اللہ کا۔

آزاد نے جسوقت چانڈو باز کی صورت منحوس پہلے دیکھی تھی تو چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا تھا ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ روم کا جانا اور تمغے لٹکانا بھول گئے۔ سوچے کہ کچھ دال میں کالا کالا ہے اب عزت خاک میں ملی اور ساری شخصیت نکل گئی۔ چانڈو باز نے جب اُنسے مصافحہ و معانقہ کیا تو انکا جی چاہا کہ ترولی جھونک کر للکاریں لیکن چانڈو باز نے بیان کیا کہ اللہ رکھی رہگرائے عالم جاودانی ہوئیں تو کسی قدر خوش اور کسی قدر ملول ہوئے۔ خوش اس وجہ سے کہ چلو بلا گئی۔ خس کم جہاں پاک۔ اور ملول اس سے کہ عین عنفوان شباب میں اُس نے وفات پائی۔ لیکن جب میاں آزاد نے سُنا کہ نزع کے وقت انکا نام ورد زبان تھا تو بڑا ہی افسوس ہوا پرانی محبت نے جوش کیا۔ اور آنسو آنکھوں سے جاری ہو گئے۔ چانڈو باز دل میں سوچا کہ مار لیا بھرّوں میں آ گئے۔ جھانسا کھا گئے وہ چکمہ دیا کہ یاد ہی تو کریں گے۔ آزاد سے

صد حیف کہ گلرخاں کفن پوش شدند	وز خاطر دیگر فراموش شدند
آنانکہ بصد زبان سخن می گفتند	آیا چہ شنیدند کہ خاموش شدند

کیوں حضرت ہم سے بڑی محبت تھی۔ اُف اسوقت برا حال ہے ہائے مرتے وقت دو دو باتیں بھی نہ کرنے پائے۔

چانڈو باز۔ جی کیا عرض کروں۔ واللہ ہے اس پیار اور اس حسرت سے تمھیں یاد کیا کہ بس میں کیا کہوں میرا تو اس وقت عجب نقشہ تھا روتے روتے ہچکی بندھ گئی اور سر مقدس گھٹنے پر لے کر بیٹھا رہا۔ اور دم واپسیں تک آپ ہی کی یاد کرتی رہیں۔ کھٹ ہوا اور آزاد آئے۔ دھم ہوا اور آزاد آئے آپ اپنا ایک رومال وہاں بھول آئے ہیں اُسکو ہر روز دیکھ لیتی تھیں کئی تولہ عطر اس میں ملا اور مرتے وقت کہا کہ ہماری تربت پر یہ رومال رکھ دینا۔

آزاد۔ (رو رو کر) اُف کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ کس مردود کو معلوم ہو کہ اللہ رکھی کو ہم سے اس درجہ الفت تھی۔ ہائے ہم اُسکی چال کی باتوں اور رمز و کنایہ کی گھاتوں کو ذرا نہ سمجھے۔

چانڈو باز۔ ایک گلدستہ اپنے ہاتھ سے بنا کر دے گئی ہیں کہ اگر میاں آزاد حسن اتفاق سے آ جائیں تو انکو دیدینا اور کہنا کہ اب حشر میں ہم آپکی صورت دیکھیں گے۔ بس۔

آزاد۔ بھائی اسی وقت دو۔ ابھی ابھی دو۔ واسطے خدا کے ابھی لاؤ۔ یار میں تو مرا پے موت۔ لاؤ تو گلدستہ ذرا میں چوم لوں سر پر رکھوں۔ آنکھوں سے لگاؤں گلے سے لگاؤں۔

چانڈو باز۔ (آنسو بہا کر) چلیے میں سرا میں فروکش ہوں۔

گلدستہ سا تو ہے۔ اسکو جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ ہائے کیا گلدستہ ہے۔

آزاد۔ سچ کتنی پیاری پیاری صورت تھی۔ اُہو ہو ہو۔ وہ مکھڑا۔ سبحان اللہ۔

آزاد اور میاں چانڈو باز ملکر چلے راہ میں اللہ رکھی کے حسن و جمال اور خط و خال اور بھولی بھالی باتوں اور عشق کی گھاتوں کا ذکر اذکار رہا چلتے چلتے دونوں سرا میں داخل ہوئے میاں آزاد جیسے ہی آگے بڑھے اور چانڈو باز کی کوٹھری میں گھسے ویسے ہی دیکھتے کیا ہیں کہ بی اللہ رکھی بگلے کے پر کا سا سفید لباس پہنے کھڑی ہیں دیکھتے ہی میاں آزاد کا رنگ فق ہو گیا۔ ارے ع۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں چپ اب ہلتے ہیں نہ بولتے ہیں پیکر تصویر کی طرح بےحس و حرکت پیشانی پر عرق عرق۔ آنکھیں جھپک گئیں اور ایک دفعہ ہی بآواز بلند کہا (دم) اُف مرگیا، یہ کہکر میاں آزاد دھم سے گر پڑے اور پھر کہا

اللہ رکھی۔ (زور سے تالیاں بجا کر) مجرا عرض کرتی ہوں۔ اے بندہ پرور ذری ادھر نظر کیجئے۔ یہ مہینوں کی راہ طے کر کے ہم صرف آپ ہی کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ اور آپکو ہم سے ایسی نفرت ہے کہ آنکھ تک نہیں ملاتے۔ واہ ری خوبی قسمت اب ذرا سر تو اُٹھائیے۔ گردن تو ہلائیے وہ چاند سا مکھڑا تو دکھائیے۔ ہائے ستم ہے۔ جن پر ہم جان دیتے ہیں وہ ہماری صورت سے بیزار ہیں بقول صفدر۔ ع

دل و جگر خوں ہو چکے ہیں حواس تک اپنے جا چکے ہیں	
	وہی محبت کا حوصلہ ہے ہزار صدمے اُٹھا چکے ہیں

کیجئے آپکی حسن آرا تو ابھی ہیں۔ ذرا ہم کو تو اُنکا جوبن دکھاؤ ہم نے شاداب بہاری کی طرح کبھی چمن میں ناز کرتی پھرتی ہیں۔ کبھی طاؤس طناز کے مثل جھوم جھوم کر چلتی ہیں کبھی بجروں پر سیر دریا کو جاتی ہیں۔ کبھی ہجولیوں کو لے کر جشن اُڑاتی ہیں۔ اور نام خدا ابھی سولہ ہی سترہ برس کا سن ہے۔ اور ان دنوں تو بناوٹ سجاوٹ پر اُدھار کھائے بیٹھی ہیں ع

مصاحب ان روزوں آئینہ ہے سنگار کا انکو شغلہ ہے	
	کبھی ہے سرمہ کبھی ہے مسی کبھی ہے غازہ کبھی حنا ہے
تو انکے آگے سے کھینچتا ہے وہ تیرے آگے سے انجمن میں	
	غرض کہ آئینہ کا بھی طوطی عجب حسینوں میں بولتا ہے

کیوں بندہ پرور ہم بک رہے ہیں یا بھونک رہے ہیں۔

(رخساروں پر ہاتھ پھیر کر) ہمارا ہی لہو پیے جو ادھر نہ دیکھے ایک نظر ذرا ادھر بھی۔

آزاد۔ جناب باری کی قسم صرف تمھیں کو دیکھنے آیا ہوں۔

چانڈو باز۔ کسی اور بھروسے نہ رہیے گا۔ اسوقت بھائی آزاد کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی ان کو بھی تم سے دلی اُنس ہے خدا کی قسم میں نے جو یہ فقرہ چست کیا کہ اللہ رکھی نے نزع کے وقت آزاد آزاد کہہ کر دم توڑا تو اُن کے چہرے پر بھی موت کے سے آثار پائے گئے۔

اللہ رکھی۔ خیر اتنی تو ڈھارس ہوئی کہ مرنے کے بعد ہمارا قاتل آنسو بہائے گا لیکن کیا۔ ع

خاک اُڑانے لگے جب کر چکے برباد مجھے	آئے تربت پہ بہت رُوئے کیا یاد مجھے

آزاد۔ اللہ رکھی اب ہماری عزت و آبرو تمھارے ہاتھ ہے۔ تم چاہو تو جلاؤ چاہو تو نہ جلاؤ۔ اگر ہم تمھارے معشوق ہیں تو ہمیں دق نہ کرو ورنہ اب ہم سنکھیا کھالیں گے اور اسی دم جان دیں گے اگر ہماری موت منظور ہو تو خدا کی قسم ہم کر کس کر مرنے پہ آمادہ ہو جائیں اور اگر ہماری زیست چاہو تو ہمیں آزاد کر دو۔ ع

سپردم بتو مایۂ خویش را	تو دانی حساب کم و بیش را

الله رکھی ۔ سنو آزاد ہم بھی شریف زادی ہیں ۔ کوئی ایسی ویسی نہ سمجھنا ۔ مگر اللہ کو یہی منظور تھا کہ ہم باجیوں کی طرح سرا میں بھٹیاری بن کر رہیں ۔ میں ایک شریف کی لڑکی ہوں ۔ او ناداں ہم کو اسقدر جلد بھول گیا ۔ یاد رہے کہ ہمارے بوڑھے میاں نے تم سے ہمارے لیے خط لکھوایا تھا اور تم ہمارے گھر کا پتا ڈھونڈھتے ہوئے آئے تھے اور ہماری تمہاری چار آنکھیں ہوئی تھیں اور پھر ہم ایک دن فنس پر سوار گھستے سے جاتے تھے اور تہری فنس کا کونا دبائے جھلکتی ہوئی ساتھ ساتھ تھی اور کئی دن تک آپ ہم پر لٹو رہے ۔ آخر کار آپ تو فقرود ہو گئے ۔ اور ہمارے بوڑھے میاں نے انتقال کیا ہم کم سن کوئی چودہ پندرہ برس کی عمر ۔ وہ دقیانوس کے ہمعصر ۔ ہمیں ان کی صورت سے نفرت تھی ۔ پوپلا منھ ۔ دانت چوہے کے نذر کر چکے تھے ۔ کمر بہتر جگہ سے خم ۔ بھوں تک سفید حلوا دن رات کھائیں ۔ آنکھوں سے سوجھتا نہیں ۔ قوت سامعہ سے بے بہرہ ہائے ہماری اماں نے ہمیں کس کھوسٹ بوڑھے کے ساتھ بیاہا تھا ۔ دن رات ہم کڑھا کرتے تھے ۔ اور ہماری جوانی مفت میں ضائع جاتی تھی ۔ آخر کار وہ تو قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھے ہی تھے چل بسے ۔ جس دن انکے مرنے کی خبر آئی ہم نے مسجد میں گھی کے چراغ جلائے لیکن ہماری اماں نے پھر ہماری شادی نہ کی اور ہم کو یہ سوجھی کہ گھر سے نکل بھاگیں ۔ اللہ جانتا ہے جو ننگ و ناموس میں فرق آیا ہو ۔ تم نے بیاہ کرنے کا بہت شوق تھا مگر تم یہ سمجھ کر کہ بھٹیاری کو گیا سیاہی نکاح پر راضی نہ ہوئے اب ہم نے سنا ہے کہ حسن آرا کے ساتھ تمہارا نکاح ہونے والا ہے ۔ اللہ مبارک کرے ۔ شبھ گھڑی بیاہ ہو ۔ اچھی ساعت نکاح ہو ۔ اب ہم اپنے آپ اجازت دیتے ہیں ۔ خوشی سے بیاہ کیجئے ۔ پیاری پیاری دلھن کے ساتھ نکاح کیجئے ۔ چشم ما روشن دل ما شاد ۔ لیکن ہمیں نہ بھول جانا ۔ لونڈی بن کر رہوں گی ۔ مگر تم کو نہ چھوڑونگی نہ چھوڑونگی ۔

آزاد ۔ اُف اوہ ۔ تم وہ ہو جسکا اُس بوڑھے خرانٹ پیر فرتوت کے ساتھ بیاہ ہوا تھا ۔ اُف اوہ ۔ یہ راز تو اب کھلا ۔ ہمیں خوب یاد ہے کہ تم یمن ۔ اٹھلا اٹھلا کر چلتی تھیں ۔ بات بات پر مچلتی تھیں وہ اچپلاہٹ کہ الامان ۔ وہ چلبلاہٹ کہ الحذر ۔ وہ شوخی کہ الحفیظ ۔ مگر ہائے افسوس تم نے یہ کیا کیا ۔ اسوقت کلیجہ پاش پاش ہو گیا ۔ یہ تمہیں سوجھی کیا ۔ ہائے ہندوستان کی ان رسوم مذموم کا برا ہو جنھوں نے تم کو غارت کر دیا اور کہیں کا نہ رکھا ۔ تمہاری ماں نے بڑی ہی بیوقوفی کی کہ تم سی جوان شوخ و شنگ رشک شاہدان فرنگ کو ایک سن رسیدہ گرگ باراں دیدہ کے ساتھ بیاہا ۔ ع

شادی از پیران خم گردیدہ قامت بدنماست
جوہر شمشیر کم گردد چو خنداں می شود

ہائے ستم تم اور بوڑھے کے پالے پڑو ۔ واہ رے ہندوستان ع

بوئے گل نالۂ دل دود چراغ محفل
جو تری بزم سے نکلا وہ پریشاں نکلا

آزاد ۔ میں اب جاتا ہوں ۔ کوئی چار پانچ گھڑی میں آجاؤں گا ۔ تم سے بڑی بڑی باتیں کرنی ہیں ۔

اللہ رکھی ۔ اچھا جائیے مگر جلد ہی آئیے گا ۔

میاں آزاد چلے تو ایک مقام پر محفل رقص و سرود آراستہ تھی اور ایک نازنین کمر لچک تم لہرا لہرا کر گا تی تھی ۔

وہ دھما چوکڑی مچ رہی تھی کہ واہ جی واہ طبلے کی تھپک اور بائیں کی گمک نے انکو ایسا سرور بخشا کہ محو اور از خود رفتہ ہو گئے ایک غزل ختم ہوئی دوسری شروع ہوئی۔ دوسری گا چکی تیسری چھڑی کبھی ٹھمری۔ کبھی ٹپا۔ کبھی خیال۔ کبھی کدارا طبلیے اپنا کمال دکھاتے ہیں۔ سارنگی ستم بپا کرتی ہے۔ میاں آزاد ایک ہی رنگین آدمی جم گئے اب اس وحشت کو دیکھئے کہ غیر کی محفل اور حضرت اہتمام کرتے ہیں کسی حقے کی چلم بھرواتے ہیں کسی گڑگڑی کو تازہ کراتے ہیں۔ کبھی ٹھمری کی فرمائش۔ کبھی حقانی غزل کی۔ دس پندرہ گنواروں نے جو گانے کی آواز سنی تو دھنس پڑے میاں آزاد نے سب کی گردن ناپی۔ الگ الگ باہر سے مشفو مالک خانہ نے جو دیکھا کہ ایک شریف شرخ و سفید متین آدمی انتظام میں مصروف ہیں تو انکو پاس بلایا تپاک سے بٹھایا اور حقہ پلایا۔ اب سنئے کہ تڑکا ہو گیا تب آزاد چیتے کہ اے! نہ تو حسن آرا کے یہاں گئے نہ ردم جانیکا بندوبست کیا نہ اللہ دیکھی سے ملے۔ اور بھور ہو گئی۔

افشاں جبین پریشانی۔ گیسوئے عذار سرگردانی۔ ماشطۂ عروس حیرانی۔ دلدادۂ جمال جان جانی۔ خانماں خراب خانہ برباد میاں آزاد۔ لوحش اللہ نے رات بھر محفل رقص و سرود میں خوب جشن اڑائے اور عنبریں مویان پریزاد و مطربان باربد نژاد نے اپنے اپنے کرتب دکھائے ارباب نشاط کی خوش الحانی اور قوالوں کی غزلہائے حقانی نے کانوں کو سرور بخشا۔ اور چراغاں کی بہار اور گلبدنوں کے گل رخسار نے آنکھوں کو نور موفور محفل دلھن کی طرح سجی سجائی۔ لیکن ادھر کہرا شروع ہوا ادھر نوبتی نے صبح کی نوبت بجائی تڑکا ہوتے ہی میاں آزاد کا بھد ہو گیا۔ جان سنسنانے لگی۔ وعدے کی یاد دل دکھانے لگی بدن پر لرزہ سا چڑھا۔ آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ دل بھر آیا ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ تاؤں پر سر ہلانا بھول گئے۔ لطف صحبت کرکرا ہو گیا۔ اب نہ وہ رنگ ہے نہ وہ ترنگ ہے۔ وہ جوش و خروش نہ وہ اُمنگ ہے۔ مت بھنگ۔ عقل دنگ۔ پائے خرد لنگ کیسا ناچ کیسا رنگ میاں آزاد اٹھے اور وہاں سے مو پریشاں نادم و پشیمان بادل سرد و پر درد چلے راستے میں بصد حسرت و حرماں سوچتے جاتے ہیں کہ اللہ اللہ ہم ایسی صحبت بد میں اس درجہ محو اور خود فراموش ہو گئے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ ـــہ

بے اعتدالیوں سے سُبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

حسن آرا کے دل میں طرح طرح کے خیالات جاتے ہونگے سپہر آرا کو غش پر غش آتے ہوں گے پیر مرد وجیہ واللہ اعلم کیا سمجھاتے بجھاتے ہوں گے۔ رقیب روسیاہ کچھ اور ہی پٹی پڑھاتے ہونگے۔ حسن آرا آٹھ آٹھ آنسو روئی ہو گی سپہر آرا رات بھر نہ سوئی ہو گی۔ گیتی آرا کو یہی ذکر جہاں آرا کو یہی فکر ہو گی کہ آزاد کے دل میں کیا سمائی۔ کیا ردم چلے گئے اور ہمیں صورت بھی نہ دکھائی اللہ رکھی الانتظار اشد من الموت پڑھتی ہو گی۔ بتیا سرا کی چھتوں پر چڑھتی ہو گی۔

میاں خوجی

میاں آزاد خانہ برباد یہ سوچتے بصد حسرت و یاس سراسیمہ و بدحواس جا رہے تھے کہ دفعتہً دیکھتے کیا ہیں کہ ایک پربہار کنج میں چھوٹے پڑے ہیں اور بارہ بارہ تیرہ تیرہ برس کی چھوکریاں پُتیاں جمائے ہاتھ پاؤں میں مہندی رچائے مانگ نکالے گلے میں ہار ڈالے ہوئے پتنگ لگا رہی ہیں اور دھانی دھانی

دوپٹوں اور لال لال مچھری کا جوبن دکھا رہی ہیں اور سب پیاری ادا اور سُریلی آواز سے لہرا لہرا کر یوں گا رہی ہیں (ندیا کنارے بیلا کن نے بویا۔ ندیا کنارے۔ بیلا بھی بویا چنبیلی بھی بوئی۔ بیچ بیچ بویا رے گلاب۔ ندیا کنارے) میاں آزاد کو اُن پیاری پیاری گوری گوری لڑکیوں کا گانا اور لہرانا ایسا بھایا کہ تھوڑی دیر اُس کنج میں ایک درخت کے سایہ میں ذرا ٹھہر گئے۔ جب کبھی پینگ رک جاتا تھا تو میاں آزاد خود پینگ لگاتے تھے اور کبھی کبھی گنگناتے بھی جلتے تھے اُنکو اُن پیاری معصوم لڑکیوں سے ایسی محبت ہوگئی تھی جیسے کسی کو اپنی سگی چھوٹی بہن کا پیار ہوتا ہی انکے گانے اور گنگنانے پر وہ کم سن لڑکیاں کھل کھلا کھل کھلا کر ہنس ہنس پڑتی تھیں اتنے میں میاں آزاد کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مجسم شامت پستہ قامت کوتاہ گردن تنگ پیشانی۔ شرارت وخباثت کی نشانی کھڑا دور ہی سے جھولوں پر نگاہ بد ڈال رہا ہی۔ جب اُنھوں نے کئی بار یہ کیفیت دیکھی تو اُنسے رہا نہ گیا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ ایک چپت زناٹے سے جماہی تو وہ چپت کھاتے ہی وہ جھلا اُٹھا اور گالیاں دے کر کہنے لگا کہ ہوئی ولائتی اسوقت پاس ورنہ بھٹا سا سر اُڑا دیتا اور جو کہیں جوان ہوتا تو اسوقت کھود کر دفن کر دیتا اور جو کہیں بھوکا ہوتا تو کچّا ہی کھا جاتا اور جو کہیں نشہ کی جھانج ہوتی تو گھول کر پی ہی جاتا۔

میاں آزاد نے نشہ کا نام جو سُنا تو چونکے۔ غور کر کے دیکھا تو سن سے جان نکل گئی۔

یہ میاں خوجی تھے۔ کون خوجی؟ نواب صاحب کے مصاحب کون نواب؟ وہی بٹیر باز۔ کون بٹیر باز۔ وہی صف شکن علی شاہ؟ کون صف شکن علی شاہ؟ وہی جنکی تلاش کو میاں آزاد نکلے تھے چار آنکھیں ہوتے ہی اُنھوں نے اُن پر اور اُنھوں نے اُنپر نظر ڈالی۔

آزاد۔ ایں! بھائی خوجی ہیں۔ اللہ اکبر برسوں کے بعد ملاقات ہوئی مزاج تو اچھا ہے۔

خوجی۔ جی ہاں مزاج تو اچھا ہے لیکن کھوپڑی بھنّا رہی ہو واہ اُستاد بات کرتے ہی گال کاٹ لیا اور تو در کنار۔ علیک سلیک بالائے طاق۔ آتے ہی وہ زنّاٹے کی ٹیپ جمائی کہ توبہ ہی بھلی بھلا آخر ہم نے تمھارا بگاڑا کیا تھا۔ اُن کھوپڑی کے پرخچے اُڑ گئے تہ ہوئی قرولی۔

آزاد۔ (دست بستہ) بھائی معاف کرنا قصور ہوا۔ معاف کرنا۔

خوجی۔ جی ہاں جوتیاں لگائیے اور کہئے معاف کرنا اور دل لگی یہ کہ بیٹھ بیٹھ دفعہ معافی مانگتے ہیں۔ اچھی مزاج پرسی کی کہ آتے ہی آڑ سے ایک دھول جمائی وہ تو کہئے مجھے جلدی سے معلوم ہو گیا ورنہ اسوقت میں آپکو جان سے مار ڈالتا لانا میری قرولی۔

آزاد۔ اس میں کیا شک ہے کہئے آخر آپ آئے کہاں۔

خوجی۔ آپ ہی کی تلاش میں آئے تھے آپ نے ملتے ہی کھوپڑی سہلا دی۔

آزاد۔ نواب تو اچھے ہیں۔

خوجی۔ اجی وہ گئے چولھے میں۔ یہاں سر بھنّا رہا ہی۔ اُف لے اب چلو تمھارے ساتھ چلیں۔ کچھ تو کھلواؤ یار۔ اسوقت مارے بھوک کے بیدم ہوئے جاتے ہیں۔

آزاد۔ چلئے آئیے بسم اللہ۔ مگر واسطے خدا کے سچ کہنا ہماری گرفتاری کے لیے تو نہیں آئے ہو۔ بھائی ہم ہرگز نہ جانے کے اب یہاں اور ہی دھن ہے۔

آزاد اور خوجی دونوں مل کر چلے تو کالی کالی گھٹا نے وہ لطف دکھایا کہ اُہو ہو ہو میاں آزاد اپنے دوست خوجی کو ایک یورپین کوٹھی میں لے گئے اور وہاں لیجا کر اتنی شراب پلادی کہ خوجی غین ہو گئے۔ تب میاں آزاد نے دم دے دے کر اُن سے پوچھا کہ سچ بتاؤ کہاں آئے ہو وہ تو اسوقت اپنے آپے ہی میں نہ تھے سب حال صاف صاف مو بمو کہہ دیا کہ نواب نے بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ میاں آزاد جہاں ہوں۔ وہاں سے لے آؤ آپ سے بہت ہی ناراض ہیں تین آدمی اور میرے ساتھ ہیں۔ اب ہم آپ کو گرفتار کر لیجائیں گے۔

یہ سنتے ہی میاں آزاد کے کان کھڑے ہوے اور وہاں سے بھاگے تو سیدھے میاں ظرّاف کے گھر ہو رہے۔

الٰہی ایک دل کس کس کو دوں میں
ہزاروں بت ہیں یاں ہندوستاں میں

میاں آزاد خانہ برباد صبح کو ظرّاف کے مکان سے چلے تو بحر حیرت میں غوطہ زن کہ الٰہی جاؤں تو کہاں جاؤں۔ ملوں تو کس سے ملوں۔ ایک معشوق ہو تو اُسپر جان دوں۔ ایک بت ہو تو اُسکا سجدہ کروں۔ ایک دلبر ہو تو اسپر سے دل وجان دین وایمان سب قربان کر دوں۔ جب ایک انار وصد بیمار یک انگور دہزار زنبور کا نقشہ ہو تو کوئی کیا کرے۔ حسن آرا کے پاس جاؤں یا سپہر آرا سے معافی چاہوں۔ یا اللہ رکھی کی خبر لوں۔ یا خوجی بیچارے کو کوٹھی سے لاؤں۔ وقت تھوڑا فرصت کم مہلت عنقا مگر خواہشیں شیطان کی آنت سے بھی زیادہ طویل وعریض۔ ایک ایک خواہش سے اندارات جلسے بلکہ سمند پٹ جائے کبھی سوچے کہ حسن آرا سے ملیں۔ کبھی شوق چرّایا کہ اللہ رکھی ہماری تلاش میں کالے کوسوں سے آئی ہے آؤ پہلے اسی کی خبر لیں پھر جی چاہا کہ سب سے پہلے چل کر خوجی کو تو کوٹھی سے لائیں۔ طرح طرح کے خیالات جو دل میں جاگزیں ہوئے۔ تو جان عذاب میں ہو گئی۔ اتنے میں دیکھتے کیا ہیں کہ میاں چانڈو باز جھومتے جھامتے گھومتے گھامتے ایک پھٹی سی ٹوپی دئے ہوئے سامنے سے آرہے ہیں اور دوسری طرف ملّاح ملیح جریب ٹیکتے ہوے یو قدمے جاتے ہیں اتّفاق سے تینوں کی مڈبھیڑ ہوئی تو عجب سیر ہوئی۔ چانڈو باز اسوقت پینک میں تو تھے ہی آزاد کو دیکھا نہ تاؤ جھلا کر بآواز بلند کہا کہ عجیب طرح کے آدمی ہو میاں۔ اقرار کر آئے کہ ابھی آتا ہوں دو گھنٹے میں آیا۔ پل مارنے کی دیر نہ ہوگی اور میں دُکان سے داخل ہو جاؤں گا ہونھ۔ اور تب کے گئے ہوئے ابتک صورت نہ دکھائی واہ واللہ رکھی بیچاری ڈاڑھیں مار مار کر رو رہی ہے۔ خوب ملے لے چلئے اُنکے آنسو تو پوچھیے۔ دامن سب تر بتر ہو گیا ہے سر ٹپک پٹک کر جان دے رہی ہیں ملاح نے جو یہ تقریر سُنی تو اُس کے کان کھڑے ہوئے۔ حجام کے زبانی تو یہ سُن ہی چکے تھے کہ میاں آزاد کسی سرا میں اللہ رکھی پر فریفتہ ہو گئے تھے۔ مگر اُنھوں نے حسن آرا سے پوشیدہ ہی رکھا لیکن جب دو دن تک برابر آزاد کا پتہ ہی نہ ملا۔ یہ ملاح رنگ میں مزے اُڑایا کیے۔ خوجی سے گلخپ کرتے رہے اللہ رکھی کا دکھڑا سنا کیے اور سر دھنا کیے تیسرے دن اُنھوں نے ملاح سے کہا کہ ذرا شہر جاؤ دو چار چکر لگاؤ۔ دیکھو تو آزاد کو کیا ہوا ملّاح ملیح نے دیکھا تو اور ہی رنگ اور ہی ڈھنگ۔ اللہ رکھی کا ذکر مذکور ہے۔ آزاد کا رنگ فق ہو گیا۔ اور ملّاح کا کلیجہ شق ہو گیا۔ اب سنئیے چانڈو باز خاموش ہوئے تو ملّاح نے اپنی داستان چھیڑی۔ بھائی آزاد کہاں ہے بھیّا ایسا کوئی کرتا ہے۔ بھلا حسن آرا کی خونابہ فشانی اور سپہر آرا کی

اشک افشانی کا حال ناگفتہ بہ۔ رات رات بھر نیند نہیں آتی ہر دم آہ و زاری۔ ہر دم بیقراری۔ حسن آرا تو خیر کسی قدر ضبط بھی کرتی ہیں مگر سپہر آرا بیچاری پھوٹ پھوٹ کر رو دیتی ہیں۔ ماہی بے آب کی طرح تڑپا کرتی ہیں۔ کلیجہ تھام تھام کر اٹھ اٹھ کے بیٹھ بیٹھ جاتی ہیں خدا جھوٹ نہ بلائے تو چار دفعہ تو غش آیا ہوگا مگر واہ رے آزاد کہ یہاں کان پر جوں تک نہ رینگی۔ کیا بس منہ دیکھے ہی کی محبت تھی۔ جائیے بس دیکھ لیا۔ ہم تو بھاٹ بنے تعریفوں کے پل باندھ باندھ دئے۔ بگڑی ہوئی بات بنائی چاند سی صورت دکھائی اور آپ اب بتے بتانے لگے۔ کوئی ایسا کرتا ہے۔ ذرا دل میں سوچو تو کہ سپہر آرا تمھاری کیسی عاشق زار ہے حسن آرا کو تمھارا کس قدر پیار ہے۔ گیتی آرا اور جہاں آرا دن رات تمھارا ہی ذکر کرتی ہیں۔ ہر دم دروازے پر نظر کہ اب آئے اور اب آئے اور آپ اپنی اللہ رکھی پر لٹو ہیں اور جو خدانخواستہ کہیں وہ دونوں بہنیں سن لیں کہ یہ ذات شریف ہیں تو کیسی ہو بس اب بھل منسی اسی میں ہے کہ میرے ساتھ چلے چلیے حیص بیص نہ کیجئے ورنہ حسن آرا سے ہاتھ دھوئیے گا اور پھر اپنی پھوٹی قسمت کو روئیے گا۔ چانڈو باز نے جو یہ رنگ دیکھا تو بگڑے کہ واہ جی تم کون ہو۔ میاں ہوش کی دوا کرو بھلا مجال ہے کہ اللہ رکھی کو چھوڑ کر یہ یہاں سے جائیں۔ کیا خوب اچھی دل لگی نکالی ہے۔ چلو اپنی راہ لو۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاؤ۔ معقول! ہم تو مدتوں خاک پھانکتے سیکڑوں کنوئیں جھانکتے یہاں آئے آپ بیچ میں بولنے والے کون آزاد نے جو یہ کیفیت دیکھی تو سمجھے کہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے حسن آرا الگ بدظن ہو جائیں گی اور اللہ رکھی الگ منہ پھلائیں گی اور سپہر آرا ناک بھوں چڑھائیں گی۔ تو گیتی آرا گرما گرم فقرے سنائیں گی ملّاح کا چہرہ اس وقت چانڈو باز کی اکھڑ تقریر سے لال انگارا ہو گیا آزاد نے معًا فقرہ چست کیا اور چانڈو باز سے کہا کہ یار تم گھبراتے کیوں ہو۔ یہ پیر فرتوت افیمی آدمی ہے بازار سے جا کر دودھ کی بالائی تو لیک کر لے آؤ۔ ان کو افیم پلا کر غین کر دیں اور ہم اور آپ مزے سے سرا چلیں۔ کیوں استاد ہے نا معاملے کی بات۔ لانا ہاتھ۔ چانڈو باز تو پھر آپ جانیئے نشہ باز آدمی۔ بالائی کا نام سنتے ہی گلقند آفتابی ہو گئے۔ واہ خوب کہی جھپ سے دو آنے لیے لڑھکتے پڑھکتے چلے بالائی لانے۔ ادھر میاں آزاد نے اس موقع کو غنیمت جان کر ملّاح ملیح سے کہا کہ چلیے قبلہ ہم اور آپ چلیں۔ راستہ میں باتیں ہوتی جائیں گی۔ دونوں ساتھ چلے۔ ساون کے دن گھٹا جھومتی ہوئی آئی اور ہر سمت تاریکی چھائی۔ کہیں موجۂ سبزۂ نوخیز کہیں باد عشرت انگیز میاں آزاد مستوں کی طرح جھومتے جاتے ہیں اور پیر مرد جریب ٹیک ٹیک کر قدم اٹھاتے ہیں۔ وہاں چلنے میں آندھی روگ یہاں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کا عارضہ ان کی چال جیسے کڑے کمان کا تیر یہ بیچارے اضعف اور پھر جب آزاد نے ڈبل چال چلنے کا لگا لگایا اور پیر مرد کئی گز پیچھے رہ گئے تو انھوں نے بآواز بلند کہا۔ ؎

بلبلوں کس کو دکھاتی ہو عروج پرواز
ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی

آزاد۔ ذرا ٹھک کر یہاں خرق نظارہ ہے قبلہ۔ ایک ایک قدم چلنا ایک ایک منزل طے کرنا ہے۔ آپ اب بوڑھے ہو گئے آپکو یہ لطف کہاں بس اب ہتھے پر نہ ٹوکیے ہیں سرک کر چل جانے دیجئے

آپ تو پھونک کر قدم رکھتے ہیں اور بندہ نہ گام جا رہا ہے۔

ملّاح۔ میاں صاحبزادے ہم بھی کسی زمانہ میں جوان تھے ہم بھی پہاڑ سے ٹکر لڑنے کا دم رکھتے تھے مگر یہ تو دوسری بحث ہے آپ تو یہ فرمائیں کہ تھے کہاں اور یہ اللہ رکھی کون ذات شریف ہیں سہے ہے جو کہیں حسن آرا سن پائیں تو تمھاری صورت نہ دیکھیں۔ گیتی آرا پاس بٹھانے کی روادار نہوں اور وہ بوڑھی تو تم کو اپنے محل کے ایک میل ادھر اُدھر پھٹکنے نہ دیں۔ اُف خدا ہی خیر کرے۔ اب آپ دُر دُر ادے جائیں گے۔ اور خود کردہ را چہ علاج آپنے اپنے پاؤں میں آپ کلھاڑا مارا مرد خدا ذرا تو سوچو کہ دو دو دن غائب اور پھر یہ بھی نہیں کہ خدانخواستہ علیل ہو گئے ہو یا کوئی اور سانحہ ہوا ہو۔ یہ کچھ نہیں۔ اللہ رکھی کے پھیر میں پڑے اتنے دن۔ اُف غضب! (دانتوں کے تلے اونگلی دبا کر) ستم ڈھایا تم نے ستم ڈھایا۔ اب ہمیں شک ہی بھئی۔ اب شادی دادی ہونا خیر صلاح۔ ذرا حسن آرا کے کان میں بھنک پڑے تو قیامت ہی بپا ہو جائے۔ خدا گواہ ہے۔ جو بات کرلے کی بھی روادار ہوں۔ فعل بد کا نتیجہ بد ہے۔

آزاد۔ ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم۔

ملّاح۔ آب داب کے بھروسے نہ رہیے گا میاں صاحب ایسی باتیں کیجیے گا تو پھر آپ کی جمعیت خاطر کی کشتی غرقاب ہی ہو جائیگی۔ اب آپ ہاں غیر حاضری کا سبب کیا بتائیے گا۔

آزاد۔ بندے کو سوچنے کا مرض نہیں۔ غور اور فکر سے نفرت ہے یہاں۔ اُسوقت جو زبان پر آئے اور انشاءاللہ ایسی وکالت کروں کہ آپ بھی دنگ ہو جائیں۔ زبان سے پھلجھڑی چھوٹنے لگے باقی رہا اللہ رکھی اُسکا حال نہ پوچھیے۔ وہ پھر بیان کریں گے۔

اتنے میں وہ کوٹھی سامنے نظر آئی اور دیکھتے ہی میاں آزاد کے دل کی کلی کھل کھلائی اور غل مچایا وہ کوٹھی آئی وہ کوٹھی آئی۔ وہ آئی۔ وہ آئی۔ ملّاح ملیح نے کہا آپ ذرا اس شہتوت کے درخت کے سایہ میں دم لیں دم کے دم میں آیا۔ یہ کہکر ملّاح ملیح کوٹھی میں گئے اور حسن آرا سے خوش خوش کہا کہ لو میاں آزاد آگئے سپہر آرا پلنگ پر سے چونک کر اُٹھی۔ آیئے آیئے بلاؤ۔ بلاؤ۔ جھٹ دریچے میں سے جھانکنے لگی۔ میاں آزاد اندر داخل ہوئے تو سپہر آرا نے اُٹھکر استقبال کیا اور دیکھ کر بشاش ہو گئی مگر حسن آرا اپنی جگہ سے نہ اُٹھی نہ اُٹھی۔ جہاں بیٹھی تھی وہیں پیکر تصویر کی طرح خاموش رہی گویا دہن میں زبان ہی نہ تھی میاں آزاد باادب بیٹھے اور یوں بولے۔

حسن آرا۔ بہن ان سے پوچھو کہ آپکے آنے کا مدعا کیا ہے۔

آزاد۔ اماناً پوچھیے کیا لب نہیں ہیں یا دہن نہیں ہے اور ہمارا مدعا کیا پوچھتی ہو۔ ؎

متردد ہے دل کہوں نہ کہوں	پوچھتے ہیں وہ مدعا میرا
ہر نگہ میں ہیں سیکڑوں ارماں	کوئی دیکھے تو دیکھنا میرا
پاس تم کو اگر نہیں تو نہ ہو	اسے بتو کیا نہیں خدا میرا
لیے جاتے ہو تم کہاں دل کو	ہے یہ مدت سے آشنا میرا

سپہر آرا۔ ۶۔ جایئے بس خوب الفت آزمائی آپ کی۔

آزاد۔ مزاج پرسی بالائے طاق خیر و عافیت کا حال دریافت کرنا در کنار علیک سلیک پھر پر۔ آتے ہی چشم فسوں پرواز کو تعلیم نازدی گلگون حسن پر اور بھی گرڑا جمایا۔ آپ کی پھر گئیں کہ اپنی قسمت ہی پھر گئی۔ حسن آرا کی آنکھوں سے اسوقت قہر برس رہا ہے تیکھی چتون آنت ڈھاتی ہے۔ بھی سی آنکھوں کے سامنے کوندجاتی ہے۔ مگر اُس میں بھی عجب بناؤ ہے۔ یہ بھی اچھا بگاڑ ہے۔

سپہر آرا۔ باجی کی آنکھیں روتے روتے خون کبوتر کی سی سرخ

ہو گئیں کھانا پینا حرام تھا۔ کلیجہ ہر دم دھک دھک کرتا تھا طرح طرح کے خیالات آتے تھے۔ لوگوں نے یہاں آن کر کیا جانے کیا کیا کہا۔

آزاد ؎	پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا	

لگائی بجھائی باتوں کا خیال کرنا وضعداروں کی وضع کے خلاف ہے۔

حسن آرا۔ (تنک کر) پوچھو کہ اب آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔

آزاد۔ پوچھے کون۔ لے صاحب آپ خود کیوں نہیں پوچھتیں آخر۔ اللہ رے عتاب۔ اُف ری تیری ترچھی چتون۔ اور اللہ رے تیری لگاوٹ باز انکھڑیاں۔ ہم سے دریافت ہوتا ہے کہ اب آپ چاہتے کیا ہیں۔ شان خدا ہم سے اور یہ سوال۔ ؎

کہوں کیا میں تجھ سے کہ کیا چاہتا ہوں	جفا ہو چکی اب وفا چاہتا ہوں
بہت آشنا ہیں زمانے میں لیکن	کوئی دوست درد آشنا چاہتا ہوں

حسن آرا۔ لے ان سے کہہ دو نا کہ اس شعر خوانی کو چولہے پر رکھیں یہاں کسی کو ذرا ہی تباہی شعر کہنے کا شوق نہیں ہے۔ معلوم ہے کہ بڑے شاعر کی دم ہیں۔ اکذبہ احسنہ پر عمل ہے۔ نرے شاعر ہی ہیں بس۔

سپہر آرا۔ بہن تم لاکھ بنو۔ ہزار بگاڑ کی باتیں کرو مگر مسکراہٹ آہی جاتی ہے۔ دل کی لگن کہیں چھپانے سے چھپتی ہے توبہ

حسن آرا۔ چلو بس چپ بھی رہو۔ بہت کلیجہ نہ پکاؤ اس وقت دل پر جو دکھ ہے وہ ہم ہی جانتے ہیں۔ تم تو نری الڑھ ہو ہرجائیوں سے ملاقات کیا۔ ایسوں سے تپاک کیسا چلو اب ہم تم کمرہ خالی کر دیں جس کا جی چاہے بیٹھے جس کا دل چاہے جائے حیادار کے لیے ایک چلو کافی ہے۔

یہ کہکر حسن آرا اٹھی اور سپہر آرا بھی ساتھ ہی ایک ناز دلربایانہ سے کھڑی ہوئیں کہ اتنے میں میاں آزاد نے سپہر آرا کا پہونچا پکڑ لیا۔ اب دل لگی دیکھیے کہ ادھر تو میاں آزاد اُس نازک بدن کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور ادھر حسن آرا اُس گلفام کو اپنی طرف گھسیٹ رہی ہیں حسن آرا بگڑ رہی ہیں کہ ہماری بہن کا ہاتھ کوئی پکڑے تو ہاتھ ہی توڑ دیں۔ جب ہم نے ٹکا سا جواب دیا تو پھر کوئی یہاں آنے والا کون۔ واہ ایسے حیادار بھی نہیں دیکھے۔ آزاد نے کہا۔ صاحب آپ اتنا خفا کیوں ہوتی ہیں واسطے خدا کے ذرا بیٹھ تو جائیے ایسا غصہ بھی کیا مانا کہ ہم معتوب ہیں مگر ہم سے جواب تو سنیئے۔ خدا گواہ ہے کہ ہم بے قصور ہیں حسن آرا نے کہا بس بس زبان نہ کھلوائیے اور جو خدانخواستہ کسی کی جان نکل جاتی تو کیسی ٹھہرتی۔ یہاں نعل در آتش ماہی بے آب کی طرح بیقرار۔ طرح طرح کا انتشار۔ سیکڑوں افکار اور آپ کا پتا ہی نہیں۔ خیر اب اسوقت ہم نہ بولیں گے۔ آپ کل آئیے مگر آنے کے قبل اطلاع کر دیجئے گا۔ بسم اللہ اب رخصت۔ آپ اب چھ مہینے کے بعد صورت دکھائیے گا۔ خیر ہم بھی کلیجے پر پتھر رکھ لیں گے۔ آزاد بصد حسرت رخصت ہوئے۔

مزے مزے کی باتیں اور عشق صادق کی گھاتیں

آں سرو بن بہار بہ درد	
گل غنچۂ عشق و لالہ درد	

یعنی میاں آزاد خانہ برباد قدم قدم پر آہ سرد بھرتے اور نفس امارہ پر نفرین کرتے میاں ظرافت کے مکان پر پہونچے تو وہاں افیونیوں کے پشت پناہ میاں خوجی لوحش اللہ

چانڈو کے نشہ میں غش پڑے ہوئے ہیں! یہ بلا یہاں کہاں سے آئی۔ لے لاحول بھئی اسنے تو بے طور پیچھا کیا ہی۔ مگر اسوقت پڑا رہنے دو پھر سمجھا جائے گا۔ میاں آزاد پلنگ پر لیٹے تو ادھر اُدھر لوٹ مار رہے ہیں مگر سونا حرام۔ نیند نہیں آتی پلک کا جھپکنا مشکل ہو گیا۔ ہائے فعل بد کا نتیجہ بھی بُرا ہی۔ کس بُری گھڑی اللہ رکھی سے آنکھ لڑائی۔ کیا شامت آئی اور ستم پر ستم یہ کہ میاں خوجی ساتھ نہیں چھوڑتے رات بھر سونے کے عوض دو دیا کیے یہ سوچ رہے تھے کہ اتنے میں غنچۂ صبح کھل کھلایا اور میاں آزاد کو شوق چرّایا کہ چلو حسن آرا سے ملو۔ سچ ہے۔ ؎

علی الصباح چو مردم بکار و بار روند ۔ بلا کشان محبت بکوئے یار روند

چلے تو ذرہ ذرہ گل خیز۔ قطرہ قطرہ بادۂ مسرت سے لبریز بادِ بہار گلفشاں۔ یہ بلبل زار مسرت غزل خواں۔ ساغر نوش بدست مشیخے طرب پرست۔ ادھر سبزے کی لہک۔ اُدھر قطرہائے شبنم کی جھلک۔ میاں آزاد نے ایک بھٹی کے قریب دو شرابیوں کو لڑتے جھگڑتے دیکھ کر کہا کہ خدائی خوار گدھے اسوار تم دونوں پر شیطان کی پھٹکار۔ خدا کی مار۔ یہ وضع اور یہ جوتی پیزار۔ سر بازار تکرار اور مار دھاڑ ذرا تو دل میں شرماؤ۔ مارے خفت کے زمین میں گڑ جاؤ۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ ؎

رندان در میکدہ گستاخ ہیں زاہدا ۔ زنہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے

دوسرے نے اُسکو چھوڑ کر انکا پیچھا کیا۔ انکو پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا اب سنیئے کہ اُس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ میاں آزاد کی ٹوپی اُچھال دی۔ میاں آزاد جھلائے۔ اور وہ دونوں بھی طیش میں آئے اور لگا گدا چلنے۔ آزاد نے چپت لگائی اور دھول جائی بات ترے کی ترا اور پھٹ۔ دھم اور کھٹ۔ تڑاق اور پڑاق بازار میں ہلڑ مچا ہوا۔ تماشائی ٹھٹھ کے ٹھٹھ جمع اتنے میں غل جو ہوا تو میاں خوجی پلنگ سے چونک پڑے فراغت کی لونڈی نے کہا میاں ایسی نیند نوج کبھی بھلے مانس کو آئے۔ آزاد سے باہر گدّے بازی ہو رہی ہی اور تم یہاں خراٹے لے رہے ہو اتنا سننا تھا کہ میاں خوجی آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھے۔ ادھر اُدھر دیکھا تو لٹھونہ ڈھونڈا۔ انھوں نے جیب سے چانڈو کی نگالی اُٹھائی اور لپکے۔ اور لپکتے ہی غل مچایا کہ لے او گیدی ٹھہر جا۔ میں آن پہونچا۔ شرابیوں نے جو انپر نظر ڈالی تو واہ جی واہ کیا قطع شریف ہی۔ ننھے سے آدمی۔ ٹینی مرغے کے برابر قد۔ اور یہ خم اور دم۔ اُنھوں نے آزاد سے اپنے کو پھڑا کر اُن کی خبر لی۔ بھلا کر آپ نے نگالی اُٹھائی۔ ایک نے نگالی چھینی اور لگا کھٹا کھٹ جمانے میاں ہی کی جوتی میاں ہی کا سر۔ دوسرے نے کسی سے پوچھا نہ پاچھا جھپٹ کر میاں خوجی کو کاٹ کھایا اتنے میں میاں آزاد نے چپکے سے اپنی لوُلی خوجی بیچارے پٹ پٹا کر اُٹھے کچومر نکل گیا۔ مگر واہ رے خوجی۔ پھر بھی وہی خم و دم ہیں وہی تیکھی چتون۔ ماشہ بھر کا تو قد شریف مگر اکڑے ہی جاتے ہیں اور دونوں شرابیوں کو اس طرح گھور رہے ہیں جیسے کھا ہی جائیں گے۔ حوالی موالی حضرت کی قطع دیکھ دیکھ کر لوٹن کبوتر ہوئے جاتے ہیں۔ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ اب خوجی ہیں کہ دنیا بھر کو گالیاں دے رہے ہیں آخر کار جھاڑ پونچھ کر چل دیئے۔ لونڈی نے کہا واہ میاں گئے تھے پیٹنے اور اُلٹے پٹ کر آئے۔ اتنی پڑیں بے بھاؤ کی کہ کھوپڑی گنجی ہو گئی۔ چاند پر ایک بال بھی نظر نہیں آتا خوجی بہت ہی جھلائے اور آگ بھبھوکا ہو کر کہنے لگے کہ چپ شہکادہ تو ہیں کیا جانے

کھوپڑی گنجی کیسی۔ یہ گنجی کھوپڑی کے کیا معنی۔ آخر یہ تو نے کہا کیا ہماری کھوپڑی پر بال تھے ہی کب۔ یہاں پیدائشی ہی ایسے بال ہیں۔ اور صاف چاند تو خوش اقبالوں کی نشانی ہے۔ اُس نے قہقہہ اُڑا کر کہا اب ہٹو بھی۔ آئے وہاں سے بڑے اقبال مند بنکر۔ واہ کیا اقبال ہے۔ صورت سے تو پھٹکار برستی ہے اقبال والے بنے ہیں۔ خوجی دانت پیسکر رہ گئے اور بولے کہ بس چلی جا۔ نہ ہوئی جوانی۔ ورنہ کھود کر اسی جگہ دفنا دیتا۔

میاں آزاد کو اس قصہ سے کیا واسطہ۔ وہاں تو اور ہی دھن تھی اور ہی اُدھیڑ بن تھی۔ مگر اُنکی طبیعت بگڑنے لگی اور رفتہ رفتہ ایسے علیل ہوئے کہ تپ چڑھ آئی۔ اب ایک قدم چلنا بھی دوبھر ہو گیا۔ ناچار پیپل کے درخت کے سایہ میں جس کے دھانی دھانی پتّوں کی نمک ریزی ستم ڈھاتی تھی بیٹھے اور غش۔ بیٹھے تو گرے گرے تو بیہوش۔ حسن اتفاق سے پیرمرد کا اُسی دم وہاں گذر ہوا۔ یہ فنس پر سوار چلے جا رہے تھے دُور سے دیکھا کوئی سفید پوش خانہ بدوش بیہوش پڑا ہوا ہے۔ جب قریب آئے تو کہاروں کو حکم دیا کہ فنس رکھ دو بسم اللہ کہکر اُنھوں نے فنس اُتاری۔ پیرمرد قریب جا کر جو دیکھتے ہیں تو آزاد ارے! معاذ اللہ۔ یہ بیچارہ آزاد ہے۔ اسے خوب ہوا ہم اس وقت آ گئے ورنہ اُنکا تو کام ہی تمام ہو جاتا۔ کہاروں نے میاں آزاد کو اُٹھایا اور فنس پر لٹا یا اور لے چلے پیرمرد پیچھے پیچھے پیادہ پا جانے لگے۔ کہاروں نے جو قدم بڑھایا تو ہوا ہو گئے اور کھٹ سے ایوان سپہر توامان میں تھے اتنے میں پیرمرد بھی کانکھتے کونکھتے پہونچے اور آزاد کی نبض دیکھی تو سرعت پائی۔ محل میں گئے حسن آرا سے کہا کہ جلد پلنگ بچھواؤ میاں آزاد آئے ہیں۔

حسن آرا۔ ہائیں ہائیں! بوڑھے میاں ہوش کی دوا کرو۔ تم تو اس وقت اپنے آپے سے گزر گئے ہو۔ لے واہ کہنے لگے آزاد آئے ہیں۔ پلنگ بچھواؤ۔ یہ پلنگ کی کیا بات چیت ہے۔

سپہر آرا۔ (گھبرا کر) اچھے تو ہیں۔

پیرمرد۔ بیہوش پڑے ہیں خدا ہی خیر کرے۔

حسن آرا۔ (ہاتھ مل کر) ہے ہے یہ کیا کہتے ہو۔ پاؤں تلے سے مٹی نکل گئی جی سنسنانے لگا۔

سپہر آرا۔ (بدحواس ہو کر) کلیجہ دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ اُف ایسی سُنائی اللہ ساتویں دشمن کو بھی نہ سُنائے۔

پیرمرد۔ کہارو فنس یہاں اُٹھا لاؤ۔

کہاروں نے فنس اُٹھائی اور پلنگ کے پاس لگائی گئی آدمیوں نے مل کر میاں آزاد کو پلنگ پر سُلا دیا۔ کمرے میں فقط حسن آرا اور سپہر آرا دل بہار اور پیرمرد۔ حسن آرا نے جو یہ کیفیت دیکھی تو سن سے جان نکل گئی۔ سپہر آرا کے گل رخسار پر آنسو ہی آنسو نظر آتے تھے۔

دل بہار۔ بیوی اس سے کچھ نہ ہونے کا دوا درمن کرو دوڑ دھوپ کرو حکیم جی کو بلاؤ۔ تم سب کے تو جیسے ہاتھ پاؤں بھول گئے (پیرمرد سے) اسے جا کر حکیم صاحب کو بُلا لاؤ۔

حسن آرا۔ حکیم جی کا یہاں کیا کام۔ اور یوں آپ چاہیں جس کو بلائیں۔ ع۔

بیمار عشق کا جو تجھ سے ہوا علاج	آہ اے طبیب تو ہی کہ پھر تیرا کیا علاج

یہ کہہ کر وہ خاتون مہ لقا آہستہ سے پلنگ پر جا بیٹھی اور سپہر آرا

پھولوں کی پنکھیا پھلنے لگی۔ حسن آرا نے میاں آزاد کا سر اپنے زانو پر رکھا پیر مرد کسی کام کے لیے باہر چلے گئے۔ دل بہار دوسرے کمرے میں گئی۔ حسن آرا نے فرط محبت سے میاں آزاد کی نورانی پیشانی پر بڑے پیار سے بوسہ لیا۔ ہنوز جو بھر بھی پیشانی کے پاس سے نہ ہٹی تھی کہ میاں آزاد نے آنکھ کھول دی اور کہا (ایک اور) حسن آرا کھل گئی۔ سپہر آرا ہنس پڑی۔

آزاد ؎
مرے جنازے کو اُنکے کوچے میں ناحق احباب لے کے آئے
نگاہ حسرت سے دیکھتے ہیں وہ رُخ سے پردہ اُٹھا اُٹھا کر
سحر ہے نزدیک شب ہی آخر سرا سے چلتے ہیں ہم مسافر
جنھیں ہو ملنا وہ سب ہیں حاضر جرس سے کہدو کوئی صدا کر

حسن آرا۔ کیوں بندہ پرور یہ مکاری! خدا کی پناہ۔ میری تو بڑی گت ہو گئی۔

سپہر آرا۔ چلو بخیر گذشت۔

آزاد۔ ایک اور ایک اور بس۔ ع۔ یہی درویش کی صدا ہے آج۔

حسن آرا۔ سائیں پھر مانگیے۔ بس وہ وقت اور ہی تھا اب ع۔ ہر روز عید نیست کہ حلوا خورد کسے۔

آزاد ؎
میں نے کہا جو اُٹھئے کہ شب کو یہیں رہو
آنکھیں جھکا کے بولے کہ کس اعتبار پر

حسن آرا۔ آپ آخر یہاں تشریف کیوں لائے۔ چھپائیے نہیں صاف صاف بتایئے۔

آزاد ؎
کبھی جو کہ تم مری محفل میں آئے کیوں
آنا تھا کون کوئی گیکر بلائے کیوں
کہتا ہوں صاف صاف کہ مرتا ہوں آپ پر
ظاہر جو بات ہو اُسے کوئی چھپائے کیوں

یہاں مارے نقاہت کے جان لبوں پر آ گئی۔ آپ کر سمجھتی ہیں۔

حسن آرا۔ یہی نقاہت ہے تو پھر ناز کون اُٹھائے گا۔ جور و جفا کون سہے گا۔

آزاد۔ اب کل روانگی کا عزم ہے۔ کل اگر نہ جاؤں تو شریف نہیں۔ ردم و روس میں اب کھلم کھلا چھڑنے والی ہے۔

حسن آرا۔ ہاں حمیت تو اسی کی مقتضی ہے کہ جائیے۔ اور ضرور جائیے۔

سپہر آرا۔ جائیے اور بخیر و عافیت واپس آیئے

حسن آرا ؎
بسفر رفتنت مبارک باد
بسلامت روی و باز آئی

اب ہم کو ایک بات یاد دلانی لازم آئی وہ یہ کہ میاں آزاد سچ مچ بیمار نہیں ہوئے تھے بلکہ بیمار بن بیٹھے تھے وجہ یہ کہ ان کو خوف تھا کہ مبادا اللہ رکھی کا آنا حسن آرا پر بھی کھل جائے تو پھر قیامت ہی برپا ہو۔ لہذا انھوں نے یہ فکر کی کہ علیل ہو کر وہاں جائیں تاکہ حسن آرا انکی علالت دیکھ کر ترس کھائیں سوچے کہ پیر مرد فلاں سڑک کی طرف سے روز آتے ہیں۔ لہذا حضرت آزاد موقع کو تاک کر ایک درخت کے نیچے لوٹ گئے۔ کہ گویا جان ہی پر بن آئی۔

حسن آرا۔ اب تو مزاج حضور کا اچھا ہے۔ آخر نصیب اعدا طبیعت ناساز کیونکر ہو گئی۔ آپ جاتے کہاں تھے۔

آزاد۔ آپ ہی کی قدم بوسی کو آتا تھا۔ اثنائے راہ میں جی گھبرانے لگا اور غش کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ درخت کے سایہ میں ذرا دم لینے بیٹھا تو بیہوش۔ حسن اتفاق سے یہ بیچارے ملے ورنہ خدا جانے کیا گت ہوتی اللہ کو کچھ اچھا کرنا منظور تھا۔

دن بھر اور رات بھر میاں آزاد نے وہیں بسر کی اور ترکے

اُٹھتے ہی تیاری سفر کی کی کہ اتنے میں میاں خوجی لڑھکتے پڑھکتے پتہ پوچھتے ہوئے آن موجود ہوئے۔

خوجی۔ میاں ہوت ذرا آزاد کو تو بلاؤ۔

دربان۔ کس سے کہتے ہو۔ آئے کہاں سے۔ جاؤ گے کہاں۔ ہو کون۔

خوجی۔ ایں! یہ تو کچھ تقریریا سا معلوم ہوتا ہے۔ ابے اطلاع کر دے کہ خواجہ صاحب آئے ہیں۔

دربان۔ ہونھ۔ خواجہ صاحب! ہمیں تو جولاہے سے معلوم ہوتے ہو بھلے مانسوں کی ایسی ہی صورت ہوا کرتی ہے۔

خوجی۔ اور نہیں تو پھر کیسی ہوا کرتی ہے۔

یہ تقریر میاں آزاد نے سنی تو خوجی کو پردے کے پاس بلا لیا۔

خوجی۔ اجی اک ذرا آئینہ تو بھیج دینا۔ آئینہ بھیجئے گا ذری

آزاد۔ یا وحشت یہ آئینہ کیا ہوگا۔ بندگی نہ سلام نہ مزاج پرسی نہ کچھ بات چیت۔ آتے ہی آئینہ یاد آیا۔ بندر کے ہاتھ میں بھلا آئینہ کون دینے لگا۔

خوجی۔ اجی بھیجتے ہو یا دل لگی کرتے ہو۔ دربان سے ہم سے جھوڑ ہو گئی ہے۔ اسوقت۔ مردود کہتا ہے کہ تمھاری صورت بھلے مانسوں کی سی نہیں۔ اب کوئی اس گیدی خر سے پوچھے تو کہ پھر کیا چمار کی سی ہے یا پاجی کی سی۔ ذرا آئینہ بھیجئے۔ میں دیکھوں تو مجھے خود شک ہو گیا۔

یہ فقرہ جو سُنا تو حسن آرا اور سپہر آرا کھل کھلا کر ہنس پڑیں اور آزاد سے کہا کون جانگلو ہیں۔

آزاد۔ بھئی اگر سچ پوچھتے ہو تو صاف صاف یوں ہے کہ تمھاری صورت سے ایک طرح کا پاجی پن برستا ہے۔ خدا چاہے پاجی بنائے مگر پاجی کی صورت نہ بنائے مگر اب اسکا علاج کیا۔

خوجی۔ واہ اسکا کچھ علاج ہی نہیں آپکے پاس۔ ڈاکٹروں نے مردے تک کے جلا لینے کا بندوبست کیا آپ فرماتے ہیں کہ علاج ہی نہیں دیکھیے ہم بتا دینگے۔ صورت ہی بدلنی ہے پھر یہ کتنی بڑی بات ہے۔

آزاد۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اینڈا بینڈا علاج ہو اور مُنہ ہی بگڑ جائے اس سے تو پاجی ہی بنا رہنا اچھا۔

خوجی۔ نا صاحب پاجی نہ بنیں گے۔ پاجی بن کے جیے تو کیا۔

آزاد۔ کل ہم روم جانے والے ہیں چلتے ہو ساتھ۔

خوجی۔ نہ چلے اُس پر بھی لعنت۔ نہ لے چلے اس پر بھی (خم ٹھوک کر) ہم خوش ہمارا خدا خوش۔

آزاد۔ مگر وہاں چانڈو نہ ملے گا اتنا یاد رکھیے۔

خوجی۔ اجی افیم ملے گی؟ کہ وہ بھی نہ ملے گی۔ بس تو پھر ہم اپنے چانڈو بنا لیں گے۔ آپ ہماری فکر نہ کیجئے۔ ہمیں ضرور لے چلئے بالضرور لے چلئے۔

آزاد۔ حسن آرا۔ اب رخصت کا وقت قریب آتا جاتا ہے۔ اور کلیجہ مُنہ کو آتا ہے کہ تم سے مفارقت ہوگی۔ لیکن جوانمردوں کو ان باتوں سے خوف کیا۔ زندگی شرط ہے خدا نے چاہا تو پھر ملیں گے اور جشن کریں گے اب ہمیں جانے دو۔

حسن آرا۔ (ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے)

سپہر آرا۔ (بہن سے چمٹ کر) کچھ تو منہ سے بولو۔ ہائے یہ خاموشی کا کون موقع ہے۔ جو مارے رنج مفارقت کے خاموش ہو تو وہ بات ہی کیوں کرو جس سے دُکھ ہو۔

حسن آرا۔ (گال پر ہاتھ رکھ کر) اُف (پھر رونے لگی)۔

آزاد۔ اُف دل بھر آیا۔ مگر قدم پیچھے نہ پڑے گا۔ جاؤں اور

بیچ کھیت جاؤں۔

سپہر آرا۔ ہائے اندر والا نہیں مانتا۔ اس کو بھی تو سمجھاتے جاؤ یہ کس کا ہو کر رہے گا۔

آزاد۔ ذرا تھوڑی دیر تک یہ بات ہی بھول جاؤ پھر میں بھی خوجی سے دو دو باتیں کروں۔

رخصت اے زندان جنوں زنجیر در کھڑکائے ہی
مژدہ خار دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہی

میاں آزاد کے مزاج میں وحشت تو جبلی اور خلقی تھی ہی انکو ایک جگہ چین کہاں۔ سیماب میں تو پھر بھی سکون ہے ان کی طبیعت کو سکون نہیں۔ اتنے دن یہاں رہے تو جی گھبرانے لگا۔ جنگل کی دھن سمائی صحرا کی یاد آئی۔ اور اسپر طرہ یہ ہوا کہ انکی معشوقۂ مہ لقا حسن آرا نے فرمائش کی کہ روم جائیے اور ترکوں کو روس کی یورش سے بچائیے۔ ایک تو کڑوا کریلا دوسرے نیب پر چڑھا پھر انکو قرار کہاں۔ جب انھوں نے دیکھا۔ کہ رخصت کا نام سنتے ہی سپہر آرا ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگی اور حسن آرا کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھ گیا تو سوچے کہ مبادا انکی پریشانی اور اشک افشانی سے قدم ڈگمگا جائے اور جانے کا نام زبان پر بھی نہ آئے اور خرابی یہ کہ انکی حالت زار دیکھ کر ان سے خود کب جایا جاتا۔ سپہر آرا کو تشفی دیتے یا حسن آرا کی تسلی کرتے آدمی تو ذکی الطبع اور برق دم تھے ہی وہ تدبیر سوچی کہ جو کبھی پٹ ہی نہ پڑے میاں خوجی سے انھوں نے صلاح لی کہ کیوں یار ہے اب اس وقت کیا صلاح ہو آخر تم توسن رسیدہ گرگ باراں دیدہ خرانٹ فقرہ باز آدمی ہو تم ہی کچھ سوچو مگر وہ رائے دو کہ سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹنے پائے اب تمھاری ہی رائے پر عمل کریں گے۔ اس میں ہرچہ بادا باد۔ خوجی افیمی آدمی۔ ٹرکی کا نام سنتے ہی ہکا بکا ہو گئے۔ ہاتھ پاؤں کانپنے لگے کہ خدا ہی خیر کرے بھئی ہم سمجھے تھے کہ دل لگی کرتے ہو یہ کیا معلوم تھا کہ سچ مچ ٹھنگ تو بڑا چڑھا کر بھاگا ہی چاہتے ہو میاں تم لاکھ عالم و فاضل سہی۔ پھر لڑکے ہی تو ہو۔ ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن کی تو پیدائش آپ کی اور داعیہ یہ کہ ٹرکی جاکر روسیوں سے لڑیں گے۔ اے تیری قدرت میاں ہوش کی دوا کرو عقل کے ناخن لو سوجھی بھی تو کیا سوجھی ہے تکی۔ یہ خیال خام پختہ مغزی کی دلیل نہیں ہی قبلہ۔ ایک ذرا سی چنے کے برابر گولی پڑے گی تو ٹائیں سے مر جائیے گا۔ آپ کو کبھی مورچے پر جانے کا شاید اتفاق نہیں ہوا۔ ارے میاں خدا بھلے مانس کو نہ لے جائے غضب کا سامنا ہوتا ہے۔ وہ گولی پڑی یہ مر گیا۔ گھوڑے کی پیشانی پر جمی دھم سے گرا۔ دائیں دائیں کی آواز رعد کی طرح گونجتی ہے قرنیب سا ہی کھڑا ہے اور ایک دفعہ ہی لوٹ گیا۔ توپ کا گولہ آیا اور اٹھارہ آدمیوں کو گرا دیا گولا چھٹا اور بتر ٹکڑے ایک ایک ٹکڑے نے دس دس آدمیوں کو دیکھتے ہی دیکھتے اڑا دیا گویا پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ اور جو کہیں تلوار چلنے لگی تو اف اوہ اجل سامنے نظر آتی ہی بے موت جان جاتی ہے۔ کھٹا کھٹ تلوار چل رہی ہے اور ہزارہا آدمی گرتے جاتے ہیں سو بھئی وہاں جانا کچھ خالہ جی کا گھر تھوڑا ہی ہی خدا کے لیے ادھر کا قصد بھی کہیں نہ کرنا اور بندہ تو اپنے حساب جانیوالے کو کچھ کہتا ہی ارے توبہ ارے توبہ خدا بھلے مانس کو جنگ کے میدان سے بچائے۔ ہم ایک ترکیب بتائیں اگر منشا تمھارا یہی ہی نہ کہ حسن آرا سے وصال ہو مگر بعد نکاح اچھا منظور۔ اور ان ہی کے کہنے سے آپ ٹرکی جاتے ہیں کہئے ہاں خیر تو وہ کام کیوں نہ کیجئے کہ حسن آرا آپکو خود ہی کہیں لو سلاکھوں قسمیں دیں

کہ جائے تو ہمارا ہی مردہ ہی دیکھے۔ آپ وہاں جا کر بیٹھئے اور ہم کو حسن کے پاس بٹھایئے اور جنگ کا ذکر چھیڑیئے پھر دیکھئے میں کیسی لفاظی کرتا ہوں کہ آپکا بھی جی خوش ہو جائے جنگ کی مصیبتوں کو اس پیرایہ میں بیان کروں کہ دونوں بہنیں کانپ اُٹھیں اور اُنکو یقین کامل ہو جائے کہ میاں آزاد بچ گئے اور اتنا عقیل ہوئے اور میں صاف صاف کہہ دونگا کہ بھائی آزاد ذرا اپنی تصویر کھچوا لو۔ آخر اب جدائی کی گھڑی تو سر پر کھڑی ہے۔ دو تین مہینے میں سن لیں گے کہ میاں آزاد نے گولی کھائی اور دم توڑا۔ واللہ جو کہیں یہ تقریر حسن پائیں تو حشر تک بھی نہ جانیں دیں۔ اور جھپ سے شادی ہو جائے مرنے سے چین کرو۔ اور ہمیں بھی نوکر رکھ لو۔ اور دم جانا بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ فرض کیجئے کسی مورچہ پر گولی لگی اور لوٹ گئے پھر حسن آرا سے کون ملے گا۔ توبہ توبہ۔

میاں آزاد جب یہ داستان سن چکے تو بولے کہ بس اب آپ اور کچھ نہ فرمایئے گا۔ ٹرکی جاؤں اور پھر جاؤں دن دہاڑے جاؤں ڈنکے کی چوٹ جاؤں۔ لاکھ میں جاؤں کروڑ میں جاؤں باقی رہا مرنا جینا یہ کسی کے اختیار کی بات تو ہے نہیں۔ مورچوں پر سے لاکھوں آدمی کورے آتے ہیں اور ہزاروں للہ چلتے چلتے لوٹ جاتے ہیں۔ اس میں کسی کا اجارہ نہیں حسن آرا ہم سے کہے کہ ٹرکی جاؤ اور ہم اغماض کر جائیں۔ کیا مجال۔ اور پھر حسن آرا پیاری حسن آرا کو ایسا جل دیں آنلر ٹا جل دیں اُف۔ جسکو معشوق کیا اس سے یہ فریب۔ اینجانب تو ہرگز گوارا نہ کریں گے چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے۔ آپ میاں ظراف کے یہاں جایئے اور انسے کہئے کہ ہم ابھی آتے ہیں آج ہی سفر کا عزم ہے سب سامان درست کر رکھیں۔ ہم پہونچے اور کھانا کھایا اور چلتے ہوئے۔ خوجی تو گرتے پڑتے چلے۔ مگر دو قدم جا کر پھر پلٹے۔ آزاد۔ میاں آزاد۔ بھائی ایک بات سُنے جاؤ کیا ہمکو بھی آپکے ساتھ ہی جانا ہوگا۔ اگر لے چلو تو خیر ہم بھی ہمراہ رکاب چلے ہی چلیں۔ لیکن واسطے خدا کے ذری صورت تو دکھا دو آزاد نے للکارا کہ دور ہو نامعقول۔ یہاں اس وقت کلیجے پر سانپ لوٹ رہا ہے۔ خوجی پھر اُلٹے پاؤں بھاگے مگر دو چار قدم کے بعد پھر پلٹ پڑے۔ میاں آزاد۔ میاں آزاد۔ ارے بھئی آزاد ہوت ذرا سُنتے جاؤ۔ میاں آزاد کی جان عذاب میں کہ ایسے دیوانے سے پالا پڑا پلٹے۔ کہو اب کیا یاد آیا۔ یار تم نے تو ناکوں دم کر دیا۔ خوجی بولے۔ استاد ایک بات بھول گئے تھے کھانا پکوا رکھیں ساتھ لے چلئے گا یا نہیں۔ آزاد بہت ہی جھلائے اور للکار کر کہا کہ نامعقول یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہی بھلا۔ جو اتنی دور سے پلٹے جاؤ۔ ابکی پکاروگے تو گلا ہی گھونٹ ڈالوں گا۔ خوجی بیچارے اپنا سا منھ لیکر رہ گئے اور پو قدمے جانے لگے۔ ظراف کے گھر پر جو وہاں سے کوئی ڈیڑھ میل تھا سوا تین گھنٹے میں پہونچے اور پہونچتے ہی غل مچانا شروع کیا کہ جلد تیاری کرو میاں آزاد ابھی ابھی جانیوالے ہیں اُنھوں نے کہا ہے کہ ایک پانچ سیر میٹھے ٹکڑے اور سات سیر استعمالی چار سیر بلکہ تین سیر والے چاول کا پلاؤ۔ اور دس سیر فیرنی اور دس ہی سیر کھیر اور کوئی چودہ سیر زردا۔ اور کوئی پانچ سیر مربی اور میٹھے اچار کی دو اچاریاں یہ سب سامان جلد تیار ہو رہے واہ بھئی خوجی کیوں نہ ہو کہی بھی تو اپنے ہی مطلب کی۔ افیونی آدمی سب میٹھی ہی میٹھی چیزیں بتائیں اور طرہ یہ ہو کہ دس سیر اور پانچ سیر سے کوئی کم نہیں۔ خیر میاں ظراف کی بیوی تو کھانا پکانے میں طاق تھیں۔ اور گھر کی لونڈیاں بھی براق تھیں۔ معًا

سب انتظام کر لیا اور ہاتھوں ہاتھ سامان ہوا۔

اب اُدھر کا حال سُنئے کہ میاں آزاد نے دل بہار سے چپکے سے کہا کہ بوا چپکے سے ذری قلمدان کاغذ تو لے آنا۔ دل بہار چپکے سے لے آئیں اور میاں آزاد نے بیٹھکر خط لکھا۔

میری پیاری حُسن آرا بصد حسرت و مسرّت تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ حسرت اس سبب سے ہو کہ جدائی کی گھڑی ہے اور مسرّت یہ کہ اپنی پیاری حُسن آرا کے حکم کی تعمیل کو جاتا ہوں۔ میں اپنے دل کی کیفیت اس وقت ظاہر نہیں کر سکتا بس میں جانتا ہوں یا میرا خدا۔ میں روم جاتا ہوں اور اس غرض سے جاتا ہوں کہ وہاں سے سرخرو ہو کر آؤں۔ اور اس لائق ہوں کہ حسن آرا کے ساتھ نکاح کر سکوں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ ایسی شگفتہ جبین اور نازنین مہ پارہ پری چہرہ کیلیے کوئی حسین اور مشہور و معروف نوجوان شہزادہ چاہیئے مجھے کوئی جانتا بھی نہیں کہ ہو کون مگر علم و فضل میں شرافت و نجابت میں حمیّت و مروت میں بانک میں کشتی میں تقریر میں کسی شریف زادے سے بندہ کم نہیں۔ ہاں شہرت۔ وہ خدا نے چاہا اب حاصل ہو گی بہر کیف اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ اخباروں میں تم ہمارا احال پڑھو گی۔ زندگی اور وفات کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے اور جنگ دو سر وارد۔ ایک گولی دیوث نیچے تک کو دم کے دم میں ہلاک کر ڈالتی ہے۔ اگر میں مر گیا تو خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ تم کسی شریف زادے کے ساتھ ضرور نکاح کر لینا۔ اگر تم سوگ نشین ہوئیں تو یاد رکھنا میری روح روئے گی اور اگر میں بچ نکلا تو پھر میرے سوا اور ہے کون۔ میں ٹرکی میں وہ وہ کار نمایاں کروں گا کہ میری بسالت کے جھنڈے گڑ جائیں گے اور ساری خدائی میں میرا نام ہو گا یہ کچھ غرور کی بات نہیں ہو میں اپنے دل کا سچا سچا حال لکھتا ہوں۔ اور قلم کو ترجمان دل بناتا ہوں۔ ہاں پیاری حسن آرا مجھے دو باتوں کی دلی آرزو ہو ایک تو تم میری جدائی کا رنج نہ کرنا اور جب کبھی میرا خیال آئے تو اس مبارک گھڑی کو یاد کرنا جب میں ٹرکی سے فائز مرام واپس آکر تمھارے ساتھ بجروں پر ہوا کھاؤں گا اور پیادہ نہ جاؤں گا اور مزے سے دن ناؤں گا واسطے خدا کے تم کڑھنا نہیں نہیں ہائے اگر مجھے کوئی اتنی تسکین دیدے تو میں اور بھی خوش خوش جاؤں۔ دوسری بات یہ ہو کہ پیاری سپہر آرا میری جگر گوشہ کو بھی کڑھنے نہ دینا۔ ہے ہے وہ جب سُنے گی کہ آزاد چلدیے تو رو رو کے ڈھیر کر یگی۔ اور خدا جانے اُس بیچاری کی کیا کیفیت ہو جائے گی۔ اُف۔ مفارقت کا صدمہ سہنا دل لگی نہیں ہو۔ خدا عاشق و معشوق کو جدائی کا دن نہ دکھائے حسن و عشق کا جھگڑا بڑا بیڈھب ہوتا ہے پیاری سپہر آرا کو میں تمھارے سپرد کر کے جاتا ہوں۔ انکی خوب دلجوئی کرنا اور خوب سمجھانا کہ میاں آزاد عنقریب ہی آنے والے ہیں۔ بس اب آئے داخل ہیں۔ تیسری بات ایک اور یاد آئی ذرا کان لگا کر سنیئے دنیا میں طرح طرح کے آدمی ہیں مگر بد باطن بہت اور نیک کم۔ خدا کے لیے کسی کے لگانے بجھانے میں نہ آجانا۔ اتنا کہنا ضرور یاد رکھنا۔ اسوقت تو میں طومار کے طومار لکھ ڈالوں لیکن ہاتھ کانپتا ہے اور افسوس ہو کہ اسوقت گو لاکھ ضبط کیا لیکن آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے جاری ہو گئے۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی خوف ہو کہ مبادا تم سُن پاؤ یا سپہر آرا کے کان میں بھنک پڑے تو جانے نہ پاؤں۔ تمھارے دل میں طرح طرح کے خیالات آئیں گے اور تم فرض کر لو گی کہ اب آزاد کا واپس آنا محال ہو تم راتوں کو چونک چونک پڑو گی۔ کہ آزاد قتل تو نہیں ہوئے۔ تمھیں کھانے میں مزہ نہ آئے گا پانی بد ذائقہ معلوم ہو گا۔ میری دلی تمنا تھی کہ رخصت کے قبل ایک دن ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھاؤں اور سپہر آرا کے ہاتھ سے

بوٹی اور کباب چھین جھپٹ کر چکھ جاؤں مگر دل کی دل ہی میں رہی خیر یار زندہ صحبت باقی۔

اب اس خط کو تم چوم لو زندہ بچا تو لوٹونگا اور جو مر گیا تو الوداع۔

تمھارا پیارا آزاد

یہ خط لپ جھپ لکھکر میاں آزاد نے دل بہار کو دیا اور کہا (دل بہار تجھے اپنے بچوں ہی کی قسم یہ خط حسن آرا کو شام کے وقت دینا اور کہنا کہ میاں آزاد ٹرکی گئے) دل بہار نے انکا دامن پکڑ لیا اور سمجھایا کہ میاں یہ کیا غضب کرتے ہو ہے ہے بے رخصت ہوئے جاؤگے تو حسن آرا کا کیا حال ہوگا سپہر آرا قیامت بپا کر دے گی۔ گھر بھر میں کہرام مچے گا۔ پٹس پڑ جائے گی۔ ہنسی خوشی سے جاؤ نہ۔ امام ضامن تو باندھنے دو۔

آزاد نے ہاتھ جوڑ کر گڑگڑا کے کہا کہ بوا دل بہار تم کو اس سے کیا مطلب جو کہوں وہ کرو۔ شام کو یہ خط انکو دینا بس اب زیادہ کہو سنو نہیں اُسنے کہا نہ میاں مجھ سے یہ نہ ہوگا میں نہ تمھیں جانے دونگی نہ خط لونگی اور نہ تمھارا دامن چھوڑونگی اور جو تم نہ مانوگے تو غل مچا دونگی۔ اور تم بدنام ہو جاؤگے اور پیچھے پچھتاؤگے۔ میاں آزاد نے جیب سے پانچ روپیہ نکالے اور دل بہار کو چپکے سے دے کر کہا کہ بس اب جاؤ یہ تمھارے چھوٹے لڑکے کے لیے ہے۔ مگر خبردار شام کے پہلے نہ دینا۔

میاں آزاد یہاں سے چلنے کو چلے لیکن قدم نہیں اُٹھتا دل ہے کہ اُمڈا چلا آتا ہے۔ آنکھیں فوارہ خون بنی ہوئی ہیں دو قدم جاتے ہیں اور پیچھے پھر پھر کر دیکھتے ہیں۔ پھر چلے پھر ٹھہرے محل وہ نظر آتا ہے اُسی کے پیچھے اسوقت حسن آرا کی گلی ہائے اب یہ ایوان کیوان نشان واللہ اعلم دیکھنے میں آئے گا بھی یا نہیں۔ کبھی جی چاہتا ہے کہ چل کر حسن آرا سے مل ہی لیں کبھی سوچتے ہیں کہ اب چلے سو چلے واپس جانا ہمت مردانہ کے خلاف ہے۔ کبھی خیال آیا کہ پیر مرد سے تو رخصت ہولیں کبھی سوچے کہ سپہر آرا کی صورت تو ذرا ایک نظر بھر کر دیکھ لیں۔ کبھی دھم سے گر پڑے کبھی کلیجے کو تھام لیا۔ کبھی اُف اُف کرنے لگے۔ کبھی ہائے ہائے وائے وائے کا کلمہ زبان پر جاری۔ کبھی جان عاری کہ الٰہی کیا کروں دل اور طرف جاتا ہے میں اور طرف جاتا ہوں۔ کس کس کو سمجھاؤں خدا ہی اسوقت مدد دے تو بیڑا پار ہو ورنہ اب غرقاب ہوئے اور اب غرقاب ہوئے۔ آخرکار خدا خدا کرکے میاں ظراف کے گھر میں داخل ہوگئے۔ ظراف نے جو انکی صورت پر نظر ڈالی تو پوچھا ایں! ارے میاں تمھارا حال کیا ہے۔ واللہ تمھاری صورت دیکھنے سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ اُف اوہ۔ جیسے کوئی برسوں کا بیمار ہو۔ کیا ڈنگو آیا تھا کیا بالکل چہرہ اُترا ہی ہوگئے تم تو واللہ توبہ توبہ۔ زردی چہرے پر چھائی ہے آنکھیں سرخ بیر بہوٹی بنی ہوئی ہیں۔

روم کے سفر کی تیاری

ظراف۔ کہیئے اب تو رخصت ہے کبھی۔ ۵

بہ سفر رفتنت مبارک باد
بہ سلامت روی و باز آئی

کھانا تیار ہے کہیئے تو نکلوایا جائے۔ برف بھی منگوا رکھی ہے۔

آزاد۔ کھانا تو اسوقت ہم نہ کھائیں گے۔ اشتہا نہیں مطلق بھوک نہیں۔

ظراف۔ ایں! کیا خوب۔ پھر اتنا پکوایا کیوں۔ اجی دو نوالے تو کھالو۔

آزاد - پکوایا کس نے مجھے تو صبح سے کھٹی ڈکاریں آ رہی ہیں
یہ آپ سے کہا کس نے تھا کہ آپ کھانا پکوائیں ۔
ظراف - اور سنیئے گا۔ کہا کس نے کی ایک ہی کہی۔ کہا آپ کے
خوجی سنے اور کس نے - بولو میاں خوجی - دس سیر فرنی
اور دس ہی سیر کھیر اور اٹھارہ سیر میٹھے ٹکڑے اور خدا جانے
کیا الم غلم بنا گئے - گھر میں بڑے اہتمام بلیغ سے سب سامان
لیس کیا اب دو چار نوالے تو آپ کو اُن کی خاطر سے ضرور
کھانے چاہئیں ۔
آزاد - لاحول ولا قوت - خوجی بھی بس گرسنہ چشم ہی رہے ۔
خوجی - لاحول کاہے کی۔ آخر اس لاحول کے کیا معنی - آپ
نہ کھائیے بندہ تو ڈٹ کے چکھ چکا ۔
آزاد - کیا یہ کھانا کھا چکے ۔
خوجی - جی نہیں تو کیا آپ کی طرح بیوقوف ہوں - اور سب
میٹھی میٹھی چیزیں پکوائیں - آج افیم بھی معمول سے زیادہ
بی خوب چسکی لگائی اور مطبخ پر ہاتھ لگائے ۔
آزاد - بس اب پھر بوریا بندھنا اُٹھائیے چلئے بسم اللہ کرکے
لدیئے پھندیئے ۔
خوجی - قبلہ ابتو اسوقت یہ حال ہے کہ جیسے چوہے کو کوئی
پارہ پلا دے - چلنا چلانا معلوم - اب بندہ لوٹ ماریگا
اور سواری کیا ہے ۔
ظراف - یکہ ۔
خوجی - ارے غضب خدا کا - تو بندہ جا چکا یکے پر تو آجتک
کبھی سوار ہی نہ ہوئے اینجانب اور پھر کھانا کھا کے ارے توبہ
مر ہی جاؤنگا کبھی - ذرا سا پانی بلانا - یار ایسی تو بہت دیکھے
گر یکے لینا ایسا بھی کوئی دیکھا جو پینک کا نام بھی نہ جانتا ہو ۔

الغرض میاں آزاد نے جھٹ پٹ کھانا کھایا اور اسباب
و سباب کس کرا آمادۂ سفر ہوئے - خوجی کو بھی ایک لات جمائی
کہ اُٹھو نامعقول ! بس اب سونا دونا ہو چکا - قہر درویش بجان
درویش لکڑ کر اُٹھے باہر جاکر دیکھتے ہیں تو ایک سمند گھوڑی
پوری دوسرا مریل لدو ٹٹو - پوچھا کہ یہ ڈگی گھوڑیا کس کے لیے
آئی ہو مگر یہ بیگو کا ٹا تکھن کیا قدم باز اور سبک خیز ہی - آزاد سمجھ
گئے کہ ہمیں اُلو بنانا چاہتا ہے - شان خدا اے تیری قدرت -
میاں خوجی بھی ایسے ہوئے - سمند گھوڑی ڈھائی سو روپیہ کی قیمت
کی اسکو آپ ڈگی بتاتے ہیں جس میں میری نظروں سے گرجائے اور
اس دبلے پتلے مریل ٹٹو کو بیگو کا ٹا تکھن بتاتے ہیں - آزاد
نے مسکرا کر کہا کہ پھر یہ بیگو کا ٹا تکھن آپ ہی کو مبارک - رہے
بندہ اس ڈگی ہی پر قناعت کرے گا آزاد میاں ظراف کی
بیوی سے رخصت ہوئے - آداب بجا لاتا ہوں - بھابھی صاحبہ
بھول نہ جائیے گا - بھائی تو ایک بھولکڑ آدمی ہیں - آپ نظر عنایت
رکھئے گا - آپکے ہاتھ کا کھانا عمر بھر نہ بھولونگا - نہ بھولونگا - انھوں نے
بہت ہی افسوس کیا اور کہا کہ بھائی تمھارے سبب سے دو گھڑی غم
غلط ہوتا تھا اور تمھارے بھائی تو جیسے ہیں ویسے ہیں - ظراف
ظراف جو لوگوں نے کہنا شروع کیا تو سمجھے کہ ہم سے بڑھ کر کوئی
ہے ہی نہیں - مگر خیر صلاح اچھا پھر اب منزل کھوٹی ہوتی ہے
امام ضامن کو سونپا خدا کرے جس طرح پیٹھ دکھاتے ہو اسی طرح
منھ بھی دکھاؤ - آزاد نے کہا بندگی - آپ گھبرائیں نہیں - میں
برس بھر کے اندر ہی اندر قدم بوسی حاصل کروں گا - یہ کہہ کر
میاں آزاد باہر گئے اور تڑ سے گھوڑی کی پیٹھ پر تھے ۔
اب سنئے کہ میاں خوجی نے اپنے مریل ٹٹو کو جو دیکھا تو لگے
دو ہتڑ پیٹنے - یارو واسطہ خدا کا ہمیں بچاؤ بھلی ہم ایسے جانیسے

درگزرے۔ بی بخشیے چوہا لنڈورا ہی ہو کر جیے گا۔ تیج بی ہزار نعمت پائی۔ آخرکار لوگوں نے للکارا کہ بیوقوف ہوا ہے مرا کیوں جاتا ہے اب یہ چاہتے ہیں کہ سوار ہو جائیں لیکن یار لوگ ڈراتے ہیں کہ دیکھو دیکھو وہ پشتک اُچھالی۔ وہ دولتی جھاڑی وہ کاٹنے دوڑا۔ وہ مُنہ کھول کر لپکا۔ وہ دبوچا۔ وہ ٹیٹوا لیا۔ وہ ٹٹو کھڑا ہے کان تک نہیں ہلاتا۔ ایک دفعہ ہی آنکھ بند کرکے حضرت نے چاہا کہ لدیں مگر یاران سرپل نے تالیاں جو بجائیں تو ٹٹو بھاگا اور میاں خوجی بھد سے زمین پر۔ اُف دیکھا کہتے تھے نہ کہ ہم اس ٹٹو پر نہ سوار ہوں گے۔ مگر حضرت ذات شریف نے دو گھڑی دل لگی دیکھنے کے لیے ہم کو اُلّو بنایا۔ کچومر ہی نکل گیا ہڈی پسلی بچ گئی ورنہ کچومر ہی ہو جاتے۔ خیر۔ دو آدمیوں نے اُن کو اُٹھایا اور لاد کر گھوڑے کی پیٹھ پر رکھ دیا۔ لگام اُنکے ہاتھ میں دی اور کہا چلیے ٹخ ٹخ۔ لگام اُنھوں نے لی ہی تھی کہ ایک بگڑے دل نے چابک جمایا اور ٹٹو دم دبا کر بھاگا۔ اور میاں خوجی نے غل مچایا مرا مرا۔ گرا گرا۔ یا علی مشکل کشا مشکل کشائی کیجیے۔ یا خدا دے آلہی خیر کیجیو ارارارا دُن دھم۔ وہ میاں خوجی ڈھک گئے تب تو میاں آزاد نے گھوڑی بڑھائی اور ظرافت سے رخصت ہو کر خوجی کی مدد کو چلے انکو جو حوالی موالی بازاری تماشائیوں نے دیکھا تو کھسکے اور خوجی ٹٹو پر لدے ہوئے آہستہ آہستہ چلے۔

خوجی۔ اب کیا روم تک برابر اس ٹٹو ہی پر جانا ہوگا۔

آزاد۔ جی اور نہیں تو کیا۔ اور کیا آپکے واسطے اُڑن کھٹولا آئیگا۔

خوجی۔ بندہ رخصت ہوتا ہے۔

آزاد۔ بندہ گدا دیتا ہے۔

خوجی۔ بھلا اس ٹٹو پر کون جائے گا۔

آزاد۔ ٹٹو! اے آپ تو اسکو بیگو کا ٹانگھن کہتے تھے۔

خوجی۔ بھئی۔ للّٰہ ہمیں آزاد کرو۔ ہم درگزرے۔

آزاد۔ ارے بیوقوف! لکھنؤ تک یوں ہی چلنا ہوگا وہاں سے پھر ریل ہو بمبئی تک ریل پر جائیں گے اور وہاں سے جہاز۔

خوجی۔ (غل مچا کر) کیا! جہاز! اُف میرے مولا پانی کا سفر ہو کس سے سکے گا اور وہاں افیون کہاں ملے گی۔ مرے بے موت بھائی ہمیں آزاد کرو۔

آزاد۔ بس چلے چلو۔

میاں آزاد اور انکے لنگوٹیے یار میاں خوجی گھوڑوں کی باگ اُٹھائے چلے جاتے تھے۔ میاں خوجی کی ٹٹوی بھی گرمائی تو آزاد کی سمند گھوڑی سے دس پانچ ہی قدم پیچھے رہنے لگی چلتے چلتے شام کے وقت ایک گاؤں نظر آیا۔ میاں آزاد نے کہا کہ یہیں بستر جماؤ آج یہاں پڑاؤ ہو کل دن سے لکھنؤ داخل ہو جائیں گے رات بھر وہاں رہے۔ صبح تڑکے پھر دم بھر چلے تو کوئی تین ہی چار کوس گئے ہونگے کہ میاں خوجی ادھر کے کھیت میں گئے اور ٹٹوی کو راہ خدا پر چھوڑ دیا کہ جہاں جی چاہے آزادی سے چرے۔ ٹٹوی دیکھنے میں تو دُبلی پتلی تھی صورت حرام۔ مگر انتہا کی شریر یہ تو ادھر کے کھیت میں ہو رہے وہ سیدھی چلکے بوٹ کے کھیت میں پہونچی اور لگی چرنے اتنے میں کسان نے جو دیکھا تو لٹھ لیکر دوڑا اور لگا برا بھلا کہنے اسکی جورو بھی چمک کر بیٹھی اور کوسنا شروع کیا کہ پلو یا مر جائے۔ پلو یا کے کیڑے پڑیں ابھی ابھی پیٹ پھٹے۔ ڈاڑھی جار کی (اماں نہ لاش) نکلے۔ اور کسان نے گالیاں دیں کہ ارے یہ ٹٹو کس سار کے تنے بیسر ہمرے کھیت میں بٹھا دیہس میاں خوجی جو باہر نکلے تو دیکھا کہ ٹٹوی بھاگی جاتی ہے اور پیچھے پیچھے کسان کی جورو غل مچاتی ہے اور کسان لٹھ لیے ہوئے چلا آتا ہے

اُس نے گدے سے لٹھ جمایا اور پھر تان کر دوسرا دیا اور پھر تیسرا جھکانے ہی کو تھا کہ میاں خوجی نے للکارا۔ او گیدی ابے او گیدی خبردار اس حرکت ناشایستہ سے باز آ۔ ورنہ فرق دان پر ایک بال باقی نہ رہے گا اور ضربِ پاپوش سے بوکھلا جائیگا وہ گنوار بلکہ اور گنوار کا لٹھ۔ عربی ترکی پڑھا نہ تھا اسپر جھلا کر جھپٹ پڑا اور اتنے لٹھ رسید کئے کہ ٹٹوے کے پنجر بگڑ گئے میاں خوجی میں ایک وصف تھا کہ بے سوچے سمجھے بے دیکھے بھالے لڑ پڑتے تھے چاہے اپنے سے دوگنا چوگنا ہو یہ جھٹ ہی جائیں گے غصّہ کی یہ خاصیت ہے کہ جب آتا ہے مگر دیر۔ مگر میاں خوجی کا غصّہ بھی نرالا تھا۔ ان کو جب غصّہ آتا تھا تو شہ زور پر جو انکو اٹھا کر پھینکے تو اٹھارہ لڑھکنیاں کھائیں چاہے پھر نکل لے مگر یہ برنا نہیں چھوڑتے۔

دوسرا وصف یہ تھا کہ پٹ پٹا کر جھاڑ پونچھ کر اٹھ کھڑے ہوتے تھے مگر ممکن کیا کہ ذرا اُف کریں۔ وہی تیور۔ وہی خم دم کسان نے اتنی بڑی گستاخی انکے حضور میں کی کہ ان کی ٹٹوی کو انکے سامنے اتنا مارا کہ اُسکا کچومر نکل گیا۔ پھر بھلا اُن کو تاب کجا۔ آفتابہ پھینکا اور تڑسے دوڑ کر کسان سے گتھ گئے وہ گنوار آدمی اور انتہا کا کرارا۔ یہ منحنی دُبلے پتلے مہین آدمی۔ ہوا کے جھونکے میں اُڑ جائیں۔ اُس نے انکی گردن دبوچی اور گدے زمین پر پھینکا۔ پھر جھپٹنے کی کوشش کی تو کسان کی جورو آن چمٹ گئی اور لگی ہاتھا پائی ہونے۔ اُس نے ایک گھونسا جمایا اور انکے پٹے پکڑ کر پھینکا تو چاروں شانے چت۔ دو تھپڑ رسید کیے ایک ادھر ایک اُدھر اور کسان کھڑا ہنس رہا ہو کہ مہرارو سے جیت پاوت ناہیں یو مسنڈوں سے کا لڑیہے سے بھلا۔ کسان کی جورو ز ٹھونک ٹھانک اور پیٹھ پاٹ کر چل دی آپ نے پکارنا شروع کر دیا۔ قسم باباجان کی جو کہیں چھرا پاس ہوتا تو ان دونوں کی لاش اسوقت پھڑکتی ہوتی۔ وہ تو کہئے خدا کو اچھا کرنا منظور تھا کہ میں اپنے زعم میں آپے آ رہا ورنہ اتنی قرولیاں بھونکتا کہ عمر بھر یاد کرتے۔ ہات ترے کی نابکار لعین۔ کھڑا تو رہ او گیدی دوزخی اسپر گاؤں والوں نے خوب قہقہہ اُڑایا۔ اور آتنا بنایا کہ میاں خوجی جھلا کر سب کو گالیاں دینے لگے۔ او گیدی تم سب پر میں بھاری ہوں پرے کے پرے صاف کر دوں۔ وہ تو کہئے چھری نہ ہوئی اس سے خیریت ہے۔ ایک نے پوچھا کہ کیوں میاں صاحب چھری ہوتی تو کیا بھونک کر مر جاتے یا اپنے پیٹ میں لگاتے آخر نتیجہ کیا ہوتا۔ اسپر میاں خوجی اور بھی آگ بھبوکا ہو گئے۔

میاں آزاد کوئی دو گولی کے ٹپے پر نکل گئے تھے۔ جب خوجی کو ساتھ نہ دیکھا تو حیرت ہوئی کہ ایں! یہ کہاں رہ گئے بھئی ایک مسافر سے پوچھا کہ کیوں جی پیچھے کوئی شخص ٹٹو پر سوار آتا دیکھا۔ اس نے کہا جی ہاں ایک کسان سے لڑائی ہو رہی تھی اور اس کی جورو نے ان کو خوب مارا وہ کھیت میں پڑے قرولی ڈھونڈھ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرولی ہوتی تو مار ہی ڈالتا۔

میاں آزاد نے گھوڑی پھیری اور دم کے دم میں ہوا ہو گئے تو کھٹ سے اس کھیت میں داخل۔

آزاد۔ ارے میاں خوجی خیریت تو ہے۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے یہ یہاں کھیت میں پڑے رہنے کا سبب کیا۔ چلو اُٹھو گرد جھاڑو آخر کب تک پڑے رہوگے بھلا۔

خوجی۔ قرولی نہ ہوئی پاس ورنہ اسوقت دو لاشیں یہاں پھڑکتی ہوئی دیکھتے۔

آزاد۔ اجی وہ تو جب دیکھتے تب دیکھتے۔ بالفعل تو تمہاری لوتھ دیکھ رہے ہیں۔

پھر تو تھمبو کر کے اُٹھایا اور گھوڑی پر سوار کرایا چلے تو تھوڑی دور تک میاں آزاد کا ساتھ رہا بعد ازاں کوئی ایک کھیت کا فاصلہ ہو گیا۔ خوجی سے ایک پٹھان نے پوچھا کہ کیوں شیخ جی آپ کہاں رہتے ہیں۔ حضرت نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ سے ایک کوڑا چکھایا اور کہا کہ ابے ہم شیخ نہیں خواجہ ہیں۔ وہ شخص غصے سے آگ بھبھوکا ہو گیا اور ٹانگ پکڑ کر گھسیٹا تو خوجی کھٹ سے زمین پر۔ چاہا کہ اُن کو گلا گھونٹ کے مار ڈالے مگر رحم آیا اور چھوڑ دیا کہ مفت کا خون کون اپنی گردن پر لے۔ اب اُنکی سنئے کہ ٹٹو ی پر سے گر کر چاروں شانے چت پڑے ہیں۔ آزاد نے جو پیچھے پھر کر دیکھا تو ٹٹو ی پو قدمی چلی آتی ہو مگر خوجی ندارد۔ سمجھے کہ دال میں کچھ کالا کالا ہے۔ پلٹے کہ دیکھیں اب کیا واقعہ ہوا۔ خوجی ٹٹو ی پر سے گر کر حسب معمول غل مچانے لگے کہ نہ ہوئی قرولی ورنہ اتنی قرولیاں بھونکتا کہ یاد ہی کرتا عمر بھر۔ آزاد گھوڑی کڑکڑاتے لنکے کلے پر جا ڈٹے تو دیکھا کہ پھر اسی طرح زمین پر پڑے ہوئے قرولی کی جستجو میں ہیں

آزاد۔ اے کھٹکا ر شرم نہیں آتی۔ کمزور مار کھانے کی نشانی بدن میں سکت نہیں تو پھر کٹے کیوں مرتے ہو۔ مفت میں جوتیاں کھانا کون جوانمردی ہے۔

خوجی۔ واللہ آزاد جو قرولی کہیں پاس ہو تو بدن ہی چھلنی کر ڈالوں دم تو لینے نہ دوں۔ مگر چلئے بخیر گذشت۔ ورنہ اسوقت اس گیدی کی تجہیز و تکفین کی فکر پڑتی۔

آزاد۔ چلو اب اُٹھو۔ اُٹھو گے بھی یا پرسوں تک یہاں ہی پڑے رہو گے۔ یار تم نے تو اچھا ناک میں دم کر دیا۔ اب یار اسی کے ہو رہے کہ تم کو ڈھونڈھنے نکلیں۔

خوجی۔ اجی ہم نہ اُٹھیں گے تا وقتیکہ قرولی نہ لا دو۔ بس اب بنا قرولی کے نہ بنے گی۔

آزاد۔ (دھپ لگا کر) بس اب بیہودہ نہ بکو۔ اُٹھو ورنہ ایک لات بھی جماؤں گا۔

الغرض میاں آزاد اور میاں خوجی پھر راہ چلے۔

میاں آزاد آج کچھ تھکے بہت ہیں۔ واللہ اعلم کیا سبب ہوا طبیعت ہی تو ہے۔ میاں خوجی چانڈو پینے گپ اُڑانے خوشامد کرنے کے عادی۔ انکو یہ تاب کہاں کہ منزلوں ٹھہر جائیں۔ سفر کی صعوبت کون سہے دو دن جو منزلوں چلنا پڑا تو بول گئے اور پٹے اتنا کہ کچومر نکل گیا۔ بند بند درد کرتا ہے عضو عضو ٹوٹ رہا ہے۔ میاں آزاد اور خوجی دونوں باتیں کرتے ہوئے پو قدمے جا رہے ہیں۔

آزاد۔ آج طبیعت از بس علیل ہے۔ انتہا کی بے لطف۔

خوجی۔ یہاں جوڑ جوڑ میں درد ہے اور تو خیر لڑائی ہوئی ہو مگر اس کسان کی مسٹنڈی عورت نے تو واللہ کچومر ہی نکال ڈالا اُف کس بجر کے ہاتھ پاؤں ہیں۔ مگر قسم ہے خدائے پاک کی جو بھی کہیں چھری یا قرولی پاس ہوتی تو غضب ہی بپا ہو جاتا ایک کو تو جیتا چھوڑتا نہیں۔

آزاد۔ خدا گنجے کو ننھے نہیں دیتا۔ قرولی کی تو آپکو ہمیشہ ہی تلاش رہی مگر جب آئے پٹ ہی کے آئے۔ جوتیاں ہی کھائیں لیکن پرنا نہ چھوڑا۔ بس انتہا کی بیحیائی ہو۔ مرد خدا ذرا تو دل میں شرماے شرمی بھی تو کتنی۔ کچھ ٹھکانا ہو۔ خیر یہ دکھڑا کوئی کہا تک روئے۔ یہ تو بتاؤ کہ آخر اب ہم کریں کیا۔ طبیعت از بس بے لطف ہے اور جی متلاتا ہے ڈاک لگی ہے۔ اور بند بند ٹوٹ رہا ہے۔ آنکھیں بھی جلتی ہیں۔ اور قلب کی حالت ناگفتہ بہ۔

خوجی۔ پیش خیمہ آ گیا اُستاد۔ بس آ گیا اب حضرت بھی کوئی دم کے دم میں دن سے دھڑ دھکیں گے۔

آزاد - کیا! پیش خیمہ کیسا - اور حضرت کون - میں کچھ سمجھا بوجھا نہیں ذرا بتاؤ تو -

خوجی - ابھی صاحبزادے ہیں نہ آپ - اجی آئے کون - بخار تپ - احتراق - التہاب - اور پیش خیمہ یہی اعضا شکنی - آنکھوں کی سوزش کلیجے کی دھڑکن ہی - اسوقت گھوڑے پر سوار ہو کر منزل چلنا از بس مضر ہی تم ابھی صاحبزادے ہو - یہ کیا جانو - ہم خرانٹ ہو گئے ہیں - اب آپ گھوڑے پر سے اُتر پڑیے اور کسی گاؤں میں چل کر لیٹ رہئے ورنہ طبیعت اور بھی بے لطف ہو جائے گی - اب کہنا مانیے - عارضہ کوئی خالہ جی کا گھر نہیں ہو یہ بھی کوئی ہنسی ٹھٹھا مقرر کیا ہے آپنے کیا

آزاد - پھر بھئی اُتر کہاں پڑوں - جب کوئی گاؤں نظر بھی آوے یار اب طبیعت میں انتشار اور بھی بڑھتا جاتا ہے اور ناکوں دم آگیا ہو - اُف - بدن بھر پھونک دیا -

خوجی - بخار آگیا - ذرا گھوڑی کو روک لیجئے گا - دُلتّی پر سے اُتر کر، ذرا ہاتھ لائیے - نبض تو دیکھوں - اُف اوہ - بڑی حرارت ہی ہاتھ جل رہا ہے - مگر پاؤں بالکل سرد ہیں - خدا کرے کوئی گاؤں ملے تو وہاں ہم اور آپ اُتر پڑیں - لاحول ولا قوۃ - اس چٹیل میدان میں بخار کا آنا کیا ستم کی بات ہے - اب اگر اُتر پڑیے تو ٹکیے کہاں اور نہ اُتریے تو گھوڑی پر سوار ہو کر منزل بمنزل جانا بھی غضب کا سامنا ہو - مگر خیر - سنگ آمد و سخت آمد قہر درویش بر جان درویش جس طرح جلد ممکن ہو جھٹ پٹ چلے ہی چلیے ورنہ بڑی دقت ہو گی انتہا کی بیتابی ہے

آزاد - تیورانے لگے ذرا گھوڑی روک کر، میں تو اب اترا پڑتا ہوں حضرت - اُف - قلب کی عجیب ہی کیفیت ہو - کہاں جاؤں کس سے کہوں -

خوجی - ذرا صبر کیجئے - اب اس وقت بجز اس کے اور کیا چارہ ہے کہ کہیں چل کر آرام کیجئے - اور کچھ دوا درمن ہو - یہاں میدان میں تو کچھ خاک نہیں ہو سکتا -

آزاد - کسی سے پوچھیے تو کہ گاؤں کتنی دور ہے - خدا کرے پاس ہو - ورنہ میں یہاں ہی گر پڑوں گا اور قبر بھی یہاں ہی بنے گی - خیر یا قسمت یا نصیب -

خوجی - ہائیں بھئی ذرا تو استقلال لازم ہی آدمی کو اتنا کوئی گھبراتا ہی - اور آپ تو فہمیدہ سنجیدہ ہیں - قبر کیسی اور تربت کے کیا معنی معقول! (ایک مسافر سے) کیوں میاں مسافر یہاں سے بستی کتنی دور ہو - کوئی گاؤں بھی رستے میں پڑتا ہے یا نہیں -

مسافر - یہاں سے! یہاں سے کوئی - دیکھیے وہ کوئی ڈیڑھ کوس بلکہ کوس بھر پر ایک گاؤں ہی - کمولا - وہ سامنے باغ سُوجھتا ہی اُن درختوں کی آڑ میں سامنے سیدھ پر -

خوجی - لو بھئی مار لیا ہے - کوس بھر پر بستی ہو - بس کیا کوس اک ذرا دل کو ڈھارس دیجئے اور آپ گھبراتے کیوں ہیں -

آزاد - اور سنیئے کہنے لگے آپ گھبراتے کیوں ہیں - میرا تو بُرا حال ہی - یہ پوچھتے ہیں کہ گھبراتے کیوں ہو - گھبرائیں نہ تو کریں کیا دل بیقرار ہے - ہم تو لاکھ چاہتے ہیں صبر کریں مگر جب دل بھی مانے طبیعت کا تو کچھ عجب حال ہو - اُف - واللہ پھنکا جاتا ہوں اور بدن سے شعلے نکل رہے ہیں یا خدا کس مصیبت میں پڑ گیا کہ جی ٹھکانے نہیں مگر قہر درویش بر جان درویش جسطرح ہو چلنا ضرور چاہئے - وہاں تک پہونچ جاؤں کسی طرح سے بس پھر سمجھا جائے گا - ذرا کمر تو سیدھی کر دوں -

خوجی - چلو خدا کا نام لے کر - اب سامنے ہی ہی اور جو کہنا مانو تو ذرا گھوڑی کو تیز کردو دم کے دم میں داخل نہ ہو جاؤ تو سہی

اک ذرا اکڑ کڑا دو۔ بس پھر مزے سے لیٹنا۔

آزاد نے سمند گھوڑی کو ذرا تیز کیا تو وہ اڑ گئی۔ یہ جا وہ جا میاں خوجی نے بھی کوڑے پر کوڑا جمانا شروع کیا سڑاپ سڑاپ تخ تخ تخ۔ ٹٹو ی بھی بے دم ہو کر چلی مگر پھر لدو ٹٹو ی ہی تو تھی کہاں تک جاتی۔ وہ بھی گھوڑی کوئی چار سو روپیہ کی اور پھر جوان یہ بڑھیا لاکھ دوڑی لیکن وہ ہوا ہی ہو گئی میاں خوجی نے جھلا کر جو ایک ایڑ دی تو ٹٹو ی بگڑ مکڑی ہوئی اور جھپٹی تو میاں خوجی سنبھل نہ سکے ران کا جمنا مشکل ہو گیا اور دھڑ سے زمین پر آرہے تو بڑے ہی خفا کہ ہات تری ٹٹو ی کی دم میں رستا نہ ہوئی قرولی اس وقت پاس ورنہ اتنی بھونکتا کہ بلبلانے لگتی اتنے میں ٹٹو ی نے چاہا کہ سپاٹو کی ہوا کھائے تب تو حضرت نے للکارا کہ او گیدی۔ او گیدی۔ سنبھل میں آن پہونچا۔ سوچے کہ اگر آج بھی سڑک پر لیٹا رہا تو آزاد واپس آنے سے رہے۔ اٹھ کھڑے ہوے اور اٹھتے ہی ٹٹو ی کو پکڑا اور لد کر چلے۔ تو پیچھے دو چار ٹھٹھول دل لگی باز آدمیوں نے تالیاں بجائیں۔ اور کہنا شروع کیا کہ لدا ہے لدا ہے۔ لینا۔ لینا۔ جانے نہ پائے خوجی بد دماغ ہو گئے اور للکار کر کہنے لگے کہ او گیدی ابھی قرولی ہاتھ میں ہوتی تو برے کے پرے صاف کر دئے ہوتے۔ گستاخ نامعقول بے ادب ان لوگوں نے قہقہہ لگایا اور کہا کہ میاں بگڑتے کیوں ہو۔ کہو تو تم اور تمہاری ٹٹو ی دونوں کو اٹھا کر پہونچا دیں۔ خوجی کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔ خون کبوتر کی سی سرخ ہو گئیں کہنے لگے کہ ٹٹو ی! یہ ٹٹو ی کیسی۔ عراقی نہیں کہتے۔ ہٹو سامنے سے نہیں ہنٹر جماتا ہوں۔ واہ مجھے بھی کوئی ایسا ویسا سمجھے ہو نہیں جانتے ہیں میں سپاہی آدمی ہوں۔ شاہی میں دو دو ولائتیاں کمر سے لگی رہتی تھیں۔ اب لاکھ کمزور ہو گیا ہوں تو کیا لیکن اب بھی تم سے پچاس سے اچھا ہوں۔ لوگوں نے خوب قہقہے اڑائے۔ جی ہاں پیر و مرشد سچ ہے آپ ایسے ہی جوانمرد ہیں ایسے جیوٹ کے آدمی ہوتے کہاں ہیں۔ واہ پہلوان اور آپ کے توڑ منڈ بل کے دیتے ہیں کہ آپ سپاہی اور پہلوان ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ لاحول کا کہنا تھا کہ میاں خوجی اور بھی بگڑے۔ لاحول! یہ لاحول کیا۔ آخر یہ لاحول کے معنی کیا اب میں اتروں پھر۔ آؤں۔ یاران سر پل نے کہا۔ نا صاحب ایسا غضب بھی نہ کیجئے گا۔ کہیں مار ڈالیے آن کر تو اور بھی ستم ہو جائے۔ آپ ٹھہرے پہلوان اور اس پر طرہ یہ کہ سپاہی آدمی۔

الغرض میاں خوجی گرتے پڑتے پہونچے تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ میاں آزاد گھوڑی پر کھڑے ہیں اور سامنے سرا کا دروازہ ہے لیکن چہرہ سے ایک اضمحلال پایا جاتا ہے اور انتہا کی وحشت برستی ہے ٹٹو ی پر سے اتر کر میاں خوجی نے پوچھا کہ۔

خوجی۔ آیئے سرا میں تشریف لایئے۔

آزاد۔ بھائی تم جا کر کوٹھری وو ٹھری تو ٹھہراؤ میں ابھی آیا کچھ دیر تھوڑا ہی لگے گی لیکن کوٹھری صاف ہو اور بھٹیاری بڑھیا نہیں کام اچھا کرے اور ٹرائے نہیں میں اب انتہا کا ضعیف ہو گیا ہوں۔ ناز اٹھانے کی طاقت کہاں۔

خوجی سرا میں جا کر کوٹھریاں دیکھنے گئے۔ سرا بھر میں چکر لگائے لیکن کوئی کوٹھری پسند نہیں آئی۔ بھٹیاریاں پکار رہی ہیں کہ میاں مسافر ادھر آؤ ادھر۔ دیکھو خاصی صاف ستھری کوٹھری ہے۔ ٹٹو باندھنے کی جگہ الگ اتنا کہنا تھا کہ میاں خوجی آگ ہو گئے۔ ٹٹو ی پھیر کر کہا کہ کیا! پھر تو کہنا۔ ٹٹو ی ہاشت یہ پیگو کا ٹانگھن ہے۔ ایک بھٹیاری نے چمک کر کہا کہ اے میاں ادھر آؤ۔ پیگو کے ٹانگھن کو ادھر

باندھو دوسری مسکرا کر بولی اے پیکو کا ٹا گھن ہو یا خراسان کا گدھا ادھر آؤ تو۔ یہ جھلّانے لگے اور جب اُن سب نے ملکر خوب بنایا تو پھری اور فردلی کی حضرت کو تلاش ہوئی۔ اس پر سرا بھر کی بھٹیاریاں تالیاں بجا بجا کر بنانے لگیں تب تو میاں خوجی چکرائے کہ توبہ ہی بھلی۔ اتنے دق ہوئے کہ ٹٹوی کو اُنھوں نے وہاں سے خیز کیا۔ اور سرا کے باہر نکل آئے۔ باہر جو آئے تو آزاد نے پوچھا کہو جگہ ہوئی تو آپ فرماتے کیا ہیں کہ نہ بھئی چلو آگے کے گاؤں میں رہیں گے یہاں سب کے سب شریر ہیں۔

آزاد۔ ارے کمبخت وہ شریر ہوں یا نیک اس سے کیا واسطہ یہاں جان پر بن آئی ہے۔ آپ کو دل لگی ہاتھ آئی ہو۔ واسطے خدا کے کوئی کوٹھری تجویز کرو۔ یا تم پڑو اپنی ایسی تیسی میں۔ میں خود جاتا ہوں۔ یہ کہکر میاں آزاد نے گھوڑی کو تیز کیا اور بات کرتے سرا میں داخل ہوئے۔ ادھر اُدھر گھوم گھام کر ایک کوٹھری تجویز کی اور اُتر پڑے میاں خوجی نے بھی ٹٹوی پر سے زین پوش اُتارا اور بستر جمایا۔ اب سنیئے کہ سائیس تو پیچھے رہ گئے تھے میاں خوجی کو اپنے ہی ہاتھ سے سب کچھ کرنا پڑا لید بھی اُٹھائی اور گھوڑیاں بھی باندھیں اور گھاس بھی خرید لائے اور کھریرا بھی کیا۔ سرا والے سمجھے کہ یہ سائیس ہے۔

بھٹیارا۔ او سائیس بھیا ذرا گھوڑی کو ادھر باندھو۔

خوجی۔ (گردن پھیر کر) کس سے کہتا ہے بے! اِبے سائیس کون ہے

بھٹیارا۔ پھر اور ہو کون۔

بھٹیاری۔ لے تو بگڑتے کیوں ہو میاں۔ سائیس نہیں گراس کٹ سہی چر کٹے سہی۔

آزاد۔ یہ کیا بیہودہ تقریر ہے۔ یہ ہمارے دوست ہیں یا سائیس۔

بھٹیاری۔ سچ دوست ہیں۔ صورت بھلے مانسوں کی سی نہیں۔

خوجی۔ آزاد۔ یہاک ذرا آئینہ تو نکال دینا۔ نہیں واللہ کئی آدمی کہہ چکے ہیں مجھے کئی بار اپنے شریف ہونیکا خود شک ہو گیا آج میں ضرور دیکھوں گا۔ بالضرور دیکھوں گا۔ آخر یہ وجہ کیا کہ جو دیکھتا ہے یہی کہتا ہے۔

آزاد۔ چلو واہیات نہ بکو۔ اُف میرا تو برا حال ہو بھئی۔

بھٹیاری نے چارپائی بچھا دی اور میاں آزاد لیٹے تو بخار کی وہ شدت کہ الاماں آنکھیں جل رہی ہیں اور بے چینی اور بیقراری بڑھتی جاتی ہے۔

خوجی۔ اب طبیعت کیسی ہے۔

آزاد۔ مر رہا ہوں۔

خوجی۔ الحمد للہ۔

آزاد۔ خدا کی مار تجھ پر۔ دل لگی کا بھی کیا بھونڈا وقت ہاتھ آیا ہو۔ جی چاہتا ہے اسوقت زہر کھا لوں۔

خوجی۔ نوش جان اور اُسمیں تھوڑی سنکھیا بھی ملا لیجئے گا۔

آزاد۔ مر کمبخت۔

خوجی۔ اب بوڑھا ہوا مردوں کس پر۔ مرنے کے دن تو لد گئے اب تم ذرا سونے کا خیال کرو۔ دو چار گھڑی سو رہو تو بس طبیعت ہلکی ہو جائے اور یہ انتشار کی کیفیت بھی نہ رہے ہر نہ یہ بات۔

آزاد۔ جو کہو۔

بھٹیاری۔ میاں کیسے ہو۔

آزاد۔ کیا بتائیں بی کیسے ہیں۔ مر رہے ہیں۔

بھٹیاری۔ کس پر۔

آزاد۔ تم پر۔

بھٹیاری۔ علیؑ کی سنوار۔

آزاد۔ کس پر۔
بھٹیاری۔ (خوجی کی طرف اشارہ کرکے) ان پر۔
خوجی۔ افسوس نہ ہوئی قرولی اسوقت۔
آزاد۔ ہوتی تو کیا کرتے۔
خوجی۔ بھونک لیتے اپنے پیٹ میں۔
بھٹیاری۔ ایسے حیادار ہوتے تو اتنے بڑے نہ ہونے پاتے۔
آزاد۔ آپ خنجر کی جنکو ضرورت ہوتی ہو وہ چلو بھر پانی ہی میں ڈوب مرتے ہیں۔ اُف بھئی کچھ تو علاج کرو۔
بھٹیاری۔ ایک حکیم یہاں رہتے ہیں کہو تو لپک کے بلا لاؤں۔
آزاد۔ جاؤ احسان ہوگا۔ میں اسوقت مارے بخار کے پھک رہا ہوں بی بھٹیاری جاکر بلا لائیں۔ میاں آزاد دیکھتے ہیں تو عجب قطع کے آدمی۔ دھوتی لگائے۔ میرزائی پہنے اور وہ بھی گاڑھے کی بند کھلے ہوے۔ چہرے سے وحشت برس رہی ہے۔ آدمیت چھو ہی نہیں گئی۔ معقول اچھے حکیم ہیں ایسے طبیب دیکھے نہ سنے۔
آزاد۔ حکیم صاحب آداب۔
حکیم۔ ناہیں دبلاؤ ناہیں۔ بخار میں دابے نکسان (نقصان) ہے
آزاد۔ (دل میں) معقول! لیاقت ظاہر ہے۔ ہم کہتے ہیں آداب وہ کہتے ہیں دبلاؤ نہیں۔ آپ کا اسم شریف؟
حکیم۔ ہمار اسم سریپ۔ دانگلو۔
آزاد۔ (ہنس کر) بہت ہی خاصے دانگلو یا جانگلو۔
خوجی۔ ہیچ نمیداند۔ فہیدی برادر۔ ایں گیدی ہیچ نمیداند بالله کہ اگر قرولی بدست ما بودی سرش از تن جدا کردی و مثل بھٹا اُڑا دیتا۔
آزاد۔ چلیے بس بہت فارسی کی ٹانگ نہ توڑیے معلوم ہو آپ بڑے محقق طوسی ہیں۔
حکیم۔ نسکھا لکھوں۔
آزاد۔ آپ نسخہ وسخہ رہنے ہی دیں۔ بس یہاں سے تشریف لے جائیں۔
حکیم۔ بخار میں بکت ہیں چاند کے پٹے تنک تنک کتروا ڈالو
آزاد۔ کیا
خوجی۔ کچھ بیدھا تو نہیں ہوا ہے۔ نہ ہوئی قرولی ورنہ توند پر رکھ دیتا۔ پٹے کترنا کیسا۔ کیا کچھ پاگل ہیں یہ۔ جانا معقول۔
حکیم۔ بھائی ہم سے انکا علاج نہ ہو سکیے۔ اب پاک (ایک) ہو تو علاج کریں۔ یہاں یو پاگل کو ہے۔ یہ ہم کا الٹی کا پلوا بکٹ ہے سُسر۔
خوجی نے جھلا کر اُنکو اُٹھا دیا اور یہ نسخہ لکھا۔
ہوالشافی۔ آلو بخارا۔ تمر ہندی۔ عرق گاؤزبان۔ شب در آب صاف خیسانیدہ صبح مالیدہ صاف نمودہ بنوشند۔
اس نسخے کو میاں خوجی نے پنساری کی دکان پر بھجوا دیا۔ دوا بندھ کر آگئیں اور خوجی نے انکو بھگو دیا۔ آزاد نے کہا ذرا ہم بھی تو نسخہ دیکھیں۔ دیکھا تو بددماغ ہوگئے۔
آزاد۔ شب در آب صاف خیسانیدہ صبح مالیدہ صاف نمودہ بنوشند۔ معقول رات بھر میں تو اپنا کام تمام ہی ہو جائیگا صبح تک جیسے گاگون۔ اُجی اسوقت پلاؤ۔ اسی دم جب جانیں کہ ہاں آرام ہوا۔ کل تک زندہ رہنا محال یہاں جان کے لالے پڑے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ صبح مالیدہ صاف نمودہ بنوشند۔
خوجی۔ پھر اب اسوقت بندہ کچھ نہ دینے کا۔ ہرگز نہ دونگا واللہ ہاں ایک بات ہے۔ آلو کا پانی لیجئے پانچ دانے بھگوئے دیتا ہوں۔

جب مانگو آبِ زلال دوں۔ بس کافی ہی۔
آزاد۔ خیر یوں ہی سہی مگر یار۔ اُف پھُونک دیا۔ پھُونک دیا۔
آخر یہ ہوا کیا کچھ سمجھ میں آتا ہی نہیں۔ اور بھوک کے مارے
اور بھی جان عذاب میں ہے۔
خوجی۔ کھانا اسوقت کیا۔
آزاد۔ واہ کھانا نہ دو تو بندہ آپ تک کو چٹ کر جائے
اس بھروسے بھی نہ رہیئے گا۔
خوجی۔ واللہ ایک دانہ بھی آپ کے پیٹ میں گیا اور آپ
برس بھر تک یوں ہی پڑے رہے۔ کھانا اسوقت سم کا اثر
دیگا۔ لاحول ولا قوۃ کھانا؟ اُف نام نہ لو۔
آزاد۔ خیر آلو کا آبِ زلال تو لائیے۔
خوجی۔ لو جرعہ جرعہ پینا۔ یہ نہیں کہ پیالے کو منہ سے لگایا
اور غٹ غٹ نوش جان کر گئے۔ ایسا نہ کرنا۔
آزاد۔ اُف ذرا تسکین ہوئی اور پیوں گا۔
خوجی۔ ابھی نہیں ذرا تھم کر۔ ذرا دم تو لو۔ بخار میں زیادہ
پینے سے طحال کے بڑھنے کا خوف ہی۔
آزاد۔ آزاد قلب کی حرارت کیونکر رفع ہوگی۔
خوجی۔ ہم بتائیں۔ صندل اور کیوڑے کی پتی قلب پر رکھیے
ابھی تخفیف نہ ہو تو سہی۔
آزاد۔ پیاس کی شدت ہی۔ ہر بن مو سے العطش کی آواز نکلتی ہے
خوجی۔ آلو منھ میں رکھیے۔
آزاد۔ گرمی انتہا سے زیادہ ہے۔
خوجی۔ پالک کے پتے چارپائی پر چوطرفہ بچھا دیجئے اور اوپر
آپ آرام کیجئے۔
آزاد۔ ماتھا دھمک رہا ہے۔
خوجی۔ کھیرا کاٹ کر ماتھے پر رکھیے اور اغل بغل بھی ایک
ایک کھیرا رکھ لیجئے۔ اور پیاس معلوم ہو تو کھیرے کے بیج
چوس کر پھینک دیجئے
آزاد۔ جی گھبراتا ہی۔
خوجی۔ بخار میں یہ تو قاعدہ ہی ہی۔ جی ضرور گھبرائے گا۔ یہ
کوئی نئی بات تھوڑا ہی ہے۔ مگر ذرا استقلال بھی رکھیے۔
آپ کے مزاج میں تحمل مطلق چھو نہیں گیا۔ ہاتھ پاؤں پھول
جاتے ہیں۔ اس سے تو چھوکری ہی ہوتے تو کسی بھلے مانس کا
گھر ہی آباد ہوتا۔ کھیرا چوسیے اور میں لخلخہ سنگھاتا ہوں سائیں
سائیں اوپر آؤ۔ ذری سا نمک باریک پیس کر پاؤں میں تلوا اور
تلوے سہلاؤ۔ ذرا پاؤں گرمائیں اور دماغ کے ابخرے کم ہوں
تو تسکین ہو جب تک پاؤں سرد ہیں دو تین جلاب ہوں گے
بغیر آرام معلوم ہو یہاں تو حکیم بھی عنقا ہی افسوس خیر ہم علاج کرینگے
آزاد۔ علاج تک مضائقہ نہیں مگر مار نہ ڈالنا بھائی۔
ہاں ذرا اتنا احسان کرنا۔
خوجی۔ واہ ہم برسوں مرزا محمد علی مبرور کے یہاں مطب کیا کئے۔
میاں آزاد رات بھر بے چین رہے طبیعت بگڑتی ہی گئی تپ
کی وہ شدت کہ الامان۔ الحذر۔ ماتھا جل رہا تھا۔ اختلاج قلب
کی وہ کیفیت کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے میاں خوجی گو طبیب
نہ تھے مگر اطبا کی آنکھیں ضرور دیکھی تھیں۔ انھوں نے مسکنات
اور مبردات کا خوب استعمال کرایا۔ اختلاج قلب اور بیتابی
کے لیے صندل اور کیوڑے کا پھاہا قلب پر رکھا اور بار بار
اسکو بدلا خشک نہ ہونے دیا اور ماتھے پر کھیرا تراش کر اس کی
قاش رکھی اور اغل بغل سلم کھیرے رکھ دیے اور پالک کی پتیاں
بستر پر بچھا دیں جب میاں آزاد کو تشنگی کا غلبہ ہوا تو اسپغول اور زرشک

کی پوٹلی جو پانی میں بھیگتی تھی ہونٹوں پر پھیری۔ اور تھوڑا تھوڑا پانی بھی وقتاً فوقتاً پلوایا۔ میاں آزاد نے جب بار بار پانی مانگا تو اُنھوں نے کہا پانی حاضر ہے مگر تلی بڑھ جائیگی لہٰذا ذرا آپ بھی ضبط کیجیے میاں آزاد نے کہا کہ بھائی جی مالش کرتا ہے استفراغ ضرور ہوگا۔ خوجی نے رار پر لگاتار آب آلو پلوایا اور میاں آزاد نے کئی بار استفراغ کیا۔

اس سے کرب کسی قدر کم ہوا اور میاں آزاد کی آنکھ لگ گئی کہ دفعتہً پڑوس کی کوٹھری سے آواز آئی کہ لا شراب لا شراب یہ چونک پڑے خوجی سے پوچھا کہ خیر تو ہے۔ اُنھوں نے کہا جی ہاں فضل الٰہی ہے مگر افسوس کہ اسوقت قرولی پاس نہیں ورنہ ان بدمعاشوں کو قتل ہی کر ڈالتا مردودوں نے شراب پی پی کر اس قدر غل مچایا کہ الامان ابھی تمھاری آنکھ لگی تھی اور خدا خدا کرکے ذرا نیند آئی تھی کہ ان بدمعاشوں نے شراب کے نشہ میں تم کو جگا دیا۔ چار پانچ نوجوان آدمی اس کوٹھری کے پڑوس میں ٹکے ہیں۔ شکل صورت سے تو بھلے مانس معلوم ہوتے ہیں مگر انتہا کے پاجی اور رذیل۔ خدا ان سے بچائے۔ خوب شرابیں لنڈھائی ہیں اب تھوڑی دیر میں جوتی پیزار ہی چاہتی ہے۔ وہ جوتی اُچھلے کہ توبہ ہی بھلی۔ خیر اس سے ہمیں کیا۔ وہ چاہیں جوتی پیزار کریں چاہیں غل مچائیں مگر آپ رات بھر سونے نہ پائیں گے واللہ اسوقت قرولی ہوتی تو مزہ چکھا دیتا بی بھٹیاری تم ہی ذرا ان کو للکار دو اور کہو کہ ایک شریف مرض تپ میں مبتلا یہاں پڑا ہوا ہے۔ واسطے خدا کے ذرا خاموش رہو۔ بھٹیاری نے کہا میاں خدا گواہ ہے کہ اسکا مجھے خود ہی افسوس ہے۔ ابھی بیچارے کی ذرا ہی سی آنکھ لگی تھی کہ ان موئے شہدوں نے دھوم مچائی اینر علی کی سنوا دل میں سوچتی ہوں کہ میں ٹھہری عورت ذات اور وہ مرد وے اور پھر اپنے آپے میں نہیں جو مجھی پر پیچ پڑے تو میں کیا کروں۔ کہو تو بھٹیارے کو بھیجدوں میاں آزاد نے کہا اچھا تم نہ جاؤ۔ اپنے مرد کو بھیجو۔ بھٹیارے نے جاکر کہا کہ بہت چلاؤ نہیں۔ یہاں ایک آدمی سودے ہیں ماندے ہیں۔ آپکے چلانے چیخنے سے اُنکو نیند نہیں آتی یہ اتنا کہنا تھا کہ سب کے سب بھڑ پڑے۔ ایک نے کہا دت مردود بھاگ جا یہاں سے دوسرے نے بھٹیارے کی پگڑی اُچھال دی۔ تیسرے نے ٹیپ جمائی۔ چٹاخ کی آواز جو آئی تو میاں آزاد ہنس پڑے اور خوجی نے کہا نہ ہوئی قرولی ورنہ جہاں کے ہیں وہیں پہونچاتا۔ اس پر بھٹیاری طیش میں آکر اُٹھی اور غل مچا کر اُنگلیاں مٹکا کر اتنی صلواتیں سنائیں کہ اُن شرابیوں کا نشہ ہرن ہو گیا اور اتنے ڈرے کہ کوٹھری بند کر لی جب غل نہ ہوا تو میاں آزاد پھر سونے لگے تھوڑی ہی دیر میں پھر شور اور غل کی آواز آئی۔ اور آزاد کی نیند اُچاٹ ہو گئی میاں خوجی بھی پینک میں تھے جاگتے ہی چلا اُٹھے کہ ابے او گیدی۔ نہ ہوئی قرولی ورنہ تم سب کو ایک ہی چوٹ میں خدا گنج بھیجدیتا یہ کہکر حضرت لپکے اور انکی کوٹھری کے دروازے کو اس زور سے دھم دھمایا کہ چول نکل گئی اور وہ سب شرابی جھلا کر باہر آئے تو میاں خوجی پر بے بھاؤ کی پڑنے لگیں اُنھوں نے ادھر اُدھر قرولی اور قرابینچے کی بہت کچھ تلاش کی مگر بے سود۔ خوب ہی پٹے اور جھلا کر دو چار حضرت نے بھی رسید کر دیں تو بہت خوش کہ ہماری چوٹ بھی خالی نہ گئی۔ خیر اُس کے بعد وہ سب سو گئے۔ مگر نشہ میں بدمست و خراب صبح کے وقت جبکہ مسافروں نے بقچہ سنبھالا تو ایک دفعہ ہی اُس کوٹھری سے رونے کی سی آواز آئی اور میاں آزاد اور خوجی چونک پڑے۔ آزاد نے کہا کھول یار خیریت تو ہے یہ رونا دھونا کیسا۔ خوجی نے کہا اجی اس فکر میں نہ پڑو یہ شرابی آدمی ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ خوجی جو اُس کوٹھری کی طرف گئے

تو دیکھا کہ ایک شخص مردہ پڑا ہے اور باقی سب کھڑے رو رہے ہیں۔ ایں! خدا ہی خیر کرے۔ یہ مرنا جینا کیسا۔ پوچھا کیوں بھائیو خیریت تو ہے ایک نے روتے روتے کہا کہ میاں کچھ نہ پوچھو سارا نشہ ہرن ہوگیا۔

خوجی۔ کیوں۔ کیوں خیر باشد۔ آخر ہوا کیا۔ کچھ بتاؤ تو۔ یہ آفت کیا آئی۔

شرابی۔ بھائی ہم سب نے مل کر شراب پی تھی۔ اور ہم روز مرہ شراب پیا کرتے ہیں کل کی برانڈی بڑی تیز تھی جیسے سم قاتل اور انتہا سے زیادہ لنڈھا گئے۔ یہ شخص بڑا دھادت پینے والا تھا اور ہم سب گڑگڑا لاکھ کہا کہ بس اب نہ پیو۔ اس نے ایک نہ سنی۔ اپنی ہی سی کئے گیا۔ اور خرابی یہ کہ چٹنی نہ کھائی نہ کباب چھوئے نہ پانی پیا۔ شراب ہی شراب اڑایا کیا۔ دو بجے ہم سب سوئے مگر وہ پہلے ہی سو رہا سوتے وقت اتنا البتہ کہا کہ بھئی اس وقت گرمی بہت معلوم ہوتی ہے اور کلیجہ پھنکا جاتا ہے صبح کو جب ہم سب اُٹھے تو۔ ۔ کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے۔ آدمی نے حسب معمول حقہ بھرا اور سرہانے رکھ دیا خبر کیسے ہو۔ وہ تو تھے ہی نہیں جب چلم جل گئی اور تمباکو جل بھنک خاک ہوگیا۔ تو آدمی نے دوسری چلم بھری وہ بھی جل گئی تب اُس نے جگایا کہ میاں حقہ بھرا رکھا ہے اُٹھیے اُٹھیے جواب ندارد صدائے برنخاست۔ آدمی نے شانہ پکڑ کر ہلایا چادر اُٹھایا تو۔ ارے! مردے کی سی صورت ہوگئی ہے۔ معاذ اللہ ہم سے کہا تو بدحواس ہوکر ہم نے دیکھا اور ہاتھ مل کر رہ گئے معلوم ہوتا ہے کہ کانٹا لگ گیا کیوں۔ خیر جانے جو ہوا ہوا اب تو مرے سو مرے۔ ہائے داغ حسرت دے گیا۔ خود مرا اور ہم کو قتل کر گیا۔ اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔

خوجی۔ غضب ہوگیا۔ مفت میں بیچارے کی جان گئی اس شراب خانہ خراب کو خدا غارت کرے۔ مگر استاد اب تم سب دھرے جاؤ گے اور سزا پاؤ گے۔ لیکن ہم جو تدبیر بتائیں وہ کرو شاید بچ جاؤ۔

شرابی۔ ہم کہیں گے کہ سانپ نے کاٹا تھا۔

خوجی۔ کہیں ایسی حماقت بھی نہ کرنا۔

شرابی۔ اچھا بھاگ جائیں گے۔

خوجی۔ تو تو دھر ہی لیے جاؤ۔ لوگ تاڑ جائیں گے کہ کچھ دال میں کالا کالا ہے۔

شرابی۔ اچھا ہم کہیں گے کہ چھری مار کر مرگیا۔ اور گلے پر چھرا بھی بھونک دیں گے۔

آزاد۔ خوجی خیریت تو ہے۔

خوجی۔ دیکھیے عرض کرتا ہوں۔ بھئی اب تم لوگ ایک کام کرو خوب روؤ اور سر پیٹو۔ ایک تو اسکو اپنا حقیقی بھائی بتاؤ دوسرا بہنوئی بتاؤ تیسرا ماموں۔ چوتھا سالا۔ اور جو کوئی پوچھے کہ کیا ہوا تھا۔ تو کہنا کہ درد گردہ کے عارضے میں مرے اور یہ بھی کہنا کہ اس مرض میں وہ لڑکپن سے مبتلا تھے شام کو میٹھا میٹھا درد بتاتے تھے صبح ہوتے ہوتے مر ہی گئے بیچارے! افسوس خوب چلا چلا کر رونا اور آنسو ٹپ ٹپ گرتے جائیں۔ جو اشک یوں نہ آئیں تو مرچیں لگا لو۔ خاک آنکھوں میں جھونک لو کہیں ایسا نہ ہو کہ گڑبڑا جاؤ۔ تو پھر جیلخانہ نصیب ہو۔

شرابی۔ آپ گواہی دیجئے گا کہ درد گردہ تھا۔

خوجی۔ (للکار کر) ہاں ہاں جی کہتے جاتے ہیں۔ پھر اباد کیونکر کہیں کسی ذات شریف نے جا کر پولیس میں جڑ دی کہ سرا میں بعض لوگوں نے مل کر ایک مہاجن کو زہر دے دیا۔ اور اس کا روپیہ لیکر

پھلتا وحتہ اکیا۔ شہر میں مشہور ہوا کہ سرا میں کسی ڈاکو نے ایک بھٹیارے کو قتل کر ڈالا اور ریاست میں یہ خبر اُڑی کہ ایک کلوار نے کسی گاہک کو شراب نہ دی تو اُس نے گولی ماردی اور کلوار چل بسا الغرض جتنی زبانیں اتنی افواہیں۔ جو کہتا ہے ایک نئی بات تھانہ دار اور دس برقنداز وردیاں پہنے رپ رپ کرتے ہوئے سرا میں آن پہونچے۔ اری او بھٹیاری بتا وہ مہاجن کہاں ٹکا ہوا ہے۔ ایں! میاں کون مہاجن کسی کا نام تو لیجئے۔

برقنداز۔ (جھلا کر) تیرا باپ اور کون۔

بھٹیاری۔ میرا باپ! اے واہ اُنکی تلاش ہے تو گورستان جائیے۔

برقنداز۔ خون کہاں ہوا۔

بھٹیاری۔ خون! ارے توبہ کر بندے۔ خون یہاں منزلوں دور خون کیسا۔ خون ہوا ہوگا تھانے پر۔

برقنداز۔ تو یہ مخبر جھوٹ ہی کہتا ہے۔

بھٹیاری۔ اللہ جانے خون بھی کوئی ایسی ویسی چیز ہو یا کلھیا ین گر پھوڑنا ہے۔

تھانہ دار۔ اس سرا میں کوئی مرا ہے رات کو۔

بھٹیاری۔ ہاں! توبہ توبوں کہئے۔ وہ دیکھیے وہ بیچارے کھڑے رو رہے ہیں۔ اُن کے بھائی تھے کل درد ہوا رات کو مر گئے۔

تھانہ دار۔ لاش کہاں ہے۔

شرابی۔ حضور یہ رکھی ہے۔ ہائے ہم تو مر مٹے۔ ہائے بھائی والے بھائی۔ ارے داغ حسرت دے گیا ہمیں چھوڑ کر چل بسا اُف میرے اللہ۔ اب گھر میں جا کر ہم کیا منہ دکھائیں گے۔ ہائے کس منہ سے اب گھر جائیں گے۔ تھانہ دار صاحب کسی ڈاکٹر کو تو بلوائیے ذرا نبض تو دیکھ لے۔

تھانہ دار۔ افسوس ہوا۔ اس پردیس میں آپ پر آسمان ٹوٹ پڑا غضب ہی ہو گیا۔

شرابی۔ ہائے ہائے کیا کریں۔ کس سے کہیں جان پر بن آئی۔ اُف۔ ارے بھائی کہاں چلا گیا۔ اُف مار ڈالا۔ مار ڈالا قتل کر ڈالا۔

میاں آزاد اور خوجی نے جو یہ باتیں سُنیں تو کھل کھلا کر ہنس پڑے کہ بھئی واللہ کیا بات بنائی ہے اتنے میں تھانہ دار نے لاش کو دیکھا بھالا۔ اور میاں خوجی سے پوچھا کہ آپ اس بارے میں کیا جانتے ہیں۔

خوجی۔ عرض کروں غریب پرور۔ پرسوں شب کو بندہ از بس اچھا اس سے کیا واسطہ۔ خلاصہ یہ کہ ہم سب۔ چلو یہ بھی نہ سہی۔

تھانہ دار۔ (ہنس کر) معقول۔ لے صاحب فرمائیے۔

خوجی۔ آپ تو بڑے جلد باز آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ قبلہ۔ کہتا ہوں کہتے کہتے کہوں یا ایک دفعہ ہی اگل پڑوں۔ سنئے جناب کہ کل شب کو میاں آزاد کی طبع مبارک نصیب اعدا کچھ بے لطف تھی مسکنات و مبردات کے استعمال سے ذرا آنکھ جھپکی تو سُنا کہ بڑوس کی کوٹھری میں ایک شخص چلّا رہا ہے۔ قیاس سے سمجھا کہ کرب ضرور ہے۔ ورنہ اسقدر بے چینی نہ ہوتی۔ آدمی ہوں خدا ترس اور رقیق القلب رہا نہ گیا۔ جا کر دیکھا تو درد گردے کے مرض میں اس مرحوم کو مبتلا پایا اور اُس کے اعزہ کو مغموم و ملول تشفی اور تسکین کی باتیں جہانتک یاد تھیں سب بیان کیں مگر مطلق فائدہ نہ ہوا۔ خیر تھوڑی دیر میں لبعد حسرت بندہ واپس آیا اور سو رہا۔ صبح کاذب کے وقت رونے کی آواز کان میں آئی۔ اور ان لوگوں کو کمال مضطر پایا۔ تو افسوس ہوا اب ان کو سمجھاتا ہوں کہ دل کو ڈھارس دیں صبر کریں کیونکہ جاب

صبر کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں ہو خدا انکو صبر جمیلہ کرامت فرمائے اور وہ ثواب آچکا۔ ۵

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدی وصال	صد سال میتواں بہ تمنا گریستن

تھانہ دار۔ حضرت اب خدا کو یاد کیجئے۔ وہ بیچارے تو راہی ملک بقا ہوئے خدا انکو بہشت نصیب کرے۔

تھانہ دار نے روزنامچہ میں لکھ لیا کہ سرا میں برسر موقع تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ درد گردہ میں مرگیا۔ اسکے عزیز و اقارب اور خاص حقیقی بھائی موجود ہیں۔ میاں خواجہ صاحب اور میاں آزاد دونوں گواہ ہیں۔ اور انکی گواہی معتبر اور مستند ہی۔ لہذا زیادہ تحقیقات کی چنداں ضرورت نہیں۔

میاں خوجی ریشہ خطمی ہو گئے کہ بڑا پالا جیتا۔ یہ سب انھیں کی رائے کا نتیجہ تھا۔ ورنہ خدا جانے کس مصیبت میں گرفتار ہو جاتے لاش الگ چیری جاتی اور زہر خورانی کا مقدمہ الگ قائم ہوتا۔ اور مہینوں تحقیقات ہوتی۔ اور حوالات میں رہتے اور پھر ذرا بھی ثبوت ہو جاتا تو آپ سب کالے پانی ہی جاتے بلکہ پھانسی پاتے اُنھوں نے جو سبز باغ دکھایا تو وہ بیچارے کانپ اُٹھے اور اُن کے ہاتھ جوڑے کہ واہ اُستاد کیا جھانسا دیا۔ بایاں قدم لے آپ کا۔ شاباش۔ ع این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ خیر تھوڑے عرصے میں لوگوں نے تجہیز و تکفین کی فکر کی۔ اور جنازے کو قبرستان لے گئے میاں خوجی بھی دس پانچ قدم ساتھ گئے اور اُلٹے پاؤں واپس آئے۔

آزاد۔ صاحب یہ غل کہاں ہوتا ہے۔

خوجی۔ غل۔ غل کیسا۔

آزاد۔ ذرا کان لگا کر سنئے۔ اُف اوہ۔ بڑا غل مچ رہا ہے۔

خوجی۔ ہاں۔ ہاں ہم نے بھی سنا۔ بی بھٹیاری۔ ذرا سُننا تو لپک کے دیکھ تو آؤ۔

بھٹیاری۔ (گئی اور واپس آکر کہا) وہاں بھی اس موئی شراب ہی کا ذکر ہے۔ اُسکے ہاتھوں سب بھلے مانس بک گئے ہیں۔ وہاں چار پانچ آدمیوں پر شیطان سوار ہوا تو کئی بوتلیں شراب کی خالی کر دیں۔ بڑی دیر تک ہو حق رہا۔ آپس میں کشتیاں بھی خوب ہوئیں۔ ایک نے دوسرے کو مارا۔ دوسرے نے تیسرے کو چپتیایا۔ آخر کار نوبت باینجا رسید کہ دو ایک کا سر پھوٹ گیا اور ایک صاحب کے دماغ پر ایسی گرمی چڑھ گئی کہ بدحواس ہو گئے اور بے اختیار ہو کر تڑپنے لگے۔ اب سنئے کہ وہاں سبکے سب شرابی کوئی رو رہا ہے۔ کوئی سر پھوڑتا ہے۔ کوئی سر کے زخم کو دھو رہا ہے۔ کوئی غش پڑا ہے۔ کوئی حیرت میں دیوار پکڑ کر کھڑا ہو اور وہ بیچارہ سسک رہا ہے۔ کس نمی پرسد۔ اسپر ایک شخص کا جو وہاں گذر ہوا تو اُسنے رحم کر کے ایک حکیم صاحب کو بلایا۔ حکیم صاحب متشرع آدمی وہاں جو گئے تو چلا اُٹھے کہ شراب شراب بوئے شراب۔ کیا یہ لوگ شراب پیتے ہیں۔ کہا کہ جی ہاں سب شرابی ہیں اور اسوقت ایک سسک رہا ہے اُسکا علاج کیجئے بڑی مصیبت میں ہو بیچارہ اور مر ہی جائیگا۔ خیر حکیم صاحب نے نبض دیکھی اور کہا کہ نبض میں انتہا کی سرعت ہو خدا ہی خیر کرے اچھا۔ کاہو ماتھے پر ملو اور استفراغ کراؤ اسکے بعد نسخہ لکھا اور کہا جلد پلوائیے۔ ورنہ برا حال ہو جائے گا اور یہ بوہیا جائیں گے یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ یک وانزآئی یا معبود۔ حق حق۔

آزاد۔ یہ کون بولا بھٹی۔ کیا یہ بھی کوئی شرابی ہے خدا ہی خیر کرے۔

بھٹیاری۔ اے نہیں صاحب کیا شرابی ہی شرابی چوطرفہ نظر آئیں گے یہ ایک سُن کی لڑکی ہے۔ اُسپر ایک پریت آتا ہو اور وہ اس بیچاری

کو ستاتا ہے راتوں کو اُٹھ اُٹھ بیٹھتی ہے اور اسقدر چلاتی ہے کہ اُف کان پڑی آواز کا سُننا مشکل ہے اور ذرا سی لڑکی لیکن اس درجہ زور آور ہو گئی ہے کہ مردوں کے کان کاٹتی ہے۔

آزاد۔ ادہ جی یہ باتیں کسی گنوار سے کہئے۔ ہم نہ مانینگے واہمہ خلاق ہے۔ واہمے کو خدا نے وہ قوت عطا کی ہے کہ صورت اور تن اور جسم اور جوارح قائم کر دے۔ باقی سب ڈھکوسلا ہے۔

بھٹیاری۔ اے واہ ڈھکوسلا کیسا۔ آپ سنئے تو ذری اس لڑکی کا بھائی آگرہ میں تھا اور وہاں سے پانچ سو روپیہ اپنے باپ کی کسی تھیلی سے چرا کر لے آیا تھا۔ یہاں جو آیا تو اُسنے صاف صاف کہدیا کہ کیوں چور چوری کر کے آیا ہے اور باتیں بناتا ہے پانچ سو روپیہ لے کر بھاگ آیا ہے۔ خبردار چوری کر کے یہاں نہ آنا اس لڑکے نے گڑگڑا کر کہا کہ ہائیں! میں نے تجھ سے چوری سے کہا تھا خفیہ طور پر۔ اور تو نے الم نشرح کر دیا۔

آزاد۔ تو صاف تو ہے۔ اب اُس میں شک کاہے کی ہے۔ معلوم ہو گیا۔ کہ جب یہ لڑکا اپنے باپ کے پاس سے واپس آیا تو اُس نے اپنی بہن سے کہہ دیا کہ میں پانچ سو روپیہ لے کر آیا ہوں اُس نے بریت کی حالت میں بک دیا کہ مجھے معلوم ہو گیا۔ گویا اُنکے سر پر جو پریت ہیں۔ وہ عالم الغیب تھے لاحول ولا قوۃ۔

بھٹیاری۔ اے ہے آپ تو ہاری مانتے ہیں نہ جیتی۔

آزاد۔ خدا واسطے کو مان لیں۔ کیا زبردستی ہے۔ مانیں کیونکر جو بات ماننے کی ہو تو مانیں یا یوں ہی مان لیں۔ اچھا مانتا ہے بونگ۔ معقول۔

بھٹیاری۔ بھلا شعر بھی اسکو کہاں سے یاد ہیں۔

آزاد۔ اب تم ایمان سے کہو کہ تم کو کوئی شعر یاد ہے یا نہیں۔

بھٹیاری۔ ہاں کیوں نہیں۔ ؎

محفل راجہ میں بکھرتی پری آتی ہے	ساتھ معشوقوں کی سرج پری آتی ہے

آزاد۔ چہ خوش۔ چرا نباشد۔ تم کو تو شعر یاد ہوں۔ اور کسی کو نہ یاد ہوں۔

بھٹیاری۔ یہ بھوت پریت کی سب واہیات باتیں مشہور ہو جایا کرتی ہیں جی میں بھی نہیں مانتی دانتی۔ ہاں یہ تو سچ ہی سچ ہے میں تو اپنی آنکھوں سے دیکھ آئی ہوں نہ مانوں کیسے بھلا۔

میاں آزاد کو خوجی نے ٹھنڈائی پلائی تو تھوڑی دیر میں ذرا انکی آنکھ کھلی۔ جان میں جان آئی اور اشتہا معلوم ہوئی۔ میاں خوجی نے بھٹیاری سے کھچڑی پکوائی اور میاں آزاد کو کھلوائی لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں کھچڑی نے بڑی تبخیر کی کہ الامان۔ العطش العطش پیاس پیاس پانی لاؤ پانی لاؤ۔ خوجی سمجھ گئے کہ مونگ کی بھونی کھچڑی نے بڑی تبخیر کی۔ آلو کا آب زلال دیا پھر کبھی کبھی برف کا ٹکڑا منہ میں رکھا۔ بارے خدا خدا کر کے ذرا میاں آزاد کی آنکھ لگی تو خوجی چلے سیر گشت کو چلتے چلتے ایک محلے میں پہونچے اور وہاں گھانس چکانے لگے۔

خوجی۔ اس گٹھے کا کیا لوگی۔

گھسیاری۔ دو آنے۔

خوجی۔ ہشت۔

گھسیاری۔ دھت۔

خوجی۔ نہ ہوئی قرولی ورنہ پیٹ چاک کر ڈالتا۔

اُدھر گھسیاری نے گٹھا اُن پر پھینکا اور یہ بیچارے اُس گٹھے کے بوجھ سے دھم سے زمین پر آ رہے اور بالکل دب ہی گئے نکلنا مشکل ہو گیا اور لگے غل مچانے۔ اوگیدی نہ ہوا قرولی نہیں تو بتا دیتا قلعی کھل جاتی ساری اچھے سے اچھے ڈاکو میرا لوہا مانتے ہیں۔ ایک ڈاکو نہیں پچاسوں کو میں نے چیر ڈالا ہے تو گھسیارن اور ہم سے

لڑھے۔ اب اُٹھیاتی ہو گٹھا یا نہیں۔ آن کر قرولی بھونک دوں لوگوں نے گٹھا اُٹھایا اور میاں خوجی بہزار خرابی نکلے تو گرد برد ڈاڑھی مونچھ خاک۔ لت پت بالکل۔ ہات ترے کی گھسیارن تک سے جیت نہ سکے۔

میاں آزاد کی آنکھیں ابھی تک جل رہی ہیں۔ ہونٹھ کانٹا سا بالکل خشک۔ چہرے پر زردی چھائی ہوئی۔ ہاتھ پاؤں میں سکت نہیں اُٹھے اور تیورا کھا کر دھم سے گرے۔ گرے اور غش آگیا۔ کرب انتہا کا۔ ضعف اسقدر کہ معاذ اللہ۔ غلیان صفرا سے ناک میں دم تھا آب زلال آلوے بخارا پیتے جاتے تھے اور پے در پے استفراغ کرتے جاتے تھے۔ ماتھا گرم۔ ہاتھ اسقدر گنگنے مگر پاؤں بالکل سرد۔ پھر میاں خوجی نے سائیسوں کو حکم دیا کہ پاؤں میں نمک ملو اور نمک مل مل کر تلوے سہلاؤ۔ کھیرا برابر سونگھاتے جاؤ اور آب آلو شام تک پلاتے جاؤ۔ جب شام تک آرام نہ ہوا بلکہ تشنگی کی شدت اور تپ کی حدت نے میاں آزاد کو اور بھی بےچین کردیا تو میاں خوجی بھی گھبرا گئے۔ سوچے کہ اب بلا مدد طبیب کارروائی محال ہے اور مرض طول کھینچتا جاتا ہے۔ بی بھٹیاری سے پوچھا کہ خدا کے لیے سچ سچ بتاؤ کہ کوئی طبیب بھی یہاں ہے۔ اُس نے کہا یہاں حکیم نہ طبیب۔ مگر ہاں ایک بوڑھے حکیم ہیں جنھوں نے دکن میں طب کی تعلیم پائی ہے وہ مطب تو نہیں کرتے لیکن مروت میں اِدھر اُدھر علاج کرتے ہیں کہیئے اُنکو بُلا لاؤں۔ لیکن اِتنا سوچ لیجیے کہ اُنکی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیے گا وہ بڑے بھلے اور تیکھے آدمی ہیں خوجی نے کہا ہم اسقدر خوشامد کرینگے کہ وہ بھی خوش ہو جائیں بی بھٹیاری نے جا کر حکیم صاحب سے عرض کیا کہ سرا میں ایک مسلمان آئے ہیں میاں مسافر ہیں بیچارے پردیس کا واسطہ جان نہ پہچان کسی سے اور تین دن سے بخار میں تڑپ رہے ہیں ذرا چین نہیں آتا اگر آپ چلے چلیں تو وہ بچ جائیں۔ نہیں تو خیر نہیں ہے۔ آپکا بڑا احسان ہوگا۔

حکیم صاحب۔ ہم بجز یاد الٰہی اور کچھ نہیں کرتے لیکن اگر کسی بندۂ خدا کی ہمارے سبب سے جان بچے تو ہمیں دریغ نہیں اِلّا صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شریف زادہ بلانے آتا تو مضائقہ نہ تھا۔ تمھارے بلانے سے ہم نہ چلیں گے۔ اُن کے ساتھ کوئی ہے یا بالکل یکہ و تنہا بہ یک بینی و دو گوش آئے ہیں۔

بھٹیاری۔ کوئی بھی ساتھ نہیں ہے۔ ایک موا فیمی ہے اُس نے اور بھی الم غلم دے دے کر مار ڈالا۔ اب وہ بالکل ہلکان ہوگئے ہیں بدن میں سکت نہیں۔ آپ چلے چلتے تو احسان ہوتا اور وہ اچھے ہو جاتے تو ثواب کا کام تھا۔

حکیم صاحب۔ (استخارہ دیکھ کر) اچھا چلو فنس نکلواؤ جی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ غرض آپ فنس میں داخل چلے اور سرا میں دن سے پہونچے۔ بسم اللہ کہکر کہاروں نے فنس رکھی۔ اور حکیم صاحب جا کر میاں آزاد کے پلنگ کے قریب ایک مونڈھے پر بیٹھے۔

آزاد۔ آداب بجا لاتا ہوں۔

حکیم صاحب۔ بندگی۔

خوجی۔ انتہا کا ضعف ہے حکیم صاحب۔ بات کرنے کی تاب نہیں معاذ اللہ کا مقام ہے۔

حکیم صاحب۔ آپ کے کون ہیں۔

خوجی۔ جی حضور یہ بندہ زادہ ہے۔

آزاد۔ (دانت پیس کر خاموش ہو رہے)

خوجی۔ کل شام کو انھوں نے کچالو مانگے تھے۔ اُنکے سائیس نے تھوڑے سے دے دئے۔

حکیم صاحب۔ کیا؟ کچالو! عیاذاً باللہ۔ مار ہی ڈالا تھا۔ وہ

معالج کون گدھا ہے۔

سائیس۔ یہی علاج کرت راہیں۔ رات کو آلو اور چٹنی گٹر کر کھلائے دین۔

خوجی۔ (جھلاکر) اوگیدی نابکار۔ میرا نام ایسے موقع پر کیوں لیا مردود۔ نہ ہوئی قرولی پاس ورنہ مزہ چکھاتا۔ وہ تو پوچھتے ہیں۔ کہ معالج کون گدھا تھا اور تو نے چٹ میرا نام لے دیا اتنا نہ سمجھا کہ گدھا پن کسکی طرف عائد ہوگا۔

حکیم صاحب۔ ایسا غضب نہ کیا کیجئے ورنہ ایک روز دھوکا کھائیے گا۔ غضب خدا کا تپ صفرادی اور کچا لو۔ معاذ اللہ خیر اور فرمائیے جو جو حماقتیں آپ سے سرزد ہوئی ہیں۔

خوجی۔ بس حماقت عمر بھر میں یہی سرزد ہوئی کہ آپکو بلوایا۔

آزاد۔ ہائیں ہائیں۔ سائیس سائیس۔ جاکر انکو یہاں سے کھڑے کھڑے نکال دو جناب حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں گستاخی کرتا ہے

خوجی۔ کیا مجال۔ مگر حکیم صاحب آپنے اپنی بواسیر کا علاج نہ کیا

حکیم صاحب۔ (آزاد سے) حضرت آپ اپنے والد ماجد کو سمجھا دیجئے یہ اسوقت نشہ کا استعمال کرکے آئے ہیں۔

آزاد۔ جناب یہ مردود ایک مسخرہ ہے بے حیا بے شرم۔ نہ اس کو چپتیائے جانیکا خوف نہ جوتیاں کھانیکا ڈر آپ اسکے کہنے سننے کا تو مطلق خیال ہی نہ کیجئے۔ یہ ملعون پٹے گا آج۔

خوجی۔ ارے! ہائیں! باپ کے حق میں یہ کلمۂ کفر۔

حکیم صاحب۔ (مسکراکر) بڑے مسخر الدولہ بہادر ہیں خیر دو گھڑی کی دل لگی ہی سہی۔ لیکن آپ اب قلم دوات کاغذ منگوائیں تو میں نسخہ لکھدوں۔ اب دفعیہ مرض میں زیادہ تساہل نہ چاہیئے۔

قلم دوات کاغذ آیا۔ اور میاں خوجی کو حکیم صاحب نے نسخہ لکھدیا اور کہا اسی وقت اس کا استعمال کیجئے اور دیکر رخصت ہوئے۔ چلتے وقت میاں آزاد نے شکریۂ نوازش ادا کیا اور کہا کہ میں غریب الوطن مسافر ہوں۔ میرے حال زار پر رحم فرمائیے۔ اور یہ نذر (دو روپیہ) قبول کیجئے۔ حکیم صاحب نے بکمال اخلاق کہا کہ یہ نہ ہونے کا۔ میں دوستانہ آیا ہوں۔ کچھ روپیہ کی طمع نہ تھی حاشا۔ کیا مجال۔ جب آپ صحت پائیں گے۔ تو سمجھا جائیگا۔ ابھی آپ اسکا مطلق خیال نہ کیجئے۔ بلکہ اس ملک بیگانہ میں اگر آپ کو کچھ ضرورت ہو تو بندہ حاضر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ جو ہمارے شہر میں آئے ہیں تو تکلیف نہ اٹھائیں۔ اور اپنے گھر جاکر یہ کہیں کہ کن پاجیوں کی بستی میں گئے تھے لے اب بندہ رخصت ہوتا ہے۔ خدا حافظ۔

حکیم صاحب تو رخصت۔ اور میاں خوجی لڑھکتے پڑھکتے عطار کی دکان سے ادویہ لائے۔ اب سنئے کہ نسخے میں لکھا تھا۔ (روغن گل) آپنے پڑھا (روغن گل) عطار سے پوچھا کیوں بھئی مٹی کا تیل کہاں ملے گا۔ اس نے کہا مارواڑی کی دکان پر وہاں سے آپ کیروسائن آئیل یعنی مٹی کا تیل جو لمپوں میں جلاتے ہیں اٹھا لائے۔ خیر دوا بھگوئی اور پلائی تو مٹی کے تیل کی بدبو آئی۔ آزاد نے کہا یہ بدبو کیسی ہے۔ اُف دماغ پراگندہ ہوگیا تو میاں خوجی نے خوب ہی للکارا واہ بڑے نازک مزاج ہیں۔ آپ۔ آپ کو سب میں بدبو ہی آتی ہے۔ اب کوئی عطر پلائے آپکو یا زعفران کا کھیت چرائے تو آپ خوش ہوں۔ لاحول ولاقوۃ میاں آزاد کو جو انھوں نے ڈپٹا تو وہ خاموش ہو رہے کہ بھئی ہم بیمار اور یہ تیماردار ہیں جو کہا وہی کریں گے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد طبیعت بے چین ہوئی اور تپ کی وہ شدت کہ الامان الحفیظ میاں خوجی حکیم صاحب کے پاس دوڑے گئے۔

حکیم صاحب (ہنس کر) کہیے آپ کا صاحبزادہ کیسا ہے۔

خوجی۔ جی قبلہ نہایت ہی کریہہ۔ اور کیوں نہ ہو پھر آپ جانئے مٹی کا تیل کہاں تک کرب نہ کرے۔ وہ نفیس مزاج آدمی ٹھہرا۔

حکیم صاحب۔ یہ مٹی کا تیل کیسا۔ میں کچھ سمجھا نہیں۔

خوجی۔ جی ہاں آپ کاہے کو سمجھنے لگے۔ آپ تو ننھے ہیں۔ روغن گل لکھ آئے اور اب آپ اُلٹا مجھی کو ڈانٹتے ہیں۔ خیر صاحب حکیم ہیں آپ۔

حکیم صاحب۔ لاحول ولاقوۃ۔ کیا غضب کیا۔ انتہا کے احمق ہو کیسے جانگلوؤں سے سابقہ پڑا ہے۔ توبہ ہی بھلی۔ اور سُنئے ہم نے لکھا روغن گل آپ مٹی کا تیل دے آئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی امیرزادہ ہے۔ اور آپ کوئی اٹھائی گیرے اُچکے ہیں۔ آپ نے تاکا ہے۔ رات کو کچا لو کھلا دئے آج مٹی کا تیل پلا دیا۔ اسی طرح کسی دن زہر دے دیجئے گا۔ واللہ اگر اس وقت میرے مکان پر آپ نہ آئے ہوتے تو کھڑے کھڑے نکلوا دیتا۔

خوجی۔ ع۔ او خویشتن گم ست کرا رہبری کند۔ آپکے حواس تو ٹھکانے ہیں ہی نہیں۔ آپ سوچیے تو کہ آپ فرماتے کیا ہیں (اگر میرے مکان پر نہ آئے ہوتے تو کھڑے کھڑے نکلوا دیتا)۔ معقول اسکے معنی کیا ہوے۔ آپکے مکان پر نہ آیا ہوتا تو آپ نکلوا کہاں سے دیتے۔ فصد کھلوائیے فصد پہلے اپنا علاج کیجئے پھر معالج بنئیے۔ (پاؤں پر ٹوپی رکھ کر) معاف کیجئے گا۔

ع۔ کرھائے تو مارا کرد گستاخ۔

حکیم صاحب۔ بھئی عجب رنگ کا آدمی ہے۔ بہروپیا۔ تو اب یہ نسخہ لو اور بنوا دو جاکر۔

میاں خوجی نے نسخہ لیا اور عطار کی دُکان پر سے ادویہ لیکر گئے اور آزاد کو دوا پلائی مگر تسکین نہ ہوئی تو شام کو آزاد ڈاکٹر کی تلاش کرنے لگے۔

خوجی۔ ڈاکٹروں کی دوا حار ہوتی ہے۔ تپ کا علاج ان لوگوں کو معلوم ہی نہیں۔ تشریح کے البتہ بادشاہ ہیں سو خدا کے فضل سے آپ کو پھوڑا تو ہے نہیں۔ مگر آپ کی بیماری نے میرے کلیجے میں ناسور کر دیا۔

آزاد۔ یہ جہلا کا قول ہے کہ صرف تشریح ہی ڈاکٹر جانتے ہیں اور تپ کا علاج نہیں کر سکتے۔ ابھی جاؤ اور کسی ڈاکٹر کو لاؤ۔

بھٹیاری۔ ڈاکٹر تو یہاں ہے مگر اس کے آنے سے حاصل (حاصل)

آزاد۔ اجی حاصل واصل ہم نہیں جانتے ڈاکٹر کو بلاؤ تو اچھا ورنہ میں ابھی ابھی دم توڑ دوں گا۔

خوجی بیچارے پتہ پوچھتے ہوے اسپتال چلے مگر بعض لوگوں نے بہکا دیا تو حضرت نے تھانہ کی سڑک دھر لی۔ آدھ کوس زمین چل گئے تو لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اسپتال تو پیچھے چھوٹ گیا ہے بہکانے والوں کو گالیاں دیتے ہوے چلے۔ آخر کار خدا خدا کر کے اسپتال پہونچے۔

خوجی۔ (ڈاکٹر سے) کیوں میاں ڈاکٹر کہاں ہیں اسوقت۔

ڈاکٹر۔ آپ اپنا مطلب کہئیے۔

خوجی۔ اجی تو تم سے کیا واسطہ عجب قطع کے آدمی ہو دخل درمعقولات دینا کیا معنی۔ تم بس اتنا بتا دو کہ ڈاکٹر کہاں ہیں۔

ڈاکٹر۔ لاحول ولاقوۃ۔

خوجی۔ لاحول ولاقوۃ۔

ڈاکٹر۔ کوئی ہے نشتر لاؤ۔ ہم انکی خبر لیں گے۔

خوجی۔ کوئی ہے لٹھ لاؤ۔ ہم انکی خبر لیں گے۔

کمپونڈر۔ اجی کیا بک بک لگائی ہے یہی تو ڈاکٹر صاحب ہیں میاں

خوجی۔ آداب عرض کرتا ہوں۔ فدا سر آنکھ تشریف لے چلیئے۔

لڑکا نصیب اعدا سخت علیل ہی۔ تکلیف تو ہوگی۔ مگر احسان اور اجر بھی ہوگا۔

ڈاکٹر۔ اچھا۔ محمدو۔ محمدو۔ مندیل لاؤ ہری۔ اور سفید چغہ ڈاکٹر صاحب چغہ وغیرہ پھڑکا کر چلے۔ سرا میں پہونچے۔ اور پہونچتے ہی میاں آزاد کو دیکھا اور کہا کہ۔

ڈاکٹر۔ جبان دکھاؤ۔ جبان۔

آزاد۔ (طنز کی راہ سے) بہت خوب لیجیے جبان۔

ڈاکٹر۔ آنکھیں دکھاؤ۔

آزاد۔ اکھی خیر۔ ابھی آنکھیں دکھاؤں تو گھبرا کر بھاگو۔

ڈاکٹر۔ دل آنکھ دکھاؤ بات پیچھے کرو۔

خیر ڈاکٹر صاحب نے نسخہ لکھا اور دو روپیہ فیس کے لیے اور چمپت ہوئے میاں آزاد نے چار گھنٹے ڈاکٹر صاحب کی دوا کی مگر تشنگی کا غلبہ ہی ہوتا گیا ہر بن مو سے العطش العطش کی آواز آنے لگی۔ اس دوا نے وہ حدت کی کہ الامان۔ پانی۔ پانی۔ او خوجی پانی لا۔ ارے کمبخت کیا دشت کربلا ہے۔ ہائے ایک ایک قطرے کے لیے ترساتا ہے۔ خوجی بیچارے بھی گھبرا گئے کہ خدا ہی خیر کرے اسدرجہ غلبہ تشنگی ہی کہ الامان۔ تھوڑا تھوڑا پانی دینا شروع کیا مگر میاں آزاد نے چپکے سے بھٹیاری کے ذریعے سے ڈھائی سیر برف منگوائی اور رات بھر استعمال میں لائے اسوقت تو تسلی ہوئی۔ مگر پھر اس کثرت برف سے جان عذاب میں ہوگئی ہاتھ پاؤں سرد پیچش نے ناکوں دم کر دیا اور پیٹ میں ورم ہونے لگا صبح ہوتے ہوتے میاں خوجی ایک بید راج کو بلا لائے۔

بید۔ مہاراج۔ باد اس دکھت ناہیں ہی۔

آزاد۔ میں تو بہکا جاتا ہوں تم کہتے ہو چار نہیں آسکتا۔ کوئی دوا ایسی بتاؤ کہ سوزش کم ہو۔ احتراق اور التہاب اور سوزش نے جان عذاب میں کر دی۔

خوجی۔ بید جی کوئی جڑ بوٹی لاؤ۔ ہی یا نہیں ہے۔

بید۔ ہی سب کچھ۔ ہی کیا نہیں۔ پر ینو کھاد نے والے اور کدر کرنے والا چاہیئے۔

الغرض بید راج نے ایک گولی دی اور شہد کے ساتھ چٹا دی۔ تھوڑی ہی دیر میں اجابت کی ضرورت ہوئی اور آتے ہی پلنگ پر چاروں شانے چت گر گئے میاں آزاد۔ میاں آزاد۔ بھائی آزاد۔ ارے میاں آزاد ہوت۔ صدلے بر نجاست۔ میاں خوجی بہت ہی گھبرائے اور گھبرا کر چلے پھر بید کو بلانے تو راستے میں ایک ہومیوپیتھک ڈاکٹر ملے یہ انھیں کو گھیر گھار کر لائے انھوں نے دو قطرے دوا کے ایک چھوٹی سی شیشی سے پانی میں ڈال دیے۔ اس کے پینے کے ایک آدھ گھنٹے کے بعد طبیعت بیچین ہونے لگی۔ تو اب جا کر حکیم صاحب کو بلا لائے انھوں نے وہ نسخہ بدلا اور ایک اسکی جگہ پر لکھا اسی طرح بدلتے چلے گئے۔

میاں آزاد نے چھ سات روز کے عرصہ میں اتنے طبیب اور بید اور ڈاکٹر بدلے کہ اپنی مٹی ہی پلید کر دی۔ اسقدر طاقت بھی باقی نہ رہی کہ کھٹیا سے بلا مدد غیر کے اٹھ سکیں۔ دو چار آدمیوں نے سہارا دے کر اٹھایا تو بیٹھنا محال بیٹھے تو تھوڑی ہی دیر میں تیور آنے لگے۔ تکیے کا سہارا ہوا یا کوئی آدمی پیچھے بیٹھا رہا تو خیر بیٹھنا محال تھا خوجی کی جان عذاب میں اور دونوں سائیسوں کا تو کچومر ہی نکل گیا۔ بھٹیاری بڑی بھلی مانس تھی اس نے بڑا ساتھ دیا رات رات بھر میاں آزاد کے سرہانے بیٹھی رہی۔ اور جسوقت جو کام اس کے لائق تجویز کیا گیا فوراً بجا لائی ذرا عذر نہ کیا۔ میاں آزاد راتوں کو تڑپتے تھے اور دن بھر روتے جاتے تھے کہ یہاں موت ہم کو کہاں کہاں کھینچ لائی اور یہ کیا شامت آئی کہ ہم یہاں آئے

خوجی۔ یہاں آنے سے کیا ہوا۔ کیا سرا نے آپکو ماندا کر دیا۔ یا پھیر وقت
بیماری کا گھر ہے۔ آخر کچھ معلوم تو ہو اس بیماری کا سبب کچھ اور ہی
ہے کہئے بتا دوں۔ اس کے دو خاص سبب ہیں۔ ایک یہ کہ ہم
اور آپ دونوں تین دن تک خوب بھیگے۔ لیکن فرق ہم میں
اور آپ میں اس قدر تھا کہ ہم خالی چارپائی پر گرم کپڑے پہن کر
سو رہتے تھے اور آپ بھیگے ہوئے بستر پر ننگے پڑے رہتے
تھے۔ ذرا سی سنگی یا نہ ملی اور اوس میں سو رہنے یا بچھونا
بالکل تر ہے اور آپ اسی پر چار چار پہر تک لوٹا کئے۔ پھر آپ بیمار
نہ ہوں تو کیا ہم ہوں۔ روز کہتا تھا کہ بھئی اوس میں سونا برا گیلے
بچھونے پر لیٹنا مضر صحت ہے مگر آپ سنتے کس کی ہیں۔ اب بھگت
رہے ہو اور تمہارے ساتھ ہم بھی گرفتار بلا ہیں۔ تم کو کرب ہے
یہاں سونا حرام۔ نیند برائے نام۔ راحت نہ آرام۔ سائیوں
کا ناک میں دم آگیا۔ ذرا چین نہیں دن رات میں دو گھڑی سوئے
بھی تو آپ نے للکارا کہ سالار بخش پاؤں دباؤ۔ مداری پنکھا ہلاؤ۔
میاں خوجی ادھر آؤ۔ بی بھٹیاری کو ابھی ابھی بلاؤ۔ یا خدا انتہا کی
سب کو تکلیف ہے اور یہ صرف آپکے اوس میں سونے سے بس اور
کوئی وجہ نہیں۔ مگر آپ کے مزاج میں تو ضد اسقدر ہے کہ الاماں۔
ہماری جیسی کچھ مانتے ہی نہیں اور وجہ کیا۔ وجہ یہ کہ اپنے کو تو آپ
جالینوس سمجھتے ہیں اور باقی سب کو گو کھا گدھا۔ دنیا میں بس ایک
آپ ہی بقراط ہیں اب واسطے خدا کے ایک تو یاتی اسقدر نہ کیجئے
دوسرے جو کہیں وہ مان لیجئے تیسرے ڈاکٹر ہو یا حکیم یا بید ایک
کے سر ہو رہیئے۔ یہ نہیں کہ صبح کو حکیم صاحب کی دوا کھائی ڈیڑھ سیر
کا پیالہ بھر کر دوا پی اور شام کو بید راج کی گولی استعمال میں لائے
آدھی رات کو ڈاکٹر کی رائے کے مطابق سرپ ملین پی لیا۔
لاحول ولا قوۃ۔ بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے آتشِ پرے
لائق اور تعلیم یافتہ آدمی اور اس درجہ احمق۔ خدا کی مار۔ یا گل
اور ضبط تمہارے مزاج میں چھو نہیں گیا۔

بھٹیاری۔ اے تو تم بھی عجیب آدمی ہو۔ بھلا کوئی بیمار کو اور پھر
ایسے بیمار کو للکارتا ہے وہ جو کچھ ہوا سو ہوا اب ان باتوں کا بکھانا
کیا جب اللہ کریگا صحت پائیں گے تو خوب بیٹھ کر کہہ لینا اسوقت
ان کو تسلی دو انکی تشفی کرو۔ یہ نہیں کہ برا بھلا کہنے لگے اور اوس
کی جو کہتے ہو تو میاں یہ تو عادت پر ہے جیسی عادت ہو۔ ہم تو دس
برس سے اوس ہی میں سوتے ہیں کوئی آٹھ نو برس کے سن سے
اوس ہی میں سونے کے عادی ہیں ہم۔ آجتک کوئی زکام بھی
کبھی ہوا ہو تو قسم لو۔

خوجی۔ میاں آزاد۔ کچھ سمجھے بھی یہ باتوں ہی باتوں میں کہہ کیا
گئیں انھوں نے کہا دس برس سے اوس میں سونے کی عادی ہیں
اور آٹھ برس کی عمر سے اوس ہی میں سویا کئے آٹھ اور دس کے
ہوئے کتنے چالیس؟۔ اٹھارہ ہوئے۔ اب سمجھے مطلب یہ کہ ابھی
اٹھارھواں ہی سال ہے۔

آزاد۔ اف اوہ بھئی اسوقت یہاں روح پر صدمہ ہے تمہیں دل لگی
سوجھی ہے یار انتہا کا کرب ہے کسی نئے طبیب کو لاؤ۔ کہنا مانو۔ یا حسن آرا کے
پاس خط بھیجو کہ ہم کو یہاں آکر دیکھ جائیں اب یہاں چل چلاؤ لگا ہے
اب زیست کی امید منقطع ہو گئی۔ اب مرے بس۔ آج مرے کل دوسرا دن۔
اسوقت سرا میں لیٹے ہوئے باتیں کر رہے ہیں کل پرسوں تک خواب
میں ہونگے۔ کون خواب؟ خوابِ الٰہی قبر ہو گی اور آزاد۔ ع

آغوشِ لحد میں جبکہ سونا ہوگا — جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا
تنہائی میں آہ کون ہوویگا انیس — ہم ہوویں گے اور قبر کا کونا ہوگا

اللہ بس باقی ہوس۔ کل من علیہا فان۔ ع

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید — ز جام دہر مے کل من علیہا فان

خوجی۔ افسوس ہے کہ آپ ہذیان بھی بکنے لگے۔ میں کہتا ہوں کہ کہیں سرسام نہ ہو جائے۔

بھٹیاری۔ اے چپ بھی رہو۔ یہ کیا واہی تباہی بک بک لگائی ہے آخر کچھ عقل بھی ہے مردوے۔ سرسام کیا۔ خاصے بھلے چنگے ہیں نہ سرسام ہے نہ درسام۔ ہاں یہاں ذری بال کتروا ڈالو۔ تھوڑے تھوڑے پٹے کٹ جائیں تو گرمی چھٹے۔

آزاد۔ یہ نہ ہونے کا۔ میں اپنے بالوں کو بہت عزیز رکھتا ہوں۔

خوجی۔ چھیلا بہت دیکھے۔ مگر میاں آزاد کے سے رنگیلے کم۔ مر رہے ہیں لیکن پٹے نہ کتروائیں گے۔

بھٹیاری۔ مر رہے ہو تم۔ کچھ سودائی سا معلوم ہوتا ہے اور سنو ایک تو وہ بیچارے آپ حیران ہیں دوسرے یہ انکو اور دق کرتا ہے کبھی کہتا ہے مر رہے ہو کبھی للکارتا ہے۔ کبھی کچھ کہتا ہے۔ لے واہ اچھے دوست ہو۔ گورم کے یار کچھ پر علی کی سنوار۔

آزاد۔ کئی بار تنقیہ جو ہوا تو اور بھی پریشان ہو گیا۔

خوجی۔ یہ تو قاعدہ ہی ہے۔

آزاد۔ اب ذرا طاقت باقی نہیں رہی۔

سائیس۔ حکیم تو لٹکائے رہتے ہیں۔

خوجی۔ او گیدی چپ۔ تو کون بیچ میں بولنے والا تو گھانس چھیلنی جانے یا حکمت جانے۔ آپ بھی بولے۔ اے تیری قدرت

آزاد۔ سچ تو کہتا ہے۔ اطبا یونانی کا مریض مہینوں میں کہیں چنگا ہوتا ہے بحران اور توبہ اور تنقیہ اور مونگ کی کھچڑی دے دے کر مریض کو ادھ موا کر ڈالتے ہیں معاذ اللہ آخر کدرح کا قدح پیتے ہوئے اسکی روح پر صدمہ پہونچتا ہے اگر دو مہینہ میں بھی کھٹیا چھوڑی تو سمجھئے بڑا خوش نصیب تھا عیاذاً باللہ۔ خدا کرے کہ بھلے مانس انکے پلے پڑے تو بہی بھلی

خوجی۔ جی ہاں جب ڈاکٹر نہ تھے تب تو سب مر ہی جاتے تھے نہ ہو گا؛ سوائے وہی فضول بات کے اور کچھ نہیں۔

آزاد۔ جی بجا ہے۔ یہ کہتا کون ہے کہ اگر ڈاکٹر نہ ہوں تو کوئی مریض صحت ہی نہ پائے مگر کیا گنوار ہمیشہ ماندگی میں مر ہی جاتے ہیں وہ بخار میں برابر بھٹے کھاتے ہیں۔ لرزہ میں جنھری کی روٹی اڑاتے ہیں تو ہر عارضے میں مر ہی جایا کریں۔

خوجی۔ آپ کے حواس تو ٹھکانے ہی نہیں کہ بات کیجئے۔ آپ بحث کیا کرتے ہیں۔

آزاد۔ اجی چپ بھی رہو تم تو مغز کھا گئے۔ تشفی تسلی دینا درکنار لگے اول جلول بکنے۔ اب ہمیں سونے دو۔ مگر اب ایک ہی کے سر ہو رہیے دس دس طبیب نہ بدلیں گے۔ کان پکڑے بس جو حماقت ہوئی وہ ہوئی اب توبہ کی۔ بھر پایا اور سب اسکی عقل سے ہوا میں تو ٹھہرا مریض اور علیل۔ میں کیا اور میری رائے کیا۔ علیل کی رائے علیل تم کو روکنا لازم تھا۔ تم نے خیال ہی نہ کیا۔

بھٹیاری۔ ہاں یہ سچ ہے مگر میاں تمھارے مزاج میں بھی ضد بہت ہے۔ تم کسی کی مانتے ہی نہیں۔ جو دھن سمائی وہ سمائی اب بھی یہ عادت چھوڑ دو۔ نہیں مہینوں پڑے رہو گے۔

خوجی۔ ہمکو ان باتوں سے کیا واسطہ۔ اپنے کرایہ سے مطلب ہے یا کچھ اور۔

بھٹیاری۔ واہ اللہ کرے یہ اچھے ہو جائیں کرایہ بہت مل رہیگا جی۔

اتنے میں میاں آزاد کی آنکھ لگ گئی۔ سائیس نے پنکھا جھلنا شروع کیا۔ میاں خوجی بھی ذرا اونگھنے لگے تھے کہ ایک شخص نے انکو جگایا اور کہا کہ میں مسافر ہوں آپ سے کچھ کہنا ہے۔ ذرا تخلیے میں آئیے۔ میاں خوجی پہلے تو ڈرے کہ بھئی خدا ہی خیر کرے یہ کون شخص ہے مگر جب بغور دیکھا تو اسکی خاصی جوڑ تھی۔ وہ بھی پستہ قامت دبلے پتلے آدمی۔ یہ بھی۔ اور لطف یہ کہ وہ بھی چانڈو باز یہ بھی میاں خوجی نے اٹھ کر کہا۔

خوجی۔ کہئے۔ کہئے فرمائیے میں نے آپکو پہچانا نہیں۔

مسافر۔ ہونھ۔ پہچانتا کیسا۔ آپنے ہمیں دیکھا کب تھا۔ جو پہچانتے۔

خوجی۔ اچھا تو آپ پلے کیوں پڑتے ہیں دور ہی سے کہئے جو کچھ کہنا ہو۔ آپ کو ہم سے کام کیا ہے۔ ہم اسوقت خود ہی مصیبت میں ہیں۔

مسافر۔ میاں آزاد کہاں ہیں۔

خوجی۔ کیوں! آپ اپنا مطلب کہیے۔ یہاں تو آزاد وازاد کوئی بھی نہیں ہیں۔ آپ اپنا خاص مطلب کہئے کیا کوئی آپ کا کچھ قرض چاہتا ہے۔

مسافر۔ جی ہاں ایسا ہی تو بندہ دھنا سیٹھ ہے نہ کہ سب کو قرض دیتا پھرے۔ اجی آزاد ہمارے بہنوئی ہیں۔ ہماری بہن نے بھیجا ہے کہ دیکھو کہاں ہیں سو ہم کو پتا لگا۔

خوجی۔ بہنوئی انکی شادی تو ہوئی نہیں۔ بہنوئی کیونکر بن گئے۔

مسافر۔ معقول آپ بھی کتنے دشمن عقل ہیں۔ بھلا کوئی بیوجہ کسی کو بھی اپنا بہنوئی بنائے گا۔ اتنا نہیں سمجھتے۔ لاحول ولا قوۃ۔

خوجی۔ (ہنس کر) بھلا میاں آزاد کی بیوی کہاں ہیں۔ ہمکو تو دکھا دیجئے۔ ہم سے کیا پردہ ہے۔

مسافر۔ کہاں ہیں۔ ہیں کہاں۔ اجی اسی سرا کے اس کونے میں وہ سامنے والے گوشہ محل میں چلو دکھا دیں۔ تم سے کیا چوری ہے۔ تم تو گھر کے ہو۔ چلو پھر چلو نہ۔

خوجی۔ اچھا ٹھہریے چلتا ہوں۔

یہ کہکر میاں خوجی کوٹھری کے اندر گئے۔ بالوں میں تیل ڈالا سفید کپڑے پہنے لال پھندنے دار ٹوپی دی۔ میاں آزاد کا ایک خاکی ڈاک کوٹ ڈانٹا اور جب خوب بن ٹھن چکے تو آئینہ لے کر صورت دیکھنے لگے۔ بس غضب ہی ہوگیا۔ آئینہ دیکھتے ہی انکی وہ کیفیت ہوئی جو طاؤس کی ہوتی ہے۔ کہ اپنے نقش و نگار دیکھتے ہی پھول گیا مگر پائے زشت پر نظر پڑی اور دل گڑھے میں۔ ڈاڑھی کے بال اونچے نیچے پائے۔ مونچھیں گری پڑی۔ آپ نے قینچی لیکر بال برابر کرنا شروع کیے۔ تیز قینچی ایک دفعہ ہی ایک طرف کی مونچھ بالکل اُڑ گئی جل جلالہٗ چلیے چار ابرو کا صفایا تھا خود کردہ را چہ علاج خیر تہر درویش بر جان درویش کہکر چلے۔ مسافر اور خوجی ساتھ ساتھ گوشہ محل کی طرف روانہ ہوئے۔ مسافر نے تو خوجی کو پہلے ہی دیکھا تھا مگر ادھر ہی قطع میں اور اب بھی دیکھا تو اور ہی دفعہ میں سمجھا کہ آدمی نرے چرچ ہیں اور ایک طرف مونچھ جو صاف کتری نظر آئی تو اسکو بے اختیار ہنسی آئی۔ مگر آدمی تھا چست و چالاک۔ ضبط کیئے رہا اور گوشہ محل کے اندر میاں خوجی کو لے گیا تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک عورت نہایت ہی زرق برق لباس میں ملبوس عطر میں بسی ہوئی چارپائی پر سو رہی ہے زلف چلیپا بل کھاتی اور کالی ناگن کی طرح لہراتی ہوئی گردن کے ارد گرد پڑی ہوئی ہے اور دوپٹا جو کھسک گیا ہے تو گردن فوارۂ نور نظر آتی ہے۔ صورت تو انھوں نے دیکھی نہیں۔ کیونکہ وہ کروٹ سے سو رہی تھی مگر گوری گوری گردن دیکھ لی تو لوٹ ہو گئے مسافر تاڑ گیا مگر خاموش بلکہ اُسنے ان کو موقع دیا کہ بغور دیکھیں اور خود کسی کام کے لیے چلا گیا اتنے میں اُس گلبدن نے کروٹ جو بدلی تو میاں خوجی کو للکارا۔

گلبدن۔ تم کون یہاں کیا کام۔

خوجی۔ (کانپ کر) آپکے بھائی پکڑ لائے۔

گلبدن۔ قصور۔

خوجی۔ ناکردہ گناہ۔

گلبدن۔ بیوجہ بھی کوئی کسی کو گرفتار کرتا ہے۔

خوجی۔ میری خطا نہیں معاف کیجئے۔

گلبدن۔ اچھا ذرا پنکھا تو جھلو۔ مگر آنکھ بند کر کے خبردار مجھے نہ دیکھنا میں پردہ نشین ہوں۔

خوجی۔ (پنکھا لے کر جھلنے لگے) اور اُس گلبدن نے عمداً آنکھ بند کر لی اتنے میں اُس گلبدن نے جو سامنے آنکھ جو کھولی تو دیکھا کہ میاں خوجی پنکھا تو قلی کی طرح جھل رہے ہیں مگر ویسے پھاڑ پھاڑ کر نظارہ بازی میں بھی مصروف ہیں اس کا آنکھیں کھولنا تھا کہ میاں خوجی نے مارے ڈر کے آنکھیں خوب زور سے بند کر لیں۔ اور ۶۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ جان سن سے نکل گئی۔

گلبدن۔ کیوں جی یہ گھورنا کیا معنی۔ اب بتلائیے کیا سزا دوں۔

خوجی۔ اتفاق سے آنکھ کھل گئی۔

گلبدن۔ واہ اچھا اتفاق ہے۔ اور جو اتفاق سے ہمارا بھی ہاتھ اُٹھ جائے تو پھر۔

خوجی۔ جو مرضی۔

گلبدن۔ میاں آزاد کہاں ہیں۔

خوجی۔ (ڈرتے ہوئے) جی اُنھوں نے مجھ سے کہہ دیا ہو کہ جو کوئی میرا حال پوچھے تو صاف صاف پتہ نہ دینا کہ یہاں سرا میں ہی۔

گلبدن۔ بھلا کہاں جانے کا قصد ہے۔

خوجی۔ اُنھوں نے حکم دیا ہے کہ اگر کوئی ہمارے عزم کا حال دریافت کرے تو اُس سے یہ نہ کہنا کہ روم جانے والے ہیں۔

مسافر۔ ہم بھی آن پہونچے۔ انسے کچھ باتیں ہوئیں۔

خوجی۔ میں کس لائق ہوں۔

مسافر۔ واہ یہ نہ کہیئے آپ بڑے نالائق ہیں۔

گلبدن۔ یہ کہتے ہیں کہ میاں آزاد روم جانے والے ہیں۔ اور یہاں سرا میں فروکش ہیں۔

مسافر۔ ہوں گے۔ اسوقت انھیں کھانا وانا تو کھلواؤ۔

گلبدن۔ یہ آپ کی ایک مونچھ کیا دیمک چاٹ گئی۔

خوجی۔ بیٹھوں تو بتاؤں۔

مسافر۔ بیٹھئے نا۔ بسم اللہ تشریف رکھیے۔

میاں آزاد کی آنکھ جو کھلی تو خوجی ندارد۔ ایک ایک سے پوچھتے ہیں کہ خوجی کدھر گئے بھئی۔ آسمان کھا گیا یا زمین چٹ کر گئی۔ آخر یہ چل کہاں دیے سوچے کہ آدمی ہیں افیونی۔ افیم کی چاٹ میں دل اُچاٹ ہوا ہوگا۔ پہونچے کسی دکان پر گھڑی بھر ہو گئی۔ دو گھڑی گزری۔ گھنٹوں ہو گئے مگر خوجی نہ آئے نہ آئے تب تو انکا ماتھا ٹھنکا کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے سمجھے کہ بھلے آدمی ہیں اور کمزور۔ اور کمزور مار کھانے کی نشانی اور اسپر لطف یہ کہ کوتاہ گردن تنگ پیشانی۔ ایک کڑوا کریلا دوسرے نیم چڑھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی سے لڑائے ہوں گے اُس نے گردن ناپی ہو اب جبتک ہم نہ جائیں گے وہ سر کہی پر بوٹ لگائیگا اسمیں چاہے دو دن ہو جائیں وہ سرک کو نہ چھوڑیں گے نہ چھوڑیں گے دھن سکے پکے ہیں ہم جانے سے رہے یہاں اُٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہیں کھٹیا پر لدے لدے کہاں شہر بھر میں ہنڈیں یہ دونوں سائیسوں کو بھیجا کہ جاکر ذرا دیکھو تو میاں خوجی کو ہوا کیا۔ آخر چمپت کہاں ہو گئے ایک نے ہنس کر کہا کہ ننھے سے آدمی ہیں کہیں بھیڑیا وڑیا اُٹھا لے گیا ہوگا۔ دوسرا بولا آج ہوا زناٹے کی چلتی ہی معلوم ہوتا ہے کسی طرف اُڑ گئے۔ اب ہوا میں پتاتے پھرتے ہونگے۔ یوں جانیکو کہئے جائیں مگر انکی کھوج خبر نہ ملے گی۔ اچھا ہم ہوئے آتے ہیں شاید آپ سمجھیں کہ یہ دونوں کام چور نوالہ حاضر ہیں۔

اتنے میں اُنھوں نے بھٹیاری سے پوچھا کہ کیوں بی بھٹیاری تمھیں کچھ معلوم ہو بھلا خوجی کہاں چلے گئے۔ اُس نے کہا میاں میں اب کیا بتاؤں کہ کہاں غائب غلہ ہو گئے۔ بل اتنا جانتی ہوں کہ

اُنھیں کا ساکوئی مرد دا آیا تھا۔ دبلا پتلا گلا ہوا آدمی۔ چہرے کی رنگت بالکل زرد ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ اور پستہ قد بھی تھا۔ اُس نے اُن سے کچھ باتیں ہوئیں۔ وہ تم کو بار بار پوچھتا تھا۔ مگر باتوں سے ایسا پایا جاتا تھا کہ جیسے خوجی اور اس کے کبھی پٹنے کی ملاقات نہ تھی مگر تمھارا نام کئی بار لیا اور پوچھا کہ کہاں ہیں پھر کچھ کان میں پھسپھسایا تو میاں خوجی کوٹھری میں گئے اور وہاں خوب بنے ٹھنے لال ٹوپی دی اور تمھاری جریب ہاتھ میں لی۔ بال سنوارے بٹیاں جمائیں۔ اور بڑے ٹھسّے سے اکڑتے اور گنڈے جھاڑتے ہوئے اُس کے ساتھ ہولیے مگر (ہنستے ہوئے) اُف مارے ہنسی کے بات اُس وقت نہیں کہی جاتی تھی۔ کوٹھری کے باہر جب آئے تو میں نے دیکھا کہ طرف کی مونچھ بالکل صاف۔ داہنی طرف تو گلّی موچھ کیا تردا ہے کا تردا تھا مگر بائیں طرف بالکل صفا چٹ مجھے اتنی ہنسی آئی کہ لوٹنے لگی۔ جی میں تو آئی کہ تم کو بلگا دوں مگر اجنبی آدمی کا ساتھ تھا تو کہنا مناسب نہ سمجھی۔

آزاد۔ (متحیر ہو کر) کون تھا بھئی۔ دبلا پتلا آدمی زرد زرد مجھے جانتا ہے مگر خوجی کو میں پہچانتا۔ کون شخص تھا۔ ہاہاہا بلاوا گیا ہو نہ ہو۔

یار نہیں وہ یہاں کہاں۔ پھر آخر یہ کون آدمی تھا (دل میں سوچے) کہ آف اوہ۔ ارے کہیں نواب نے تو کوئی آدمی نہیں دوڑا دیا۔ غضب کا سامنا ہے اب دھر لیے گئے بھاگنے تک کی سکت نہیں۔ کروں تو کیا کروں کچھ کرتے دھرتے بن ہی نہیں پڑتی یا شاید بیاری حسن آرا نے آدمی بھیجا ہو کہ آزاد کی خبر لاؤ۔ ہاں ہو نہ ہو میں سمجھا کہ سپہر آرا نے بہن کو طعنے دے دے کر مجبور کیا ہوگا کہ ہم کو واپس بلوالیں۔ بس یہی بات ہے۔ ع۔ دل کو مرے آ رہی یہ جو دھڑکا سو ٹوٹا۔ میں اور تم کی چال سے باز رہوں۔ کیا مجال جاؤں اور پھر جاؤں اور بیچ کھیت گاؤں جاؤں اوندھے کی جوت جاؤں۔ واپس جانے میں ہماری کرکری ہوگی اب بلا فتح کیے ہوئے میاں آزاد اپنے معشوق پری پیکر کو صورت دکھائیں تو شریف نہیں خدا ہی خیر کرے۔ دیکھیں کون آدمی آیا ہے جو آیا ہے کہیں جلد صورت دکھائے۔

میاں آزاد یہ خیالی پلاؤ پکا رہے تھے مگر یہ خبر ہی نہ تھی کہ نواب کا آدمی نہ حسن آرا کا قاصد ہے وہ کوئی اور ہی ذات شریف ہیں۔ بڑی دیر تک میاں آزاد نے بے چینی میں وقت کاٹا۔ طرح طرح کے خیال اُنکے دل میں آتے تھے مگر ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں پاتے تھے کہ آخر کون بزرگوار تشریف لائے تھے کس سے کہنے آئے تھے خوجی کو کیوں پکڑ لے گئے اور اب تک خوجی غائب کہاں رہے۔ کھٹ ہوا اور انھوں نے پکارا خوجی۔ دھم ہوا۔ اور پوچھا آئے۔ ذرا کسی کی آہٹ پائی اور چونک اُٹھے میاں خوجی۔ مگر صدائے برنخاست۔ خوجی کہیں اور ہی ہیں۔ وہ ایک مہ وش کے سر بالیں کھڑے ہوئے پنکھا جھل رہے ہیں اتنے میں شام ہوگئی اور خوجی کا کہیں پتہ نہیں تب تو میاں آزاد از بس بیقرار ہوے کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ بھٹیاری سے کہا کہ جا ہے جو ہو خوجی کو لاؤ۔ کسی سے پوچھو پاچھو۔ آخر گئے کہاں۔ ذرا جلد آنا۔ اُس نے کہا اب جاتی ہوں مگر کوشش کروں گی۔ پھر اب آئیں نہ آئیں یہ ان کو اختیار ہے۔ جانا میرا کام ہے۔ آنا نہ آنا اُن کے ہاتھ۔ ملنا نہ ملنا اتفاق کی بات ہے۔

خیر وہ تو چلیں میاں خوجی کی تلاش میں اور ادھر خوجی صاحب اور وہ حسین مہ جبین اور وہ مسافر دسترخوان پر بیٹھ گئے لگے خوجی کئی دن کے بھوکے تو تھے ہی اُنھوں نے خوب ہاتھ لگائے

کھاتے جائیں اور تعریفیں کرتے جائیں کہ اُہو ہو ہو۔ واہ واہ واہ کیا لذیذ کھانا پکا ہے۔ تعریفوں کے پل باندھ دیے۔ ایک لقمہ کھایا اور کئی منٹ تک تعریف کی۔ یہ تو تعریف ہی کرتے رہے اُدھر میاں مسافر نے دسترخوان صاف کر دیا۔ ارے کر کے رہ گئے۔ دل میں پچھتائے کہ یہ ہم سے کیا حماقت ہوئی پہلے پہلے خوب پیٹ بھر کے کھا لیتے پھر دن بھر رات بھر چاہے تعریف ہی کیا کرتے۔ اُس مہ پارہ نے پوچھا کہ کچھ اور لاؤں۔ شرمائیے گا نہیں یہ آپ کا گھر ہے۔ میاں خوجی کہنے ہی کو تھے کہ جی ہاں منگوائیے کہ اتنے میں مسافر جو خوب چھک کر کھانا کھا چکے تھے کہا کہ نہیں جی اب کیا ہیضہ کراؤ گی۔ خوب کھانا کھایا اب ہضم نہ ہوگا۔ خوجی یہ گرما گرم فقرہ سنتے ہی جل بھن کر خاک ہو گئے مگر کہیں تو کیا کہیں۔ بولے کہ اچھا الامر فوق الادب لائیے۔

اسیر مسافر نے جو انتہا کا شریر تھا رکابیاں اُٹھائیں اور دسترخوان ہٹا دیا اور خوجی بیچارے مُنہ ہی تاک کر رہ گئے۔ ارے جی میں تو آیا کہ مسافر پر برس پڑیں مگر خیر گذری کہ قرولی پاس نہ تھی ورنہ اُس گیدی سے سمجھ لیتے۔ شکر ہے کہ قرولی کبھی پاس ہی نہ ہوتی تھی ورنہ خدا جانے کتنے آدمیوں کو شہید کر چکے ہوتے۔

خیر کھانا وانا کھا کر بیٹھے تو مسافر نے کہا ارے لاحول و لا۔ پاندان میں تو دو ہی گلوریاں ہیں۔ ایک اُس گلبدن کو دی دوسری اپنے منہ میں رکھ لی۔ خوجی پھر مُنہ دیکھ کر رہ گئے۔ تب تو آپ بہت ہی جھلائے ادھر اُدھر دیکھا مگر خیر سے قرولی نہ پائی ورنہ گیدی کا خون ہی پی لیتے اس کے بعد مسافر نے ایک اور حرکت کی ان سے کہا کہ۔ میاں ہوت میاں ہوت ارے بھائی تم سے کہتے ہیں تم نے ادھر اُدھر۔ خوجی تو جلے بھنے بیٹھے ہی تھے اُنھوں نے گھور کر دیکھا اور کہا کہ کس سے کہتے ہو جی۔ اور کس سے! اور سنیئے گا کس سے کی ایک ہی کہی کہنے لگے کس سے کہتا ہے۔ تجھ سے کہتے ہیں تجھ سے اور کس سے کہتے ہیں۔ ذرا پلنگ سے اُتر کر بیٹھو۔ کیا مزے سے برابر جا کر ڈٹ گئے۔ اُتر نیچے۔ اترا کہیں پہونچوں۔ ادھر دیکھئے گا آپ پلنگ پر چڑھ کر بیٹھے ہیں معقول۔ یہ دعویٰ اپنی حیثیت کو نہیں دیکھتا۔

خوجی۔ چپ گیدی نہ ہوئی قرولی۔ ہائے نہ ہوئی قرولی۔

گلبدن۔ قرولا پیچھے ڈھونڈھئے گا پہلے یہاں سے کھسک کر نیچے بیٹھئے۔ تم سے کس نے کہا تھا کہ یہاں آن کر ہمارے پاس بیٹھو ہاتھ دیتے ہی پہونچا پکڑ لیا۔

خوجی۔ (پلنگ سے نیچے اُتر کر) بہت اچھا اب بیٹھوں تو توپ کے مہرے اُڑا دینا۔

مسافر۔ آخر میں کہتا ہوں کہ تم بیٹھے بیٹھے کیا بناؤ گے۔ اُٹھو جھاڑو دے۔

خوجی۔ اس گیدی نے تو ناک میں دم کر دیا مگر شکر ہے کہ یہاں کوئی قرولی نہیں ورنہ کھیت کے کھیت صاف کر دیتا۔ میدان کے میدان چوپٹ ہو جاتے۔

گلبدن۔ کیا گھاس چھیلتے۔ گھسیارے ہو۔ چڑ کٹے ہو۔ آخر کھیت کے کھیت کاہے کے صاف کر دیتے۔

مسافر۔ لے چلو اُٹھو۔ یہ لو جھاڑو ہے۔ ابھی جھاڑو دے ڈالو۔

خوجی۔ جھاڑو تم دو۔ ہم کو بھی کوئی جھاڑو بھونجا مقرر کیا ہے یا کوئی پاجی سمجھے ہو۔ ہم ایک عالی خاندان آدمی گھر کے رئیس ہیں رئیسوں سے اس طرح باتیں کرتا ہے گیدی۔

گلبدن۔ حضور کی ریاست کہاں ہو۔ ذری ہم بھی تو سنیں آخر کچھ معلوم تو ہو۔

مسافر۔ ہیں تو نانبائی سا معلوم ہوتا ہے۔ یا شاید نائی ہو۔ دسترخوان پر جو بیٹھے تو لذیذ لذیذ کھانا سب چٹ کر گئے۔ کھا جائے۔

من دس بارہ اور کام کرنے میں ننھا بیچارہ چلیے اُٹھیے جھاڑو دیجئے دل لگی نہیں ہو کچھ بڑے رئیس زادے بن کر بیٹھے ہیں رئیسوں کی ایسی ہی صورت ہوا کرتی ہے بھلا۔

خوجی (جھلا کر) خدا جانے میری صورت میں کیا عیب ہو جس سے ملتا ہوں سب یہی بے تکی اُڑاتے ہیں کہ بھلے مانس کی ایسی صورت ہی نہیں ہوتی یہ تو پاجیوں کی سی صورت ہے آئینہ میں دیکھتا ہوں تو مجھے خود شک سا ہوتا ہے اور اب تو جس کا جی چاہے جو کچھ کہے۔ ایک طرف کی مونچھ ہی اُڑ گئی ہے۔ بھلے مانس کہاں سے رہے بھلا۔ کچھ نہیں اب ہم پہلے مُنھ بنوائیں گے پھر کسی سے بات کریں گے (یہ کہہ کر میاں خوجی نے کہا بندہ رخصت)۔

مسافر۔ (دامن پکڑ کر) واہ کیا دل لگی ہو۔ رخصت کی ایک ہی کہی بیٹھیے چلم بھر کے جائیے گا۔ اور یہ ثابت کر دیجئے کہ آپ شریف زادے ہیں اور یا پکڑ لڑ لیجئے۔

میاں خوجی تو ناک پر مکھی تک نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ ایسے جھلائے کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ چمٹ ہی تو گئے۔ اب دونوں میں خوب لپا ڈگی ہونے لگی۔ اور دل لگی یہ کہ دونوں کا قد کوئی چھ چھ بالشت کا دونوں مشت استخوان۔ دونوں چانڈو باز یہ آہستہ سے اُن کو چپت لگاتے ہیں۔ وہ ہلکے سے ان پر دھپ جماتے ہیں۔ انھوں نے اُن کے کان پکڑ لیے۔ اُنھوں نے اُن کی ناک پکڑ لی اُنھوں نے اُن کو کاٹ کھایا۔ اُنھوں نے انکو چکت دی اور پھر یہ کہ دونوں رو رہے ہیں گر میاں خوجی قرولی کی دھن باندھے ہوئے ہیں کہ نہ ہوئی قرولی ہائے نہ ہوئی قرولی۔ مسافر نے انکے پٹے پکڑے اور انھوں نے انکے کان گرملے۔ وہ جیتے نہ یہ جیتے سکت دونوں کے بدن میں نہیں ہانپ گئے۔ میاں خوجی تو قرولی ور دلی سب بھول گئے اور تیورا کے گرے تو چاروں شانے چت اور اُس گلبدن نے اوپر سے دو تین دھولیں بھی جھکا دیں۔ ادھر اُنکا تو یہ حال ہوا ادھر مسافر کی یہ کیفیت ہوئی کہ چکر کھایا اور دھم سے زمین پر

اتنے میں دونوں کو گلبدن نے اُٹھایا اور کہا اب مل جاؤ بس لڑائی ہو چکی اب کیا کٹ ہی مرو گے۔ چلو بیٹھو بس اب نہ بولنا۔

خوجی۔ بولنا وولنا میں نہیں جانتا قرولی نہ ہوئی ورنہ بھونک ہی دیتا۔ ہات ترے کی۔

مسافر۔ وہ تو میں ہانپ گیا نہیں تو دکھا دیتا آپ کو دل لگی بچہ جی مجھے بھی آپ کوئی ایسا ویسا سمجھے ہیں کیا۔ سیکڑوں ہی پیچ یاد ہیں۔

گلبدن۔ اب اگر دونوں میں سے ایک بھی بولا تو ہم درست کر دینگے۔ اسکے معنی کیا جب منع کیا تو پھر جھگڑا کیا۔ اب زبان نہ کھلے۔ خبردار۔ چلو اب چلیں میاں آزاد کے پاس اُن کی بھی تو خبر لیں۔ خوجی اُٹھے اور مسافر نے بھی کپڑے پہنے اور چلے۔

شام تو ہو ہی گئی تھی میاں خوجی ایک طرف اور مسافر دوسری طرف ہاتھ پکڑے ہوئے آزاد کے پاس اُس گلبدن کو لے گئے۔ وہ پہونچی تو کیا دیکھتی ہو کہ بھٹیاری اُنکے سرھانے بیٹھی پنکھا جھل رہی ہے اور کہہ رہی ہو کہ میں نے ہر طرف تلاش کرائی کسی کا پتہ نہ ملا۔ اتنے میں یہ سب دن سے جا کھڑے ہوئے اور اسنے انکو دیکھا۔ انھوں نے انکو اس گلبدن نے شانہ پکڑ کر ہلایا تو میاں آزاد کی آنکھ کھل گئی اور آنکھ کا کھلنا تھا کہ اُس نے دیکھا کہ بی اللہ رکھی سرہانے بیٹھی ہیں اور میاں چانڈو باز سامنے کھڑے پاؤں دبا رہے ہیں۔

میاں آزاد خانہ برباد نے آنکھ جو کھولی تو دیکھتے کیا ہیں کہ بی اللہ رکھی عجب ناز معشوقانہ اور انداز دلربایانہ سے کھڑی سرہانے مسکرا رہی ہیں دیکھتے ہی انکی جان نکل گئی کلیجہ دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ ہاتھ پاؤں کانپ اُٹھے مگر اُس ترک سفاک کو مسکراتے اور کھکھلاتے دیکھ کر

ذرا ڈھارس ہوئی ورنہ ہوش وحواس بیترا ہو گئے تھے۔ اب اُن کے دل میں خدائی بھر کے خیالات جاگزیں ہوئے۔ آپکو یہاں کیوں آئیں پتہ کس نے بتایا۔ اب انکا اصل نشا کیا ہے خدا ہی خیر کرے علالت نے ذرا پیچھا چھوڑا تو اس وہم نے آن کر آدبوچا۔ ؎

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

خوجی۔ پیرو مرشد اُٹھیئے دیکھیے تو سرہالین کون کھڑا ہے ذرا آنکھ تو کھولیے واللہ جی خوش ہو جائے پھڑک جاؤ تو سہی۔ ہائے کیا نورانی صورت ہے (بی اللہ رکھی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ) یہ سب آپ ہی کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ مگر آپ اسوقت جھیپی کیوں جاتی ہیں۔ ؎ رہے گی وو دلھا سے روز صحبت دُلھن کریگی حجاب کبتک

آزاد۔ (اللہ رکھی سے) بیٹھیے تشریف رکھیے۔

خوجی۔ اجی ابھی ہم سے اور آپ کے سالے سے بڑی ٹھائیں ٹھائیں ہو گئی۔ وہ تو کہیئے قردلی نہ تھی ورنہ سالار جنگ کے پنجھتر بگاڑ دیے ہوتے بس گوں کا یار ہے شکر کرو کہ آج تم بچ گئے۔

آزاد۔ چپ نامعقول سالا کسکا اور سسرا کیسا۔ منھ کھولا چاڑ دکے نشے میں لگانے لگی ہانکنے۔ بڑا قردلی باز بنا ہے۔ چلو باہر ٹھہرو۔ بی بھٹیاری تم بھی مہربانی کر کے ذرا باہر ہی بیٹھو۔ یا ٹمس چل پرہ ڈالدے

جب تنہائی ہوئی تو میاں آزاد نے پوچھا کہ کہیے کس تقریب سے تشریف لائی ہیں آپ۔ ہم تو وہ آزاد ہی نہیں رہے وہ دل ہی نہیں نہ وہ حوصلہ ہی نہیں۔ وہ دن ہی نہیں۔ وہ ولولہ ہی نہیں۔ وہ جوش نہ وہ خروش۔ اب تو روم ہی جانے کی دھن ہے۔ بس یہی اُدھیڑ بن ہے۔

اللہ رکھی۔ خدا خدا کر کے ہم یہاں تک تو پہونچے راہ میں سوچتے جاتے تھے کہ۔ ؎

لایا تو ہے نصیبہ ہمیں کوئے یار تک
دیکھیں گذر ہو یا نہ ہو اُس گلعذار تک

پیارے آزاد تم چلے روم کو ہمیں کس کے سپرد کیے جاتے ہو۔ زمین ہی کو سونپ دو (رو رو کر) اُف آزاد۔ اب ہم کس کے ہو کر رہیں۔ سر پیشکش ہے جان نذر ہے۔ ہم تو مرغ بسمل کی طرح تڑپینگے۔ ہائے تمھارے عشق نے بے طرح رسوا کیا۔ آزاد تم خوب جانتے ہو کہ میں بھٹیاری نہیں۔ شریف زادی ہوں۔ مگر اماں کو خدا بخشے۔ جو میرے حق میں یہ کانٹے بو گئی ہیں۔ ہائے ایک بوڑھے کھوسٹ کے مجھے حوالے کیا اور جیتے جی مجھے مار ڈالا جوانی بھر حسرت کی آگ میں جلا کی اور جلا کرونگی۔

آزاد۔ اب ہماری عزت اور آبرو تمھارے ہی ہاتھ ہے۔ اگر روم سے جیتے واپس آئے تو تم کو نہ بھولیں گے نہ بھولیں گے مگر ہم کیا کریں قول ہار چکے ہیں۔ جان جائے مگر بات نہ جائے۔ اللہ پر شاکر رہو خدا بیڑا پار کر دے گا۔ سچے عشق کے یہی معنی ہیں۔ ؎

عشق کامل ہے تو اتنا چاہیے
ناگوارا سب گوارا چاہیے

حسن آرا کا کچھ حال معلوم ہو تو بتاؤ۔ سپہر آرا کی خبر سناؤ۔ ہی ہی اُنپر کیسی گذرتی ہوگی۔

اللہ رکھی تو ایک بت پندار لفاظ وجادو طراز تھی حسن آرا کی داستان مصیبت کو اس حسرت سے ادا کیا کہ آزاد رو دیے اور کان دھر کر کل روایت بغور سنا کیے۔ اللہ رکھی نے کہا کہ۔

ادھر تم نے گھوڑی کی باگ اُٹھائی اُدھر ماما شام کے وقت تمھارا نامہ حسن آرا کے پاس لائی۔

حسن آرا۔ بوا یہ کیا لائی ہو۔ دیکھوں۔ ہائے آج اتنی دیر سے آزاد کا پتا نہیں۔ ذری کھوج خبر تو لاؤ۔ کہاں روٹھ کر چل دیے

ماما۔ میاں آزاد تو سویرے روم کو سدھارے یہ چٹھی دے گئے ہیں جانے کیا لکھا ہے۔

اتنا سننا تھا کہ حسن آرا کے پاؤں تلے سے مٹی نکل گئی۔ ایک

عجب حسرت کی نگاہ سے اُس کاغذ کے پرزے کو دیکھا مگر چھوتے ہوئے روح پر صدمہ ہوتا تھا کہ مبادا کوئی سنانی سنوں تو جان ہی تن سے نکل جائے۔ حیران و پریشان ششدر و مضطر ہے۔ دل کو ڈھارس دی کہ شاید میرے کانوں نے مجھے دھوکا دیا ہو۔ ماما نے یہ نہ کہا ہو۔ پھر پوچھا کہ بوا کیا کہتی ہو۔ منتظر کھڑی تھی کہ ماما اب اُس بات کو نہ دہرائے مگر کہاں ممکن تھا۔ ماما نے کہا ہاں ہاں وہ تو کب کے گئے۔ اب تک تو دس کوس زمین نکل گئے ہوں گے۔ اب انکا پتا کہاں مجھے تمھاری جان کی کروروں قسمیں دی تھیں کہ جب تک میں نظر سے اوجھل نہ ہو جاؤں تب تک خبردار خبردار پیاری حسن آرا کو خط نہ دکھانا نہیں تو جانے گی حسن آرا دھک سے رہ گئی۔ سپہر آرا آگ بھبوکا ہو گئی آنکھیں مارے غضب کے خون کبوتر کی سی سرخ چہرہ تمتمانے لگا۔ بدن کانپنے لگا۔ اور لیا اُس نے آڑے ہاتھوں ماما مارے خوف کے لرز گئی۔ روپیہ مرے گر پڑا کھٹاکے کی آواز جو آئی تو حسن آرا تاڑ گئی کہ اس خام پارہ شہ کارہ نے اپنا مطلب نکالا چاہا کہ جہاں کی تھی وہیں پہونچائے مگر سوچی کہ جو راز فاش ہوگا تو دل پاش پاش ہوگا۔ خاندان بدنام ہوگا۔ عشق طشت از بام ہوگا۔ لاکھ ضبط کیا ضبط نہ ہو سکا جھلک کر ماما سے کہا کہ چل دور ہو مردار ہیں جل دیتی ہو نمک حرام ہے۔ اب میاں آزاد کی پیاری پیاری صورت آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی۔ ہنسکا اکڑ کا اور مدرنا انکی خوش بیانی اور نکتہ دانی۔ انکی فصاحت و بلاغت انکی شیریں زبانی انکا طرز غزل خوانی۔ انکی لگاوٹ کی باتیں عشق کی گھاتیں سب کی تصویر سامنے کھنچ گئی سودا نے زور باندھا تو جوئے اشک آنکھوں سے جاری اور ایک غشی طاری ہوئی۔

حسن آرا۔ ہے ہے میرا قلب۔ نواں اُٹھا جاتا ہے۔ جی گھبراتا ہے۔ دیدۂ گریاں اور سینۂ بریاں کو کیا کروں۔ کدھر جاؤں۔ کس سے راز دل کہوں۔ اے میرے اللہ یہ بیٹھے بٹھلائے ہوا کیا۔ ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وحشت کی شورش ہے۔ جنون کی یورش ہے سخت مشکل آن پڑی ہائے ایسے جوان طرحدار سے آنکھ ہی کیوں لڑی گردش فلک کی کشمکش سے اب پناہ ہے۔ اب دل سوزاں کو بس یہی چاہ ہے کہ وہ بھبوکا سا مکھڑا نظر آئے۔ آنکھیں شعلہ فشاں ہیں دونوں دیدۂ تر گریاں ہیں۔ الٰہی اب ڈھونڈھوں تو کہاں۔ تلاش کروں تو کدھر۔ پوچھوں تو کس سے۔ ـہ

کس جگہ ڈھونڈھیے اے غیرت خورشید تجھے
تو تو رہتا ہے سدا صبح کہیں شام کہیں

پیاری بہن خدا کے لیے سنبھالو۔ اُف جو یہی حال ہے تو دم بھر میں۔ ـہ

قرار می برد از خلق آہ و زاری ما
بایں قرار اگر ماندہ بیقراری ما
شویم گرد و دنبال تو سنش رفتیم
مگر برائے چہ در دست خاکساری ما

ہی ہی میں بھی کتنی نادان ہوں۔ اُس شہسوار کے دنبال تک پہونچنا کیا آسان سمجھی ہوں۔ ـہ

دامن صبا نہ چھو سکے اُس شہسوار کا
پہونچے کب اسکو ہاتھ ہمارے غبار کا

مگر واہ رے آزاد ہے بات کا دہنی۔ جوانمرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔

سپہر آرا۔ ہے ہے باجی اس نابکار ماما نے تو غضب ہی ڈھایا حشر توڑا مرواڈالا۔ ہائے ہائے میاں آزاد پیاری بہن کے پیارے آزاد کو چلتے وقت آنکھ بھر کے نہ دیکھنے پائی۔ حسرت ہی رہی اور مصیبت کی مصیبت سہی اب صبر کرو اللہ نے چاہا تو تھوڑے سے ہی دنوں میں آتے ہوں گے۔ مگر میرا بھی قلب اُٹھا جاتا ہے۔

حسن آرا۔ ـہ

شب جدائی آں رشک ماہ در پیش ست
مرا ببیں کہ چہ روز سیاہ در پیش ست
تو فارغی ز غم ما چند گو بر دکہ مرا
دو صد معاملہ با اشک و آہ در پیش ست

سپہر آرا۔ بہن اپنے کیے کا علاج ہی کیا ہے۔ خود کردہ را چہ علاج۔

حسن آرا۔ ہائے یہی تو رونا ہے۔ یہی تو افسوس ہے۔ ـہ

ز تیغ عشق بود خون ما بگردن ما — بروز حشر بود دست ما و دامن ما
بپای خود تبر از دست خویشتن زدہ ام — فتادہ آتشے از آہ ما بخرمن ما

کیا ناموری کمبخت ردم ہی جانے پر موقوف تھی ہی ہی بندوق اور توپ کا سامنا۔ گولیوں کی بوچھار۔ ہر سمت ڈھال تلوار۔ میاں آزاد یکہ و تنہا۔ ساتھی نہ غمخوار۔ دوست نہ یار۔ جنگ کے میدان سے ایسا ہی کوئی قسمتوں کا دھنی ہو تو آئے ورنہ ایک چنے کے برابر گولی دم کے دم میں کام تمام کردے اور تب تک یہاں جیسے ہی گا کریں۔ ع تا سال دگر کہ خورد و زندہ کہ ماند۔ دم ٹیا رُرح ہوا ہوا جاتی ہی دل ہی کہ اُمڈا جاتا ہی۔ جان پر بن آئی۔

سپہر آرا اپنی بڑی بہن سے زیادہ بیقرار۔ مگر بہن کا حال زار دیکھ کر آنسو پیتی اور دلاسا دیتی بہن اب صبر کا وقت ہی چلو اس وقت ذرا باغ کی سیر کر آئیں ادھر اُدھر ٹہلیں دو گھڑی دل بہلائیں۔ رونا تو ابھی مہینوں ہی کس منحوس گھڑی تمھارے مُنھ سے ردم جانے کا لفظ نکل گیا۔ اب صدمۂ مفارقت اٹھاتی ہو اور پچھتاتی ہو مگر وقت از دست رفتہ و تیر از کمان جستہ کا نقشہ ہی اب دل کو تسکین دیجئے صبر کیجئے۔

حسن آرا۔ کیسا باغ و راغ۔ بہن تم کو گل و بلبل کی سوجھتی ہی اپنا تو حال دگرگوں ہے۔ ؎

مارا ہوائے گلشن و باغی نماندہ است — اے بوئے گل برو کہ دماغی نماندہ است

کیسی سیر اور کہاں کا باغ۔ میں ہوں اور دل داغ داغ اور خون نابہ دل در ایاغ۔

سپہر آرا نے جو بہن کا یہ حال دیکھا تو ضبط نہ کرسکی بے اختیار رو دی اور میاں آزاد کی سچی محبت نے ایسا جوش کیا کہ کلیجہ منھ کو آیا اور چیخ چیخ کر رونے لگی۔ اُف اُف میاں آزاد تم سے تو یہ امید نہ تھی کہ صورت بھی نہ دکھاؤ گے اور چلے جاؤ گے مگر میں تو تمھاری یاد میں جان ہی کھو دونگی اور زندگی سے ہاتھ دھو دونگی۔ ؎

گیرم بہ یار نامہ نویسم برندہ کیست — جز رنگ فتاب بکویش روندہ کیست

ہی ہی یہ تڑپنے کی گرمی یہ لو ن کے تھپیڑے۔ یہ گرد و غبار اور میاں آزاد پشت سمند پر سوار اور میدان کارزار۔ ہم یہاں چین سے بیٹھیں اور وہ ہماری خاطر یہ مصیبتیں سہیں۔ اے تف۔ ؎

اے سینہ بنال نالہ کار من و تست — اے نالہ بنال روزگار من و تست
اے دل برخیز تا ز دنیا برویم — دہر نیست کہ زندگیش عار من و تست

حسن آرا نے جو بہن کا یہ رنگ دیکھا بے اختیار گلے سے لپٹ گئی اور سینہ سے لگایا مگر کلیجہ دھک دھک کر رہا ہے بلیوں اچھلتا ہی آنسو آنکھوں سے اُمڈے آتے ہیں۔ دل سرد مُنھ زرد رنگ فق کلیجہ شق۔ بدن کانپ رہا ہی۔ تیور پر تیور آتے ہیں۔ پھر جو خیال آیا تو کلیجہ پکڑ کر رہ گئی۔ اے میرے اللہ رحم کر۔ گناہوں کو بخش۔ صبر عطا کر۔ ہائے صبر نہیں آتا۔ کدھر جاؤں کس سے کہوں۔ دل کو کیونکر سمجھاؤں۔ ؎

ندارم تاب ضبط راز و میترسم ز رسوائی — مگر جویم ز ہر ہجر با بی زبانی را

ایسا ضعف طاری ہوا کہ بے اختیار آنکھ جھپک گئی۔ سپہر آرا چپکے سے کھسکی اور پنکھا جھلنے لگی مگر میاں آزاد کی دھن۔

اتنے میں حسن آرا بے خبر سوئی۔ خواب کا قاعدہ ہی کہ جس امر کا دھیان کرکے انسان سوئے اسکا خیال ایسا بندھ جاتا ہی کہ انسان وہی خواب میں بھی دیکھتا ہی۔ حسن آرا عین اضطرار خاطر میں سوئی تھی تو دیکھتی کیا ہی کہ ریگ دشت بلاخیز و وحشت انگیز میں میاں آزاد ایک شجر رفیع و بلند کے سایے میں زین پوش بچھائے بیٹھے ہیں اور انکا سمند آہو شکار و صبا رفتار آزادی سے گھاس چر رہا ہے کہ اتنے میں ایک خونخوار اور جرار روسی آیا اور انکو دیکھ کر خوب ہی کھل کھلایا اور غلاف سے تلوار نکال کر جھپٹا۔ میاں آزاد کا

پاؤں زخمی تھا یہ طیش میں آکر اُٹھے تو گر اُٹھتے ہی تیور کھا کے گرے۔ گرے تو وہ روسی فرط طرب سے اُچھلنے لگا اتنے میں میاں آزاد تلوار ٹیک کر بیٹھ گئے۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ غنیم کلے پر آن ہی پہونچا تو خدا کا نام لے کر یہ اُٹھے اور دوڑے گھوڑے کی طرف کہ سوار ہو جائیں۔ دیکھتے کیا ہیں کہ روسیوں کی ایک جماعت کثیر جوق جوق چلی آتی ہے تب تو یہ اپنے فرس تند خو کی طرف اور بھی دوڑ کر چلے تاکہ اسکو بچائیں۔ روسیوں نے دائیں بائیں کرکے بندوقیں سر کیں ایک گولی میاں آزاد کے کان کے پاس سے سن سے نکل گئی دوسری گولی سینے کے قریب سے چلی گئی۔ تیسری گولی ٹوپی کو چھوتی ہوئی وہ پہونچی۔ چوتھی گولی گھوڑے کی دُم کے قریب سے گئی مگر بلدہ بچ نکلا۔ اُسپر میاں آزاد بہت گھبرائے اور ایسا جھلائے کہ ننگی تلوار ہاتھ میں لیکر لپکے اور دو تین روسیوں کو فی النار کیا اتنے میں ایک گولی دن سے اُنکے ہاتھ میں لگی اور میاں آزاد اُچک کر گھوڑے کی پیٹھ پر ہو رہے اور ایک دفعہ ہی گھوڑا اڑا کر ٹکر ٹکر اڑا دیا۔ ٹاپوں کی آواز سے حسن آرا کی آنکھ کھل گئی دیکھا تو بہن سرہانے بیٹھی پنکھا جھل رہی ہے اور آنکھوں سے اشک جاری ہیں۔

حسن آرا۔ (اشک بہا کر) سپہر آرا ہم نے پیارے آزاد کو خواب میں دیکھا۔ اُف۔ ہائے۔ گولیوں کی بوچھار چوطرفہ غنیم خونخوار اور عدوے سیہ کار جو کھی لڑ رہے تھے۔ اتنے میں ایک گولی غضب! دا انکے ... پڑھی اور گھوڑے کا رُخ اُنھوں نے پھیر دیا ہائے ستم وائے ستم (ہاتھ مل کر) بہن اب میاں آزاد سے ہاتھ دھو بیٹھو اب وہ نہ آنے کے۔ بس ہم تو مایوس ہو گئے ہائے مجھے یہ سوجھی کیا کس مزے سے ان کے ساتھ زندگی بسر کرتی مگر حسرت ہی رہ گئی داغ مفارقت ہی دے گئے اور اب ہم کو بھی دو دن کا مہمان سمجھو۔ ہی ہی تم اکیلی ہی رہ جاؤ گی۔ جو ہم چل بسے اور میاں آزاد جیتے ہو رہے تو بہن تمہیں شہید کربلا کا واسطہ ہماری تربت اُنھیں ضرور دکھانا۔ روح خوش ہو جائیگی۔

سپہر آرا چیخ کر روئی تو انکی بوڑھی دادی دوڑتی ہوئی آئی۔ ہائیں ہائیں بیٹا خیر تو ہے۔

میاں آزاد نے جو یہ داستان سنی تو بے اختیار رو دیے حواس پیترا رنگ فق ضعف تو تھا ہی اس غم نے اضعف کر دیا۔ اب کروٹ لینے کی تاب و طاقت نہیں۔ ہائے ہماری بدولت اُن دونوں رشک قمر پری پیکر نوجوان خاتونوں پر کیا مصیبت پڑی صید رنج والم اور یہ سب ہمارے سبب سے افسوس پیاری حسن آرا نے یہ آزاد کی ملاقات کا پھل پایا کہ اپنے دل کو مرکز دائرۂ الم بنایا۔ ہائے افسوس وائے افسوس۔

اللہ رکھی۔ اب اس غم کیے سے کیا ہوگا۔ ... بیر وہ کرنی چاہیے جس سے کچھ مطلب نکلے۔ اب سب سے بہتر یہی ہے کہ تم سیدھے روم جاؤ اور وہاں سے سرخرو آؤ۔

آزاد۔ دو دن سے ذرا طبیعت اچھی ہے کل تو نہیں پرسوں ضرور بالضرور روانہ ہونگا۔ اب زیادہ توقف نہ کرونگا۔ نہ کرونگا۔

خوجی۔ بی اللہ رکھی ابھی پوچھ رہی تھیں کہ (مجھکو کس کے سپرد کرکے جاؤ گے) اسکا آپنے کچھ جواب نہ دیا پھر کچھ سوچیے آپ کوئی معتبر آدمی تجویز یے۔ اور جو کوئی نہ ملے تو پھر خیر نہیں یہ مصیبت سہیں پس ہمارے ہی سپرد کر دیجئے۔ آپ جائیے اور ہم اور یہ یہاں رہینگے۔

آزاد۔ معاف فرمائیے بس آپ باگ ڈور اُٹھائیے اور چلتے پھرتے نظر آئیے

اللہ رکھی بڑی دیر تک میاں آزاد کو سمجھایا کیں کہ رونے دھوتے سے مطلب نہ نکلے گا۔ غم والم بالکل فضول امر ہے۔ شغو میں کوئی بھٹیاری نہیں ہوں۔ میں ایک شریف زادی ہوں اور گھر میں سنے

یہ حرکت ناشایستہ کی کہ گھر بار چھوڑ کر سرائیں جا بسی لیکن میرا خدا اور میں آج تک اگر کسی نامحرم سے گفتگو بھی ہوئی ہو مگر شامت اعمال سے یہ دن دیکھنا بدا تھا خیر ہم تو اپنی بھگت لینگے اب تم کو جو کہیں وہ کرو۔ سنو۔ ہمارا تو کچھ خیال نہ کرو ہم سمجھ لینگے لیکن حسن آرا تمھارے بغیر مر ہی جائینگی اور سپہر آرا کا تو دم ہی نکل جائیگا وہ دونوں تمھاری عاشق زار ہیں۔ انکو تم سے سچا عشق ہے تمھاری جوش جوانی اور جوش بیانی نے انکو والہ و شیدا کر دیا۔ اب تم پر فرض ہے کہ روم جاؤ اور ضرور جاؤ ممکن ہو کہ تم روم کا عزم نہ کرو اور واپس جا کر حسن آرا سے ملو۔ اب کی وہ تم کو کہیں جانے نہ دیں گی۔ بس تمھاری ہی ہو رہیں گی۔ چٹ تیری منگنی اور پٹ تیرا بیاہ ہو جائیگا۔ لیکن اس نکاح میں وہ لطف کہاں۔ اب تو سو کام چھوڑ کر جاؤ۔ خدا نے چاہا تو سرخرو ہی آؤ گے اسمیں تمھارا نام ہوگا اور ملکوں ملکوں سب تم کو اچھا کہیں گے میں جا کر وہاں ہی رہوں گی اور حسن آرا کی تشفی کرونگی اور سپہر آرا کو تسلی دونگی۔ خدا جو کسی پر کھلنے پائے کہ ہم سے تم سے کیا تعلق ہو میرا وہاں رہنا ضروری ہو۔ مگر میرے ساتھ کمبخت پنڈو باز بڑا برا ہو لیکن کیا کروں اسکو ٹالوں کیونکر اور ٹالوں تو پاس کون رہے اتنا خیال رہے کہ جہاں جہاں ڈاک جاتی ہو وہاں سے خط تو برابر بھیجتے جانا ایسا نہ ہو کہ بھول جائیے ورنہ وہ کڑھ کڑھ کر مر ہی جائیں گی اور میرا تو جو حال ہو۔ اسکو خدا ہی جانتا ہے میں اپنی سرگذشت کس سے کہوں ۔؎

عجب دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
دگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

آزاد۔ اللہ رکھی خدائے پاک کی قسم ہم تم کو اپنا اسقدر سچا دوست نہیں جانتے تھے اللہ رے تم کو میرا اسقدر خیال اور میری اتنی نسبت ہو یہ تو آج معلوم ہوا تمھاری صلاح سر آنکھوں پر جو کہو وہ منظور اور جو کہا وہ منظور کرنے کے لائق ہو۔ تم اپنے پتے سے مجھے اطلاع دینا تو خط بھیجا کروں گا۔

اللہ رکھی نے دو تین گھنٹے تک باتیں کیں اور فہمایش کر کے روانہ ہوئیں تو دونوں کے دونوں خوب گلے مل مل کر زار زار روئے اور چلتے وقت آزاد نے اللہ رکھی کی پیشانی پر بوسہ دیا اور رخصت ہوئے

دوسرے دن میاں آزاد روانہ ہوئے تو اثنائے راہ میں ایک پر فضا مقام پر گھوڑے سے اتر کر املی کے درخت کے سایہ میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں کھانے لگے اور خوجی سو رہے میاں آزاد نے جو سبزہ زار اور چشمہ سار اور مرغزار پر بہار دیکھا تو جی خوش ہو گیا اور روح فرحناک۔ کئی دن سے علالت نے انکو بالکل توڑ دیا تھا وہ جوش و خروش اب کہاں۔ بدن میں سکت ہی نہیں مگر پہلے سے طبیعت صحیح تھی۔ یہاں پر فضا اور ندرت اتنا مقام دیکھکر بہت ہی خوش ہوئے اور چہرے کی رنگت ہی بدل گئی گویا کبھی ماندے ہی نہیں ہوئے تھے تھوڑی دیر تو میاں آزاد لمبی تان کر سو رہے۔

زینت النسا اور اختر النسا

سامنے سے ایک کشیدہ قامت پیر مرد سفید پوش آئے اپنی راہ راہ جا رہے تھے مگر جب میاں آزاد کو دیکھا تو ذرا ٹھہرے اور بہ غور دقیق انپر نظر ڈالی انھوں نے انکو غور سے دیکھا مگر دونوں میں سے ایک بھی نہ بولا۔ جب وہ پیر مرد کچھ عرصہ تک کھڑا رہا تو خوجی تو ایک بے تکے آدمی للکار کر پوچھنے لگے کہ کیا ہو کیا آخر آپ کون ہیں کون کیا ٹوپی لیجائیے گا۔ یا گھوڑے کی کاٹھی کی فکر ہو آخر کچھ معلوم تو ہو۔ پیر مرد گو بوڑھے آدمی تھے مگر بڑے کرارے اور تیکھے چہرہ سرخ ہو گیا۔ اتنے میں میاں آزاد نے خوجی کے ایک چپت لگائی اور ڈانٹ کر کہا کہ نامعقول شرفا سے اس قسم کی گفتگو کرتا ہے۔ خوجی کی ٹوپی تڑ سے زمین پر انھوں نے فوراً پیر مرد کے قدموں پر ٹوپی رکھی

اور کہا معاف فرمائیے میں اسوقت چانڈو زیادہ پی گیا ہوں پیرمرد نے بکمال اخلاق ٹوپی انکے سر پر رکھی اور کہا خیر کچھ پروا نہیں آپ بیٹھئے اور مجھے اب آپ سے ملال نہیں ہو۔ میاں آزاد نے کہا کہ اگر مضائقہ نہ ہو تو ازراہ عنایت تشریف لائیے اور حقہ پیجئے۔ پیرمرد تشریف لائے تو میاں آزاد نے سروقد تعظیم کی اور کہا۔ حقہ پیجئے۔ بسم اللہ۔

پیرمرد۔ تسلیم آپکو میں نے کہیں دیکھا ضرور ہے۔ مگر یاد نہیں آتا کہاں دیکھا ہے۔

آزاد۔ (متحیر ہو کر) مجھے! شاید۔

پیرمرد۔ کچھ خیال سا ہے۔

آزاد۔ بجا۔

پیرمرد۔ چلئے غریب خانہ پر چلیے۔

آزاد۔ حضرت بندہ مسافر آدمی۔ اسوقت یہاں درخت کے سایہ میں ذرا دم لیا مگر بستی اچھی ہو۔ جی چاہتا ہو آج یہاں ٹک جاؤں اور میں علیل بھی تھا ابھی پرسوں ہی تو بخار نے مفارقت کی اگر آج دو کوس جاؤں تو شاید تکان ہو۔

پیرمرد۔ میاں صاحبزادے تم نے بڑی جرأت کی کہ علالت کی حالت میں سفر کیا۔ اب اگر مناسب سمجھو تو یہاں غریب خانہ پر یہ سرا میں دو دن تک ٹک جاؤ۔ ایسی مباورت بڑی غلطی ہے اب ایسا ہرگز نہ کرنا۔ خبردار بھائی دیکھو بڈھے کی بات یاد رکھنا۔

آزاد۔ چلیے دولتخانۂ اقدس پر چلوں۔ یہاں بیشک تکلیف ہوگی اگر دو چار گھنٹے اچھا رہا تو خیر روانہ ہو جاؤں گا۔ ورنہ آج شب کو یہیں بسیرا لونگا۔

میاں آزاد اور وہ پیرمرد دونوں کے دونوں چلے جب پیرمرد کے مکان پر پہونچے تو باہر دروازہ پر دو چار کرسیاں دو تین مونڈھے دو ایک پلنگ بچھے تھے اور ایک چمن میں خدمت گار کھڑا تھا میاں آزاد ایک کرسی پر جھکر پیرمرد سے باتیں کرنیلگے۔

آزاد۔ سبحان اللہ حضرت کیا پرفضا مقام ہو۔ بہشت بریں ہو چمن کیا ہے۔

پیرمرد۔ جی یہ کلبۂ احزان ہو۔ ہوا اگر ابھی نہ معلوم ہوتی ہو تو چلیے کمرے میں بیٹھیں بلکہ دو گھڑی لیٹ رہیے تو بہتر ہو۔

آزاد۔ جی نہیں ابھی نہ لیٹوں گا۔

حسن اتفاق سے پیرمرد کی بھتیجی یہ سب باتیں دروازے کے پاس سے سن رہی تھی۔ ایک چھوٹی لڑکی نے گھر میں جا کر کہا تھا کہ ابا کے ساتھ کوئی آئے ہیں۔ گورے گورے آدمی۔ بھورے بھورے بال۔ جیسے انگریز سے معلوم ہوتے ہیں اسپر پیرمرد کی نوجوان بھتیجی دروازے کی آڑ سے دیکھنے لگی۔ کہ دیکھوں تو کون آیا ہے۔ باتیں سنیں تو کچھ شک سا ہوا کہ ہم نے ان کو کہیں دیکھا ہے۔ غور سے دیکھنے لگی اور دل ہی دل میں سوچنے لگی کہ الٰہی یہ کون ہیں۔ میں نے تو انکو دیکھا ہو اور آواز بھی پہچانتی ہوں۔

پیرمرد نے جو اپنی بھتیجی کو برافگندہ نقاب دروازے پر ایک اجنبی اور غیرمرد کے روبرو کھڑے دیکھا تو ٹال ٹرل کر اُٹھے اور جا کر دروازے کے پاس سے کہا کہ ہائیں۔ ہائیں یہاں کہاں کھڑی ہو۔ حسن گلفام نے کہا کیا کوئی دیکھتا ہو۔

پیرمرد۔ (آزاد سے) آپکا نام مبارک۔

آزاد۔ آزاد۔

گلفام۔ (یعنی وہی لڑکی جو دروازے کے پاس سے جھانک رہی تھی) چچا کون ہے۔

پیرمرد۔ چپ رہو ایک شریف زادے میں تم کو کیا کام

گلفام - چچا آخر کون ہیں کون۔

پیرمرد - ایک مسافر ہیں بیچارے۔ آزاد نام ہے۔

میاں آزاد خانہ برباد جو اس پیرمرد فرخ نہاد سے باتیں کرنے لگے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک پریزاد کم سن عورت دروازہ کے پاس سے جھانک رہی ہے اُس پر نظر ڈالنا وضع اہل آبرو کے خلاف سمجھ کر یہ کنکھیوں سے گھورنے لگے۔ اُس پری پیکر کو حیرت تھی کہ الٰہی یہ کون جوان رعنا بلند بالا ہے جسکی آواز میں بخوبی پہچانتی ہوں۔ لب و لہجہ بات چیت۔ طرز گفتگو۔ طریق کلام سے کان آشنا ہیں مگر اسوقت کچھ بھولی ہوئی ہوں۔ یاد نہیں آتا کہ یہ کون ہیں۔ کہاں دیکھا تھا۔ کب ملاقات ہوئی تھی۔ دروازہ کی دراز سے جو آنکی صورت دیکھی تو اور بھی یقین ہوا کہ یہ پیارا پیارا مکھڑا ہم نے ضرور دیکھا ہے۔ جب پیرمرد نے پوچھا کہ اسم مبارک اور اُنھوں نے بآواز بلند آزاد نام بتایا تو اُس جمیلہ کے کان کھڑے ہوے کہ ایں! آزاد - آزاد۔ ہو ہو ہو۔ آزاد انکو تو ہم خوب جانتے ہیں پہلے تو کچھ سوچا کی۔ جب یہ خیال آیا کہ فلاں شخص ہیں تو مارے محبت کے دروازہ کا ایک پٹ کھول کر مسکرائی اور کہا کہ دیکھئے بندہ پرور ہم کو پہچانا؟ پیرمرد حیران وششدر کہ یا للعجب یہ کیا بوالعجبی ہے۔ یہ اسے سوجھی کیا کہ مرد بیگانہ۔ خویش نہ یگانہ جان نہ پہچان اور اسپر طرّہ یہ کہ کم سن جوان اور اُس سے بیدھڑک گفتگو کی شیشۂ ناموس کو سنگ بیحیائی سے توڑا شرم و آزرم سے منھ موڑا پیرمرد سناٹے میں کہ یا خدا یہ کیا اسرار ہے شرفا زادیوں کو تو اغیار سے ہم کلام ہونے تک میں عار ہے یہ اس کو سوجھی کیا کہ دروازے سے جھانکتے جھانکتے بیخود ہو گئی سمجھے کہ لڑکی ہے نو عمر۔ اور اس جوان رعنا کا حسن و جمال غیرت بدر رشک ہلال۔ عاشق وشیدا مفتون و مجنوں ہو گئی۔ مسافر سے دل ملایا اور ایک نیا گل کھلایا۔ بس اب اس کو کھو بیٹھے اور ننگ و ناموس سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اُس لڑکی کی چچی کو جو خبر ہوئی تو سنتے ہی دنگ ہو گئی۔ ہے ہے اس لڑکی کا کیسا دیدہ دلیری نامحرم سے بڑھے چچا کے سامنے اس بے تکلفی سے گفتگو کرنا۔ اور اُف۔ آج آبرو خاک میں مل گئی۔ اسوقت آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ شیطان کمبخت اپنی مراد پا گیا۔ ارے لوگو یہ تو ایسی نہ تھی میرے اللہ یہ اسکو سوجھی کیا کہیں دیوانی تو نہیں ہو گئی۔

ماما بولی کہ صاحب ہے کیا۔ ہوتا کیا۔ جو ہے ہم خوب جانتے ہیں۔ ماشاء اللہ دشمنوں کی آنکھ میں خاک۔ جوان لڑکی۔ میں تو کہتی تھی کہ ایکدن۔ چلو خیر اب بُرا نا دو کھڑا کرن رشئے یہ آئے کون ہیں کنکے سے آدمی ہیں۔ گبھرو جوان۔ میں باہر جا کر دیکھوں یہ ماجرا کیا ہے کہیں میاں سے اور ان سے جوتی بیزار نہ ہو جائے۔ ارے کریم او کریم۔ جا لپک کے جنگی خاں کو تو بلا لا۔ کہنا جلدی جلدی قدم اُٹھاؤ وہاں خون خچر ہوا چاہتا ہے۔ اُف اوہ۔ یہ بیٹھے بٹھائے انکو سوجھی کیا بیوی۔

ضعیفہ۔ ہو نہ۔ میرے تو اسوقت ہوش بجا نہیں۔ یہ مجھ سے پوچھتی ہو کہ سوجھی کیا۔ ظہور کے ابّا سے کہو کہ سورہ محمد دم کریں۔ پالا پرورش۔ ہڈیاں توڑیں۔ اتنا بڑا کیا۔ آج انھوں نے سب حق ادا کر دیے۔ ہائے برسوں کی آس آج ٹوٹی قسمت پھوٹی۔ اسی دن کے لیے پالا تھا کہ ہمارے سامنے نامحرم کو گلے لگاؤ نام و ناموس کو خاک میں ملاؤ۔ ایسی بھی آبروریزی کسی کی کم ہوئی ہوگی قسمتوں کا لکھا ہمارے آگے آیا۔ اپنے کرتوتوں کا پھل پایا دہاتھ مل کر، ہے ہے لوگو یہ ہوا کیا اس سے تو مر ہی گئی ہوتی یہ تو ایسی دیدہ دلیر تھی نہیں۔ اسپر کسی کا سایہ تو نہیں ہے اُف اب

میں کہاں جاؤں۔ آس پڑوس میں منھ کیا دکھاؤں۔ خیر سے پندرہ سولہ برس کا سن ہے۔ کوئی انجان نہیں۔ لکھی پڑھی ہیں۔ کچھ نادان نہیں کیا جانے میں کیا بک رہی ہوں۔ کہتی کچھ ہوں منھ سے کچھ نکلتا ہے۔

ماما۔ بیوی بات ساری اتنی ہے کہ اس سن میں کنوارا پن بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ اور بیاہ نہ کرو۔ ارے کریم۔ بھائی ذری دوڑ کے جنگی خاں کو ابھی ابھی بلا لا۔ اپنے ساتھ ہی لانا۔

مغلانی۔ میرا تو کل ہی ماتھا ٹھنکا تھا کہ سویرے کچھ سنائی ضرور سنیں گے کل شام کو یہ لڑکی مہتابی پر گئی اور اسوقت ذرا سر دھو دھا کر تیل بالوں میں ڈالا تھا۔ کپڑے بھی صاف ستھرے پہنے تھی بال بھی سنوارے تھے۔ ایک عالم تھا ادھر بال بکھرے ہوئے اور مہک رہے تھے۔ اُسپر آپنے عطر فتنہ بھی ملا۔ دوپٹہ بھی نہ اوڑھا اور مہتابی پر اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی چہل قدمی کرنے لگیں میں بھی مہتابی پر گئی تو ان کو اس قطع میں دیکھ کر میں نے للکارا کہ ایں! کچھ خیر ہے چھوٹی لڑکی کا مہتابی پر اس وقت کیا کام ہے بھلا۔ چلو نیچے چلو مگر تم جانو جوانی تو دیوانی ہوتی ہے وہ لگی مجھے انگیوں پر نچانے اور بنانے کہ تم تو بوڑھی ہوگئیں نہ تم کیا جانو کہ ہم کس دھن میں ہیں۔ اُسکے بعد از ان پیپل کے درخت کے نیچے پرنالے کے پاس ایک بے ادبی کی تب تو میرے پاؤں تلے سے مٹی نکل گئی میں نے ہاتھ ملکر کہا کہ بیٹا تم نے بڑا برا کیا۔ اُس پیڑ پر ایک شاہ جی رہتے ہیں ان کو تم نے ستایا۔ اب اللہ ہی مالک ہے۔ میرا دل تو تھر تھرانے لگا مگر اسکو ذرا ڈر نہیں۔ ہنس کر پیپل کے پیڑ کی طرف دیکھا اور ایک شوخی کے ساتھ کہا کہ اجی شاہ جی ہوت کیا کر رہے ہو۔ پیپل کے پیڑ پر کیوں بسیرا لیا۔ آم کے درخت پر جاؤ تو فصل بھر خوب چھک کر کھاؤ۔ شاہ جی او شاہ جی سنتے ہو کہ بہرے ہو۔ تمھیں قسم ہے جو نہ بولو یہ کہہ ہی رہی تھی کہ درخت کے پتے اسطرح ہلنے لگے جیسے کسی کو جوڑی آئے۔ مجھے تو ہول آنے لگا اور اسکا بدن بھی تھر تھرانے لگا پھر تو ایک ایسی بات ہوئی کہ میری جان ہی نکل گئی اور ایک ایک پتا گھونگھرو کی طرح چھم چھمانے لگا اور اسکا چہرا تمتمانے لگا۔ اللہ کی سوں میں تو کانپ اٹھی اور چوطرفہ اندھیرا چھا گیا۔ یہ بیٹھی اور اُٹھی اور گر گر پڑی۔ میں نے کانپتے کانپتے دعا مانگی کہ خداوندا اس انجان معصوم کو بچا۔ یہاں اسکا باپ ہے نہ چچا۔ شاہ جی معاف کرو۔ کدورت سے دلکو صاف کرو جب دیکھا کہ حالت غیر ہے تو اسکا ہاتھ پکڑ لیا ہاتھیوں سے گنے کھانا کیا کھیل سمجھی تھی۔ تو گھبرا کے میں اُسکو نیچے لائی تو اسکے کان پر جوں بھی نہ رینگی وہ ہر تان کر سو رہی۔ میری تو جان ہلکان ہوگئی تھی اور مجھے کھٹکا۔ چپ چاپ پڑے پڑے اُنھیں دیکھا کی کہ مبادا بےچین ہو جائیں تو بیوی اللہ کی سوں دیکھتی کیا ہوں کہ ایک سن سا سفید بوڑھا آدمی ہرے ہرے کپڑے پہنے ہوے جیسے نہیر طلے کے پر آنکے سرہانے آن کھڑا ہوا اور چہرے پر سے دوپٹہ کھسکا کر کان میں کچھ کہا یہاں کاٹو تو لہو بدن میں ایک بوند نہ پاؤ۔ مشا مابے پڑی رہی مگر ہوائیاں اُڑی ہوئیں۔ وہ بوڑھا ایک دفعہ ہی غائب ہوگیا تو یہ اُٹھی میں نے پوچھا خیر سلا (خیر صلاح) تو ہے بولی ہاں۔ مگر قلب الٹا جاتا ہے۔ جیسے کوئی کلیجہ مسوس رہا ہے۔ اور آج سینہ پر ہاتھ رکھکر سوئی۔ تو عجب خواب دیکھا۔ اُف اوہ۔ کہتے ہوے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ میں تو بیوی دل کی بودی ہوں ہی میں نے مارے ڈر کے پوچھا بھی نہیں کہ کیا دیکھا کیا نہیں دیکھا۔ مگر اس نے خود ہی آپ ہی آپ کہا کہ جیسے کوئی آدمی میری پلنگڑی کو اُٹھا کر پیپل کے پیڑ پر لے گیا اور اسکے بعد مجھ سے کہا کہ تم نے ہمیں بے طور ستایا مگر کیسے کا ثمرہ پایا اب تم ہماری ہو۔ آٹھویں دن ہم تمھارے

سر پر آیا کریں گے۔ اچھا خبردار۔ جمعرات جمعرات خوب صاف ستھرے کپڑے پہن کر پاک جگہ پر بیٹھنا۔ اور پاک رہنا۔ اور عطر پھلیل خوب لگانا اور لوبان کی خوشبو اسقدر ہو کہ درخت کی پھنگی تک بو بلند ہو جائے یہ کہنا تھا کہ اُس نے میری پلنگڑی اوپر سے پھینکی تو مارے صدمہ کے میری آنکھ کھل گئی۔

مغلانی نے اس چرب زبانی سے یہ جھوٹی کہانی بیان کی کہ سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ سب عورتیں تو تھیں ہی سب کی سب کانپ اُٹھیں۔ اب پیپل کی طرف دیکھتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ کوئی ہاتھ ملنے لگی کہ لڑکی ہاتھ سے گئی کوئی آنسو بہانے لگی کہ آبروریزی ہوتی۔ ایک نے کہا شاہ جی دُہائی ہے۔ دوسری بولی میرے مشکلکشا یہی وقت مشکلکشائی کا ہے

اب ادھر کا ذکر سنیئے کہ جس وقت اس نوجوان نے آزاد کا نام سنا تو بآواز بلند پوچھا کہ (پچھا کون ہی) اس حسرت سے یہ کلمہ زبان پر آیا کہ میاں آزاد کو سنتے ہی اُسکا عشق ہو گیا۔ مگر یہ سمجھے نہیں کہ یہ کس بُت عربدہ جو آئینہ زانو کی آواز ہی۔ اُسنے پھر پوچھا کہ (پچھا کون ہی کون) اور غور کرکے میاں آزاد کو دیکھا تو آنکھیں چار ہوتے ہی جھپٹ کر لپٹ گئی۔ میرے پیارے آزاد آج برسوں کے بعد تمھیں دیکھا۔ اُف ہمارا دل عجب بھر آیا۔ ہائے میں تو سمجھی تھی کہ دشمنوں کی جان گئی مگر سچ کہنا کیا جلد پہچان گئی کہ میرا پیارا آزاد ہی۔ میں تو تمھاری بانکی وضع ہی سے تاڑ گئی تھی کہ ہوں نہ ہوں یہ وہی ہیں۔ باتیں سنیں تو ڈھارس ہوئی کہ اُنھیں کی سی آواز ہی پھر مجھے تاب کہاں کہ دروازہ کی آڑ میں کھڑی ہوں۔ بیتاب ہو کر نکل ہی آئی۔ آج تم میں نے منھ مانگی مراد پائی۔ میرے یہاں کچھ مہینے پہلے ہی عید ہو گئی۔ آج اس شہر کی ایک مسجد تو بے گھی کے چراغ جلائے چھوڑ دنگی نہیں

دیوانی کا لطف دکھاؤں تو سہی۔

میاں آزاد چکر میں آئے کہ یہ نا ظورۂ دل فریب کون ہی جو اس اختلاط سے پیش آتی ہی۔ اور ہمیں دیکھ دیکھ کر کھلی جاتی ہی اور پیارے کے بغیر ہمارا نام ہی زبان پر نہیں لاتی ہی۔ اب اگر صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم نے تمھیں پہچانا نہیں تو شرم آتی ہی کہ اسکا یہ اضطرار اور پیار اور انکا یہ انکار۔ یہ بہت سوچے کہ یہ کون ہی مگر پتہ نہ ملا نہ ملا۔ آخر کار انکو کہنا ہی پڑا کہ ہم نے آپکو نہیں پہچانا۔ اُس مہوش نے یہ کلمہ سُنکر ایک نعرہ بلند کیا اور مسکرا کر کہا کہ ؎

ہم ایسے ہو گئے اللہ اکبر اے تری قدرت ... ہمارا نام سنکر ہاتھ وہ کانوں تک دھرتے ہیں

اللہ اللہ آپ اور آتنی جلد ہمیں بھول جائیں اور ہمیں دیکھ کر حیرت میں آئیں اور پوچھیں کہ تم ہو کون۔ اللہ ری غفلت ہم وہ ہیں جو لڑکپن میں ساتھ کھیلا کیے ہیں اب سمجھے آپ یا اب بھی نہیں سمجھے۔ اب بھی نہ سمجھو تو آزاد خدا تم سے سمجھے۔ ؎

میکدے سے اُٹھا ہی ابر بہار ... میری دل کی لگی بجھا دے گا

آزاد۔ اہاہاہا۔ اب سمجھا۔ اُف اوہ۔ اللہ اللہ برسوں بعد جمال باکمال کا نظارہ ہوا۔ اسوقت فرط طرب سے عرش بریں پر دماغ ہی میں بھی سوچوں کہ یا خدا یہ کون ہی کہ ایسی بے جھجک ہو کر ملی حیرت تھی کہ یا الٰہی یہ کیا اسرار ہے بخت خفتہ آج جاگا مگر پہچانتے۔ ہم تو کیونکر پہچانتے۔ تب میں اور اب میں زمین و آسمان کا فرق ہی۔ اب تو عالم شباب ہی۔ کچھ اور ہی آب و تاب ہی۔ ؎

حسینان جہاں مرتے ہیں کیا کیا آنکے جوبن پر
حیا بر حور قرباں ہی پری صدقے ہی چتون پر

مہوش۔ اہاہو ہو۔ کیا غزل ہی کیا روزمرہ ہی کیا بول چال ہی کیا کلام دلکش ہی۔ اور آپکا طرز غزل خوانی اور اسپر یہ خوش الحانی کچھ ٹھکانا ہی کتنے برسوں بعد کلام فصاحت التیام تمھاری زبان سے

سنا۔ یہاں اس طرح کا چرچا ہی نہیں۔ اب باتیں تو پھر کریں ہی گے پہلے اب کوئی اور غزل سنایئے مگر مرصّع ہو۔ ایک ایک مصرع سانچے کا ڈھلا ہوا۔

آزاد ہائے ۔؎

یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کٹتی
اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا

مہ وش۔ چلو اب تو اللہ نے سب سامان بہم پہونچایا۔ تم نے ہم کو ہم نے تم کو پایا۔ خدائے پاک نے پاکباز عاشق و معشوق کو ملایا۔ اسی طرح ۶۔ بچھڑے ہوے سب ملیں خدایا۔

آزاد سوچے کہ برسوں بعد اب تو زیارت نصیب ہوئی اگر ابھی کہہ دوں گا کہ روم کی تیاریاں ہیں حسن آرا کے حسن گلوسوز اور سپہر آرا کے نور عالم افروز پر جان جاتی ہے۔ تو قیامت ہی ہو جائیگی اور یہ حسین مہ جبین اپنی بوٹیاں نوچ نوچ کھائیگی۔ بات کو چبا گئے اور کہا اچھا ایک غزل اور سنا دیں تو پھر مزے مزے سے باتیں کریں ۔؎

تب لطف زندگی ہے جب ابر ہو چمن ہو
پیش نظر ہو ساقی پہلو میں گلبدن ہو

مہ وش۔ بارک اللہ کیا مطلع ہے۔ شان تو یہی کہتی ہے کہ کسی غزل مسلسل کا مطلع ہے جیسے آتش کی وہ غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے ۔؎

شب وصل تھی چاندنی کا سماں تھا
بغل میں صنم تھا خدا مہرباں تھا

آزاد ۔؎

تب لطف زندگی ہے جب ابر ہو چمن ہو
پیش نظر ہو ساقی پہلو میں گلبدن ہو

لبریز بادہ شیشے دور شراب گلگوں
معشوق نوجواں ہو جام کہن ہو

مجمع مصاحبوں کا یاران بے تکلف
جیسے کہ ربط باہم مانند روح و تن ہو

مذکور حسن لیلیٰ تقریر ناز شیریں
کہہ داستان مجنوں کہہ ذکر کوہکن ہو

بزم طرب ہو یا جلسہ پری رخوں کا
آغوش میں وہ دلبر جو جان انجمن ہو

کہہ [illegible]
آب بقا نصیب کام دہن ہو

طوق گلو کسی دم وہ زلف پر شکن ہو
طوق کمر کسی دم وہ دست شوق اپنا

وہ روح میں تن ہو میں روح وہ بدن ہو
ہنگام وصل جاناں ایسا ہو ربط باہم

صفدر یہ عیش مجھکو ہر روز ہو میسر
کیونکر ادا لے شکر الطاف ذوالمنن ہو

خیر اب یہ ذکر تو یہاں چھوڑا۔ اب یہ بتانا لازم آیا کہ یہ گل رخسار کون تھی اور میاں آزاد سے انکی کہاں کی شناسائی تھی۔

واضح ہو کہ میاں آزاد خانہ برباد ایک روز آگرے سے لکھنؤ آنے کو تھے ریل کے اسٹیشن پر ٹہل رہے تھے کہ دفعتہً جوق جوق آدمی جمع ہو گئے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ گئے اُنھوں نے لوگوں سے پوچھا کہ کیوں بھئی آج یہ جم غفیر اور مجمع کثیر کیسا ہے۔ سنا ہے کہ گنگا جی کا نہان ہے۔ اور جہاں جہاں ہندوؤں کا استھان ہے وہاں جاتے ہیں۔ اور تجار جوق جوق آ رہے ہیں۔ آج کئی ریلیں چھوٹیں گی اور بڑی چپقلش رہیگی۔ ریل پر ریل آتی تھی اور ایک پر ایک پلا پڑتا تھا۔ کوئی دھکیلتا تھا۔ کوئی لڑتا تھا۔ اتنے میں ریل آئی اور گھنٹی بجی اور اس بھیڑ میں لوگ سوار ہوئے کہ الاماں۔ ایک ایک درجے میں پندرہ پندرہ بیس بیس بھر گئے ہوے۔ میاں آزاد سوچے کہ اس بھیڑ میں جانا فضول ہے۔ ریلیں تو آج کئی چھوٹیں گی کسی پر سوار ہو جائینگے گھبراہٹ کیا ہے۔ ریل دن سے چھوٹ گئی۔ اب سنیئے کہ ایک ہندی عیسائی اپنی دو لڑکیوں کو ساتھ لے کر چلتے تھے اُن دونوں کو ٹکٹ دیئے اور کہا کہ (زنانی گاڑی میں جا بیٹھو) وہ بیچاری ناواقف زنانی مردانی گاڑی کیا جانیں۔ جب ریلا ہوا تو وہ بھاگ کر عورتوں کے کمرے میں دوڑ گئیں۔ اور ادھر انکا باپ ریل پر سوار ہو گیا اور کھٹ سے روانہ باشد۔ یہ بیچاری کمسن ناکردہ کار ہاتھ مل کر رہ گئیں اور گھبرانے لگیں کہ یا اللہ اب ہم کیا کریں پرایا شہر یہاں اپنا نہ بیگانہ۔ خویش نہ یگانہ بڑی مصیبت پڑی میاں آزاد نے

جو اُنکی پریشانی اور حیرانی دیکھی تو یہ بھی گھبرا گئے اور اُنکے قریب جا کر بیٹھے کہ آپ گھبرائیں نہیں ہم آپ کو آرام کے ساتھ جہاں کہئے گا وہیں پہونچا دینگے۔ اب ذرا استقلال چاہئے۔ اضطرار سے مطلب بر آری معلوم۔ اور ہاتھ پاؤں پھول جائیں گے کرتے دھرتے ایک نہ بن پڑے گی۔ وہ دونوں شریف زادیاں کبھی گھر سے باہر تو نکلی نہ تھیں اُنکے دلاسا دینے اور تشفی کرنے کو غنیمت سمجھیں ایک نے دزدیدہ نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ آدمی شریف اور جوان حسین اور خوش وضع ہی۔ ذرا ڈھارس ہوئی۔ وہ دونوں بہنیں تھیں بڑی بہن نے خاصدان سے دو گلوریاں نکالیں اور میاں آزاد کو دیں۔ انھوں نے دست حنائی دیکھا تو خون رونے لگے۔ اب شوق چرایا کہ صورت بھی دیکھیں مگر آدمی جلد باز تو تھے ہی نہیں۔ سنبھلے اور سوچے کہ جلدی کیا ہی۔ اُنسے انکے باپ کا پتہ پوچھ کر تار پر خبر بھیجدی۔ ۶۔ لفظ ایک روپیہ دیا اور رسید لی وہ چھ لفظ یہ تھے

WE ARE SAFE WILL AHART SOON
1 2 3 4 5 6

یعنی ہم بخیر ہیں۔ جلد روانہ ہونگے۔

خیر کوئی تین پہر کے بعد میاں آزاد انکو ریل پر لیکر بیٹھے اور ریل چلی۔ اب وہ دونوں انسے بالکل بے تکلف ہو گئیں۔ بڑی بہن پراگندہ نقاب چھوٹی بہن بحجاب۔ دونوں چندے آفتاب چندے ماہتاب دیکھتے ہی لوٹ ہو گئے۔ ایک کا وہ حسن گلوسوز کہ۔ ~

حسن یوسف بھی اسکے آگے ماند	چہرہ زلفوں میں جیسے ابر میں چاند
جلوۂ حسن رشک شعلۂ طور	چشم بد دور آنکھیں موتی چور
رُخ پہ وہ بکھرے بکھرے سلکے بال	رنگ گل سے وہ ہونٹھ پان سے لال

رنگ گل سے کمر لچکتی ہوئی
چوٹی ایڑی تک لٹکتی ہوئی

مگر دونوں حیا پرور۔ دونوں پاک نظر۔

آزاد۔ حسن اتفاق سے آپ دونوں کی آج زیارت ہوئی ورنہ ہم کہاں آپ کہاں۔ ~

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو	جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

بڑی بہن۔ جی ہاں۔ مگر خدا نہ کرے کہ کسی شریف زادی کو ایسا دن دیکھنا نصیب ہو۔

چھوٹی بہن۔ آپ کی باتیں تو سنئے کہ۔ ع غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو۔ ریل پر اکیلا پا کر پیٹ سے پاؤں نکالے ہیں۔

بڑی بہن۔ ہائیں ہائیں کچھ خیر تو ہے۔

آزاد۔ کہنے دیجئے آپ اسکی فکر نہ کیجئے ابھی الھڑپن کے دن ہیں۔

الغرض میاں آزاد نے اثنا راہ میں ان دونوں بتان ستم ایجاد نازنینان پریزاد سے وہ تپاک بڑھایا کہ بالکل شیر و شکر ہو گئے چھوٹی کسی قدر شوخ اور تیکھی تھی اسکی انھوں نے بڑی ہی خاطر کی۔ نوبت باینجا رسید کہ بے تکلفی کی باتیں اور ہنسی مذاق تک ہونے لگا اور میاں آزاد نے گلوریوں پر گلوریاں چکھیں اور نقشہ جما لیا اثنائے راہ میں ایک مقام پر اُنھوں نے اُنکا پتا پوچھا اور لکھ لیا اور دریافت کیا کہ اگر ہم آپ کے مکان پر آئیں جائیں تو کچھ مضائقہ تو نہیں ہی۔ چھوٹی بہن نے کہا کہ وجہ! آپ آنے جانے والے کون۔ واسطہ۔ ہاں اَبّا سے پوچھیے وہ کہیں تو آپ آئیے۔ مگر بڑی بہن نے بات کاٹی اور کہا کہ خانہ بے تکلف ہے جب چاہئے تب آئیے۔ ہم عیسائی ہیں مگر ایسے بے تکلف نہیں۔ جب لکھنؤ پہونچے تو ریل کے اسٹیشن سے وہ اپنے گھر گئیں اور میاں آزاد اُنسے رخصت ہوئے دوسرے دن میاں آزاد ٹھیک وقت پر پہونچے۔ دروازہ پر آواز دی کوئی ہے جواب تو درکنار ایک گلڈاک کُتا آنکھیں نیلی پیلی کرکے دروازے پر آن موجود ہوا۔ میاں آزاد کے ہوش اُڑ گئے کہ ذرا چھپٹے تو بس

کہیں کے نہ رہے۔ پھر آواز دی مگر دور سے وہ مہوش تاڑ گئی کہ میاں آزاد ہوں گے۔ غرض کہ یہ ہر روز جانے لگے اور رفتہ رفتہ ربط و ضبط بڑھانے لگے۔ حتیٰ کہ وہ دونوں ایک ساتھ چمن میں ہوا کھانے لگیں۔ اور سر شام سے صحبت ہوتی تھی اور میاں آزاد اشعار آبدار اور غزلہائے فصاحت بار پڑھ کر ان کو وجد میں لاتے تھے اور داد سخن پاتے تھے حتیٰ کہ وہ دونوں انکی عاشق زار ہو گئیں اب اگر میاں آزاد کو آنے میں دیر ہوئی تو قرار نہیں چاند فی رات ہے اور میاں آزاد کے ہاتھ میں ہاتھ ہے۔ میٹھی میٹھی باتیں ہو رہی ہیں۔ درد دکھ سب میاں آزاد سے کہتی تھیں اور ہر دم انھیں کے پاس رہتی تھیں مگر ایک دن جبکہ میاں آزاد اور وہ دونوں خوبرویان پری زاد عین لطف میں گلگشت چمن اور تماشائے نسرین و نسترن کرتے تھے تو کسی نے انکو خط دیا اور کہا گھوڑا سواری کے لیے لایا ہوں جلد چلیے۔ میاں آزاد نے خط پڑھا تو رو دیے اور بصد حسرت و ارمان اپنی معشوق زہرہ تمثال اور اس رعنا صنم جادو جمال سے کہا کہ افسوس صد افسوس اب جدائی کی گھڑی آ ہی گئی۔ اس خط کو پڑھ لو اور مجھے جانے دو۔ زندگی ہے تو پھر ملیں گے ورنہ رخصت۔ یہ کہہ کر انکی پیشانی پر انھوں نے بوسہ دیا اور پشت توسن پر ہو رہے اور گھوڑے کو کڑکڑا دیا۔ جبتک گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز آیا کی تب تک وہ دونوں بہنیں سنتی رہیں اور جب آواز نہ آئی تو غم والم نے دامن پکڑا اور زندگی تلخ ہو گئی۔ خط پڑھا تو معلوم ہوا کہ میاں آزاد کے پدر بزرگوار راہی ملک بقا ہوئے اور انکو انکے اعزہ نے جلد بلوایا تھا۔

میاں آزاد تب کے گئے گئے اب آن کے ملے۔ انکی زبان پر اس زمانے میں یہ شعر بہت تھا ؎

میکدے سے اٹھا ہے ابر بہار		تیرے دل کی کلی کھلا دے گا

جب میاں آزاد نے انکو نہ پہچانا تو اس نے یہی شعر پڑھ دیا اور میاں آزاد سمجھ گئے کہ وہ کون ہیں۔ ایک مرتبہ میاں آزاد نے بڑی بہن کی جان بھی بچائی تھی جس سے اور بھی عاشق و مفتون تھی۔ اب بعد مدت مدید و عرصۂ بعید یہ پھر ملے۔ پرانی صحبتوں کا لطف آنکھوں میں پھر گیا اور وہ سب باتیں یاد آ گئیں۔

پیر مرد نے جب دیکھا کہ آفتاب لب بام ہے اور وقت شام ہے سنہرے بادلوں کے عکس سے در و دیوار گلنار ہے چمن کی بہار پر گلزار فرخار نثار ہے دھانی گھٹا کا ایک سمت جمگھٹا ہے جسمیں کبھی بجلیاں اٹکھیلیاں کرتی ہوئی حسینوں کی برق وشی کی تقلید کرتی ہیں اور کبھی چمک اور تڑپ سے نگاہ ناز نیم باز بتان طناز پر آوازے کستی ہیں۔ یکایک میاں آزاد کی طرف مخاطب ہو کر بولے کہ اب میرا وقت وظائف و نماز ہے تم چھت پر جاؤ۔ اس بہار کا لطف اٹھاؤ۔

میاں آزاد پیر مرد کے لحاظ و پاس سے کچھ کہہ نہ سکتے تھے پیر مرد کے حکم کے بموجب تھوڑی دیر میں میاں آزاد چھت پر دوسرے زینے سے گئے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک طرف بالائے بام چوکیوں پہ فرش تکلف بچھا ہے۔ دوسری سمت کوچ پر آسمانی اطلس منڈھا ہے۔ آرام کرسیاں ایک سمت رکھی ہیں۔ پیر مرد نے کہا اے آزاد والا نژاد تمکو تو خود معلوم ہے میں کیا تم سے چھپاؤں۔ اختر النسا ماشاء اللہ کیسی حسین مہ جبین ہیں لیاقت خداداد۔ ذہین۔ ذکی ہیں۔ ہر فن میں مشاق۔ ہر ہنر میں طاق۔

زینت النسا نے کہا تم جانتے ہو کہ باوجودیکہ وہ مجھ سے سن میں کم ہے مگر اسکو زمانہ سازی اور دنیا کے حالات سے محض ناواقفیت تھی۔ اماں کی لاڈلی تھی۔ ایک روز پیارے مرزا کی ممانی جمانی میرا آئیں اسوقت اختری انتظام مطبخ میں مصروف تھی اسکی پھرتی اور تیزی دیکھ کر وہ دنگ ہو گئیں اور اسی روز مرزا گوہر کے لڑکے

پیارے مرزا کی نسبت بات چیت کی اماں تو جنم کی جھلی ہیں انکو چپ سی لگ گئی اور ایک بات بھی زبان تک نہ آئی پیارے مرزا کی ممانی نے شادی ٹھہرائی۔

الغرض اختری کی تو شادی ہو گئی۔ مگر میں نے شادی نہ کی۔

خاتون معظمہ زینت النسا نے جو عرصۂ بعید اور مدت مدید کے بعد میاں آزاد کو پایا تو اس کا دل جو مثل غنچے کے گرد انقباض میں تھا گل کی طرح کھل گیا۔ کبھی فرط طرب سے چٹ چٹ بلائیں لیتی تھی کبھی سیکڑوں قسمیں دیتی تھی۔ کہ اگر اب یہاں سے جائے تو ہماری بھتی کھائے۔ آخر شِ کیا ہمارا اتنا سا بھی پیار نہیں کہ ایک ذری سی بات مان جاؤ۔ ادھر اُدھر وا ہی تباہی ہٹر گشت سے باز آؤ ہم تمھارے تم ہمارے کہلاؤ پچھلی صحبتیں یاد ہیں یا بھول گئے وہ روشوں میں گھومنا وہ فرط مستی سے کیاریوں میں طاؤس طناز کی طرح جھومنا۔ وہ قیل و قال وہ بول و چال وہ شام کو چھپ چھپ کر آنا اور دبے پاؤں جانا وہ نامہ و پیغام وہ صحبت صبح و شام وہ میٹھی میٹھی باتیں وہ الذھی گھاتیں بھلا کہیں بھول سکتے ہو۔ مگر پیارے آزاد ایسی زندگی سے ہم باز آئے۔ دور دکے جیے تو کیا جیے۔ چچا نے ہمیں تباہ کر دیا۔ ناکوں دم آیا۔ ہم دونوں بہنوں کی وہ گت بنائی۔ کہ جان ہی پر بن آئی۔ دروازے پر ذرا کھڑے ہوے اور چچا نے ایک ڈانٹ بتائی۔ چچی نے سُنا تو آگ جھلائیں۔ کوٹھے پر گئے اور دانت پیسنے لگیں۔ اتنی بڑائیں آتی جاتی ہیں قسم لو کہ جو دروازوں کی راہ سے کبھی جھانکنے پاتے ہوں یا برسوں کسی اپنے پرائے کے یہاں جاتے ہوں۔ یہ درد اور یہ سر۔ علیسائی اور بھی تو ہیں نگران کو روز بروز پردے کا اور بھی خیال ہوتا جاتا ہی خیر۔

ع۔ گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہی ؛ جبتک ابا جیتے تھے تب تک اُنھوں نے پڑھایا لکھایا کھلایا پلایا میلے ٹھیلے لے گئے۔ مگر ہے ہے کتنی جلد داغ حسرت دے گئے دیکھئے جانے کیا ہو گیا۔ ہاتھ مل کے رہ گئے۔ اب انکے پالے پڑے ہیں جیب دکھو سونٹا لیے کلے پر کھڑے ہیں اُٹھتے جوتی بیٹھتے لات ہیہات ہیہات چھٹپنے میں ہم پر یہ بجلی گری کہ اماں الگ سدھاریں ابا الگ چل بسے۔ خدا بخشے۔ یہاں تو آنکھ کھولتے ہی رنج کی صورت دیکھی اب چین کہاں آرام کہاں۔ ~

آشیانہ نہ چمن میں نہ قفس یاد آیا	آنکھ کھلنے ہی نہ پائی تھی کہ صیاد آیا

اختر النسا تمھارے دیکھنے کے لیے بہت تڑپتی تھی اُس بیچاری کو اُنھوں نے جان بوجھ کر کھاری کنوئیں ہی میں ڈھکیل دیا۔ ایک کم رو بد خو کے پالے پڑی ہی۔ دن رات رویا کرتی ہی۔ رو رو کے آنکھیں لہو کی بوٹیاں بن گئیں۔ کلیجہ بیب ہو گیا۔ مگر کرے کیا دم بخود قہر درویش بر جان درویش۔ ہائے یہ سب ہماری بھونڈی رسموں کا فتور ہی۔ شکی پڑ جائے ایسی موئی رسم پر اس کے دلسے لگی تھی کہ کسی حسین جوان کے ساتھ نکاح ہو۔ پڑھے لکھے فہمیدہ سنجیدہ مرد کے ساتھ بیاہ ہو۔ وہ سب رہا جہنم پر۔ ایسے کے ساتھ بیاہ دیا جسکا کھور نہ ٹھکانا کوئی نام تک تو جانتا نہ تھا کہ کون ہی کون نہیں ہی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ کوئی روپیہ والا یا بہادر شاہ کے خاندان کا ہوتا۔ غریب آدمی کی لڑکی کچھ غریبوں ہی کے یہاں خوب رہتی ہی۔ امیروں میں میزان نہیں پٹتی ع۔ کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست ؛ عالی خاندان کا غرور عالی دودمان کا فخر شرافت کا ناز نجابت کا گھمنڈ۔ سب دقیانوس کے وقت کے خیالات ہیں۔ بڑی شرافت تو یہ ہی کہ سمجھدار ہو۔ وضعدار ہو نیک ہو چال چلن اچھا ہو یہ نہیں کہ لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل۔ الف کے نام بے نہیں جانتے۔ اچھے برے کو خاک نہیں پہچانتے مگر لہو مل کے شہید ہوں

میں داخل ہو گئے۔ ۶۔ ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں سالے تف ہمارے نزدیک جس کے فعل بُرے ہوں اس سے بڑھ کر پاجی کوئی نہیں۔ اختر النسا کے میاں کا ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب تو جو ہونا تھا سو ہوا سچ کہئے گا کیسی نازک اندام گلفام اور بھولی لڑکی ہے۔ وہ ایسے بدبخت بد وضع کے پالے پڑے تو جی چلے یا نہ چلے۔ چور وہ۔ چانڈو باز وہ۔ شرابی وہ جواری وہ۔ بگڑے باز وہ۔ پنج عیب شرعی خاصہ چھٹا ہوا آدمی۔ پاک بیباک شہدا۔ پھیری مُنھ پر لوئی اور کیا کریگا کوئی۔ بیحیائی کا جامہ پہن لیا تم خوب جانتے ہو آزاد کہ سالی کو اپنے بہنوئی کا کتنا پیار ہوتا ہے اور سالی کتنی محبت کرتی ہو مگر قسم لو جو اسکا نام لینے کو بھی جی چاہتا ہو۔ اور یہاں آنے کا بھی کوئی روادار ہو بیوی کا زیور سب بیچ کر چٹ کر گیا کچھ داؤں پر رکھ آیا کچھ کے ادنے پونے کیے۔ مکان دکان سب اسی جوئے کے پھیر میں گھوم گیا۔ اب ٹکے ٹکے کو محتاج ہیں۔ ڈر معلوم ہوتا ہی کہ کسی دن یہاں آن کر آفتابہ خاصدان۔ کپڑے لتے نہ اُٹھا لیجائے۔ دن رات شہدوں لفنگوں بدمعاشوں لچّوں کے ساتھ رہتا ہی۔ کوری ڈھینئے جولاہے آپکے لنگوٹیئے یار ہیں۔ چچا کو اسکا حال سب معلوم تھا اُنکے کرتوتوں سے سب کو اطلاع تھی مگر لڑکی کو بھاڑ میں جھونک ہی دیا اب دیکھو آتی ہی۔ دیکھنا کیسی گھُل کے کانٹا ہو گئی۔ ہڈّی ہڈّی گن لو مضغۂ گوشت کیا مشت استخوان ہے۔ ابھی نئی نئی جوانی مگر یہ حال ہی کہ اللہ ساتویں دشمن کو نہ نصیب کرے۔ میں نے آدمی بھیجدیا ہی بس اب آتی ہی ہوگی اتنے میں دروازہ پر کہاروں نے آواز دی کہ اجی صاحب سواری آئی ہی زینت النسا نے کہا لو وہ آگئی میں تو کہتی ہی تھی کہ جس وقت تمھارا نام سنے گی فوراً اُچھل پڑیگی پھر کسی کی ایک تو سننے کی نہیں۔ بُوا۔ بوا۔ اے بُوا۔ بہن آئی ہی۔ ذری پردہ کرا کے اُتروا لو۔ میاں آزاد نے جھانکا تو لال لال پردہ اور بڑی ڈولی۔ چوطرفہ پردہ ہو گیا اور اختر النسا اُتریں گھر میں آکر چچی کو سلام کیا۔ چچی جان بندگی چچا جان کہاں ہیں۔ اور گھر میں سب خیریت۔ چچی نے پاس بٹھایا۔ پان دیا اور کہا جاؤ کوٹھے پر ہیں۔ وہ جو ریل پر تم کو ملے تھے وہ بھی بھولتے بھٹکتے یہاں آن پہونچے۔ زینت النسا نے آواز دی کہ اختری بہن چچی جان سے مل کر یہاں آؤ۔ میاں آزاد آئے ہیں۔

اختر النسا تھوڑی دیر اُس ضعیفہ کے پاس بڑے ادب سے بیٹھی بعد ازاں رخصت ہو کر اور اجازت لیکر اوپر گئی۔ میاں آزاد نے اُنکو اور اس پریزاد نے اُنکو دیکھا تو دونوں کی باچھیں کھل گئیں۔ بے اختیار کھل کھلا کر ہنس پڑے مگر مارے خوشی کے اختر النسا کی آنکھیں آنسو بھر لائیں اور گول گول موٹے موٹے آنسو ٹپ ٹپ کر کے رخساروں پر لڑھکتے ہوئے دامن میں گرنے لگے میاں آزاد کی عجب کیفیت تھی اتنے میں آزاد نے دیکھا کہ یہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ تو اسکے دست نازک کو چوم لیا اور دلاسا دیا کہ پیاری اختر اتنی مدت کے بعد ملے کھل کھل کے باتیں کرنا چاہیئے یا ڈاڑھیں مار مار کر رونا۔ واہ اچھی اُلٹی گنگا بہائی۔ واللہ جو اب روؤگی تو اُٹھ کر چلا ہی جاؤنگا۔ ہم تمھارا سب حال سُن چکے بہن کیا کریں اب کچھ بس نہیں چلتا۔ مگر اللہ پر شاکر و صابر رہو۔ ع کس کی رہی اور رہے گی کس کی ؛ دیکھو تمھارا بھی خدا مالک ہی کسی حالت میں انسان کو گھبرانا نہ چاہیئے صابرین اور شاکرین کا بڑا درجہ ہی۔ اسپر اختر النسا نے اور بھی آٹھ آٹھ آنسو رونا شروع کیا اور زینت النسا کی بھی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ میاں آزاد نے جو ان دونوں حسین مہ جبین لڑکیوں کو اسدرجہ ملول و مغموم پایا تو اُنکو سخت افسوس ہوا اور اُنکی حالت زار پر رحم آیا اور یوں سمجھایا

آزاد۔ (قریب جاکر) پیاری بہن اختر النسا۔ دیکھو ہم تمھارے پیارے بھائی ہیں وہ دن یاد ہیں۔ جب تم کو ہم پڑھایا کرتے تھے اور تم آنکھوں کی ٹٹی میں روٹھ کر چھپ چھپ رہتی تھیں اور ہم ڈھونڈ ڈھونڈھ کر تم کو منالاتے تھے اور پھر پڑھاتے تھے اور زینت النسا پر تم جھلاتی تھیں اور وہ تم کو بناتی تھیں یہ برسوں کی بات ہی۔ سچ ہی ؎

وقت پیری شباب کی باتیں ؎	ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

ہم کو جو تمھاری دونوں کی محبت ہی اسکا حال ہمارا خدا ہی خوب جانتا ہی یا ہمارا دل۔ خود تم اپنے دل میں غور کرو کہ جب برسوں کے بعد ہم یہاں آئیں اور تم کو رنجیدہ اور مغموم پائیں تو کلیجہ پاش پاش ہو جانا ہو۔ قاعدہ ہی کہ مدت کے بعد جو کوئی مہمان کسی کے یہاں آتا ہی تو اسکی خاطر کیجاتی ہی مگر تم نے ڈولی سے اترتے ہی وہ صورت بنائی کہ میرا قلب الٹنے لگا۔ اے کاش یہ دن خدا نہ دکھاتا کہ میں تم کو اس مصیبت میں گرفتار دیکھتا۔ اُف۔ دل قابو میں نہیں رہا۔ مگر بہن ذرا اپنے دل کو مضبوط رکھو ورنہ تمھارے ساتھ تمھارے عزیزوں کا بھی برا حال ہوگا۔ اُف اوہ۔ تمھاری صورت ہی بدل گئی۔ چہرے کی وہ سرخی اب زردی سے مبدل ہی مشت استخوان ہو بس یوں نازک تو تم لڑکپن ہی سے ہو۔ مگر رنج نے تم کو کہیں کا نہ رکھا۔ افسوس۔

واضح ہو کہ زینت النسا اور میاں آزاد میں بچپنے ہی سے ایک قسم کی محبت تھی مگر پاک اختر النسا اُس زمانہ میں بالکل ہی کم سن تھیں وہ میاں آزاد کو بھائی آزاد کہا کرتی تھیں اور آزاد کو ایسی ہی محبت تھی جیسے کسی کو اپنی خاص چھوٹی بہن کی ہوتی ہی جب میاں آزاد نے اختر النسا کے شوہر کی بد وضعی اور اُس کے غم والم کا حال سنا اُنکے کلیجے پر گویا ٹھیس سی لگی اور دل بھر آیا مگر بڑی دیر تک سمجھایا اور دلاسا دیا کئے۔ اسکے بعد اختر النسا نے آہ سرد دل پر درد سے کھینچ کر کہا کہ بھائی اسوقت تم کو کیا دیکھا جیسے جان میں جان آگئی۔ تم تو میرے لیے مسیحا ہو گئے۔ اب پہلے تو یہ مژدہ سناؤ کہ تم یہاں سے جاؤگے تو نہیں مگر ذرا سوچ سمجھ کر جواب دینا۔ جو تم چلے گئے تو سن لینا کہ اختر النسا اور زینت النسا دونوں کا جنازہ نکلا پس پھر ہم جان ہی دے دیں گے۔ برسوں بعد ایک غمخوار کو پایا ہی اب اسکو چھوڑ کر بھلا کہاں جائیں۔ اچھا اسکا جواب پھر دیجئے گا پہلے اپنا حال تو بیان کیجئے کہ آپ کہاں سے آتے ہیں کہاں کو جاتے ہیں۔ یہاں کون لایا۔ کس نے پتہ بتایا۔ میاں آزاد نے کہا تمھارے چاروں سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہاں جذب شوق لایا اور محبت نے پتا بتایا۔ باقی رہا ہمارا حال وہ ناگفتہ بہ کہاں سے آتے ہیں اور کہاں جاتے ہیں یہ پھر بتا دیں گے۔

جب دن قریب اختتام و آفتاب لب بام ہوا تو میاں آزاد خانہ برباد وحشی مادر زاد کو سفر کی دھن سمائی اور حضرت نے بوریا بدھنا اُٹھانے کی ٹھہرائی مگر سوچے کہ اگر کوچ کا لفظ زبان پر لاؤنگا تو ان دونوں نازک بدن غنچہ دہن بہنوں کو جدا کر کے مردہ ہی پاؤنگا۔ اور ابھی اچھی طرح بدن میں سکت بھی نہیں آنے پائی کہ ہماری یہ شامت آئی کہ سرا کو چھوڑا آرام و آسایش سے منھ موڑا عقوبت سفر سے ناتا جوڑا اب مناسب یہی ہی کہ آج شب کو یہیں بستر جمائیں اور خوب دل کھول کر خوش گپی اُڑائیں۔ ادھر خاتون شب نے نرے ٹھٹے سے نکھار کیا ادھر گھر کی سلیقہ شعار دونوں لڑکیوں نے لذیذ و لطیف خاصہ تیار کیا۔ میاں آزاد نے بعد مدت زینت النسا اور اختر النسا کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھایا اور لطف مزید اُٹھایا۔

فصل گل آئی ہوا عشرت کا ساماں باغ میں	نغمہ زن ہیں بلبلیں طاؤس رقصاں باغ میں
ہر روش پر ہے مینا جام گل غنچے سبو	میکشی کا غیب ہے کیا کیا ہے ساماں باغ میں
ہجوم کر کے پڑھتے ہیں گلبن طفل مکتب کی طرح	دفتر گل ہے کہ سعدی کی گلستاں باغ میں
باغباں ہے خواب میں جلدی جگا دے اے نسیم	پھول چن کر لے گئیں گلچیں ساماں باغ میں

بزم میں پڑھ کر غزل خاموش صفدر ہو گیا
یا چہک کر جیسے ہو امرغ خوش الحان داغ میں

زینت النسا- ہائے پرانی صحبتوں کا لطف آنکھوں کے سامنے پھر گیا آئیے کھانا کھا کر چمن میں چلیں - ادھر چل قدمی کریں - اب باغ کیا خاصہ راغ ہو - مگر چلیے ذرا دل بہلائیں گھوم گھام کر پھر چلے آئیں - مگر وہاں جاکر دل بھر آئیگا - کلیجہ دھڑ دھڑ کرے گا - قسم لیجئے جو مہینوں چمن کا نام بھی لیتی ہوں - وہاں جاکر کریں کیا سُنا نہیں -ؔ

بے گلعذار جاکے گلستاں میں کیا کیں
ہاں یہ کیا کہ داغ کہن کو نیا کیا

گلوں کو دیکھ کر گلبدن یاد آئے - مگر خیر سے پھول تو نام کو نہ پائیے پھول وہاں کہاں جنگل ہے یا چمنستان وحشت مسکن چوطرفہ آشیانہ زاغ وزغن -ؔ

نظر آتا ہے گل آزردہ دشمن باغباں مجھکو
بنانا تھا نہ ایسے بوستاں میں آشیاں مجھکو

اختر النسا- ہاں باجی ہم کہنے ہی کو تھے چلیے کھانے سے فراغت پائیں تو میاں آزاد کے ساتھ برسوں بعد سیر کر آئیں -

جب کھانے سے فراغت پائی اور تینوں نے مل کر گلوری پر گلوری کھائی تو زینت النسا نے فرط طرب سے اختر النسا اور میاں آزاد کو ہمراہ لیکر باغ پر فضا و نزہت انتما میں قدم رنجہ فرمایا -ؔ

وحشت فضا ہو ہی کچھ ایسی بہار کی
پھولا جو پھول اُسنے قبا تار تار کی

ان دونوں بہنوں کے والدین عیسائی ہو گئے تھے مگر نام نہیں بدلا تھا نہ وضع تبدیل کی تھی -

آزاد - اہو ہو ہو - یہ پرانا درخت ہے - اسی کے سایہ میں ہم رات بھر بیٹھے تھے - لطف یہ کہ اندھیری رات میں کیفیت اور چاندنی میں بہار - ہاہاہا - یہ وہ روش ہی جس پر ہمارا پاؤں پھسلا تھا اور ہم گرے تو اختر النسا خوب کھلکھلا کر ہنسی - یاد ہے اختر النسا کیوں نہیں جب ہم پھلانے تھے تو تم ہنستی ہوئی بھاگیں مگر یدھر کو جھک جھک کر جو چلیں تو تمہارا بھی پاؤں پھسلا اور دھم سے تم بھی گریں - تمہارے یہاں ایک بوڑھی عورت تھی زینن کی ماں -

اختر النسا - تھی کیا معنی - کیا اب نہیں ہی - اے وہ ہمسے تم سے ہٹی کٹی ہے - خاصی کٹھو تا سی بنی ہوئی ہے -

آزاد - کون : زینن کی ماں ! کیا وہ بوڑھی ابھی تک زندہ ہی اُن کیا عاقبت کے بورئے بٹورے گی - اُسکا تو ایک ایک بال سفید سن سا ہو گیا تھا -

خیر وہ اختر النسا کو اٹھانے گئی مگر اسکا پاؤں بھی رپٹا اور دھم سے گری - غرضکہ تین چار آدمی دھم دھم کر کے گرے -

چلتے چلتے باغ کی کوٹھی میں ہو گئے تو وہاں اپنا لکھا دیوار پر دیکھا اُسپر لکھا تھا کہ میاں آزاد خانہ برباد نے آج اس باغ کو معائنہ کیا - یہ پڑھ کر میاں آزاد بڑے مسرور ہوئے دل ہی دل میں کھلے جاتے تھے -

اتنے میں پیر مرد یعنی اُن دونوں بہنوں کے چچا جان بھی خراماں خراماں تشریف لائے -

پیر مرد - کہئے اب اسوقت طبیعت تو نصیب اعدا ناساز نہیں ہی خبردار بھائی اب بیماری میں سفر کا نام نہ لینا - ایسا کوئی کرتا ہی بھلا توبہ توبہ - جوانی بھی کیا دیوانی ہوتی ہے ہائے کچھ سوجھتا ہی نہیں ہم نے کل آپکو دیکھا تو کچھ خیال سا آیا کہ اس نوجوان کو ہم نے دیکھا ضرور ہی جب یہاں آئے تو زینت النسا کی زبانی معلوم ہوا - کہاں رہے اتنے دن - بس اب تو کچھ ایسا کرنا چاہیئے کہ یہاں ہی رہیئے زینت النسا آپکو روز یاد کیا کرتی تھیں - اُٹھتے بیٹھتے آپ ہی

کا نام ورد زبان۔ بارے خدا خدا کرکے آپ کی شکل خدا نے دکھائی منھ مانگی مراد ان دونوں بہنوں نے پائی۔ اب آپ یہاں ہی رہئیے۔ زینت النسا کو جو تم سے محبت ہے وہ اُنکا اور تمھارا دونوں کا دل جانتا ہوگا۔ اگر تم چلے گئے تو پھر سمجھ لینا کہ اصیلیں مغلانیاں ہجولیاں لونڈیاں باندیاں طعنے دیدیکر ان کی زندگی وبال کردیں گی۔ اور اُنکو ایک دم بھی زندگی وبال ہوجائے گی۔ ہم لوگ گو عیسائی ہیں مگر عیسائی اور مسلمان میں شادی جائز ہے یہ تم کو نہ جانے دیں گی اور نہ تم انکو چھوڑ کر جاؤ گے اسی باغ میں ہم کمرہ یا بنگلہ بنوا دیں گے مزے سے زندگی بسر کیجئے

میاں آزاد یہ گفتگو سنکر عرق عرق ہوگئے۔ ہاں کہیں تو نہیں بنتی نہیں کہیں تو شامت آئے چپ۔ لب بند۔ سناٹے میں تھے کہ کہیں تو کیا کہیں روم جانے کی دھن تو سمائی تھی ہی حسن آرا اور سپہر آرا ہر دم انکے گویا پیش نظر رہتی تھیں اور دل سے لگی تھی کہ چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے ہم روم ضرور بالضرور جائینگے۔ ہرچہ باداباد ما کشتی در آب انداختیم ؂ السعی منی والاتمام من اللہ۔ پیر مرد سے اُنھوں نے مسکرا کر کہا کہ قبلہ وکعبہ ابھی تو میں یہاں ہوں ہی۔ آپ نے جو کچھ فرمایا اُس کا مشکور ہوا لیکن بعد غور و فکر جواب عرض کروں گا۔

پیر مرد گھر کی طرف جانے لگے پوچھا کہ کیوں بھئی وہ تمھارے ساتھ پستہ قامت کون آدمی تھا کچھ اسکی بھی خبر ہے۔ یا یہاں آکر اس سے بالکل غافل ہی ہوگئے۔ واہ اچھا ساتھ دیا۔ تب تو میاں آزاد چکر میں آئے کہ لاحول ولا قوۃ۔ خوجی وہاں ہی پڑے رہے اور ہمیں خیال بھی نہیں رہا لاحول ولا قوۃ۔ گالیاں ہی دیتا ہوگا پیر مرد نے اپنے ایک آدمی کو روانہ کیا اور پتہ دیا کہ فلاں مقام پر جاکر اُنکو اپنے ساتھ لے آؤ اور اس باغ میں ٹھہراؤ۔

میاں خوجی کا حال زار سنئیے کہ چار گھڑی دن رہے تک تو میاں آزاد کے خیال میں غلطاں پیچاں رہے۔ اب آئیں اب آئیں مگر اُنکا پتہ ہی نہیں۔ ندارد۔ اتنے میں انکی گھوڑیا ایک کسان کے کھیت میں چرنے لگی۔ کسان نے للکارا ارے کس کی ٹٹوی ہے ارے اب آپ سُن رہے ہیں مگر بولتے نہیں اُسنے خوب گالیاں دیں آپ بیٹھے سُنا کئے ٹٹوی پر دو چار ڈنڈے بھی پڑ گئے مگر حضرت خاموش۔ جب اُس نے ٹٹوی کو پکڑا اور کانجی ہوس لے چلا تب تو آپ چونکے اور لپٹ کر اُس سے گتھم گتھا کرنے لگے وہ جھلّایا کہ ایک تو کھیت کا کھیت ہمارا ستیاناس کردیا اس سرے سے اس سرے تک چروا دیا۔ اُسپر طرّہ یہ کہ غراتے اور آنکھیں دکھاتے ہیں ایک دھکّا جو دیا تو آپ سلے بیس لڑھکنیاں کھائیں اور سنبھل کر اُٹھے تو ماشاء اللہ وہی خم وہی دم۔ وہی بلوں پر طبیعت غل مچا کر کہا کوئی ہے۔ لانا تو قرولی۔ وہاں تھا کون۔ کانا ٹٹو اور نقد سودہ کا ناٹٹو بھی کانجی ہوس جاتا ہے جب خوجی نے دیکھا کہ وہ کسان ہاری جیتی ایک نہیں مانتا اپنی ہی سی کہے جاتا ہے تو آپکو یہ سوجھی کہ دھم سے ٹٹوی کی پشت پر۔ کسان نے کہا اچھا جہاں گدھے بندھتے ہیں وہاں ہی تم کو بھی ہم باندھیں گے کانجی ہوس کے ایک کونے میں تم بھی باندھے جاؤ گے۔ اور اپنے کو مفت میں الّو بناؤ گے۔ خیر آپ مزے سے اُسکی پیٹھ پر لدے ہوئے چلے اور بار بار قرولی مانگتے جاتے ہیں۔ آگے آگے کسان پیچھے پیچھے ٹٹوی اور ٹٹوی کی پیٹھ پر خوجی۔ کہاں چلے میاں چلے کہاں کانجی ہوس چلے اور کہاں جائیں گے۔ کسان بولا گدھے ہیں یہ کھیت کھائے جاتے تھے اب دھرے گئے۔ پیر مرد کا آدمی جو گیا تو خوجی کا کہیں پتا ہی نہیں۔ وہ کانجی ہوس پہونچے آدمی نے ادھر اُدھر ڈھونڈھا اور کہدیا کہ وہاں خوجی نہ ٹٹو اسباب البتہ گھوڑی اور سائیس حاضر ہے۔

میاں آزاد خانہ برباد اور وہ دونوں اصنام پری زاد اُس گلزار خوش سواد میں چہاں چہاں اور خراماں خراماں تماشائے ریحان ضیمران کرتے تھے کبھی میاں آزاد نے اپنی پیاری زینت النسا کے ہاتھوں میں ہاتھ دیا۔ اور ٹہلنے لگے۔ کبھی اختر النسا کو ساتھ لیا اور روشوں پر سیر کرنے لگے۔ کبھی بیچ میں آزاد ادھر اُدھر پری زاد سرو قامت رشک شمشاد اسوقت ان تینوں بچھڑے ہوؤں کا عجب حال تھا کبھی فرط طرب سے اشک جاری۔ کبھی مارے خوشی کے گریہ وزاری کبھی کھلکھلا کھلکھلا کر ایک نے دوسرے کے چٹکی لی اُسنے قہقہا اُڑایا۔ اُس نے زغن بھری۔ چہار طرف باغ میں اُچکنے لگے اختر النسا بعد مدت آج اسقدر ہنسی تھی۔ ورنہ اس کے شوہر نے اُس کے دل کو مرکز دائرۂ ادبار اور نقطۂ پرکار انتشار بنادیا تھا میاں آزاد کا ساتھ جو گلزار پر بہار میں مطلق العنانی اور آزادی سے ملا تو غنچۂ دل نسیم بہجت کے اہتزاز سے کھل گیا۔ گویا خزانۂ قارون مل گیا نعمت غیر مترقب ہاتھ آئی مُنہ مانگی مراد پائی سمجھی کہ بخت خفتہ بیدار ہوا۔ بیڑا پار ہوا گھڑی گھڑی خدا کا شکر بجالاتی تھی۔ اور بار بار کھلی جاتی تھی۔ چہرہ گلنار تھا۔ گر دیدہ اشکبار تھا۔ سکندر نے ظلمات میں وہ نہیں پایا جو زینت النسا نے شربت دیدار آزاد میں پایا۔ اختر النسا تو مریض عارضۂ غم دائم تھی اُن کو کیا دکھا کہ گویا مسیح آسمان چہارم سے اُتر آیا۔ بڑی دیر تک باغ پر فضا دلگزار دلکشا میں جھوم جھوم کر چل قدمی کی زینت النسا محو دیدار۔ اختری باغ وبہار۔ گر آزاد ظاہر میں خوش باطن میں دلفگار۔ وہ دونوں بہنیں سمجھتی تھیں کہ میاں اب یہاں سے نہ جائیں گے نہ جائیں گے۔ اسی کلبۂ احزان کو منور فرمائیں گے۔

اختری سمجھی کہ اب زینت النسا کے ساتھ انکا نکاح ہوگا زینت النسا کھلی جاتی تھی کہ اب ہمارا بیاہ ہوگا۔ مگر آزاد کو حسن آرا کی دُھن تھی یہی ادھیڑ بُن تھی۔ وہ یہاں تھے مگر دل کہیں اور تھا سُوچتے تھے کہ خداوندا جس گھڑی ہم ان دونوں سے رخصت ہونگے وہ بھی کیسی قیامت کی گھڑی ہوگی۔ کہرام مچ جائیگا۔ حشر سامنے آنکھوں کے نظر آئیگا۔ شور محشر بپا ہوگا۔ ستم کا سامنا ہوگا۔ اختر النسا کی جان خدا نخواستہ ہونٹوں پر آئے گی۔ زینت النسا اپنے دل میں شرمائے گی کہ یا الٰہی یہ کیا ہوا۔ آزاد نے دو گھڑی کو آن کر مفت کا رنج دیا۔ ع نیا غم دے گئے دم بھر کو آکے ؎ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ اختر النسا نے کہا کہ اب چلئے مہتابی پر چل کر بیٹھیں گے تو لیٹے لیٹے خوب باتیں ہونگی۔

میاں آزاد سوچے کہ ہم بھی واللہ کتنے خوش نصیب آدمی ہیں جہاں جاتے ہیں جس سے ملتے ہیں جو دیکھتا ہی جس سے ملاقات ہوتی ہی سب سے یہی پیغام سنا کہ نکاح پڑھوا لو جو کہیں ہم بیاہ کرنے پر مستعد ہوں تو ایک ایک شہر سے ایک ایک درجن بھر بیویاں لائیں کھانچی کی کھانچی جورو دُولہا ہی سے بھر جائے۔ معقول ابھی منڈی مقرر کی ہی۔ ایک دو نہیں کھانچی بھر کے حسن آرا سپہر آرا۔ اللہ رکھی۔ زینت النسا۔ اختر النسا۔ جس کو چاہوں بیاہ لوں۔ مگر حسن آرا کے سوا اور سب حرام ہیں۔ لیکن پیر مرد بھی واللہ کیا بے تکلف بزرگ ہیں کیسے مزے مزے ہم سے کہا کہ اس چمنستان بیخزاں میں وہ طلسمات کا سماں ہو کہ چکا چوند کا عالم ہو نظر نہ ٹھہرے۔ زینت النسا تمہاری عاشق زار ہی۔ اور اُسکا عشق صادق ہی بھلا ممکن ہی کہ تم اسکو چھوڑ کر جاؤ خود بھی صدمہ مفارقت اُٹھاؤ اور اُسکو بھی تڑپاؤ واللہ ایسے بے تکلف بوڑھے بھی نہ دیکھے ہونگے مگر وہ بھی سمجھے کہ ایسی سیمتن کے لیے شوہر بھی گلبدن چاہئے اور آزاد ہی کا سا غنچہ دہن چاہئے۔ مگر جو وقت

ہم نے اختر النسا کا حال زار دیکھا تو کلیجہ منہ کو آیا۔ ہندوستان کی رسوم مذموم سے خدا سمجھے۔ یہ شادی ہے یا رنج والم کی خانہ آبادی ہے۔ یہ شادی ہے یا خانہ بربادی۔ میاں کوہ ہماچل کی سیر کر رہے ہیں بیوی مدراس کے بندر میں اُچک رہی ہیں۔ اور یار لوگوں نے شادی ٹھہرائی ہے۔ شوہر سندربن میں۔ جورو جھالراپاٹن میں اور جھپ سے جنم پتری اور کنڈلی دکھا کے بھوری کی تیاری کر ہی تو دی۔ ع۔ خانہ ملاح در چین ست و کشتی در فرنگ ؎ یہاں تو والدین کی یہی نیت رہتی ہے کہ لڑکی کو کسی طرح بھاڑ میں جھونک ہی دیں یا اندھے کنوئیں میں ڈھکیلیں اختر النسا کے بچانے سمجھ بوجھ کر شادی کی ہوتی تو یہ روز بد کیوں دیکھتی اس کی کیوں حالت اس درجہ زار ہوتی۔ رنج والم سے کیوں دوچار ہوتی۔ زینت النسا کیوں صید انتشار ہوتی۔ ان باتوں پر جب ہم غور کرتے ہیں تو جی جلتا ہے اور بے اختیار کلیجہ منہ کو آتا ہے مگر اپنا بس ہی نہیں چلتا ہے۔ کریں کیا۔ کہیں کس سے یہ سوچے کہ کل صبح کے وقت یہاں سے بستر اُٹھائیں اور سیدھے روم ہی جائیں۔ بس راستے میں کہیں بسیرا نہ کریں اس میں جئیں یا مریں۔ لیکن زینت النسا نے کیا کہیں اختر النسا سے کیونکر رخصت لیں وہ تو رو رو کے اپنا حال خدانخواستہ تباہ کر لیگی ناکوں دم آجائیگا۔ مگر بخت خفتہ نے یاوری کی اور خدا نے انکی سن لی۔ جب مہتابی پر جا کر فرش مکلف پر بیٹھے اور چاندنی نے بستر میں کھیت کیا اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلیں تو زینت النسا نے کہا کہ میاں آزاد کہو ان پہیلیوں میں سے کبھی کوئی یاد ہے۔ اختر النسا بولی ہاں ہاں میرے آزاد تمھیں اللہ سوں کوئی پہیلی بجھواؤ۔ بہت دن ہوئے کوئی چیستان سننے میں نہیں آئی۔

آزاد۔ اچھا بوجھیے۔

اختر کلنگ بے دم — نے جو خورد نہ گندم
آبے خورد ز دریا — فیضے دہد بہ مردم

اختر النسا۔ حقہ ہے۔

زینت النسا۔ واہ کہیں ہو نہیں۔ ایسی بڑی بوجھنے والی آئیں۔ ہم بتائیں۔ دیکھو۔ بادل۔ کیوں۔

آزاد۔ ہاں ابر ہے۔ اچھا اور بوجھیے۔

آں چیست دہن ہزار دارد — در ہر دہنے دو مار دارد
شاہیست نشستہ بر سر تخت — آن را ہمہ در قمار دارد

اختر النسا۔ ہزار دہن۔ یہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔

زینت النسا۔ گنتی کیسی۔

آزاد۔ کچھ نہ بتائیں گے جو پابند صوم و صلوٰۃ ہیں وہ خود ہی سمجھ جائیں گے۔

اختر النسا۔ اہاہا۔ میں سمجھ گئی۔ اللہ کی سوں سمجھ گئی۔ بیشک تسبیح ہے (کود کر) کیوں کیسی بوجھی۔ تسبیح ہے۔ ضرور تسبیح ہے۔

آزاد۔ ہاں اچھا یہ تو کوئی بوجھے بھلا۔ تن گور دکھ سا نو زد رہیں سمندر تیر۔ ارے! توبہ یہ نہیں کہیں گے۔ اور سنیئے۔

راجا کے گھر آئی رانی — اد گھٹ گھاٹ وہ پیوے پانی
بار ے لاج کے ڈوبی جاے — ناحق چوٹ پڑوسی کھاے

زینت النسا۔ وہ رانی کیسی جو اد گھٹ گھاٹ پانی پیوے اور پڑوسی کے چوٹ کھانے سے کیا علاقہ۔ ہماری سمجھ وجھ میں نہ آنے کی بتا دو۔ بس اب بوجھ چکے۔

اختر النسا۔ واہ۔ دیکھو بوجھتے ہیں۔ گھڑیال ہے۔

آزاد۔ واللہ خوب بوجھی۔ اچھا اب کی بوجھیے۔

ایک نار سبھا میں جب آئے	ساری سبھا بھوچک رہ جائے
جا تر جا تر دا اکے یار	مورکھ دیکھیں مونھ پسار

زینت النسا۔ (تھوڑی دیر غور کر کے) اسکو کوئی بوجھ دے تو مٹھائی کھلاؤں۔

آزاد۔ یہ اسوقت یہاں موجود ہے۔ بس اتنا اشارہ بہت ہوتا ہے سمجھ جائیے۔

اختر النسا۔ ہم ہار گئے اب آپ بتا دیں۔

آزاد۔ بتا ہی دوں پھر یہ چیستان کی پہیلی ہے۔

زینت النسا۔ ارے اُف کتنی موٹی بات پوچھی اور ہم نہ بتا سکے۔ توبہ توبہ۔

اختر النسا۔ اچھا بس ایک اور کہہ دیجئے پھر نہ کہئے گا بس ایک ہندی کی پہیلی ہو یا خیر جانے دیجئے آپ کو کہانیاں بہت سی یاد ہیں۔ کوئی کہانی ہی کہئے۔ مگر اچھی کہانی ہو لڑکوں کے بہلانے کی نہ ہو۔

زینت النسا۔ ہاں کہانی سنے کو بہت دن ہوے۔

آزاد۔ ایک ملک میں جسکا ہر کوچہ دبرزن خوش سواد اور چپہ چپہ آباد تھا دو بہنیں رہتی تھیں دونوں خواندہ و تربیت یافتہ دونوں گلفام و نازک اندام۔ دونوں پری رو اور یاسمن بو۔ دونوں حسین و زہرہ جبین۔ دونوں حیا پرور اور پاک نظر۔ دونوں عفت مآب و عصمت انتساب۔ زہاد اُنکے شیدا دیندار اُنپر فدا وہ عشوہ گری وہ شان دلبری کہ واہ جی واہ۔ ایک عالم اُن کے گل عارض پر ہزار جان سے مفتون۔ وہ لیلیٰ اور خلق مجنوں۔ انداز معشوقانہ۔ چال مستانہ۔ شوخ و چالاک۔ مثل بلبل مست و بیباک۔ باغ پر فضا میں بہار روح افزا۔ اور بیچوں بیچ میں ایک قصر دلکشا۔ کہیں تختہ گلاب کہیں لالہ شاداب کہیں موروں کی سریلی جھنکار۔ کہیں پپیہوں کی پکار۔ چو طرفہ سبزہ زار پر بہار۔ اور قصر فرح بخش کے نیچے رود بار۔ اس میں رنگین بجرے چھوٹتے تھے اور صاف مزاج جوان نظارہ بازی کے مزے لوٹتے تھے۔ حسن اتفاق سے اک جوان طناز کی اُن بتان نازک انداز سے آنکھ لڑ گئی۔ اسکی اُنپر اور اُنکی اُسپر نظر پڑ گئی عشق نے طرفین سے زور کیا اور صدمہ ہجر نے بالکل بھکور کیا اُنکا دل پر اضطراب باغیں صدمہ مفارقت کی تاب نہ جدائی کی تاب وہ اُدھر سر دھنیں یہ ادھر سنکے جنیں۔ نہ اُن کو چین نہ اُن کو آرام عیش و عشرت کو دور ہی سے سلام آخر کار جذب دل نے دونوں کو ملا ہی دیا۔ وصال نصیب ہوا کچھ دن بجروں پر خوب سیر دریا کی اور ایک دوسرے کی محبت آزمائی مگر شادی کا حرف غلط حیا سے لب تک نہ آیا۔ دونوں میں سے ایک نے بھی کچھ عرصہ تک اپنا مافی الضمیر نہ بتایا۔ مگر آنکھیں ہی ترجمان دل تھیں کہنا سننا کیا تھا۔ عشق بھی کہیں چھپانے سے چھپ سکتا ہے کیا مجال عاشق کا گریبان اور چاک نہ ہو محال بلکہ محض محال۔ اُس جوان کو عشق خام نہ تھا انکو عشق برائے نام نہ تھا عشق صادق تھا مگر بخت نا مساعد و نا موافق تھا۔ آخر کار ایک روز سعید بعد از عید اس جوان طناز نے اپنی منظورہ ملائک نظر زیب عدوے صبر و شکیب کو باغ روح افزا میں تنہا مصروف سیر چمن پا کر جی کڑا کر کے کہہ ہی دیا کہ اب تو مصاحبت کو عرصہ ہوا ایک التماس عجز اساس ہے اگر سن لو اور قبول کرو تو شاہد آرزو سے ہم آغوش ہو جاؤں اور گل مراد سے بھری جھولی لیجاؤں اُس نے مطلب کی بات جانی اور کسی قدر تنک ہو کر یوں زبان پر لائی کہ بس ذرا دور ہی سے بات چیت رہے ہاں تو آپنے پیٹ سے پاؤں نکالے۔ ماشاءاللہ آپ بھی چرکنے لگے۔ اے تیری قدرت ذرا آئینہ میں منھ تو دیکھئے۔

یہ شکل یہ صورت یہ دشتیوں کی سی قطع یہ جنگلیوں کی سی وضع اور یہ شوق یہ ذوق آج سے آپ ہمیں صورت نہ دکھایئے گا اور دکھایئے گا تو باغ میں نہ آیئے گا جوان طناز تو مزاج دان معشوقان شیریں انداز تھے ہی تاڑ گئے۔ اور تھوڑی دیر سکوت کرکے منھ بنایا اور یہ شعر پڑھتے ہوئے چلے۔ ؎

محفل سے تیری اوبت نا آشنا چلے
آئے تھے درد و رنج اُٹھانے اُٹھا چلے

جب اُس سیمتن نے دیکھا کہ اُسکا عاشق زار اُٹھ کر چلا تو بگڑی ہوئی بات یوں بنائی کہ اے ہے یہ کج ادائی۔ عاشق تو ہوئے مگر خیر سے مزاج میں معشوق پن ہے تو ہم پر بھدا رکھ کر نہ جایئے گا جوان نے آہ سرد بھر کر کہا کہ ؎

محفل سے تیری اوبت نا آشنا چلے — آئے تھے درد و رنج اُٹھانے اُٹھا چلے

اپنے دل میں سمجھ گئے کہ مطلب نکل آیا اور آہستہ سے یہ شعر پڑھا۔ ؎

بہت نزدیک ہیں ہم عاشقوں سے کوچۂ جاناں
تھکے ماندے مسافر آ گئے ہیں پاس منزل کے

وہ حسین دلفریب خوش ادا مسکرائی اور یہ شعر پھر زبان پر لائی۔ ؎

ہوا بیہوش مجنوں دیکھتے ہی جلوۂ لیلےٰ
پڑے غفلت کے پردے اُٹھ گئے پردے جو محمل کے

الغرض کئی مہینے تک یہی بات چیت رہی آخر کار جوان طناز سے اُس بت سراپا انداز سرمست خوبی محو ناز نے کہا کہ ہم تم راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ لیکن ایک شرط سے نکاح کریں گے اور وہ پوری ہو تو ہم بہرحال بیاہ کریں گے۔ وہ یہ کہ تم روم جاؤ اور وہاں سے سُرخ رو ہو کر آؤ۔ روسیوں کے ظلم سے اہل اسلام کو بچاؤ اور تمغہ مجیدی لگاؤ۔ جوان طناز نے یہ شرط منظور کر لی۔

اختر النسا۔ سچا عشق تھا۔ عشق خام نہ تھا۔

آزاد۔ مگر وہاں سے چلے تو راہ میں نیت ڈانواں ڈول ہو گئی۔ کسی اور کے ساتھ شادی کر لی اور اُس کو جل دیا۔

اختر النسا۔ توبہ توبہ بڑا بُرا کیا۔ بڑی حماقت کی۔ بڑی غلطی کی سچا عشق نہ تھا بس زبانی ہی داخلہ تھا۔ یا وہ گرما گرمی یا یہ سرد مہری۔ یا بہ آن شور اشوری یا بہ ایں بے نمکی۔

زینت النسا۔ رنج ہوا جو اسقدر عاشق زار تھا تو جو دیکھی آنکھ نہ ڈالتا روم جاتا اور پھر جاتا۔ مگر کوئی مزوّر مکار عیار فقرہ باز تھا۔ عاشق نہ تھا۔ عاشق ہوتا تو روم جاتا۔ ایک نہ مانتا۔

واہ رے آزاد۔ سفر کرتے کرتے ایک ہی کائیاں ہو گئے تھے کس چلکے سے اُن دونوں کی زبان سے قبولوا لیا کہ روم جانا پڑے ضرور ہے۔ وہ بیچاری کیا جانتی تھیں کہ جوان طناز کے پیرایہ میں یہ اپنا ہی حال کہہ رہے ہیں اور ہم کو جھانسا دے رہے ہیں اُنھوں نے سادگی سے کہہ دیا کہ روم ضرور جانا چاہیئے تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میاں آزاد نے زینت النسا سے دست بستہ کہا کہ پیاری زینت النسا جو کہو وہ کروں یہ میں نے اپنی ہی داستان درپردہ سنائی اور اپنی ہی حالت زار بتائی۔ اب جو حکم دو وہ منظور جو صلاح بتاؤ وہ قبول۔ ایک کافر پر دل آیا ہے اور اُسی نے وعدہ فرمایا ہے کہ روم جاؤ اور وہاں سے نیکنام ہو کر آؤ تو شہنائی ہمارے دروازہ پر بجے اور برات سجے۔ یہاں تم کو دیکھا تو اب قدم نہیں اُٹھتا مگر اپنی بات کا پاس ہو تو صلاح معقول دو۔ اور قسم لو جو تمھاری صلاح کے خلاف عمل میں لاؤں تو سور ہی بنجاؤں اسقدر سننا تھا کہ اختر النسا کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور زینت النسا کا رنگ فق ہو گیا۔ سکتے کا عالم تھا۔ ایک نے زور سے کہا ہائے۔ دوسری تڑپ سے فرش پر گر پڑی اور کراہنے لگی۔

اختر النسا۔ ہائے تو پھر آئے یہاں کیا کرنے۔ ذرّت کے

دھڑکے نے مار ڈالا۔ اب دن کو آہ و زاری اور شب کو اختر شماری رہے گی۔

زینت النسا۔ خدا کرے ہم خواب دیکھ رہے ہوں۔ آزاد تم ہمارے دشمن نکلے۔ آرزو کی کمر توڑ چلے ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ ؎

شکوہ نہیں جو آپ ہیں اب پوچھتے نہیں ۔ وہ شکل مٹ گئی وہ شباہت نہیں رہی

آزاد۔ شکل وہی شباہت وہی نخوہ وہی وجاہت وہی جوبن وہی ملاحت وہی شباب وہی آب و تاب وہی ہم وہی۔ مگر۔

زینت النسا۔ مگر کچھ گردی کی دھن سمائی ہے۔ شیطان نے انگلی دکھائی ہے۔ کسی پری رو پر طبیعت آئی ہو۔ ؎

لیے پھرتا ہے مجھ کو جا بجا دل ۔ مرا لیے چین میرا چلبلا دل

اختر النسا۔ باجی اب انکو یہی صلاح دو کہ رو دم جائیں مگر قول و قرار کر لو کہ جب واپس آئیں تو ہم سے بھی ملیں نہیں بھول نہ جائیں۔

آزاد۔ کیا مجال۔

اتنے میں باہر سے آواز آئی کہ نہ ہوئی قردلی ورنہ خون کے شرانٹے بہنے لگتے۔ کئی آدمیوں کا خون ہو گیا ہوتا۔ وہ تو کہئے خیر گذری ورنہ ستم ہی ہو جاتا۔ میاں آزاد نے پکارا بھائی خوجی ہیں۔ میاں خوجی نے کہا واہ۔ واہ۔ واہ کیا ساتھ دیا۔ ہمکو چھوڑ کر بھاگے اور بھاگے تو خبر بھی نہ لی۔ یہاں کسان سے ڈنڈا چل گیا کانجی ہوس میں ایک برقنداز سے لاٹھی پونگا ہو گیا۔ اور یہانتک آتے آتے نہ جانے کتنے آدمیوں سے گلمپ ہوئی۔ آپ کو کیا۔

آزاد۔ اجی چلو صحیح سلامت تو آئے اب تنگ تو نہ اُتارو لاہ گھانس دانس کھاؤ اور یہاں تک آ گئے کیوں کر آپ۔

خوجی۔ اجی وہی بوڑھے بزرگ راہ میں ملے وہ یہانتک لے آئے ورنہ کانجی ہاؤس میں واقعی گھانس ہی کھانے کی نوبت آتی خوجی نے باہر بستر جمایا اور کھانا کھایا۔ اور حقہ گڑگڑانے لگے۔

میاں آزاد خانہ برباد نور کے تڑکے زینت النسا اور اختر النسا سے رخصت ہوئے۔ زینت النسا مغموم و گریاں۔ اختری مصروف آہ و فغان روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ میاں آزاد بھی رقیق القلب آدمی زار زار رونے لگے۔ آخر کار دونوں کو سمجھایا کہ اس رونے دھونے سے بجز اس کے کہ خود بھی ہلکان ہو اور ہم کو بھی حیران کرو اور دل کو کڑھاؤ کیا نتیجہ نکل سکتا ہے اس سے یہی بہتر ہے کہ سکوت اختیار کرو اور مشیت ایزدی سے انسان کو مجبور سمجھ کر خاموش ہو رہو۔ تو میں اپنی تصویر دیئے جاتا ہوں اسکو جان سے زیادہ عزیز رکھنا۔ خدائے پاک کی قسم میں خطوط بھیجتا رہوں گا اور جب واپس آؤں گا تو پہلے تم سے ملوں گا پھر کسی اور سے۔ یہ کہکے پانچ اشرفیاں زینت النسا اور پانچ اختر النسا کو دیں اور زینت النسا کے چچا اور چچی کو بلا کر یوں سمجھایا۔

قبلہ دکعبہ آپ بزرگ ہیں۔ اب کلہ بکلہ آپ سے کون لڑے مگر جاہے آپ برا مانیں چاہے بھلا۔ اتنا تو ہم ضرور کہینگے نیچ کھیت کہینگے ڈنکے کی چوٹ کہیں گے کہ آپ نے اختر النسا بیچاری کو زندہ در گور کر دیا جیتے جی مار ڈالا۔ دین کا رکھا نہ دنیا کا۔ آخر سوچو تو کہ یہ تم کو سوجھی کیا اتنے بڑے بوڑھے ہوئے اتنا نہ سوچے کہ اس غذائی خوار گدھے اسوار کو جو لڑکی دونگا تو اسکی ساری عمر مفت میں برباد ہوگی یا نہ ہوگی آدمی اپنی لڑکی کو بیاہے تو ذرا تو سوچے کہ داماد کیسا ہے۔ سلیقہ شعار ہے یا بدتمیز۔ شہدا ہے یا ہر دلعزیز یہ نہیں کہ شہدوں لفنگوں اوباشوں بدمعاشوں کے حوالے کر دیا اس بیچاری کو ساری عمر آپ نے آتش غم میں جلایا اور اسکے

حسن و جوانی کو خاک میں ملایا۔ اُنکے میاں پاک بنیا کے چھٹے ہوئے شہدے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ یہ آپنے کیا ستم ڈھایا خیر جو ہوا وہ تو ہوا ہی اب فرمائیے کہ اب بھی کوئی تدبیر ہے۔ یا اختر النسا سے ہاتھ ہی دھو بیٹھیں اور اپنی قسمتوں کو رو بیٹھیں وہ کچھ لکھا پڑھا بھی ہے یا بالکل کورا۔ الف کے نام بے نہیں جانتا میں تو ایک اجنبی آدمی ہوں میں بلاتا تو وہ بھڑک جاتے اور کہنا بھی نہ مانتے مگر آپ بلائیے اور کسی روز سمجھائیے کہ آخر کار کچھ انجام بھی سوچتے ہو یا تمام عمر شہدوں ہی کی صحبت میں صرف کروگے اور پند و نصائح کیجئے۔ شاید راہ راست پر آئے۔ اور اپنے دل میں اپنے افعال ناشائستہ پر شرمائے اور پھر آیندہ ایسی حرکات لغو سے باز آئے۔ گفتہ گفتہ اثرے دارد۔ اور اگر وہ سیدھے ڈھرے پر نہ آیا اور آپ کا کہنا اُسنے نہ مانا تو خیر مجبوری ہے۔ یا قسمت یا نصیب یا بخت۔

پیر مرد نے یہ نصیحت سن کر ایک آہ سرد کھینچی اور کہا کہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی۔ کیا ہم کو اختری کا پیار نہیں۔ کیا ہم اس بیچاری معصوم کو گرفتار رنج و محن دیکھ کر خوش ہوتے ہیں ہرگز نہیں مگر کریں کیا اب تو جو ہوا سو ہوا۔ اور اس بدبخت لڑکے کو سمجھائے کون۔ سنا نہیں۔ ﮧ

حضرت ناصح جو آئیں دیدہ و دل فرش راہ
پر کوئی آنا تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا

بس وہ کچھ چلتے پڑھا لکھا بھی واجبی ہی واجبی ہے۔ ہم تو ہاتھ ملکر رہ گئے اب آپ پوچھیے گا کہ آخر لڑکی دی ہی کیوں ایسے جاہل شہدے کو۔ اس کا جواب بجز انفعال کے اور کیا ہے۔ سکوت اور پشیمانی ہی اسکا جواب ہے۔ افسوس کیجے سے اب کیا ہوتا ہے۔ میاں آزاد نے کہا کہ واہ رے انگریزو۔ واللہ انکے یہاں کتنی عمدہ رسم ہے کہ جبتک نوکر چاکر نہو تب تک شادی نہیں کرتے وہ شادی کرنی بھی نہیں چاہیں مگر اُنکو لڑکی کون دے۔ اور اگر کوئی بیوقوف لڑکی دینے پر آمادہ بھی ہو جائے تو لڑکی بھلا کب منظور کرے۔ خلاصہ یہ کہ جبتک اُن کو بخوبی معلوم نہیں ہو لیتا کہ ہم اپنے بال بچوں کی اچھی طرح سے پرورش کر سکیں گے تب تک ممکن نہیں کہ بیاہ ہو۔ اس سبب سے وہ مزے مزے سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور ہندوستانی مصیبت کے شکنجے میں اپنے آپکو جکڑ دیتے ہیں۔ عاقبت اندیشی کی دم میں موٹا سا رسا۔ اور آخر بینی کی ایسی تیسی۔ چاہے فاقے کرتے ہوں مگر بیاہ ضرور کریں گے انجام یہ ہوتا ہے کہ جورو وبال اولاد کے جنجال اپنے ساتھ اسکی مٹی بھی پلید کرتے ہیں اور عمر بھر رنج و غم سہتے ہیں شادی کے معنے خوشی ہیں مگر ہندوستان کی شادی کبھی کبھی غم کے معنی پر استعمال میں آتی ہے۔ شادی کا متقابل لفظ یہاں خانہ بربادی ہے اور انگلستان میں شادی اور خانہ بربادی الفاظ متناقض سمجھے جاتے ہیں۔ شادی اور خانہ آبادی الفاظ متقابل ع۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ افسوس ہے کہ اختر النسا سی نیک نہاد پریزاد والا نژاد اور ایسے دبی خرد دشمن تہذیب عدوے عقل کے پالے پڑے الامان۔ الامان۔ الحذر الحذر۔ اب اس غلطی سے آپکو آیندہ کے لیے نصیحت حاصل کرنا چاہیئے۔ زینت النسا کی ذرا سمجھ بوجھ کر شادی کیجیے گا۔ ایسا نہو کہ اس بیچاری کو بھی کسی لفنگے کے حوالے کیجیے۔ اگر زینت النسا کسی اچھے گھر بیاہی جائے اور اسکا شوہر بھی فہمیدہ و سنجیدہ آدمی ہو تو اختر النسا کے بھی کسی قدر آنسو پچھیں کہ خیر میں تو دین و دنیا دونوں سے ایک کی بھی نہ رہی بہن تو خوش و خرم ہے۔ یہی سہی۔ چار دن جو کبھی بہن کے یہاں رہنے جائے گی تو وہاں تو دو گھڑی جی خوش ہو گا۔ بڑی ڈھارس

ہو گئی۔ ہم تو ہندوستان کی رسوم مذموم دیکھتے دیکھتے عاری ہو گئے ہندیوں کا قاعدہ ہے کہ جہاں کہیں انگریزی خواں نے عقل کی بات کہی اور اُنھوں نے کافر اور خاطی کہنا شروع کیا جہاں کسی رسم بد کا ذکر زبان پر آیا اور جھلا اُٹھے۔ روز دیکھتے ہیں کہ ان رسوم کا انجام کیسا بد ہوا ہے کس قدر خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور پھر نہیں مانتے نہیں مانتے۔ رسم کو مذہب پر بدرجہا ترجیح ہے اور رسوم کا حال معلوم۔ ہندوستان کی حالت پر ہمیں افسوس آتا ہے۔ ؎

بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل	جو تری بزم سے نکلا وہ پریشاں نکلا

اب بندہ رخصت ہوتا ہے۔ مگر آپ کو اپنے ایمان اور میری جان اور قرآن کی قسم ہے کہ زینت النسا کی شادی دیکھ بھال کر کیجئے گا اختری کی طرح اندھے کنوئیں میں نہ ڈھکیل دیجئے گا۔ میں روم سے واپس آکر سیدھا یہاں ہی آؤں گا اور یہاں سے پھر جہاں جانا ہوگا جاؤنگا۔ یار زندہ صحبت باقی۔

یہ کہکر میاں آزاد اُن دونوں نوعروسان پری زاد و رشک شمشاد سے رخصت ہونے لگے تو انھوں نے چلا چلا کر اس قدر رونا شروع کیا کہ خوجی تک کا بھی دل بھر آیا کہرام مچ گیا پٹّس پڑ گئی لونڈیاں اور اصیلیں مغلانیاں آتو ماما۔ نوکر چاکر اپنے پرائے خویش و بیگانہ اور پیر مرد فرزانہ سب کی آنکھوں سے اشک جاری اور ہر ایک پر ایک غشی سی طاری جسے دیکھو نالاں و گریاں جدھر دیکھو آہ و فغاں۔ الاماں۔ الاماں۔

آزاد۔ پیاری اختری اور پیاری زینت النسا۔ خدا گواہ ہے کہ اسوقت اگر مجھے موت آجائے تو تمھارے دروازہ پر دم توڑ دوں تو میں سمجھوں کہ جی اٹھا مجھے خوب معلوم ہے کہ میری مفارقت تمھاری زندگی کے ساتھ وہ کرے گی جو شمشیر گردن اور خنجر تن کے ساتھ کرتا ہے مجھے کسی ایسی ویسی جگہ جانا ہوتا تو خیر کچھ مضائقہ نہ تھا لیکن ایک ایسی مہم عظیم پر جانا ہے کہ کوئی سچا اور پکا مسلمان مجھے باز نہیں رکھ سکتا روسیوں نے ترکوں پر یورش کی ہے اور حمیت اسلام اب اسی کی مقتضی ہے کہ ہم وہاں جائیں اور ترکوں کا ہاتھ بٹائیں اگر مر گئے تو شہید ہوئے اور زندہ رہے تو سرخرو اور نیکنام ہوئے دلی مراد پائی اور فائز بمرام ہوئے۔ لیکن جب تک ہمیں تمھارا زار زار رونا یاد آئے گا قدم نہ اٹھے گا۔ پس اگر مناسب سمجھو تو ہمیں ہنسی اجازت دو اور ہنسی خوشی رخصت کرو۔

زینت النسا۔ (کلیجہ تھام کر) فی امان۔

فی امان اللہ کہنے کو تھی۔ مگر مارے رنج کے پورا فی امان اللہ زبان سے نہ نکلا صرف فی امان کہکر زبان بند ہو گئی اور کوئی کلمہ زبان سے نہ نکلا نہ نکلا۔

اختر النسا۔ (آنسو پونچھ کر) اب منزل کھوٹی ہوتی ہے بسم اللہ کیجئے خدا حافظ

میاں آزاد نے رکاب پر پاؤں رکھا اور پشت توسن پر ہو رہے خوجی بھی اپنی ٹٹوی پر لدنے ہی کو تھے کہ رکاب سے پاؤں پھسلا زین پوش کاٹھی واٹھی الم غلم جو کچھ تھا میاں خوجی کے کرّے زمین پر آرہا۔ اور خوجی لڑھکے تو زین پوش اور زین اوپر اور وہ نیچے گو وہاں سب کے سب رنج و غم میں گھرے میاں آزاد کو حسرت کی نظر سے بصد یاس دیکھ رہے تھے اور دعا مانگتے تھے کہ خداوندا یہ نوجوان سرخرو آئے لیکن ادھر خوجی جو لڑھکے تو ہنسی آہی گئی سب ہنسنے لگے۔ اب لطیفہ سنئیے کہ خوجی قطب بن گئے جہاں گرے وہیں پڑے رہے اُٹھتے ہی نہیں۔ آزاد نے کہا کہ حضرت اب اُٹھیے۔ وہ چپ چاپ پڑے آنکھیں کھول کھول کر دیکھ رہے ہیں اتنے میں پیر مرد نے انکو اُٹھایا اور گرد و غبار جھاڑ جھوڑ کر زین کو کسا اور گود میں اُٹھا کر ٹٹوی کی پیٹھ پر بٹھا دیا۔ خوجی نے

ایک دفعہ ہی غل مچایا کہ ہائے نہ ہوئی قرولی ورنہ ٹٹو کی گردن اسوقت تن سے جدا کر دیتا۔ زینت النسا نے کہا کہ لو آزاد تم نے منھ مانگی مراد پائی ہنسی خوشی جاتے ہو جسطرح پیٹھ دکھائی اسی طرح اللہ کرے منھ بھی دکھاؤ۔ اختر النسا نے کہا آمین اور میاں آزاد نے گھوڑے کی باگ اُٹھائی تو دم کے دم میں نظر سے اوجھل خوجی بھی ٹٹو کو ایڑ لگاتے چلے جاتے ہیں۔

آزاد۔ یار تم بوڑھے ہو گئے مگر تمیز نہ آئی۔ مفت میں اپنے آپکو ہنسواتے ہو اور ہمیں ذلیل کراتے ہو۔ بھلا یہ اسوقت آپ کی یہ کیا لغو حرکت تھی۔

خوجی۔ تسلیم پیر و مرشد۔ واہ۔ واہ۔ واہ اچھی لغو حرکت ہے ایک شخص تو پہاڑ سے گر پڑا چوٹ کی چوٹ آئی اُلّو کا اُلّو بنا آپ فرماتے ہیں کہ یہ کیا لغو حرکت تھی ماشاء اللہ خیرا۔ کبھی تو جو ہوا وہ ہوا اب جو کروں گا تو آپ سے اجازت حاصل کر لوں گا۔

آزاد۔ لاحول ولاقوۃ۔ ارے بھئی میں یہ تھوڑا ہی کہتا ہوں کہ آپ گرے کیوں اور گرے تو پوچھا کیوں نہیں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ پھر اتنی دیر تک اُٹھے کیوں نہیں یہ کیا لغو حرکت تھی۔ اور یہ آپ نے کیا فرمایا کہ پہاڑ پر سے گرے۔ یہ ٹٹو ہی آپکے نزدیک کوئی کوہ رفیع ہے۔ ذرا سا جانور بشیر کے برابر قد۔ اُسکو آپ پہاڑ سمجھتے ہیں معقول

خوجی۔ بس اسی سے کہتے ہیں کہ آپ نرے جاہل لونڈے ہی ہیں جی میں نے دیکھا کہ جو ہے وہ موٹے موٹے آنسو بہا رہا ہے سرور پیٹے چلا رہا ہے۔ شور و غوغا مچا رہا ہے۔ آسمان سر پر اُٹھا رہا ہے سوچا کہ اگر ان کو نہ ہنسایا تو خوجی نام نہیں۔ زین کسا تو ڈھیلا اور رکاب پر اس زور سے پاؤں رکھا کہ زین اوپر اور بندہ درگاہ نیچے چلیے پھر کیا تھا چوطرفہ قہقہہ پڑنے لگے۔ زینت النسا بھی مسکرائیں اختر النسا بھی کھلکھلائیں آپ اتنی مرک ہی نہ سمجھے

ع۔ پڑیں پتھر سمجھ پر ایسی تم سمجھے تو کیا سمجھے۔

آزاد۔ آپ نے دیکھا کہ ان دونوں حسین و نازنین پری پیکروں کو ہم سے کس درجہ محبت ہے۔

خوجی۔ دیکھا نہیں تو کیا کچھ اندھا ہوں۔ یا آپکی طرح مجھے بھی دن کو اونٹ نہیں سوجھتا (بلا تشبیہ) کنھیا ہو۔ جہاں جاتے ہو قدر و منزلت ہوتی ہے۔ چین لکھتا ہے اُستاد۔ مگر یہ آپ وعظ کیا دیا کرتے ہیں جہاں بیٹھے لگے پند و نصیحت کرنے۔ اس سے فائدہ۔ آپ کوئی قاضی ہیں یا پادری ہیں یا سادھو ہیں آخر آپ ہیں کون کوئی جانے بڑے واعظ۔

پرانے فیشن کے بزرگوار

میاں آزاد اور خوجی باتیں کرتے ہوئے چلے کہ ایک سایہ دار درخت دیکھ کر ذرا دم لینے کو ٹھہر گئے۔ وہاں اتفاق سے ایک پرانے فیشن کے بزرگوار بھی دری بچھائے بیٹھے حقہ گڑگڑا رہے تھے۔ میاں آزاد سے اور اُن سے صاحب سلامت ہوئی تو اُنھوں نے بھی اُنکے قریب بستر جمایا۔ اب باہم باتیں ہونے لگیں۔

بزرگوار۔ کہاں کے عزم ہیں برادر۔

آزاد۔ روم۔

بزرگوار۔ جزاک اللہ خدا کرے سرخرو آؤ اور غنیم روسیہ کو نیچا دکھاؤ۔ ع لیس للانسان الا ما سعی ٭ ازہد فی الدنیا یحبک اللہ وازہد فیما عند الناس۔ یحبک الناس۔

آزاد۔ اب تو جاتے ہیں روم کو آزاد | پھر ملیں گے اگر خدا لایا

بزرگوار۔ حمیت اسلام اسی کی مقتضی ہے۔ افلاطون کا مقولہ ہے احفظ الناس یحفظک۔ حضرت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ مظہر انوار تجلیات جلالی و جمالی و مجلی آثار عظمت الٰہی و ابہت

ناتمناہی ہیں ایسا ہی فرما گئے ہیں۔ خدا جمیع اہل اسلام کو جو پیرو خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام ہیں ایسے ہی توفیق نیک عطا کرے۔ آمین۔ ومن اللہ الاعانۃ والتوفیق۔ تمہارے چمن دل میں گلہائے توفیق نیک مہک رہے ہیں۔ خدا عمر دراز کرے اور در سعادت تم پر باز رہے۔ آمین آمین ثم آمین۔ فلک الافلاک تک تمہاری ہمت بلند اور طبع ارجمند کا غلغلہ پہونچے گا۔

آزاد۔ فلک الافلاک کے کیا معنے۔

بزرگوار۔ نو کرسی آسمان ہیں کہ نہیں ہیں۔

آزاد۔ آسمان تو کوئی چیز ہی نہیں ہے بس وہم ہے۔ حد بصر اور انتہائے کائنات الجو کا نام آسمان ہے باقی ڈھکوسلا۔ آسمان جسے آپ کہتے ہیں وہ صرف کائنات الجو کی حد ہے۔ باقی خیر صلاح۔

بزرگوار۔ معاذ اللہ۔ آسمان کا مخرج آس اور مان ہے۔ آس مخفف آسیا مان بمعنی مانند۔ یعنی مانند آسیا۔ اسکی گردش بھی چکی کی گردش کی طرح ہے نہ بوضع گردش دولاب دعرش اور اطلس وغیرہ وغیرہ اسکی دو قسمیں ہیں سطح مقعر فلک نہم کو اطلس اور سطح محدب کو عرش کہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ آسمان کوئی چیز ہی نہیں پھر اب آپ سے کون بحث کرے۔

آزاد۔ چہ خوش بود اباشد۔ یک نہ شد دو شد۔ ایک آسمان دوسرے اُس کی گردش۔ سبحان اللہ۔ گردش زمین کو ہے قبلہ گردش فلکی شعرا کا وہم وخیال ہے۔ اور بس جیسے عنقا ویسے گردش فلک۔

بزرگوار۔ ہرگز نہیں استغفر اللہ زمین ساکن اور کرۂ خاک ہے اور آفتاب دائرہ۔

آزاد۔ یونان کا حکیم محقق اور فیلسوف مدقق فیثاغورث زمین کے سکون کا قائل نہ تھا۔ انکے بعد جرمنی کے ایک فاضل اکمل اور عالم اجل نے نظام فیثاغورث کا سکہ بٹھا دیا۔ اب نظام بطلیموس کے چراغ پر زردی چھا گئی اور نظام فیثاغورث کوس لمن الملک بجانے لگا۔ آفتاب البتہ ساکن اور مرکز ہے اور اسکے گرد اگرد زہرہ اور مشتری اور مریخ اور زحل اور عطارد زمین اور نونون ہرشل وغیرہ دورہ کرتے ہیں۔ بھلا یہ بات بھی قرین قیاس سمجھی جائیگی کہ آفتاب جو زمین سے تیرہ لاکھ حصے بڑا ہے وہ اس قدر جلد زمین کے گرد اگرد دورہ ختم کر دے گا۔ ایں خیال است و محال است وجنوں۔

بزرگوار۔ اجی یہ علم لائے کس کے گھر سے۔ کسی علم کے موجد ہیں کیا سب اخذ کیا ہوا ہے۔ حکمائے یونان کے خرمن لیاقت سے نور اقتباس کیا ہمارا علم خاص ہے۔

آزاد۔ انھیں لچر پوچ بادہوا خیالات نے تو ہندوستان کو ستیاناس کر دیا۔ یونان کو آپ اپنا کس دعوے سے کہتے ہیں یونانی بھی تو یوروپین ہیں اگر آپ کی ایشیا میں یونان ہوتا تو خیر آپکو ہنکارنے کا کسی قدر موقع بھی ملتا۔ اب آپ کیا سمجھ کر یونان کو اپنا قرار دیتے ہیں۔ یونان یورپ میں ہے۔ شاید آپ اسکو بھی اپنے ہندوستان ہی میں سمجھے ہیں سبحان اللہ علاوہ کشف وکمالات مورخ ہم بے بدل ہستند۔

بزرگوار۔ یونانی یوروپین کیونکر ہو سکتے ہیں بھلا۔ آپ جھک مارتے ہیں۔

آزاد۔ بجا ارشاد ہوا قبلہ وکعبہ۔ کیا معقول دلیل آپنے پیش کی ہے کہ جی پھڑک گیا۔ لطف یہ کہ فیثاغورث بھی یونانی تھا اور حرکت زمین کا قائل۔ لیکن آپ لوگ دقیانوس کے معصر وہی مرغے کی ایک ٹانگ قائم رکھتے ہیں زمین ساکن ہے اور دعویٰ یہ کہ یونانی

ایسا ہی لکھ گئے حالانکہ یونان کے اکثر حکما گردش زمین کے قائل تھے مگر آپ ایک نہ مانیں گے۔ لاحول ولا قوۃ۔

بزرگوار۔ شیخ الرئیس کا کلام دیکھیے۔

آزاد۔ اجی آپ ان کے کلام کو لیموں لگا کر چاٹیے یہاں اُنکے قائل ہی نہیں۔ نیوٹن اور ہرس اور پروفیسر لاکیر اور گیو کی تصانیف لطیف کو دیکھیے تو آنکھیں کھل جائیں قبلہ۔ جھنڈے گڑے ہوئے ہیں۔ شیخ بیچارے کس میں تھے انکو مانتا کون ہے معدودے چند دقیانوسی خیالات کے آدمی۔ اور جن بزرگوں کے ہم پیرو ہیں ان کے کلام کی امریکہ اور یورپ کے کل علماء و حکماء پیروی کرتے ہیں۔ شیخ تھے کس میں۔ آپ شیخ الرئیس کو لیے پھرتے ہیں

بزرگوار۔ شیخ ابو علی ابن سینا۔ !!!

آزاد۔ جی ہاں۔ شیخ شیخ بو علی سینا۔ سنیئے قبلہ و کعبہ آپنے انگریزی پڑھی نہیں کہ آپ اپنے اور انکے علوم کا باہم مقابلہ کرسکیں پس آپ کی رائے پایۂ اعتبار سے ساقط ہے جن لوگوں نے عربی انگریزی دونوں کو بغور پڑھا ہے اور علوم پر حاوی ہیں وہ ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ جو تحقیق انیق علمائے یورپ نے حال میں کی اس کے مقابل میں تحقیق عتیق ہیچ ہے۔

بزرگوار۔ یہ آپنے کیا فرمایا کہ علوم پر حاوی۔ حاوی تو علم پر کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ جب علم پر آپ حاوی ہوئے تو علم محوی ہو گیا۔ اور محوی صغیر ہوتا ہے۔ علم دریائے ناپیدا کنار ہے جس کی تھاہ ہی نہیں خلاصہ یہ کہ آپ بھی عجیب چیز ہیں۔ نعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

آزاد۔ چہ خوش شیطان کی ایک ہی کہی۔ کیا شیطان کے بھی قائل ہیں آپ۔ اجی قبلہ شیطان کچھ مجسم تھوڑا ہی ہے نفس امارہ ہی شیطان ہے۔

بزرگوار۔ لاحول ولا۔ لاحول ولا۔ آپ تو دہریے معلوم ہوتے ہیں

آزاد۔ میں مومن پاک سچا اور پکا مسلمان ہوں آپ مجھے مرتد اور ملحد بناتے ہیں۔ پس بموجب حکم جناب باری آپ داخل معصیت ہو گئے۔

بزرگوار۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ۔ بھلا کیوں صاحبزادے بہشت اور دوزخ کو بھی جانتے ہو یا ان کو بھی ڈھکوسلا ہی جانتے ہو۔

آزاد۔ قبلہ بہشت اور دوزخ کو دور سے سلام۔ اجی ہم یوں ہی بہی بڑیں بندہ واجبی ہی واجبی مانتا ہو۔ ہاں اتنا ضرور کہیں گے کہ ڈرپوک آدمیوں کے ڈرانے کے لیے یہ بات خوب ہے۔ اور منہیات اور معصیات سے بھی انسان بچتا ہے۔ شرع والوں نے باتیں تو واللہ خوب نکالی ہیں۔ سب کی سب حکمت پر مبنی۔

بزرگوار۔ بھلا قوس کی نسبت علمائے فرنگ نے کیا تحقیقات کی ہے۔ میزری میں تو لکھا ہے کہ جب ابر کے عقب میں کوئی مظلم شے مثل کوہ یا ابر کثیف ہو تو آفتاب کا نور ابر کو منور کریگا۔ پس بعینہ آئینہ کا حال ہو کہ اگر آئینہ کی پشت پر کوئی اوجھے نہو تو صورت بخوبی مرئی نہ ہو گی یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ اگر جسم لطیف کے عقب میں کوئی جسم کثیف ہو تو اس سے شعاع بصر منعکس نہو گی بلکہ خارج ہو جائے گی اسی طرح جب ابر کے عقب میں کوئی جسم کثیف نہ واقع ہو تو ہماری بصر اس سے خارج ہو جائے گی۔

آزاد۔ ز غلط از سرتاپا غلط۔ اگر آفتاب جانب افق قریب مغرب ہو اجی لاحول ولا۔ قریب افق جانب مغرب ہو تو قوس قزح مشرق کی سمت ظاہر ہو۔ قس علی ہذا۔ اگر کرۂ شمس جانب مشرق قریب افق ہو تو ابر مغرب کی طرف ہو خلاصہ یہ کہ اگر ابر آفتاب کے محاذات میں ہو اس میں سات رنگ ہوتے ہیں۔ احمر۔ کیسری۔ اصفر۔ کبودی نیلگوں۔ اخضر۔ بنفشی۔ قوس قزح شب کے وقت بھی دیکھی ہے

بزرگوار۔ اجی تو آپ کو مرئی ہوئی ہو گی یہاں ضعف بصارت قریب بدرجۂ فقدان بصارت پہونچ گیا ہو۔ مگر آپ کے علوم اور ہمارے علوم سے کبھی اتّفاق نہو گا۔

آزاد۔ عرض کروں قبلہ۔ یہ امور علم مناظرہ و مرایا سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ گستاخی معاف اس میں بالکل کورے ہیں۔

میاں خوجی بھی آزاد پر بہت جھلّائے کہ تم بالکل دہریوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ ہم تمھارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ ایسے مرتد کے ساتھ رہنا بھی داخل معصیت ہوتا ہے۔ آزاد نے کہا آپ بس چپکے بیٹھے رہیئے افیون گھول گھول کر آپ پئیں۔ چانڈو آپ اُڑائیں روزے آپ چٹ کر جائیں۔ نماز سے اصلاً واسطہ نہیں۔ عبادت پرستش خاک نہیں جانتے اور اُوپر سے غرّاتے ہو اور ہمیں کو الٹا زندیق بتاتے ہو۔ خوجی بولے کہ بھئی ایسے مقدس بزرگوں کے سامنے اس قسم کے کلمات زبان پر لانا سوءِ ادب اور خلاف داب و آداب ہو۔ انسے تو جب گفتگو کرے وہی پرانے خیالات کی۔ زمین کی گردش غلط آفتاب مرکز نہیں ہو آسمان گردش کرتا رہتا ہو۔ شیطان کا وجود ضرور ہو یہ نہیں کہ شیطان کے بھی قائل نہیں اور آسمان کو بھی حد بصر کہنے لگے اور آفتاب کو ساکن اور مرکز بتا دیا۔ لاحول ولاقوۃ۔

الغرض میاں آزاد اور میاں خوجی دونوں چلے اثنائے راہ میں گھوڑوں کو تیز کیا تو دن نے داخل لکھنؤ۔

لکھنؤ۔

لکھنؤ میں میاں آزاد خانہ برباد اور حضرت خوجی افیونیوں کے مسلم الثبوت استاد نے دو دن پڑاؤ ڈالا اور شہر کے دو مختلف مقاموں پر ایک ایک شب بسیرا لیا۔ پہلی شب آغا میر کی سرا میں بسر کی۔ چوک سیر کو گئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ دو رویہ بازار آراستہ دکانیں قرینے سے سجی سجائی اشیا سلیقے سے چنی چنائی حلوائی کی دکان شہد و شکر کی کان تھالوں میں مٹھائی اور اُس پر ورق نقرہ گاہک پر گاہک آ رہے ہیں۔ ایسی پر ایسی ٹوٹے پڑتے ہیں۔ گوٹے والوں کی دکانوں پر بھیڑ بھڑکا ہو۔ کوئی لالہ سے مول تول کرتا ہو۔ کوئی تیب جی سے چکاتا ہے۔ صرافے میں کھناکھن اور جھناجھن کی آوازیں آتی ہیں۔ دور تک دکان کی قطار ہو اور ہر دکان میں اشرفیوں کا انبار ہے۔ اور جوہٹ وہ کال عیاں ہے زبان حال و قال سے پکار رہے ہیں کہ شرف الانسان بالمال لا بالکمال۔ دلالوں کی چاندی ہو دو ایک گاہک مل گئے تو پو بارہ ہیں۔ بازار بھر میں اُٹھ کرتے چکر لگا رہے ہیں اُس سرے سے اس سرے تک تاکتے جا رہے ہیں۔ جوہری کی دکانچہ جواہر نگار میں جواہرات کے ڈھیر لگے ہیں۔ لالہ بنا ہل کے دماغ ہی نہیں ملتے۔ جواہر رنگا رنگ اور گوہر شاہوار و لآلی آبدار دیکھ کر میاں آزاد کی آنکھیں کھل گئیں۔ لعل گرانمایہ کے نور و ضیا سے چکا چوندھ کا عالم ہے۔ کہیں یاقوت رمانی کہیں زمرد سبز ریحانی۔ بزاز سراپا ناز کی دکان پر وہ متاع دلفریب ہو کہ واہ جی واہ۔ انگریزی ہندوستانی شربتی جامدانی جس قسم کا کپڑا چاہو لے لو چھیںٹ۔ ڈوریہ۔ اطلس۔ قاقم سنجاب۔ بانات ہر قسم کا کپڑا موجود مگر بابا مول دس روپیہ گز کہیں تو تین روپیہ گز بیچیں شانے سے شانہ چھلتا تھا۔ باد صبا کو بھی دقت سے بار ملتا تھا کمروں کی طرف جو نظر کی تو بشاش ہو گئے مگر میاں آزاد اپنے دل میں سوچے کہ بھئی یہ تو خلاف تہذیب ہو۔ اس بازار سے آپکو جلد نکال دینا چاہئے انکے لیے تو ایک بازار خاص ہونا لازم ہو کہ لوگ وہاں جاتے ہوئے شرمائیں اور مارے خوف و لحاظ کے وہاں جانے سے باز آئیں۔ مسجدوں کو دیکھا تو چھتیں پھٹی پڑتی ہیں ٹھٹھ کے ٹھٹھ جمع ہیں۔ نمازی تلاوت قرآن میں مصروف خیر اس طرف کے لطف تو آنکھوں نے خوب اُٹھائے۔ اب دوسری

غضب کو امین آباد کی سرا میں آئے۔ اللہ اللہ کیا شہر غدار ہے۔ کوسوں تک آباد کروروں مکان پرموں آدمی سنکھوں باشندے اللہ اللہ۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ شاہی میں اور بھی زیادہ آبادی تھی۔ اتبو گول دروازہ کے سامنے صاف شفاف میدان ہے۔ اور ادھر اُدھر اکثر محلے ویران اجڑے ہوے مکانات گرے پڑے۔ مگر ہاں صدر کی طرف خوب گلزار ہے صدر بازار اور امین آباد میں وہ رونق ہے کہ وہاں سے جانے کو جی نہیں چاہتا مکانات بھی عمدہ اور پختہ بنے ہیں عمارات عالیشان بنگلے صاف و شفاف اور باغ اس کثرت سے ہیں کہ اس سرے سے اس سرے تک باغ ہی باغ نظر آتے ہیں۔ سکندر باغ سبزہ زار ہی سبزہ زار ہے بادشاہی باغ سراپا بہار ہے اور جس طرف نکل جائیے باغ کثرت سے پائیے۔

الغرض میاں آزاد اور خوجی نے یہاں خوب لطف اُٹھایا۔ ہمارے رنگیلے جوان میاں آزاد اور اُن کے سیلانی یار جانی میاں خوجی خانہ برباد نے لکھنؤ میں خوب سیر گشت کی خصوصًا لکھنؤ کی عالیشان کوٹھیاں اور خوشنما و دلکش بنگلے اور شاہی ایوان سپہر توامان اور گلزار رشک فرخار اور جھوشان طرحدار اور جو تان طناز باغ و بہار۔ اور امرا کی بارہ دریاں ایسی بھائیں کہ عش عش کرنے لگے محمد طبلچی کو طبلہ بجانے میں استاد پایا تو خوش الحانی میں صادق علیخاں کو بار بد نزاد پایا۔ بابا جی نے وہ ستار بجایا کہ تان سین کو انگلیوں پر نچایا۔ فرنگی محل ہے یا خطۂ یونان۔ یا علما فضلا کی کان۔ جو عالم ہے کملا کی جان و روح۔ معزز و ممدوح مفتی میر محمد عباس صاحب قبلہ کی مصنفات مسلمات کی عرب تک دھوم ہے۔ مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ اور کربلائے معلیٰ اور مشہد مقدس تک کے بلغا آپ کے کلام فصاحت فرجام کی داد دیتے ہیں ایک ایک فقرے پر احسنت و مرحبا کہتے ہیں جو بلیغ ہے امراء القیس ثانی ہے رشک جالینوس یونانی ہے۔ اطبا میں ایک سے ایک برق۔ حکیم مرزا محمد جعفر کی طبابت کے جھنڈے گڑے ہوے ہیں ہو اشافی نسخے میں لکھنے بھی نہ پائے کہ مریض نے صحت کامل پائی اور شفاے عاجل حکیم سید محمد خاں صاحب کے مجربات علوی خاں دہلوی کے مجربات سے کم نہیں معقولات میں استاد مسلم الثبوت خوش مذاق زندہ دل سعادتمند اور معقول پسند آدمی ہیں۔ حکیم مرزا محمد حسین صاحب اور حکیم محمد ابراہیم صاحب کے گھرانے نے وہ دستگاہ کامل بہم پہنچائی کہ ادھر بھر میں شہرت پائی دور دور تک نام ہوا جو مریض ان سے رجوع لایا فائز بمرام ہوا۔ شعرا بھی باکمال ہیں۔ تدبیر الدولہ منشی مظفر علی خاں اسیر لکھنوی اصناف سخن پر قادر علم عروض کے ماہر بڑے شاعر غزل سخندان یہتا ملک الشعرا ہیں اگلے شاعروں میں اب یہی تو باقی رہ گئے۔ خدا خضر و الیاس کی عمر عطا کرے۔ گو بوڑھے ہو گئے مگر طبیعت جوان ہے ایک ایک شعر سے سچا لطف شاعری ٹپکتا ہے۔ جو سنتا ہے احسنت و مرحبا کہتا ہے۔ اور داد سخن دیتا ہے۔ آفتاب الدولہ قلق اس زمانے میں غنیمت ہیں۔ ناسخ مبر درد مغفور کا نام اُنھوں نے خوب روشن کیا۔ مثنوی فصاحت محتوی وہ تصنیف کی کہ قلم توڑ دیے کیا صاف روزمرّہ کیا طرز بیان ہے کیا بول چال کیا زبان ہے محمد جان شادؔ بھی بول چال اور روزمرّہ کے اُستاد ہیں۔ الغرض جس گلی کوچے کو دیکھتے ہیں کان علم جان علم روح ان علم ہے۔ چوک میں جو سیر کرنے گئے تو بے اختیار بول اُٹھے۔ ع

خدا آباد رکھے لکھنؤ کو پھر غنیمت ہے	نظر کوئی نہ کوئی اچھی صورت آ ہی جاتی ہے

ایک دن پہلوانوں کی کشتی اور پکیتوں کی دھینگا مشتی اور پکیتوں کی کثرت اور پھکیتوں کے کرتب اور بنوٹیوں کے کمال دیکھے تو گردن ہلائی کہ ہاں ابھی بانکوں سے لکھنؤ خالی نہیں ہے۔ گتکہ پٹکا اور یہ ہو رہے گتکہ پٹکا اور وہ اچک گئے۔ تراش خراش کا بھی لکھنؤ پر خاتمہ ہے۔ یہاں

کی مشاطگان چابک دست کی قسم کھانی چاہیے۔ وہ وہ گر یاد
ہیں، کہ واہ جی واہ ہندوستان کا فرانس لکھنؤ ہی۔ وہاں مہینے میں ایک
فیشن بدلتا ہے تو یہاں ہفتے میں پانچ۔ میاں آزاد اور خوجی لطف
تماشا دیکھتے ہوئے چلے جاتے تھے کہ اثنائے راہ میں ایک صاحب
نئی وضع اور انوکھی قطع کے نظر سے گذرے حیرت ہوئی کہ الٰہی
یہ کس فیشن کے آدمی ہیں بالکل نئی گڑھت ہے اب ان حضرت
کی قطع ملاحظہ فرمائیے کہ از سرتاپا زرد از زرد۔ ڈھیلے پائنچوں
کا پاجامہ زعفرانی کیچل لیٹ کا تین کمر توئی والا انگرکھا کیسری
زرد بتّی ٹکی دار ٹوپی بسنتی۔ کاندھوں پر بہت بڑا چھپکے کا
رومال عشاق زار کے چہرے کی رنگت اور ان سب میں لچکا ٹکا
ہوا۔ ماشاء اللہ بہن شریف چہل کشتش۔ نازم بایں ریش فش۔

آزاد۔ کیوں بھئی خوجی بھلا بھانپو تو یہ کون، ولایت کے ہیں۔

خوجی۔ خراسانی سے معلوم ہوتے ہیں۔ یا کابل کے ہوں۔

آزاد۔ کابلیوں کی یہ قطع کہاں۔

خوجی۔ واہ خوب سمجھے۔ ارے میاں کیا کابل میں نہیں ہوتے۔

آزاد۔ (قہقہہ لگاکر) ذرا حضرت کی چال تو دیکھیے گا۔ کیسے
کندھے جھاڑتے ہوئے پو قدمے چلے جاتے ہیں کبھی پاپوش ٹریٹاٹ
بانی ادگی پر نظر ہے۔ کبھی رومال پھڑکاتے ہیں کبھی انگرکھا چمکاتے
ہیں۔ کبھی لچکے کی جھلک دکھاتے ہیں۔ چھکتے ہوئے چلے جاتے ہیں
اس ڈاڑھی مونچھ کا بھی خیال نہیں۔ یہ لمبی ڈاڑھی خرگوش کی
جھاڑی اور یہ لچکے کی گوٹ۔ لاحول ولا قوۃ۔

خوجی۔ آپکو واللہ ذرا چھیڑیے تو دل لگی ہی سہی۔

آزاد۔ یا حضرت آداب عرض ہے واللہ آپکے لباس فاخرہ پر
تو وہ عالم ہے کہ آنکھ نہیں ٹھہرتی ہی۔ پائے نظر پھسلا جاتا ہی۔

زرد پوش۔ (شرما کر) جی ایک وجہ خاص ہے۔

آزاد۔ وجہ خاص کیا؟ کیا کسی سرکار سے وردی ملی ہی۔ یا سچ
کہنا استاد کسی نائی سے تو نہیں چھین لائے ہو۔

زرد پوش۔ (اپنے خدمت گار سے) رمضانی ذرا بتا تو دینا ہمیں
اپنے منھ سے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔

رمضانی۔ حضور میاں کا نکاح ہونیوالا ہے۔ مانجھے کے کپڑے
پہنے ہیں۔ رسم ہے حضور۔

آزاد۔ لاحول ولا قوۃ۔ رسم کی ایک ہی کہی۔ کہاں کی رسم کہنے
لگے رسم ہے۔ واہ اچھی رسم ہے۔ یہ بدعت ہی یا رسم ہی۔ ڈاڑھی مونچھ
والے آدمی اور لچکا بنت ٹھپا لگا کر کپڑے پہنے ہیں۔ معاذ اللہ
یہ بھائی دلھن کے لیے ہیں یا آپ سے بچھا کر بیگ کے لیے۔ واسطے
خدا کے ان کپڑوں کو اُتارو مردوں کی پوشاک پہنو۔ لاحول ولا قوۃ۔

زرد پوش۔ یہ تو سب ہی پہنتے ہیں۔

خوجی۔ ذری ہم سے تو چار آنکھیں کیجیئے۔ ہاں صاحب کون
سب پہنتے ہیں۔ آخر آپ نے کن سب کو دیکھا ہی۔ ہم کو سکھاتے ہو
تمھارے ہی سے دو چار زنانہ شہری پہنتے ہونگے۔ ورنہ باوضع اور
سنجیدہ اور شرع لوگ تو ایسی وضع کے قریب جانا داخل گناہ سمجھتے ہیں۔

آزاد۔ ارے یار تم کو شرمانا چاہئے یا برانا چاہئے۔ استغفر اللہ
آپ اکڑتے جاتے ہیں۔ شاباش۔ بیحیائی بلا دور۔

میاں آزاد اور خوجی آگے بڑھ گئے۔ اور حضرت زرد پوش اور
انکا خدمتگار صاحب تن و توش ایک گلی میں کترا گئے۔ تو راہ
میں خدمتگار نے یوں سمجھانا شروع کیا۔

خدمتگار۔ میاں سچ تو کہتے تھے۔ ذری دل میں سوچیے تو
جس گلی کوچے میں آپ نکل جاتے ہیں لوگ تالیاں بجاتے ہیں
انگلیاں آپ پر اُٹھاتے ہیں اور قہقہہ لگاتے ہیں۔

زرد پوش۔ ہنسنے دو جی۔ ہنستے ہی گھر بستے ہیں

من ضحک ضحک

خدمتگار۔ آپ تو عربی بھی پڑھے ہیں۔ میں جاہل آدمی ہوں۔ ل رُی بات بُری ہی بات ہے۔ ہم غریب آدمی تو ایسے کپڑے پہنتے ہی نہیں۔ اور آپ لوگ رئیس اور پڑھے لکھے ٹل۔

زرد پوش۔ ٹل دُل میں نہیں جانتا۔ تم غریب غربا ایسے کپڑے لاؤ کہاں سے جو پہنو۔ اچھا چل کر میاں سے پوچھیں گے دیکھیں بھلا کیا کہتے ہیں وہ تو ثقہ اور مسن ہیں جو کہیں وہ منظور۔

خدمتگار۔ اچھا ہزار بات کی تو ایک بات آپنے یہ کہدی لیجئے گھر بھی آگیا۔ اور بڑے صاحب بھی ٹہل ہی رہے ہیں۔

زرد پوش۔ ابا جان آج ہم کو ایک بدمعاش نے رُلا رُلا دیا۔

پیر فرتوت۔ کون بدمعاش؟ تم نے کچھ چھیڑا ہو گا ایک ہاتھ سے تو تالی بجتی ہی نہیں۔ ہا ہا ہا۔ میں سمجھا اس تمھاری انوکھی قطع پر تو کہیں نہیں ہنسے۔ بھئی ہم بھی اُن سے متفق ہیں۔ ہم خود تم سے کہنے کو تھے کہ بیٹا اس وضع کو نہ اختیار کرو مگر ہم تمھاری اماں سے بہت ڈرتے ہیں وہ بڑی تنک مزاج ہیں سادر ہکو تو خدا ذرا سی بات پر بنے ہی ڈالتی ہیں سو بھئی اگر تمھارا جی چاہے تو ان کپڑوں کی تار ڈالو اگر نہ اُتار دو تو باہر نہ جاؤ ورنہ مفت میں اپنے کو ہنسوانا کونسی دانائی ہے۔

میاں آزاد اور میاں خوجی راہ میں باہم قہقہہ اڑاتے اور رسوم مذموم ہند پر نفرین کرتے اور لاحول پڑھتے ہوئے جا رہے تھے تو ایک وضعدار اور طرحدار جوان سے انھوں نے پوچھا کہ کیوں حضرت جب آپکی شادی ہوئی تھی تو زرد کپڑے آپ نے بھی پہنے تھے اُس نے کہا لاحول ولاقوۃ یہ زنان ستریوں کو مبارک رہیں یہاں دوانگل ہردم میان سے باہر رہتی ہے۔ آپ نے کسی زنان ستری کو دیکھا ہو گا کہیں کسی اور سے یہ سوال نہ کر بیٹھئے گا۔ اور مشفق رسموں کی نہ کہئے بعض آدمیوں کے یہاں یہ رسم ہے کہ دلھن کا جوتا دولھا کی ٹوپی پر ترشے لگاتے ہیں۔ جو دولھا ثقہ ہوا تو خیر جوتی چھوا دی اور جو وہ بھی کھٹھول ہنسوڑ بگڑے دل ہوئے تو پھر وہ اور اُنکا سر۔ اور اگر کا بی گر بانکے آدمی تو سر کاٹ کر پھینک دیں۔

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک دکڑی سامنے سے آرہی ہے۔ بڑی بیش بہا ٹمٹم۔ دو کمیت دورکابی گھوڑیاں جتی ہوئی ہیں۔ دونوں برق۔ ہوا پیچھے رہے وہ آگے جائیں۔ شیر گردوں کو ہرا دیکھ کے پلہ میں مار آئیں۔ کوچبین سبز مندیل کھڑکی پر جمائے ہوئے کوچ بکس پر بیٹھا ہوا ہائیٹ ہائیٹ کر رہا ہے۔ اور تین نوجوان رئیس برقعے اور کروفر سے بیٹھے ہیں تینوں عینک باز تینوں طناز اور خوش انداز شان ریاست جبین مبین سے عیاں طنطنۂ امارت چہرۂ نورانی سے نمایاں اتنے میں ایک اور بکنٹہ بگھی کھڑکھڑاتی ہوئی سامنے سے آئی دو جوان رئیس بصد شان و آن بان تمکن میں گردو نوں عینک باز سونے کی تیلیاں اور نازک تال اسکے بعد تین چار گھوڑوں پر سوار جوان اور گلفام نظر سے گزرے۔ کوئی جماتا ہے۔ کوئی قدم دکھاتا ہے۔ کوئی کڑکڑاتا ہے کوئی چمکاتا ہے ان میں بھی دو عینک باز تب تو میاں آزاد نے کہا کہ کیوں بھیا خوجی یہاں پر عینک کا فیشن زیادہ دیکھنے میں آیا جسے دیکھو عینک باز یہ دانا بینا آدمی اور اندھے بننے کا شوق چرائے بینا سے نابینا بن جائے لاحول ولا خوجی بولے کہ ابھی آپنے دیکھا ہی کیا ہے اس کو بھی جوان عاشق تن ایک سجاوٹ اور بناوٹ سمجھتے ہیں اور چار دن میں دیکھ لیجئے گا کہ رنگین طبع آزاد مزاج عورتیں بھی عینک چڑھانے لگیں گی یہ تو فیشن ہے بھئی۔ یہ بھی وضعداری ہے۔

ایک رئیس کا دربار

میاں آزاد گھومتے گھامتے اور خوجی افیون کی پینک میں جھومتے جھامتے ایک نواب کے دولت خانے پر پہونچے۔ کوٹھی سجی سجائی متعدد کمرے سب آراستہ و پیراستہ سجے ہوئے دلھن بنے ہوئے

ایک بڑے عالیشان کمرے میں فرش مکلف بچھا ہوا۔ دوسرے میں کرسیاں میز آرام چوکیاں مسہریاں کو قرینے سے آراستہ وہ سامان کہ نظر کو چکا چوندھ ہو جس نے دیکھا دنگ ہو گیا۔ خوجی اپنے ذاتی تزک و احتشام کو بھول گئے جا کر بہ ادب دونوں کے دونوں بیٹھے خوجی تو نواب زادوں کی صحبت اُٹھائے ہوئے تھے ہی دیکھتے ہی کوٹھی کی اس درجہ تعریف کی کہ پل باندھ دیے۔

خوجی۔ حضور خدا اور خدا کا رسول آگاہ ہے کہ کیا سجی سجائی کوٹھی ہے دلھن ہے دلھن۔ قسم ہے حسینؑ کی جو آجتک ایسی عمارات اور اس سج دھج کی تعمیر نظر سے گذری بھی ہو۔ ہم نے تو اچھے اچھے رئیسوں کی مصاحبت کی ہے مگر واللہ ہی جو کبھی یہ ٹھاٹھ کہیں دیکھے ہوں خدا چشم زخم سے بچائے واللہ بادشاہوں کے مثل رہتے ہیں۔ اتنے رفیق اتنے مصاحب یہ شان یہ ریاست ہے کس میں اے توبہ۔ یہ بات کہاں پایئے اور پھر اس امارت پر خلق کس درجہ ہے کہ اخلاق محمدی کا پورا برتاؤ ہے۔ خدا ایسے رئیس کو سلامت و باکرامت رکھے۔ حق تعالی ہمیشہ بامراد رکھے ان کی بدولت ہزاروں غریبوں شریفوں کا بھلا ہوتا ہے۔ اسکی ذات تو مجمع محاسن و کمالات ہے۔ بہت دن بعد ایسے عالی ہمت امیر دیکھنے میں آئے۔ اسوقت جی خوش ہو گیا۔

مصاحب۔ ابھی ابھی آپنے دیکھا کیا ہے۔ یہاں دن عید رات شب برات ہی ہے پرستان کی دُوم میں زمردا بہشت بھی اسکے آگے مات ہے۔ ہر دم طبلے پر تھاپ ہی۔ پری پیکروں کے جمگھٹے۔ ہر وقت زمزمے چہچہے اور قہقہے۔ کل کوٹھیاں اور بارہ دریاں اور عمارات عالیشان آپ نے ابھی دیکھیں کہاں اور مصاحب لوگ تو اب آتے چلے ہیں شام تک سب آجائیں گے۔ ایک میلہ کا میلہ روز جمتا ہے۔

نواب۔ کیوں صاحب یہ فرامشن بھی جادوگر ہیں شاید۔ آخر جادو نہیں تو اور ہے کیا۔

رفیق۔ بجا ارشاد ہوا پیر و مرشد۔ جادو ہی ہے جادو برحق کرنے والا کافر۔ یہ سب ساحر ہیں۔

مصاحب۔ خداوند ایک فرامشن سے مجھ سے ملاقات ہوئی تو میں آپ جانیئے کتنا کائیاں۔ حضور میں نے اُنسے خوب یارانہ پیدا کیا۔ بڑی گہری دوستی ہوئی۔ ایک دن میں نے پوچھا کہ کیوں یار سچ کہنا یہ فرامشن کیا شے ہے۔ آخر فی اسکا راز تو بتاؤ دیکھئے ہم تو جانتے ہیں جادو ہے۔ وہ بہت ہی جھلائے اور کہا آپکی ایسی تیسی۔ جادو کیسا۔ جادو کے تو ہیاں آجتک قائل ہی نہوئے۔ یہ سب ڈھکوسلا ہے۔ باقی فری مشن تو وہ مذہب ہے جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی مذہب ہی نہیں۔ ہم نے کہا یار بے جانے تو خیر ہم کیونکر تم سے اتفاق کرلیں تو اُنھوں نے کہا تو پھر فری مشن ہی کیوں نہیں ہو جاتے کہ کسی سے پوچھنے کی حاجت ہی نہ رہے۔ میرے بھی دل پر آگئی ایک دن اُنکے ساتھ فری مشن ہوے وہاں حضور گرد دل لاشیں تھیں اور سب کی سب مجھ سے گلے ملیں اور ہنسیں میں بہت ہی ڈرا مگر ان لوگوں نے دلاسا دیا کہ کچھ پاگل ہے اینسے خوف کیا کرتا ہے لیکن خبردار کسی سے کہنا نہیں ورنہ یہ لاشیں کچا ہی کھا جائیں گی بتایا اور ہڑپ کیا۔ اتنے میں خداوند آگ برسنے لگی اودھر میں جل بھن کر خاک ہو گیا اسکے بعد ایک شخص نے کچھ پڑھ کر پھونکا تو بندۂ درگاہ ہٹے کٹے ٹیاں سے موجود تب تو بندہ کفن پھاڑ کر چیخ اُٹھا اور بھاگنے لگا مگر سب کے سب چمٹ گئے اور گھسیٹ لے گئے لیکن حضور سچ تو یہ ہی کہ کوئی دوسرا ہوتا تو رو دیتا میں مستقل رہا لیکن یہ کہتا تھا کہ میں فرامشن نہ ہونگا نہ ہونگا تب تو ایک لحیم و شحیم آدمی نے مجھے ایک حوض میں ڈھکیل دیا اور وہاں میں دو دن دو رات رہا۔ بالکل مردہ و افسردہ۔ آخرش نکالا گیا اور سب کی صلاح ہوئی کہ یہ کھوٹا آدمی ہے اسکو یہاں سے نکال دو ہم

نکالے گئے خداوند گردن ناپی گئی خدا خدا کر کے نیچے ورنہ جان ہی پر بن آئی تھی اور عزّت ہی گنوائی تھی۔ بارے خیر گذشت۔

میاں آزاد نے جو یہ جھوٹی داستان سنی تو آگ بھبوکا ہو گئے سوچے کہ اللہ اگر ان نوابوں کے مصاحب بھی کیا بے پر کی اڑاتے ہیں اور کیسے زٹل قافیے ملاتے ہیں اور رئیسوں کو کیسے جلد دم میں لاتے ہیں اور وہ بھی کس سادگی سے ہر امر کو آمنّا وصدّقنا تسلیم فرماتے ہیں کہ الاماں اس گپ کو تو دیکھیے دو دن دو رات آپ حوض ہی میں مردہ افسردہ پڑے رہے۔ سبحان اللہ کیا خوب تحقیقات فرمیشن کی کی ہے کہنے لگے کہ کروروں لاشیں تھیں اور سب کی سب بول رہی تھیں۔ اس کذب پر شیطان کی پھٹکار۔ لاحول ولاقوۃ۔ واللہ ان رئیسوں کو دم میں لانا کوئی بات ہی نہیں۔ یار لوگوں کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہو اور بس۔

رفیق۔ حضور اُس سحر کو بھی خدا نے کیا زد بخشا ہی سنا کہ کامروپ دیس عورتیں جہاں مرد سے ملتفت ہوئیں اور بس اُش پڑھ کر پھونکے اور بکرا بنا دیا۔ بیل بنا دیا گدھا بنا دیا۔ دن بھر بکرے بنے دن میں کیا کیجے۔ بیل بنے سانی کھاتے یا گدھے بنے رہے رات کو مرد کے مرد۔ تو خداوند یہ جادو برحق ہے ہاں جادوگر کافر ہی ضرور کرکے۔

خوشامدی۔ پیر و مرشد یہ موٹھ کیا شے ہے۔ کل شب کو حضور تو یہاں پڑے آرام فرماتے تھے میں دو بجے کے وقت قرآن شریف پڑھ کر ٹہلنے لگا تو حضور کے سرہانے پر اوپر آسمان پر روشنی سی ہوئی۔ میرے تو ہوش اُڑ گئے۔

رفیق۔ اور ہوش اُڑ جانے کی تو بات ہی ہے۔

خوشامدی۔ جی اس میں کیا شک ہو۔ بس خداوند میں رات بھر جاگتا رہا اور حضور کے پلنگ کے اور گرد جگی پہرا دیا کیا۔ ایک ہانڈی سی تھی اور اسمیں کوئی شے ایسی جلتی تھی جیسے گیس کی روشنی

نواب۔ (کانپتے ہوئے) تمہیں قرآن کی قسم۔

خوشامدی۔ پیر و مرشد۔ حضور کے طفیل میں میرے بال بچے پرورش پاتے ہیں بھلا آپ سے اور جھوٹ بولوں۔ نمک کی قسم سچ عرض کرتا ہوں۔ رونگٹا رونگٹا بدن کا کھڑا ہو گیا۔ گھنٹوں سہارا اگر میرا باپ بھی سوتا ہوتا تو پہرا نہ دیتا مگر حضور کا نمک جوش کرتا تھا۔

رفیق۔ حضور ان باتوں کو جانے دیجئے اب یہ فرمائیے کہ سمند سیاہ زانو جوڑی بکاؤ ہے حضور خریدیں تو دکھاؤں۔ کیا جوڑی ہے کہ اہو جو ڈیڑھ ہزار سے کم نہ دے گا۔ حضور ہی کی سواری کے قابل ہے۔

مصاحب۔ ارے تو آپ نے خرید کیوں نہ لی۔ اتنی تعریف کرتے ہو اور پھر ہاتھ سے دیدی۔ پیر و مرشد انکو اجازت دیجئے کہ بس خرید ہی لائیں۔ شاہی میں ان کے یہاں بھی کئی گھوڑے تھے۔ سوار بھی خوب ہوتے ہیں اور ماشاء اللہ چابک سواری اور شہسواری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں۔

نواب۔ کوئی ہے۔

مصاحب۔ ارے کوئی ہو ارے کوئی ہو (کئی آدمی چلا اُٹھے)

خدمتگار۔ حاضر۔ خداوند۔ پیر مرشد۔ حضور دس پندرہ آوازیں

نواب۔ دو ہزار روپیہ روشن علی کو ابھی دو۔ اور دو سائیس انکے ساتھ بھجواؤ۔ اور ایک سپاہی ابھی جائے ابھی۔

نواب کے حکم کی دیر تھی کہ اُن لالہ نے مہاجن کے گھر کی راہ لی روشن علی ساتھ۔ دو سائیس اور ایک سپاہی پیچھے پہونچے مہاجن کے گھر پر

لالہ۔ لالہ جواہر مل۔ سرکار نے بھیجا ہے۔ اسوقت ایک دو ہزار کی ضرورت ہے۔ جلد لائیے۔ میرا بھائی دیر نہ لگانا۔ ورنہ میں نکالدیا جاؤں گا۔

جواہر مل۔ تو جلدی کاہے کی ہو ذرا دم لو۔ حقہ دقہ پیو۔ آخر یہ

یہ روپیہ کیا ہوگا گیا۔

لالہ۔ ایک جوڑی لیجا دیگی روشن علی کی معرفت۔

روشن علی۔ (لالہ کے کان میں) استاد دیکھو ہم کو بدنام نہ کرو یار بھئی چار سو کی جوڑی ہے باقی رہے سولہ سو۔ اس میں سے آٹھ سو اور حوالی موالی کو جائیں گے۔ کسی کو سو کسی کو پچاس باقی رہے آٹھ سو۔ چھ سو ہمارے۔ دو سو تمہارے۔ بھئی معاملے کی بات ہے۔

لالہ۔ تم تو لو چھ سو اور ہم لیں دو سو اچھا معاملہ ہو۔ میاں بھائی ہو نہ۔ ارے یار تین سو ہم کو دے پانچ سو تو اڑا یہ البتہ معاملے کی بات ہے۔

روشن علی۔ اجی میاں بھائی کی نہ کہیئے۔ میاں بھائی تو نواب صاحب بھی ہیں آخر۔ مگر اللہ میاں کی گائے اور یار تم لوگ تو وہ بس کی گانٹھ ہو کہ تمھارے کاٹے کا تو منتر ہی نہیں لاکھوں روپیہ کما جاؤ مگر گزی کی لنگوٹی لگائے ہوئے پھٹی ٹوپی سر پر پہنے ہوئے۔ لالہ بھائی ہو۔ اور میاں بھائی ہو۔ اور میاں بھائی کو دانے کو ہم بھی کھائیں گے مگر تم بتی کے انگرکھے ڈانٹے ہوئے خود نواب بنے ہوئے گلوریوں پر گلوریاں چکھ رہے ہیں قورمہ اور روٹی اور پلاؤ روز دسترخوان پر دیکھئے گا۔ تم ابابی کھچڑی ہی کھاؤ گے اچھا بھئی تین سو تمھارے پانچ سو ہمارے۔

الغرض لالہ جواہر مل نے دو ہزار چہرہ شاہی تڑسے گن دئے۔ اور لالہ نے روشن علی کو تین سو کم دو ہزار یعنی سترہ سو روپیہ دیئے میاں روشن علی نے سوا چار سو کی جوڑی خریدی اور اُسی وقت لیجا کر نواب نامدار کو دکھائی اور کہا کہ کوڑیوں کے مول خریدی ہو۔

مصاحب۔ اُہو ہو ہو۔ گھوڑی کیا پرستان کی پری ہے ایسی ہمرنگ جوڑی دیکھی نہ سُنی۔

رفیق۔ کیا ذری سی تھوتھنی ہو۔ کیا چوڑی پیشانی ہے۔

خوشامدی۔ واللہ کنوتیاں تو دیکھیئے ہائے پیار کر لینے کو جی چاہتا ہے۔

زمانہ ساز۔ حضور ایسے جانور قسمتوں سے ملتے ہیں۔ واللہ جناب باری کی قسم شہر بھر میں اس ساتھ کی دوسری جوڑی نہیں نکلے گی۔

خود مطلب۔ اس میں کیا شک ہے۔ مگر بھئی بڑے سستے داموں میں آئی واللہ دو ہزار کی ایک ایک گھوڑی ہے۔ کیا خوبصورت ہاتھ پاؤں ہیں۔ واللہ اور لطف یہ کہ کوئی عیب نہیں۔

نواب۔ بھئی اسکو حفاظت سے بند ھواؤ۔ کل شام کو فٹن میں جو تنا دیکھیں کیسی جاتی ہے۔

زمانہ ساز۔ اے خداوند سبحان اللہ آندھی کے موافق چلے بگولا بنجائے کیا دل لگی ہو کچھ۔ ؎

قد مناز ایسی گویا زیر بلا موج دریا ہے	سبک خیز اسقدر ہے نہ ہلے پیٹ کا پانی

نواب صاحب نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ قلم دوات کاغذ لاؤ اب ان کی دیکھئے کہ کہیں پتا ہی نہیں۔ خدمت گار جو طرفہ ڈھونڈھتا ہے قلم نہ دوات نہ کاغذ۔ بٹیروں کی کابک۔ پتنگ۔ ڈور کے گولے اُچکے۔ چانڈو کی نگالیاں کثرت سے موجود مگر قلم ندارد۔ کاغذ کا نام نہیں دوات کا کہیں پتہ بھی نہیں۔ آخر کار لالہ بیچارے کا قلمدان چھین لائے تو نواب صاحب نے ایک پرچہ ایک مصاحب کے نام لکھا اور لکھ کر اس کو دیا کہ چپکے سے پڑھ لو۔ اتفاق سے جلدی میں اُس مصاحب کو دینا تو بھول گئے میاں آزاد کو پرچہ دیدیا۔

اب ناظرین باتمکین کی خدمت میں گذارش ہے کہ ہم کو وہ سطریں جو خاص نواب نامدار کے قلم سے نکلی تھیں بجنسہ لکھنے کی اجازت دیں اور ہماری تحریر کو خلاف تہذیب نہ سمجھیں تو ہم پر بڑا احسان ہو۔

میاں آزاد نے وہ پرچہ پڑھا اُسمیں لکھا تھا کہ یہ گھونٹریں ہی جانتے ہو۔

لیس کی خریدار ہیں۔ یہ آبادی جان کیواسطے لیس ہیں اور فٹن بھی ایک دون کو ملے دینگے لے کن تم کسو نیا شخت سے یہ راظ نہ کھول نا۔
میاں آزاد نے لاحول کہکر وہ پرچہ نواب صاحب کو دیدیا اور خوجی کو لے کر چل کھڑے ہوئے۔
راز کے بدلے (راظ) اور لیکن کو (لے کن) اور شخص کو (شخت) اور لی ہیں کہ دلین ہیں) اور انکو (دون کو) اور کسو نیا (کھول ۲) اور گھوڑیاں کو (گھوڑین) لکھا ہی یہ تو نواب صاحب کی لیاقت کا حال ہی اور آبادی جان کا اسدرجہ خیال ہی کہ فٹن اور ڈکرٹی دیدی۔

ہوٹل

میاں آزاد خانہ برباد یہاں بستر جمانے یا کسی مکان کا قبالہ لکھوانے تو آئے تھے نہیں۔ راہ راہ آئے۔ دو تین دن رہے چلے گئے۔ لکھنؤ کے اسٹیشن پر پہونچے تو وہ چہل پہل وہ بھیڑ بھڑکا۔ وہ دھکم دھکا کہ شانہ سے شانہ چھلتا تھا۔ برہمن دیوتا ڈولی لیے کھٹ کھٹاتے چلے جاتے ہیں۔ جل ٹھنڈے۔ کٹورا الگ کھنک رہا ہے۔ میاں بھشتا مشک یا مشکیزہ لیے ہوئے چہل قدمی کر رہے ہیں ایک سمت مناتی دو دسیر اخمیرہ بھر کر گڑگڑی لیے گڑگڑا رہا ہے وہ خشبو کہ دماغ طبلۂ عطار ہو جائے چبوترے کے سامنے کمہار برتن چن کر بیٹھا بیچ رہا ہی۔ مٹی کے کھلونوں پر وہ جوبن کہ باہر والے بصد شوق خرید لیجاتے ہیں خریداروں پر خریدار ٹوٹے پڑتے ہیں پیسا پھینکا اور حقہ لیا۔ اُدھر میاں بھشتا نے تازہ کر دیا اور ساقی نے چلم تیار کی دھواں دھار اُڑانے لگے۔ کھٹک نے آواز لگائی۔ گلابی میوہ شہتوت امرس ہی آم کے رسوں کا قلمی آم کے رسول کا۔ فقیر محمد خاں کے باغ کا سفیدہ۔ بنارس کا لنگڑا چار باغ کا بمبئی رنگترے سنگترے۔ کولے۔ انناس۔ نارنگیاں شریفہ۔ امرود سیب جو چاہیے خرید لیجیے ایک طرف حلوائی کی دکان مٹھائی کے خوان برنی کے تھال۔ ورق نقرہ لگے ہوئے پستے کی ہوائیاں۔ لوہے کے چراغ لٹکے ہوئے ہیں۔ دکان جھک جھک کر رہی ہے اتنے میں آواز آئی بسکٹ نوبسکٹ کباب کلیجے ادھر ادھر گھومے تو ٹوپی والا سامنے آن موجود ہوا۔ دو پلی ٹوپیاں شربتی جامدانی چکن مری کے کام کی کرمچی۔ مندیل گول ٹوپی۔ نئے نئے فیشن۔ نرالی اور انوکھی وضع کی ٹوپیاں جھڑا جھڑ دکھا رہا ہے اور گاہک پر گاہک بصد شوق دام چکا رہا ہے۔ دس پانچ ہاتھوں ہاتھ بک گئیں دُور دُور تک مسافر بستر جمائے کوئی زین پوش کوئی دری بچھائے بیٹھا ریل کی راہ تک رہا ہے کوئی گنوار اگر موں بیٹھا اناپ شناپ بک رہا ہی میاں آزاد اپنے دل میں سوچے کہ اللہ اللہ ریل کا اسٹیشن کیا خاصہ میلہ ہی کچھ ٹھکانا ہی یہ بھیڑ یہ دھوم۔ یہ رونق بھئی واہ رے لکھنؤ واللہ ایسا اسٹیشن بھی نہیں دیکھا میاں آزاد ٹہلتے ہوئے اسٹیشن کے اندر گئے ہوٹل دیکھا تو باچھیں کھل گئیں۔ اُہو ہو ہو کیا صاف و شفاف ہی ہر شے قرینے سے چنی ہوئی۔ در و دیوار سے صفائی برس رہی ہی ہر سمت نور کا عالم ہی اس سرے سے اس سرے تک میز اور اسکے گرد اگرد کرسیاں گلاس چنے ہوئے۔ لمپ اور کنول ہر طرف روشن ہیں میاں آزاد بھی کرسی پر جا کر ڈٹ گئے۔ کھانا لاؤ۔ مگر شراب کا لگاؤ نہو اور لحم خوک قریب نہ آنے پائے۔ ایک چپراسی صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے جوبداروں کی سی پگڑی باندھے ہوئے سامنے آن کھڑا ہوا حضور شراب تو نہ ہوگی گر اور کیا آپنے حکم دیا۔ میاں آزاد نے کہا لحم خوک (آہستہ سے) یعنی سور کا گوشت نہ ہو (چپراسی) تا حضور کیا مجال۔ یہ کہکر چپراسی نہایت ہی قیمتی بیش بہا پلیٹوں میں طرح طرح کا انگریزی کھانا لایا میاں آزاد نے چھری کانٹے سے خوب مزے سے چکھا اور سوڈا واٹر اور لیمونیڈ پیا اور باہر پہونچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ میاں خوجی بھی بستر جمائے ہوئے پڑے اور کباب کلیجے چکھ رہے ہیں

آزاد۔ واہ استاد۔ تم تو خوب مزے مزے کباب اُڑا رہے ہو۔

خوجی۔ پھر کوئی شراب اُڑلائے کوئی کباب کھائے۔

آزاد۔ ایں! شراب! لاحول ولاقوۃ۔ اے میاں شراب کس نے مُنھ سے لگائی یہ کس کی شامت آئی یہاں دختِ رز سے واسطہ ہی نہیں رکھتے۔ بنت العنب کے عاشق دلدادہ کوئی اور ہی ہونگے ؎ کردم ز شراب ناب توبہ۔

خوجی۔ اور آگے تو کہیئے ؎ کردم ز شراب ناب توبہ ؛ اور آگے ؎ وز کردۂ ناصواب توبہ۔

آزاد۔ قسم قرآن کی کس مردک نے شراب کا ایک قطرہ بھی چھوا ہو شراب پی ہو تو سور ہی کا گوشت کھایا ہو۔

خوجی۔ (مسکرا کر) تسلیم۔ ایک نہ شد دو شد آپ نے سور کا گوشت بھلا کب چھوڑا ہوگا۔ واللہ مانتا ہوں۔ کہنے لگے شراب پی ہو تو سور کا گوشت کھایا ہو معقول! یہ تو آپ تب کہیں جب اُسکو حرام یا مکروہ بھی سمجھیں۔ آپ دونوں کو حلال اور اُسکے استعمال کو مستحسن سمجھتے ہیں۔ یار آج تو تم نے غضب ہی کر دیا۔

آزاد۔ ارے بھئی آخر کیا کیا کچھ کہو گے بھی یا ملاحی ہی سنائے جاؤ گے سبحان اللہ۔ قسم لو جو ہم نے شراب کو ہاتھ بھی لگایا ہو یا سور کے گوشت کی صورت بھی دیکھی ہو۔

خوجی۔ ہاں یہ آپ نے خوب کہی کہ سور کے گوشت کی صورت نہیں دیکھی ہوگی۔ مگر یار مزہ تو خوب چکھا ہوگا اور شراب کو ہاتھ آپ کیوں لگانے لگے لگائی ہوگی گلے۔ اور آپ کی قسم کا کس مردود کو اعتبار ہے۔ قسم کو تو آپ مانتے ہی نہیں مجھے آجتک یہی نہیں معلوم ہوا کہ آپکا دین و ایمان کیا ہے۔ تمھارا تو باوا آدم ہی نرالا ہے خیر جی اپنی اپنی سب بھگت لیں گے ہم کو اس جھگڑے سے کیا واسطہ۔

آزاد۔ ہاری مانتے ہو نہ جیتی۔

خوجی۔ مانیں کیا خاک۔ مانیں کیا۔ ہم نے اپنی آنکھوں دیکھا کہ چھری کانٹا کھٹا کھٹ چل رہا ہے۔

آزاد۔ تو بھائی چھری کانٹے سے کوئی شراب پیتا ہے۔

خوجی۔ ہم کیا جانیں۔ ہماری جانے جوتی کہ شراب کیونکر پیتے ہیں یہ کسی اپنے ایسے میگسار بادہ خوار سے تحقیقات کیجئے افسوس واللہ بس تم گئے گذرے ہائے ستم۔ خیر مضیٰ ما مضیٰ۔

آزاد۔ آپ ایک کام کیجئے ہوٹل میں جا کر۔

خوجی۔ اے لاحول۔ اے لاحول۔ خدا ایسی جگہ کسی سچے اور پکے مسلمان کو نہ لیجائے توبہ توبہ (اپنے کان پکڑ کر) خداوند بچائیو۔ گنہگار بندہ ہوں۔ ارے توبہ۔ ہوٹل میں اور ہم جائیں۔ لاحول ولاقوۃ بس آپ ہی کو مبارک رہے قبلہ بندہ درگذرا۔

میاں آزاد ٹہلنے لگے اور خوجی نے کباب کلچوں پر خوب ہتھے لگائے جب صفاچٹ کر چکے تو حلوائی کی دکان سے برفی لائے اور افیون کے نشے میں ڈونگا رنے لگے تو اتنے میں ایک صاحب باریش دراز یک شت و پنجاہ انگشت نے میاں آزاد کو مخاطب کر کے کہا کہ کیوں حضرت آپ کا اسم مبارک۔ یہ بولے میاں آزاد وہ مسکرائے اور کہا کہ ہاں واللہ۔ آپکے قد و قامت اور وضع قطع پر یہ نام موزوں ہے۔ آزادی اور آزادہ روی صورت سے برستی ہے ملت کیا ہے۔

آزاد۔ نے کہا۔ ؎

از ما ہم مپرس نہ مومن نہ کافرم
من نیم این دیار ندانم مسافرم

حضرت بندہ مسلمان ہو اور مسلم ایمان ہو۔ پابند شرع۔ آپ کا اسم شریف جناب مولوی صاحب۔

مولوی صاحب اسم شریف تو چہرہ پر دیکھیے اسوقت مجھے افسوس کرنے دیجئے!

آزاد۔ بسم اللہ آپ افسوس کریئے بلکہ رو دیجئے۔ مگر سنئے تو سہی محرم الحرام کے دن قریب ہیں خوب پیٹ بھر کر رو لیجئے گا ایسی بیتابی کیا ہے۔

مولوی صاحب۔ آپ مسلمان اور پابند شرع اپنے آپ کو بتلاتے ہیں اور ہوٹل میں جا کر شراب خانہ خراب استعمال میں لاتے ہیں۔ عیاذاً باللہ۔ مرد خدا آخر انجام کی بھی فکر ہے۔ یا سگ دنیا ہی بنے رہو گے۔

آزاد۔ قبلہ بس اب کیا کہوں۔ بجز سکوت کے اور کوئی کلمہ زبان پر نہیں آنے پاتا۔ لاحول ولا قوۃ۔

مولوی صاحب۔ بے ادبی معاف۔ لاحول تو آپ اپنے ہی اوپر پڑھتے ہیں آپ سے حرکت شیطانی ہی ایسی سرزد ہوئی مگر بحمد اللہ کہ آپ کا نفس لوامہ آپکو ملامت تو کرتا ہے۔

آزاد۔ مولانا خدا کی قسم۔ میں نے ہوٹل میں صرف کھانا کھایا مگر وہ اغذیہ جو شرع کی رو سے حرام نہیں۔ پس از انصاف سے دیکھئے تو اس میں قباحت ہی کیا ہے۔ آخر روم میں بھی تو صغیر و کبیر اور بڑے بڑے علما تحریر عیسائیوں کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ پھر یہاں ہندوستان کے مسلمان اسکو داخل گناہ کیوں سمجھنے لگے میں نے کیا کفر کیا کہ مردود اور مطرود اور زندیق اور ملحد اور مرتد بنایا جاتا ہوں۔

مولوی صاحب۔ مجھ سے سنئے میں عرض کروں نہ۔ ہوٹل میں جانا اہل اسلام کے لیے مستحسن نہیں۔ جو کھانا آپ نے ہوٹل میں چکھا ہے اگر باہر منگوا کر اور فرش بچھوا کر چکھتے تو چنداں مضائقہ نہ تھا گو یہ بھی معیوب تھا مگر اس درجہ نہیں۔ پھر آپ لاکھ قسمیں کھایئے قرآن اٹھایئے یقین کس ملعون کو آئیگا کہ آپ نے شراب نہیں پی یا سور کا گوشت نہیں کھایا۔ کاجل کی کوٹھری میں جو جائے گا وہ منھ کالا کر کے آئیگا۔ کوئلوں کی دلالی میں ہاتھ کالے ہی ہوتے ہیں۔ روم کی نہ کہیئے شاہ ایران مزے سے شراب ناب اور بیش بہا برانڈی نہیں اڑاتے۔ پھر اس سے بادہ خواری کا جواز نہیں ثابت ہوتا رومی لاکھ عیسائیوں کے ساتھ لقمے لگائیں اور بے تکلفی سے کھائیں۔ ہم کو تو ایسا نہ چاہیئے۔ ہمارے رسوم کے خلاف ہے۔ آپکو روم میں رہنا ہے یا ہندوستان میں روم کی بات روم کے ساتھ۔ ہندوستان اور ہندوستانیوں کے خیالات کا تذکرہ ہے یا روم اور رومیوں کی عادات کا۔ آخر باہر بھی تو کباب کلیجے قیمہ مال۔ پراٹھے۔ باقرخانی۔ روغنی روٹی۔ بسکٹ۔ سب ہی کچھ بکتا ہے پھر وہاں کھانے میں کون بہتری تھی مفت میں اپنے آپ کو نکو بنانا اور ہنسوانا کونسی دانائی ہے۔

آزاد۔ حضرت وہاں اول تو کھانا عمدہ لذیذ۔ دوسرے مقام صاف و شفاف۔ جس لطف سے ہم نے وہاں کھانا کھایا وہ یہاں کہاں قلی کھڑا پنکھا جھل رہا ہے۔ صاف ستھرا پنکھا جھل رہا ہے پلیٹیں صاف میز شفاف چار چار بیرا اسی خدمت کے لیے کھڑے ہیں یہاں یہ باتیں کہاں۔ لاحول ولا قوۃ۔

مولوی صاحب۔ کھانا عمدہ تو آپ سمجھتے ہوں گے۔ باقی رہا پنکھا ایک پیسہ دے دیجئے۔ گھنٹہ بھر پنکھا جھلوا لیجئے۔ اور صفائی کو مسافر سے کیا کام۔ سوائے ازیں یہاں بھی کوئی غلیظ تھے نہیں یوں وحشت کی بات ہی اور ہے۔ خیر حضرت آپ جانیں آپ کا کام جانے۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

مانو یا نہ مانو۔ اس سے یہاں غرض نہیں ماننا نہ ماننا آپکے ہاتھ ہے۔ ہم نے کہہ دیا۔

میاں آزاد نے اپنے دل میں سوچا کہ آج سے ایسی حماقت نہ کریں گے کہ ڈنکے کی چوٹ ہوٹل میں جائیں۔ اور مفت میں اپنے آپ کو ہنسوائیں۔ یوں تو ہمیں اختیار ہے کہ چاہے ہوٹل میں جائیں یا جو کھائیں مگر خاموشی کے ساتھ۔ یہ نہیں کہ اسٹیشن بھر میں گھوستے پھریں کہ ۔۔ ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں۔

خوجی۔ کیوں بھلا خیر۔ ایک ہمیں کو آپ اُلّو بناتے تھے۔ اب تو ایک مولوی صاحب نے آپ کو قائل کر دیا۔ بات ترے کی اور ہوٹل میں کھاؤ۔ اور ایک اُپنر کیا فرض ہے۔

ریل کا سفر

میاں آزاد اور خوجی بڑی دیر تک اسٹیشن پر ٹہلا کیے۔ ایک کانسٹبل سے پوچھا کہ کیوں جی آج ریل کو دیر کیوں ہوئی۔ اب تک تو روانہ ہو جایا کرتی تھی آج ابھی تک آئی بھی نہیں۔ آخر ماجرا کیا ہے کیا وقت بدل گیا۔ کانسٹبل نے کہا کہ آج تار آیا ہے کہ ایک جگہ ریل لڑ گئی۔ ایک مسافر گاڑی اُدھر سے آتی تھی اور ایک مال گاڑی اِدھر سے جاتی تھی گارڈ شراب کے نشے میں ایسا چور رہا کہ کچھ خبر ہی نہ رہی اُسکو تار دیا گیا تھا کہ خبردار فلاں اسٹیشن سے آگے تیزی کے ساتھ نہ بڑھانا اور فلاں پٹری سے نہ لیجانا گارڈ تو اسوقت نشے میں غین تھا ہی آؤ دیکھا نہ تاؤ ریل کو تیز کر ہی دیا اور اُسی پٹری پر چلائی جس پر جانے کی ممانعت کر دی تھی ریل تو لے چلے جب پُل کے پاس پہونچے تو مسافر گھڑگھڑاہٹ کے سبب سے جاگ اُٹھے اور جیسا قاعدہ ہے انہیں سے اکثر دریا کی کیفیت دیکھنے لگے ویسے ہی اُدھر سے مال گاڑی نمودار ہوئی۔ اب ڈرائیور لاکھ لاکھ روکتا ہے مگر ممکن کہاں ریل کا دفعتہً روک لینا کچھ ہنسی ٹھٹھا تھوڑا ہی ہے خلاصہ یہ کہ عین پل پر دونوں ریلیں ٹکرائیں کئی منٹ تک دونوں انجن لڑتے رہے اور چونکہ دفعتہً لڑ گئے اس تصادم سے سخت نقصان جان و مال ہوا۔ دو آدمی ریل پر سے دریا میں غڑاپ غڑاپ۔ پانچ آدمی نہایت ہی زخمی ہوئے اور پندرہ بیس آدمی باہم ایسا ٹکرائے کہ اُنکے سر اور دھڑ ہاتھ پاؤں آپس میں خوب لڑے کسی کا کان کٹ کے الگ۔ کسی کی ناک ندارد۔ کسی کا چہرہ بگڑ گیا کسی کا ہاتھ ٹوٹا۔ کسی کا سر پھوٹا۔ ستم بپا ہو گیا۔ بس قیامت ہی ہو گئی تو اس سے ریل وہاں رُک رہی ہو اب کوئی چار گھنٹے کی دیر ہوئی انجن گیا ہے بس دم کے دم میں آئی وہ دیکھیے گھنٹی بجی۔ ٹھناٹھن۔ اب تیار ہو رہیے اور چلیے۔

خیر میاں آزاد اور خوجی سوار ہوئے اور ریل تھوڑی دیر میں چلی۔ تو انکے کمرے میں کئی آدمی بیٹھے تھے۔ اُنھوں نے سب سے پوچھنا شروع کیا کہ کیوں بھئی قطب کا منار دہلی میں کسی نے دیکھا۔ اب سب خاموش رہیں۔

ایک۔ حضرت ہم تو عمر بھر آگرے میں رہے دلی جانے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ ہمارے یہاں نیل کا بیوپار ہوتا ہے۔

دوسرے۔ ہم گنوار آدمی قطب کے منار کو کیا جانیں دیہاتی بھائی گئے تو دہلی ہم تین چار بار اور وہاں دو دو چار چار دن رہے بھی مگر منار دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوئی اور کون جاتا مفت کی جھنجھٹ۔

تیسرے۔ دلّی ہم گئے تھے ۱۲۴۵ھ میں اسکو کوئی اکیاون برس کا زمانہ ہوا۔ جب ہم لڑکے سے تھے۔ اٹھارھواں اُنیسواں سال تھا۔ وہاں چھ سات مہینے رہے۔

چوتھے۔ قطب کا منار ہم نے دور سے دیکھا ہے۔ پاس سے دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔

پانچویں۔ ہمارا مکان دادرے میں ہے۔ ل دلی جانے کا اتفاق نہوا نہوا۔

میاں آزاد اپنے دل میں ہنسنے لگے کہ لاحول ولا قوۃ۔ واہ رے ہندوستان اتنے آدمیوں میں سے کسی نے قطب کا منارہ دیکھا ہی نہیں اور لطف یہ کہ ایک حضرت وادرے کے رہنے والے ہیں جو دہلی کے پڑوس ہیں لیکن منار آجتک نہیں دیکھا بلکہ دہلی ہی نہیں گئے۔ اور دو ایک صاحب جو گئے وہ قطب کے منار کو دیکھنے نہ گئے ایک بزرگوار نے دور سے منار دیکھا مگر پاس نہ پہنچے۔ ایک ذات شریف امیر آدمی ہیں مگر تمام عمر آگرے میں رہے اتنی توفیق کبھی نہ ہوئی کہ چلو کبھی دہلی تو ہو آئیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ ؎

بادرنشیں و باش بیگانۂ او   دردام افتی اگر خوری دانۂ او

میاں آزاد خانہ برباد اور افیونیوں کے استاد میاں خوجی بد نہاد دوسرے دن پھر نواب نامدار ذوالاقتدار کے عالی شان اور سپہر توامان ایوان میں جا ڈٹے۔ دونوں وقت ملتے یاران سرپل گپ کے یابو کو خوش بیانی کے میدان میں سرپٹ دوڑا رہے تھے اور ڈیڑ پر اڑ لگا رہے تھے کہ اتنے میں مؤذن نے اللہ اکبر کا نعرہ مسجد سے بلند کیا۔ اب سنئے کہ یہاں جتنے ذات شریف بیٹھے ہیں سب جھنڈے تلے کے شہدے پیٹے ہوئے گرگے۔ ایک بولا روزہ انطار کرنے کا وقت آگیا۔ دوسرے نے کہا جی ہاں آگیا۔ چنیا بیگم کہاں ہیں۔ اسپر ایک فرمائشی قہقہہ پڑا۔

نواب۔ قسم قرآن کی ہمیں آجتک معلوم ہی نہ ہوا کہ روزہ رکھنے سے فائدہ کیا ہوتا ہے۔ مفت میں اپنے کو ہلاک کرنا کونسا ثواب ہی بھئی واللہ جو آجتک ہماری سمجھ میں بھی آیا ہو۔ ہم تو حافظ شیرازی کے چیلے ہیں۔ انھیں کی بیعت لائے۔ وہ بھی روزہ و نماز کے پابند نہ تھے۔

آزاد۔ آفرین کیا خوب بات کہی ہے۔ صاد ہی پیر و مرشد ؎

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما   چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

یا مریدان رو بسوئے کعبہ چون آریم چون   رو بسوئے خانۂ خمار دارد پیر ما

مصاحب۔ چوں آریم چوں۔ واہ واہ کیا کلام تھا۔

رفیق۔ دوست از مسجد۔ ان لفظوں کو تو دیکھئے۔

خوشامدی۔ اچھی شعریں ہیں۔ سعدی بڑے شاعر تھے اور علما تھے۔

میر صاحب۔ اور سنا علم موسیقی میں بھی دخل تھا۔ بھاگ کی دھن پر سر دھنتے تھے۔

راوی۔ اوچھا جی۔ واہ ری صحبت۔ ایک سے ایک زباں داں اور طلیق اللسان بذلہ سنج و لطیفہ گو ہی۔ اور چشم بد دور شعر و سخن میں کتنا عمدہ مذاق ہی۔ خدا چشم زخم حوادث سے بچائے تعریف بھی کی تو بھونڈی۔ سچ ہے۔

صائبؔ دو چیز می شکند قدر شعر را   تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس

مصرع ہی کہ ع۔ یا مریداں رو بسوئے کعبہ چوں آریم چوں ؛ اس کو فرماتے ہیں کہ چوں آئیم خوں ؛ اور فرمایا کہ کیا کلام تھا۔ تھا کی ایک ہی کہی۔ اب شاید مقصود ہو گیا ہی۔ دوسرے صاحب نے بفحوائے من چہ قسم برادر فلاں من بیار فش ست۔ فرمایا کہ دوست از مسجد لے سبحان اللہ دوش کو دوست اور مسجد کو مجید اور طرہ یہ کہ دوست از مجید۔ انھیں الفاظ کی تعریف ہو رہی ہے۔ تیسرے صاحب بولے اچھی شعریں ہیں۔ شعر کو ان حضرات نے مونث کر دیا اور دی۔ ان سے اسکی جمع بنائی اور اسپر ستم یہ کہ ان اشعار کو سنکر سعدی شیرازی کی توصیف کر رہے ہیں۔ گویا سعدی کا کلام ہی جس پاگل کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ حافظ کا کلام ہی یا سعدی کا وہ مدح کرنے کا کیا دم بھرے پھر کس مزے سے اکڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ سعدی بڑے علما تھے ماشاء اللہ سعدی تو خیر علما تھے ہی آپ بھی چشم بد دور بڑے علما بڑے کملا بڑے شعرا اور بڑے فضلا ہیں لاحول ولا۔ لاحول ولا۔ یہ تو تھا ہی۔ ایک صاحب شیخ جی کی قوالی کے بھی مداح ہیں۔

انھیں نے کسی تذکرہ ہی میں دیکھا ہوگا کہ شیخ علیہ الرحمۃ بھاگ کی دھن پر سر دھنتے تھے ۔ (چلو سور ہو آدھی رات بھئی)

مصاحب ۔ خداوند ۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ آخر شش اس فاقے سے فائدہ ہی کیا ہوتا ہے ۔

نواب ۔ (مسکرا کر) کیا خوب اے یہ تو کسی روزہ دار سے پوچھ مجھ سے اسکی تحقیقات فضول ہی ۔ یہاں جب سے پیدا ہوے قسم لیجئے جو کبھی ایک دن بھی فاقہ کیا ہو ۔ ارے میاں اوّل تو روزہ رکھنا اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے ۔ پھر بھوک میں نماز اور عبادت اور پرستش کی کس کو سوجھتی ہے ۔ توبہ توبہ کیجئے ۔ دوسرے یہ کہ جب دن بھر کڑاکے کا فاقہ کیا ہو تو رات کو شل ہو کر سو رہے اور یار لوگ تو سحر گئی الگ اڑاتے ہیں اور شام کو الگ دو تین سیر ستیاناس کرتے ہیں ۔ مگر ہاں دو چار مولوی ٹرار یاض کرتے ہیں کھاتے بھی کم ہیں اور سوتے بھی نہیں اور دن رات عبادت ہی کیا کرتے ہیں مگر ایسے ہیں کہ مجھ سے کہئے تو انگلیوں پر گن لوں ۔

رفیق ۔ بجا ارشاد ہوا پیر و مرشد ۔ اور یہ دیکھئے آپ ہی کے نمک کی قسم ہے کہ دن رات کھانے ہی کی فکر رہتی ہی چار بجے اور لونڈی پر پڑنے لگیں ۔ بے بھاؤ کی ۔ اُٹھتے جوتی اور بیٹھتے لات ۔ لہسن لا پیاز بگھار ۔ کباب پکیں ۔ میٹھے ٹکڑے پکیں ۔ آئی تو بہ ۔ ۶ جو ل گوشت روزہ دار بر اللہ اکبر ست ۔

ہندو مصاحب ۔ جی ہاں ہمارے یہاں بھی برت رکھتے ہیں لوگ مگر ہم نے تو ہر برت کے دن گوشت چکھا ۔

رفیق ۔ شاباش ہی لالہ ۔ شاباش ۔ واللہ کیا پکا مذہب ہی تمھارا ۔

نواب ۔ تربیت یافتہ ہیں نہ بھئی کچھ گنوار جاہل تو ہیں نہیں ۔

لیموں نچوڑ ۔ واہ حضور کیا خوب بات پیدا کی ہی ۔

راوی ۔ اس تعریف کے قربان ۔ پیدا حضور نے کیا اپنی ایسی تیسی کی کہنے لگے کیا خوب بات پیدا کی ۔

خوجی ۔ قسم حسینؑ کی ۔ کیا خیالات ہیں حضور کے ۔ واہ وہ بات پیدا کی ہے کہ توبہ ہی بھلی ۔

مصاحبین ۔ (قہقہہ لگا کر) واہ حضرت واہ کیا تعریف کی ہے کہنے لگے توبہ ہی بھلی ۔ واہ ری تری توبہ ہی بھلی یہ توبہ ہی بھلی کی ایک ہی کہی ۔ حضرت کس جنگل میں حضور تولد ہوے تھے آپنے تو وہ بات کہی کہ توبہ ہی بھلی ۔ یار خدا کے لیے ذری سمجھ بوجھ کر بولا کرو ۔

رفقا ۔ اے حضرت بولیں کیا بس اب بولنے کے دن گئے برسات ہو چکی نہ ۔

خوجی ۔ دو زانو ہو کر) میاں ایک ایک آؤ ۔ یا کھو جو کبھی لڑیں ہم اس میں بھی بند نہیں ۔ میاں سنو ۔ یہاں عمر بھر رئیسوں امیروں نوابوں ہی کی صحبت میں رہے ۔ تم لوگ ابھی کچھ دن سیکھو ۔ ابھی بچے ہو جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش ۔ ابھی خدا جھوٹ نہ بلوائے تو دودھ کے دانت بھی نہ ٹوٹے ہوں گے ۔ آپ اور ہم پر منھ آئیں شان خدا ۔ ؎

بت کریں آرزو خدائی کی
شان ہے تیری کبریائی کی

واللہ ایک بار ہمارے نواب صاحب کے یہاں ایک ذات شریف تشریف لائے بڑے طرحدار اور زبان آور میاں آزاد انکا نام تھا آتے ہی فقرہ بازی کرنے لگے ۔ بس تجلہ میں نے جو آڑے ہاتھوں لیا تو جھیپ کر نوک دُم بھاگے ۔ واللہ ہے وہ آڑے ہاتھوں لیا کہ اُنکی نانی ہی مر گئی ۔ آزاد ۔ آزاد ۔ بڑے آزاد بنے تھے ۔ ایسے جھیپے کہ چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں ۔ نواب کے یہاں جو آیا اُس نے منھ کی کھائی ۔ دُم دبا کر بھاگا ۔ میرے مقابلے میں کوئی ٹھہرے تو بھلا ۔ لے بس آپ ایک کر نا لیے ۔ دو دو چونچیں ہوں بھئی پانی سے

ٹوک دم نہ بھاگوگے تو مونچھیں منڈوا ڈالوں۔

مصاحب۔ (آگے بڑھ کر) آئیے بس آئیے دو دو نہیں چار چار مونچھیں سہی۔ آپ بھی کیا یاد کریں گے۔ بندے کی زبان بھی وہ زبان ہے کہ کترنی کو مات کرے۔ زبان آگے جاتی ہے۔ لفظ پیچھے رہے جاتے ہیں۔

خوجی۔ زبان کیا چرخا ہے رانڈ کا۔ واہ ری زبان فرمائشی زبان ہے۔ مگر خدا جھوٹ نہ بلوائے تو۔ رے اور زے اور ڑے اور ٹے زبان سے نہ نکلتا ہوگا۔ روٹی کو تو حضور لوتی کہتے ہوں گے۔

مصاحب۔ جب خدا جھوٹ نہ بلوائے نا۔ آپ اور جھوٹ نہ بولیں واہ وضع کے خلاف ہے ماشاءاللہ آپ کو وضع کا کس درجہ خیال ہے۔ جب سے ہوش سنبھالا کبھی سچ بولے ہی نہیں عمر بھر میں ایک دفعہ دھوکے سے سچ زبان سے نکل گیا تھا جس کا آج تک افسوس ہے۔

خوجی۔ اور وہ واقعہ میں بتاؤں جب آپ ایک دفعہ سچ بولے تھے ایک شخص نے انکے باپ کا نام پوچھا اُنھوں نے جلدی میں صاف صاف بتا دیا۔ اُسکا آجتک رنج ہے۔

الغرض سب کے سب ہنس پڑے اور خوجی مونچھوں پر تاؤ دینے لگے صاحب ایک چھٹے ہوئے گرگے وہ کب جھینپنے لگے جب محفل سے نکالے گئے تب تو جھینپے نہیں اب بھلا کیا شرمائیں گے۔ شرم چہ کتی ست کہ پیش مرداں آید باشن جھینپیں تو نواب کی محفل سے نکالے جائیں اسی دم گردن ناپی جائے اور چلتے پھرتے نظر آئیں۔

خوجی۔ کیوں حضرت کچھ فرمائیے تو آپ تو خاموش ہی ہو رہے۔

مصاحب۔ اجی تم گرگھوں سے کیا بحث کریں۔

خوجی۔ گالیاں دیجئے گالیاں۔ پانی پی پی کر کوسیے پنجے جھاڑ کے لڑنے لگے۔ لاحول ولا قوۃ۔

التماس۔ راوی اپنے ناظرین اولی الابصار خصوصًا متین اور مہذب بزرگواروں کی خدمت میں ملتمس ہے کہ ذیل کے حصّے کو بدتہذیبی پر نہ محمول فرمائیں۔ ہم اپنے ملک کے رسوم بد اور عادات خلاف تہذیب کو عمدہ طور سے لکھ ہی نہیں سکتے تاوقتیکہ ہم کل مذموم کا خاکہ نہ اُڑائیں پس ہم مجبور ہیں۔

اب سنئے کہ یہ گفتگو تو ہو ہی رہی تھی کہ ایک ڈکڑی گڑگڑاتی ہوئی آئی اور اس پر سے ایک نیک بخت بصد شان دلربائی اتریں (نیک بخت کا ہے کو بدبخت کہیے) خیر اب سب کی نظر اُسی طرف ہے پھاچم کی آواز نے شور محشر بپا کیا اور نواب تو ریشہ خطمی ہوگئے اور وہ پتلی کمر کو لچکاتی ہوئی تشریف لائیں اور نواب نامدار نے سب شرفا سے برتر مقام پر ان کو جگہ دی۔ اُس نے نواب کا مسند گھسیٹا اور بڑے ٹھسّے سے متمکن ہوئی اور چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

نواب۔ مزاج شریف۔

(۔) آپکی بلا سے۔

نواب۔ خطا۔ قصور۔ گناہ۔

مصاحب۔ حضور خدا کی قسم۔ اسوقت آپ ہی کا ذکر خیر تھا۔

(۔) چل جھوٹے۔ علی کی سنوار تیرے اوپر اور تیرے نواب پر۔

مصاحب۔ کلام اللہ کی قسم۔

(۔) اب ہم ایک چپت جمائیں گے۔ دیکھو نواب اپنے ان گرگوں کو منع کرو۔ میرے منھ نہ لگا کریں۔ جھوٹ کی روٹیاں کھاتے ہیں یہ نمک حرام۔

رفیق۔ اور یہ تو جھوٹوں کا سردار ہے۔

(۔) بجا اور تم۔ اے تم سب کے سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔

اتنے میں ایک مہری پانچ چھ برس کے ایک لڑکے کو گود میں لائی۔

نواب۔ یہ بھیّا کسکا ہے۔

(۔) ہماری بہن کا۔ اللہ رکھے لڑکا کیا پہاڑی مینا ہے۔ بھیّا نواب کو گالیاں تو دینا تم تو شرماتے ہو۔ بس یہی تو ہم کو اچھا نہیں معلوم ہوتا (چوم کر) شاباش بھیّا گالیاں دو۔ نواب کو انکو مٹھائی دو گے پھر۔

نواب۔ ہاں ہاں ابھی ابھی۔

(۔) لے گالیاں دے دو تو نواب مٹھائی دیں (چوم کر) بھیّا دو گالی۔

لڑکا۔ پہلے مٹھائی لاؤ۔ پھل ہم والی دیندے (پھر ہم گالی دیں گے)

مصاحب۔ ماشاء اللہ چشم بددور کیا میٹھی بول چال ہے۔

اب چوطرفہ سے مصاحب بلاتے ہیں۔ آؤ ہمارے پاس آؤ ہم دیں۔ اور لڑکے کے کان میں انھوں نے کچھ سکھا دیا تو اُس نے نواب کو وہ بے نقط سنائیں اور وہ گالیاں دیں کہ توبہ ہی بھلی نواب صاحب خوب کھلکھلا کے ہنسے اور محفل بھر لڑکے کی تعریف کرنے لگی اور اللہ رکھے کیا مینا کی طرح بول رہا ہے۔ چشم بددور خداوند اب ان کو مٹھائی منگوا دیجئے۔

نواب۔ اچھا بھئی اُنھوں نے کہنا کیا ہمارا۔ کوئی ہے۔ ارے کوئی ہے۔

خدمت گار۔ حاضر (کوئی اٹھارہ آدمی ایکدم سے بول اُٹھے۔)

نواب۔ بھئی انکو پانچ روپیہ کی مٹھائی تو لا دو۔

(۔) اے ہٹو بھی۔ آپ اپنے چہرہ شاہی رہنے دیں کیا کوئی فقیر ہے۔ خدانخاستہ (نخواستہ)

نواب۔ اچھا ایک اشرفی کی مٹھائی لا دو۔

(۔) بھیّا سلام کرلو۔

راوی۔ منزدہ۔ اب تو سلام کا موقع ہی ہے۔ ایک بار گالی دی تو ایک اشرفی پائی۔ اب دو چار بار اور گالیاں دو تو لوٹ لیجاؤ۔ واہ رے نواب کس لطف سے آپ اُس لڑکے سے فرماتے ہیں کہ ہاں کہو کہو۔ کہو تو مٹھائی منگوا دیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ اے لعنت خدا۔ توبہ توبہ۔ کتنا بھونڈا مذاق ہے۔ معاذ اللہ۔

نواب۔ کوئی چیز تو کہو اسوقت۔ پہیلی کوئی چیز کہو تمھیں واللہ

(۔) ہائے ہٹو بھی۔ لو اور سنو۔ خدا کی قسم دیتے ہیں۔ آج شبیں ہیں۔ آپ کو گانے کی سوجھتی ہے۔

نواب۔ اجی سب شبیں ہی ہیں۔ کہو بھئی۔ ذرنی جی بہلے گا۔

اتنے میں دو چار لیمو جو سامنے پڑے تھے بی صاحب نے اُٹھا لیے ایک لیمو داہنے ہاتھ میں لیا اور دوسرا لیموں اُسی ہاتھ سے اُچھالا اور روکا پھینکا اور روکا۔ پندرہ منٹ تک اسی طرح اچھالا اور روکا کیں۔ محفل بھر میں شور تحسین مچا ہوا ہے کہ واہ کیا سُلے ہوئے ہاتھ ہیں واللہ اس کمال کو تو دیکھیے۔ وہ بولیں کہ بھلا نواب تم تو اُچھالو۔ جب جانیں کہ نیبو گرنے نہ پائے۔ نواب بیچارے نے بھی ایک لیمو ہاتھ میں لیا اور دوسرا اُچھالا تو تڑ سے ناک پر گرا۔ پھر اُچھالا تو ٹھوڑی پر کھٹ سے۔ پھر اُچھالا تو ٹانگ پر کھٹ سے۔ تب تو جھلا کر نواب نے لیموں پھینکدیے۔

(۔) ماشاء اللہ سے کتنے برق دم ہیں آپ۔

نواب۔ ہم کیا کچھ۔

(۔) بس جاؤ بھی جی۔

نواب۔ اور یہ اُنگلی میں کپڑا کیسا بندھا ہے۔

(۔) بوجھو دیکھیں کتنی عقل ہے۔

نواب۔ شان خدا۔ اے اس میں مشکل ہی کیا ہو۔ چھالیاں کترتی ہوگی۔

(۔) ہاں وہ خون کے فراٹے بہے کہ توبہ۔ میں نے پانی ڈالا اور

کپڑا باندھ دیا۔ اب کبھی چھالیاں نہ کتریں گے۔ باللہ قسم کھاتے ہیں۔

مصاحب۔ حضور آج اس شہر میں ایسی دوسری (۔۔) نہیں ہے ہنس مکھ۔ خلیق خندہ پیشانی۔

نواب۔ بھلا کبھی نواب (۔۔) کے بھی ہاں جاتی ہو سچ سچ کہنا۔ (۔۔) علی کی سنوار آئیں۔ نواب۔ تو بھلا خیر ج کر کے اللہ میاں کے گھر سے پھر آئے ہیں۔ اس منحوس سے کوئی اتنا تو پوچھے کہ آپ کہاں کے ایسے بڑے مولوی بن بیٹھے۔

نواب۔ جی بجا ہے جو آپ کو نہ بلائے وہ منحوس ہوا۔ (۔۔) بلائے بلائے یا سر ی ٹیک کرے۔ جسکو غرض ہوگی آپ ہی دوڑا آئیگا۔ اتنے میں میاں آزاد اور خوجی وہاں سے چمپت ہوے۔

آزاد۔ خوجی بھئی آج تو طبیعت کچھ بے لطف ہے اعضا شکنی ہو چکی اب جاں شکنی ہے۔

خوجی۔ آپ سے تو کہتے کہتے مر مٹے کہ ابھی بے احتیاطی نہ کیجئے تبرید پیتے جایئے مگر آپنے نہ مانا نہ مانا۔ اگر آپ تبرید کا استعمال کرتے جاتے تو حرج ہی کیا تھا مگر تم سنتے کس کی ہو۔

آزاد۔ یار آنکھیں جلتی ہیں۔

خوجی۔ بخار کی آمد ہے۔ بس اب سو رہیئے لاحول ولا قوۃ مجھے خوف ہے کہ مبادا بیماری بڑھ جائے اور طول کھینچے تو پھر غضب ہی ہو جائے۔ لاحول۔ خاصے اچھے ہو گئے۔ مگر ذرا سی بے احتیاطی سے یہ نوبت پہونچائی۔ پھر خود کردہ را چہ علاج۔

آزاد۔ کسی حکیم کو بلایئے۔

خوجی۔ ابھی حکیم کیا کرے گا۔ اب دوا تو کہیں کل پیجیئے گا نہ۔ پھر حکیم کو کیوں بلواتے ہو ابھی سے مگر ایکی ایسا نہ کرنا کہ صبح کو حکیم شام کو بید۔ دوپہر کو ڈاکٹر۔ آپکی بھی جتنی باتیں ہیں سب حماقت کی اور جلد بازی کا آپ پر خاتمہ ہے بس۔

آزاد۔ کل نواب کے یہاں تو بڑی دل لگی رہی۔ اور آپ کچھ سمجھے بھی یہ دکڑی وہی تھی جو روشن علی خرید کر لائے تھے۔ معلوم ہوتا ہے فٹن بھی تڑسے خرید ہی لیا۔

خوجی۔ ہونھہ۔ یہ کون بڑی بات ہو اجی اسی میں تو ایسے نوابزادوں کا روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ انکی صحبت میں جب بیٹھے خوب گپ اڑائے اور جھوٹ اسقدر بولے کہ زمین و آسمان کے قلابے ملائے اور بات بات پر خوشامد کرے۔ مگر مشکل اتنی ہے کہ مصاحبوں سے ہر دم عہدہ برآ کیونکر ہو چغل خور بھرے ہوے بات ہوئی اور چغلی کھائی اور رئیس کے مزاج کو برہم کر دیا۔ جمنا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے اور جو جم گئے تو دونوں وقت پلاؤ اور باقر خانی اور شیر مال اور پراٹھے اور کباب اور قورما اور دوپیازا اور مربائے لذیذ چکھیئے اور دندنایئے اور جو رئیس کے مزاج میں زیادہ دخیل ہوے تو پھر تو بو بارہ ہیں دونوں ہاتھوں سے لوٹیئے اور سونے کی اینٹیں بنوا کر صندوقچے میں رکھ چھوڑیے لیکن حضرت واللہ ہے کہ ایسے مال کو رہتے نہ دیکھا معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کدھر آیا کدھر گیا۔ بس ادھر آیا ادھر صفایا۔ ع۔ مال حرام بود بجائے حرام رفت۔

آزاد۔ ہاں میں تو بھول ہی گیا تھا۔ خوب یاد آیا۔ یہ کل آپ نے نواب کے یہاں تو ہم کو خوب آڑے ہاتھوں لیا اور میں اسوقت خاموش تم نے آزاد کا نام لے لے کر وہ وہ سنائیں کہ میں جھلا جھلا کر رہ گیا سے اب اسوقت سمجھوں آپ کو۔

خوجی۔ واہ اٹھنے کی تو طاقت ہی نہیں آپکو اور خم دم یہ کہ سمجھوں گا اور بھائی نوابوں کی صحبت میں ایسی ہی باتیں کرنی چاہئیں سمجھے اپنی خوب تعریف کرے۔

آزاد۔ لاحول ولا قوۃ۔ ایسی صحبت بر تین حرف۔ کیا بھونڈی باتیں ہوتی تھیں اس لونڈے نے کیسی بے نقط سنائی ہیں کہ توبہ توبہ

یہ نواب بھی بالکل چونگا ہی رہے۔

خوجی۔ اور نہیں تو کیا نرے چونچ۔

آزاد۔ خدا کرے یہ رئیس زادے پڑھ لکھ کر مہذب و متین فہمیدہ اور سنجیدہ ہو جائیں۔

خوجی۔ ارے خدا نہ کرے بھائی۔ یہ تو جاہل ہی رہیں تو اچھا واللہ جو کہیں پڑھ لکھ جائیں تو پھر اتنے بھلے مانسوں کی پرورش کون کرے۔

آزاد۔ جی بجا ہے جھوٹ بولنے والے خوشامد کرنے والے بے ایمان دغاباز جعلساز تو مزے اڑائیں اور علما و فضلا و کملا جوتیاں چٹخائیں بس اب ہم کو نیند آتی ہے ذرا سونے دو۔

دوسرے دن گل آزادی کے رنگ و بو۔ بذلہ سنج۔ لطیفہ گو میاں آزاد فرخ نہاد اور انکے شفیق بالتحقیق میاں خوجی خانہ برباد پھر نواب قمر رکاب کی محفل عشرت منزل میں شریک ہوئے میاں آزاد کو تو دل سے لگی تھی کہ ٹرکی جائیں اور اسکے دشمنوں کو نیچا دکھائیں مجیدی تمغے ٹنکائیں اور سرخ رو ہو کر واپس آئیں اور بیت ملائک تظرفریب عدوئے صبر و شکیب خاتون مہ لقا پیاری حسن آرا کو بیاہیں۔ لیکن طبیعت کا اضمحلال اور حرارت کے اشتعال نے ٹنگڑی لی۔ سوچے کہ خیر۔ ادھر چنگے ہوئے ادھر روانہ باشند اور کھٹ سے داخل منزل مقصود۔ اور تڑ سے شبدیز سبک خیز کی پیٹھ پر سوار۔ اور دن سے داغ دیا۔ یہ مارا وہ مارا یہ لیا وہ لیا۔ ادھر چڑھ دوڑے۔ ادھر دھر دھکیلیں میدان کارزار ہو اور میاں آزاد کی تلوار تیغ خوش غلاف چمکے تو پرے کے پرے صاف ہو جائیں۔ خوجی اپنی اور ہی دھن میں تھے۔ وہ افیون اور پوست ہی کی ادھیڑبن میں تھے دن رات یہی فکر۔ ہر دم یہی ذکر کہ بار خدایا وہاں افیم ملے گی یا نہیں۔ چین تو وہاں سے قریب ہے پھر کیا چینی افیم دستیاب نہ ہوگی۔

راوی۔ ماشاءاللہ اس واقفیت کے صدقے اس جغرافیہ دانی کے قربان۔ میاں خوجی علاوہ کشف و کمالات مورخ بھی بے بدل ہیں خدا عین الکمال کے اثر سے مصئون رکھے آمین یہ کیا دور کی سوجھی ہے کہنے لگے چین تو ٹرکی کے پڑوس ہی ہے۔ کیا ہمسایہ کی افیون نہ ملے گی منہ دھو رکھیے مل چکی۔ کجا چین کجا روم قریب ہونے کی ایک ہی کہی ان کو بس افیون سے سروکار ہے۔ نہ ہب کا جوش نہ خروش۔ بس ایک افیونی اور دوسرے چانڈو نوش (یعنی دھواں تک پی جائیں) بلکہ انسی تک نہ چھوڑیں۔

خیر دونوں کے دونوں نواب نامدار کی کوٹھی پر بہار میں پہونچے اور علیک سلیک کے بعد ادب کے ساتھ بیٹھے۔ خوجی نے تو بیٹھتے ہی مقراض زبان سے جامۂ سکوت کو کترنا شروع کیا۔

خوجی۔ حق تعالٰی ایسے رئیس با توقیر کو سلامت اور باکرامت رکھے

مصاحبین (بآواز بلند) آمین ثم آمین۔

خوجی۔ کیوں پیر و مرشد۔ آج کچھ چہل پہل نہیں ہے۔

مصاحب۔ چہل پہل ہی کی آپ کو سوجھتی ہے چہل پہل کیا خاک ہو ایک سانحہ جگر دوز ہو گیا۔

خوجی۔ الٰہی خیر۔ الٰہی خیر۔ بھئی بڑی بری سنائی۔ خداوند انجام بخیر کرنا۔ پاؤں تلے سے مٹی نکل گئی (آہستہ سے) کچھ حال تو کہیئے خیریت تو ہے۔

آزاد۔ خدا خیر کرے۔ حضرت کچھ تو فرمایئے۔

نواب۔ کیا عرض کروں۔ بس کچھ پوچھیئے نہ۔ جب دن برے ہوتے ہیں تو ہر چہار طرف سے بری ہی بری باتیں سننے میں آتی ہیں ابھی اٹھوارے کا عرصہ ہوا کہ گھر میں وضع حمل ہو گیا۔ ایک مصیبت اور

آزاد۔ پھر یہ آپ کیا فرماتے کیا ہیں۔ پیر و مرشد وضع حمل

ہونا بھی کیا خدانخواستہ کچھ بری بات ہے۔ اجی وضع حمل کے معنی لڑکا پیدا ہونا۔ شگوفے ملتی ہیں اگر فرزند دلبند تولد ہوا تو زہے نصیب جشن کیجئے۔ یہ افسوس آپ کیسا ظاہر کر رہے ہیں معقول کہنے لگے ایک مصیبت ابھی مصیبت ہے۔

مصاحب۔ ہمارے حضور کا منشا اسقاط حمل سے تھا۔ آپ سمجھے نہیں۔

راوی۔ کیا خوب واہ نواب صاحب۔ کیوں نہ ہو۔ اسقاط حمل اور وضع حمل ہی میں آجتک حضور کو فرق نہ معلوم ہوا۔ لاحول ولاقوۃ کیا خاصی مصیبت بتائی ہے کہ گھر میں وضع حمل ہو گیا واللہ پھڑکا دیا بھئی اب تو ہنسی ضبط نہیں ہوتی اور طرہ اسپر یہ کہ مصاحب نے اسپر اور بھی جلا دیدی۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے حضور کا منشا اسقاط حمل سے تھا۔ سبحان اللہ اچھا منشا ہے کہئے کچھ۔ منشا کچھ ہو۔ اور الٹے میاں آزاد ہی کو للکارتے ہیں کہ (آپ سمجھے نہیں) بجا ارشاد ہوا پیر و مرشد۔ وہ ایسے ہی ناسمجھ ہیں دانا اور جالینوس تو بس ایک آپ کے نواب دوسرے اُن کے مصاحبین منحوس۔

رفیق۔ (آزاد کی طرف مخاطب ہو کر) اجی وضع حمل بھی کہتے ہیں شیخ لکھ گیا ہے۔

راوی۔ ایک نہ شد دو شد۔ نواب صاحب نے تو اسقاط حمل کو وضع حمل بتایا۔ مصاحب الدولہ بہادر نے آزاد کو ناسمجھ بتایا۔ اور رفیق بولے کہ اجی وضع حمل بھی کہتے ہیں۔ اس مردک سے کوئی اتنا تو پوچھے کہ تلفظ تک تو درست ہی نہیں تیرا۔ وضع کو تو وضع کہتا ہے۔ شیخ الرئیس بیچارے کو کیوں بدنام اور مطعون کرتا ہے اگر واہ ری چالاکی کس پھرتی سے زبان چلتی ہے۔ زبان کیا پیگو کا یابو ہے اور کیسی جلدی جھٹ پٹ شیخ کا حوالہ بھی دیدیا۔ لاحول ولاقوۃ۔ اس خوشامد کی دم میں موٹا سا رسّا۔

آزاد۔ ہاں پیر و مرشد فرمائیے تو خدا نہ کردہ کیا رنج نصیب اعدا ہوا کہ عیش و عشرت کی محفل میں وہ چہل پہل ہی نہیں۔ وہ رونق ہی نہیں۔ وہ جوبن ہی نہیں۔ چھما چھم کی آواز کان میں نہیں آتی وہ قہقہے کیا ہوئے وہ چہچہے کیا ہوئے۔ مصاحب بلبلوں کی طرح چہکتے تھے دیوار و در جھکتے تھے۔ ہم تو دو گھڑی آپکی صحبت میں دل بہلانے آئے تھے مگر دیکھا تو محفل بزم خاموشی جیسے چپ تعزیہ نکلنے والا ہے۔ ہر سمت سناٹا پڑا ہوا ہے۔

نواب۔ (آہ سرد کھینچ کر خاموش ہو رہے)۔

مصاحب۔ (افسردگی کی صورت بنائے ہوئے گردن جھکائے ہوئے)۔

رفیق۔ (سر پکڑ کر چپ چاپ بیٹھے ہوئے افسوس کر رہے ہیں کہرام مچا ہوا ہے کبھی غل غپاڑا کبھی لب بند)۔

اتنے میں ایک صاحب بول اٹھے کہ حضرت کیا عرض کریں بس کچھ نہ پوچھئے آج تو بڑا سانحہ ہوش ربا ہو گیا۔ ایک مینڈھا مر گیا۔ کیسا تیار تھا کہ میں کیا کہوں۔ گینڈا بنا ہوا۔

مصاحب۔ واہ کیا بھونڈی تعریف کی ہے کہنے لگے گینڈا بنا ہوا اے یوں نہیں کہتے کہ گینڈے کو ٹکرا دیتا تو قیں کرکے نوک دم بھاگتا پٹا توڑ۔ ایک دفعہ میں اپنے ساتھ عیش باغ لے گیا۔ وہاں دو چار آدمی مینڈھے لیے کھڑے تھے ہفتے کا دن ساون کا مہینہ۔ میلہ جما ہوا۔ ساقنوں کی دکانوں پر دھواں دھار چلمیں اڑ رہی ہیں ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے ہوئے۔ اتنے میں ایک راجہ صاحب ہاتھی پر سوار بڑے کرّوفر سے آرہے تھے اور بندۂ درگاہ مینڈھے کو عین سڑک پر لیے ہوئے ڈٹے کھڑے ہیں اتنے میں خاص بردار نے للکارا کہ ہٹا بکری کو سامنے سے بھائی

اتنا کہنا تھا کہ میرا چہرہ مارے غصہ کے تمتمانے لگا۔ آگ ہی تو ہو گیا۔ میں نے پوچھا کہ کیا کہا بھئی پھر تو کہنا۔ خاص بردار ایک بتی باندھے ہوئے دو پایوں پر بڑھاتے ہوئے وہ کسکی سنتا ہے آنکھیں نیلی پیلی کرکے کہتا کیا ہے۔ ہٹا بکری کو سامنے سے سواری آتی ہے۔ تب تو قبلہ رگ ہاشمی جوش زن ہوئی۔ اور میں نے مینڈھے کو للکارا تو ایک دفعہ ہی بلا کی طرح جھپٹ کر ہاتھی کی مستک پر ایک ٹکر لگائی۔ کھٹاک۔ وہ آواز آئی کہ جیسے کوئی تناور درخت اراراکر زمین پر آرہا۔ بندر تو آپ جانئے عیش باغ میں ڈال ڈال لگے چیخنے۔ بندریائیں بچوں کو چھاتی سے لگائے دبک رہیں۔ بندر اور بڑے بڑے جغادری بندروں نے آنکھیں بند کرلیں تو وجہ کیا اُنکو مینڈھے پر بھیڑیے کا دھوکا ہوا۔

خوجی۔ قطع کلام ہوتا ہے آپکا مینڈھے کو بھیڑیا سمجھے مگر واللہ آپکو بے دُم کا لنگور سمجھے ہوں گے جب ہی آنکھیں بند کرکے چپ چاپ بیٹھ رہے تن بہ تقدیر۔

محفل بھر یہ لطیفہ سن کر لوٹنے لگی۔ اور مصاحب الدولہ نے بھی تعریف کی کہ بھئی خوب کہی اور پھر داستان یوں شروع کی۔ بس حضرت سلامت۔ ایک ٹکر لگا کر پیچھے ہٹا اور ہٹتے ہی ڈپٹا اور بدن کو تول کر ایک دفعہ ہی طرارہ جو بھرتا ہے تو پھر مستک پر ایک اور ایک دو دو ٹکریں لگائیں اور پھر پھرا تو اُچک کر فیلبان کے ماتھے پر ایک ٹکر لگائی مگر آہستہ سے۔ اُس تمیز کو دیکھئے گا۔ سمجھا کہ اُن میں ہاتھی کا سا زور کہاں۔ یہ انسان ضعیف البنیان لہذا آہستہ سے ٹکر لگائی کہ کوڑے نہ بجیں۔ گر زابچہ کا ادب کیا۔ اب میں لاکھ لاکھ زور کرتا ہوں وہ سنتا کسکی ہے غصہ آیا سو آیا جیسے بھوت سر پر سوار ہو گیا۔ جھر ملکے پھر لپکا اور ایک دو تین چار بس خدا جانے کتنی ٹکریں لگائیں کہ پاٹھا بولا گیا اور چنگھاڑ کر تو کو دم بھاگا یہ جا وہ جا۔ آدمی پر آدمی گرتا ہے آپ جانئے پاٹھے کا بگڑنا کچھ ہنسی ٹھٹھا تو ہے نہیں۔ تو قبلہ وہ مینڈھا آج صبح کو چل بسا۔

مصاحبین۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مصاحبین نے راجعون کے عین کو قرأت کے ساتھ ادا کیا گر خدا جھوٹ نہ بلوائے ایک کو بھی (انا للہ وانا الیہ راجعون) کے معنی نہیں معلوم۔ لیکن پڑھیں گے اس طرح گویا بڑے عربی داں ہیں۔

آزاد۔ کمال افسوس ہوا۔

خوجی۔ افسوس بن شریف کیا تھا۔

نواب۔ اے ابھی بچہ تھا۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش مگر داغ حسرت دے گیا۔

مصاحب۔ حضور وہ آپکا دشمن تھا دوست نہ تھا۔

نواب۔ ارے بھائی کس کا دوست کیسا دشمن۔ اُس بیچارے کا کیا قصور۔ ع۔ از دست اجل بسے جگر ہا خوں شد۔

خوجی۔ حق ہے۔ ؎

کس نہ آمد ازاں جہاں کہ تا پرسیم ازو	کاحوال مسافران عالم چوں شد

نواب۔ وہ تو اچھا گیا مگر ہم سب کو جیتے جی مار ڈالا۔

آزاد۔ عرض کرو پیرو مرشد یہ عالم کون وفساد ہے۔ اس دنیائے دوں سے جو گیا اچھا گیا۔ مگر نوجوان کی وفات کا سخت رنج اور اُسکے انتقال کا بڑا ہی ملال ہوتا ہے۔ ع۔ این ماتم سخت است کہ گویند جواں مُرد۔

مصاحب۔ اور پھر جوان بھی کیسے کہ ہونہار۔ ہاتھ مل کے رہ گئے یاز کیا کریں کچھ بس چلتا ہے۔

آزاد۔ عارضہ کیا تھا۔

رفیق۔ اجی عارضہ کیا بتائیں۔ بس قسمت ہی پھوٹ گئی۔

مصاحب۔ مگر کیا وفات پائی ہے۔ رمضان المبارک شب

روح بہشت میں ہوگی طوبیٰ کے تلے جو گھانس ہے وہ چر رہے ہوں گے کیا نیک مخلوق تھا مگر افسوس۔

اتنے میں ایک مہری گلبدن کا لہنگا جس میں آٹھ آٹھ آنگل گوٹ لگی تھی پھڑکاتی ہوئی اور گلابی دوپٹے کو چمکاتی ہوئی آئیں اور نواب صاحب کے کان میں جھک کر کہا کہ (بیگم صاحب ذری حضور کو بلاتی ہیں۔ کہا کہ ابھی ابھی آئیے کچھ ضروری بات کہنی ہے۔

نواب۔ اللہ اللہ یہ نادری حکم۔ اچھا صاحب چلیے۔ یہاں تو بیگم اور مہری دونوں سے ڈرتے ہیں۔

نواب صاحب محل میں داخل ہوے تو بیگم صاحب نے خوب ہی آڑے ہاتھوں لیا اور بھگو بھگو کر لگائیں (زبانی داخلہ) اُدھر انھوں نے دہلیز میں قدم رکھا اور وہ بیچ پڑیں۔ حتیٰ کہ باہر تک آواز آئی۔

بیگم صاحب۔ لے میں کہتی ہوں آخر تش یہ زار نالی کیسی ہے کہاں کی ایسی مصیبت خدا نا کردہ پڑگئی کہ تم ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہو۔ مینڈھے نگوڑے مرا ہی کرتے ہیں۔ آج موا کل دوسرا دن ایسی عقل پر پتھر پڑ جائے لو موے جانور کی جان کو رو رہے ہیں واہ رے آپکے شہور (شعور) دن بہ دن عقل کو دیمک چاٹے جاتی ہے اور ان مخنت خوروں نے اور بھی آپ کو چنگ پر چڑھایا۔ اللہ سوں اگر آپنے رنج دنج کیا تو ہم زمین آسمان ایک کر دیں گے۔

بیکار بیگار نحوست پھیلانا (آخر وہ مینڈھا کوئی آپکا) بس اب کیا کہوں کیا جھینگی بلی بنے غٹر غٹر سُن رہے ہو۔

نواب بھیگی بلی بنے غٹر غٹر سُنا کیے اور جب بیوی خوب آڑے ہاتھوں لے چکیں تو اُنکے سر کے پچھلے پر ہاتھ رکھ کر کہا تمھارے سر کی قسم اب ہم اُسکا ذکر بھی نہ کریں گے جب تمکی بلی مرگئی تھی تو آپنے کیوں دن بھر کھانا نہیں کھایا تھا اور پھر ہم نے آپ کو منایا تھا اور قسمیں دے دے کر کھانا کھلوایا تھا اور بڑے تکلف سے آپ نے لقمہ اُٹھایا تھا۔ اب ہمارے داؤں آپ غراتی ہیں۔

مصاحب۔ (پردے کے پاس سے) واہ حضور بلّی کے لیے غرّانا بھی کیا خوب۔ واللہ ضلع جگت سے تو کوئی فقرہ آپ کا خالی ہی نہیں ہوتا۔

بیگم۔ دیکھو ان موے مسٹنڈوں نخت خوروں کو منع کر دو۔ ڈیوڑھی پر یہ نہ آنے پائیں۔

دربان نے جو اتنی خبر پائی۔ تو ایک ڈانٹ بتائی۔ بس جی سنا چلتے پھرتے نظر آؤ۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاؤ۔ اب ڈیوڑھی پر آنے کا نام لیا تو تم جانوگے۔ بیگم صاحب ہم پر خفا ہوتی ہیں۔ تمھاری گرہ سے کیا جائے گا ہم سپاہی آدمی ہماری نوکری کا خون ہی ہو جائے گا مصاحب بھی بڑے زبان دراز اور تیکھے آدمی تھے۔ سپاہی سے تو کچھ نہ بولے مگر بڑبڑاتے ہوے چلے اور مصاحبوں نے پوچھا کہ کیوں کھٹی کیوں اسوقت ناک بھوں کیوں چڑھائے ہو خیر تو ہے۔ بولے کہ اجی کیا کہیں ہمارے نواب تو بس موم کی ناک ہیں بیوی کے باوا ہی رہے۔ بیوی نے ڈپٹ لیا زن مرید ہیں جی۔ آبروے ہمت مردانہ کا خیال ہی نہیں عورت ذات اور پھر چوزہ اور اُلٹی دھمکیاں دے اور ڈاڑھی موچھ والے ہو کر چپ چاپ سنا کریں واللہ جو کہیں میری بیوی کہتی تو گلا ہی گھونٹ ڈالتا یہاں ناک پر مکھی تک تو بیٹھنے ہی نہیں دیتے اسوقت نواب کو للکار رہی تھیں اور نخرے بگھار رہی تھیں اتنے میں نواب بیچارے بولے کہ میں نے اپنے مینڈھے کی وفات کا جو اتنا رنج کیا تو کیا گناہ ہوا تمھاری بلّی مری تھی تو تم نے نہیں حشر بپا کیا تھا پھر اب کیوں غرّاتی ہو۔ اسپر میں نے کہا کہ واہ حضور بلّی کے لیے غرّانا بھی کتنا برجستہ لطیفہ ہے۔ بس قبلہ پھر تو اللہ دے اور بندہ لے۔ اُنکو چھوڑ مجھ پر بیچ پڑیں اور کہا ڈیوڑھی سے اسکو نکال دو۔ اور نواب گربۂ مسکین بنے ہوئے

چپ چاپ کھڑے ہیں یہ نہ کہا کہ ہمارے رفیق ہیں مرنے کٹنے والے آدمی۔ جہاں ہمارا پسینا گرے وہاں یہ خون گرائیں اور لہو کی ندیاں بہائیں۔

راوی۔ واہ سب زبانی داخلہ۔ لہو کی ندیاں بہانے والے جھوٹ کے آدمی آقا کے خیر خواہ ابھی آپنے دیکھے ہی نہیں اس نمک حرامی پر خدا کی مار کہ منھ پر تو تعریف کریں اور پیٹھ پیچھے نواب اور بیگم دونوں کو صلواتیں سنائیں۔ کسی کو گریہ مسکین بنائیں کسی کو زن مرید بتائیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ اس نیلے تکے پن کو ملاحظہ فرمائیے کہ پردے کے پاس زنانی ڈیوڑھی میں جاکر نواب صاحب کے لطیفے کی تعریف کرتے ہیں اور بآواز بلند داد دیتے ہیں کہ واہ حضور بلّی کے لیے غر۲۱نا خوب برجستہ فرمایا اس جگت بازی کے صدقے پھر فرمائیے بیگم صاحب بُرا مانیں یا نہ مانیں۔ وہ نواب کی طرح دشمن عقل تو ہیں نہیں کچھ انکو تو ان مصاحبوں کے نام سے نفرت ہے۔ جب یہ زنانی ڈیوڑھی پر جاکر لطیفوں کی تعریف کریں تو اُن کو بُرا معلوم ہو یا نہ ہو۔

آزاد۔ بھئی غصّہ کو تھوک دو۔ غصّہ حرام ہوتا ہے۔ اُنکی بیوی ہیں وہ چاہے گھڑکیاں سُنیں۔ چاہے جھڑکیاں سہیں۔ آپ بیچ میں بولنے والے کون۔ اور پھر جسکا کھاتے ہو اُسی کو بے نقط سُناتے ہو لاحول ولا قوۃ۔ اس لیاقت کے قربان اور باایںہمہ یہ دعویٰ کہ ہم نمک حلال اور کٹ مرنے والے لوگ ہیں۔

اتنے میں نواب صاحب اندر سے تشریف لائے اور مصاحبوں نے استادہ ہوکر سرو قد تعظیم کی۔ امیروں کے دربار میں آپ جانئے ایک کا ایک دشمن۔ سیکڑوں چغل خور۔ ہر دم یہی فکر رہتی ہے کہ ایک دوسرے کی چغلی کھائیں اور سب کو اس دربار سے نکلوائیں خود بدولت جم جائیں۔ وارد نگی پائیں۔ اور چو طرفہ ہم ہی ہم نظر آئیں۔

مصاحب الدولہ جو پردے کے پاس سے گالیاں دیتے ہوئے آئے تو دو مصاحبوں (حافظ جی اور میاں ندرت) نے باہم صلاح کی کہ آج نواب برآمد ہوں تو اسکی چغلی کھائیں اور اسکو کھڑے کھڑے نکلوائیں۔ دونوں نے دل میں ٹھان لی کہ خوب حاشیے چڑھائینگے اور نواب کو بھر دیں گے۔ نواب کو جو آتے دیکھا تو چلّا کر کہنے لگے۔

حافظ جی۔ سُنا بھئی خدا یار خاں (یہ ان مصاحب کا نام تھا جو زنانی ڈیوڑھی سے نکالے گئے تھے) سُنا بھئی خدا یار خاں بس اب جو کوئی کلمہ کہا تو ہم سے نہ بنے گی جس کا کھائے اُسی کا گائے نہ کہ جسکا کھائے اُسکو بے نقط سُنائے نواب صاحب کو چاہے آپ پیٹھ پیچھے زن مرید بنائیں چاہے گریہ مسکین کہیں مگر خبردار جو آج سے بیگم صاحب کی شان میں کوئی نا ملائم کلمہ کہا تو خون ہی پی لوں گا۔

نواب۔ (چونکنا ہوکر) کیا۔

حافظ جی۔ کچھ نہیں حضور خیریت ہے۔

نواب۔ نہیں کیا معنی کچھ تو ضرور؟۔

میاں ندرت۔ تو چھپاتے کیوں ہو سرکار سے صاف صاف کیوں نہیں کہدیتے۔ حضور بات یہ ہے کہ میاں خدا یار خاں کو جب دیکھو حضور ہی کی ہجو کیا کرتے ہیں لاکھ لاکھ سمجھایا کہ یہ بری بات ہے میاں کہکر۔ بھائی کہکر بیٹا بادا کہکر ہاتھ جوڑکر ہر طرح سمجھایا مگر یہ تو لاتوں کے آدمی ہیں باتوں سے کب مانتے ہیں ہم بھی چپکے ہو رہتے تھے کہ بھئی چغلی کون کھائے مگر آج زنانی ڈیوڑھی سے حضور بس کیا کہوں۔ اب اور نہ کہلوائیے۔

نواب۔ ان کو ہم نے موقوف کر دیا۔

معشوق رنگین ادا مس ہرجینا کا حسن وجمال اور نواب فرخ نہاد و میاں آزاد کا شوق وصال

بیا ساقی کہ شوق صحبت یار	دلم را ہمچو من برداشت از کار

بدہ جامے کہ چوں چشم کشاید	نگاہم بر جمال دوست آید
بدہ جامے کہ گردم بیحایا	شکار چشم آہوے بہ صحرا

اُدھر نوبتی نے ڈہل صبح بجایا اور عامل روز نے تخت زریں پر بصد کر و فر جلوس فرمایا۔ ادھر نواب نامدار فلک اقتدار کے رفقائے سلیقہ شعار نے بزم طرب کو دلہن کی طرح آراستہ کیا۔ خود بدولت نے ایک مسند زرنگار انتخاب روزگار پر تشریف شریف ارزانی فرمائی مصاحبوں اور رفیقوں نے اغل بغل دائیں بائیں فرش مکلف پر جگہ پائی۔ اتنے میں میاں آزاد اور انکے رفیق خانہ برباد میاں خوجی بھی تشریف لائے۔ دیکھتے ہی رفقا بول اُٹھے کہ آئیے آئیے۔

نواب۔ یہ آئیے آئیے کیا معنی۔ معقول! کیا ہولی متبرکی ہے یہ رنگ ہمیں پسند نہیں۔

مصاحب۔ قربان جاؤں حضور۔ میاں خوجی لنگوٹی ہی میں پھاگ کھیلتے ہیں۔ گر لاکھ پاپڑ بیلتے ہیں۔ یاروں کی پھبتی کا جواب نہیں دے سکتے۔ ہم تو ضلع جگت کے بادشاہ ہیں نہ۔

خوجی۔ اجی آپ ہولی کے بادشاہ سہی۔

نواب۔ بھئی خوب کہی واللہ خوب کہی۔

رفقا۔ ہاں پیرو مرشد۔ واللہ کیا برجستہ سوجھی ہے۔ میاں ذری خوجی کے ڈنڑ تول دینا۔ واہ اُستاد۔ آج اس جگت بازی کے فن میں پکے ہو واللہ۔

مصاحب۔ پکے کاہے کو بلکہ پچکے۔

نواب۔ یہ کیا بے تکی اُڑائی۔ یہ کیا بھونڈی ہانک لگائی پکے تو پکے۔ یہ پچکے کیا معنی۔

مصاحب۔ اے پیرو مرشد ہولی کے لیے پچکے۔

نواب۔ لاحول ولاقوۃ۔ بے تکی بھونڈی۔

مصاحبین۔ بجا ہے خداوند۔ بالکل بے تکی محض بھونڈی بات انھیں بات کرنی عمر بھر نہ آئے گی بے پر کی اُڑانا خوب جانتے ہیں۔ دو گز اُڑے اور تڑسے زمین پر۔ آدمی کیا گٹھی ہے۔

راوی۔ بھئی ان ہاں میں ہاں ملانے والوں کا بایاں قدم ہے نواب نے ذرا کسی کی تعریف کی اور یہ لے دوڑے آسمان پر چڑھا دیا اور ذرا کسی کی ہجو کی اور انھوں نے تحت الثریٰ کو پہونچا دیا واللہ کیا بڑھا دُتا رہے۔ آدمی کیا ستارہ ہے۔ ذرا کان اُمیٹھے پھر دل لگی دیکھیے۔ رفقا میں باہم زٹل قافیہ اڑ ہی رہا تھا کہ میاں مٹرگشت وارد ہوئے۔ آتے ہی زمین دوز ہو کر ایک فراشی سلام کیا اور یوں گویا ہوئے۔

مٹرگشت۔ خداوند آج خوب سیر سپاٹا کیا۔ رہ نورد۔ اور جہانیاں جہاں گشت تو پھر آپ جانیئے بندہ ہی ہے فلک سیر آج اتنا گھوما کہ ٹانگوں کے یابو کی گاہچیاں درد کرنے لگیں۔ کوئی علاج بتائیے۔

مصاحب۔ گھانس کھائیے۔ یا کسی سالوتری کے پاس جائیے یا علاج المویشی ملاحظہ فرمائیے۔

نواب۔ خوب یابو کے لیے گھانس اور سالوتری اور مویشی العلاج کی اچھی کہی۔

راوی۔ انھوں نے تو خیر اچھی کہی یا جھک مارا۔ گر حضور نے البتہ خوب کہی۔ علاج المویشی تو یاد نہ رہا کہنے لگے مویشی العلاج واہ ری لیاقت۔ واہ بانو کیا داد دی ہے۔ ایں! یہ بانو کیا معنی نواب ہیں یا بانو۔ اجی انھوں نے علاج المویشی کو الٹ کر اور مویشی العلاج کہا۔ ہم نے نواب کو اُلٹ کر بانو کہا تو کیا گناہ کیا سچ کیسے گا۔ کیا اُلٹ پھیر ہے۔

نواب۔ کوئی تازہ تازہ خوش خبر سنائیے باسی نہ ہو۔ گرماگرم۔

مٹرگشت۔ وہ روایت سناؤں کہ محفل بھر کو لٹا دوں۔

(کھل کھلا کر) سُنیئے۔ ؎

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ہست عصائے رہ طبع سلیم
راوی افسانۂ رنگین بیان
طوطی پر ریختہ یعنے زبان
نقل کند کز پے سامان کار
قافلہ آمدہ باغ و بہار
نقد فروایہ بازار شان
جنس صباحت ہگی بار شان
شاد و شگفتہ ہمہ بایک دگر
خندۂ ہریک چو گل از روے زر
از رخ شان نور سعادت عیاں
بر سر شان بال ہما سائباں

حضور کسی ولایت مینو سواد سے چند نوجوانان پری زاد شگفتہ و شاد آئی ہیں خیموں میں وہ بصد ناز انداز مکین اور ارد گرد اور سیکڑوں تماشائی ہیں۔ سُنا کہ ٹھیٹر میں ناچتی ہیں اور ایک ایک قدم اور ایک ایک ٹھوکر میں دل عشاق پائمال کرتی ہیں انمیں سے ایک محبوب چاردہ سالہ جو زن سے نکل گئی تو بس میری جان تن سے بن سے نکل گئی۔

نواب۔ اور فرد کش کہاں ہیں۔

مسٹر گشت۔ اُہو ہو ہو۔ بس یہ نہ پوچھئے۔

سایہ فگن خیمہ از ہر کنار
ہر طرف دشت چو ابر بہار

نواب۔ بھلا تماشا کب سے شروع ہو گا۔ اس وقت تو بس یہ نقشہ ہے کہ۔ ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

مسٹر گشت۔ بس آج شام کو نو بجے سے۔ حضور قابل دید ہی بلکہ دیدنی ہے نہ شنیدنی ہے۔

مصاحب۔ سب کو دکھائیے گا اکیلے اکیلے مزے لوٹنا اچھا نہیں۔ ؎ بہار دیتی نہیں سیر بوستاں تنہا۔

خدایار خاں۔ حضور فدوی داد خواہ ہی۔ کل خداوند نعمت نے برطرفی کا حکم سنایا آج میری جورو نے مجھ کو طلاق دے دی (روتی کانپ کر) ٹے کا سینت مینت کا بھترا۔

آزاد۔ پیر و مرشد ان پر رحم فرمائیے نوکری کی نوکری گئی اور بیوی کی بیوی۔

نواب۔ حافظ جی ادھر آؤ۔ میاں ندرت کو بلاؤ کل حال ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔

میاں ندرت۔ حضور کہا کہ نواب تو زے بچپا کے تاؤ ہی ہیں۔ زن مرید۔ اور بیگم صاحب کو اس نابکار نے وہ وہ باتیں کہیں کہ بس کچھ نہ پوچھیے نقل کفر کفر نباشد عجب نامعقول آدمی ہی مردود آپکو یقین نہ آئے تو اُنسے پوچھ لیجئے۔

نواب۔ (میاں آزاد سے) کیوں حضرت سچ کہتا ہے آپنے کیا سُنا۔

آزاد۔ بندہ پرور اب جانے دیجئے قصور ہوا۔ میں نے سمجھا دیا ہی۔

حافظ جی۔ یہ بیچارے تو ابھی سمجھا ہی رہے تھے کہ ادگیدی خر اپنے آقاے نامدار کو ایسا کہتا ہی اور بیگم صاحب کو ایسی ایسی صلواتیں سناتا ہے کہ استنے میں حضور بر آمد ہوے۔

نواب۔ حسین علی (خدمتگار) آج سے اگر خدایار کو یہاں آنے دیا تو تو جانے گا۔ کھڑے کھڑے نکال دو۔ پہرے کے جوانوں سے کہدو کہ خدایار خاں موقوف۔ پھاٹک میں قدم رکھنے کا حکم نہیں۔

خدایار خاں۔ خداوند مجھ سے بھی تو سنیئے آج حافظ جی اور میاں ندرت نے دھوکے میں تاڑی پلا دی۔ اور یہی منصوبہ تھا کہ نشے میں چور ہو تو اسکو کسی لم میں نکلوا دیں۔ سو حضور ان کی مراد بر آئی۔ آپ روشن علی سے پوچھ لیں چاہیں اور میں اس در کو چھوڑ کر جاؤنگا کہاں۔ حق تعالیٰ آپکے بال بچوں کو سلامت رکھے یہ سرا در یہ در زد گشا ر و نگشا دعاگو سے دولت ہے اور حضور تو پوتڑوں کے امیر ہیں مگر چغل خوروں نے کان بھر دیے

خدا کے غضب سے ذرا دل میں کانپ — چغلخور کے منھ کو ڈستے ہیں سانپ

نواب۔ ہاں یہ بات یوں ہی۔ العیب عند اللہ۔ اچھا حسین علی بہرہ پر نہ کہو۔ خبردار خدایار آج سے ایسی بے ادبی نہ کرنا۔ تم بحال ہوئے۔ مصاحبوں نے غل مچایا اور آسمان سر پر اُٹھایا کہ واہ حضور کیا ترحم ہے۔ ایسے رئیس پیدا کاہے کو ہوتے ہیں۔ مگر خدایار خاں کو تو انکی بیوی نے بچا لیا۔ نہ وہ طلاق دیتی نہ یہ نوکر ہوتے۔ واللہ جورو بھی قسمتوں سے ملتی ہے۔ خیر اُس دن تو یہ گپ شپ ہوتی رہی دوسرے روز شام ہی سے تھیٹر میں جانیکی تیاریاں ہونے لگیں۔

تھیٹر کی پری

التماس۔ اب ہم اپنے ناظرین متین سے پھر معافی مانگتے ہیں کہ ہمیں ایک فرقہ ناپاک کا ذکر یہاں لانا پڑا افسوس ہے کہ بعض رئوسائے دون پرور کے گروہ میں ارباب نشاط کی گرم بازاری ہے۔ اور انکی عقل حلیہ عاقبت اندیشی سے عاری ہے۔

نواب۔ بھئی آبادی جان کو بھی ساتھ لے چلیں گے۔

مصاحبین۔ ضرور ضرور حضور بے انکے مزا کرکرا ہو جائیگا اتنے میں فٹن گھڑگھڑاتی ہوئی آئی اور وہ عجب ناز و انداز سے چھم چھم کرتی ہوئی آکر مسند پر متمکن ہوئیں۔

نواب۔ یاد بخیر۔ واللہ ابھی آپ ہی کا ذکر تھا۔

آبادی جان۔ تم سے لاکھ دفعہ کہدیا کہ ہم سے جھوٹ نہ بولا کرو ہمیں بھی کوئی دہاتن مقرر کیا ہے۔

نواب۔ خدا کی قسم کھاتے ہیں چلو تم کو تماشا دکھا لائیں مگر مردانے کپڑے پہن کر چلئے ورنہ ہماری بے عزتی ہوگی۔ عمامہ منگواؤں سب سامان آپکی عنایت سے موجود ہے۔

آبادی جان۔ (ٹھنک کر) جو ہمارے چلنے میں بے آبروئی ہو تو سلام۔ (اُٹھ کھڑی ہوئیں)۔

نواب۔ (دوپٹے کو دبا کر) ہمارا ہی خون پئے جو ایک قدم بھی آگے بڑھائے۔ یہیں کو روئے جو روٹھ کر اُٹھ جائے۔ حافظ جی کو بلاؤ۔ مردانے کپڑے لاؤ۔

راوی۔ کیا خوب حافظ جی کے تعلق اچھا کام ہوا۔ لاحول ولا قوۃ الغرض صندلی عمامہ زیب سر اور چست انگرکھا زیب بر ہوا۔ گھٹنا پھنسا ہوا ٹاٹ بانی بوٹ پھندنا جھلکتا ہوا۔ نواب صاحب اور بی آبادی جان فٹن پر سوار اور رفقا اور مصاحبین کوئی بگھی کوئی ٹمٹم کوئی پالکی گاڑی پر لدے ہوئے تماشا گھر میں داخل ہوئے مگر جلدی اور وحشت میں پازیب اُتارنا بھول گئے۔ وہاں پہونچے تو نواب صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ اور رفقا پیچھے پیچھے ساتھ نواب قمر رکاب نے درجۂ اول کے دو ٹکٹ لیے اور سرکس میں دن سے داخل اب سنئے کہ پازیب نے وہ شور مچایا کہ خفتگان تہ خاک کو جگا یا۔ چھم چھم چھم چھم۔ اب جو ہے اُسی طرف دیکھتا ہے۔ ہر فرد بشر کی نظر نواب اور انکے خوبرو اور قوس ابرو دوست طرحدار ہی کیجانب ہے تاڑنے والے تاڑ گئے۔ بھانپنے والے بھانپ گئے۔ نواب صاحب اکڑتے ہوئے ایک کرسی پر جا ڈٹے اور اُنکے عنبریں موعربدہ جو نا تھی نے بھی اُنکے قریب کی کرسی کو رونق بخشی۔ تو دیکھتے ہیں کہ بہت بڑا خیمہ لغضب ہے اور اگرچہ۔ ؎

بود شبے چوں دل گمراہ سیاہ — تیرہ درون چوں مژہ شمع نگاہ
گشتہ زبس ظلمت شب روے ماہ — ہمچو رخ کاغذ مشقی سیاہ

تاہم ہر سمت جھاڑ اور کنول اور لیمپ کا وہ نور کہ۔ ۶ دیکھئے تو غش کرے ارنی گوئے اوج طور ؎

جلوہ فزا دیل دے و شمعداں — چوں دل عاشق شدہ وقف کباں

آتشی یہ سکن نور ہی یا کوہ طور ہے۔ جسکا جزو کامل تھا بچوں منہج میں

ایک میدان اور اردگرد کوئی دو ہزار کرسیاں۔ خیمہ بھر جگ جگ کر رہا تھا۔ اتنے میں دس بارہ گھوڑے کڑکڑاتے ہوئے جوانان طناز میدان میں آئے اور۔ ؎

پل مارنے کی ہوئی جو دیری　　سبحان اللہ شان تیری

ایک نوعروس سرمایہ ناز سرمست خوبی سراپا انداز چاردہ سالہ آفت کی پرکالہ۔ ؎

نگاہش ساقی رندان بدنام　　ز آب تیغ کردہ بادہ در جام
بچشم مست بیدارش رگ خواب　　بیاد شوخی او برق بیتاب
دہن رمز حدیث لن ترانی　　زبان حرفی ز اسرار نہانی
شہید جلوہ او طاقت و ہوش　　خرام مستی او عید آغوش

ایک گلگوں صبا رفتار پر سوار اس شان برنائی و کج ادائی سے آئی کہ محفل بھر پر آفت ڈھائی۔ ؎

نگویم توسن سرعت نژادے　　نسیم دل کشی باد بہارے
نوشتہ بر زمیں نقش سم او　　جواب شوخ چشمی ہائے آہو
چو شوق عاشقاں در گرم تازی　　چو ناز دلبراں مشتاق بازی
نہ دیدہ عقل سرعت آزمائش　　چو مضمونے ز خاطر جستہ جائش

اُدھر پشت ادہم پردہ آتش پارہ ادھر ساری محفل محو نظارہ مجسم حسن از سرتا فرق اور زبان حال وقال سے صدائے انا البرق نظر جادو طراز۔ نگاہ غلط انداز۔ گردن شمع کافور بلکہ فوارۂ نور زنخدان نمکدان بلور۔ ابرو تیغ اصفہاں۔ شمشیر براں۔ ؎

بصورت تو بتے کمتر آفرید خدا　　تراکشیدہ و دست از قلم کشید خدا
چو کرد نقش تو بر صفحۂ وجود رقم　　صد آفریں ز زبان قلم شنید خدا

گھوڑے پر سے عجب پھرتی اور چستی کے ساتھ اُچکی اور پھر پشت اشہب پر طنطنۂ واہ واہ غلغلۂ جزاک اللہ ہر سو بلند تھا اور لطف تماشا اسوقت دو چند تھا اور طرہ یہ کہ کمیت خوش خرام و تیز گام عین راہواری میں

چلا جاتا تھا۔ اور ایک آدمی کوٹھے سے اسکو دھمکاتا تھا ایک دفعہ ؎

چوں آں بُت اسپ خود را کردہ مہمیز　　رواں شد اشک عاشق ہم جلو ریز

(دہشت) لمکر تڑسے زین پر تبدیز باد رفتار ہوا ہو گیا۔ گریہ پرکالۂ آتش جھپٹ کر پھر بیٹھ پر سوار۔ اسپر فرط طرب سے لیڈیوں اور جنٹلمینوں نے اتنی تالیاں بجائیں کہ خیمہ بھر گونج اُٹھا۔ ؎

بر پشت سمند ایں چہ بلا شوخ نگاریست　　گر گرد رہ او بہ رخ مہر غباریست

بس ایک چشم زدن میں سمند آہو شکار و صبا رفتار کو جھکا کر خیمے سے باہر بے جادہ جا۔ اتنے میں ایک یوربین نے محفل کو مخاطب کرکے کہا کہ مس وہ جینا کل پھر تماشا دکھائینگی اور ابکی بڑے ٹھٹے سے آئینگی۔

بیا ساقی بیا اے ناز پرورد　　کہ یارم وعدۂ رو و آمدن کرد
بدہ جامے کہ باشد غارت ہوش　　غم ہجراں کن از خاطر فراموش

اسکے بعد انواع و اقسام کے تماشے ہوئے اور ۱۱ بجے برخاست اب سنیئے کہ نواب قمر کا ب اس گلزار صباحت و نوبادۂ حدیقہ وجاہت پر ہزار جان سے عاشق ہو گئے اور اُدھر میاں لٹو ہوے بگھیوں پر گھر چلے۔ پہونچے تو گویا بیہوش دین و دنیا فراموش۔ نواب تو ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگے اور میاں آزاد نے آہ سرد دل پر درد سے کھینچ کر کہا کہ۔ ؎

ہنوزش نوبہار حسن در جوش　　ہنوزش نرگس ظالم قدح نوش
ہنوزش غمزہ در جادو طرازی　　ہنوزش عشق گرم بے نیازی
ہنوزش تیر مژگان ستم زاد　　جگر ہا ہمچو ماہی نشتر آباد
ہنوزش آرزو ہا رفتن ہوش　　ز جورش شکوہ ہا بر لب فراموش

ندرت۔ حضور ابھی سا کر کے کوئی تیرہ چودہ برس کا سن اور الھڑپنے کے دن اور کس پھرتی سے اُچک کر گھوڑے کی پیٹھ پر ہو رہتی ہے۔ کہ واہ جی واہ۔ اور پھر کبھی وہ رانِ بیڑی جاتی تھی کہ سبحان اللہ میاں روشن علی بہت شہسواری کی لیا کرتے تھے قسم خدا کی جو اُن کے

باپ بھی قبر سے اُٹھ آئیں تو یہ کرتب دیکھ کر ہوش پراں ہو جائیں۔
خوجی۔ اور پھر اس شکل و شباہت اور حسن و وجاہت کو تو دیکھیے پری کا ٹکڑا ہائے کیا ٹکڑا ہے۔
نواب۔ کیا چاند سا ٹکڑا ہے۔
آبادی جان۔ واہ اچھا ٹکڑا ہے۔
نواب۔ ٹکڑا کیا بن گہنا چاند ہے۔ بلکہ چودھویں کا چاند بھی ماند ہے۔
آبادی جان۔ ہم جانتے ہیں۔
نواب۔ بسم اللہ جانیے۔ یہاں اور ہی دھن ہے۔
مصاحب۔ نہیں حضور ایسا نہ فرمائیے بیٹھے بیٹھائے۔ ہم حضور کو سنائے دیتے ہیں اس دستار پر بہار کو دیکھیے کس بن پہ ہے۔ ؎

برگ گشتہ سیراب تو لے لالہ سیراب   لخت جگر کیست کہ بر سر زدۂ بار

میاں آزاد۔ دستار کی تعریف ہم سے سنیے۔ ؎

سبزہ ناخن بدل این طرۂ طرار تو   مصرع پیچیدہ باشد شوخ من دستار تو

رفیق۔ اجی ہم اس سے بڑھ کر سنائیں۔ ؎

بدل پیچیدہ رنگیں معنی سربستہ مضموں   مگر بست آں صنم امروز دستار گلابی را

خوجی۔ اس کا بھی بچا جان سنیے۔ ؎

خوش بگرد سر تو مے گردد   جگرم خوں ز رنگ دستار ست

نواب۔ اچھا اب ہمارا آرام کرنے کا وقت ہے آپ سب صاحب بھی آرام کریں۔ فی امان اللہ۔ نیت شب بخیر کل ملیں گے۔
مصاحبین و رفقا۔ آداب کورنش۔ (فرود)

واہ رے نوابی ٹھاٹھ عاشق ہوئے تو بس مرنے ہی لگے۔ دین کی فکر رہی نہ دنیا کی۔ وامق و مجنوں گرد برد۔ فرہاد کے عشق کی گرم بازاری سرد۔ یہ بھی ایک فخر ہے کہ ہم عاشق زار ہیں فلاں پری زاد پر دل آیا ہے۔ شہر بھر میں دھوم ہو جائے کہ نواب صاحب کو عشق چرایا ہے۔ ؎

تاکہ مشہور ہوں ہزاروں میں   ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں

اب منہ پھلائے غم و الم کی صورت بنائے بیٹھے آہ سرد کھینچ رہے ہیں تو آہیں آ کسی نے سمجھایا کسی نے اونچ نیچ دکھایا۔ مگر حضرت مجنوں کی قطع بنائے ہوئے تو بڑے ہی افسوس میں ہیں۔ اب زندگی وبال ہے جان جنجال ہے۔ کھانے پینے کا لطف نہیں بلکہ محو ہو گئے دین و دنیا سر و پا کی خبر نہیں۔ جی بجا ہے ایسے ہی بےخبر ہو گئے جب جانیں کہ نمک کی عوض پھٹکری کھا جائیے اور ذائقہ نہ معلوم ہو یا عطر کے بدلے کیچڑ مل لیجیے۔ یا ساری ثروت کسی کو لٹا دیجیے اور لنگوٹا باندھ کر جنگل کی راہ لیجیے۔ نواب نامدار پہلے تو اس بت پندار کے ہزار جان سے عاشق زار ہو گئے۔ کبھی زلف چلیپا کا خیال کبھی ابروئے کج کا ذکر مگر ایک دفعہ ہی مصاحبوں نے وہ ہوا باندھی کہ عشق و شق سب غائب غلہ ہو گیا۔ بھئی یہ مصاحب جو چاہیں سو کریں۔ بس ان سے خدا پناہ میں رکھے۔ خدا نہ کرے کہ کسی شریف زادے رئیس زادے کو ایسے پالا پڑے مصاحبوں اور رفیقوں نے جو نواب کی یہ کیفیت دیکھی تو سمجھے کہ لٹو ہو گئے اور ساتھ ہی اس کے آپ جانیے ایک ہی کائیاں سوچے کہ اگر ہم شہ دیتے ہیں تو یہ ہاتھ سے جاتے رہیں گے۔ ان معاملات میں ہماری دال گلنے کی نہیں۔ اور الٹے احمق بنیں گے لہذا وہ چال چلیے کہ سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے اس سرکش ڈالی پری پیکر رشک قمر کی اس درجہ ہجو کی کہ نواب کی نظروں سے گر گئی۔ ایک نے کہا کہ بھئی جادو کا کھیل تھا۔ دوسرے بولے جی ہاں۔ دن کے وقت جو دیکھا تو وہ رنگ نہ وہ روغن چمک دمک وہ جوبن رات کی بڑھی دن کو وہ جمال نہ وہ دلبری۔ دھوکے کی ٹٹی ہے۔ چلیے نواب کا عشق رسیاں تڑا کر بگٹٹ بھاگا۔ جب نواب نامدار نے خود اپنی زبان سے کہا کہ جانے بھی دو۔ واقعی اس قابل نہیں

کہ کوئی دل لائے اور خون جگر کھائے۔ تو مصاحبوں کی جان میں جان آئی منھ مانگی مراد پائی۔ نواب صاحب کے ہاں سے رخصت ہوئے تو راہ میں باہم یوں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

ایک مصاحب۔ بھئی واللہ ہمارے نواب بھی کتنے بھولے بھالے رئیس ہیں۔

دوسرا مصاحب۔ ہونھ بھولے بھالے! اجی نرے بچھیا کے تاؤ ہیں۔ خدایار خاں نے ٹھیک تو کہا تھا۔

خدایار خاں۔ اور نہیں کیا کچھ جھوٹ بولے تھے۔ یار ہمیں لگی لپٹی نہیں آتی۔ چاہے جان جاتی رہے مگر خوشامد نہ کریں گے جب ہی تو ہم کو لوگ منھ پھٹ کہتے ہیں نوکری رہے یا جائے بندۂ درگاہ کلمۂ حق ہی بولیں گے۔ اس میں ہرچہ باداباد۔

راوی۔ درست صحیح آپ ایسے ہی ہیں یہاں جو چاہے کہہ لیجئے نواب کے سامنے سٹی بٹی بھول جاتی ہے۔ نوکری گئی تو رنگ فق ہوگیا چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ سفارشیں اٹھوائی پڑیں خوشامد کرتے کرتے زبان گھس گئی مگر مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم کلمۂ حق ہی بولیں گے۔ لاحول ولا قوۃ۔

میاں ندرت۔ بھئی یہ آزاد نے بڑا اڑنگا مارا ہے۔ اسکو نہ پچھاڑا تو ہم سب نظروں سے گر جائیں گے۔

حافظ۔ اجی ہم ترکیب بتائیں جو پٹ پڑے تو نام نہ رکھوں نواب ڈرپوک آدمی تو ہیں ہی۔ کوئی اتنا جاکر کہدے کہ میاں آزاد تمہارے مجرم ہیں۔ بس پھر دیکھئے۔ کیا تاتھیا مچتی ہے۔ خود بدولت تو مارے خوف کے گھر میں گھس رہیں اور زنانے میں وہ بٹس پڑے کہ کہرام ہی مچ جائے اور قسم والدۂ مرحوم کی۔ میاں آزاد اور وہ اُن کا ساتھی ابھی وہ اینچی کھڑے کھڑے نکلوا دیے جائیں۔

تیسرا مصاحب۔ واہ استاد کیا ترکے سوچ لیتے ہو۔ واللہ ایک ہی ذات شریف ہو۔

حافظ۔ پھر ان پھانسوں کے بغیر کام بھی تو نہیں چلتا میاں۔

ندرت۔ جی اور نہیں تو کیا۔ اور پھر ایسی سرکار میں جہاں اندھیر مچا رہتا ہے۔ کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو۔

رفیق۔ ہاں خوب یاد آیا واللہ پرسوں تیغ بہادر دکن سے آئے ہیں انھوں نے تو وہ ہوا باندھ رکھی ہو کہ اللہ اکبر بات بات پر پینترے بدلتے ہیں۔ سنا بنوٹ وہاں سے خوب سیکھ کر آئے ہیں وہ ہمارے دوست اور سچے دوست ہیں اگر سب کے سب مل کر چاہیں تو اُن کا اسم ہو جائے آپ میں سے کوئی چھیڑ دے ذرا بس پھر میں سے اڑوں گا۔ مگر تعریف کے پل باندھ دیجئے۔ نواب کو پھانسنے میں لانا کوئی بڑی بات تو ہے نہیں۔ ڈھلمل یقین تھالی کے بینگن جس نے جو کہا فوراً تسلیم کر لیا۔

حافظ۔ ایک کام کیجئے۔ آج جس وقت چلکر بیٹھیں تو ہم پہلے چھیڑیں کہ اس دربار میں خدا کے فضل سے ہر فن کا باکمال آدمی موجود ہی اور ریاست کے معنی ہی یہ ہیں کہ باکمال آدمیوں کی پرورش کیجائے مگر ایسے رئیس ہیں کہاں جیسے دیکھو اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے۔ شریفوں کی پرورش حضور ہی کا حصہ ہے۔ اسپر کوئی شخص بول اٹھے کہ خداوند ایک بنوٹیے کی بس یہاں کسر ہے۔ باقی تو سب موجود ہے۔ پھر کوئی کہے کہ آجکل دکن سے ایک صاحب آئے ہیں بس بنوٹ کے فن میں تو بے نظیر ہیں ثانی نہیں رکھتے پھکیت اور بکیت اور پٹیت سب اُن کے سامنے گرد ہیں اس فن میں وہ بھی فرد ہیں اگلی دو چار آدمی تائید کریں کہ ہاں پیر و مرشد وہ وہ پیچ یاد ہیں کہ تلوار چھین لیں کٹار چھین لیں۔ پھر ریسے آدمی دبلے پتلے ہاتھ پاؤں مگر مقابلے پر آئے اور پھتی ہوگئے ہم یہ کہیں گے کہ واللہ ایسے ایسے لوگ یہاں جمع ہیں اور ے میاں ایسے شخص کو اور ہمارے

حضور کے سامنے ابتک پیش نہیں کیا اور جو کوئی رئیس قدر دانی کر کے
اُنھیں نوکر رکھ لے تو پھر کیسی ہو بالا ہی جیت جائے بس ابیتر کھو لینا
نواب خود اصرار کریں گے کہ ابھی ابھی لاؤ۔ جاؤ ابھی جاؤ چلیئے مطلب
حاصل گران سے کہہ دیجئے گا ذرا خوب بانکے بن کر آئیں۔ اور اکڑ
اکڑ بیٹھیں۔ مگر گفتگو ملائمت سے کریں جس میں ہم لوگ کہیں کہ دیکھیئے
خداوند کمال کو بھی خدا نے کیا درجہ بخشا ہے کس نرمی سے گفتگو کرتے
ہیں گو یا کچھ جانتے ہی نہیں اور جن لوگوں کو کچھ آتا جاتا نہیں وہ
اکڑ فوں بن کر چلتے ہیں۔ زمین پر قدم ہی نہیں رکھتے تو وجہ
کیا۔ خامی گلے کا ہار ہو جاتی ہے۔

رفیق۔ بس اب زیادہ ہم کو نہ سنائیے۔ ہم سمجھ لیں گے کہیں
تیغ بہادر کے آدھ سیر آٹے کی فکر ہو جائے۔

مصاحب۔ مگر کیوں میاں یہ تیغ بہادر ہندو ہیں یا مسلمان
تیغ بہادر تو اہل ہنود کا بھی نام ہوا کرتا ہے نہ۔ جیسے لالہ امام بخش
ولد لالہ حسین بخش۔ کسی ہندو کے گھر میں عین محرم کے دنوں میں
لڑکا تولد ہوا امام بخش نام رکھدیا۔ ہندو بھی بعض بعض کتنے بے تکے
ہوتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔ اور ڈھلمل یقین اتنے بڑے کہ اپنے
دیبی دیوتاؤں کے علاوہ ہمارے پیغمبر کو بھی مانتے ہیں پوچھیئے
کہ تم جو تعزیہ کو سجدہ کرتے ہو اور درگاہوں میں جا جا کر شربت پلاتے
ہو اور اپنے لڑکوں کو حضرت امام حسین کا غلام بناتے ہو اور امام باڑے
تعمیر کراتے ہو تو شرف باسلام ہی کیوں نہیں ہو جاتے۔

رفیق۔ بھئی یہ اعتراض بیجا ہے آخر تم لوگوں میں بھی تو ایسے
گوکھے ہیں جو چیچک میں مالن کو بلاتے ہیں۔ چوراہے پر گدھے کو
چنے کھلاتے ہیں۔ جنم پتری بنواتے ہیں۔ نجوم کے قائل ہیں پھر
یہ بدعت نہیں تو اور کیا ہے۔ اور ہندوؤں میں جو بعض بعض جگہ
مجلسیں ہوتی ہیں تعزیے رکھے جاتے ہیں۔ اس کی نہ کہیئے قبلہ
یہ ضعیف الاعتقادی عالمگیر ہے

رفیق اور مصاحب اپنے اپنے گھر گئے۔ اب ادھر نواب صاحب
کا حال سنیئے کہ اُنھوں نے ایک خدمت گار کو بلایا اور کہا کہ۔ جعفر
اسوقت ہمارا ایک کام نہیں کرتے جعفر نے دست بستہ عرض کیا
کہ جو حکم ہو۔ فرمایا کہ جہاں ہم گئے تھے وہاں جاؤ۔ اُسنے پوچھا کہاں
حضور کسی جگہ کا نام تو لیں۔ بولے کہ وہیں میاں جہاں تماشا
ہوتا ہو وہاں جاؤ اور جو کہیں وہ کرو۔ جعفر نے جمائی لیتے ہوئے
کہا کہ خداوند وہاں تو اسوقت سناٹا پڑا ہے۔ آدم زاد کی تو شکل
بھی نظر نہیں آتی کتے البتہ لوٹ رہے ہیں۔ تڑکے جہاں فرمائیے
وہاں جاؤں۔ نواب صاحب (اچھا) کہکر سو رہے۔

میاں آزاد کی حسرت و حیرانی اور عشق و رجینا میں ناکامی و پشیمانی

خیر مقدم اے جنون نیک فال	اے توام شیر پستان خیال
اے خرابی خانہ زار کشورت	دشت و صحرا فرد ہائے دفترت
جستم از فیضت ز آدم آب خاک	فارغم کردی ز خود روحی فداک

حضرت تجلی نے خود ہی کہا ہے کہ عشق معراج کمال آدم ہے۔ اور
اس میں تاثیر اسم اعظم ہے۔ واہ۔ اجی یوں کہو کہ عشق بھوت ہے
پریت ہے عشق چڑیل ہے۔ کوہکن کے سر پر اُسنے تیشہ مارا۔ مجنوں کو اُسنے
بن میں پھرایا۔ وامق کو اُسنے دیوانہ بنایا۔ زلیخا کو اُسنے کنواں جھکایا۔
آپ فرماتے ہیں کہ خیر مقدم اور اسیطرح یہ کہ جنون نیک فال اور
روحی فداک۔ ہاں یہ صحیح ہو کہ خرابی خانہ زار و کشورت۔ نواب تو
سٹ پٹا گئے مگر میاں آزاد پختہ مغز جنون تھے۔ اور اس یوسف لقا
شیریں ادا محبوب مطلوب پر دل و جان سے مفتوں تھے۔ اُنھوں نے
رات کو گردم طرارہ بھرا تو سیدھے اُس مہ پارہ سراپا انداز شوخ و طناز
کے خیمہ زرنگار میں داخل ہوئے اسوقت سہانا سماں وہ آفت دوراں

تو بہ شکن کو گزیدن۔ پھولوں کی بھینی بھینی مہک سے ایسی مست ہو گئی تھی۔ جیسے بسنت کی رت میں بھونرا۔ کلیوں کا شوخی کیساتھ چٹکنا اور پھولوں کا مہکنا قوت باصرہ اور قوت شامہ کے ساتھ وہ کرتا تھا جو سنگار دلھن کے ساتھ۔ اور اٹھتی جوانی جوبن کے ساتھ۔ اس عروس رعنا شمائل زیبا خصائل کو میاں آزاد نے تنہا گلگشت چمن اور تماشائے نسرین و نسترن میں مصروف پایا تو شوق چرایا کہ آگے بڑھ کر مخاطب ہوں۔ سوچے کہ مبادا بد دماغ ہو جائے۔ معشوق مزاج ہے۔ لیکن اس کی اٹھکھیلیوں کی چال اور بکھرے بالوں نے ان کے سمند شوق پر تازیانہ کا کام کیا اور یہ شعر پڑھتے ہوئے خراماں خراماں آگے قدم بڑھایا۔ ؎

یا ہاتھ تو ٹوٹے جائینگے یا کھولینگے نقاب	سلطان عشق کی یہی فتح و شکست ہے

اس شوخ ستم ایجاد آفت جان آزاد خانہ برباد نے ایک نظر غلط انداز سے بصد شوخی و ناز جوان کی طرف دیکھا تو تیر نظر کلیجے کے پار ہو گیا۔ دل اور بھی مضطر و بیقرار ہو گیا۔ ؎

بیک نظارۂ شوخ ستمگار	چو عضو رفتہ از جا ماند بیکار
جگر در سوختن دل در تپیدنہا	رگ جاں ست فرسودہ کشتہ ہا
بہ جو زلف ادسرے افگندہ در پیش	بپا پوشش تو گوئی رفتہ از خویش
سر و سودا ہم در کاسہ بازی	دل و جگرت شہید جاں گدازی
ادا فہم آں نگار فتنہ تمثال	چو خواند از صفحۂ رخسارش ایں حال

تو تاڑ گئی کہ ہمارے چاہنے والے ہیں۔ مجنوں ہیں متوالے ہیں جن لوگوں کے دل پر چوٹ لگی ہے وہ خوب ہی جانتے ہیں کہ جب معشوقوں کو معلوم ہوا کہ فلاں ہمارا عاشق زار ہے اور خدا کے فضل سے خوش رو جوان اور طرحدار ہے۔ تو چشم فسوں پرداز کو اور بھی تعلیم ناز دیتے ہیں اور ایک ایک قدم پر دل عشاق خستہ جان کو پائمال کرتے ہیں۔ اس پریزاد نے جو میاں آزاد کے بشرے سے انکا سودا اور جنون بھانپ لیا تو اس طرح چمکتی ہوئی چلنے لگی کہ انکی جان پر آفت ڈھائی کبھی کسی جوش میں انا البرق کہتی ہوئی اٹھکھیلیاں کرنے لگی کبھی ناز و انداز سے سبزۂ نودمیدہ پر قدم دھرنے لگی کبھی زلف عنبریں کو رخ انور سے ہٹایا تو سحاب سے بن گیا چاند نظر آیا۔ کبھی سر کے جھٹکنے سے زلف شکیں کو رخ زیبا سے چھپایا تو معلوم ہوا کہ چاند گہن میں آیا۔ وہ پیاری کلائی وہ دست حنائی کہ واہ جی چہرہ غیرت مہر و ماہ۔

میاں آزاد کے کلیجے پر سانپ لوٹنے لگے۔ مگر رعب حسن میں ایسے آئے کہ زبان قال بند ہو گئی۔ زبان حال کو ترجمان دل بنایا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں سارا مدعا کہہ سنایا۔ لیکن حرف مطلب لب تک نہ آیا۔ ؎

نہ جوش گریہ کرد انگیز طوفاں	نہ از چشمش رواں خون غزالاں

جب اس رنگ قمر و خندہ اختر نے یہ کیفیت دیکھی تو انگریزی میں طوطی زبان کو یوں زمزمہ ریز بیان کیا۔

مس ورجینا۔ ایسے مرد وے بھی کسی نے کم دیکھے ہوں گے یہ رونا دھونا تو چھوکریوں کا فعل ہے ڈاڑھی مونچھ والوں کو روتے ہم نے آج تک دیکھا ہی نہیں۔ انکو دیکھئے کیا موٹے موٹے آنسو بہا رہے ہیں۔

آزاد (کچھ کہنے کو تھے مگر انتہائے جوش نے زبان بند کر دی)

مس ورجینا۔ دو باتوں سے خالی نہیں یا تو تم پاگل ہو۔ اور ابھی ابھی پاگل خانہ سے رسیاں تڑا کر آئے ہو یا میری ہم شکل تمہاری کوئی بہن گھر سے نکل گئی ہوگی یا شاید خدانخواستہ چل بسی اور مجھے دیکھ کر وہ یاد آئی ہو۔

آزاد۔ پاگل تو میں ضرور ہوں مگر تمہاری ہی چھب اور تمہاری ہی

ادا کا دیوانہ ہوں۔ اور تمہارے ہی شمع رخسار کا پروانہ ہوں۔

میاں آزاد انگریزی بولنے میں مشاق تھے اور محاورات رنگین و فقرات دلنشین میں طاق تھے۔ مگر اُس شوخ پرست کے سامنے سٹی بٹی بھول گئے اور ایسے رعب میں آئے کہ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

نگارین دخترے برد از سرش ہوش — چہ دختر با قیامت دوش بر دوش
نہاں در گیسوے او لیلۃ القدر — عیاں از جبہۂ او مطلع الفجر
کمان ابروان آفتِ جان — رگ ابر سیاہ تیر باران
حنائی پنجہ اش خورشید دلہا — ہلال ناخنش عید تماشا
خراب بازوش تاب و توانہا — سپر افگندہ زور ش کمانہا

ادھر گرم جوشی اُدھر خود فراموشی۔ ادھر دین کی فکر نہ دنیا کا ہوش اُدھر نگاہ مست میں شراب کا جوش۔ ادھر مرغ دل بیقرار اُدھر دام زلف مشکبار۔ قریب تھا کہ میاں آزاد ہاتھ میں ہاتھ دیں اور بے تکلفی سے عرض مدعا کریں کہ دفعتہً اُسنے تیکھی چتون اور قہرآلودہ نظر سے انکی طرف دیکھا تو انکے ہوش اُڑ گئے۔ ؎

پھری چشم بت بے پیر دیکھو — ہماری گردش تقدیر دیکھو
نہیں ہر گرد دامن سُرخ سنجاب — ہمارا خون ہے دامنگیر دیکھو
انھیں ہر طوق منت کا گرانبار — ہمارے پاؤں کی زنجیر دیکھو
زبان شمع کے لیتا ہے بوسے — کھلی ہے قسمت گلگیر دیکھو
پھری چشم بتِ بے پیر دیکھو

ان اشعار کو میاں آزاد نے فرط مستی میں جھوم جھوم کر گایا اُس بت پندار کو لبھایا۔ دُھن اس کو ایسی بھائی کہ بے اختیار کھلکھلائی وہ رنگین نگار عاشق زار کی خود عاشق زار ہو گئی اور بے محابا ہمکنار ہوئی۔

آزاد ؎ شنیدم نام تو از خویش رفتم — برائے خود بلا اندیش رفتم

میاں آزاد نے جو اسقدر کہا تو ؎

نمک افشاند چوں شور تکلم — ترحم جلوہ گر شد در تبسم

کوئی تین گھنٹے تک چمنستان پر فضا اور چشمۂ ندرت انتما میں دونوں عاشق زار و معشوق طرحدار میں حُسن و عشق کی گفتگو رہی اُسکے بعد اُس نوبہار گلشن خوبی و چراغ دودۂ محبوبی نے ایک قہقہہ لگا کر کہا کہ میاں کدھر تمہارا خیال ہے۔ اور ایک تم پر کیا فرض ہے برسوں سے ساری خدائی میں چکر لگائے اور ربع مسکون کو تماشے دکھائے دیار و امصار سے میرے پاس اچھے اچھے تاجداران کجکلاہ اور امرا ثریا جاہ کے خط آئے جہاں جانے کا اتفاق ہوا ایک عالم کو صید عشق پایا جس نے صورت دیکھی اسکو اپنا دیوانہ بنایا۔ روس کے تین جنرل ہم پر عاشق ہوئے یونان میں ایک رئیس باتوقیر لٹو ہو گئے ہسپانیہ کے وزیر زادہ نے بہت زور مارے انگلستان کے بانکوں نے نالہ پر درد بلند کئے جرمن کے امیر کبیر ملکوں ملکوں سایہ کی طرح میرے ساتھ گھوما کیے روم کے کئی معزز پاشا جان و مال سے حاضر تھے۔ اسٹریا کے کئی کونٹ زہر کھانے پر آمادہ ہو گئے۔ دنیا میں جعل سازی اور دغا بازی کی بڑی گرم بازاری ہے اور چشمۂ زور ہر ملک میں عجب روانی کے ساتھ جاری ہے اس سبب سے ہم نے کسی سے دل نہ ملایا کسی کو منھ نہ لگایا۔ ہمارے چاہنے والے کو لازم ہے کہ پہلے آئینے میں اپنا منھ تو دیکھے۔ لے اب سُنو مگر قسم کھاؤ کہ کسی سے کہوگے تو نہیں۔

آزاد۔ کیا مجال ہے اور کسی کے راز کو افشا کروں مگر آپ کی تقریر جادو تخمیر سے معلوم ہو گیا کہ کسی جوان طناز پر دل آیا ہے (آہ سرد کھینچ کر) خیر ہمارا بھی خدا حافظ و ناصر ہے۔

پریزاد۔ میں عورت نہیں ہوں مرد ہوں جو تم سمجھے۔ میں نے کئی سال سے عورت کا بھیس بدلا ہے۔ اور دنیا بھر میں سب مجھے دوشیزہ ہی سمجھتے ہیں مس درجینا میں نے اپنا نام رکھا ہے۔ اخبار میں میں

برابر میری تعریف چھپ رہی ہے۔ جو لکھتا ہے یہی لکھتا ہے کہ کیا پیاری لڑکی ہے غضب کی شوخ رگ رگ میں شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہے سبحان اللہ کیا شان دلبری ہے۔ عورت کیا پرستان کی پری ہے دل ہی دل میں ہنستا ہوں کہ ان لوگوں کو یہ ہو کیا گیا ہے۔ جو عشقیہ خطوط اور اشعار لطافت بار میرے پاس آتے ہیں۔ اُنکو پڑھ کر ہنسی آتی ہے کہ میں خود مس روز کے ساتھ بیاہ کرنیوالا ہوں یہ لوگ مجھی کو مس بنائے دیتے ہیں۔

ادھر میاں آزاد ہوش فراموش اُدھر وہ بت پندار آفت ہوش۔ یہ ششدر و حیران۔ وہ مست و غزلخوان۔ ادھر عشقبازی ادھر بے نیازی۔ یہ خونابہ نوش۔ وہاں بہار جمال در جوش یہاں تاب دوری نہیں۔ وہاں خیال حضوری نہیں۔ جب اُس فرضی شکر دخت شیریں حرکات نے میاں آزاد کو صید مصائب و آفات اور اسقدر دلدادہ و از خود رفتہ پایا تو آواز بلند ایک فرمائشی قہقہہ لگایا۔ اور اس تیر جگر دوز سے میاں آزاد کے مُرغ دل کو اور بھی تڑپایا۔ ؎

از آنسو نالہ در آتش عنانے — وزیں سو عشوہ گرم مہربانی
از آنسو گریۂ طوفان تلاطم — وزیں سو آب در چشم ترحم
از آنسو التماس چارہ سازی — وزیں سو وعدۂ عاشق نوازی
از آنسو بر جگر آہ جگر پاش — وزیں سو ہر زباں بر لب کہ خوش باش

اس آزاد فریب طاؤس زیب نے مسکرا کر کہا اب آخر اس جنون کا علاج کیا ہے۔ بتا دیا سمجھا دیا کہ میں نے کئی سال سے عورت کے بھیس میں اُمرا کو پھانسے دیے اور ایک ایک ناز و ادا کے ہزاروں روپیہ لیے۔ بعد از سربستہ آج تمھاری بیقراری اور صبح خیز گریہ و زاری دیکھ کر زبان پر لایا۔ اور تم کو صاف صاف بتایا اور سمجھایا کہ میں کیا ہوں۔ اب تم ناحق تنکے چنتے ہو اور بیکار میری چاہ میں سر دھنتے ہو۔ تمھیں یقین ہی نہیں آتا تو میں اس بدگمانی کا کیا علاج کروں۔

آزاد۔ اچھا مردانے کپڑے پہن کر ہمارے سامنے آؤ تو ہم اپنی حماقت پر پشیمان ہوں اور خیال خام سے درگذریں عشق کو پروانۂ برطرفی دیں۔ ورنہ چال ڈھال تراش خراش بناوٹ سجاوٹ سے کون کہہ سکتا ہے کہ تم دخت شکر لب زن سیم غبغب نہیں۔ یہ لگاوٹ باز انکھڑیاں مردکماں سے لائے گا۔ یہ قہر آلود چتون کیونکر پائے گا۔ یہ زلف پرشکن اور نرگس غمزہ زن عورتوں ہی کا حصّہ ہے۔ مرد اس سے ضرور بے بہرہ ہے۔

آخر کار جب اُس مرد عروس نمانے میاں آزاد کو اسقدر مفتون اور لیلائے زلف کا مجنون اور اپنی چشم تر کو پرخون پایا تو مردانہ کپڑے پہن کر آیا۔ کلاہ کج سر پر اور جاکٹ کوٹ زیب بر تب تو میاں آزاد کو کچھ یوں ہی سا یقین ہوا کہ واقع میں ہم الّو بنے اس نوجوان کو دلھن سمجھے۔ لاحول ولا قوۃ۔ مگر بھیس بدلے تو ایسا اور بکمال ہو تو اتنا ع۔ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ توبہ توبہ ؎

اللہ اللہ زکہ ایں قاعدہ آموختۂ — کیست استاد تو اینہا زکہ آموختۂ

پوچھا کہ اب اپنا نام بتاؤ۔ اور وہ عشقیہ خطوط دکھاؤ جو تمھارے عاشقوں نے تمھارے پاس بھیجے تھے۔ تو البتہ یقین کامل ہو۔ اُس نے ہنس کر کہا کہ میرا نام اڈمر کنگز لی ہے اور خطوط تو دفتر کے دفتر ہیں جس نے کہا یہی کہا کہ ہماری بیوی بنو ہم سے بیاہ کر دو مجھے بے اختیار ہنسی آتی تھی۔ مگر چپ اسکے بعد طومار کے طومار عشقیہ خطوط و مراسلات کے دکھائے۔ جن میں سے بعض دلچسپ تحریریں درج ذیل کی جاتی ہیں۔

۱۔ پیاری ورجینا۔ میں نے اپنے جنازہ اُٹھانے والوں سے کہہ دیا ہے کہ آج ورجینا نے پاؤں میں مہندی لگائی ہے آج جنازہ

نہ اُٹھائیں کل تابوت اُٹھے گا تمھاری زلف کی کالی ناگن نے مجھے ڈس گئی۔ یہ وہ ناگن ہے جس کا کاٹا سر سے کھیلے نہ منہ سے بولے لہر تک نہ آئے تمھارے تیر نگاہ نے مجھے گھائل کر دیا اور اُس زخم پر تمھارے تبسم نے وہ نمک پاشی کی کہ مرنے سے پہلے میں نے جان دی تمھاری برق ادا نے میرے خرمن زندگانی کو جھلسا دیا۔ لیکن گو تمھاری ادا کا کشتہ ہوں اور کباب حسن برشتہ ہوں مگر۔ ع۔ رفتم اندر تہ خاک انس بتاتم باقیست ؛ اگر گور غریباں پر بھی آؤ تو جلا لو۔ تم قُم نہ کہنا میں خود ہی اُٹھ بیٹھوں گا۔ یا اگر ہماری تربت ہی سے دل خوش ہو تو ٹھوکر ضرور لگانا میں نے جنازہ اُٹھانیوالوں سے بصد حسرت کہہ دیا ہے۔ س

جنازہ میرا گلی میں اُنکی جو ہو تجھے ٹھہر کے اتنا کہنا
اُٹھانیوالے ہوئے ہیں ماندے سو تھک کے کاندھا بدل رہے ہیں

یوں تو خدائی میں گلوں کا قحط نہیں۔ بلبلوں کا کال نہیں ایک سے ایک معشوق رشک قمر۔ ترک زریں کمر موجود ہیں مگر چھب یہ ادا یہ ناز یہ انداز یہ حسن گلو سوز یہ نگاہ جگر دوز یہ قم وجیم کہاں۔ س

خوبصورت یوں تو بہیترے ہیں لیکن دلربا
نازنین نازک بدن نازک کمر کوئی نہیں

اب دل سے لگی ہے کہ تم ہماری ہم تمھارے ہوں۔ بس اب اور کچھ نہ لکھوں گا۔ راقم نیجان

اس صحیفۂ رشیقہ کو پڑھ کر میاں آزاد اور وہ پری زاد دونوں خوب کھل کھلا کر ہنس پڑے اس کے بعد دوسرا خط پڑھا۔ س

۲۔ نیرنگ حسن و عشق کی اللہ ری بہار
بیکار کوئی فعل نہیں کارساز کا

سرو جوئبار خوبی دنو بادۂ باغ محبوبی۔ گل صباحت کی رنگت بو حسین دخوش رو شیریں حرکات و رنگین ادا مس ورجینا۔ س

حسن تو ہمیشہ در فزوں باد
رویت ہمہ سالہ لالہ گوں باد

عشق کو بھی جناب باری نے کیا رتبہ دیا ہے واہ واہ ہم اور کسی پر عاشق ہوں۔ مگر حسن گلو سوز نے خرمن صبر کو جلا دیا۔ س

سودائے عشق میں نہ رہی شان خواجگی
محمود بندہ ہو گیا حسن ایاز کا

اب تو ہم نے عشق کے دریائے بیکراں ژرف میں غوطہ لگایا ع۔ ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم ؛ س

ساحل سمجھتے ہیں تہ دریائے عشق کو
طوفاں ناخدا ہے ہمارے جہاز کا

کل شب کو جو تمھارے شعبدے دیکھے
تو کلیجے پر سانپ لوٹنے لگا۔ س

ہوتا ہے شعبدوں سے ترے آسماں شغید
اُڑتا ہے رنگ چہرۂ نیرنگ ساز کا

آخر اب اس درد دل کی دوا بھی ہے یا مرض عشق لا علاج ہے ہم ایک گدائے بینوا ہیں۔ تم مسکین نواز بنو۔ حال زار عشاق خستہ جان پر نظر رحم کیجئے۔ خلوت میں ہمیں عار نہیں۔ مگر یہاں تو خلوت میں بھی بار نہیں۔ کل تم استنے رنگ بدل کر آئیں کہ۔ ع۔ سبحان اللہ شان تیری ؛

ہم بھی کشتہ تری نیرنگی کے ہیں یاد رہے
او زمانے کی طرح رنگ بدلتے والے

اس خط کا جواب ملے تو جامے میں نہ سماؤں۔ آنکھوں کے بل سر کے بل دوڑا آؤں۔ میرا کلبۂ احزان وہ مقام ہے جسکی صبح کا شام کو رشک۔ جسکی شام میری تیرہ بختی کی آنکھ کا ایک اشک۔ تیری بزم وہ بزم ہے کہ۔ س

بوئے گل نالۂ دل دود چراغ محفل
جو تری بزم سے نکلا وہ پریشاں نکلا

تیری شوخی اور بیباکی اور ترک چشم کی سفاکی کا حال کوئی میرے دل سے پوچھے۔ س

تیری زلفوں کا زمانہ مبتلا ہو جائے گا
دیکھ لینا بال بال اسکا بلا ہو جائے گا
تو وہ خورشید قیامت ہے کہ تیرے سامنے
نور اگر ہوا چاند کا منہ سا زلا ہو جائے گا

اس خط کو پڑھ کر اور ٹنگزبی نے کہا کہ یہ آپکے ہندوستان سے خطوط آئے ہیں اب یورپ کے خطوط عشقیہ ملاحظہ فرمایئے۔

۳۔ پیاری مس ورجینا۔ خدا وہ دن دکھائے کہ لوگ تم کو مس ورجینا کے عوض مسز آزاد لکھیں۔ اور ہم کو یہ فخر حاصل ہو کہ ہم تم کو اپنی جاہتی

بیوی کیسیں سنو پیاری ورجینا۔ تم حسن و جمال میں لاجواب ہم فنون سپہ گری میں انتخاب۔ ہم فوج کے کپتان ہیں۔ والد مرحوم کی تربت کو خدا عنبریں کرے جنگ کریمیا میں انھوں نے وکٹوریہ کراس پایا تھا اور میرا بھی کئی لڑائیوں میں نام ہوا۔ میرا ستائیسواں سال ہے تنخواہ کے علاوہ گاؤں سے بیس ہزار پونڈ ماہواری کا منافع ہوتا ہے اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ نقد اپر لنڈن بنک میں جمع ہے۔ اپنی تصویر بھی آپکے ملاحظہ کے لیے بھیجتا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ میری تم پر جان جاتی ہے۔ فرقت میں اندھیرا سا آنکھوں میں چھا جاتا ہے اور بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونا آتا ہے اگر کوئی وقت خاص ملاقات کے لیے مقرر کرو تو سر و چشم آؤں گر تخلیہ ہوتا کہ اظہار دل بخوبی کر سکوں اور یوں تو یہ تحریر ہی ترجمان دل ہے۔

۴۔ ڈیر مس ورجینا۔ کل اسٹیج پر تم نے وہ وہ تماشے دکھائے کہ جان سن سے نکل گئی۔ تمھارا شوخی سے پشت شدیز پر جمنا اور پھرتی سے اُچکنا اور گلگون خوش گام کو کڑکڑانا اور چمکانا اور جمانا جس وقت یاد آتا ہے۔ دل بیقرار ہو جاتا ہے۔ چشم گریاں۔ سینہ بریاں۔ لب پر آہ و فغاں الامان الامان۔ شوخی تو تمھاری ایک ایک رگ و پے میں بھری ہے جس نے دیکھا بول اُٹھا کہ پرستان کی پری ہے۔ جو بے پروں یہ بلند پروازی کرتی ہے۔ تم نے ایک عالم کو اپنا والہ و شیدا بنایا کلیوپیٹرا کا نام صفحۂ روزگار سے مٹایا۔ ایسی جادو جمال اور فن شہسواری اور شعبدہ بازی میں باکمال عورت تو آج تک دیکھی نہ سنی مگر ہم کو شمع رخسار آتشیں سے لو لگا کر جلنے کے سوا اور کیا حاصل ہو گا خاک تھیں میں ایک دولتمند سوداگر کا لڑکا ہوں میرے باپ کے ایک لاکھ چالیس ہزار پونڈ (یعنی چودہ لاکھ روپیہ) کی جائداد ہے اور بندہ ہی ایک اولاد ہے۔ اب کوٹھی کا کام کاج سب میرے متعلق ہے میں نے بائیس برس کے سن تک کالج میں علوم و السنہ کی تعلیم پائی اور ایم اے کی ڈگری حاصل کی ہے۔ اب میرا پچیسواں سال ہے تصویر بصورت حالی بھیجتا ہوں کہ اسکو اپنے البم میں رکھو۔ اسی طرح کئی خطوط آزاد نے پڑھے اور لکھنے والوں کی ناکامی پر افسوس کیا۔

اسکے بعد ادمر کنگزلی نے کئی تصویریں دکھائیں میاں آزاد نے کہا اللہ اللہ کیسے کیسے جوانان وجیہ و صبیح نے شادی کا پیغام بھیجا تھا مگر افسوس کہ سب نامراد ناکام رہے کوئی غائز بمرام نہوا اور کیونکر ہوتا وہ تو دھوکے کی ٹٹی تھی۔

ادمر کنگزلی۔ ایک دفعہ اطالیہ میں گیا وہاں جو تماشا ہوا تو اہل اٹلی بھی فریفتہ ہو گئے اور ایک ایک انداز ناز پر ہزار جان سے شیفتہ ہو گئے۔ اکثر امرا اور رؤسا نے دو تھا نوں میں بلوایا اور اپنی دختران نیک اختر اور بیوی اور عیال و اطفال سے ملاقات کرائی اور کئی دن تک ہم نے ان پریوں کے ساتھ خوب چہل کھائی انکو یہ کیا معلوم تھا کہ مس ورجینا اصل میں ادمر کنگزلی ہے اور ہمکو مس ہی سمجھا کئے اور ایک لطیفہ سنیئے ایک نوجوان امیرزادی نے میری پیشانی پر بوسہ لیکر کہا کہ ہمارے میاں تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں اور ہم نے اُن کو اجازت دے دی کہ منظور۔ مجھے بے اختیار ہنسی آئی کہ واہ اچھی بیوی ہیں سوتیا ڈاہ کا نام تک نہیں جانتیں ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت آئی کہ شاہ اطالیہ ڈاکٹر ایمانول نے مجھے طلب کیا۔ اور ایک روح افزا اور دلکشا باغ لطافت انتما میں میرے ہاتھ میں ہاتھ دیکر چہل قدمی کیا کیے اور اکثر باتیں اس قسم کی زبان پر لائے کہ میں بڑی دقت سے ہنسی ضبط کرتا تھا۔ پہلے دن تو بارے عیب کو ئی کلمہ صاف صاف نہ کہا مگر دوسرے روز ادھر چاندنی نے سبزے میں کھیت کیا اُدھر شاہ اطالیہ نے ہمیں طلب کیا۔ میں خوب بن ٹھن کر گیا تو بادشاہ دیکھتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور باغ فراغ کے ایک گوشہ میں کہ از بس سرسبز و پر بہار تھا لے گئے روشوں میں ٹہلتا

شروع کیا۔ ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا کہ پیاری درجینا۔ اسکے بعد کچھ اور کہنے کو تھے کہ میں نے تیکھی چتون سے دیکھا اور ہاتھ جھٹک کر کہا کہ درجینا کے پہلے کون لفظ آپ نے فرمایا۔ بادشاہ نے آہ سرد کھینچ کر ڈرتے ڈرتے کہا کہ معاف کیجئے گا غلطی سے پیاری کا لفظ نکل گیا۔ میں نے تنک کر کہا کہ بس اب نہ فرمائیے گا اگر ہوش ہے تو ہمیں قدر بس ہے۔ آپ کا دھوکا بھی اچھا دھوکا ہے۔ تب تو اور بادشاہ سلامت کچھ دیر خاموش رہے اور پھر میری طرف ہاتھ بڑھایا میں نے چپکے سے ہاتھ دے دیا۔ اور ٹہلنے لگا۔ اس سے ان کو کسی قدر تسلی ہوئی۔ اور جی میں جی آیا۔ آہستہ سے میرے ہاتھ کو دبایا میں خاموش ہو رہا۔ میرے سکوت سے اُنہیں جرأت ہوئی تو جھکی لی اسپر میں نے کہا کہ حضور بادشاہ ہیں ایسا نہ کیجئے ورنہ آپ کی بدنامی ہوگی اور میں کہیں کی نہ رہوں گی۔ یہ سُنکر وہ اور بھی مضطر و بیقرار ہوئے اور کہا کہ درجینا۔ پیاری درجینا۔ میں تو تم پر عاشق ہوں۔ اب تم اطالیہ ہی کو اپنا وطن بناؤ اسی دلکش دلربا فضا باغ میں بستر جماؤ۔ میرے ساتھ شادی کر لو اسمیں بدنام ہوں چاہے نیکنام ہوں۔ ۵

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں ۔۔ مانمی خواہیم ننگ و نام را

میں نے دانتوں کے تلے انگلی دبا کر کہا۔ ہائیں! کدھر آپکا خیال ہے شادی کیسی۔ یہ کیا کلمہ آپ زبان پر لائے۔ میں نے تو عہد کر لیا ہے کہ جبتک میری مرضی کے موافق کوئی طرحدار اور حسین جوان نہ ملیگا میں بیاہ نہ کروں گی نہ کروں گی۔ اس میں چاہے ادھر کی دُنیا اُدھر ہو جائے اور ایسی میری قسمت کہاں کہ بادشاہوں کے گھر پڑوں اور شہزادی بیگم بنوں۔ آپکا خیال تھوڑی دیر کا ہے شاہوں کے مزاج میں تلون ہوتا ہے۔ آج کچھ کل کچھ۔ پرسوں کچھ۔ پھر جس صورت کو میں ڈھونڈھتی ہوں وہ نظر ہی نہیں آتی اور میں نے عہد کر لیا ہے کہ یا تو شادی ہی نہ کروں گی یا اگر کسی کے ساتھ بیاہ ہوگا تو وہی جو مرضی اور پسند کے موافق ہو۔ اسمیں بادشاہ ہو یا وزیر یا زمین پر یا امیر کبیر یا شند
بادشاہ۔ ہم پسند نہیں! لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص بادشاہ پسند ہے۔ مگر اللہ رے ناز اور اُف ری بے نیازیاں کہ تم بادشاہ کو پسند نہیں کرتیں۔ ۵

اللہ رے ناز حسن کی یہ بے نیازیاں ۔۔ بندہ نواز آپ کسی کے خدا نہیں

غرورِ حسن اجازت مگر نداد اے گل ۔۔ کہ پرسشے نکنی عندلیب شیدا را

اُنھوں نے لاکھ لاکھ جتن کیے کہ میں نے ایک بات بھی نہ مانی اور ماننا کیونکر۔ وہ تو مس درجینا کو بیاہنا چاہتے تھے۔ میں کچھ مس درجینا تو ہوں نہیں میں تو خوب واقف تھا کہ ہم اور مرکنگز لی ہیں لہذا اُن کا اصرار اور میرا انکار عجب لطف دکھاتا تھا۔ بڑی ہی دل لگی ہوئی۔ بس یہ کیفیت تھی۔ ۵

وہ میری سنتے نہیں بجا ہے میں آنکی سنتا نہیں مزا ہے
ادھر بھی ہاں ہاں کا غل مچا ہے جو شور ادھر ہے نہیں نہیں کا

الغرض آخر کار میں نے جھلا کر کہا کہ تم بادشاہ ہو۔ حکمراں ہو۔ ثریا جاہ ہو۔ زبردستی چاہو قید کر لو۔ مگر میری مرضی کے خلاف ہو۔ اور یہ بھلا کونسا انصاف ہے کہ زبردستی کسی کو بیاہو۔ اگر ایسا ہوا تو جان دیدوں گی۔ اسپر وہ بہت ہی متوحش ہوئے اور کہنے لگے کہ توبہ توبہ تمہیں جان دینے اور خودکشی کرنے پر آمادہ نہ ہو جانا۔ میں ظالم بادشاہوں میں نہیں ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں روانہ ہوئی تو رخصت کے وقت خاصے کا ایک کمیت گھوڑا دیا جو کوئی تین ہزار روپیہ کا ہوگا۔ وہی جسپر کل میں سوار تھا اور دس ہزار روپیہ نقد اور کوئی آٹھ ہزار کا اسباب گرانمایہ دیا اور بعد حسرت و حرمان رخصت کیا ابھی بیاہ ہو دیکھئے گا اُسوقت کیسی دل لگی ہوگی۔ جب ہم مس روز کو بیاہیں گے اور دنیا بھر کے اخبار اس خبر سے مطلع ہو کر حیرت میں آئینگے۔

ابھی امریکہ جاتے ہی ہم اُن کو عقد نکاح میں لائیں گے۔

آزاد۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں آج شب کو تھیٹر میں آؤنگا۔

اذ مرکنگزلی۔ آنے کو آئیے اور ضرور آئیے مگر اب وہ لطف آپ کو نہ آئیگا۔ لیکن پھر بھی وہ سج دھج دیکھ کر ضرور دنگ ہو جائیے گا وہ تو موقع ہی اور ہوتا ہے۔

میاں آزاد وہاں سے چلے تو دل میں سخت پشیمان کہ لاحول ولاقوۃ کیسے احمق بنے مگر ہم ہی حمق میں فرد نہیں ہیں ہمارے ساتھی اور بھی بہت سے ہیں حتیٰ کہ بڑے بڑے رُوسا و نامدار و شاہان اقتدار چکمے میں آکر فریفتہ و شیفتہ ہو گئے۔ یہ حسن بھی کیا بلائے بیدرماں ہے حق تو یوں ہے کہ آفت جان ہے تواب سے جو کہیں یہ لطیفہ کہوں تو معاذ اللہ ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ جائیں اور مصاحب سنیں تو ہم کو اور نواب کو دونوں کو خوب بنائیں اور تالیاں بجائیں کہ اچھے عاشق ہوئے تھے۔ مگر ممکن کیا کہ یہ راز زبان تک آئے۔ کیا مجال۔ یہ باتیں دل میں سوچتے ہوئے سرا میں پہونچے۔ تو پھاٹک ہی کے پاس سے آواز آئی کہ لانا تلو میری قردلی۔ ہائے نہ ہوا قرابینچہ ورنہ دکھا دیتا تماشا۔ اتنے میں میاں آزاد نے للکارا کہ کیا ہے بھئی کیا ہے ہم آن پہونچے گھبرانا نہیں۔ دیکھا تو خوجی ایک کتے کو دُتکار رہے ہیں معقول۔ اب میاں خوجی کتوں پر بھی قرولی چلانے لگے۔ شاباش ابھی کیا افیون سلامت رہے کل کو ہوا سے پینچ جھاڑ کر لڑیں گے۔

عید سعید

عیدست و موسم گل ساقی بیار بادہ
ہنگام ہے کہ دیدست بیجے قدح نہادہ

آج تو نرالی سماں ہے۔ در و دیوار نور افشاں ہے۔ غریب امیر سب رنگ رلیاں مناتے ہیں صغیر و کبیر خوشی کے شادیانے بجا رہے ہیں جسے دیکھو سرمست جس پر نظر ڈالو عشرت پرست۔ کہیں بلبل رنگین گفتار کے چہچہے۔ کہیں تدرو خوش رفتار کے قہقہے۔ اللہ اللہ یہ عید سعید کی تیاریاں ہیں۔ اہاہا۔ جب ہی یہ چہل پہل ہے۔ نواب قمر رکاب کی بزم طرب کا حال نہ پوچھیے۔ روزے تو حضرت پہلے ہی چٹ کر گئے تھے۔ لیکن عید کے روز سعید بزم جمشیدی آراستہ ہوئی تو رکے تڑکے سے مصاحبوں رفیقوں نے آنا شروع کیا اور مبارک مبارک کی صدا ایسی بلند کی کہ کرّوبیوں نے عرش بریں کو تھام لیا ورنہ آسمان و زمین کے قلابے مل جاتے اور دونوں کے کنگرے ہل جاتے۔

مصاحب۔ خدا عید مبارک کرے میرے نواب جم جمیں۔

رفیق۔ برس دن کا دن مُبارک کرے۔

روشن علی۔ بخانہ آمدنت عید عشرت افروزنت ؛ مبارک است کہ امروز روز نوروز است۔

ندرت۔ حضور مجرا عرض ہے۔ ے

گردوں براو دبخت فیروزت باد
خورشید فلک بندۂ دلسوزت باد
ہر روز تو خوبتر ز ہر روزت باد
در ہفتہ سہ عید چار نوروزت باد

حافظ جی۔ پیر و مرشد (نذر لیکھا کر) ع۔ گر قبول افتد زہے عزّ و شرف۔ خدا حضور کو عید مبارک کرے۔ ے

لب نمی آید بہم از خندۂ ایں شادیم
آفتاب از آسماں گردید مبارکبادیم

نواب۔ (نذر قبول کرکے) آپ کو بھی مبارک ہو مگر سُنا کہ آج تو عید میں اختلاف ہے بھئی آدھا تیتر آدھا بٹیر نہیں اچھا۔

مصاحب۔ حضور فرنگی محل کے علمائے اہل تسنن نے تو آج ہی پنجشنبہ کو عید کا فتویٰ لگایا ہے۔ لیکن جناب قبلہ و کعبہ نے فرمایا ہے کہ ہماری کل ہے پہلے دو دھڑے کا معاملہ ہو گیا۔

نواب۔ بھلا چاند کل کسی نے دیکھا بھی۔ ہمارے یہاں تو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔

مصاحب۔ پیر و مرشد پکّے پل پر چار بہشتیوں نے دیکھا اور راجہ کی بازار میں حافظ امان علی صاحب نے دیکھا اور فرنگی محل میں مولوی عبدالحی صاحب قبلہ کے اعزّہ میں سے ایک صاحب نے دیکھا اور میری بہو نے دیکھا۔

نواب۔ آپکی بہو کا سن شریف کیا ہے۔ ہیں کوئی چودہ پندرہ برس کی

مصاحب۔ (شرما کر، حضور (مسکرا کر) گردن جھکالی۔

نواب۔ حضرت آپ اپنی بہو کی عمر تو مخفی رکھتے ہیں اور پھر اُنکی شہادت ہی کیا۔ باقی رہے حافظ جی۔ بھئی مثل مشہور رہے کہ حافظ بیچاروں کی آنکھیں کثرت توغل و مطالعہ سے چوندھیا جاتی ہیں اُنکو دن کو تو اونٹ سوجھتا ہی نہیں۔ بھلا سرِ شام دونوں وقت ملتے ناخن کے برابر چاند کیا سوجھے گا۔

آزاد۔ حضرت میں نے اور میاں خوجی نے کل شام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور سماعی شہادت تو سرا بھر دے گی۔

نواب۔ تو تین گواہیاں معتبر ہوئیں۔ آپ اور خواجہ صاحب اور حافظ جی صاحب۔ ہماری عید تو ہر طرح آج ہے۔

اتنے میں فٹن پر سے وہی بنت الشیطان کمر لچکاتی ہوئی اور مسکراتی ہوئی اُتریں۔ (آبادی جان)

نواب۔ آیئے آیئے کہئے آپ کی عید کس دن ہے۔

آبادی جان۔ کیا کوئی بھاری جوڑا بنوا رکھا ہے۔ پھٹے سے منھ شرم نہیں آتی۔

نواب۔ سہ

عید قرباں ہے یہی دن تو ہے قربانی کا
آج تلوار کے مانند گلے مل قاتل

اور ہم کو کیا یہاں تیسوں روزے چٹ کئے بیٹھے ہیں۔ دو دو قتہ قورمہ اور پلاؤ اُڑتا تھا۔ یہ تو اُن کو فکر ہوگی جو دین کا ٹوکرا سر پر لادے لادے پھرتے ہیں یہاں تو یہ شعر ورد زباں ہے۔ سہ

تھی رمضاں میں مری حالت تباہ
خوب ہوا شہر بدر ہو گیا

آبادی جان۔ انھیں لچھنوں تو دوزخ میں جاؤ گے۔

نواب۔ خیر تو ایک تسکین تو ہوئی آپ تو وہاں بغلگیر ضرور ہونگے۔

رفقا۔ (غل مچا کر) اعجاز اعجاز۔ پیر و مرشد۔ سبحان اللہ کیا برجستہ کہی ہے۔ واللہ خوب سوجھی۔ ذری دیکھئے تو سہی۔ طرف ثانی کا رنگ فق ہو گیا کیا گرما گرم لطیفہ کہا ہے۔

یہ قہقہے اُڑ ہی رہے تھے کہ چمپا لونڈی اندر سے گھبرائی ہوئی آئی مُنڈ گئے لُٹ گئے (سر پیٹ کر) اے حضور چوری ہو گئی۔ سب موس لے گیا۔ ہائے کہیں کا نہ رکھا موئے چور نے۔

نواب۔ کیا کیا چوری ہو گئی۔ ارے کب!

چمپا۔ رات کو اور کب۔ اسوقت جو بیگم صاحب کوٹھری میں جاتی ہیں تو روشنی دیکھتے ہی اندھیرا سا آنکھوں تلے چھا گیا ہاتھ مل کر غل مچایا کہ ارے دوڑو۔ وہاں جا کر دیکھتے ہیں تو ایک بلو کا اور کپڑے لتے سب تتر بتر پڑے ہیں۔ ستیاناس ہو نگوڑے کا جو برس کے دن

مصاحبین۔ پاؤں تلے سے مٹی نکل گئی۔ افسوس اے خداوند کل تو ایک بجے تک یہاں دربار گرم رہا کوئی بارہ بجے ہارمونیم بند ہوا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی پہلے سے گھس بیٹھا تھا۔ اور رات کو جاگ بھی ہوئی۔

نواب۔ (ذری ہماری تلوار تو لانا) بھئی احتیاط شرط ہے۔ ع۔ شاید کہ پلنگ خفتہ باشد (تلوار لیکر گھر میں داخل ہوئے) دیکھتے کیا ہیں کہ بیگم صاحب ایک نازک پلنگڑی پر سر پکڑے بیٹھی ہیں اور بوا زعفران سمجھا رہی ہیں کہ بیوی نواب کی سلامتی رہے ایک سے ایک بڑھیا جوڑا بن جائے گا۔ آپ گھبراتی کاہے کو ہیں۔ نواب نے جا کر کوٹھری کو دیکھا بلو کے کو خوب غور سے معائنہ کیا مگر تلوار ہاتھ میں ہے اور پینترے بدلتے ہوئے گھر بھر کا جائزہ لے رہے ہیں۔

نواب۔ (بیگم سے) ہمارا الوٹے جوڑ نے آخر یہ رونا کاہے کا مال گیا گیا

بوا زعفران۔ اے ہاں سچ تو فرماتے ہیں۔ جان کی سلامتی چاہیئے مال بھی کوئی چیز ہے۔

بیگم۔ آج عید کے دن خوش خوش روزہ مناتے۔ ڈومنیاں آتیں بہار گاتیں دن بھر دھما چوکڑی مچتی۔ رات کو رت جگا کرتے سو آج ایک نیا شگوفہ کھلا۔ مگر گہنے کی صندوقچی چھوڑ گیا۔ اتنا ہمپر احسان کیا کوئی دو ہزار کا البتہ خورد برد کیا۔ اب اسوقت کلیجہ دھک دھک کر رہا ہے۔ موے چور کی ہیبت سے جیسے مردنی چھا گئی۔

نواب۔ ہمارے سر کی قسم۔ لے اٹھو بس اب منھ دھو ڈالو۔ عید مناؤ وہ جوڑا پھڑکاؤ۔ ہمارا ہی جنازہ دیکھے جو چوری کا سوگ کرے دو ہزار بھی کوئی بڑی کائنات ہے۔

الغرض بڑی جدوکد کے بعد بیگم صاحب بصد ناز و ادائے دلربایانہ اٹھیں اور بوا زعفران نے قسمیں دے دیکر منھ دھلایا نواب صاحب نے کہا تمھیں واللہ ہنس تو دو۔ وہ ہنسی آئی لب پر آئی۔ ناک پر آئی۔ ۶۔ وہ لب پر آئی ہنسی دیکھو مسکراتی ہو۔ بیگم صاحب بے اختیار کھل کھلا کر ہنس پڑیں اور گھر بھر میں قہقہے پڑنے لگے جو ہے وہ لوٹن کبوتر بنا جاتا ہے۔

خیر بیوی کو ہنسا کر نواب صاحب نے باہر قدم رنجہ فرمایا تو مصاحب رفیق حوالی موالی خدمتگار۔ اہلکار۔ دروازے کے پاس ڈٹے ہوے جاتے ہی غل مچایا کہ خداوند خیریت تو ہے۔ کچھ تو بتائیے تو یہ معاملہ کیا ہے۔ آخر کدھر سے چور آیا۔ کوئی کہتا ہے کہ حضور بے گھر کے بھیدی کے چوری نہیں ہوتی۔ ہمکو اس جشن پر شک ہے جشن اندر سے گالیاں دے رہی ہو کہ اللہ کرے جھوٹے پر بجلی گرے۔ آسمان پھٹ پڑے جو جھوٹ موٹ کسی کا نام لے کسی نے کہا خداوند چوکیدار کی سازش ہو مردود ہو آخر یہ کل رات بھر کیا کیا۔ چوکیدار ہو کہ لاکھوں قسمیں کھاتا ہو کانوں پر ہاتھ دھرتا ہے غرض کہ گھر بھر میں عجب ہر بونگ ہے۔

اتنے میں ایک مسخر الدولہ نے بڑھکر یوں مخاطب کیا۔

مسخر الدولہ۔ حضور قسم ہے کلام اللہ کی ہمیں معلوم ہو کہ یہ کس ملعون نا ہنجار کا کام ہے۔

نواب۔ پھر بتاؤ بتاؤ۔ کچھ معلوم تو ہو۔

مسخر الدولہ۔ قسم حسین کی ہم تاڑ گئے واللہ معاً بھانپ گیا۔ قربان جاؤں خداوند۔ ہو نہ ہو اسی مردک کا فعل ہے۔ بھلا ہے بھلا ہم پہچان گئے۔ اجی آسمان پر تو ہم تھگلی لگائیں چڑیا کا دودھ تک بہم پہونچائیں عنقا کا انڈا تک لائیں۔ ہم سے اُڑکر کوئی جائیگا کہاں

مصاحب۔ لاحول ولا قوۃ۔ معلوم ہو تو پھر بتاتے کیوں نہیں۔

مسخر الدولہ۔ اجی بتانے سے آخر فائدہ کیا اگر معلوم ہمکو بیشک ہے ہمیں اصلا شبہہ نہیں بس اُسی مردود کی ساری کارستانی ہو۔ لے بھئی جو غلط ہو تو ہاتھ ہاتھ بدتے ہیں۔

نواب۔ عجب طرح کا نامعقول آدمی ہو۔ کبھی ہاتھ ہاتھ بدتا ہو کبھی ناک ناک بدتا ہو۔ آپ بھی طرفہ معجون ہیں واللہ آخر یہ اسقدر اصرار تم کیوں کرتے ہو جسپر تم کو شک گذرتا ہے۔ اُسکا نام بتا کیوں نہیں دیتے یہ بھونڈے نخرے یہاں کس کو بھاتے ہیں۔

مصاحب۔ اجی ان بوڑھے چوچلوں کو چھپر پر رکھو۔ ۶۔ ناز برآن کن کہ خریدار تست۔ بتاؤ تمھیں خدا کی قسم کس پر تم کو شک ہے آخر کس کو تاکا ہے۔ بھئی ہم کو بچا دینا اُستاد۔

مسخر الدولہ۔ (نواب صاحب کے کان میں آہستہ سے) خداوند یہ کسی چور کا کام ہے۔ قسم کلام اللہ کی۔

نواب۔ (قہقہہ لگاکر) ہشت نامعقول۔ خدا کی مار تجھپر۔ اسوقت بھی مسخرے پن سے باز نہیں آتا۔

مصاحب۔ کیا کہا حضور کس کا نام لیا۔

نواب۔ (پھر زور سے قہقہہ لگاکر) آپ چپکے سے فرماتے

ہیں کہ (خداوند یہ کسی چور کا کام ہی) اور کلام اللہ کی قسم بھی کھائی
محفل بھر کی یہ کیفیت تھی کہ جسے دیکھو لوٹ رہا ہے ہنستے ہنستے
پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ اتنے میں ریل کا ایک چپراسی تار لیکر آیا

چپراسی۔ ہجور تار آیا ہے۔

نواب۔ تار!! اُف خدایا شر آفات سے بچائیو۔ خدا دندار وزبر نہ دکھائیو سن سے جان نکل گئی اسوقت بھئی ان کو اچھی طرح بٹھاؤ اور کسی انگریزی خواں کو بلاؤ اور تار پڑھواؤ خدا جانے کہاں سے گولا آیا ہے۔ اسوقت دل قابو میں نہیں۔

مصاحب۔ کیوں میاں جوان یہ تار تو بڑے صاحب کے دفتر سے آیا ہے نہ۔

چپراسی۔ ناہیں ریل گھر سے آوا ہے۔

رفیق۔ واہ رے انگریزو۔ اللہ جانتا ہے یہ بھی بلا تشبیہ خدائی کرتے ہیں۔ اور سنئے جلدی کے لیے اب تار کی خبر بھی ریل پر آنے لگی۔ واہ رے اُستاد عقل کام نہیں کرتی۔

دوسرے مصاحب۔ واللہ اعلم یہ تار بولتا کیونکر ہے۔ آخر تار تو بیجان ہے نہ بھئی۔

راوی۔ اچھے اچھے جمع ہیں جو ہے جالینوس بطلیموس ارسطو بقراط اور سقراط ہی ہونے کا دم بھرتا ہے۔ گر لیاقت یہ کہ چپراسی سے جو سوال کیا بھونڈا۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ کیا یہ تار بڑے صاحب کے دفتر سے آیا ہے اس گاؤدی سے کوئی اتنا تو پوچھے کہ بڑے صاحب کے دفتر کو تار سے کیا واسطہ۔ خیر جب چپراسی نے کہا کہ نہیں خداوند ریل گھر سے آیا ہے تو فرمایا کہ جلدی کے لیے تار کی خبر ریل پر آنے لگی واہ ری عقل۔ لاحول ولا قوۃ۔ اتنا نہیں جانتے کہ ریل تو کانپور سے لکھنؤ تک تین گھنٹے میں پہونچتی ہے اور تار کی یہ سرعت ہے کہ ادھر کھٹ ہوا اور خبر کلکتہ میں داخل۔ پھر اس قدر نہیں سمجھتے کہ جو تار کی خبر ریل پر جاتی تو تار برقی سے پھر کیا فائدہ تھا۔ خدمتگار کسی انگریزی خواں کو لے آیا۔ گرد اجی ہی د اجی لیاقت۔

لفافہ کھولا تو بہت غور سے پڑھنے لگے۔

نواب۔ کیا لکھا ہے بھئی۔

انگریزی خوان۔ لکھنؤ (دس منٹ تک تامل کیا)

مسخر الدولہ۔ میاں کیا کوودں دے کے پڑھے ہو گیا۔ کچھ اور بھی لکھا ہے۔ یا لکھنؤ ہی لکھا ہے۔ اور بس۔

انگریزی خوان۔ لکھنؤ۔ مرزا پُر۔

مسخر الدولہ۔ واہ ری تیری پُر۔ بھیا مرزاپور کہو مطلب یہ کہ لکھنؤ کو خبر بھیجی ہے اور مرزاپور سے آئی۔

انگریزی خوان۔ لکھا ہے کہ کل چاند دیکھا اور رایڈ ہوتا۔

مسخر الدولہ۔ لے بس آپ پڑھ چکے اور ہم سمجھ چکے (خدمتگار سے) کس گاؤدی کو پکڑ لائے میاں۔

انگریزی خوان۔ (تیورا کر) ایڈ ہوتا تو صاف لکھا ہے۔

مصاحب۔ ہجے کیجئے ہجے۔ انگریزی زبان کی آپ بن ناحق ٹانگ توڑتے ہیں۔ بس رہنے دیجئے۔

رفیق۔ اہاہا۔ نہ کہئے گا واللہ ہم تاڑ گئے۔ یہ جو ایڈ ایڈ بک رہے ہیں یہ عید ہے۔ پوچھا ہو گا کہ چاند کل دیکھا یا نہیں۔ آج عید ہو یا کل یہ تو وہی مثل ہوئی۔ واللہ کہ ہاتھ میں چکی کا پاٹ ہے۔

نواب۔ ہاں خوب سمجھے واللہ۔ کسی نے مرزاپور سے پوچھا ہو گا کہ آج عید ہی یہاں یا کل ہو گی۔ اچھا یہ تو فرمائیے کہ بھیجا کس نے ہے۔ آخر کسی کا نام تو بتائیے۔

انگریزی خوان۔ ناسر ہوسین۔

مسخر الدولہ۔ ماشاء اللہ کیا نام بجایا ہے۔ ناسر ہوسین۔

ترکی نام ہی بانز انسیسی - معقول -

رفیق - ہم بتائیں - ناصر ہوسین نہیں - نثار حسین ہو گا کیوں نہ کہئیے گا -

نواب - شاباش خوب سُوجھی - مرزا پور میں ہمارے ایک دوست ہیں نثار حسین بڑے مسخرے آدمی ہیں اُنھوں ہی نے تار بھیجا ہو گا پھر اب اسکا جواب کسی سے لکھوائیے اور بھجوائیے مگر جلد جائیے تاکہ انکے پاس آج ہی پہونچے وہ بڑے بیقرار ہوں گے - یکر وپیہ دو روپیہ جو صرف ہو داروغہ سے دلوا دو اور میاں ندرت کو ابھی تار گھر بھیجو اور کہو وہاں صاحب سے یا کوئی بابو ہو تو اس سے کہئیے کہ ذرا جلد بھیجدیں اور دکان میں چپکے سے اگر کچھ مانگے تو دیدینا مگر اتنا کہدینا کہ خبر ضرور پہونچے ایسا نہ ہو کہ راہ میں کہیں اٹک رہے تو غضب ہی ہو جائے -

میاں ندرت لکھنؤ کے آدمی وہ بھی پرانے فشن کے نخاس کے باہر عمر بھر قدم رکھا ہی نہیں وہ کیا جانیں کہ تار گھر کس بلا کا نام ہے قہر درویش بر جان درویش کمر کر چلے تو ایک ایک سے پوچھتے جاتے ہیں کہ کیوں بھئی تار گھر کہاں ہے -

نان بائی - اجی ہم سے روٹی کباب کلچے کا بھاؤ پوچھئیے تار وار کسی بابو سے دریافت کیجیے -

پٹوا - ایے ہجور ہم تو بس چرکھا کا تانا خوب جانتے ہیں اور کچھ ہم کیا جانیں -

نائی - تار گھر ہاکو تو ہمت بنا تا اور ہنڈ نا آتا ہے کہئیے تو آپکا بھی منہ بناویں

آخر کار ایک چپراسی نے کہا کہ کل کی برف کے سامنے ہے - بھائی ہم کل کی برف ورف تو جانتے نہیں یہ بتاؤ کہ ادھر نخاس اُدھر پاٹا نالہ اور ہوائش طرف سعادت گنج ہم کس رُخ جائیں مُرے پھنسے یار اور تار گھر میں خدا جانے کیا واردات ہو ذری انگریزی قانون والوں سے ہم ناواقف بھی ہیں دیکھئیے آج کیا افتاد پڑتی ہے

خیر خدا مالک ہے چلے تو دھنیا مہری کے پل پر ہو رہے سیدھا راستہ چھوڑا اور نالہ کی راہ لی - لاحول ولا قوۃ وہاں ایک آدمی سے پوچھا کہ یہاں سے تار گھر کتنی دور ہوگا - اُسنے کہا کہ تین کوس - ایں! ارے میاں ہوش میں ہو - ہاں ہم تو ہوش میں ہیں تم اپنی کہو تم بھی ہوش میں ہو یا بیہوش ہو - آتے کہاں سے ہو - خیر حسین گنج پوچھتے پوچھتے چلے جاؤ وہیں تار گھر بھی ہے - بھئی کیا آدمی ہو حسین گنج کا نام تو ہم نے سنا ہے - مگر سوائے چوک - رستم نگر - کاشمیری محلہ درگاہ - رانی کٹرہ - یحییٰ گنج - آغا میر کی ڈیوڑھی کے اور تو کوئی محلہ جانتے ہی نہیں یا اور دو چار جانتے ہوں مگر حسین گنج تو آج تک کہا ہی نہیں - بارے پوچھتے پوچھتے کوئی دو گھنٹے میں عیش باغ پہونچے تو [illegible] پوچھتے پوچھتے چلے حسین گنج حسین گنج [illegible] سے پوچھا کہ کیوں بابوجی تار گھر یہاں ہے اُنھوں نے کہا سامنے چلے جاؤ - پھر بلٹے - بابوجی ایک روپیہ لاؤ بہرے اور لکھوانا یہی کہ آج عید سنیوں کی ہے - کل شیعوں کی ہوگی - بھلا وہاں بیٹھا رہوں جب خبر پہونچ جائے تب واپس آؤں - بابو نے کہا ایسا کچھ ضرور نہیں خیر - رہرکی کوٹھی پر داخل ہوئے تو کلیجہ - دھک دھک کر رہا ہے کہ دیکھئیے جان کیونکر بچتی ہے خدا جانے کیا افتاد پڑے - ہاتھی چھوٹے گھوڑا چھوٹے - تھوڑی دیر پھاٹک پر کھڑے رہے اور وہاں سے مارے ڈر کے بیرنگ واپس راہ میں دونوں روپیے تو اُنھوں نے بھنائے اور بیوی سے پیسے بیچ میل مٹھائی چنگیل میں لے چلے اور راستے بھر یہی سوچتے رہے کہ نواب یوں حکمہ چلیں گے یوں چھانا دیں گے چین کرو استاد خدا بد بد کا نقشہ ہے - اب میاں ندرت سے پوبارہ ہیں - دو چہرہ شاہی جو نئی گرد بت کے

چکتے دکتے پائے تو خوب گلچھرے اُڑائے۔ مزے سے مٹھائیاں چکھیں۔ حلوائی کی دکان اور دادا جی کا فاتحہ گھر میں جو خوش خوش گھسے تو ہاتھ میں چنگیل اور اُس میں مٹھائی بیچ میل۔ بیوی دیکھتے ہی کھل گئیں کہ آج البتہ چکھوتیاں ہونگی جھپٹ کر چنگیل اُنکے ہاتھ سے چھینی اور دیکھا تو مُنھ میں پانی بھر آیا۔ برفی پر چاندی کا ورق لگا ہوا۔ امرتیاں تازہ بتازہ۔ لڈو گرما گرم پیڑے وہ جو متھرا کے پیڑوں کے دانت کھٹے کردیں۔ دو تین لڈو اور ایک برفی تو دیکھتے ہی دیکھتے چٹ کر گئیں۔ واہ مٹھائی کیا ہی کہ لب بند ہوتے ہیں پیڑا اُٹھانے ہی کو تھیں کہ میاں ندرت نے جھلا کر پہونچا پکڑ لیا۔

ندرت۔ لب بند ہوتے ہوں یا نہ ہوتے ہوں مگر تمھارا مُنھ چلا ہی جاتا ہے۔ ایک لڈو کھایا میں کچھ نہ بولا۔ دوسرا نگلا میں چپ چاپ دیکھا کیا تیسرے لڈو پر ہاتھ بڑھایا اور مزے مزے سے کھایا برفی کھائی اور اب چلیں پیڑے پر ہاتھ ڈالنے تب تو مجھ سے نہ رہا گیا اب کھانے پینے کی چیزیں ڈھکے کون آتی بڑھی تو مرٹا ہو گئیں مگر بلا ہی بنی رہیں نمردوں ڈال کے ٹوٹوں مرکھکوں کی طرح مٹھائی پر گر پڑا کیا معنی۔ دو پیالیاں لاؤ افیم گھولو بیوی چپ فتنے گھٹیں تب مٹھائیاں چکھو آؤ آج ہم تم دونوں پئیں خدا کی قسم یہ افیم بھی نعمت کی ماں کا کلیجہ ہے۔

بیوی (دہت تنک کر) بس نیامت (نعمت) کی ماں کا کلیجہ تم ہی کھاؤ۔ کھاؤ چاہے بھاڑ میں جاؤ۔ واہ آج اتنے بڑے تہوار کے دن مٹھائی کیا لائے کہ دماغ ہی نہیں ملتا سوتی کی سی آب اُتار لی ایک پیڑے خاطر پہونچا دھر کے مڑ دڑ ڈالا اللہ کرے ہاتھ ہی ٹوٹیں۔ تم افیم کھاؤ چاہے سنکھیا کھاؤ۔ ہم اپنے سوتے ہیں۔

راوی۔ واہ میاں ندرت کیوں نہ ہو۔ خود تو میاں افیمی ہیں ہی اب اپنی بیوی کو بھی پلاؤ۔ لطف تو یہی ہے کہ دونوں میاں بیوی افیم کی پینک میں اونگھ اونگھ کر مٹھائی ڈھنگیں ایک کا سر اس پائی پر ہو دوسرے کا اُس پائی پر ہو۔ جبتک کھٹاکے کی آواز نہ آئے تب تک سر نہ اُٹھائیے۔ رات بھر سر بسجود۔ یاد معبود بھئی ان افیونیوں سے خدا بچائے بھلے مانس کو تو انکے پڑوس نہ رہنا چاہیئے انتہا یہ ہے کہ بندر تک کو افیمی کر دیا۔ لکھنؤ میں کسی ذات شریف نے بندر پالا اور اسکو افیم پلانا شروع کی اس اپچ کے قربان یہ کیا دور کی سوجھی ہے اور کیوں نہ سوجھے لکھنؤ کا تو چرچا ہا افیونی ہے۔ خیر چند روز کے بعد حضرت نے بندر کو چھوڑ دیا۔ اب میاں اینٹھا سنگھ کے حواس بیترا ہوے سٹی بٹی بھولی ہوئی وقت پر افیم نہ ملی تو جمائیوں پر جمائیاں آنے لگیں دم الگ لپٹی جاتی ہے اور اینٹھا سنگھ الگ لوٹ رہے ہیں بُرا حال ہے زندگی وبال ہے۔ کوٹھے پر سے بازار میں آئے اب یاران سرپل سب کیفیت دیکھ رہے ہیں۔ بے ڈگڈگی کے بندر کا ناچ کسی نے کاہے کو دیکھا تھا۔ دو چار آدمیوں نے پیالی میں افیم گھولی اور بندر کو دی تو باچھیں کھل گئیں اور بڑے شوق سے پیالہ لیکر غٹ غٹ کر کے پی گیا تو آنکھوں میں روشنی آئی غرضکہ بندر بیچارہ افیم پینے کے وقت باؤلا کتا سا بنا تا تھا۔ اب میاں ندرت کو اس سے بڑھکر سوجھی۔ انھوں نے اپنی زوجۂ مقدسہ کو بھی افیم کی چاٹ دینی چاہی جس میں دونوں ہر دم غین رہیں۔ اس سوجھ بوجھ کے صدقے لاحول ولا قوۃ۔ مرزا رفیع دانش نے اور بھی ستم ڈھایا کہ اس بلائے بیدرماں کی تعریف میں یوں فرمایا ؎

تریاکی اگر سینہ کنی صد چاکش
چوں غنچۂ تریاک سر افگندہ بپیش

از دل نرود خیانت اما کش
سر بر نکند تا ندسد تریاکش

اتنے میں باہر سے آواز آئی (میاں ندرت صاحب تشریف رکھتے ہیں) صدائے برنخاست۔ پھر پکارا (میاں ندرت صاحب ہیں) جواب خموشی تب تو اُسنے زور زور سے زنجیر کھڑکھڑانا شروع کی۔ بیوی متحیر کہ آخر میاں سون کھینچے ہوئے کیوں بیٹھے ہیں۔

بیوی ۔ سنتے ہو یا کانوں میں ٹھیٹھیاں ہیں۔ ایک آدمی گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہا ہے۔ دروازے کو چول سے نکالے ڈالتا ہے اور تم بھٹ مارے بیٹھے ہو۔ بولتے کیوں نہیں۔ کہیں چوری کر کے تو نہیں آئے ہو۔ آخر تو یہ ماجرا کیا ہے۔

ماما ۔ ہاں بیوی کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے۔

ندرت ۔ ذری آہستہ آہستہ باتیں کرو۔

بیوی ۔ اے ہے بیچ کہئے گا ذری۔ ہم تو خوب غل مچائیں گے اور قہقہے لگائیں گے۔ ماما ہم پردے میں ہوئے جاتے ہیں جا کر ان کو بلاؤ کہو گھر میں گھسے بیٹھے ہیں۔ اور ہم سے کہتے ہیں سال لسان لولو۔

ندرت ۔ نہیں نہیں یہ دل لگی بازی اچھی نہیں تم کہدو کہ نواب صاحب کے یہاں گئے ہیں۔

ماما ۔ اے ہے کون آدمی ہے کہ دروازے کو توڑے ڈالتا ہے۔

آواز ۔ اجی ماما جی میاں گھر میں ہیں یا نہیں۔

ماما ۔ (باہر جا کر) بس اتنے ہی کے لیے۔ توبہ۔ توبہ میں تو سمجھی کہیں سے دوڑ آئی ہے۔ میاں تو سویرے منھ اندھیرے نواب صاحب کے یہاں (یہاں) گئے ہیں ابھی آئے نہیں جو لیں تو بھیج دیجئے گا

آواز ۔ ایں! نواب صاحب کے یہاں سے تو ہم بھی ابھی ابھی آئے ہیں۔ وہاں ڈھنڈس مچی ہوئی ہے۔ یہ چل کہاں دئیے تار گھر تک سرکار نے بھیجا تھا سو اب تک راستہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں پتھرا گئیں اچھا بھابھی صاحب سے کہو کہ آج عید کے دن آپ کے دروازہ پر آئے ہیں کچھ سویاں ودیاں کھلائیں۔ ہم تو بے تکلف آدمی تقاضا کر کے دعوت لیتے ہیں۔

ماما نے اندر سے لے جا کر باہر برآمدے میں ایک مونڈھا بچھا دیا۔ اب یہاں میاں بیوی میں تکرار ہونے لگی۔

میاں ۔ اجی ٹال بھی دو۔ ایسے ایسے مفت خورے بہت آیا کرتے ہیں۔ ماما جی تم بھی پاگل ہی رہیں۔ مونڈھا بچھانے کی کیا ضرورت تھی بھلا۔

بیوی ۔ اے واہ۔ ہم تو کریں گے اور ضرور خاطر کریں گے یہ اچھا کہ نواب کے یہاں جا کے ہم کو گنوارن بدسلیقہ عورت بنائیں اس میں تمھاری ناک نہ کٹے گی۔

میاں ۔ ہماری ناک کی تو تم کہو ہی نہیں۔ ایسی ناک کبھی نہ دیکھی ہو گی روز کٹتی ہے مگر صبح کو پھر (جتنی کی تتنی) یہ ناک کیا سخندی کی شلغم ہے کہ قلم کی اور بڑھی۔ شمع ہے شمع کاٹ ڈالو تو اور بھی روشن ہو۔

بیوی نے ایک تشتری میں پانچ چھ ڈلیاں مٹھائی کی قرینہ سے لگا کر ریشمی ہرا رومال اس پر ڈھک دیا اور ماما سے کہا کہ جاؤ دے آؤ میاں ندرت کی روح پر صدمہ ہوا کہ چار پانچ ڈلی تو بیوی باتیں کرتے کرتے چکھ گئیں اور پانچ چھ اب نکل گئیں غضب ہی ہو گیا۔ ماما مٹھائی لے کر چلی تو ڈیوڑھی میں دو لڈو چپکے سے نکال ایک طاق میں رکھ دیے۔ اتفاق سے ایک چھوکرا دیکھ رہا تھا اُسنے تاک لگائی اور جب ماما جی باہر گئیں دونوں لڈو مزے سے کھا گیا چلئے چو کے گھر میں مونہہ میٹھا۔ مصاحب نے رومال ہٹایا تو کہا کہ واہ بھابھی صاحب تو بڑے بھائی صاحب سے بھی بڑھ کر جزرس نکلیں۔ یہ ہاتھی کے منھ میں زیرا خیر پانی تو لاؤ۔ ماما ایک شیشے کے گلاس میں صراحی کا ٹھنڈا پانی لے گئیں اور حضرت نے مٹھائی کھائی اور پانی پیا پیٹ بھرا تو پان کی فرمائش کی بیوی نے اپنے ہاتھ سے دو گلوریاں بنائیں مصاحب اللہ نے چکیں تو حقہ مانگا۔ ندرت نے کہا دیکھا نہ۔ ہاتھ دیتے ہی پہونچا پکڑ لیا۔ مٹھائی لاؤ پان کھلاؤ۔ پانی پلاؤ حقہ بھر لاؤ۔ گویا باپ کے گھر میں بیٹھے ہیں۔ ان موذیوں کی تو قبر تک سے میں واقف ہوں اسی سے کہا تھا کہ منھ نہ لگاؤ اور ایک اینہر کیا موقوف ہے۔ نواب کے ہاں جتنے ہیں سب گرگے سب مفت خورے پرایا مال تکنے والے۔ ماما جی جا کر کہدو کہ حقہ یہاں

کوئی نہیں بیٹا۔ چلیے اب بہت اختلاط بھی نہیں اچھا ہوتا۔ ماما حقہ بھر کے دے ہی آئی۔ جب سوخت کر چکے تو حضرت نے باہر سے آواز دی کہ ماما جی چارپائی یہاں موجود ہو ذرا دری یا غالیچہ دیجائیے گا اب ٹھیک دوپہر کو کون آتی دو جائے۔ ذرا کمر سیدھی کرلیں۔ تب تو میاں ندرت خوب ہی جھلائے۔ اور سنئیے اب لیٹنے کی سوجھی۔ آخر اس مردک کا منصوبہ کیا ہے کیا کوٹھری کرنیکا قصد تو نہیں کیا ہو کیسی صریح جانتا ہے کہ مالک گھر میں نہیں ہو پھر یہ دروازہ پر چارپائی بچھا کر سونا کیا معنی۔ اور مجھ سے اس سے کہاں کا ایسا یارانہ ہے کہ آتے ہی بھابی صاحب سے فرمائشیں ہونے لگیں۔ بھابی صاحب! ہو پوچھئے مجھ سے آپ سے بھائی چارہ کب ہوا تھا۔

اتنے میں ماما ڈیوڑھی میں گئی کہ لڈو چپکے چپکے کھائے طاق پر ڈھونڈھ ماری لڈووں کا کہیں پتہ ہی نہیں چھوکرے نے پوچھا کہ ماما جی وہاں کیا ڈھونڈھ رہی ہو۔ وہ تو چوہا کھا گیا سنتے ہی ماما آگ بھبھوکا ہوگئی تو چھوکرا کتا کیا ہو۔ ماما جی سچ کہنا کیسی خلال ہوئی اور چوہا بھی کیا تاک ہی میں بیٹھا تھا چوہے نے تمہارے اچھے کان کترے

مصاحب۔ ماما جی ذرا پلنگ دیجائیے تو دراز ہوں۔

ماما۔ پلنگ ولنگ یہاں نہیں ہے۔

مصاحب۔ ماما جی ہم جانتے ہیں بڑے بھائی اسوقت کہیں عید ملنے گئے ہیں۔ بس سمجھ جائیے۔

ندرت نے کہا خوش ہوئیں۔ اب خوش ہوئیں۔ کچھ سمجھیں بھی۔ اب یہ اس فکر میں ہیں کہ تم کو ہم کو لڑوادیں تمہارے ہاتھ میں جوتی ہو ہمارے ہاتھ میں پیزار۔ اور تڑاتڑ پڑتی ہوں اور مٹھائی بھیجو۔ گلوریاں بھجواؤ۔ چکھاؤ گلوریاں۔ بیڑے بنا بنا کر بھیجو۔ شرم تو نہ آئی ہوگی۔

جب مصاحب الدولہ بہادر چمپت ہوئے تو میاں ندرت بھی جھومتے جھامتے چنگیل کی طرف بڑھے اور افیم کی پینک میں خوب جھک کر مٹھائی چکھی اور چلے نواب کے گھر چلے تو پر قدمے۔ قدم قدم پر فقرے سوچتے جاتے ہیں بارے داخل ہوئے تو لوگوں نے آسمان سر پر اٹھایا۔ آئیے آئیے آئیے قبلہ۔

نواب صاحب۔ شکر ہے کہ زندہ تو بچے یہ آپ ابتک تھے کہاں آخر

مصاحب۔ حضور تارگھر تو یہ سامنے ہے۔

رفیق۔ اجی دو قدم پر نکلے اور داخل۔

حافظ۔ ہاں اور نہیں تو کیا۔ بات کرتے تو آدمی پہونچتا ہے۔

روشن علی۔ کون! مجھ سے کہئے تو اتنی دیر میں ایک اٹھارہ پھیرے کروں۔

ندرت۔ ہاں بھئی گھر بیٹھے جو چاہو بکارلو۔ کوئی جائے تو قدر عافیت معلوم ہو۔ چلتے چلتے آدھی روگ آجاتا ہو۔ بکری مرگئی کھانیوالے کو ذائقہ ہی نہ آیا۔ آپ لوگ تھان کے ٹرے ہیں کہنے لگے دو قدم پر ہے۔ جی بلکہ اور آدھی قدم پر۔ یہاں سے گئے سعادت گنج وہاں سے دھنیا۔ مہری کے پل۔ وہاں سے عیش باغ۔ وہاں سے گنیش گنج وہاں سے امین آباد اور زنبور خانے ہوتے ہوئے تارگھر پہونچے۔ دم ٹوٹ گیا تسل ہوگئے مرمٹے نہ کھانا دانہ آپ لوگ یہاں بیٹھے بیٹھے جو چاہیے فرمائیے۔ ذرا دو قدم جائیے تو معلوم ہو آٹے دال کا بھاؤ۔ کہنے اور کرنے میں فرق ہے قبلہ۔

نواب۔ تو اب اس کٹھائیں کٹھائیں سے کیا واسطہ یہ کہئے کہ خبر پہونچی یا نہیں۔

ندرت۔ قربان جاؤں خداوندا بھلا میں اسکا کیا جواب دوں علم غیب تو پڑھا ہوں نہیں کچھ خبر دے آیا۔ بابو نے میرے سامنے کھٹ کھٹ کیا صاحب نے روپیہ لیا چپراسیوں کو انعام دیا چار روپیہ

اپنی جیب سے دینے پڑے۔ وہ تو کہئے وہاں میرے نوابی کے جان پہچان میرزا کلن بیگ نہ ہوتے تو بیرنگ واپس آنا پڑتا۔

نواب۔ خیر تشفی ہوئی۔ اب فرمائیے کہ اتنی دیر کہاں ہوئی۔

ندرت۔ خداوند جلدی کے مارے بگھی کرایہ کر کے گیا تھا۔ ٹٹیوں کو اُس نے وہ پلٹا کھایا کہ میں تو سمجھا کہ بس نکل ہی گیا مگر خدا مسبب الاسباب ہے گرا تو لیکن بچ گیا۔ کوئی دو گھنٹے تک کوچبان بم ہی درست کیا کیا اس سے دیر ہوئی حضور ورنہ حاضر ہوتا اب گھر جاتا ہوں۔

نواب۔ ہائیں! ارے بھئی کھانا تو کھاتے جاؤ۔ اچھا چار روپیہ تو وہ ہوئے اور بگھی کے کرایہ کے بھی کوئی تین روپیہ ہوئے ہونگے سات روپیہ داروغہ سے لے لو۔

ندرت۔ نہیں خداوند جھوٹ نہ بولوں گا۔ چاہے فاقہ کروں مگر کہونگا سچ ہی۔ یہی تو غلام میں جوہر ہیں۔ دو روپے اور پانچ پیسے دیے۔ دیکھیے خدا کو منھ دکھانا ہے۔

نواب۔ داروغہ ان کو دس روپیہ دے دو۔ سچ بولنے کا کچھ انعام بھی تو دوں۔

راوی۔ ماشاء اللہ کیا سچ بولے ہیں۔

حسن آرا کی بیقراری اور خیال ہیان آزاد میں گریہ و زاری

زدن سینۂ من زخم بے نشاں زدۂ	بحیرتم کہ عجب تیر بے گماں زدۂ
کجا روم بکہ گویم بگو چہ چارہ کنم	کہ تیر عشق مرا اندرون جان زدۂ

ایک روز سر شام ایک دلآرام گلفام حور وش نازک اندام عشاق کی جان پر آفت ڈھانیوالی دنیا سے نرالی باغ پر فضا و دلکشا کی پیاری پیاری روشوں میں عجب ناز معشوقانہ اور انداز دلربایانہ سے اٹھکیلیاں کرتی اور جھک جھک کر قدم دھرتی ہوئی مصروف گلگشت تھی۔ بھلا پوچھیے تو یہ نگار حور جمال مشتری خصال کون ہے یہ خاتون مہ لقا پیاری حسن آرا ہیں جس کا میاں آزاد خانہ برباد پر دل آیا تھا اور جسنے اُس جان صالح کے نشتر نگاہ کا چرکا کھایا تھا۔ یہ پری بصد شان دلبری گلوں کو حجاب رنگ میں چھپاتی اور بلبلوں کو غیرت سے شرماتی ہوئی جہاں جہاں جاتی تھی۔ اور پتلی کمر کروروں بل کھاتی تھی۔ ع

باغ میں آئی جو اُس گل کی سواری آئی	شور بلبل نے کیا باد بہاری آئی

نسیم عنبر بیز۔ عنادل طرب ریز۔ کہیں جوش بہار۔ کہیں خندہ سرشار خدائے جہاں آفرین کی چمن طرازی۔ باغبان گلشن ایجاد کی خیابان پردازی شاخ گل بہار آفرین۔ تختہ تختہ سراپا رنگین ہر شجر خضارت بار ہر روش رولش فرخار۔ دو رویہ سبزے کی لہک۔ بیچ میں لال انگارا سی سڑک جیسے چرخ نیلوفری پر دھنک کی دمک۔ اور پیاری حسن آرا ابر کی چال جھوم جھوم کر چلتی ہے اور دایہ بہار باد عطر بار کا پنکھا جھلتی ہے۔ ع

زرشک خرامیدن تو سرو چون طاؤس	در ہر قدمی تازہ کند ماتم را

شاہدان چمن کے خرمن صبر و قرار میں آگ لگاتی ہوئی اور پائیں ناز و ادا سے اُٹھاتی ہوئی کبھی جھپٹ کر اس روش میں کبھی بھرتی کیا تھ اس روش میں خرام کرتی تھی دلربائی کا اہتمام کرتی تھی اُٹھتی جوانی بحر حسن کی طغیانی۔ جوبن پھٹا پڑتا تھا۔ جمال حسن یوسف سے ٹکر لڑتا تھا۔ اس وقت حسن آرا فرط طرب سے آپ ہی آپ مسکراتی تھی اور چلبلے پن کے مارے کھلکھلائی جاتی تھی کہ دفعۃً سارا لطف کرکرا ہوگیا سامان تازہ تہ و بالا ہو گیا۔ عین مستی میں بعد شوخی ہر طرف گھوم رہی تھی اور جوانی کے نشہ میں جھوم رہی تھی کہ دور سے کسی شخص نے خوش آوازی سے گانا شروع کیا کہ۔ (جب سے گیو موری سدھ ہی نہ لینی۔ کیسے کٹھن کٹھور) یہ سنتے ہی طوفان غم تنور سینہ میں جوش زن ہوا۔ ایک ایک رونگٹا نخچیر تیر محن ہوا۔ حسرت وصال آزاد میں تنکے چننے لگی۔ رنج فراق میں سر دُھننے لگی ہائے آزاد ولئے آنند کی صدا

بلند کی۔ سفیدۂ صبح مسرت پر ظلمت شب حسرت کی تاریکی چھائی گریبان و دامن کی شامت آئی۔ سه

گریبان شد و تلخ بگریست — بے گریۂ تلخ در جہاں کیست

کبھی چیخی اور چلّائی کبھی یہ سخن زبان پر لائی کہ یا خدا میرے معشوق کی صورت دکھا دے یا خضر خجستہ پے پتا ہی بتا دے عالم تصور میں میاں آزاد کی تصویر مجسم نظر آئی۔ نظر آتے ہی کھلکھلائی گر طرفۃ العین میں تصویر غائب پائی۔ تو خوب پھوٹ پھوٹ کر روئی اور چلّائی کبھی پھولوں کی پنکھڑی کو سونگھ کر کہا کہ اس میں اُس گلعذار کی بو ہے کبھی سنبل کی طرف نظر ڈال کر کہا کہ ایسا ہی وہ عنبریں مو ہے کبھی عندلیب شیدا سے مخاطب ہو کر کہنا۔ سه

بنال بلبل اگر با منت سر یاریست — کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاریست

کبھی باد عنبر بیز کو اپنا مخاطب کر کے عجب حسرت سے چلّا اٹھنا کہ سه

نسیم صبح کہ مستانہ وار می گذری — ز راہ منت ز کدامی دیار می گذری
اے باد اگر بہ گلشن احباب بگذری — زنہار عرضہ دہ بر جاناں پیام ما

کبھی قمری کو شاخ شمشاد پر دیکھ کر رو کے کہنا۔ سه

فرق است میاں آنکہ یارش در بر — با آنکہ دو چشم انتظارش بر در

کبھی پھولوں کو شاخ گلبن میں دیکھ کر اشارہ کرتا۔ سه

ہوا میں لوٹتے ہیں خاک پر گل آج بسمل سے — گلستاں قتل کا میدان ہے تیغ ناز قاتل سے

مطرب بادہ زادہ نے ایک ٹھمری کیا سنائی کہ بیچاری حسن آرا کے دل پر بجلی گرائی۔ سه

مطرب کو تمہ دلنواز گریہ بحز دوں گردش — ساقی بستم دادی پیمانہ پر خون گردش

میاں آزاد خود تو خانہ برباد تھے ہی مگر جہاں بیٹھے جس سے دل ملایا اسکو مجنون اور مفتون اور اپنا سا آزاد خانہ برباد بنا دیا۔ سه

شد ہر کہ گلے ہمرہم بیگانہ شد ہمچو من — با ہر کہ نشستم نمے چوں خویش مجنوں کردمش

پیر مرد جیسے یعنی وہی ملاح ملیح حسن اتفاق سے باغ کی طرف جو گزرا تو دیکھا کہ حسن آرا دیوانہ وار ادھر اُدھر پھر رہی ہے سمجھا کہ رنگ رو باختہ حضرت عشق کی ساختہ پرداختہ ہے تاڑ گیا کہ آزاد یاد آئے۔ زلف کھلی اور آشفتہ بال بکھرے ہوئے عین بیخودی کے عالم میں ہے۔

پیر مرد۔ (قریب جا کر) حسن آرا پیاری حسن آرا۔

حسن آرا۔ (پیچھے پھر کر) کیا کہا۔ پیاری! کسکی پیاری!! ہائے کسکی پیاری!!! آزاد کی پیاری۔ اپنے پیارے آزاد کی پیاری اپنی آنکھوں کے تارے آزاد کی پیاری۔ آج سے ہمیں پیاری نہ کہنا سنا بڈھے خبردار جو پیاری کہا تو تو جانے گا۔

پیر مرد۔ (کانپتے ہوئے) حسن آرا تمھاری تقریر سے ہمیں خوف معلوم ہوتا ہے کہ اب تم بکنے لگیں۔ میں تو تم کو اپنی بیٹیوں کے برابر سمجھتا ہوں کیا اولاد والدین کو پیاری نہیں ہوتی۔

حسن آرا۔ سه

ہجر تو از سیکرم رنگ بہاری ریختہ — ابر و برق و باد و باران عجب انگیختہ
گر بگلشن بگذرم با این دل رنگین خویش — عندلیب از رشک ہمچوں لالہ گردد سینہ ریش

ابتو بندی سالک جلوۂ عشق ہے۔ اور ساغر چشم لبریز بادۂ عشق ہے۔ سه

میکشد شعلہ سرے از دل صد پارۂ ما — جوش آتش بود امروز بہ فوارۂ ما
ہر کسے روز ازل تختۂ تعلیم گرفت — عشق مستانگی آموخت ز نظارۂ ما

(چونک کر) اُف۔ اسوقت تو میں جیسے نشے میں تھی۔

پیر مرد۔ تم اس وقت مریض ہو میں طبیب ہوں۔ مریض کو طبیب کا کہنا ماننا چاہئے۔

حسن آرا۔ سه

از سر بالین من برخیز اے نادان طبیب — درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست

پیر مرد۔ اس آہ و زاری سے خدا برا مانتا ہے۔ یہ سوء ادب ہے۔

حسن آرا۔ سه

ہائے وہ ہوسہ عاشقاں در مشرب — سوزش عشق ست مانع ترک ادب

پیر مرد۔ اسوقت سبزہ زار کو دیکھو۔ باغ و بہار کو دیکھو۔ دو گھڑی جی خوش کرو۔ دل بہلاؤ کہا مانو۔ غم کے پاس نہ جاؤ۔ عشق کا نام زبان پر نہ لاؤ۔

حسن آرا۔ ؎

بے گلعذار جا کے گلستاں میں کیا کیا	ہاں یہ کیا کہ داغ کہن کو نیا کیا
زرفتن تو طراوت نماند در گلشن	نہ آں گلست و نہ آں لالہ و نہ آں نرگس

پیر مرد۔ ذرا دل کو تسکین دو۔ ذرا غم کو دور کرو۔

حسن آرا۔ صندل درد سر فراق تو لاؤ۔ تریاق مار گزیدۂ اشتیاق تو دکھاؤ۔

اتنے میں پیر مرد کو سوجھ گئی کہ میاں آزاد کی تصویر لا کر حسن آرا کو دکھا دوں تو شاید تسلی بخش دل بیقرار اور جمعیت خاطر پر انتشار ہو دوڑ گئے اور جھپٹ کر لے آئے۔

پیر مرد۔ (تصویر دیکر) لو ہم نے میاں آزاد کو یہاں ہی بلا دیا نہ کہو گی یہ وہی ہیں یا کوئی اور۔

حسن آرا۔ (تصویر کو بار بار بوسے دے کر) واہ ؎

قانع بہ تجلی نہ شود شائق دیدار	پروانہ بہ مہتاب تسلی نتواں کرد

اس تصویر میں گویائی کہاں۔ وہ شوخی تو مصور نے کھینچی ہی نہیں اُس چشمک زنی کا عکس تو اُتارا ہی نہیں وہ رخسار آتشیں کے رنگ کا متغیر ہونا تو دکھایا ہی نہیں۔ وہ بات بات پر بانکپن اس میں کہاں نظر آتا ہے۔ وہ خوش الحانی وہ طرز غزلخوانی تو دکھائی ہی نہیں دیتا۔ منھ سے پھول دم تقریر تو جھڑتے ہی نہیں آنکھوں کے لال لال ڈورے تو سوجھتے ہی نہیں (تصویر کی طرف مخاطب ہو کر) میاں بت بنے بیٹھے ہو۔ کچھ بولو تو منھ کرخ میری طرف نظر کہیں اور یہ طور بے طور۔ گویا منھ میں زبان ہی نہیں۔ یا دہان ہی نہیں ؎

کس سوچ میں ہو نسیم بولو	آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے

پھر بوسہ لے کر۔ ؎

دلی دیوانہ دارم نظم جمعیت دبیرش را	سر زلف تو میخواہد مبارکباد زنجیرش

اگر ہماری تصویر کوئی اسوقت کھینچے تو عجب وحشت کی صورت ہے۔ کیوں۔ ؎

وحشت عیاں ہے خاک سے مجھ خاکسار کی	بھڑکے ہرن بھی سونگھ کے مٹی مزار کی

اتنے میں حسن آرا کی چھوٹی بہن سپہر آرا دوڑی آئی۔

سپہر آرا۔ بہن بہن۔ اسوقت وہ خوش خبری سنائیں کہ تم بھی یاد کرو۔

حسن آرا۔ ہم تو اُسی دن خوش ہونگے جب میاں آزاد گلگوں صرصر تگ پر سوار پھاٹک پر آن کھڑے ہوں گے۔ گھوڑا ہنہنا تا ہو گا اور ہم اُن کے ہاتھ میں ہاتھ دیلے اور تم کو ساتھ لیے روشوں میں ٹہل رہے ہوں گے۔

سپہر آرا۔ اللہ میرا جانتا ہے کہ اچھل پڑو۔ یہ لو میاں آزاد کا خط آیا ہے۔ احسان تو نہ مانو گی۔

حسن آرا۔ چل جھوٹی۔ ایسا ہیں کوئی دیوانہ بنایا ہے۔

سپہر آرا۔ خاتون جنت کی قسم۔ یہ لو پڑھ لو نہ۔ قہر۔ دیکھو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔

حسن آرا۔ یہ نامہ آزاد آیا۔ یا مسیح دم فریاد آیا۔ (خط چھین کر بوسہ لیا اور سپہر آرا کو دیا کہ پڑھ کر سناؤ۔ مگر پھر لے لیا۔ اور کہی بار چوما

سپہر آرا۔ پڑھوں۔ سنیئے۔ ؎

نامہ بہ برگ گل نوشتیم	باشد کہ صبا بادرساند

جان آزاد۔ آہنگ گرم شوق نے خطاب و القاب سب بھلا دیا طول مقال شوق و انزجار مبالغہ سے درگذر کر نفس مطلب لکھے دیتا ہوں کہ میرے آہنگ شوق کی آبرو اب خدا کے ہاتھ ہے میری شمشیر خارا شگاف اور تیغ خوش غلاف سے جو ہو سکے گا

وہ میری بسالت و شجاعت کے گواہ ہونگے۔ غنیم کا فتح کر لینا تو ہمت مردانہ کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں۔ ہاں فتح الباب دل ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ جب میں نے تمھارے دل پر فتح پائی تو روسی کیا بیچارے ہیں۔ تین چار دن میں بمبئی سے مثل نظر رواں ہونگا۔ اور میرا جہاز بہت جلد قسطنطنیہ کے قریب لنگر انداز ہوگا شکست و فتح کا حال خدا جانے۔ اسوقت بحر اظہار بسالت ہر رگ و پے میں موج زن ہے جوش و خروش کی انتہا ہی نہیں مجھے خوب معلوم ہے کہ تم راتوں کو مجھے یاد کرکے چونک چونک پڑتی ہوگی میری تصویر ہر دم تمھارے روبرو رہتی ہوگی۔ لطف صحبت آنکھوں میں پھر جاتا ہوگا۔ اور بعض اوقات تم دیوانوں کی طرح سر پٹکتی ہوگی مگر میرے استقلال کو دیکھو کہ محبوب مطلوب کے حکم کی تعمیل کے لیے میں نے کیا کیا گوارا کیا۔ ایک اشارے کی دیر تھی کہ ٹرکی کا جانا فوراً منظور کر لیا سر بازوں اور سچے عاشقوں کا یہی کام ہے ورنہ عشق خام ہے اور عاشق برائے نام پیاری سپہر آرا بھلا تم کو کیا سمجھاتی ہونگی۔ وہ تم کو بات بات پر طعنے دیں گی کہ ایسا ہی عشق تھا کہ شہر بدر کیوں کیا۔ مگر تم مستقل رہو اور وضع اہل آبروداری کی مقتضی ہے کہ اسکو تشفی دو تم دونوں پیاری بہنوں کو میری وجہ سے بڑا صدمہ پہونچا۔ اگر مجھ سے ملاقات نہوتی تو تم کیوں مضطر و پریشان ششدر و حیران ہوتیں۔ ابتو جو ہوا وہ ہوا کچھ دن کلیجے پر پتھر رکھو۔ میں روم داخل ہوتے ہی خط بہ خط بھیجونگا۔ ہماری ایک صلاح مانو۔ ان دنوں اودھ اخبار ضرور پڑھا کرو اسمیں جنگ کا پورا پورا ذکر اشاعت پاتا ہے۔ راہ میں بخار نے ناک میں دم کر دیا۔ اب خدا کے فضل سے صحیح و سالم ہوں۔ میاں خوجی راہ میں خوب تماشے دکھاتے ہیں۔ ایسا مسخرہ بھی کم دیکھا ہوگا۔ خیر یار زندہ صحبت باقی جیتے ہیں تو پھر ملیں گے ورنہ جسدن لیلیٰ اور مجنوں فرہاد شیریں کا نکاح ہوگا اُسی دن ہم تم دولہا دلھن بنیں گے۔ خدا حافظ۔ بمبئی سے اپنی روانگی کا تار بھیجونگا۔ (آزاد خستہ جان)

اس خط کو جس وقت سپہر آرا پڑھ چکی حسن آرا نے فوراً دوڑ کر لے لیا۔ اور جوش مستی میں خط کے اسقدر بوسے لیے کہ تر ہو گیا۔ اس کے بعد اُس فقرے کو یاد کرکے (کہ جس روز لیلیٰ اور مجنوں شیریں اور فرہاد کا بیاہ ہوگا اُس روز ہم تم بھی دولہا دلھن بنیں گے) دونوں بہنیں ایک دوسرے کو چھاتی سے لگا کر خوب زار زار روئیں۔

حسن آرا۔ اُمید منقطع نہیں کر دی۔ دولہا دلھن بننے کا وعدہ کیا ہے۔ ایسا پاکباز عاشق دیکھا نہ سُنا۔ اس استقلال کو تو دیکھو کہ خط میں ذرا ہراس کا لفظ تک نہ آنے پایا۔ ابتدا سے انتہا تک کیسی جوانمردی ثابت کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تلوار اگلی پڑتی ہے جیسے مورچے ہی پر کھڑے ہوئے سچ مچ بلبلی پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں۔ ہائے یہ فقرہ تو ستم کا ہے کہ سر بازوں اور سچے عاشقوں کا یہی کام ہے۔ سپہر آرا کا بھی دل میں خیال ہے۔

سپہر آرا۔ بڑا جیوٹ جوان ہے۔

حسن آرا۔ اور بات کا دھنی۔

سپہر آرا۔ (خط کھول کر) اس فقرے سے کیسی جوانمردی ٹپکتی ہے۔ (بحر اظہار بسالت رگ و پے میں جوش زن ہے۔)

حسن آرا۔ ؎

ما نامہ بہ برگ گل نوشتیم	باشد کہ صبا با در ساند

ہائے اس (باشد) نے غضب کیا۔

نواب کے دربار میں رفقا کی چہ میگوئیاں

نواب فلک بارگاہ ثریا جاہ کی محفل عشرت منزل میں چہل پہل وہی دھما چوکڑی وہی رنگ رلیاں وہی فقرے بازی وہی زمانہ سازی وہی رفقا کے ٹھاٹ اور مصاحبوں کے جماؤ۔ وہی خوشامد کی گرمی بازار۔ وہی حضور و پیر و مرشد خداوند کی چوطرفہ سے

پوچھا۔ ایک شب کو نواب صاحب بیٹھے غپ اُڑا رہے تھے کہ پدرم سلطاں بود۔ اور مصاحب ارے خوشامد کے غل مچا رہے تھے کہ حضور ایسے اور حضور کے باپ ایسے تیسے اور حضور کے دادا جان ڈبل پیسے۔ نواب صاحب نے شیخت میں آن کر از آدم تا ایندم شجرہ ملا دیا شجرہ کیا ملایا کہ زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے کبھی تو بابر کو جد امجد بنایا کبھی تیمور سے سلسلہ ملایا کبھی التمش کے پوتے بن بیٹھے۔ کبھی نور جہاں کو اماں کی خالہ کی پھوپھی کی اماں کی بھاوج بتایا۔ کبھی بولے کہ اورنگ زیب ہمارے چچا زاد بھائی تھے کبھی فرمایا کہ محمود غزنوی سے ننہیال کا رشتہ ہے۔ الغرض جو جو نام زبان پر آئے کسی کو حضرت نے اپنا باپ بتایا اور کسی کو باپ کا باپ بتایا۔ اور نور جہاں تو حضرت شیخت پناہ و شیخوخیت دستگاہ کی خالہ کی پھوپھی اماں کی بھاوج ہی تھیں۔ سُن لیا چاہیں کہ فلاں عورت حسین و مہ جبین تھی بس پھر دم کے دم میں شجرے میں داخل۔ کوئی پھوپھی اماں کوئی چچی جان عجب نہیں کہ پدمنی بھی ان کی دادی ہو۔ معاذ اللہ۔ مرد خدا ایک بات پر قائم رہو یا تو تیمور ہی خاندان سے سلسلہ ملاؤ۔ یا خاندان مغلیہ سے یہ نہیں کہ کبھی غوری کبھی خلجی کبھی افغانی کبھی بدخشانی۔ مصاحبوں نے جو دیکھا کہ نواب صاحب نے تو دور تک سلسلہ قائم کر دیا تو ایک صاحب گرما کر بولے کہ چنگیز خاں ہمارے دادا کے نواسوں میں تھے اسپردہ فرما گئے قہقہہ پڑا کہ نواب کی بزم طرب پر کشت زعفران کا دھوکا ہوتا تھا واہ حضرت واہ۔ دم غنیمت ہے۔ شجرہ بھی ملایا تو ہلاکو سے جس کو ہندو مسلمان سب بُرا کہتے ہیں جس کے دین و ایمان کا اب تک پتا ہی نہ ملا اور اس بے تکے پن کو دیکھیے کہ ہلاکو کو اپنے دادا کا نواسہ یعنی اپنا ہمعصر بتایا۔ سبحان اللہ۔

میاں آزاد نے عمر خیام کی یہ رباعی پڑھی۔ ؎

آں شاہ کہ خویش را ہلاکو می گفت	در کبر و منی سخن بہ ابرو می گفت
دیدیم کہ بر کنگرہ اش فاختہ	امروز نشستہ بود و کو کو می گفت

نواب۔ لڑ پڑو لڑ پڑو میاں۔ دیکھو تمہارے دادا کے نواسے کو اس قدر سخت الفاظ سے میاں آزاد نے یاد کیا۔ لاحول ولا قوۃ۔ بھئی جو کوئی میرے عزیز کو ایسا کہتا تو واللہ کُڑھی ہو جاتی۔

مصاحب۔ حضور اب میں تو پھٹے حالوں ہوں یہ کوئی کاہے کو باور کرے گا کہ ہلاکو اسکا عزیز تھا جس سے کہوں گا وہ بنائیگا کہ آپ بھی آشنا ہوئے۔ اب آخر کس کس سے لڑتا پھروں۔

آزاد۔ (نواب سے) آپ نے تو اچھا تیز کیا تھا اگر ہے۔ ڈنڈ بل دیکھ کر حضرت سنکے تک نہیں اور ہم سے بھڑنا کچھ دل لگی تو ہے نہیں یہ غصہ تو کمزوروں ہی پر آتا ہے۔

مصاحب۔ اور آپ کہاں کے بڑے شہ زور کی دُم بنے ہیں۔

آزاد۔ (مسکرا کر) بھڑکے دیکھ لو۔ پیس کے دھر دوں۔

مصاحب۔ اجی جاؤ بھی ہڈیاں چُلبلاتی ہیں کیا۔ تمہارے ننھے ننھے ہاتھ پاؤں پر رحم آگیا۔ ورنہ وہ گدا دیتا کہ چھٹی کا دودھ آپکو یاد آجاتا لاکھ مرے ہوئے ہیں تو کیا ہوا تم سے دس پر بھاری ہیں ہونہہ۔ کیا موم کی ناک سمجھ لیے ہیں۔ منگواؤں جوڑ پھر۔

قدرت۔ اجی آپ بڑے پہلوان۔ شیدی لنڈھور سہی۔ بس اب خوش ہوئے۔ ماشہ بھر کا تو آپکا قد ہے اور تیار رہتے ہیں۔ جوڑ منگاؤں۔ کبھی مگدر یا پھری کی صورت بھی دیکھی ہے۔ یا جوڑ ہی منگوئیے گا۔ حضور ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ والد مرحوم کے اکھاڑے میں پیالہ ہوا دلی کے شہزادے بھی تشریف لائے تھے۔ والد مرحوم اپنے شاگردوں کو سکھا رہے تھے اتنے میں ایک شہزادے نے کہا کہ حضرت پیالہ ہو۔

مصاحب۔ لاحول ولا قوۃ۔ ارے دن دہاڑے شراب پیتے تھے۔

ندرت۔ شراب کیسی آپ بھی زرے چونگا ہی رہے پیالے سے یہ مطلب کہ دس دس بیس بیس شاگرد چوٹیں لگائیں اور اُستاد بچائیں قبلہ دل لگی نہیں ہے۔ بڑے باکمال آدمیوں کا کام ہے۔
بس حضرت اتنا کہنا تھا کہ والد مرحوم نے تیس شاگردوں کو بلایا کون شاگرد! بڑھی ہوئی جوڑیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر۔ اب اُستادی کے کمال کو لاحظہ فرمائیے کہ تیس گنگے برابر پڑتے ہیں اور تیسوں کی چوٹوں کو والد مرحوم روکتے ہیں اور تیسوں پر چوٹ لگاتے ہیں اور لطف یہ کہ انکی چوٹیں جسم بھر کو تاک کر آتی ہیں اور سب مختلف کوئی تو چاکی کا ہاتھ آتا ہی کوئی سر تاکتا ہے۔ کوئی ہنسلی کوئی طمانچہ کوئی کمر کوئی پالٹ اور والد مرحوم کی یہ کیفیت کہ ذرا آڑے ہو گئے ذرا ادھر شانہ ہٹا دیا ذرا اُدھر گھوم گئے۔ چوٹیں سب خالی چلی جاتی ہیں۔ اور جہاں وہ بھیٹے پرے کے پرے صاف تھے۔ گنگہ چمکا تو چکاچوند کا عالم تھا آنکھ جھپکی جاتی تھی اور والد مرحوم اس طرح پھرتے ہیں جیسے ببو کا شیر کچھار سے نکلے۔ ڈکارتے ہوئے ایک گھرام شاگرد نے چاہا کہ پشت پر سے ہاتھ لگائے تاکہ اس کا نام ہو جائے اور والد مرحوم کا نصیب اعدا کام تمام ہو جائے۔

آزاد۔ معقول! والد مرحوم بھی اور نصیب اعدا بھی۔ سبحان اللہ۔

ندرت۔ حضرت (میری محبت پدری) اسی کی مقتضی تھی خیر جناب بس اُسکا کترا کر پیچھے جانا تھا کہ والد مرحوم نے وہ تاک کر تلا ہوا ہاتھ لگایا کہ بھنڈارا تک کھل گیا۔ سبحان اللہ کا چھینٹا لوگوں نے برسا دیا اتنے میں ایک شخص چمکتا دمکتا لال لال کاغذ لایا وہ جھلک کہ آنکھ جھپک جائے۔ ادھر اُدھر بیل اور گل بوٹے بنے ہوئے لاکر نواب صاحب کو دیا۔ اور نواب نامدار نے پڑھنا شروع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پلا ساقیا ایک وحدت کا جام
کہ حمد خدا سے زباں کو ہے کام

شراب طہورا کا ہو دَور دَور
سرور آج ہو دل کا ہو اور طور

وہ شیشہ وہ ساغر وہ پیمانہ ہو
کہ پیتے ہی اک جوش مستانہ ہو

وہ بادہ ہو رشکِ مے سلسبیل
کہ موجد ہیں جسکے جناب خلیل

نیا نشہ ہو اور نئی ہو اُمنگ
جو بہکوں بھی ساقی تو ہو طرفہ رنگ

پڑھوں نعتِ احمد وہ بادہ پلے
کہ سُنّت ادا ہو پڑھیں ولولے

وہ احمد جو مختون پیدا ہوئے
نبی وہ کہ دل جس پہ شیدا ہوئے

پڑھوں مدحتِ ساقیِ کوثر آج
کہ سوئے نجف پھر رہا ہے مزاج

زباں پر نہ کیونکر ہو مدح و ثنا
رواجِ مسلمانی ان سے ہوا

مبارک مبارک کی آئی بہار
شگفتہ ہوئے گل ہزاروں ہزار

گلستاں میں بلبل کے ہیں چہچہے
کہ محفل میں احباب کے قہقہے

خوشی کا ہے صد شکر دل پر وفور
ہے وقت ——— کیا ؟

آزاد۔ دیکھوں۔ ہے وقت (جشن) اگر پڑھیے تو مصرع موزوں ہو کوئی لفظ اتفاق سے رہ گیا ہے۔

حافظ۔ اور جو شاید شاعر ہی نے غلطی کی ہو۔

آزاد۔ واہ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر ایسی بھونڈی غلطی کرنیوالا نہیں ہم جانتے ہیں یہ لفظ (زہے) ہے (ز) کا لکھنا کاتب بھول گیا ہے۔

نواب۔ ہاں بیشک۔ زہے ہی ہے ورنہ سکتا ہوتا ہے۔ خیر۔

خوشی کا ہے صد شکر دل پر وفور
زہے وقت جشن و نشاط و سرور

جو خورشید مرزا تھے عالی مقام
کہ اظہر من الشمس جنکا ہے نام

حافظ۔ الغلط۔ اظہر من الشمس صحیح ہے۔ خالی اظہر بروزن اظفر غلط ہے

آزاد۔ ابی سننے دیجئے۔ خواہ مخواہ نکتہ چینی کا کرنا تہذیب کے خلاف ہے۔

نواب۔ جہانگیر مرزا ہیں انکے پسر
بڑھا نور خورشید سے یہ قمر

مصاحبین۔ سبحان اللہ یہ شعر حصے کا ہے ۶۔ بڑھا نور خورشید سے یہ قمر! بہت ہی خوب۔

نواب! انھیں کے ہے ختنہ کی تقریب سعد
یہ جشن و طرب دو پہر کے ہے بعد

جو شوال کی ساتویں ہے سعید ‏ اُسی روز یہ عید ہے بعد عید

حافظ۔ مقولہ عید بعد ڑ۔ مگر یہاں خوب نبا ہا ہے۔ شاعر کی تعریف کریں گے ہم۔

آزاد۔ شکر ہے کہ آپ نے تعریف تو کی۔

نواب۔ ستمبر کی بن ہوگی چھبیسویں ‏ کہ ہے پنجشنبہ کا دن شک نہیں

حافظ۔ حضرت یہ (بن) کا لفظ رکن ہے۔ اور مصرعہ ثانی میں (شک نہیں) بھی برائے وزن بیت ہے۔ خالق باری یاد آگئی۔ ع۔ ستمبر کی ہووے گی چھبیسویں ؛ یوں ہو تو کیسا۔

آزاد۔ اُس سے بھی بدتر۔ ہووے گی اب متروک ہے پرانا سکہ ٹکسال باہر۔ اب ہوگی بولتے ہیں۔

نواب محلہ جو ہے گولہ گنج اک یہاں ‏ میاں محترم کا وہاں ہے مکان
اُسی جا ہے منظور بزم طرب ‏ وہیں دن کو تشریف لائیں گے سب
یہ امید ہے آپ بھی آئیے ‏ کرم ہو قدم رنجہ فرمائیے
جہاں میں بڑھے قدر عز و وقار ‏ اگر آئیے آپ ہو افتخار

بھئی ضرور چلیں گے ہم سے پرانے مراسم ہیں۔

آزاد۔ واہ رے لکھنؤ۔ ان چونچلوں کو تو دیکھئے۔ سرخا سرخ ارغوانی کاغذ جھلکتا اور چمکتا ہوا اور روشنائی بھی نہ نگار رقعہ تہنیت کیا مرقع ارژنگ ہے۔ کان جواہر کے ہمسنگ ہے۔

دوسرے روز نواب کے یہاں جلسہ جما تھا پورب کی طرف سے رونے کی آواز آئی سب کے کان کھڑے ہوے کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ رقیق القلب آدمیوں کا کلیجہ دھک دھک کرنے لگا۔ نواب صاحب نے خدمت گاروں کو بلایا اور حکم دیا کہ فوراً جا کر دیکھو کہ کیا ماجرا ہے۔ اور کون روتا ہے

حاضرین۔ حضور کوئی بڑا سانحہ ہو گیا ہے۔ بٹس پڑ گئی کہرام سا مچا ہوا ہے خدا ہی خیر کرے۔

نواب۔ میاں یہ دنیا سرائے فانی ہے۔ رنج اور غم اور ملال اور الم کے سوائے اسمیں کیا خاک۔ ع

غنیمت جان تو مل بیٹھنے کو ‏ جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

خدمتگار۔ حضور وہ جوان سے نہیں سنتے گورے گورے وہ مرزا صاحب وہ مر گئے۔

نواب۔ ایں! مر گئے! ہائے افسوس۔ وہ وہ وہ وہ بڑا سخت سانحہ ہوش رُبا ہے۔

روشن علی۔ (ہاتھ مل کر) خداوند کوئی دو مہینے تو شادی کو ہوے تھے خدا نہ کرے کہ کسی دو مہینے کی دولہن کو سہاگ کے عوض سوگ نصیب ہو۔ ابھی کل کی بات ہے کہ فنس میں سوار ادھر اُدھر چھ چھ کہار بڑے ٹھسے سے بیاہ کر لائے تھے۔ کل بیچاری دُلہن تھی آج بیوہ ہو گئی کل سُرخ لباس پہنے دُلہن بنی تھی آج چشم تر سے خون کی ندیاں جاری ہیں۔ کل وہ بیچارہ بنا بنا تھا آج یہ کوہ الم ٹوٹا کل خلعت زریں زیب بر تھا۔ آج کفن پوش ہے کل بنات حنائی جاتی تھی آج خونابہ نوش ہے۔ کل پشت توسن پر سوار تھے۔ آج چار کے کاندھے پر جاویں گے۔ کل اعزا و اقربا ہشاش بشاش تھے۔ آج اغیار تک کا کلیجہ پاش پاش ہو جائیگا دُنیا کے بھی کیا کارخانے ہیں۔ کہیں شادی کہیں غم۔ کل شادی تھی تو آج خانہ بربادی۔ ع

زیں قافلہ رفتگاں بریں راہ دراز ‏ باز آمدہ کو کہ خبر گوید باز
زنہار دریں سرائے از روی نیاز ‏ چیزے مگذاری کہ دگر نائی باز

آزاد۔ اے خواجہ یقین بداں کہ خواہی مردن کردیم خبر۔

جز یک کفن دگر نخواہی بردن۔ از نعمت دُنیا
فردا کہ روی ازیں جہان فانی سے مرد کے خبر

زن مال ترا بعیش خواہد خوردن	با شوئے دگر

دیکھئے خداوند۔ اس چند روزہ زندگی کے لیے حضرت انسان کیا کیا فکریں کرتے ہیں کہ معاذ اللہ۔ مکان بنواتے ہیں تو معمار پر تاکید تاکید رہتی ہے کہ ہزار ہا برس کی خبر لائے۔ کپڑے سلواتے ہیں تو میاں خلیفہ کی جان عذاب میں کر دیتے ہیں کہ ایسا نہ ہو سیون گل جائے گر یہ معلوم ہی نہیں کہ مکان چاہے ہزار چھوڑ دس ہزار برس کی خبر لائے لیکن زندگی نقش بر آب ہے زندگانی مثل حباب ہے ایک دم کے دم میں خدا جانے کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ کچھ بھروسہ ہی نہیں۔ ؎

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید	زجام دہر مئے کل من علیہا فان

اللہ بس باقی ہوس۔ دنیا خواب و خیال ہے۔ زندگی بھی عجب جنجال ہے۔

آزاد۔ ارے بھائی۔ اگر انسان یہ فکریں نہ کرے مکان نہ بنوائے کپڑے نہ سلوائے۔ تو انتظام کائنات میں فرق نہ آجائے۔

یہ گفتگو بصد حسرت و حرماں ہو ہی رہی تھی کہ ایک شیخ صاحب تشریف لائے۔

شیخ صاحب۔ آداب عرض کرتا ہوں پیر و مرشد۔

نواب۔ بندگی عرض ہے۔ آج ہمارے پڑوس میں بڑا سانحہ ہو گیا۔

شیخ صاحب۔ (آہ سرد بھر کر) جی ہاں سانحہ کیا قیامت ہی بپا ہو گئی۔ ابھی وہیں سے آتا ہوں ہائے افسوس دُلہن بیوہ ہو گئی ڈیڑھ مہینہ بھی پورا شادی کو نہ ہوا تھا کہ اُس عروس چاردہ سالہ پر یہ حشر ٹوٹا ایک مہینہ اور سات روز نکاح کو ہوئے نکاح کے گیارہویں دن بیمار ہوئے طاقت رفتہ رفتہ گھٹتی گئی نقاہت بڑھتی گئی۔ مرض نے قوت پائی آج صبح ہوتے ہوتے چل بسے اُس بیچاری بیوہ کی حالت پر افسوس آتا ہے۔ اے کاش دس بارہ برس شادی کو ہوئے ہوتے تو خیر اس قدر رنج و غم نہ ہوتا۔ ہائے قیامت تو یہ ہے کہ دس گیارہ دن تک دلہن رہی اور بیوہ۔ ؎

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے	حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

یہ شخص عرصہ دراز سے دمے کے عارضے میں مبتلا تھا۔ مگر کبھی جم کر علاج نہ کیا۔ حکیموں نے کہدیا تھا کہ تمہارا عارضہ مہلک ہے ڈاکٹروں نے تاکید کر دی تھی کہ علاج نہ کروگے تو مر ہی جاؤگے۔ احباب و اعزا سمجھاتے سمجھاتے ہار گئے مگر جوان مرگ نے نہ مانا نہ مانا اور سنیئے ان کے خسر کو کل حال معلوم تھا۔ ایک دن وہ مرحوم اور اُنکے خسر دونوں حکیم صاحب کے ہاں بیٹھے تھے تو حکیم جی نے کہا کہ بھئی تم اپنی صحت کی فکر نہیں کرتے یہ عارضہ نہایت سخت اور مہلک ہے جانبر ہونا محال ہے۔ جم کر علاج ہو تو دو چار برس کے عرصہ میں جاتا رہے۔ لیکن اُن کو تو اجل کی مہمانی منظور ہی تھی کہا نہ مانا اور میں نے جو ایک روز سمجھایا کہ میاں یہ کیا غضب کر رہے ہو تو فرمایا کہ ہم کو حکیم صاحب پر عقیدہ نہیں ہے۔ پوچھا سبب تو بولے کہ ایک روز ہم حکیم صاحب کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے ایک شریف زادہ اپنی ہمشیرہ کو ڈولی پر سوار کر کے لایا۔ حکیم صاحب نے نبض دیکھی تو فرمایا کہ اللہ اکبر۔ اسقدر ورم آگیا ہے۔ اس شریف زادہ نے آہستہ سے کہا کہ قبلہ ورم نہیں ہے۔ یہ حاملہ ہیں۔ پھر جس کو اسقدر بھی طب میں دقفیت نہیں وہ علاج کیا خاک کرے گا۔ لاکھ لاکھ سمجھایا کہ بھئی اور اطبا بھی تو ہیں سکتے ہیں۔ ڈاکٹروں کی بھی تو یہی رائے ہے۔ مگر وہی جو میں نے ابھی عرض کیا تھا۔ انکو اجل کی مہمانی کرنا منظور تھا۔

نواب۔ افسوس صد افسوس۔ جوان خوش رو خوش خو خوش گلو گو دُبلا پتلا آدمی تھا۔ مگر ہم نے آجتک سنا ہی نہیں کہ دمے کے عارضے

میں مبتلا تھے۔ لیکن یہ اُنکے خسر کو کیا سوجھی تھی کہ جان بوجھ کر لڑکی کو بھاڑ میں جھونکدیا۔ کیا یہ شادی کے بعد کا واقعہ ہے جو آپ نے بیان کیا کہ جس وقت حکیم صاحب نے کہا کہ تمھارا عارضہ مہلک ہے اُس وقت اُن کے خسر بھی وہاں موجود تھے عجیب دشمن عقل ہیں بھئی۔

شیخ صاحب۔ نہیں حضور یہ شادی سے دو تین مہینے قبل کی بات ہو۔

آزاد۔ لاحول ولا قوۃ۔ آخر یہ انھوں نے کیا سوچ کر لڑکی دی آتنا بھی نہ خیال کیا کہ یہ ایسے مہلک مرض میں مبتلا ہو اس کی زندگی کا تو اور بھی بھروسہ نہیں۔

ندرت۔ اجی او ہندوستان خراب کا ہے سے ہے تندرستی کا تو کوئی خیال ہی نہیں کرتا ہم نے کسی کو نکاح یا بیاہ کے پیغاموں میں یہ پوچھتے دیکھا ہی نہیں کہ تندرست تو ہیں۔ کوئی سخت عارضہ تو نہیں بس فکر ہتی ہو تو یہ رہتی ہو کہ مالدار بیوی ملے۔ اور جو وثیقہ دار ہوئی تو پو بارہ ہیں۔ اور لڑکی کی طرف والوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ کوئی زردار ملے۔ بس چاہے نزع کی حالت میں ہو مگر وہ بیچ کھیت بیاہ دینگے۔ چاہے لڑکی بیچاری معصوم دوسرے ہی روز بیوہ ہو جائے جیتے ہی بھر کے انڈ روگ نشین ہو مگر اُنکو بیاہنے سے واسطہ۔ چلئے چھٹی ہوئی لاحول ولا قوۃ۔ خداوندا ہندیوں کو راہ راست پر لا۔ خیالات مزخرف اُنکے دل سے دور کر۔

آزاد۔ آہیں۔ حضرت ان باتوں سے واللہ جی جلتا ہے۔ ہائے اس بیچاری بیوہ پر اُس کے بیوقوف اور جاہل باپ نے کیا ستم ڈھایا دین و دنیا دونوں میں سے ایک کا بھی نہ رکھا حکیم نے اُس کے سامنے صاف صاف کہدیا تھا کہ تم اپنا علاج جم کر کرو ورنہ عارضہ مہلک ہی اور مردود نے لڑکی بیاہ دی سلے پھٹکار وہ بیچاری معصوم بے زبان کیا کہتی

شیخ صاحب۔ جی نہیں حضرت۔ اُسکی ہجولیوں نے اُسکو پرچہ جڑا تھا کہ میاں آج موے کل دوسرا دن تمھارے ابّا تمھیں کنوئیں میں ڈھکیلے دیتے ہیں۔ اُسنے اپنے باپ سے ایک دفعہ روتے روتے کہا بھی تھا مگر افسوس۔

داروغہ جی کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں

اُدھر غنچۂ صبح کھلکھلایا اور خورشید خاوری نے بعد جمال رُخ زیبا دکھایا۔ ادھر مہر سپہر ریاست نیّر اعظم مشرقستان امارت حضرت نواب زحل رکاب زنان خانے سے برآمد ہوئے مصاحب اور رفیق تو پہلے ہی سے لیس ہو کر ڈٹے ہوے تھے۔ سب نے سرو قد تعظیم کی اور فراشی سلام کرکے پایہ بایہ قرینے کے ساتھ بیٹھے۔ خدام باادب نہایت عمدہ چار کی صاف ستھری پیالیاں کچھ نقرئی کٹوریاں اور بیش بہا چمچے لے کر آئے نواب صاحب نے ایک ایک پیالی اپنے دست مبارک سے مصاحبوں کو دی اور سب نے گرماگرم دودھیا میٹھی چار اُڑانی شروع کی ایک ایک گھونٹ پیتے جاتے ہیں اور گپ بھی اُڑاتے جاتے ہیں۔

مصاحب۔ حضور یہ چار کشمیری خوب تیار کرتے ہیں۔

دوسرا مصاحب۔ واہ کہنے لگے کشمیری خوب تیار کرتے ہیں۔ ہماری سرکار میں جو چار تیار ہوتی ہو۔ ساری خدائی میں تو بنتی نہو گی ذرا رنگ تو دیکھئے بند و بھی دیکھے تو منہ میں پانی بھر آئے۔

تیسرا مصاحب۔ قربان جاؤں حضور ایسی چار تو بادشاہ کے یہاں بھی نہیں بنتی تھی خدا جانے یہ میاں رحم اللہ کہاں سے نسخہ پا گئے واہ۔ مگر ذرا تلخی باقی رہجاتی ہو۔

رحم اللہ۔ سبحان اللہ آپ تو بادشاہوں کے یہاں چار پی چکے ہیں اور اتنا بھی نہیں جانتے کہ چار میں تلخی نہ ہو تو وہ چار ہی نہیں۔

رفیق۔ حضرت بعض آدمیوں کو نمکین چاء پیتے دیکھا ہے۔ بھئی کیا اوداج ہے۔ بھلا قہوہ اور چاء کو نمک مرچ سونٹھ ہلدی گرم مصالح سے کیا واسطہ اور سچ تو یوں ہے کہ اس افیون کی محفل میں نمکین چاء بالکل پھیکی معلوم ہوتی ہے یہاں تو جو چاء ہو میٹھی ہے۔ پھر جبتک مصری یا قند چاء میں نہو مزا کیسے آئے۔ اے توبہ۔ پھونسے کو جی تو چاہیے نہیں۔

جب چاء سے فراغت پائی تو مزیدار گلوریاں چکین اتنے میں ایک صاحب جو گرمائے تو چلا اُٹھے کہ۔ ع

ہمشان نجف نہ عرش اور ٹھہرا	میزان میں یہ بھاری وہ سبکتر ٹھہرا
اک پلے میں تھا نجف اور اک پلے میں عرش	یہ نیچا وہ فلک پر یہ زمیں پر ٹھہرا

حضور سچ کہئے گا کیا کلام ہے۔

نواب۔ ہاں ہاں بھئی کلام کے اچھے ہونے میں کس مردود کو اپنے حساب کلام ہے۔ لیکن اسوقت اسکے پڑھنے کا کون موقع تھا بھلا۔ موقع محل تو دیکھ لیا کرو۔

حاضرین۔ بجا ہے حضور۔ یہ ایسے ہی بے تکے ہیں۔ انکی جو بات ہے۔ بھونڈی۔

خدمتگار۔ خداوند۔ شیودین حلوائی حاضر ہے۔

نواب۔ داروغہ جی اس حلوائی کا حساب کردو۔ اور اس کو سمجھا دو کہ اگر خراب یا سڑی ہوئی باسی مٹھائی بھیجی تو اس سرکار سے نکال دیا جائے گا۔ پرسوں برفی خراب بھیجی تھی گھر میں شکایت کرتی تھیں۔

داروغہ۔ سنتے ہو جی شیودین دیکھو سرکار کیا فرماتے ہیں خبردار جو سڑی گلی مٹھائی بھیجی تو تم جاؤ گے۔ اب تم نے نمک حرامی پر کمر باندھی ہے۔ کھڑے کھڑے نکال دئے جاؤ گے ہاں بس کہدیا ہے تم سے تمہارے بھائی بند سیکڑوں در پر کے مٹھائی دیں گے گر تم راندے ہی جاؤ گے۔

حلوائی۔ نہیں خداوند۔ غلام کی کیا مجال۔ اوّل مال دون اوّل مال چاشنی ذرا ذرا، بہت آگئی تو دانہ کم پڑا اور ملائم نہ رہی کڑی ہوگئی۔ چاشنی کی کوئی دیر میں دیکھی نہیں تو یہ ہی دُکان کی برفی تو شہر بھر میں ناشور (مشہور) ہے مدھی (لذت) ہوتی ہے کہ ہونٹھ بند ہونے لگتے ہیں۔

داروغہ۔ چلو تمہارا حساب کردیں لے بتاؤ کتنے دن سے خرچ نہیں پایا اور تمہارا کیا آتا ہے۔

حلوائی۔ جو حساب سے ہو۔

داروغہ۔ لاحول ولا قوۃ۔ اور ہم پوچھتے کیا ہیں۔ یہی تو پوچھتے ہیں کہ حساب سے کیا ہوا۔

حلوائی۔ اگلے مہینے میں پچیس روپیہ کچھ آنے کی آئی تھی اور ابکی دس تاریکھ (تاریخ) انگریجی (انگریزی) تک کوئی ستر یا اسی۔

داروغہ۔ اجی تم تو گدھے بازیاں کرتے ہو ستر یا اسی یا نوے یا پان سے اُس مہینے میں آتی اس مہینے میں آتی یہ کیم ٹام سے پوچھتا کون ہے اس جھنجھٹ سے ہمیں واسطہ کیا بھلا۔ ہمیں تو بس گھڑی بتادو کہ اتنا ہوا۔

حلوائی۔ اچھا حساب تو کرلوں (تھوڑی دیر کے بعد) بس ایک سو بیالیس روپیہ اور دس آنے دیجئے۔ چاہے حساب کر لیجئے ہوتا جاؤں۔

داروغہ۔ اجی تم کوئی نئے تو ہو نہیں۔ اب بتاؤ اس میں ہمارا کا کتنا ہے۔ سچ بولنا لالہ (دیکھو ٹھوک کر) آنکو واسطے نیاز سے ہمارے کہیں! ہے نہ؟

حلوائی۔ بس سو ہم کا دے دیو۔ بیالیس تم لے لو۔ سیدھا سیدھا میں تو یہ جانتا ہوں۔

داروغہ۔ اچھا منظور۔ مگر بیالیس کے باون کر دو۔ ایک سو تم لو باون ہمارے۔ سچ کہنا کوئی چالیس کی مٹھائی اس مہینے اور اُس مہینے میں ملاکر آئی ہوگی یا کم۔

حلوائی۔ اجی ہجور اب اس بھید سے آپکو کیا واسطہ۔ آپ کو آم کھانے سے گرج ہی یا پیڑ گننے سے اور سچ سچ یہ ہی کہ کوئی سب ملاکر اڑتیس روپیہ کی آئی ہوگی مل وجن (وزن) میں البتہ کتر بیونت کر دیتا ہوں سیر بھر لڈو مانگ بھیجے ہم نے پاؤ سیر کم کر دیے۔

داروغہ۔ اوہو۔ اسکی نہ کہیئے یہاں اندھیر نگری چوپٹ راج ہے یہ دماغ کسے کہ تولنے بیٹھے میاں لکھ لٹ۔ بیوی اُن سے بڑھ کر ڈنڈی ترازو کون لے بیٹھے۔ چین کر دو س کے بچاس لواور سیر کی تین پاؤ بھیجو مزے ہیں۔ اچھا یہ سو روپیہ گن لو اور ایک سو باون کی رسید ہمیں دو۔

حلوائی۔ یہ مول تول ہی۔ سو اور پانچ ہم لیں اور باکی (باقی) ہجور کو مبارک (مبارک) رہیں ماملے (معاملے) کی بات ہی۔

الغرض داروغہ جی نے حلوائی کو راضی کرلیا۔ اس داروغگی کے صدقے اڑتیس روپیہ کے ایک سو باون دلوائے اور بیالیس سے زیادہ ہی زیادہ خود ہضم کیے۔ سارے بھکار۔ کور نمک ایسے ہی ہوا کرتے ہیں جن رُوسا کے یہاں ایسے ایسے داروغہ اور اہلکار ہوں اُن کا خدا ہی حافظ ہے۔ گر نواب صاحب کے کان پر جوں تک نہ رینگی وہ خبر ہی نہ ہوے کہ کیا دیا اور کیا لیا۔ اور یار لوگوں نے حلوائی سے بالائی رقم اڑا ہی لی۔ پھر وہ تو شیر مادر ہے۔

اب سنیئے کہ میاں خوجی نے وہ ساری گفتگو سن لی جو داروغہ جی اور حلوائی میں ہوئی۔ جب داروغہ صاحب نے شیو دین حلوائی کو ہنسی خوشی رخصت کیا تو خوجی نے بڑھ کر یوں کہا۔

خوجی۔ اجی حضرت آداب عرض ہی کہیئے اس میں کچھ یاروں کا بھی حصہ ہی یا باون کے باون خود ہی ہضم کر جاؤگے اور ڈکار تک نہ لوگے اب ہمارا آپ کا ساجھا نہ ہوگا تو بُری ٹھہرے گی۔

داروغہ۔ کیا! کس سے کہتے ہیں آپ۔ یہ ساجھا کیسا۔ آخر ہم بھی تو سنیں۔ بھنگ تو نہیں پی گئے ہو کہیں۔ یہ کیا واہی تباہی بک رہے ہو ذرا سمجھ کر بات زبان سے نکالا کیجئے۔ یہاں بیہودہ بکنے والوں کی زبان دست پناہ سے نکال لیجاتی ہی۔ تم ٹکڑ گدوں کو ان باتوں سے کیا واسطہ۔

خوجی۔ (کڑک کر) او گیدی قسم خدا کی اتنی قرولیاں بھونکی ہوں کہ یاد کرے مجھے بھی کوئی ایسا ویسا سمجھے ہو۔ میں آدمی کو دم کے دم میں سیدھا بنا دیتا ہوں۔ ذری کسی اور بھروسے نہ بھولیے گا۔ کیا خوب اڑتیس کے ڈیڑھ سو دلوائے اور بچاس خود اُڑائے اور اوپر سے غُرّاتا ہے مردک۔ بہت داروغگی کے بھروسے نہ بھولیے گا میں ابھی تو نواب صاحب سے سارا کچا چٹھا جڑتا ہوں۔ کھڑے کھڑے نہ نکال دیئے جاؤ تو سہی ہم تمام عمر رئیسوں ہی کی صحبت میں رہے گھانس نہیں چھیلا کئے ہیں۔ بائیں ہاتھ سے بیس روپیہ ادھر رکھ دیجئے اور میوں سا چہرہ شاہی ہوں۔ بس اسی میں خیر ہے ورنہ اُلٹی آنتیں گلے پڑینگی۔ اب سوچتے کیا ہو۔ ذرا بیس چہرہ کر دو تو ابھی ابھی قلعی کھول دوں یہ اکڑنا وکڑنا سب بھول جائیے اور لوں تو بیس یہ معاملہ ہوتا ہی۔ بولو اب کیا رائے ہے۔ بیس دو دیجئے سے غم کھاؤگے یا ذلت اُٹھاؤگے پہلے تو بڑے گرم ہوے تھے معلوم ہوتا تھا کہ کھا ہی جائیں گے۔ مگر اب موم ہوگئے لے بس اب لائیے بیس چہرہ شاہی سامنے بنا دیجئے ورنہ خیر نہیں نظر آتی۔ ابھی تو کسی کا نون کان نہ سُنے گا۔ پیچھے البتہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہی۔

داروغہ۔ واہ ری پھوٹی قسمت آج صبح صبح ہی نہ جانے کس اچھے کا منہ دیکھ کر اُٹھے تھے۔ مگر حضرت نے اپنی منحوس صورت

دکھائی خدا جانے یہ ذات شریف کہاں سے سُن رہے تھے لاحول ولاقوۃ - واہ رے ہم اور واہ ری ہماری قسمت کہئے اب بادن میں سے آپکو بیس ایک رقم کی رقم نکال دیں تو ہمارے پاس کیا خاک رہے - اور ہاں خوب یاد آیا بادن کس مردود کو ملے - کل سینتالیس ہی تو ہمارے ہتھے چڑھے - دس تم بھی لو بھئی دھوڑی میں ہاتھ ڈال کر، ان جاؤ استاد - ہمیں ضرورت تھی اس سے کہا ورنہ کیا بات تھی - اور پھر ہم تم زندہ ہیں تو سیکڑوں لوٹیں گے میاں یہ ہاتھ دونوں لوٹنے اور رقم ہی چیرنے کے لیے ہیں اچھا اور۔

خوجی - دس میں تو ہمارا پیٹ نہ بھرے گا - اچھا بھئی پندرہ دو

الغرض دارو غہ نے مجبور ہو کر پندرہ روپیہ میاں خوجی کی نذر کئے اور دونوں آدمی جا کر شریک محفل ہوئے تو وہاں نواب کے فرشتہ خاں کو بھی خبر نہیں کہ یہاں کیا وارے نیارے ہوئے وہاں شعر خوانی ہو رہی ہے -

ندرت ؎	ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے	

نواب - خوب بہت ہی خوب - میاں آزاد آپ بھی کچھ فرمائیے -

آزاد ؎	شکل دکھلاوت گلفام کیا ہو کیا نہ ہو میں چراغ صبح ہوں تا شام کیا ہو کیا نہ ہو	
خوجی ؎	گر آبلہ افتاد بپائے طلبت - زنہار مایست شاید کہ ہمیں بیضہ برآرد پر و بال عنقا گردد	

حافظ - عنقا غلط - عَنقا بہ فتح عین صحیح ہے -

نواب - جھک مارتے ہو تم - نامعقول جب دیکھو نکتہ چینی ہی کرنے پر آمادہ ہوتا ہے - عنقا کہا تو کیا اور عَنقا کہا تو کیا معلوم ہے کہ آپ بڑے فصیح کی دُم ہیں - خبردار جو آج سے عیب جوئی کی -

مصاحب - کیا منصف ہیں حضور ان سے لاکھ دفعہ کہہ دیا کہ میاں یہ عیب ہے مگر مانتے ہی نہیں - اور خدا جھوٹ نہ بلائے تو حضرت سے عنقا کے ہجے بھی نہ کئے جائیں - لیکن مشیخت جتانے کو موجود -

آزاد - ہاں واقعی یہ سخت عیب ہے - کل بھی حضرت ان اشعار پہ منھ آئے تھے -

اتنے میں ایک بزاز آیا اور چوبدار نے آن کر کہا کہ خداوند بجاؤنی کا بزاز آیا ہو جو ولائتی کپڑا بیچتا ہے - کل بھی حاضر ہوا تھا مگر اسوقت موقع نہ تھا - میں نے عرض نہ کیا -

نواب - دارو غہ سے کہو مجھ سے کیا گھڑی گھڑی آکے پرچہ جڑتے ہو - (دارو غہ سے) جاؤ بھئی انکو بھی لگے ہاتھوں بھگتا ہی دو - جھنجھٹ کیوں باقی رہجائے کچھ اور کپڑا آیا ہو ولایت سے؟ آیا ہو تو دکھاؤ مگر بامول کی سند نہیں -

بزاز - اب کوئی درج تک سب کپڑا آجائیگا اور حضور ایسی بات کہتے ہیں بھلا اس ڈیوڑھی پر ہم نے کبھی بھی مول تول کی بات کی ہو آجتک اور یوں تو آپ امیر ہیں جو چاہیں کہیں مالک ہیں ہمارے -

دارو غہ - چلو بھئی حساب ہو جائے اُٹھو -

دارو غہ اور بزاز چلے جب دارو غہ صاحب کی کھپریل میں دونوں کے دونوں جا کر بیٹھے تو میاں خوجی بھی رینگتے ہوئے چلے اور دن سے موجود دارو غہ نے جو انکو دیکھا تو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں مُردنی سی چہرے پر چھا گئی - چُپ - ہوائیاں اُڑی ہوئیں سمجھے کہ یہ خوجا ایک ہی کائیاں ہو - دنیا بھر کا تیار یا - اس سے خدا پناہ میں رکھے - صبح کو مردود نے ہتے ہی پر ٹوک دیا - اور پندرہ پٹیلے - اب جو دیکھا کہ بزاز آیا تو پھر موجود - آج رات کو اس کی ٹانگ نہ توڑی ہو تو سہی - ٹھہر تو جا تو - بچا ہی بنا کر چھوڑ دوں تو سہی - مگر پھر سوچے کہ ع - گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو - آؤ اس وقت چنیں وچناں کریں پھر سمجھا جائے گا -

خوجی ۔ داروغہ صاحب سلام۔

داروغہ ۔ آؤ بھائی جان ادھر مونڈھے پر بیٹھو۔ اجی طرح بھئی حقہ لاؤ آپ کے لیے۔

بزاز صدر بازار کا رہنے والا ایک ہی استاد تاڑ گیا کہ اس کے بیٹھنے سے میرا اور داروغہ کا مطلب خبط ہو جائیگا کسی تدبیر سے اس کو یہاں سے نکالنا چاہیئے۔ پہلے تو کچھ دیر داروغہ سے اشاروں ہی اشاروں میں گفتگو ہوا کی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بزاز نے کہا کہ میاں صاحب آپکو یہاں کچھ کام ہے ۔

خوجی ۔ تم اپنی کہو لالہ جی ہم سے کیا واسطہ۔

بزاز ۔ تم یہاں سے اُٹھ جاؤ۔ چلو۔ اُٹھتے ہو کہ میں دوں ایک لات اوپر سے۔

خوجی ۔ او گیدی زبان سنبھال نہیں تو اتنی قرولیاں بھو کوں گا کہ خون خرابا ہو جائیگا۔

بزاز ۔ اُٹھوں پھر میں۔

خوجی ۔ اُٹھ کے تماشہ بھی دیکھ لے۔

بزاز ۔ بید ھاہے کیا۔

خوجی ۔ واللہ جو بے نے کیا تو اتنی قرولیان۔

قرولیان کہہ کر خوجی کچھ اور بکنے ہی کو تھے کہ بزاز نے بیٹھے بیٹھے منھ دبا دیا اور ایک چپت جمائی چلیے دونوں گتھ گئے اب داروغہ جی کی سنئے کہ بیچ بچاؤ کس مزے سے کرتے ہین کہ خوجی کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور کمر دبائے ہوئے ہیں اور بزاز اوپر سے ان کو ٹھونک رہا ہے اور داروغہ صاحب گلا پھاڑ پھاڑ کر غل مچائے جاتے ہین کہ میاں نکھٹو لڑتے مرتے ہو بھئی دھول دھپے کی سند نہین۔ زبانی ہی داخلہ ہے۔ خوجی اپنے دل میں جھلاتے ہین کہ اچھے میر فیصلہ بنے اتنے میں کسی نے نواب صاحب سے جا کر کہدیا کہ میاں خوجی اور داروغہ صاحب اور بزاز تینوں گتھے پڑے ہیں تو ایک مصاحب بولے کہ بھئی واللہ اچھی تگڈم ہے۔

اتنے میں بزاز دوڑا ہوا آیا اور نواب صاحب سے فریاد کی کہ ہجور (حضور) ہم آپ کے یہاں تو سستا مال دیتے ہیں مگر یہ کھوجی (خوجی) حساب کتاب کے بکھت (وقت) نہ ٹلے لاکھ لاکھ کہا کئے کہ بھئی ہم اپنے مال کا بھاؤ تمھارے سامنے نہ بتائین گے کل انھون نے ہاری مانی نہ جیتی اور اُلٹے پنجے جھاڑ کے چپیٹ کی ٹھہرائی مجور (مزدور) مار کھانے کی نت انی میں نے وہ گرا دیا کہ چھٹی کا دودھ یاد کرتے ہون گے۔ داروغہ بھی روتے پیٹتے آئے کہ دہائی ہے چارپائی کی پٹی توڑ ڈالی۔ خاصدان توڑ ڈالا اور سیکڑون ہی صلواتین سنائیں۔

میان خوجی ایسے دھپیائے گئے اور اتنی بے بھاؤ کی پڑیں کہ بس کچھ پوچھیئے نہیں۔ داروغہ نے تو حضرت کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور بزاز نے تان تان کر لپڑ لگانے شروع کیے۔ خوجی نے دونوں کو گیدی اور مردک خر بنایا اور بہت کچھ ڈانٹ ڈپٹ کی کہ لاتا میری قرولی مگر ایک نے بھی شنوائی نہ کی۔ نواب صاحب کو جو خادم باادب نے خبر کی تو بزاز دوڑا آیا اور معاً یہ فقرہ چست کیا کہ میں تو حساب کرنے آیا تھا مگر جس قیمت پر اس سرکار میں کپڑا فروخت کرتا ہون اُس قیمت پر کسی اور کے ہاتھ تھوڑا ہی بیچتا ہوں خوجی وہاں داروغہ جی کے پاس ڈٹے بیٹھے تھے۔ میں سوچا کہ سب قسم کے کپڑوں کی قیمت سے واقف ہو جائیں گے اور صورت سے آدمی کے کھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ ان سے ڈرنا چاہیئے میں نے کہا کہ خوجی صاحب آپ ذرا اسوقت باغ میں ٹہلئے تو ہم حساب کر لیں بس اسپر آنکھیں نیلی پیلی کر کے لام کاف کرنے لگے نواب کے دل میں یہ بات کھپ گئی خوجی اور داروغہ اور بزاز تینوں کو بلوایا اور اظہار لینے شروع کئے۔

نواب۔ داروغہ صاحب۔ یہ کیا جھگڑا تھا بھئی تم تو بیٹھے بیٹھے خوب بینڈھے لڑا دیتے ہو۔

داروغہ۔ حضور یہ خوجی صاحب تو بڑے ہی تیکھے آدمی ہیں۔ بات بات پر قرولی بھونکتے ہیں اور گیدی تو تکیہ کلام ہی حضرت تا کسے باشد۔ یہ بے گیدی بنائے نہ چھوڑیں گے۔ اسوقت لالہ بلدیو ہی سے بھڑ پڑے۔ اب میں لاکھ ہان ہان کرتا ہوں سمجھاتا ہوں وہ ہاری مانتے ہیں نہ جیتی۔ وہ تو یہ کہیئے میں نے بیچ بچاؤ کر دیا ورنہ ایک آدھ کا سر ہی پھوٹ جاتا۔

بزاز۔ بڑے بھلے آدمی ہیں۔ وہ تو مردوگا (داروغہ) بچر و (بیچارے) نہ آجائیں تو کپڑے ویڑے پھاڑ ڈالیں۔

خوجی۔ نواب روتے کاہے کو ہو۔ جو ہوا سو ہوا۔ آئی گئی بات ہوگئی اب یہ دکھڑا لے کے کیا بیٹھے ہو۔

نواب۔ پا ڈگی تو نہیں ہوئی۔

خوجی۔ نہیں حضور شریفون مین کہیں ہاتھا پائی ہوتی ہی بھلا ہم نے ان کو للکارا۔ اُنھون نے ہم کو ڈانٹا۔ مگر کندے تول تول کے دونون رہ گئے بھلے مانس پر ہاتھ اُٹھانا کچھ دل لگی ہے۔ اور پھر شریف کہیں پٹ کے آتے ہیں۔

راوی۔ واہ میاں خوجی کیون نہ ہو۔ اتنی سب پھاؤ کی پڑین کہ چھٹی کا دودھ یاد آگیا ہو گا۔ مگر نواب کے سامنے جاکر کیا شیخی جتاتے ہیں کہ شریفون مین کہین پا ڈگی کی نوبت آتی ہی۔ یہ نہ کہا کہ دو نون کے دونون چمٹ گئے اور مارتے مارتے کچومر نکال دیا۔

خیر ادھر تو میان خوجی نواب کی محفل میں جاکر بیٹھے اور ادھر لالہ بلدیو اور داروغہ صاحب گئے کہ حساب کر لیں۔

داروغہ۔ ہان بھئی لالہ بتاؤ۔

لالہ۔ اجی بتائیں کیا جو چاہو دلوا دو۔

داروغہ۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تمھارا آتا کیا ہی۔ نوّو دو نوّو۔ دس بیس پچاس جو ہو کہہ دو۔

لالہ۔ داروغہ جی آج کل کپڑا بڑا مہنگا ہی۔

داروغہ۔ لالہ تم نرے گاؤدی ہی رہے۔ اجی ہم کو گران اور ارزان سے کیا واسطہ۔ ہم کو اپنے حق سے مطلب ہی۔ تم تو اس طرح کہتے ہو کہ جیسے ہماری گرہ سے جاتا ہے۔

لالہ۔ پھر ابکی سات سو ترپن روپیہ نکالیے۔

داروغہ۔ سات سو ترپن! بس ارے میان ابکی اتنے دنون مین بس سات ساڑھے سات ہی سو کی نوبت آئی۔

لالہ۔ جی ہان۔ اجی آپ سے تو کچھ پردہ ہی نہیں۔ دو سو اور چھپن روپیہ کا کپڑا آیا ہے۔ اندر باہر سب ملا کے۔ مگر پرسون تو نواب صاحب کہنے لگے کہ ابکی تو تمھارا کوئی پانچ چھ سو کا مال آیا ہوگا میں نے کہا کہ ایسے موکے (موقع) پر چوکنا گدھاپن ہی وہ تو پانچ چھ سو بتاتے تھے میرے منھ سے نکل گیا کہ حساب کئے سے معلوم ہوگا کوئی سات آٹھ سو کا آیا ہوگا۔ تو اب سات سو ترپن ہی رکھیے اسمیں ہمارا آپ کا سمجھوتا ہو جائیگا۔

داروغہ۔ ابی سمجھوتا کیسا۔ ہم تم کچھ دو تو ہیں نہیں۔ اور ہمارے تمھارے تو باپ دادا کے وقت کے مراسم ہین تم تو مثل اپنے عزیزوں کے ہو۔ لے بولو کتنے پر فیصلہ ہوتا ہے بتاؤ۔

لالہ۔ بس دو سو چھپیس تو ہم کو ایک دیجئے اور تین سو اور دیجئے اسکے بعد جو بڑھے وہ آپکا۔

داروغہ۔ ٹھہرو میں حساب تو لگالوں دو اور تین پانچ ہوے تو پانچ سو چھبیس تو تم لو اور وہان بچا کیا سات سو ترپن میں سے پانسو چھبیس گئے تو کتنے بچے۔

لالہ۔ دو سو ستائیس۔

داروغہ۔ (قہقہہ لگاکر) اچھا بھئی منظور۔ ہاتھ پر ہاتھ مارو۔

لالہ۔ پھر دلوایئے تو چلیں۔

داروغہ۔ ابھی لو گھبراتے کیوں ہو۔

داروغہ نے پانچ سو چھبیس روپیہ بزاز کے حوالے کئے اور دو سو ستائیس نلوہ اُڑلے بزاز جانے لگا تھا کہ داروغہ نے پھر پکارا

داروغہ۔ بھئی سنتے ہو سات سو ترپن روپیہ چھ آنے لکھ لو تاکہ معلوم ہو کہ آنے پائی سے حساب لیس ہے۔

لالہ۔ (مسکراکر) بڑے کائیاں ہو داروگا جی۔ ابھی دو سو ستائیس روپیہ چھ آنہ کل آپکا۔

آواز۔ بلکہ آپ کے باپ کا۔

جیسے ہی داروغہ اور لالہ میں باہم گفتگو ہو چکی ویسے ہی ایک موکھے میں سے آواز آئی۔ لالہ نے کہا کہ کل آپکا۔ اور آواز آئی کہ بلکہ آپ کے باپ کا۔ تب تو دونوں چوکنا ہوے کہ بھئی یہ کون بولا۔ ادھر اُدھر دیکھتے ہیں کوئی نظر ہی نہیں آتا سخت حیرت ہے کہ یاالٰہی یہ کون بولا۔ داروغہ کے حواس غائب۔ بزاز کے بدن میں خون کا نام نہیں کہ اتنے میں پھر آواز آئی (کہو کچھ یارن کا بھی حصہ ہے) تب تو دونوں کے رہے سہے ہوش اور بھی اُڑگئے کہ یہ اسرار کیا ہے۔

اب سنیئے کہ جب خوجی نواب نامدار کی بزم عشرت بار میں بیٹھے تو داروغہ اور بزاز دونوں کو ڈھارس ہوئی کہ اب یہ بلا ٹلی اور پھر وہ سوچے کہ پٹ پٹاکر اب کس مُنہ سے میاں خوجی یہاں آئینگے لیکن خوجی ایک ہی بیچا۔ راستے بھر یہی خیال تھا کہ وہ لوگ مطلئن ہو کر وارے نیارے کر رہے ہوں گے تو چپکے سے کسی بہانے اُٹھے اور آٹھ ٹر کھیریل کے پچھواڑے ایک موکھے کی راہ سے سب سُنا کئے جب کل کارروائی ختم ہو گئی تو فرمایا کہ (بلکہ آپکے باپ کا) خیر داروغہ اور لالہ بلدیونے انکو ڈھونڈھ نکالا اور للو پتّو کرنے لگے

بزاز۔ ہمارا کسور (قصور) مُعاپھ (معاف) کیجئے۔

داروغہ۔ اجی یہ ایسے آدمی نہیں یہ بیچارے کسی سے لڑنے بھڑنے والے نہیں۔ اپنے کام سے کام ہے۔ باقی لڑائی جھگڑا تو ہوا ہی کرتا ہے۔ دل میں کدورت آئی اور صاف ہو گئی۔

خوجی۔ یہ باتیں تو عمر بھر ہوا کریں گی۔ مطلب کی بات فرمایئے۔

داروغہ۔ جو ارشاد ہو۔

خوجی۔ لاؤ پھر کچھ ادھر بھی۔

داروغہ۔ جو کہو۔

خوجی۔ سو دلوایئے پورے ایک سو لیے بغیر نہ ٹلونگا۔ آج تم دونوں نے مل کر خوب ہماری مرمت کی ہے اور ہمارے پاس اتفاق سے قرولی نہ تھی۔

داروغہ۔ یہ تیس روپیہ تو ایک لیجئے اور یہ دس کا نوٹ بس۔ اور جو الیٹھ کیجئے تو اس سے بھی ہاتھ دھویئے۔

خوجی۔ اجی از خرس موئے بس است۔ لایئے چالیس کیا کم ہیں۔

بزاز۔ کھاسی رکم کی رکم ہے (خاصی رقم کی رقم ہے)

خوجی۔ تمہاری بھی پانچوں گھی میں اور سر کڑھائی میں ہے۔

داروغہ۔ (اپنے دل میں) اچھے ملے ہم سمجھے تھے کہ بس ہم ہی ہم ہیں مگر یہ ہمارے بھی گرو پیدا ہوے جب دیکھو سا جھے کو مستعد اچھا بیٹا مارا مگر اب انکے دن بھی پورے ہو گئے۔

خیر میاں خوجی اور داروغہ صاحب ہاتھ میں ہاتھ دئے جاکر محفل عشرت منزل میں بیٹھے گویا دونوں لنگوٹیے یار تھے۔ دانت کاٹی روٹی باہم تھی۔ مگر داروغہ کا بس چلتا تو خوجی کو کالے پانی ہی بھیجدیتے یا زندہ چنوا دیتے۔ وہاں جو گئے تو نواب صاحب کے فرشتہ خان کو بھی خبر نہیں کہ ہوا کیا اور کیسے کیسے

واہ رے نیارے یار لوگوں نے کیسے وہاں لطیفے ہو رہے ہیں۔

ندرت۔ حضور آج ایک شخص نے ہم سے پوچھا کہ اگر دریا میں نہائیں تو رُخ کس طرف رکھیں ہم نے کہا کہ بھئی اگر دانشمند ہو تو اپنے کپڑوں کی طرف رُخ رکھو ورنہ چور تلوہ اُٹھا لیجائیگا اور آپ غوطہ ہی کھاتے رہ جائیں گے۔

حافظ۔ پرانا لطیفہ ہے۔

آزاد۔ ایک حکیم نے کہا کہ جبتک میں مجرد تھا تو بیوی والے گونگے ہوگئے تھے۔ ورنہ مجھے متاہل ہونے کے جھگڑوں اور لڑکے بالوں کے جھنجھٹ سے اطلاع تو دیتے اور اب جو میں نے خود شادی کرلی۔ تو مجرد بہرے ہیں میں لاکھ لاکھ سمجھاتا ہوں کہ شادی نہ کرو وہ میری نصیحت پر عمل ہی نہیں کرتے۔

حافظ۔ خوب۔ واللہ خوب نصیحت کی سچ ہو مجرد ہی رہنا اچھا ہے۔ جورو بھونچال لڑکے جنجال۔

نواب۔ واہ جس میں آوارگی مزاج میں آجائے۔ بیوی ہو لڑکے بالے ہوں۔ لطف نہ ہو۔ مونس و غمخوار ہو۔ راز دار ہو۔ ع

شوقہا افزاید از پہلوے تو

اتنے میں گندھی آیا اور آداب بجا لایا۔

نواب۔ داروغہ جی۔

داروغہ۔ خداوند۔

نواب۔ بھئی انکا بھی فیصلہ کردو۔

داروغہ۔ چلیے آپکو بھی لگے ہاتھوں بھگتا ہی آئیں۔

داروغہ اور گندھی دونوں چلے اور کھپریل میں داخل۔

داروغہ۔ کتنا عطر آیا۔

گندھی۔ دیکھیے آپکے یہاں تو لکھا ہوگا۔

داروغہ۔ ہاں لکھا تو ہے مگر خدا جانے وہ کاغذ کہاں پڑا ہے تم اپنی یاد سے جو جی میں آئے بتادو۔

گندھی۔ ابھی کل ہی تین تولہ حنا۔ دو تولہ موتیا۔ پانچ تولہ عطر عروس اور ڈیڑھ تولہ کیوڑا دے گیا ہوں۔ کوئی پینتیس روپیہ کا ہوا

داروغہ۔ اچھا پینتیس یہ ہوے اور پچھلا حساب۔

گندھی۔ اسّی اُدھر کے بھی ہیں اور بیگم صاحب نے ابکی عطر کی بھرمار ہی کردی۔ عطر عطر ہر گھڑی ہو کہ عطر لاؤ عطر لاؤ قرابے کے قرابے خالی کر دیے۔

داروغہ۔ اچھا بھئی پھر اس میں کسی کے باپ کا کیا اجارہ ہے شوقین ہیں متحیر ہیں۔ رئیس زادی ہیں۔ امیر ہیں۔ نفیس مزاج ہیں۔ باسلیقہ ہیں۔ عطر انھیں کے لیے ہے یا ہمارے آپکے لیے اچھا تو اسّی اور پینتیس کتنے ہوے۔ ایک سو پندرہ ہوے نا؟۔

گندھی۔ بس ڈیڑھ سو دلوائیے۔

داروغہ۔ اچھا تم بھی کیا یاد کروگے۔ لو سو یہ ہیں اور تیس کے تین نوٹ دس دس کے۔

گندھی۔ اچھا لیجیے یہ عطر کی شیشی آپ کے لیے لایا ہوں۔

داروغہ۔ کس چیز کا ہے۔

گندھی۔ سونگھیے تو معلوم ہو خدا جانتا ہے دس دس روپیہ تولہ خریدا ہے لوگوں نے اور پھر اجی رامپور اور حیدرآباد اور ٹونک اور مرشدآباد اور خیرپور سے فرمایشیں آرہی ہیں۔

میاں گندھی تو اُدھر روانہ باشند ادھر داروغہ جی خوش خوش نواب صاحب کے پاس جانے لگے تو آواز آئی کہ (استاد اس شیشی میں یاروں کا بھی حصہ ہے) پیچھے پھر کے دیکھتے ہیں کہ میاں خوجی سوا بالشت کا قد شریف جھومتے ہوے چلے آتے ہیں۔

داروغہ۔ یار تم نے تو بے طور پیچھا کیا۔

خوجی۔ ابکی تو تم کوریں ہی روپیہ لے اسمیں کچھ نہ لینگے وہ تم ہی

کیا ہے مگر اس دس روپیہ والے عطر میں سے آدھی شیشی لے۔

داروغہ۔ خیر دینگے اور ضرور دیں گے آپ سے تو کوئی ہی دبی ہو

داروغہ جی اور خوجی نواب صاحب کی محفل میں پھر شریک ہوئے تو دیکھا وہاں شعر خوانی ہو رہی ہے۔

آزاد۔ ؎

شب ز گرمی ہائے اشک دختہ بیا سوختم
چوں چراغ ناخدا بر روئے دریا سوختم

ندرت۔ اشک کی نسبت یہ شعر بھی سننے کے قابل ہے۔ ؎

اشکم بروں می افگند راز درون پردہ را
آرے خشکا تنہا بود راز خانہ بیرون فتہ را

نواب۔ آرے کیا خوب۔

حافظ۔ لغو لچر خرافات۔ اشک کے حال کا شعر ہم سے سنیئے۔ ؎

نشستم تا کہ در خون لالہ گون اشک خود
تو چوں شمع شدی من ہم کر بستم بخون خود
داد شہرت اشک من آخر بسوائی مرا
کرد رسوا جا بجا این طفل ہرجائی مرا
ایں اشک جگر گوں چہ اثر داشتہ باشد
پیداست کہ طفلے چہ جگر داشتہ باشد

ندرت۔ یہ اشک کو شعراء نے طفل کیوں باندھا ہے بھئی۔

اے طفل طفل اشک مرا بر زمیں مزن
پروردہ ام بخون جگر ایں یتیم را

نواب۔ ؎

بعد ازیں نامہ اگر بر پر ماہی بندم
کہ رہ شوق تو غرقاب شد از گریۂ ما

حاضرین۔ اے سبحان اللہ واہ کیا فکر ہے۔ ذہن کی رسائی اسی کے معنی ہیں۔ سبحان اللہ۔

راوی۔ نواب صاحب کی زبان مبارک سے شعر سنیں اور رفقا خاموش ہو رہیں۔ کیا مجال یہ ممکن ہی نہیں۔ سبحان اللہ کا ڈونگرا برس گیا۔ بارک اللہ کی گھنگھور گھٹا چھا گئی خیر صاحب نواب تا مدار اپنے ہوسے تو کہ شعر و سخن کی طرف مخاطب ہونے لگے۔

اتنے میں لالہ جواہر لال آئے۔ آئیے جناب آئیے۔

نواب۔ آج تو عرصہ کے بعد ملاقات ہوئی۔ کہاں رہتے ہو بھئی ہوا تو نہیں لگی۔ کہیں۔ نہیں بھئی ہو تو کچھ ایسا ہی یا کچھ دال میں کالا ضرور ہے۔

مہاجن۔ جی نہیں ہوا تو رئیسوں کو لگتی ہے یا بعض بگڑے ہوئے امیروں کو۔ ہم پرانی چال کے لوگ ہیں میں اندنوں پراگ میں گیا تھا۔

حافظ۔ لے سبحان اللہ پراگ کے لیے گیا خوب موزوں لفظ ہے لالہ جواہر لال صاحب بڑے جگت باز آدمی ہیں۔

خوجی۔ افیم کی پینک سے چونک کر۔ ؎

زیر مژگاں اشک گرم جوش دریا می زند
آب زیر کاہ باشد آتش خس پوش ما

نواب۔ ایں! معقول! آپکے نزدیک ابھی تک اشک کی تعریف کے شعر ہی یہاں پڑھے جا رہے ہیں۔

آزاد۔ بہت جلد چونکے۔

مصاحب۔ (قہقہہ لگا کر) خداوند میں تو مارے ہنسی کے لوٹ رہا ہوں۔ اُف فوہ۔

رفیق۔ کیا جلدی خبر ہوئے ہیں تو دیر کیا۔ پینک میں تھے حضرت کی آنکھ کھلی تو سمجھے ابھی تک اشک کی تعریف میں تمام لوگ شعر خوانی کر رہے ہیں خود بدولت نے بھی ایک ہانک لگائی۔ واہ ری افیم خدا جانتا ہے پینک میں جو مزہ ہے وہ کسی بات میں نہیں۔

مہاجن۔ حساب کرنے آئے تھے۔

نواب۔ تو گھبرائے کیوں جاتے ہو کچھ ہمارا ہی فاضل ہوگا بھئی تمھارا ہماری طرف ایک کچّا نہ نکلے گا۔

مہاجن۔ نہیں گھبرانے کی بات چیت کیا ہے بھلا جو حکم ہو۔ منظور آج نہیں کل کل نہیں پرسوں۔

داروغہ۔ ارے بھئی کچھ چوروں سے ہوا تھوڑا ہی ہے۔

مہاجن۔ نہیں لاحول بلاکوت (قوۃ)

راوی۔ لاحول ولا قوۃ کی خرابی ہے چھا ٹیں گے فارسی ہی

سرا میں خوجی پر بے بھاؤ کی پڑیں اور بواز عفران پنچے جھاڑ کے لڑیں

ایک دن پچھلے پہر سے کھٹملوں نے میاں خوجی کی ناک میں دم کر دیا بدن بھر کا خون جونک کی طرح پی لیا۔ اب وہ ادھر سے کروٹ لیتے ہیں تو اُنھوں نے اُدھر کا جسم چھلنی کر دیا اور اس طرف پھرے تو اُس طرف خون کے فوارے بہنے لگے۔ حضرت بہت ہی جھلائے۔ قیمی آدمی چار پہر آنکھوں میں رات کٹی پچھلے سے ذرا آنکھ لگنے کو تھی ہی کہ کھٹملوں کا خدا بھلا کرے اُنھوں نے انگر کھا لہولہان کر دیا۔ ایک دفعہ پینک میں آئے تو اُن حضرات نے پنڈلیوں کو بھڑ کی طرح بھنبھوڑ کھایا۔ اور اُنھوں نے پینک سے چونکتے ہی غل مچایا کہ (لانا میرا قرابینچہ) یہ ہانک جو اُنھوں نے لگائی تو آس پاس والوں کی نیند حرام ہو گئی۔ سمجھا چور کا گمان ہوا لینا لینا جانے نہ پائے۔ چور چور ارے میاں کہاں کدھر کس رُخ لینا پکڑ لیا ہو۔ دیکھو گانسے رہنا۔ کھدیرو خوب کھدیر و بھئی مسافرو ہشیار۔ اپنے اپنے مال کی حفاظت کرو۔ اب سرا بھر میں ہلڑ مچا ہوا ہو ہر بونگ کا عالم۔ کوئی آنکھیں ملتا ہوا اندھیرے میں ٹٹولتا ہو کوئی دیدے پھاڑ پھاڑ کے اپنی گٹھری کو دیکھ رہا ہو کوئی مارے ڈر کے آنکھیں بند کئے ہوئے دبکا پڑا ہو منکتا تک نہیں۔ میاں خوجی نے جو لینا لینا جانے نہ پائے۔ چور چور کی آواز سُنی تو خود بھی غل مچانا شروع کیا کہ (ہائیں! ہائیں! خبردار جانے نہ پائے لانا میری قرولی۔ او چوبادگیدی۔ ٹھہرا رہنا کہ میں بھی قرولی لے کر آن پہونچا یہ خبر ہی نہیں میاں کو کہ یہ شگوفہ حضرت ہی نے چھوڑا ہو فرماتے ہین کہ ٹھہرا رہنا میں بھی قرولی لے کر آن پہونچا۔ دیکھیئے دیکھیئے آپ اپنی ڈاڑھی کی طرف دیکھیئے غصہ کو تھوک دیجئے قد تو حضور کا ماشاءاللہ پون انچ کا اور تم دوم یہ کہ قرولی لے کر آن پہونچے خدا جھوٹ نہ بلائے تو قرولی کی حضرت نے کبھی عمر بھر صورت بھی نہ دیکھی ہو گی مگر بات بات پر قرولی اور قرابینچے کی فکر رہتی ہے۔ کوئی اس مسخرے سے اتنا تو پوچھے کہ اب قرابینچے کا فتن کہاں تیر بچہ باندھے آپنے کس کو دیکھا قرولی کس کی کمر میں نظر آئی مگر ان کو تو بک دینے سے مطلب ہو۔ خیر۔ میاں خوجی جو گرمائے تو چھپر کھٹ سے اُٹھ ہی کھڑے ہوئے اور لپک پڑے۔ اب آؤ دیکھتے ہیں نہ تاؤ۔ گلا پھاڑ پھاڑ کے چلا رہے ہیں کہ لینا لینا لینا۔ این! معقول! پیلنے کے عوض کہیں دینے نہ پڑ جائیں لپکے تو بھٹیاری کو ڈپٹ لیا اور فرمایا کہ تو ہی چور ہے۔ بھلا پے بھلا پکڑ لیا حریف کو بھٹیاری نے کہا میاں کچھ خیر ہے۔ ہوش کی باتیں کرو اتنے میں آپنے دوڑنا شروع کیا پینک میں سوجھ گئی کہ چور آگے بھاگا جاتا ہے۔ دوڑتے دوڑتے ٹھوکر جو کھاتے ہیں تو اڑاڑا دھوں۔ میاں خوجی اپنی شامت اعمال سے گرے بھی تو کہاں جہاں کمہار کے ہنڈے رکھے تھے۔ گرنا تھا کہ کئی ہنڈے چکنا چور ہو گئے کمہار نے للکارا کہ چور چور یہ اُٹھنے کو تھے کہ اُس نے آن کر دبوچ لیا اور پکارنا شروع کیا کہ ارے دوڑو دوڑو چور پکڑ لیو ن مسافر اور بھٹیارے اور بھٹیاریاں اور جوالی موالی سب کے سب دوڑ پڑے۔ کوئی ڈنڈا لیے ہے۔ کوئی لٹھ باندھے۔ کوئی بید گھماتا ہو کوئی لکڑی ہلاتا ہے مگر افسوس ہو کہ میاں خوجی کے پاس قرولی نہ قرابینچہ۔ اندھیری رات گھٹا ٹوپ اندھیرا چو طرفہ چھایا ہوا کسی کو کیا معلوم کہ یہ چور ہے یا میاں خوجی گرشتہ دل آدمیوں کو تنکار ہاتھ آیا خوب بے بھاؤ کی حضرت پر پڑنے لگیں یار لوگوں نے تاک تاک کر زناٹے کے ہاتھ لگائے اب خوجی کی سٹی بھولی۔ نہ قرابینچہ یاد رہا نہ قرولی جب خوب پٹ پٹا چکے تو ایک مسافر نے کہا کہ بھئی ذرا ٹھہرو تو یہ تو خوجی ہیں جو اُس کوٹھڑی میں پانچ سات روز سے ٹکے ہوئے ہیں چراغ جلایا گیا تو معلوم ہوا کہ تیرہ صدی کے بالشتیے میاں خوجی ہی ہیں کمہار کو لوگوں نے للکارا کہ چھوڑ دے بے

یہ چور نہیں ہیں - چھوڑ دے - ہنڈیوں کے دام ہم دے دیں گے -

الغرض بعد خرابی بصرہ میاں خوجی کی جان بچائی گر کب جب کچومر نکل گیا - انجر پنجر الگ ہوگئے - جب یاران سرپل نے چپت گاہ کو خوب سہلا دیا تو میاں خوجی چلے - میاں آزاد سے بھی کسی نے کہہ دیا تھا کہ تمھارے ساتھی خوجی چوری کی علت میں پھنسے ہیں کسی مسافر کی ڈبیا چرائی تھی سو اُسنے پکڑ لیا - دوسرے نے آن کر کہا کہ نہیں یہ نہیں ہوا - ہوا یہ کہ ایک کمھار کی ہنڈیاں چرانے گئے تو جاگ ہوگئی - بھئی واہ - جتنے منھ اتنی ہی زبانیں اور اُتنی ہی باتیں اتنی دم کی بات اور مختلف روایتیں مشہور ہوگئیں -

میاں آزاد کو بڑا ہی بُرا معلوم ہوا کہ ہمارا ساتھی اور چوری کی علت میں ماخوذ ہو مگر یہ بات اُن کو جچی نہیں - سوچے کہ خوجی ایسے آدمی ہیں نہیں - وہ چوری چکاری کیا جانیں - وہ تو بس فقرہ بازی ہی خوب جانتے ہیں اور بھلا چوری چکاری بھی کرتے تو ہنڈیوں کی - خیر - اُنھوں نے دل میں ٹھان لی کہ چلیں اور خوجی کو تلوہ بچا لائیں - ورنہ آزاد نہیں - چارپائی سے اُترے اور بانڈی ہاتھ میں لی کہ جو بولے گا اُسکو مزا چکھاؤں گا - اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ خوجی صاحب جھومتے ہوئے چلے آتے ہیں اور بڑبڑاتے جاتے ہیں کہ ہات ترے گیدی کی بڑا آزاد بنا ہے ایسے آزاد بہت دیکھے ہیں مردود چارپائی پر پڑا خرخر کیا کیا اور ہماری خبر ہی نہیں - اب بڑبڑاتے ہوئے میاں آزاد کی گلی تک چلے آئے گر آنکھوں کے اندھے نام نین سکھ اتنا بھی نہ سوجھا کہ آزاد کھڑے ہیں جب قریب پہونچے تو میاں آزاد نے یوں کہا -

آزاد - خیر ہم کو تو پیچھے گالیاں دینا اب یہ بتاؤ کہ ہاتھ پاؤں تو نہیں ٹوٹے -

خوجی - ہاتھ پاؤں ! ہو نہہ - یہ لوہے کی سلاخیں ہیں - آپ اسوقت ہوتے تو دیکھتے کہ بندۂ درگاہ نے کیا کیا جوہر دکھائے پچاس آدمی گھیرے ہوئے تھے پورے پچاس - ایک کم نہ ایک زیادہ -

راوی - درست - اُسوقت آپکو اتنا ہی تو ہوش تھا کہ آدمی گننے بیٹھتے پہلے یہ تو فرمائیے کہ پڑیں کتنی - آدمی بھی کھی کے جوڑ ہوئے کہ غول میں جھپاک سے گن لیے مارے چپتوں کے بولا تو گئے تھے - گر بیحیا کی بلا دور - جھاڑ پونچھ کر پھر موجود -

خوجی - واللہ میں اسوقت بھبھوکا ہی بنا تھا -

راوی - اے صل علیٰ - واللہ آپ آدمی کیا دمڑی کے پٹھے باز ہیں زبان البتہ پھلجھڑی کو بھی مات کرتی ہے -

خوجی - بس یہ کیفیت تھی کہ دس آدمی اس شانے کو اور دس ہی اُس شانے کو پکڑے ہوئے تھے اور میں جو بپھرا تو کسی کو اَنٹی دی دھم سے زمین پر گرا کسی کو کولے پر لاد کر مارا کھٹ سے چھپر کھٹ کی پٹی پر - دو چار میرے رعب میں آکر تھرتھرا کر گر ہی تو پڑے دس پانچ کی ہڈی پسلی چکنا چور کر دی یہ ڈھیکلی کھائی وہ ہوا ادھر نکلا اُدھر ابھرا - گھس پیٹھ میں تو پھر آپ جانئیے اپنا نبر برق دم ہیں ہی - جو سامنے آیا اُسے نیچا دکھایا - جو منھ چڑھا منھ کی کھائی -

راوی - اور ایک صاحب آپ کے رعب میں آکر کمھار کے ہنڈوں پر بھی تو گر پڑے تھے - واہ رے بنوٹئے تیری بھی آج دھوم ہے -

خوجی - خدائی بھر میں کوئی ایسا جیوٹ دار آدمی دکھا تو دیجئے

راوی - حضرت خدائی بھر کا حال - تو خدا ہی کو خوب معلوم ہے مگر اتنی گواہی تو ہم بھی دیں گے کہ آپ سا بیحیا بے غیرت جوتی خور سرا بھر میں تو اس سرے سے اُس سرے تک کوئی نہیں نظر نہیں آتا اس ڈینگ پر پھٹکار - اے لعنت خدا -

خیر میاں آزاد اور خوجی دونوں اسوقت سو رہے اور دوسرے روز شام کو نواب صاحب کے ہاں پہونچے۔

آزاد - پیر و مرشد رخصت ہونے آیا ہوں - زندگی ہو تو پھر ملونگا ورنہ یہ آخری الوداع ہو۔

نواب - کیا کوچ کی تیاریاں کر ہی دیں - بھئی جب واپس آؤگے تو ملاقات ضرور کرنا بھول نہ جانا۔

آزاد - بھلا یہ آپکے فرمانے کی بات ہے۔

خوجی - غلام بھی رخصت ہوتا ہے۔

نواب - آپ تو واللہ بڑے ہنسوڑ آدمی ہیں کہیئے اب بشرط خیریت کبھی ملیے گا بھی۔

خوجی - خدا لائے گا تو آؤں گا حضور۔

داروغہ - میاں خدا کرے سب کے پہلے انھیں پر گولی پڑے بلکہ گولہ اور وہ بھی بم کا گولہ اب خدا اس منحوس کی صورت نہ دکھائے اور نہ اس مردک کو یہاں لائے۔

الغرض آزاد اور خوجی نواب صاحب سے رخصت ہوئے۔

نواب - فی امان اللہ خدا بخیریت پہونچائے اور واپس لائے۔

خوجی - داروغہ جی خدا حافظ۔

داروغہ نے کہا میاں آزاد کو امام ضامن اور خوجی کو شیطان کو سونپا۔ آزاد اور خوجی رخصت ہوئے تو پھاٹک سے باہر نکل کر میاں خوجی نے کہا بھئی ذرا ٹھہرے رہنا میں ابھی ابھی آیا۔ آپ کو جو وحشت نے گھیرا تو پہونچے زنانی ڈیوڑھی پر۔

خوجی - (دربان سے) یار جے ذرا بوا زعفران کو نیس بلا دیتے۔

دربان تھا گنوار کا لٹھ گنوار آدمی اُسنے ان کو تپائی دی کہ آپ بیٹھیئے یہ بیٹھے تو پلنگ میں سر پہ چلا وہ چلا اب کوئی دم کے دم میں دم نزع ہوا ہی چاہتا ہو اتنے میں دربان نے آواز دی کہ بوا زعفران بوا زعفران - اجی بوا زعفران - لے بوا زعفران - بوا زعفران بولیں - لے ہو تو کچھ کہو گے بھی یا بوا زعفران ہی پکارتے جاؤ گے دماغ کے کیڑے تک چاٹ گئے۔

دربان - اجی آپ کے لڑکے وہ - توبہ - تمھارے میاں آئے ہیں۔

دربان بیوقوف نے پہلے (لڑکے) کہکر میاں کا لفظ جو کہا تو گھر بھر کی عورتیں کھل کھلا کر ہنس پڑیں اور بیگم صاحب ہنستے ہنستے بولیں کہ اچھے گنوار کو ڈیوڑھی پر بٹھایا ہو اُسنے پھر غل مچایا کہ اجی بوا جی آیئے دیکھئے تو انکا حال کیا ہو ابھی تو خاصے بھلے چنگے تھے - ابھی کچھ سے کچھ ہو گیا - بوا زعفران سے اور اُن کے میاں سے لاگ ڈانٹ تھی وہ جو گھبرائی ہوئی اندر سے آئی تو انکو دیکھا کہ تپائی پر بیٹھے پلنگ میں جھوم رہے ہیں۔

اب یہ لطیفہ بھی سننے کے قابل ہو کہ بوا زعفران کے میاں کی بھی بعینہ یہی قطع مبارک تھی خوجی سے بالکل مشابہ ذرا فرق نہیں وہی سوا بالشت کا قد - وہی دُبلے پتلے ہاتھ پاؤں اور طُرّہ یہ کہ افیون بھی پیتے تھے - اور زعفران اُنسے روز کہا کرتی تھی کہ تم افیم کھانا چھوڑ دو - وہ کب چھوڑنے والے تھے بھلا - اسی سببسے دونوں میں دم بھر نہیں بنتی تھی - آخر کار ایک روز اسکے میاں نے کہا کہ اچھا آج سے اگر ہم کو پینک میں دیکھو تو گنکر پانچ سو جوتے لگاؤ اور جو بھول جاؤ تو پھر سر سے سے گنو - زعفران نے جو باہر آکر دیکھا تو حضرت مو جیں لے رہے ہیں جل بھن کر خاک ہی تو ہو گئی اور جاتے ہی میاں خوجی کے پٹے پکڑ کر ایک دو تین چار پانچ دھمیں تڑ تڑ لگا ہی تو دیں - خوجی کا نشہ ہرن ہو گیا - مار کے آگے بھوت ناچے - چونک کر فرماتے کیا ہیں۔

خوجی - لا نا تو دولاتی فرولی - ارے ان مرنے والوں نے تو ہماری کھوپڑی پلپلی کر دی۔

راوی - یہ ملوش ابھی اپنے نزدیک آپ ملٹری ہی میں تاق افروز ہیں۔

واہ ری انیم یہ جو نہ کرے وہ تھوڑا ہے۔ بوا زعفران نے ایک نعرہ ہی کچھ کچا کر جلکت وہی تو حضرت کی روح پر صدمہ ہوا اور ہاتھ چھڑا کر بھاگ جانا۔ مگر وہ چنٹ دیونی نواب کے یہاں قسمیں کھا کھا کر کہتی پھرتی تھی۔ یہ بیچارے سوا بالشت کے آدمی اُستنے انکو چر مرکر ڈالا۔ مگر یہ قرولی ہی مانگا کئے اتنے میں غل غپاڑے اور دھڑ پکڑ کی آواز جو بلند ہوئی تو اصیلیں مغلانیاں ماما چھوکریاں لونڈیاں سب باہر نکل آئیں اور بیگم صاحب اور عصمت النسا بیگم اور گیتی آرا بیگم سب کے سب پردے کے پاس دوڑیں کہ دیکھیں کیا ہو رہا ہے۔

بیگم صاحب۔ بوا زعفران۔ آخر ش یہ ہی کیا۔ روئی کی طرح اس بیچارے کو تو م کے دھر دیا۔ واہ۔

عصمت النسا بیگم۔ اوئی نوج ایسی جورو کسی کی ہو۔ ہاتھ ہی ٹوٹیں مردار کے ادھ مرا ہی کر ڈالا تیغ سند و تو نہیں سر پر سوار ہے وہ موا تو آپ ہی زندگی سے بیزار ہے۔ اس نے اور اوپر سے دو چار لاتیں لگا دیں۔

مغلانی۔ حضور زعفران کا قصور نہیں۔ یہ اس مردوے کا قصور ہے جو مُردا کے ہاتھ بک گیا ہے (خوجی کا کان پکڑ کر کہا پھٹے سے منھ مُردا کے ہاتھ سے جوتیاں کھاتے ہو اور ذرا چوں نہیں کرتے)۔

خوجی۔ جورو! ہائے افسوس۔ ابھی یہ جورو کس مردک کی ہیں۔ خدا خدا کرو۔ بھلا میں اس ہرلونگی دیوکی بچی کالی کلوٹی ڈائن کے ساتھ بیاہ کرتا۔ یہ اسکو اسوقت سوجھی کیا کہ مار کے بُھرکس نکال دیا اور دانت کٹکٹا کر بوٹیاں تک نوچ ڈالیں۔ یہ ہی کون بلا ہیں تو حواس بر جا نہیں۔

بوا زعفران نے جو یہ باتیں سنیں تو وہ آواز ہی نہیں۔ وہ لب و لہجہ ہی نہیں۔ غور کر کے دیکھتی ہیں تو میاں وہاں کوئی نہیں یہ تو کوئی اور ہی ہے۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ چہرہ زرد ہو گیا اور دانتوں کے تلے انگلی دبا کر خاموش ہو رہی۔

مغلانی۔ اے ہاں یہ ہے کون۔ چھپاکے آباتو نہیں ہیں۔

عباسی۔ (ہنس کر) اے واہ بوا زعفران۔ اب تو راہ چلتوں کو بھی میاں بنانے لگیں۔ ذری بچاتو تو یہ ہیں کون

فرخندہ۔ اوئی یہ تو بیچارے نواب صاحب کے یہاں دن رات بیٹھے رہتے تھے۔ یہ یہاں کیسے آئے۔ لے زعفران آخر ش تم کو سوجھی کیا ذری مشال (مشعل) جلا کر دیکھو تو چھپاکے آبا ہی ہیں۔

بیگم صاحب نے بھی خوب لے دے کی اور اصیلوں اور مغلانیوں نے اتری تری کہکر بوا زعفران کو رلا ہی چھوڑا دہ اور بھی چیں بچیں کی غرض ایک بیچارے کی آبروکی آبروئی اور کھوپڑی کی کھوپڑی گنجی کر ڈالی اتنے میں نواب صاحب سے کسی نے جا کر ساری داستان کہہ دی اور محفل بھر میں حاضرین جلسہ پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنسنے لگے کہ بھئی واللہ یہ نئی روایت ہے۔ اسپر میاں ندرت بولے کہ بھئی انکو یہاں تک تو لاؤ دیکھیں تو ہیں کون بزرگ خدمتگار پہونچے اور میاں خوجی کو لے آئے۔

حاضرین۔ ایں! اے میاں یہ تو خوجی ہیں لاحول ولا قوۃ۔

ہنسی کے سمندر پر ایک اور تازیانہ ہوا اور کل حاضرین ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ گئے۔ اب ادھر نواب صاحب اور اُن کے مصاحب قہقہہ لگاتے ہیں اُدھر گھر سے قہقہہ کی صدائیں بلند ہیں اور خوجی اپنے دلمیں خفیف کہ یکے نقصان مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ ایک تو خوب پٹے دوسرے اب یہ۔ لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا۔ نواب صاحب نے زعفران کو اندر سے بلوایا۔ مگر خدمتگار نے کہا کہ حضور وہ تو نہیں آتیں پردہ کے پاس کھڑی رو رہی ہیں۔

خوجی۔ اس مکر کو دیکھیے گا حضور۔ رونا ہم کو چاہئے۔ اُلٹا وہ رو رہی ہیں۔

ندرت۔ بھئی تم کو میاں بنایا۔ رونے سے بھی گئی گذری

نواب۔ زعفران کی سزا ہم نے یہ تجویز کی ہے کہ خوجی کو دیدیجائیں

خوجی۔ بس غلام کے حال پر رحم کیجئے۔ معاف فرمائیے مجھے۔ بندہ درگذرا۔ غضب خدا کا اس دیو کی بچی کے ساتھ اور میں شادی کروں خدا بچائے۔ خدا ہر آفت سے محفوظ رکھے۔ میاں کے دھوکے دھوکے میں تو اُس نے ہمارے ہاتھ پاؤں ڈھیلے کر دیئے اور جو کہیں سچ مچ میاں ہی ہوتے تو معاذ اللہ چٹنی ہی کر ڈالتی کیا کہئے کچھ بس نہیں چلتا ورنہ نوابی ہوتی تو اتنی قرولیاں بھونکی ہوتیں کہ عمر بھر یاد ہی تو کرتی۔ یہاں کوئی ایسے ویسے نہیں۔ گھانس نہیں کھودا کیے ہیں۔ چکلہ داریاں۔ کمیدانیاں۔ رسالداریاں کیا کیے ہیں۔

راوی: اے حسن علی! بیشک حضور نے کمیدانی بھی کی اور چکلہ دار بھی تھے۔ دگلے والی پلٹن کے رسالدار آپ ہی تھے مگر بوا زعفران نے رسالداری وسالداری سب خاک میں ملا دی ایک نہ چلی۔

نواب۔ اور وہ آپ کے ساتھی میاں آزاد کہاں ہیں۔

خوجی۔ پھاٹک کے اُس طرف پُل پر بیٹھے تھے۔

ندرت۔ میاں دیکھو پھاٹک سے نکل کر پُل پر میاں آزاد بیٹھے ہیں اُن کو ذرا لپک کر بُلا لانا۔

میاں آزاد آئے تو روشن علی نے اُنکو ساری داستان سنائی اور آزاد خوب کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

آزاد۔ کیسے قرولی اُسوقت نہ یاد آئی۔

دربان۔ جی ہاں قرولی تو یاد آئی تھی اور بڑا غل غپاڑا مچایا تھا اور سرا کا نام لیتے تھے کہ سرا والوں نے تو کمر پڑی پلی کر دی جب آنکھ کھُلی اور بوا زعفران کو دیکھا تو نشہ ہرن ہو گیا اور اُس نے اس دھوکے میں کہ اُس کے میاں ہیں۔ بڑی بڑی گت بنائی پھر محفل بھر میں ایک فرمائشی قہقہہ پڑا اور مصاحب مارے ہنسی کے لوٹنے لگے۔

آزاد۔ آخر یہ وہاں کیا کرنے گئے تھے۔

داروغہ۔ (کھپریل سے دوڑتے ہوئے آئے) کیا ہوا ابھی کیا ہوا۔ خیر باشد کس پر پڑیں تڑاتڑ۔

نواب۔ آپ کے دوست میاں خوجی پر۔

داروغہ اور میاں خوجی میں تو لاگ ڈانٹ تھی ہی اُنھوں نے جو یہ خبر سنی تو بہت ہی خوش ہوئے اور با آواز بلند کہہ اُٹھے کہ یہ خوجا اسی لائق ہے میں بھی بہت خوش ہوا۔

روشن علی۔ اجی سنئے تو لوٹنے لگیے۔ حضرت ڈیوڑھی پر پہونچے تو تپائی پر اونگھ گئے۔ دربان سمجھا کہ بوا زعفران کے میاں ہیں آستے آواز دی کہ بوا زعفران تمہارے میاں آئے ہیں۔ اُس نے باہر آکر دیکھا تو پلنگ میں اور اُنکو افیم سے تھی لفرت۔ بس پھر اللہ دے اور بندہ لے۔ پٹے پکڑ کر خوب تڑاتڑ لگائیں۔ آپ اُس سے اتنا بھی نہیں کہتے کہ میں تیرا میاں نہیں ہوں۔

داروغہ۔ (بہت خوش ہو کر) سزا۔ اس گیدی خر کی سزا (کان میں جھک کر) کیوں بچہ چپتیائے گئے نہ۔ اور عطر مانگو۔

الغرض بڑی دیر تک اندر باہر دونوں جگہ قہقہے پر قہقہے پڑے اور آخر کار میاں آزاد اور خوجی از سر نو نواب اور حاضرین جلسہ سے رخصت ہوئے اور چلے۔ اثنائے راہ میں میاں آزاد مارے ہنسی کے بیتاب ہو ہو گئے اور ایک بار خواجہ صاحب فرماتے کیا ہیں کہ میں نے بھی وہ دہ چٹکیاں لی ہیں کہ زعفران بھی یاد ہی کرتی ہو نگی۔

راوی۔ ذرا ادھر تو چار آنکھیں کیجئے۔ اے پھٹکار ستی بٹی تو بھولی ہوئی تھی مگر اکڑنا نہ چھوڑا۔ واہ رے حیادار۔

آزاد۔ میاں ڈوب مرو جاکر۔ ایک چلو پانی کافی ہے۔ لاحول ولاقوۃ ایک عورت سے ہاتھا پائی میں جیت نہ پائے۔

خوجی۔ جی وہ عورت سو مرد کے برابر ہے۔ جھپٹ پڑے تو آپ کے حواس بھی فنز وہو جائیں۔

جہاز پر سوار ہونیکے شرائط سخت منجانب خواجہ صاحب سیر بحث

میاں آزاد اور خوجی سرا ہوچکر چلنے کی تیاریاں کرنے لگے گوشت اور روٹی اور باقر خانی اور کباب کی فکریں ہونے لگیں اور لد پھند کے اسٹیشن پر چلے۔

خوجی۔ یا خدا بچائیو۔

آزاد۔ ایں! خیر باشد کیا شیطان نے انگلی دکھائی یا نوا زعفران یاد آئی۔

خوجی۔ اجی حضرت یہ تو فرمائیے کہ آپ چلتے کہاں ہیں۔ اُف میدان جنگ میں گولیوں اور چھروں کے منہ میں خدا ہی خیر کرے۔ یار ایک چنے کے برابر گولی میں تو کام تمام ہو جائے گا بھائی کہا مانو۔ حسن آرا سے درگذرو اور زینت النسا کے ساتھ نکاح پڑھوالو۔

آزاد۔ بہت خوب لے بس اب زیادہ بک بک نہ کیجئے۔

خوجی۔ حضرت سینئے چلنے کو تو ہم چلتے ہیں مگر اتنی شرطیں قبول کیجئے تو بسم اللہ ورنہ۔ بندہ رخصت میشود اللہ نگہبان شماست کہیئے تو کہ چلوں۔ ایک ایک شرط ماننی ہوگی ورنہ آپ اپنی راہ میں۔ میں اپنا راستہ لوں۔

شرط اوّل۔ قرولی ہم کو ضرور دے دیجئے۔ اور ایک قرابینچہ بھی ہمارے پاس رہے۔ چلتے ہیں تو مورچے پر آپ اور ایک پھول کی چھڑی تک پاس نہیں۔

دوم۔ برس بھر کے صرف کے لیے افیم اینجانب کو دیجئے میں اپنے لادے لادے پھروں گا۔ ورنہ جماہیوں پر جماہیاں آئینگی اور بیموت اتنا غفیل ہو جاؤنگا۔ آپ تو عورتوں کیطرح نشے کے عادی ہی نہیں مگر بندۂ درگاہ بے افیم پیے ایک قدم نہ چلیں گے۔ وہاں پردیس میں افیم ملے یا نہ ملے کہاں ڈھونڈھتے پھریں گے۔

سوم۔ اتنا بتا دیجئے کہ وہاں بواز عفران کی سی ڈنڈ پیل پنجہ کش دیونیاں تو نظر نہ آئینگی۔ ہوں تو بندہ ابھی سے رخصت ہوتا ہے خدا حافظ۔ اُف فوہ۔ واللہ کیا کس کس کے لاتیں لگائی ہیں اور کیا تان تان کے کلّے بازی کی ہے کہ پلیتھن ہی نکال ڈالا روح پر صدمہ ہے واللہ روح پر۔

چہارم۔ سرا میں اب ہم تمام عمر نہ اتریں گے۔ اور جو جہاز پر کہار ہوئے تو ہم بس ڈوب ہی مریں گے۔ اجی اتفاق ہے ہم ٹھہرے آدمی بھاری بھرکم۔ کہیں پاؤں پھسل گیا اور ایک آدھ ہنڈا اُلٹ گیا تو کہار انجر پنجر ہی الگ کر دے گا۔ لہٰذا کہاروں کی صحبت آج سے الغط۔

پنجم۔ جس رئیس کی صحبت میں دیزا آتے ہونگے وہاں ہم نہ جائینگے نہ جائیں گے اسمیں لالہ نین سکھ ہوں یا لالہ بلدیو۔ اجی بزاز تو ٹھہرے زمین کے گز سب کہیں گھوما چاہیں۔ مگر ہم بہت دیکھ بھال کر جائینگے۔

ششم۔ جہاں آپ چلتے ہیں وہاں کانجی ہوس تو نہیں ہے کہ گرگا کے دھوکے میں کوئی ہم کو کان پکڑکے کانجی ہوس پہونچائے۔ ذرا یہ دریافت کر لیجئے گا۔

ہفتم۔ ٹٹو پر ہم سوار نہ ہوں گے اسمیں چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے

ہشتم۔ میٹھے پلاؤ روز پکیں

نہم۔ ہم کو میاں خوجی نہ کہنا۔ جناب خواجہ صاحب قبلہ کہا کیجئے یہ خوجی کیا معنی۔

دہم۔ مورچے پر ہم نہ جائیں گے۔ بس باورچی خانہ کا انتظام ہمارے تعلق رہے اور لوٹ ماریں جو کچھ ہاتھ آئے وہ بھی ہماری تحویل میں رکھا جائے

یازدہم۔ حسن آرا کے نام ایک خط روز اور ہر خط میں ہماری طرف سے بندگی بلکہ دعاے خیر۔

دوازدہم۔ گولی کھانے کے تین گھنٹے قبل اور مرنے کے دو گھڑی پیشتر ہمیں اطلاع کر دینا۔

سیزدہم۔ جو ہم خدانخواستہ داخل خلد بریں ہوں تو لاش کو ہندوستان میں پہونچوانا اور جہاں والد مبرور کی لاش دفن ہو وہاں ہی دفنانا لیکن ہم کو خود ہی نہیں معلوم کہ پدر بزرگوار مرے کب اور دفنائے کہاں گئے اور تھے کون۔ آپ ذرا پتہ لگا لیجئے گا اور تربت پہلو بہ پہلو بنوا لیجئے گا اگر اُن کی تربت نہ ملے تو کسی قبرستان میں جا کر جو سب سے بہتر قبر بنی ہو بس اُسی کے قریب ہم کو بھی دفنانا اور لکھ دینا کہ یہ اُن کے والد ماجد کا مزار شریف ہے۔

چہاردہم۔ پینک کے وقت ہم کو ہرگز نہ چھیڑنا۔ اُسوقت یہاں استغراق کی کیفیت ہوتی ہی۔ اتنی شرطیں اگر بسرو چشم قبول ہوں تو چشم ماروشن دل ماشاد خانۂ احسان آباد ورنہ خوجی نہ میاں آزاد

آزاد۔ گیارھویں شرط بسرو چشم منظور۔

۲۔ بارھویں شرط بڑی کڑی ہی۔ مرنے کے دو گھڑی پیشتر کہدیں گے کہ اب چل چلاؤ لگ رہا ہے مگر گولی کھانے کے تین گھنٹے قبل بتا دینا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔

۳۔ اور بھائی سنو۔ خواجہ صاحب تو ہم سے نہ کہا جائیگا۔ ہم تو خوجی ہی خوجی کہا کریں گے۔

۴۔ ہاں یہ شرط کیے لیتے ہیں کہ نہ تو وہاں پواز جعفرانا ہونگی نہ بزاز نہ کابکی ہوس۔ آپ خوب مزے سے جہاں چاہئے گھانس چریئے کوئی چوں تک تو کرے گا نہیں۔ اور کہار کا تو جہاز پر عکس نہ پڑنے پائے گا۔

۵۔ ایک قرولی ایک قرابین ایک پتھر کلا ایک دھرتی دھمک توپ آپ کو خرید دیں گے آپ مزے سے توپ کو کاندھے پر لادے یا ہاتھ میں لیے جہاں چاہئے جایئے۔

۶۔ افیم بمبئی میں آپ کی پیٹھ پر لاد دیں گے۔ گھبرایئے نہیں۔ کہئے اب تو چلئے گا۔ یا اب بھی مچلیے گا۔

خوجی۔ بسم اللہ کمر کسئے۔

میاں آزاد۔ ؎ لائے اُس بت کو التجا کرکے + کفر توڑا خدا خدا کرکے + اب راستے میں راگ نہ لایئے گا۔

خوجی۔ ایک بات اور باقی رہ گئی۔

آزاد۔ بس لگے ہاتھوں وہ بھی کہہ ہی ڈالیئے۔

خوجی۔ میں اپنی دادی جان سے تو پوچھ لوں۔

آزاد۔ معاذ اللہ کیا ابھی وہ زندہ ہیں جیتی جاگتی عاقبت کے بورئیے سمیٹنے آئی ہیں کیا۔ خدا جھوٹ نہ بلائے تو آپ کوئی پچاس کے پیٹے میں ہوں گے اور وہ نیکبخت اس حساب سے کم سے کم کیا ڈیڑھ سو برس کی بھی نہ ہوں گی۔

خوجی۔ میاں اپنا کام کر وہیں دل لگی کرتا تھا۔ اُن کی تو ہڈیوں تک کا پتا نہ ہو گا۔

ایک کنجوس رئیس کی ملاقات اور اُسکے بخل کے حالات

الغرض میاں آزاد اور خوجی صاحب نے اسباب کسا اور اسٹیشن پر داخل ہوئے۔ میاں خوجی کو روپیے دیئے کہ ٹکٹ لاؤ حضرت جا ڈٹے اور جسوقت گھنٹی ہوئی ٹھن ٹھن۔ اور کانسٹبل نے کہا کہ کانپور کے سانڈ چلو ٹکٹ بٹ رہا ہے۔ خوجی بھی لپکے اور وہ ریلا آیا کہ خدا کی پناہ۔ ایک ایک پر دس دس گرے پڑتے ہیں میلا ٹھیلا کے دس بارہ کشیدہ قامت جوانوں میں حضرت خوجی جو چلے۔ تو چلنے لگے وہ ڈنڈ پیل لحیم و شحیم کرارے جوان۔ یہ بیچارے نیمجان قد ماشاءاللہ پون انچ کا بہت ہی گھبرائے اور یار لوگ جو بھڑ بھڑا کر دھنس پڑے تو

اُنکے ہاتھ پاؤں گویا شکنجے میں کس گئے۔ جب کھُلنے لگے تو غُل مچایا کہ لانا قرولی۔ دو ایک کو تو یہاں ہی شہید کر دوں۔ اتنا سُننا تھا کہ بھیڑ کائی کی طرح پھٹ گئی اور میاں خوجی دُرّاتے ہوئے ٹکٹ کی کھڑکی کے پاس پہونچے۔

خوجی۔ بابو صاحب ٹکٹ دیجئے۔

بابو۔ گول مت کرو۔ (غل مت کرو)

خوجی۔ ابی غل تو سُنتے ہو۔ مگر اس غول بیابانی پر نظر ہے۔

بابو۔ چپ۔

خوجی۔ چپ! یہ چپ کیسی ٹکٹ دیتے ہو یا میں اسٹیشن ماسٹر سے رپٹ بولوں پھر۔

یہ گفتگو ہوہی رہی تھی کہ پھر ریلا آیا۔ وہ ریل پیل کہ میاں خوجی کے چھکّے ہی بگڑ گئے رپٹ وپٹ سب بھولے اور کوٹھی میں قدم پیچھے ہٹ گئے۔ خیر بعد خرابی بصرہ خدا خدا کر کے ٹکٹ ملے اور جا کر ریل پر بیٹھے۔ ریل چلی تو میاں خوجی کو آزاد نے جگایا کہ اُٹھیے جناب خواجہ صاحب کانپور آگیا۔

خوجی۔ واللہ بھئی واہ ری ریل۔ ایک ہی مرتبہ کی پینک میں کانپور پہونچ گئے۔

خوب جواب دیا

ریل سے اُترے تو میاں آزاد کو انکے ایک دوست مل گئے۔

آزاد۔ میرزا صاحب آداب عرض ہے۔

میرزا۔ بندگی۔ اخاہ۔ آپ ہیں کہئے مزاج شریف۔

آزاد۔ الحمد للہ۔ اب فرمائیے فرودکش کہاں ہو جیے گا۔

میرزا صاحب نے کہا کہ ہمارے ایک حبیب لبیب کا فلاں مقام پر مکان ہے۔ آپ ایک گھنٹے میں وہاں آئیے تو ملاقات بھی ہو اور مزے سے آرام بھی کیجیے وہ مشہور رئیس ہیں۔

ایک گھنٹے میں میاں آزاد اور خوجی اُن رئیس کے یہاں گئے

آزاد۔ (خدمت گار سے) ہیں تشریف رکھتے ہیں۔؟

خدمتگار۔ جی ہاں جائیے وہ سامنے کمرے میں تشریف رکھتے ہیں۔

آزاد۔ (کمرے میں گھس کر) آداب بجا لاتا ہوں۔

رئیس۔ آپ کہاں سے آئے۔

آزاد۔ السلام علیک۔ آئیے مصافحہ تو کریں۔

رئیس۔ بندگی آپ کہاں سے آئے ہیں۔

آزاد۔ حضرت اس کمرے بھر میں ایک تو کرسی اُس پر آپ ڈٹے بیٹھے ہیں کچھ بیٹھنے کو منگوائیے تو عرض کروں۔

رئیس۔ (جھلا کر) کچھ بیٹھنے کو لاؤ ان کے لیے۔

خدمتگار نے دوسرے خدمت گار سے کہا کہ کرسی اُٹھا لاؤ۔

رئیس۔ (خفا ہو کر) کرسی نہیں ییک ڈنبر لاؤ۔ بدتمیز۔ وہ مونڈھا جو سامنے پڑا ہے اُٹھا دے۔

آزاد۔ (مونڈھے پر بیٹھ کر) کیوں قبلہ یہ ییک ڈنبر کیا ہوتا ہو

رئیس۔ آپ کوئی قاضی ہیں۔

آزاد۔ جی ہاں۔

رئیس۔ اور اوپر سے کہتے ہو جی ہاں۔

آزاد۔ مگر سخت تعجب ہے کہ آپ اور اپنے لنگوٹیے یاروں کو بھول جائیں۔ ؎ گر بہ دولت برسی مست نگردی مردی

رئیس۔ (سُرخ ہو کر) لنگوٹیے یار کیسے۔

آزاد۔ ابے لٹورے ہم کو بھول گیا۔ یاد ہے جب گومتی کے سامنے میدان میں بانے کی کنکیاں ہم سے آپ سے لڑتی تھیں اور میدان ہاتھ گیا تھا اور ادھر سے بھنے ماہی جال کی گول دو پتی کنکیا چھپکائی ادھر سے آپ نے جھنڈی دار کل پتی بڑھائی اور ہم نے آپکے کتنے تارے اور غوطہ دے کر جو ایک گھسّا دیتا ہوں تو وہ کاٹا ہے کہ بھاگے

آج سے ہو۔ مگر واللہ ہو حیادار کہ اب تک چار آنکھیں نہیں کرتے۔

خوجی۔ مگر حضور یہ بھی سات تار پر ہمیشہ گنڈے والا بھیڑیا ہی اُڑایا کیئے اور کیوں نہ ہو پھر میاں ولائتی کے شاگرد ہیں۔ مگر عقل ذرا موٹی ہے۔

اب وہ چکر میں آئے کہ یہ دونوں کون ہیں بھئی کہاں سے آمرے ہیں ایک تو کہتا ہے کہ میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ دوسرا میاں ولائتی کا شاگرد بتاتا ہے۔ یہ دونوں کچھ عجیب آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

آزاد۔ کہو مجھئی۔ اب تو پہچانا۔ کیوں چڑا گلخیر د۔

رئیس۔ یہ تو میری لمبی سفید داڑھی۔ اور تم کہتے ہو کہ جھنڈی دار پتنگ لڑایا تھا۔ کہتے ہیں کہ سات تار پر گنڈے والا اُڑایا تھا مجھے حیرت ہے کہ تم ہو کون۔

آزاد۔ واہ اُستاد اس تجاہل عارفانہ کے صدقے۔ اجی ہم وہ ہیں جس کے ساتھ تم میاں عبداللہ کی دکان پر چانڈو کے چھینٹے پیا کرتے تھے۔ بھئی ہم نے تو چانڈو بازی چھوڑ دی۔ مگر شاید تم پیا کرتے ہو کہ اس پیرانہ سالی میں بھی چانڈو ہی پیے جاتے ہو جبھی تو چانڈو کا سا چہرہ ہو گیا

اتنا کہنا تھا کہ رئیس آگ ہو گئے للکارنے ہی کو تھے کہ آزاد نے ایک اور فقرہ چست کیا۔

آزاد۔ حضرت تکلیف نہ ہو تو یہ دو پیسے کسی کو دیجئے کہ پیسے کی گوری اور پیسہ کا حقہ لے آئے۔

رئیس۔ بس چلیے یہاں سے چلیے۔ آپنے کسی کو کنکڑ والا یا تنبولی مقرر کیا ہے چلیے چلیے۔

آزاد۔ اور یہ چونی لیجئے اپنی دکان سے گرما گرم کباب اور شیرمال منگوا دیجئے۔

تب تو رئیس سمجھے کہ یہ بھی کوئی ہیں ایسے ویسے کا یہ خم و دم کجا پوچھا کہ آخر آپ ہیں کون بزرگ۔ اور کہاں سے تشریف لائے ہیں

آزاد۔ بس ہاں اب آپ نے آدمیت سیکھی۔ اب شرفا کی طرح پر بات چیت شروع کی بندہ آپ کے دوست اور اپنے یار میرزا عبدالستار کے پاس آیا ہے۔ مگر مرد خدا ذرا تو اخلاق سیکھو آخر آدمیت بھی کوئی شے ہے یا ہر دم مرکب دخشت ہی پر سوار رہتے ہو بھلے مانسوں سے بھلا کہیں بھلے مانس یوں ملا کیے ہیں جس طرح آپ ہم سے ملے ہیں لاحول ولا قوۃ۔

رئیس۔ واللہ ہم کو اتنی عمر میں ایک آپ ہی گرد ملے۔

آزاد۔ پھر حضرت ہر فرعونے را موسائے۔

راوی۔ اخلاق بھی کیا چیز ہے۔ صاحب خلق ہر دل عزیز ہے اخلاق تمغائے انسانیت ہے۔ اخلاق جوہر آدمیت ہے جس انسان میں خلق نہیں وہ گل ہے جس میں بو نہیں۔ اور دل ہے جس میں کیفیت سرور ایک مو نہیں کج خلق آدمی کو ہمیشہ خبیث ہی پایا جو ملاقات کر گیا وہ بُرا ہی کہتا آیا خوش اخلاقی کو نعمت عظمیٰ اور عطیہ کبرائے سمجھنا چاہئے اگر ہم کسی سے غرور یا تکبر کے ساتھ پیش آئے تو اُنکی گرہ سے کچھ نہ جائیگا مگر ایک تو ہماری عادت خراب ہو جائے گی دوسرے رفتہ رفتہ ضعیف الاعتقاد آدمی۔ پھر سو برے سو برے نام نہ لینگے کہ بھئی ایسا نہ ہو کہ کھانا نہ ملے۔ لاحول ولا قوۃ۔

میاں آزاد کچھ مانگنے تو گئے ہی نہ تھے۔ اُنکو کسی کی پروا ہی کیا تھی کسی کے نوکر نہ چاکر۔ نوکری کے خواہاں نہ زر کے طالب ؎

ہر کس کہ بزیر نیم نانے دارد	(کچھ آدھی ہی روٹی پر منحصر نہیں ہے)
وز بہر نشست آشیانے دارد	(صرف جھونپڑے ہی سے مراد نہیں)
نے خادم کس بود نہ مخدوم کسے	(کیا پوچھنا ہے)
گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد	(چین ہی چین لکھتا ہے۔)

میاں آزاد نے اُن رئیس کو ایسا آڑے ہاتھوں لیا اور اس درجہ خفیف کیا کہ وہ بیچارے گردن نیچی کیے اُنکے آوازے چپ چاپ سُنا کیے۔ ادھر اُن کے پٹھو میاں خوجی بھی ہاں میں ہاں ملایا کیے

میاں آزاد کی آنکھیں راستہ دیکھتے دیکھتے پتھرا گئیں مگر اُن کے دوست میرزا صاحب نہ آئے۔

آزاد سوچے کہ میرزا تو ہم سے بھی بڑھ کر آزادہ رو ہیں خدا جانے کہاں رہ گئے اب چلنا چاہیئے۔ خوجی سے کہا کہ اڈے پر سے گاڑی تو لاؤ۔

خوجی۔ گاڑی! لاحول ولا قوۃ۔ اجی اس شیطانی چرخے پر جائیے گا۔ اپنے میزبان سعادت اقبال نشان کی پالکی گاڑی لے لیجئے۔ بس اسٹیشن میں ہم کو اُتار دے۔ بات کرتے تو گاڑی دن سے پہونچ جائے گی۔

رئیس۔ گھوڑا لنگ کرتا ہے اور بابو آج شل ہو گیا ہے۔ کرایہ کی گاڑی منگوائے دیتا ہوں۔

خیرات کے کیا معنی

الغرض میاں آزاد اور خوجی ایک کرایہ کی بگھی پر اسٹیشن کو چلے مگر رئیس موصوف کی زبان سے اتنا بھی نہ نکلا کہ حضرت کھانا تو کھا لیجئے۔ واہ ری انسانیت۔ یہ بھی نہ کہا کہ اسٹیشن پر پھر جائیے گا پہلے دسترخوان پر تو آئیے۔ جب چلنے لگے تو میاں خوجی نے کہا کہ پیر و مرشد آپ نے تو للکار للکار کر اتنا کھانا کھلوا دیا کہ اب چلنا اور قدم اُٹھانا دوبھر ہو گیا جیسے چوہے کو پارہ پلا دیا مگر اُن کے کان پر جوں بھی نہ رینگی کہ بکتے کیا ہیں۔ ایسی مروت کی دم میں موٹا سا رسّہ بشرم چہ کشی ست کہ پیش مرداں آید۔ خیر اسٹیشن پر داخل ہوئے تو سنا کہ ابھی ٹکٹ بٹنے میں کوئی دو گھنٹے کی کسر ہے اب خوجی اور میاں آزاد میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

خوجی۔ توبہ ہی بھلی۔ اچھے رئیس کے یہاں گئے تھے لاحول ولا قوۃ۔ وہ تو کہیئے آپ سا بے تکلف دل لگی باز نہ ہو تو وہ رئیس واللہ گردن میں ہاتھ دے دیتا۔ بیٹھنا اور بات کرنے تک کا روادار نہ ہوتا مگر اللہ میرا جانتا ہے کہ آپ نے بھی وہ سنائیں کہ یاد ہی تو کرتے ہوں گے۔ ایسی کھری کھری کہیں کہ بس گردن ہی نیچی کر لی۔ اور وہ چانڈو پینے کی تو بس ایسی ہوئی کہ واللہ مارے ہنسی کے بُرا حال تھا۔ جب آپ نے کہا کہ اُنے کی کنکیوں کا میدان بڑا تھا تو بہت ہی نیلے پیلے ہوئے مگر کرتے کیا۔

آزاد۔ ارے میاں ہم بھلا چوکنے والے ہیں۔ نہیں بُرا یہ مانا کہ بندگی کا جواب ہی نہیں۔ جاتے ہی پوچھتے ہیں کہ تم کون ہو جی میں نے کہا حضرت پہلے کرسی مونڈھا کچھ منگوائیے پھر منکرین نکیر کی طرح سوال کیجئے۔ جب تم نے میرے کلام کی تائید کی کہ سات تار پر گنڈے والا خوب اُڑاتے ہیں تو بڑے چکرائے۔ مگر نانبائی والے فقرے پر البتہ سرد ہوئے۔ میں نے کہا بنیے ہی دکان سے خیر لال اور کباب منگوا لیئے۔ پوچھتے ہیں کوئی مذکوری ہوں۔ چپراسی ہوں۔ سائیس ہوں۔ آخر یہ سمجھا کیا تھا۔ مگر اپنے دل میں گالیاں ہی دیتا ہو گا۔

اتنے میں ایک شخص نے میاں آزاد کے قریب آ کر کہا حضور غریب الوطن ہوں۔ سادات ہوں تین دن سے اگر ایک دانہ بھی کھایا ہو تو سور کا گوشت۔ بال بچے سب بھوکوں مر رہے ہیں اگر ہو سکے تو ایک آدھ سیر آٹے کی فکر کر دیجئے ثواب ہو گا۔ ع۔ بر کریماں کارہا دشوار نیست ؎ ع۔ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

آزاد۔ ع۔ شاہاں کم التفات بحال گدا کنند ؎ ماشاء اللہ یہ تن و توش یہ ہاتھ پاؤں۔ یہ ڈنڈ بل۔ اور بھیک مانگتے ہو۔ شرم نہیں آتی محنت مزدوری کیوں نہیں کرتے۔ لولے اپاہج لنگڑے اندھے ہوتے تو خیر۔ تمہاری اعانت ہم پر فرض تھی مگر تم کابل اور بدوضع معلوم ہوتے ہو۔ ورنہ بھیک نہ مانگتے۔

خوجی۔ حضرت آپ پر بھی سایہ پڑ گیا ایک پیسہ میں اسکا کام

نکل سکتا ہے۔ آپ نے اتنی باتیں کیں مگر چار دمڑی کا ایک پیسا نہ دیا نہ دیا۔ یہ کون حمیت ہے بھلا ع: پیرزے بدہ درد لیش رلپیز مگو درویش را بشلے بیکار کردے وو کہ لے سائیں یہ لیے جاؤ۔

آزاد۔ آپ تو ہیں پاگل مجھے کتّے نے نہیں کاٹا ہے یہ گرگے بھلا رحم کے قابل ہیں۔

خوجی۔ آخر انکا قصور۔

آزاد۔ بد وضعی کاہلی۔ چانڈو بازی۔ چوری ڈکیتی۔ یہ کسی میں بند تھوڑا ہی ہیں۔

فقیر۔ نہیں حضور اللہ ہی جانتا ہے جو کبھی چوری کی ہو۔ ہاتھ ہی ٹوٹیں۔ غریب الوطن ہیں۔

ایک لالہ صاحب نے کہا غریب الوطن کاہے سے ہو گئے تین پشت سے تو یہاں لکھنؤ میں تم رہتے ہو۔ مگر جہاں پردیسی کو دیکھا اور غریب الوطن بن گئے (آزاد سے) اجی یہ ایک شیخ کا لڑکا ہے تین دفعہ قید ہو چکا ہے۔ ایک مرتبہ تو اس علت میں حضرت ماخوذ ہوئے تھے کہ مہاجن کے گھر پھاندے اُسکے لڑکے کے ہاتھ سے کڑا نکالا ہی تھا کہ جاگ ہو گئی۔ اور ایک اہیرن جو وہاں رہتی تھی اُس نے انکو پکڑ لیا۔ ڈیڑھ برس کی سزا پائی۔ پھر ایک جولاہے کے چھپّر میں آگ لگا دی پکڑے گئے اور دو برس کو صاحب مجسٹریٹ نے بھیجدیا۔ پھر چھوٹے تو ایک مولوی صاحب کے ہاتھ دو چار کتابیں بیچیں۔ وہ چوری کی تھیں۔ غرض کہ ان کو عمر بھر چوری چکاری ہی کرتے گذری۔

آزاد۔ (خوجی سے) آداب عرض ہے۔ کیوں ہم کیا کہتے تھے اجی ان لوگوں کی تو قبر تک سے ہم واقف ہیں۔

خوجی۔ (فقیر سے) اور تم تو سیدھے بنے تھے۔ لاحول ولا قوۃ۔ بس سامنے سے دور ہو۔

تھوڑی دیر کے بعد غل غپاڑے کی آواز کان میں آئی اور ایک عورت چلّائی کہ دوڑو چور ہے۔ خوجی اور میاں آزاد جو لپکے کہ دیکھیں معاملہ کیا ہے تو دیکھتے کیا ہیں کہ وہی حضرت پکڑے گئے ہیں۔ ایں خیر تو ہے۔ دو چار آدمیوں نے کہا کہ یہ شکل وصورت دیکھیے اور یہ افعال دیکھیے اس عورت بیچاری کی گٹھری لے کر بھاگنے ہی کو تھے کہ لوگوں نے دیکھ لیا اور اُس نے غل مچایا وہ تو کہیئے کہ دیکھ لیا ورنہ آنکھ چوکتی تو حریف لے ہی اُڑا تھا۔

آزاد۔ کیوں جناب خواجہ صاحب ذرا ادھر تو چار آنکھیں کیجئے کیوں ہم کیا کہتے تھے۔ آخر وہی بات نکلی نا۔ بھئی حق یوں ہے۔ کہ ہندوستان میں خیرات کا طریقہ حد بھر بُرا ہے۔ آنکھ بند کی اور روپیہ لٹانا شروع کیا۔ مستحق اور غیر مستحق میں تو کچھ فرق ہونا چاہیئے یہ نہیں کہ جس نے سوال کیا اس کو دے نکلے اور سمجھے کہ ہم بڑے مخیر ہیں واہ کیا مخیر ہیں۔ دے ایسے کو جو ہماری مدد کا صریح محتاج ہو۔ نہ ایسے بدمعاش عیاش اوباش کو جو پیسا پاتے ہی چانڈو خانے پہونچے۔ یا ساقن کی دکان پر دم لگائے یا قمار خانے میں داؤں پر رکھ دے۔ ایسے حضرات ذات شریف کو دینا گویا بدوضعی اور بدمعاشی کا معین ہونا ہے یہ جتنے فقیر نظر آتے ہیں ان میں فی صدی نوّے ایسے ہی پائیے گا بھیک کو بھی ان حضرات نے ایک پیشہ مقرر کر لیا ہے۔ اندھا مانگے دیکھو ہم کھٹ سے دیتے ہیں یا نہیں مگر ایسوں کو تو چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے ایک حبہ نہ دوں گا۔

شراب خانہ خراب

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک شخص نے میاں آزاد سے کہا کہ حضرت ذری یہ خط تو پڑھ دیکھئے۔ آزاد نے خط لیا اور کھولا۔ اور پڑھ کر سنانا شروع کیا۔

خط

محبت مے و معشوق ترک کر آتش	سفید بال ہوئے موسم خضاب آیا

سرور بادۂ فتوت سلامت - بوتل بوتل بند گیات اور کباب کباب کو رنتات کے بعد شراب مطلب کو یوں لنڈھاتا ہوں -

خوجی - بہت ہی خاصے - یہ تو کوئی پیر مغاں کے بھی چچا ہیں بھئی اور بند گیات کی بھی ایک ہی کہی -

آزاد - سنتے جائیے - لنڈھاتا ہوں - خیر آجکل کوہ شملہ پر بہار بھی ہے لالہ زار بھی - گل اندرت بابر بھی ہے مگر نہیں ہے تو ہمارا یار نہیں ہے - اور تو سب سامان موجود ہے مگر میر صاحب مفقود - بادہ گساروں کی یہاں آجکل رتی خوب بھگی ہوئی ہے شراب نے وہ ہاتھ پاؤں نکالے ہیں کہ کوئی کوچہ و برزن نہیں جہاں اس دخت رز کے عشاق زار و مست و سرشار اپنی ترنگ میں جھومتے نظر نہ آتے ہوں خیر کوچوں اور گلیوں تک تو خیریت تھی اب بڑے بڑے اور خاص خاص بازاروں تک میں ان حضرات بدمست نے گھومنا شروع کیا ہے وہ ہجوم رہتا ہے کہ بعض اوقات راہ چلنا دشوار ہو جاتا ہے - اہل پولیس کہاں تک انتظام کریں اب ساری خدائی کو تو حوالات میں بھیجنے سے رہے - مگر افسوس کہ حضرات ناعاقبت اندیش ذرا نہیں سوچتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور ان کا بھی کیا قصور اس شراب خانہ خراب کی خاصیت ہی یہ ہے کہ جب ایک دفعہ منھ لگی پھر گلے کا ہار ہو گئی - ع چھٹتی نہیں ہے منھ سے یہ کافر لگی ہوئی :: آپ بھی اب بوڑھے ہوئے ابتک قرابے کے قرابے لنڈھائے بوتلوں پر بوتلیں پی گئے - کوٹھیاں خالی کر دیں اب کچھ عاقبت کا بھی خیال ہے میاں غفلت تابکے - اور بیہوشی تابکی - آپ کا وہ نامۂ عنایت میرے پاس آیا جس میں آپنے لکھا ہے کہ - ع

گویند مرا کہ دوزخی باشد مست	قولیست خلاف دل در و نتوان بست
گر عاشق ست دوزخی خواہد بود	فردا بینی بہشت ہمچو کف دست

یار تم مطلب وطلب تو خاک بھی نہیں سمجھتے مگر ان رباعیوں نے تمھاری مٹی ہی سہی اور بھی پلید کر دی - آپکا وہ تیسقہ اینقہ بھی میں سنے غور سے پڑھا جس میں آپ نے حضرت عمر و خیام کی یہ رباعی لکھی ہے - ع

گویند مرا کہ مے پرستم ہستم	گویند مرا عارف مستم ہستم
درظاہر من نگاہ بسیار مکن	کاں در باطن چنانکہ ہستم ہستم

یہ سچ مگر اب ظاہر ہے تو آپ کا باطن اور بھی خراب ہے - بھائی سنو یہ کہدینا کہ ہم تو صاف باطن ہیں ہم ایک خدا کو مانتے ہیں دوزخ ایک شرعی دھڑکا ہے - بہشت باغ ہے - یہ تو نہایت ہی آسان باتیں ہیں - مگر صاف باطن ہونا منہیات و معصیات سے احتراز کرنا سالک مسلک خیر ہونا دل لگی نہیں ہے - دو چار واقعات شملہ ذیل میں آپ اور آپکے ساتھیوں کی عبرت کے لیے لکھتا ہوں غور سے سنئے -

کل شام کا ذکر ہے کہ ایک صاحب رند میخوار کلوار کی دکان سے خوب شرابیں پی کر یہ غزل پڑھتے ہوئے جھوم جھوم کر سڑک پر جاتے تھے - ع

ہاں کھلے ساقی در میخانہ آج	خیر ہو بھر دے مرا پیمانہ آج
ناز کرتا جھومتا مستانہ وار	ابر آتا ہے سوے میخانہ آج
بوسۂ لب حسن کے صدقے میں دے	او بت ترسا ہیں ترسانہ آج
عشق چشم مست کا دیکھو اثر	پاؤں پڑتا ہے مرا مستانہ آج
میرے سینے کی الٰہی خیر ہو	ہے بہت مضطر دل دیوانہ آج
محتسب کا ڈر نہیں بسمل تمھیں	سوے مسجد جاتے ہو رندانہ آج

یہ پڑھتے ہوئے دوسرے کلوار کی دکان پر داخل ہوئے اور وہاں غل مچایا کہ آسمان کو سر پر اٹھایا - اتنے میں تین چار

دھوبی شراب کے نشہ میں چور اٹھو کھڑے ہوئے اور حضرت رند سے چت پٹ کی ٹھہری۔ پھر اتنا پٹے کہ عمر بھر نہ بھولیں گے۔

اب سنیئے کہ موئے پر سو دُرّے۔ ایک تو یہ بے عزّتی ہوئی دوسرے طرّہ اُسپر یہ ہوا کہ کانسٹبل نے چالان کر دیا۔ لاحول ولا قوۃ۔ غیرت دار کے لیے ڈوب مرنے کی جگہ ہے۔

پرسوں شام کی واردات سنیئے کہ آٹھ بجے کے وقت بندہ سیر گشت کو نکلا بازار میں دیکھا کہ اژدہام عام ہے اور ایک شخص گلا پھاڑ پھاڑ کر چلّا رہا ہے کہ پیٹا پیٹا۔ قریب جا کر دیکھا تو ایک شرابی ایک حلوائی کو پیٹ رہا ہے۔ اُنکا بھی چالان ہوا حضرت ایک شریف زادے ہیں مگر صحبت بد کا بُرا ہو کہ کہیں کا نہ رکھا۔ لاحول ولا قوۃ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ ایک شخص نے شراب کی ترنگ میں ایک بیچارے معصوم لڑکے کو بیوجہ بے سبب کاٹ کھایا۔ اور وہ بیچارہ بلبلانے لگا۔ آخر کار دو تین خدا ترس آدمیوں نے اُسکو اُس ظالم بدمست کے پنجے سے چھڑایا مگر اُس نے ایک ایک کو ہزار ہزار صلواتیں سُنائیں اور شر ذانے بھاگ کر اپنی راہ لی کہ مفت میں کہیں لینے کے دینے نہ پڑیں اُسکو بھی اہل پولیس نے گرفتار کر لیا تو کہتے کیا ہیں بس بے چپراسی میں نشے میں ہوں۔ اسوقت طبیعت پر قابو نہیں چلتا - جو ہم کو مجسٹریٹی لیجائیگا تو ہمارے یار تجھکو حلال ہی کر ڈالیں گے۔

ایک اور واقعہ بھی قابل گذارش ہے۔ رات کا وقت - ایک بجے کا عمل چو طرفہ تاریکی چھائی ہوئی یکایک شور و غل کی آواز آئی چونک پڑا۔ خیر تو ہے بھئی۔ یہ غل کیسا برآمدے پر جا کر دیکھتا ہوں تو تین چار بھلے مانس اور بڑے مشہور مہذّب آدمی باہم جوتی پیزار کر رہے ہیں۔ پولیس والے نے جو ڈانٹا کہ بھلا آدمی پی کر سڑک پر دنگا کرتے ہو۔ پکڑ کے چلوں گا چوکی پر ایک بابو صاحب جو اُسی غول بیابانی میں تھے بول اُٹھے کہ شالا ہمارا کلکتہ نہ ہوا نہیں تو ہم تم کو جھاڑو سے مارتا۔ دوسرے بابو صاحب نے فرمایا کہ اگر ہمارے کلکتہ میں ہوتا تو تم کو ہم ہُگلی میں ڈبو دیتا غرض کہ شراب خانہ خراب کی پوری پوری ہجو کروں تو دفتر کے دفتر لکھ ڈالوں۔

ایک حضرت بادہ گسار شب کے وقت کوئی دو بجے حلوائی کی دکان کے شٹر توڑے ڈالتے تھے کہ ہم کو سیر دودھ بھی ماخوذ ہوئے اب فرمائیے شراب چھوڑ دیجے گا یا نہیں۔

(آپ کا دوست رازداں)

آزاد۔ واہ مولانا۔ یہ ریش مبارک اور یہ بادہ گساری۔ ان سفید بالوں کی تو شرم رکھو۔ ع

چو پس از سرت یک سر مو نرفت ۔۔ سیاہی ز مو رفت و از دل نرفت

میر صاحب۔ ع

دوزخ میں جلیں گے مے کے پینے والے ۔۔ توبہ خاور ہزار توبہ خاور

بھائی جان یہ خط ہمارے پڑوسی کے نام آیا ہے ہم سے بھلا کیا واسطہ بدخط لکھا تھا اس سے ہمنے کہا کہ کسی اور سے پڑھوائیں۔

خوجی۔ اے لعنت خدا اور اوپر سے جھوٹ بولتے ہو۔

خیر ریل پر سوار ہوئے اور چلے تو میاں آزاد اور خوجی کے کمرے میں ایک گنوار اور ایک وضعدار بھی بیٹھے تھے۔ گنوار کو دیکھ کر میاں خوجی نے کہا کہ طوطی را با زاغے در قفس کردند۔ اتنے میں گنوار نے پاؤں بڑھایا اور بنچ پر دراز ہوئے پھر دوسرا پاؤں بڑھایا تو کھٹ سے میاں خوجی کے سر پر پڑا۔

خوجی۔ (چھینک سے چونک کر) او گیدی بدتمیز۔ نکالوں قرولی پھر (آزاد سے) ارے! قرولی لے دینا تو آپ بھول

گنوار۔ ہم چار ناہیں ہیں بجبدہ۔ ہم سے گالی گپتا نہ بکو جیسے تم ہو کرایہ دیو ہم ہو دیا پھر تم، ہم کا دھکیلت کاہے کا ہو۔

خوجی۔ بہت کون دون کے بھروسے نہ رہنا۔ میں کا نوں میں بسر کر دوں گا۔ اب کی ریل سے اُترتے ہی قرولی لے لیتا ہوں۔

وضعدار۔ (گنوار سے) ابے چپ نہیں رہتا۔ بیکار ٹیں ٹیں لگائی ہے۔

آزاد۔ حضرت ان گنواروں کے ہاتھ سے خدا بچائے۔ دیکھیے ایک آپ ہیں کہ کس تہذیب کے ساتھ بہ لطف و مروت ملتے ہیں اور ایک وہ حضرت ہیں کہ پھاڑے کھاتے ہیں اکڑے ہی جاتے ہیں۔ خیر تھوڑی دیر کے بعد میاں آزاد نے ایک شعر پڑھا۔ ؎

عاشق شبِ وصال میں گھبرائے جاتے ہیں
تپ چھلے سے جان مرغِ سحر کھائے جاتے ہیں

سبحان اللہ کیا نوز کا مطلع ہے۔

خوجی۔ ایک مطلع اسیر ہمیں بھی یاد آیا ہے۔

نام خدا وہ ناز سے اترائے جاتے ہیں
چوٹی کا بوجھ پڑنے سے بل کھائے جاتے ہیں

دوسرے کمرے سے آواز آئی ؎

دل کو ہم اپنے کہکے یہ سمجھائے جاتے ہیں
کر صبر تھوڑی دیر کہ وہ آئے جاتے ہیں

تیسرے کمرے سے ایک صاحب بول اُٹھے۔ ؎

کوئی تو انکے وصل سے ہوگا شگفتہ دل
پھولوں کے ہار چوک سے منگوائے جاتے ہیں

چوتھے کمرے سے کسی نے لہرا لہرا کر گانا شروع کیا۔ ؎

کیا جانیے کہ وصل میں کیا بات ہو گئی — آنکھیں نہیں ملاتے ہیں شرمائے جاتے ہیں
دل میرا لیکے کیا کہیں بھول آئے ہیں حضور — کھوئے ہوئے ہیں آپ جو کچھ پائے جاتے ہیں
کالے ڈسیں جو زلف تمھاری کبھی چھوئیں — لو اب تمھارے سر کی قسم کھائے جاتے ہیں

آزاد۔ خدا کی قسم جو اپنے ہم چشم با وضع شریف خوش فکر آدمیوں کا ریل پر ساتھ ہو تو جی خوش ہو جاتا ہے اور جو گنوار لٹھ مار داڑھیوں کا ساتھ ہوا تو معاذ اللہ ناک میں دم آجاتا ہے۔ جان عذاب میں ہو جاتی ہے اول تو قطع ماشاء اللہ قابل دید ہے اور گفتگو تو سننے ہی کے لائق ہے۔ واللہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوہ ہمالیہ کی چوٹی پر چڑھ کر پتھر لڑھکا رہے ہیں ہم تو جب ریل پر جاتے ہیں بس یہی دعا مانگتے ہیں کہ یا خدا اہل شہر با وضع خوش قطع فہمیدہ و سنجیدہ خوش فکر و بذلہ سنج آدمیوں کا ساتھ ہو۔

وضعدار۔ حضرت پان ملاحظہ فرمائیے۔

آزاد۔ تسلیم مجرا۔ ؎

ز برگ پان چناں ممنون احساں مو بمو گشتیم
بہ باطن قوت دل شد بظاہر سرخرو گشتیم

خوجی۔ (وضعدار سے) مگر یہ کہاں کی الٹا منت ہے قبلہ و کعبہ کہ ایک کی تو تواضع کی اور دوسرے کو صفایا بتایا۔ ایک گلوری ادھر بھی بڑھائیے۔

وضعدار۔ معاف کیجئے گا لیجئے بسم اللہ۔

خوجی۔ آداب۔ حضرت تھوڑی دیر میں ایک گلوری دی، دیکھیے گا

ادھر ان حضرات میں تو گفتگو ہو رہی تھی اُدھر گنوار بڑے غصے میں بیٹھے ہیں کہ ان سب کی کاؤں کاؤں سے اپنی نیند حرام ہو گئی ایک اس درجے میں شعر پڑھتا ہے۔ دوسرا اُس درجے میں اپنی مٹی بے طور پلید ہوئی۔

بنے ہوئے سدھو کی درگت

ادھر مشاطۂ روز نے معشوقۂ صبح کے پیارے پیارے مکھڑے کو غازۂ شفق سے منور کیا۔ اور مہر جہاں تاب کے نور عالم افروز نے ذروں کو ہمسر قمر کیا۔ اُدھر ہمارے شفیق بالتحقیق جناب خواجہ صاحب

مسخروں کے مسلم الثبوت اُستاد گردوں دوودی یعنی ریل گاڑی سے اسٹیشن کے چبوترے پر آئے۔ آزاد اسٹیشن کے بیل بوٹوں کی طراوت دیکھ کر عش عش کرنے لگے اور میاں خوجی سے یوں مخاطب ہوئے۔

آزاد۔ جس طرح مقناطیس پتھر کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اسیطرح سبزہ زار پر بہار کو بھی حضرت کردگار جہاں آفرین نے وہ خاصیت بخشی ہو کہ نظر اُس کی عاشق زار ہے۔ سبزہ نظر آیا اور روح وجد کرنے لگی۔

خوجی۔ اور جس طرح زاہد سبحہ شمار کو ہر دم حور اور شراب طہور اور سلسبیل و کوثر اور شجر طوبیٰ کے ثمر کی فکر رہتی ہو اُسی طرح اینجانب کو ہر وقت چنیا بیگم کے وصال کا اشتیاق رہتا ہو چانڈو کے لمبے کی لو سے صبح و شام لو لگی رہتی ہو پیچ کہئے گا چنیا بیگم سے زیادہ سبزہ رنگ بھی کوئی معشوق نظر سے گذرا آپ کو گھانس پھونس ہی کی پڑی ہو۔ یہاں ڈبیا کو جو خالی دیکھا جمائیاں آنا شروع ہوئیں۔

آزاد۔ آپ تو ہیں مسخرے۔ اور میری روح اسوقت واللہ وجد کر رہی ہو اس گلکاری کو تو دیکھیے۔ باد بہاری بھی عجب ناز معشوقانہ سے اٹکھیلیاں کرتی ہوئی بیل بوٹوں کی بلائیں لیتی ہو۔ واللہ اسٹیشن بھر کو تختۂ زمردین بنا دیا۔ پھولوں کو دیکھیے خوش رنگ و خوشنما۔ بیلوں کو دیکھیے خضارت انتہا جس طرف نظر پڑتی ہے بہار روح افزا ہی نظر آتی ہو۔ اس سے مکین کا سلیقہ ظاہر ہوتا ہو اور مکان کی رونق دوبالا ہو جاتی ہو مگر ہندوستانیوں کو نہ تو مکان کی صفائی کا خاک خیال ہو اور نہ علم نباتات کی طرف ان کی طبیعت مائل ہو ایک مرتبہ ایک بڑے وسیع و فراخ و دلکش اور دل کشا باغ میں ہم نے دیکھا کہ صدہا گلبدن اور غنچہ دہن لیڈیاں انواع و اقسام کے گملے خوش رنگ قرینے کے ساتھ سامنے رکھے ہوئے بیٹھی ہیں اور سیکڑوں جنٹلمین باغ بھر میں گھوم رہے ہیں اور پیارے پیارے پھولوں کو دیکھ کر جامے میں پھولے نہیں سماتے۔ وہ وہ گلدستے وہ وہ خوشنما اور دلربا پھول کہ انسان ایک نظر دیکھے تو باغ باغ ہو جائے۔ پھر ایک مرتبہ ایک دوست کے ہمراہ ہم ایک ایوان سپہر توامان میں گئے جہاں میزوں اور بنچوں پر ڈالیوں اور ناندوں میں ہزارہا پھول اور گلبن دیکھنے میں آئے۔ کئی صاحبوں نے انعام پائے یہ پھولوں کی نمایشگاہ کا ذکر ہے۔ ہندوستانیوں کو اسقدر دماغ کہاں کہ وہ ان دل خوش کرنے والی باتوں کی طرف توجہ کریں اور انگریزوں میں کوئی بنگلہ کوئی کوٹھی ایسی پائیے ہی گا نہیں جہاں باغ اور گل اور سبزہ نہ ہو۔

خوجی۔ ان کو کھانے کو تو ملتا ہی نہیں۔ آپ کوٹھی اور باغ اور گل و بلبل لیے پھرتے ہیں ارے بھائی یہ سب بیفکری کی باتیں ہیں جب روپیہ پاس ہوتا ہے تو اس وقت سب سوجھتی ہو یہاں تو

شب چو عقد نماز بر بندم	چہ خورد بامداد فرزندم

کا نقشہ ہو۔

آزاد۔ واہ ابھی شوق ہی نہیں۔ حوصلے پست۔ دل بجھے ہوئے کاہلی کے ہاتھ بکے ہوئے۔ جن لوگوں کے پاس لاکھوں روپیہ ہو وہ کب ان امور کی طرف مخاطب ہوتے ہیں۔

اتنے میں اسٹیشن کے باہر پہونچے تو دیکھا کہ غل مچ رہا ہی الٰہی خیر۔ یہ جھگڑا کیسا ہو۔

آزاد۔ جناب خواجہ صاحب ذرا دیکھیے تو یہ غل کیا مچ رہا ہو۔

خوجی۔ ابی حضرت اب کہیں ٹھکنے کا سہارا کیجیے۔ غل غپاڑا تو مچا ہی کرتا ہے۔

آزاد۔ ذرا بھئی ذرا دریافت تو کرو۔ یار حد بھر کاہل ہو۔

آزاد اور خوجی دونوں گئے اور بھیڑ کاٹ کر اُس غول کے اندر داخل ہو گئے تو دیکھا کہ ایک شخص گیروے کپڑے پہنے کھڑا ہے اور ارد گرد میلا جما ہے حضرت کی قطع فقیروں کی سی ڈاڑھی بکشت دو انگشت۔ بال کمر تک۔ مونچھیں منڈی ہوئیں۔ ادھیڑ ہیں کوئی پچاس کے پیٹے میں۔ مگر چہرہ سُرخ جیسے لال انگارا اور آنکھیں آگ بھبوکا۔ حیرت تھی کہ یا الٰہی ماجرا کیا ہے۔ لوگوں سے پوچھا تو سب کے سب خاموش۔ مگر جسے دیکھتے ہیں اُسے متحیّر ہی پاتے ہیں۔

آزاد۔ (ایک مسلمان سے) کیوں بھائی صاحب۔ یہ بھیڑ کیسی ہے

مسلمان۔ اجی حضرت زمانے کی نیرنگی ہے۔

دوسرا۔ ہات تیرے کی۔

تیسرا۔	دلم ز صومعہ بگرفت و خرقۂ سالوس کجاست دیرِ مغان و شرابِ ناب کجاست	
چوتھا۔	اے کبکِ خوش خرام کہ خوش میروی بناز غرہ مشو کہ گربۂ عابد نماز کرد	

ہندو۔ نارائن نارائن بُری ہوئی۔

خوجی۔ کیا بُری ہوئی۔ کچھ ہم بھی تو سنیں۔

تماشائی۔ یہ سننے کی باتیں نہیں ہیں۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ اگر سُنے بھی تو کان بند کر لے۔ عبرت! عبرت!! عبرت!!!

آزاد۔ (ایک کانسٹبل سے) کیوں بھئی جوان یہ کوئی فقیر ہیں۔

کانسٹبل۔ اجی حضور یہ فقیر نہیں چنڈال ہیں۔ اب آج ان کی مرمت ہو جائے گی۔

خوجی۔ لاحول ولا قوۃ۔ ایسے نامعقول آدمیوں سے سابقہ پڑا ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ اصل بات کوئی بتاتا ہی نہیں تو یہ تو سب کر رہے ہیں۔ جان عذاب میں ہے۔ پوچھیں کس سے (آگے بڑھ کر) خود فقیر ہی سے پوچھتے ہیں۔ کیوں باباجی یہ کیا ہوا۔ کچھ ہم بھی تو سنیں۔

ایک آدمی۔ یہ باباجی ہیں آپ کے۔

دوسرا۔ بھئی خوب پہچانا قریب جا کر ذری دیکھیے۔

تیسرا۔ (قہقہہ لگا کر) کیا کھو گئے تھے۔ بہت دن بعد بچھڑے ہوئے ملے گلے تو مل لیجیے۔

خوجی۔ (للکار کر) چپ گیدی لاؤں قرولی۔

کانسٹبل۔ کیا قرولی! اچھے آئے۔ یہ قرولی کیوں آتی ہے کیوں صاحب

خوجی۔ اجی پوچھتے پوچھتے تھک گئے کوئی بتاتا ہی نہیں۔

کانسٹبل۔ بس اتنے ہی کے لیے مجھ سے سنیے۔ یہ فقیر کوئی چار مہینے ہوئے کہ یہاں آیا اور ایک شخص کو اس نے سبز باغ دکھا کر اپنا چیلا بنایا۔ وہ انکے اس درجہ معتقد ہوئے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ انکو بلا تشبیہ خدا ہی سمجھنے لگے (اپنے کان اینٹھ کر) نقل کفر کفر نہ باشد اور حضرت خوب پجنے لگے۔ اب کوئی تو کہتا ہے کہ باباجی نے دس سیر مٹھائی دریا میں ڈال دی اور دوسرے دن جا کر کہا کہ سرجو جی ہماری امانت ہم کو واپس دو۔ بس ایک دفعہ ہی دریا لہریں مارتا ہوا باباجی کے قریب آیا اور دس سیر گرما گرم تازہ بتازہ مٹھائی انکے دامن میں کسی نے آپ ہی آپ باندھ دی۔ کوئی اس درجہ انکے کمال کا معتقد ہو گیا کہ قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا کہ کئی مُردے انھوں نے زندہ کر دیئے بلکہ دو چار تربیت یافتہ لوگوں نے جو اختلاف رائے کیا تو وہ لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس حماقت کو دیکھیے ایک صاحب نے یہاں تک مبالغہ کیا کہ ایک دن موسلا دھار مینھ برس رہا تھا اور اُن پر بوند نے اثر نہ کیا۔ اور غیب سے ایک چھتری کوئی فرشتہ

اُنکو لگائے رہا منہ نے دم کے دم میں جل تھل کر دیا۔ مگر باباجی کے بسم پر ایک بوند تک نہ گری۔

آزاد۔ ابھی پھبتی کہی۔ چکنا گھڑا ہی بنا دیا۔

کانسٹبل۔ کچھ نہ پوچھیے نہیں۔ سنتے سنتے کلیجہ پک گیا۔ اب یار لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ یہ قید خانے سے نکل جائینگے مگر تین دن سے حوالات میں ہیں اور اب ستی بتی بھولی ہوئی ہے

آزاد۔ تو یہ کہیے اپھار نگ جما لیا تھا۔ بڑے رنگ باز آدمی ہیں حضرت

کانسٹبل۔ جی پرلے سرے کے۔ ان کے تو کاٹے کا منتر ہی نہیں۔ میں جو ادھر سے آؤں جاؤں تو روز دیکھوں کہ ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہیں۔ مگر عورتیں زیادہ اور مرد کم۔ ادھر حضرت بیٹھے لہرا لہرا کر گا رہے ہیں مجذوب بنے ہوئے بڑبڑا رہے ہیں جو آتا ہے وہ سجدہ کرتا ہے ماتھا ٹیکتا ہے۔ باباجی دو وقتہ موہن بھوگ اُڑانے لگے صبح کو دودم کھایا اور ڈنڈ پیلے شام کو انواع و اقسام کی نعمتیں چکھیں اور روز نہانے لگے۔ خلقت آپ جانئے بھیڑیا دھسان آپکی دیکھا دیکھی میں گیا میری دیکھا دیکھی آپ گئے اور باباجی کے ہاں روز دربار لگنے لگا رفتہ رفتہ ہیج کوسی آدمیوں نے آنا شروع کیا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ باباجی نے اپنی کوٹھری میں ٹاٹ بچھایا اور ٹاٹ کے نیچے ادھر اُدھر دس پانچ روپے رکھ دیے اور چپکے سے باہر نکل آئے۔ جب کوئی اسّی نوّے آدمی جمع ہو گئے اور باباجی کا دربار خوب آراستہ ہوا تو ایک شخص نے کہا کہ باباجی ہم کو کچھ دکھائیے ہم آپ کے تب ہی معتقد ہوں گے۔ جب آپ ہم کو کچھ دکھلائیں گے باباجی نے آنکھیں نیلی پیلی کیں اور شیر کی طرح ڈکارے۔ بس ضعیف الاعتقاد آدمیوں کے حواس اُڑ گئے کہ اب باباجی کا بحر غیظ و غضب جوش زن ہوا خدا ہی خیر کرے۔ دوچار ڈرپوک آدمیوں نے تو مارے خوف کے آنکھیں ہی بند کر لیں اور باباجی کا چہرہ تمتمانے لگا۔ ایک شخص نے کہا بابا یہ انجان ہے اسپر رحم کیجیے دوسرا بولا کہ نادان ہے جانے دیجیے۔ تیسرے نے اُس سے کہا کہ پاؤں پڑ۔ اور ہاتھ جوڑ۔ تو باباجی کیا کہتے ہیں۔

فقیر۔ نہیں اس سے پوچھو کہ کیا دیکھے گا۔

لوگ۔ کیا دیکھے گا بول۔

شخص۔ میں تو روپیہ کا بھوکا ہوں۔ اور بس۔ دھن دولت زر ثروت چاہتا ہوں۔ بابا جی میں قدرت ہو تو مجھے اسوقت اور کچھ نہیں تو دو ہی چار روپیہ دیدیں۔

فقیر۔ بچا فقیروں کو دولت سے کیا کام۔ مگر اچھا دیکھو منگواتا ہوں چل چل چل چل۔ ہن برسے ہن برسے۔ برسو برسو برسو۔ کھن کھن کھن کھن وہ برسے یہ برسے اچھا بچّا جا فقیروں کی کٹی میں دیکھ۔ ٹاٹ کا کونا اُٹھا پرمیشر نے تیرے لیے کچھ بھیجا ہی ہوگا۔ جا مگر نُر دیکھ کر جو اُس طرف کا سُر چلتا ہو تو جانا نہیں تو زک اُٹھائیگا۔

شخص۔ باباجی دائیں طرف کا سُر چلتا ہے۔ جاؤں۔

فقیر۔ سیدھا چلا جا مگر پیچھے پھر کے دیکھے تو تو جانے گا۔ اور جو وہاں کوئی ڈراؤنی صورت دکھائی دے تو ڈر مت جائیو نہیں تو مر جائے گا۔

ہاں یہ کہنا تو بھول ہی گیا تھا کہ فقیر نے اُس کوٹھری کے ایک کونے میں پردہ ڈال دیا تھا اور اُس پردے میں ایک آدمی کا منہ کالا کر کے اُسکو بٹھا دیا تھا منہ کالا کولا سا اور ہونٹھ لال انگارا۔ ؎

دانت اس کے تھے گورکن قضا کے　　دو تھنے رہ عدم کے ناکے

اب اُن میاں کی ستی بتی بھولی کہ خدا جانے کیسی بھیانک صورت نظر آئیگی۔ ایسا نہ ہو کہیں کہ ڈر جائیں اور جان ہی جاتی رہے تو لینے کے دینے پڑیں۔ باباجی ایک ایک سے کہتے ہیں کہ جس کو روپے لینا ہوں چلے مگر کسی کو جرأت نہیں ہوتی کہ جائے تب تو ایک نوجوان اُٹھ کھڑا ہوا۔

نوجوان۔ لیجئے میں جاتا ہوں۔

فقیر۔ بچا جاتا تو ہے مگر ذرا سنبھلے ہوئے۔ دیکھ ہم نے جتا دیا ہے بچا۔

نوجوان۔ اجی کیسا بچا۔ ہم تمہارے بھی بابا ہیں۔ آپ بھولے کس بھروسے میں ہیں۔ مجھے بھی کوئی وہ مقرر کیا ہے۔ میں ابھی جاتا ہوں آپ وہ مہیب شکل دکھائیے۔

فقیر۔ تیری جوانی پر ترس آتا ہے۔ مت جا۔ کہاں کہاں کہاں

نوجوان۔ (دوڑتا ہوا کوٹھری میں گھس گیا)

ٹاٹ کو اٹھایا اور جتنے روپے رکھے تھے سب حضرت نے جیب میں رکھ لیے چلنے ہی کو تھے کہ پردے میں سے وہ مرد دیو نما تڑاسے نکل پڑا اور انکی طرف دانت کھول کر جھپٹا۔ اور جب کوئی گز بھر کا فاصلہ رہا تو منہ کھول کر چاہا کہ ان کو کاٹ کھائے۔ یہ پھکیت آدمی بس انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جیسے ہی اس نے منہ کھولا بس ویسے ہی انھوں نے لکڑی حلق میں ڈالدی اور پہلے تو اتنی چوٹیں لگائیں اتنی چوٹیں لگائیں کہ بوکھلا دیا اور پھر چپٹ کرات گردیا اتنا گدایا کہ یاد ہی تو کرتا ہوگا۔ اب انھوں نے چاہا کہ اسکو باہر لیجائیں تاکہ خلق خدا پر اس مزور کی قلعی کھل جائے مگر وہ مرد دیو نما بھی آدمی شہ زور تھا۔ ہاتھ چھڑا کر دوسری طرف سے بھاگ کھڑا ہوا انھوں نے روپے ہضم کیے اور اکڑتے ہوئے باہر نکلے تو والی موالی سب دنگ کہ یہ تو خوش خوش آتے ہیں اور ہم سمجھے تھے کہ اب انکی لاش دیکھیں گے اور پیٹتے رہیں گے۔ مگر وہ اور بھی اکڑ رہے ہیں۔

نوجوان۔ (فقیر سے) کہیئے حضرت وہ شکل کیا ہوگئی۔

فقیر۔ تمہاری جوانی پر ہم نے رحم کیا۔

نوجوان۔ رحم وحم تو نہیں پہلے جاکر پوچھیے تو کہ کتنی ہلدی لگائی اگر عقلا وہاں بیٹھے ہوتے تو کچھ بی سمجھ جاتے کہ بابا جی خود ہانپیں لیپ بانی ہی داخلہ تھا باقی خیر صلاح۔ مگر وہاں جتنے بیٹھے تھے سب وعیان خرد ضعیف الاعتقاد۔ بابا جی کے کشف و کمال کے معتقد وہ سمجھے کہ بیشک بابا جی نے اس جوان پر رحم کیا ورنہ زندہ نہ بچتا اور بعض سمجھے کہ نوجوان بھی صاحب کشف و کمالات ہے

بھئی واللہ ضعیف الاعتقادی کے صدقے۔ سچ ہے پیر ما خس است اعتقاد ما بس است۔ خیر صاحب۔ اب بابا جی نے خوب ہاتھ پاؤں پھیلائے۔ ایک روز کسی مہاجن کے ہاں گئے۔ وہاں محلے بھر کے مرد اور عورتیں انکے درشنوں کو جمع۔ اور پھولوں کی برکھا بھی اینپر ہوئی رات کو جب سب چلے گئے تو انھوں نے مہاجن کے لڑکے سے کہا کہ ہم تم سے بہت پرسن ہیں۔ اب ہم تم کو کچھ دیجائیں گے۔ بابا جی کا اتنا کہنا تھا کہ وہ لڑکا انکے قدموں پر گر پڑا۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک کوری ہانڈی لاؤ۔ اور چولھا گرم کرو۔ مگر لکڑی نہ ہو کنڈے ہوں کہار نے سب سامان چٹکیوں میں لیس کردیا۔ آپنے فرمایا کہ پیتل یا لوہے کا ایک پتر لاؤ جو طول میں دو انگل سے زیادہ نہ ہو وہ فوراً ایک لوہے کا پتر لایا۔ بابا جی نے فرمایا کہ اسکو ہانڈی میں ڈال دو اور پاؤ بھر پانی میرے پاس لے آؤ۔ پانی کو لیکر آپنے کچھ پڑھا اور ہانڈی میں انکے سامنے پانی ڈالدیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک پڑیا دی اور کہا کہ سفید سفید دوا اسمیں ڈالدو۔ کوئی آدھ گھنٹے تک بابا جی بیٹھے رہے آدھ گھنٹے کے بعد مہاجن کا لڑکا مکان کے اندر گیا اس موقع کو غنیمت جان کر بابا جی نے لوہے کا پتر نکال لیا۔ اور سونا اپنے پاس سے ہانڈی میں ڈالدیا اور روانہ بازشد۔ مہاجن کا لڑکا جو باہر آیا تو بابا جی ندارد چو طرفہ ڈھونڈھا مگر بے سود۔ ہانڈی کو جاکر دیکھا تو لوہے کا پتر غائب سونے کا ٹھکا موجود۔ محلے بھر میں خبر ہوگئی پھر تو بابا جی کی سب کو جستجو ہوئی اور رفتہ رفتہ نوبت باینجا رسید کہ ایک مالدار کی بیوی نے اپنا زیور دے دیا۔ کہ اسکے سونے کو ایسا کھرا کر دو کہ پچاس کے دو سے بکنے کے لائق ہوجائے بابا جی نے جو کوئی پانچ چھ ہزار کی

رقم پائی تو فقرو - اہل پولیس نے بڑی سرگرمی کی مگر نہ ملے دو طے ایک برس کے بعد پرسوں پکڑ لے گئے - اب ہتھکڑی بیڑی خدا نے چاہا تو چودہ برس کیلیے بھیجے جائینگے - حضرت زمانہ بڑا نازک ہے۔

ایک عروس نازنین کا دلھن بنتے ہی بیوہ ہونا اور خلق خدا کا فرط الم سے آٹھ آٹھ آنسو رونا

اس شہر مینو سواد غیرت بہشت شداد میں میاں آزاد - ؎

ناکوس بادشاہی دست جنوں زدیم
تخت روان آبلہ در زیر پاے ماست

گنگناتے ہوئے آزادانہ و بیباکانہ گھومنے لگے اور انکے شفیق بالتحقیق اور ہمدرد و رفیق میاں خوجی چہرہ زعفرانی برسر اور لباس بیلاتی در بر زضعی قرولی در کمر اس قطع سے ساتھ ساتھ جاتے تھے دونوں بیفکرے وہ دین و دنیا سے آزاد - یہ آزادوں کے بھی اُستاد ع - خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو ٭ جدھر سینگ سمایا اُدھر بستر جمایا - جہاں جی چاہا وہاں پڑاؤ ڈالا ع - نے غم دزد نے غم کالا ٭ فکر کے پیٹ میں بھالا - بقول چہ کتی ست کہ پیش مرداں آید - جو رو نہ جاتا سا اللہ میاں سے ناتا - خیر دونوں یار وفادار بیفکروں آوارہ گرداروں کے سرداروں نے شہر بھر کی خاک چھانی گھومتے گھومتے ایک میدان فراخ میں پہونچے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک اونچے ٹیکرے پر ایک درویش شیخوخیت دستگاہ اور ارد گرد دس پانچ آدمی بیٹھے ہیں - اور شاہ صاحب اونچے سروں میں بھجن داؤدی گا رہے ہیں کہ - ؎

نور نبوی در نظر ماست ہویدا	روشن نظر و عمی را نشناسیم
بر دانش ما انجم و افلاک بخندند	گر صاحب لولاک لما را نشناسیم
فردائے قیامت بپناہی نگریزیم	گر ذرہ خورشید لقا را نشناسیم
فیضی نشود خاتمۂ ما بہ ہدایت	گر ختم اما مان ہدا را نشناسیم

ادھر درویش حق آگاہ عمدہ عرفائے اہل اللہ نے اس غزل نعتیہ کو ختم کیا اور ادھر حاضرین نے باآواز بلند کہا کہ صلی اللہ علیہ آلہ و واصحابہ اجمعین - اتنے میں ایک شخص نے آگے بڑھ کر کہا کہ شاہ جی ایک سوال ہو - جلد اسکا جواب لطف فرمایئے - مجھ سے ایک شخص سے لاگ ڈانٹ ہو - وہ میرا دشمن خونخوار - میں اسکا عدو اور درپے آزار - وہ میرے خون کا پیاسا - میں اسکی جان کا خواہاں اسوقت مجھے ایسا موقع ہاتھ آیا ہو کہ اگر میں اپنے دل کا بخار نکالوں تو وہ تمام عمر مصیبت اور تباہی اور رنج و غم اور ماتم و الم ہی میں بسر کرے اور کرتے دھرتے ایک نہ بن پڑے - وجہ یہ کہ اُسنے نشے کی حالت میں ایک روز سر بازار مجمع میں کروروں گالیاں دیں اور میرے پٹے پکڑ کر دے پٹکا - اور پھر کئی بار پٹخنیاں دیں اور خلق خدا کے سامنے مجھے ذلیل و خوار کیا دوسرے دن جب نشہ ہرن ہوا تو قدموں پر گر پڑا اور خواہاں عفو قصور ہوا درویش - ع - در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست - ان اللہ مع الصابرین - ؎

دارد بزرگی بجہاں ہر کسی امین	من در خطا بزرگم و او در عطا بزرگ

خوجی - واہ اچھی صلاح دی - کوئی پانچ لگائے اور آپ کہیے کہ - ع - در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست ٭ اچھی لذت ہو ہم تو قرولی بھونک دیں - واللہ -

آزاد - (خوجی سے) کیا بکتا ہو نامعقول (درویش سے) آپکی حکیمانہ اور بزرگانہ صلاح قابل صاد ہے (اُس شخص سے) اسی رائے صائب پر عمل کیجیے۔

شخص - چین بجبیں ہو کر کھڑے کھڑے انتقام لونگا ابھی ابھی سمجھونگا وہ تو یہ کہکر چلدیے - مگر میاں آزاد کے دل پر درویش طیب النفس کی صلاح سنے بڑا اثر کیا علما ہکمال کے مزاج داں

تو سمجھے ہی سمجھے کہ یہ کوئی بڑے نامی گرامی بزرگ ہیں۔

آزاد۔ حضرت جی چاہتا ہے عمر بھر آپکی خدمت کیا کروں۔

درویش۔ آپکی نوازش۔ آپکا حسن اخلاق۔ میں تو اس لائق ہوں نہیں۔ مشت خاک مضغۂ گوشت۔ اول منسلاق اضعف العباد۔ ـــہ

در ریاض آفرینش لالہ ساں زولیدہ ام
پالے صد گل داغ بر دل شعلۂ رداماں ما

جب حوالی موالی اٹھ گئے تو میاں آزاد اور خوجی اور وہ درویش خداترس اکیلے رہ گئے۔

خوجی۔ کیوں شاہ صاحب آپ تو تمام شب یاد الٰہی میں مصروف رہتے ہوں گے۔

درویش۔ (آہ سرد کھینچ کر) نہ۔ پانچ وقت نماز پڑھ لیتا ہوں اور دوسرے تیسرے تلاوت قرآن شریف۔

خوجی۔ آپ خدا رسیدہ بزرگ ہیں۔

درویش۔ میں خدا ہی کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ میں خدا رسیدہ کے معنی ہی نہیں سمجھا آج تک۔

خوجی۔ حضور کی دعا میں بڑی برکت ہے۔

روئے مقصود کہ شاہان بدعا می طلبند
مبتش بندگی حضرت درویشاں ست

درویش۔ بھائی میں کیا اور میری دعا کیا۔ اور کھوسرع۔ بے رضائے تو یکے برگ نہ جنبد ز درخت۔ یہ دعا تو صرف تشفی قلب اور تسکین دل کے لیے ہے۔ باقی خیر صلاح۔

خوجی۔ پیر و مرشد یہ سچ فرمایا آپ نے۔ جو روز ازل سے قسمت میں لکھا ہے وہی ہوگا۔ دعا کیا کر سکتی ہے۔

درویش۔ میں قسمت کے لکھے کو بھی نہیں سمجھا کہ اس کے معنی کیا۔ ملا توفیق کشمیری خوب کہہ گئے ہیں۔ ـــہ

بروز حشر الٰہی چو نامۂ عملم
بکن مقابلہ آں را بسر نوشت ازل
گفتند بازگہ آں روز باز خواہ ست
اگر زیادہ دگی باشد آں گناہ منست

آزاد۔ آپکے خیالات نفیسہ کو بعینہ اپنے خیالات کے مطابق پایا اس وقت میرا دل فرط طرب سے جامۂ جسم میں نہیں سماتا۔ معاف فرمائیگا پہلے تو میں یہی سمجھا تھا کہ جیسے اور آدمی درویش باکمال بن بیٹھے ہیں اور عوام کو دھوکا دے کر گمراہ کرتے ہیں اسی طرح آپ نے بھی اس ٹیکرے کو رونق بخشی ہے۔ مگر بحمد اللہ کہ میری رائے غلط نکلی۔ آپ بڑے راست باز اور صاحب طبع رسا اور معدن صدق و صفا ہیں۔ ورنہ لوگ تو فقیر کے پردے میں دام تزویر بچھاتے ہیں اور ضعیف الاعتقادوں کو لوٹ کھاتے ہیں۔

درویش۔ (آہ سرد بھر کر) حضرت کچھ نہ پوچھئے۔ میں نے فقیروں کے بھیس میں سیاحی اختیار کی ہے۔ لیکن جس ملک جس صوبے جس شہر جس قصبے جس گاؤں میں پہونچا وہاں عامہ خلائق نے آن کر گھیر لیا اب کوئی تو کہتا ہے کہ میرا لڑکا ماندا ہے پھونک ڈالدو۔ میں کس کس سے کہوں کہ یہ جھاڑ پھونک سب باتیں ہیں۔ ع۔ بے رضائے تو یکے برگ نجنبد ز درخت۔ ایک تو یوں ہی عصیان کے بحر ذخار میں ڈوبا ہوا ہوں۔ دوسرے شیطان کا مرید بنکر عوام کو گمراہ کروں جھاڑ پھونک کے ذریعے سے انکو بہکاؤں اور انکا مال حرام طور پر اڑاؤں۔ یہ مجھ سے حشر تک نہ ہوگا۔ میں صاف صاف کہدیتا ہوں کہ جھاڑ پھونک سب ڈھکوسلا ہے۔ ـــہ

سرتا سر دفترم سیاہ است
دیباچۂ نامہ ام سیاہ است

کوئی لڑکا مانگتی ہے (مسکرا کر) اور میں بوڑھا آدمی کس کس کو سمجھاؤں کہ ارے خانۂ خدا لاولد خدا کی دین ہے۔ کہیں فقیروں کی دعا سے لڑکے پیدا ہوا کیے ہیں۔ ع۔ بے رضائے تو یکے برگ

نہ جنبد ز درخت ؛ کوئی کہتا ہو کہ آپ کی دعا سے میری شادی ہو جائے تو آپ کی خدمت کروں۔ اب فرمائیے اُنکے لیے بی بی کہاں ڈھونڈھا پھروں۔ ع بے رضائے تو یکے برگ نہ جنبد ز درخت ۔ کوئی آن کر کہتا ہی کہ میں کسی عہدۂ جلیلہ پر ممتاز ہو جاؤں تو آپ کو جاگیر دوں۔ عرض کیا کہ حضرت میں جاگیر سے باز آیا آپ اپنی جاگیر رہنے دیں میں حاکم نہ حاکم رس۔ پھر نوکری میرے امکان میں کہاں بھلا ع بے رضائے تو یکے برگ نہ جنبد ز درخت۔ الغرض میرا تو جینا لوگوں نے دو بھر کر دیا۔ ناک میں دم آگیا۔ جو آتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ کچھ دعا کیجیے۔ اور یہاں دعا جانتے ہی نہیں۔ کہ کہتے کسے ہیں۔ دعا سے ہو کیا سکتا ہو۔ ع بے رضائے تو یکے برگ نہ جنبد ز درخت ؛ افسوس کہ ہم نے کچھ نہ کیا آئے تھے معصوم اور جائیں گے عاصی پُر معاصی۔ ؎

بگریہ زادم و باگریہ از جہاں رفتم — دریں خرابہ چناں کا رم چناں رفتم
چنانکہ شیر کند خواب طفل با شیریں — فزود غفلت من از سفید مویہا

خوجی۔ دونوں اچھے ملے ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے۔

درویش۔ ع بے رضائے تو یکے برگ نہ جنبد ز درخت ؛ اور ہم اسکو بھی دیوانہ پن سمجھتے ہیں کہ املی کی پتیاں کھانے لگے اور ایک ہاتھ کو اُٹھایا تو عمر بھر اُس سے کام ہی نہیں لیتے۔ بولنا چھوڑ دیا۔ اب اشاروں سے باتیں کرتے ہیں۔ یہ سب بناوٹ ہے۔ ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است — از ہزاران کعبہ یک دل بہتر است

بولنا چھوڑ دیا مگر دل ہی دل میں گالیاں دے رہے ہیں ایک ہاتھ سے کام نہیں لیتے مگر دوسرے ہاتھ سے حرام چوری مکاری کا مال صرف کرنے کو مستعد ایسے ریاکاروں سے مرد زیرک کو احتراز لازم ہے۔ اپنا تو یہ مقولہ ہے۔ ؎

گر گوہر اطاعت نہ سفتم ہر گز — ور خاک ز درت بدل نرفتم ہر گز
نومید نیم ز بارگاہ کرمت — زیرا کہ دو را یکے نہ گفتم ہر گز

میاں آزاد اس تقریر سے جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے کھلے جاتے تھے۔ خیر تھوڑی دیر بیٹھ کر رخصت ہوئے اور اسٹیشن پر پہونچے تو وہاں ایک سانحہ ناشنیدنی و عبرت خیز اور واقعہ نادیدنی و حیرت انگیز نے ان کو افسردہ اور پژمردہ کر دیا اس داستان عبرت عنوان و حسرت توامان کے لکھنے سے کلیجہ شق ہوا جاتا ہے اور سر پر قلم صدائے الامان سناتا ہے۔ اُف ہائے افسوس وائے افسوس۔ ہمارے ناظرین باتمکین کے شیشۂ دل پر اس سنگ سانحہ جانکاہ سے ٹھیس لگے گی اور رقیق القلب آدمی آٹھ آٹھ آنسو روئیں گے۔

اب سنئیے کہ ایک زمیندار باوقار متقی و پرہیزگار کے فرزند دلبند و جگر پیوند کا کسی دوسرے گاؤں میں نکاح ہوا اور دولہا دولھن کا اُنھیں کی مرضی سے بیاہ ہوا۔ دلھن اس نوجوان کے گل رخسار پر ہزار جان سے مثل بلبل عاشق تھی اور وہ اُس پیاری لڑکی کے حسن گلوسوز کا شیفتہ و شیدا۔ دونوں نے مُنھ مانگی مراد پائی تھی اور بعد مدت دلی آرزو بر آئی تھی۔ وہ خوش و خرم کہ جس پری پیکر رشک قمر سے آنکھ لڑی۔ وہی ہتے چڑھی یہ ہشاش بشاش کہ جوان طناز پایا جس کے لیے منت مانی تھی اُسی کے ساتھ نکاح پڑھوایا۔ ناظرین فسانہ خود غور کر سکتے ہیں کہ جب کبھی کسی جوان صالح کو حسب دلخواہ گلعذار و طرحدار نیک ذات و پاکیزہ صفات خوش سیرت و خوبصورت پارسا دمہ لقا اور کم سن بیوی ملے تو اُسکو کیا کچھ فرحت و مسرت حاصل ہو گی بس کچھ نہ پوچھیے۔ کوئی پیاری کنواری لڑکیوں اور شریف زادیوں کے دل سے پوچھے کہ اُن کو اس بات کی

کیسی توڑہ رہتی ہو کہ جس لڑکے کے ساتھ اُنکا بیاہ ہونیوالا ہے وہ بد وضع یا بد قطع تو نہیں ہو۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ وہ عالی خاندان بھی ہو۔ معالی دودمان بھی۔ خوش رو بھی ہو۔ خوشخو بھی ہو صحبت اور تعلیم بھی اچھی پائی ہو۔ علما فضلا تک بھی رسائی ہے۔ تو پھر مارے خوشی کے باچھیں کھل جاتی ہیں۔ اس دُلھن کی آنکھ جب سے زمیندار کے لڑکے پر پڑی تھی اور جب سے اُسکی آنکھ اس جادو نگاہ دلکش چہرہ ماہ سے لڑی تھی دونوں راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دعا مانگتے تھے کہ یا رخدایا ہمارا نکاح ہو۔ خداوندا ہم دونوں کا آپس میں بیاہ ہو۔ دل ہی دل میں وہ پیاری لڑکی کہتی تھی کہ الٰہی وہ دن جلد دکھا کہ میرے دروازہ پر میرا دولھا آئے اور وہی پیارا جوان مجھے ہنسی خوشی بیاہ لیجائے اب یہ بیان لکھتے ہوے کلیجہ منھ کو آتا ہے کہ زمیندار کا لڑکا جس وقت دلھن کو بیاہ کر اپنے گھر لے چلا اور دلھن کو زنانے کمرے میں بٹھا کر ریل کے ایک درجے میں قدم رکھنے ہی کو تھا کہ ایک شقی القلب نے تیغ خون آشام نیام سے نکالی وا حسرتا۔ اس وقت فرط الم سے ہمارا دل اسقدر بھر آیا کہ قلم رک گیا طوفان اشک شل سیل عظیم اُمڈا چلا آتا ہے۔ حضرت یہ چوٹ کھایا ہوا دل ہے۔ ع

اشکم بروں می افگند راز درون پردہ را	آرے شکایت ہا بود از خانہ بیروں رفتہ را

حضرات ناظرین! اب کلیجے کو تھام لیجئے اور ضبط گریہ کیجئے اور سنئے کہ اُس جوان طناز صلح دیا گیا نے جیسے ہی ریل کی ایک گاڑی میں بایاں قدم بڑھایا تھا ویسے ہی اُس شقی نے شمشیر دو پیکر سن سے نکالی اور تلا ہوا ہاتھ اُس جوان پر لگایا کہ سر کو تا رُم الفرد کاٹ کر جگر کو کاٹتا ہوا کمر تک آیا افسوس کہ وہ مقتول تیغ تڑپ کے پھڑکے اپنے قاتل کو دیکھنے بھی نہ پایا تھا کہ مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا تھا اور اسٹیشن پر اس بے گناہ بے بس و بیکس کی لاش پھڑکنے لگی۔ ع

زدست و پا زدن کشتہ تو شد معلوم	کہ بعد کشتہ شدن ہم تلاش باقی ست

ادھر اُسکی لاش خون میں آغشتہ پھڑک رہی تھی اور ادھر اجل سرہانے کھڑی ہنس رہی تھی کہ میاں صاحبزادے اب کس کی تلاش میں ہاتھ پاؤں مارتے ہو۔ اُف۔ اُف!!!

اُس بیچاری دُلھن کو ابھی معلوم ہی نہیں کہ اس پر کیا بجلی گری وہ ہنس ہنس کر اپنی دایہ کی چھوکری سے کہہ رہی ہو کہ کیوں دل بہار ہمارے میاں کو دیکھ کر تجھیں حسد تو نہیں ہوتا۔ یہ خبر ہی نہیں کہ میاں نے جان آفریں کو جان سپرد کر دی اور داغ مفارقت ابدی دے گئے۔ اتنے میں اسٹیشن پر کہرام مچ گیا۔ اور صدہا آدمی دوڑ پڑے اور غل غپاڑے کی آواز بلند ہوئی۔

دُلھن۔ دل بہار۔ دیکھو یہ غل کیسا ہو۔ ذری جھانک کر دیکھنا تو۔

آواز غیب۔ ندی کنارے دھواں اُٹھت ہے میں جانوں کچھ ہوے۔ جا کے کارن میں جوگن بھئی وہی نہ جلتا ہوئے۔

دل بہار۔ (جھانک کر) ہے ہے کسی نے ایک آدمی کو مار ڈالا ہو چبوترہ سارا لہو لہان ہے۔

دُلھن۔ ارے! توبہ توبہ! کیا جانے کون تھا بیچارہ۔

دل بہار۔ (پھر جھانک کر) ہیں! ہیں! خیر تو ہی۔ لاش کے سرہانے کھڑے تمہارے دیور رو رہے ہیں۔

ایک نعرہ لاش کے پاس سے آواز آئی کہ ہائے بھائی اے میرے بھائی تو کدھر گیا۔

دُلھن (کلیجہ دھک دھک کرنے لگا) ہائیں بھائی بھائی کرکے کون روتا ہے۔ اُف۔ ارے میں لُٹ گئی۔ (ریل سے اُتر کر چھاتی پیٹتی ہوئی چلی) حضرات ناظرین۔ ع

جائے نشاط نیست خطرگاہ روزگار
پست و بلند آں سر طارمِ پا گزار

یہ اسٹیشن پر کون مصیبت زدی جاتی ہے۔ ہائے یہ وہ نازک لب ہی جو ناز و نعم سے پالی گئی تھی جو کبھی اپنے مکان کی ڈیوڑھی تک نہ گئی تھی وہ اب ہزاروں آدمیوں کے غول میں روتی چلاتی ہوئی جاتی ہے۔ نعش مقتول کے قریب پہونچی تو ہائے کا نعرہ اس زور سے بلند کیا کہ کرّوبیوں نے عرش بریں کو تھام لیا شیروں کے کلیجے دہل گئے۔ رستم قبر میں کانپ اُٹھا۔ اسفندیار کی روح تھرتھرانے لگی۔ ثورِ فلک اور گاؤ زمین کا کلیجہ لرزنے لگا فرط حیا اور جوش جنوں اور طغیانی بحرِ الم سے نظر بھر کر نعش بیکفن کو نہ دیکھ سکی۔ سہ

من از حیا نتوانم کہ بر رخت نگرم
ترا خیال کہ مستغنی از وصال توام

دلھن۔ زبان حال سے۔ سہ

اے بے تو حرام زندگانی
جز بے تو کدام زندگانی
بے روے خوش تو زندہ بودم
مرگیست بنام زندگانی

نعش بیکفن۔ زبان حال سے۔ سہ

گر اضطراب ندارم ز آرمیدن نیست
شہید عشق ترا فرصت تپیدن نیست

دلھن۔ زبان حال سے۔ سہ

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

نعش بیکفن۔ زبان حال سے۔ سہ

تشنۂ حسرت آغوش تو اے نازک بدن گشتم
بجائے تو بسے سرو در ماتم بند قبا بکشائے

دلھن۔ ہائے لٹ گئی لوگو یہ کیا بجلی گرائی (متحیر ہو کر)۔ ارے لوگو یہ ہوا کیا۔

دل بہار۔ ہو ہو دلھن لٹ گئی۔

دلھن۔ چھاتی خوب زور سے پیٹ کر۔ ہی ہی کس کی دلھن دلھن کون تھی۔ ہائے میں تو بیوہ ہوں۔

اتنے میں اسٹیشن کی دو چار عورتیں۔ اسٹیشن ماسٹر کی بیوی گارڈ کی لڑکی۔ ڈرائیور کی بھتیجی۔ کنجی کھولنے والی مترانی نے قریب آن کر اور رو رو کر سمجھایا۔

دلھن۔ سہ

خواہم کہ بر آں سینہ نہم سینۂ خود را
تا دل بتو گوید غم دیرینۂ خود را

یہ شعر زبان سے پڑھ کر پھر نعرہ (ہائے) بلند کیا اور دھم سے نعش پر گر پڑی اور اپنے پیارے شوہر کا ساتھ دیا۔

حضرات ناظرین۔ یہ اسی دنیا کے لیے حضرت انسان بغض اور عداوت اور تعصب کے پتلے بنے ہوئے ہیں۔ سہ

افسوس کہ عمر رفت و ہشیاری نیست
و دردا کہ خیال خویشتن داری نیست

فغاں کہ قافلۂ عمر رفت نیم قدم
طریق راست نہ پیمود نفس کاہل ما

میاں بیوی عاشق معشوق کی لاشیں دیکھ کر بڑے بڑے سنگدل آٹھ آٹھ آنسو روتے تھے۔ اسٹیشن ماتم کدہ بن گیا تھا۔ چوطرفہ کہرام مچا ہوا تھا۔ دونوں جوانوں کی نعش بے کفن کے گرد ٹھٹ کے ٹھٹ لگے تھے اور زن و مرد سب حسرت اور عبرت اور حیرت کی نظر سے لاشوں کو دیکھتے تھے۔ استعجاب تھا کہ یا للعجب یہ کیا بوالعجبی ہے جسے دیکھو انگشت حیرت در دہاں۔ جدھر نظر ڈالو مصروف آہ و فغاں کلیجہ منہ کو آتا تھا سینہ شق ہوا جاتا تھا۔ میاں کی لاش پر بیوی کی لاش کو مرغ بسمل کی طرح تڑپتے دیکھ کر روح پر صدمہ تھا۔ چند منٹ میں لاش تڑپ کر سرد ہو گئی۔ ہی ہی۔ کیا سانحہ روح فرسا ہے۔ ہی ہی۔ کیسا واقعۂ جانگزا ہے۔ دلھن کے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگی ہوئی۔ چھپکا زیب سر۔ عروسی لباس زیب بر زلف چلیپا تا کمر۔ سر سے پاؤں تک زیور ہی زیور مگر دم کے دم میں طوفان در جگر۔ وہ جوش وہ خروش۔ وہ ولولہ۔ وہ

شوق - وہ خواہش - وہ اُمنگ سب خاک میں مل گئی۔ دل کی دل ہی میں رہی شب عروسی کی شکل ہی نہ دیکھی کہ روز ہجراں نصیب ہوا۔ اسٹیشن تک ابھی ابھی فنس میں چڑھ کر بصد کرّ و فر آئی تھی۔ اب تابوت میں جائیگی۔ جہیز ابھی میکے سے سسرال جانے بھی نہ پایا تھا کہ قبر کی فکر ہونے لگی ابھی لباس سے عطر فتنہ کی مہک آرہی تھی کہ کافور کی تدبیریں ہونے لگیں صبح کو دروازہ پر روشن چوکی اور شہنائی بج رہی تھی اب صدائے ماتم بلند ہے۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی کہ اہل محلہ کمگروں اور چھتوں اور دکانوں سے برات دیکھ رہے تھے اب جنازہ دیکھیں گے۔ اُس دولھن کا دیور معصوم لڑکا بارہ تیرہ برس کا سن اس واقعہ کو دیکھ کر دنگ ہوگیا اور مثل پیکر تصویر خاموش کھڑا رہا۔ آتش غم نے اشکوں کو بھی جھلسا دیا۔ چہرے سے انتہا کی حیرت ٹپکتی تھی کہ یہ کیا ہوا آخر کار بیخود ہو کر گر پڑا۔ لوگ سمجھے کہ اس بیچارے کم سن نے بھی عاقبت کی راہ لی۔ مگر گلاب چھڑکا کیوڑا ڈال کر سوندھی سوندھی مٹی ناک کے پاس لے گئے لخلخہ سونگھایا تو اس نے آنکھیں کھول دیں لیکن صورت ایسی مہیب کہ دیکھے ڈر معلوم ہوتا تھا۔ دل بہار دونوں لاشوں کے پاس بیٹھی تھی۔ مگر آنسوؤں کا تار بندھا ہوا تھا۔ دل بہار دُلہن کے ساتھ کھیلی تھی اور ہم سن ہونے کے سبب سے وہ اس کنیزک زادی کو بہت چاہتی تھی۔ تمام عالم اسکی نظروں میں تیرہ و تار تھا۔ اندھیرا چھایا ہوا۔ دولھا کا خدمتگار اور چپراسی اس قاتل شقی کو زور زور سے جوتے اور تھپڑ لگا رہے تھے اور اپنے آقازادے کو یاد کر کے ڈھاروں ڈھار روتے جاتے تھے۔ غیر اسٹیشن ماسٹر نے دو پلنگ منگوائے اور اُنکی لاشوں کو عزت کے ساتھ اُٹھوا کر اسٹیشن کے ایک صاف ستھرے کمرے میں رکھا۔ اور اُس مقتول کے چھوٹے بھائی کو اپنے ساتھ لیجا کر اپنے کمرے میں بٹھا کر دلاسا دینے لگا۔ دل بہار اُن دونوں کے سرہانے بیٹھی رو رہی اور پنکھا جھل رہی تھی۔ کہ مکھی نہ بیٹھنے پائے۔ خدمتگار کمرے کے باہر غمزدہ اور افسردہ پژمردہ اور بیجان کھڑے رو رہے تھے۔

جس وقت یہ سانحہ ہوا تو گارڈ اور ڈرائیور اور خلاصی اور مسافر سب ریل پر سے اُتر آئے اور مسافروں نے کہدیا کہ اسوقت ہمارا دل بھر آیا۔ ہم نہ جائیں گے نہ جائیں گے۔ بلا سے ٹکٹ کے دام گئے اس قاتل خونخوار کو دیکھ کر سب کی آنکھوں میں خون ٹپکتا تھا اور یہی جی چاہتا تھا کہ اس کو بس اسی دم پیس ڈالیں۔ اتنے میں لال کرتی کا ایک گورا جو سانحہ ہوش ربا سے مارے رقت اور رنج کے بڑی دیر سے چلّا چلّا کر رو رہا تھا ضبط غصہ نہ کر سکا جوش میں آکر جھپٹا اور اس شقی کے پٹھے پکڑ کر خوب پیٹا اور کئی بار کاٹ کاٹ کھایا اور دانتوں سے بوٹیاں نوچ نوچ لیں۔ جو لوگ اپنے کار اور مسافر اور ریل کے ملازم اُسوقت وہاں موجود تھے اُنھوں نے بھی دیدہ و دانستہ آنکھ چورائی اور ایسے ناہنجار کو پٹتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوئے

اتنے میں اُس عروس کے گھر پر خبر ہوئی۔ تو کہرام مچ گیا۔ شادی کا گھر عزا خانہ ہوگیا۔ ہائے افسوس ولے افسوس کہیں ڈھول بجتی تھی کہیں ڈومنیاں رات بھر کی تھکی ماندی سو رہی تھیں اصیلیں خوش خوش پھرتی تھیں مغلانیاں نئے نئے جوڑے پھڑکاتی تھیں دل بہار کی ماں اترائی جاتی تھی کہ اسکی لڑکی دلھن کے ساتھ گئی ہے وہاں قدر و عزت سے رہے گی کہ دفعۃً یہ بجلی گری۔ اب وہاں کا حال ناظرین فسانہ خود قیاس کر سکتے ہیں کہ لڑکی کو رخصت کیے ہوئے پہر بھر بھی نہ ہوا تھا اور وقت رخصت جو آنسو فرط طرب سے والدین اور اعزا و اقربا کی آنکھوں سے نکل پڑے تھے وہ ابھی طرح خشک بھی نہونے پائے تھے کہ دولھا اور دلھن

دونوں شہید ہوگئے اور ریل کے اسٹیشن پر بیکسی کی حالت میں اُنکی جان شیریں بصد تلخ کامی گئی۔ لڑکی کی ماں تو اس سانحۂ جاں گزا کا حال عبرت مآل سنتے ہی بس بت بنگئی رونا دھونا تڑپنا چلانا غل مچانا سرپیٹنا سب بھول گئی۔ حیران و ششدر ستون کے سہارے بیٹھی آنکھیں پھیر پھیر کر دیکھ رہی ہو مگر صورت وہ مجیب کہ الامان۔ گھر بھر میں چھوٹے بڑے سب سر پیٹ رہے ہیں۔ ڈومنیاں سوتے سوتے جاگ اُٹھیں۔ ہی ہی خیر تو ہو سنتے ہی آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے ہائے صبح کو مبارکباد گاتی تھیں اب آنسو بہاتی ہیں۔ جو جہاں تھا وہ وہاں ہی رہ گیا۔ لونڈیوں نے آسمان سر پر اُٹھایا۔ باہر سے خدمتگاروں اور نوکروں نے صدائے ماتم بلند کی۔ اسکے بوڑھے باپ کو جو خبر ہوئی تو وہ پیر مرد خستہ جان خستہ دروں ہائے ہائے کہکر۔ ع۔ اُٹھا تو گرا گرا تو بیہوش ؛ ہوش آیا تو آنکھوں نے جواب دیا۔ کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ ــــ۵

هر داغ جگر شرر فشانش … زد خنده چو شمع بر فغانش
فوارۂ خوں ز دیده جوشید … ز انساں که سحر شعاع خورشید
شد نالۂ زار شورش انگیز … مژگاں گردید ارغواں بیز
می خست دردں بناخن یاس … می سفت جگر بنوک الماس
جوشید به سینه تلخ آبش … موجی شده نبض اضطرابش
می گفت سخن بآه و زاری … می سوخت ز داغ دلفگاری

کبھی دیوانوں کی طرح گریبان کو چاک کر ڈالا۔ کبھی خاک پر لوٹنے لگا۔ اب سمجھائے کون۔ سب صید یاس و حرماں مصروف آہ و فغاں تھے کسی کو کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ جسے دیکھو مارے غم کے بدحواس اور سراسیمہ ہوا جاتا تھا۔ ــــ۵

می گفت که ایں چه فتنه برخاست … ایں گرد خرابی از کجا خاست
یارب چه کنم چه چاره سازم … چوں شمع بسوز جاں گدازم
زیں ناله آتشیں ترانه … شوری ست کرانه تا کرانه

اُس دخت گلفام کی بوڑھی ماں ایک ایک سے پوچھتی پھرتی تھی کہ ارے آخر تم روتے کیوں ہو۔ ہائے یہ ہوا کیا۔ دیکھو مجھے رونا نہیں آتا۔ میری پیاری لڑکی گئی گذری اور ایک آنسو بھی میری آنکھوں میں نہ آیا۔ اُنکے اعزّہ میں سے تیس چالیس آدمی بصد حسرت و یاس ماتم کرتے خاک اُڑاتے اسٹیشن پر گئے وہاں پہونچے تو دیکھا کہ ہر در و دیوار سے صدائے ماتم بلند ہو غریب و امیر برنا و پیر سب رو رہے ہیں۔ اسٹیشن ماسٹر نے روتے روتے اُنسے کہا کہ اس کمرے میں جائیے اور وہ سبکے سب۔ ــــ۵

آمد بر آن دو خسته خاطر … وز عشق عجوبه دید ظاهر
حیرت زده رو برو نشستند … بر لب در گفتگو به بستند
صد گو نه به خلق گفتگو بود … هر سمت فغان هائے هو بود

دونوں کی لاش کو اُنکے گھر لے گئے۔ راہ میں ہزاروں آدمیوں کا انبوہ کثیر اور جم غفیر ساتھ اور سب گریہ و نالاں۔ قدم قدم پر آہ و فغاں جن لوگوں نے ان دولھا دلھن کی صورت خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی جانتے بھی نہ تھے کہ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں وہ زار زار روتے تھے۔ اور چو طرفہ سے آدمی ٹوٹے پڑتے تھے ایک ایک پر دس دس اور بیس بیس گرے پڑتے تھے اور لوگ اس طرح پر ماتم کرتے تھے کہ گویا اُنکا کوئی خاص عزیز اور قریب کا رشتہ دار مر گیا ہو۔ دکانداروں نے جنازے کو دیکھا اور دکان بڑھا کر ساتھ ہوئے۔ غرض بازاروں اور چبوتروں اور کھڑکیوں اور چھتوں پر سے چھاتی پیٹتی تھیں کہ ہی ہی یہ کیا ہوا خدا ایسی گھڑی ساتویں دشمن کو بھی نہ دکھائے سواریوں پر سے رئیس زادے اُتر اُتر پڑے اور جنازے کے ساتھ ماتم کرتے ہوئے چلے۔ اب اِدھر کا حال سنئے کہ اسٹیشن پر سناٹا ہو اور اہل پولیس

اُس شقی القلب کو لیے ہوے کچہری جا رہے ہیں اُس کے ساتھ بھی بھیڑ ہی اور فرد جوش سے لوگ گھس بیٹھ کر اُسکو مار رہے ہیں حتیٰ کہ کچہری تک جاتے جاتے ادھ مرا کر دیا۔ برق انداز بھی دانت کٹ کٹا کٹ کٹا کر رہجاتے تھے۔ اشاروں سے لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ کہ خوب گدّے لگاؤ اور کچومر نکالو۔ یہ اسی لائق ہے اتنی شہ جو پائی اور دو نادون پڑنے لگیں۔ مگر اس سے کیا فائدہ جو ہونا تھا وہ ہوا۔ اتنے میں صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور دو انسپکٹر آئے اور اُنھوں نے بھیڑ کو قاتل کے قریب سے ہٹایا جس وقت دونوں لاشیں گھر پر پہونچیں۔ اسوقت کے کہرام کا کچھ حال نہ پوچھیے۔ ناگفتہ بہ۔ اگر ہم کل حالات بہ صد بیان کریں تو ناظرین بے اختیار رو دیں۔ ہائے افسوس وائے افسوس رباعی۔

دیروز چنان وصال دل افروزی	امروز چنیں فراق عالم سوزی
افسوس کہ بر دفتر عمرش ایّام	این ہا روزی نویسد آنرا روزے

اللہ بس باقی ہوس۔

خلاصہ کلام یہ کہ جسوقت لاشیں دروازے پر پہونچیں سارا شہر اُس جگہ موجود تھا۔ مگر شان خدا۔ ایک پیر مرد مقدس بھی یہاں وارد ہوے۔ اس سانحۂ غمناک کو سنکر کمال افسوس کیا اور ایسے الفاظ زبان پر لائے کہ اُس دختر زہرہ جبین کے بوڑھے باپ کا دل دنیا ہی سے پھر گیا اور غم و الم رنج و ماتم جد جا کم ہو گیا پیر مرد نے نہایت متانت سے عجب لب و لہجہ میں کہا کہ۔

پیر مرد ؎	یاران زندگاں کو کیا رو دیئے مسرت کیا تم روانہ سوئے ملکِ عدم ہو گے	

بھائی سنو تم ہمارے ہمعصر ہو۔ اب ہم تم دونوں لب گور ہیں اور دو چار برس بھیائی سے بچے تو بچے۔ ورنہ اب چل چلاؤ لگ رہا ہے کسی کو ہم کیا روئیں۔ جس طرح تم آج اپنی پیاری بیٹی کو رو رہے ہو۔ اسی طرح کروروں آدمیوں نے اپنی اولاد کی وفات کا غم کیا ہو گا۔ مگر نتیجہ۔ یہ روتے کس دن گی کو ہو۔ جو ہوا وہ ہوا۔ بس اب صبر جمیل خدا تم کو عطا کرے۔ میرا لڑکا اور ایک ہی لڑکا کیسا خوبصورت کہ گلاب کے پھول کی اُسکے مقابل میں قدر نہ تھی اور علم و فضل میں اس درجہ کمال حاصل تھا کہ سترہ برس کے سن میں دو عربی کی کتابوں کا مصنف ہوا۔ مگر اجل نے اُسکو نہ چھوڑا شادی کے دوسرے ہی مہینے درد قولنج میں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ اب نوجوان بہو معصوم بیچاری گھر میں بیٹھی ہے تم خدا کا شکر کرو کہ تمھارے داماد کے مرتے ہی لڑکی سچا عشق اور پاکبازی ظاہر کر کے چل بسی اور خلد بریں میں داخل ہوئی ورنہ اگر بعد وفات شوہر زندہ بھی رہتی تو اُسکو دیکھ دیکھ کر تمھارے دل کا کیا حال ہوتا۔ جس دن میرا لڑکا مرا میں درزی سے اس کے لیے کفن سلوا رہا تھا باہر سے ایک میرے دوست اُسی دن وہاں آئے اور دروازہ پر جم غفیر دیکھ کر پوچھا کہ خیر تو ہے۔ یہ کیا سلوا رہے ہو میں نے کہا کہ میرا لڑکا جس کی عمر سترہ برس کی تھی آج صبح کو رہ گرائے عالم بقا ہوا۔ اب میں اُس کے لیے کفن سلوا رہا ہوں یہ اُس کی آخری خدمت میرے تعلق ہے۔ پھر وہ کہاں میں کہاں۔ لوگوں کا دل بھر آیا اور جو اہل دل تھے اُنھوں نے میری پیٹھ ٹھوکی کہ واہ رے استقلال اور اللہ رے صبر۔ سبحان اللہ بھائی رنج و شادی خانہ بربادی و خانہ آبادی اس جہان میں توام ہے۔ مرنا اور جینا لازم و ملزوم ہے۔ کوئی عنفوان شباب میں مرا کوئی پیرانہ سالی میں مگر۔ ؎

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید	ز جام دہر مے کل من علیہا فان

اس سے کسی کو مفر ہی نہیں۔ پھر اسکا افسوس ہی کیا۔ جو مرا

وہ اچھا گیا۔ اب تم کی مانو کہ رنج و غم کو دل سے بھلا دو۔ وہ خدا کی امانت تھی۔ خدا کے سپرد کر دی گئی۔ پھر اسمیں آپکا کیا اجارا ہے۔ انسان کو ہر حال میں شاکر رہنا چاہئے۔ مشیت ایزدی میں کیا چارہ ہے۔ عورتوں کو رونے دیجئے وہ یہ باتیں کیا جانیں۔ آپ تو جانتے ہیں۔ ؎

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے ‖ اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

یہ تو فرمائیے کہ موت سے بچ کون جائیگا۔ کیا آپ نہ مریں گے پھر رونا دھونا کیا ہو۔ ضبط کرنا فرائض انسانی میں سے ہی۔

اس تقریر پر تاثیر نے اُس پیر فرتوت غم دیدہ و ستم زدہ کے دل پر بڑا اثر کیا اور اس نے کہا کہ حضرت آپ میرے لیے اسوقت خضر ہو گئے بلکہ عجب نہیں کہ آپ خضر ہی ہوں اور میری یہ مصیبت دیکھ کر انسان کی شکل میں آئے ہوں کہ مجھے سمجھائیے اور میرے غم کو دور کیجئے۔ ؎

اے خدا قربان احسانت شوم ‖ ایں چہ احسان ست قربانت شوم

پر بھر گھر سے رونے کی آواز جو آتی تو کلیجہ شق ہو گیا سا اب ضبط کرنا محال ہو۔ مگر آپ کی صلاح نیک کا قدم قدم پر خیال ہو ممکن کیا کہ اشک آنکھوں سے جاری ہوں۔

اُدھر قاتل کی تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ وہی شخص تھا جو اُس درویش کے پاس بیٹھا تھا۔ اور جس نے درویش سے پوچھا تھا کہ ایک آدمی سے اور مجھ سے لاگ ڈانٹ ہو کہیئے تو اُس کو مار ڈالوں۔ دیوانہ پن کی حالت میں گھر سے بھاگ کھڑا ہوا تھا اُسکا باپ اُسکو زنجیر پہنا کر رکھتا تھا مگر بے سود ایک روز زنجیر تڑا کر وہ راہی ہوا اور گانوں سے نکل کھڑا ہوا بہت کچھ تلاش کی گئی مگر پتہ نہ ملا نہ ملا۔

جب تحقیقات ہوئی تو اُس نے اجلاس پر بیان کیا کہ۔

مجرم۔ ہو ہو ہو ہو۔ قہ قہ۔ ضیق النفس۔ ع ہر چہ باد اباد ما کشتی در آب انداختیم ؛ ادب ادب سے کام کرو۔

عدالت۔ یہ سودائی نہیں ہو بنتا ہی۔

ڈاکٹر۔ (امتحان لیکر) نہیں خللِ دماغ تو تھا۔ مگر قتل اس نے ثبات عقل میں کیا۔

الغرض سشن سے پھانسی کا حکم ہوا۔

صبح کے وقت جیلخانہ میں پھانسی آئی اور کانسٹبلوں کے کئی گارد سے اور کئی افسر خاکی وردی پھڑ کاتے سنگینیں چمکاتے ہوئے رپ رپ کرتے آن موجود ہوئے۔ قاتل بھی آیا پھانسی کو دیکھ کر بدن کا خون خشک ہو گیا اور چہرے پر موت کے آثار نمودار ہوئے۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور ایک دفعہ ہی اُس نے بڑی حسرت اور مایوسی کے ساتھ کہا کہ بھائی ہندو تو رام رام اور بھائی مسلمانو سلام۔

یہ فقرہ سن کر کل حاضرین کا جو کوئی دس ہزار سے کم نہ ہونگے دل بھر آیا۔ مجرم نے پھر پھانسی کی طرف نظر کی اور کانپ اُٹھا اور کانپتے تھراتے ہوئے یہ اشعار پڑھنے لگا۔ ؎

کوئی دم کیجئے کس طور سے آرام کہیں ‖ چین دیتی ہی کہیں گردش ایام کہیں
صید لاغر ہوں مری جلد خبر لے صیاد ‖ دم نکلجائے تڑپکر نہ تہ دام کہیں

خوجی۔ کیوں میاں شعر تو اُس نے کچھ بے تکے سے پڑھے بھلا اسوقت اسکا کیا ذکر تھا۔

آزاد۔ چپ بھی رہو بس تم کو تک بندی ہی کی سوجھتی ہو اور اس بیچارے کی جان پر بن آئی ہو۔ ؎

انھیں کچھ رحم بھی آتا ہی یار وقت خونریزی ‖ چھری جب حلق عاجز پر رواں صیاد کرتے ہیں

الغرض پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ اور لاش پھڑ کنے لگی اتنے میں لوگوں نے دیکھا کہ دفعۃً ایک شخص گھوڑا ڈکڈاتا اور سرپٹ

دوڑتا ہوا سامنے سے آرہا ہے۔ اور دم کے دم میں داخل جیلخانہ ہو کر اُسنے کہا کہ روکو ابھی پھانسی نہ دینا اور وہاں لاش پھڑپھڑا رہی تھی۔ حضرت دل کا بھی عجب حال ہو۔ گھڑی میں ماشہ گھڑی میں تولہ ابھی دو ہی دن ہوے کہ شہر بھر اس قاتل کے خون کا پیاسا تھا۔ کسی نے دانتوں سے بوٹیاں نوچیں کسی نے کاٹ کھایا کسی نے اس زور سے چٹکی لی کہ اُس کا رنگ زرد ہو گیا سب دبت یہ دعا تھے کہ اُس شقی القلب کو ایسی سخت سزا ملے کہ اُسکی بوٹیاں اڑائی جائیں تکّے اس کے بدن کے چیل کتے کھائیں زندہ دفن کیا جائے اور آج لاش کا پھڑکنا دیکھ کر اکثروں کی آنکھوں سے اشک جاری ہوگئے اور بہتوں نے افسوس کیا۔ توجہ کیا۔ اس وقت اسکو بے بس حالت میں دیکھ کر اُسکا قصور اُسکا گناہ اُس کا جرم کچھ بھی یاد نہیں آتا تھا جسوقت پھانسی پر چڑھایا گیا اور لاش پھڑکنے لگی تو ایک شخص رہوار بادرفتار کو سرپٹ دوڑاتا اور کڑکڑاتا اور چمکاتا ہوا آیا اور جیسے ہی یہ جیلخانہ میں داخل ہوا ویسے ہی پکارا کہ روک لو روک لو۔ مگر اُسی دم لاش کا پھڑکنا موقوف ہوا اور لاش سرد ہو کر گھومنے لگی اس واقعۂ درد انگیز کو دیکھ کر وہ سوار دھم سے گھوڑے پر سے گر پڑا اور گرتے ہی کہا کہ یہ تیسرا تھا لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ کیا اسرار ہو۔ سمجھ گئے کہ اُسکے اعزہ میں سے کوئی ہوگا۔ قریب جا کر سنتری نے پوچھا کہ تم کون ہو۔ اُس نے دیوانہ وار نظر کر کے کہا کہ یہ تیسرا تھا۔ اتنے میں داروغہ جیل نے پوچھا کہ تم کون ہو بھئی اور یہاں اسوقت کیوں آئے ہو اُسنے پھر آہستہ سے کہا کہ یہ تیسرا تھا اب ایک ایک آدمی اُس سے پوچھتا ہو کہ میاں تم کون ہو۔ اور یہ روک لو روک لو کی آواز کیوں دی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ یہی کہتا ہے کہ یہ تیسرا تھا۔ یہ معّما کسی پر نہ کھلا۔ سمجھ میں آیا چکر

لوگ حیرت زدہ کھڑے تھے۔ لاکھ لاکھ تدبیروں سے اس سے پوچھا مگر وہ یہی کہا کیا کہ یہ تیسرا تھا۔ اب اسکے اردگرد بھیڑ لگی ہوئی ہو۔ میاں آزاد نے جو اُسکی صورت پر بغور نظر ڈالی تو دیکھا کہ ہوے اشک اُسکی آنکھوں سے رواں ہو۔ مگر چلانے اور آہ سرد بھرنے کی طاقت جسم میں نہیں بآواز بلند میاں آزاد نے کہا کہ ارے یارو اس خستہ درون سے کیا پوچھتے ہو کہ تو کون ہو۔ ہمارا دل گواہی دیتا ہو کہ یہ اُس شخص کا باپ ہو اسکے اشک اسکے درد دل کی خبر دیتے ہیں۔ یہ آنسو نہیں ترجمان دل ہیں۔ اسکے جسم کے ہزار ہزار قطرۂ خون ایک ایک اشک بنکر نکل رہے ہیں۔

آزاد۔ آپکی حالت پر افسوس آتا ہو حیف صد حیف۔

سوار۔ (آہستہ سے) بھائی یہ تیسرا تھا۔

آزاد۔ صبر۔ صبر۔ صبر اور کیا کر سکتے ہو۔

سوار۔ (اور بھی آہستہ سے) ہائے یہ تیسرا تھا۔

حکّام جو اُس مقام پر کھڑے تھے۔ اور جو اس پھانسی کی نگرانی کے متعلق تھے اگرچہ اُنکو پھانسی پر چڑھنے کے وقت اُسنے ہزاروں بے نقط سنائی تھیں اور صدہا گالیاں دی تھیں لیکن وہ حکّام والا مقام بھی اُس بوڑھے سوار کی یہ حالت دیکھ کر کف افسوس ملنے لگے اور باہم کہنے لگے کہ اسوقت اس پیرمرد کی حالت زار نے ہمیں افسوسناک کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اسکی نبض دیکھی تو کہا انتہا کا ضعف ہو۔ اس کا بچنا محال ہو۔ دو ہی چار دن کا مہمان ہو اسکو بڑا صدمہ پہونچا۔ اس دھچکے کی یہ برداشت نہیں کر سکتا اور اسکا مرجانا بھی اب بہتر ہو۔ بہت جی کے کیا کریگا۔ جیا بھی تو زندہ درگور بھر ایسا جینا ہی کیا۔ لاحول ولا قوۃ۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بوڑھا اُٹھ کر بیٹھا اور اُس نے پھانسی کو نظر حسرت سے دیکھ کر کہا کہ یہ تیسرا تھا۔ میاں آزاد نے ایسے ہمدردی

کے کلمے سکے کہ وہ اُنکی طرف مخاطب ہوکر اور اُنکو اپنا دلی دوست سمجھ کر یوں سننے لگا۔

بوڑھے کی داستان عبرت عنوان

میں قوم کا بنگش پٹھان ہوں تین اوپر ستر برس کا سن ہوا اسمیں تین حادثے ایسے گذرے کہ میں بالکل مرہی مٹا تین لڑکے تینوں نے پھانسی پائی۔ ایک نے علی مسجد کے قریب ایک کارواں پر چھاپا مارا۔ اُس طرف لوگ بہت سکھے اور ادھر کم یہ فوراً گرفتار کرلیا گیا اور کارواں والوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ حاکم و محکوم ایک کا اصلا خیال نہ کیا اپنے آپ ایک پھانسی بناکر اُسکو لٹکا دیا۔ جسوقت اس کی لاش کو پھانسی پر سے اُتارا میں بھی شامت اعمال سے وہاں جا پہونچا لڑکے کی نعش کو دیکھ کر غش کی نوبت آئی۔ مگر چپ۔ اگر ذرا اُن لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ یہ اُسکا باپ ہی تو پھر مجھے بھی جیتا نہ چھوڑیں۔ اُس وقت کی کیفیت آپ خود قیاس کرسکتے ہیں۔ اتنے میں اُن سے کسی نے کہدیا کہ یہ اُسکا باپ ہی۔ یہ سنتے ہی دس پندرہ آدمی چمٹ گئے اور آگ جلاکر مجھ سے کہا کہ اپنے لڑکے کی لاش کو اسمیں جلا۔ اُف ہائے ستم وائے ستم میں بیخود ہوکر گر پڑا تو چھری کئی مقام پر چبھوئی مجبور کیا کہ اپنے نور بصر لخت جگر کی لاش کو اپنے ہاتھ سے جلاؤں۔ اُف۔ لیکن بھائی جان بڑی پیاری ہوتی ہی۔ اس سے زیادہ عزیز کوئی شے ساری خدائی میں نہ ہوگی۔ میں نے اُس لڑکے کو جو میری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھا انھیں ہاتھوں سے جس نے اُسکو پالا تھا جلایا۔ اور جب شعلے بلند ہوے تو میری نظروں میں دنیا تیرہ و تار معلوم ہونے لگی۔ اب دوسرے لڑکے کا حال سنئے کہ وہ راولپنڈی میں راہ راہ چلا جاتا تھا اتفاق سے ایک شخص نے جو گھوڑے پر سوار تھا اُس کو چابک سے ہٹایا۔ اُس نے جھلا کر تلوار میان سے کھینچی اور اُسکے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ حاکم نے پھانسی کا حکم دیا عین وقت پر جسوقت پھانسی سے اُسکی لاش اُتاری جاتی تھی میں بھی وہاں پہونچا۔ بس اب آگے نہ پوچھئے کہ کیا ہوا۔ ع وا رم دلے اتا

چہ دل صدگونہ حرماں در بغل نہ اد ۔ آج کا سانحہ تو آپنے خود ہی دیکھا ہائے یہ تیسرا تھا۔ ہائے یہ تیسرا تھا۔ بس کمر ٹوٹ گئی اور صاف صاف یوں ہی کہ اس لڑکی کے باپ نے اقرار کیا تھا کہ میرے بیٹے کیساتھ جسکو ابھی پھانسی دی گئی نکاح پڑھوائے گا لڑکا اس خوبصورت پری پیکر پر ہزار جان سے عاشق تھا۔ جب دیکھا کہ وہ دوسرے کی بیوی بنی تو اس وقت رقیب سمجھ کر مار ڈالا۔ ہائے افسوس۔

آزاد۔ دل بھر آیا۔ مگر یہاں تو لوگ کہتے تھے کہ دیوانہ تھا۔

بڈھا۔ وہ کچھ بھی نہ تھا اور سب کچھ تھا۔

آزاد۔ دنیا کے بھی عجیب کارخانے ہیں۔ بس ہم سمجھ گئے کہ وہ نوجوان بے گناہ اور بے سبب قتل ہوا۔ ہائے افسوس۔ انسان کے ایک فعل ناملائم سے کتنے بندگان خدا کے خرمن جمیعت خاطر پر برق انتشار گرتی ہی۔ ایک تو وہ نوجوان بیچارہ قتل ہوا دوسرے اُس کی بیوی نے جان شیریں گنوائی۔ تیسرے اُس دُلھن کے ماں باپ پر آفت ڈھائی چوتھے اس بیچارے بڈھے کی جان پر بن آئی۔ خلاصہ یہ کہ تیس چالیس آدمیوں پر گویا بجلی گری اور اُن کا عیش و آرام مبدل بہ رنج و غم ہوا۔ واہ اسی دنیا پر حضرات ایسے لٹو ہیں دم کے دم میں بڑے بڑے خوش و خرم آدمی صید الم ہوجاتے ہیں اس دنیا پر اترانا غلطی ہی۔ ادھر انسان ہنسا اور اُدھر زمانہ کی نیرنگی نے اُسے خون رُلایا۔ ؎

چوں محل آدمی دریں جا سود در	چو دردِ دل دادن جاں نیست دگر
خرم دل ہمکہ یک نفس زندہ نہ بود	داسودہ کسے کہ او نزاد از مادر

اس دنیائے دوں کے سوانح حسرت خیز و واقعات عبرت انگیز پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ۔ ؎

مخلص بے باش حق گذاری اینست	نیکی مے ورز خیر جاری اینست
زحق مپرست در کسی پسند	تغییر کلام رستگاری اینست

اس دولھن اور اُس دولھا کی حالت بعینہٖ اس رباعی کے مطابق ہو ؎

دیروز پئے گلاب مے کردیدم	فرخندہ گلے بر سر آتش دیدم
گفتم کہ چہ کردۂ ترا می سوزند	گفتا کہ دریں باغ دمی خندیدم

اہا ہا - اس رباعی کے چوتھے مصرع کو جو جان رباعی ہے - سن کر اہل دل پھڑک جائیں گے - سبحان اللہ - ع - گفتا کہ دریں باغ دمی خندیدم اُسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جلائے گئے خاک میں ملائے گئے ایک دم کے دم وہ دولھن ہنسی تھی بس ایسا روئی ایسا روئی کہ خدا دشمن کو بھی دنیا نہ رُلائے -

خیر میاں آزاد اور خوجی بڑی حسرت کے ساتھ وہاں سے چلے اور راہ بھر اُس واقعۂ ناشنیدنی کی باتیں کرتے جاتے تھے -

آزاد - بھائی میں تو اُسوقت پھوٹ پھوٹ کر رویا - جب میں نے دیکھا کہ دُلھن کے دست حنائی میاں کے خون میں آغشتہ و آلودہ ہیں -

خوجی - دل ہار کا رونا دیکھ کر بس دل بھر آیا اور اُس بیچارے بچے کا بلکنا اور بھی ستم ڈھاتا تھا - چلئے اب کسی دکان پر چل کر افیم تو خریدیں ذرا غم تو غلط کریں -

آزاد - ابھی بھاڑ میں گئی آپ کی افیم - آپکو افیم ہی کی پڑی ہے یہاں مارے غم کے کھانا پینا بھول گئے -

خوجی - کیا آپ کی بڑھیا کے مرنے کی خبر آئی ہے -

آزاد - (خفا ہو کر) چپ نامعقول یہ بھلا دل لگی کا کون موقع ہو -

خوجی - ابھی چلو بڑھیا تو تھی ہی - ڈھلک گئی - ڈھلک گئی -

آزاد - بڑے متفنی ہو -

خوجی - بھائی سچ وہ گھڑی صد من گھڑی کا جو سبکے سب آپ ہی کی طرح سوگ لیں تو انتظام کائنات میں فرق نہ آجائے اور میاں

مرنا جینا لگا ہی رہتا ہو کوئی عاقبت کے بوریئے تو سمیٹے گا نہیں -

مکتبخانے کی شکایت اور ایک ناخلف کی حکایت

اتنے میں میاں آزاد خانہ برباد اور خوجی تو بہ تو بہ جناب خواجہ صاحب چلتے چلتے ایک مکتبخانے کے قریب پہونچے - دیکھا کہ دس بارہ لڑکے ایک چھپر میں بیٹھے ہوے الف زبر آبلے زبر با پڑھ رہے ہیں اور ہلتے جاتے ہیں - ؎

ندارم غیر از تو فریاد رس	توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

نہیں رکھتا ہوں میں غیر از تیرے فریاد کا پہونچنے والا - تو ہی عاصیوں پر معاصیوں کا خطا بخشنے والا اور بس - اتنے میں مولوی صاحب نے قمچی جمائی - مردک سو دفعہ کہدیا کہ بس کے معنی فقط بنتا ہی نہیں - وہی مرغی کی ایک ہی ٹانگ کہے جاتا ہے -

خوجی - آخاہ - آپ اس بکر کٹی میں ہیں - واللہ کیا چومزا آدمی ہو - (طالب علموں سے) کیوں بھئی لڑکو انکو کس عجائب خانے سے چرا لائے ہو میاں سچ کہنا لکھا دوں رپٹ تھانے پر کہ مولوی صاحب کو لندن کے عجائب خانے سے چرا لائے - ابھی سے چوری کرنا سیکھے پڑھ کر تو خوب ہتھے صاف کروگے -

اس تقریر سے میاں آزاد کو بھی بے اختیار ہنسی آگئی - گو وہ بڑے رنج و غم میں تھے - لیکن ہنس ہی دیے - اور خوجی سے کہا کہ بڑے مسخرے ہو واللہ روتوں کو ہنساتے ہو - عجائب خانہ سے چرا لانے کی ایک ہی کہی -

ایک طالب علم - حضرت کچھ نہ پوچھیے ہمارے مولوی صاحب کو زبان کا چسکا بہت ہی - روز ایک نئی فرمائش رہتی ہی اور مچھلی کے گوشت پر تو جان ہی دیتے ہیں بس کانٹا تک نہ چھوڑیں مچھلی کی مچھلی پھکس جائیں اور ڈکار تک نہ لیں - ایک روز مولوی صاحب اور ہم سب دریا پر بیٹھے مچھلی کا شکار کر رہے تھے دریا کی سیر جو بھائی اور طبیعت لہرائی

تو حضرت نے تڑسے ایک غزل تصنیف فرمائی۔ ذرا سنیئے گا۔ دیکھیے کس دھوم دھام کی غزل ہو۔؎

بہ پیشم در سحر گاہاں گر آری لم گرارا	بہوئے بنگوتش بخشم سمرقند و بخارا را
کباب آہو فربہ اگر داری غنیمت دان	کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را
جمال برۂ بریاں و حسن دنبۂ فربہ	چناں بُرد ند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را
بہ کبابی [illegible] زعفران بخر لبغا آلودہ	برنگ بہ سے قال و خلیجہ [illegible] رونی بیا را
بگو ہر ساز دست خوشۂ انگور مشقانے	کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

اتنے میں دریا سے ایک دیو کا بچہ گرمچھ منہ کھولے ہوے نکلا اور جھپٹا اور غڑاپ مولوی صاحب پر جھکت دیا۔ اور گھسیٹتا ہوا لے چلا وہ تو کہیئے ہم سب دوڑ پڑے اور خوب گاؤ زوریاں ہوئیں اُدھر گرمچھ ادھر ہم۔ اور مولوی صاحب اُدھر میں نہ ادھر میں یہ بلا کدھر میں لاکھ لاکھ جتن کئے مگر وہ ہنگ مولوی صاحب کا آدھا ہاتھ نوش جان ہی کر گیا اور حضرت نیم ٹرطارہ گئے۔ اب ان حضرت کو ڈاکٹر خانے لے چلے تو وہاں آپ کہتے کیا ہیں کہ جناب ڈاکٹر صاحب کچھ ایسا بند و بست کیجئے کہ رگ سے رگ اور پٹھے سے پٹھا ملجائے بڑے کھاؤ پیر ہیں صبح کو چار پانچ باقر خانیاں اور پکا تین سیر گوشت اور شام کو ڈھائی سیر تن تنلے کا دودھ۔ اور دن بھر کیا جانے الم غلم کیا جھکسا کرتے ہیں زمانے میں صدہا واقعات عجیب گذرے۔ مرد بکٹو ہو گئے گھوڑے ٹٹو ہو گئے۔ ہاتھی بچھڑ ہو گئے۔ اونٹ بچر ہو گئے۔ مگر ہمارے مولانا نیم ٹرہی بنے رہے۔

آزاد۔ گرہمیں کتب است ایں ملا	کار طفلاں تمام خواہد شد

خوجی۔ واہ رے کتب خانے لاحول ولا۔

میاں آزاد اور خوجی آگے بڑھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص اپنے دروازے پر کھڑا ہی اور کہہ رہا ہو کہ ؎ :

زنان باردار اے مرد ہشیار	اگر وقت ولادت مار زایند
ازاں بہتر بنزدیک خردمند	کہ فرزندان ناہموار زایند

آزاد۔ سنا بھائی خوجی۔

خوجی۔ اجی ہاں سب سنا یہاں اسوقت افیم کی پڑی ہی اور آپکو اور ہی سوجھتی ہے۔

آزاد۔ کیوں شیخ صاحب یہ رباعی آپ یوں ہی پڑھ رہے ہیں یا خدا نہ خواستہ کوئی وجہ خاص ہو۔

شیخ صاحب۔ حضرت عمر بھر میں خدا نے بس ایک لڑکا دیا وہ ایسا ناہنجار پیدا ہوا کہ بس کچھ نہ پوچھیے نہ۔ میں یہاں سے چودہ کوس پہ نوکر ہوں صاحب زادے کو جو پانچ روپیہ کی ضرورت ہوئی تو آپنے یہ فقرہ چست کیا کہ گھر میں روتے ہوئے گھسے اور کہا کہ ہائے ابا چل بسے چلیے رونا پیٹنا مچ گیا اسکی ماں کا بُرا حال ہوا کہ بیوہ ہو گئی اس فقرے سے آپ نے دس روپیہ اینٹھے کہ جاتا ہوں ابا کی لاش لے آؤں۔ جب میرے پاس پہونچے تو دیکھتے ہی پیٹنے لگے میں نے کہا خیر تو ہی۔ بولے کہ اماں چل بسیں۔ آج تیجا ہے۔ ہوش اڑ گئے کہ ننھے ننھے بچوں کو اب کون سنبھالے گا۔ میں تو اسیوقت سوار ہوا اور اُنسے کہا کہ اسباب لیکر آؤ۔ آپ نے اسباب کے بھی کوڑے کئے اور خوب گلچھرے اُڑائے۔ میں جو گھر میں داخل ہوا تو شب کا وقت پکارتا ہوں کہ کنڈی کھولو کوئی سنتا ہی نہیں اور سنتے ہیں تو کنڈی نہیں کھولتے کہ یہ تو مر گیا تھا اب قبر سے کیونکر بھاگ آیا۔ کوئی تو کہتا ہی کہ خبیث ہی کوئی بھوت پریت سمجھتا ہی۔ آخر کار آدمی نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا تو گھر میں سب ہکا بکا اور سب نے مل کر رونا شروع کر دیا۔ میں اپنی بڑھیا بیوی کو یاد کر کے بے اختیار رو دیا تو وہ کہتی کیا ہو۔

بیوی۔ اے تم تو مر گئے تھے۔ یہ آئے کہاں سے کیا نام بدل ہو گیا میں نے کہا تم مر گئیں تھیں یا میں اب مجھ سے اُلٹے دم کر چڑھ رہی ہو۔

وہ مجھے پریت سمجھتی ہے۔ اور میں اُسے چڑیل سمجھتا ہوں۔ خیر آخر کار راز کھلا کہ صاحبزادے کی ہم سوتوں کے حال پر عنایت تھی۔ اب سنیئے کہ مردک نے ہمارے سب یاروں دوستوں سے کہدیا کہ ابا کو تو کتّے نے کاٹا ہے۔ ذری سمجھ بوجھ کر جائیے گا۔ کچھ دوست تو مارے خوف کے نہ آئے اور جو آئے بھی اُن کا حال سنیئے کہ دروازے پر آواز دی۔ میں باہر گیا چھپٹا کہ بغل گیر ہوں وہ پینترا بدل کر کھڑے ہو گئے کہ خبردار ادھر نہ آنا میں بڑھتا ہوں وہ ڈنڈا سنبھالتے ہیں۔ آخر کار معلوم ہوا کہ یہ بھی صاحبزادے کی نوازش ہمارے حال پر تھی خدا یا تو اولاد ہی نہ دے یا دے تو سعید و رشید۔ اس نے ہمارا ناک میں دم کر دیا۔

میاں آزاد اور خوجی اس داستان کو سن کر آگے بڑھے۔

آزاد۔ کیوں یار سچ کتنا کیا باتیں معلوم ہوتی جاتی ہیں۔

خوجی۔ جی ہاں۔ مگر اسوقت افیم کے نہ ملنے سے بُرا حال ہے۔ کہیں سے افیم ملے تو جان میں جان آئے ورنہ اب یہاں بھی چل چلاؤ ہے۔

آزاد۔ لت بھی کیا بُری چیز ہے۔

یہاں سے جو آگے بڑھے تو ایک حضرت ذات شریف سے ڈبھیڑ ہوئی۔

ذات شریف۔ آپ دونوں صاحب کیا کہیں باہر سے آتے ہیں۔

خوجی۔ اجی یہاں کہیں چانڈو یا افیم کی دکان بھی ہے۔

ذات شریف۔ بہت ہی خاصے کیا لکھنؤ میں مکان ہے حضور کا علیک سلیک سب بالائے طاق۔ آتے ہی افیون اور چانڈو کی فکر ہوئی بھلا کتنے روز سے آپ اس شہر میں فروکش ہیں۔

خوجی۔ جی ابھی کوئی دو مہینے سے۔

ذات شریف۔ اخاہ دو مہینے سے! اور ابتک چانڈو ڈالے کی دکان ہی نہ معلوم ہوئی۔ ساری عمر گلستان پڑھی مگر اتنا بھی نہ سمجھے کہ زلیخا زن بود یا مرد۔

آزاد۔ واہ اُستاد گلستان سعدی اور یوسف زلیخا جامی کا پیوند تو خوب لگایا۔

ذات شریف۔ واہ واہ۔ جائے استاد خالی نیست۔

آزاد۔ بہت ہی خاصے۔ خالی نیست کی ایک ہی کہی۔

ذات شریف۔ جو میں فرماؤں وہ سنیئے گا۔

آزاد۔ بسم اللہ آپ عرض کیجئے۔ آپ کا اسم مبارک۔

ذات شریف۔ رئیس تو میں اسی شہر کا ہوں مگر میرا اسم مبارک لوگ رونق بیگ پکارتے ہیں۔

آزاد۔ سبحان اللہ۔ اسم مبارک پکارتے ہیں اور آپ اپنے مُنہ آپ رئیس ہیں واہ میاں مٹھو اور اسم مبارک اپنے نام کو کہنا آپ ہی کا کام ہے۔ چلئے بس اب سلام ہے۔

ذات شریف۔ حضرت آپ ہی لوگوں کی صحبت میں تو بندہ بھی بیٹھا ہے کہیں ایسے ویسے گھس کھدوں میں بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا جی ہاں۔ ذری اتنا سمجھے رہیئے گا۔ بندہ درحقیقت میں زبان داں ہے۔

آزاد۔ اجی آپ درحقیقت میں زبان داں ہیں بلکہ فی الحقیقت کے بیچ میں آپ زبان داں ہیں۔

خوجی۔ آپ واللہ نری خالص باتیں کرتے ہیں۔

عدالت منصفی میں بیوی دلا پانے کا مقدمہ

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز
کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

یک من علم را دہ من عقل باید ورنہ۔ ع

نہ محقق بود نہ دانشمند — چارپائے برو کتابے چند

پڑھے آدمی چاہے کم۔ لیکن جو کچھ پڑھے اُسپر غور ضرور کرے

یوں تو میاں مٹھو بھی حق اللہ پاک ذات اللہ نبی جی بھیجو کی رٹ لگاتے ہیں تو گھنٹوں زبان ہی بند نہیں ہوتی۔ لیکن اس سے آدمیت تھوڑا ہی آسکتی ہی علم وفضل کا شوق تو اکسیر کی خاصیت رکھتا ہے مگر بچا سعدی واللہ خوب کہہ گئے ہیں کہ۔ ؎

زمیں شور سنبل بر نیارد — درو تخم عمل ضایع مگرداں
نکوئی با بداں کردن چناں ست — کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

تو وجہ کیا۔ ؎

پرتو نیکاں نگیرد ہر کہ بنیادش بدست — تربیت نا اہل را چوں گردگاں بر گنبدست

اور جو عالم باعمل نہیں وہ چراغ ہی جسمیں نام کو نور نہیں گل ہی جسمیں ذرا بھی سرور نہیں۔ معشوق ہی جس میں آن نہیں۔ قالب ہی جس میں جان نہیں۔ پھر علم سے فائدہ کیا۔ ملحد مرتد زندیق دہریے بھی تو اکثر بڑے علماء فضلا گذر گئے ہیں ہر عالم باعمل نہیں ہی۔ ؎

جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰ نہیں کہتے — ہر ہاتھ کو عاقل ید بیضا نہیں کہتے

خیر آمدم بر سر مطلب۔ میاں آزاد دنیائے دوں کی بے ثباتی پر افسوس کرتے تھے اور خوجی منھ پھلائے ہوئے افیم کی جان کو روتے ہوئے جاتے تھے چلتے چلتے عدالت کے قریب پہونچے تو وہ چہل پہل کہ میلا لگا ہوا ہی خونچے والے پکار رہے ہیں گلاب ریوڑیاں دہی بڑے مصالحے کے مٹر ٹر ایک طرف ساقی چلمیں بھر بھر کر مشکبو دھواں دھار پلا رہا ہے سامنے ککڑ والا ادا ریلے حقے جلائے ایک ایک کے دو دو کر رہا ہے۔ وکلا بڑی بڑی مندیلیں دیئے فرق البھرک جوڑے پھڑکائے ادھر اُدھر گھوم رہے ہیں کوئی ڈگری پر سے اُترا اور دن سے کمرے میں داخل کسی نے مگمی روکی اور غرطاب گواہ گھر میں موجود۔ اہل مقدمہ ہونٹ لٹکے سے زیادہ کوئی نیم کے درخت کے سایہ میں ہری ہری دوب پر لیٹا ہے۔ کوئی سبزہ بیگانہ کو اپنا مسکن بنائے بیٹھا چبینا چبا رہا ہے گواہ سر بجیب تفکر یوں جھوٹ بولینگے۔ یوں بات بنائیں گے۔ وکیل ہم سے کرٹے کرٹے سوال کریگا تو ہم کہدیں گے کہ ہمیں یاد نہیں ہم نہیں جانتے

میاں آزاد اور خوجی بھی ٹہلنے لگے تو خوجی کیا دیکھتے ہیں کہ ایک دکان پر افیون جھڑا جھڑ بک رہی ہی باچھیں کھل گئیں۔ مرادیں مل گئیں۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جاتے ہی ایک گنڈا ڈبل دکان پر پھینکا لاؤ افیم جلد لاؤ۔ یار واسطے خدا کے دیر نہ لگاؤ۔ کل سے پریشان ہوں پیتے ہی گھولی اور گھونٹتے ہی غٹ غٹ۔

خوجی۔ اب آنکھیں کھلیں۔

آزاد۔ یوں نہیں کہتے کہ اب آنکھیں بند ہوئیں۔

خوجی۔ کیوں اُستاد جو ہم حاکم ہو جائیں اور کرسی پر بیٹھے ہوئے اجلاس کرتے ہوں تو بات بات پر ڈگریاں دیں اور بات بات پر ڈسمس کریں اور بھئی ابھی اگر کسی کو قتل بھی کر آئے تو مردود بچا ہو اپنے حساب جو سزا دے۔

آزاد۔ تو پھر نکالے بھی جلد جائیے۔ گردن بھی آپکی ناپی جائے۔

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے دوست کو ساتھ لیے ہوئے ٹہلتے جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ (ابھی ہمیں اپنی جورو پر اختیار ہے یا نہیں) اُنکا دوست کہتا ہی کہ ہاں ہاں بیشک آخر آپ کو نہیں تو کیا مجھ کو آپ کی بیوی پر اختیار ہے۔ تمھاری جورو پر اختیار کس کو ہوگا۔

خوجی۔ (آزاد سے) حضرت انکا نام بھی بیانگلوؤں کی فہرست میں داخل کیجئے۔ نمبر اول کے گھامڑوں میں حضرت کو بھی شامل کیجئے سنا بھی آپنے۔ یہ فکر ہوئی کہ اپنی بیوی پر اختیار ہی یا نہیں۔ واہ ری عقل ذرا اِن سے دو دو باتیں تو کیجئے گا آپ کو واللہ۔

معلوم ہوا کہ وہ صاحب کلرک ہیں اور دوسرے حضرت وکیل کلرک کی بیوی اپنے میکے میں ہیں۔ حضرت پہونچے کہ جورو کو ساتھ کر دو۔ اُنکے خسر الدولہ نے کہا کہ بھئی ہم ہندو دھرم ہیں آج اور کل ساعت

ابھی نہیں ہو دو دن تامل کرو پرسوں لیجانا۔ حضرت انگریزی خواں اور وہ بھی نیم ٹر۔ بس بگڑ کھڑے ہوے کہ چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے ہم ابھی ابھی لیجا دینگے اور ایک تو کڑوا کریلا دوسرے نیب چڑھا یہ کلرک صاحب تو ہوا کے گھوڑوں پر سوار تھے ہی وکیل بلے تو اُن سے بڑھ کر آزاد۔ اجی کیسی باتیں کرتے ہو۔ داغ نہیں دیتے نالش آج ہی نالش کرو۔ واہ ابھی دل لگی نکالی ہے۔ بیوی تمھاری اور دعویدار کوئی اور ہو۔ نال عرب پیش عرب۔ تمھیں شرم نہیں آتی کہ جورو پر اتنا بھی بس نہیں چلتا۔ لاحول ولاقوۃ۔ ایک چلو پانی تم ایسوں کے لیے کافی ہو۔ انھوں نے جو غیرت دلانا شروع کی تو وہ گھامڑ آدمی اور بھی تیز ہوئے اجی کیسی ساعت۔ ساعت کی ایسی تیسی انگریزی پڑھ کر ساعت کو مانیں تو خدا کی مار ہم پر۔

آزاد۔ ہاں ہاں اور نہیں تو کیا۔ ساعت چہ معنی دارد حضرت یہ سب ضعیف الاعتقاد آدمیوں کی باتیں ہیں۔ تربیت یافتہ لوگ ساعت واعت کو ذرا تو مانتے نہیں۔ مگر یار ایک بات تو ہم بھی کہیں گے چاہے تم نہ مانو تمھارے خسر تو اگلے وقتوں کے لوگ ہیں تمھاری بوڑھی ساس کی تو روح پر صدمہ ہوگا جو تم بے ساعت اُنکی پیاری لڑکی کو لیجاؤ گے پھر دو دن تامل ہی نہ کرو۔ بس اب آپکی جہالت ہے کہ مانتے ہی نہیں فرض کیجئے آپ زبردستی اپنی بیوی کو لے گئے تو نتیجہ بیوی کو الگ رنج ہوگا۔ اور آپ کی سسرال والوں کو الگ قاعدہ یہ ہے کہ جب لڑکی اپنے والدین کو ملول دیکھے گی تو خود بھی مغموم ہو جائیگی پھر رنج دیکر بیوی کو آپ لائے بھی تو کیا اور وہ ہی دن کا تو واسطہ ہے یا کچھ اور ناحق تھائیں تھائیں کرتے ہو۔ دو دن خاموش ہو رہو تیسرے دن دھکٹ سے اپنی بیوی کو لیجانا۔

کلرک۔ میں نہ مانوں گا۔ آج ہی لیجاؤں۔ ابھی ابھی اسی دم تو سہی۔ ذرا دیر ہو ہو جانے پاتے۔

وکیل۔ آپ تو خود دیر لگاتے ہیں۔ ایک دو پٹی لکھ کر دن سے داغ دو کہ لالہ سب قدر و عافیت بھول جائیں۔

خوجی۔ اجی کیوں گمراہ کرتے ہو کسی بھلے مانس کو۔ آپ تو واللہ خوب مینڈھے لڑاتے ہیں۔

آزاد۔ آخر دو دن میں بھلا کیا ہوئے گا۔

کلرک (وکیل سے) آپ لکھیے عرضی۔

وکیل۔ لیجئے ابھی لیجئے۔

بعدالت صاحب منصف۔

جاگیشر سنگھ قوم جاٹ ساکن جاپور پیشہ نوکری۔ مدعی

بنام

نانک رام قوم جاٹ ساکن فتحپور۔ پیشہ مہاجنی۔ مدعا علیہ

دعویٰ واسطے دلاپانے زوجہ کے۔

میں مدعی عرض رسا ہوں۔

۱۔ کہ بتاریخ ۲۰۔ فروری ۱۸۷۳ء میری شادی مساۃ سکھ دیا صبیۂ نانک رام کے ساتھ ہوئی۔

۲۔ ۳۱۔ ستمبر ۱۸۷۴ء کو مساۃ مذکورہ یعنی وہی سکھ دیا زوجہ میری اور صبیہ نانک رام کی مہاجن اپنے باپ کے گھر گئی۔

۳۔ باوجودیکہ میں خود اُسے بدا کرانے آیا تاہم اُس زوجہ میری کے باپ نے اُسکو رخصت نہ کیا اور کہا کہ ساعت اچھی نہیں۔ دو دن تامل کرو لہذا عدالت سے بچارہ جو ہوں کہ حق بحق دار رسد۔ عندالپکار کمترین خود بھی حقیقت حال عرض کریگا امیدوار مغفرت ہو کہ ڈگری بحق مجھ شوہر زوجہ کے عدالت سے صادر ہو۔

یہ دھوم دھام کی عرضی وکیل صاحب نے لکھی اور بہت اکڑتے ہوے میاں آزاد کو سنائی تو میاں آزاد ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔

خوجی۔ دعویٰ واسطے دلاپانے زوجہ کے۔ پوچھئے کہ آپ کی بیوی کو ضبط

کس نے کی ہے۔ اور یہ دل لگی دیکھیے گا کہ ماشاء اللہ کس فصاحت سے عرضی لکھی ہے۔ اسے ٹھکانا (زوجہ میری کے باپ نے اداء اس اُردو کے صدقے۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ صبیہ نانک رام کی ماجن۔ کیا ترکیب ہے۔ سبحان اللہ اس زبان دانی کے قربان۔

آزاد۔ اور عندالبکار تو دیکھیے۔ عربی اور ہندی لفظ کا اچھا پیوند لگایا یکمترین فدوی اس سے بڑھ چڑھ کر۔ غرض کہ جیسے وکیل ویسے موکل دونوں طرفہ معجون۔ ع۔ خوب گذرے گی الخ۔

خوجی۔ حضرت بڑی خرابی یہ ہے کہ زباں داں ہو تو انگریزی خواں نہیں اور انگریزی خواں ہو تو زباں داں نہیں۔ یہ دونوں انگریزی میں طاق ہیں خصوصاً یہ وکیل صاحب تو شہرۂ آفاق ہیں گر بس لمبی ڈاڑھی ہی دیکھ لیجیے۔ اور فارسی خاک نہیں جانتے واللہ مجھے کیا ہنسی آئی ہے جب حضرت نے لکھا کہ امیدوار مغفرت ساہے۔ معقول۔ امیدوار مغفرت ہو تو بھئی کسی پیر پادری یا گرجی کے پاس جاؤ۔ عدالت بھی کیا کچھ ذریعۂ مغفرت ہے اور فرماتے ہیں کہ ڈگری بحق مجھ شوہر زوجہ کے بہت خاصے شوہر زوجہ کی ایک ہی کہی۔ کوئی اس نادان سے اتنا تو پوچھے کہ زوجہ کے سوا کسی اور کے بھی شوہر ہوا کرتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔

خیر یہ عرضی لکھ کر وکیل اور موکل دونوں عدالت منصفی میں پہنچے منصف صاحب کو دیکھا کہ مونچھوں کو تاؤ دے رہے ہیں۔ دونوں نے جاکر اکڑتے ہوئے سلام کیا۔

منصف صاحب۔ (عرضی پڑھ کر) افسوس آپ تربیت یافتہ ہو کر اور ایسی حماقت کے مرتکب ہوئے۔ لاحول ولا قوۃ لعنت بکار شیطان بھلا غور تو کیجیے کہ دو دن کیلیے آپنے بے سمجھے بوجھے عرضی دیدی شریف کے لیے گڑ جانے کا مقام ہے۔ آپ کو شرم نہیں آتی آپ کے خسر یہاں ایک مشہور اور نام برآوردہ آدمی ہیں اُنکو آپ نے مفت میں ذلیل کیا اور خود بھی ذلیل ہوئے۔ جیصلاح کس دانشمند نے آپ کو دی۔

خوجی۔ یہاں دانشمند کے معنی بیوقوف۔ جن صاحب نے صلاح دی وہ ایک کلاہ تتری سر پر جمائے وہ سامنے کھڑے غٹر غٹر سُن رہے ہیں۔

منصف۔ میں نے جو کچھ کہا وہ نیچ کے طور پر کہا ہے ورنہ عدالت تو انصاف کرے گی۔

وکیل۔ آپ ان باتوں کے معتقد ہیں۔

منصف۔ کن باتوں کے۔

وکیل۔ یہی یہی۔

منصف۔ بہت ہی خوب۔ کوئی ہے۔ ذرا ڈاکٹر صاحب کو بلا لاؤ اسے صاحب کیا یہی۔

وکیل۔ ساعت بد اور ساعت نیک۔

منصف۔ ارے بھئی یہ میں تھوڑا ہی کہتا ہوں کہ ساعت کی پابندی تمہارے موکل پر فرض ہے۔ مانا کہ یہ پرانے کرم خوردہ خیالات ہیں۔ گر دو دن کے لیے نالش کرنا سسرے سے لڑنا جورو دلا پانے کی عرضی داغنا جہالت ہے یا کچھ اور شریف کے لیے تو ڈوب مرنے کا مقام ہے ہاں اگر انکے خسر اپنی لڑکی کو بالکل جانے ہی نہ دیتے۔ انکو خانہ داماد بنانا چاہتے تو آپ پر فرض تھا کہ عدالت کے ذریعے سے دادخواہ ہوتے گر دو دن کے لیے اس قدر ذلت اُٹھانا آپ ہی کا کام تھا۔

وکیل۔ ہم تو آج ہی لیجائیں گے۔

منصف۔ (جھڑک کر) منصرم صاحب عرضی واپس کیجیے۔ ۲۰ فروری تاریخ غلط ہے۔ فروری تیس دن کا آجتک مہینہ ہی نہیں ہوا

منصرم۔ اور ۳۱۔ ستمبر بھی لکھا ہے۔ ستمبر ۳۰ دن کا مہینہ ہے لیجیے اپنی عرضی بدل کر دیجیے۔ کل عید کی چھٹی ہے۔ پرسوں تشریف لایئے

وکیل۔ آپ لوگ نانک رام کا جنبہ کرتے ہیں۔

منصف۔ کیا فرمایا آپ نے۔ کیا ذرا پھر کہیے گا۔ داب عدالت سے بھی آپ واقف ہیں۔

وکیل۔ میں تو تنخ کے طور پر کہتا ہوں۔

منصرم۔ حضرت یہ اکھڑپن ہر مقام پر نہیں چلتا۔ آپ ایسے لائق و فائق آدمی سنجیدہ اور تربیت یافتہ اور یہ گفتگو۔ افسوس ہے آخر کس صحبت میں بیٹھے ہیں آپ۔

وکیل۔ چلیے کسی صحبت میں ہم بیٹھتے ہیں اس سے آپکو کیا مطلب

موکل۔ میری اچھی مٹی پلید کی آپ نے کل جمعہ ہی پرسوں اتوار اور ترسوں تو خیر الدولہ بہادر خود ساختہ کر دینے کا اقرار کرتے ہیں پھر مجھے فائدہ کیا ہوا۔ واہ اچھی صلاح دی آپ نے۔ اور یہ ۳۰ فروری کیوں لکھ گئے اور ۳۱ ستمبر کے کیا معنی ہوے۔ واہ بندہ نواز۔

آزاد۔ (خوجی سے) دیکھئے خواجہ صاحب واللہ ایسے ہی حضرات انگریزی خواں کو بدنام کرتے ہیں۔ یہ جو لوگ کہا کرتے ہیں کہ انگریزی خواں وحشی ہو سکتے ہیں اسکے یہی معنی ہیں۔ بلا پوچھے آپ نے عرضی بھی لکھی اور اپنے آپکو بھی مطعون کیا اور سسرال بھر کو لینے سے خلاف کر دیا اور انجام کیا ٹائیں ٹائیں فش۔ اور بیوی الگ طعنے دیگی کہ تم بات بات میں نالش جڑ دیتے ہو تم سے ذری بات کرتے خوف معلوم ہوتا ہے۔

خوجی۔ اجی یہ انکا قصور نہیں۔ یہ اُن حضرت کی عادت ہو۔

آزاد۔ انکا اسمیں کیا قصور۔ ارے بھئی ایک شخص نالش کرنے پر اُدھار ہی کھائے ہوے ہو آخر کوئی نہ کوئی وکیل ہوتا۔ اُنھوں نے کہا کہ اور کوئی کیوں ہو ہم ہی مستعد ہیں۔

راوی۔ اب خرابی تو یہ ہے کہ پرانے فیشن کے لوگوں کے کچھ اور ہی خیالات ہیں اور نئے فیشن کے لوگ کچھ اور ہی سمجھتے ہیں پھر فرمایئے دونوں میں باہم بنے کیونکر اب۔ ؎

وگر زنجیر باشد بگسلانند		اگر هر دو جانب جاہلانند

اور جو ایک طرف گرم دوسری طرف نرم ہوں تو بات بن جائے۔ نوجوانان انگریزی خوان پر فرض ہو کہ بڈھوں سے ہر امر اور ہر بات میں اُلجھا نہ کریں آپ لاکھ جتن کیجئے وہ اپنی ہی سی کیے جائینگے تو جو کیا اسّی اسّی برس کے جو خیال جمے ہیں وہ کہیں دم کے دم میں مٹ سکتے ہیں اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ نئی پود کے آدمی پرانی دقیانوسی باتوں کو آمنا و صدقنا کہکر خواہ مخواہ تسلیم ہی کر لیں۔ لاحول ولاقوۃ وہ دلیل اور برہان کے بغیر کچھ بھی نہ مانینگے۔ دوسری خرابی یہ ہو کہ بعض حضرات ان امور میں عقل کو بالکل معطل کر دیتے ہیں عقل سے بالکل کام ہی نہیں۔ بس جو ہم کہیں وہ مانو چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ لاحول ولاقوۃ۔ انکی پابندی وہ کر چکے۔ ؎

این خیال ست و محال ست و جنوں ؛ اس روز بہ واقعے مقدمہ میں بیشک کلرک اور اُسکے لائق وکیل کی رائے صائب تھی کہ ساعت کیسی گر غلطی اسقدر ہو گئی کہ جوانی کے جوش میں آکر دو دن کے لیے نالش کر بیٹھے موکل صاحب یعنی وہی کلرک پھر میاں آزاد سے مخاطب ہوے۔

کلرک۔ آخر آپ سخت سُست کلمے کیوں زبان سے نکالتے ہیں ہم جانیں ہماری جورو جانے آپ کہاں کے میر فیصلی بنے ہیں۔

آزاد۔ مانو تو فہو المراد۔ نہ مانو تو اپنی زد عا کو یاد کرو۔ اگر اشرف المخلوقات ہو تو بہائم و وحوش و دد و دام نہ بن جاؤ۔

کلرک۔ اشرف المخلوقات آپ ہوں گے۔ یا آپکے باپ ہونگے انسان کو اشرف المخلوقات کون کہے گا بھلا۔

آزاد۔ سبحان اللہ۔ پھر اشرف المخلوقات کون ہو۔

کلرک۔ گدھا ہو۔ اور کون ہو۔ یہ کھلی ہوئی اور بنی بنائی بات ہو۔

خوجی۔ (ہنس کر) واہ اُستاد تم ہی تو ایک گرو ملے ہو انھیں۔

آزاد۔ یہ کس گرو سے پٹی پڑھائی ہو۔ کس کی بیعت کی ہو آپ نے

کلرک۔ ہمارے اُستاد شیطان۔ دیکھ لیجئے۔ خدا نے لاکھ لاکھ اصرار کیا کہ سجدہ کر مگر اس نے نہ مانا۔ مستقل مزاج آدمی بات کا دھنی تھا

آزاد۔ کیا شیطان بھی آدمی ہے۔

کلرک۔ آدمی کا آدمی اور فرشتہ کا فرشتہ۔

آزاد۔ تو قبلہ معاف فرمائیے۔ بس میں ہارا آپ جیتے۔ آپ سے بھلا بحث کون کرے۔ گدھے کو آپ اشرف المخلوقات بتلاتے ہیں حضرت شیطان رجیم آپ کے ہادی ہیں۔ آپ سے خدا بچائے۔

کلرک۔ قبلہ سنیئے۔ ؎

اپنی جگہ تو سب کو ہے دعوائے مردمی
میدان کارزار میں ٹھہرے تو مرد ہے

آپ فقرے پر فقرہ چست کرتے تھے اور بندہ سون کھینچے چپ چاپ بیٹھا تھا مگر اب بولیے تو دیکھئے وہ جواب دنداں شکن دوں کہ آپکے دانت ہی کھٹے ہو جائیں۔

ایک بخیل اور ایک فضول خرچ کی حالت کا مقابلہ

میاں آزاد خانہ برباد کو چین کہاں کہ ایک جگہ دو دن بھی ٹک جائیں چلنے میں آندھی روگ دہ اچھلا چال کہ تو یہ ہی بھلی جو کہیں دس پانچ دن جم کر رہنا ہوا تو گویا شہر کاٹنے کھاتا ہے۔ چین ہی نہیں آتا۔ خوجی اسسے بڑھ کر بیقرار انکے بھی دل کھنگر ساتھ اچھا ہوا۔ لیبنے اپنے رنگ میں دونوں مست میاں آزاد کی طبیعت کچھ ایسی گھبرائی کہ ٹرکی جانے کی دھن سمائی اور اُنھوں نے قسم کھائی کہ بس اب سیدھے بمبئی چلیں گے ذرا توقف نکریں گے سوچے کہ اللہ اکبر اتنے دن ہو گئے اور اینجانب در بدر گھوم رہے ہیں کہیں نواب صاحب کے دربار دُربار میں ڈٹے ہوئے ہیں کہیں ریلوے اسٹیشن پر مصروف ماتم ہیں کہیں کسی درویش سے گلہ بلکہ مشغول جنگ بحث کر رہے ہیں کہیں کسی فقیر کی کٹی میں بر ہا اُڑا رہے ہیں۔ یا ٹیکرے پر بیٹھے رنگے سیاروں کو صلواتیں سنا رہے ہیں۔ خوجی ادھر ہی دھن میں ہیں شہر میں پہونچے پہلے یہی فکر ہوئی کہ افیم کی دکان کہاں ہی۔ افیم کھتے سیر ہو اور کس مزے سے حضرت چنیا بیگم کا نام زبان پر لاتے تھے اور پیتے ہی گلقند آفتابی ہو جاتے تھے گھولی اندیشہ غلطی ہوے ڈبیا گھولی اور باچھیں کھل گئیں۔ میاں آزاد کبھی کبھی انکے دق کرنیکے لیے ڈبیا کو چھپا رکھتے تھے۔ لے ہو بس قیامت کا سامنا تھا۔ آنکھوں سے اشک جاری اور انتہا کی بیقراری اور گریہ و زاری۔ واہ یہ کہاں کی دل لگی نکالی ہو۔ اچھی دل لگی ہے۔ اس سے کسی دن مار ہی نہ ڈالو کہ بس عمر بھر کو چھٹی ہی ہو جائے روز روز کا جھنجھٹ کیوں رہے۔ آزاد کہتے کہ ابھی تم تو اُڑتی چڑیا پکڑتے ہو۔ معقول ہے ابھی کیا ہی۔ ابھی تو ہوا سے لڑو گے۔ بھلا میں افیم کو لیکر کیا کرتا۔ یہاں اس کی صورت سے نفرت ہی دیکھیے جیب دیب میں دیکھیے۔ اتنا سنا تھا کہ۔ ع۔ سمند غیظ پہ اک اور تازیانہ ہوا۔ جیب دیب میں اہو نھ۔ ہم کو بھی کوئی لونڈا مقرر کیا ہو اتنی بڑی ڈبیا اور جیب میں کیوں کیا سوئی ہے یا رائی کا دانہ ہی اور اوپر سے آنکھیں دکھاتے ہو۔ واہ وا اچھی دل لگی ہو لائیے نے بس لائیے۔ دل لگی ہو چکی۔

جب کبھی میاں آزاد کا جی گھبراتا تھا تو خواجہ صاحب کو چھیڑ دیتے تھے بس ایک دفعہ کوک دیجئے پھر دل لگی دیکھیے۔ اور چھیڑ کر چپکے ہو رہیئے۔ پھر گھنٹوں نئے نئے سُر سُنا کیجئے۔

آزاد۔ بھئی خوجی

خوجی۔ خوجی کہیں اور رہتے ہوں گے۔

آزاد۔ ارے بھئی خوجی بندگی عرض ہی۔

خوجی۔ کہدوں گا

آزاد۔ آپ تو نقال ہو گئے ہیں دیکھتا ہوں۔

خوجی۔ صحبت۔

آزاد۔ ہم پر آپ کی صحبت نے رنگ نہ جمایا؟ ہمیں افیم پینے کا شوق نہ چڑایا؟۔

خوجی۔ قسمت۔

آزاد۔ اب کہو اسوقت کیا مانگتے ہو۔

خوجی۔ قناعت۔

آزاد۔ یہ تو یار اُس قبر کی برکت ہے جس پر آپ بیٹھے تھے ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ کسی ولی اللہ درویش حق آگاہ کی تربت پر بیٹھے اور پارس ہو گئے۔ تو اب پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں اور دو مڑے ہو؟

خوجی۔ پوست کے کھیت میں۔

آزاد۔ خوب۔ اور روح؟

خوجی۔ افیموں کی ٹکڑی میں منڈلا رہی ہوگی۔

آزاد۔ جو نسبت کتے کو ہڈی اور چیل کو بوٹی اور بلی کو تہ چھچھڑوں سے ہے وہی نسبت آپ کو افیم سے ہے۔

خوجی۔ اب کہیے چلنے چلانے کی بھی فکر ہے یا جلّی کے خواب میں چھیچھڑے ہی چھیچھڑے نظر آتے ہیں۔

آزاد۔ اب چلیے بس۔

خوجی۔ گرد ایک یوم از دم مرا دمِ مرادِ من دم ایک مقلم اور بس وہی ایک مقام۔

آزاد۔ یا آپ ایک لفظ کہتے ہو اور اٹھارہ بار مقام کی دھن۔

خوجی۔ مطلب یہ کہ بمبئی تک بس وہی ایک جگہ مقام ہے باقی کوچ۔

آزاد۔ بس اب کوچ بولا تو بولا۔ مقام چہ معنی دارد۔

خوجی۔ بسم اللہ کر کیے۔

آزاد۔ بسم اللہ چلیے آیئے۔

میاں آزاد اور خوجی بات کی بات میں ریل کے اسٹیشن پر ہو رہے تھوڑی دیر تک ٹہلا کیے تو سُنا کہ ابھی ریل چھٹنے میں دو گھنٹے ہیں۔

اُف بڑا وقت باقی ہے۔ ناحق جلدی کی۔ مگر خیر۔

آزاد۔ ارے میاں ابھی دو گھنٹے ہیں۔

خوجی۔ پھر گولی دن سے نشانے پر پڑے۔ چاہے اُس پار ہو جائے مگر ایک انگل کیا معنی ایک چاول بھر بھی فرق پڑے تو کیا۔ بھائی ریل پر جب ہمئے دو گھنٹے پہلے۔ اب آپ تو مال کی حفاظت کیجیے بندہ ذری لپک کر افیم تو لے لے۔ بس گیا اور آیا چٹکی بجاتے جاؤں اور یوں آؤں (چٹکی بجا کر)

آزاد۔ اب تو آپ چٹکیوں پر اُڑانے لگے۔

میاں خوجی تو اُدھر افیم لانے لپکے اور آزاد اسٹیشن پر ایک ایک کا جائزہ لینے لگے۔

آزاد۔ (ایک ہندو مسافر سے) رام رام بھائی رام رام۔

ہندو۔ (مسکرا کر) سلام صاحب سلام۔ ستھنا پہنے ہو اور رام رام کہتے ہو۔

آزاد۔ ارے بھائی۔ خدا اور رام ایک ہی تو ہے۔ یہ تو فقط عقل اور سمجھ کا پھیر ہے۔

ہندو۔ ہاں صاحب ہے تو ایسا ہی۔

آزاد۔ کہاں جاؤ گے ٹھاکر۔

ہندو۔ گاؤں یہاں سے پانچ کوس ہے ہم پہر بھر سے یہاں بیٹھے ہیں رات کا اُٹھے۔ نہادا۔ پوجن کیا۔ ستو باندھا۔ ٹھنڈے ٹھنڈے یہاں آئے گئے۔

آزاد۔ کتنے گاؤں ہیں تمہارے۔

ہندو۔ اے بچہ اب یو سمجھو کہ کوئی دو ٹی تو ہمکا کر پچ مر پا گئے بچ رہت ہیں۔

آزاد۔ اور یہ گاڑھے کی دھوتی اور گاڑھے کی میرزائی تمہاری قسمتوں میں ہے۔

اتنے میں آزاد ٹہلتے ہوئے اور طرف چلے تو آواز آئی کہ دیکھیں یہ کیا بھسا کو بھر گئے ہو ہم سے یہ دو سیر خمیرا لو اور اچھا موٹا تو ابھر کر لاؤ۔ میاں آزاد پیچھے پھر کر جو دیکھتے ہیں تو اللہ اکبر یہ تو کوئی بڑے رئیس ہیں بھئی۔ اور یہ تو ہم تب ہی سمجھ گئے تھے جب دو سیر ے کی فرمائش ہوئی تھی۔ ایک سُرخ زین پوش بڑے تکلف سے بچھا ہوا ہے۔ اور ایک صاحب گرد فرش کے ساتھ متمکن ہیں۔ جامدانی کا کرتا ادھی کا انگرکھا

تین روپیے کی سفید ٹوپی سر پر کج رکھے ہوئے کوئی دو ڈھائی سو کی گھڑی جیب میں اور اُسکی طلائی زنجیر زیب گلو چپت گھٹنا ڈاٹنے ہوئے جیسے بگلے کا پر۔ قریب چار پانچ سفید پوش اور بیٹھے ہیں اور ایک ایرانی سے فارسی میں گفتگو ہو رہی ہے۔ وہ زبان دان فرّاٹے اڑا رہا ہی یہ لوگ بس بلے بلے کہہ دیتے ہیں اور جو کوئی لولا لنگڑا فقرہ بولے بھی تو بلے تکا ایک منشی صاحب نے یہ مخمس سُنایا۔ ؎

واعظا چوں لطف می چند در آئی بخروش — کہ بیادر بہ چمن خلد دمی ساغر نوش
گیرم آں خم دہمہ نوش ست ولیکن منش — کردہ ام توبہ پرست صنم بادہ فروش
کہ دگر مے نخورم بے رُخ بزم آرائی

ایرانی۔ بارک اللہ ایں آں شماست۔
منشی صاحب۔ بلے بلے۔ اشعار ست۔ این اشعار ست۔
ایرانی۔ ہرچہ غیر اوست پوچ ست۔
منشی صاحب۔ بلے بلے۔
راوی۔ اب فارسی کی ٹانگ نہ توڑیے۔ معلوم ہو کہ آپ بلے بلے جانتے ہیں اور ایرانی کو سکھاتے ہیں کہ اشعار ست۔ این اشعار ست۔ بہت ہی خاصے فارسی بولنا فرض ہی کیا ہے۔ نہیں بول سکتے تو خاموش ہی رہو۔ اُردو ہی میں گفتگو کرو۔ یہ بلے بلے کب تک کیے جاؤگے اور ایرانی ایک اُستاد وہ بھی تاڑ گئے کہ یہاں سب گوگھے ہی گوگھے بیٹھے ہیں بس بلے بلے کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔
منشی صاحب۔ جناب شنیدن کنند کہ۔
راوی۔ اُف واللہ پھڑکا دیا۔ بھئی اس (شنیدن کنند) نے پھڑکا دیا۔ لوٹن کبوتر بنا دیا۔ شنیدن کنند یعنی سنیے۔
ایرانی۔ (مسکرا کر) جناب گفتن کنند بندہ شنیدن می کند۔
آزاد۔ (ہنس کر) و بندہ نیز خندیدن می کند۔
ایرانی۔ آزاد کی طرف مخاطب ہو کر) کیستی تو کیستی

آزاد۔ بابا غلام فصحای خاک پاک ایران زمین۔ درویش عزلت نشین ننگ انام آزاد برائے نام۔
ایرانی۔ (خوش ہو کر) بیا و نزد ما بنشیں (میر صاحب کی طرف مخاطب ہو کر) حالا گفتن کن۔ بندہ شنیدن می کند۔
منشی صاحب۔ پدر ما۔ وہ پدر من۔ لاحول ولا قوۃ۔
راوی۔ اچھے خلف الرشید پیدا ہوئے کہ باپ ہی کے نام پر لاحول پڑھنے لگے۔ ہونہار ہو۔ شاباش ع۔ عمرت دراز باد کہ اینہم غنیمت ست
منشی صاحب۔ پدرم۔ (آ گئے آیت)
ایرانی۔ (قہقہہ لگا کر) ؎

پدرم روضۂ رضواں بدو گندم بفروخت
نا خلف باشم اگر من بجوے نفروشم

منشی صاحب۔ (بہت خوش ہو کر) او کہ حافظ جی دریں اشعار گفتند آدم بود و پدرم۔
ایرانی۔ مسکراتے ہوئے او آدم بود و پدر شما خرک مسکیں
منشی صاحب۔ (سمجھے خاک نہیں مگر بول اُٹھے) بلے بلے۔
آزاد۔ واہ رے تیرے بلے وہ انکے پدر بزرگوار کو خرک مسکیں بنا رہا ہے اور آپ بلے ہی بلے کرتے جاتے ہیں اور یہ حافظ جی کی کتنی کہی ہو واللہ حافظ شیراز کو حافظ جی آجتک کسی نے نہ کہا تھا۔ اور چلے ہیں اہل زبان سے فارسی بولنے۔ ؎

بت کریں آرزو خدائی کی — شان ہے تیری کبریائی کی

منشی صاحب۔ پدرم زبان خود را تراشید و در گوشہ مقام نشستہ بود۔
ایرانی۔ (بہت ہی ہنس کر) زبان خود بریدہ بکنج نشست مگر دیوانہ بود۔
آزاد۔ پاگل خانے بھیج دیجئے۔ کوئی ان منشی صاحب سے پوچھے

کہ اس لغو بیانی کی ضرورت ہی کیا تھی بھلا۔

منشی جی۔ پدرم امروز در آگرہ عرف اکبر آباد دست دچپا صاحب آمدند۔

ایرانی۔ (آہستہ سے) ع مارا چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت۔

آزاد۔ کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

منشی صاحب۔ جناب میدانند کہ بوتیرہ چہ معنی دارد۔

ایرانی۔ (متحیر ہو کر) چہ می پرسی بوتیرہ۔

منشی صاحب۔ (زمین پر کوئلے سے لکھ کر) بایں طور (بوتیرہ)

ایرانی۔ بوتیرہ۔ لقب حضرت علیؑ ست۔

منشی صاحب۔ بلے بلے بے خطا ست۔ قاآنی در ایران شما شعر خوب و عمدہ عمدہ میگوید۔

ایرانی۔ قاآنی مُرد۔

منشی صاحب۔ سعدی ہم مُردہ باشد۔

ایرانی۔ نام سعدی شیرازی بفصاحت زندہ است۔

منشی صاحب۔ در یکجا دہان قُتی را انگور میگویند۔ قُتی چہ معنی دارد۔

ایرانی۔ قُتی در ترکی صندوقچہ را گویند۔

منشی صاحب۔ بلے بلے۔ دکمر را پیچ نمودن چہ معنی دارد۔

ایرانی۔ کمر پیچ کردن کنایہ از اندک توقف کردن۔ ع

از نخستین نکہت مست سرانجام کردی	کمرے پیچ نکردم کہ کبابم کردی

منشی صاحب۔ ساس را ساس میدانی۔ ساس مادر زوجہ را میگویند۔ خوش دامن برائے ایں صحیح ست یا غلط۔

ایرانی۔ خوش دامن۔ تراشیدۂ فارسی دانان ہندوستان ست و بہ ایران ما مادر زن و مادر شوہر گویند۔

خیر ایرانی تو رخصت ہوئے اب میاں آزاد نے پوچھا کہ حضرت اسم مبارک۔

رئیس۔ خاکسار کو محمد منور علی کہتے ہیں۔

آزاد۔ دولت خانہ۔

رئیس۔ غریب خانہ ایک قصبہ میں ہے یہاں سے کوئی پانچ کوس پر میرے دیہات ہیں۔ کچھ زمینداری ہے۔ بسر ہے۔

میر صاحب۔ آپ بڑے رئیس ہیں سو روپیہ ماہواری خود بچ رہتا ہے چار بھائی ہیں۔ دو چچازاد بھائی ہیں اور تیس تیس روپیہ پاتے ہیں پچاسوں نوکر چاکر آدمی سواری۔

آزاد۔ یہاں تو بطریق سیر و تفریح آپ آئے ہونگے۔

میر صاحب۔ نہیں کچھ روپیہ قرض لینا تھا۔ سو مہاجن دو روپیہ سیکڑا سود مانگتا ہے۔

میاں آزاد نے منشی صاحب کو اشارے سے بلایا اور الگ لیجا کر یوں ہم کلام ہوئے۔

آزاد۔ حضرت روپیہ قرض لیجئے تو ہمارے ہی ذریعے سے دس ہزار بیس ہزار پچاس ہزار لاکھ دو لاکھ جتنا کہئے مگر جاگیر قرق کرا لینگے اور چار روپیہ فی صدی لینگے۔

منشی صاحب۔ واہ نیکی اور پوچھ پوچھ اگر آپ اک چودہ ہزار بھی دلوادیں تو بڑا احسان ہو۔ اور سود چاہے پانچ روپیہ سیکڑا لیجئے تو کیا پرواہ ہے۔ سود دینے میں تو ہم آندھی ہیں۔

آزاد۔ بس بس چکا یہ سود کی کیا بات چیت ہو بھلا۔ سود کیا معنی ہم کہیں سود لیا کرتے ہیں۔ منافع نہیں کہتے۔ سود! بڑے وہاں سے روپیہ دلانے والے بنکے آئے ٹھہرا اب سود کا لفظ زبان سے نہ نکالنا ورنہ تم جانوگے

منشی صاحب۔ اچھا حضور منافع سہی۔

آزاد۔ سہی۔ یہ سہی کیا معنی۔ اور یہ تو بتاؤ کہ سو روپیے بے غل و غش پاتے ہیں تو پھر چودہ ہزار قرض کیوں لیتے ہیں۔ اللہ اللہ ایک دو نہیں چودہ ہزار ایک دم سے لاحول ولا قوۃ۔

منشی صاحب۔ پیر و مرشد آپ تو کوئی پروا نہیں ہو سو پاتے ہیں اور پانچ سو مہینے میں اڑاتے ہیں عمدہ کھانا کھاتے ہیں۔ باریک اور قیمتی کپڑے پہنتے ہیں پھر وہی مروت اتنے بڑے کہ سائل کبھی محروم ہی نہیں جاتا جس نے سوال کیا خوش خوش گیا۔ اور ریاست کی بو دماغ میں ہے کوٹھیاں بنوائیں بنگلے بنوائے بگھیاں اور گھوڑے یابو خریدے پھر یہ سب آئے کہاں سے۔ بنک سے لیا مہاجنوں سے لیا اس سے لیا اس سے لیا۔ اب چودہ ہزار کے پیٹے میں آ گئے۔ اب کوئی ٹکا نہیں دیتا جس سے مانگتے ہیں وہ ہوا بتاتا ہے۔ کوئی پوچھتا تک نہیں رہی سہی ساکھ تو تین ڈگریوں سے اور بھی خاک میں مل گئی چلیے۔ ع نے غم دزد نے غم کالا اب دیکھیے نہ۔ یہ تو حالت ہو گئی ہے اور دوسرا دھواں دھار اڑ رہا ہے اور چار پانچ حضرات ساتھ ہیں۔ صبح و شام دو وقت چالیس پچاس آدمی دسترخوان پر کھاتے ہیں اور ایسا ویسا کھانا نہیں کہ دال ماش اور چپاتیاں نگل لیں۔ مرغن۔ اشرفی لقمہ پھر یہ آئے کس کے گھر سے بھلا۔ سو ہی کی تو اوقات ہے۔ سو دو پیسے کی کیا بساط۔ آپ کہیں سے دلوا دیں تو بیڑا پار ہے ورنہ کشتی اب ڈوبی اور اب ڈوبی اور غرقاب خاک تھاہ نہ ملے گی۔

آزاد نے اس تقریر کو سنکر کمال افسوس کیا اور سوچے کہ کفایت شعاری کو بھی خدا نے کیا ہی شرف دیا ہے۔ اس فضول خرچی سے خدا بچائے کہ اس سے انسان دین و دنیا دونوں میں سے ایک کا بھی نہیں رہتا اور جہاں اس کی طرف انسان مائل ہوا بس پھر اس سے بچنا محال ہے۔ ؎

خوئے بد در طبیعتے کہ نشست	نرود جز بوقت مرگ از دست

راوی۔ اب ان ٹھاکر صاحب اور ان صاحب کا مقابلہ تو کیجیے۔ وہ بھی زمیندار یہ بھی زمیندار۔ وہ گاڑھے کی دھوتی اور گاڑھے کی مرزائی پر قناعت کرتے ہیں اور یہ شربتی اور جامدانی پھر کاٹتے ہیں وہ ڈھائی تلے کا لکڑ ترچھر دھاگنواری جوتا پہنتے ہیں یہ پانچ روپیہ کی چکنی دکھنی اوگی وہ بجھوری یا پالک اور چنے کی روٹی کھاتے ہیں۔ یہ دو وقت شیرمال اور باقرخانی اور مرغ پلاؤ پر ہاتھ لگاتے ہیں۔ وہ ٹکے گز کی چال چلتے ہیں۔ یہ زمین پر قدم ہی نہیں رکھتے ہوا کے گھوڑوں پر سوار ہمارے نزدیک دونوں پر پھٹکار۔ وہ کنجوس یہ فضول خرچ ذلیل و خوار وہ روپیہ کو دفن کیے ہوئے ہیں یہ روپیہ لٹاتے پھرتے ہیں ہائے خیر الامور اوسطہا سے محروم ہیں کسی کی نظر نہیں ڈالتا دونوں مصیبت میں ہیں۔ وہ کھا نہیں سکتے تو یہ کھا نہیں سکتے۔ افسوس صد افسوس دونوں کے افعال ایک دوسرے کے خلاف۔ اور دونوں مرکز اعتدال سے قدم باہر نکالے ہوئے۔ ٹھاکر سے کوئی اتنا کہے کہ ٹھاکر صاحب اب ساٹھ کے پیٹے میں ہو دس پانچ برس اور جیے تو جیے۔ یہ اس قدر سختی اور جبر اپنے نفس پر کیوں گوارا کرتے ہو۔ کہ چمڑی جائے گر دمڑی نہ جائے۔ جان جاتی رہے گر ٹکا نہ نکلے۔ لاحول ولا قوۃ۔ اب بڑھاپے ہو سکھاؤ اور کھلاؤ سا اور ان حضرت کو کوئی اسقدر تو سمجھائے کہ میاں چوٹی تک قرض سے ڈوبی ہوئی ہے آخر کچھ فکر بھی ہے یا آنکھ بند کیے دیے ہی لٹائے جاؤ گے خواب غفلت تا کجے۔ اب زمینداری گویا ہی چاہتی ہے پھر وہ مصیبت پڑے گی کہ عمر بھر نہ بھولے گا۔

لیکن ارباب خرد اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ٹھاکر لاکھ منحوس کنجوس ممسک بدبخت سہی مگر ان سے ہزار درجہ اچھا ہے۔

سیر ہیکلان ملک مہراشٹ کی چاپڑی اور دکھن کی پاک نظری

مہر سپہر دو لزدی و سپہر مہر کچھ گردی میاں آزاد خانہ برباد اور انکے زندہ دل و صافی مذاق رفیق بالتحقیق میاں خوجی نے بادل شاد ملک مہراشٹ یعنی دکھن کی بھی سیر و سیاحت لگے ہاتھوں کر لی یہ مقام جنت سواد میاں آزاد خانہ برباد کو ایسا بھایا کہ بے اختیار زبان حال اور لسان مقال سے یہ شعر خوجی کو سنایا۔ ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم	کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

اگر فردوس بر روئے زمین ست — ہمیں ست و ہمیں ست و ہمیں ست

یوں تو اُس مقام دلپذیر کی ہر ایک شے بے نظیر پائی لیکن یہ وضع انکو سب سے زیادہ بھائی کہ پردے سے مستورات کو اصلا کام نہیں۔ چادر و برقع کا کہیں نام نہیں۔ شریف زادیاں بے حجاب۔ والا دودمان بیڈیاں برافگندہ نقاب۔ مگر آنکھوں میں حیا و آزرم نہاں۔ چتون سے نیکی اور شرم عیاں۔ تمام شہر حسن و جمال کی کان ہے۔ ملاحت و صباحت کی جان ہے۔ یہاں کی کچھ اور ہی آن بان ہے۔ ؎

شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد — بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

ساریاں زیب تن ہیں۔ مصروف سیر چمن ہیں۔ میاں آزاد نے ٹھان لی کہ ٹرکی سے واپس آئے اور بس یہاں ہی بستر جمایا۔ تمام ہندوستان میں بس یہی ملک نمونۂ باغ نعیم نظر آیا۔

خوجی۔ کیوں میاں یہاں تو کچھ عجب رسم ہے بھئی یہ۔ رنڈیاں کیسی ہی شریف زادیاں منہ کھولے پھرتی ہیں۔ اس مطلق الغانی کے صدقے واللہ کیا آزادی ہے لاحول ولاقوۃ شرم و حیا سب بھون کھائی۔

آزاد۔ اور سنئے آپ لاحول پڑھتے ہیں۔ کیوں صاحب یہ لاحول پڑھنا کیا معنی پردہ کیسا۔ پردہ ڈھکوسلے کا نام ہے۔ عرب میں عجم میں افغانستان میں مصر میں مراکو میں ترکستان میں کہیں بھی پردہ ہے یہاں پردہ آنکھ کا۔ انکے دل میں حیا اسطرح مکنوں ہے جیسے قلب میں مکنون سِر ہے۔ اے نادان کہیں برقع سے پاکبازی آتی ہے۔ کہیں چادر حیا سکھاتی ہے۔ جہاں گھونگھٹ کاڑھا اور نظر پڑنے لگی۔ قمار بازوں کی آنکھ لڑنے لگی۔ اور بعض اوقات۔ ؎

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد — چوں باز کنی مادر مادر باشد

لیکن گھونگھٹ سے آخر فائدہ ہی کیا ہے۔ گھونگھٹ پہ انسان کی نظر پڑی اور کہنا شروع کیا کہ۔ ؎

نیم سوئے نقاب از چہرہ بردار — بنی آید خوشم لعل لن ترانی

کلیم ما و تو از عشق ہر دو سوختہ ایم — ترا تجلّی یارا نقاب می سوزد

خوجی۔ تو آپ بالکل آزاد آدمی ہیں مگر اپنا یہ مقولہ ہے۔ ؎

قدم بروں ننہد ماہ من ز منزل خویش — بود چو صورت آئینہ زیب محفل خویش
یار سرگرم حیا من ادب آموز نگاہ — چشم تا کار کند شرم و حجاب ست اینجا

یوں تو ہر ملک دہر رسے مشہور ہے۔ مگر ہمارے ملک میں تو کماریاں اور مائیں تک پردہ کرتی ہیں نہ کہ شریف زادیاں۔ معاذ اللہ ایک قدم تو بے پردہ کے جاتی نہیں کیا مجال۔ شرم آشنا رگ رگ میں حیا۔ ؎

چوں بیند آن بت شرم آشنا آئینہ را — صورت بیگانہ وا نداز حیا آئینہ را

آزاد۔ ارے میاں نقاب کو شرم اور حجاب کو آزرم سے کیا سروکار حیا آنکھ کی اس سے بڑھ کر حجاب ہی نہیں۔ اس پاک نظری سے بہتر نقاب ہی نہیں۔ حیا دل میں جیسے بو برگ گل میں یا سرور بادہ و گل میں۔ اور ہمارے ملک ہمارے خاص وطن مالوف و مانوس میں تو پردے کا نام نہیں جیسے عرب ٹرکی میں روم و شام میں سب جگہ یہ رسم کافور ہے ویسے ہی ہمارے ہاں بھی۔ مگر ہندوستان کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔

خوجی۔ آپ کا ملک کون خراسان ہے۔ آخر اُس آپکے خاص ملک کا نام تو سنوں۔

آزاد۔ کشمیر جنت نظیر۔ خدا آباد رکھے اکون کشمیر۔ وہ کشمیر جسکی شان میں عرفی شیرازی کہہ گئے ہیں۔ ؎

ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر در آید — گر مرغ کباب ست کہ با بال و پر آید
از بس کہ کند جذب طبیعت خورش نیست — گر کاسۂ چینی نہ جواہد جگر آید

وہاں ہندو مسلمان سب کی مستورات مخدرات صرف برقع پوش نکلتی ہیں یا ذرا ہاتھ سے چہرہ کو چھپا لیا۔ مگر یہ مرض نہیں ہے کہ عورت گھر کے باہر قدم ہی نہ رکھے۔ یہ تو ہندوستان ہی میں عارضہ پھیلا ہے۔ ہم تو جب ٹرکی سے واپس آئیں گے۔ بس یہاں ہی بستر جمائیں گے اور حسن آرا کو

ساتھ لے کر مطلق العنانی اور آزادی کے ساتھ ہوا کھائینگی صبح و شام اس گلفام نازک اندام کو بغل میں بٹھائے گی پر ہوا کھا رہے ہیں سیر چمن اور تماشائے نسرین و نسترن کے مزے اُڑا رہے ہیں۔

خوجی۔ یار بات تو خاصی ہے مگر مجھ منحوس کی تو بیوی اس لائق ہی نہیں کہ ہوا کھلانے لیجاؤں۔ اور اپنے آپکو مفت میں ہنسواؤں۔ اور الّو بنواؤں اور اپنے اوپر آوازے کسواؤں۔ اول تو اب بوڑھی ہوئیں مجھ سے کوئی دو اور ایک اور تین چار برس بڑی ہوں گی۔

آزاد۔ (ہنس کر) یار تم بھی واللہ بس نمبر اول کے بیوقوف ہی رہے بھلا صحبت یافتہ آدمی کی زبان سے کبھی یہ لچر فقرہ نکلے گا کہ بیوی مجھ سے چار برس بڑی ہے عمر بھر نوابوں کی صحبت میں رہے مگر بات کرنیکی تمیز نہ آئی نہ آئی۔ باقی رہا ہوا کھلانے کی نسبت۔ آپکی زوجہ محترمہ سیاہ فام ہیں اور اُنکے کالے مُنھ سے آپ جھیپتے ہیں ہوا کھلانے میں مضائقہ ہی کیا ہے۔ آخر ہرج کی کیا بات ہے۔

خوجی۔ جی جب جہنم جاؤں گا تو وہاں ہوا کھلاؤں گا۔ بھائی اتنا نہیں سمجھتے کہ کیا مجھے گُھٹنے کاٹا ہے جو بیٹھے بٹھائے جورو کو گلی کوچے میں ہنڈواؤں واہ اچھی صلاح ہے۔ آپ نئی روشنی کے لوگ ہیں آپکی حسن آرا کے آپ سے زیادہ نفیس خیالات ہیں اور پھر خدا کے فضل سے دونوں میاں بیوی جوان دونوں خوشخو۔ دونوں قوس ابرو دونوں زیور علم و فضل سے آراستہ۔ دونوں نوخیز و نوخاستہ جو دیکھے پھڑک جائے کہ کیا چاند سورج کی جوڑی ہے۔ رعب حسن سے کوئی نظر نہ اُٹھا سکے ایسی شکل و سیرت ہو تو مضائقہ نہیں ہم اب کیا ولولہ دکھائیں۔ وہ جوش ہی نہیں وہ خروش ہی نہیں۔ وہ اُمنگ کجا۔ وہ ترنگ کجا۔ ؎

وقت پیری شباب کی باتیں ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

آزاد۔ حسن و جمال تو واقعی سحر کا اثر رکھتا ہے جہاں کسی بت جادو جمال یا مشتری خصلال کو دیکھا اور بس انسانی روح وجد کرنے لگی۔ رگ دل پر تیر نظر نشتر کا کام کرتا ہے۔ لیکن نیکی اور پارسائی بھی دلربائی کے ساتھ ضرور ہو کمالات ذاتیہ اور پارسائی سے شریف زادیوں کو مزین اور خیالات بلند و طبع ارجمند سے متین ہونا چاہئے۔ اگر عورت صرف حسین ہی حسین ہوئی تو کیا۔ مگر ہندوستان میں عورت کو پردے ہی میں رہنا چاہئے۔

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک ملیح وجیہ شوخ و شنگ خاتون سر بازار ایک نقرہ خنگ پر عجب بانکی ادا سے بیٹھی ہوئی عین بازار میں گھوڑا دوڑاتی جاتی ہے اور پتلی کمر جسپر رگ جان کا دھوکا ہوتا تھا سیکڑوں بل کھاتی ہے۔ ایک ایک قدم پر لچکی جاتی ہے۔ میاں آزاد نے آیہ فتبارک اللہ احسن الخالقین پڑھکر خوجی سے کہا کہ سچ کہنا یار کتنا اچھا انداز ہے۔ سبحان اللہ۔ پس اسی طرح پیاری حسن آرا بھی پشت سمند پر سوار ہونگی۔ اسوقت اُس بت پندار کی آن بان کو بھی لاحظہ فرمائیگا اور ہی عالم ہوگا واللہ جوبن ناز پری کا ہمدم ہوگا۔

خوجی۔ بھئی سچ ہے۔ ؎۔ بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے ؛ واللہ سفر کے مزے اب عمر بھر نہ بھولیں گے۔

آزاد۔ ہم کہتے ہیں بوا زعفران کو سیاہ لو اور کوئی ٹٹو لے دو۔ بس اسی طرح وہ بھی بازاروں میں ہوا کھائیں۔ لوگ پوچھیں یہ کون ہیں تو ہم کہیں میاں خوجی کی زوجہ مقدسہ ہیں۔

خوجی۔ بس رہنے دیجئے ہماری بیوی ہوا کھائیں اور ہمارا اور اپنے باپ کا نام بد کریں۔ اور یہ زعفران کون ہے۔ ارے توبہ توبہ یاد آگئی حضرت معاف فرمائیے وہی زعفران نہ جنے اپنے شوہر کے دھوکے میں ہماری کھوپڑی گنجی کردی تھی اور مارے جوتیوں کے بوکھلا دیا تھا (اپنے کان پکڑ کر) خداوندا بچائیو۔ اور شر آفات سے محفوظ رکھیو۔ توبہ بی ہزار نعمت کھائی۔ چھوڑ دے بلّی چوہا لنڈورا ہی ہو کر جیے گا۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ تین کم سن لڑکیاں عجب ناز و ادا سے

قدم رنگی ہوئی ہاتھوں میں ہاتھ ملائے باتیں کرتی چلی جاتی تھیں اور دو شریف زادے سامنے سے آتے تھے۔ جب وہ تینوں گلبدن غنچہ دہن دوشیزہ جمیلہ حسینہ اور یہ دونوں نوجوان ایک مقام پر ایک دوسرے کے قریب پہونچے (جیسا بعض اوقات ہر فرد بشر کو اتفاق ہوا ہوگا) جس طرف یہ جائیں اُسی طرف وہ جائیں یہ بھی اور وہ بھی گھبرا گئے وہ دائیں بڑھتی ہیں تو یہ بھی دائیں بڑھتے ہیں اور وہ بائیں کے رُخ جاتی ہیں تو یہ بھی۔ ایک منٹ تک یہی نقشہ رہا تو اُن کنواری پیاری لڑکیوں کا جو بارہ بارہ برس کی تھیں چہرہ سُرخ ہوگیا اور اُنکے بشرے سے شرم آلود غصہ دیکھ کر یہ دونوں جوان صالح سخت خفیف ہوئے ایک نے آگے بڑھ کر اور گردن نیچی کرکے آنکھیں جھپکا کر کہا کہ بہن معاف کرنا ہم نے دیدہ و دانستہ ایسا نہیں کیا ایسا راہ میں اکثر اتفاق ہو جاتا ہے معاف فرمایئے گا تم تینوں میری چھوٹی بہن ہو۔ اس فقرے سے ان تینوں کا ملال دور ہوگیا اور باشارہ چشم الحزن نے جواب دیا کہ ہم نے معاف کیا میاں آزاد اور خوجی دونوں نے بغور دیکھا۔

آزاد۔ کیوں سچ کہنا چہرے سے کیسی کچھ شرم وحیا برستی ہے۔ کیا رعب ہے کیا داب ہے۔ اور اُن جوانان صالح کو دیکھا کہ اپنے ملک کی معزز خاتونوں کو کس عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں مگر اعتدال سے زیادہ آزادی بھی فضول ہے خوب یاد رکھو جن ملکوں میں پردہ نہیں وہاں آزادی کے ساتھ نیکی بھی زیادہ ہے۔ میاں پردہ دل کا ہے۔ عورت اگر بد ہو تو لاکھ پردوں میں سے نکل جائے گی۔ ہاں زیادہ مطلق العنانی بھی عورتوں کے لیے نازیبا ہے۔ یہاں سے بمبئی چلے۔

میاں آزاد کا بمبئی میں داخل ہونا اور خوجی کا ایک گراں ڈیل عورت کے عشق میں عقل کھونا

اور کبھی کیا کہوں بن آئے ہو لنگور سے	داڑھی منڈواؤ میاں آتی خونک کے زور سے

چرخ چنبریں لاکھ چرخ کھائے گردوں گرداں ہزار گردش میں آئے۔ زمانہ کرور جتن کرے کہ وحشی اور زاد افیونیوں کے مسلم الثبوت اُستاد میاں خوجی سا دوسرا پیدا تو کرے کیا مجال۔ ادھر کی دنیا چاہے اُدھر ہو جائے مگر خوجی اپنی آپ ہی نظیر بنے رہیں گے۔ غصہ تو انکی گھٹی میں تھا۔ بات بوئی اور تنک گئے۔ ذرا کسی سے جھوڑ ہوئی اور جنون پر سیل آگیا اور قرولی تو بات بات پر نکلتی تھی۔ کنجڑوں سے ٹکرا ہوئی اور چھینڈوں پر فرضی قرولی حضرت تیز کرنے لگے بڑ قصاب سے کئی بار چھیچھڑوں پر چھری چلی ایسی قرولی بھی کسی نے کم دیکھی ہوگی جس پر غصہ آیا فوراً زمایا۔ ادگیدی نہوئی زبانی ورنہ اتنی قرولیاں بھونکتا کہ لاش پھڑکنے لگتی۔

الغرض میاں آزاد اور خوجی مرہٹٹ کے ملک سے بمبئی میں آئے۔ جب بمبئی میں داخل ہوئے تو شہر پناہ کے پاس دو دنوں میں دو دو چونچیں ہوگئیں۔

آزاد۔ چلو کسی اچھی سرا میں چلکر بسیرا لیں۔

خوجی۔ کہنے والے اور چلنے والے دونوں کی ایسی تیسی۔ کیوں بچہ یہی وعدہ پورا کرتے ہو۔ وہ قرولی تو خریدتے ہی رہے اور افیم کے لیے کبھی پورے سولہ گنڈے نہ دیئے۔ اب یہ وعدہ خلافی کرتے ہو۔ اسی سے تو ہم نے پہلے ہی قول لیا تھا کہ چاہے آسمان کی جگہ زمین اور زمین کے مقام پر آسمان آجائے مگر ابنجانب سرا میں قدم نہ رکھیں گے۔ سانپ کا کاٹا رسی سے ڈرتا ہے۔ اُس دن کمہار والے نے اتنی بے بھاؤ کی لگائیں کہ بس ہمارا ہی سر جانتا ہے۔

آزاد۔ اجی اب دنیا بھر کی سراؤں میں کمہار ہی کمہار تو ہیں۔ وہ باتیں کرتے ہو کہ گدھوں کو بھی ہنسی آئے۔

خوجی۔ اچھا تو اس شرط پر چلتے ہیں کہ رات کو کسی پیڑ پر بسیرا لینا۔

خوجی کی درگت

آزاد اور میاں خوجی دونوں چلے تو سرا میں کھٹ سے داخل ایک کوٹھڑی میں جاکر میاں خوجی تو مزے سے چھپرکھٹ پر دراز ہوئے چاروں شانے چت میاں آزاد خانہ برباد بھی دوسری کھٹیا پر لیٹے ہوکر خراٹے لینے لگے۔ خوجی ایسے آدمی نیند کہاں۔ بس کوئی دم آنکھ جھپکنے ہی نہیں پاتی۔ آزاد نے تکیہ پر سر رکھا تو نیند ہاتھ باندھے آن موجود ہوئی خوجی نے جو انکی یہ کیفیت دیکھی تو آپ ہی آپ کہنے لگے کہ ارے میاں آزاد گذر گئے۔ بیچارے خوب آدمی تھے افسوس ابھی باتیں کرتے تھے ابھی نزارد۔ ع۔ افسوس کہ از میانہ برخاست۔

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کشیدہ قامت بلند و بالا خیطان کی خالہ سامنے سے جھکتی دکتی ہوئی آتی ہے۔ مگر قد کوئی سات فٹ کا نصف انچ کم نہ جوبھر زیادہ۔ آستینوں کی پھنسی ہوئی کرتی اور وہ چُھٹی اور پھرتی۔ کہ الامان۔ چادر سبز پہنے سبزان چمن کو شرماتی ناز سے قدم بڑھاتی ہوئی میاں خوجی کیطرف آنکلی۔ خوجی نے اسکی طرف نظر ڈالی تو اُسنے ایک تیکھی چتون سے انکو دیکھا اور اٹکھیلیاں کرتی ہوئی بل کھاتی چلی تو حضرت نے سیٹی بجائی اور سیٹی کی آواز سنتے ہی وہ اُنکی طرف جھک پڑی اور چھما چھم کرتی ہوئی کوٹھڑی میں دڑاتی چلی آئی۔ اب میاں خوجی کے حواس بیتر ہوئے سوچے کہ اگر آزاد کی آنکھ کھل گئی تو وہ لے ہی ڈالیں گے کہ اللہ اللہ اب آپ کو بڑے بڑے شوق چرّائے اور جو کہیں وہ دیکھ گئے تو پھر ہم کو بے پیر مراہی کر ڈالیں گے اور ہم بس لیموں اور نون ہی چاٹ کر رہ جائینگے انگلیونکے اشارے سے کہا کہ ذری آہستہ بولو اسنے کہا کیا؟ مُنھ سے کہو کچھ سر سے کھیلو منھ سے بولو۔

خوجی۔ (مُنھ پر اُنگلی رکھ کر) چُپ چُپ۔

عورت۔ اے واہ۔ اچھے ملے۔ کیا چپ شاہ کا روزہ ہے۔

خوجی۔ (اشارے سے) میاں آزاد سوئے ہوئے ہیں۔

عورت۔ انکا ماتا کرتے ہو کیا باپ ہیں تمہارے۔

خوجی۔ (ہاتھ جوڑ کر) واسطے خدا کے چپ بھی رہو۔

عورت۔ چلو ہم تم دوسری کوٹھڑی میں چل کر کے بیٹھیں۔

خوجی اور وہ عورت جسپر میاں صاحب کا دل آیا تھا چلے اور ایک کوٹھڑی میں یوں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

خوجی۔ آپ کا نام۔

عورت۔ کیسر۔

خوجی۔ (کانپ کر) سچ کہنا کہیں زعفران کی ہمشیرہ جان تو نہیں ہو۔

عورت۔ اللہ جانتا ہے کیسے وجیہ جوان ہو۔ اور خدا پاک کی قسم کیا ہاتھ پاؤں پائے ہیں۔ مگر ڈاڑھی منڈوا ڈالو۔

خوجی (اکڑ کر) ابھی کیا جوانی میں دیکھنا ہم کو۔

راوی۔ کیا خوب ابھی جوانی شاید پھر آئیگی ہے۔ کچھ اوپر پچاس کا سن ہونے آیا سن شریف پنجاہ و شش نازم باین ریش و فش واے بزاخفش اس عورت نے آپ کو انگلیوں پر نچانا شروع کیا کہ ماشاءاللہ کیا ہاتھ پاؤں ہیں لیکن آپ سمجھے کہ سچ مچ ریجھ ہی گئی تو اور بھی پھرنے لگے۔ اور شیخت میں آکر فرماتے کیا ہیں کہ ابھی کیا ابھی تو دودھ ہی پیتے ہیں۔ بڑھ کر جوانی میں دیکھنا کچھ اور ہی عالم ہوگا۔ اب جناب نے پر جوانی کو یاد کیجئے گا۔ ارے نادان کہیں آب رفتہ پھر جو میں آیا ہے۔

عورت۔ ڈیل ڈول کتنا پیارا پایا ہے۔ اور نکھ سکھ سے کیسے درست ہیں آپ کہ ماشاءاللہ جی خوش ہوگیا۔ مگر ڈاڑھی منڈوا ڈالو۔

خوجی۔ (دونوں بازوؤں کو پھڑکا کر) ادھر میں ورزش کروں تو شیدی لندھور کو رلا دوں۔

عورت۔ ذرا کان تو پھٹپھٹا ڈالو۔ شاباش ہے۔

خوجی۔ ایک بات کہوں بُرا تو نہ مانوگی۔

عورت۔ جو مانونگی تو خدا انکو بڑی سہلا دونگی۔ چلو چھٹی ہوئی۔

خوجی۔ (ہاتھ جوڑ کر) جان بخشی کرو تو کہوں۔

عورت۔ کیا بھٹیارے یا بھٹیاری یا کسی اور کی جان لوگے آخر صاحب یہ جان بخشی کیسی۔ اچھا جو تمھیں کہنا ہو وہ کہو۔ مگر ڈاڑھی صفاچٹ ہو

خوجی۔ خون معاف ہو۔

عورت۔ چپت لگا کر۔ اپنے بھکوے خون کیسا۔

راوی۔ ہات ترے گیدی کی لے اور لے گا۔ پڑی نا ایک زنّاٹے کی واللہ یہ تو زعفران کی ہمشیرہ جان کی ہمشیرہ جان ہی نکلیں چپت بازی ہونے لگی خوجی سر کی خیر مناؤ۔ جب نہیں تو اب سہی۔

خوجی۔ یہ دھول دھپا شریفوں میں بھلا کہاں جائز ہے۔

عورت۔ شریف تجھ موے کو کون نگوڑی سمجھتی ہے (ٹوپی پھینک کر ایک اور چپت جمائی۔ چٹاخ)

راوی۔ ہاں ابکی البتہ چٹاخ کی آواز گونجی۔ کیوں ہم نہ کہتے تھے کہ خوجی کے سر کی سلامتی نہیں جب نہیں تو اب سہی۔ ع چور جاتے رہے کہ اندھیاری ؛

عورت۔ آنکھیں کیا نیلی پیلی کرتا ہے پھوڑ دوں دونوں دیدے۔

راوی۔ واہ واللہ اچھی آنکھ پھوڑ سے آنکھ لڑائی۔ خدا چشم زخم حوادث سے بچائے۔ جسم بھر میں اُس نے دیدہ و دانستہ عین آنکھ ہی پر نشتر لگانا چاہا عورت کیا آنکھ پھوڑ منڈا ہے۔

خوجی۔ اب ہمارا مطلب تو اس جھنجھٹ میں خبط ہوا جاتا ہے صاب لے بتاؤ کچھ مانگیں تو دوگی۔

عورت۔ ہاں کیوں نہیں (کان پکڑ کر ایک پڑا ادھر دوسرا اُدھر) کیا مجے بوتے ہیں آپ جیسا نہیں بجواتے ہیں۔

خوجی۔ (گھبرا کر) ہم مانگتے ہیں کہ قول دو۔

عورت۔ دیا۔

خوجی۔ پھر مکرنے کی نہیں سند رہے۔

عورت۔ نہ

خوجی۔ میں کہتا ہوں پھر۔

عورت۔ بسم اللہ۔

خوجی۔ کہنا یہ ہے کہ۔ مگر کہتے ہوئے دل کانپتا ہے۔

عورت۔ اب میں تم کو ٹھیک نہ بناؤں کہیں۔

خوجی۔ شادی کر لو میرے ساتھ۔

راوی۔ اہو ہو ہو۔ ارے واہ رے خوجی۔ اچھا شوق چرّایا۔ یہ جب ہی جوتیاں کھاتے جاتے تھے اور منکتے تک نہ تھے کانوں کان خبر بھی نہوے مگر جناب خواجہ صاحب شادی کا شوق تو چرّایا۔ اب ذرا اُس کشتی گیر کے جیسے بھی تو دیکھیے دیو کی بچّی سامنے ڈٹی کھڑی ہے گول ڈھنگ ذرا اُس کے خیچے اور ڈنڈپیل تو اچھی طرح ملاحظہ فرما لیجیے آپ کو وہ پھینکے تو گیند کی طرح لڑھکتے جائیے اور پھر قد تو ناپیے آپ کوئی پونے پانچ انگل اور وہ پورے سات فٹ ہے آتنی بڑی لمبی عورت تو آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سنی۔ خوجی چار بالشت۔ وہ ہشت بالشت خوجی دبلے پتلے لاغر وہ لحیم شحیم۔ سر بہ جیم۔ وہ ڈنڈپیل کشتی گیر۔ یہ آج مرے کل دوسرا دن مگر خوجی کی آنکھوں پر شیطان نے پٹی باندھ کر پٹی پڑھا دی کہ بس ساری خدائی میں جو ہے تو یہ ہے اور دور از قصور ہے تو یہ ہے۔ میاں خوجی کا اور اُسکا مقابلہ جیسے پدّی اور شہباز یا ٹینی مرغ اور طاؤس طناز اور لطف یہ کہ ابھی چپتیائے گئے ہیں لیکن دیسے رہیے کہ بیاہ ہی بیاہ پکارنے لگے۔

خوجی۔ تمھارے ساتھ بیاہ کرنے کو جی چاہتا ہے۔

عورت۔ اے ابھی تم بچّے ہو۔ دودھ کے دانت تک تو ٹوٹے نہیں بیاہ کیا کروگے بھلا۔

خوجی۔ واہ وا۔ میرے دو بچّے کھیلتے ہیں۔ ابھی تک اسکے نزدیک لونڈے ہی ہیں ہم۔

عورت - پھر اسکی نہ کہیے - میرا بھی تو ایک بچہ کھیلتا ہے -

خوجی - لاحول تو بس معاف کیجیے -

عورت - آ گئے نا جھانسے میں - اتنا نہ سمجھے کہ ابھی ہیں آپ بچہ ہوں لڑکوری کیونکر ہو سکتی تھی بھلا -

خوجی - سن شریف -

عورت - بارہ اور پانچ سکے ہوئے -

راوی - کیا بھولی بنتی ہیں - جی بارہ اور پانچ ۱۷ دن ہوے -

خوجی - بارہ اور پانچ سترہ -

عورت - پھر اس عمر میں کہیں لڑکا بھی ہوا ہو -

خوجی - (دست بستہ) کہنا مانو نکاح پڑھوا لو -

عورت - کچھ کمائی دھائی تو نکال اور داڑھی منڈوا -

خوجی - (دس روپیہ دے کر) لو یہ حاضر ہے -

عورت - دیکھوں - اونہ ہاتھی کے منہ میں زیرا - اچھا خیر -

خوجی - لو یہ پانچ اور لو - اسکے کپڑے بنوانا - گر میری دھجیاں نہ اڑانا - میں زمین کا گز بنجاؤں گا اور تم کو بیگم بنا کر رکھوں گا -

عورت - (کان پکڑ کر) ایک شرط سے شادی کروں گی -

خوجی - منظور -

راوی - ایں! ابھی منظوری ہو - ابھی شرط سنی ہی نہیں اور منظور کر لی -

عورت - صبح تڑکے سویرے منہ اندھیرے اٹھ کر مجھے جھک کے سات بار سلام کرنا اور میں سات چپتیں لگاؤں گی -

خوجی - اجی بلکہ اور دس -

راوی - شاباش - حاتم ایسے ہی ہوتے ہیں بلکہ ادہ میں کھوپڑی پھکو کر یہ کی تھوڑی ہی ہو لاحول ولاقوۃ - شادی ابھی سنروں دور ہے - پہلی ہی منزل ہے اور اس قدر سختی کے ساتھ قول لیا جاتا ہے - اور کھوپڑی سب کے پہلے ہی تاکی گئی -

خوجی - (اُچھل کر) چاند سی بیوی پائی -

راوی - چاند گنجی ہوگی -

عورت - اچھا اسی بات پر ایک پنجہ اور وائیں ہاتھ سے نکالو -

خوجی - لو یہ پانچ اور لو - تمہارے دم کے لیے سب کچھ موجود ہے -

راوی - بجا ہے حال صفت دل بے رحم - نواب کے داروغہ سے رقم کی رقم دھمکا کر پیشل لائے ہو نہ -

عورت نے جھپ سے میاں خوجی کو گود میں اُٹھا لیا اور بغل میں دبا کر لے چلی تو خوجی بہت ہی چکرائے - لاکھ ہاتھ پاؤں مارے ہزار زور کیے گڑگڑئے جو دبایا تو اس طرح لے چلی جیسے کوئی چڑیمار جانوروں کو پھڑ پھڑ ملتے ہوئے لے چلے اب سارا زمانہ دیکھ رہا ہے کہ خوجی پھڑکتے ہوے جاتے ہیں اور وہ کشیدہ قامت عورت چھم چھم کرتی ہوئی اور پھرتی کے ساتھ قدم دھرتی ہوئی یہ گئی وہ گئی - ایک مقام پر خوجی بھاگ نکلنے کو تھے مگر اُس نے پھر چپڑ غٹو کیا -

خوجی - اب چھوڑتی ہے یا نہیں - گر داڑھی تو بچا ہی لوں گا -

عورت - ایں! ہوش کی دوا کر مردوے - میں اب عمر بھر تو چھوڑنے کا نام لونگی نہیں - ہم بھلے مانسوں کی بہو بیٹیاں چھوڑ دینا کیا جانیں بس ایک کے سر ہو رہیں - بھاگے کہاں جاتے ہو میاں -

خوجی - میاں ابھی سے کیونکر ہو گئے -

عورت - بس اب زیادہ ٹراؤگے تو میں اسی وقت سے چپت بازی شروع کر دوں گی (گودی سے اُتار کر) بھلا تم بھاگ تو جاؤ -

خوجی - یار و کیا اندھیر ہے - میں کچھ قیدی ہوں -

عورت - (چپت دے کر) اور نہیں کون ہو تو آخر تو ہو کون اب کیا میں کہیں جانے بھی دوں گی -

خوجی پیچھے ہٹنے لگے تو اُس نے بڑھ کر خوب بے بھاؤ کی لگائیں اب

یہ جھلائے اور غل مچایا کہ کوئی ہو۔ لانا قرولی۔ تماشائی بازاری اردگرد ٹھٹ کے ٹھٹ لگائے کھڑے ہنس رہے ہیں۔

ایک۔ کیا ہے میاں کیا ہو گیا۔ یہ دھر پکڑ کیسی۔

عورت۔ آپ کوئی قاضی ہیں۔ یہ ہمارے میاں ہیں ہم چاہیں چپتیائیں چاہے دھپیائیں پھر کسی کو کیا۔

خوجی۔ واہ تو میاں بس دھپیانے ہی بھر کے ہیں۔

دوسرا۔ ان کو بغل میں داب کر کہاں لے چلیں۔

عورت۔ جدھر سینگ سمائے۔

خوجی۔ ہائے نہ ہوئی قرولی۔

کانسٹبل۔ کیا! قرولی۔ پہلے لیسنس تو دکھاؤ۔ پھر قرولی نکالو۔ ہونھ جرار و گردن والے گود میں اٹھائے لیے جاتی ہے وہ قرولی نکالتے ہیں

تیسرا۔ ارے واہ رے بے غیرت جورو نے دبایا اور دھپیایا اور تو دم بخود کھڑا ہے۔

چوتھا۔ تو حضرت کرے کیا۔ وہ ٹھہری تیغ ہیکل دیو ہیکل۔ یہ بیچارے دبلے پتلے مریل آدمی بھلا اس دیونی سے عہدہ برآ کیونکر ہو سکیں۔

خوجی۔ بھائیو میری جان بچاؤ۔

لوگ۔ بیاہ کیوں کیا تھا۔

عورت۔ میاں بیوی کے جھگڑے میں آپ لوگ نہ پڑیں۔

خوجی۔ میاں کون مردود ہے۔

عورت۔ تو مردود اور کون۔

خوجی۔ خدا کی مار جو اسکے ساتھ نکاح بھی ہوا ہو۔

عورت۔ بھلا پھر میں یوں ہی انکو بغل میں دبوچ کرلے آتی۔

لوگ۔ جیسے بلی اپنے بچوں کو منھ میں دبا کر گھر لیجاتی ہے۔

کانسٹبل۔ یا جیسے دائی بچوں کو گود میں لے کر تماشا دکھلاتی ہے

خوجی۔ یارو ذرا میاں آزاد کو سرائے سے بلانا۔

عورت۔ ہاں یہ کہیے اب آپکی کچھ اور نیت ہے۔

پھر گود میں اٹھا کر لیچلی۔ بشک دریاؤ ٹھنڈا پانی بشک دریاؤ ٹھنڈا پانی۔ تماشائی اور بازاری اور حوالی موالی ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ گئے اور خوجی ایسے جھلائے کہ بوٹیاں نوچے ڈالتے تھے مگر قرولی میان ہی میں ہے۔

لوگ۔ اجی بس جاؤ بھی۔ عورت ذات سے جیت نہیں پاتے بس عزت ڈبو دی بالکل۔ لاحول ولا۔

خوجی۔ اجی اس عورت پر علی کی سنوار یہ مردوں کے کان کاٹتی ہے۔

عورت۔ (جھلا کر) ہاں! کوسنے بھی لگے اب۔ اچھا۔

اچھا کر کے جو اُسنے دبایا تو میاں خوجی نے خوب غل مچایا۔

خوجی۔ ارے یارو کیا شہر قسملہ ہے۔ ایک عورت ڈائن ایک بھلے مانس کو مارے ڈالتی ہے اور کوئی بیچ بچاؤ تک نہیں کرتا۔ یارو خدا کے لیے بچاؤ۔ للہ بچاؤ۔ لیکن واویلے میں ڈاڑھی بچا ہی لی۔

اتنے میں میاں آزاد جو بیدار ہوے تو خوجی غائب غلہ۔ ادھر دیکھا اُدھر دیکھا کہیں پتہ ہی نہیں۔ خوجی خوجی خواجہ صاحب اجی جناب خواجہ صاحب ارے! جواب ہی نہیں دیتے۔ ارے میاں کہاں ہو۔ وہ بھول تو بولیں۔ وہ تو بازار میں اسخوکہ روزگار بن گئے ہیں بھٹیاری نے کہا کہ (میاں خوجی بزار کیطرف گئے تھے) میاں آزاد بازار گئے کہ دیکھیں کیا افتاد پڑی دیکھا تو دنگ ہو گئے۔ للکار کر کہا کہ چھوڑ دے۔

اُسنے خوجی کو چھوڑ دیا اور سلام کر کے میاں خوجی سے کہا کہ حضور میرا انعام ہوا میں بہروپیا ہوں۔ خوجی ؟۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں پچیس تیس روپے گئے اور اُلو کے اُلو بنے۔

ہمارے اولی مولی خبطا ہولا کوچہ گرد خانہ برباد میاں آزاد اور احمق مادرزاد میاں خواجہ صاحب گرتے پڑتے لپ جھپ قدم دھرتے چوٹ کھاتے ہوے ہرن کیطرح طرارے بھرتے بازار سے بھاگے تو شہر کے لونڈے لاڑھیے ساتھ پیچھے پیچھے تالیاں بجاتے جاتے ہیں حضرت خوجی

اپنے حساب تو لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہیں گر پاچہ ماشاء اللہ لبستان چمن کی طرح پاؤں دھوتے ہیں کمر دوہری ہوئی جاتی ہے۔ اور خلق خدا قدم قدم پر پھبتیاں سُناتی ہو۔

ایک بولا کہو چنڈو گل خیر۔ چاند سی بیوی نے چاند گنجی کر دی نا کیوں ہات تیرے کی۔

دوسرا قہقہہ لگا کر کہتا ہو کہ اچھی بیوی پائی کہ گرہ ہی سے کچھ کھو بیٹھے تیسرے گرگے دل نے پوچھا کہو اُستاد کھوپڑی کی اب کیا کیفیت ہو۔ چوتھا بولا میاں صندلی رنگ معشوق سے دل کیا ملایا کہ درد سر خریدا۔

خوجی بیچارے کو راستہ چلنا دوبھر ہو گیا۔ جدھر نکل جاتے ہیں آوازوں کے چھرّے چلتے ہیں پھبتیوں کی بوچھار ہوتی ہو۔ بیوی سے میٹھی میٹھی باتیں بھی ہونے پائی تھیں کہ تلخ کامی نصیب ہوئی۔ دل ہی دل میں سب کو صلواتیں سُناتے اور چپکے چپکے کوستے اور بڑبڑاتے جاتے تھے اس اثنا کلکل میں آئے حواس اور بھی غائب ہو گئے۔ ابھی غنچہ دہن گلبدن کے بیاہنے کا شوق چرّایا کہ یاروں کو شگوفہ ہاتھ آیا چوطرفہ چل پھل بھی ہوتی ہو دو چار آدمیوں نے بھر دبیے کی تعریف کی۔ تو خوجی جل بھن کے خاک ہو گئے وہ تو کہیئے کہ خیر سے قرولی میان ہی میں تھی ورنہ خون کی ندیاں بہنے لگتیں اب کسی سے بولتے ہیں نہ چالتے ہیں دم دبائے ڈگ بڑھائے آنکھیں جھپکائے گردن نیوڑھائے چلا تو ڑ بھاگ رہے ہیں۔ اور قطع شریف دیکھ دیکھ کر لوگوں کو اور بھی ہنسی آتی تھی اور اُن کی ہنسی اِن کو خون رُلاتی تھی۔ ۶ وائے بیدردی کوئی تاپے کسی کا گھر جلے۔

نیا شہر غریب الوطن آدمی۔ گلی کوچوں سے ناواقف بات کرنے کی قسم کھائی۔ بولے اور شامت آئی سرا کا راستہ یاد نہیں گھومتے گھامتے شہر بھر کے صدقے ہوتے بارے خدا خدا کر کے سرا میں بلا کی طرح نازل ہوئے تو یہاں بھی تالیاں بجنے لگیں۔ پسینوں میں عرق عرق ہوئے ندامت میں اندر پانا فرق غرق۔ نیم کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں ایک چھپر کھٹ پر دراز ہوئے کئی بھٹیاریوں نے حضرت کو آکر گھیر لیا ایک سبز پوش نے مسکرا کر کہا کہ گاج پڑے ایسی عورت پر جو بے نکاح پڑھوائے میاں کو گود میں اُٹھائے اور بازار بھر میں ہنڈ دلائے۔ خوجی اس تقریر پر لوٹ پوٹ ہو گئے اور بھانپ گئے کہ یہ ہو کیس ہماری ہی طرف کی ورنہ یہ لفاظی اور لسانی کجا۔ اتنے میں میاں آزاد بھی آئے اور خوجی کی چارپائی پر بیٹھے۔

آزاد۔ (سبز پوش سے) کیوں بی خیر تو ہے۔ آج بال بکھرے بکھرے کیسے ہیں کیا خوجی کے پٹنے کا ماتم کرتی ہو۔

سبز پوش (مسکرا کر) بناوٹ سجاوٹ تو میری گھُٹی میں پڑی ہو۔ روز کنگھی چوٹی کی فکر رہتی تھی مگر جب ہم نے دیکھا کہ خوجی ہم پر نظر ہی نہیں ڈالتے تو پھر ہم سوچے کہ کسکا نکھار اور کہاں کا سنگار انھیں کا آج سوگ کیا ہو۔ جب سے آئے مُنھ سے بولے نہ سر سے کھیلے ابھی مرمت کر دی گئی نہیں تو یہ سرا بھر کو سر پہ اُٹھاتے تھے۔ بار بار اتنا غل مچاتے تھے کہ کان پڑی آواز نہیں سُنائی دیتی تھی۔ لو وہ قرولی جہاں کی تہاں ہی رہی۔ توبہ توبہ

آزاد۔ پٹنے کا تو انھیں خوف نہیں کئی جگہ دھپیائے گئے ہیں۔ ابھی کل ہی کی بات ہو کہ بوا زعفران نے ان کی کھوپڑی پلپلی کر دی تھی مگر انکا قاعدہ تھا کہ پٹ پٹا کر جھاڑ پونچھ کر اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ آج کیا جانے کیا سبب ہو کہ انتہا کے ملول معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کہکر آزاد چلے گئے۔

بیچارے بے بس میاں خوجی نیب کے پیڑ کے سایے میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں کھا رہے تھے فقرے باز بنوڑ بنا رہے تھے سرا کی بھٹیاریوں نے ایسا انگلیوں پر نچایا کہ خدا کی پناہ۔ مگر انھوں نے جو سون کھینچی تو مکے تک نہیں۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جوان رعنا بلند و بالا جو ریشمی تمنچے کی کمر سے لگائے سر ہی جھکائے اودی پگڑی سر پر جمائے بانکی ترچھی وضع بنائے اونچی بنا ہوا اور خوب تنا ہوا جوانی کے جوش میں اکڑتا آتا ہو بھٹیاریاں غور سے تاکنے لگیں چھپ چھپ کے جھانکنے لگیں سمجھیں کہ مسافر ہے۔ چو طرف سے غل مچایا۔ آسمان

سر پر اٹھایا کہ میاں ادھر آؤ یہاں بستر جماؤ۔ میاں مسافر دیکھو صاف ستھرا مکان ہے میاں سپاہی پکر یا کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاں ہے ذرا تو تکلیف ہو گی نہیں۔

سپاہی بولا کہ ہمیں بازار سے کچھ سودا خریدنا ہے۔ کوئی ہمارے ساتھ چلا چلے تو سودا سلف خرید کر ہم آجائیں جوان آدمی اور بلا کا حسین پھر آپ جانیے کہ حسن تو وہ شے ہے کہ چٹکیوں میں رنگ جائے سب کی سب بے جھجک اسکے ساتھ جانے پر راضی ہوئیں۔ ایک بولی چلیے ہم چلتے ہیں دوسری نے کہا لونڈی حاضر ہے۔ تیسری چمک کر بڑھی کہ میں جاؤں۔ سپاہی نے کہا کہ پرائی عورت کو بیچ بازار میں ساتھ لیجانا رسوائی ہے کوئی پڑھا لکھا مرد چلے تو ہم پانچ روپیہ دیں ابھی چہرہ شاہی خاصے کھرے چمکتے دمکتے گنوالے۔ میاں خوجی کے کان میں پانچ چہرہ شاہی کی جھنک پڑی تو کلبلا کر اٹھ بیٹھے اور کہا کہ کہیئے تو میں چلوں۔ مگر پانچوں نقد گنوا دیجیے بندہ السیٹھ سے منزلوں بھاگتا ہے پیچھے جوتی بیزار نہ ہو۔ سپاہی نے جھپ سے گن گن کے پانچوں گن دیے۔ رو پیسے تو خوجی نے ٹینٹ میں رکھے اور مال و اسباب بھٹیاری کو سونپ کر سپاہی کے ساتھ چلے اب بازار میں جس طرف سے حضرت نکلجاتے ہیں غول کے غول جمع ٹھٹ کے ٹھٹ اور حوالی موالی انگلیاں اٹھاتے ہیں کہ یہ وہی جانگلو ہے جس کو بہروپیا عورت کا بھیس بدل کر گودی میں اٹھالایا تھا اور راہ میں خوب گدیا یا تھا غٹ کے غٹ پلے پڑتے ہیں اور جلتا ئی ایک دوسرے سے لڑتے ہیں جیسے دیکھو قہقہہ اڑاتا ہے۔ لوتن کبوتر ہوا جاتا ہے بھئی واللہ اچھا فقرہ کیا۔ خدا کی قسم خوب جھانسا دیا۔ اچھی جورو پائی۔ خوب ہی گت بنائی کمبڑی ہی جانتی ہو گی چھٹی کا دودھ یاد آگیا ہو گا سو اللہ کتنے بھولے بھالے ہیں۔ سیدھے جیسے تکوا۔ جب چاروں طرف سے یاران سرپل چھاؤں آئے تو خوجی بہت ہی جھلائے اور غل مچا کر ایک ایک کو ڈانٹنے لگے کہ بس اب زبان سے کوئی کلمہ نکلا تو برس ہی پڑوں گا ایک ایک سے اسی میدان میں لڑوں گا (سپاہی سے) حضرت ذرا قرابنچہ تو دیجیے گا اور یہ میرا گنڈا تو لیجیے گا یہ کہکر خوجی نے کمر کسی اور کتارا نے کر تیرا بدلا اور ٹھاٹھ سے سامنے کھڑے ہو گئے اے کیوں نہ ہو میرے شیر۔ اس بات کے صدقے۔ قرولی قرابنچہ سروہی تپنچہ نہیں نہ سہی۔ افیون کی خیر رہے کتارا کیا کم ہے۔ ہتھیار ہو یا نہ ہو کیا غم ہے۔ اتنے میں ایک شخص نے جھپٹ کر کیلی جو کی تو کتارے کے دو ٹکڑے ایک تو وہ لے بھاگا دوسرا میاں خوجی نے لپک کر اٹھایا اور سیکڑوں گالیاں دینا شروع کیں۔ سپاہی نے ادھر ادھر کے گرگے دل پھینکروں کو للکارا۔ اور خوجی کو تو تھمبو کر کے سمجھایا چلتے چلتے ایک افیونی کی دکان پر پہونچے اب تو میاں خوجی کی جان میں جان آئی چنیا بیگم بائی باچھیں کھلی جاتی ہیں۔ جمائیں پر جمائیاں آتی ہیں۔

سپاہی۔ کہو بھئی جوان۔ ہے شوق۔ پلواؤں۔

خوجی۔ اے میں تیری زبان کے قربان اور اس دکان کے صدقے اس افیون کے واری۔ چنیا بیگم میری پیاری۔

سپاہی۔ سپاہی شوقین آدمی ہو۔

خوجی۔ اجی میں تو اسپر عاشق ہوں۔

سپاہی نے میاں خوجی کو خوب افیم پلوائی اور اس ڈال کے ڈنڈے نے جو چسکی لگائی تو غٹ غٹ کر کے پیتا ہی گیا جب خوب بہکے گھٹے اور لٹنے لگے تو سپاہی نے انکو ساتھ لیا اور لیچلا۔ اثنائے راہ میں خوجی سے یوں میٹھی میٹھی باتیں ہوئیں۔

خوجی۔ افیم پلائی ہے تو پھر مٹھائی بھی کھلواؤ کھلواؤ احسان کرے تو پورا

سپاہی۔ ابھی ابھی لو چار گنڈے کی تیج میل مٹھائی حلوائی کی دکان سے لاؤ۔

خوجی۔ (خوش ہو کر)۔ ۵

کیا بادۂ گلگوں سے سرشار کیا دلکو	آباد رکھے داتا ساقی تری محفل کو

حلوائی کی دکان سے میاں خوجی نے ڈٹ ڈٹ کے خوب مٹھائی لی اور چنگیل لے کر جھومتے ہوئے چلے اب مارے بھوک کے رستے ہی میں چپکے چپکے ڈلیاں نکال کر چکھنی شروع کر دیں۔ سپاہی کنکھیوں سے دیکھتا جاتا تھا گر دیدہ و دانستہ آنکھ چرا لیتا تھا۔ خوجی نے تھوڑی دیر میں آدھی چنگیل خالی کر دی۔

سپاہی۔ مٹھائی سے بوجھ معلوم ہوتا ہو تو مجھے دیدو۔

خوجی۔ جی نہیں حضرت۔ میں تو ایک بہنگی اٹھانے کا دم رکھتا ہوں آپ پاؤ بھر مٹھائی کو بوجھ سمجھتے ہیں۔

سپاہی۔ کیا کسی کہار کی نسل سے ہیں آپ۔

خوجی۔ (سنا نہیں مگر جواب تڑ سے دیا) جی ہاں جی ہاں جی ہاں جی ہاں کہہ کر ایک ڈلی اور منھ میں رکھ لی اتنے میں سپاہی نے مزدور کے ایک لونڈے کو بھی ساتھ لیا اور چلتے چلتے ایک بزاز کی دکان پر پہونچے خوجی اور وہ دونوں بیٹھے۔

بزاز۔ حکم۔ کیا کھریداری ہو گی۔

سپاہی۔ (خوجی کی طرف اشارہ کرکے) انکے انگرکھے کے برابر جامدانی دیجئے خوجی نے انگرکھے کا نام اور جامدانی کا لفظ سنا تو جامے میں پھولے نہ سمائے

بزاز۔ اچھا حجور۔ اپنے انگرکھے کے مایک (موافق) ہیں تو کچھ ہیں بھی مل بہے اور (خوجی کیطرف دیکھ کر) انکا تو انگرکھا اور پائجامہ اور چپکن سب گج بھر میں تیار ہو۔

سپاہی۔ تم کو اس سے کیا مطلب بڑے جیجا لیے ہو۔

خوجی۔ (پونڈا ٹیک کر) نکالو جامدانی نکالو بہت باتیں نہ بناؤ

بزاز۔ لیجئے کیا جامدانی ہو۔ اول نمبر۔ بہت بڑھیا۔ مول تول دس روپیہ گز۔ نہیں سات روپیہ گز کو آیگی۔

سپاہی۔ بھئی ہم پانچ روپیہ کو لینگے۔

بزاز۔ اب تکرار کون کرے آپ چھ کے دام دیں۔

سپاہی۔ اچھا دو گز اُتار دو۔

بزاز۔ لیجئے اور یہ الپاکا ہو۔ سات آنے دیا۔

سپاہی۔ اچھا دس گز یہ بھی اُتار دو۔

سپاہی نے بزاز سے سب ملا کر کوئی پچیس روپیہ کا کپڑا لیا۔

میاں خوجی کی یہ کیفیت کہ پینک میں غین۔ سر کی خبر نہ پانوں کی ایک دفعہ ہی پینک میں آئے تو سر قدم بوسی کو چلا۔ مزدور کا لونڈا یہ حال دیکھ کر ہنس پڑا تو حضرت جاگ اُٹھے مگر پھر آنکھیں جھپک گئیں سر پیچھے کی طرف چلا۔ اور کھٹاک سے بولا۔ تو کھوپڑی سہلاتے ہوئے پھر آنکھ بند۔ اپنے آپے میں تو تھے ہی نہیں۔ وہ تو افیم کے بس میں تھے۔ میاں سپاہی جب خوب لے دے چکے تو گٹھا باندھ کر لونڈے کو دیا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔

بزاز۔ کہاں۔

سپاہی۔ گھر۔

بزاز۔ گھر؟

سپاہی۔ ہاں۔

بزاز۔ اور دام۔

سپاہی۔ آکر دیں گے۔

بزاز۔ واہ۔

سپاہی۔ ارے بھئی کچھ چوروں سے بیوپار ہے۔

بزاز۔ جمانا (زمانہ) ناجک (نازک) ہو۔

سپاہی۔ (خوجی کی طرف دیکھ کر) ہمارا سالا بیٹھا ہو۔ ہم ابھی آئے۔ وہ تو لے دے کر اور خوجی کو سالا بنا کر چلدیے۔ اب خوجی جو پینک سے چونکے تو سپاہی نہ مزدور کا لونڈا۔ فقط خوجی اور انکا پونڈا چلے تو بزاز نے گردن ناپی۔ کہاں چلے آپ۔ کہاں چلے کہاں؟ ہم کیا کسی کے غلام ہیں۔ گلام نہیں اور ہو کون۔ تمھارے بہنوئی تم کو بٹھا کر کپڑا

لے گئے ہیں۔ تب تو خوجی چکرائے ابے کیسے بہنوئی اُسنے کہا بس بے تے نکڑ نا میاں۔ سالے ہو اُن کے کہ نہیں۔ اتنے میں ایک شخص نے کہا کہ یہ خط وہ یہاں پھینک گئے ہیں۔ خوجی جو اُس رقعے کو پڑھتے ہیں تو یہ لکھا تھا۔

رقعہ

بات ترے کی کیوں کھا گیا نہ جھانسا۔ دیکھا ابکی پھر پھانسا تب کی بیوی بن کے جیتیا دیا۔ ابکی میاں بن کے غتیا دیا۔ بڑے منہ سے حضرت شنائی ڈونگتے آتے تھے گویا ہم اندھے تھے۔

خوجی ادسے ہکر کے رہ گئے۔ واہ رے بہروپیے۔

میاں خوجی چکر میں کہ اچھا گھن چکر بنایا۔ سالا کا سالا بنا گیا اور غتیا جو دیا وہ گھاتے میں۔ خیر اور تو جو ہوا وہ ہوا اب یہاں سے چھٹکارا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ بزاز دس ہم ٹٹروں ٹوں کھیٹیل بھر یہاں کسی سے جان نہ پہچان۔ اور قرولی پاس نہیں بڑے پھنسے زمانے بھر کے نیار لیے اور ہمیں کو جھانسا دیا۔ ایک دفعہ ہی آپ نے آنکھیں نیلی پیلی کیں اور مارے غصے کے منہ لال چقندر ہو گیا حضرت نے آؤ دیکھا نہ تاؤ کتارا تان کے پیتیرا بدل کے کھڑے ہو گئے اور بزاز کو کتارا دکھا کر کہا کہ دوں ایک۔ بزاز نے جو اُن کے قد و قامت اور ہاتھ پاؤں اور ڈیل ڈول پر نظر ڈالی تو ہنس دیا اور کتارے کے جواب میں آہستے گز اُٹھایا۔ آئیے آپکا گز ہمارا گز۔ خوجی بہت ہی بگڑے اب قسمیں کھاتے ہیں کہ بھائی میں تو اچھی طرح اُس کی صورت سے بھی واقف نہیں تم مجھے کیوں پھانستے ہو۔

بزاز بولا جبتک آپ کے بہنوئی نہ آئینگے میں دکان سے ہلنے تو دونگا نہیں۔

اتنے میں ایک شخص نے آن کر بزاز کو سات روپیے دئے اور کہا ہمیں کپڑا پھیر دیا ہے اور کہا ہے کہ ہمارے سالے کو چھوڑ دو بزاز نے روپیے گن لیے اور خوجی کو آزاد کیا۔ بارے خدا خدا کر کے اس جھنجھٹ سے جان تو بچی سالے بنتے بنتے۔

میاں آزاد کا ایک بت تند خو پر دل آنا اور اُس نگار قوس ابرو کے پریخانے میں جانا

ادھر تو یہ باتیں ہو رہی تھیں اُدھر میاں آزاد غائب اُنسے ایک شخص نے کہا یا حضرت آج میلہ دیکھنے نہ چلیے گا۔ وہ دھوم دھڑکے کا میلہ ہوتا ہے کہ اُہو ہو ہو ایک ایک سرمایۂ جادو نگاہ رو کش مہر غیرت ماہ۔ ؎

نازسے پائینچے اُٹھائے ہوئے
شرم سے جسم کو چُرائے ہوئے
نشۂ بادۂ شباب سے چور
چال مستانہ حسن پر مغرور
انگھڑیاں قہر کی لگاوٹ باز
مست صہبائے غمزہ و انداز
سیکڑوں بل کمر کو دیتی ہوئی
جان طاؤس و کبک لیتی ہوئی

ناز معشوقانہ و انداز دلربایانہ سے چوطرفہ پھرتی ہیں اور آن برق وشوں کے حُسن گلوسوز سے عشاق زار کے دل پر بجلیاں گرتی ہیں چلیے اور میاں خوجی کو ساتھ لیجئے۔ یہی عاشق تن رنگیلے چھیل چھبیلے جونہی آزاد نے کہا بولے چلیے ہم تیار ہیں گر خوجی اسوقت اور ہی اُدھیڑ بن میں ہیں میاں آزاد خوب نکھر سے اور سج دھج کر اکڑتے ہوئے چلے۔ واللہ ایسا بیفکرا ابھی نہیں دیکھا میلا ٹھیلا تو کوئی ان سے بچنے ہی نہیں پاتا تھا۔ کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر گئے ہونگے کہ ایک جھروکے سے آواز آئی کہ۔ ؎

خدا جانے یہ آرایش کریگی قتل کس کس کو
طلب ہوتا ہے شانہ آئینہ کو یاد کرتے ہیں

میاں آزاد نے جو اوپر نظر کی تو۔ ؏ سبحان اللہ شان تیری اب قدم چلنا تھا دفعتہً دروازہ خوشی کی آنکھ کی طرح بند ہو گیا وہ معاملہ انکی دل کی گرفتاری کے واسطے کمند ہو گیا۔ آزاد متحیر کہ آہی یہ بھلا اشارہ تھا ٹوٹا تھا آخر کیا تھا کیا۔ پل مارنے کی دیر ہوئی اور وہ چاند سا مکھڑا گھن میں آ گیا۔ ایک مرتبہ سہ منزلہ کی ایک کھڑکی سے وہ چہرۂ نورانی پھر نظر آیا۔ آزاد بول اُٹھے کہ وہ اُس ماہ تاباں نے جلوہ دکھایا مگر پھر غائب۔ ہائے ستم۔ آزاد جوش شوق

اور بڑے ذوق سے بولے کہ ؎

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازارِ خویش و آتش ما تیز میکنی

پھر مجھے نے چلا دہیں دیکھو
دل خانہ خراب کی باتیں

آزاد کے ساتھی نے جو یہ رنگ دیکھا تو آہستہ سے کہا کہ حضرت بس کہدیا اس پھیر میں نہ پڑیے گا۔ کانٹے میں الجھنا ہو تو بسم اللہ ورنہ آگے قدم بڑھائیے الا اللہ۔

آزاد۔ حضرت آج تو بعد مدت چاند سی صورت نظر آئی ہے پس اب تو کوٹھے پر جانے کی دھن سمائی ہے۔ وہ معشوق ہیں عاشق۔ وہ عذرا ہیں وامق وہ شیریں ہیں فرہاد وہ پریزاد ہیں قیدِ عقل سے آزاد۔

اتنے میں دیکھا کہ پھر وہ معشوق سیم غبغب بت شکر لب۔ غیرت لعبتان چین گلفام نازنین بیحجاب پراگندہ نقاب بچہرہ کو پر بصد ناز و انداز کھڑی ہوئی میاں آزاد کی آنکھ اُس آہو چشم کی فسوں پرداز اور لگاوٹ باز انکھڑیوں سے لڑی ہوئی۔ اُسنے ایک عجب دلے دلربایانہ سے اپنی بانکی دہری سے جو نکھر کر اُنکے سامنے کھڑی تھی کہا کہ قفس تیار کراؤ ہم میلے جائیں گے۔ میاں آزاد نے باوازِ بلند کہا کہ ؏۔ ستم ست اگر ہو۔

حضرت ایک برجستہ شعر حسب حال پڑھنے کو تھے مگر عب حسن سے ستم ست اگر ہو۔ ا کہکر رہ گئے۔ انکا دوست ایک ہی کائیاں سمجھ گیا کہ اس ترک زرّیں کمر رشک قمر کا رعب جم گیا تو بگڑی ہوئی بات بنائی اور یوں ہانک لگائی۔ لکنت کا برا ہو جس نے میرے یار کی زبان بند کردی تو وہ نو عروس سرمایۂ ناز بصد انداز کیا کہتی ہے۔ ؎

ز لکنت نیست گر حرفش نہ بر آشنا گردد
سخن گردد زبان صد بار گردد تا جدا گردد

طوطی سخن ہے اور شکرستان دہن ہے۔ بھلا طوطی شکر فشاں کہیں شکرستان سے باہر بھی آتی ہے۔ خیر اب تو ہندی سیر چمن کو جاتی ہے۔ اور میری شوخی ان حضرت کے گھورنے پر مسکراتی ہے۔

یہ نکتے اور لطیفے جو سنے تو میاں آزاد کے ؏ سمند عشق پہ اک اور تازیانہ ہوا دل نخچیر تیر ادائے جانانہ ہوا اور حضرت ہزار دل سے شکل عندلیب اُس گلبدن کے عاشق زار ہوے اور یوں گرم گفتار ہوے۔ ؎

ستم ست گر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درآ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بہ چمن درآ

دم کے دم میں وہ صورت پھر غائب ہو گئی۔ اب میاں آزاد کی بیقراری اور گریہ و زاری کا بحر مواج لہریں مارنے لگا۔ اس سمندر کا ادر چھور ہی نہیں کمر کھڑکیاں دریچے سب بند ہو گئے آپ آزاد چکرائے کہ یہ ماجرا کیا ہو گر سوچے کہ ؎

نہیں گر ثمن جو قصر یار میں پروا نہیں ہمکو
نگاہ شوق رخنہ کرتی ہے دیوار آہن میں

اس صنم جادو جمال زہرہ تمثال کا در تھا اور میاں آزاد کا سر تھا کبھی دانہ دھم دھمایا کبھی غل مچایا۔ کبھی کنکر پھینکے۔ کبھی پتھر پھینکے۔ ؎

کرتے ہیں آواز فقیری دیتے ہیں سائے سو بار
پتھر پھینکے ہیں گھروں زنجیر در کھڑکاتے ہیں

اتنے میں اوپر سے ایک وصلی گری۔ میاں آزاد وحی آسمانی سمجھ کر جھپٹے اُٹھاکر پڑھتے ہیں تو جلی قلم سے لکھا تھا کہ ؏۔ کلوخ انداز را پاداش سنگ ست۔ آزاد نے اس تحریر کو چوم لیا۔ اور بوسہ لے لے کر یوں کہنا شروع کیا۔

آزاد۔ ان حرفوں کے صدقے ؏۔ فدائے جنبشِ دست حنائی ہو سواد نامے آنکھوں کو نور بخشا۔ سیہ ستی مداد نے دل کو سرور بخشا۔ جذب دل کے طفیل ہم انشاء اللہ اُن پیارے پیارے ہاتھوں کو بھی چوم لینگے۔ ؎

نمودی سرفراز از نامۂ چون خاکساری را
رساندی از نسیم لطف بر گردون غباری را

بکاغذ رخت کلک از رقم کحل سلیمانی
از آن دادی ضیا چشم سفید انتظاری را

ز ہر حرفی خامہ کردی خاطر احباب را خرم
طراوت بخش گلشن صد سخن خوی ذوق خاری را

بمہر خود مزین ساختی از لطف کمتر یم
قرین مہر کردی ذرۂ بے اعتباری را

یہ وصلی در پردہ حال کی خبر دیتی ہے۔ خوشنویس ہاتھوں کی بلائیں لیتی ہے۔ ؎

من دانم و دل دانم زین نامہ چہا دیدم
صد باز نہ بتابی وا کردم و پیچیدم

اب حیرت ہے کہ اگر انہی میں جواب بھیجوں تو کیونکر بھیجوں۔ خاک ہو کر صبا کے ہمراہ جاؤں مگر ہمارا غبار تو ضعف کے سبب سے وہاں تک جا ہی نہ سکیگا۔ ؎

تو اے کبوتر بام حرم چہ میدانی
طپیدن دل مرغان رشتہ بر پا را

اور کلرخ انداز ہی اس لیے توڑتی ہی کہ سر کے سودا کا سنگ سے علاج ہو ذرا تو تسکین مزاج ہو سزا دیجئے تو سزا ہی - اور انتقام لیجئے تو روا ہی - لیکن - ع - عاشق کی سزا جو بھیجتی ہو - ؎

تسکیں زلفوں سے تسکیں کسوا دُ ۔۔ کالے ناگوں سے مجھ کو ڈسوا دُ
تلوار سے قتل ہو جو منظور ۔۔ ابرو کے اشارے سے کرو چور
زنداں میں جو زندہ بھیجنا ہو ۔۔ اپنے دل تنگ میں جگہ دو

یہ عشق فتنہ پرداز شمع فرد پردہ راز ہی - آج دل دیوانہ ایک پری سے ہمدم و ہمراز ہو -

اتنے میں ایک اور وصلی اوپر سے گری - اور میاں آزاد نے جھپٹ کر اُٹھائی - پڑھا تو یہ مصرعہ لکھا تھا ع - دل لگی کرتی ہیں پریاں مرے دیوانے سے ۔ آزاد پڑھتے ہی اُچھل پڑے - مرے دیوانے الٰہی صاحب اب ہم اُنکے ہو گئے اب اپنے دیوانے کی فکر کیجئے (کھڑکی کی طرف نظر کر کے) حضور آپ اپنے دیوانے کا خیال رکھیے - اپنا کہا اغیار سے نہ ہنسوانا - اللہ اللہ اپنے دیوانے سے اس درجہ بےخبر - زلف کی زنجیر ہو تیر کا نخچیر ہو میرا علاج سہل لکھا ہی عناب لب اور شربت دیدار - گل رو اور قند لب گلقند ہو گیا - مگر آنکھیں کھل کھل بند ہو رہی ہیں پر نظر ڈالتا ہوں - ؎

ہم ایسے ہو گئے اللہ اکبر اے تری قدرت ۔۔ ہمارے نام سے اب تو وہ کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں

اتنے میں ایک مہری اندر سے آئی اور میاں آزاد کو دیکھ کر مسکرائی - اشارے سے کہا کہ آئیے ہاتھ سے بتایا کہ جلدی جلدی قدم بڑھائیے - یہاں آزاد باد دل شاد شاداں و فرحاں مہتابی پر پہونچے - تو دماغ رشک ختن ہو گیا سینہ چمن چمن ہو گیا - دیکھا کہ ایک عربدہ جو صنم عنبریں مو رشک ناہید غیرت خورشید دلھن بنی ہوئی ایک ناز کرسی پر بصد شان ہزاروں خود نمائی عجب ٹھسّے کے ساتھ بیٹھی ہو - میاں آزاد کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا انھوں نے بیٹھتے ہی کہا کہ نقش مراد کرسی نشین ہوا تیر دعا بہدف اجابت قرین ہوا - ؎

نگار خانہ صنع ست این رخسار ست ۔۔ نگاہ کن ورق سادہ راچہ پرکار ست

میرس حال دلی آن دم کہ در سخن آئی ۔۔ اگر چون گہر افشان شود گدا چہ کند

وہ بت پندار ایک دلربا شوخی کے ساتھ مسکرائی تو میاں آزاد کی زبان پر یہ بیت آئی - ؎

بجو خون بباطلبند از تو کشتگان در حشر ۔۔ تبسمے کن و بگذر ہمیں ادا کافی ست

مہری نے جو سامنے کھڑی تھی آزاد کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آہستہ آہستہ گفتگو کیجئے بیوی نازک مزاج ہیں طبع نازک پر یہ آواز گراں گذرے گی آزاد نے آہستہ سے کہا کہ - ؎

میر نجد از تصور نظارہ خاطرت ۔۔ گل ہم برنگ و بوی تو نازک مزاج نیست

نازک بدن - یعنی وہی دلھن ؛ فرمائیے کیا مطلب ہی - دور دور کی ملاقات یا وصال -

آزاد - ملاقات نہ وصال - فقط نظارۂ جمال عرائے گل بتو خرسندم تو بوے کسے داری ؛ اب سنئے کہ اُس دلارام گلفام کی شکل و صورت بعینہ خجستہ لقا حسن آرا کی سی تھی - وہی شباہت وہی حسن و جمال وہی گلاب سا چہرہ وہی خال سر مو فرق نہیں میاں آزاد کو اپنی پیاری حسن آرا یاد آئی اور بیساختہ یہ مصرع زبان سے نکلا ع - اے گل بتو خرسندم تو بوے کسی داری ؛

نازک بدن - معلوم ہوتا ہی آپ چوٹ کھائے ہوے ہیں کسی کے جعد شکیں میں دل پھنسا ہو - ناگنی زلف نے ڈسا ہے - ؎

کھلتے ہیں کچھ اشتیاق کے طور ۔۔ رخ میری طرف نظر کہیں اور

آزاد - برسوں حسن و عشق کے پھیر میں رہے ہیں اپنی عاشقی پر ناز تھا اور ہم بنکارتے پھرتے تھے - ؎

ہر طرف دوں کان کہ مجنوں کے مثل طفل شریر ۔۔ عجب نہیں یہ جنوں کی بزرگواری سے

لیکن اب تو ایک حسین مہ جبین سے دل ملایا ہی بس اُسی کے بیاہنے کا شوق چرایا ہے -

نازک بدن - پھر ہم سے واسطہ - حرمت میں داغ لگانے سے رہنے شادی ہو - بسم اللہ ورنہ تشریف لیجائیے -

آزاد۔ (تیم خیز ہوکر) خدا حافظ۔
نازکبدن۔ (دامن پاؤں تلے دباکر) اللہ ری تنک مزاجی اُف ری عالی دماغی۔ ہم غیب کا حال بھی بتا سکتے ہیں۔ کیسے آپ کا کچا چٹھا کہہ چلوں۔ مگر ہٹ دھرمی کی سند نہیں۔
آزاد۔ (بیٹھ کر) بسم اللہ۔
نازکبدن۔ میاں آزاد آپ کا نام ہی۔ اور حسن آرا۔
آزاد۔ (متحیر ہوکر) ایں! یہ کیا اسرار ہے۔
نازکبدن۔ کیوں کیا پتے کی کہی ہی۔
آزاد۔ (دم بخود حیرت زدہ)
نازکبدن۔ (ہاتھ میں ہاتھ دے کر) حسن آرا میری چھوٹی چچازاد بہن ہی۔ ڈیڑھ برس سے میں نے اُسے نہیں دیکھا مگر دوسرے تیسرے خط ضرور آتا ہی۔ لیجیے حسن آرا کا خط ملاحظہ فرمائیے۔
آزاد خط لیکر چومنے لگے (سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا خط کو پڑھا تو یہ لکھا تھا۔ میری پیاری بہن۔ اللہ وہ دن دکھائے کہ تمھاری بہن تمھارے صالح شوہر کے نشے میں جھومتی ہو۔ تم اُنکو اور وہ تم کو مارے خوشی کے چومتی ہو۔ ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھائیں ہنسیاں دل لگیاں ہوتی جائیں۔ اب درد دل سنو۔ یہاں ایک جوان ماہرد قوس ابرو پریزاد میاں آزاد آئے تھے جوان صالح دپاکباز ہیں۔ فصحائے نامی سے دمساز ہیں۔ اصرار کیا کہ نکاح ہو۔ بساعت سعد کو بیاہ ہو۔ میری شامت زبان سے نکل گیا کہ روم جائیے مسلمانوں کو کفار کے حملے سے بچائیے۔ نام کرکے آئیے اور تمغے لٹکائیے تو کیا مضائقہ وہ تو ایک ہی کا آدمی ہی مٹا منظور کر لیا اور چل کھڑا ہوا۔ اب فراق مارے ڈالتا ہی دل قابو میں نہیں۔ تم خوب جانتی ہو۔ کہ میں ابھی ناکردہ کار ہوں۔ ۶۔
عشق کے صدمے اُٹھانے کو جگر بھی چاہیے ؛ یہاں جگر پاش پاش ہوگیا اور ابھی بسم اللہ ہی ہی۔

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً وناولہا   کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

وہ بمبئی کی راہ سے روم جائیں گے۔ تم سرا میں پتا لگا کر اُنکو بلوانا اور میرا خط پڑھوا کر شناسا ضرور کرنا کہ یہ مروت اسی کی مقتضی ہی کہ مجھ شہید خنجر ادا کشتۂ تیغ وفا کو تڑپاؤ ؎

نمی دانم ترا در دل چہ افتاد   کہ دادی صحبت دیرینہ برباد

تصویر شناخت کیلئے بھیجتی ہوں۔ میرا حال میرا اللہ ہی جانتا ہی۔ سپہر آرا روز طعنے دیتی ہی کہ ایسی ہی محبت پھٹ پڑی تھی تو بھیجا کیوں۔ شہر بدر کیوں کیا۔ مگر دل گواہی دیتا ہی کہ آزاد پیارے آزاد سرخرو آئیں گے۔ آمین! آزاد خدا کی قسم تمھاری تصویر ہر دم روبرو رہتی ہی۔ مگر۔ ؎

یکے زبان و ہزاراں شکایت ست مرا   تو شاذری کہ غم بے نہایت ست مرا

(حسن آرا)

آزاد ؎ دو نامۂ اغیار مرا یاد نمود ست   حیف ست کہ چوں من بنود نامہ سیاہی

مگر واہ رے اشتیاق۔ اور اُف رے درد فراق ہم بمبئی میں داخل ہونے پائے اور نامۂ شوق آگیا سچ ہی۔ ؎

اللہ ری ہوا لب بام قصر یار   اُڑ کر کبوتر آگے گیا ہی نسیم سے
عشق بلبل میں اثر ہی تو قفس میں آتش   بوئے گل پھاند کے دیوار گلستاں آئی

یہاں آزاد نے ؎ مانگا کاغذ دوات و خامہ ؛ لکھا جھٹ پٹ جواب نامہ لفافہ بند کیا اور فوراً ڈاک خانہ بھیجا۔
نازکبدن حسن آرا تڑپ رہی ہی آپکی تحریر سحر تخمیر سے ذرا تسلی ہو گی سپہر آرا حیران ہی کہ اُسکے جنون کا علاج کیا کرے۔ مگر۔ ؎

بیماری عشق لا دوا ہے   اس باغ کی اور ہی ہوا ہے
مجنوں ہو اگر تو فصد لیجئے   سایہ ہو تو دوڑ دھوپ کیجئے
کچھ روگ جو در پئے خلش ہو   درماں کے لیے دوا دوش ہو
آخر یہ تو جی سے اپنے ہی تنگ   ایسا نہ ہو لائے اور کچھ رنگ
یاد آئیں جو ابروان خمدار   رہنے نہ کہیں گلے پہ تلوار

وہ سبزۂ خط جو یاد آئے
جھنجھلا کے کہیں نہ زہر کھائے

کر یاد کہیں چہِ ذقن کو
کود ے نہ کنویں میں بادلی ہو

دیوانے کی مطلق ا لعنا نی
ہے باعث مرگ ناگہانی

مرگ ناگہانی کا کلمہ سنکر میاں آزاد کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے اور اشکوں کا تار بندھ گیا۔ ہائے یہ اشک نہ تھے بلکہ ترجمان دل۔ جگر خون ہو کر آنکھوں کی راہ نکلا۔ وائے ستم۔

نازکبدن - اب آپ ہمارے یہاں ٹھہریں اکثر علما اور با حمیت اہل اسلام آپکی زیارت کے مشتاق ہیں۔ ایک دن جلسۂ عام منعقد ہو گا اور آپکی خدمت میں باحمیت مسلمان اسپیچ دینگے۔ جہاز کا بندوبست کر دیا جائیگا۔ مگر ابتک آپنے یہ نہ پوچھا کہ ہم نے آپکو پہچانا کیونکر ہم نے سرا میں آدمی بھیجا تھا اور اُس نے آپکو بغور دیکھا تھا۔ اسوقت اُس نے مجھ سے آن کر کہا کہ وہی صاحب آرہے ہیں میں آپکو آزماتی تھی کہ دیکھوں سکتے ہیں۔ بیاہ کا ذکر میں نے اسی سبب سے چھیڑا تھا اگر آپ عشق ہی ظاہر کرتے جاتے تو میں حسن آرا کو لکھ بھیجتی کہ۔ ع

شاید ہوس باختن با گلے
کہ ہر بامداد ش بود بلبلے

لیکن آپ نے میری صورت دیکھتے ہی کہا کہ۔ ع۔ اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری۔

آزاد - پھر میں یہاں ہی اُٹھ آؤں۔

نازکبدن - ضرور۔

آزاد۔ شاید آپکے اعزہ میں سے کوئی بدظن ہو جائیں۔

نازکبدن آپ خوب جانتے ہیں کہ ہندوستان کی کوئی نیک شریف زادی اسطرح بیدھڑک کسی غیر اور نامحرم کو اپنے ہاں بلانے گی جس طرح میں نے آپکو بلا لیا کیا مجھے ناموس و ننگ کا خیال نہیں۔ کیا میں نہیں جانتی کہ میرے میاں غیر مرد کو اس بے تکلفی کے ساتھ میرے قریب بیٹھے دیکھیں گے تو آنکھوں سے خون ٹپکنے لگے گا۔ مگر وہ تو خود اسوقت تمھاری تلاش میں نکلے ہیں حسن آرا نے تو خطوں کی بھرمار کر دی اور اُنکو قسمیں دے دے کر لکھا ہے کہ آزاد کو ضرور ڈھونڈھ نکالو۔ آتے ہی ہونگے دیر سے گئے ہوئے ہیں۔ اب آپ تو جائیں نہیں میرے آدمی کو بھیجدیجئے وہ اسباب لے آئے۔

آزاد۔ اچھا ذرا دوات کاغذ تو منگوا لیجئے۔ میں اپنے ساتھی کے نام رقعہ لکھ بھیجوں۔

ایک عورت نے قلم دوات کاغذ سامنے رکھدیا اور میاں آزاد نے یہ رقعہ لکھا۔

خواجہ صاحب بہادر۔ اسباب واسباب لیکر اس آدمی کے ساتھ چلے آئیے سرا میں رہنا تم کو ہم کو دونوں کو شاق گذرتا ہے یہاں حسن اتفاق سے حسن آرا کی بہن مل گئیں۔ یار ہیں قسمت کے دھنی۔ ہم تم دونوں۔ بس اب آؤ اور یہاں ہی بستر جماؤ اور ایک مژدہ طرب انگیز بھی سناتا ہوں کہ افیم کی دکان بھی یہاں سے قریب ہے۔ وہ ہنسی آئی باچھیں کھل گئیں۔ آستاد۔ آزاد خلیہ بہادر

خوجی کی حماقت

خوجی نے مارے وحشت کے دل میں ٹھان لی کہ جو آئیگا خوب غور سے دیکھوں گا اور للکاروں گا بھلا ایکی چکما چل جائے تو ٹانگ کی راہ نکلجاؤں دو دفعہ کیا جانے کیا اتفاق ہوا کہ وہ چکما دے گیا۔ یہاں اُڑتی چڑیا پکڑنے والے ہیں۔ ہم بھی اگر یہاں رہتے ہوتے تو اس بردودبر جیسے کو چچا ہی بنا چھوڑتے وہ غچا دیتا کہ عمر بھر یاد ہی تو کرتا مگر خیر ع۔ پھر سمجھیں گے اضطراب کیا ہے سامنے ایک گھسیارا گھانس کا گٹھا سر پر لادے پسینے میں عرق عرق آن کھڑا ہوا۔ میاں خوجی کی کوٹھری کے قریب ایک ٹٹو اسرا میں بندھا تھا وہ سمجھا انھیں کا یابو ہے تو انسے یہ گفتگو ہوئی۔

گھسیارا۔ حضور گھانس تو نہیں چاہئے۔

خوجی۔ (غور کرکے دیکھا) چل اپنا کام کر۔ ہمیں گھانس دانس کچھ نہیں چاہئے گھانس کوئی اور کھاتے ہونگے۔ ہم اپنے غم میں آپ کا ہیدہ ہیں۔ گھسیارا دور تھا اُسنے اچھی طرح سنا نہیں کہ میاں خوجی نے کیا جواب دیا تو

پھر پوچھا کہ صاحب کچھ گھانس لوگے۔ خوجی سمجھے کہ بہروپیا ہی (چل بے چل) ہم پہچان گئے ہم سے بہت چکمے بازی نکرنا۔ بچہ ابکی کوئی حرکت سرزد ہوئی تو پلیتھن ہی نکال ڈالوں گا۔ اب جاتا ہے یا آنکھیں دکھاتا ہے۔ تیرے بہروپیے کی دُم میں رسّا۔ ع۔ ہر روز عید نیست کہ حلوا خورد کسے۔ شامت اعمال سے گھیلا بہرہ تھا وہ سمجھا کہ بلاتے ہیں اُنکی طرف آنے لگا۔ بس تب تو میاں خوجی غصہ ضبط نہ کر سکے اور چلا اُٹھے کہ او گیدی بس آگے نہ بڑھنا نہیں تو سر تن سے جدا ہوگا یہ کہکر حضرت لپکے اور گھٹا پکڑ کر چاہا کہ اُسکو چپت لگائیں اُسنے جو زور کیا کہ چھڑا کر بھاگ نکلے تو میاں خوجی منہ کے بل دھم سے زمین پر آرہے اور گھٹا جو گرا تو حضرت خواجہ صاحب تُپ ہی گئے اور گھٹے کے بوجھ سے ایک لڑھکنی کھائی بھٹیاریوں نے دوڑ کر گھٹے کو پاؤں سے دبانا شروع کیا اور خوجی نے اُسکے اندر سے غنغنانا شروع کیا بے او گیدی اتنی قرولیاں بھونکوں گا کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائیگا۔ مردک نے ناکوں دم کردیا۔ خیر بعد خرابی بصرہ آپ گھانس کے نیچے سے برآمد ہوئے تو گرد میں لت پت۔ بھٹیاریوں نے ہجری ہمدردی سے گرد جھاڑی گرد کیا جھاڑی یہ کہیے کہ گرد جھاڑنے کے حیلے خوب مرمت کردی ایک نے ادھر سے گدّا جمایا۔ دوسری نے اُدھر سے چپتایا۔ اچھی گرد جھاڑی خوجی بہت ہی جھلائے تیّہ پھیلائے بیٹھے تھے کہ میاں آزاد نے جس آدمی کو سرا بھیجا تھا وہ رقعہ لیے ہوئے آیا اور لوگوں سے پوچھکر اُنسے کہا کہ چلیے آپ کو آزاد نے بلایا ہے

خوجی۔ کس سے کہتے ہو۔ ارے ابکی نامہ بر بنکر آیا تب کی گھسیارا بنا تھا۔ پہلے عورت کا بھیس بدلا پھر سپاہی بنے چل بھاگ مردود۔

نامہ بر۔ رقعہ تو پڑھ لیجئے۔

خوجی۔ میں جلتی جلتی لکڑی سے داغ دوں گا سنا معقول! مجھے کوئی بونڈا مقرر کیا ہے کیا ایسے ایسے بہروپیے یہاں جیب میں پڑے رہتے ہیں

نامہ بر چلدیا۔

میاں آزاد خانہ برباد نے تو اپنے انیسی دوست میاں خوجی کے پاس آدمی کو بھیجا تھا کہ اُنکو مع بوریا بندھنے اور ٹنگ تو پڑے کے لے آئے مگر وہ بیرنگ واپس گیا خوجی نے اُسکو ایسا للکارا اور وہ ڈانٹ بتائی کہ اُسکے حواس پیتر ا ہوئے اور بگٹٹ بھاگا تو گھر پر آن کر دم لیا۔ ہانپتے ہانپتے ڈیوڑھی سے اُس نے پکارا کہ بوا زمین۔

زمین۔ اساب وساب لے آئے ہونا۔

آدمی۔ کہاں کا اساب۔ وہ تو کاٹنے دوڑے۔ یہ دیکھو قرآن کی قسم جو ذری اور بولوں نا تو وہ چکت دے کہ کان ہی اُڑا لیجائے اور میں کنکنا ہی رہ جاؤں وہ تو کچھ اول جلول سا بکنے لگے کچھ سنک سی ہے۔

زمین۔ چل مسخرے بہت کھلّی بازی نہیں اچھی ہوتی بتاؤ بتاؤ بھلا یہ دل لگی کا کون موقع ہے۔

آدمی۔ نہ مین کی کٹیلی آنکھوں کی قسم وہ نہیں آئے۔ دور ہی سے وہ ڈانٹ بتائی کہ میں دُم دبا کر بھاگا پیچھے پھر کے دیکھتا تو وہ لے ہی بڑھتے قسم خدا کی وہ تو کوئی سودائی سا معلوم ہوتا ہے۔ سرا بھر میں سب کے سب اسکو بناتے اور انگلیوں پر نچا رہے تھے۔

نازک بدن۔ رجب اسباب لے آیا۔؟

رجب۔ بیگم صاحب کچھ پوچھیے نا۔

آزاد۔ کیوں کیوں۔

رجب۔ حضور وہ تو کچھ جھنجھلائے سے معلوم ہوتے ہیں۔ میں لاکھ لاکھ کہا کیا اُنھوں نے ایک تو سنی نہیں۔ بس دور ہی دور سے گیدڑ بھبکیاں بتایا کیے کچھ عجب آدمی ہیں۔

آزاد۔ خط کا جواب لائے۔

رجب۔ غریب پرور کہتا جاتا ہوں کہ قریب پھٹکنے تو دیا نہیں جواب کس سے لاتا۔ وہ تو کچھ جھلائے ہوئے سے بیٹھے تھے اور ارد گرد لوگ انکو بنا رہے تھے مجھے تو ٹھگنے سے آدمی دُبلے دُبلے افیم بہت پیتے ہیں۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ نازک بدن کا شوہر آگیا۔ زمین نے صحن میں سے

پکارا کہ بیگم صاحب بیچئے میرزا صاحب آگئے۔

بیگم۔ (دبی آواز کہہ کر) کہو میاں آزاد سے تو کہیں مڈبھیڑ نہیں ہوئی

میرزا صاحب۔ شہر بھر گھوم آیا۔ سیکڑوں چکر لگائے مگر نہ ملے نہ ملے سرا میں گیا تو وہاں خبر ملی کہ آئے ہیں۔ ایک شخص بیٹھے ہوئے تھے اُنسے پوچھا تو بڑی دل لگی ہوئی جیسے ہی میں قریب گیا اور وہ کھلکھلا کر اُٹھ کھڑے ہوئے کون آپ کون۔ میں نے کہا یہاں میاں آزاد نامے کوئی صاحب تشریف لائے ہیں بولے کہ پھر آپسے واسطہ۔ میں نے کہا صاحب آپ تو کاٹے کھاتے ہیں آخر میں نے کیا آپکو گالی دی تھی۔ تو بہت رو رو کر کہتے کیا ہیں (ارے اس بہروپیے نے تو ہماری ناک میں دم کر دیا۔ ہماری مانتا ہی نہ تھی۔ تو پھر آیا۔ آج بھلے مانس کی صورت بنا کر آئے ہیں کل گھسیارے بنے تھے۔ پرسوں کیا جانے کیا بنے تھے) غرض کہ ایسی ایسی اول جلول واہی تباہی تقریر اُنھوں نے کی کہ تو بہ ہی بھلی۔ میں کچھ جو سمجھا ہوں کہ یہ بک کیا رہا ہے۔ آخر کار ایک عورت نے مجھ سے کہا کہ یہ ایک سڑی سودائی آدمی ہیں اُنکے منھ نہ لگیئے۔ انکو ایک بہروپیا کئی بار ستا چکا ہے۔ ایکدفعہ عورت بنکر آیا تو حضرت کو شادی کرنیکا شوق چرایا۔ اُسنے گود میں اُٹھایا اور چپکے سے بھاگا اور ساری بازار میں ہنڈایا۔ دوسری مرتبہ سپاہی بنکر آیا اور انکو ایک بزاز کی دکان پر بٹھلا اور کئی روپیہ کا مال لیکر چلتا ہوا اور بزاز سے کہہ گیا کہ یہ ہمارے سالے ہیں انکو بٹھلائے جاتے ہیں اب انکی یہ کیفیت ہے کہ جو انکی کوٹھری کی طرف سے نکل جاتا ہے اسکو ڈپٹتے ہیں کہ تو بہروپیا ہے بھلا ہم نے پہچان لیا اسوقت اگر انکا باپ بھی آئے تو اُسکو بہروپیا سمجھیں۔ اسم مبارک حضرت کا خوجی ہے ایسی قطع بھی کسی کی کم ہوگی۔ اوّل تو ناٹھنگنے۔ دوسرے ایسی۔

بیگم۔ ذرا اوپر تو آؤ۔ دیکھو ہم نے میاں آزاد کو یہیں بلوا لیا۔ نہ کہو گے۔

میرزا صاحب کھٹ کھٹ کرتے ہوئے کوٹھے پر آئے۔

آزاد۔ (کھڑے ہوکر) آئیے بغل

میرزا صاحب۔ (بغل گیر ہوکر) بسم اللہ حضرت آنکھیں ترستی تھیں آپ کی زیارت کو۔ بارے الحمد للہ کہ سعادت زیارت نصیب ہوئی۔ ۔ ۔

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے	کبھی ہم انکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

میں تو سمجھی تھی کہ آپ کے رفیق دانت نہ لگے سمجھے کہ یہ بھی بہروپیا ہے۔

آزاد۔ وہ ایک سودائی آدمی ہیں لیکن یہ مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ اس بہروپیے نے پھر غچا دیا۔

میرزا صاحب۔ اب آپ آرام سے بیٹھیں۔ اچھی طرح تشریف رکھیے

بیگم۔ (اپنے شوہر میرزا صاحب سے) میاں آزاد کو بڑا کھٹکا تھا کہ ایسا نہ ہو تم آکر ہم پر خفا ہو۔ اور نامحرم کو یہاں دیکھ کر ہم سے بدگمان ہو جاؤ (مسکرا کر) یہ کبھی مرہٹوں کے ملک میں نہیں رہے۔

میرزا صاحب۔ (آزاد سے) حضرت ہم عرصۂ دراز تک دکھن میں رہے ہیں پردے کا چنداں خیال نہیں اور پھر آپ سے۔ حسن آرا نے آپکی سفارش کی ہے۔

آزاد۔ آپ کی نوازش۔

میرزا صاحب۔ خدا گواہ ہے۔ اسوقت آپکی ملاقات سے طبیعت اسدرجہ محظوظ و مسرور ہوئی کہ ع۔ دل من داند و من دانم و داند دل من بہ اب آپ آج تو آرام فرمائیے کل اکثر علما و فضلا آپسے ملاقات کریں گے از بس مشتاق زیارت ہیں۔

آزاد۔ ضرور ملوں گا۔

میرزا صاحب۔ جہاز کا بندوبست بھی خاکسار بعنوان مناسب کر دیگا۔

آزاد۔ ہاں ضرور۔ اب میں بیقرار ہوں کہ اُڑ چلوں۔

میرزا صاحب۔ انشاء اللہ ایک جلسۂ عام یہاں منعقد ہونیوالا ہے جسمیں علمائے بمبئی آپکو مع رئیس اور اہل اسلام شریک جلسہ ہوکر دعائے خیر دینگے خدا آپکو اس ارادے میں کامیاب کرے۔ آمین ثم آمین۔

ادھر میاں خوجی اپنے دل میں سوچے کہ عزت بھی ڈوب ہی گئی مشیخت میں بٹا لگا بڑی ہی کرکری ہوئی کوئی ایسا چکما بہروپیے کو دینا چاہئے کہ وہ بھی عمر بھر یاد کرے کئی گھنٹے تک اسی میں غلطاں پیچاں رہے حتی کہ نیم کھانا تک بھول گئے کہ اتنے میں میرزا صاحب کا آدمی آیا اور میاں آزاد کا خط دیا۔ پہلے تو خوجی سمجھے کہ یہ بہروپیا ہو گر بغور دیکھا تو لفافہ پر میاں آزاد کے دستخط پائے۔ لیا اور پڑھا

خواجہ صاحب میں نے سنا کہ اُس بہروپیے نے جسکے ساتھ آپ نکاح کرنا چاہتے تھے آپکو خوب ہی جھانسے دیے اور آپ پھر اُسکے چکمے میں آ گئے لاحول ولا قوۃ۔ خیر وہ تو جو ہوا سو ہوا۔ اب اس آدمی کے ہمراہ تشریف لائیے ورنہ پھر وہ آپکو دھوکا دیگا اور آپکو کرتے دھرتے کچھ نہ بن پڑیگی۔ بھائی کہا مانو۔ آؤ اور جلد آؤ۔ اور ضرور آؤ۔ اگر خرابی تو یہ ہے کہ تم نے آدمی کو دور سے دیکھا اور للکارنا شروع کیا کہ کھلایے بہروپیے ہم پہچان گئے۔ خدا خیر کرے میں جانتا ہوں کہ اب مجھی کو آنا پڑے گا۔ خیر۔ ہرچہ بادا باد۔ (آزاد)

خوجی نے یہ خط پڑھ کر کل اسباب خدمتگار کے سپرد کر دیا اور کہا اُن سے کہدینا کہ ہم تھوڑی دیر میں آتے ہیں آپ مطمئن رہیں مگر ہم کو پتا تو بتا دو خدمت گار نے ٹھیک ٹھیک پتا بتا یا۔

میاں خوجی کا جھانسا دینا

خوجی ایک شخص سے بہروپیے کے مکان کا پتا پوچھ چلے تھے۔ پوچھتے پوچھتے بہروپیے کے مکان پر داخل ہوئے۔ اسوقت حسن اتفاق سے بہروپیا گھر میں نہ تھا اور بہروپیے کی بیوی کو ضرورت تھی کہ اپنے جان پہچان کے پاس تیس روپیہ بھیجے وہ پارسل بنا کر اور سی کر رکھ چکی تھی اور لونڈی کو سکھا دیا تھا کہ جو کوئی پڑھا لکھا ادھر سے نکلے تو اُس سے پارسل کا لفافہ لکھوا لینا۔ لونڈی کھڑی راہ دیکھ رہی تھی۔ میاں خوجی تو اس تاک میں تھے ہی کہ کسی ڈھب لونڈی سے ہم کلام ہوں اور لونڈی اس فکر میں کہ کوئی منشی یا مولوی ملیں تو مزے سے لفافہ لکھوا لوں خوجی سے اور اُس سے یوں گفتگو ہوئی۔

خوجی۔ (لونڈی سے) کیوں جی ذرا پانی نہیں پلاتی ہو۔

لونڈی یہ سنتے ہی پھول گئی لو منہ مانگی مراد پائی۔ جو دل میں آرزو تھی وہ بر آئی اور خوش ہو کر بولی کہ میاں میٹھا پانی پیو۔ گلوری کھاؤ۔ حقہ گڑگڑاؤ۔ میں ابھی لائی۔ دوڑتی دوڑتی گھر میں گئی اور ہنس کر بیوی سے کہا کہ لو ایک چاہتی ہوں میں پانی لیے جاتی ہوں آپ جھٹ سے ایک گلوری بنا رکھئے ایک منشی جی کو بڑی دور سے پھانس پھونس کر دم دلاسا دے کے گانٹھ لائی ہوں آتے ہی پر راضی ہوئے ہیں۔ واہ ری لونڈی۔ ایسی طرار لونڈی بھی کم دیکھی ہوگی کہنے لگی پھانس پھونس کے دم دلاسا دیکر گانٹھ لائی ہوں۔ اور بڑی دور سے اور طرہ یہ کہ دو گنڈے کی رقم بھی اینٹھی۔ لونڈی اسقدر گھبرائی ہوئی تھی کہ جس آفتابے میں پان بھیگ رہے تھے وہی جلدی سے اٹھائے گئی۔ پانی کھاری اور کڑوا جیسے نیب۔ پاپیچے ایک ہاتھ سے اٹھائے دوسرے ہاتھ میں کٹورا لیے ہوئے باہر پہنچی۔

لونڈی۔ پیجئے میاں پیجئے۔

خوجی۔ (ہنس کر) لاؤ تم بڑی نیکبخت ہو بوا۔

لونڈی۔ اے واہ لوگ تو پوسالے بٹھلاتے ہیں میں نے اتنا سا پانی پلایا تو کیا احسان کیا۔

خوجی نے کٹورے سے پانی پیا تو غل مچایا کہ ارے غضب کیا زہر ملا لائی ہو مار ہی ڈالا لاحول ولا قوۃ۔ (اپنے دل میں) سچ ہے واللہ قاضی کے گھر کے چوہے بھی سیانے ہوتے ہیں بہروپیے کی لونڈی نے تو اُسکے بھی کان کاٹے۔ خیر لونڈی جھٹ پٹ اندر گئی اور صراحی سے ٹھنڈا ٹھنڈا پانی لائی میاں خوجی نے پیا تو جان میں جان آئی اتنے میں گلوری تو بیوی نے بنا ہی رکھی تھی لا کر میاں خوجی کو دی چباتے ہی اُگل دی منہ ہی کاٹ ڈالا چونا ہی چونا لگا لائی ہو ارے توبہ (دل میں) یہ اس بہروپیے کی بیوی تو لونڈی کی بھی خالہ ہے۔ بڑی بی تو بڑی بی چھوٹی بی سبحان اللہ۔ دونوں بس کی گانٹھ۔

اتنے میں لونڈی اندر سے پارسل لائی اور کہا کہ میاں اتنا ہم پر احسان کرو کہ اس پارسل کا لفافہ لکھ دو۔

خوجی۔ لفافہ! اچھا۔ کہاں جائیگا کس کے نام ہے۔ کون بھیجتا ہے۔ کچھ معلوم بھی تو ہو یا انگریزی والی تجاہی جہاں چاہوں بھیجدوں۔

لونڈی۔ میں بیوی سے سب حال پوچھ لوں تو بتاؤں۔ آپ بیٹھے رہیے گا۔ پارسل مجھے دیجئے ابھی ابھی آئی۔ (پارسل کے پاس سے) میاں جانا نہیں میں صدقے۔ ایک گلوری اور کھلاؤں گی۔

خوجی۔ اچھا اچھا جاؤ (دل میں سوچے کہ) اُف اوہ کیا کائیاں لونڈی ہو پارسل جھپاک سے لے ہی بھاگی نہیں تو اسوقت پارسل ہی اُڑا دیتا۔ لونڈی اندر سے پارسل لے آئی اور بیوی یعنی بہروپیے کی جورو نے پردے کے پاس سے پتا بتایا۔ میاں خوجی نے پتے اور نشان کی دم میں رسّا باندھا اپنا نام اسپر جلی قلم سے لکھ دیا۔

بعز اسمہ در بلدۂ بمبئی محلہ بھنڈی بازار بر دو تخانہ میرزا اسد بیگ صاحب درجۂ خاص میاں آزاد سیاح بادر زاد نزد جناب قبلہ دکعبہ میاں خواجہ بدیع صاحب مدظلہ مشرف باد۔

یہ لفافہ لکھ کر حضرت نے لونڈی کو دیا اور اپنی راہ لی۔ لونڈی نے فوراً ڈاکخانہ میں پارسل دی اور رجسٹری کرا کے چلتی ہوئی۔ واہ ری لونڈی میاں خوجی کرتیا تو معلوم ہی تھا۔ پہونچے تو وہاں بڑی دل لگی ہوئی دوسرے دن کوئی دوپہر دن چڑھے ڈاک کا ہرکارہ لال لال پگیا عکس جمائے چونگلا دبائے میرزا صاحب کے مکان پر آیا۔

ہرکارہ۔ (میرزا سے) آپکے یہاں کوئی کھوجی ٹکے ہیں۔

میرزا۔ کون! کھوجی۔ ابے یہاں کھوجی کا کیا کام۔

خوجی۔ ہاں ہاں جی ہمارے نام پارسل آیا ہوگا (آگے بڑھ کر پارسل لیا دستخط کیے اور ہرکارہ روانہ باشد)۔

اب آزاد متحیر ہیں کہ اس مردک کے پاس پارسل کہاں سے آیا ہوگا۔ پڑھا تو سخت متحیر ہوے کہ قبلہ دکعبہ لکھا ہی اور پتا ٹھیک ٹھیک۔ اُدھر بہروپیا جو گھر میں گھسا تو بیوی نے کہا تو تم لفافہ نہیں لکھتے تھے ہم نے لکھوا لیا اور جھپ پارسل بھجوا دی۔

لونڈی۔ ایک ٹھگنے ٹھگنے دبلے پتلے آدمی تھے افیم کی پینک میں اونگھتے جاتے تھے اُنھوں نے لکھ دیا۔

بہروپیا۔ (ہاتھ مل کر) ارے! افسوس اُف مار ڈالا ہوے گیا چکا۔ ہو نہ ہو وہی سرا والا خوجی ہو بس غضب ہی ہوگیا۔

بیوی۔ خیر تو ہے۔

بہروپیا۔ کچھ نہ پوچھو۔

بیوی۔ یہ افسوس کیسا۔ جلد حال بتاؤ۔ کلیجہ اُلٹا جاتا ہو۔

بہروپیا۔ تم سے کیا بتاؤں۔

بیوی۔ کیا ایسی بات ہے کہ مجھ سے کہنے کی نہیں کیا کوئی جُل دے گیا یا کسی عزیز کی مُنادی سنکر آئے ہو۔

بہروپیا۔ بس چپ رہو۔ اللہ نہ کرے۔

بیوی۔ آخر تش یہ ماجرا کیا ہی۔ کسی سے لڑ کے آئے ہو یہ گرگڑاتے کیا ہو تم نے نہ لکھا ہم نے دو گلوری دیکر اور سے لکھوا لیا۔

بہروپیا۔ غضب کیا۔

بیوی۔ کچھ کہو گے بھی یا یہی کہے جاؤ گے کہ غضب ہوا غضب کیا آخر معلوم تو ہو کہ کیا غضب ہوا اور کس نے غضب کیا۔

آپچھیں!

ناطقہ زبان کے ساتھ۔ لے تان کے ساتھ مضراب ستار کے ساتھ۔ ڈاب تلوار کے ساتھ۔ خون بدن کے ساتھ۔ بہار چمن کے ساتھ۔ نسیم سحر غنچۂ گل کیساتھ باد باراں تشنۂ مل کیساتھ ناز و ادا معشوق طنّاز کیساتھ آب زلال تشنگان حجاز کے ساتھ۔ وہ نہیں کرتا جو میاں آزاد خانہ آباد والا نژاد فرخ نہاد نے اسلام کے ساتھ کیا مذہب کا اسپر ناز ہو تو بجا ہو محبت کو اس سے اعزاز ہو تو روا ہی خاتون مہ لقا شیریں ادا ذی مروت باصفا حسن آرا کی سی نازک ادا غنچہ دہن جانانہ سیم بدن جسپر دیکھے وہ مرکی جانیکا خیال دل میں لائے اسکو حمیت اسلام کا شوق چرائے بھلا کوئی بات بھی ہی گر واہ رے آزاد کہ آبرو ے ہمت مردانہ نے حسن اور عشق دونوں کے خیال کو دور کر دیا۔ نکاح اور بیاہ کی فکر کو کافور کر دیا ع۔ این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ اے شاباش

جزاک اللہ فی الدارین خیرا	حماک اللہ عن شر النوائب

غور کیجیے کہ کتنے مقاموں پر گلعذار صد داغ دہار خاتونیں اپنر بگڑی نہیں گرواہ رے آزاد ذرا لغزش نہو ئی۔ آفریں۔ زینت النساء کے حسن جمال کو دیکھے

اُس مستانہ چال ڈھال کو دیکھیے، اس خط و خال کو دیکھیے اور سب پر طرّہ اس سن و سال کو دیکھیے تو عروس نوخیز و نوخاستہ رنگ ہر یاں آراستہ۔ آزاد کے گل رخسار پر ہزار جان سے عاشق۔ یہ عذرا تو وہ وامق گر بہادری حسن آرا سے قول ہارے تھے اُسکی تیلیوں کے مارے تھے اللہ رکھی کیا کچھ کم تھی۔ اُسکی شوخی اور جوانی بھی ستم تھی اُسنے لاکھ اُنکو اُبھارا اور سیکڑوں تدبیروں سے تباہ کرنا چاہا اگر یہ کورے کے کورے ہی آئے۔ رنگیلے چھیل چھبیلے رسیا ٹھٹول عاشق تن تو ضرور تھے مگر پاکباز و پاک نظر۔ قدسی صفات و حیا پرور۔ بمبئی میں اہل اسلام انکی بڑی ہی خاطر کی اور ایک دن مقرر ہوا کہ سب ملکر میاں آزاد کے آنے اور روم جانیکا جلسہ منعقد کریں گے۔ میاں آزاد اپنے دوست میرزا صاحب کے ساتھ جہاز کی فکر میں گئے ادھر خوجی نے افیم کی چسکی لگائی اور پلنگ پر دراز۔ مگر چشم نیم باز۔ زمین لونڈی جو باہر آئی تو حضرت کو دیکھ کر خوب ہی کھلکھلائی اور اندر جاکر بیوی سے یوں کہا

زمین۔ اے بیگم صاحب ذری پردے کے پاس آیئے تو لوٹ لوٹ جایئے یہ موا خوجی سوائی بڑی افیم کھاتا ہے۔ بیوی مجھے تو مارے ہنسی کے رہا نہ گیا ذری آیئے تو سہی۔

بیگم کم سن تو تھیں ہی۔ پردے کے پاس سے جو جھانکا تو انکو ایک دل لگی سوجھی جھٹ ایک بتی بنائی اور زمین سے کہا کہ سے چپکے سے انکی ناک میں بتی کر۔ زمین ایک ہی شریر بس کی گانٹھ وہ جاکے بتی میں تیا مرچ لگا لائی اور خوجی کی کھٹیا کے نیچے گھس کر سرہانے کی طرف گئی اور ہاتھ بڑھا کر میاں خوجی کی ناک میں آدھی بتی داخل ہی تو کر دی اور جھپ سے کھینچ لی اُف واللہ اسوقت مارے ہنسی کے لکھا نہیں جاتا خوجی جو کلبلا کر اُٹھے تو آچھیں چھیں۔ چھیں۔ آچھیں چھیں۔ او گیدی آچھیں۔ گیدی کہنے کو تھے کہ چھینک آگئی تو او گیدی ہی کہکر رہ گئے (او نا۔ آچھیں (او نامعقول کہنے کو تھے مگر اونا کہا تھا کہ چھینک نے زبان بند کر دی اور معقول کا لفظ اُس نامعقول کی زبان تک نہ آنے پایا۔) ہا چھیں

اتفاق سے پڑوس میں ایک پرانے فیشن کے بزرگوار نوکری کی تلاش میں ایک حاکم کے پاس جانیوالے تھے۔ وہ جیسے دہلیز کے قریب آئے ویسے ہی خوجی نے چھینکا اندر چلے گئے بیوی نے ایک گلوری دی چباتے ہوئے چلے ہی تھے کہ پھر چھینک پڑی۔ لاحول ولا۔ پھر اندر گئے۔ ایک چکنی ڈلی کھائی روانہ ہونے ہی کو تھے کہ ادھر آآآ چھیں کی آواز آئی اور ادھر بیوی نے لونڈی دوڑائی کہ اندر چلیے بیوی بلاتی ہیں۔ اندر جاکر انھوں نے جوتے کا پاؤں بدلا اچھا تو تمکا ہی اے حضرت ڈبی سے ادل بدل کر لیجیے تو اور بھی موزوں ہو۔ پانی بھی پیا اور رخصت ہوئے جیسے ہی باہر آکر رکاب پر پاؤں رکھنے کو تھے کہ خوجی نے ناک کی دونالی بندوق سے ایک اور فیر داغ دی تب وہ بہت ہی جھلائے۔ ہات ترے چھینکنے والے کی ناک کاٹوں مردود کی اور پاؤں تو کان بھی صاف کتر لوں مردک نے مرچوں کی ناس لی ہی کیا۔ ناک کیا ہے چھینکنی کی جھاڑی ہے۔ ہات تری ناک پر چکٹ وہ دن منحوس نے جانا دوبھر کر دیا۔ رکاب پر قدم رکھا اور چھیں۔ دہلیز تک آئے اور چھیں خدا سمجھے بیوی اندر سے بولیں کہ ناک ہی کٹے موئے کی۔ جو پرائی بدشگونی کے لیے ایسی دل لگی بازی کرے۔ ذری زمین کو بلا کر پوچھو تو کہ یہ کس نگوڑی مونڈی کاٹے کا بسا ہے اللہ کرے گدھے کی سواری نصیب ہو۔

ادھر یہ میاں بیوی پانی پی پی کر بیچارے کو کوس رہے تھے اُدھر خوجی کا چھینکتے چھینکتے سچ مچ ناک میں دم ہو گیا۔ اور بیگم صاحب گھر کے اندر لوٹ رہی تھیں ہنسی کا ضبط کرنا محال تھا۔ مگر واہ ری زمین۔ وہ سون کھینچی کہ سبحان اللہ چارپائی کے نیچے دبکی پڑی رہی تو سانس تک نہ لی۔ مگر مارے ہنسی کے برا حال تھا کبھی تو ہنسی اور قلعی کھلی۔ دم بخود ہم سے تو حضرت نہ رہا جاتا یہاں تو چاہے کوئی مار ہی ڈالتا مگر ہنسی حشر تک نہ ضبط ہو سکتی ہم تو معہ خوجی اور معہ چارپائی اُٹھ کھڑے ہوتے خوجی ابھی تک چھینک ہی رہے ہیں جب چھینکنے نے ذرا فرصت دی تو انھوں نے غل مچایا او گیدی۔ بھلا بے بہروپیے نکالی نہ کسر تو نے بھلا بچہ بچا ہی بنا کر چھوڑیوں تو سہی۔

راوی۔ بہت ہی خاصے حضرت کے نزدیک بہروپیے نے ناک میں مرچیں جھونک دی تھیں اور یہ خبر ہی نہیں کہ بی زمین گربہ مسکین بنی ہوئی چارپائی کے نیچے چھپی ہی ہیں۔ خوجی بیچارے اُٹھے اور آفتابہ لیکر منہ دھویا اور ٹھنڈے ٹھنڈے پانی سے خوب تریڑے دیے تھوڑی پر خوب پانی ڈالا تب ذرا اُنکی تسلی ہوئی

اور مینھ کہ بہروپیے کو کوسنا شروع کیا۔ خدا کرے سانپ کاٹے مردود کو مکان چھت پھٹ کے دھم دھم ارارا دھڑام کر کے گرے۔ سوئی کم بخت ملعون نے حرام کر دیا۔ خدا جانے اسکو میرے ساتھ کیا ضد پڑ گئی ہو۔ یہاں آگئے مایہ گھر بھی ڈھونڈھ نکالا۔ ٹھہر مردود کل تیرے چھپر پر چنگاری ہی نہ رکھ دی ہو تو خواجہ بدیع نہیں۔ ہاں سنتے تڑکا۔ دن دھاڑے آگ لگاؤنگا۔ اس تقریر کو سنکر زمین کا برا حال تھا۔ ڈرتی تھی مگر داور ہی زمین اُسوقت نہ زمین کی قطع فوٹوگراف کھینچنے کے لائق تھی دبکی دبکائی سکڑی سکڑائی چارپائی کے نیچے زمین دوز۔ سانس تک لینا محال تھا۔

اتنے میں میاں خوجی نے دروازے سب بند کر دیے جب دروازے بند ہوئے تو زمین چکرائیں کلیجہ دھک دھک کرنے لگا اور قریب تھا کہ چیخ کر نکل بھاگے مگر دیکھا کہ میاں خوجی چارپائی پر دراز ہوئے اور ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔ زمین کی جان میں جان آئی اور چپکے سے کھسکتی ہوئی نکلی اور بھاگی دروازہ تک پہونچی ہی تھی کہ خوب کھل کھلا کر ہنسی ادھر بیگم صاحب قہقہے لگاتی تھیں اُدھر یہ زمین لوٹی جاتی تھیں

بیگم۔ جاؤ۔ ابکی پھر چپکے چپکے ناک میں دم کرنا۔

زمین۔ نا بیوی اب میں نہ جاؤنگی بڑی سوائی آدمی۔ اُسکے مُنھ کون لگے۔

بیگم۔ ہاں نہ جاؤگی۔ اچھا نہ جاؤ۔

زمین۔ لو بیوی یہ زبردستی کی بات ہی اور ہی۔ وہ کیا مثل ہی کہ زبردست مارے اور رونے نہ دے۔

اتنے میں زمین کا دیور دس برس کا چھوکرا گر آفت کا پرکالہ انتہا کا شریر شیطان کا چچا اور کاٹا۔ ایک تو کڑوا کریلا دوسرے نیب چڑھا۔ رگ رگ میں شرارت آتا سا لونڈا مگر بلا کا بدذات اُسنے کہا میں جاتا ہوں اور دیکھے جائیے بیگم صاحب کیسا انگیرن پر اس فیچی کو نچاتا ہوں مگر انام (انعام) لونگا۔ بیگم صاحب بولیں کہ اچھا ہمیں ہنسا دے تو انعام دینگے۔ لونڈے نے جا کر جھانکا تو دیکھا حضرت کی خبر آگئی ہی دوڑا دوڑا آیا اور کہا وہ تو اسوقت خدا جانے کہاں ہیں بیچارے خوب آدمی تھے۔ کتا گھر میں بندھا تھا۔ جھٹ اُسکو زنجیر سے کھول زنجیر میں رسی باندھی اور با ہر لیجا کر چارپائی کے پائے میں کتے کو باندھا اور میاں خوجی کی ٹانگ میں بھی رسی باندھ دی اور جھپٹ کتے نے جو بھونکنا شروع کیا تو خوجی چونک اُٹھے مگر ہاتھ ابھی ناک ہی پر ہی دیکھتے ہیں تو ٹانگیں رسی اور رسی میں کتا اب ادھر خوجی چلاتے ہیں اُدھر شیر اچل پوں مچاتے ہیں لونڈا اگھر سے دوڑا آیا۔ خیر تو ہی خیر تو ہی۔ کیا ہوا ارے ! اور سنو کوئی کتے کو انکی ٹانگ میں باندھ گیا ہی اب زور نہ کیجئے ورنہ کتا مفت میں ٹانگ لے گا۔

خوجی۔ ہونہہ۔ پوچھتے ہیں کون باندھ گیا ہی۔ کون کیا۔ یہ اُسی بہروپیے مردک کا کام ہو اور کسی کو کیا پڑی تھی۔

زمین۔ اے کیا ہوا میاں کیوں غل غپاڑا مچایا ہی۔

لونڈا۔ اجی میاں کی ٹانگ میں کوئی بہروپیا کتا باندھ گیا ہی۔

زمین۔ دیکھوں اوئی۔ کیا کیا لوگ ہیں۔ لو ٹانگ میں کتا باندھ دیا۔

خوجی۔ ٹانگ میں کتا باندھ گیا۔ یوں نہیں کہتیں کہ دُم میں نمدا باندھ گیا۔

زمین۔ (ہنس کر) ہاں میاں بھول گئی تھی سچ مچ دم میں نمدا ہی باندھ گیا مگر یہ آیا کدھر سے۔ کواڑے تو سب بند کے بند پڑے ہیں۔

خوجی۔ یہی تو مجھے بھی حیرت ہی۔ مگر ابکی میں نے بھی ناک پر اس زور سے ہاتھ رکھا کہ بہروپیا بھی میرا لوہا مان گیا ہوگا۔ اب یہ تو سوچو کہ آیا کس طرف سے اچھی دل لگی نکالی۔ بھلا گئے اور بلی کی دل لگی کونسی نکالی ہی۔ ابکی میں مچھوندر کی ٹانگ سے باندھ آؤں گا۔ ٹھہر تو جاؤ چچا جان۔

زمین۔ میاں کہتے ڈر معلوم ہوتا ہی۔ اس جگہ ایک خبیث رہتا ہی۔

خوجی خبیث ! اجی نہیں یہ اُس بہروپیے ہی کا کام ہی۔

لونڈا۔ یہ یوں مانینگے۔ جبتک خبیث انکی کھٹیا کو نہ اُلٹ دیگا تب تک مانیں گے تھوڑا ہی۔

خوجی۔ یہ بات تھی تو ابتک ہم سے کیوں نہ کہا بھلا۔ جان لوگی کسی کی دو دن کے لیے مہمان تمھارے ہاں آیا اور خبیث کو پیچھے لگا دیا۔ اب رات کرو یہاں سوئے اُسپر تین حرف۔

زمین۔ میں بھی کہوں کہ یہ بند دروازہ اور کتا باندھ جاتا۔ کیا اچنبھے کی بات ہو

مگر اب معلوم ہوا نہ۔ میں تو پہلے ہی کہہ گئی تھی۔ میرا ماتھا ٹھنکا تھا مابدولت نہیں

خوجی۔ واہ کیا دانائی اپنی بیان کر رہی ہو۔ آزاد آئیں تو ان کو آڑے ہاتھوں لوں وہ خبیث پریت چڑیل بھوت جن ایک کے قائل نہیں سوئیں تو معلوم ہو کہ کبھی بلی میاؤں میاؤں کر رہی ہے۔ کبھی کتا بھونک رہا ہے۔ ایک پائنتی دوسرا سرہانے۔

خوجی تو یہاں خبیث کے پھیر میں تھے اور ادھر میاں آزاد علما و فضلا سے معانقہ و معانقہ کرتے پھرتے تھے جدھر نکل گئے انگلیاں اٹھنے لگیں مسلمان اُنکی زیارت کو جوق جوق اُمڈے چلے آتے تھے اور جو ملتا تھا وہ تعریف کے پل باندھ دیتا تھا کہ واہ آزاد سبحان اللہ ع۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند آزاد دل ہی دل میں حسن آرا کا شکریہ ادا کرتے تھے کہ نہ اُس بت پندار سے آنکھ لڑتی نہ تمام ہندوستان میں ہمارا نام مشہور ہوتا حسن آرا کو سیکڑوں دعائیں دیتے تھے جہاز کا بھی میرزا صاحب نے خوب بندوبست کر دیا۔

میاں آزاد اور اُنکے حبیب فرخ نہاد میرزا صاحب الانزاد راہ راہ چلے جاتے تھے ایک باغ کے قریب جو پہونچے تو دیکھا کہ سرنگ گھوڑے پر ایک گلبدن سیم لباس فاخرہ سے ملبوس ان بیٹری جمائے ناز و دلربایانہ و انداز معشوقانہ سے چلی آتی ہے اور اُس غیرت قمر کے قریب ایک شکی پر اُسکا شوہر جوان رعنا سوار ہے دونوں کمسن بیوی کا سن میاں کا کوئی پچیس برس کا سن دونوں حسین و نازنین دونوں مہوش مہ جبین اٹھکیلیاں کرتے آتے اور میٹھی میٹھی باتیں کر کے کھل کھلاتے ہیں میاں آزاد تو انگریزی میں برق تھے آہستہ آہستہ پیچھے پیچھے جانے لگے ان دونوں کو اسوقت یہ خیال کہاں کہ ع۔ ویلا گوش دار فہمیدہ لب بجنباں ؛ وہ اُمنگ اور ترنگ کا وقت تھا دو میاں بیوی و دسرا دن شب عروسی کا جوش ولولے کی انتہا نہیں جوش کھاتے گھوڑے چمکاتے گپیں اُڑاتے رمنے کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ اب ذرا پیار کی باتیں لو میاں بیوی کی عشق کی گھاتیں اور شکر رنجیاں اور بدگمانیاں ملاحظہ فرمائیے۔

میاں۔ کل ایک بڑی حسینہ جمیلہ لیڈی نظر سے گذری آنکھیں وہ تیر نگین کہ چشم بد دور رُخ وہ زیبا کہ نور علیٰ نور۔ اسٹیشن میں ویسی پریزاد دوسری نہیں

بیوی۔ دیکھی چتون سے نظر ڈال کر) کیا کہا۔ ذرا پھر تو فرمایئے گا۔

میاں۔ میں نے کہا کہ۔کہ۔کہ۔

بیوی۔ بس ہم سمجھ گئے میں اڈمبرا میں آتنی بڑی ہوئی ہوں آپ مجھ سے بہت اُڑیے نہ ہاں صاحب کیا فرمایا۔ اسٹیشن بھر میں بس پری ہے تو وہ ہے گر وہ اپنے وقت کی کلیو پیٹرا ہوگی۔

میاں۔ (شرما کر) میرا یہ مطلب تھا کہ اس اسٹیشن میں وہ پریزاد ایسی ہے جو اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ مگر ایک اوس سے بھی بڑھکر پری رو ہے

بیوی۔ (غصے میں) وہ کون۔

میاں۔ وہ جو میرے ساتھ گھوڑے پر اسوقت ہوا کھاتی ہیں۔

بیوی۔ (خوش ہو کر) بجا میں تو خوبصورتی کا دعویٰ کرتی ہی نہیں۔

میاں۔ باکمال کہیں دعویٰ کیا کرتے ہیں تم نہ کرو ہم تو دعویٰ کرتے ہیں کہ بمبئی بھر میں ہماری چاہتی بیوی سے زیادہ کسی کا حسن پر آشوب نہیں۔ ابرو خنجر آبدار ایک اشارے میں کلیجے کے پار۔ اور اس آن بان پہ پریاں تک قربان مجھ سے زیادہ خوش نصیب اسٹیشن بھر میں کوئی نہو گا۔

بیوی۔ (باچھیں کھل گئیں) تم کیا کچھ کم ہو۔

میاں۔ اب ہم کوئی چار پانچ روز میں روانہ ہوں گے۔

بیوی۔ ہاں ہمیں راہ میں مصر کے منار ضرور دکھلانا بھلا جرمنی میں کتنے دن ہونگے

میاں۔ جرمنی میں کیا ہے۔ فرانس میں البتہ قیام ہوگا۔

بیوی۔ (مسکرا کر) کہاں؛ فرانس میں نہ (آنکھ کا اشارہ کر کے) ہاں وہاں کیرن نہ زیادہ قیام ہوگا۔ ہم اپنے پرانے اسکول بھی تم کو لے چلیں گے مس ٹری سے ملنا دیکھو کیسی نیک بی بی اور کیسی تربیت یافتہ ہیں۔

اتنے میں ایک بڑل ملا اور دونوں میاں بیوی گھوڑوں پر سے اتر کر وہاں گئے آزاد اپنے دل میں سمجھے کہ واللہ کس مزے سے انکی زندگی بسر ہوتی ہے چین ہی چین لکھتا ہے۔ اور کیا نوک جھونک ہوتی جاتی ہے۔

مولانا محمد آزاد

عروس چاردہ سالہ آفت کی پرکالہ خاتون مہ لقا حسن آرا کے طفیل میں سالک مسلک سداد میاں آزاد دام شموس تمکینکم الی یوم التناد کی نیت خلق خورشید وشی نقش ہر مرز و بوم ہوگئی چار دانگ ہند میں عموماً اور فرقۂ اہل اسلام میں خصوصاً دھوم ہوگئی جس گلی کوچے نکل جاتے تھے لوگ انگلیاں اٹھاتے تھے اور حضرت جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے میرزا اسد بیگ صاحب کے ہمراہ بمبئی میں اکثر علما و کملا و قضات کی خدمت میں بار پایا۔ اور ان سب نے عزت بخشی رتبہ بڑھایا گھر گئے تو دیکھا کہ خوجی ننگ دھڑنگ افیم کی ترنگ میں ایک لنگی باندھے ہوئے دروازے کے باہر اکڑوں بیٹھے اونگھ رہے ہیں اور آہستہ آہستہ شکرپارے ٹونگ رہے ہیں دیکھتے ہی دونوں ہنس پڑے۔

میرزا صاحب۔ ان آپکے ساتھی کی بھی اللہ نرالی سج دھج ہے۔

آزاد۔ (خوجی کے کان میں زور سے) کیا بہروپیے گئے۔

خوجی نے ہانک لگائی بہروپیا! بہروپیا!! بہروپیا!!! اب بھیڑیا بھیڑیا کہتے ہوئے اس زور سے آزاد کا ہاتھ پکڑ لیا کہ گویا اپنے حساب چور کو گرفتار کیا تھا آنکھیں تو حضرت کی بند ہیں مگر بھیڑیا بھیڑیا غل مچاتے جاتے ہیں اور دونوں کھل کھلاتے ہیں کہ اللہ کیا قرانتی جانگلو ہے دیدہ نہ شنیدہ۔ میاں آزاد تو خوجی کے رگ و ریشہ تک سے واقف تھے اور اپنے بچھڑے کے دانت سب ہی پہچانتے ہیں انھوں نے اس زور سے جھٹکا دیا کہ ہاتھ چھوٹ گیا اور خوجی پھٹ سے منھ کے بل زمین پر آرہے اور آزاد تڑپنے دس قدم پر ادھر خوجی نے لڑھکنی کھائی اور ادھر آنکھ کھول دی تو آزاد نے خوب غل مچایا کہ بھاگا بھاگا۔ وہ بھاگا وہ بھیڑیا بھاگا جاتا ہے۔ خوجی بھی لینا لینا جانے نہ پائے کہتے ہوئے فرضی بھیڑیے کے پیچھے لپکے ماشاء اللہ ذرا دور ایسے تو آپکے پاؤں اور چلے ہیں بھیڑیے کو گرفتار کرنے واپس آئے تو ہانپتے جاتے ہیں اور کوستے جاتے ہیں نکل گیا نکل گیا۔

میرزا صاحب۔ جناب خواجہ صاحب کون نکل گیا

خوجی۔ اجی حضرت کالا چور نکل گیا بس ہاتھ سے نکل گیا نہیں تو گردن ناپی تھی گر بدر رو بیچ میں آگئی اس سے بس نہ چل سکا اور ہانپ بھی گیا تھا ورنہ پکڑ ہی لیتا۔

راوی۔ بجا ارشاد ہوا میں بھی دیکھ رہا تھا کہ آپ بہروپیے کے گلے ہی تک پہونچ گئے تھے۔

آزاد اور میرزا صاحب جو اندر گئے تو دیکھا کہ گھر کا گھر ہنس رہا ہے اور بیگم صاحب کی زبان سے مارے ہنسی کے ایک لفظ بھی نہیں نکلتا۔

آزاد۔ (دل میں) واہ ری کمسنی اس الھڑپن کے صدقے ہائے کیا شوخی کی بوٹی بوٹی اسوقت پھڑک رہی ہے اور ہنسی کو تو دیکھیے رنگ رخسار کا تیز ہونا اور بھی ستم ڈھاتا ہے اور پھر اپنی بیدھڑک ہنسی کے خیال پر چشم شرمگیں کچھ اور ہی سمجھاتی ہے۔ مگر دنداں کی جھلک اور لب لعل شکر خا کی دمک زبان حال سے کچھ اور ہی کہتی ہے یہ نازک کلائی اور یہ دست حنائی خون رلاتا ہے دل بیقرار ہوا جاتا ہے اگر جرأت نہیں پڑتی کہ بیدھڑک آنکھ لڑاؤں اور اس بت پندار کا جوبن لوٹوں وہ ناظورۂ دلفریب سمجھ گئی کہ میاں آزاد دیکھے۔ ناظرین حق بین خوش مذاق رنگین مزاج خود ہی غور فرمائیں کہ جب ایک کمسن پری پیکر رشک شمس و قمر کو معلوم ہوجائے کہ فلاں جوان خوش رو عنبریں مو کی ہم پر نظر پڑتی ہے تو چاہے کیسی ہی پاکباز و پاک نظر کیوں نہ ہو مگر اسوقت کچھ اور ہی عالم ہوگا وہ چھپ چھپ کر کنکھیوں سے دیکھنا اور اگر اس جوان نے بھی دیکھا تو لجا کر گوری گوری گردن پھیر لینا کبھی شوق خودنمائی سے جھک جانا کبھی پیاری پیاری ادا سے جوبن دکھانا ستم ہے غضب ہے۔ قیامت ہے سحر ہے جادو ہے۔ کرامت ہے۔ بیگم صاحب کا بھی یہی حال تھا اور پھر انکو یہ بھی خیال تھا کہ تھوڑے ہی زمانہ میں حسن آرا انکی بیوی بنے گی سپہر آرا انکو دولھا بھائی کہیں گی۔ میاں آزاد سے انکو دلی محبت ہوگئی اور کیوں نہ ہوتی پیاری بہن کے پیارے تھے۔ اتنے میں خدمتگار نے باہر سے آواز دی

خدمتگار۔ زمین۔ زمین۔ زمین۔

زمین۔ ہاں ہاں۔ ادنی کچھ کہو گے بھی یا زمین ہی زمین کیے جاؤ گے۔

خدمتگار۔ دو چار صاحب ملاقات کے لیے آئے ہیں۔

میرزا صاحب باہر گئے اور اُدھر اُس پیاری دلھن نے اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے گلوری بنائی اور میاں آزاد کو اپنے ہاتھ سے کھلائی۔ اہو ہو۔ واہ رے آزاد واللہ بڑے خوش نصیب ہو۔ تمام عمر پریوں ہی میں بسر کی حضرت سچ تو یوں ہے کہ حسد ہوتا ہے مگر خیر۔ میرزا صاحب جو باہر گئے تو دیکھا کہ تین چار علما تشریف لائے ہیں مولانا محمد طاہر صاحب منطقی۔ مفتی محمد عبدالحمید صاحب۔ قاضی عبدالقدوس صاحب۔ حکیم مولانا محمد عبدالرؤف صاحب۔

قاضی صاحب۔ السلام علیکم (مصافحہ کرکے)

میرزا صاحب۔ علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مفتی صاحب۔ مزاج معلی۔

میرزا صاحب۔ الحمد للہ۔ آپکا مزاج مقدس۔

(سب مل کر) وللہ الشکر۔

قاضی صاحب۔ قرع سماع ہوا کہ حضرت مولانا محمد آزاد صاحب قاصد و عازم سلطنت رفیعۂ دولت جلیلۂ روم عمرہا اللہ الی یوم النشور ہیں۔ دفعۃً مرحمۃً اور محض بقصد اذخار مثوبات اخروی یہ قاصد ہیں۔

میرزا صاحب نے میاں آزاد کو اندر سے بلوایا اور آزاد کے آتے ہی سب کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ چاروں سے مصافحہ ہوا۔

قاضی صاحب۔ مدت مدید سے یہ عاصی مشتاق حصول لقا تھا للہ الحمد کہ آج یہ سعادت عظمیٰ نصیب ہوئی اور فائز بمرام ہوا۔

مفتی صاحب۔ قس علیٰ ہذا۔

حکیم صاحب۔ علیٰ ہذا القیاس۔

مولانا صاحب۔ الامر کذلک۔

آزاد۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔ میں اسوقت آپ بزرگان ملکوتی صفات کی زیارت سے ازبس محظوظ ومسرور ہوا۔

قاضی صاحب۔ باری تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ نے غزائے دینی میں ثواب جمیل و اجر جزیل مقرر فرمایا ہے اور اس امر حسن پر تاکید شدید اور تخصیص اکید کی ہے اور ہر آئینہ فضیلت اسکی آیات متکاثرہ واحادیث متواترہ سے ثابت ہے اور حضرت باری جل شانہ نے مجاہدین کے درجے کو قاعدین کے درجے پر تفضیل دی ہے اور متیقن ہے کہ افضل الاعمال اصرہا۔ اور یہ امر بھی ابدہ بدیہیات سے ہے کہ غازیان راہ خدا اگر بذل سیوف نہ کرتے تو دور قیامت تک بنائے شرع متین اور اساس دین مبین قائم و ثابت نہ ہوتی اور اگر مجاہدین فی سبیل اللہ بذل مہج نہ فرماتے تو سواد کفر و ظلمت ضلالت مبدل بنور ہدایت نہ ہوتی اور شہدا رضوان اللہ علیہم کو اموات تو ہم نہ کرنا چاہیئے بلکہ عند اللہ وہ احیا ہیں کہ بالوان نعم جنان لتذذ و محظوظ و مرزوق ہوتے ہیں اور از انجا کہ ان ایام میں فیلۂ روس نے قصد غصب ممالک مقبوضہ حضرت قدر قدرت خاقان بن خاقان سلطان روم عمر اللہ ملکہ کیا ہے ہر عبد مسلم پر بعد تحقیق شرائط قرین ہے کہ دفع شر میں اسکے سعی مشکور و کوشش موفور کرے اور خلیفۂ وقت کی من ای طریق کان مدد و نصرت کرے اور تعجیل کہنی اصغر سے جسکا خروج علائم قرب وقوع واقعہ یعنی حدوث قیامت ہے یہی مراد ہوں۔

آزاد۔ بجا ارشاد ہوا تو پھر قبلہ کہیئے آپکے اس ارشاد سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اب کی چڑھائی سے قیامت ہولیا چاہتی ہے اور صور اسرافیل کی آواز کان میں آئی اور آئی تو جب قیامت ہی آنے والی ہے تو پھر لڑنے سے مفت جان دینے کے سوا اور کیا فائدہ۔

قاضی۔ قبلہ میں نے یہ نہیں کہا کہ انکا خروج علل ظہور قیامت سے ہے بلکہ علائم قیامت سے ہے اور علائم وعلل میں بون بعید ہے کما یخفی علی الفطن اللبیب وا فرضنا ذلک کبری تمھارے قول کا ممنوع ہے۔ پس یہ قیاس منتج صحیح نہ ہوگا۔ وہو المقصود۔

آزاد۔ بجا ارشاد ہوا۔ قبلہ میں سمجھ گیا۔

خوجی۔ (دبی زبان سے) جھوٹے پر تین حرف۔ ہم تو خاک بھی نہ سمجھے اتنا سمجھے کہ پشتو میں بھیک مانگ رہا ہے کوئی۔ اس منطق سے خدا کی پناہ۔ بنسیری پنسیری بھر کے لغت ڈھلکا دیے سیل سیوف اور کما لا یخفی علی الفطن اللبیب اور خدا جانے کیا کیا الم غلّم۔

آزاد۔ قبلہ دعا کیجئے میرے حق میں۔

مفتی صاحب نے کہا بار الہا مولانا محمد آزاد کو خیانی وجبال اور حرب و جدال اور غزا و قتال میں بہ تفضل و عنایت اپنے مصون و محفوظ رکھنا اور بعد حصول فتح و فیروزی ہم لوگوں سے ملاقی فرمانا (سب نے ملکر کہا) آمین۔

خوجی۔ آمین آمین ہم کچھ و نجھے نہیں مگر بول اُٹھے آمین۔ غب غب۔ آمین خیانی اور چراچی۔ آمین ثم آمین (قاضی صاحب کے قریب جاکر) حضرت قاضی القضات غب غبات۔ فیما الموات غب غب۔

قاضی صاحب۔ (مسکرا کر) اسم مبارک۔

خوجی۔ جناب مفتی خواجہ بدیع صاحب علیہ الرحمۃ والغفران اور حضور کا نام نامی۔

قاضی صاحب۔ محمد عبد القدوس۔

خوجی۔ کیا؟ اُستو غدوس؟ (استو خودوس) یہ نئی گرہت کا نام ہی۔

آزاد۔ نہایت گستاخ آدمی ہو تم۔ بس چونچ سنبھالو ورنہ اسوقت میں حلال کر ڈالوں گا۔

اب ایک لطیفہ سنئے کہ میاں خوجی نے جسقدر تقریر کی سب پینک کی حالت میں ہوش میں تو تھے مگر آنکھیں کچھ کچھ بند جب آزاد نے ڈانٹ بتائی تو آپنے آنکھیں کھولدیں دیکھا تو سب کے پہلے قاضی صاحب ہی پر نظر پڑی۔ طویل القامت شمن تن شملہ بمقدار علم سر پر قمیص دربر۔ بردیانی بردوش سفید پوش۔ صاحب تن و توش۔ نعلین بغدادی پاؤں میں۔ ماتھے پر گھٹے۔ ریش مبارک یک مشت و دو انگشت۔ خوجی پینک سے جو چونکے تو انکو دیکھتے ہی آگ ہو گئے اور یوں بکنے لگے۔

خوجی۔ اور دیکھیے گا ذری۔ آج مولانا بنکر آئے ہیں۔ جیسی گرگٹ کے سے رنگ بدلتا ہی واللہ گرگٹ کے سے اسمدانہ گمیانی بنے تھے۔ آج مولوی صاحب بنے ہیں۔ کبھی سپاہی کا روپ بدلتا ہی انکے تو ناکوں دم کر دیا۔

قاضی اور مفتی اور مولانا اور حکیم رخصت ہوئے۔ ادھر میاں آزاد نے انکو خوب ہی لکارا نا معقول بے دیکھے بھالے بے سمجھے بوجھے جو چاہتا ہے بک

دیتا ہی کچھ پڑھے لکھے ہوتے تو علما کی قدر بھی کرتے اجہل مطلق ہو تم بھلا کسی کی قدر کیا جانو لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل۔

خوجی۔ جی ہاں بس اب ایک آپ ہی تو بڑے لقمان ہیں بڑے ڈینے ہیں ہمکو یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی گدھا ہی۔ اور یہاں عربی چاٹے بیٹھے ہیں۔ افعل افعلا افعلوا۔ افعلت۔ افعلتا افعلن۔ افعلت۔ مافعلتما۔ مافعلتم۔ مافعلت مافعلتما۔ مافعلتم۔ مافعلت۔ اور سنیئے غلم۔ غلمًا۔ غلو۔ غلمت۔ غلتًا۔

میرزا صاحب۔ یہ کون صیغہ ہی بھئی۔

خوجی۔ جی یہ صیغہ الم غلّم ہی۔ اچھا بتلائیے استقرا کے معنی کل کی (آگے آیت)

آزاد۔ استقرا یہ کہ مثلاً چند افراد پر قیاس کرکے کل کو ویسا ہی سمجھے بس اسی کا نام استقرا ہی مثلاً کل حیوان یحرک فکہ الاسفل عند المضغ یعنی جسقدر حیوان مطلق ہیں وہ سب جبڑوں کو کھاتے وقت ہلاتے ہیں۔ مگر تمساح اس سے مستثنیٰ ہے۔ پس دلیل ضعیف ہو گئی۔

میرزا صاحب اور میاں آزاد باہر کرسیاں بچھا کر بیٹھے تو خوجی نے شعر خوانی شروع کی۔

خوجی ؎
دل گواہ است کہ در پردہ دل آرائے ہست
ہستی قطرہ دلیل ست کہ دریائے ہست

میرزا صاحب۔ سبحان اللہ۔ کیا خوب کلام دلکش ہی جی خوش ہو گیا واللہ پھڑک گیا۔ بارک اللہ واہ خواجہ بدیع صاحب۔

آزاد ؎
صبح کہ ترک مست من تیشہ کشادمی دہد
عقل بخاک میزند صبر بباد می دہد

خوجی ؎
ہم مژہ اتش ستیزہ را دشنہ بدست میدہد
ہم نگہش زمانہ را عربدہ یاد می دہد

آزاد ؎
آہ کہ بر دماغ و دل میزند نسیم خون
جرعۂ ساغرے کہ آں ترک نژاد می دہد

خوجی ؎
جرعۂ کاروان نیست ناقہ جرس
شوق تو دادمی بردوده توانا دمیدہم

آزاد ۵

فیضی نامراد من از غم دہر غم مخور
زانکہ مراد اہل دل شاد مراد میدہد

میرزا صاحب۔ حضرت پھر اب تو چار پانچ روز یہاں ہی بستر جمائیے جہاز کے جانے کو بس ایک اٹھوارہ سمجھیے۔ گر واسطے خدا کے خطوط ضرور بھیجا کیجیے گا دیکھیے ایسا نہ ہو کہ یہاں ہکّا و ہاں حسن آرا کو تڑپائیے۔ الانتظار اشد من الموت حسن آرا کا خط بھی صبح شام آتا ہی ہوگا۔ ہائے یہ لگی بری ہوتی ہے۔

پیراک

جناب فضیلت انتساب مصلح مجالس سداد مولانا محمد آزاد صاحب میرزا کے ساتھ لب تالاب کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے اور پری رخان سرو قد کے حسن گلو سوز سے آنکھیں سینک رہے تھے۔ تالاب کا پانی وہ صاف سیڑھیاں وہ سڈول اور شفاف کہ بے اختیار کہ نہانے کو جی چاہے طبیعت لہرائے کہ دھم سے غوطہ لگایئے درختوں کے سایہ میں کھڑے ہوئے میاں آزاد پیراکوں کے کرتب دیکھ رہے تھے ایک شخص لنگوٹا باندھ کر پل پر سے کود ادھم۔ دوسرا درخت سے دھماک تیسرا چبوترے سے آیا تڑ۔ کہیں جل بانک ہو رہی ہے۔ کہیں داؤ پیچ۔ کوئی ملاحی پیرتا ہے۔ کوئی کھڑی لگا رہا ہے۔ کوئی خسرکی پیرائی پیرتا ہے۔ کوئی مرشد کی جنکو اُستادی کا دعویٰ ہے وہ اُبھر اُبھر کر کمر اور لنگوٹ دکھاتے ہیں سمجھنے والے تعریف کے پل باندھتے جاتے ہیں۔ لے سبحان اللہ واہ میر صاحب خدا گواہ کیا خوب کلہ حال ہے حضرت خواجہ صاحب ماشاء اللہ اس شہر میں الگے ہو گئے۔ خالق حبۃ اللہ یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ یوں تو پیراک ایک سے ایک بڑھکر ہے مگر آپکے خم دم ہی اور ہیں۔ واللہ پرانے اُستادوں کی یادگار بس ایک تم ہو وہ چھوٹے چھیل سماتے ہیں کھلے جاتے ہیں۔ نو سکھیے اپنے کنارے ہی پر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور جو پیرنا ویرنا خاک نہیں جانتے وہ پہلی دوسری ہی سیڑھی پر بیٹھ کر نہائے اور بلبلے ہوئے ڈر پوک آدمی دور سے سیر تو دیکھ رہے ہیں مگر پانی کے قریب جاتے ہو ئے زہرہ آب ہوا جاتا ہے۔ بدن تھر تھراتا ہے یعنی احتیاط شرط ہے۔ پانی اور آگ سے زور نہیں چلتا۔ جس چیز کو انسان نہ جانے اسمیں دخل در معقولات مقتضائے عقل و حکمت نہیں۔

میاں آزاد اور میرزا صاحب دونوں اُسوقت کی کیفیت پر لوٹ رہے تھے غنچۂ دل نسیم مسرت کے اہتزاز سے کھلا جاتا تھا تالاب بھر میں سر کے سوا اور کچھ نظر ہی نہ آتا تھا جب کچھ عرصے تک یہ لطف اُٹھا چکے تو آزاد نے میرزا صاحب سے یوں کہا۔

آزاد۔ کہیئے آپکو بھی پیرنے کا ذوق ہے یا نہیں۔

میرزا صاحب۔ جی میں کچھ دو ہی چار ہاتھ لگا تا جانتا ہوں۔ لیکن آپکا دل چاہتا ہو تو بسم اللہ۔

آزاد۔ جل بانک ہوگی ہم سے آپ سے۔

میرزا صاحب۔ بھلا مجھے کیا سلیقہ ہے۔

آزاد۔ یہاں سب سے بڑھکر کون استاد ہے اس فن کا۔

میرزا صاحب۔ وہ۔ وہ جو نیلا لنگوٹ باندھے پورب کے زینوں کیطرف کھڑا ہے۔

آزاد۔ وہ جنکا چھریرا بدن ہے؟۔

میرزا صاحب۔ جی ہاں پھر اگر شوق چرّایا ہو تو باللہ۔ لنگی منگاؤں۔

اتنے میں یہ واقعہ ناشنیدنی و سانحہ نادیدنی ہوا کہ ایک لڑکا بلا کا حسین غضب کا مہ جبین از سرتا پا نور غیرت حور۔ تالاب میں نہا رہا تھا کمر کمر تک پانی میں کھڑا غوطے لگا رہا تھا۔ سوچا کہ ابھی طرح غوطے لگانا محال ہے تو ذرا ایک زینہ اور اُتریں اس شوق سے جیسے ہی اُسنے ایک پاؤں زینے سے بڑھایا اور بس۔ دوسرا پاؤں بھی ساتھ ہی اُکھڑ گیا اور اُکھڑتے ہی چلا۔ اور غڑاپ پانی میں ایک غوطہ کھایا پھر اُبھرا وہ تو ڈوب رہا ہے اور ادرگرد حوالی موالی پیراک تماشائی ابھی تک یہی سمجھتے ہیں کہ وہ دل لگی کر رہا ہے۔ آخر کار جب تیسری مرتبہ اُسنے غوطہ کھایا تو لوگوں نے غل مچایا کہ ڈوبا۔ ارے دوڑو ڈوبا۔ ہائے ڈوبا۔ ہائے ڈوبا۔ اُسکا چھوٹا بھائی بھی ایک زینہ پر قریب کھڑا تھا وہ بے اختیار ہوکر چلانے لگا۔ اور سارا زمانہ غل مچانے لگا کہ غوطہ خوروں کو بلاؤ۔ ملّاحوں کو پکڑو او گرہ دکو کوئی نہیں جاتا جان بھی کیا پیاری ہوتی ہے بڑے بڑے اُستاد تالاب پر موجود ہیں مگر کنارے قول قرار کر رہے ہیں قریب نہیں آتے آخر کار میاں آزاد جھپٹے

چل پر آئے اور دھم سے کود پڑے اُبھرتے ہی غرّاپ غوطہ لگایا۔ اور غوطہ لگاتے ہی اُس لڑکے کا شانہ ہاتھ آیا اُنھوں نے اُسکو نکالا اور کنارے پر لائے تو دیکھا کہ جان باقی ہے مگر کوئی دم کا مہمان ہے پر اسکے باپ نے لیکن آزاد کی تعریفیں ہونے لگیں۔ غلغلۂ بارک اللہ ہر سمت سے بلند ہوا۔ ہر فرد بشر خرم و خرسند ہوا۔ میاں آزاد کی دھوم ہو گئی۔ اب کوئی انکی پیٹھ ٹھونکتا ہے۔ کوئی چومے لیتا ہے۔ کوئی گردوں دعائیں دیتا ہے۔ لوگوں نے ملکر اُس کو اُلٹا لٹکایا جب پانی بالکل نکل گیا تو اس لڑکے کو ذرا سا ہوش آیا اور اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ مگر ہیبت چھائی ہوئی ہوئی تھر تھرائی چہرہ زرد ہاتھ پاؤں سرد۔ بھیا نک رُوداد فی صفحہ تھی دیکھتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا تھا تارے ع۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔ جب اُس لڑکے کو ہوش آیا تو اس نے بصد حسرت و حرماں بیان کیا کہ۔

لڑکا۔ میں نے چاہا کہ غوطہ لگاؤں۔ کیونکہ میں جہاں پہلے کھڑا تھا وہاں پانی کمر کمر تھا۔ اچھی طرح سے غوطہ لگانا مشکل تھا جب میں نے قدم بڑھایا تو مجھے خود معلوم ہو گیا کہ پانی یہاں زیادہ ہے لیکن میرا دوسرا پاؤں خود بخود اُٹھ گیا اور میں نے لاکھ چاہا کہ بچوں مگر بچنا سخت دشوار تھا بلکہ محال محض۔ جب دونوں پاؤں اُکھڑ گئے تو بس غوطے کھانے لگا اور ڈوب گیا۔ اسوقت میرے دل کی جو کیفیت تھی اُس کے بیان کرنے سے کلیجہ منھ کو آتا ہے اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں (بیان کرتے ہوئے چہرہ زرد ہو گیا) پس جب پہلی مرتبہ غوطہ کھایا تو پانی مُنھ میں جانے لگا میں نے ہاتھ سے مُنھ کو بند کیا تو ناک کی راہ پانی آنے لگا۔ جب ناک کو بچایا تو پھر مُنھ میں پانی آنے لگا۔ اتنے میں لاش اُبھرنے لگی۔ مگر پھر غوطہ کھایا تو تہ آب میں زرد زرد کوئی شے نظر آئی لیکن ہوش و حواس اب بالکل غائب ہو گئے تیسرے غوطے کا حال اچھی طرح نہیں معلوم۔ اتنا جانتا ہوں کہ میرے دل پر اسقدر دہچکا کبھی نہیں ہوا تھا جسقدر ابکی ہوا۔ اُف اُف اُف (کانپتے ہوئے) اس وقت تالاب کی صورت مجھے کاٹے کھاتی ہے۔ اور بے موت میری جان جاتی ہے افسوس صد افسوس غضب ہی ہو گیا تھا اگر میں چاہتا ہوں کہ وہ صاحب میرے پاس آئیں جنھوں نے میری جان بچائی انکا مجھ پر تا دم مرگ احسان رہیگا۔

لوگوں نے میاں آزاد کو آواز دی اور کہا چلیئے آپکو وہ لڑکا بلاتا ہے جسکو ابھی ابھی آپنے تالاب سے نکالا ہے۔ میاں آزاد گئے تو اُسکی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ ٹپ ٹپ ٹپ ٹپ۔ روتے روتے وہ آزاد کے گلے لپٹا اور کہا کہ میں اس عنایت کا کیا معاوضہ کروں۔ اس احسان کا بار کبھو مرتے دم تک میرے سر سے اُترے گا۔ آپنے مجھے رہین منت بیکراں و مرہون عنایت بے پایاں بنایا۔ ؎

چہ نامے کہ مولائے نام تو ام	درم ناخریدہ غلام تو ام

آزاد۔ (پیشانی چوم کر) احسان! احسان کیسا۔

لڑکا۔ اب میں آپکے ہمراہ چلوں گا۔ اور ضرور چلوں گا۔

آزاد۔ بھائی میں سیاح جہاں گرد رہ نورد بھلا میرے ساتھ تم کہاں جاؤ گے۔

لڑکا۔ اگر ساتھ چھوڑوں تو جو جی چاہے وہ کیجیئے گا۔ نام بدل ڈالوں۔

میرزا۔ اچھا اسوقت تو ہمارے مکان پر جاتے ہیں۔ وہاں ہی الیے آن کر ملنا۔

لڑکا۔ پتا۔

میرزا۔ بھنڈی بازار۔

لڑکا۔ نام۔

میرزا۔ میرزا اسد بیگ۔

لڑکا۔ اچھا پھر آپ جائیے میں حاضر ہونگا۔ (آزاد کے قدموں پر ٹوپی رکھ کر) ؎

چہ نامے کہ مولائے نام تو ام	درم ناخریدہ غلام تو ام

میاں آزاد اور میرزا صاحب وہاں سے چلے۔

پارسی کا مکان

آج تو کچھ رنگ جما ساقیا	یاد وہ گلرنگ پلا ساقیا
دیر ہوئی دور چلے ساقیا	اور چلے اور چلے ساقیا
قاضی و زاہد کی پگڑی گرے	ہاتھ میں رندوں کے ہلے دونوں سرے
خیر پیالہ تو پلا ساقیا	آنکھ تو یاروں سے ملا ساقیا

میکدۂ وحشت کے بادہ خوار۔ نشۂ شراب جنوں کے سرشار۔ عشق کے چشم و چراغ سرخوش و تر دماغ وامق و فرہاد کے اُستاد مولانا محمد آزاد خانہ برباد میرزا صاحب کے مکان عشرت بنیاد میں داخل ہوئے اور میاں خوجی کی ٹکڑی میں ترطیے شال کو سونپ دی اور کھیپ گردنی شورہ پشتی اور دھینگا مشتی حسن آرا کے حسن و جمال اور سپہر آرا کی مستانہ چال زینت النساء کی بھولی بھولی باتیں اور اختر النساء کے عشق کی گھاتیں افسر رکمی کی شوخی اور بیقراری اور اُس بیچاری دلھن کی گریہ و زاری یاد کر کے آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بصد حسرت و یاس یہ اشعار زبان پر لائے۔ ـہ

آگے مرا پیر مغاں کیسا ہو
کل جو ندھا تھا وہ سماں کیا ہوا

ساقی و مطرب نظر آتے نہیں
جا کے چھپے ہیں کدھر آتے نہیں

قلقل مینا ہے نہ چنگ و رباب
ناک میں آتی نہیں بوے کباب

کیا ہی برستی ہے یہاں بیکسی
میکدہ اور ایک جہاں بیکسی

کوئی نہیں میکدہ سنسان ہے
گھر کر چلو ہمکا یہ میدان ہے

آج یہاں ہوتی ہے کچھ عقل گم
بزم نہ ساقی نہ صراحی نہ خم

ایک اُداسی سی فقط چھائی ہے
خیر ہو کچھ فصل خزاں آئی ہے

تنور سینے میں فراق کا داغ۔ اور خونابۂ دل سے دماغ۔ چہرے سے وحشت کے آثار بستر سے جنون آشکار۔ سینہ بریاں چشم خونچکاں۔ ہائے کل پیاری حسن آرا نے اپنے نازک دست حنائی سے خوشبودار پان کھلایا اور آج اُسکی یاد نے خون رُلایا۔ وہ سپہر آرا کا چاند سا مکھڑا۔ اور یہ فراق کا دکھڑا۔ زینت النساء کا ہم سے ہنسنا اور عشق کی باتیں کرنا اختری کا رونا اور ٹھنڈی سانسیں بھر بھر کر سونا افسر رکمی کا اصرار وہ ہمارا انکار لطف صحبت در پردہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ ـہ

دلبرے برد از دلم صبر و قرار
کز رخش بر قع بود صبح بہار

چشم جادو دلکش گہہ تسخیر جاں
در نگہہ سازد تبسم راعیاں

راوی۔ دلبرے دلبرے چہ معنی دلبروں کہو کہ پریوں کے غول کا غول تم پر فریفتہ تھا دنگل کا دنگل والہ و شیفتہ تھا۔ حسن آرا جادو نگاہ۔ سپہر آرا خیت سر

مہر و ماہ زینت النساء نگار تند خو۔ اختر النساء آتش رو۔ سب کا دل تمہارے حسن برشتہ کا کباب تھا۔ اور تمہارا گل رخسار چندے آفتاب چندے مہتاب تھا۔

آزاد۔ درد دل کی چمک ستم ڈھاتی ہے وہ نورانی صورت آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ ـہ

کیا حال ہو گیا ہے دل بیقرار کا
آزار ہو کسی کو الٰہی نہ پیار کا

اب سنئے کہ جس طفل غنچہ دہن سیمیں بدن کو میاں آزاد نے تالاب سے نکالا تھا وہ ایک پارسی کا نور چشم قرۃ العین تھا۔ راحت دل مادر اور باپ کا چین تھا اُسکو اُسکے والدین نے ناز و نعم سے پالا تھا جب اُس بچے کے باپ نے کہ جاہ و دولت سے مالا مال سبز بخت مرفہ حال تھا اور اُسکا ظلمت کدۂ مراد صرف اسی شمع سعادت سے منور تھا اور نہال زندگی اسی ثمر نورس سے باردار تھا اُس نوجوان و مہجبین عظمت و سروری اور مہر سپہر حشمت و برتری کے تہ آب ہونیکا حال تردد ناک سنا تو بے اختیار سر دھننے لگا اور دیوانہ وار تنکے چننے لگا۔ بحر محبت سے جوش زن ہوا۔ دل صید رنج و محن ہوا۔ ـہ

گریاں شد و تلخ تلخ بگریست
بے گریۂ تلخ در جہاں کیست

چنداں ز غمش بہر نالید
کز نالۂ او سپہر نالید

اتنے میں ایک شخص نے آ کر کہا کہ گھی کے چراغ جلائیے اور غربا کو خیرات مالا مال فرمائیے صاحبزادے کو ڈوبتے ہوئے دیکھ کر ایک شریف زادے نے دھم سے غوطہ لگایا اور ڈوبنے سے بچایا اب رنگ رلیاں مناؤ۔ خوشی کے شادیانے بجاؤ۔ بین کے عوض چین کرو۔ یہ مژدۂ عشرت انگیز اور نوید بہجت خیز سنتے ہی پارسی کے دل کی کلی کھل گئی منہ مانگی مراد مل گئی۔ آناً فاناً اسی وقت نقل تیار کرائی اور تالاب کی ہوا کھائی۔ لڑکا باپ سے چمٹ گیا اب پارسی کو فکر ہوئی کہ میاں آزاد کو کہیں سے پائیں گویا ہو تو امیر کبیر بنائیں۔ تلاش کرتے کرتے انہوں نے ڈھونڈھ ہی نکالا لوگوں نے پتہ بتایا کہ میرزا اسد بیگ صاحب کے دولتخانۂ فیض کاشانہ پر مولانا محمد آزاد صاحب فروکش ہیں۔ پارسی کے دل سے لگی تھی کہ کسی طرح اس احسان عظیم سے سبکدوش ہوں۔ فوراً

خدام باادب کوپتے پر بھیجا۔

میاں آزاد یہاں بیٹھے ہوئے آہ سرد بھرتے اور دلکو ملاکر قدم دھرتے تھے تو دیکھتے کیا ہیں کہ دو آدمیوں نے اُنکو جھک کر سلام کیا اور کہا کہ رستم جی جمشید جی۔ سی ایس آئی نے آپکو بلایا ہی اور فرمایا ہی کہ اگر فرصت نہ ہو تو میں خود حاضر ہوں۔

میاں آزاد حیران و ششدر کہ ع۔ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہی۔

آزاد ۔ یہ کون بزرگوار ہیں۔

آدمی ۔ حضور جن کے لڑکے کو آپنے ڈوبنے سے بچایا۔

آزاد اندر گئے اور باچھیں کھل گئیں۔

بیگم ۔ آخاہ ۔ اسوقت تو مزاج زعفران زار ہے ۔کیا پڑا پایا۔

آزاد۔ جس لڑکے کو ہم نے بچایا تھا اُس کے باپ نے بلایا ہی۔

بیگم صاحب سے یہ کہکر میاں آزاد باہر آئے اور آدمیوں سے خوش ہوکر کہا کہ ہم کل شب کو آئیں گے۔ اسوقت تھکے ماندے ہیں ہرگز نہ جائینگے۔

دوسرے دن ادھر آفتاب لب بام اور دن قریب اختتام ہوا۔ ادھر میاں آزاد نے صاف ستھرے کپڑے ڈانٹے اور گاڑی پر سوار ہوکر چلے۔ میاں خوجی کوچ بکس پر بیٹھے ڈگمگا رہے تھے ادھر یہ گاڑی بھی کھڑکھڑاتی ہوئی چلی جاتی تھی اُدھر سامنے سے ایک بگھی بڑی تیزی کیساتھ آتی تھی۔ دونوں گاڑیاں اوراس زور سے ٹکرائیں کہ میاں خوجی سے کوچ بکس پر سے زمین پر پٹخنی کھائی۔ ہر گرے تو اٹھنا معلوم جس قطعے سے گرے تھے اُسی قطع سے پڑے رہے ادھر ماڑی تماشائی کا اور گرد بہجوم غل غپاڑے کی دھوم۔ گر حضرت اٹھکے تو ڈھکے گویا اپنے نزدیک فرش گل پر سوتے تھے اتنے میں میاں آزاد اُتر آئے اور خواجہ بدیع صاحب کو زبردستی اُٹھا لائے تو آپنے جھکارنا شروع کیا۔

خوجی۔ یہاں لتنے بڑے غدار شہر میں کوئی بگھی وگھی چلانا تو جانتا نہیں ہم پہلے ہی سمجھے کہ اب ٹکرائی۔ اور اب ٹکرائی۔ ماتھا ٹھنکا کہ اب ٹھوکر کھائی اور اب کھائی گر قربان اپنے استاد کے واللہ اس پھرتی سے کود اہوں کہ واہ جی واہ میاں آزاد ہوتے تو اسوقت دس بارہ سیر ہلدی تھوپنی پڑتی۔ مگر واہ رے میں۔

راوی۔ کیا زبان ہے ۔ بیشک میں تو حضرت غش تھے وہ تو کہیے کہ ع۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت ؛ ورنہ گھوڑا ٹاپ کہ دیتا تو بھرم ہی ہو جاتے اور جو کہیں پہیے کے نیچے آتے تو حواس بیجا چھے ہی غائب غلہ ہو جاتے گر میٹھے ہنکارتے ہیں اور غل مچا مچا کر پکارتے ہیں کہ قربان جاؤں اپنے استاد کے دھم سے کود ہی تو پڑا۔

میاں آزاد اُس رئیس باوقار اور تاجر ذی الاقتدار کے دولتخانۂ فیض کاشانہ پر پہونچے تو عش عش کرنے لگے اور پھونک پھونک کر قدم دھرنے لگے مکان ہزنگہ خیال کوٹھی سپہر توامان رئیس فرخ نہاد نے الآزاد نے ع۔ کی تا در خانہ پیشوائی ؛

میاں آزاد نے دیکھا کہ رئیس آن بان کے آدمی ہیں ۔ ص

رئیسِ ذی ہمم فخرِ زمانہ ۔ بہ شکلِ مہرِ عالم میں یگانہ
مسیحا کی طرح عالی مکاں ہی ۔ زمیں فیضِ قدم سے آسماں ہی
یہ عالم جوش طوفان کرم کا ۔ سدا زر دامکے آگے منہ ورم کا

میاں آزاد سے مصافحہ و معانقہ اور حضار و بار قدر بار سے علیک سلیک صاحب سلامت ہوئی ۔ چہار طرف سے آزاد کی تعریفیں ہونے لگیں گر آزاد سر جھکائے ہوئے خاموش۔

رئیس۔ ذوٹی پھوٹی اُردو میں) آپنے اپنے لڑکے کو ڈوبنے سے بچایا۔

راوی۔ مطلب یہ کہ آپنے میرے لڑکے کو ڈوبنے سے بچایا۔ مگر میرے کے عوض اپنا کہہ گئے۔ اسپر خوجی ہنس پڑے اور بیٹکے تو جھی ہی گتے کیا ہیں

خوجی۔ واہ ری قسمت کیا مفت میں لڑکا پایا تو بھی اِترو چین کرو۔

آزاد۔ (رئیس سے) بھلا اسوقت مجھ سے دیکھا جاتا کہ ایک بیچارے بیگناہ لڑکے کی جان جائے اور میں بیٹھا دیکھا کروں۔

خوجی۔ حق ہے واللہ حق ہی ۔ ہم ایسے شیروں کے تم ایسے ہی شیر ہوتے ہیں اور یہ دیکھو واللہ ہی جو میں ہوتا تو غڑاپ سے میں بھی کود ہی تو پڑتا مگر ہاں

دعا مانگنا پڑی کہ یہ موٹی ترند والا بھی کسی دن غوطہ کھائے اسکا بھی
پاؤں پھسل جائے تو پھر یاروں کے گھرے ہیں۔ پو بارہ ہماری پانچوں
گھی میں اور پولاؤ زعفران کا سر کڑھائی میں اور داروغہ کا دھڑ ادھر ادھر
پڑے دیں تو خدا کرے بچائیں ہم ہی۔

راوی۔ بجا۔ حضور بانی کا نام لیتے ہوئے تو آپکا بدن کانپ جاتا ہے
عضو عضو تھرتھراتا ہے اور ہم دم یہ کہ ڈوبتے کو نکالیں اور کس کو پھینسے
کو واللہ آپکے ڈونڈل دے۔

آزاد۔ آپکی زیارت سے بڑی خوشی ہوئی۔

رئیس۔ اپنے کو بھی بڑا کھوسی (خوشی) کا بات چیت۔

خوجی۔ (آہستہ سے) کیا! کھوسی کا بات چیت ہیں تو عجب جمالیا
معلوم ہوتا ہے۔

رئیس۔ کال آپ آویں تو ہمارا لیڈی لوگ آپکو گانا سنائیں۔

خوجی۔ ابھی بیوقت کی شہنائی بجائی۔ ابھی کچھ افیم گھول چسکی لگاؤ
مٹھائی منگاؤ رئیس کی دم بنے ہیں۔

آزاد۔ کل میں ضرور حاضر ہونگا۔

رئیس۔ آپ تو اپنا کا باپ ہے۔

خوجی۔ بلکہ دادا۔ خوب نبھانا واہ بیٹھے۔

آزاد۔ (خوجی سے) خاموش ادب کن کہ مقام ادب است۔

خوجی۔ کچھ سنا تم کو تمھارے باپ کا باپ بنایا۔

آزاد۔ کل کس وقت حاضر ہوں۔

رئیس۔ شام کو کل بہت لیڈی لوگ جمع ہو گا اور آپکو کھوس (خوش) کریگا

خوجی۔ لیڈی لوگ! ہائے واللہ لیڈی لوگ کی ایک ہی کہی۔

الغرض آزاد اور خوجی رخصت ہوئے تو رئیس کے ایک بھائی نے آزاد سے
چپکے سے کہا کہ آپکی منہ جگہ لے ہزار روپیہ کو بگڑ گیا ہے۔ کل بڑی دھوم سے کل جلسہ ہی
جنٹلمین اور لیڈیوں کی دعوت ہوگی اور آپکے سب خوش کریں گے۔

خوجی بڑے پھنسے

نور کے تڑکے میاں آزاد فرخ نہاد اور جناب بخت مآب خواجہ بدیع صاحب
خانہ برباد اور حضرت میرزا اسد بیگ صاحب بادل شاد ایک فراخ و وسیع باغیچہ
دلکش و پربہار و کش گلزار فرخار میں گپیں اڑاتے تھے اور نسیم مشکبار کے
جھونکے دماغ کو طبلہ عطار بناتے تھے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک
کمسن چھوکرے برے لہرا لہرا کر گاتی ہے۔ ؎

یہ گورے رنگ سے جھلکی جو سرخی پان کی آنسوں
گلوئے یار پر عالم ہوا شیشے کی گردن کا

آزاد آپکی خوش الحانی اور بہار جوانی دیکھ کر از بس محظوظ ہوئے اور گردن ہلا کر
فرمانے لگے کہ بھئی سچ کہنا کیا شعر ہے شعر تو ایک طرف مس ترجمہ جانفزائے واللہ تڑپا ہی دیا

سرود مطرب من تو گی بخش دلم باشد
سزاد فرق بہرگز بار گنجانم رگ ساز ش

خوجی۔ پھر اسکو کیا۔ آپ یہ باتیں کیا جانیں بھلا۔ آپ تو انھیں کی گفتگو
کے لائق ہیں جو ؎ بلغ العلا بکمالہ ۔ کشف الدجے بجمالہ ۔ حسنت جمیع خصالہ ۔
صلوا علیہ وآلہ ۔ پس بلغ العلائے گفتگو کرینگے قائل حضور ہیں۔ لفاظی
اور جادو طرازی آپ کیا جانیں بھلا۔ لاحول ولا۔ ؎

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا
الا یا ایہا الساقی ادر کاساً وناولہا

محمد عبد القدوس یا مولانا اسطرخودوس آئیں تو آپ باتیں بنائیں واللہ
اُسدن تو آپنے جتنو تیں خوب بکیک لگی تھی واللہ مجھے حیرت ہے کہ ملا صاحب گھر
میں کس طرح گفتگو کرتے ہونگے یا شاید وہ بھی ملا قوشچی کی شرح تجرید پڑھی ہوں
واللہ بڑی دنگی ہوتی ہوگی ادھر سے رنبیری لغت لڑھکاتے ہونگے ادھر سے
وہ تین تین سیر کے پتھر ڈھلکاتی ہونگی۔ میاں کہتے ہونگے کہ تقبیل زوجہ ثواب
وصواب ہے۔ وہ فرماتی ہونگی کہ ثواب غین نے دال آتا ہے۔ مگر مذاہب قبل
طلوع ماہتاب ہے۔ لونڈیاں باندیاں منہ تاکتی ہونگی کہ دونوں کی فصد لیتی
جائیے۔ چلیے ایک دفعہ مولانا ابا العلم والفضل اولنا حضرت قاضی محمد
عبد القدوس انار اللہ برہانہ سے تو ملیں۔

میرزا۔ اُسدن تو آپنے انکو بہروپیا بنایا تھا۔ پھنک سے جو نکلتے ہی کئی گئے

کہ بھلا بے بھلا میں نے بخوبی پہچان لیا۔ آج مولانا بنکر آئے ہیں کل گھسیارا بنا تھا۔ بات ترے بھروپیے کی۔

آزاد۔ واللہ اسوقت ہنسی کا ضبط کرنا محال تھا۔ بیٹھنا اجیرن ہو گیا۔ قاضی القضات نورانی طلعت مقدس آدمی آپ اُنکو ڈپٹ رہے ہیں کہ گھسیارا ہو۔ واللہ اپنے دل میں بڑا برا مانا ہو گا۔

میرزا صاحب۔ نہ صاحب میں نے جھک کر کان میں کہدیا تھا کہ خلل دماغ ہو۔ ابھی ایکدن بڑی دل لگی ہوئی۔ مولانا محمد عبد الطاہر صاحب محدث کسی جیسے کم علم آدمی سے گفتگو کرتے تھے اور کبھی موقع پر کسی کا ذکر آیا آپ فحش الفاظ زبان سے نکالا نہ چاہیں۔ کبھی فرمایا بنت الابلیس۔ وہ خاک سمجھا پھر فرمایا ام الصبیان وہ منھ تاکنے لگا۔ پھر فرمایا نسوان سواد الوجہ فی الدنیا و سواد القلب فی العقبا۔ اُسنے کہا ذرا ٹھہرے رہیے گا لپک کر کسی مولوی کو بلا لاؤں آخر کار ایک شخص نے اُسکے کان میں کہدیا کہ مولانا صاحب کا یہ منشا ہے تو جھلا کر کیا کہتا ہے کہ لاحول ولا قوۃ۔ ذرا سی بات کے لیے پہروں جھنجھٹ میں رکھا۔

آزاد۔ جی ہاں ایک دفعہ کسی شخص نے ایک مولانا صاحب سے آکر کہا کہ قبلہ میرے گھوڑوں کیلیے اپنے اصطبل سے گھانس دلوا دیجیے فرمایا کہ دہمارے متین میں استقامت میں بھی نہیں ہو کہ عصافیر اپنے مناقیر میں اخذ کرکے اپنا مقعفص بنا دیں وہ آدمی تھا گنوار۔ بلکہ گنوار کا لٹھ سمجھا کہ مولانا اسوقت وظیفہ پڑھ رہے ہیں تھوڑی دیر کے بعد پھر کہا کہ گھانس فلوا دیجیے۔ تو آپنے چیں بجبیں ہو کر فرمایا کہ تکرار کلام وابۂ ولوالالباب نہیں ہو۔ دست بستہ عرض کیا کہ قبلہ میں کچھ سمجھا ہی نہیں تو حضرت کیا فرماتے ہیں کہ تم سمجھو یا نہ سمجھو یہ عاصی اسی کیف سے تکلیف ہو ایک منچلے نے اُس سے کہدیا کہ ابے بھاگ جا یہ اسوقت تازی بیٹ بیٹھے ہیں کئی آدمیوں کو مار چکے ہیں وہ بگٹٹ بھاگا اور دلمیں سوچا کہ اچھے سے گھانس مانگی یہ تو خود گھانس کھا گئے ہیں۔

اتنے میں ایک شخص نے آکر میاں آزاد کو جھک کر سلام کیا اور رقعہ دیا۔

میاں آزاد نے کھولا اور پڑھا تو اسمیں یہ لکھا تھا۔

منہل فضائل منبع فواضل ذی الطبع الوقاد مولانا محمد آزاد صاحب دام لہم بر کاتہم بعد ما یلیق لشانکم منی التماس میرود کہ آج غب ما قبل عشا ایک مجلس بلغا و کملائے بلدۂ بمبئی منعقد ہو گی اور حسب دستور اہل فرنگ کہ اصحاب فرہنگ ہیں۔ ایک دائپا پیاپا آپکی خدمت میں ورود جملہ حضار الاتبار دیا جائے گا بجا کہ آپ وقت متعینہ پر تشریف ارزانی فرما کر کلبۂ احزان کو منور فرمائیں کہ ہر آئینہ مزید اتحاد و یکجہتی میں جادارد۔ اکثر فضلائے اجل و علمائے اکمل مشتاق زیارت بہجت افزا ہیں۔ انکو محروم نہ فرمایئے۔ زیادہ اطناب کہ دور از داب و داب ست

محررۂ عاصی قاضی محمد عبد القدوس عفا اللہ عنہ۔

لفافہ یا جامع المتفرقین۔ صراغت نامہ۔ در معمورۂ بمبئی بھنڈی بازار بنظر فیض اثر حضرت مولانا محمد آزاد صاحب سلمہ اللہ تعالی در آید۔ اسم بر ختمہ میاں آزاد نے یہ خط پڑھ کر میرزا صاحب کو سنایا اور کہا چلیے گا انھوں نے کہا ضرور بالضرور ہزار کام چھوڑ کر نہ چلنا کیا معنی۔ میاں آزاد نے جواب میں مولانا صاحب لکھا ہے

نکردم جان نثار قاصد شرمندہ ام از شے	کہ دراول سخن بیہوش کرد از شوق پیغام او

حضرت مولانا صاحب کی خدمت میں تسلیم۔ قبلہ میں تو مرد آزاد وحشت کا عاشق و دلدادہ کوچہ گردوں اور رہ نوردوں کا اُستاد۔ خانہ بردوش برباد ہوں مگر ہمدردوں کا ادب آموز حبیب وطن اور دلسوز ہوں علما و کملا کی جماعت میں میری زبان نہ کھلیگی لیکن الامر فوق الادب۔ بندہ بسر و چشم حاضر جلسہ ہمایوں ہوگا الحمد اللہ میری خاکساری نے میرا درجہ اسقدر بلند کر دیا کہ علما اجل میری ذات کو زیارت کمائے ملکوتی صفات سمجھنے لگے۔ سچ ہے۔ ؎

ہر کہ شد خاک نشیں برگ و برے پیدا کرد	دانہ با خاک چو پیوست سرے پیدا کرد

حباب کو دیکھیے۔ سرکشی کی اور لہروں نے تھپیڑ دیکے فنا کر دیا۔ غبار پر نظر ڈالیے اُسکی خاکساری نے اُسکو کہاں سے کہاں پہونچایا حق ہے۔ ؎

ز راہ خاکساری گر کسے بر خاک بنشیند	چو خورشید جہاں افروز بر افلاک بنشیند

اضعف العباد محمد آزاد

جب چار بجے تو میرزا صاحب نے کہا کہ حضرت تیس ہو رہیے۔ آزاد نے کہا کہ قبلہ غب سا قبل عشا بلایا ہی۔ خیر۔ ادھر خورشید گیتی افروز نے بر شکیں میں اپنی نورانی صورت چھپائی۔ اور لیلی شب لاکھوں پری جِسم سہیلوں کو جلو میں لیکر آئی اُدھر مولانا محمد آزاد فرخ نہاد نے ترکی ٹوپی سر پر جمائی اور کوٹ پتلون ڈانٹ کر لیس ہوے میرزا صاحب بھی کپڑے ویڑے پہنکر ڈٹ گئے۔ مگر خوجی ابھی سنگار ہی کر رہے ہیں۔ آئینہ سامنے رکھا ہی ٹوپی دی اور چھینک پڑی الغرض چلے تو کس قطع سے کہ گلابی پگڑی سر پر۔ اور ایک ڈھیلی ڈھالی چکن پرانی فیشن کی اور پر عقیق کا کنٹھا ہاتھ میں لیے چست گھٹنا پہنے اور ایک بڑا موٹا ڈنڈا لیے۔

راہ میں کہیں میاں خوجی کو استنجے کی ضرورت ہوئی اور ایک گلی میں جا کر بیٹھے۔ اتفاق وقت اور شامت اعمال ادھر سے ایک کانسٹبل بھی چلا آتا تھا۔ جاگو۔ جاگو۔ رات کے سونیوالو جاگو۔ اندھیری ہی۔ خوجی کو جو اُس نے دیکھا تو پہلے جھجکا۔ پھر للکارا۔

کانسٹبل۔ کو ہے رے۔ ارے تیں کون ہئس۔

خوجی۔ ہوں۔ ہوں۔ ہونھ۔

کانسٹبل۔ ارے یہ تو منھ ہی سے ناہیں بولت ہی۔

خوجی۔ واللہ استنجے کے لیے بول کا لفظ اچھا ذو معنی ہی (کھڑے ہو کر) ابے ہم شاشیدن کا صیغہ گردان رہے ہیں اور تو ڈپٹتا ہی۔

کانسٹبل بیسواڑے کا گنوار۔ گردانے کا لفظ جو اُسنے سنا تو سمجھا کہ یہ کہتا ہی کہ گردنی دونگا۔ چھتری آدمی۔ بس آگ ہی تو ہو گیا جیسے جلتے بلتے توے پر پانی چھڑک دیا۔ بڑھ کر انکا ٹینٹوا لیا اور ایک کھنی بتائی۔ پھر کس کر ایک لات جو جماتا ہی تو خواجہ بدیع صاحب نے لڑھکنی کھائی۔ اور ایک فہ ہی غل مچایا کہ ہات ترے گیدی کی۔ لا نا تو قرابینچہ۔ ٹھہر میں نکالتا ہوں قرولی۔ مردک نے وہ جھٹکا دیا کہ پیٹ کا پانی تک ہل گیا۔ اُس نے اوپر سے ایک ڈول جمایا (وہ) دن سے۔ کرولی لاوت ہیں سرو۔ نکال کرولی۔ نکال (ایک اور لات جمائی)

خوجی۔ او گیدی۔ میں پہچان گیا۔ او بہروپیے۔ ذرا مجھے کمر تو کسنے دے

آج سپاہی بنکر آیا۔ اُسدن مولوی صاحب بنے تھے۔

کانسٹبل نے اُنکا ہاتھ پکڑا اور کہا چل چوکی پر۔ راہ میں اپنا باران کوٹ اور کمل اور بکری کے لیے گھانس اور بلی کے لیے چھیچھڑے سب ان پر لادے جناب خواجہ بدیع صاحب کی روح پر صدمہ مگر خیر سے سمجھے ابھی تک بہروپیا ہی ہیں۔ چوکی پر لیجا کر اُس نے کہا کہ۔

کانسٹبل۔ حولدار صاحب۔ ہجور یو سار چور تین دن سے محلے میں رلا چلئے ہے نھتھن پران کر دہس۔ آج سُنار کے موہارے گھٹی مارے بیٹھا گلی تاکت راہے کہ کھوں گلی پر پہونچوں جائے۔

حولدار۔ (خوجی سے) ابے تو کون ہی۔

خوجی۔ (پینک میں)

کانسٹبل۔ (چپت جما کر) بولت ناہیں ہو سسر (ایک ادھ منڈے کا ہاتھ دیا)

خوجی۔ (چونک کر) ہات ترے بہروپیے کی۔ مردک نے ناکوں دم کر دیا۔

حولدار۔ کہو کہاں سیند دینے کی فکر تھی۔ کچھ یاروں کا بھی حصہ ہی یا۔ الگ ہی الگ یہ تنہا خوری اچھی نہیں۔

خوجی۔ (چونک کر) ایں! ایں گل دیگر شگفت۔ آزاد۔ آزاد۔

کانسٹبل۔ جادو وادو ناہیں۔ حولدار صاحب کی بات کا جواب دے (دو ول لگا کر) تین دن سے نھتھن پران کر دہس۔ پار سال یو سار کلوار کے گھر پیٹھا رہا ہے اکی سنار کا تاکس۔

حولدار۔ ہاں آجکل اُس کے یہاں مال بھی بننے کو آیا ہی۔

خوجی۔ یار اک ذری حقہ تو بھروا نا۔ لاؤ تو ڈانٹ کے ایک تو۔

کانسٹبل۔ (کان پکڑ کے) سکھری (تمسخر) کرت ہو۔

خوجی۔ (اُچھل کر) لانا قرولی۔ آنتیں نکل پڑیں گیدی کی۔ یہ کہکر خوجی جو جھپٹے کہ بھاگ جاؤں تو ٹانگیں تو ماشاء اللہ پون پون انچ کی تھیں ہی۔ کانسٹبل نے گردن ناپی خوجی ذرا اور جھپٹے کہ اتنے میں ایک حوض کے اندر دونوں کے دونوں غڑاپ۔ خوجی افیمی آدمی بڑی کا وقت تھے خوب گتھے ہوے

سرد رنجے ہوئے۔ پانی کے نام سے روح لرز جاتی تھی۔ حوض میں جو لڑھکے قلبِ ستم ہی ہو گیا لیکن ع۔ خود تو ڈوبیں گے گر یار کو لے ڈوبیں گے :
کانسٹیبل بہت ہی جھلایا کہ بے طور لڑھکے۔ اردی وردی سب لت پت۔

خوجی کی موزونی طبع

دکھا ساقی نے گلرنگ کے ناز ۔ سنا پھر قلقل مینا کی آواز
جو شکل خون دل ٹپکا دہن میں ۔ کہ ابلیں مستیاں میرے سخن میں
خدا کے واسطے لے جاگ ساقی ۔ کہ خاطر کو ہوئی پھر لاگ ساقی
طبیعت صورت مے جوش میں ہے ۔ تمنا غرق نوشا نوش میں ہے
ہجوم آرزو کہتا ہے لا جام ۔ جھکا شیشہ کہ آیا اور ہنگام
ابھی بھر دے کہ خاطر ہے بہت تنگ ۔ دکھاؤں اور ساقی اک نیا رنگ
تو فور جوش میں مضموں رقم ہو ۔ فسانہ اس طرح زیب قلم ہو

ادھر خواجہ بدیع صاحب نے حوض میں لڑھکنی کھائی اُدھر کفن پھاڑ کر یوں ہانک لگائی۔

پلا ساقیا لاوے کی امنیم ۔ کہ کر آؤں گلگشت باغ نعیم
پیاسا کئی دن کا ہوں ساقیا ۔ جھلک آب اسود کی جھٹ پٹ دکھا
نرالا ہی محفل کا کچھ آج رنگ ۔ نہ کیوں زندگی سے طبیعت ہو تنگ
نہ مطرب نہ ساغر نہ مینا نہ چنگ ۔ نہ چانڈو نہ افیوں نہ گانجا نہ بھنگ
کرم کر فقیروں پہ ہائے ڈیر ۔ میں قربان جاؤں ذرا گھم ہیر
ادائیں تری یاد کرتا ہوں میاں ۔ دم نزع ہی سانس بھرتا ہوں میں
جلا لے دم واپسیں اے کریم ۔ سرہانے یہ کہہ قم باذن الافیم
نواب سیہ مست و تر دامنم ۔ برہ۔ ادہیم۔ ادہیم۔ ادہیم
بیاں خوف دوزخ ہی خوف دل ۔ بتا دے مجھے ادہیم کا شغل
نہ تاخیر کر ساقی مشک رنگ ۔ پلا جام افیوں ابھی بیدرنگ
دم پینک و عیش بے رنج و غم ۔ پڑھوں یہ کلام فصیح عجم
کر شتاب ترحم بحال سقیم ۔ کہ ہستم اسیر کمند افیم
نگہدار ما را از راہ خطا ۔ خطا در گذار و افیم نما
نداریم غیر از تو فریاد رس ۔ بدہ جام افیون و باقی ہوس
زباں تا بود در دہاں جاگزیں ۔ سرایم توصیف افیون چین
توئی کافری زیک شاخ پوست ۔ ہزاراں چو من مرد افیون دوست
سن لے ساقی لاؤبالی ذری ۔ نکل جائے گی سچ ہے اب جاں مری
جو آئے مرے منہ میں افیون ناب ۔ تو کم ہو ذرا جوشش اضطراب
نکل جاؤں پینک میں اک آدھ میل ۔ غضب ہے یہ حوض اور ستم ہے سبیل
پھروں خوب بازار میں بیدھڑک ۔ وہ ٹھنڈی ہوا اور وہ ٹھنڈی سڑک
چکاؤں کہیں جا کے قند و شکر ۔ کسی جا پہ کھا جاؤں حلوائے تر
لڑے مجھ سے کنجڑن خدا کی قسم ۔ کہا دانہ دینے کو ڈبل سے کم
کسی جا پہ چھلکے کہیں پیاز نیاں ۔ کسی جا پہ پونڈا کہیں بھاندیاں
کہیں آلو لٹواے ساقی تو بیا ۔ نہیں آدمیت ہی تجھ میں ذرا
آدمی را آدمیت لازم ست ۔ وگر نہ بود باشد آں بلاشک بہیم است
تواضع مروت محبت وفا ۔ نہیں چھو گئی تجھ میں گیدی ذرا

*

تواضع کند ہر کہ ہست آدمی ۔ یہ سچ سچ ہو قول فصیح عجم
سخاوت مس عیب را کیمیاست ۔ نہ زیبد بمردم بجز مردمے
سخیاں ز افیون برمی خورند ۔ سخاوت ہمہ دردہا را دواست
خدا کی قسم شکر گر شکر کر ۔ سخیاں نبات و شکر می خورند
قرابینچہ پاس ہوتا اگر ۔ فرولی سے خالی ہو میری کمر
خدا کے لیے لا مری جان جان ۔ تو کچھ کر کے میں پھونک دیتا تبر
کدھر ہو تو آزاد فرخ نہاد ۔ افیم سیہ رو کش زعفران
گرا کر مجھے حوض میں چل دیا ۔ پدر بر پدر پاک و عالی نژاد
جو پینک میں ہوتا نہیں بیخبر ۔ وہ گیدی وہ مردود بد ذات پیا
اسی میں ہو بس خیر اے بدرگال ۔ تو بھٹے کی صورت اڑا دیتا سر
مجھے حوض سے آ کر لے نکال

بدیعا بس اب روک اپنی زباں
دم صبح[ف۲۲] ہوتا ہے پینک کا دھیاں

راوی ف۱ ساقی نامہ کا رنگ ہی نرالا ہے۔ ابتدا ہی سے مالوے کی افیم کا بول بالا ہے۔

ف۲۔ دکہ کرا عین فصاحت ہے۔ انگریزی میں اس صنعت کا نام ٹلٹریشن ہے خوجی کا شاعری میں بھی چشم بددور نرالا فشن ہے۔

ف۳۔ بھنگ بھری نہ ہوئی نہ سہی۔ مست بھنگ تو ہے۔

ف۴۔ پشتو میں بھیک مانگنے لگے۔

ف۵۔ اس قم باذن الافیم نے پھڑکا دیا۔ واہ اُستاد۔

ف۶۔ ادہیم کی تکرار عین کمال شاعری ہے۔ اللّھم زد فزد۔

ف۷۔ ادچھا جی۔ یہ نیا ہوٹل ایجاد کیا۔

ف۸۔ شاباش اچھا قافیہ چڑھایا۔

ف۹۔ نظامی گنجوی علیہ الرحمۃ کو بھی لگے ہاتھوں اصلاح دے ہی دی۔

ف۱۰۔ اوہ۔ بڑا دھادا کیا۔ ابھی آدھ میل! کچھ ٹھکانا ہے۔ ہاں رینگتے رینگتے پہونچ ہی جاؤگے۔

ف۱۱۔ اس شیریں بیانی کے صدقے۔ حلوائے تر کے لیے کھا جا بھی کس موقع پر لائے۔ عذوبت بیان ظاہر ہے۔

ف۱۲۔ لاناہاتھ۔ تصویر کھینچ دی۔ ایسے موقع پر میرا خیر چوکتا ہی نہیں۔

ف۱۳۔ بمبئی کے پونڈے دور دور تک مشہور ہیں۔

ف۱۴۔ ایں! ابھی تک تو ساقی کی خوشامدیں ہوتی تھیں۔ اب تو لگے گالیاں دینے

ف۱۵۔ کیا خوب بحر بھی ایک ہی ہے۔ واللہ مارے ہنسی کے دم کیوتر رہنگے۔

ف۱۶۔ یہ بات وہ بات۔ لا میرے ہاتھ۔ قند اور نبات۔ بس دوسری بات نہیں

ف۱۷۔ یاد آئی۔ یاد آئی۔ میاں خوجی کو قرولی یاد آئی۔

ف۱۸۔ اس بے تکے پن پر قربان۔ قرابینچہ پاس ہوتا تو بتر بھونک دیتا اور جو اُسکے پاس پھاوڑا ہوتا تو وہ کدال نہ بھونک دیتا۔

ف۱۹۔ بھلا اس شعر کا مطلب تو کوئی صاحب سمجھائیں۔ کیا مجال۔ زعفران بواز عفران جوش سے عبارت ہے جسنے میاں کے دھوکے میں خوجی کا سر سہلایا تھا اور خوب دل کھول کر چپتیا یا تھا چونکہ وہ جوشن کالی کو بلاتی لہذا فرماتے ہیں کہ ایسی افیم دے جو اُس سے بھی کالی ہو۔

ف۲۰۔ ہاں اب اپنی اصلیت پر آئے۔ کرے کوئی دعوا جی مشعدد والا ہی جائیگا ابھی تک حضرت یہی سمجھے ہوے ہیں کہ بہرشیے ہی کے ہتھکنڈے ہیں۔

ف۲۱۔ جی منھ دھو رکھیے۔ اور اسی حوض کے پانی سے۔

ف۲۲۔ دم صبح! اچھا اندھیر مچایا۔ صبح کیسی۔ اجی خواجہ صاحب ابھی تو رات بھی نہیں بھیگی ہے۔

الغرض بعد خرابی بصرہ حوض سے نکلے۔ نیا شہر پردیس کا واسطہ۔ راہ پوچھتے پوچھتے مکان پر پہنچے اور پڑ رہے۔ دوسرے روز ادھر مہر گیتی افروز نے جلباب خفا میں رُخ انور چھپایا اور عروس عدن نے اپنے حسن گلو سوز کا جھمکڑا دکھایا اُدھر میاں آزاد اور مرزا صاحب والا نزاد اُس پارسی کے یہاں گئے۔

بزم طرب

ترے صدقے یہ مے کیسی تھی ساقی
اثر تک بھی نہیں آنکھوں میں باقی

نگاہ مہربانی اور ساقی
کہ پھر اپنا وہی ہے طور ساقی

شراب پاک دے تا جی ٹھہر جائے
طبیعت کیف پیہم سے اُدھر جائے

طبیعت چاہتی ہے جوش مستی
تمنا ہے کہ ہو بادہ پرستی

فسانے کا بیاں آئے زباں پر
سخن دے لذت قند مکرر

دونوں اُس رئیس کے دولتخانۂ فیض کاشانہ پر جو پہنچے دیکھا کہ ہر سمت چکاچوند کا عالم ہے اور محفل عیش منزل سو کشن گلزار ارم ہے۔ اندر کا اکھاڑا ہے پریوں کا دنگل ہے۔ ہر طرف وہ چہل پہل وہ دھوم۔ وہ حوروں کا ہجوم۔ وہ پری پیکروں کے جمگھٹے وہ معشوقوں کے جمگھٹے کوئی سمن بر۔ کوئی رنگ تر۔ کوئی ماہ سیما کوئی رنگین ادا۔ کوئی غیرت ماہ۔ کوئی جادو نگاہ۔ کوئی اٹھکھیلیاں کرتی آتی ہے کوئی ناز و ادا سے قدم دھرتی جاتی ہے۔ کوئی ابر کی طرح جھومتی ہے۔ کوئی

غرض جوشِ مستی سے اپنی ہمجولی کو چومتی ہو وہ دھانی پوشاکیں۔ وہ آبی ساریاں۔ وہ گلابی لباس۔ وہ بناریسی دھوتیاں سرخ لباس گل لالہ کھلا ہوا۔ یاقوت احمر دیکھے تو ہیرا کھائے۔ سبز سبز قیمتی کپڑوں کے جوبن سے پکھراج شرمائے۔ جو ہے ایک نئی ترنگ میں۔ اور نئے ہی رنگ میں۔ ؎

ہو لطف حسینوں کی دو رنگی کا امانت
دو چار گلابی ہوں تو دو چار بسنتی

اتنے میں رئیس بجاہ نے اپنی دختِ نیک اختر سیم غبغب غیرتِ بتان چینی گیسوئے عذار نازنینی۔ طاؤس زیب۔ ملائک نظر فریب یغماگر کاروان ہوش۔ غمزہ زن عشوہ فروش موجد رسم دلربائی۔ طراز آستین خود نمائی۔ تدرو رفتار باغ و بہار۔ ؎

سرتا قدمش کرشمہ و ناز
ہم سرکش عشق و ہم سرانداز
افگندہ بدوش زلف چوں شست
او بیخبر و نظارہ گر مست
معجون لبش بدر فشانی
پروردہ بہ آب زندگانی

کی میاں آزاد سے ملاقات کرائی۔ وہ چاند سا مکھڑا دیکھتے ہی مہ پارہ مہ جبین رہزن خانمان دین پر بہار رنگیلے جوان کی طبیعت آ گئی جل جلالہ۔ ؎

کمان عشق ہر جا افگند تیر
سپر داری نباشد کار تدبیر

اور وہ آفت ہوش بصد جوش و خروش اُن سے باتیں کرنے لگی۔ واہ رے آزاد۔ واللہ بلا تشبیہ اپنے وقت کے راجا اندر تھے منظور نظر حسینان پری پیکر ادھر شوق جادۂ عشق اُدھر پیمانہ دل لبریز بادۂ عشق ادھر دیدۂ نگاہ نظارہ بازی۔ اُدھر چشم بیمار کو تعلیم فسوں پردازی۔ ادھر خیال سجادہ نشینی فرہاد و مجنوں ادھر جوشش قلزم جنون۔ ادھر آہ جگر دوز اُدھر شوق خرد سوز۔ ادھر نقد عقل نثار جمال نگار۔ اُدھر تیر نگاہ غلط انداز جگر کے پار۔ اُس بت پندار شوخ طرحدار کی طبع نازک تردد آشنا نہ تھی۔ البیلے پن نے اور بھی ستم ڈھایا مگر اُنہوں نے اپنے دل کو سمجھایا۔ اتفاق سے یہاں

گو الیاس کے چند قوال باربد نژاد بھی آ گئے تھے۔ رئیس ذی حشم نے انکو بلوایا اور محفل عیش منزل کو رشک جشن جمشید بنایا۔ ؎

جبتک کہ نہ دل کی بیکلی جائے
او دوا اُڑے والے گت چلی جائے

قوال نے لحن داؤدی میں وہ غزل چھیڑی کہ محفل بھر مست ہو گئی۔ ؎

کس نداد چو تو گلبانگ اسیری بلبل
زندہ گشتم ز سرود تو نفیری بلبل
نغمات آب حیات ست جوانی آرد
خضر خود شو چو رسد موسم پیری بلبل
سرخ شد گوش گل از زمزمۂ رنگینت
تشدی سبز باین تازہ صفیری بلبل
باغباں در چمن از بہر فریب آمدہ است
گرد ہر گل بتو زنہار نہ گیری بلبل
بے زبانان چمن زمزمہ در دل دارند
منگر جانب ایشاں بحقیری بلبل
بسر گل کہ بخواں در چمن بزم سخن
غزل چند ز طغرا بہ نظیری بلبل

بسنت کی رُت میں بھونرا کلیوں کا رس چوس چوس کر اتنا مست نہ ہوتا ہوگا جتنی وہ دلبر مہوش مست ہو گئی اس غزل کی لے اور قوال کی معجز بیانی اور خوش الحانی اور سامعین کی واہ واہ اور حاضرین کی سبحان اللہ نے محفل عشرت منزل میں وہ رنگ اتر جایا کہ چھوٹے بڑے سب کا ایک قسم کا حال آ گیا کسی کی آنکھوں سے جوئے اشک جاری کسی کا دل صید بیقراری۔ لٹا دیا۔ تڑپا دیا پھڑکا دیا رلا دیا ہر فرد بشر مصروف آہ و فغان تھا اور یہی شعر ورد زبان تھا ؎

کس نداد چو تو گلبانگ اسیری بلبل
زندہ گشتم ز سرود تو نفیری بلبل

میاں آزاد کے و۔ سمند عشق پر ایک اور تازیانہ ہوا اور خیال رنگین بہار جمال جانانہ ہوا۔ ؎

بیا ساقی امشب بہ میخانہ بیں
چراغاں و مینا و پیمانہ بیں
سپہر ست ایں کاخ فرخندہ پے
پر از جشن مرتب ز خمہائے مے
بود بادہ خورشید ایں آسماں
قدحہائے نورانیش اختراں
چہ بادہ صفا بخش صحن چمن
طراوت فروزان باغ سمن
غنی بیا سیر میخانہ کن
شراب سرودی بہ پیمانہ کن

شد از فیض میخانہ صحرا و شہر — مقام نشاط طرب ہائے دہر

بُت پندار۔ آپ کا مکان کس سرزمین میں ہی۔

آزاد

در تیرہ زمین ہند دلگیر شدم
وز غصّۂ این خاک سیہ پیر شدم

شاید بکفم گل جوانے آید — در فصل بہار سوے کشمیر شدم

بُت پندار۔ (خوش ہوکر) ؎

چہ کشمیر انتخاب ہفت کشور — قسم خوردہ بخاکش آب کوثر
فضائے نشۂ مستی ہوا یش — زمینے کا سمانہا خاک پایش
بنائے کعبہ دلہا ز خاکش — عروج نشۂ معنے ز تاکش
غبارش آب و رنگ چہرۂ گل — گیاہش دلربائے زلف سنبل
ہر جا سبزہ از خاکش دمیدہ — رُخ خوباں بہ پیشش خط کشیدہ
بخاکش سایۂ پرہائے بلبل — جواب یک چمن خندیدن گل
زلالش بادہ ساز مستی عشق — نسیمش روح بخش ہستی عشق
بتانش چوں ز روے مہر چو شند — شکر گویند گوہر می فروشند
بنور جلوۂ خورشید طالع — بہ تیغ غمزۂ برہان قاطع

وہی کشمیر نہ۔

آزاد۔ وہی۔

بت پندار۔ آپ کی شادی ہوگئی ہی۔

آزاد۔ نہ مگر ایک سمن برسے وعدہ ہوگیا ہی۔

بت پندار۔ وعدہ مصمم ہوا ہی نہ۔

آزاد۔ (آہ سرد بھر کر) ہاں۔

بت پندار۔ میں بھی کشمیری الاصل ہوں نظیر بیگم میرا نام ہی۔ ؎

بہار دیدہ نگاہ دیار کشمیرست — دو چشم چار بیک چشمہ سار کشمیرست

جسوقت میاں آزاد نے بیان کیا کہ ایک سمن برسے وعدۂ نکاح ہوگیا بس اُسی دم سے اُس بت پندار نے اختلاط کی باتیں کم کردیں۔ مگر میاں آزاد کے دل پر اُن سہی قدان سیم اندام اور اصنام گلفام کی پاکبازی اور حیا پروری کا نقش جم گیا۔ الغرض اُدھر۔ ؎

محفل میں گدگداتی تھی شوخی نگاہ کی
شیشوں سے آرہی تھی صدا قاہ قاہ کی

اُس رئیس عجاہ کیوان بارگاہ نے میاں آزاد کو روپیہ دینا مناسب نجانا مگر دل میں یہ ٹھانی کہ اس دخت سمن برحور پیکر کے ساتھ آزاد کا بیاہ ہوجائے تو عید ہی لیکن جب سنا کہ اسکا دل اسیر کمند طرۂ زلف حسن آرا ہی تو آہ سرد بھر کر دم بخود ہوگیا۔ جب وہاں سے رخصت ہوے تو اُس زہرہ تمثال مشتری خصال نے بصد حسرت کہا کہ پھر کبھی ملیے گا۔ اور یہ کہکر گھر میں چلی گئی۔ دروازے تک رخصت کرنے نہ گئی۔ ؎

درد داغش گر نہ رفتم احتیاج عذر نیست — دوست میداند کہ استقبال ہجراں مشکلست

آزاد۔ کیوں کچھ دیکھا۔

میرزا۔ دیکھا تو سب کچھ مگر سنا کم۔ چپکے چپکے باتیں ہوں تو بھلا کوئی کیا خاک سُنے۔ یہ کان کچھ گدکی آنکھیں تو ہیں نہیں۔

آزاد۔ پیار محبت کی باتیں ہوتی تھیں مگر تہذیب کے ساتھ قدم قدم پر ناموس و ننگ کا خیال تھا جب سنا کہ شادی نہیں ہوئی مگر ایک پری پیکر پہ دل آیا ہی بس اُسی وقت سے اُس گرماگرمی کو سرد مہری سے بدل دیا مگر لطف وہی رہا مگر جھجک کے ساتھ۔ اللہ ری پاکبازی سبحان اللہ۔ دیکھو کس درجہ اسکو عصمت اور عفت کا خیال ہی۔ ؎

زن نیک خوش سیرت و پارسا — کند مرد درویش را پادشا

میرزا۔ اسمیں کیا شک ہی۔ اگر ہم اس طرف بہتے ہوتے تو ہرگز آپکو اندر نہ آنے دیتے لیکن یہاں اسکا اصلا خیال نہیں اور بھئی ہے بھی ایک بھونڈی بات پردہ دل کا۔ دگر ہیچ ۔ نگاہ شوق رخنہ کرتی ہی دیوار آہن میں بہ خیر۔ گھر پہو نچے تو خوجی نے اپنی سرگذشت سُنائی مگر نمک مرچ لگا کر داستان کو چٹپٹا کر دیا۔

خوجی۔ حضرت ابکی میاں بہروپیے کا نسبل بنکر آئے تھے۔ جاگو جاگو پہلے پہر تو البتہ ذرا آنکھ لگ جاتی ہو۔ باقی رات بھر نیند ہی نہیں آتی ہو۔ خیر ہم سے اُس سے چت پٹ کی ٹھہری۔ گرداؤں پیچ ہوتے ہوتے میں نے ایک تختی بتائی تو حوض میں غڑاپ لگا غوطے کھانے گر میں اپنے زعم میں خود بھی آرہا تو دو سو شعر موزوں کیئے۔ ایک سے ایک بڑھکر۔ ؎

پلا ساقیا مالوے کی افیم	کہ ہے شوق گلگشت باغ نعیم

میرزا۔ (قہقہہ لگا کر) خدا کی قسم۔ اُس ساقی کا رنگ ہی نرالا ہے

آزاد اور میرزا صاحب اشعار آبدار حضرت بدیع سُنکر اُچھل اُچھل پڑے اور جب خواجہ صاحب نے فرمایا کہ۔ ؎

آدمی را آدمیت لازم ست	عود را گر بو نباشد آن بلا شک ہیزم ست

تو بڑی ہنسی ہوئی کہ۔ ع ایک مصرع کی بڑھ گئی ہے دم۔

خوجی۔ کہیئے پھر آپ علما کے جلسہ میں بھی نازل ہوے تھے یا اپنا سا منھ لیکر چلے آئے۔

آزاد۔ جی ہاں گئے کیوں نہیں تھے قاضی محمد عبد القدوس صاحب کی اسپیچ لیجیئے ملاحظہ فرمائیے۔

خوجی۔ اسپیچ کیوں۔ اسپاچ کہیئے یہی تو قاضی صاحب نے لکھا تھا۔

میرزا۔ تو حضرت وہ کوئی انگریزی داں تو ہیں نہیں۔ عربی خواں ہیں انگریزی الفاظ کی صحت سے انکو کیا واسطہ۔

آزاد۔ لیجیئے اسپیچ یا اسپاچ ملاحظہ فرمائیے میں پڑھتا ہوں ذری غور سے سنیئے گا۔ (جیب سے نکال کر)۔

اسپاچ مولانا قاضی محمد عبد القدوس صاحب مد ظلہ العالی

الحمد للہ الذی سواء الطریق وجعل لنا التوفیق خیر رفیق والصلوۃ علی خیر الانبیاء الذی اہرق دماء الجاحدین والاعداء واقام بنیۃ الشریعۃ السہلۃ اما بعد بر سالکان مسالک محبت و ارضائے باری و شیدائی ارکان اسلام و دینداری مخفی و محتجب نہ ہے کہ ابتدائے ابتدائے عالم اور بدو فطرت دنیا سے یہ قاعدہ چلا آتا ہو کہ جب کسی فیاض باخدا نے نشر امور خیر اور قطع امور بد کا قصد کیا ایک شریر ناخدا ترس اُسکی طرف سے مقابل ایسا ظاہر ہوا کہ جسکی ہمہ تن یہی کوشش رہی کہ اس شخص متبرک کی سعی جمیل کو رائیگاں اور ضائع اور اپنے خیالات واہیہ اور امور شر کو مشتہر اور شایع کیجیئے اور جس قدر وہ بندہ مقبول روز و شب اس بات کا داعی رہا کہ خلائق خدا کو وادی ضلالت سے نکال کر شاہراہ ہدایت میں لاؤں اسی قدر یہ شخص مطرود اس امر کا ساعی رہا کہ بندگان الٰہی کو ورطۂ جہالت و گمراہی سے باہر نہ نکلنے دوں چنانچہ حضرت آدمؑ کے مقابل میں شیطان لعین اور جناب ہابیل کے مقابل میں قابیل اور جناب ابراہیم کے مقابل میں نمرود اور حضرت موسیٰ کے مقابل میں فرعون ملعون اور جناب رسالتمآب کے مقابل میں ابوجہل متمرد قریش تھے مگر یہ امر قابل غور اور لائق امعان ہو کہ ہر چند بدوں اور شریروں نے نیکوں اور پاکوں کی محنت کو رائیگاں کرنا چاہا الا نیکوں نے ہدایت میں اصلا کوتاہی نہ کی اور راہ راست سے باز نہ آئے کما لا یخفی علی الفطن اللبیب روز و شب انواع و اقسام کے صدمات رنج و الم اپنے نفوس پاک پر برداشت کیے لیکن جس طرح ممکن ہوتا تھا اپنے دلی مقصود یعنی اشاعت امور خیر کو بہ حسن طریق انجام دیتے رہے۔ اس امر کے انجام دینے میں مصائب بے حد پیش آئے مگر اُنکے اقدام برکت التیام کو متزلزل نہ کر سکے اور اس مرحلۂ عظیم کے طے کرنے میں جو کار زار انکو درپیش ہوا یہ نہایت استقلال و غایت صبر بلا ملال سے طے کر دیا اور اپنے کام کے اتمام کرنے میں خواہ اپنا ہلاک نفس ہو یا اہراق دم اعدا ہو اسکا کچھ خیال نہ کیا۔ دیکھو شیدان ارکان شریعت اسلام کو کہ کس طرح انھوں نے اپنے اوپر مشقتیں جھیلیں اور اپنے کام کو انجام دیا۔ اہل و عیال کو چھوڑا وطن سے منھ موڑا غربت مسافر کو آرام و راحت پر ترجیح دی۔ حجاز و جبال و ریستان و ریگستان میں گھومے ممالک غیر میں شل اجنبی گئے۔ سر نذر کر دیا یہ سب مشقتیں راہ خدا میں اُن کو گوارا تھیں جب یہ حال تھا تو خداوند عالم نے بھی مدد کی۔ یہانتک کہ یہ اسلام جو اوائل میں مضمحل تھا روم میں شام میں عجم میں تاتار

میں افغانستان میں ہندوستان میں الغرض تمام عالم میں مشہور ہوا اور اُسکے شمس شہرت کی ضو نے ربع مسکوں کو منور کر دیا۔

بالفعل فرقۂ روسیہ شقت خصلم کے تنور سینہ میں نائرہ حسد و بغض اسقدر ملتہب و مشتعل ہے کہ آمادہ و مہیا اس امر پر ہوے کہ اس دین مبین کی تخریب کیجیے حتی کہ بانواع حیل و دغا خلیفۂ وقت پر اُنھوں نے خروج کیا۔ لہٰذا ہر عبد مسلم کو سزاوار و انسب و احسن ہے کہ سیوف خونش غلاف و خار اشکاف کو نیام ظلم و البتام سے نکال کر تنبیہ اعدائے دین میں سعی مشکور اور کوشش موفور کرے کہ یہی موقع اذخار ثواب اخرویہ انام اور اعانت اسلام کا ہے ورنہ۔ ۶

عروج بر فلک سروری بدشوار یست ٭ کلام ہدایت فرجام جناب ختمی مآب علیہ السلام کا بھی یہی ماحصل ہے اوّل تو ہر عبد مسلم پر فرض ہے کہ حضرت ملا جلال الدین محقق حقائق باکمال و منطقۃ البروج بلند خیال کے کلام ہدایت التیام پر نظر ڈالے۔ رجعنا من الجہاد الاصغر الی جہاد الاکبر یعنی باز گشتیم از غزائے کوچک بغزائے بزرگ گفتند کہ غزائے بزرگ کدام ست فرمود کہ جہاد نفس خود کہ اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک و اگر بافراط غضب دوارث کیفیت نیز منعم خود بکیدانات عجم تشبیہ نمودہ یا بہائم و جمادات چوں ظروف و آلات داشتہ ہمیں طریقہ پیش گیرد و تعرب با بہائم و قتل امثال کبوتر و گربہ تشفی جوید اگر قفل قلم ملائم طبع او نیاید با قفل بر حسب استعجال او نکشاید آنرا بشکنند و دیوار صفت بد تمام تا فرجام برآید غایت رذالت باشد چنانچہ از بعضے ملوک سابق کہ بہ تہور مسوقت بود و منقول ست کہ چوں کشتی او از شعور دریا دیر تر رسیدی بر دریا خشم گرفتی و نو دہیا بار ریختن آب و انباشتن بکوہیا تہدید نمودی و حکم او علی بشکنی از بعضے سفہا نقل کردہ کہ بسبب آنکہ چوں شب در ماہتاب خفتی رنجور گشتی بر ماہتاب خشم گرفتی و در دشنام او اقدام نمودے و او را ہجو ہہائے او اوہ مدہ مشہور ست و الحق بدین شیوہ بکلاب تشبیہ ست۔

اے سامعین بلند مکان ذوحام زمین و للاتسان فحیصل اعانت اسلام ہی تاکہ حضرت خاقانی خلیفۃ الرحمانی قدر قدرت سلطان المعظم عمر اللہ ملکہ الے یوم النشور کے اعدائے روسیہ سے غزائے بزرگ میں شریک ہو کر اپنے نفس پاک کی سچائی کا ثبوت کامل دیں اور عند اللہ ماجور عند الناس مشکور ہوں۔ بس بموجب حدیث الدال علی الخیر کفاعلہ حضرت مولانا محمد آزاد صاحب نے عزم بالجزم کیا ہے کہ روم جائیں اور تشدید بنائے دولت علیہ کیلیے اہل روم کا ہاتھ بٹائیں جناب باری ہر مسلمان مسلم ایمان کو توفیق خیر عطا کرے آمین۔

سامعین۔ (بآواز بلند) آمین۔ آمین۔ آمین۔

خوجی۔ افسوس ہے کہ ہم وہاں نہ تھے۔

میرزا۔ خوب ہوا کہ آپ نہ تھے۔ ورنہ آپ اُس آمین کی آواز پر چونک پڑتے اور داو گیدی کی ہانک لگاتے کبھی قرولی چمکاتے کبھی قرابنچہ نکالتے کسی کو بہروپیا بناتے۔ کسی کو آنکھیں دکھاتے۔ آپ کہیں لیجانے کے قابل تھوڑا ہی ہیں۔

آزاد۔ اسپاچ تو سُن لیجیے۔ آپ تو بات کاٹے دیتے ہیں۔

خوجی۔ ابھی اسپاچ ختم ہی نہیں ہوا۔ اسپاچ یا اسپاچ کا جدامجد۔ یا اسپیچوں کی خالہ۔ اچھا صاحب فرمائیے۔

بقیہ اسپیچ مولانا محمد عبدالقدوس صاحب

اور از انجا کہ ہماری سرکار ابد قرار کہ عبارت ہے سرکار انگلشیہ سے سلطنت رفیعہ عثمانیہ کی دوست ہے اور اہل اسلام کی بہی خواہ اور جنگ قرمیہ میں بھی ممد و معاون رہی ہے پس اور بھی موقع ہمدردی ہاتھ آنا حاصل ہے یہ امر باعث خوشنودی حکام و موجب رضامندی گورنمنٹ عالی مقام متصور ہے۔

خوجی۔ ذری ٹھہر جائیے گا۔ یہ قرمیہ کیا معنی۔

آزاد۔ جنگ کریمیا سے مراد ہے۔ کریمیا میں بڑی جنگ ہوئی تھی نہ۔

میرزا۔ کیا خوب کریمیا کی خرابی قرمیہ۔ ملی ماڑں کا محلہ دہلی میں ہے اُس کو بعض حضرات علماء گربہ کشاں لکھتے ہیں اور اکثرے ہیں ایک مالہ ہر گز کی منڈی اُنکو منڈی قند سیاہ لکھتے ہیں اور کالے سنگھ پیلی کو ایک عربی خوان نے

اسد الاسود لکھا تھا اور بھنڈی بازار کو ایک مولانا صاحب نے سوق البھنڈی بنایا۔ لاحول ولا قوۃ۔

آزاد۔ باقی مانده بھی لگے ہاتھوں سن لیجیے۔

خوجی۔ اللہ اللہ ابھی کچھ اور بھی باقی ہو۔ معاذ اللہ یعنی مولانا آزاد صاحب واللہ ہمیں لطف خاک بھی نہیں حاصل ہو سکتا۔ گل نہ بلبل بادہ نہ گل۔ صراحی نہ قلقل۔ افیم کی پیالیاں ہوں۔ پینک ہو۔ متوالیاں ہوں۔ ہو نشے پر چا تو تیز ہو نشے سے رستخیز ہو۔ سنرو چمن ہنستے گھٹیں۔ چہل پہل ہو قہقہے ہوں چہچہے ہوں کہنے لگے صاحب الدال علی الخیر۔ اور خدا جانے۔ کیا حضرت ہم نہ سنینگے۔ تضییع اوقات۔

میاں آزاد اور میرزا صاحب اور خوجی گھر پہونچے۔

بیگم۔ اونھ۔ اونھ۔ آج تو دماغ ہی نہیں ملتے۔ دونوں کے دماغ عرش پر ہیں پارسی کے یہاں کیا پایا۔ کیا دیکھا جو باچھیں کھلی جاتی ہیں۔

میرزا۔ (ہنس کر آزاد سے) کہہ دوں۔ جو کہیں حسن آرا کو پائیں نہ تو غضب ہی ہو جائے۔

آزاد۔ سبحان اللہ آپکو بیٹھے بیٹھے لڑانا تو خوب آتا ہو واللہ مانتا ہوں استاد (بیگم سے) آپ کے سر کی قسم جو اُسکی کچھ بھی اصلیت ہو یہ ناحق ٹھائیں ٹھائیں کرتے ہیں۔ بیٹھے بٹھائے۔

بیگم۔ (تنک کر) جی ہاں درست ہو۔ کچھ ہو نہیں تو آپ شرمائے کیوں جاتے ہیں یہ دیکھیے یہ باتیں اچھی نہیں۔

آزاد۔ خدا گواہ ہو کہ۔

بیگم۔ اے تو قسمیں کاہے کے واسطے کھاتے ہو۔

آزاد۔ کسی طرح آپ کو یقین بھی آئے۔

بیگم۔ جی بجا قسموں کو کوئی اور یقین کرتے ہونگے۔ کسی اصلی گوارن کو دم دیکھیے گا آخر یہ بات کتنی کیا۔ یار نہیں ہوتی تو قبول صورت ہیں وہ جو سبحان علی خاں کشمیری تاجر کی لڑکی کو گھوڑے اپنی لڑکی بنایا ہو اُسی کو دیکھا ہو گا

خیر میرزا صاحب نے سبب کہا کہ بیوی کچھی ہوئی ہیں تو گرمی ہوئی بات بنائی۔

خوجی کی حماقت

ذرا خواجہ بدیع صاحب کی قطع مبارک دیکھیے گا۔ واللہ اس وقت تو فوٹوگراف اُتارنے کے قابل ہیں۔ نہوا فوٹو۔ افسوس صبح کا وقت ہو حضرت خوجی گاڑھے کی ایک لنگی باندھے ہوئے کٹیا پیپل کے درخت کے سایہ میں بچھائے او گھ رہے ہیں گر گُرگُڑی بھی ایک ہاتھ سے تھامے ہیں جاہے پیُں نہ نگر چلم پر کوئلے دہکتے ہیں سر زمین دوز ہو گویا اپنے حساب سجدہ کر رہے ہیں۔

ز خاک آفریدت خداوند پاک		پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک

اتفاق وقت چیل نے درخت پر سے بیٹ کر دی چونکے اور چوب ہی آگ ہو گئے بہت ہی اُچھلے کودے پھاندے اور شاغل مچایا کہ محلہ کو سر پر اُٹھایا۔

خوجی۔ ہات ترے گیدی کی مرد کتنے ہیں بھی کوئی وہ سمجھ لیا ہو (درخت کی پھننگی کی طرف نظر کر کے چیل کی طرف مخاطب ہوئے) اور سنئے آج چیل بنکر آیا ہو۔ قرولی تو وہاں تک اثر نہ کریگی نہوئی پتھر کلا اسوقت توڑے دار بندوق ہوتی تو وہ تاک کے نشانہ لگاتا کہ یاد ہی کرتا مردود۔

آزاد۔ یہ کس پر گرم ہو رہے ہو خواجہ صاحب۔

خوجی۔ اور او پر سے پوچھتے ہو کس پر گرم ہو رہے ہو۔ گرم کس پر ہونگے۔ اُسی ابر شپے پر وہی جو مولانا عبد القدوس بنکر آئے تھے وہی جو بیوی بن کر ہمکو جھپٹے بھاگے تھے وہی جو سپاہی بنکر زاہد کی دکان پر اٹھا آئے تھے۔

میرزا۔ پھر اب کچھ تدارک تو کیجیے۔

خوجی۔ تدارک کیا خاک کروں میں تحت الثریٰ میں وہ فلک الافلاک پر کتا تو ہوں کہ توڑے دار بندوق منگوا دیجئے تو پھر دیکھیے کیسا نشانہ لگاتا ہوں تاک کر۔ مگر آپکو کیا پڑی ہو۔ جائیگی تو میرے بیچارے کے ماتھے ہی۔

میرزا۔ ہم بتائیں زینہ منگائیں اور آپ پیڑ پر چڑھ جائیں آہ خبر گیدی بھاگ کر جائے گا کہاں۔

خوجی۔ (اُچھل کر) واہ واہ۔

آزاد۔ خوب سوجھی۔

میرزا صاحب نے آدمی سے کہا کہ بڑا زینہ اندر سے لے آؤ مگر جلد لانا ایسا نہ ہو کہ بیٹھ رہو۔

خوجی۔ ہاں میاں اسی ساعت آنا میرا یار دیکھو ایسا نہ ہو کہ گیدی بھاگ نکلے۔

آدمی۔ (دروازہ کے پاس سے) زمین۔ زمین۔ ہوا زمین۔

زمین۔ کچھ کہو گے بھی یا زمین ہی زمین رٹتے جاؤ گے پہاڑی مینا کی طرح سے

آدمی۔ تو کوئی پکارے تو بولنا قسم ہے مگر تنگنا کوئی اس سے سیکھ لے۔

پردہ کرادو میاں ذری سیڑھی مانگتے ہیں۔

بیگم۔ یہ سیڑھی کیا ہوگی۔

آدمی۔ حضور وہی جو شتران ہیں خفقان۔ وہی میاں۔ انہوں نے کہیں چیل نے بیٹ کر دی بس اب جھک باندھنا شروع کی کہ بہروپیے کا کام ہے۔ سو اب سیڑھی لگا کر پیڑ پر چڑھیں گے ذری پردہ کر دیجئے۔

بیگم ہنسوڑ عورت اور کمسن خوب ہی کھل کھلائیں اور فوراً مہتابی پر داخل۔ واہ ری کمسنی واللہ شباب اور الھڑپن کا کچھ رنگ ہی اور ہے۔ امنگ ہی اور ہے۔ یہ بیگم صاحب کھلی جاتی ہیں اور زمین کو للکار رہی ہیں کہ اس سے کہو جلد ہی سیڑھی لیجائے۔ مہتابی پر کھڑی سیر دیکھنے کی مشتاق ہیں۔ آپی دوپٹہ کھسکا جاتا ہے۔ اللہ رے چلبلے پن جوڑا کھلا پڑتا ہے ٹاٹ باف اوگی پاؤں سے نکلی پڑتی ہے۔ پازیب کی چھاچھم نے شور محشر بپا کیا ہے۔ اللہ اللہ آج تو مہتابی پر دن دہاڑے چاند نے مکھڑا دکھایا ؎

چرخ نیلی ہے بہت اپنی تحقق پر نازاں	لب بام آن کے تو بھی تو کمک یا دکھلا

مارے ہنسی اور جوش اشتیاق کے گدرے گدرے گال تمتمانے لگے۔ اتنے میں زینہ لیکر خدمت گار جا پہنچا۔ میاں خوجی نے کمر کسی افیم کی ڈبیا جیب میں رکھی مگر پھر سوچے کہ یہ روگ ہے حال لگی باز۔ کہیں دل لگی دل لگی میں ڈبیا اڑا دیں تو اپنا کام ہی تمام ہو جائے۔ پھر جیب میں رکھ لی اور کانپتے ہوئے زینے پر چڑھنے لگے قدم ڈگمگاتے ہیں جب آخری زینے پر پہنچ کر درخت کی ٹہنی پر بیٹھے تو چیل کی طرف رُخ کر کے کہا کہ گانس لیا گانس لیا پھانس لیا پھانس لیا۔ بہت تیرے گیدی کی نے میں میں بھی کلے پر آن پہونچا اب جاتا کہاں ہے بچہ آج ہی تو پھنسے ہو روز پھانسے دے دیکر اُڑنچھو ہو جایا کرتے تھے ہونہہ! کیا ہم کو نرم چارہ سمجھے تھے اب سوچو تو جاؤ گے کدھر سے لے آیئے بس اب چوٹ کے سامنے میں نے بھی قرولی تیز کر رکھی ہے۔ اتنے میں پیچھے پھر کر جو دیکھتے ہیں تو زینہ غائب۔ یا جل جلالہ لگے سر پیٹنے۔ ادھر چیل پھر سے اُڑ گئی اب یہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے اب۔ بیگم صاحب نے جو یہ کیفیت دیکھی تو کھل کھلا کر ہنس پڑیں ایسی خوش ہوئیں کہ زور زور تالیاں بجانے لگیں

خوجی۔ یہ میرزا صاحب کہاں گئے ذری چار آنکھیں تو کیجئے ہم سے آخر ہم کو آسمان پر چڑھا کر غائب غلہ کہاں ہو گئے تدبیر بتاتے ہی نہیں بڑے دہ بن کے آئے تھے وہاں سے ایسے یار کوئی سانس ڈکار ہی نہیں لیتا (غل مچا کر) ارے میاں آزاد۔ میرزا صاحب۔ لے زمین ارے کوئی ہے یا سب مر گئے خدا سمجھے ان موذیوں سے آخر ہم کب تک یہاں ٹنگے رہیں ارے یار کچھ خوف خدا بھی ہے واہ بہروپیے کے دھوکے میں اچھا ہم کو اُلّو بنایا کہ چیل کو بہروپیا کر کے دکھایا آخر یہ سب کے سب بہرے ہو گئے اے میاں آزاد اجی میرزا جی کوئی بولتا ہی نہیں۔ بی زمین۔

بیگم۔ (مہتابی پر سے قہقہا لگا کر) اللہ کرے پینگ آئے۔

خوجی۔ (چونک کر) یہ کون بولا (مہتابی کی طرف دیکھ کر) واہ حضور آپ کو تو الٹی ندی دعا دینی چاہیے

بیگم اور میاں خوجی کی چار آنکھیں جو ہوئیں تو اس دلبر سیمتن گل رخ غنچہ دہن نے ایسی زعفران کہی کہ تڑپتے رادنی کے اوٹ میں ہو رہی گویا نیچے اُچھلا بدن کو چرائے ہوئے کہ نامحرم کی نظر نہ پڑے۔

اب خوجی کی سنئے کہ حضرت نے شعر خوانی شروع کر دی۔

دیدم امروز پری چہرہ نگارے عجبے	گلعذارے عجبے بو دبہارے عجبے
کافرے غارت گر ایمان من	دلبر من جان من جانان من
آفت دیں دشمن زہد و ورع	بازغا کالشمس من نائی طلع

یک قبائے تنگ در بر زلف افشاں — حلقہ در پا خود شوخ دامن کشاں
کاکل شکنش و در پیچ و تاب — نرگس شہلاش مست نیم خواب
زلف آگفتہ سمن سائی کند — قتل عامی از خود آرائی کند
عشوہ ہا را دلبرے آموختہ — چشم را جادو گرے آموختہ

میاں آزاد سوچے کہ خوجی اچھی آدمی۔ ایسا نہ ہو پاؤں ڈگمگا جائے یا پینک آئے تو مفت کا خون ہماری گردن پر ہو۔ بس اب ٹل گئی ہو چکی اور وہ سمجھ بھی گئے کہ یاروں کا فقرہ ہی فقرہ تھا۔ بھتّے دیدے کے ہکو بیڑ پر بھیجا چیل کو بہروپیا بنا دیا اور ہمیں اُلو۔ ادھر ہکو بیڑ کی دھن سمائی اُدھر حضرات نے سیڑھی کھسکائی۔ اب جائیں تو کہاں جہنم میں۔ میرزا صاحب نے آدمی کو حکم دیا کہ زینہ لگاؤ۔ بیگم نے جو سُنا تو ہزاروں قسمیں جتانی پر سے دیں اور انتہائی بیقرار ہوئیں۔ پھر آپ جانیئے نواب اور خوجی اُس پر طرہ۔

بیگم۔ ہماری ہی ہتیا کھائے جو زینہ لگائے۔ ہمیں کو ہو ہو کرے جو خوجی کو اُتارے۔ اللہ کرے آندھی آئے ٹہنی پھٹ پڑے۔

میرزا۔ دیکھو چپ رہو راہ چلتے سب باتیں سنتے ہیں۔ تم جتانی پر ہم یہاں یہ غل مچانے کا کون موقع ہے بھلا۔

بیگم۔ اللہ کرے زلزلہ آئے درخت جڑ سے ہل جائے۔

خوجی۔ جی اور کیا۔ یہاں ہڈیاں چور ہو جائیں۔ گرتے ہی عدم کی راہ لیں۔ آپ کی ایک ادنیٰ سی ادا ہے۔

بیگم۔ اس وقت تو پیپل پر کا بھتنا معلوم ہوتا ہے۔

خوجی۔ میاں آزاد بس یہی باتیں تو بُری معلوم ہوتی ہیں۔

آزاد۔ گھبراؤ نہیں زینہ لینے گیا ہے۔

خوجی۔ ابھی یہاں جان پر بن آئی ہے۔ آپ کو گھبرانا سوجھتا ہے۔ خیر آدمی زینہ لایا اور خوجی درخت پر سے اُترے۔

تھانہ دار کی شرارت

باغ دلکش میں میاں آزاد اور خوجی اور میرزا صاحب چہل قدمی کرنے لگے خواجہ بدیع صاحب جھلا کر بہروپیے کو گالیاں دے رہے تھے کہ اتنے میں ایک آدمی نے آن کر میرزا اسد بیگ کو سلام کیا۔

میرزا۔ بندگی آج تو بعد مدت آئے سلاری۔ کہاں رہے اتنے دن تک۔

سلاری۔ (ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے)۔

میرزا۔ کیوں کیوں خیر باشد۔

سلاری۔ کچھ نہ پوچھیے (رو کر) عزت و ذلت سب خاک میں مل گئی۔

میرزا۔ افسوس۔ مگر کچھ بتاؤ تو۔

خوجی۔ افسوس کی ایک ہی کہی حال سنا ہی نہیں اور ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگے اچھے اچھے سب تکے یہاں جمع ہیں۔

سلاری۔ کیا بتاؤں کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔

خوجی۔ بس کہی ڈالو میاں یہاں بیٹھیں چڑے چھوٹے ہوئے ہیں۔

سلاری۔ حضور پرسوں میرا داماد میری لڑکی کو لیے ہوئے اپنے گاؤں جاتا تھا جب تھانے کے قریب پہنچا تو تھانہ دار صاحب گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں جاتے تھے انکو دیکھتے ہی باگ روک لی اور بات چیت ہونے لگی

تھانہ دار۔ تم کون ہو۔

رحیم بخش۔ (اُسکے داماد کا نام تھا) میں چٹھی رساں ہوں۔

تھانہ دار۔ کہاں جاتا ہے۔

رحیم بخش۔ اپنے گاؤں۔

تھانہ دار۔ یہ تیرے ساتھ کون ہے۔

رحیم بخش۔ میری عورت۔

تھانہ دار۔ تم نوکری کروگے چھ روپیہ مہینا ہم تم کو دیں گے۔

رحیم بخش۔ حضور میں سات روپیہ پاتا ہوں۔

تھانہ دار۔ اچھا سات ہی روپیہ دیں گے۔

رحیم بخش۔ حضور میں نوکری نہ کروں گا۔

تھانہ دار۔ بدمعاش تم غریب آدمی ایسی مہ پارہ کہاں سے پا گیا یہ حسین

عورت تمھاری بیوی نہیں ہو سکتی - سچ بولو یہ کون ہی اور تم اس کو
کہاں سے بھگا لائے ہو - بدمعاش -
رحیم بخش - بدمعاش کوئی اور ہوگا - یہ بیشک میری جورو ہے -
اب آپ مجھ کو نہ روکیں بس -
تھانہ دار - (چابک اٹھا کر) سور ہم تمھارا چالان کر دیں گے -
تمھاری ایسی قسمت کہاں کہ یہ جمیلہ تم کو ملے - اگر تم ہماری نوکری کرو
تو اچھا ورنہ ہم ابھی ابھی چالان کرتے ہیں -
رحیم بخش - اچھا اندھیر مچایا -
تھانہ دار - (عورت سے) تم کون ہو بولو -
رحیم بخش - صوبہ دار صاحب - آپ مجھ سے باتیں کیجیے میری بیوی سے نہ بولیے
تھانہ دار - (عورت سے) ہم سے صاف صاف کہدو تم اس کی کون ہو -
کانسٹبل - (عورت سے للکار کر) بتاؤ بتاؤ صوبہ دار صاحب کیا پوچھتے ہیں
وہ بیچاری مارے شرم کے گڑی جاتی تھی - گردن جھکا کر تھر تھر کانپتی تھی -
پسینوں میں عرق عرق تھی - غریب کی جورو تھی غریب کی لڑکی تھی مگر حیادار
اسوقت اسکا عجب حال تھا اور اپنے دل میں سوچتی تھی کہ اگر زمین میں گڑھا ہو جاتا
تو میں دھنس جاتی - کانسٹبل الگ للکار رہا ہی اور تھانہ دار الگ کلے پر سوار -
تھانہ دار - یہ دونوں بدمعاش ہیں -
رحیم بخش - میرے ساتھ کسی سپاہی کو میرے گانوں تک بھیجد یجیے
معلوم ہو جائے کہ یہ میری بیاہتا جورو ہے یا نہیں -
تھانہ دار - عجیب بدمعاش مجھ سے بہت باتیں نہ بنا - میں بدمعاشوں کی
آنکھ پہچانتا ہوں کہ یہ شخص بڑا مردک ہی - تم کہاں کے ایسے خوش قسمت ہو کہ
ایسی پری جسم تمھارے ہاتھ آئی - یہ سب بناوٹ کی باتیں ہیں -
کانسٹبل - ہاں صوبہ دار صاحب یہی بات ہی -
تھانہ دار - (گھوڑے سے اتر کر) الگ الگ انکا اظہار لیا جائے
رحیم بخش - یہ نہ ہو نیکا گانوں کی کسی عورت کو بلوائیے اور اس سے
کیجیے پوچھ لے -
کانسٹبل - ہوں یہ نہ ہونے کا - ایسے بڑے تیس مار خاں بنکر آئے ہیں -
تھانہ دار عورت کو ایک درخت کی آڑ میں لیگئے اور کانسٹبل رحیم بخش کو تھوڑی
دور پر - مگر اتنا سا سنا تھا تاکہ رحیم بخش کو کسی قسم کا شک نہ ہونے پائے -
تھانہ دار - (عورت سے) آپ کون ہیں بی صاحب -
عورت - (گردن جھکا کر) انکی عورت -
تھانہ دار - کن کی - اسی چٹھی رساں کی - ؟
عورت - جی ہاں -
تھانہ دار - تو ذرا گردن تو اٹھائیے - چاند سا مکھڑا تو دکھائیے - بھلا تم اس
چرکٹے کے قابل ہو - خدا نے چہرہ تو نور سا دیا ہی لیکن شوہر تو لنگور سا
دیا ہی - ایک صلاح دیں مانوگی -
عورت - (رو کر) مجھے وہ لنگور ہی پسند ہی -
تھانہ دار - ذرا ادھر تو ایک نظر دیکھ لو کیا پری چہرہ ہی خدا کی قسم -
ایک جھلک ایک ادا ایک ناز نے قتل کر ڈالا - غارت گر دین و ایمان ہو
کہا مانو اسکو چھوڑ دو اور ہماری ہو -
عورت - (جھنجھلا کر) خدا کرے میں مر جاؤں -
تھانہ دار - دشمن دشمن - تمھارے دشمن - اچھا اسوقت تم کیا چاہتی ہو
عورت - موت -
تھانہ دار - خدا نہ کرے آخر اسقدر خفا کیوں ہو - میں تو ادب کے ساتھ
دور کھڑا ہوں -
عورت - ایسے ادب پر بجلی پڑے - بس اب مجھے جانے دو -
تھانہ دار - کیا مجال اب تو ہماری نظر پڑی جانا کیسا اور آنا کیسا -
ادھر تھانہ دار صاحب تو یہ اظہار لے رہے تھے ادھر کانسٹبل
کچھ اور ہی پٹی میاں رحیم بخش کو پڑھا رہے تھے -
کانسٹبل - بھئی سنو صوبہ دار کے سامنے تو میں انکی سی کہہ رہا تھا - اور

نہ کیسے کیوں افسر ہیں، کہ باتیں اور پھر افسر بھی کیسے کہ جلاد۔ ذرا سی بات پر ناک بھوں چڑھانے کو مستعد۔ سنیئے انکی نیت خراب ہو اور یہ بڑے پیچھے ہوئے گرگے ہیں تمہاری بیوی بڑی خوبصورت ہیں یہ انپر ریجھے ہوئے ہیں جب ہی تو کہتے تھے کہ نوکری کر لو بڑا بدمعاش ہی۔ خدا اس مردم آزار سے سمجھے۔ ایسا ملعون تو دیکھا ہی نہیں اب تم کسی تدبیر سے اپنی جورو کو لے کر چل دو۔

رحیم بخش۔ اور کچھ نہیں بس میں سمجھ گیا کہ پھانسی ضرور پاؤں گا سولی پر چڑھایا جاؤں گا اور چاہے جو ہو لیکن اس تھانہ دار کو قتل کرونگا تب مرونگا۔ ابتو چاہے یہ مجھے جانے دے یا نہ جانے دے میں بے قتل کیے ہوئے تو نہ رہونگا۔

کانسٹبل۔ ہاں پھر حمیت اور مردمی تو اسی میں ہو مگر ذرا سمجھ بوجھ کے کام کرنا چاہیے۔

رحیم بخش۔ اب آخر بے عزتی میں باقی کیا رہ گیا۔

کانسٹبل۔ بیشک تمہارے تیور کہے دیتے ہیں کہ تم ہی انھیں ٹھیک بناؤ گے اور یہ ہے اسی لائق۔

تھانہ دار۔ سپاہی۔ سپاہی۔

کانسٹبل۔ حضور آیا۔ حکم۔

تھانہ دار۔ یہ کہتی ہیں کہ یہ شخص بھگا لایا ہی۔

عورت۔ جس نے کہا ہو اُسپر آسمان پھٹ پڑے۔

رحیم بخش۔ اب آپ کی مرضی کیا ہی۔ جو ہو صاف صاف کہہ دیجئے تو میں معاملہ ہی بھگتا دوں۔

تھانہ دار۔ ان دونوں کو تھانے پر لے چلو۔

رحیم بخش اور اُسکی عورت اور تھانہ دار اور کانسٹبل تھانے پر پہونچے تو وہاں کے سپاہیوں نے آپس میں باتیں کیں کہو بڑا صاحب کو کوئی شکار مل گیا ہو لائے پھانس کے کسی کو بڑا جھنڈے تلے کا شہدا ہے بھئی اوہ اتنا بڑا اپنی تو دیکھا نہ سُنا ذرا دیکھیے تو۔ باچھیں کھلی جاتی ہیں ریشہ خطمی ہوے جاتے ہیں جوڑا گلگیر و۔

خیر تھانہ دار صاحب ایک کرسی پر ڈٹ گئے اور اس عورت سے کہا کہ ہمارے سر کی قسم تم اُس سامنے والی کرسی پر بیٹھو۔ اب خیال کیجئے کہ اگر بہت عورت کنویں تک پانی بھرنے بھی جائے تو گھونگھٹ کا طلسم نہ ٹوٹنے پائے تھانے پر اتنے آدمیوں کے سامنے بیوجہ بے سبب جانا کیسی بے آبروئی کی بات ہو اور جب کسی پاکباز کو معلوم ہو جائے کہ ایک شریر النفس کی نیت میں بدی ہی تو اسکا کیا حال ہوگا۔ کانسٹبل جھک جھک کر دیکھ رہے تھے اور وہ بیچاری دم بخود گردن جھکائے ہوے بُت کی طرح کھڑی ہی۔

تھانہ دار۔ اس بدمعاش کو ہمارے پاس لاؤ۔

رحیم۔ فرمائیے۔

تھانہ دار۔ تم دس برس کیلیے بھیجے جاؤ گے پورے دس برس کے لیے۔

رحیم بخش۔ جب کوئی جرم ثابت ہو جائے۔

تھانہ دار۔ ہاں آپ قانون داں بھی ہیں خیر تو اب ہم ضابطہ کی کارروائی کریں۔

رحیم بخش۔ یہ کل کارروائی ضابطہ ہی کی تو ہی جو ہو رہی ہی اس سے بڑھ کر ضابطہ اب اور کیا ہوگا بھلا خیر۔ اسوقت تو آپکے بس میں ہوں جو چاہے کیجئے مگر میرا خدا سب دیکھ رہا ہی۔

تھانہ دار۔ (قریب بلا کر) تم ہمارا کہا کیوں نہیں مان لیتے۔ ہم بس اتنا چاہتے ہیں کہ تم نوکری کر لو اور اپنی جورو کو لے کر یہاں ہی رہا کرو اسمیں ہرج کیا ہی بھئی آخر نوکری پیشہ تو۔

رحیم بخش۔ آپ سے میں اب بھی عاجزی سے پیش آتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ اس خیال خام سے درگذر کیجیے ورنہ بات بڑھ جائے گی اور آپکی جان پر بن آئے گی بس اب ماننے نہ ماننے کا اختیار ہی۔

اتنے میں کسی نے آن کر پیچھے سے رحیم بخش کی مشکیں کس لیں اور کمل ڈالکر سیدھے اُدھر تھانہ دار صاحب نے کانسٹبل کو اشارہ کیا اور وہ اُس بیچاری کو لیکر چلا

اب رات کا وقت ہے کوئی دس بج گئے ہیں ایک کمرے میں تھانہ دار اس پری وش کے قدموں پر گر پڑا اُس نے ایک ٹھوکر دی اور جھپٹ کر اس تیزی سے بھاگی کہ تھانہ دار کے ہوش و حواس فو ہو گئے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے کانسٹبل بھی منہ ہی دیکھتے رہے۔ اُنھوں نے عمداً چشم پوشی کی کہ بھاگ جائے تو اچھا اب غور کیجئے کہ کمسن عورت زیور پہنے ہوئے پردیس کا واسطہ راہ سے ناواقف اندھیری رات۔ میاں گم۔ ساتھی غائب تھانہ دار عاشق کانسٹبل چور۔ سوچی کہ یا الٰہی جاؤں تو کدھر جاؤں اور کروں تو کیا کروں عجب مصیبت میں جان ہے۔ اگر بوڑھی کھوسٹ ہوتی تو خیر جہاں چاہتی چلی جاتی۔ بیدھڑک گھوما کرتی مگر جوانی کا عالم اور پری جسم ستم پر ستم۔ جنکی پناہ لے وہی دغا دے جائے ماندن نہ پائے رفتن کبھی میاں کی مصیبت پر آٹھ آٹھ آنسو روتی کبھی اپنی حالت زار پر کف افسوس ملتی خدا ایسا وقت کسی کو نہ دکھائے خیر افتاں و خیزاں ٹھوکریں کھاتی زیور کو چور اور چہرہ کو تہ زور سے چھپاتی گلیوں گلیوں جاتی تھی۔ ایک مقام پر تلنگے نے جو پانوں کی آہٹ پائی تو ایک ڈانٹ بتائی۔ کون۔ کون۔ کون جاتا ہے چھپا ہوا۔ اُف کیا برا وقت ہے الاماں اب فرمائیے وہ نازک وہ کمسن گلعذار اس تیرہ و تار میں چوکیدار کو کیا جواب دے۔ بدن تھر تھر کانپنے لگا۔ ہاتھ پانوں سرد رنگ زرد۔ چوکیدار نے پھر للکارا۔ مگر صدائے برنخاست تب تو اسکا ماتھا ٹھنکا کہ کچھ دال میں کالا کالا ہے چور ہے کوئی۔ قریب آکر پوچھا کہ کون ہے اس نے لب سیم غبغب نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ میں ایک عورت ہوں راستہ بھول گئی ادھر نکل آئی۔ اندھیری رات رہ اچھی طرح نظر نہ آئی کانسٹبل نے پوچھا کہ کہاں جاؤگی۔ ارے غضب اب فرمائیے کیا بتائے۔ کسی محلے کو کیا جانے گڑگڑانے لگی وہ تاکتا ہی ہو بند۔ ہم سے فقرہ بازی۔ راہ بھول گئی۔ چل تھانے اُف ستم ستم۔ تھانہ کا نام سنتے ہی روح فنا ہوئی کہ جہاں سے بچ کر نکل آئی اب پھر وہیں کا اُسنے نام لیا کانسٹبل نے کہا اب سوچتی کیا ہے چل یا کچھ دے یہ کان میں کیا پہنے ہے کرن پھول ہے۔ بس یہی نکال دے اس وقت کرن پھول عزت کے مقابل میں اس کو پیارا نہ تھا جھپ سے

کرن پھول کان سے نکالا وہ اُسے خوش لے کیا اُلٹے پانوں اُس گلی سے بھاگی تو چلتے چلتے ایک مقام پر کیا دیکھتی ہے کہ ایک مرد درخت کے پاس کھڑا کہہ رہا ہے کہ کل صبح کو چھری تیز کروں گا۔ قریب جو گئی تو وہ اُسکے اور وہ اُسکے گلے لپٹ گئے وہ مرد کون تھا وہ رحیم بخش تھا اسکو کانسٹبلوں نے دوریجا کر ایک مکان میں بند کر دیا تھا مگر کانسٹبل کی آنکھ ذرا جو گئی اور وہ دیوار پھاند کر دھم سے زمین پر کود پڑا اس درخت کے پاس میاں بیوی میں مڈبھیڑ ہوئی۔ بیوی نے اپنا سب حال سنایا اور میاں نے اپنی بپتی بیان کی صبح کو رحیم بخش نے اُس تھانہ دار کو راہ میں آتی لکڑیاں ذریں کہ بیدم ہو گیا گھوڑے پر سے اُسنے کھینچ لیا اور مارتے مارتے کچومر نکالا بیوی کو ایک بوڑھی گھوسن اور ایک جان پہچان بنیے کیساتھ روانہ کر ہی چکا تھا خود بھی بھاگا۔ کانسٹبل جبتک آئیں آئیں وہ فرو ہو گیا گاؤں والے تو اُسکے دشمن تھے ہی ایک نے بھی نہ بچایا بلکہ جب دیکھا کہ وہ ادھ مرا ہو گیا تو دو چار نے لاتیں بھی جمائیں تو پر سو دے رحیم بخش کو سمجھایا کہ بھاگ جاؤ ورنہ دھرے جاؤگے اب وہ میرے یہاں چھپا بیٹھا ہے۔

خوجی۔ اجی ہم بتائیں بھئی قسم ہے ضیا بیگم کی کہ یہ سارے ہتھکنڈے اُسی بہروپیے کے ہیں۔ یہ ہی مردک ہے جو وہ نہ نکلے تو ناک کٹا ڈالوں ناک بدتے ہیں۔

آزاد۔ جی آپکی ناک تو واللہ شاخ حنا ہے۔ کاٹی اور بڑھی جسقدر زیادہ کاٹی چھانٹی ہو اُسی قدر خوبصورت نظر آئے۔

خوجی۔ واللہ قسم قرآن کی یہ بہروپیے ہی کی چال تھی آخر اور کسکو پڑی تھی

سلاری۔ کون؟ بہروپیا؟ میں کچھ سمجھا وجھا نہیں۔

میرزا۔ قبلہ یہ روایت طلب بات ہے۔

سلاری۔ پھر اب مجھے کیا حکم ہوتا ہے کوئی معقول تدبیر بتائیے ہم تو غریب مفلس ٹکے کے آدمی ہیں۔ مگر آبرودار ہیں۔

آزاد۔ بھئی تمہارے داماد تمہارے پاس آ ہی گئے ہیں اور صاحبزادی کے شیشۂ عصمت پر بھی فضل خدا سے سنگ بیعزتی صادر نہیں ہوا۔ اگر کوئی بازپرس کرے تو آپ اُسوقت رلئے لیجئے گا۔

سلاری۔ بہت خوب۔ اِسی سے تو میں آپکے پاس آیا کہ صلاح نیک دیجیے میں قانون کیا جانوں۔

خوجی۔ قانون سے کیا واسطہ۔ ارے بھئی یہ تو سارے ہتھکنڈے اُسی بہروپیے کے ہیں اس گیدی ہی کے کانٹے بوئے ہوئے ہیں۔

سلاری۔ بہروپیا کون ہے۔

آزاد۔ اجی آپ اِس سودائی کی باتوں میں نہ جائیے۔

مانجھی سے سوال وجواب

خوجی نے ایک دن کہا۔ ارے یارو کیا اندھیر ہے۔ تم روم چلتے چلتے بیچ بیچ کہاں پھرتے ہو کہیں پارسی کے ہاں پریوں کے جوبن لوٹے کہیں قاضی القضات حضرت مولانا محمد عبدالقدوس صاحب کے خامت علت فوعلت کیا اتنے دن تک نواب ہی کے ہاں پڑے رہے اور پھر ایک ہو تو کہوں دو ہوں تو چپ رہوں تین ہوں تو گنوں چار ہوں تو شمار کروں جب ہر مقام پر ایک نئی چھیل چھبیلی پر ریجھے تو کہاں تک گنوں بمبئی میں تو بکتے بکتے دیوانہ ہو گیا۔ اور مس ورجینا پر دل آیا۔ ادھر نظیر بیگم نے لبھایا۔ یا الٰہی مگر افسوس ہے کہ تم کو اپنی بات کا ذرا پاس نہیں کسی سے وعدہ کیا ہے پھر پورا کرنا چاہیے یا نہیں اب آخر روم کب جاؤ گے عاقبت میں یا حشر کے دن اجی بس۔ اب اپنا چرچا بھی سُنا اور دعوتیں بھی چکھیں اب بقچہ سنبھالو اور چلو سیدھے اب چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے ہم ایک نہ مانیں گے چلیے اُٹھیے۔ کوچ بولیے۔

آزاد۔ میرزا صاحب اتنے دنوں میں خوجی نے ایک یہی تو بات کہی ہے۔ اب جہاز کا جلد انتظام کیجیے۔

میرزا۔ اجی حضرت تیاری کیجیے۔ بس اب آپ چلیے۔

خوجی۔ قبلہ پہلے یہ بتلایئے کہ کتنے دن کا سفر ہے۔

آزاد۔ اس سے کیا واسطہ۔

خوجی۔ اور سنئے۔ اس سے کچھ واسطہ ہی نہیں۔

آزاد۔ بھئی ہم کبھی جہاز پر سوار ہوئے ہوں تو بتائیں۔

خوجی۔ جہاز! ہائے غضب۔ کیا تری تری جانا ہوگا؟

آزاد۔ اجی اور نہیں تو کیا خشکی خشکی۔ آپ ابھی تک اسی بھروسے تھے بہت جلد چونکے۔

خوجی۔ میری تو روح لرزنے لگی۔ بھیّا میں نہ جانے کا۔ بابا من نمی رفتم دہ لاحول۔ من نخواہم رفت۔

آزاد۔ اجی وہاں بندش کا معاملہ ہو تو سہی۔ چلو وہاں ترکی عورت کے ساتھ تمہارا بیاہ کرا دیں گے۔

خوجی۔ خشکی خشکی چلو تو بھائی میں چلونگا۔ سمندر میں چلتے پاؤں ڈگمگاتا ہے۔

میرزا۔ جناب خواجہ صاحب آپکو شرم نہیں آتی۔ اتنی دور تک ساتھ آئے اور اب ساتھ چھوڑے دیتے ہو۔ ڈوب مرنے کی بات ہے۔

خوجی۔ کیا خوب یوں بھی ڈوبوں اور ووں بھی ڈوبوں۔ تو یہ اسقدر ضد کیوں کرتے ہیں۔ خشکی ہی خشکی کیوں نہیں چلتے۔

میرزا۔ آپ بھی واللہ نرے چونچ ہی رہے عجب آدمی ہو بھئی۔ خشکی کی راہ سے کتنے دن میں پہونچو گے بھلا۔ کچھ ٹھکانا ہے۔ کجا بمبئی کجا قسطنطنیہ آپ بھی طرفہ معجون ہیں۔ پرسوں جہاز پر سوار ہو دن سے روم داخل خشکی کی ایک ہی کہی۔ اس کے

خوجی۔ اب آپ سے حجت کون کرے آپ تو ہاری ہاتھ میں نئے جہاز کا کون اعتبار۔ اور جو ڈوب گیا فرا کسی سوراخ کی راہ سے پانی آیا اور بس بچے جہنم رسید ہوئے
۶ چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی ؛ ذرا ہوا تیز چلی اور جہاز کے عوض ہم ڈوب پہونچے۔

آزاد۔ تو نہیں چلوگے نہ۔ صاف صاف بتا دو ابھی سویرا ہے۔

خوجی۔ چلیں تو ہیچ کیسٹ اور ڈنکے کی چوٹ مگر پانی کا نام سُنا اور روح تحلیل ہو گئی بھلا کیوں صاحب یہ تو بتائیے کہ سمندر کا پاٹ گنگا کے پاٹ سے کوئی دونا ہوتا ہوگا یا کچھ کم وبیش۔

میرزا۔ جی بس اور کیا چلیے آپکو سمندر دکھلائیں نہ تھوڑے ہی فاصلہ پر ہے

خوجی۔ بس کیوں صاحب شہید مردوں سے بھی ٹھل گئی ہم کو لے چلیے اور جب سے

چپیڑ غٹو کرکے جہاز پر بٹھا دیجئے۔ ایک شرط سے چلتے ہیں۔ بیگم صاحب ضمانت کریں ہمارے سر کی قسم کھائیں کہ زبردستی نہ کریں گے کہ خواہ مخواہ ہی جہاز پر جاؤ۔

آزاد۔ کیا خوب آپ کیا اور آپ کا سر کیا چلیے ہم بیگم صاحب سے کہلوائے دیتے ہیں آپ اور آپ کے باپ دونوں کے سر کی قسم کھالیں تو سہی۔

میرزا۔ اچھا چلیے وہ ضمانت کردیں گی۔ آئیے اٹھیے۔

میرزا صاحب اور میاں آزاد دونوں مل کر گئے اور اُنسے کہا کہ واسطے خدا کے اس سڑی افیمی خبطی خوجی سے اتنا کہدیجیا کہ تو جہاز دیکھنے جا یہ لوگ زبردستی سوار نہ کردیں گے بیگم صاحب نے جو ساری روایت سنی تو خوب کھل کھلائیں اور رنگ کر بولیں کہ ہم نہ کہیں گے آپ لوگوں نے ذرا سی بات نہ مانی۔ اور سیڑھی ہٹالی۔ اچھا خیر پردے کے پاس بلالو۔

خوجی۔ (پردے کے پاس سے) آداب بجالاتا ہوں حضور۔

جواب کون دے بیگم صاحب تو مارے ہنسی کے لوٹی جاتی ہیں اور میاں آزاد کے خیال سے اپنی بے تکلفی اور چلبلاہٹ پر کسی قدر شرماتی ہیں اگر لجاتی بھی ہیں اور کھل کھلاتی بھی ہیں شرم اور ہنسی دونوں نے مل کر رخساروں کو اور بھی سُرخ کردیا۔ اسوقت تغیر رنگ نے عجب جوبن دے دیا۔ اتنے میں خوجی سنے پھر ہانک لگائی کہ۔ آداب بجالاتا ہوں حضور غلام کو کیوں یاد فرمایا ہے

میرزا۔ وہ کہتی ہیں کہ ہم ضمانت کیے لیتے ہیں

خوجی۔ آپ رہنے دیجئے اُنھیں کو کہنے دیجئے۔

بیگم۔ خواجہ صاحب بندگی آپ کیا پوچھتے ہیں۔

خوجی۔ اے حضور مجھ کو جہاز دکھانے لیے جاتے ہیں۔ جاؤں یا نہ جاؤں۔ جو حکم ہو بجالاؤں۔

بیگم۔ کبھی بھولے سے نہ جانا۔ نہیں پھر کے نہ آؤگے اور جو کہیں وہ موا بہرو پیا مل گیا تو بس بن گئی بات۔

خوجی۔ آپ انکی ضمانت کرتی ہیں۔

بیگم۔ میں کسی کی ضامن والمن نہیں ہوتی۔ زور دیکھئے ضامن وامن جیسے یہ ڈبو ہی دیں گے موئی قردلی رکھی ہی رہے گی۔

خوجی۔ چلیے بس حد ہوگئی۔ اب ہم نہ جانے کے۔

آزاد۔ بھائی تم ذرا ساتھ چل کر سیر تو دیکھ آؤ۔

خوجی۔ واہ اچھی سیر ہے۔ کسی کی جان جائے آپ کے نزدیک سیر ہے اُس جلنے والے پر تین حرف۔

خیر تو تھمبو کرکے میرزا صاحب اور میاں آزاد خوجی کو لیے چلتے چلے جب ساحل بحر پر پہونچے تو خوجی نے نظر بھر کر سمندر کو دیکھا دیکھتے ہی دو چار قدم پیچھے ہٹے اور چیخ پڑے پھر دس پانچ قدم پیچھے کھسکے اور رونے لگے

خوجی۔ اُف خداوندا بچائیو۔ یا خدا بچا۔ یہ ملک الموت ہے یا سمندر۔ لہریں دیکھتے ہی کلیجے کو کسی نے سوس کیا۔

میرزا۔ کیا لطف ہے۔ خدا کی قسم جی چاہتا ہے کھانے ہی پڑوں ادھو ہو ہو۔

خوجی۔ (میرزا کا ہاتھ پکڑ کر) کہیں بھولے سے پھاندنے واندنے کا قصد بھی نکرنا۔ حیادار کے لیے ایک چلو کافی ہے۔

آزاد۔ عجب مسخرہ ہے بھئی۔ ایک آنکھ سے روتا ہے ایک آنکھ سے ہنستا ہے۔

خوجی۔ آپ تو کہتے تھے کہ گنگا کے برابر پاٹ ہے۔ معاذ اللہ کچھ ٹھکانا ہے اور چھور ہی نہیں۔ چلتے چلتے پاؤں کے پرنچے اُڑ گئے۔ وہاں کہتے تھے کہ بس تھوڑا سا ہی تو فاصلہ ہے ان فقرہ بازوں سے خدا سمجھے اور تسپر اتنی دور سواری پر آئے ورنہ کیا جانے کیا ہوتا۔

اتنے میں دو چار ملاح سامنے سے آئے خوجی نے جو اُن کو غور سے دیکھا تو ہنسے مجھی۔ میرزا صاحب سے پوچھا کہ یہ کون ہیں بھئی انکی تو کچھ وضع ہی نرالی ہے۔ انھوں نے کہا یہ ملاح ہیں دن رات سمندر ہی میں رہتے ہیں جیسے یہ جہاز پر۔

خوجی۔ بھلا یہ ہماری بولی سمجھ لے گا؟ اُردو جانتا ہے کہ نہیں؟

میرزا صاحب۔ ہاں ہاں جانتا کیوں نہیں ہے ہزاروں ہندوستانیوں کو لے گیا ہے اُردو خوب سمجھتا ہے۔

خوجی۔ (ایک بڈھے ملاح سے) کیوں میاں بڈھے تمھارے باپ کہاں مر گئے

مانجھی۔ ساگر (سمندر) جہاز پر۔

خوجی۔ ہوں۔ اور دادا؟

مانجھی۔ وہ بھی جہاز پر۔

خوجی۔ ہوں۔ اور چچا (چچا)؟

مانجھی۔ وہ بھی سمندر میں۔

خوجی۔ افسوس۔ بھلا تم کہاں مروگے۔

مانجھی۔ اب یہ کون جانے کسی کو اپنے مرنے کا حال کیا معلوم مگر مریں گے اسی سمندر میں ہم بھی۔

خوجی۔ پھر بھلا تمھارے کنبے کے اتنے مرے اور تم خود بھی وہیں مرنے والے ہو تو اُس سے پرہیز کیوں نہیں کرتے اور کوئی پیشہ کرو۔

مانجھی۔ آپکے باپ کہاں مرے تھے میاں۔؟

خوجی۔ ہمارے شہر میں اور کہاں مرتے۔

مانجھی۔ اور دادا تمھارا کہاں مرا تھا۔؟

خوجی۔ وہ بھی شہر میں مرے تھے۔ قبرستان میں انکی بھی لاش ہے۔

مانجھی۔ اور چچا (چچا) سب کہاں مرے؟

خوجی۔ سب وہیں مرے۔ کئی قبریں ابتک موجود ہیں۔

مانجھی۔ (گردن ہلاکر) پھر آپ اُس شہر کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ جہاں آپکے باپ اور دادا اور چچا اور عزیز سب مرے۔

خوجی۔ واہ۔ واہ۔ شہر کے چھوڑنے سے کیا مرنے سے بچ جائینگے۔ ہم چاہے جہاں رہیں مرینگے ضرور مرنا برحق ہے۔ چاہے یہاں سے لندن جائیں چاہے روم و شام جدھر جائیں ملک الموت سے بھلا کوئی بچ سکا ہے۔

ع۔ علاج موت نہ کردند روسیاہ شدند۔

مانجھی۔ پھر میں اپنا پیشہ کیوں چھوڑنے لگا۔ بھلا۔ جب موت سے بچ ہی نہیں سکتا کوئی تو میں پیشہ کیوں چھوڑ دوں۔

خوجی۔ آپ منطق بھی پڑھے ہیں معلوم ہوتا ہے۔ اچھی دلیل پیش کی۔

مانجھی۔ کیا؟ میں سمجھا نہیں۔

خوجی۔ اجی تم خوب سمجھتے ہو۔ مگر شکل صورت سے تو ہم سمجھے تھے کہ جانگلو ہے لیکن تم تو خوب اُردو بولتے ہو۔

مانجھی۔ میں جبل پور کا رہنے والا ہوں باپ دادا سب نے یہی پیشہ کیا۔

آزاد۔ کہیے خواجہ صاحب جھینپے تو نہ ہونگے آپ۔ سچ کہنا کیا جواب دیا واہ رے مانجھی۔ کہیے اب تو تشفی ہوئی چلیے گا جہاز پر۔

خوجی۔ ہاں ضرور سو کام چھوڑ کر۔ نہ چلنا کیا (مانجھی سے) کیوں بھئی ہم کو پانوں پانوں تو نہ چلنا ہوگا کسی مقام پر۔

مانجھی۔ ہو نہہ۔ کیا دھرتی پر چلنا ہے۔

خوجی۔ بھلا افیم کھانے کی تو جہاز پر ممانعت نہیں ہے۔

مانجھی۔ نہیں بہت سے آدمی افیم گھول کر پیا کرتے ہیں جسکا جو جی چاہے کھائے

خوجی۔ اے میں تیری زبان کے قربان۔ واہ میری جان۔ بس چنیا بیگم پاس ہوں تو مزے ہیں۔ بھلا کیوں میاں جہاز پر کوئی جگہ ایسی بھی ہے جہاں سے سمندر نظر ہی نہ آئے اور ہم آرام سے بیٹھے رہیں سچ بتانا اُستاد اجی ہم پانی سے بہت ڈرتے ہیں بھائی۔

مانجھی۔ ہم آپکو ایسی جگہ بٹھا دینگے جہاں پانی آسمان کچھ سوجھ ہی نہیں پڑے

خوجی۔ صدقے۔ قربان۔ بڑے دوست ہو ہمارے۔ ایک بات اور بتا دو گنڈیریاں ملتے جائیں گے راہ میں یا انکا کال ہے۔

مانجھی۔ گنڈیریاں وہاں کہاں کیا کچھ منڈی ہے اپنے ساتھ جاہے جتنے لے چلیے۔

خوجی۔ ہاں گنڈیریاں تازی تازی کھانے میں مزہ آئیں گی بھلا حلوائی کی دوکان تو ہوتی ہوگی آخر یہ اتنے شوقین افیمی جو جاتے ہیں تو کھاتے کیا ہیں سنکھیا کھاجا۔ برفی۔ پیڑے۔ لڈو یہ سب ملتا ہے یا نہیں لڑ رد۔

مانجھی۔ اجی جو چاہو ساتھ رکھ لو۔

خوجی۔ اور جو منہ ہاتھ دھونے کو پانی کی ضرورت ہو تو کہاں سے آئے۔

آزاد۔ پاگل ہے کون مسخرہ اتنا نہیں سمجھتا کہ سمندر میں جاتا ہے اور پوچھتا ہے۔

کہ پانی کہاں سے آئے گا۔ اب پانی پیئنگے تم پیاسے مرینگے وحشت کرتا ہی اجی

خوجی۔ تو آپ کیوں الجھ پڑے آپ سے پوچھتا کون گیدی ہی (ملاح سے) کیوں جی بھلا ہم گئے یہاں سے باندھ چلیں اور گنڈیریاں بنائیں اور جہاز پر چوسیں مگر چھلکے پھینکیں گے کہاں آخر ہم تو صبح وشام دو چار پونڈے کھایا چاہیں۔ پھینکیں کہاں۔

آزاد۔ یہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہی ہم بتا دیں گے آپ بدحواس ہوں

خوجی۔ اسکی تو ممانعت نہیں ہی کہ کوئی پینک میں نہ ہو۔

مانجھی۔ (ہنس کر) نہ

خوجی۔ اور جو قرولی باندھے ہو تو ہرج تو نہیں ہی کچھ یا مثلاً قرابنچہ ہو۔

مانجھی۔ چاہے جو ہو توپ نہ ہو اور تارپیڈو نہ ہو تلوار ہو کٹار ہو چاہیے جو ہو مگر لایسنس ضرور ہونا چاہیئے۔

خوجی۔ ہوں۔ دیکھیے ایک بات معلوم ہوئی نا اچھا یہ سب ہوا اب دو دو باتیں اور ہو جائیں ایک تو یہ بات پوچھنی ہی کہ ہر روپیے تو جہاز پر نہیں چڑھنے پاتے

مانجھی۔ چاہے جو سوار ہو دام دے سوار ہولے کسی کا دہ نہیں۔ ٹل۔

خوجی۔ اجی ٹل کر ڈالو بھاڑ میں ہمارے سوال کا جواب دو کمہار تو نہیں چڑھنے

مانجھی۔ آج تلک کوئی کمہار گیا نہیں۔ یاد نہیں پڑتا۔

خوجی۔ سلے میں تیری زبان کے پھر قربان بڑی ڈھارس ہوئی خیر کمہار تو بچے۔ باقی رہا بہردپیا۔ اُس گیدی کو سمجھ لونگا اتنی قرولیاں بھونکوں کہ یاد ہی تو کرے۔ آخر حوض میں گرا ہی دیا۔

مانجھی۔ اتنی باتیں تو کسی نے کبھی نہ پوچھی تھیں۔ اب کچھ اور پوچھو گے

خوجی۔ ہاں بس ایک بات اور وہ بھی دو بٹی یہ تو قید نہیں ہی کہ صبح وشام ہر شخص ضرور ہی نہائے۔ اگر یہ قید ہوئی تو جلنے والے پر تین حرف ہم کوئی جیلخانہ میں تو ہونگے نہیں۔

مانجھی۔ آپ چاہے عمر بھر نہ نہائیں۔

خوجی۔ ماے میں تیری زبان کے قربان۔

مانجھی۔ افیم بہت کھاتے ہو معلوم دیتا ہی۔

خوجی۔ (مسکرا کر) ہاں خوب پہچان گئے۔ آپ قیافہ شناس بھی ہیں خیر سے یہ تم کیونکر بوجھ گئے بھائی۔ شوق ہو تو گھولوں۔

مانجھی۔ دُت۔ بس الگ رہیو۔ ہم افیم کو چھوتے تک نہیں۔

خوجی۔ (بگڑ کر) او گیدی ٹکے کا آدمی تم اور بھک بتا ہی۔ نکالوں قرولی

آزاد۔ ہاں ہاں خواجہ صاحب دیکھیے دیکھیے جانے دیجئے گا۔ ذری قرولی میان ہی میں رہنے۔

میرزا۔ جناب خواجہ بدیع صاحب آپ اپنی طرف دیکھیے درگذر کیجیئے بدتمیز ہی۔

خوجی۔ خیر آپ لوگوں کی خاطر ہی ورنہ اُدھیڑ کے دھر دیتا پاجی کو (اکر کر) مجھے بھی کوئی اور سمجھا تھا یہاں سیف اللہ کے اکھاڑے میں کُشتی لڑا کیے ہیں۔ دل لگی ہی کچھ کہنے لگا۔ دُت۔ واہ ابھی دو دو دیکھ ہی اسوقت آپ لوگ بیچ میں نہ پڑیں تو بھر کس ہی نکال دیا ہوتا۔

میرزا۔ ذری غور سے دیکھیے کہیں بہروپیا تو نہیں ہی ہم تو جانتے ہیں وہی گیدی ہی یہاں سے گھر چلے تو راہ میں دیکھا کہ ایک درخت کے سایہ میں دو گھوڑے کھڑے ہیں ایک پر نوجوان یوروپین جنٹلمین دوسرے پر ایک نازک کمر پری پیکر لیڈی یہ دونوں وہی ہیں جو میاں آزاد کو اُس دن ملے تھے۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ جنٹلمین نے بیوی سے کہا تھا کہ میں نے ایک ایسی پری چہرہ دیکھی جو اس اسٹیشن بھر میں فرد ہی اور جس کے مقابلے میں کل حسن لیڈیوں کا گرد ہی۔ اسپر وہ تنکیں کہ کیا کہہ انھوں نے بات بنائی۔ بھانپ گئے کہ بیوی نے برا مانا۔ کہا کہ وہ اس اسٹیشن بھر میں اپنی آپ ہی نظیر ہی مگر تم سے دوم نمبر پر ہی وہی دونوں آج پھر ملے میاں آزاد سے اُس جنٹلمین نے انگریزی میں یوں گفتگو کی۔

جنٹلمین۔ اس درخت کا کیا نام ہی آپ جانتے ہیں کچھ۔

آزاد۔ برگد۔ برگد کا درخت ہی۔

جنٹلمین۔ وہ نہیں۔ یہ یہ۔

میاں آزاد علوم و فنون شاعری نثاری وغیرہ میں تو برق سے تھے مگر

علم نباتات میں بالکل کورے بغلیں جھانکنے لگے۔

آزاد۔ اُس کا نام مجھے خود نہیں معلوم ہم لوگ ذرا ان باتوں کیطرف کم توجہ کرتے ہیں۔ یہاں علم نباتات میں کسی کو عبور نہیں۔

جنٹلمین۔ ولایت میں اسکا بڑا چرچا ہے۔ (اُردو میں) ہم اپنے ملک کی گھاس پھوس پیڑ جڑ بوٹی پہچانتا ہے۔

خوجی۔ ولایت کا گھسیارا معلوم ہوتا ہے۔ یا مالی ہوگا۔

جنٹلمین۔ (اُردو میں) چڑیا کا علم جانتا ہے آپ (انتھالوجی)

آزاد۔ جی نہیں یہ علوم یہاں سکھائے نہیں جاتے۔

جنٹلمین۔ چڑیا کا علم ہم خوب جانتا ہے۔

خوجی۔ چڑیمار ہے لندن کا۔ بس قلعی کھل گئی۔

وہ دونوں تو گھوڑوں کو کڑکڑا کر ہوا ہو گئے۔ اُدھر آزاد اور میرزا صاحب کے پیٹ میں ہنستے ہنستے بل پڑ پڑ گئے۔

آزاد۔ اُف فوہ۔ واللہ لٹا دیا۔ بڑی خرابی سے ہنسی ضبط ہو سکی چڑیمار اور گھسیارے کی ایک ہی کہی انھیں باتوں سے تو ہندوستان تباہ ہے

میرزا۔ جی اور نہیں تو کیا۔ علم نباتات پڑھے تو مالی اور گھسیارا کہلائے علم الطیور کا شوق کرے تو چڑیمار کی پھبتی سنے۔ لاحول ولا قوۃ۔ جہاں خوجی سے لوگ ہوں وہاں ترقی ہو چکی۔

نامۂ رنگین

سنبھل ساقی کہ وقت اب اور آیا / رہوں بیہوش پھر وہ دور آیا
مزہ رکھتا نہیں بے کیف جینا / تمنا ہے کہ برسے ابر مینا
ہر اک قطرہ لہن بن بن کے ٹپکے / مرے دامن سے مے چھن چھن کے ٹپکے
چل اُٹھ ساقی مے توبہ شکن دے / کہ لطف بیخودی میں سخن دے
قدم لوں اب دواتِ ہوش کے میں / تصدق جاؤں اپنے جوش کے میں
ہر اک مضموں سے لپٹوں صورتِ تار / مزے لے لے کے ہوجاؤں گنہگار

اُدھر لیلی مشکیں پر ذرشب نے طرۂ مشکبار زلف عنبریں سے دماغ عشاق نار کو رد کش تاتار بنایا اُدھر بت حور پیکر۔ ناظورۂ سمن بر۔ ماہ سیما۔ شیریں ادا پیاری حسن آرا کو شوق چرایا کہ آزاد فرخ نہاد کے نام خط بھیجے اُسی دم سے

مانگا کاغذ و دوات و خامہ / لکھا عاشق کے نام نامہ

حسن آرا کا نامۂ رنگین بنام آزاد حزین

میرے پیارے آزاد۔ خاتون جنت کی قسم تمھارا سا شیر دل شیر مرد مروت اور جرأت میں فرد دیکھا نہ سنا۔ دیکھا ہو تو تم کو نہ دیکھوں۔ سنا ہو تو پیاری سپہر آرا کی سنانی سنوں تمھاری ایک ایک ادا میرے دل میں کھپ گئی ہے وہ چھپ چھپ کے کنکھیوں سے نظر ڈالنا۔ وہ بگڑی ہوئی بات کو سلیقہ سے ٹالنا وہ مردانہ نکھار۔ وہ جوانانہ سنگھار۔ وہ رنگین ادائی۔ وہ خود نمائی وہ طرز غزلخوانی وہ شیریں بیانی کیا بھول سکتی ہوں۔ واہ بھول چکی۔ بیگمات مخدرات اور محلات عصمت سمات لکھنؤ کی سی چٹاخ پٹاخ باتیں تو مجھکو آتی نہیں ورنہ خط کو گلدستہ اور تنبو بنا دیتی اس وقت دل سے لگی ہے کہ تم میرے روبرو زانو بزانو بیٹھے میری نازک کلائی اور زیر دست حنائی کو ایک محبت سے چوم رہے ہو۔ تم خوب جانتے ہو کہ گو میں شاہد عاشقی کی غازہ طراز ہوں لیکن پاک نظر اور پاکباز ہوں ہاں اسکی قسم نہیں کھاتی کہ کسی پر دل نہیں آیا کسی کی پیاری بیوی بننے کے خیال نے نہیں گدگدایا۔ لیکن ہمارا معشوق کون ہے۔ یہ تم اپنے ہی دل میں سوچ لو جبتک تمھارے گل رخسار پر نظر نہیں پڑی قسم لو جو کسی گل کی بلبل ہوں۔ جبتک تمھارا سرو قامت نہیں دیکھا تھا خدا ہی سمجھے جو کسی شمشاد کی قمری ہوئی ہوں تم سے دل لاکر البتہ عشق کے صدمے سہے ورنہ ؂

نہ تھے ہم بیشتر از ریں آگاہ حال منقلبانِ گے / نہ تھا معلوم دل آتا ہے پہلے یا قضا پہلے

ہم ہنسا کرتے تھے کہ دل کا آنا کیسا اور جانا کیسا مگر اب معلوم ہوگیا کہ دل قابو اور ہاتھ اختیار سے کیونکر جاتا رہتا ہے۔ پہلے معلوم کسکو تھا کہ دل لانے کے خمیازے یہ بھی اُٹھانے پڑیں گے۔ ؂

الا یا ایہا الساقی ادر کا ساً و ناولہا / کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

بوے نافہ کاخر صبا زاں طرہ بکشاید	زتاب جعد مشکینش چہ خوں افتاد در دلہا

ابتو تو یہ میری ہی زلف پریشان کیطرح برہم ہی۔ خوشی خیر باد کہکر سدھاری بس میں ہوں اور غم ہی ابھی کل ہی کی بات ہی کہ ہم بے دھڑک ململ کا ھنہ لی دوپٹہ یا پڑانچے دار گوٹ کی باریک لائی اوڑھے دونوں میں بیحجاب گھوما کرتے سحاب پراگندہ نقاب دلہیز سے باہر قدم رکھتے شرم آتی ہی بدن چرانا جانتی ہی نہ تھی کہ کہتے کسے ہیں اب مجال کیا کہ کسی نامحرم کی ادھر ادھر نظر پڑے یہ سب حضور ہی کے کانٹے بوئے ہیں پھر جب چمن عاشقی کا گلچین ہوگا اسکے پاؤں میں کانٹے چبھینگے۔ یہ تو بنی بنائی بات ہی۔ بس جسطرح امید کسی کے دل میں چھپی ہوتی ہی اسی طرح میں بھی مارے حیا کے چھپی پھرتی ہوں جسطرح شوخی معشوقوں کے مزاج میں پنہاں رہتی ہی اسی طرح تمھاری حسن آرا بھی رخ کو گھونگھٹ میں چھپائے رکھتی ہی جسطرح جادو نگاہوں کی لگاوٹ باز نکھٹیلوں میں قرنے جگہ پائی۔ اسی طرح ہم نے بھی اغیار سے صورت چھپائی۔ جو صورت آزاد کو دکھائی وہ اب کسی اور کو کیا دکھائیں۔ حیا مانع ہی۔ ابتو نگاہ اشارت آشنا ہو گئی ہی نہ۔ خدا تم کو سلامت رکھے پہلے تو الھڑپن سے نظر پڑتی تھی یہ محبت خیز اشارے جانتا کون تھا مگر پاس ناموس ننگ کو رخصت نہیں کیا ہو ہاں جبتک تمھارے رخسار کے جوبن آنکھ نہ لوٹے گی تب تک مایوسی کی کمر نہ ٹوٹے گی جبتک اپنے ہاتھ سے پھر اسطرح گلوری نہ کھلاؤں جبتک تمھارے ساتھ بجروں پر سیر کو نہ جاؤں۔

راوی۔ اسقدر حسن آرا لکھ چکی تھی کہ سپہر آرا تڑسے بول اٹھی۔

سپہر آرا۔ باجی خدارا یہ فقرہ کاٹ دو (کانپ کر) ہی ہی اسوقت جو وہ خیال آیا تو رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو گیا اُف (تھرتھرا کر) جان ہلکان ہو گئی تھی۔ وہ کہو خیر سے بزرگوں کی دعا آڑے آئی اُس گاڑھے وقت میں پیارے آزاد بھائی نے جان بچائی۔ نہیں تو کیا جانے کیا کا کیا ہو گیا ہوتا۔ بس (ارے) کرکے رہجاتے بجروں کا نام سنتے میری روح فنا ہو جاتی ہے۔

حسن آرا۔ (مسکرا کر) اچھا خط تو لکھنے دو۔

راوی۔ یہ کہکر حسن آرا نے خط لکھنا پھر شروع کر دیا۔

تب تک دل کو چین نہیں طبیعت کو قرار نہیں۔ نظر میں کچھ اور ہی رنگ پھر رہے ہیں۔ تیرے صدقے آزاد۔ پیارے آزاد آنا کہنا اور مان لو کہ خط کو نہ ترساؤ۔ آنکھیں اشک بھر لاتی ہیں مگر تمھاری پیاری سپہر آرا سمجھاتی ہیں کہ باجی تم اپنا راز آپ افشا کرتی ہو تم جو دن رات ٹپ ٹپ آنسو بہاؤ گی تو لوگ کیا کہیں گے۔ ناحق بن ناحق کسی کے طعنے سننا۔ آس پڑوس کی عورتوں کو اپنے سے بدظن کرنا محلے بھر میں ہنسوانا کون سی عقلمندی کی بات ہی اب میں اسکو کیا سمجھاؤں کہ بہن عقل ٹھکانے لگی ہی عقل کو تو حسن آرا رو چکی عقل سے کب کی ہاتھ دھو چکی ؎

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں	مانمی خواہیم ننگ و نام را

وہ سادہ مزاج کیا جانے کہ عاشقوں کی طبیعت کہیں کسی سے آشنا ہوکر ہی نکتہ کار ہوتی تو سمجھتی کہ یہ خیال خام ہی گو میں بھی ابھی ناکردہ کار سہی مگر وہ تو مجھ سے بھی بڑھ کر انیلی ہی عشق کے صدموں کا حال کیا جانے۔ پہلو کو قرار تو تب ہو جب دل آرام پاس ہو۔ بادۂ عشق کے سرور کا وہ جوش ہی کہ آنکھیں جھکی پڑتی ہیں درد فراق سے جب بیہوش ہو جاتی ہوں تو آپکی سپہر آرا کیوڑا چھڑکتی ہیں۔ گلاب لاتی ہیں۔ لخلخہ سونگھاتی ہیں۔ مگر جبتک اُسکا دل کہیں نہ آئے کسی خوش رو عنبریں مو جوان پاکباز سے آنکھ نہ لڑے کوئی لیلیٰ شریف زادہ نظر نہ پڑے تب تک میرے درد دل کو وہ کیا سمجھے میں اسکو کیونکر سمجھاؤں کہ پیاری بہن یہاں ہر دم غش ہی رہتا ہی تم گلاب اور کیوڑا اور لخلخہ کہاں تک سنگھاؤگی مسکن قلب دوا یہ کہاں تک پلاؤگی۔ مسکن قلب تو شربت دیدار ہی مزیل غشی عناب لب یار گلعذار ہی۔ میرا دامن کبھی اشک لالہ گوں سے خالی پاؤ ہی گی نہیں۔ حسرت کا ہجوم تو دیکھو دل اور جگر اور طبیعت اور مزاج سب میں حسرت ہی حسرت بھری ہی آنکھی حسرت سی حسرت ہی ؎

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد	کچھ نہیں اور تو حسرت ہی سہی

ہائے اشتیاق ہائے درد فراق۔ اسنے بسمل اور بیجان کر دیا لو اسنے

جیب و دامن کو حسرت سے بھر دیا۔ اچھی طرح کھل کے رو بھی تو نہیں سکتی اماں جان دیکھ پائیں تو جھنا متھ مچائیں۔ کہیں چھوکری کچھ خیر تو ہے۔ واہ بیٹھے بٹھائے اچھا طوطا پالا۔ کہیں ننگ و ناموس میں بٹہ نہ لگانا۔ چلو منھ دھو۔ فرمائیے پھر کیا کروں۔ ملجانے کے سوا اور کیا ہے اچھی طرح بشاش تو پھر نہیں سکتی۔ نظم

خوف سے لیتے نہیں نام کہیں سن لے نہ کوئی	دل ہی دل میں تمھیں ہم یاد کیا کرتے ہیں

اسوقت۔ نظم

ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی آ رہی ہیں	غضب کی بدلیاں کچھ چھا رہی ہیں
اُبلتی ہے طبیعت سوئے ساغر	ہوس پھر ڈھونڈھتی ہے بوے ساغر
دہن ہے قطرۂ گلگوں کا مشتاق	بس اب تاخیر اک دم کی بھی ہے شاق

نگ یاس کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ ناامیدی دور سے بھیانک صورت دکھاتی ہے۔ بھولے بسرے حسرت آتی ہے۔ مصیبت پریشانی درد و حیرانی۔ غم و غصہ و رنج و حرماں سب مہمانی کو آئے ہیں اور دل دکھاتے ہیں مگر نہیں آتا تو تمھارا خط ایک نامۂ رنگین ان سب کو پیچھے دور کر دے مگر جب خط آئے بھی جب مراد دلی صورت دکھائے بھی ایک تو خط نہیں آتا دوسرے ہنسی نہیں آتی۔ رنگ رو زرد ہے۔ دل سرد ہے۔ ہوش و حواس باختہ حضرت عشق نے ساختہ و پرداختہ۔ وہ جوبن وہ چلبلاپن وہ شوخی وہ اچپلاہٹ وہ سجاوٹ وہ بناوٹ منزلوں دور ہیں۔

ہائے خدا بھی میری نہیں سنتا۔ دن رات سر دھنتی رہتی ہوں۔ مگر دعا بے اثر ہو گئی۔ جسوقت طائران خوش نوا سحر ناز افزا شجر سراپا بہار کی پر میوہ شاخوں پر چہکتے ہیں اُس وقت ایک تیر سا کلیجے کے پار ہوتا ہے اور دل بے اختیار بھر آتا ہے جوشش قلزم بیخودی میں کیا جانے کیا حال ہوتا ہے دیکھیے قطرۂ دریائے فراق غرق بحر اشتیاق کی خدا کب تک سنتا ہے سپہر آرا کبھی سمجھاتی ہے کبھی زلف کی طرح الجھ پڑتی ہے۔ فرط محبت سے میرا درد اندرون دیکھ کر رلاتی ہے۔ لیکن تم نے چلتے وقت منھ بھی نہ دکھایا ذرا آنکھیں بھر کر دیکھ تو لیتی۔ ہائے ہائے کس سے کہوں اور کیا کہوں بس اب دیوانی سی ہو گئی۔

میری تقدیر پھوٹی تھی کچھ یوں	تم نیک تھے بے ملے گئے کیوں
تم جاؤ تو کیوں نہ آئے افسوس	افسوس افسوس ہائے افسوس
تقدیر پھری پھرے نہیں تم	امید گئی گئے نہیں تم
اے کاش میں کچھ بھی سانس باقی	جی کھول کے داغ دل دکھاتی
اب مجھ میں وہ دم ابھی کہاں ہے	وہ دل وہ جگر وہ جی کہاں ہے
مر جاؤں اگر طلب میں تیری	میں کیا کہ خبر نہ ہو بچے میری
اب مجھ میں وہ دم ابھی کہاں ہے	وہ دل وہ جگر وہ جی کہاں ہے

پیارے آزاد اب خط کے حرف مٹے جاتے ہیں۔ آنسو اُمڈے چلے آتے ہیں مجھے کیا کہتے ہو۔ ہاتھ کانپنے لگا۔ ہائے میرے اللہ یہ مجھے کیا ہوا بیٹھے بیٹھے تیر نظر کی گھائل ہو گئی اور تمھاری طرف مائل ہو گئی اب آؤ تو جلاؤ ورنہ اب دم ٹوٹا اور اب ٹوٹا۔ ہائے خدا جانے تم اسوقت کن جنگلوں میں پھر رہے ہو گے کن پہاڑوں پہ ہو میری بلا؟ دیس سر دھن رہے ہو گے۔ کون جانے یہ خط تم کو ملے یا نہ ملے قلب الٹا جاتا ہے کہاں تو بس اب ٹرکی بجاؤں میں باز آئی اب تو پیارے مجھے چاند سا مکھڑا دکھاؤ میں انیلی کیا جانتی تھی کہ فرقت کا دھڑکا کیسا ہوتا ہے۔ ایک اور بات سنو وہ یہ ہے کہ۔

حسن آرا اس قدر لکھ چکی تھی کہ جنون نے جوش کیا قلم ہاتھ سے گر پڑا دل دھک دھک کلیجہ دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ باقی کی سطر سپہر آرا نے لکھیں بھائی آزاد پیارے بھائی آزاد۔ تمھاری حسن آرا اسقدر لکھ چکی تھیں کہ دل قابو میں نہیں۔ لکھا نہیں جاتا۔ اُف مرے اللہ حسن آرا اسقدر لکھ کر پٹ سے گر پڑیں اور غش آ گیا ہم نے ملکے پلنگڑی پر لٹا دیا۔ آنکھیں پھرا دیں اوپر کا دم بھرنے لگیں اماں جان کو خبر ہوئی سر پیٹتی دوڑی آئیں رو دیں چلائیں۔ اصیلوں مغلانیوں پر بہت جھلائیں ہم پر جھنجھلائیں ابنی

بوٹیاں نوچ نوچ کھائیں اور رو رو کر دیوانہ وار یہ شعر زبان پر لائیں

حرمت میں لگایا داغ تو نے — لٹوائی بہار باغ تو نے

اتنے میں حسن آرا کو ذرا ہوش آیا۔ ہوش آتے ہی فرط جنون سے پہلے یہی لفظ زبان پر آیا کہ آزاد۔ آزاد۔ دیر ہائے خواب کوئی میرے آزاد کو لاؤ کوئی ذرا اسکا پیارا پیارا گورا گورا مکھڑا دکھاؤ۔ ارے میں مری۔ مرتے دم تو نظر بھر کر دیکھ لوں مگر اب ذرا ذرا اچھی ہیں۔ ڈاک کا وقت جاتا ہے۔ میں نے اماں جان کی چوری سے یہ سطریں لکھیں۔ خدارا ٹر کی در کی کا دھیان نہ کرنا۔ آؤ اور حسن آرا کو جلاؤ۔ ایک بن جس سے کہی ہی ہے

جاناں مرا بمن بیاریدا — ایں مردہ تنم باو سپاریدا
گر بوسہ زند بریں لبانم — تا زندہ شود عجب مدارید

آؤ تو خیر ورنہ حسن آرا کو کبھی نہ پاؤ گے اور پھر پچھتاؤ گے۔ گھبرانا جانا کئی دفعہ غش آچکا ہے۔ دیکھو اسوقت اس بدحواسی کے خط کو کتنی جگہ کاٹا اور کتنے لفظ غلط لکھ گئی پاک پروردگار کے صدقے میں کہیں تم کو یہ حسرت نامہ ملجائے اور تم واپس آؤ تو ہم گھی کے چراغ مسجدوں میں جلائیں۔ حزین و غمگین سپہر آرا۔ یہ خط لکھکر سپہر آرا نے آدمی کو دیا کہ جا ابھی ابھی ڈاک میں ڈال دے۔ ابھی جا دوڑا ہوا۔

زن مرید

برستا ہے شباب عمر ساقی — پلا تو بھی اگر ہو خم میں باقی
ہجوم شوق کی مستی ہی ہر دم — بہت کچھ آرزوئیں ہیں فراہم
اڑائے چاہتے ہیں مے پرستی — کہ آئے گوش تک پھر شور مستی
دہن امید ساغر میں ہے باز — مجھے بھی قلقل مینا کی آواز
لب مشتاق بھیگیں تر زباں ہو — ادا اس طرح رسم داستاں ہو

سر شام دلارام نازک اندام یعنی میرزا صاحب کی زوجہ شوخ دگلفام نے پرشتے کے پاس آکر کہا کہ آج اسوقت کچھ جی بہل نہیں لیا ماموں جی ہنسانے سو چارا، میرزا صاحب نے خوجی سے کہا کہ حضرت کوئی ذکر چھیڑئیے دیکھیے بیگم صاحب کو بڑی تقاضائے شدید کر رہی ہیں۔

خوجی۔ واللہ وہ پھڑکتا ہوا لطیفہ سناؤں کہ لوٹ لوٹ جایئے جامے میں مارے خوشی کے پھولے نہ سمایئے۔

بیگم۔ اچھا پھر سنایئے یہ زبانی داخلہ بہت سنا ہے جب منہ سے پھوٹیے بھی کچھ۔

خوجی۔ پھر انیم پڑا ایئے گا۔

بیگم۔ ہاں ہاں کہو تو۔ مرد بھی تو پوست ہی کے کھیت میں فنا ہو جاؤ کافور کی جگہ افیم ہی ہو تو سہی۔

خوجی۔ ایک شخص تھے خوشنویس۔ حروف انکے قلم جادو رقم سے ایسے نکلتے تھے جیسے سانچے کے ڈھلے ہوئے۔ صاد چشم شاہدان چگل کو شرمائے لام ہے شمیم زلف مہوشاں فرخار آئے۔ الف شان سرو قداں دکھائے جواہر رقم خاں اور انکے بھائی جان یاقوت قلم خاں دونوں اُس کے مقابل میں گرد۔ حافظ نور اللہ اور ہادی علی تک کی گرم بازاری سرد مگر بے عیب تو بس خدا کی ذات ہے یا میاں خوجی کی۔ باقی خدا کا نام اور قصہ تمام ان حضرت میں ایک سخت عیب تھا کہ غلط نویس نہ تھے

آزاد۔ اخاہ بڑا جانگلو دیکھا نہ سنا۔

خوجی۔ خدا ان لوگوں سے بچائے مکھی پیرا تو ناک میں دم آگیا۔ بات پوری سنی ہی نہیں اور اعتراض جاننے کو موجود۔ خم ٹھوک کر لڑنے کو مستعد۔ بات کاٹنے پر اُدھار کھائے ہوئے۔ خوجی مردود کا یہ مطلب ہے کہ وہ غلط نویس تھا مگر یہ عیب تھا کہ اپنی طرف سے کچھ ملا دیتے تھے ایک شخص کو قرآن شریف لکھوانے کی ضرورت ہوئی۔ سوچے کہ اُن سے بڑھکر کوئی خوشنویس نہیں۔ اگر دس پانچ روپیہ زیادہ بھی خرچ ہوں تو بلا سے مگر لکھوائیں گے اُنہیں سے۔ روپیہ کی ایسی تیسی۔

بیگم۔ لے واہ ری عقل کوئی آپ ہی سے جانگلو ہونگے گلی گلی چھاپے خانے ہیں۔ کوئی چھپا ہوا قرآن کیوں نہ لے لیا۔

خوجی۔ حضور وہ سیدھے سادے مسلمان تھے منطق نہیں پڑھے تھے خیر صاحب خوشنویس کے پاس گئے کہا کہ حضرت جو اُجرت فرمایئے

دوں گا گر دست بستہ ایک عرض ہے کہیے کہوں کہیے نہ کہوں۔ اُنھوں نے کہا ضرور فرمایئے خدا اور خدا کا رسول آگاہ ہے کہ ایسا لکھوں کہ جو دیکھے پھڑک جائے وہ نسخہ ہو کہ کیمیا گر بھی وجد کرنے لگے۔ ہاں حضرت یہ تو صحیح ہے گر ذرا اپنی طرف سے زیر زبر بڑھا دیجیے گا اور چاہے خدائی بھر کے کلام کو اصلاح دیجیے۔ لیکن اللہ میاں کی شان میں یہ گستاخی ناجائز ہے۔ خوشنویس نے کہا کیا مجال۔ یہ کلام مجید ہے ممکن کیا کہ اس عاصی کے قلم سے ایک نقطہ بھی بدلنے پائے۔ توبہ توبہ۔ آپ مطمئن رہیے ایسا نہ ہونے پائے گا۔ خیر حضرت وہ تو گھر گئے اُدھر میاں خوشنویس لکھنے بیٹھے جب ختم کر چکے تو کتاب پاک لے کر چلے۔ کوئی ایک مہینے میں قرآن لکھ ڈالا۔ لیجیے حضور قرآن موجود ہے ملاحظہ فرمائیے۔ میری محنت پر نظر ڈالیے اور غور کیجیے کہ کیا دیدہ ریزی کا کام ہے۔ اُنھوں نے سر جھکایا اور تھوڑی دیر میں غور کر کے کہا کہ بس ایک بات صاف فرما دیجیے کہیں کچھ اپنی طرف سے تو نہیں ملا دیا ہے خوشنویس نے کہا نہ۔ لاحول ولا قوۃ۔ پڑھتے پڑھتے ہوئے ہاتھ کانپتے تھے۔ گر اسمیں جا بجا شیطان اور ابلیس کا نام تھا میں سوچا کہ کتاب مقدس اور شیطان کا لفظ۔ اچھی بات نہیں۔ لہذا کہیں آپکے باپ کا نام لکھ دیا کہیں شیطان کی جگہ اپنے پدر بزرگوار کا نام لکھ دیا۔

بیگم۔ بس یہی لطیفہ۔ یہ تو پرانا لطیفہ ہے۔

خوجی۔ جی حضور اس دھاندلی کی سند نہیں۔ اب افیم پلانے کا وقت آیا تو دھاندلی کی لینے لگیں۔

اتنے میں میرزا صاحب نے خوجی کو افیم کے عوض خالی پانی پلا دیا کہیں بالکل خالی پانی ہی نہ یہ سمجھ گا۔ اسمیں ذرا سا کتھا بھی ملا تھا جسمیں رنگ آجائے جھٹپٹا وقت خوجی کو دن کو اونٹ کی گردن تو سوجھتی ہی نہ تھی بھلا شب کے وقت افیم اور کتھے کے رنگ میں کیا تمیز کرتے آپ نے غنیمت سمجھ کر پیالے کا پیالا چڑھا لیا مگر واہ ری افیم اور واہ رے تیرے خیال پیتے ہی حضرت غش ہو گئے دین دنیا دونوں سے بے فکر خبر ہی نہیں۔

جب چاندنی نے سبزے میں کھیت کیا اور رات بھیگی تو میاں آزاد نے اپنے بستر پر آرام فرمایا اور میرزا صاحب نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے کمرے کو رشک گلزار بنایا تو خوجی کلبلا کر اُٹھ بیٹھے۔

خوجی۔ ایں! چو طرفہ سناٹا۔ ہو کا عالم۔ آدمی کیا جانور تک نظر نہیں آتے اور نشہ ہرن۔ بھئی کچھ عجب پھوس افیم تھی کہ گویا پی ہی نہیں۔ گر پہلے تو بڑا زور کیا تھا۔ میں غش ہی ہو گیا تھا۔

راوی۔ اور یہ خبر ہی نہیں کہ افیم کے عوض دو چار تولے کتھا گھول کر پی گئے باقی رہا نشہ اُسکی نہ کہیے۔ آپ بے پیے یوں ہی غش رہا کرتے ہیں

خیر اب ذرا میاں خواجہ بدیع صاحب کی وحشت ملاحظہ فرمایئے چینیا بیگم نے انگلیوں پر نچایا۔ جمائیوں کی ڈاک بیٹھ گئی آنکھوں سے پانی جاری ہونے لگا۔ بدن ٹوٹ رہا ہے کلیجہ بلیوں اُچھلتا ہے۔ خون خشک اپنی قضا کے خود نوحہ خواں نزع کی حالت میں سسکتے ہیں۔ چہرے پر مردنی چھائی ہوئی ڈبیا جیب سے نکالی کہ شاید کھرچن درچن ادھچن پوچھن پڑی پڑائی ہو تو اسدم جی جائیں دیکھا تو صفا چٹ بس سن سے جان نکل گئی آدھی رات کا وقت۔ انسان کیا معنی مرغ و ماہی تک آرام میں۔ اب افیم آئے تو کہاں سے سوچے کہ کھٹی چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے جائیں گے اور بیچ کھیت جائینگے افیم کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈھ ہی لائینگے ہمت مرداں مدد خدا۔ دن سے چل کھڑے ہوئے۔ گلی میں کانسٹبل سے مڈبھیڑ ہو گئی

کانسٹبل۔ کون۔

خوجی۔ ہم ہیں خواجہ بدیع ملازم سرکار۔

کانسٹبل۔ کہاں کام کرتے ہو دفتر میں کام کرتے ہو نہ۔ کس دفتر میں۔

خوجی۔ پولیس کے دفتر میں۔ بانکے بھائی جی کی جگہ پر آج سے کام کرتے ہیں بلا اسوقت کہیں سے ذرا سی افیم لا دو تو بڑا احسان ہو آخر اتا دبا للا ہمیں سے پڑیگا۔ تمھارے ہی دفتر میں ہیں سیاہ و سفید کا ہمیں کو اختیار ہے۔

کانسٹبل۔ ہاں ہاں ابھی اسی دم اور میں تو خود افیم کھاتا ہوں۔

افیم تو لو یہ ہے مگر اسوقت کھولینگے کس میں۔

خوجی۔ واہ۔ کانسٹبل ہوکے باتیں۔ گھر کی حکومت۔ سرکاری پیادے کو سب جانتے ہیں۔

کانسٹبل۔ اچھا چلو پلادیں۔

خوجی۔ (خوش ہوکر مارے خوشامد کے) واہ صوبیدار صاحب بڑے بڑے وقت کام آئے۔ ہم آپ جانیے رئیس آدمی۔ شام کو افیم کھانا بھول گئے آدھی رات کو یاد آیا۔ ڈبیا کھولی تو سناٹا۔ لے کہیں سے پانی اور پیالی دلواؤ تو جی اُٹھیں ورنہ اپنجانب کی خیر نہیں بس ایک ہی دم کا مہمان ہیں۔

الغرض کانسٹبل نے حضرت خواجہ صاحب کو خوب افیم پلوائی۔ اور خوجی نے مرغ کی طرح چسکی لگائی۔ گھر کو لوٹے تو راستہ بھول گئے جاتے کہیں ہیں اور پاؤں کہیں پڑتا ہے۔ ایک بھلے مانس کے دروازہ پر پہونچے تو پینک میں سوجھی کہ یہی میرزا صاحب کا مکان ہے۔ واہ ری پینک۔ پھر کیا تھا دست خدا سلامت رکھے لگے زنجیر دروازہ کھڑکھڑانے اور غل مچانے کھولو۔ کھولو۔ دروازہ کھولو کھولو بھئی اُف اب تو پاؤں ڈگمگاتے ہیں۔ کھڑا نہیں ہوا جاتا کھولو۔ دروازہ کھول دو بھائی۔

اِدھر سنئے کہ میاں خواجہ بدیع صاحب باہر کھڑے گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتے اور دروازہ دھم دھم دھلاتے ہیں اندر اُس مکان میں ایک میاں رہتے تھے اُنیس صدی کی پیدائش۔ خوجی سے بھی چار کوڑی ایک لو پر دس برس کا سن کھیل کود کے دن۔ دُبلے پتلے ہاتھ پاؤں۔ قد خشم بہ دور تین کم سوا دو انچ کا سوکھے ہڈی اور پوست کے گوشت اور چربی کا نام بھی نہیں اونکی بیوی خاصی دیو کی ہاتھی کی مستنڈی بڑے ڈیل ڈول کی عورت کھڑی ہوئی بے چوڑے ہاتھ پاؤں اُٹھتی جوانی مگر ایک آنکھ کانی چال مستانہ کلوں چال میاں کا منہ۔ ایک گھونسا تان کے لگائے تو شیدی لنڈھور کا بھی کچومر کس نکل جائے۔ کوئی دو تین کم بیس برس کی عمر دونوں میٹھی نیند سو رہے تھے کہ خوجی نے دھم دھم دھمانا شروع کیا۔

میاں (چونک کر) ایں! خداوندا بچائیو اس اندھیری رات میں کون آیا بھئی اُف مارے ڈر کے روح کانپتی ہے۔ کیسا اندھیرا گھپ ہے لپٹتے حباب اُٹھنے والے کو کچھ کہتا ہوں۔ مگر بیوی کو جگاؤں اور مردانہ کپڑے پہنا کر ساتھ لیجاؤں تو وہ بھی کانپنے لگے کہ ہاں بڑودہ کے پہلوانوں کا گھر ہے۔ یہاں سے بچ کر جانا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔

خوجی۔ کھولو۔ میٹھی نیند سونیوالو کھولو۔ یہاں جانتے دیر نہیں ہوئی اور کواڑے چپ سے بند کر لیے کھٹیا دٹیا سب غائب کر دی۔

میاں۔ (سرہانے جا کر) بیگم۔ بیگم۔ او بیگم۔ کیا سو گئیں۔

وہاں سناٹا ہے جوانی کی نیند دل لگی ہے۔ کوئی چارپائی اُلٹ دے تو کانوں کان خبر نہو۔ سر پر چکی چلے تو آنکھ نہ کھلے۔ میاں کی روح فنا آنکھوں کو مارے ڈر کے ایک ہاتھ سے بند کیے ہوئے بیوی کے سرہانے کھڑے ہیں مگر تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ ایک بار جان پر کھیل کر کچ کچا کے خوب زور سے شانہ ہلایا۔ او بیگم سنتی ہو کہ نہیں۔ جگی ہیں مگر سوت کھینچے پڑی ہیں۔

بیگم۔ (ہاتھ جھٹک کر کے) واہ پہلے شانہ اُکھاڑ ڈالا۔ اللہ کرے یہ ہاتھ ٹوٹیں ہماری میٹھی میٹھی نیند مارے ہچکولوں کے تلخ کر دی۔ واہ اللہ جانتا ہے میں تو سمجھی ہاڑا ڈولا آ گیا۔ خدا خدا کر کے ذری آنکھ لگی تو یہ شکی پڑی انکی جگایا تو تم جانو گے پھر اپنی والوں تو بیٹھ کے روتے ہیں۔ بے غیرت چل دور ہو۔

میاں۔ لاحول ولا قوۃ۔ کیا پھر سو گئیں جیسے نیند کے ہاتھ کوئی بک جاتا ہے بیگم او بیگم (ڈرتے ڈرتے) اُٹھتی ہو کہ نہیں۔

بیگم۔ اے لو ئی۔ کیا ہے کیا۔ کچھ منہ سے بولو گے بھی۔ بیگم بیگم اچھی رٹ لگائی ہے خدا لگتی کہو تو منہ ڈھانپ کے سو رہو ایک تو آپ سوئیں دوسرے ہماری نیند بھی حرام کریں۔

خوجی۔ دھم دھم۔ کھڑ کھڑ کھڑ۔ کھولو۔ مر گیا پکارتے پکارتے۔

میاں۔ بھئی یہ کون ہمارا دشمن اسوقت آیا ہے۔ خدا ہی خیر کرے۔ بیگم او بیگم خدا کرے بہری ہو جائے۔ انکی نیند سے اپنی جان عذاب میں ہے۔ دیکھو تو یہ کواڑ کون توڑے ڈالتا ہے۔ بندہ تو اس اندھیاری میں جانے والا نہیں ذری تم ہی دروازہ تک جا کر دیکھ لو۔

بیگم - جی میری بلا بیزار اٹھتی ہے۔ تمہاری تو وہی مثل ہے کہ روٹی کھائے دس بارہ دودھ پیے مٹکا سارا کام کرنے کو ننھا بچارا۔

پہلے تو میں عورت ذات جو ڈر گئی تو پھر کیسی ہو جانے کون مرا آیا ہے چور چکا مسہری کو بھی ٹٹولتے ہیں۔ اے لعنت خدا پھٹے سے منہ مرد مسے بنے ہیں جورو اسے کہتے ہیں کہ باہر جاکر چور سے لڑو۔

خوجی۔ اجی بیگم صاحب۔ خدا کی قسم افیم لانے گیا تھا۔ ذرا دروازہ کھلوا دیجیے۔ یہ میرزا صاحب اور مولانا آزاد تو میری جان کے دشمن ہیں

بیگم نے جو افیم کا نام سنا تو آگ بھبوکا ہو گئیں۔ اٹھ کر میاں کو ایک لات لگائی تو دھم سے لڑھکنی کھائی اور بیوی نے اوپر سے ادرکو سنا شروع کیا اس افیم کو آگ لگے پینے والوں کا ستیاناس جائے ایک تو میرے ماں باپ نے اس نکھٹو کے کھونٹے میں باندھا دوسرے اس کے ماں باپ نے افیم اسکی گھٹی میں ڈالدی۔ چلو بس ہو چکی زندگی اور تمھنے جو قسم کھائی تھی کہ آج سے افیم نہ پیوں گا۔ نہ تمہاری قسم کا اعتبار نہ زبان کا۔ قسم بھی کوئی مولی گاجر ہے کہ (کرکر) کرکے چبا گئے۔

میاں۔ (گرد جھاڑ پونچھ کر) کیوں جی ادھر جو میں بھی ایک لات کس کے جمانے کے لائق ہوتا تو پھر کیسی ٹھہرتی۔

راوی۔ جو ہوتے نہ اس لائق۔ ایسے ہوتے تو جورو کی جوتیاں ہی کیوں کھاتے گر میاں صاحب دل ہی دل میں اپنے ماں باپ کو صلواتیں سناتے ہیں۔ وہ اچھے ماں باپ تھے۔ یہاں مفت جان پاپ آدمی۔ بیوی لاکے ٹھادی دیدی۔ ہشت مشت یہاں مرنے سے بدتر۔ ہاتھ پاؤں ہڈی ہڈی گن لیجیے۔ وہ تو بیاہ کرکے چھٹی پا گئے۔ لاتیں ہمیں کھانا پڑتی ہیں۔ میں تو سمجھا کہ اپنا کام ہی تمام ہو گیا مگر کھا بچا کہ پھر (جیوگی تو) موجود

بیگم۔ میرا تو قاعدہ ہے کہ پہلے تو باتوں سے سمجھاتی ہوں اور کوئی نہ سمجھے تو لاتوں سے خبر لیتی ہوں۔ میں تو اس فکر میں ہوں کہ تم کو کھلا پلا کر خاصا ہٹا کٹا بناؤں ہمسائی طعنے تو نہ دیں اور تم پیو افیم تو جی جلے یا نہ جلے

میاں۔ تمہاری جان کی قسم کون مردود چنڈو کے قریب بھی گیا ہو چنگ یا کبھی افیم کی صورت بھی دیکھی ہو۔ اور یوں خواہ مخواہ بدگمانی کا کونسا علاج ہے ذری چل کے دیکھو تو آخر ہے کون کوئی ہمارا دشمن ہے کہ آن کر میاں بیوی کو لڑوا دیا۔ تم کسی کی سنتی تو ہو نہیں۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ کس کر ایک لات جمادی بس۔

میاں خواجہ بدیع صاحب اس اثنا میں اونگھ گئے۔ زنجیر کھٹکھٹی پلنگ میں کھڑے ہیں۔ یہ میاں بیوی چلے تو اس قطع سے کہ بیوی آگے آگے دست پناہ ہاتھ میں لیے ہوئے اور میاں پیچھے پیچھے مارے ڈر کے آنکھیں بند کیے ہوئے راہ میں جو بیوی کا ہاتھ ذرا چھوٹ جائے تو غل مچائیں کہ ہائے مرا۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی پکڑ لے جائے۔ دروازہ کھولا تو خوجی دھم سے گرے سنبھل اور میاں مارے خوف کے کانپ کر خوجی پر اڑا اڑا کر کے آ رہے اور بیوی نے دونوں کو دبوچا۔ اچھی تگڈم ہوئی۔ مگر خواجہ صاحب اسوقت پھرتی سے نکل کر بھاگے تو ناک کی سیدھ پر چلے نشہ تو ہرن ہو ہی گیا تھا۔ سیدھے میرزا صاحب کے مکان پر داخل وہاں دیکھا کہ خدمت گار پڑا خراٹے لے رہا ہے۔ چپکے سے حضرت بھی اپنی کھٹیا پر دراز ہوئے مگر مارے ہنسی کے برا حال سوچے کہ ہم تو تھے ہی لیکن یہ میاں صاحب ہمارے بھی چچا نکلے وہ تو کل حال ان کو معلوم نہ ہوا ورنہ صبح تک نہ ضبط ہو سکتی۔ بارے بخیر گذشت۔

اخبار جنگ

پلا ساقی شراب ارغوانی — کہ جس سے ہو بہار زندگانی
کھٹکتا ہے مجھے یہ ہوش باقی — وہی پھر دے ترے قربان ساقی
طبیعت صورت خم جوش میں ہے — تمنا عزم نوشا نوش میں ہے
ہجوم آرزو کہتا ہے مے جام — جھکا شیشہ کہ آیا اور ہنگام
لپٹ جا آگے سے پھر سفر ہے — نہیں معلوم کیا ہو کیا خبر ہے
خبرداران الفاظ معانی — بیاں کرتے ہیں یوں اب یہ کہانی

آ زا دھر غنچہ صبح کھل کھلایا۔ اُدھر میاں آزاد کو اُس شکر لب سیم غبغب بیگم کا جھگڑا نظر آیا۔ ؎

نظر میں تیزیاں تیغ اجل کی ——— لب شیریں میں شیرینی عسل کی
غضب آنکھیں نشۂ کیف لبریز ——— سناں ہر مژہ دل کے لیے تیز

میاں آزاد نظر بھر کر اس جادو جمال زہرہ تمثال کو دیکھنے بھی نہ پائے تھے کہ میرزا صاحب بھی انگڑائیاں لیتے ہوئے پلنگ پر سے اُٹھے بیگم صاحب بالکل پراگندہ نقاب بے تکلفی سے کھڑی میاں آزاد کو کنکھیوں سے دیکھ رہی تھیں اپنے شوہر کی جو آہٹ پائی تو بدن کو چرا لیا اور ایک طرارا بھرا تو زمین کی اوٹ میں تھیں۔

میرزا۔ آداب عرض ہی۔

آزاد۔ کورنش کیجئے حضرت آج تو کسی ایسے آدمی کے پاس لے چلیے جو پولیٹکل امور سے خوب واقف ہو ہم سُن بھی تو لیں کہ روسیونکا قصد اب کیا ہی جنگ کی ٹھہری یا نہیں ٹھری چھڑی یا ابھی کچھ دیر ہی حضرت اتنو جاہے جو ہو بندہ درگاہ جائیں اور بیچ کھیت جائیں مگر اب دوزرو زٹالنا عقل کے خلاف ہی ہم آپکی حسن کے لیے وعدہ کر چکے ہیں وہ ہر دم میری نظروں کے سامنے ہی ہے

بیگم ہی تو ایسا ہی۔ قول مرداں جان دارد۔ مگر نظیر بیگم پر آپکا دل بے طور آیا تھا۔

آزاد۔ (شرماکر) واہ

اتنے میں میرزا صاحب کو کسی نے باہر بلایا۔ یہاں میاں آزاد نے میدان خالی پایا تو ایک گرماگرم فقرہ بیگم صاحب کو سُنایا۔

آزاد۔ آپ نے ابھی کیا فرمایا تھا۔

بیگم۔ جی بھول گئے ہونگے آپ۔ میں نے کہا تھا کہ اُس نظیر بیگم پر آپکا دل بے طور آیا تھا۔

آزاد۔ (دبے دانتوں) اب اسکا انصاف تو ہم نے آپ ہی پر چھوڑا بس سمجھ جائیے

بیگم ؎ حیا چھپنے لگی آنسو میں آکر ——— ندامت نے کیا چپ سر جھکا کر

آزاد۔ کچھ جواب دیا حضور نے میں جواب کا منتظر ہوں مگر ٹکا سا جواب دیجیے گا۔

بیگم۔ مجھ سے اڑئیے نہیں بہت میں بھانپ گئی آپ نے ایسا شافی جواب دیا کہ جی خوش ہو گیا۔

راوی۔ ناظرین تاڑ ہی گئے ہوں گے کہ جواب شافی کیا تھا۔ ہاں شاید بعض بزرگ منش آدمی ان باتوں کو پیرانہ سالی کے سبب سے بھول گئے ہوں تو ہم انکا اعادہ کرتے ہیں تاکہ مطلب صاف صاف سمجھ میں آئے یاد ہو گا کہ میاں آزاد میلہ دیکھنے جاتے تھے تو ایک ایوان عالیشان کے رنگین و نزہت آگین کمرے میں ایک نگار پری چہرہ نظر پڑی اور دونوں میں باہم آنکھ لڑی۔ یہ تو عاشق مزاج تھے بس جم گئے وہ بھی چمن طبع نکلیں جھلک دکھائی اور نظر سے اوجھل کبھی اُس دریچی سے چاند سا مکھڑا دکھایا۔ کبھی اس کھڑکی سے جھمکڑا دکھایا۔ اُنھوں نے غل مچایا کہ ؎

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی ——— بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

الغرض ادہر سے وصلیاں آئیں اور آزاد پکار اُٹھے کہ تو نقشہ جم گیا وصلی وصال کی خبر دیتی ہی۔ الغرض ادھر تو آزاد ونگار ادھر طبیعت بیقرار آخر کار اندر سے ایک عورت آئی اور میاں آزاد کو لے گئی اُس مشتری خصال کو معلوم تھا کہ میاں آزاد یہی ہیں اور اُنکی بہن حسن آرا کا دل اسی جوان پر آیا ہی پیاری بہن کا پیارا اُنکا پیارا پہلے ہو چکا بیگم نے اُنکو خوب ٹٹولا اور لگاوٹ کی باتیں کیں کہ دیکھیں انکو حسن آرا کا تہ دل سے پیار ہی یا فقط زبانی داخلہ آزاد نے جو بغور اُس بت پندار پر نظر ڈالی تو گانا شروع کیا کہ ؏ نے گل بتو خرسندم تو بوے کسے داری ؏ وجہ یہ کہ حسن آرا کی اور اُنکی شبیہ بہت ملتی تھی۔ وہی قد و قامت وہی چال ڈھال وہی خط و خال میاں آزاد کی باتوں سے اُن کو معلوم ہو گیا کہ یہ سچے اُنکے عاشق ہیں۔ جب تو میاں آزاد نے کہا کہ خود ہی انصاف کیجیے۔

میرزا اسد بیگ صاحب جو باہر سے تشریف لائے تو میاں آزاد سے اُنھوں نے یوں بات چیت کی۔

میرزا۔ کہئے آج کیا قصد ہیں۔ کدھر کے دھاوے ہیں۔

آزاد۔ اسوقت ہم کو کسی ایسے لائق آدمی کے پاس لے چلیے جو معاملات موجودہ ٹرکی سے خوب واقف ہو۔ ہمیں وہاں کا کچھ حال معلوم ہی نہیں کہ ہو کیا رہا ہی وہاں کوئی جنگ ہوئی یا ابھی ویسی گندے ہی تو لتے ال کے بجاتے ہیں

کچھ سن تو لیں پھر وہاں کے رنگ ڈھنگ تو معلوم ہوں۔ کسی انگریزی خواں کے پاس لے چلیے۔ انگریزی اخبارات کہیں سے مل جائیں تو واہ جی واہ۔ ہم خود ہی سب حالات پڑھ لیں۔ کاہے کو کسی سے پوچھنے کی حاجت رہے۔

میرزا۔ بہت خوب چلیے۔ میرے ایک دوست ہیڈ ماسٹر ہائی اسکول ہیں بڑے طباع آدمی انگریزی اخبارات کے کارسپانڈنٹ بھی ہیں اور خلیق مرد آدمی۔ یار باش۔ زندہ دل۔

آزاد۔ بس چلیے ایسے ہی لوگوں سے تو یہ بات ممکن ہے۔ اُنسے ہم سے خوب میزان پٹے گی بس اور کچھ چاہیے نہ بتائیں لیکن اخبارات انگریزی ذرا دکھا دیں۔ میں کل حالات خود پڑھ لوں گا۔

بیگم۔ اے تو کچھ کھاتے تو جاؤ۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔

آزاد۔ اجی نہیں اب جانے ہی کی دھن ہے۔ جانے دیجیے۔ کوئی دو گھنٹے میں آئے جاتے ہیں۔

بیگم۔ اچھا تو پھر بے چاء پلائے تو ہم نہ جانے دینے کے۔ چاء پیتے جاؤ گرما گرم پھر جاہے جب آؤ۔

آزاد۔ بہت خوب۔ آپکا حکم بسر و چشم منظور لا دیئے چاء مگر اُسکے تیار کرانے میں ذرا دیر لگے گی۔

زبین۔ اے حضور تیار ہے۔ دیر کاہے کی۔ تیار ہے لائی۔

یہ کہکر زبین دو دھیا چاء لائی اور آزاد و میرزا صاحب نے بڑے شوق سے پی

آزاد۔ اب تو جانے دیجیے گا۔

بیگم۔ واہ واہ۔ آپ ہمیں کوئی بدتمیز سمجھے ہیں۔ یہ کہاں کا سلیقہ ہے کہ چائے پلائے اور گلوری نہ کھلائے۔

میرزا۔ پھر لپ جھپ بنا دو دو چار گلوریاں۔

بیگم۔ (ہنسکر) تمھاری سی پھرتی اور تیزی کوئی کہاں سے لائے۔

آزاد۔ (اپنے دل ہی دل میں) اہو ہو شوخی اور تیزی کا تو کوئی تم سے سبق سیکھے۔ بجلی کی کل بھی اتنی پھرتی سے کام نہ کر سکے۔

خیر بیگم نے گلوریاں بنائیں جھٹ پٹ۔ زبین ایک خاصدان میں رکھ لائی اور میاں آزاد نے کھائیں اور میرزا صاحب کو کھلائیں۔

آزاد۔ اب اور تو کچھ نہیں باقی رہا۔ سوچ لیجئے۔ ابھی سویرا ہے۔

بیگم۔ جی بس اب آپ سیر و گشت کو جائیں دوپہر کو آؤ چاہے تیسرے پہر کو۔

آزاد اور میرزا صاحب اور میاں خواجہ بدیع مل کر ہیڈ ماسٹر کے مکان پر گئے تھوڑی دور مکان تھا چلے اور کھٹ سے داخل۔

ہیڈ ماسٹر۔ (میرزا سے) آخاہ۔ آج بہت دن کے بعد آپ کہاں بھول پڑے۔ حضور مزاج مقدس۔

میرزا۔ شکر ہے آپکا مزاج۔

ہیڈ ماسٹر۔ (آزاد کی طرف اشارہ کر کے) آپکی تعریف کیجئے۔

میرزا۔ آپ میرے بھائی عزیز اور دوست ہیں۔ بڑے لائق فائق بزرگوار۔ ٹرکی جانے کا قصد ہے۔

ہیڈ ماسٹر۔ ٹرکی! یہ کہئے۔ آخاہ مولانا محمد آزاد صاحب۔؟

میرزا۔ جی ہاں۔ آپ ہی ہیں۔

ہیڈ ماسٹر۔ (آزاد سے) حضرت آئیے بغلگیر تو ہوں (استادہ ہوکر) آپ تو شہرۂ آفاق قابل زیارت ہیں۔

آزاد۔ (بغلگیر ہوکر) حضرت یہ آپکی ذرہ نوازی ہے کہ آپ ایسا فرماتے ہیں ورنہ من آنم کہ من دانم۔ میں تو ایک گمنام فقیر آدمی ہوں۔ گدائے بے نوا۔

ہیڈ ماسٹر۔ آپکا دولت خانہ کہاں ہے جناب۔

آزاد۔ ع درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست ؎ کیا پوچھتے ہو خانہ بدوش کا گھر کہاں ؎ قبلہ خاکسار خانہ برباد و خانہ بدوش ہے لڑکپن سے اصنام دشت نوردی سے ہم آغوش ہے۔ جہاں پڑ رہے وہیں گھر ہے۔ اب تو بالفعل ٹرکی جانے کی دُھن ہے اور بس۔

ہیڈ ماسٹر۔ خدا سب کو ایسی ہی توفیق خیر دے آپنے بڑی ہمت کی ہے۔ ع۔ آفریں باد بریں ہمت مردانۂ تو۔

آزاد - خدا کی مدد اور عنایت مجھے درکار ہے -

ہیڈ ماسٹر - بیشک -

آزاد - حضرت تازہ حالات روم و روس کچھ بتلایئے کہ وہاں ہو کیا رہا ہے -

ہیڈ ماسٹر - ٹرکی کی حالت قابل افسوس ہے - بڑی نازک حالت ہو گئی اور دیکھ لیجیے گا کہ رفتہ رفتہ اُنکے اعضا و جوارح ہی اُس کے دشمن ہو جائیں گے گو اہل ٹرک اُنکو غنیم اور باغی سمجھتے ہیں مگر اجتماع مخالفین ہادم بنیاد سلطنت ہے -

خوجی - قبلہ و کعبہ میرے پیٹ میں غنیم و باغی کا لفظ سنکر چوہے چھوٹ گئے آنتیں تک جلنے جاتے ہیں لیجے ذرا مہربانی کرکے جھٹ پٹ بتا دیجیے گا کہ وہاں توپ دغ رہی ہے یا نہیں - دنا دن کی آواز کان میں آتی ہے یا نہیں -

ہیڈ ماسٹر - حضرت دنا دن کی آواز تو یہاں تک آ چکی - آپکے کان شاید کان ساعت ہوں تو ہوں بندہ نہیں سن سکتا - مگر جنگ چھڑ گئی خوب لڑ رہی ہے -

خوجی - اُف میرے اللہ - روح بس تحلیل ہی تو ہو گئی -

آزاد - خواجہ صاحب ہمت نہ ہاریے - فتح ہے انشاء اللہ

خوجی - اجی ہمت گئی کھیلنے یہاں تو توپوں کی آواز کانوں میں برابر آ رہی ہے - اور پانؤں ڈگمگایا جاتا ہے -

ہیڈ ماسٹر (خوجی کی طرف اشارہ کرکے) آپ کون بزرگ ہیں -

خوجی - مجھی سے نہ پوچھیے - جی بندے کو لوگ خواجہ بدیع صاحب علیہ الرحمۃ والغفران کہتے ہیں -

آزاد - عرف ؟

خوجی - جی بس رہنے دیجئے - آپ بیچ میں ہانک نہ لگائیے -

آزاد - (ہیڈ ماسٹر سے) اب روس سے ہوتی ہے نا -

ہیڈ ماسٹر - جی نہیں مدعا یہ ہے مگر سازش ہو یہ ضرور ہے جس میں اصلا شک نہیں

آزاد - تخت پر تو بالفعل حضرت مراد آفندی ہیں نہ -

ہیڈ ماسٹر - جی ہاں - مگر چوں مہ بحجاب اندر

خوجی - یا چوں خطہ بہ کتاب اندر - چوں بو بگلاب اندر - چوں افیم بہ پیالہ اندر - چوں نشہ بہ پوستا اندر -

ہیڈ ماسٹر - آپ بھی طرفہ معجون ہیں -

آزاد - کیا خاص حضرت سلطان المعظم کی رعایا باغی ہے -

ہیڈ ماسٹر - جی ہاں اکثر صوبے بگڑ گئے اور جنگ ہو رہی ہے -

میرزا - سرویہ والا بڑا شریر معلوم ہوتا ہے -

ہیڈ ماسٹر - جی ہاں ایک تار برقی سے معلوم ہوا تھا کہ ٹرکی اور سرویہ میں جنگ ہوا ہی چاہتی ہے -

شہزادہ ملن اُدھار کھائے بیٹھے ہیں کہ ٹرکی سے لڑیں -

میرزا - بھلا سرویہ ہے کہاں -

آزاد - سلطنت عثمانیہ کا ایک صوبہ ہے سرویہ کی تو کیا اصل حقیقت ہے کہ روم کے منہ چڑھے مگر درپردہ روس منحوس کی سازش ہے یہ سب اُسی کی کلے ٹھوکے ہوئے ہیں

ہیڈ ماسٹر - جی ہاں روسی سپہ سالار انکے کمانیر ہوئے ہیں - اب اس سے بڑھ کر اور کیا مدد ہو گی خیر - سرویہ تو ایک طرف ٹیلیگرام سے منکشف ہوا کہ مانٹی نیگرو نے بھی اشتہار جنگ دیدیا -

آزاد - ہاں ! لاحول ولا قوۃ - بُری ہوئی -

خوجی - بُری ہوئی تو پھر جاتے کیوں ہو کیا تباہی آئی ہے کہ چلے روم روم - شامت اعمال !!! -

ہیڈ ماسٹر - سرویہ کی فوج سرحد سے گذر گئی - ترکوں سے ایک جگہ بھی ہوئی سنا کہ غنیم نے لشکر سلطانی سے زک فاش پائی - مگر سرویہ والے کہتے ہیں کہ یہ سب غلط ہے - ہم ڈٹے ہوئے ہیں - زیت شہر اور مقاموں میں ہم کو نے جو فتح پائی اسکو اہل سرویہ مخفی رکھتے ہیں - انکا قول ہے کہ ہم نے ترکوں کو سرحد بوسینا پر زک دی -

خوجی - واہ کہیں دی نہ ہو مگر آپنے تو ایسے ایسے شہر بتائے کہ میرے ہوش اُڑ گئے - یہ زیت کس شہر کا نام ہے اور دھون کون مقام ہے دیکھیے تو کل ہم بھی جانتے ہیں - قسم خدائے پاک کی آنتی ڈیاں بھوکی ہوں کہ پرسے

کے پرسے صاف ہو جائیں۔ دل لگی ہی قبلہ کچھ۔

آزاد۔ یہ روسی سپہ سالار جو سروِیہ کی طرف سے لڑتے ہیں قیصر کاری طور پر یا اپنی ہی خوشی سے۔

ہیڈ ماسٹر۔ ہوس آف لارڈز میں لارڈ ڈربی صاحب نے بجواب سوال لارڈ کمبرڈون کے بیان کیا کہ یہ بات قرینِ قیاس نہیں کہ روسی افسر جو سرویہ کی فوج میں مقرر ہوے وہ گورنمنٹ روس کی اجازت سے آگئے ہوں آج کی تاربرقی بڑی تشویش ناک ہی۔

خوجی۔ اللھم احفظنا من کل البلیات۔ میں تو یہ خبریں سُن سُن کر نیم جان ہو رہا ہوں۔ مینوں خون خشک ہوا جاتا ہی۔

ہیڈ ماسٹر۔ ۷۔ جولائی کے ٹیلیگرام مرسلہ لندن سے منکشف ہوا کہ ترکوں اور مانٹی نیگرو میں بڑی گرما گرمی سے جنگ ہوئی۔ دریائے سیوا اور درینا جہاں ملے ہیں وہاں ایک شہر ہی ولیتا۔ اُسی جگہ جنگ ہوئی اور افسوس صد افسوس کہ نتیجۂ جنگ ہمارے حق میں مضر ہم مانٹی نیگرو والوں نے قلعہ میڈن فتح کر لیا۔ یہ قلعہ نہایت مستحکم ہی۔

خوجی۔ بس ترکا ہو گیا ہم تو اپنے حساب ہندوستان چھوڑ ملنیوالے کو کچھ کہتے ہیں

آزاد۔ ہاں حضرت اور کیا تار ہی حضرت یہ خبر تو بُری سُنائی۔ الامان۔

ہیڈ ماسٹر۔ دوسری خبر یہ ہی کہ سرویہ اور ترکوں میں کچھ عرصہ تک سخت جنگ ہوئی مگر فتح و شکست نہ انکو نہ انکو اور افسوس یہ ہی کہ اہل سرویہ کی فوج کی کمان روسی افسر جنرل ٹرنچیف کے سپرد ہی۔ اب سروِیہ فوج صوفیہ کیطرف بڑھتی جاتی ہی۔ ایک خبر یہ ہی کہ ترکوں نے سرویہ کی فوج کو مقام جلینا میں زک دی اور سرویہ کی فوج کے نو سو آدمی مقتول ہوے مگر وہ کچھ اور ہی کہتے ہیں انکا قول ہی کہ ہم کو زک نہیں ملی ہمارے صرف دو سو آدمی مارے گئے اور ہماری فوج سرحد سکا سے اتر گئی اور ترکوں کو ہٹا کر لو دی بازار میں بھگا دیا۔

خوجی۔ ارے اس جنگ کا انجام کیا ہوتا ہے۔ بس اتنا بتا دیجئے۔

میرزا۔ خبر نہیں۔

آزاد۔ افسوس۔ کمال رنج ہو۔ انتہا کا قلق۔

خوجی۔ بھائی سنتے ہو۔ میاں آزاد۔ یار واپس چلو۔ اجی شرط تو یہی ہی نہ کہ تمغے لٹکا کر آؤ۔ پھر یہ خبریں تمغے لٹکانے کی کہاں ہیں۔ ہی کہ نہیں آپ واپس چلیے اور تمغہ میں ایک بنوا دوں گا۔

آزاد۔ ابھی تک یہ کوئی نہیں کہ سکتا کہ انجام جنگ کا کیا ہوگا۔ جنگ دو سر دارد۔ طرفین سے بجوش و خروش لڑائی ہو رہی ہی اور سامان بھی کم نہیں دیکھیں کون دب کے رہتا ہی۔

ہیڈ ماسٹر۔ سرویہ کا تو کیا منھ ہی کہ ٹرکی کے منھ چڑھتا یہ سب اسی گرگ باراں دیدہ کی سازش ہی اور اغوا کا انجام بد ہی۔ خدا خیر کرے بڑی مہیب جنگ ہوگی اور ہمارا دل گواہی دیتا ہی کہ اگر سرویہ نے شکست پائی تو روس خود خم ٹھونک کے لڑنے پر آمادہ ہو جائے گا پھر البتہ لوہے سے لوہا بجیگا مگر دیکھیے کا ترکی بھی کیسے لڑتے ہیں۔ بلا کے جری ہیں۔

آزاد۔ جی اسمیں کیا فرق ہی۔ انکی جرأت کے کبھی آج جھنڈے گڑے ہوے ہیں وہ بڑے لڑنے بھڑنے ملنسیں روسیوں کیا کچھ کم تھوڑا ہی ہیں۔ مگر سامان ندارد۔ ٹکا پاس نہیں۔ جنرل اور افسر کم۔ اور بد نظمی بہت۔

خوجی۔ یہ آپ نے کیا فرمایا کہ ٹکا پاس نہیں۔ کیا افیم کا محصول نہیں آتا۔

الغرض میاں آزاد اور میرزا صاحب اور خوجی ہیڈ ماسٹر سے رخصت ہوے اور گھر پہونچے۔

ریل کے حادثے

میاں آزاد زنان خانے میں بیٹھے گپیں اُڑا رہے تھے اور باہر میاں خوجی زمین سے باتیں بنا رہے تھے اتنے میں ایک قوال بار بار یہ مصرع گاتا ہوا راہ جانے لگا اور نغمۂ دلکش و ترانۂ روح افزا سے خلق اللہ کو لبھانے لگا۔ اس لیے تصویر جاناں ہم نے کھنچوائی نہیں ؎ بیگم آپ جانیے کمسن عورت اور چمن طبع رنگین مزاج۔ مصرع سنتے ہی میاں آزاد سے فرمائش کر بیٹھیں کہ حضرت اسپر مصرع لگائیے میاں آزاد بلیغ الکلام شیریں مقال خوش فکر نازک خیال تو تھے ہی

ادھر بیگم صاحب نے فرمائش کی ادھر میاں آزاد ترلبے بول اُٹھے ؎

اشتیاقِ دید سے فرصت کبھی پائی نہیں   اسلیے تصویرِ جاناں ہمنے کھنچوائی نہیں
غیر دیکھیں اُنکی صورت اسکی تاب آئی نہیں   اسلیے تصویرِ جاناں ہمنے کھنچوائی نہیں
محو نظارہ رہے ایسے کہ یاد آئی نہیں   اسلیے تصویرِ جاناں ہمنے کھنچوائی نہیں
اسکی فرقت نے بسن میں اپنے کبھی آئی نہیں   اسلیے تصویرِ جاناں ہمنے کھنچوائی نہیں

بیگم ۔ کیسے آپکی خاطر سے اسکی تعریف کردیں مگر سچ پوچھو تو مصرع ڈھیلے ڈھالے ہیں

آزاد ۔ ہوں! اچھا تو آپ کوئی چٹ پٹا مصرع کہیے ۔

بیگم ۔ لے ہم عورت ذات بھلا شعر شاعری کیا جانیں اور جو آپ کی یہی مرضی ہے تو بسم اللہ ۔ ؎

ڈھونڈھا کیے پر ہاتھ ہی آئی نہیں   اسلیے تصویرِ جاناں ہمنے کھنچوائی نہیں

آزاد ۔ بارک اللہ آپنے تو سلمان ساؤجی کے بھی کان کاٹے ۔

خوجی ۔ اُنھوں نے تو سلمان ساؤجی کے بھی کان کاٹے اور میاں حضرت ملیح کے سوئن فکر نے کمال خجند اور طواط اور رودکی کے کان کتر لیے ۔ ذرا سنیے گا کیا مصرع کہا کہ حافظ حلوائی کے بھی دانت کھٹے کردیے مگر مجھ کمبخت کو قدردان ہی نہیں ملتا ۔ ؎

پینک افیون سے مگر فرصت کبھی پائی نہیں   اسلیے تصویرِ جاناں ہمنے کھنچوائی نہیں

اس مصرع کا سننا تھا کہ مرزا صاحب اور انکی ہنسوڑ بیگم اور میاں آزاد ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ گئے ۔

آزاد ۔ خواجہ صاحب آپکو دقیانوس سے تمغہ ملا تھا شاید کبھو ٹکسال پرانے سکے اب ٹکسال باہر ہیں اور دھینگا فیون اس ترکیب سے تو واللہ ہرا یا ہی دیا اتنے میں بیگم صاحب یوں زمزمہ سنج بیان ہوئیں ۔

بیگم ۔ (آزاد سے) ایک بات کہیں جو مانو تو کہیں نہیں بات بھی جائے ۔

آزاد ۔ جو فرمائیے منظور اور یوں بدگمانی کی تو بات ہی اور ہے کہ خواہ مخواہ پہلے ہی گمان ہو کہ بات جائیگی کہکے دیکھ لیجیے نا ۔ سر جائے جان جائے مگر بات نجائے نجائے

بیگم ۔ ہاں! تو کہی ڈالوں ۔ یہاں سے کوئی دو گھنٹے کی راہ پر ایک آخوند صاحب رہتے ہیں ۔ علامہ جلیل اور فاضل نبیل خداترس و خداشناس مسیح نفس خدارسیدہ آدمی ہیں تو اسوقت ریل پر اُنکے پاس چلے جاؤ دعا سے خیر سے بیڑا پار ہو جائیگا اتنے بڑے سفر میں سیکڑوں جھگڑے بکھیڑے جھیلنے ہوتے ہیں جھنجھٹ ہی جھنجھٹ ہے ۔

آزاد ۔ (مسکرا کر) اچھا جانے کو کہیے چلا جاؤں مگر میرے خیالات کے خلاف ہے لوگ ہنسیں گے ۔

بیگم ۔ (تنک کر) ہلے ہے تو کاہے کے لیے لوگ ہنسیں گے خواہی نخواہی ہنسیں گے ۔

میرزا ۔ من ضحک ضحک ۔ یہ اچھی ہنسی ہے ۔ فقراے باکمال سے ملنا کچھ عیب تو ہے نہیں ۔ پھر ہنسی کیسی ۔ ؎

روے مقصود کہ شاہاں بدعا می بینند   سببش بندگی حضرت درویشان ست

بیگم ۔ آپ لاکھ باتیں بنائیے میں بے بھیجے نہ چھوڑنے کی ۔

آزاد ۔ خیر تو یہاں بھی عذر نہیں ایسا بے عذر آدمی بھی کم دیکھا ہوگا ۔

بیگم ۔ تو پھر اسٹیشن پر جائیے یہی تو ریل کا وقت ہے ۔

آزاد نے کپڑے وپڑے ڈانٹے میاں خوجی کو ساتھ لیا اور اسٹیشن پہنچے ٹکٹ خرید گاڑی میں داخل ہوئے سیٹی ہوئی اور ریل چلی ۔ کوئی آدھ کوس ریل گئی ہوگی کہ ٹھہر گئی ۔ اب سب کو حیرت ہے کہ آدھ کوس کے فاصلے پر ریل کا ٹھہرنا کیا معنی ۔ اسٹیشن نہ چوکی ۔

راوی ۔ حضرات ناظرین ۔ اب ایک اور روایت طلب بات ذرا غور سے سنیے تو مطلب سمجھ میں آجائے ۔

روایت ۔ خوبی مارک نامے ایک باشندۂ جرمنی ہندوستان میں رہتے تھے کئی گرنٹ اُنھوں نے یہاں خرید لیے تھے اُنکی میم ایک خورشید رو پری چہرہ فرانسیسی لیڈی تھیں صاحب کو بڑی تمنا تھی کہ اُنکے گھر میں لڑکا پیدا ہو ۔ مگر لڑکیوں نے اُنکا گھر رکھ لیا تھا اور اُنکی آرزو نے دلی کا خون کیا تھا ۔ جب دیکھو لڑکی ہی ہوتی تھی اور صاحب بیچارہ جھنجھلا جھنجھلا کر رہجاتا تھا ایکمرتبہ جب ؎

امید کے نخل نے دیا بار   خورشید عمل ہوا نمودار

یوں تو صاحب ہر روز دعائیں مانگتے تھے کہ خدا کرے انکی لڑکا ہی ہو مگر انکی دعا قبول نہ ہوئی انکی پھر دختر نیک اختر ہی تشریف لائیں صاحب نے جسوقت بچے کے رونے کی آواز سنی تو بدحواس ہوکر دایہ سے پوچھا کہ جلد بتاؤ لڑکی ہوا یا لڑکا ہوا۔ دایہ نے بصد حسرت کہا کہ حضور ابکی باری پھر مس بابا ہی تشریف لائیں۔ یہ سنتے ہی انکے ہوش اڑگئے اور فرط رنج وغم سے بصد حسرت باغ میں ٹہلنے لگے۔ اتنے میں صاحب کے ایجنٹ شیخ تصدق علی صاحب بھی تشریف لائے باغ میں جاکر صاحب کو جھک کر سلام کیا

صاحب۔ ول ایجنٹ۔

ایجنٹ۔ پیر و مرشد۔ خداوند۔ جو حکم۔

صاحب۔ آپنے کچھ سنا۔ آج بڑا برا خبر۔

ایجنٹ۔ ہاں حضور بہت بڑا برا خبر۔

صاحب۔ آپنے کیا سنا۔

ایجنٹ۔ (اپنے دل میں) کیا بیڈھب سوال پوچھ بیٹھے ہیں سنا کس کمبخت نے کچھ۔ میں تو فقط ہاں میں ہاں ملاتا تھا۔ انھوں نے کہا برا خبر میں نے کہا بہت بڑا برا خبر۔

صاحب۔ (روکر) ہمارا میم صاحب نے ابکی پھر لڑکی دیا۔

راوی۔ صاحب کے رونے پر ایجنٹ کو بڑی ہنسی آئی۔ مگر آدمی تھا چالاک اور زمانہ ساز سنتے ہی لگا دوہتڑ پیٹنے انکی یہ کیفیت دیکھ کر شوی مارکٹ بھی سر پیٹنا شروع کیا۔ ایجنٹ نے خانساماں اور بیرا اور دھوبی اور سقہ اور ڈوریے اور سب نوکروں چاکروں کو بلوایا اور کہا سب ذرا دو پیٹو۔ بھئی واللہ اسوقت کی بھی دل لگی قابل دید تھی دس بارہ آدمی مل کر سر پیٹ رہے ہیں جیسے مینڈک کی کلونڑی پر کسی نے نمک چھڑک دیا یہ ساری کیفیت دایہ نے میم صاحب سے جڑدی انھوں نے جھلاکر کہا ہم صاحب کو بہت جلد پاگل خانے بھیجنے والا ہے۔

صاحب۔ ول ایجنٹ ہمارا میم ہر سال لڑکی پر لڑکی چھوڑتا ہے اور تمھارا میم بھی

ایجنٹ۔ (روکر) حضور دونوں کو ایک ہی ٹاپے میں بند کر دیجئے۔

صاحب۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم اپنا منھ پیٹ ڈالے۔

ایجنٹ۔ اور حضور میرا جی چاہتا ہے کہ اپنا اور آپکا دونوں کا منھ پیٹ ڈالوں آپکی اور میری دونوں کی صورت منحوس ہے۔ دونوں بدبخت دونوں اس قابل کہ ٹلے اوپر گڑھیا میں ڈبو دے۔

صاحب۔ ول شیخ صاحب آپ بہت ٹھیک ٹھیک بولتا ہے۔

ایجنٹ۔ حضور آپکا اور اپنا دونوں کا منھ جھلس دینے کو جی چاہتا ہے۔

صاحب۔ ہاں ٹھیک ٹھیک تم بولتا ہے۔

راوی۔ شیخ جی کو گالیاں دینے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ گالیاں دیتے جاتے ہیں مگر صاحب سب کو ٹھیک ہی ٹھیک بتاتے ہیں۔

صاحب۔ ول شیخ اب آپ کچھ تدبیر سوچے کہ لڑکی نہونے پادے۔

ایجنٹ۔ تو حضور ایک کام کیجیے حضور تو بنگلے کی طرف جاکر ٹہلیں اور فدوی اس باغ میں چہل قدمی کرتا ہے دونوں تدبیر سوچیں کہ اب کیا کرنا چاہیے یہ سنکر صاحب نے شیخ کو گلے سے لگایا اور خوب روئے رو دھوکر صاحب تو بنگلے کے اس طرف گئے اور ادھر شیخ جی نے باغ کا جائزہ لینا شروع کیا۔ پکیا آڑو گول مول پکے نیم سرخ و نیم سبز۔ انھیں نے موقع غنیمت جانکر ادھر چکھنے شروع کئے باغبان نے تو دیکھا تھا کہ صاحب نے گلے مل مل کر رو رہے تھے مارے خوشامد کے جھپاک سے چاقو اور پانی لے آیا دھو دھو کر اور چھیل چھیل کر آڑو کھلانے شروع کئے وہ بھی شیخ جی کیوں صاحب کو بھی پٹی پڑھائی اچھا ٹہلایا۔

الغرض دوسرے سال صاحب کے شکوے دولت میں فرزند ارجمند تولد ہوا جب لڑکا چھ برس کا ہوا تو صاحب بعد میم صاحب اسکو لیکر ریل پر سوار ہوئیں اپنے گرنٹ کو جاتے تھے اسی ریل پر میاں آزاد اور خوجی بھی سوار تھے خیر ریل جو ٹھہری تو ایک شخص نے کہا کہ کسی کا لڑکا ریل پر سے گر پڑا ہے اسی سے ریل ٹھہرا دی گئی۔ صاحب اور میم صاحب نے ادھر لڑکے کے گرنے کی خبر سنی اور ادھر اپنے پیارے لڑکے کو غائب پایا سن سے جان نکل گئی اور اسی دم ریل بھی دن سے روانہ ہوئی۔ فرط بیقراری سے میم صاحب نیچے کود پڑیں اور صاحب نے

لڑکے اور میم دونوں کو مردہ سمجھ کر رونا شروع کیا۔ قریب تھا کہ خود بھی کود پڑیں کہ اتنے میں ریل ٹھہری۔

اب سنیے کہ انکا لڑکا انتہا کا شریر تھا کھیلتے کھیلتے بنچ کے نیچے جا کر سو رہا والدین کو اسکی خبر نہیں جب انھوں نے لڑکے کے گرنے کا حال سنا اور اپنے لڑکے کو غائب پایا تو حق الیقین کا درجہ ہوا کہ وہی لڑھک گیا۔ مگر دوسری مرتبہ جو ریل ٹھہری تو میاں صاحبزادے بنچ کے نیچے سے کھٹ سے موجود صاحب نے لڑکے کو دیکھا تو باچھیں کھل گئیں اور فرط ابتہاج سے آنسو نکل پڑے ادھر میم صاحب کا حال سنیے کہ چلتی ریل پر سے کود پڑنے کا انکے قلب پر صدمہ تو پہونچا مگر گھاس پر گری تھیں ہاتھ پاؤں میں چوٹ نہ آنے پائی جسوقت لوگوں نے میم صاحب کو گھاس پر سے اٹھایا تو سمجھے کہ چل بسیں لیکن تھوڑی دیر میں انھوں نے آنکھیں کھول دیں آنکھیں کھولنا تھا کہ صاحب نے لڑکا انکی گود میں ڈال دیا۔ بس اب انکی خوشی اور مسرت کا حال کچھ نہ پوچھیے۔ گلے سے لپٹایا چھاتی سے لگایا بار بار منھ چوم لیا اور مارے خوشی کے آنسوؤں کا تار بندھ گیا مگر صدمہ اٹھایا تھا کلیجے پر زخم لگایا تھا۔ بولنے کی تاب تھی بات کا کرنا محال تھا۔ گھنٹا ایک اسوقت وبال تھا لڑکا بھی دنگ۔ مگر صاحب کا چہرہ فرط طرب سے گلرنگ۔ بیوی کو سمجھاتے تھے تشفی دلاسا دیتے جاتے تھے کہ وہ شدنی امر تھا اب کیا ملال ہے۔ اب تو ہمیں قہقہے چہچہوں کا خیال ہے۔ خدا نے ہم تینوں کو بلا سے بچایا۔ بچھڑے ہوے کو ملایا۔ تو ذرا سی برانڈی پی لو اور گھر جاؤ لڑکے کو کھلاؤ۔ دل بہلاؤ۔ اللہ نے بڑی خیر کی ورنہ میں تو زندگی سے بیزار ہو جاتا تیر غم کلیجے کے پار ہو جاتا۔

جب میم صاحب کو ذرا تسکین ہوئی تو آہستہ سے بولیں کہ یہ میں خواب دیکھ رہی ہوں یا بیداری ہے۔ مگر ابھی تک نہایت بیقراری ہے ہاتھ پاؤں سنسناتے ہیں غش پر غش آتے ہیں قلب الٹا جاتا ہے دم بھر چین نہیں آتا ہے یہ کہکر اپنے پیارے بیٹے کو خوب زور سے چھاتی سے لگایا اور رو رو کر فرمایا کہ لڑکے تو کیا جانے کہ تیری اماں واماں پر اسوقت کیا گذری مر کر بچی ہے بابا

صورت پر مردنی سی چھائی ہے۔ سرخی نے رخساروں پر آنے کی قسم کھائی ہے۔

الغرض صاحب کے نزدیک میم اور میم کے نزدیک لڑکے نے گویا دوبارہ زندگی پائی۔

پہلے اسٹیشن پر جب ریل ٹھہری تو ایک لڑکا کوئی سات آٹھ برس کا بنچ پر کھڑا ہو کر تماشہ دیکھنے لگا۔ میاں آزاد نے اسکے باپ سے کہا کہ بھئی اس لڑکے کو بٹھا دو۔ وہ گھامڑ گنوار سنکر خاموش ہو رہا۔ میاں خوجی نے اس لڑکے کی ماں سے کہا کہ او بدبخت اپنے لڑکے کو سنبھال ریل چلا چاہتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ لڑھک جائے تو یہ لینے کے دینے پڑیں مفت میں۔ اسکے کان میں جوں نہ رینگی اتنے میں ریل روانہ ہوئی۔ ریل کا چلنا ہی تھا کہ لڑکا تڑ سے لڑھکا۔ ہائے! ہاتھ زخمی ہوا ٹانگیں چوٹ آئی کان دب گیا وہ تو کہیے خیر گذری کہ گاڑی کے اندر ہی گرا ورنہ جو باہر گرتا تو بچنا محال تھا جسوقت لڑکا گرا تو اسکی ماں نے (وارے) کرکے اٹھا لیا خوجی بڑے خفا اب (وارے!) کاہے کو کی خواجہ بدیع بدبخت تو پہلے ہی سمجھاتا جاتا تھا۔ تم سن کے چپکی ہو رہیں۔ اسکو کوئی کیا کرے۔

آزاد۔ میں نے بھی سمجھا دیا تھا۔ مگر سنتا کون ہے چلو۔ ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔ بچوں کا قاعدہ ہے کہ جہاں ریل ٹھہری اور بس وہ بنچ پر کود کر کھڑے ہو گئے یا کھڑکی کے پاس کھڑے آدھا دھڑ باہر لٹکا کے بے تکلف دیکھنے لگے تو وجہ کیا۔ لڑکوں کو تمیز کیا کہ جب ریل چلیگی تو دھچکے سے قدم ڈگمگانے لگیں گے اور اسکے روانہ ہوتے ہی گر پڑیں گے۔ ذرا ریل ٹھہری اور بس وہ سمجھے کہ اب جو چاہیں وہ کریں۔ لڑکے تو خیر بچے ہیں کے چھوٹ جائیں گے مگر انکے والدین کی حماقت پر البتہ ہنسی آتی ہے کہ جان بوجھ کر روکتے نہیں اور بعض احمق خود ہی واقف نہیں وہ اپنے لڑکے کو کیا سمجھائیں۔ لاحول ولاقوۃ۔ کئی ! ایسے سانحے میرے روبرو ہو چکے ہیں۔ گورنمنٹ کو لازم ہے کہ اس قسم کے حادثات سے عوام کو اطلاع دیتی رہے۔ بلکہ ریل والے اسکو بھی اپنے فرائض میں تصور کریں تو خوب بات ہے۔

راوی۔ ریل جسوقت ٹھہری کئی آدمی اتر اتر پڑے۔ ایک پانڈے جی مہراج

بڑے پیلے تھے۔ تھوڑی دیر تک پکارا کیے کہ مسر جی مسر جی۔ او
پانی والا جب پانی والے نے سُنا تو اُنکے قریب آیا۔ یہ پانڈے برہمن آدمی
پرانے فیشن کے لوگ۔ ریل پر پانی پینا اشد ہو یعنی ناپاک سمجھتے تھے کھٹ
سے اُتر ہی تو پڑے اور پلیٹ فارم پر ادھر لگا کر بیٹھ گئے اگرچہ تا اُتار کر
ایک حریف بھی ٹہل رہے تھے۔ بس سمجھ جائیے حضرت نے جیسے چاہا کہ
پانی پئیں ویسے جمعدار نے للکارا کہ اُدھر اُدھر گنوار کہیں کا بیٹھ گئے
بیچ راہ میں۔ جانگلو۔ یہ بیچارے اُٹھے کہ اسطرف جا کر پانی پئیں
گر جوتیاں نہ دارد ارے! ارے چہ معنی دارد۔ حریف جوتیاں اُڑا
لے گیا۔ ادھر دیکھا اُدھر دیکھا جوتیاں کہیں نظر نہ آئیں لگے جمعدار
دھینگا مشتی کرنے۔ ادھر گھنٹی بجی سیٹی ہوئی اور ریل دن سے روانہ
باشد۔ لپکے ہی تھے کہ ریل پر جھپ سے سوار ہو جائیں جمعدار سکلے پر
موجود۔ ہاتھ پکڑ لیا کہاں چلے چچا جان۔ اب بیٹھ یہاں۔ ہونکو کیا جلد
چلکے تھے۔ ریل کو بھی کوئی چھکڑا سمجھے تھے کبھی بابا رلج سوار ہو سکتے

پانڈے جی۔ تو کیا ہم یہاں ہی رہجا دیں گے۔

جمعدار۔ رہجاؤ مگر یا رہ گئے۔ اب جا بھی سکتے ہو۔

پانڈے جی۔ تم بڑے نٹ کھٹ آدمی ہو جی ہم چڑھ جاتے
تو تمہارا کیا ہرج تھا جی۔

جمعدار۔ ٹکٹ دکھاؤ۔ بہت بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناؤ۔

پانڈے جی۔ لو جیسے ریل نکل گئی اور ہمکا جھاڑ دہن ہے گجب
اب ہم کون اُپائے کری ہو۔

جمعدار۔ اُپاؤ کرو اپنا سو نڑ۔ اور ٹکٹ دکھاؤ ہمکا۔

پانڈے جی۔ اب ٹکٹ کہ کے گھر سے لائی ہو۔ ٹکٹوا سارہ تو وہیں
رہ گوا تماکو کا بٹوا۔ لحاف نہ توشک۔ پچھانک کی ودی۔ یاک (ایک)
بونڈ بھانگ کی جھولی۔ سو ایو کہو کہ گمدی ہمرے پاس پڑ بچی۔ یہ
بڑی کھیر بھری۔ اب ہم جائی کہاں۔

جمعدار۔ کانجی ہوس۔

راوی۔ جمعدار نے اسٹیشن ماسٹر سے کہا۔ انھوں نے فوراً تار دیا
کہ ایک مسافر کا اسباب ریل پر ہے اور وہ اسی اسٹیشن پر رہ گیا جلدی
کے سبب سے ریل نکل گئی وہ ٹاپا ہی کیے۔ پانڈے جی مہراج سمجھے کہ اب پکڑے
گئے مال کا مال گیا ریل کی ریل نکل گئی مصیبت کی مصیبت پڑی۔ مالو
کے اُلو بنے۔ اور سرکار سے جو کچھ جرمانہ ہو وہ مزید برآں۔ جمعدار نے جو
اُنسے کہا کہ کانجی ہوس جاؤ تو سمجھے کہ اس طرف سرا کو کانجی ہوس کہتے
ہونگے۔ بندیل کھنڈ کے آدمی لوگوں سے کانجی ہوس کا راستہ پوچھنے لگے
دل لگی باز آدمیوں نے فقرے دینے شروع کیے کسی نے پچھم بتایا کسی نے پورب آخر کار
ایک بھلے مانس نے کہہ دیا کہ کچھ بیوقوف ہوئے ہو۔ کانجی ہوس جا کے کیا گھاس کھاؤ گے
پاگل! گدھے ہو یا بیل۔ یا بچھیا کے تاؤ۔ ذرا احمق ہو رہے! اپنا کام کرو آدھ گھنٹے
میں دوسری ریل آتی ہوگی۔ اسی پر سوار ہو جانا۔ اب پھر اسٹیشن ماسٹر کے پاس پہونچے
اور لطیفہ کہ وہ اور اُنکی میم کمرے میں بیٹھی ہوئی ہیں اور آپنے پردہ اُٹھایا کھٹ سے اندر۔

اسٹیشن ماسٹر۔ تم کون ہو۔ سب بے پوچھے چلا آیا۔ کوئی ہے۔

پانڈے جی۔ ہجور ہماری بنہی کو دے گا۔ کا دکھی۔

اسٹیشن ماسٹر۔ چلا جاؤ گدھا۔ ہم نہیں جانتا پانی دانی۔

اتنے میں جمعدار اور مین اور سپاہیوں نے پانڈے جی کی گردن میں ہاتھ دیا
اور باہر نکال کر سمجھایا کہ نادان اسوقت وہ کمرے میں بیٹھے لکھ رہے ہیں اور
میم صاحب بھی وہیں ہیں۔ ڈگروں گھس گیا خبردار اب ایسی حرکت نہ کرنا۔

اور لطیفہ سنیئے۔ جب ریل ٹھہری تو ایک صاحب نے دہیں تک کا ٹکٹ لیا تھا
غل مچانا شروع کیا کہ کھولو کھولو۔ خیر اُترے تو اب گھبراہٹ نے ٹٹولیا
دروازہ کے پاس گئے بابو نے ٹکٹ مانگا۔

مسافر۔ باہر آؤ تو دیتے ہیں۔

بابو۔ ہم تمہارے لیے باہر جاؤنگا تم کون کہاں کا کنڈیل ہے۔

مسافر۔ اجی تو صریح دیکھ رہے ہو کہ دونوں ہاتھ مٹکے کے دستے ہیں۔ مگر

ہاری مانتے ہو نہ جیتی۔ کہد یا کہ باہر آؤ سنتے ہی نہیں۔

بابو۔ تم بڑا ہجت (حجتی) آدمی ہو گا۔ تم ٹکٹ دکھائے تو جانے پا دیگا نہیں تو تمھرا پانوں میں بیڑی پڑیگا۔

مسافر۔ ہم صاحب سے بول دیں گے کہ بابو ہم کو دھمکا تا ہے۔ مرد آدمی کہتے تو جاتے ہیں کہ باہر آؤ تو ٹکٹ لے۔ کیا نامعتبر ہیں ہم۔

بابو۔ ہم کیا جانے کہ تم چور ہے یا کون بد ماش (بدمعاش) ہے۔ تم کہاں کا سیٹھ بنا ہے۔ اب تم ہمارے کو ٹکٹ نہ دے گا تو ہم نہ جانے مانگتا۔ بھائی شالا تم بڑا اگول مال کرتا ہے۔

مسافر۔ (اسباب پھینک کر) اے لے اب ٹکٹ لے لے ٹکٹ موئے اب نچاینگے

راوی۔ حضرت بہت ہی بگڑے مارے غصے کے چہرہ سرخ۔ بابو بیچارہ سپاہی کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ حضرت نے گٹھری کھولی پندرہ منٹ میں گٹھری میں ایک بیگ تھا اس کا قفل کھولا۔ کوئی تین منٹ میں بیگ سے ایک کپڑا نکالا ایک منٹ میں کپڑے سے ٹین کا چونگا لیا۔ دو منٹ میں چونگا کھولا ایک منٹ میں چونگے سے ایک لال کپڑا نکالا ایک منٹ میں وہ خوب لپٹا لپٹایا تھا اسکو کھولا تین منٹ میں اسمیں سے ایک کاغذ نکالا اس سے ٹکٹ نکالا کوئی ستائیس منٹ میں نکل سکا۔ خدا کی پناہ ان مسجا گنگوؤں سے خدا بچائے۔ ستائیس منٹ کے بعد بابو کو ٹکٹ ملا۔ کچھ ٹھکانا ہے۔ اب اسٹیشن پر سناٹا۔ سب ہٹ گئے۔ کسی کو گتّے نے تو کاٹا نہیں تھا کہ آدھ گھنٹے تک ٹکٹ ہی نکالا کرتا جب ہی حضرت بابو کو باہر بلاتے تھے کہ مزے سے گٹھری کھولیں۔ اور ٹکٹ دیں گھر ہی سے کیوں نہ بھیجدیا۔

ایک مسافر کی کیفیت سنیئے جب انھوں نے دیکھا کہ ریل چلنے کو ہے تو تانگے والے کو بلایا۔ ایک آنہ دیا کہ نارنگیاں بیگن دے اُسنے پیسے تو ہتھیا لیے اور دھتا بتایا ریل چل کھڑی ہوئی جلدی سے دو نارنگیاں لپک کر گاڑی میں پھینکدیں۔

آخوند صاحب کی ملاقات

الغرض میاں آزاد کوئی ڈھائی گھنٹے میں داخل منزل مقصود ہوے اور جناب آخوند صاحب کی ملاقات کو چلے۔ مکان پر پہونچے تو دیکھا کہ ایک مقدس اور مسن بزرگ بیٹھے تلاوت قرآن مجید میں مصروف ہیں اور چار پانچ آدمی ادگرد بیٹھے ہوے ہیں مگر سب خاموش اور ادب کے ساتھ میاں آزاد بھی ایک گوشے میں چپکے سے جا بیٹھے اور خواجہ بدیع صاحب جھک کر تین بار سلام کرکے آخوند صاحب کے قریب ہی ڈٹ گئے۔ جب تلاوت قرآن سے فراغت پائی تو جناب ممدوح نے قرآن کو چوم لیا۔ اور میاں آزاد کیطرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لاتے ہیں اور کیا خاص غرض ہے۔

آزاد۔ بمبئی سے آتا ہوں اور غرض خاص معرض بیان میں لاتا ہوں۔ میرا عزم ہے کہ روم جاؤں اور ترکوں کا ہاتھ بٹاؤں وہاں آجکل روسیے حضرت سلطان المعظم سے جنگ کا قصد کیا ہے اور دولت رفیعہ روم کے اعضا و جوارح ہی اُسکے دشمن ہو گئے ہیں ایسے سفر دور و دراز میں انواع و اقسام کی مصیبتیں پیش آتی ہیں آپکی عظمیت اور دعائے خیر کی برکت المشہور کالشمس فی نصف النہار ہے۔ اگر میرے حق میں دعائے خیر کیجئے تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ خانۂ احسان آباد۔

آخوند صاحب۔ (فکر کرنے لگے)

راوی۔ سچ ہے۔ ؎

سخنداں پروردہ پیر کہن		بیندیشد آنگہ بگوید سخن

آخوند صاحب۔ آپکی ہمدردی کا حال سنکر روح مسرور ہوئی حمیت اسلام واقع میں اسی کی مقتضی تھی۔ خدا آپکو نیکنام اور فائز المرام کرے آپکی ہمت مردانہ ہی آپکے حق میں دعائے خیر کا فائدہ بخشے گی اور آپکی حمیت آپکو شر آفات سے بچائے گی۔ باقی رہا میری دعا کی نسبت میں تو دعا دے چکا کہ خدا آپکو فائز المرام اور نیکنام کرے۔ اسقدر غور کر لیجئے کہ آپ تو صرف ہندوستان سے روم جاتے ہیں دانایان فرنگ تمام عالم کی سیر و سیاحت فرماتے ہیں۔ مگر وہ کبھی دعا کے طالب ہوے اور بفضل خدا ہمیشہ سرخرو اور کامیاب ہی رہے ہیں اگر دن بھر دعا مانگا کرونگا تو بھی یہ ممکن نہیں کہ آندھی

آئے اور میری دعا کی وجہ سے آپکا جہاز بچ جائے یا اور سب ڈوبیں اور آپ میری دعا کے باعث سے محفوظ رہیں شاید ایسا ہی ہو مگر میں نے صدق دل سے اپنی رائے عرض کر دی معاف فرمایئے گا۔

راوی۔ میاں آزاد تو سمجھے تھے کہ یہ صاحب دعائے خیر دینگے اور ایسی ایسی باتیں کہیں گے جو انکے خیالات کے بالکل خلاف ہوں لیکن قضیہ بالعکس نظر آیا۔ آخوند صاحب نے اور ہی پٹی پڑھائی۔ میاں خوجی کے نزدیک الٹی گنگا بہائی۔ آزاد مارے خوشی کے اچھل پڑے۔ پھر پھڑک گئے اور استاد ہوکر جناب آخوند صاحب کے قدموں پر گر پڑے۔

آزاد۔ قبلہ میں نے سنا تھا کہ آپ بڑے باکمال ہیں دولت علم و فضل سے مالامال ہیں دیکھا تو اس سے بھی دہ چند پایا۔ اور اتنی ہی دیر کی صحبت میں وہ لطف اٹھایا کہ ع۔ دل من داند و من دانم و داند دل من اب صاف عرض کرتا ہوں کہ میرے بھی بعینہ وہی خیالات ہیں جو آپکے ہیں لیکن ایک دوست کے اصرار نے مجبور کیا کہ زیارت اقدس سے محروم نہ رہوں گو آیا تو تھا اوپر ہی کے دل سے مگر جاتا ہوں خوش خوش بحمد اللہ کہ آپ جیسے ملکوتی صفات بزرگ نیک نہاد کے شرف ملازمت سے مستفید ہوا اور آپکے شمس ہدایت کی ضیا سے عیون باطن نے نور پایا ع۔ اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی ؎

جناب آخوند صاحب نے میاں آزاد کو پند سودمند اور نصائح دلپسند سے درم ناخریدہ غلام کر لیا مگر خوجی کی نظروں میں انکا کلام ذرا بھی نہ جچا۔

الغرض میاں آزاد خوجی کو لیکر وہاں سے روانہ ہونے کو تھے کہ خواجہ بدیع صاحب نے ایک کاغذ جناب آخوند صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ آزاد دنگ کہ یا الٰہی یہ کاغذ اس نے کیسا پیش کیا یہ تکا تو ہی کہیں کچھ سوال تو نہیں کر بیٹھا۔ آخوند صاحب نے پڑھا اور مسکرا کر میاں آزاد کو وہ کاغذ دیدیا انھوں نے جو اس پر نظر ڈالی تو ہنسی ضبط نہ ہو سکی اس میں یہ لکھا تھا۔

استفتا۔ چہ میفرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں معنی کہ اگر کسی بر جہاز افیون چین یا مالوا یا ہر آنچہ دستیاب شود بفضل خدائے عز و جل خود بر جہاز و پینک ہم شود کہ ہر آئینہ لازمۂ آفت چنانکہ ہر در لازمۂ شراب و مستی بھنگ لازمۂ ترنگ نوشی و چنڈو لازمۂ چانڈو بازی و چرس لازمۂ حقہ و گانجا لازمۂ پاجی پن است فلہذا اگر خود کسی افیون بر جہاز مضائقہ دارد از روئے شرع یا غیر مضائقہ۔ آنچہ باشد صاف صاف بگویند کہ در شرع شرم روا نباشد و عند الحاجت بکار نہ آید۔ سوال از آخوند صاحب قبلہ است از آزاد را چہ مجال کہ بجز دم کہ بدین دبیر تحریر من بدیع کہ قطاع الطریق ست بینوا و توجروا۔

آزاد۔ (مسکرا کر) سبحان اللہ۔ فارسی کی اچھی ٹانگ توڑی ہے۔ بس گلا ہی رت ڈالا۔ مگر سوال کتنا ٹیڑھا ہے۔

خیر۔ آخوند صاحب قبلہ کی ملاقات سے میاں آزاد از بس محظوظ و مسرور ہوئے شام کو ریل پر سوار ہو کر تڑسے داخل بمبئی۔ گھمی کرایہ کی میرزا صاحب کے مکان پر پہونچے۔

زمین (اندر جاکر) آگئے اور وہ ستران کبھی گرتے پڑتے آرہے ہیں۔

بیگم۔ آگئے دیکھا ہم کہتے ہی تھے (میرزا صاحب سے) لے اب پانچ روپیے دہنے ہاتھ سے دھر دیجیے۔ جانتا ہوں ایک تو ماننے کی نہیں۔ ابھی بس دھاندلی پر کمر رکھیے واہ وا۔ یہ کون بات ہے کہ کہہ کے مکر جانا۔ پانچ روپیہ کیواسطے ایمان دوگے تو اللہ جانتا ہے ہمیں سخت رنج ہوگا لاؤ۔ بس لاؤ (دامن پکڑ کر) ہیں اٹھنے تو دونگی نہیں۔ بدا کیوں تھا۔ بدنے میں آندھی رہتے ہیں۔ مگر دیتے وقت کھلتا ہے۔ تم آئے دن ایسی ہی دھاندلی کیا کرتے ہو۔ خود جیتیں تو چھین لیں اور جو ہاریں تو ٹھینگا بتائیں۔ جی بس میں نے قسم کھائی جو بے لیے دامن چھوڑدوں لے واہ۔

آزاد۔ کیا بات ہے۔ ہم بھی تو سنیں۔

میرزا۔ حضرت آپکو ہم نے حکم بدا۔

بیگم۔ جی یہاں حکم وکم نہیں جانتے۔ دہنے ہاتھ سے پانچ روپیہ رکھ دیجیے میر فیصلی ہم نہ مانینگے (رونی صورت بنا کر) ہمارے روپیہ

حوالے کیجیے۔ بس اب رلاؤ نہیں۔

راوی۔ واہ ری کم سنی۔ یہی دنیا میں جو کچھ ہے شباب ہے۔ جوبن مذاق لطف سب کی عزت اسی کے دم سے۔ سب کی رونق اسی کے فیض قدم سے بیگم صاحب کی بھولی بھالی باتیں تو دیکھیے کبھی گڑکنا۔ کبھی جھڑکنا۔ کبھی آنکھیں دکھانا۔ کبھی مسکرانا۔ کبھی روتی صورت بنانا۔ کبھی چٹکیاں لینا۔ ایک وضع پر قرار ہی نہیں۔ اجو ہو ہو۔ بڈھے میں یہ باتیں کہاں آگئی تو بہ جہاں بیٹھے نقش قدم ہو گئے اُٹھے تو چلنا دوبھر۔ چلے لٹھیا کے سہارے۔

آزاد۔ آخر آپ ہی آپ دونوں بڑبڑاتے ہیں کچھ ہم سے بھی تو کہیے۔

میرزا۔ حضرت ہم پانچ روپیے ہارے دیدینگے۔ جلدی کیا ہے۔ کچھ مینہ برس رہا ہے۔

الغرض میرزا صاحب نے جھکا جھکا کر پانچ روپیہ بیگم کو دینے پہلے ایک روپیہ منگوایا بیگم نے موری میں پھینکدیا۔ پھر دو کھائے اُنھوں نے جھلا کر چٹکی لے لی مگر چپکے سے جس میں میاں آزاد نہ دیکھ پائیں۔ شوخی اور حیا مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی بھلا ممکن تھا کہ میرزا شرط ہار کر بیوی کو روپیہ نہ دیتے اور پھر بیوی بھی کیسی کہ جوان شوخ حسین حیا پرور طرار گلندام مگر مزہ اسی میں ہے کہ دو گھڑی دل لگی دیکھیں۔ مل مل کے روپیے دیے مگر کسی سی جھڑکی سہی۔ بیگمی چتون دیکھی قہر آلود نظر پر نظر ڈالی اس سے بڑھ کر اور لطف کیا ہے۔ آخر کار جب خوب جھکا چکے تو پانچوں حوالے کیے اور کہا کہ کتنی سادی ہو۔ بھلا میں پانچ روپیہ کے لیے تم سے آنکھ چُراتا اُنھوں نے کہا بس اب بہت باتیں نہ بنائیے اسکے بعد آخوند صاحب کی باتیں ہوئیں۔

واہ رے طبیب

دوسرے دن میاں آزاد کی طبیعت کچھ علیل تھی خوجی کو لیکر حکیم کے پاس گئے دیکھا کہ باہر کئی ڈولیاں اور فینسیں رکھی ہوئی ہیں جا کر با ادب بیٹھے کوئی قارورہ دکھا رہا ہے۔ کوئی اپنے عارضہ کا کچا چٹھا سنا رہا ہے حکیم صاحب فرش مکلف پر متمکن ہیں اور ایک مریض سے یوں گفتگو کر رہے ہیں۔

مریض۔ اُف ہائے۔

حکیم صاحب۔ (نبض پر ہاتھ رکھ کر) تمھاری نبض رملی چلتی ہے۔ زار یا نج پھانکو جا کر۔

آزاد۔ رملی کیا معنی۔ جناب حکیم صاحب۔

حکیم صاحب۔ ایک قسم کی نبض ہے۔

آزاد۔ (اپنے دل میں) بس معلوم ہو گیا کہ حکیم صاحب نرے گھامڑ کندۂ ناتراش ہیں نملی نبض کی خرابی رملی ہے اور رازیانج کی خرابی زاریانج ہے کسی قلمی کتاب میں رازیانج پڑھا ہو گا چلیے وہ بھول گئے زاریانج کہنے لگے۔ ع

گر ہمیں مکتب است و ایں مُلا　　کار طفلاں تمام خواہد شد

حکیم صاحب۔ اگر آزاد دیہ کے نام سے بھی وہ لوگ واقف نہیں جو طب سے بے بہرہ ہیں مثلاً دم الاخوین یعنی دو بھائیوں کا خون گرم دوا ہے۔ فالج میں دیجاتی ہے۔ حب الآس۔ امید کا بیج۔ یہ مسہل قوی کا کام دیتا ہے۔

آزاد۔ ہاں! افلیہ ہے کہ مسہل قوی ہے اور جن لوگوں کو قبض کی شکایت ہے اُنکو مفید ہو۔

حکیم صاحب۔ اس میں کیا شک ہے۔

آزاد۔ (اپنے دل میں) الٰہی ڈھلا۔ حب الآس سرد دوا۔ قابض اُسکو حضرت مسہل قوی بتاتے ہیں۔ بھلا تخم کاہو نے مقشر کی کیا خاصیت ہے۔

حکیم صاحب سمجھے کہ کارجے سقر پوچھتے ہیں۔ سوچے کہ کیا جواب دوں یہ تو نام ہی نہیں سُنا آج تک۔ فرمایا کہ ایک جانور ہوتا ہے بدخشاں واقع روم میں رنگ آسمانی۔ لقوے میں اُسکا خون نافع ہے۔

راوی۔ بہت ہی خاصے۔ واہ حکیم جی۔ جو یہ واقفیت ہے تو کاہے کو مریض جانبر ہوتا ہوگا۔ تخم کاہوئے مقشر انتہا کا سرد ہے تپ میں دیا جاتا ہے آپ لقوے میں استعمال کراتے ہیں اور گرم بتاتے ہیں۔

آزاد۔ کیوں جناب یہ کونین اور پلٹس کی کیا خاصیت ہے۔

حکیم صاحب۔ کونین تپ کو بھڑکاتی ہے پلٹس پھنسی کو پھوڑا بناتی ہے

میاں آزاد دنگ کہ یا الٰہی یہ حکیم ہے یا ملک الموت کا چچا جان الاماں الاماں

جوکتا ہو آنسی۔ ع۔ لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل۔ بہ اس سے لکھنؤ لاکھ گئی گذری ہی تو کیا ہوا پھر غنیمت ہی۔ حکیم مرزا محمد علی صاحب مرحوم کی لیاقت کے جھنڈے گڑے ہوئے ہیں چار دانگ ہند میں اس خسرو اقلیم حکمت نے سکہ بٹھایا۔ مردوں کو قم باذنی کہکر جلایا۔ حکیم مرزا علی خانصاحب مخاطب بہ حکیم الملوک کی توصیف میں زبان ناطقہ لال ہی۔ حکیم مرزا علی حسن صاحب مخاطب بہ مسیح الدولہ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ حکیم بنیاد علیخانصاحب علاج اور تشخیص دونوں میں عدیم السہیم حکیم یعقوب صاحب جنکی گلی کو لوگ دار الشفا کہتے ہیں اور جنکے کمال کا ہندوستان بھر میں ڈنکا بج رہا ہی۔ اب حکیم مرزا محمد جعفر صاحب کیسے مقدس اور خدا ترس اور الیق بزرگوار ہیں۔ حکیم میر باقر حسین صاحب۔ حکیم سید محمد خانصاحب۔ ع۔ خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست۔ حکیم میرزا مظفر حسین خانصاحب جن کے فیضان تعلیم سے صدہا ہزارہا طلبہ فائز بمرام ہیں۔ حکیم محمد اسمعیل صاحب حکیم شیخ علی محمد صاحب۔ ان اطبائے کامل فن فخر زمن کی جسقدر زیادہ تعریف کیجیے می زیبد۔ نبض پر ہاتھ رکھا اور مریض نے کہا بس اب تم صحیح ہو لے ہو الشافی نسخے میں لکھا اور بیمار نے کہا قبلہ بس۔ اب تکلیف نہ کیجیے بندہ چنگا ہو گیا اور یوں کسی بیماری کا فائدہ کرانا منظور ہو تو بسم اللہ

خوجی۔ بھلا افیم کی کیا خاصیت ہے۔

حکیم صاحب۔ اوّل درجے میں جھکیاں مارنا۔ دوسرے درجے میں آنکھیں ہانگنا تیسرے درجے میں غائب حواس ہوش۔ چوتھے درجے میں کفن پوش حاضرین سب پھڑک گئے اور میاں آزاد بھی لوٹنے لگے کہ واللہ کیا کہی ہی۔ آزاد جہاندیدہ آدمی تھا بھانپ لیا کہ حکیم جی نام ہی کے حکیم بن بیٹھے ہیں پڑھے لکھے خاک نہیں ہیں لیاقت واجبی ہی۔ مگر ہاں علم مجلس میں انکے بھی جھنڈے گڑے ہوئے ہیں۔ ضلع جگت میں طاق آوازہ کسنے میں مشاق سب گنوں پورے انھیں کون کہے لنددرے آٹھوں گانٹھ کمیت ہیں۔

خوجی۔ واہ حضور آپ بھی ہماری ہی جان کے خواہاں ہو (دل میں) اگر اس شہر میں ایسے ہی ایسے طبیب ہیں تو کئی قبرستان آباد ہو جائیں گے۔ جو طرفہ مقبرے ہی مقبرے نظر آئیں گے۔ خدا ایسے نیم حکیم سے بچائے۔ اللہ انکی صورت نہ دکھائے جو میرا بس چلے تو کم سے کم دو ڈبل روز کی اس کو لگواؤں۔

آزاد۔ حضرت اب رخصت ہوتا ہوں۔ کل انشاءاللہ تخلیے کے وقت بشرط فرصت ضرور ملوں گا۔

حکیم صاحب۔ (مسکرا کر) بشرط فرصت کے بعد ضرور کا لفظ کیا ضرور تھا۔

آزاد۔ غلطی ہوئی معاف فرمائیے گا۔

حکیم صاحب۔ غلطی بھی غلط ہی۔ غلط میں (ی) بڑھانے کی کیا ضرورت ہی۔

راوی۔ آزاد تو سمجھ گئے تھے کہ ان حضرت نے جو کچھ کہا ہی صرف صحبت کی وجہ سے بانی خیر صلاح۔ نخی کو رلی کہیں اور تخم کا ہوئے مقتضر کو سیاہ رنگ کا جانور بتلائیں اور ہماری گفتگو میں غلطیاں نکالیں۔ اے تیری قدرت۔ ع۔ مینڈکی را زکام پیدا شد۔

آزاد۔ غلط تراشیدہ فارسی دانان ہندوستان ہی۔ گو اہل عجم کے کلام میں نہو مگر اردو میں جائز ہی۔ اسکو بھی جانے دیجیے یہ غلط العام ہی کیونکہ اچھے اچھے ثقات سخن کی زبان سے سنا ہی بس فصیح ہوا و ہو المطلوب اسکی صحت کے ثبوت میں ہم حضرت زیب النسا کے کلام کو پیش کرتے ہیں وہ بھی ذی لیاقت تھیں اور شاعری میں بھی نازک خیال و شیریں مقال سنیے۔ ع

ولے بر شاعران نادیدہ	غلطی را بجود پسندیدہ
سرو را قد یار می گویند	سرو چوبست ناتراشیدہ

اسکی صحت میں وہ وہ دلیلیں پیش کر سکتے ہیں جو قاطع اور مسکت خصم ہیں اب کسی کو نہ ٹوک بیٹھیے گا قبلہ۔

حکیم صاحب۔ آپ اجل ہیں۔

خوجی۔ (آزاد سے) اور نہ خرد و قرابینچہ۔ اسوقت پاس ہوتا تو اُچھل کے ٹھوار ریت دیتا۔

آزاد۔ (حکیم صاحب سے) آپکی خفگی سر آنکھوں پر۔ مگر۔ ع

ہر دم آزردگی غیر سبب را چہ علاج	ہا گر تبسم ز لطف تو غضب را چہ علاج

حکیم صاحب۔ آپکو کیا یہ خبط دامنگیر ہوا ہی کہ ہمچو من دیگرے نیست

کیا آپ اپنے کو ہم سے زیادہ ذی لیاقت تصور کرتے ہیں۔

خوجی۔ (نیم خیز ہوکر) ابھی دو چپاتیاں منگوا لیجئے تو لیاقت کا حال ابھی ابھی کھل جائے دیکھیں ہم غیں ہوتے ہیں یا آپ پیں ہوتے ہیں۔ یا دو قرولیاں لائیے دو دو ہاتھ ہم سے آپ سے ہو جائیں۔ دیکھیں کون سُرخ رُو ہوتا ہے اور کون گھائل ہوکر مرتا ہے۔ کون مونچھوں پر تاؤ دیتا ہے کون قبر میں سوتا ہے مگر شکایت تو میاں آزاد سے ہے کہ آجتک قرولی نہ منگوا دی نہ منگوا دی۔

آزاد۔ چلیے اس تو تو میں میں سے کیا واسطہ۔ آداب بجا لاتا ہوں جناب حکیم صاحب۔

حکیم صاحب۔ خفا ہو کر نہ جائیے گا۔ بندہ تو بے نفس آدمی ہے دولت خانہ آپکا کہاں ہے۔

آزاد۔ حضرت ع۔ آزاد ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست۔

خوجی۔ مجھ سے پوچھتے تو میں کہتا کہ (بدوش) یعنی دولتخانہ بدوش

آزاد۔ (استادہ ہوکر) تسلیم۔

میرزا صاحب سے آزاد نے کہا کہ حضرت وہ حکیم تو نرے چُغد ہی نکلے واللہ جو الف کے نام بے بھی جانتا ہو۔

میرزا۔ چلیے ہم آپکو اور ایک حکیم کے یہاں لیچلیں۔

دوسرے نیم حکیم

سب ملکر چلے۔ سب میں خواجہ بدیع صاحب کو بھی شامل کر لیجئے گا یہاں حکیم صاحب ایک کتاب کو بغور دیکھ رہے تھے یہ جا کر بیٹھے بھی مگر انھوں نے گردن تک نہ اُٹھائی۔ خواجہ بدیع صاحب کو جو پینک جو آئی تو عدم کی راہ لی کھوپڑی یہ چلی وہ چلی میرزا صاحب نے آزاد کو اشارہ سے دکھایا کہ خواجہ صاحب کی خبر آگئی موت انکا پتہ پاگئی۔ آزاد نے چپکے سے چُٹکی لی۔ نوچ نکلتے ہی وحشت میں آکر للکارا۔

خوجی۔ بھلا بے گیدی۔ بات ترے کی۔ سمجھا تھا کہ پینک میں ہیں اور یہاں مراقبے میں تھے۔ لانا تو میری قرولی۔

حکیم صاحب۔ (سر اُٹھا کر) کیا قرولی! (آزاد سے) کیا خلل دماغ ہے اسکو

آزاد۔ حضر۔

راوی۔ حضرت کا لفظ کہنے کو تھے کہ خوجی نے بات کاٹ دی۔

خوجی۔ مجھ سے سنیئے۔ ایک بہروپیے نے ناک میں دم کر رکھا ہے آپکے ہاں نسخہ وسخہ لکھوانے آئے نہ تو جمال گوٹہ لکھ دیجئے گا۔

آزاد۔ ان کی باتوں میں نہ جائیے انکو تطرب ہے۔

حکیم صاحب۔ وہ تو صورت دیکھتے ہی میں تاڑ گیا تھا۔

خوجی۔ واہ رے تاڑنے والے۔ شاباش۔ اس تشخیص کے قربان۔ قصیدہ کہونگا آپکی تعریف میں۔

حکیم صاحب۔ کیا آپ شاعر بھی ہیں۔

خوجی۔ قبلہ بس جیسے آپ حکیم ہیں ویسا ہی بندہ شاعر ہے۔

حکیم صاحب۔ کوئی شعر فرمائیے پھر۔ کان کب سے ترسے مشتاق ہیں۔

خوجی۔ بہت خوب مگر داد دیجئے گا۔ چاہے آپ ہی پر پھبتی کیوں نہ ہو سنیئے ؎

مُردوں کو زندہ کرتے تھے جو وہ تو مر گئے	زندوں کے قتل کو یہ مسیح الزماں ہوئے

مطب برخاست ہو چکا تھا مگر شاگرد البتہ دو چار دائیں بائیں بیٹھے تھے وہ تک مسکرا دیے حکیم جی نے چمڑے کے تکیے پر کہنیاں ٹیکیں اور پھر کتاب پڑھنے لگے اتنے میں ایک مریض آیا گو وقت مطب نہ تھا مگر حکیم صاحب مخاطب ہوئے۔

مریض۔ حکیم صاحب میرے دانتوں کی جڑوں میں کئی روز سے درد ہوتا ہے۔

حکیم۔ اجتلاب مواد بلغمیہ اسکا باعث ہے۔ کیا وجع مبرح ہے۔

مریض۔ ؟۔

شاگرد۔ آپ استفسار فرماتے ہیں کہ کیا درد شدید ہے۔

مریض۔ (گھبرا کر) ہاں۔

حکیم۔ اچھا نسخہ لو اور مضمضہ کرو مگر کل حلو و حامض سے حمیہ لازم ہے۔

خوجی بھی بیٹھے بیٹھے سن رہے تھے چپکے سے آزاد کے کان میں کہا کہ مولانا محمد عبد القدوس صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں۔ لغت کی سلونکی سلیں ڈھکاتے ہیں

اب مریض بچے گا نسخہ پیا اور ٹمپٹ۔ خدا ایسے اطبا سے بچائے انکی صورت نہ دکھلائے۔ آمین۔ آزاد نے اشارے سے کہا کہ چپکے رہو جی یہ موقع کانا پھوسی کا نہیں ہو گھر پہ باتیں کریں گے۔

خوجی۔ جناب حکیم صاحب کچھ اس عاصی پُر معاصی کو بھی عرض کرنا ہو حکم ہو تو فرماؤں

حکیم صاحب۔ (فرماؤں کے لفظ پر حکیم صاحب مسکرا دیے)

خوجی۔ اس حکیم کے قربان بات کرتے ہی تشخیص کا رکھ دیں۔ ابھی مرض سنا ہی نہیں اور در پیشہ خلطی ہو گئے۔ آدمی کیا گلقند آفتابی ہو یہ تو حلوے کی رعایت تھی اب حامض کا حال سنیئے کہ شراب حوض ہو یا مہتابی ہو یا تبریز شراب ہو۔

حکیم صاحب۔ (شاگردوں سے) قطرب اسی کو کہتے ہیں۔

شاگرد۔ بجا قبلہ۔

خوجی۔ حضور مجھے اختلاف غواد غلقسیہ ہو اور دغدغ مبرغ اور کرب غدید اتنے خین ہیں۔ میں نے سُنا حضور رتّال بھی ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ چڑیماروں کے گرد گھنٹال بھی ہیں۔

حکیم صاحب۔ (آزاد سے) انکو قطرب ہو مگر سخت کل لبعد غور نسخہ لکھونگا۔

خوجی۔ مگر واسطے خدا کے نسخہ میں میٹھی دوائیں ہوں۔ نبات سفید اور گلقند اور شکر قند اور شربت نیلوفر اور شربت خبازی۔ کڑوی دوا پر علی کی سنوار ہان افیم مالوا ١٠ تولہ۔ افیون چینی ٥٥ تولہ۔ تخم بیخ پوست ٢٩ من درخت پوست لکھ پیڑے کا لکھ پیڑا۔ ٹنکچر آف اوپیم ٥٢ اونس ٣٩ ڈرم بس پیتے ہی عالم بالا کی سیر کرنے لگوں۔ اور آپ ہی کا دم بھرنے لگوں۔

اتنے میں حکیم صاحب نے پکارا (ملاحت) شاگردوں نے غل مچایا (صباحت) آزاد دنگ کہ یہ بے تکی ہانک کیسی لگائی۔ قطرب بتاتے خوجی کو تھے مگر خود خبطی سے معلوم ہوتے ہیں۔ حکیم صاحب نے مکرر آواز دی (صباحت) شاگرد بولے (ملاحت) خوجی نے دیکھا میں ہی پھسڈی رہا جاتا ہوں۔ اُدھر حکیم صاحب ملاحت اور تلامذہ صباحت کہتے تھے اِدھر انھوں نے للکار کر پکارا (وجاہت)

راوی۔ حضرات ناظرین یہاں ایک لطایت طلب بات ہو گئے ہاتھوں سُن رکھیے داشتہ آید بکار۔ اگرچہ بود سر بار۔ کیوں ہو نہ یہی۔ شاید کسی وقت کام آجائے حکیم صاحب نے دو لونڈیاں رکھی تھیں۔ ایک ملاحت۔ دوسری صباحت دونوں طرار دونوں باغ و بہار دونوں گلعذار دونوں پرکار جو ذرا نمکین زیادہ تھی اسکو ملاحت کہتے تھے اور جو سرخ و سفید تھی اس کا نام صباحت تھا۔ ماں باپ نے خدا جانے کیا نام رکھا تھا۔ مگر حکیم آپ جانیے رسیا آدمی وہ پھڑکتے ہوئے نام رکھے کہ واہ جی واہ۔ خوجی جو چیخ کر وجاہت کو آواز دی تو دونوں لونڈیاں بجلی کی طرح لپک کر آئیں مگر دونوں کمسن پاک بیباک۔

حکیم صاحب۔ ملاحت ذرا بہو بیگم سے کہدو کہ چا تیار کرا دیں۔

خوجی۔ صباحت۔ ذری لاڈو خانم سے کہدو کہ میٹھے ٹکڑے پکا دیں۔

صباحت۔ (بے دھڑک تیور ڈال کر) اے کون لاڈو خانم؟

حکیم صاحب۔ تم جاؤ ان کو خلل دماغ ہو۔

ملاحت۔ (صباحت سے) اے چلو بھی موئے سودائی کے منھ نہ لگو۔

راوی۔ وہ دونوں لونڈیاں شوخ و چست۔ نک سک سے درست چالاک و بیباک لاڈو خانم کا نام سنکر خوب ہی ہنسیں اور اغیار کو دیکھ کر عمداً اور بھی کھل کھلائیں اور ایک عجیب ادائے دلربا سے چک کر پردہ اُٹھایا اور پھرتی کے ساتھ قدم بڑھا کر اندر گئیں وہاں کا حال ملاحت جانیں یا صباحت۔ مگر اتنا معلوم ہو کہ اسی وقت اندر سے بھی قہقہے کی آواز آئی۔ دونوں نے جاکر جڑ ہی تو دیا کہ موا بڑا نا شما کہنے لگا کہ لاڈو خانم سے میٹھے ٹکڑے پکوا لاؤ۔ پھر آواز آئی کہ میٹھے ٹکڑے نہیں انگارے سنکھیا یعنی میٹھے ٹکڑے کیسے انگارے کے تو خیر کیا مضائقہ۔ منھ جھلسا دیں۔ لیکن حکیم صاحب اور انکے شاگرد ابھی تک قطرب ہی کے پھیر میں ہیں۔ اور خواجہ بدیع صاحب کو کامل آزادی حاصل ہو کہ جو چاہیں بک دیں جسکو جی چاہے گالیاں دے بیٹھیں حکیم صاحب تو خود ہی تشخیص کر چکے کہ قطرب ہو بس اب انکار کون کر سکتا ہو اور شاگردوں نے بھی اتفاق کر ہی لیا ہے۔

آخر میں آزاد نے کہا کہ پھر کل کسی وقت اس بیچارے کو لے آؤں گا

آپ کی توجہ سے صحت ہو جائے تو کمال عنایت اور بندہ نوازی ہے۔

حکیم۔ انشاء اللہ۔

شاگرد۔ دو دن میں علاج کر دیں۔ حکیم جی قبلہ کا دستِ شفا مشہور ہے۔

حکیم۔ آج تھوڑے پتے کتر ڈالیے گا۔ خصوصاً چندیا کے پاس سے۔

خوجی۔ میں نے سنا ہے کہ آپ نے بھی تو کچھ دن خط بنایا ہے۔ پھر آپ ہی نہ آئیے استرے سے مونڈ ڈالیے۔

ملاحت۔ حضور جا تیار ہے۔

خوجی۔ اور میٹھے ٹکڑے۔

ملاحت۔ قند تو منگوا دیجیے۔

خوجی۔ رشتے تو گل را بہ تو قندست		گلقند علاج دردمندست

حکیم۔ ملاحت اب ہم تم کو شرارت کیا کریں گے۔ کہدیا کہ بھاگ جاؤ دیوانے کے منہ نہ لگو۔ اور کھڑی دل لگی بازی کر رہی ہو۔

خوجی۔ ڈبیا میں بند کر رکھو نہ۔ ذری دو گال ہنسنے بولنے دو میاں۔ پھر پوچھا کہ کیوں حضرت آپکے تو بہت شاگرد ہیں بھلا ہم کسی سے سوال کریں۔

حکیم صاحب نے مسکرا کر کہا کہ سوال کی ضرورت ہی کیا ہے جب دماغ کا علاج ہوگا تو انکے کمال سے آپ خود ہی واقف ہو جائیں گے۔

خوجی۔ (ایک شاگرد سے) جناب حکیم صاحب کا اسم مبارک۔

شاگرد۔ حضرت مولانا قاضی حکیم میرزا سعید الدین علی بیگ خانصاحب بخاطب مسیحائے ثانی۔

خوجی۔ اے ہے۔ بس اتنا ہی سا نام۔ بندے کا نام سنیے تو ہوش اُڑ جائیں مُنا دل۔

شاگرد۔ بسم اللہ مگر ذرا دور ہی بیٹھے رہیے گا آپسے خوف معلوم ہوتا ہے۔

خوجی۔ انکا نام تو ہے حضرت مولانا قاضی حکیم میرزا سعید الدین علی بیگ خانصاحب المخاطب مسیحائے ثانی۔ اور بندۂ درگاہ کا نام ہے۔ جناب چنیک آب دائم الخمر ابو المسح و مجمع نور موفور حضرت مولانا و استادنا حکیم مفتی قاضی القضات شیخ میر سید خواجہ خواجگان خواجہ محمد بدیع الدولہ بہادر اورنگ جنگ المخاطب بہ افیونیوں کے ثانی (اُف دم چڑھ گیا)۔

میاں آزاد اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میرزا صاحب بھی استادہ ہوئے اور میاں خواجہ بدیع الدولہ بہادر اورنگ جنگ بھی ساتھ چلے چلنے کے وقت پرسے کے پاس آن کر ملاحت و صباحت نے کہ انتہا کی شریر اور شوخ طبع تھیں چھینک دیا۔ خوجی تاڑ گئے کہ ہم کو چھیڑتی ہے۔ بس لوٹ گئے کہ بے مٹھائی کھلائے اب نہ جلنے کا۔ آزاد لاکھ سمجھاتے ہیں۔ میرزا صاحب ہاتھ پکڑ کر اُٹھاتے ہیں۔ مگر وہ ماش کے آٹے کی طرح اینٹھے ہی جاتے ہیں بارے خدا خدا کر کے اُٹھے اور روانہ باشد۔

راہ میں آزاد نے کہا کہ حضرت واہ رے لکھنؤ۔ واللہ ہر فن کے باکمال ابھی وہاں موجود ہیں۔ خدا آباد رکھے۔ وہاں کا گلی کوچہ ہم کو تہ دل سے پسند ہے جو ہے دلبند ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔

بمبئی سے بھی کوچ ہوا

میاں آزاد اور میرزا صاحب اندر بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص نے باہر سے آواز دی۔ میرزا صاحب نے زمین سے کہا کہ جاؤ دیکھو تو کون ہے میاں خلیفہ ہوں تو کہنا اسوقت ہم خط نہ بنوائیں گے تیسرے پہر کو آ جائیے۔ زمین آٹا گوندھ رہی تھی اچھا کہکر خاموش ہو رہی اُسنے پھر باہر سے آواز دی اور ساتھ ہی خدمت گار نے بھی پکارا۔ تب تو زمین کو مجبور ہو کر اُٹھنا ہی پڑا مگر ناک بھوں چڑھاتی۔ بڑبڑاتی اور خدمتگار کو بے نقط سناتی ہوئی اُٹھی۔ بنکی پڑ جائے ایسی نوکری پر جو ہے میری ہی جان کا گاہک جیسے دیکھو میرا ہی دشمن واہ ایک کام چھوڑ دوسرے پر لپک۔ ابکی چاند ہو تو میں تنخواہ لیکے اپنے گھر بیٹھ رہوں کیا نگوڑی نوکری کا بھی کچھ کال ہے زمین کا قاعدہ تھا کہ کام سب کرتی تھی مگر بڑبڑا کر۔ ہزاروں باتیں بنا کر بات بات پر تنک جاتا تو گویا اُسکی گھٹی میں پڑا تھا۔ مگر ع۔ ناز بر آن کن کہ خریدار تست۔ اپنے کام میں برق تھی۔ اس سے اس کی خاطر بھی ہوتی تھی۔ الغرض منہ پھلا کر اور آٹے کو پٹک کر زمین باہر گئیں۔ پہلے تو جاتے ہی خدمتگار کی خوب لے دے کی۔ کیا گھر بھر میں میں ہی اکیلی ہوں جب

پکارتا ہی مجھی کو پکارتا ہی موئے اُلو کے مُنھ میں نام پڑ گیا ہو۔ خدمتگار کی جانی دشمن بات بات پر للکارا کرتی تھی خیر زمین اور خدمتگار میں تو تو میں میں ہوا کی۔ اسکے بعد خدمتگار نے کہا کہ یہ آئے ہیں۔ میاں سے جاکر انکا پیغام کہلا دیگر ذرا سمجھ بوجھکر کہنا۔ سب باتیں سن لو اچھی طرح اور میاں سے کہدو کہ جی چاہے تو باہر ہی آن کر سن لیجئے۔ زمین اندر آئیں۔

میرزا صاحب۔ کون ہی۔ کون آیا کون ہی۔

زمین۔ وہ آیا ہی۔ ملاح یا جانے کون۔

میرزا صاحب۔ کہتا کیا ہی۔

زمین۔ حضور وہ کہتا ہی کہ آج جہاز روانہ ہوگا۔ ابھی دس گھنٹے کی دیر ہے تیار ہو رہیئے۔

بیگم نے جو جہاز کا لفظ سنا اور معلوم ہوا کہ آج ہی جہاز روانہ ہوگا تو بس دھک سے رہ گئیں۔ چہرے کی سرخی خیرباد کہہ گئی زردی نے اپنا عمل کر لیا کلیجہ دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ آنکھوں کی حسرت ٹپکتی تھی۔ ضبط نہ کرتیں تو آنسو جاری ہو جاتے مگر بہت ہی سنبھالا اور حسرت کے ساتھ میاں آزاد کی طرف دیکھنے لگیں۔

آزاد آپ جانیئے جہانیاں جہاں گشت پرلے سرے کے تجربہ کار آدمی بیگم کے دل کی بات چٹکیوں میں تاڑ لی۔ مگر دم بخود۔

میرزا۔ (آزاد سے) لیجئے حضرت۔ اب کوچ کی تیاری کیجئے۔

آزاد۔ بسم اللہ۔ تیار مستعد۔ یہاں کچھ بڑا لمبا چوڑا اسباب تو کرنا نہیں خیمہ خرگاہ نہیں۔ ایک بیگ ایک وردی۔ ایک آفتابہ ایک لکڑی چلیے اللہ اللہ خیر صلاح ساشوقت کیلئے جیب سے موجود۔ میرا اسباب سیاہیں ہی ہو وقت پر دن سے اٹھ کھڑا ہونگا۔ آپ کچھ فکر نہ کیجئے۔

خوجی۔ (پردے کے پاس سے) یہاں بھی حضرت ٹلا حد ہیں ایک ڈبیا ایک پیالی چاندی پیسے کی ایک لگالی ایک کٹارا ایک دونا مٹھائی کا ایک چاقو ایک قرولی۔ بس اللہ اللہ خیر صلاح۔ توپ بندوق کٹار تلوار وہاں ملا ہی لینگے بندہ بھی کیل کانٹے سے درست ہے۔

اس تقریر پر میاں آزاد اور میرزا اسد بیگ صاحب دونوں ہنس پڑے خوب ہی کھل کھلائے۔ مگر بیگم صاحب کے لب پر ہنسی نہ آئی بلکہ اُنھوں نے ایسی صورت بنائی کہ اُن کے میاں بھی سمجھ گئے اور ہنسی کو بہت ضبط کیا۔ میرزا صاحب خوب جانتے تھے کہ انکی بیوی پاکدامن ہیں اور اس سے بھی واقف تھے کہ حسن آرا میاں آزاد پر عاشق ہیں پھر اُن سے کیونکر ممکن تھا کہ وہ اپنی بیوی سے بدظن ہو جاتے سمجھ گئے کہ اتنے دن میاں آزاد یہاں رہے سے اب ان کی جدائی شاق کیونکر نہ گذرے خیر اشارے سے بیوی کو سمجھایا۔ لیکن اُس وقت تو قلب کا کچھ عجب ہی حال تھا اور اس بیقراری سے سچا عشق ظاہر ہوتا تھا جس کو میاں آزاد اور میرزا صاحب دونوں بھانپ گئے میرزا باہر گئے کہ اُس آدمی سے گفتگو کریں اور یہاں میاں آزاد اور بیگم صاحبہ اکیلے رہ گئے۔ کچھ دیر تک بیگم نے مارے رنج کے سر تک نہ اٹھایا اور آزاد بھی سمجھے کہ اگر میں تشفی کا ایک کلمہ بھی کہوں گا تو یہ بے اختیار رو ہی دیں گی۔ لہذا انھوں نے لب تک نہ ہلائے۔ مگر رنگ رخسار کے متغیر ہونے اور ٹھنڈی سانسیں بھرنے سے اُنکے دل پر بڑا اثر ہوا تھوڑی دیر کے بعد بیگم نے سر اٹھایا اور آزاد سے مخاطب ہوئیں۔

بیگم۔ بس زبان بند ہو گئی۔

آزاد۔ آپ گھبرائیے نہیں میں جلد واپس آؤں گا۔

بیگم (آہ سرد کھینچ کر) ہائے اگر اتنی تشفی کر دو تو میں جی اٹھوں۔

آزاد۔ استقلال کو ہاتھ سے نہ دیجئے۔ آپکو تو حسن آرا کی وجہ سے مجھ سے محبت ہو گئی ہی مجھ کو دیکھیے کہ تیر عشق کی خلش سے کیسے کیسے کرب سہ رہا ہوں مگر اُف تک نہ کیا حسن آرا ہی کی حالت پر نظر ڈالو۔ اُس بیچاری پر میری جدائی نے کیسی بجلی گرائی۔ کیا نوبت آئی۔ لیکن مستقل مزاج ہیں۔ اچھی ہو خواہ بُری انسان کو استقلال کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔ صبر صبر

بیگم۔ کہنا آسان کرنا مشکل ہی۔ اُف اندھیر سا چھا گیا۔ کیا آج ہی جاؤ گے۔ اُف نہ آج نہ سہی کل۔

آزاد۔ ابھی میں کچھ نہ کہہ سکا ہوں۔

بیگم۔ تمہارے جانیکے بعد میری کیا کیفیت ہوگی اور اب ہم تمہیں دیکھینگے کیونکر۔

آزاد۔ انشاء اللہ زندگی ہو تو ہنسی خوشی پھر ملینگے۔

بیگم۔ منزلوں کا سفر کالے کوسوں مجھے تو جیسے مایوسی سی ہو رہی ہے تو سب کچھ مان جاؤں پر جب دل بھی مانے۔ اس اندر والے کو کون سمجھائے۔ کوئی تدبیر بن ہی نہیں پڑتی۔ اللہ میں کیا کروں۔

اتنے میں میرزا صاحب نے باہر سے آکر کہا کہ صبح کو فلاں جہاز روانہ ہوگا خدا کرے بخیر و عافیت واپس آیئے اور ہم بھی شریک تقریب سعید ہوں۔

آزاد۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

بیگم۔ یوں جانے کو سب ہی جاتے ہیں حج کو لاکھوں مرد و عورت ہو آئے مگر اتنی دور جانا اور لڑائی میں شریک ہونا۔ بس یہی خیال تو مارے ڈالتا ہے۔

آزاد۔ یہ سچ ہے مگر ؎ کشتگان خنجر تسلیم را ٭ ہر زمان از غیب جانے دیگر ست

بیگم۔ واپس آنے کی تو بہت کم امید ہے نہ۔ جہاں گولا چلتا ہو وہاں کسی کا بھی بس نہیں چل سکتا۔ اتنی سی جان گولے کو بھلا روک سکتی ہے کہاں۔

آزاد۔ لاکھوں آدمی جو جنگ میں شریک ہوتے ہیں اور مرتے ہیں کیا سب کے سب مر ہی جاتے ہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا اور پھر یہ بھی تو سوچیے کہ قضا کا وقت کوئی ٹال ہی نہیں سکتا۔ پھر جیسے یہاں ویسے وہاں دونوں مقام یکساں ہیں۔ اب اس کا خیال نہ کیجئے اور خدا کی مرضی پر شاکر رہیے۔

بیگم۔ (آہ سرد کھینچ کر) ہاں۔

میرزا۔ بھی میرا تو دل گواہی دیتا ہے کہ آپ سرخرو ہو کر آئیں گے۔ آج تو آپ جاتے ہیں مگر خدا وہ دن جلد دکھائے گا کہ پھر اسی مکان میں ہونگے انشاء اللہ۔

ہاں مشو نومید چوں واقف نۂ ز اسرار غیب	باشد اندر پردہ بازیہائے پنہاں غم مخور

انسان کو خدا کے معاملات میں ذرا بھی دخل نہیں۔ انسان کرتا کچھ ہے نتیجہ کچھ اور ہی نکلتا ہے۔ سوچتا کچھ ہے ہوتا کچھ اور ہی ہے۔ ع

من در چہ خیالم و فلک در چہ خیال	کارے کہ خدا کرد فلک را چہ مجال

اور موت کا تو حال ظاہر ہے کہ جن لوگوں کی زیست سے ہاتھ دھو بیٹھے اور سمجھ گئے کہ اب انکا بچنا غیر ممکن ہے وہ دم کے دم میں خاصے ہٹے کٹے نظر آئے اور جو اچھے بھلے چنگے تھے وہ بات کی بات میں چل بسے یا سینکڑوں زخم کھائے گولے کھائے گولیاں کھائیں تلواروں سے بدن چھلنی ہو ہو گئے مگر بقید حیات موجود ہیں اور ایسا بھی اکثر ہوا کہ ایک گولی قریب سے بھی نہیں نکلی لیکن ٹھوکر کھائی اور مر گئے۔ جنگ پر جانے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ خواہ مخواہ مر ہی جائیں گے فضول ہے اور یوں تو آب حیات کسی نے پیا ہی نہیں کہ وہ عاقبت کے بوڑھے بڑے طفل مکتب تک جانتا ہے کہ ہر ذی روح کے لیے موت ہے۔ اوس سے نہ کوئی بچا نہ کوئی بچے گا۔ اسوقت ان باتوں کے تذکرے سے بجز اس کے کہ میاں آزاد بیچارے کا دل چھوٹا پڑ جائے اور کوئی نتیجہ نہیں۔ ہم پر فرض ہے کہ اپنے اس معزز مہمان کی روانگی کے وقت جیسی خوشی کو روانہ کریں اور دعا مانگیں کہ جس کار خیر کے لیے جاتے ہیں اس کو بحسن لیاقت انجام دیں تاکہ انکا ساری خدائی میں نام ہو اور حسن آرا بیاری ان کے ساتھ چین سے بسر کریں اب ہمارے رونے دھونے یا رنج کرنے اور ٹھنڈی سانسیں بھرنے سے کیا ہو سکتا ہے کچھ بھی نہیں۔ بھلا میاں آزاد کو تم روم جانے سے باز رکھ سکتی ہو ممکن نہیں۔ پھر اپنے رنج و حسرت کے اظہار سے انکو ملول و مغموم کرنا فعل عبث ہے یا نہیں۔

بیگم۔ میں کیا کروں یہ سب باتیں تو میں بھی جانتی ہوں۔ مگر سمجھاؤں کیسے پھوٹ پھوٹ کے رونا آتا ہے۔ ضبط کر رہی ہوں۔

آزاد۔ آپ میرا کہا مانئے تو خوب رو لیجئے تاکہ بخار چھنٹ جائے رونے کا ضبط اچھا نہیں رونے کے ضبط کرنے میں قلب پر ایک قسم کی حرارت ہو جاتی ہے خفیف بخار آتا ہے اور انسان پریشان ہو جاتا ہے مگر دل کو خوب مضبوط رکھو اور سمجھاؤ کہ خوف کیا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے جنگ ہوا ہی کی ہے اور آدمی مورچوں پر جایا ہی کیے ہیں ایک میں ہی اکیلا تھوڑا ہی جاتا ہوں جبتک آپ دلکو ڈھارس نہ دینگی دہلیز کے باہر قدم تو رکھنے کا نہیں ایسا نہ کیجئے کہ مفت میں میری بدنامی ہو اور میں روم جانے سے محروم رہوں خدا نے چاہا تو بہت جلد واپس آکر آپکی زیارت حاصل کرونگا اب آپ یا تو رو لیجئے یا ہنس دیجئے

میری بھی تسلی اسی میں ممکن ہو۔ اب آپ کو اختیار ہے۔ میں اصرار نہ کرونگا کہ مبادا طبع نازک پر گراں گذرے پہلے ہی دن زمین مجھے للکار چکی ہیں کہ بیوی نازک مزاج ہیں زور زور گفتگو نہ کیجیئے۔

بیگم ۔ زمین - زمین - پانی لاؤ۔ مُنھ دھلاؤ۔

میرزا ۔ جی خوش ہو گیا۔ واللہ اسوقت جی خوش ہو گیا۔

آزاد ۔ ہاں علیٰ ہذا القیاس۔ بس اب مُنھ دھو کر گلوریاں بنائیے خود بھی کھائیے اور میرزا صاحب کو بھی کھلائیے۔

میرزا ۔ زمین پانی لاؤ۔ سنتی نہیں یہی تو تم میں عیب ہے کہ صبح کا کام شام کو اور شام کا کام صبح کو کرتی ہو۔ لاؤ پانی جھٹ پٹ۔

زمین ۔ تو یہ اپ آلو چھیلوں یا پانی پلاؤں۔

الغرض زمین حسبِ دستور دل ہی دل میں بُرا بھلا کہتی ہوئی اُٹھیں اور پانی لے گئیں۔ بیگم نے مُنھ دھویا اور گلوریاں بنا کر میرزا صاحب اور میاں آزاد کو دیں اور آہستہ سے کہا کہ اب میں کوئی ایسا کلمہ زبان پر نہ لاؤنگی جس سے میاں آزاد کو رنج ہو یا جس سے میرے رنج کا اظہار ہو باہر خوجی نے آواز دی

خوجی ۔ مولانا محمد آزاد صاحب کہئے اب چلنے کا وقت قریب آیا۔ کچھ خواجہ بدیع کی بھی فکر ہے۔ وہ قرولی لیتے ہی لیتے رہ گئے۔ افیون کا کیا بندوبست کیا ہے یار کہیں ایسا نہو کہ افیون راہ میں نہ ملے اور ہم جیتے جی مر مٹیں۔ ذری زمین کو بازار تک بھیجکر دو ٹکے کی بھانڈی اور کوئی ساٹھ ستر کتارے تو نازک نازک سے منگوا دیجئے۔ میرا بھائی۔ نہیں تو میں جیتا نہ بچونگا۔

زمین ۔ ہاں زمین ہی تو گھر بھر میں فالتو ہے لیک کر بازار سے نے کیوں نہیں آتے۔ کیا چوڑیاں ٹوٹ جائیں گی۔ یا پاؤں کی مہندی چھٹ جائے گی اور افیم لینے میں عورت ذات کہاں جاؤں گی بھلا۔

بیگم ۔ آزاد سے راستہ میں اس سڑان کے سبب سے خوب چل پہل رہے گی جی تو نہ گھبرائے گا۔

آزاد ۔ ہاں مگر دیکھیے کیا کیا حماقتیں کرتے ہیں۔ خدا ہی خیر کرے لیے جاتا ہوں کہ شاید عزم غلط ہو۔ مگر خوف معلوم ہوتا ہے۔

خوجی ۔ اچھا پھر مورچے پر ہماری کیفیت دیکھیے گا۔ ابھی جو چاہیے کہہ لیجیے آپ سے سو قدم آگے ہی رہوں تو سہی۔

میرزا ۔ اس میں کیا شک ہے جناب خواجہ صاحب اور جو غنیم کی طرف کوئی بھر دیہا ہوا تو پھر کیسی ٹھہر گئی۔

خوجی ۔ سچ کہتا ہوں کہ اتنی قرولیاں بھونکی ہیں کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے مجھے بھی کوئی ایسا ویسا سمجھے ہیں آپ۔ دگلے والی پلٹن میں رسالدار تھا بندے نے ادودھ میں خدا جانے کتنی گڑھیاں فتح کریں۔

بیگم ۔ کیا گڑھیاں فتح کریں۔؟ اے واہ (مسکرا کر) گڑھیاں فتح کرنا خوب بات ہے۔ تم کو بھی اپنی زبان سے ملنا نہیں ہے۔

خوجی ۔ حضور آپ تو میاں آزاد کے کہنے میں جاتی ہیں۔ اور مجھکو خواہ مخواہ بناتی ہیں۔ گڑھی سے مطلب تھا۔ اُسکی جمع گڑھیاں ہوئی یا نہیں ہوئی فرمائیے پھر گڑھیاں کیا معنی ہم بھی کسی زمانہ میں رسالدار بلدہ تھے اب پچھلے حالوں ہیں تو کیا ہوا۔

بلبلو کس کو دکھاتی ہو عروج پرواز		ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی

بیگم ۔ لے رسالدار صاحب آپکی قرولی کیا ہوئی۔ مورچہ کھا گئی ہو تو ذری صاف کر لیجئے۔ ایسا نہ ہو مورچے پر میان ہی میں رہے۔

زمین ۔ کیوں ان صاحب ہمارے لیے وہاں سے کیا (سوغات) لائیے گا۔

خوجی ۔ اجی جیتے آئیں تو یہی بڑا تحفہ ہے۔ یہاں تو بدن کانپ رہا ہے بلا کا سامنا ہے۔ اُف خدا ہی بچائے۔

بیگم ۔ (آزاد سے) خط وط بھیجا کیجیے گا یا نہیں یا ترسائیے گا۔

آزاد ۔ ضرور بھیجوں گا۔ نہ بھیجا کیا معنی۔

الغرض چلنے کا وقت آ گیا اور میاں آزاد نے اپنا اور خوجی کا اسباب باندھا جمعی تیار ہوئی سب سامان چوکس ہو لیں بیگم صاحبہ نے پھرتی کے ساتھ چادرہ سبز اطلس لیکر ادھر سیا اور اس میں ایک اشرفی رکھدی مہرشاہی

حضرت مرشد آباد امام ضامن کی اشرفی تو تیار ہو گئی۔ جسوقت میاں آزاد نے چلنے کے لیے لکڑی اُٹھائی اُسوقت بیگم بیچاری بے اختیار رو دی مگر دل کو تھام لیا اور پھر مُنھ دھو یا چلتے وقت میاں آزاد نے کہا کہ دیکھیے بیگم صاحب اب اسوقت دلکو قابو میں رکھیے ورنہ راہ میں دو چار روز تک میرا بڑا برا حال ہو گا۔ اگر مجھ سے واقعی میں دلی محبت ہو تو میرا کہا مان لیجیے غم کو اپنے قریب آنے ہی نہ دیجیے میں آج سے خط پر خط بھیجوں گا خاطر جمع رکھیے۔ اور جس جگہ کے نام بھی خطوط کا تار باندھ دوں گا۔ بیگم صاحب نے پڑھ کر اپنے پیارے پیارے اور نازک ہاتھوں سے امام ضامن کی اشرفی باندھ دی اور کہا کہ امام ضامن کی ضامنی جسطرح پیٹھ دکھاتے ہو اسی طرح مُنھ بھی دکھاؤ اور اللہ کرے مُنھ مانگی مراد پاؤ۔

آزاد۔ خدا حافظ۔

بیگم کی پریشانی ناگفتہ بہ۔ آنکھیں لہو کی بوٹیاں۔ روتے روتے سُرخ ہو گئیں۔ قلب کی عجب کیفیت تھی۔ حرکت سُست۔ دل دھڑک رہا تھا۔ اور بیقراری بڑھ گئی تھی پر تھی۔ مگر عورت تھی فہمیدہ یہ شعر پڑھ کر خاموش ہو رہی۔ ؎

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا ‖ دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

میاں آزاد اور میرزا صاحب۔ اور خوجی جا کر بگھی پر بیٹھے بگھی روانہ ہونے کو تھی کہ میاں آزاد نے کہا ارے! لاحول ولا قوۃ۔ لکڑی بھول آیا۔ آپ ٹھہریں میں اندر سے ابھی ابھی آیا۔ یہ کہکر میاں آزاد بگھی سے اُترے اور جلدی جلدی اندر گئے واہ استاد۔ ہم سمجھ گئے ہو۔ تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے ؛ اندر جو حضرت پہونچے تو دیکھا کہ بیگم کے بال پریشان ہیں اور وہ گھبرا رہی ہیں مگر زمین پر بیٹھی ہیں کہ بیوی رو رو نہیں اللہ چاہے تو ایک ہی مہینے میں آجائیں۔ آزاد کو جو دیکھا تو انکی باچھیں کھل گئیں۔

آزاد۔ دیکھیے بیگم صاحب اسوقت آپکو یقین واثق ہو گیا تھا کہ اب جبتک میں روم سے واپس نہ آؤنگا۔ آپ میری صورت نہ دیکھیں گی مگر خدا نے مجھکو اور آپکو پھر ملایا۔ بس اسی طرح خدا پر شاکر رہیے (قدموں پر گر کر) بیگم صاحب خدا کے لیے رونا نہ کرنا ہمارا ہی خون پیجے جو غم کرے

اب مجھے جبتک یقین نہ دلاؤگی میں زمین سے نہ اُٹھوں گا۔

بیگم (زمین سے اُٹھا کر) میں جسکی کہو قسم کھالوں کہ اب میرے دل کو بڑی ڈھارس ہوئی خدا انکو واپس لائے اور خیر و عافیت سے تم پھر بمبئی میں آن کر ہمارے یہاں رہو۔

آزاد۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ خدا حافظ۔

بیگم۔ امام ضامن کے حوالے کیا۔ ؎

بہ سفر رفتنت مبارک باد ‖ بہ سلامت روی و باز آئی

زمین سے کہا کہ جہی مجھلی خدمتگار کو ٹے کر کہدے کہ دروازے پر کھڑا رہے جسوقت میاں آزاد دروازے کے باہر قدم رکھیں سامنے کرے اور دیکھتا رہے کہ کوئی عورت سامنے نہ آنے پائے۔

آزاد۔ لکڑی لے کر جھٹ پٹ باہر پہونچے اور بگھی پر سوار ہو کر ساحل بحر کی طرف چلے تو اثنا راہ میں میرزا صاحب سے انھوں نے کہا کہ واسطے خدا کے اپنی بیوی کو خوب سمجھاتے رہیے گا آپکے ذمہ ہے۔

خوجی نے بیڈھب بیڈھب سوال ابھی سے شروع کر دیے۔

خوجی۔ ہیں کوئی ہنانے کو کہے گا تو ہم قرولی ہی بھونک دیں گے۔

میرزا۔ تو جب کوئی کہے نہ۔

خوجی۔ ہاں بس اتنا یاد رکھیے گا ذری۔

میرزا۔ کچھ زبردستی تو ہی نہیں۔ چاہے ہنانے چاہے نہ ہنانے کچھ کسی کا اجارہ ہے۔

خوجی۔ دیکھیے ہم پھر جتائے دیتے ہیں کہ ہم گنا چوس چوس کر تمند کے باپ کی بھینک کے اور جو کوئی بولیگا تو ہم دبوچ بیٹھیں گے۔ ہاں ایسے ویسے نہیں یہاں۔

آزاد۔ ابی اب زیادہ فکر نہ کیجیے میں نے سب بندوبست کر لیا ہے۔

خوجی۔ آپکے انتظام کو بس دور ہی سے سلام ہے۔

میرزا۔ ابی نہیں گھبراتے کیوں ہو۔

خوجی۔ خدا کرے افیم روز کی روز ملتی جائے۔

آزاد۔ افیم مفت شوق پیجیے۔ یہ کیا بات ہے۔

خوجی۔ اور قردلی۔

آزاد۔ واہی ہو خاصے۔

خوجی۔ واہ کیا شرافت ہی۔ آپکی۔ گالیاں ہی دینے لگے واہ قبلہ۔

میرزا۔ اجی اب خدا کا نام لو۔ یہ اول جلول باتیں نہ کرو۔

حسن آرا کی بیقراری

از تب و تاب فراق تو بلب آمدہ جاں ۔۔ تشنۂ دل تاب و تواں
برلبم از لب خود شربت عناب چکاں ۔۔ اے مسیحائے زماں

ہی ہی آج قلم خونیں رقم ابتدا ہی سے ماتم کر رہا ہی۔ بائیں آنکھ کا پھڑکنا اور بھی ستم ہی۔ الٰہی یہ کسکی بیقراری و گریہ وزاری کا حال حسرت مآل زبان کلک گہر سلک سے نکل گیا کہ دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ طبیعت قابو ہی میں نہیں کلیجہ بلیوں اچھل رہا ہی۔ خدا ہی خیر کرے الامان۔ یہ آہ عالم سوز و جگر دوز بیوجہ نہیں معلوم ہوتا ہی کیچ ٹکڑے ہوے عاشق شیدا کے کانوں سینہ میں تازہ درد فراق مشتعل ہی۔ میاں آزاد اور خوجی تو جہاز پر رنگ رلیاں مناتے ہونگے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاتے ہوں گے مگر ایک غم زدہ ستم رسیدہ کا حال سننے کے قابل ہی۔ ایک تو نوعروس سرمایۂ نازنینی۔ رو کش لعبتان چینی ستم کوش یغماگر کاڑان ہوش۔ برہم زن خانمان دین۔ مہ جبین نازنین کو سرشام سے اپنے معشوق گلفام کی یاد آئی اور اُسکی پیاری پیاری صورت نظروں میں ایسی سمائی کہ عقل کو رو بیٹھی صبر و شکیب سے ہاتھ دھو بیٹھی نالہ سوزاں نے بجلی گرائی چشم گریاں نے ساون بھادوں کی سی جھڑی لگائی اور رو رو کر یہ شعر زبان پر لائی۔ ؎

آمد جدائیت بجان دل ۔۔ گہ نالہ کند گہے فغان دل
آں با ہمہ صدق عشق بازی ۔۔ گاہے نشد از تو کامران دل
بنشینم و گرد تو بگردم ۔۔ افسانۂ عشق در نوردم

بی حسن آرا صاحب کی طبع نازک پر اگر گراں نہ گذرے تو ہم آتنا ضرور عرض کریں کہ یہ سب زبانی داخلہ ہی۔ افسانۂ عشق در نوردن کوئی دل لگی ہی عشق ننوا کھیل ہوا کلیجے پر چوٹ کھائی ہی کہ باتیں اور ابھی ابتدائے عشق ہی۔ ؎ آگے آگے دیکھیے ہوتا ہی کیا۔

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا ۔۔ کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

اسی بیقراری اور اختر شماری کی حالت میں حسن آرا اپنی نازک پلنگڑی پر جا کر سو رہیں۔ خدا کرے رات کو آنکھ نہ کھلے۔ کلیاں بھی چٹکیں تو ساتھ اور بچے باد صبا بھی چلے تو دب کے۔ حسن آرا خواب ناز میں ہی۔ ؎

سرہانے میر کے آہستہ بولو ۔۔ ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

اسوقت تو شبنم کا دو دو پٹہ بھی بار ہی۔ شمع کا جھلملانا بھی ناگوار ہی۔ مگر شبہائے فراق میں یہی تو ایک مونس و غمخوار ہی یہی ہمصفیر ہی تسلی بخش دل بیقرار ہی۔ ؎

فانوس میں نہیں ہی یہ شعلہ شرار کا ۔۔ پردے میں دل جلے ہی کسی بیقرار کا

خواب میں حسن آرا کیا دیکھتی ہی کہ ایک پیر مرد ملکوتی صفات برگزیدہ کائنات ساکنان جناں کی طرح سبز پوش۔ شاہد زہد سے ہم آغوش۔ بردیانی دربر شال طوس کا عمامہ برسر اُسکے قریب آن کر کھڑے ہوے اور ایک کتاب لاجواب دے کر فرمایا کہ اے دختر نیک لقب تیری بیقراری اور عشق صادق تیری پارسائی اور باوفائی نے میرے دل میں جگہ کرلی اب تو بے جھجک صاف صاف بتا دے کہ کون تیرا محبوب ہی اور تجھے کیا مرغوب ہی۔ حسن آرا نے کہا کہ ؎

داغ بر دل ز غم لالہ عذاری دارم ۔۔ فارغ از بیم خزاں باغ و بہارے دارم
من کجا خواب فراغت کہ بزیر بستر ۔۔ شب ہمہ شب ز غم ہجر تو خارے دارم
ساقی از راہ عنایت قدحے در کارم ۔۔ کہ بسر از مے دوشینہ خمارے دارم
ہوس حج و قصودم ز قصور عقل ست ۔۔ من کہ صد در حرم از خود نگارے دارم

پیر مرد۔ دلکو تسکین دو اور یہ کتاب لو۔ اسمیں فال دیکھو۔

حسن آرا نے کتاب لی اور پہلے پڑھا ٹیٹل پیج یعنی لوح پر لکھا تھا دیوان حافظ سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔ ؎

قسم شاخ نبات ست ترا اے حافظ ۔۔ فال ما راست بگو تا شود ما را تو یقیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم کہکر کتاب کھولی تو یہ غزل نکلی۔ ؎

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند
واندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

بیخود از شعشعۂ پرتو ذاتم کردند
بادہ از جام تجلی بصفاتم دادند

چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے
آں شب قدر کہ ایں تازہ براتم دادند

چوں من از عشق رخش بیخود و حیراں گشتم
خبر از واقعۂ لات و مناتم دادند

من اگر کامروا گشتم و خوشدل چہ عجب
مستحق بودم و اینہا بزکاتم دادند

بعد ازیں روے من و آئینۂ حسن نگار
کہ دراں جا خبر از جلوۂ ذاتم دادند

ہاتف آں روز بمن مژدۂ ایں دولت داد
کہ بازار غمت صبر و ثباتم دادند

ایں ہمہ قند و شکر کز سخنم می ریزد
اجر صبریست کزاں شاخ نباتم دادند

کیمیائیست عجب بندگی پیر مغاں
خاک رہ گشتم و چندیں درجاتم دادند

بحیات ابد آں روز رسانید مرا
خط آزادگی از حسن مماتم دادند

عاشق آں دم کہ بدام سر زلف تو فتاد
گفت گر بند غم و غصہ نجاتم دادند

شکر شکر بشکرانہ بیفشاں اے دل
کہ نگار خوش شیریں حرکاتم دادند

ہمت حافظ و انفاس سحرخیزاں بود
کہ ز بند غم ایام نجاتم دادند

صبح آنکھ کھل گئی تو نہ پیر مرد تھے نہ مطالعۂ کتاب تھا۔ وہ تو بس خواب ہی خواب تھا گو حسن آرا فال وال کی قائل نہ تھیں مگر پھر بھی کسی قدر دل کو ڈھارس ہوئی تڑکے اُنھوں نے سپہر آرا سے خواب کا حال بیان کیا۔

سپہر آرا۔ باجی لو فتح ہے۔ کہو تو ہم تعبیر بتا دیں وہ بوڑھے میاں خواجہ خضر تھے۔ ہے کہ نہیں۔ آخر تمھیں بتاؤ اور کسکو پڑی تھی کہ بیقراری کی حالت میں سرہانے آتا اور دوا درد دل لاتا۔ کتاب دیتا اور اپنی راہ لیتا۔

حسن آرا۔ واہ رے آزاد ہمیں اُنکی جوانمردی رہ رہ کے یاد آتی ہے۔ اپنی جان اپنی جوانی اپنی راحت اپنی زندگی کی فکر ہی نہ کی یہاں ذرا سا دکھڑا گھنٹوں خون رُلاتا ہے مگر اُس شیر مرد کی غربت پر افسوس آتا ہے مجھ سے ملے یا نہ ملے مگر خدا کرے زندہ رہیے۔ ۵

شہید عشق بنازم کہ چوں پروانہ در شمع
نہ فکر گور و نہ خاطر نہ پرواے کفن دارد

اتنے میں ایک مغلانی نے سپہر آرا کو خط دیا۔

حسن آرا۔ (ہاتھ بڑھا کر) ہم پڑھیں گے۔

سپہر آرا۔ واہ ہم پڑھیں گے۔

حسن آرا۔ (پیار سے جھڑک کر) بس یہی باتیں تو ہمیں بھاتی نہیں۔

سپہر آرا۔ (بانکی ادا سے تنک کر) نہ بھائیں۔ وہ دھمکاتی کیا ہو۔

حسن آرا۔ (سپہر آرا کے گورے گورے گالوں میں ہاتھ پھیر کر) میری بہن پیاری بہن۔ دیکھو بڑی بہن کا اتنا کہنا مان جاؤ۔ میں صدقے مجھے خط دکھاؤ لاؤ بس لاؤ خدا کے لیے۔

سپہر آرا۔ (بھولے پن سے) ہم تو نہ دیویں گے۔

حسن آرا۔ تم خواہی نخواہی ضد کرتی ہو۔ بچوں کی طرح مچلی جاتی ہو۔

سپہر آرا۔ رہنے دیجئے بس۔ واہ وا۔ ہم اپنے آزاد کا خط نہ پڑھیں۔

حسن آرا۔ (مسکرا کر) آپ کے کون ہیں۔

سپہر آرا۔ جی (دے کو خوب بڑھا کر) اور آپ کے کون ہیں۔

حسن آرا۔ (شرما کر) ہمارے۔ اب کیا بتاؤں۔

سپہر آرا۔ شرمائی نہ ہوگی۔

حسن آرا۔ لے اسی بات پر خط ہمارے حوالے کر دو۔

سپہر آرا۔ ہوں کہیں حوالے نہ کیا ہو۔

لونڈی۔ (سپہر آرا سے) دیجیئے بڑی بہن ہیں۔ کہنا کیجئے۔

سپہر آرا۔ (گھڑکی دیکر) تو کون بیچ میں بولنے والی ہے۔ چل دور ہو سنیے آپ بھی وہ بن کے آئی ہیں۔ بی ٹیک۔

راوی۔ تریا ہٹ کے صدقے۔ سپہر آرا نے خط نہ دیا نہ دیا۔ اور پڑھ کر حسن آرا کو خط یوں سُنایا۔

خط

اب تو جاتے ہیں ہند آزاد
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

حسن آرا۔ آمین۔

سپہر آرا۔ کیا شعر کہا ہے ہو ہو۔ خیر آگے سنئے۔ جان آزاد۔ ۵

حسن تو ہمیشہ در فزوں باد ‖ رویت ہمہ سال لالہ گوں باد

آج جہاز پر سوار ہوتا ہوں۔ رخصت خدا حافظ۔ کوئی امان اللہ دو گھنٹے اور ہندوستان میں ہوں پھر اسکے بعد سفر۔ سفر۔ سفر۔ سمندر اور ہم۔ سفر اور ہم۔ ذرا دعا تو دو اور اتنا کہو کہ۔ ؎

بہ سفر رفتنت مبارک باد ‖ بسلامت روی و باز آئی

انشاء اللہ۔ ہمّت مرداں مدد خدا۔ بخت بر سر یاری اور طالع آمادہ مددگاری ہو تو کیا پروا۔ پیاری حسن آرا۔ اسوقت میرا دل بھر آیا مگر میرزا صاحب نے مجھ کو خوب سمجھایا تمھاری پیاری بہن۔ میری جدائی سے بڑی مغموم ہیں جسوقت میں نے کہا رخصت ہوتا ہوں بس اُسوقت کا حال کچھ نہ پوچھیے گھڑی گھڑی مُنھ دھوتی تھیں اور گھڑی گھڑی روتی تھیں قائم تھا اُس وقت مشکل ہو گیا۔ ہائے صدمۂ ہجر بھی کیا بُری چیز ہے۔ خدا دشمن کو کسی پیارے کے ہجر کا صدمہ نہ دکھائے عدو بھی جدائی کا داغ نہ پائے۔ میں خوش و خرم ہوں مگر سوز دل اور آہ آتشیں نے خرمن صبر کو پھونک دیا میری پیاری حسن آرا مجھے کسی طرح اتنی تشفی دے دو کہ تم بیقراری کی حالتیں نہیں ہو تو اس غربت میں جی جاؤں۔ ابتو جو ہونا تھا وہ ہوا مگر درد لا دوا نہیں۔ میں کچھ اسوجہ سے تو روم جاتا نہیں ہوں کہ بہشت میں جگہ ملے بہشت کو دور ہی سے سلام وہاں ایک حور ملی بھی تو کس مصرف کی مرزا غالب خوب کہہ گئے ہیں کہ وہ نیکبخت اجیرن ہو جائے گی۔ ؎

زن نو کن اے دوست در نو بہار ‖ کہ تقویم پارینہ ناید بکار

میں تو اس لیے جاتا ہوں کہ پیاری حسن آرا کا حکم بجا لاؤں اور اپنے پیارے بھائی مسلمانوں کا ہاتھ بٹاؤں۔ اس کوشش میں چاہے آزاد ہی کیوں نہ جائے گر روم پر آنچ نہ آنے پائے اور مرنا تو برحق ہے اُسکا غم کیا ؎

زکوچ کاروان عمر غافل تا کجے باشی ‖ درین رہ آمد و رفت نفس ہا نگہ جرس دارد
مرا در صدمۂ ہجرش کمن بادگی نسبت ‖ کہ سوز سینۂ پروانہ کے طبع گس دارد

رخصت آزاد خستہ جان۔

ہاں پیاری سپہر آرا کو خوب سمجھانا۔ وہ بڑی رقیق القلب ہیں اسوقت خوجی پانی کی صورت دیکھ کر مچل رہے ہیں۔

حسن آرا۔ یہ موا خوجی ابھی جیتا ہی ہے۔

سپہر آرا۔ اُف پانی کا نام سن کر جوڑی چڑھ آتی ہے۔

حسن آرا۔ غرض کہ بیچارے جہاز پر سوار ہوگئے۔ اب دیکھیں قسطنطنیہ سے کب خط آتا ہے۔

سپہر آرا۔ کہیئے ابتو فال پر ایمان لائیں دیکھا میں کیا کہتی تھی کیوں۔

حسن آرا۔ بجا۔

سپہر آرا ؎ ‖ دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند ‖ واندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

رات کا وقت تھا کہ نہیں تھا صاف صاف تو خواجہ حافظ نے کہدیا تھا تم نہ مانو تو اسکو کوئی کیا کرے اور آب حیات کے لفظ سے میں تاڑ گئی کہ خواجہ خضر ہی تھے ابتو مانو۔ اور لیں اپنی بات کی پچ کرنا تو بات ہی اور ہے۔ ؎

چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے ‖ آں شب قدر کہ ایں تازہ براتم دادند

وہ تازہ برات کس سے مراد ہے۔ وہ یہی طربنامۂ آزاد ہے۔ صبح کو آیا کہ نہیں رات کو خواب دیکھا تھا کہ نہیں۔ پھر فرخندہ شب اسکو کہو گی یا نہ کہو گی اور مبارک سحر اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ اس بیچارے کی کھوج خبر پائی۔ ؎

اینہمہ قند و شکر کز سخنم می ریزد ‖ اجر صبریست کزاں شاخ نباتم دادند

شاخ نبات پر حافظ عاشق تھے کہ نہیں کہو ہاں صبر کیا پھل پایا یا نہیں کیا فال ہے۔ واہ حافظ شیرازی کیوں نہ ہو بالکل صاف صاف بتایا۔ ایک دفعہ کسی شخص نے بادشاہزادی کا زیور چرا لیا تھا اُنھوں نے اُس سے دیوان حافظ منگا کر فال دیکھی اور حسن اتفاق سے جس خواص نے زیور چرایا تھا وہی ہاتھ میں شمع لیے تھی۔ فال جو دیکھی تو یہ مصرع نکلا۔ ؏ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ اسی طرح ایک شخص کا لڑکا باہر گیا تھا کوئی دو مہینے سے خط نہیں آیا تھا اُس نے فال دیکھی تو یہ شعر نکلا۔ ؎

یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور ‖ کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

ذری یہاں کو بی آنا۔

مغلانی۔ آئی بیوی کہئے۔

سپہر آرا۔ پانچ روپیہ کی پنج میل مٹھائی منگواؤ۔ ابھی لاؤ۔ ہم دیوان حافظ کو مٹھائی سے تولیں گے۔

حسن آرا۔ اس خبط کو دیکھیے۔

سپہر آرا۔ آپکی بلا سے۔ ایک ڈلی تم بھی کھا لینا۔

حسن آرا۔ خوب چہ خوش۔ پانچ روپیہ کی مٹھائی اور اسمیں ہم کو ایک ڈلی ملے۔ تو تلنے کے پہلے آدھی نہ چکھ گئی ہوں تو جبھی کہئے۔

سپہر آرا۔ واہ رے بجی۔ میں ایسی کچی نہیں ہوں۔

حسن آرا۔ بھلا کتاب سے آیندہ کا حال کیا معلوم ہوگا مجھے بڑی ہنسی آتی ہی جب کوئی فال دیکھتا ہی۔ آنکھیں بند کیے ہوئے تھوڑی دیر بڑبڑائے اور کتاب کھولی اپنے اپنے طور پر معنی لگانے لگے واہی تباہی بہن یہ سب ڈھکوسلا ہی۔ ہم کو بڑے صوفی نے سبق پڑھایا ہی۔

تھوڑی دیر میں سپاہی نے باہر سے آواز دی کہ ماما جی مٹھائی لیجاؤ سپہر آرا دوڑی مجھے دینا۔ حسن آرا الگ پھرتی سے جھپٹی کہ ہیں ہیں اب ماما بیچاری کس کو دے ایک چنگیل دو گاہک۔ اُسنے حسن آرا کو چنگیل دیدی۔

حسن آرا۔ اب بتائیے جی چاہتا ہی کھانے کا لگا لگا دوں۔ برفی پر چاندی کے چمکتے ہوے ورق کتنی بہار دیتے ہیں۔

سپہر آرا۔ ماما تم دوانی (دیوانی) ہوگئی ہو کچھ۔ روپیے ہم نے دیئے تھے یا انھوں نے۔ پرایا مال کیا جھپٹ کے اُٹھا دیا۔ واہ واہ چلو میرے سامنے سے جاؤ۔ بس مٹھائی لیکے دیدی۔ ہاں ہاں کرتی جاتی ہوں سنتی ہی نہیں بیہودہ کہیں کی۔

ماما۔ بیوی میں۔

سپہر آرا۔ چلو بس بنے دو بنی بی رہی او پر سے باتیں بناتی ہیں شرمانہ شرما دے

حسن آرا۔ اچھا دیوان حافظ میں پھر فال دیکھو۔ دیکھیں حافظ ابھی کیا حکم دیتے ہیں۔

سپہر آرا۔ اچھا لاؤ ہم اپنے ہاتھ سے دیکھیں گے۔

سپہر آرا نے صدق دل سے فال دیکھی۔ کتاب کھولی تو سرے پر ایک مصرع نکلا ع۔ گر شراب از کف آں ساقئ مہوش باشد۔

حسن آرا۔ اوپر کا مصرع پڑھو۔

سپہر آرا۔ ورق اُلٹ کر۔ دلق و سجادۂ حافظ ببرد بادہ فروش:

حسن آرا۔ ؎

دلق سجادۂ حافظ ببرد بادہ فروش
گر شراب از کف آں ساقی مہوش باشد

کیا جانے کیا سبب ہی کہ جہاں حافظ کا شعر پڑھا اور میں بس جیسے مست ہوگئی ؎

نقد صوفی نہ ہمہ صافی و بیغش باشد ‖ اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

اس سے تو صاف صاف کچھ مطلب نہیں نکلا۔ پھر فال دیکھو۔

سپہر آرا۔ فال بھی کیا کوئی لڑکوں کا کھیل ہی۔

حسن آرا۔ (ہنس کر) اور نہیں ہی کیا۔ اچھا اسکے ساتویں صفحہ میں دیکھو۔

سپہر آرا۔ (سات صفحہ گن کر) ؎

عید ست و موسم گل و یاراں در انتظار ‖ ساقی بروئے شاہ ببیں ماہ و می بیار

خیر حسن آرا نے مٹھائی دیدی اور سپہر آرا نے اپنے ہاتھ سے تولی ایک طرف دیوان حافظ دوسرے پلڑے میں چنگیل۔ تول کر سب کو تقسیم کی اور خوش ہو ہو کر یہ شعر پڑھنے لگی۔ ؎

دلق و سجادۂ حافظ ببرد بادہ فروش ‖ گر شراب از کف آں ساقی مہوش باشد

ماما بیوقوف کرسی کی رہنے والی لپک کر حسن آرا کی بوڑھی دادی کی بھی اُس شیرینی میں سے دس پانچ ڈلیاں دے آئی۔

بوڑھی۔ یہ مٹھائی کیسی۔

ماما۔ حضور فال دیکھی تھی۔

بوڑھی۔ فال کیسی۔

ماما۔ چٹھی آئی تھی کہیں سے اُسی کے واسطے دیکھی تھی۔

بوڑھی۔ چنچی کیسی۔

ماما۔ بیوی وہی جو وہ ہیں۔ دیکھیے کیا نام اُنکا آگئی جدائی۔

بوڑھی۔ جدائی کیسی مردار باتیں بناتی ہو۔ لا میری جریب تو دے خدا ہی خیر کرے کاڑی بیطور ماگی۔ بوڈھی عورت کمر جھکائے لٹیا ٹیکتی ہوئی چلیں۔ آئیں تو دیکھا کہ دونوں بہنیں مٹھائی چکھ رہی ہیں۔

حسن آرا۔ (دانتوں کے تلے اُونگلی دبا کر) ارے !۔

سپہر آرا۔ (ہکا بکا ہو کر) ارے !۔

بوڑھی صاحب۔ یہ مٹھائیاں کیسی آئی ہیں۔

سپہر آرا۔ امّاں جان آپکی صاحبزادی ہم سے شرط ہاریں کہتی تھیں۔ ہمارے دیوان حافظ میں چار سو صفحے ہیں ہم نے کہا نہیں چار سو چالیس ہیں۔

بوڑھی۔ (دیٹھو پھیر کر) ہاں توبہ۔ بیوی ماما تو سٹھیا گئی ہو کیا جانے کیا بکتی ہو۔

سپہر آرا اور حسن آرا نے بھی ماما کو چپکے چپکے خوب للکارا کہ تجھ سے ہم نے کہا کب تھا کہ امّاں جان کو مٹھائی دے۔ ؎

ے کہ طالب ساغر شراب ست   از لعل تو ہر کہ کامیاب ست

تا دیدہ بخواب دیدہ رویت   پیوستہ در آرزوئے خواب ست

جاں نیست دریغ از تو دل چیست   از بردن دل چہ اضطراب ست

مانند چراغ روز بے نور   پیش رخ یار آفتاب ست

جو یہ دم خنجرت گلویم   لب تشنہ در آرزوئے آب ست

داد از تو کہ قتل عشقبازاں   در کیش کہ داخل ثواب ست

از زلف مسلسل تو جانم   پیوستہ اسیر پیچ و تاب ست

حسن کبھی عجب بلائے بیدرماں ہو دیکھا اور دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ ؎

من آں از حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم   کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

یوں تو خدا کی خدائی میں ایک سے ایک بڑھ کر حسین مہ جبین ہو لیکن حسن آرا کا عالم ہی اور ہے۔ خدا چشم بد سے بچائے۔ ایسی لگاوٹ بازانکھڑیاں دیکھیں نہ نیں۔ قد بوٹا سا۔ پری چہم۔ برق دم۔ وہ نور کہ نظر نہ ٹھہرے۔ وہ رُخ کہ آنکھ جھپکنے لگے۔ ؎

گر دے جلوہ کناں آں بت چیں برخیزد   زاہد گوشہ نشیں از سر دیں برخیزد

بر زمینے کہ خرامے چو مسیحا نفسے   مردہ جاں باختہ رقصاں ز زمیں برخیزد

آہ گرم و نفس سرد بود در عشقت   انچہ از دشت من خاک نشیں برخیزد

حسن آرا کو جس نے دیکھا پکار اُٹھا کہ ہلال عید ہو۔ دیدہ و شنیدہ ہو۔ مگر یہ حسن اس بیچاری کے لیے بلا ہو گیا۔ ؎

گل و گلچیں کا گلہ بلبل خوش لہجہ نہ کر   تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

حضرات ناظرین! اب ایک نیا گل کھلا چاہتا ہو۔ غضب ہوا چاہتا ہو سنیے حسن آرا اور سپہر آرا دو چار ہجولیوں کو ساتھ لیے ہوئے ہاتھ میں ہاتھ دیے ہوئے کوٹھے پر اٹھکھیلیاں کر رہی تھیں۔ ایک نے دوسری کے چٹکی لی۔ کسی نے کسی کو گدگدایا۔ ذرا خیال نہیں کہ سہ منزلے پر کھڑی ہیں خدا نہ کرے پاؤں ڈگمگائے تو غضب ہی ہو جائے۔ ہوا زمنے سے چل رہی تھی۔ دایۂ بہار بنکھا جھل رہی تھی۔ قہقہوں کی آواز فلک چنبریں تک جاتی تھی۔ ہر پری وش مارے خوشی کے کھل کھلاتی تھی۔ بوٹی بوٹی پھڑکی جاتی تھی۔ پازیب کی جھما جھم شور محشر بپا کرتی تھی۔ ؎

بلا بالائے من طرز خرامے ست   ہمی سازد خجل کبک دری را

خرام حیرت افزائے کہ آں شرسی دارد   صبا را در گلستاں از روش باز میدارد

چہ تمکی رنگین ادا نازک آواز۔ خوش خرام جوان طناز ؎

نزاکت تو نسیم بہار شوخیہا ست   ز بار سایۂ گل کج شود کلاہ ترا

اتنے میں ایک پتنگ اُڑ کر گرا۔ اور سپہر آرا نے لپک کر لوٹ لیا۔ اہا ہا ہا! اس پر تو کسی خوشنویس نے کچھ لکھا ہو۔ ماہی جال کا گنڈے والا پتنگ سفید جیسے بگلے کا پر سب کی سب دوڑ پڑیں دیکھیں جشن آرا اور سپہر آرا کے سوا اور کوئی پڑھی لکھی تو تھی ہی نہیں۔ سپہر آرا نے پڑھ کر اشعار سنائے۔ ؎

از عاشقان صادقت اے دلستاں منم   اول کسے کہ بر تو فدا شد بجاں منم

دلم متاع نادرہ باخود ز درد یار ۔۔۔ امروز میر قافلۂ عاشقاں منم
آں کس کہ روز و شب بامید نظارہا ۔۔۔ مانند در ستارہ براں آستاں منم
آں کس کہ در جہان محبت زمین خود ۔۔۔ آرد بسر بدرد و غمت شادماں منم
آں کس کہ جان و دل بدو صد آرزو دادہ ۔۔۔ سازد ہدف بناوک ناز تو آں منم
آں کس کہ شست پا زدہ پرورش آرام ۔۔۔ آوردہ رو بکوچۂ زلف بتاں منم
آں کس کہ در ہوائے طلبگاری بتاں ۔۔۔ مہجور رہا بر آمدہ گرد جہاں منم

حسن آرا کا ماتھا ٹھنکا کہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے پیشانی پر عرق آگیا تاڑ گئی کہ کوئی عاشق زار پیدا ہوے۔ مجھپر یا سپہر آرا پر شیدا ہوے یہ معلوم نہیں کہ۔ ؎

دم ز وصف لعل جاناں میزنم ۔۔۔ ساغرے از آب حیواں میزنم

حسن آرا دنگ تھی کہ یا الٰہی یہ کون ذات شریف ہیں کسی نے شہ دی ہے کہ آپ نیر عاشق ہو۔ یا شاید مجھے بیجا ب کبھی باہر دیکھ لیا مگر یہ ہے کون بیکار اپنا وقت ضائع کرتا ہے۔ دماغ پھر گیا ہے موے کا کیا۔ سپہر آرا اپنے کھیل کود میں مصروف تھی جب سب بجولیاں اپنے اپنے گھر چلی گئیں تو حسن آرا نے سپہر آرا سے کہا کہ تم کچھ سمجھیں۔ یہ پتنگ پر کیا لکھا تھا تم کھیل میں مشغول تھیں میں اسوقت سے یہی سوچتی ہوں کہ یا اللہ یہ ماجرا کیا ہے۔ آزاد کے عشق کا راز سربستہ کہیں کھل تو نہیں گیا کہ اور لوگوں کو بھی عشق بازی کا شوق چرایا۔

سپہر آرا۔ ہاں بہن کچھ تو میں بھی سمجھی تھی مگر اس قدر نہیں بُری ہوئی اب کسی سے کہو سنو نہیں۔

حسن آرا ؎ دل میرود ز دستم صاحب دلاں خدارا ۔۔۔ دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

سپہر آرا۔ اللہ کرے پردہ فاش نہ ہونے پائے۔

حسن آرا۔ آثار بُرے ہیں۔

راوی۔ بڑی غضب ہوئی۔

حسن آرا۔ اس پتنگ کو پھاڑ پھوڑ کر پھینکدو کوئی دیکھنے نہ پائے۔

سپہر آرا۔ آپ نے سب کے سامنے پڑھوایا۔

حسن آرا۔ (وہ) مگر وہ سمجھی کیا ہوں گی۔

سپہر آرا۔ شاید کچھ تاڑ گئی ہوں۔

حسن آرا۔ واہ تاڑتیں تو پھٹ سٹھری پر کہتیں اور انگلیوں پر نچاتیں۔

سپہر آرا۔ اب کسی سے پوچھو کہ یہ پتنگ اُڑاتا کون تھا آخر۔

حسن آرا۔ اچھا ماما سے پوچھو۔

سپہر آرا۔ واہ کس بگّی کا نام لیا۔ موئی خبطن۔

شطرنج

اتنے میں خدمتگار نے ماما کو آواز دی اور ماما باہر سے ایک لفافہ لے آئی۔

حسن آرا۔ کیا آزاد کا خط پھر آیا ہے کیا۔

سپہر آرا۔ اب ڈاک کا وقت کہاں۔

حسن آرا نے جو لفافہ لیا تو مارے خوشبو کے دماغ معطر ہو گیا پھر ماتھا ٹھنکا یہ خوشبو کیسی اور لفافہ بھی ایسا عمدہ اور بیش بہا کہ واہ جی واہ۔

سپہر آرا۔ ماما پوچھو کس نے دیا ہے۔ ابھی کھولنا نہیں۔

حسن آرا۔ ہاں پوچھو تو۔

ماما۔ خانصاحب۔ بیوی پوچھتی ہیں لفافہ کہاں سے آیا ہے۔

خدمتگار۔ اجی ایک آدمی دے گیا ہے نام نہیں بتایا۔ دیا اور چلتا ہوا

سپہر آرا۔ کھولو تو۔ یہ ماجرا کیا ہے۔ اُف خدا ہی خیر کرے۔

حسن آرا۔ خیر کیا نرا شر ہی شر ہے۔

لفافہ کھولا تو ایک خط اور ایک اخبار نکلا خط میں یہ لکھا تھا۔ ؎

اے دادہ رخت بہ مہر پر تو ۔۔۔ ابروے تو خوشتر از مہ نو

آپکی ذکاوت کی چاردانگ ہند میں دھوم ہے اور شمع رخسار آتشین کی پروانہ دار عشاق زار کا ہجوم ہے۔ آج پنساری کی دکان سے ایک دوا جو منگائی تو اس کاغذ میں بندھی تھی۔ کاغذ کو جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک اخبار ہے مگر اخبار کا نام پھٹ گیا ہے۔ اس میں ایک نقشۂ شطرنج نظر آیا۔ سنا ہے کہ آپ شطرنج خوب کھیلتی ہیں۔ ذرا ہماری خاطر سے اسکا حل تو بتلایئے۔ خط بھی ملاحظہ

فرمایئے شطرنج کے تلازمے میں کیا خوب لکھا ہو اگر حکم ہو تو ایک روز حاضر ہوں۔ آپکا خادم مرزا ہمایوں فر۔

سپہر۔ کون؟ میرزا ہمایوں فر۔ کیا کوئی شہزادے ہیں۔ نام تو شہزادوں ہی کا سا ہو۔ خط سنو۔

بساط آرائے سخن گستری وکشادہ روئے ہنر پروری بحفظ نقاش ازل باشند۔ بعد عرض جوہر نیازمی طرازد کہ دریں عرض ایام مضمون پرنقش نگار نقشہ شطرنج کہ در مطبع آں طبع زماں منطبع شدہ اندریں سرائے سہ پنج بہ طبع ارباب نکتہ سنج حکم وصول گنج بے رنج دادہ خیلے خوب بنظر درآمدہ آں سے منصوبہ بلند فرس عالی فطرتان یونان زمین را بہ پست ترین پایہ قائمہ پوش حواس اختراعیان را ردبا ندراس نمادہ۔ بل خانہائے مربع ہشت در ہشت رو ہمہ رونکش غرفہ ہائے بہشت وچہ نقش کمالات ضیق وغلبہ بازی مصروف گشتہ بکشتہ برفرش نمونہ دست بر حرزان ست پر بہار و قائم وارش قائم مقام سیماب قائم انار رسانش لیلاج را صورت معمات فتحخ ابوالفتح را فتح الباب حیات۔ اسپ بازی در ترک تازی از فرش تازی خیال پیش روی وتیز روی کردہ کہ مصداق ایں شعر استاد شعری شعار کہ خلاق سخن وشعری روشن ست کماہی بہم نمودہ۔ ع

ز جستن جستن او سایہ در دست		چو زاغ آشیاں گم کردہ می گشت

از عرق ریزی پیش حریفان را زیادہ تر از فیل داراں دنرخ گاہی از معرکہ رخ برتافتہ وا دسر خروئی را دادہ و ترفہ تر اینکہ پیادہ کمترین پایہ بعد طے مراحل ومنازل چند رتبہ صدارت وزارت بہم میکند کہ پیل بند اگر شیر بگردش نمی تواند گردید۔ ۶۰ درازدستی ایں کوتہ آستیناں بیں۔ الغرض المختصر دستے کہ از دو پیدہ بندی وصف آرائی مہرہ بازی تمایو رستخیز جنگ رزم را باز رنگ شبا دمیدہ بردعرصہ فکر مرداں دوروتزدیک ترک وتاجیک تنگ تنگ میکند وحینکہ از راستی چپ طالعی با تقدیر نہ ہیر پر میگردد از تدبیر شاہ ووزیر نقش جست و درست بر کرسی نمی نشیند برائے تصدیق ایں حال نقل نقشہ بطور معما بنا بر ضیافت طبع شائقین لف ست تا ناظرین در حل مشکلاتش لطفے بردارند وسمند فکرت را بجولاں گاہ عقدہ کشائی واسپ تیز گام تدبیر را بمیدان گاہ طبع آزمائی جولائی دہند بو کہ از جوابش اطلاعی رو دہد کہ در عرق ریزی راقم از بے اتفاقی شائقین وکم توجہی شاعرین رائگاں گردد پس تا کہ شطرنج برنقش رنگار افلاک پیش نظر ناظرین کردہ خاک ست چشم کسے بر شطرنج روزگار مرسا دوصفحہ جہاں از محاذی مطاوی شطرنج خالی مباد بفضل رب العباد وبحق نون والصاد۔

راقم نیاز — از مقام کانپور

اسپ افگن

نقشہ بطور معما

ہمہ	خوش	و	جہاں	دفا	ے	دہ	جہاں
بدہ	شاہ	بے	جہاں	را	را	ست	باید
است	ایں	کہ	ولا	حیات	را	بکار	پیل
باد	رخ	ولیکن	حیات	آید	رام	اگر	فنا
شاہا	د	و	دہ	طلب	چہ	و	باید
اسپ	دست	دو	کار	کن	تو	کن	حیای
جان	است	جہاں	مات	جہاں	آخر	شاہ	پیادہ
ز	کشت	آید	فنا	جلنے	چیش	نباشند	کہ

خاتون مہ لقا پیاری حسن آرا تلازمہ شطرنج کا خط رنگین اور انکے فقرات نگین اور محاورات شیریں اور تلمیحات دلنشین پڑھ کر پھڑک اٹھی اور دخت طرار غیرت خوباں فرخار شیریں ادا سپہر آرا یوں چہک اٹھی۔

سپہر آرا۔ باجی سچ کہنا یہ تو کسی بڑے نے بر دست فنی عطارد رقم کا لکھا ہوا ہو۔ ہم تو ان فقروں پر ہزار جان سے عاشق ہو گئے ابتدا سے انتہا تک ایک ہی تلازمہ ہو۔

حسن آرا۔ نقشہ غور کرنے کے قابل ہو۔ نقشہ کیا معمہ ہو چیستان ہو حضرت اسپ افگن تو کوئی بڑے استاد معلوم ہوتے ہیں۔

سپہر آرا - باجی سچ کہتے ہیں جو ذری غور کرو تو چٹکیوں میں نقشہ نکل لو یہ مرا ذرا سا نقشہ بھی کوئی بڑی چیز ہو۔ اللہ کے فضل سے ذکی ہو۔ تم تو بڑے بڑے نقشے نکال لیتی ہو بھلا اسکی کیا اصل و حقیقت ہو۔ بس اب اس نقشے کو نکال ہی کے اُٹھیے گا۔ دو گھڑی دل بھی بہلے گا۔

حسن آرا - بہن یہ وہ نقشے نہیں ہیں۔ اسکو پڑھو تو اچھی طرح بے تکلف اسوقت سامنے آئے تو ہم بے جھجک اُسسے بر نہیں ملا

راوی - زہے نصیب زہے نصیب۔ اب آج سے انجناب بھی سو کام چھوڑ کر شطرنج کھیلا کریں گے۔ شاید ہماری قسمت کا ستارہ بھی چمک جائے شاید اسی بہلنے کوئی مہوش چاند سا مکھڑا دکھلائے اب کوئی کال فن شاطر نوکر رکھنا پڑا۔ بغیر اسکے چین ہی نہیں۔ سچ ہو۔ ــه

دیکھے ہیں اسرار خوں کیے ہیں ہم مصوّری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

حضرت اسپ افگن کو اپنے طالع فرخندہ پر جسقدر ناز ہو بجا ہو۔ اپنی خوش قسمتی پر جتنا اترائیں بجا ہو۔ مگر ہم سے رقابت ہوگئی تو وجہ کیا۔ حسد پیدا ہوا خدا کرے میاں آزاد کے کان میں بھنک نہ پڑے ورنہ مفت میں گتھم گتھا ہو جائے گی۔ وہ بھی اپنے دل میں کہیں گے کہ اچھے آئے ڈنکے کی چوٹ رعایت کرتے ہیں۔ ــه

خوف سے لیتے نہیں نام کہ سن لے نہ کوئی
دل ہی دلمیں انھیں ہم یاد کیا کرتے ہیں

سپہر آرا - اچھا اب اور کسی وقت غور کیجیے گا۔

حسن آرا - مگر بہن اتنا تو سوچو کہ یہ خط اور یہ نقشہ بھیجا کس نے ہو۔

سپہر آرا - باجی ہمایوں فر تو کسی شاہزادے ہی کا نام ہوگا اور مرزا بھی لکھا ہو خاندان تیموری سے کوئی ہونگے۔ ماما کو بلاؤ اور کہو سپاہی سے پوچھے کہ کون لایا تھا کدھر گیا۔ کیا کہتا تھا۔ ذری آدمی کا پتہ لگ جائے تو بس بھیجنے والے کا پتہ بھی بات کی بات میں لگا دا خل ہو۔

حسن آرا - ماما جی۔

راوی - اخاہ اسوقت تو بڑی تعظیم سے پکارا (ماما جی)

حسن آرا - اجی ماما جی۔

راوی - اللہ اللہ (اجی ماما جی) ہی ہو جو کہیں حسن پائیں تو عجب ادا سے فرمائیے کہ (اوئی یہ کون منھ چڑھا رہا ہو) ــه

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

معقول بہت ہی خاصے۔ آپ ہی پھبتی کہیئے۔ آپ ہی جواب دیجیے حضرت اسوقت خامۂ جادو نگار بلبل پر ہو اور کیوں نہ شاہد سخن سے ہم آغوش ہیں کہ باتیں۔

حسن آرا - اجی ماما جی کیا سو رہیں۔

ماما - (آنکھیں ملتی ہوئی) حضور ذری آنکھ جھپک گئی تھی۔ کہیئے۔

سپہر آرا - لے یہ کیا نحوست پھیلائی ہو۔ بھلا سونے کا یہ کون وقت نکالا

حسن آرا - ماما جی۔ خانصاحب سے ذری پوچھو تو کہ یہ لفافہ کون لایا تھا مگر چپکے سے اماں جان تک بات نہ پہونچے۔ سمجھیں۔ ہاں ذری آنا خیال رہے

ماما - نہیں بیوی۔ کیا مجال۔ کل تو کیا جانے مجھے کیا ہو گیا کہ بھولے سے مٹھائی منھ سے آئی۔ میں خانصاحب کے کان میں کہوں گی جو بڑی بیگم سن لیں تو ناک کٹوا ڈالوں۔ بیوی میں امیروں ہی میں رہی ہوں ایسی کوئی دیوانی ہوں۔ وہ باہر جا کر اشارے سے خانصاحب کو بلانے لگی۔

خانصاحب - کہو کہو کیا کہتی ہو۔

ماما - (چپکے سے) ذری ادھر تو آؤ۔

خانصاحب - وہاں کونے میں کیا کروں آن کے تم اسوقت ہو کہاں کوئی وہاں ہم سے باتیں کرتے دیکھیگا تو کیا کہے گا۔ ڈیوڑھی پر سے نکلوا دوگی کیا۔

ماما - (جھلا کر) اے پچھتے دور چولھے کل کا لونڈا باتیں کیسی چکنی چکنی کرتا ہو بدگمان کہیں کا (قریب جا کر) چھوٹی بیگم پوچھتی ہیں کہ یہ لفافہ کون لایا۔ کہاں سے لایا۔ کچھ معلوم ہو۔

خانصاحب - وہ تو بس لایا دیا اور چمپت ہوا مگر مجھے معلوم ہو وہ سامنے والے باغ میں ایک شہزادے آن کے ٹکے ہیں انھیں کا چوبدار تھا۔

ماما۔ (اندر جاکر) بیوی وہ کہتا ہے کہ۔
سپہر آرا۔ ہاں ہاں ہم نے سن لیا پردے کے پاس سے ہم سن رہے تھے
ماما۔ (آہستہ سے) کوئی شاہزادے سلمنے۔
سپہر آرا۔ ہاں ہاں۔ سُنا سُنا۔
ماما۔ انھیں کا چوبدار۔
سپہر آرا۔ سڑن کہیں کی کہتی ہوں سُنا سُنا۔ اور بکتی جاتی ہے۔
حسن آرا۔ (ماما سے) اچھا ماما جی۔ تم جاؤ سو رہو۔ اب کچھ کام نہیں ہے (سپہر آرا سے) میرزا ہمایوں فر جانئے کون ہیں۔
سپہر آرا۔ دیکھا میں تو نام ہی سے پہچان گئی تھی کہ شہزادہ ہے کوئی۔
حسن آرا۔ مگر بدتمیز۔
سپہر آرا۔ یہ کاہے سے۔
حسن آرا۔ اوّل تو کسی کنواری شریف زادی کے نام خط بھیجا گیا یعنی دوسرے ترنگ گرایا۔ اُس پر بھی عشقیہ شعر۔ اور خط بھی عطر و عنبر میں بسا ہوا۔ اور صاف صاف عشق کا اظہار اور پیام تو دیکھیے کہ حکم ہو تو ایک روز حاضر ہوں
سپہر آرا۔ باجی یہ تو بدگمانی ہے کہ خط کو عطر سے بسایا۔ شہزادے ہیں عطر کیا چیز ہے ہاتھ کے عطر کی خوشبو خط میں بھی آگئی۔ مگر اُنکے تمیز اور سلیقے کو تو دیکھو ادب کے ساتھ لکھا ہے۔
کوئی بدتمیزی ہمارے ذہن میں نہیں آتی۔ یا ہو۔
حسن آرا۔ بہن تم بھی کتنی سادی ہو مجھے تو یہی حیرت ہے کہ انکو خط بھیجنے کی جرأت کیونکر ہوئی۔ وہ تو خیر گذری کہ ہمارے ہی پاس خط آگیا نہیں تو جو کہیں اماں جان کے پاس جاتا تو ہے ہے غضب ہی ہو جاتا۔ چلا انھیں بھیجے توبہ کیجا تم صاف صاف قزوں ہو۔ اور بہن اب خط آئے تو نہ لینا خبردار۔ وہ شہزادے ہم غریب آدمی کی لڑکیاں گو اللہ کا دیا سب کچھ ہے مگر ہمارا انکا مقابلہ کیا اور پھر رسوائی کا خوف۔ وہ آئیں گے بھی تو ٹھاٹ سے۔ ہم یوں تو لیں گے نہیں۔ کہ یہ وہ چپکے اوڑھ اوڑھ کر سامنے جائیں۔ ملیں تو منہ ڈھانپ دے۔ مگر آج تک بھلے مانسوں کی بہو بیٹیاں کہیں ایسے غیروں سے یوں لڑا کی ہیں۔ توبہ توبہ۔ لوگ حرف رکھیں گے۔
سپہر آرا۔ اب سوچیے فقرہ نہ نکالا تو بڑی ہنسی ہوگی۔
حسن آرا نے کوئی بیس منٹ تک غور کیا۔ سپہر آرا کئی مرتبہ بیچ بیچ میں بول اٹھی مگر حسن آرا تو محو تھیں جواب تک نہ دیا۔ بیس منٹ کے بعد ہنسکر بولیں کہ لو حل کر دیا۔ کہو گی اللہ جانتا ہے بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ لاؤ پھر اب جواب تو لکھ بھیجیں مگر ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں پہونچا دیتے ہی ہاتھ نہ پکڑ لے۔ جانے بھی دو اب چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں مفت کی بدنامی اٹھانا بھلا کونسی دانائی ہے۔
سپہر آرا۔ نہیں نہیں پیاری بہن میں صدقے ضرور لکھ بھیجو پھر چاہے کچھ نہ لکھنا۔
حسن آرا۔ اچھا لاؤ لکھیں جو ہونا ہوگا سو ہوگا۔
سپہر آرا۔ ہم بتائیں آؤ ایک کام کریں خط وط تو لکھو نہیں مگر اس فقرے کے حل کو پیارے روز مرے اور بول چال میں خوشخط لکھ کر ڈاک پر بھیجدو۔ کیوں بس اس میں نہ رسوائی ہے نہ کچھ کسی کا ڈر۔
حسن آرا۔ اہو ہو ہو۔ اچھی کہی۔ خوب سوجھی آخر کار ہماری ہی بہن ہو نہ۔
راوی۔ کیوں نہیں چشم بددور۔ تم فقرہ دواں تو وہ بلائے بیدرماں چندے آفتاب چندے ماہتاب۔
حسن آرا جواب لکھنے بیٹھیں۔ کشمیر کا نازک قلمدان۔ واسطی قلم سُرخ رنگ چاندی کی پیاری پیاری دوات زرافشاں کاغذ اُس پر طرح طرح کے گل بوٹے بنے ہوئے روشنائی اودی خوشنویسی گردش قلم پر جان دیتی تھی۔ ذکاوت جودت طبع کی بلائیں لیتی تھی۔ سپہر آرا کہتی جاتی تھی کہ ہاں ل بہن جیسی رنگین ادا ہو ویسی ہی عبارت بھی رنگین ہو۔
راوی۔ ضرور۔ اور شوخی بھی تو ہو۔ وہ تو گھٹی ہی میں پڑی تھی اور شوخی بھی بلا انگیز۔ سیماب کو بھی بیقراری کا سبق دے۔
حسن آرا نے فوراً جواب لکھا۔
جواب۔ نقل ہے کہ تاجدار جم جاہ حضرت شاہ جہاں بادشاہ طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ ایک خسرو جم حشم خاقان خدم مہر سپہر برتری و سپہر

جو سر دری سے شطرنج کھیل رہے تھے گو بد بدکے اور بازی وہ سخت کہ الامان
بعض مورخ راوی ہیں کہ شاہ جہاں فردوس آرام گاہ ثریا جاہ اپنے وزیر اعظم اور
دستور المعظم سے کھیلتے تھے مگر شرط یہ تھی کہ جو ہارے وہ جورو حوالے کر دے
بڑی کڑی شرط تھی۔ وزیر کی بیوی بڑی حسین تھی۔ مہ ناز نین گلبدن اور گلبدن اور
غنچہ دہن تھی۔ بادشاہ کی جو اس پر آنکھ پڑی تو سن سے جان نکل گئی بس دیکھتے ہی
عاشق زار ہو گئے سوچے کہ اگر جیتے تو اس پری پیکر کو پائیں گے زہے قسمت اور
ہارے تو خیر جو اتو ہی ہی اور وزیر سمجھا کہ اگر بازی جیتا تو بادشاہ زادی ملی
اور ہارا تو قسمت کھیلتے کھیلتے بازی کی یہ صورت ہو گئی۔

سبز شاہ					سبز رخ
پیادہ سرخ	پیادہ سرخ				
				سبز پیادہ	سبز رخ
اسپ سرخ : رخ سرخ					
فیل سرخ		سبز پیادہ	سبز پیادہ	سبز پیادہ	
رخ سرخ			شاہ سرخ		ل

سرخ بازی شاہجہاں کی تھی وزیر کی بازی کا اسقدر غلبہ ہوا کہ شاہجہاں کو ایک
چال میں مات ہوتی تھی اور بادشاہ کو ایک چال بھی نہیں سوجھتی تھی حیران و ششدر
پریشان و مضطر کہ اب کروں تو کیا کروں۔ بازی جائے تو غم نہیں مگر بیبی تو بیبی
ہاتھ سے جاتی ہے۔ بس ایک چال میں مات ہے و رُخ سبز بخانہ اش
کشت۔ عرصہ دراز تک شاہ ثریا جاہ سر بزانو متفکر رہے مگر ایک چال بھی
نہ سوجھی اور تدبیر ذرا کارگر نہ ہوئی۔ شاہجہاں کے چار محل تھے سمجھ بیٹھا
کہ چاروں میں ایک سے ضرور جدائی نصیب ہو گی لیکن چاروں پیاری اور
چہیتی ہیں جدا کریں تو کسے ایک سے ایک بڑھ کے پری چہرہ برق وش ہر
اسی فکر میں غلطان پیچاں تھا کہ کروں تو کیا کروں۔ یہ چاروں محل مہ لقا

شیریں ادا جدائی ازبس شاق گذرے گی۔ سوچے کہ چلو ان چاروں سے
تو پوچھو۔ دیکھیں شاید مفارقت اور جدائی کے خیال سے کچھ سوجھ جائے
تینوں بیگموں نے یکے بعد دیگرے یوں جواب دیا۔

جہاں آرا بیگم۔ المتخلص بہ جہاں۔ ؎

کہ بادشاہ جہاں را جہاں بکار آید		تو بادشاہ جہانی جہاں زدست مدہ

حیات النسا بیگم۔ المتخلص بہ حیات۔ ؎

اگر حیات نباشد جہاں چہ کار آید		جہاں خوش ست ولیکن حیات میباید

زینت النسا بیگم۔ المتخلص بہ فنا۔ ؎

فنا را طلب کن کہ آخر فنا ست		جہان و حیات ایں ہمہ بیوفا ست

جہاں آرا بیگم نے خوب ہی شعر موزوں فرمایا تھا مگر حیات النسا بیگم نے
اسکا جواب بھی دنداں شکن دیا۔ اور زینت النسا بیگم نے دونوں سے
گوئے سبقت لیا۔ ان کا سب سے چڑھ بڑھ کر رہا۔ ؎

فنا را طلب کن کہ آخر فنا ست		جہان و حیات اینہمہ بیوفا ست

خوب کہی جب چوتھے محل کی نوبت آئی تو انھوں نے وہ بات بتائی کہ
بادشاہ پھڑک گئے۔ چوتھی بیگم کو شاہجہاں دلارام کہتے تھے وہ انتہا کی
زیرک اور خوش فکر تھیں دلارام نے کہا ذری وہ بازی ہم بھی تو دیکھ لیں ایک
نظر۔ یہ خود بھی شطرنج خوب کھیلتی تھیں جب نقشہ انکے روبرو رکھا گیا تو پہلے کسی قدر
ملول ہو گئیں کہ بازی بیڈھب ہے مگر تھوڑی دیر تک خوب غور کیا کیں اور
غور کرکے فکر عمیق سے وہ بات پیدا کی کہ واہ جی واہ مات کا مات بچایا
اور حریف کو الٹا مات کیا۔ سوچ سمجھ کر فرمایا کہ۔ ؎

فیل و پیادہ پیش کن و اسپ کشت مات		شاہا دو رُخ بدہ و دلارام را مدہ

چلیے پانچ چال میں سبز بازی کو مات ہے اور سرخ بازی سُرخ زدہ
نقشے کی چال رُخ پر ہو گی۔

سبز کی چال		سرخ کی چال
۱۔ شاہ سبز نے رُخ کو بخانہ رسیدہ پیٹ لیا		۱۔ رُخ بخانہ رو نہ کشت

۲۔ پیل بخانۂ پ دہ کشت رخ کی	۲۔ شاہ بخانہ ر دہ کشت بکی
۳۔ رخ بخانۂ ر دہ گشت	۳۔ شاہ نے اس گھوڑہ خانہ میں بیٹھا
۴۔ پیادہ بخانۂ او گشت	۴۔ شاہ زدہ۔ خانے میں آگیا
۵۔ اسپ بخانۂ ر دو کشت	۵۔ مات، کشت بچنے کو کوئی گھری نہیں

اصل میں یہ معما چونسٹھ خانوں میں مہرہ اسپ دوڑانے کا ہے۔ جو چار شعر شاہجہاں بادشاہ کی چاروں بیگموں نے موزوں کیے تھے وہ چاروں اس میں درج ہیں مگر ہر ایک شخص کی سمجھ میں آسانی سے نہیں آسکتے حل نقشہ درج ذیل ہے۔ گھوڑا دوڑایا جائے تو چاروں شعر صاف نکل آئیں۔

سمہ ۲۵	خوش ۱۸	و ۵۱	جہاں ۱۲	وفا ۳۷	سے ۲۲	دہ ۵۵	جہاں ۱۴
دو ۵۰	شاہ ۱۱	بے ۳۹	جہاں ۶	را ۵۴	را ۱۲	ست ۳۸	بادشہ ۴۳
است ۱۹	ایں ۴۴	گہ ۹	دلا ۵۳	حیات ۲۱	را ۴۰	بکار ۱۵	پیل ۵۶
پیادہ ۱۰	رخ ۴۵	ولیکن ۲۰	حیات ۳۲	آید ۱۹	رام ۵۲	اگر ۳	بی ۲۹
شاہا ۴۷	دو ۳۲	و ۴۱	دہ ۸	طلب ۴۱	ہمہ ۳۸	تو ۵۶	باد ۴
اسپ ۶۱	دست	دو ۴۸	کار ۱۹	کن ۴۰	تو ۱	کن ۴۴	حیات ۱۵
جہاں ۳۱	ست ۴۶	جہاں ۵	مات ۶۲	جہاں ۲۷	آخر ۲۳	شاہ ۳	پیادہ ۵۸
نہ ۷	گشت ۶۳	کہ بد ۳۰	فنا ۳۵	جلنے ۲	پیش ۵۹	نباشد ۲۴	کہ ۳۳

۲۔ اب اس حساب سے سمجھتے جایئے تو یوں ہوگا۔

۱۔ تو بادشاہ جہانی جہاں بدست تو ہ	کہ بادشاہ جہاں را جہاں بکار آید
۲۔ جہاں خوش ست ولیکن حیات می باید	اگر حیات نباشد جہاں چہ کار آید
۳۔ جہاں و حیات ایں ہمہ بے وفاست	شاہا طلب کن کہ آخر فناست
۴۔ شاہا دو رخ بدہ دلا رام را	پیل و پیادہ پیش کن و اسپ کشت مات

یعنی چونسٹھ خانوں میں گھوڑا دوڑایا گیا۔ اور چاروں شعر معمہ حسن آرا نے بکمال فصاحت و بلاغت لکھا اور خط کے آخر میں اپنا نام یہ لکھا۔ ؎

عشق کا حال جیسا جانیں　　ہم ہو پہیلیاں یہ کیا جانیں

پردہ نشین پاکباز

خط کو بند کیا اور لفافہ لکھا۔ ؎

لیے جاتا ہے نامۂ بیکس
بال بیکانہ ہو کبوتر کا

بملاحظۂ حضور جم جاہ میرزا ہمایوں فر عالی بارگاہ بوقت احسن در آید یوم الفلانہ مرسلۂ پردہ نشین حیا پرور عصمت کوش و پاک نظر ماماجی کو پھر بلایا اور سمجھایا کہ کسی معتبر آدمی کو چپکے سے دو اور سمجھا کے کہو کہ ڈاک کا جو بمبا سامنے ہے۔ اس میں یہ خط ڈال دے اور اگر کوئی دیکھے تو ٹال دے خبردار کسی غیر کے ہاتھ میں نہ جائے کسی اور کی دیکھ نظر نہ پڑنے پائے سپہر آرا بولیں کہ باجی اسمیں عطر فتنہ لگا دو جیسے وہ سمجھ جائیں کہ اب زیادہ خط کتابت میں شر ہے جس آپا نے کہا واہ عطر فتنہ سے دستاویز اُن کے ہاتھ آئے گی طبیعت اور بھی للچائے گی عطر فتنہ اس بات کا گواہ ہوگا کہ در پردہ ہم مکتوب الیہ کو سناتے ہیں کہ ہم دونوں بہنیں عین فتنہ ہیں کوئی دن میں قیامت ہوں گی۔ خدمت گار خط کو بمبے میں ڈال آیا اور کہا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی۔

شہزادہ ہمایوں فر

شہر سے کوئی دو کوس کے فاصلے پر ایک مقام پر بہار اور مرغزار غیرت فرخار میں ایک ایوان سپہر توامان گومتی بھر کے تٹ پر ایک باغ فرح بخش و دلکشا ہے اس گلزار رشک نگار میں ایک عمارت عالی شان و ندرت نشان ہے اس عمارت میں ایک شاہزادہ بلند ارادہ صاحب جاہ والی غرۂ ناصیہ عزت و اجلال افشاں جبین صورت و اقبال ٹپکتا ہے۔ ایک روز دن قریب اختتام تھا اور شہزادہ معزی الیہ زیب بام تھا شفق کا رنگ عشاق خجستہ جان کے چہرہ کی طرح زرد باد صبا بجھے ہوے دل کے مانند سرد شام غم قلب تیرہ درد مندان بدباطن سیاہ۔ نہ اشعۂ آفتاب زرنگار خورشید نہ جلوۂ جمال ماہ چو طرف سنسان بیابان اور لق و دق میدان جو بالکل سناٹا تھا۔ مگر تھوڑی دیر میں موذن نے مسجد سے تکبیر کی آواز دی اور مسلمانان

پرہیزگار رستے خانۂ خدا کی راہ لی۔ ادھر مندروں سے ناقوس برہمن نے شور مچایا۔ غافلوں کو خواب خرگوش سے جگایا۔ اور خداترس ہندو اپنے شوالے کی طرف قدم بڑھایا۔ گھوسی گوؤں کو چراتے برہا گاتے آنے لگے مویشی چراگاہ سے آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ گھوسنیں "دودھ دہی میٹھا" پکار کر شہر سے آرہی تھیں اور باہم دل لگی اور چہل کرکے پھرتی اور تیزی کے ساتھ قدم بڑھا رہی تھیں پھر گاؤں میں اسکے سوا اور ہی کیا۔ پھیروں اور جھوپڑوں سے دھواں بلند تھا کوئی گنوارن لال لال لہنگا نکالے دھک دکھاتی ہوئی ہنڈیاں چڑھا رہی تھی کوئی ماسکتے پر نکلی جائے بھتی پکار رہی تھی۔ کنوئیں پر پانی بھرنے کے لیے دس پانچ کا غول۔ لہنگے فوق البھڑک بھریاں اٹول کوئی گھونگھٹ کاڑھ کر گھڑا لیے آتی ہے کسی کی کمر ہزار جگہ سے بل کھاتی ہے پانی کے بوجھ سے لچکی جاتی ہے۔ ٹھٹھول آدمی شرارت کی راہ سے ننھی ننھی کنکریاں پھینکتے ہیں حیرت زدہ کی طرح تاک جھانک کرکے دیکھتے ہیں مگر انکی پاکدامنی کے صدقے کہ سر تک نہیں اٹھاتیں۔ حروف شکایت زبان پر نہیں لاتیں۔ اپنے کام سے کام ہے۔ گھونگھٹ تو بس برائے نام ہے۔ اگر شکایت کی بھی تو عورتوں سے ٹھٹھول اور گستاخ آدمیوں کی ان بنس سے (دیکھو) بھوجی۔ تمہار پوت ہمکا چھیڑت ہیں۔ راہ ڈگراں الٹی کا پوا کہت ہیں انکا کچھ جادلہ چاہے کوئی گنواروں اور گنوارنوں کو نظر حقارت ہی سے کیوں نہ دیکھے لیکن اللہ دیا اور پاکدامنی کا گنوارنوں کو شہر کی عورتوں سے کچھ کم خیال نہیں ہے۔

الغرض شاہزادہ ہمایوں قریب بام چہل قدمی میں مصروف تھے مگر بیقرار اور دل ہی دل میں سوچتے جاتے تھے کہ الٰہی خیر۔ شام بھی ہوگئی۔ مگر خط نہ جواب کہیں ہماری تحریر گراں تو نہیں گذری افسوس کہ میں نے جلدی کی تعجیل کار شیطان ہے۔ لعنت بکار شیطان۔ اپنے خط اور اس کی عبارت اور طرز تحریر کو سوچنے لگے کہ مبادا جوش میں کوئی کلمہ خلاف ادب زبان سے نکل گیا ہو تو ستم ہی ہو جائے۔ ان سیمیں تن اور غنچہ دہن معشوقوں کے آئینۂ دل پر گرد و غبار ملال جم جائے عین حالت بیقراری میں یہ اشعار حسرت کے ساتھ پڑھ پڑھ کر ٹہلتے جاتے تھے۔ ؎

ساقیا جرعۂ بجامم کن — گردش چرخ را بکامم کن
نوبت درد و غم بنامم کن — کشور بےغمی بنامم کن
تا برآرم بکام دل نفسے — از زلال لبت بکامم کن
زلف شبگوں ز چہرہ یکسو نہ — مطلع صبح عیش شامم کن
کردم آوازہ تا بکے چو رضا — از سر زلف خود بدامم کن

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص سانڈنی پر سوار دور سے نمودار ہوا سمجھے کہ قاصد یار ہے اور یہ خیال تسلی بخش دل بیقرار ہوا۔ خدمتگاروں کو آواز بلند پکارا اور حکم دیا کہ دیکھو یہ سانڈنی سوار ہے یا قاصد یار ہے۔ جواب خط لایا ہے یا خالی ہاتھ آیا ہے شاید کوئی پیغام خاطر خواہ سنائے درد والے درد دل لائے داغ سینۂ بریاں کا مرہم اسکے پاس ہو۔ آتش تن کا لاحرمان پاس ہو۔ خدام باادب تعمیل حکم کے لیے دوڑے ہی تھے کہ سانڈنی سوار ہوا ہوگیا اور حسرت و مایوسی نے انکو تڑپا دیا بجز کف افسوس ملنے کے کیا چارہ ہے معشوقوں سے زبردستی پیام اور جواب خط طلب کرنے کا عاشق کو کب یارا ہے۔ کبھی رو رو کر بصد یاس یہ اشعار حسرت بار زبان پر لائے۔ ؎

چند روے بر سر بیداد کیں — رسم نیکویاں نبود این چنیں
فرش رہت دیدہ و دل کردہ ام — خیز و قدم رنجہ کن اے نازنیں
در صف خوباں قیامت قامتا — کس نبود جز تو مقدم نشیں
آنچہ بعشقت طلبم از خدا — جان حزیں باشد و چشم نمیں

تھوڑی دیر میں ایک چپراسی نظر آیا سمجھے کہ بس ابکی اس ترکان ندیمک نے ضرور بلایا۔ چپراسی نے دربان کو خط دیا اور منتظر جواب ٹھہرا رہا۔ شہزادہ بلند اختر حضرت میرزا ہمایوں فرخ کی باچھیں کھل گئیں دل نے گواہی دی کہ ساری مرادیں مل گئیں۔ نگار تندخو بر سر کرم ہے بس اب یہیں کی کام ہے خط کو کھولا تو چپراسی بولا کہ حضور میں آداب بجا لاتا ہوں اور جاتا ہوں اسمیں یہ لکھا تھا میرزا ہمایوں فرخ! آج شام کو ۸ بجے کے وقت بابو العطاش چند کرجی

ایم اے جو بڑے لائق فائق آدمی ہیں سنر کوٹھی میں متصل کچہری مجی لکچر دینے والے ہیں۔ اگر تکلیف نہ ہو تو آپ بھی اُس وقت قدم رنجہ فرمائیے اور جلسہ کی رونق بڑھائیے۔ آپکا خادم جان سوفرٹن کلکٹر۔

ایں! اپنی ناکامی کے صدقے جو کام ہوا پورا ہوا سمجھے تھے کہ نگار تند خو کا جواب با صواب اور ملاقات کا پیغام ہی۔ یہ معلوم بھی نہ تھا کہ کلکٹر صاحب کا نامۂ محبت فرجام ہی۔ خیر اب وصل جاناں سے ہاتھ دھو یا خط بھیج کر اپنا وقار بھی کھویا دو مرتبہ دھوکا ہوا۔ اب یاد نہیں کہ خط کا جواب آئے اور بخت برگشتہ مدد فرمائے۔ قاصد صنم عربدہ جو کا پیام لائے اور مژدۂ طرب انگیز سنائے۔

غرق درخونِ دل و دیدہ ام از دوری او
چکنم باغ کہ بے تازہ گلت در نظرم
گر نہ دیدی سحر و شام بہم جلوہ نما
دل بود طرفہ بنا عالم آب و گل را
یار بگذاشتہ جنت طلبد مزد نماز
از عقاقیر مسیحی نرود درد رضا

چند زبیگو نہ زنم آہ مجبوری او
خس و خاشاک نماید سمن و سوری او
خط مشکیں بنگر بر رخ کافوری او
تا بود دست رس گوش مجوری او
حیف بر حوصلۂ زاہد مزدوری او
وصل معشوق بود چارۂ رنجوری او

یہ شعر شہزادۂ بلند ارادہ پڑھ ہی رہے تھے کہ ڈاک کا ہرکارہ تنجرفی لگیا جامے دھانی دگلا بھڑکائے ابر طوطے کی صورت بنائے آن موجود ہوا۔ آداب بجا لایا خط دیا محصول لیا اور روانہ ہوا۔ فرط ابتہاج سے خط کا کھولنا بھی دشوار تھا۔ مالے خوشی کے چہرہ گلنار تھا۔

آن پیک نامور کہ رسید از دیار دوست
خوش میدہد نشان جلال و جمال یار
جان و ادش بہ مژدہ خجلت ہمی برم
سیر سپہر و دور قمر را چہ اختیار
شکر خدا کہ از مدد بخت کار ساز
گر باد فتنہ ہر دو جہاں را بہم زند

آورد حرز جان ز خط مشکبار دوست
خوش میکند حکایت عز و وقار دوست
زیں نقد کم عیار کہ کردم نثار دوست
در گردش اند ہمہ بر اختیار دوست
بر حسب مدعاست ہمہ کار و بار دوست
با دچراغ دیدہ و شمع انتظار دوست

کحل الجواہر بن آرلے نسیم دوست
مائیم و آستانۂ عشق و سر نیاز

زاں خاک نیکبخت کہ شد رہگزار دوست
تا خواب خوش کرا بود اندر کنار دوست

پیک نامور حضرت جبریل سے عبارت ہے مگر میرزا ہمایوں فر نے اپنے طور پر اسکا مطلب کیا ہی اور پیک نامور ہرکارہ سے مراد لی خط مشکبار وہی حسن آرا کا نامہ رنگین مرہم زخم عشاق زار ہی۔ حسن آرا کی ذکاوت اور جودت صاف ظاہر ہی ایک ایک حرف اُسکے حسن لیاقت پر دال ہی اور یہی یار کا جمال و جلال ہی۔ خط کا آنا نیک فال ہی۔ اور یہ شعر بالکل حسب حال ہی۔

مائیم و آستانۂ عشق و سر نیاز

تا خواب خوش کرا بود اندر کنار دوست

خط کھولا تو پاس آنکھیں بند اور عقدہ وا ہوگیا۔ پڑھتے ہی شہزادہ فرخ بخت ہزار جان سے فدا ہو گیا۔

خیر مقدم بر جمالے طائر میموں قدم
یکنم در ہجر تو انجام آغاز نیاز
صحبت عشاق بدنامت کند زاہد برو

شادماں کردی بہر نامم تر از سر تا قدم
زانکہ شرح آرزومندی نیاید در قلم
خوش نگہ کن بادہ در جام است و مجلس متہم

عبارت پڑھی تو پھڑک گئے ہائے کیا پیارا روزمرہ ہی۔ کیا بول چال ہی زبان اور بیان میں بھی نگاہ کی طرح جادو کوٹ کوٹ کر بھرا ہی اس دست نازک کے صدقے جسنے یہ سطریں لکھی ہیں۔ ہی ہی لکھتے وقت کلائی لچکی جاتی ہوگی ستاتی ہوگی اور پھر قلم اُٹھاتی ہوگی۔ شوخی ایک ایک لفظ سے نمایاں ہی رنگینی ایک ایک حرف سے عیاں ہی۔ عبارت سلیس فقرے نفیس اس بیاختہ پن کے قربان اور نقشہ تو ایسا علی کیا کہ قلم توڑ دیے بڑا خوش نصیب وہ شوہر ہی جسکی ایسی بی بی ہو ماشاءاللہ۔ بیدل نیم ہنوز بہ بینم چہ شود۔

دلبر جانان من برد دل و جان من
از لب جانان من زندہ شود جان من
روضۂ رضوان من خاک سر کوی دوست
اے دل حیران من او خبرے لے دوست
یوسف کنعان من مصر ملاحت را است

برد دل و جان من دلبر جانان من
زندہ شود جان من از لب جانان من
خاک سر کوے دوست روضۂ رضوان من
دالہ و شیدا است اے دل حیران من
مصر ملاحت تراست یوسف کنعان من

سرو گلستان من قامت دلجوئی تست قامت دلجوئی تست سرو گلستان من

آخر میں پڑھا۔ ؎

عشق کا حال بیسوا جانیں ہم بہو بیٹیاں یہ کیا جانیں

جی درست ہم سے نہ بہت اکڑیے۔ اسکے بعد پھر کئی بار وہی شعر پڑھا۔ ؎

عشق کا حال بیسوا جانیں ہم بہو بیٹیاں یہ کیا جانیں

ننگ کیوں! واہ؟ اگر عشق صادق ہو تو مضائقہ کیا ہے۔ ؎

عشق ناخام ست باشد لیک ناموس و ننگ پختہ مغزاں جنطۂ لکے حیا زنجیر یست

الغرض خود ہی شعر پڑھتے تھے اور خود ہی جواب دیتے جاتے تھے اور وجد میں آتے تھے۔ جب آخر میں پردہ نشین کا لفظ پڑھا تو بول اُٹھے کہ ؎

بالا ہی ترا حسن حسینان چگل سے سب بزم ہی مشتاق نکل پردۂ دل سے

خدا پردہ نشینی کی آبرو رکھے آمین۔

اتنے میں شہزادۂ جم جاہ کے ایک دوست تشریف لائے اور یوں ہمکلام ہوئے

دوست - کہیئے قبلہ جواب آیا یا دھتا بتا دیا۔

شہزادہ - واہ دھتا تم ایسوں کو بتاتی ہونگی۔ لو یہ جواب ہی سچ کہنا۔ حروف میں بھی کس درجہ آب و تاب ہی ہر دائرہ فرد واں ترا آفتاب ہی۔

دوست - لفافہ پڑھ کر۔ اخاہ بڑے ادب سے خط لکھا ہی۔ حضور جم جاہ شہزادہ مرزا ہمایوں فر عالی بارگاہ۔ اللہ اللہ۔ یہ تعظیم۔ یہ تکریم۔

شہزادہ - قبلہ وہ ادب شناس ہیں۔ مزاج داں ہیں کچھ بازاری عورتیں تھوڑا ہی ہیں۔ تحریر سے شرافت برستی ہی۔

دوست - بھئی بے پوچھے کیا ہو گھر ہے ہیں۔ ہمیں نہ بھولیے گا۔

شہزادہ - اچھا بھئی یہ تو پتا لگاؤ کہ یہ تحریر اور عبارت بڑی بہن کی ہی یا چھوٹی بہن کی۔

دوست - (مسکرا کر) اب یہ فکر پیدا ہوئی۔ اجی وہ دونوں کلاں ہیں۔ اس دلیری کے قربان۔ واللہ آخر میں غضب ڈھایا ہی اور قیامت کا شعر زبان قلم پر آیا ہی۔ ؎

عشق کا حال بیسوا جانیں ہم بہو بیٹیاں یہ کیا جانیں

(پردہ نشین)

شہزادہ - جواب لکھونگا۔

دوست - ضرور۔ در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست۔ اب یہ تو فرمایئے کہ منظور کیا ہی۔

شہزادہ - نکاح۔

دوست - واہ!

شہزادہ - کیوں؟۔

دوست - ہو نہ سکنے لگے۔ نکاح۔ گستاخی معاف۔ منہ دھو رکھیئے آزاد کا نام بھی سنا ہے۔ آنکھیں پر اُنکا دل آیا ہی۔

شہزادہ - (آہ سرد بھر کر) دونوں؟ ہمیں سارا قصہ معلوم ہی مگر دل تو صرف ایک کا آزاد پر آیا ہی نا۔

دوست - حضرت اُن سے نکاح کرنا ذرا ٹیڑھی کھیر ہی۔ وہ پہلے امتحان لیتی ہیں پھر آنے دیتی ہیں۔

شہزادہ - امتحان کیسا؟ آپکی بھی کیا باتیں ہیں۔

دوست - باتوں باتوں کے بھروسے نہ رہیئے گا۔ وہاں گزارا مشکل ہی تب کہیں سارٹیفکٹ دیا جائے گا۔

شہزادہ - آخر کچھ بتاؤ تو یہ امتحان کی جنگ کیسی ہی۔

دوست - اے حضرت وہ تربیت یافتہ خاتونیں ہیں بلا کی جودت پائی ہی نور کی طبیعت پائی ہی حسین مہ جبین سیم تن غنچہ دہن دونوں برق۔

شہزادہ - تو پھر امتحان میں یہاں کب بند ہیں۔ شعر اپنے سامنے کہلوالیں لکھوالیں جو چاہیں پوچھیں۔ بندہ بھی اچھے اچھے استادوں کی آنکھیں دیکھے ہوئے ہی۔ مرد میدان ہیں ہم۔ ایسے ویسے نہ سمجھیے گا۔

دوست - بھئی وہ اب بات پردوں میں رہتی ہیں۔ ملنا ذری محال ہی۔

شہزادہ - اور ہمنے تو اُڑتی سی خبر پائی ہی کہ بجروں پر سوار ہو کر ہوا

کھاتی ہیں۔ اور سیر دریا کو جاتی ہیں طبیعت تو تب ہی لہرائی کہ چل کر جمال جبین کو دیکھ لیں ایک دن دیکھا کہ مہتابی پر دونوں کی دونوں ٹہل رہی ہیں وہ جھمکڑا کہ اہو ہو۔ نور کا عالم برق دم وہ جوبن کہ انسان برسوں گھورا کرے۔ یوسف مصری تک دیکھے تو انھیں کا دم بھرے ساز پا تا فرق زرق برق دریائے نزاکت میں غرق ہر بن مو سے صدائے انا البرق آتی تھی مہین دوپٹے کے بار سے کمر نازک بچکی جاتی تھی دیکھتے ہی عاشق ہو گیا سن سے جان نکل گئی۔

دوست پھر اب تو جبین ہی جبین لکھتا ہے لیجئے فتح ہے۔ مبارک ہو مٹھائی کھلوائیے۔

شہزادہ۔ اجی حضرت اذا جاء القضاء عمی البصر ۔ جب آنکھیں پائے۔

دوست۔ لیکن دیکھئے آپ میرے دوست ہیں۔ اتنا یاد رہے کہ اپنے وقار اور وقعت اور عظمت کو ہاتھ سے نہ دیجیے گا یہ کوچہ ازبس نازک ہے۔ ع

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار		کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار

شہزادہ۔ میں بد وضع آدمی تو ہوں نہیں کہ کوئی حرکت نا ملائم مجھ سے سرزد ہو گو عشق کا دم بھرتا ہوں مگر پھونک پھونک کے قدم دھرتا ہوں آپ میری طرف سے مطمئن رہیں۔

دوست۔ یہ سچ مگر قبلہ یہ کوچہ بُرا ہے۔

شہزادہ۔ بھائی تم مطمئن رہو۔ اب فقط یہ صلاح دو کہ جواب بھیجوں یا نہ بھیجوں اور جواب میں لکھوں تو کیا لکھوں بس فقط اسقدر مجھکو دریافت کرنا ہے۔

دوست۔ میں غور کر کے جواب دونگا۔ اسمیں تو شک ہی نہیں کہ وہ دونوں بہنیں شہزادوں ہی کے قابل ہیں۔ مگر یہ نامہ پیام کا طریقہ ہندوستان کی رسوم کے خلاف ہے۔

شہزادہ۔ ہاں بیشک۔

دوست۔ کل بعد غور عرض کروں گا۔ تسلیم۔

عاشق النسا بیگم کا چچل دیکر حسن آرا و سپہر آرا سے گلے مل آنا

شہزادہ بلند ارادہ حضرت ہمایوں فر نے محبوب مطلوب کا خط رنگین د

مکتوب الفت اسلوب جو پایا تو پڑھ کے کئی بار چوما۔ آنکھوں سے لگایا۔ جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے۔ مارے خوشی کے اترائے جاتے تھے سوچے کہ دور سے دیکھا ہے۔ ایک پرستان کی پری ہے دوسری مہر سپہر دلبری ہے بوٹا سا قد۔ چہرہ حور کا۔ لیکن ع۔ کون جانے جھوٹ ہے یا سچ ہے شہرہ دور کا۔ کسی طرح ملاقات کی ٹھہرے بنے یا بگڑے خدا کرے اس گھونگھٹ کا طلسم ٹوٹے عاشق جوبن کے مزے لوٹے۔ دو بدو گفتگو ہو تو دل کی بکلی جائے تن مردہ میں از سر نو روح آئے۔ ع

وہ جوبن ہے جو کئیں لطف اٹھے زندگانی کا		ابھی گھونگھٹ میں چہرہ ہے عروس نوجوانی کا
ہلال و بدر دونوں ہیں تری تصویر کے خاکے		وہ صندل ہے کہ رنگین کی نشہ ہے جوانی کا
بہار آئی ہے گل پھولے میں سبزہ لہلہاتا ہے		پلا ساقی کوئی ساغر شراب ارغوانی کا

ابھی یہ فصل گل ہے۔ مگر صراحی ہے نہ مل ہے۔ یہ عالم جوانی ہے لیکن بادہ گلگوں ہے نہ شراب ارغوانی ہے۔ نہ ایام نشاط و طرب۔ اور ہم مشتاق وصل بنت العنب بحر عشق کا یہ جوش ہے کہ دین و دنیا فراموش ہے۔ خدا نہ کرے کہ کوئی بھلا انسان کسی پردہ نشین پر مفتون ہو اور لاکھوں تمناؤں کا خون ہو اللہ اللہ سادگی میں اسقدر چہرہ کھبین تھا کہ ماہ دو ہفتہ سے بڑھ چڑھ کر جوبن تھا۔ اگر نکھار کریں تو سبحان اللہ اعلیٰ انجم انکے جمال پر نثار کریں اور بڑے بڑے ملائکہ نورانی پیار کریں سچ ہے۔ زیور ہے سادگی ترے رخسار کے لیے۔ ع

	امنگ پر آکے محو زینت کبھی جو وہ گلعذار ہوگا
پسیجے مہندی پہ دل گلوں کے چمن میں خون بہار ہوگا	
	دم فنا بھی یہی جو دل کو تصور زلف یار ہوگا
ہوا سے پھر کو بکو پریشاں تھیں ہی میرا غبار ہوگا	
	یہی ہیں چالیں اگر تمھاری تو دیکھنا مر مٹینگے ہم بھی
جہاں پڑے گا قدم تمھارا وہیں ہمارا مزار ہوگا	
	یہ رات بھر کے ہیں سارے جلسے جہاں ہوئی صبح پھر تو صفدر
نہ تیشہ ہوگا نہ جام ہوگا نہ شمع ہوگی نہ یار ہوگا	

ادھر شاہزادہ ہمایوں فر اشعار حسرت پڑھ پڑھ کر دل کو سمجھاتے تھے اُدھر خانصاحب دہلیز پر کھڑے ہو کر پردے کے پاس سے ماما جی کو بلاتے تھے۔

خانصاحب۔ ماما جی۔ ماما جی۔ اجی ماما جی ہائیں سنتی ہی نہیں ماما جی

ماما جی۔ آئی آئی۔ توبہ۔ آئی کیا مینھ برس رہا ہو (باہر جا کر) کہو۔

خانصاحب۔ یہ مہری آئی ہیں پیغام سن لو۔

مہری۔ میرزا ہمایوں فر بہادر کی بہن نے مجھے حسن آرا بیگم کے پاس بھیجا ہو

ماما جی۔ آؤ آؤ پھر آؤ کیا عورتوں سے بھی پردہ ہی کچھ۔

مہری اور ماما جی اندر داخل ہوئیں حسن آرا اور سپہر آرا نے دیکھا کہ سرمئی اطلس کا لہنگا اور ہاتھ بھر کی چوڑی پڑ لاتے دار گوٹ۔ دوپٹہ گلشن لیٹ کا دھانی رنگا ہوا سنہرا لچکا ٹکا ہوا۔ زرنگار موباف چوٹے میں پڑا ہوا پاؤں میں چھڑے اور کڑے۔ مہری آداب بجا لائی اور یہ پیغام زبانی کہا۔

مہری۔ حسن آرا بیگم کے پاس مجھے میرزا ہمایوں فر بہادر کی بڑی بہن عاشق النسا بیگم نے بھیجا ہو اور کہا ہو کہ دیوار سے دیوار ملی ہو مگر آپ کو ہمنے آجتک دیکھا ہی نہیں۔ اگر کچھ ہرج نہ ہو تو ہم تھوڑی دیر میں آئیں۔

سپہر آرا اور حسن آرا نے اشاروں میں باہم باتیں کیں۔

حسن آرا۔ ہاں ہاں ضرور۔

سپہر آرا۔ کہیے بسم اللہ آیئے

مہری جھک کر آداب بجا لائی اور چلی گئی۔

حسن آرا۔ بہن اب ذری بن ٹھن کے بیٹھنا چاہیے۔

سپہر آرا۔ لے باجی اللہ کی سوں تمھیں بناؤ چناؤ کی حاجت ہی کیا ہو۔

راوی۔ صاد ہو۔ ؎

جلوۂ زیور نباید جلوۂ میرود	عاجز از خاپائے کہ رنگیں میرود

حسن آرا اور سپہر آرا نے حسن دان منگوایا گیسو سنوارے مسی سے سیر والا سیلے ہاتھوں پاؤں میں ڈالا۔ زرق برق پوشاک سے جوبن دو بالا کیا اس وقت تو زاہد صد سالہ کی بھی نظر پڑتی تو تیر نگاہ سے گھائل ہو جاتا۔ زہد کو رد یا اور تقوے کو دھکو سلا سمجھ کر ان ترنگی پرستش کا قائل ہو جاتا۔ بڑے بڑے صوفیان صافی طینت اور گوشہ نشینان خمول نورانی طلعت پکار اُٹھے کہ۔ ؎

پنجہ زد عشقت بدامن پارسائی پارہ شد	طاعت صد سالہ ام تا راجِ یک نظارہ شد

مشروع و کمخواب کے پائجامے فوق البھڑک۔ بنت اور گوکھرو کی چمک دمک دوپٹے گلابی رنگے ہوئے جامدانی کے۔ اور اُنپر بیل بوٹے کامدانی کے گرنٹ کی سبز گوٹ۔ سبز اور گلابی کی چوٹ۔ بانکڑی ٹکی ہوئی۔ لیس لگی ہوئی چھپکا زیب سر۔ زلف چلیپا تا کمر۔ جگنو کی وہ چمک کہ آفتاب بلا خیز کی نگاہ دیکھ نہ سکے رُخ انور کا وہ نور موفور کہ بدر لاکھ کاوش کرے بے نظر جھپکے ہوئے آنکھیں سینک نہ سکے۔ پازیب زیب پا چھما چھم کی آواز سے شور محشر بپا وہ نور افشاں جبیں و جمال مبیں کہ زاہد بھی دیکھ پاتا تو اُس کا دل انھیں کی چاہ زنخداں میں ڈانواں ڈول ہو جاتا۔ مجنوں دشت نوردی چھوڑتا۔ لیلی کے عشق سے مُنھ موڑتا پیارے پیارے ہاتھ اور نازک نازک کلائی اور انمیں چوڑیاں کچھ سیاہ کچھ طلائی۔ وہ بھر بھر چھلّے اور دست حنائی سبحان اللہ اس شان کے صدقے۔ اس آن بان کے صدقے۔ اس دلربائی کے قربان اس کج ادائی کے قربان۔ چشم فسوں پرداز نے اور بھی ستم ڈھایا۔ اچھے اچھے آہو چشموں کو نخچیر تیر نظر بنایا آئی آبرو ہی یا تیغ یا شمشیر اصفہانی۔ وہ گورے گورے گال اور عنبریں خال۔ ؎

خال عارض کسے پیارا نہ ہوا	کس کی آنکھوں کا وہ تارا نہ ہوا
ہائے وہ خال رُخ ماہ جبیں	میری قسمت کا ستارا نہ ہوا

سلک دنداں غیرت در عدن۔ لب لعل شکر خا رو کش عقیق یمن۔ زلف عنبر فام رشک خطا و ختن رخسار گل۔ دہن غنچہ۔ گیسو سنبل سراپا چمن۔ وہ ناز معشوقانہ۔ وہ جلوہ مستانہ کہ بس کچھ نہ پوچھیے۔ ؎

انداز نرالا ہے تری جلوہ گری کا	ہی چاند سا چہرہ تو چلن کبک دری کا
اٹھا ہو یہ کس کے رُخ پر نور سے پردہ	خورشید میں عالم ہی چراغ سحری کا
ہر جنبش مژگاں سے ہو مقتول زمانہ	کیا تیز ہی خنجر تری بیداد گری کا

لائیگی نہ بو جانہ محبوب کی جبتک ۔۔۔ دامن میں نہ چھوڑونگا نسیم سحری کا

دونوں بہنیں سولہ سنگار کرکے فرش مکلف پر تمکن ہوئیں صلیوں مغلانیوں نے جوڑے بدلے۔ مکان صاف۔ کمرے شفاف۔ جھاڑ کنول لیمپ روشن (اللہ اللہ یہ تو کچھ (شب عروسی) کے سے ٹھاٹھ ہو رہے ہیں۔ اُف ری تیاریاں۔ اللہ ری دھوم۔ ۵)

یہ شب بزم جاناں میں تھی دلکی صورت ۔۔۔ جلا صبح تک شمع محفل کی صورت
جو دیکھا مرقع حسینوں کا صفدر ۔۔۔ نظر آگئی اُنکی محفل کی صورت

منتظر تھیں کہ عاشق النسا بیگم آئیں قدم رنجہ فرمائیں۔ دیکھیں کیا پیام لاتی ہیں۔ کیا سُناتی ہیں۔

سپہر آرا۔ اللہ کرے اُنکو تپنگ و تنگ کا حال نہ معلوم ہو۔

حسن آرا۔ واہ (الف کو خوب بڑھا کر) واہ

سپہر آرا۔ یہ واہ کاہے کی۔ کیا کچھ فرض ہو کہ بہنوں سے بھی عشق کا حال کہدو۔ اُن کے آگے بھی عشق کا دکھڑا رو دے۔

حسن آرا۔ خدا خدا کرو۔ وہ لو وہ لینے آتی ہیں عاشق النسا بیگم نام تو خوب ہو کیا کوئی عورت مرغوب ہو۔ عاشق النسا۔

سپہر آرا۔ اماں جان کو تو اطلاع کر دیجئے۔ ایسا نہ ہو جریب لٹکتی ہوئی آئیں اور اُن کے سامنے صلواتیں سنائیں تو کرکری ہو۔

حسن آرا۔ اچھا میں جاتی ہوں تم بیٹھو میں ابھی آتی ہوں (بڑی بیگم کے پاس جاکر) اماں جان بی ہمسائی آج آنیوالی ہیں۔ کوئی شہزادی ہیں دو گھڑی دل بہلے گا۔

بڑی بیگم۔ آئیں آئیں قرینے سے بٹھانا۔ تمیز سے باتیں کرنا۔ باورچیوں کو بلواؤ اور خود حکم دو اور کھانا پکواؤ۔ کوئی بھاری سا جوڑا دونوں بہنیں پہن لو۔ سمجھیں۔

حسن آرا۔ اماں جان کپڑے تو بدل لیے ہیں۔

بڑی بیگم۔ (عینک کو کپڑے سے صاف کرکے) دیکھوں یہ کیا سفید دوپٹہ کم

حسن آرا۔ نہیں اماں جان گلابی ہو۔ وہی جامدانی کا دوپٹہ جسپر کامدانی کی آڑی بیل ہو۔

بڑی بیگم۔ بیٹا آنکھوں نے جواب دیا۔ رات کو گلابی آبی کیا سوجھے۔

راوی۔ یہ سچ مگر گرگٹ کی آپنے بانی ہو۔ دونوں میں سے ایک کی تو ہی نہیں۔

بڑی بیگم۔ بیٹا کوئی اور بھاری جوڑا نکالو۔

حسن آرا۔ (بھولے پن کیساتھ) ہماں جان ہمیں تو یہی پسند ہو۔

بڑی بیگم۔ (کان میں جھک کر) سنو شہزادیوں ہزادیوں کے پھیر میں نہ پڑنا (پشیانی بر دو سہ دیگر) ابھی ناکردہ کار ہو۔

راوی۔ واہ ری بڑی بیگم۔ زمانہ دیکھا ہو کہ باتیں کس محبت سے کان میں جھک کر فرماتی ہیں کہ شہزادیوں ہزادیوں کے پھیر میں نہ پڑنا۔ ہائے ری بدگمانی ابھی ناکردہ کار ہیں گھبرائیے نہیں۔ انشاء اللہ پختہ کار ہو جائیں گی۔ ۵

خود آترا بت ناداں درازی سن لوکرے ۔۔۔ ستم کے تو کبھی ہو قابل خندہ دن تو ہے

حسن آرا نے شرماکر گردن جھکائی بڑی بیگم کے فرشتے خاں کو بھی خبر نہ تھی کہ یہاں تپنگ آئے اور شطرنج کے نقشے آئے اور عشق کا اظہار کامل طور پر ہوگیا

حسن آرا۔ ہم اماں جان کو سمجھا آئے۔ کہتی تھیں کہ بھاری جوڑا پہنو

سپہر آرا۔ تو بُرا نہیں اماں۔

حسن آرا۔ نہیں (مسکراکر) کہنے لگیں دیکھو شہزادیوں ہزادیوں کے پھیر میں نہ پڑنا۔

سپہر آرا۔ (قہقہہ لگاکر) ہاں!۔

اتنے میں عاشق النسا بیگم کی فنس یعنی سپہر تو اماں کے پھاٹک میں داخل ہوئی۔ فنس زرنگار۔ جھلکا پیش بہا پُر بہار۔ سولہ کہار وردیاں پہنے مچھلیاں لٹکائے۔ جنگی دہنے بوتا بائیں ٹھوکر بچائے کہتے ہو آئے دستیاں روشن۔ اور وہی بانکی جہری فنس کا کونا دبلئے تیزی سے قدم بڑھائے ساتھ ساتھ چلی آتی ہو۔ دربان نے آواز دی۔ ماما جی سواری آئی ہے کہاروں نے اللہ اللہ کہکر فنس رکھی۔ ماما جی نے دربانوں کو ہٹایا پردہ کرایا

عاشق النسا بیگم اتریں بسم اللہ۔

عاشق النسا بیگم ۔ (اندر جاکر) آداب بجا لاتی ہوں۔

حسن آرا بیگم ۔ تسلیم آیئے۔

عاشق النسا بیگم ۔ آؤ بہن گلے تو ملیں۔

حسن آرا بیگم اور سپہر آرا بیگم بے جھجک عاشق النسا بیگم سے گلے ملیں۔

سپہر آرا ۔ ؎
آمد ہمارے گھر میں کسی مہ لقا کی ہے
یہ شان کردگار یہ قدرت خدا کی ہے

حسن آرا ۔ (عاشق النسا بیگم کے جوڑے میں گلاب کا پھول دیکھکر) ؎
یہ کون آیا ہے رکھکر پھول جعد عنبر افشاں میں
صبا اترائی پھرتی ہے چمن شہ زور گلستاں میں

راوی ۔ ؎
الٰہی مے نہ اترایا مری بیتابی دل میں
چلے آئیں کلیجہ تھام کر وہ میری محفل میں

عاشق النسا بیگم ؎
مقدر بات ہے راز محبت عیاں نہ ہو
دل آشنائے درد ہو لب پر فغاں نہ ہو

سپہر آرا ۔ آپ نے آج غریبوں پر کرم کیا ہمارے نصیب۔

عاشق النسا بیگم ۔ بہن ہماری تو کئی دن سے خواہش تھی کہ آپ سے ملیں مگر پھر ہم سوچے کہ شاید آپکو ناگوار ہو۔ ہم تو غریب ہیں۔ امیروں سے ملتے ہوئے ذرا دہ معلوم ہوتا ہے۔

حسن آرا ۔ بجا ہے۔ آپ خدا کے فضل سے شہزادی ہیں۔ ہمتو رعایا میں آئیگی۔

عاشق النسا بیگم ۔ آپ دونوں بہنیں ایکدن کوٹھے پر ٹہل رہی تھیں تو ہمایوں فر نے مجھ کو بلایا کہ بہن ذرا یہاں تک آؤ۔ جب گئی تو مجھکو اشارے سے دکھایا کہ یہ دونوں لڑکیاں کنواری ہیں مگر شاید پڑھی لکھی ہیں۔

سپہر آرا ۔ آپکے بھائی صاحب کا بیاہ ہو گیا ہے۔

راوی ۔ ملے ہے کیا بیڈھب سوال کیا ہے حسن آرا نے چٹکی لی کہ یہ کیا بھونڈی بات پوچھ بیٹھی۔

عاشق النسا بیگم ۔ (سپہر آرا سے) جی نہیں ابھی تو شادی وادی نہیں ہوئی مگر آپکی عنایت درکار ہے۔

سپہر آرا نے تو لجا کر سر جھکا لیا۔ مگر حسن آرا نے ایک بانکی ادا سے کہا کہ ہم لڑکیاں یہ باتیں کیا جانیں۔ بڑی دیر تک محبت اور الفت کی باتیں رہیں یہانتک کہ حسن آرا نے گلوری بنا کر دی اور عاشق النسا بیگم نے اُنھیں کے ہاتھ سے کھائی۔ کتھا کیوڑے میں بسا ہوا۔ چاندی سونے کا ورق لگا ہوا چکنی ڈلی اور الائچی۔ غرض کہ بڑے تکلف کی گلوریاں تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اغذیہ لطیفۂ لذیذ دسترخوان پر چنی گئیں اور تینوں نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر عاشق النسا بیگم نے فرط محبت و غایت بے تکلفی سے حسن آرا کے زانو پر سر رکھدیا اور لیٹ رہیں سپہر آرا نے اٹھ کر کشمیر کا ایک بیش بہا دوشالہ اڑھا دیا اور اُن کے قریب جا بیٹھیں۔

عاشق النسا بیگم ۔ بہن اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں بہنیں چندے آفتاب و چندے ماہتاب ہو۔

حسن آرا ۔ اور آپ۔

سپہر آرا ۔ ؎
در تماشائے تو افتادہ کلاہ از سر چرخ
خبر از خویش نداری چہ قدر رعنائی

شہزادہ بہادر کو آپکے تشریف لانے کا یہاں حال معلوم ہے یا نہیں۔

حسن آرا ۔ شاہزادہ بہادر کی مرضی سے تو یہ آئی ہی ہیں۔

عاشق النسا بیگم ۔ ہمایوں فر کیوں نہیں کہتی ہو جو شاہزادہ بہادر کہتی ہو۔

راوی ۔ ؎
نواب بہادر وہ ہمیں کہتے ہیں صفدر
پورا نہیں لیتے ہیں کبھی نام ہمارا

عاشق النسا بیگم ؎
اب چین نہیں سینے میں دلکو کسی پہلو
دزدیدہ نگہ لے گئی آرام ہمارا

یہ کہکر عاشق النسا بیگم اٹھ بیٹھیں اور فرمایا کہ بہن ہم رخصت ہونگے زندگی ہے تو پھر ملیں گے۔

سپہر آرا۔ ؎	بیچین کر رہا ہے کیا کیا دل و جگر کو ہر دم کسی کا کہنا جاتے ہیں ہم تو گھر کو

الغرض مکالمۂ محبت انگیز و اشارات الفت خیز کے بعد عاشق النسا بیگم تشریف لے گئیں اور جاتے وقت باصرار کہہ گئیں کہ ایک دن آپکو ہلکے ہاں آنا پڑے گا۔ خدا حافظ اور فی امان اللہ کہکر مہمان میزبان اور میزبان مہمان سے رخصت ہوے۔ فنس پر سوار ہوکر عاشق النسا بیگم نے ماما اور مغلانیوں اور اصیلوں اور دربانوں کو دو دو اشرفیاں انعام کی دیں اور چپکے سے ماما کو ایک تصویر دیکر کہا کہ یہ دیدینا۔ کہاروں نے بسم اللہ کہکر فنس اُٹھائی اور شلیچیوں نے دستی آگے بڑھائی اور فنس تزک و احتشام سے چلی ماما نے اندر جاکر تصویر دیدی حسن آرا نے دیکھا تو دھک سے رہ گئی۔

حسن آرا۔ بہن غضب ہوگیا۔ اُف۔ ہے ہے ستم ہو گیا۔

سپہر آرا۔ ہے ہے کیا ہوا۔ کیا۔ بولو تو۔

حسن آرا۔ تصویر دیکر (ٹپ ٹپ آنسو بہانے لگی)۔

سپہر آرا نے تصویر لی تو دانتوں کے تلے اُنگلی دبائی۔

سپہر آرا۔ ارے غضب ہوگیا۔ جُل دی۔ اُف۔

اس تصویر پر یہ لکھا تھا۔ (تصویر خاکسار عاشق زار میرزا ہمایوں فر)

بنم موسیٰ نقاب از چہرہ بردار	کمی آید خوشم این لن ترانی

پیاری میں عاشق النسا بیگم نہیں ہوں میں شاہزادہ ہمایوں فر ہوں اب اگر تم نے سرد مہری کی تو خدا گواہ ہے کہ زہر کھالوں گا جان دونگا۔

حسن آرا۔ ہیرے کی کیل ناک سے نکال کر (بہن میں تو یہ کھا کر سوتی ہوں)

سپہر آرا۔ (کیل چھین کر اُف رو رو کر) دل کو ذرا سنبھالو۔

حسن آرا۔ سنبھالوں کیا خاک ہائے گلے مل چکی (دانت کے تلے انگلی دباکر) قیامت کا سامنا ہے۔ زانو پر سر رکھ کر سوچا۔ اُف۔ اُف۔ اُف۔

سپہر آرا۔ نگوڑی اتنا تو سوچو کہ بہن بہن کہہ کر بات کرتے تھے بہن بنا گئے ہیں

حسن آرا۔ یہ سب باتیں ہیں کس کی بہن اور کیسا بھائی ہمارے مقدر میں یہی لکھا تھا۔

وہ یوں مجھے دیکھ کر گیا ہے	کھال اُسکی جو کھینچیے سزا ہے

اللہ کرے یہ اخبار والے نہ سن پائیں کہ پھر اور خاک اُڑائیں۔

راوی۔ حضور یہاں پہلے ہی خبر پہونچ گئی ہم نے ماماؤں اور مغلانیوں سب کو گانٹھ لیا ہے کہ روز روز کا کچا چٹھا کہہ سنائیں۔

سپہر آرا۔ واہ کسی کی مجال پڑی ہے پرائی بہو بیٹی کو تہمت لگاتا کچھ ہنسی ٹھٹھا ہے۔

راوی۔ کیا مجال ایک نگاہ قہر آلود کافی ہے۔

سپہر آرا نے فرط بیقراری میں فال دیکھی تو یہ غزل نکلی۔ ؎

سحر بلبل حکایت با صبا کرد	کہ عشق گل بما دیدی چہا کرد
غلام ہمت آن نازنینم	کہ کار خیر بے روے و ریا کرد
من از بیگانگان ہرگز ننالم	کہ با من ہرچہ کرد آن آشنا کرد

سپہر آرا۔ فال تو اچھی ہے خصوصاً یہ شعر قابل تعریف ہے ؎

من از بیگانگان ہرگز ننالم	کہ با من ہرچہ کرد آن آشنا کرد

میاں آزاد کا جہاز پر سوار ہونا اور حسن آرا کا محبت نامہ پڑھ کر رونا

میاں آزاد جس وقت ساحل بحر کے قریب گئے تو خوجی سے کہا کہ کہو کیسے حضرت آپ تو کچھ ڈھیلے ڈھالے سے معلوم ہوتے ہیں۔ اسوقت خوجی نے جو غور سے پانی کی صورت دیکھی اور گول گول دیدے پھاڑ کر لہروں اور اُنکے تھپیڑوں پر نظر ڈالی تو کفن پھاڑ کر چیخ اُٹھے اور کوئی پچاس قدم اُلٹے پاؤں بھاگے وہاں پر خدا جانے کس مصلحت سے کسی نے ایک میخ گاڑھی تھی۔ ٹھوکر جو کھائی تو ارارادھوں۔ ڈھکتے ہی حضرت نے غل مچایا کہ کھلا بے گیدی۔ یہاں بھی ہماری جان کا گاہک آن ہی موجود ہوا اچھا بچہ۔ ٹھہر تو جاؤ۔ اتنا پیٹتا ہوں کہ عمر بھر یاد ہی تو کرے مردک ہم جو پیٹھ کی طرف منہ اور منہ کے رُخ دُم کیے بھاگے جاتے تھے تو گیدی نے اچھی گھات پائی۔ ایک ٹھنی چلتے چلتے بتاہی دی اب ادھر سے

پڑے بہروپیے کو للکار رہے ہیں مگر اُٹھنے کی قسم کھائی ہی اتنے میں میرزا صاحب اور میاں آزاد بھی گلے پر جا پہونچے۔

آزاد۔ بس اُٹھیے اُٹھیے۔ بڑی دیر تک سویا کیے۔

خوجی۔ (جھاڑ پونچھ کر) پہلوان کبھی چت تو گرے ہی گا نہیں جب گرے گا پٹ۔ گرا اور زمین پکڑ لی۔

آزاد۔ اب سفر کی تیاری ہو نا۔

خوجی۔ توبہ کر بندے بھائی خشکی خشکی چلو تو بندہ ساتھ ہی ورنہ سلام پانی کی صورت دیکھی اور زہرہ آب ہوگیا۔ میں تو راستے ہی میں ٹھٹھر ٹھٹھر کر گھگڑی بن جاؤں گا۔ روم تک جا کون سکے گا۔

یہ کہکر میاں خوجی بگٹٹ بھاگے آزاد اور میرزا صاحب بھی ساتھ ہی جھپٹے۔ رلینا ملینا۔ جانے نہ پائے چور چور ادھوڑی استر کا چور ہی۔ راہ میں ایک شخص نے میاں خوجی کا ٹیٹوا لیا پہلے تو بہت ہی جھلاّئے اور لگے گاؤ زوری کرنے مگر آزاد اور میرزا بھی آن ہی موجود ہوے چھوڑ دو چھوڑ دو دیکھو ہم آ گئے۔

میرزا۔ (آزاد کے کان میں) حضرت یہ یوں نہیں جانے کے انکو خوب افیم پلوائیے اور اُلّو بنائیے۔ جب یہ نشے میں غش ہو تو لادلود کر جہاز پر بٹھا دینگے۔

آزاد۔ اچھی ترکیب ہی (خوجی سے) ارے میاں خوجی۔

خوجی۔ خواجہ صاحب نہیں کہتے۔ خوجی کی ایسی تیسی۔ خواجہ بدیع خاص نام ہی۔ خوجی کیا معنی۔

آزاد۔ خواجہ صاحب قبلہ۔ آپنے آج افیم تو پی ہی نہیں۔

خوجی۔ یہ کاہے سے معلوم ہوا آپ کو۔

میرزا۔ آنکھوں سے جمائیوں سے۔

آزاد۔ کیوں صاحب آپنے افیم پیتے دیکھا تھا انھیں۔

میرزا۔ جی نہیں۔ میں تو خود تو ٹکنے کو تھا۔

خوجی۔ ہاں حضرت کچھ نشہ تو ہم کو بھی ہلکا معلوم ہوتا ہی۔ (جمائی آ گئی) بیشک افیم نہ پی ہوگی۔ لاحول ولا قوۃ۔ یہ تو اپنے ہوش کا حال ہی۔

آزاد۔ اسوقت جمائی بھی آئی آپکو۔ وہ لیجیے دوسری آئی خدا ہی خیر کرے

میرزا۔ تیسری آئی۔ واللہ اسوقت تو جمائیوں کی ڈاک بیٹھ گئی۔

خوجی۔ بھائی بندہ بے پیئے اب بات تو کرنے کا نہیں۔

میاں خواجہ بدیع صاحب نے پیالیاں نکالیں افیم گھولی اور چسکی لگائی آزاد ہشاش بشاش کہ تہ پر تہ جمائی۔ میرزا خوش کہ ہماری تدبیر کارگر ہوئی خوجی نے افیم جو پی تو مارے ہوس کے ذرا زیادہ پی گئے پیتے ہی غش آنکھیں پیر ہو ئی۔ آزاد نے ایک چھپر کھٹ پر لاد کر حضرت کو کشتی پر سوار کیا اور وہاں سے جہاز پر خوجی کو سر دیا ہی کی خبر نہیں ورنہ وہ غل مچاتے کہ الامان آزاد سوار ہونے ہی کو تھے کہ میرزا صاحب کا دوسرا خدمت گار بے تحاشا دوڑتا ہوا گھر سے آیا۔

آزاد۔ خیر تو ہی۔ خیر تو ہی۔

میرزا۔ اُف خداوندا خیر کیجیو۔

خدمتگار۔ (ہانپتے ہوے آزاد سے) حضور بیگم صاحب۔

آزاد۔ ہاں ہاں کیا ہوا بتا تو۔

میرزا۔ ارے غضب۔ ارے کمبخت بول تو کیا ہوا۔

خدمتگار۔ (رو رو کر) ہجور۔

میرزا۔ ہائے غضب۔ اُف۔ ستم۔ ستم ستم۔ یہ پیاری بیگم دھوکا دے گئیں

آزاد۔ (خدمت گار کو چپت لگا کر) ابے کچھ کہے گا بھی مردک تم

خدمتگار۔ ہجور بیگم صاحب نے ہکو یہ کمت (خط) دیا اور کہا آپکا نام صاحب تمھارے جہ ہی لیا اور کہا کہ جیسے اُنکی وہ کوئی دیکھو بہن ہیں باہر۔

آزاد۔ (چونک کر) ہاں ہاں کیا ہوا۔

خدمتگار۔ انھیں بہن نے آپکو خط بھیجا ہی۔ سو لیجیے۔

آزاد۔ ابے تو پھر رونا کیا تھا نابکار۔

خدمتگار۔ ہجور۔ ایک آدمی نے وہاں پر دو گڈے لگائے۔
آزاد۔ دُت نامعقول۔
میرزا۔ چل دور ہو پاجی گدھے نالائق۔
آزاد نے خط لیا اور جہاز پر سوار ہوئے۔ میرزا صاحب سے کہا رخصت جلدی طرف سے بیگم صاحب کو تسلی دیجیے گا اور اُنکی تشفی کیجیے گا۔ میرزا نے کہا بہت خوب۔ آپ مطمئن رہیں فی امان اللہ۔ جہاز چلا اور جبتک نظر آیا میرزا اسد بیگ صاحب فرط محبت سے آزاد کو کھڑے دیکھا کیے۔ آزاد نے حسن آرا کا خط کھولا اور پڑھا اور پڑھ کر بہت روئے۔

حسن آرا کا رنج و غم اور سپہر آرا کو نامحرم سے گلے ملنے کا الم

سپہر آرا۔ میرزا ہمایوں فر ہمیں جل دے گئے۔
حسن آرا۔ کیسا کچھ۔
سپہر آرا۔ اُف اللہ جانتا ہے جب وہ باتیں یاد آتی ہیں تو کانپ جاتی ہوں
حسن آرا۔ ہی ہی گلے۔
سپہر آرا۔ (دلہن کے منہ پر ہاتھ رکھکر) باجی خدارا اب اس کا نام نہ لو
حسن آرا۔ آتے ہی کہا کہ آؤ دلہن گلے تو لیں۔ ہائے ہم عاشق النسا بیگم کے دھوکے میں رہے وہ میرزا ہمایوں فر نکلے۔
سپہر آرا۔ اب خاموش ہی رہیے کلیجہ پاش پاش ہو گیا ہی۔
حسن آرا۔ خبردار اب نامہ و پیغام سے واسطہ نہ رکھنا۔ ع بالفعل ہو قلم کی دوستداری۔ آدمیوں کو تاکید کردو کہ کسی کا خط بے سمجھے بوجھے لیں ہی نہیں ورنہ موقوف کردیے جائیں گے۔
سپہر آرا۔ ذری سوچ لو۔ آدمی اپنے دل میں کیا سمجھیں گے کہ ابھی تو اس گرما گرمی سے ملیں اور ابھی یہ نادری حکم۔
حسن آرا۔ ہاں سچ تو ہی ابھی تک تو ہم ہی تم جانتے ہیں۔
سپہر آرا۔ اور خدا نہ کرے کہ وہ کسی سے ذکر کریں۔
حسن آرا۔ اس سے اطمینان رکھو۔ یہ ممکن ہی نہیں وہ لُچّے تو ہیں نہیں کہ۔
سپہر آرا۔ واہ لُچّے نہیں تو اور ہیں کون ملفوں کے سر پر کیا دو سینگ ہوتے ہیں
حسن آرا۔ اب آج سے مہتابی پر نہ چڑھنا۔
سپہر آرا۔ واہ بس بیچ کھیت چڑھیں دن دہاڑے چڑھیں باتا تو سمجھو کہ یہاں کا آدمی میرزا ہمایوں فر کے مکان میں سے کیونکر نظر آئیگا بھلا۔ یہ سب بتاتے تھے وہ اور پھر نظر آئے بھی تو ہمارا خدا ہی جانتا ہو کہ ہم کو کسی شریر کے گھورنے سے ذرا سروکار نہیں۔ اپنا دل صاف رہنا چاہیے ہو کہ نہیں۔
حسن آرا۔ ہو تو یوں ہی مگر بہن عاشق النسا بیگم سے گلے مل چکی ہو۔ ہائے غضب تو یہ ہو۔ اب چار آنکھیں اُن سے کیونکر ہو سکیں گی۔
سپہر آرا۔ اے خدا نہ کرے کہ ایسوں سے چار آنکھیں ہوں۔
حسن آرا۔ دل اسوقت سے قابو میں نہیں رہا۔
سپہر آرا۔ آؤ فال دیکھیں۔
حسن آرا۔ دیکھو دو گھڑی غم ہی غلط ہو گا۔
سپہر آرا نے دیوان حافظ منگوایا اور صدق دل سے فال دیکھی تو یہ غزل نکلی۔ سہ

صبا بہ تہنیت پیر مے فروش آمد	کہ موسم طرب و عیش نازو نوش آمد
ہوا مسیح نفس گشت و باد نافہ کشا	درخت سبز شد و مرغ در خروش آمد
تنور لالہ چناں بر فروخت باد بہار	کہ غنچہ غرق عرق گشت و گل بجوش آمد
بگوش ہوش زمن بشنو و بعشرت کوش	کہ ایں سخن سحر از ہاتفم بگوش آمد
زفکر تفرقہ باز آے تا شوی مجموع	بحکم آنکہ چو شد اہرمن سروش آمد
چہ جاے صحبت نامحرم ست مجلس انس	سر پیالہ بپوشاں کہ خرقہ پوش آمد
بگویت سخن خوش بیاد بادہ بنوش	کہ زاہد از بر رفت و بادہ فروش آمد
زخانقاہ بہ میخانہ میرود حافظ	گر زمستی زہد و ریا بہوش آمد

سپہر آرا جھوم جھوم کر اشعار پڑھتی جاتی تھی اور روح وجد میں آتی تھی اتنے میں حسن آرا نے کہا کہ اس شعر کو پھر تو پڑھنا۔ کچھ مطلب بھی

غور کرتی ہو یا پڑھتی ہی چلی جاتی ہو۔

سپہر آرا نے شعر پڑھا۔

زنگر تفرقہ بار آمد تا شوی مجموع ۔ بحکم آنکہ چو شد اہرمن سروش آمد

حسن آرا۔ (مسکرا کر) تا شوی مجموع سمجھیں۔ اس کے تو صاف صاف مطلب یہی ہے کہ تمہارا انکے ساتھ نکاح ہو جائے گا۔

سپہر آرا۔ (تنک کر) چلیے بس اب چھیڑ خالی رہنے دیجیے۔

حسن آرا۔ لے واہ دل میں تو خوش ہوئی ہو گی چاہے زبان سے نہ کہو۔

سپہر آرا۔ اس کے کہنے میں کونسی برائی تھی بھلا۔

حسن آرا۔ آخر برا کیا ہے شہزادے ہیں کہ نہیں ہیں اور صورت تو تم دیکھ ہی چکی ہو چاند کا ٹکڑا ہے۔

سپہر آرا۔ (ہنس کر) خواہی نخواہی چھیڑتی جاتی ہو۔

سپہر آرا نے غزل پڑھنی شروع کی تو ایک مصرع کو چبا گئی۔

حسن آرا۔ کیا کیا کیا۔ یہ چبا چبا کے پڑھا کیا معنی مصرع پھر تو فرمائیے

سپہر آرا۔ چہ جائے صحبت نامحرم ست مجلس انس۔

حسن آرا۔ لو اب آج کے دوسرے ہی مہینے تنہائی دروازے پر بجتی ہو گی۔

سپہر آرا۔ ہم اٹھ کے چلے جائیں گے ہاں۔ یہ ہنسی ہم کو گوارا نہیں۔

حسن آرا۔ اچھا اس خیال سے تم نے کیا مطلب نکالا۔ اگر اسکے خلاف کوئی معنی پیدا کرو تو دو سیر مٹھائی ہارتے ہیں۔ بتائیے۔

سپہر آرا۔ خدا کے لیے مٹھائی وٹھائی کا نام تو نہ لیجئے گا ذری۔ کہیں۔ ابکی بھی نگلی ماما اماں جان کو رسوخیت جتانے کے لیے جا کے دے آئے تو یہ راز بھی کھل جائے۔ بڑی غضب ہے وہ تو بڑی خفا ہو جائیں کہ یہ کیا ہوا۔

حسن آرا۔ اللہ نہ کرے۔ واہ کیسی باتیں کرتی ہو۔ اسمیں ہمارا کیا قصور عاشق النسا بیگم کے دھوکے میں کوئی جل دیجائے تو ہمارا کیا قصور بھلا میں کہتی ہوں اسکا کلیجہ بھی نہ لرزا کہ وہ کنواری شریف زادیوں میں عاشق النسا بیگم بن کر آیا اور۔

سپہر آرا۔ بس بس۔ ع۔ دیوار گوش دارد فہمیدہ لب بجنباں۔ یہ بڑا نازک معاملہ ہے۔ سوچیے تو ذری۔ اف کیا غضب ہو گیا۔

حسن آرا۔ اب میں خدا کی قسم دل لگی سے نہیں کہتی کہ آخر اس بیچارے میں کیا برائی ہے۔

سپہر آرا۔ اے خدا خدا کرو۔

حسن آرا۔ حسین۔ شہزادہ مالدار۔ وضعدار۔ خوش تقریر۔ خوش پوش خوبرو۔ عنبر مو۔ کمسن طناز۔

سپہر آرا۔ بس! اور دس پانچ باتیں کہیے نہ۔

سپہر آرا کے دل پر ان باتوں کا بہت بڑا اثر ہوا۔ انسان کی طبیعت بھی کیا جلد پلٹا کھاتی ہے۔ اور کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔ ابھی تو میرزا ہمایوں فر کو برا بھلا کہہ رہی تھیں اب بڑی بہن سمجھاتی ہیں کہ آخر اگر نکاح ہو تو قباحت ہی کیا ہے۔ حسین ہے۔ وضعدار ہے۔ خوش تقریر تربیت یافتہ۔ شہزادہ مالدار ہے۔ اور سپہر آرا بیگم دل ہی دل میں کھلی جاتی ہیں کہ ہاں ہے تو سچ۔ اسکے حسن میں تو شک ہو ہی نہیں سکتا کسی طرح کا۔

معقول اب بی سپہر آرا کو شوق چرایا کہ نکاح ہو۔ لیکن ابھی حسن آرا بیگم سے چھپاتی ہیں۔ زبان پر حرف عشق نہیں لاتیں۔ مگر دل میں سوچتی جاتی ہیں کہ ہے تو خوب بات۔ ہم بھی رئیس زادیاں ہیں آخر ایسی ویسی تو ہیں نہیں کچھ اور انکے شہزادے ہونے میں تو شک ہی نہیں۔

مہری کا پیغام

آج ناظورۂ ملائک نظر فریب حسن آرا بیگم اپنی ہمشیرہ سیزدہ سالہ آفت کا پرکالہ پیاری سپہر آرا کو بزرگانہ نصیحتیں کر رہی ہیں اور وہ بھی اپنی ذہن وجودت و ذی لیاقت بہن کے تقدس کا دم بھر رہی ہیں۔ یہ باتیں اس لائق ہیں کہ انکو حرز جان کرے اور انکے فقرے فقرے کو دستور العمل سمجھے۔ اسلیے شرافت و نجابت پاکدامنی اور حیا پروری کا سبق سیکھے۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں ۔ گفتہ آید در حدیث دیگراں

اب مکالمۂ موعظت انگیز و نصیحت آمیز سنیے۔

حسن آرا۔ سپہر آرا ہماری پاکدامنی ہم ہی خوب جانتے ہیں اور ہمارا خدا

سپہر آرا۔ اور یا پیارے آزاد۔

راوی۔ اور ہم جو روز روز کا کچا چٹھا پاتے ہیں۔ اور اس فسانے میں طرزِ ادا سے درج کرتے ہیں۔

ناظرین۔ اور یا ہم لوگ جو حسن آرا کے دل کی بات تک جانتے ہیں اور سپہر آرا کے تقدس کو دل سے مانتے ہیں۔

حسن آرا۔ دنیا میں رہنا سہنا کچھ ہنسی ٹھٹھا تو ہے نہیں مگر ہمارا ہی دل خوب جانتا ہے کہ ہمارا دامن لوث بدی سے کس درجہ پاک ہو چاہے سارا زمانہ یہی کیوں نہ سمجھے کہ ایک بہن شوخ دوسری بیباک ہے نیت ذرا ڈانواں ڈول ہو کیا مجال۔ ارادہ فسخ ہو جائے یہ ممکن نہیں۔ اللہ کی بندہ نوازی کے قربان جاؤں۔ نور کے عوض نورِ حیا آنکھوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے نظر بھی پڑتی ہے تو صدق و صفا کے ساتھ۔ پاؤں بھی پڑتا ہے تو ادب و حیا کے ساتھ۔ بہن اللہ گواہ ہے کہ اس ملک کی شریف زادیوں میں بس یہی عیب ہے کہ بجز کھانے پینے لڑکے کھلانے اور سینے کے کچھ جانتی ہی نہیں۔ حرف تک تو پہچانتی ہی نہیں۔ مرد تو خیر پڑھے لکھے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن عورتیں تو بس گورے چٹے اور زرق برق لباس ہی کو بڑی شرافت سمجھتی ہیں۔ سو بہن اگر گورے چٹے ہی پر شرافت ہے تو بگھن جو روز دودھ دیجاتی ہے اُس سے زیادہ شریف اس شہر میں تو شاید ہی کوئی اور ہو باقی رہی پوشاک۔ بھلا کہیں کمخواب و سنجاف اور بیش بہا مو باف سے بھل منسی آیا کی ہے۔ بعض عورتیں دن بھر بنی ٹھنی رہتی ہیں جب دیکھو حسن و لن سامنے۔ بیٹھی نکھر رہی ہیں۔ مشاطہ سے فرمائشیں ہو رہی ہیں کہ عطر سے بسا دے اور جیب اور ٹھوڑی سے فرش نکل جائے لوگوں کا دماغ طبلۂ عطار کو شرمائے سمجھیں کہ جو بندہ اور تنوج سے گلاب اور کیوڑے کے دریا باہر آئے فرش کو دور سے دیکھتے ہی لوگوں کی انگلیاں اٹھیں کہ وہ آئی وہ آئی شہر میں شہرہ ہو کہ فلاں بیگم نام خدا بڑی شوقین ہیں غضب کی مہ جبین ہیں فرش کا چھپکا بھی چمک رہا ہو۔ تو حسن جھلک رہا ہو۔ جہری کو حکم ہو کہ سے تو بھی عطر مل لے۔ وہ (میں قربان) کہ کر آدھی شیشی ہاتھ پر لڑھکائے اور گیسو کے عوض چہرے پر لگائے تاکہ شعاعِ آفتاب جو رخ پر پڑے تو چہرہ چمک جائے اور عطر ترشح ترشح نور برسائے (ماشاء اللہ) دوپٹا ایسا باریک ہو کہ کوئی زیور چھپا نہ رہے۔ دوپٹے میں سے جوبن چھن چھن کر نکلے بہن اگر ذرا غور کرو تو معلوم ہو جائے کہ جو بنے ٹھنے ہی میں شرافت ہے تو موئی میسواؤں سے (بہت آہستہ سے) بڑھ کر کوئی شریف زادی نہیں بناؤ چناؤ سب کچھ کرو مگر قرینے کے ساتھ کچھ تو بوئے شائستگی آئے۔ اور ٹھیٹھ ہندنیاں تو بہن الیسے بھی گئی گذری ہیں۔ ہاں نیکسا نند و برا نند نیک کیا سب کی سب بے شعور کٹھور ڈھاہی ہیں۔ مگر تربیت یافتہ دو۔ تو غیر تربیت یافتہ چار سو۔ ہم نے ہندوستان بھر سے انوکھی وضع رکھی۔ اور اب تک تو خدا کے فضل سے نبھتی چلی آتی ہے۔ آیندہ کا حال کون جانے۔

سپہر آرا۔ اللہ چاہے تو عمر بھر اسی وضع کے ساتھ بسر ہو۔

حسن آرا۔ انشاء اللہ۔

سپہر آرا۔ سنو باجی۔ اگر یہ باتیں مشہور ہوئیں تو لوگ ہم کو کیا جانے کیا سمجھیں۔ لیکن سمجھا کریں ہم اپنے صدق و صفا کو نہ چھوڑنے کے رفتہ رفتہ خود ہی کھل جائے گا کہ دونوں بہنیں کیسی پاکباز ہیں۔ ہندوستان کی عورتیں سنیں تو دانتوں کے تلے انگلیاں رکھیں لیکن تم ہی بتاؤ کہ بہنے اب تک کیا کیا۔ ہنود کے ہاں مشہور ہے کہ سیتا جی سے راجندر جی ذری بدگمان ہو گئے کوئی نگوڑا دھوبی اپنی بیہودہ جورو سے کہہ رہا تھا کہ مجھکو بھی کیا رامچندر سمجھی ہے۔ بس اُنھوں نے آ کر گھر میں کوئی ایسی بات کہی کہ سیتا جی نے جو پاکباز تھیں دعا مانگی کہ زمین شق ہو جائے اور اگر میں عصمت مآب ہوں تو زمین کے اندر دھنس جاؤں۔ اُنکی پاکی اور تقدس میں کوئی شک تو تھا ہی نہیں زمین دعا مانگتے ہی شق ہو گئی اور وہ دھنس گئیں بس پھر تو سارا زمانہ کہنے لگا کہ

بڑی حیادار اور پاک نظر تھیں۔ اپنے ہی ہاں نہ دیکھ لو کہ حضرت مریم کے والدین نے بدرگاہ حق جل وعلا نذر مانی تھی کہ اگر ہم کو لڑکا یا لڑکی عطا فرمائے تو ہم اُسکو بیت المقدس کی جاروب کشی کے لیے مامور کر دینگے۔ چنانچہ بفضل ایزدی حضرت مریم انکے یہاں پیدا ہوئیں۔ اُنکے والدین نے حسب وعدہ انکو ایک گوشہ بیت المقدس میں بٹھا دیا۔ اور کبھی کبھی اُنکے دیکھنے کو آیا کرتے تھے۔ خدا کی شان کہ حضرت مریم حاملہ ہوئیں اور وضع حمل بعد انقضائے مدت فرمایا اعزا اور والدین جو دیکھنے کو آئے تو یہ قدرت خدا دیکھی متحیر ہوئے اور حضرت مریم کیطرف سے بدگمان ہو کر پوچھا کہ یہ تم نے کیا کیا خاندان کا نام ڈبو دیا اپنے کو رسوائے خلق کیا۔ تب حضرت مریم نے فرمایا کہ اسی لڑکے سے پوچھو۔ لوگ حیرت زدہ اُس لڑکے کی طرف مخاطب ہوے۔ حضرت عیسیٰ گویا ہوے اور اپنی عفیفہ و مقدس ماں کی عفت کی سند اپنی گویائی سے دی کی حکم خدا سے گویا ہوے تھے کہ باتیں کیں۔ عیسیٰ روح اللہ آپکا لقب ہے۔ جب ذرا سے لڑکے اور فرزند نوزائیدہ کو لوگوں نے گویا پایا تو شک دور اور اتہام بیجا کافور ہوا اور حضرت مریم کی عصمت و عفت اور اُنکے تقدس کا نقش سب کے لوح دل پر منقوش ہو گیا۔ باجی اللہ جانتا ہے جو ہم کو ذرا بھی خیال ہو۔ ہمیں کوئی لاکھ بُرا کہے تو کیا اپنا دل صاف ہونا چاہیے

اتفاقاً مہری کھڑی پردے کے پاس سے سُن رہی تھی کون مہری وہی جو معشوق عاشق النسا بیگم کے ساتھ آئی تھی۔ وہی جو زبانی پیغام لائی تھی وہی جو میرزا ہمایوں فر کی ہمدم و ہمساز تھی۔ وہی جو محرم راز تھی پردے کے پاس سے ساری رام کہانی سن کر چمکتی ہوئی اندر گئی۔ اُف ستم ہو گیا غضب ہوا۔ حسن آرا نے جو اسپر نظر ڈالی تو وہ جھک کر تسلیم بجا لائی۔ (تسلیم) کا لفظ سنتے ہی سپہر آرا نے گردن پھیر کر دیکھا تو دنگ ہو گئی رنگ فق آنکھوں سے غیظ و غضب ٹپکتا تھا۔

حسن آرا۔ کون ہو۔

مہری۔ حضور میں ہوں اچھے صاحب۔

حسن آرا۔ کہاں سے آئی ہو۔

مہری۔ آپ مجھے اتنی جلد بھول گئیں۔ بیگم صاحب نے بھیجا ہے۔

حسن آرا۔ بیگم صاحب کون۔

مہری۔ جی عاشق النسا بیگم۔

حسن آرا۔ کہو کیا پیغام بھیجا ہے۔

مہری۔ (مسکرا کر) حضور کو ذرا وہاں تک تکلیف دی ہے۔

مہری کا اسوقت مسکرانا دونوں بہنوں کو نہایت شاق سا گذرا جیسے تیر سا چھاتی میں لگا۔ گر چپ۔ بولیں۔ للکاریں تو راز سربستہ افشا ہو جائے۔ ہائے کیا بے ڈھب موقع ہے۔ توبہ توبہ۔ مہری تو محرم راز تھی نہ کیا مزے سے مسکرائی اب اگر کوئی اور موقع ہوتا تو حسن آرا اُس کو سمجھاتی اور سپہر آرا بگڑ جاتی کہ خام پارہ ہمارے منہ پر چڑھتی ہے۔ مگر دونوں دوراندیش اور دانا تھیں۔ دم بخود ہوئیں

مہری۔ حضور بیگم صاحب نے فرمایا ہے کہ اگر کچھ ہرج نہ ہو تو آج ہمارے ہی ہاں آئیے۔

سپہر آرا۔ کہہ دینا ہمیں فرصت نہیں ہے معاف کیجیے۔

مہری۔ بہت اچھا۔ مگر فرمایا ہے کہ آپکو فرصت نہو تو میں خود ہی چلی آؤں

سپہر آرا۔ جی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ بس اب وہیں سے سلام ہے اور اب آج سے تم نہ آنا یہاں سنا کہ نہیں۔

مہری۔ (ادب کے ساتھ) بہت اچھا لونڈی حکم بجا لائیگی مگر حضور سمجھ لیجیے کہ لونڈی کا قصور نہیں۔ بیگم صاحب کی جیسی نوکر ویسی حضور کی۔

سپہر آرا۔ چلو بس زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ بیگم صاحب ہیں دم اُنہ بناتی ہیں ہنڈیاں چلچلاتی ہیں۔ بس کہہ دینا کہ خیر اسی میں ہے کہ اب نامہ و پیغام نہ آنے شہزادے میں اس سے چھوڑ دیا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو خون ہو جاتا۔ اتنے بڑے شہزادے۔ بادشاہ کی اولاد اور غریب کنواری شریف زادیوں پر نظر ڈالتے ہیں بس چلے تو وہ سزا دوں کہ عمر بھر یاد کریں۔ واہ اچھا جال پھیلایا ہے۔ انکے کان کھول دینا کہ ہم کوئی ایسے ویسے نہیں ہیں فریبی بہت چل نہ نکلیے۔

حسن آرا۔ (بہن سے) اب خاموش بھی رہو۔ کوئی سن لیگا۔ بس اب کچھ کہو نہ سنو۔ (مہری سے) چلو سامنے سے ہٹو۔

مہری۔ (قدموں پر گر کر) حضور میری جان بخشی ہو تو عرض کروں۔

حسن آرا۔ اب تم جاؤ ہم نے کئی دفعہ کہدیا نہیں پیچھے پچھتاؤ گی۔

مہری روانہ ہوئی ع۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں ؛ جب احاطے کے باہر نکل گئی تب کہیں جان میں جان آئی۔ قسم کھائی کہ اب جا چکی ادھر سپہر آرا کا چہرہ مارے غصے کے لال بھبوکا ہو گیا۔ پاکدامنی کے خیال نے مجبور کیا کہ مہری کو للکارے پہلے تو بی مہری صاحب بات بات پر مسکراتی تھیں فقرے فقرے پر کھلی جاتی تھیں۔ مگر جب سپہر آرا نے ڈانٹ بتائی تو دنگ ہو گئی سپہر آرا کے چہرے کا اسوقت غصے سے اور بھی جوبن دو بالا کر دیا تھا۔ سرخی اور سفیدی کا متغیر ہو جانا اور گورے گورے رخسار رنگین کا تمتمانا غضب ڈھاتا تھا۔ معشوقوں اور سیم برنوں کے غصے میں بھی وہ آن ہو کہ سبحان اللہ۔ انکھڑیاں قہر آلود تھیں۔ مگر اس قہر کے صدقے کہ عالم ہی اور تھا۔ وہ تیکھی تیکھی ذرا اچھے اچھے بانکے دیکھیں تو آنکھیں جھکائیں۔ حسن آرا بیگم سمجھاتی جاتی تھیں کہ بہن اب ادھر باتوں کا خیال کرو۔ کبھی بہن سے گلے لپٹنا۔ کبھی ہاتھ میں ہاتھ دینا کبھی فرط محبت سے بوسے لینا دو معشوقوں کی یکجائی اور اپنے اپنے طور پہ دلربائی۔ ایک کا بل کھانا اور جھلا جھلا کے رہجانا۔ دوسری کا سمجھانا اور اونچ نیچ دکھانا اس سے عجب کیفیت نظر آتی تھی اور شان کبریائی جلوہ دکھاتی تھی۔ دیر تک دونوں سکوت میں رہیں۔

چشم جادو نگہت گرچہ خموش آمدہ است
از اشارات و ادا نکتہ فروش آمدہ است

سپہر آرا۔ اچھی عاشقی ہے بس معلوم ہوا کہ کوئی بوالہوس ہے۔ ؎

نہ رسد عاشقی بہ بوالہوساں | عاشقی دیگر و ہوس دگر ست

اگر عشق صادق ہو تو حیا و شرم کے ساتھ ظاہر کرنا چاہیے یا اس بے تکے پن سے۔

راوی۔ اب تو بے بولے نہیں رہا جاتا۔ سپہر آرا بیگم فرماتی ہیں کہ حیا و شرم کے ساتھ اظہار عشق ہونا چاہیے۔ یہ سچ۔ لیکن۔ ؎

گرچہ در پردہ عاشقی ہنر است | چکنم آہ و نالہ پردہ در ست
چوں نوزدہ بہ عشق گل بلبل | آتشے متصل بہ مشت پر ست

میرزا ہمایوں فر کے زورِ بازوئے عشق کی لڑائی اور بحر جنون کی طغیانی

ادھر تو یہ حساب تھا۔ اب ادھر شاہزادہ ہمایوں فر کا حال سنیئے کہ مہری کو بھیجکر لب بام وقت شام ٹہلنے لگے مگر سوچتے جاتے تھے کہ کہیں وہ دونوں پری پیکر بنیں خفا نہ ہو گئی ہوں تو پھر بڑی بیڈھب ٹھہرے بات کی بات جائے اور شاید جان کے بھی لالے پڑ جائیں۔ اور ان کی قہر آلود آنکھیں غضب ڈھائیں دل پر بجلی گرائیں۔ دیکھیں مہری کیا پیام لاتی ہے کیسی خبر سناتی ہے۔ خدا کرے مہری کو ساتھ لیکر مہتابی پر چلی آئیں اور اپنا مکھڑا دکھائیں اور ہم یہ اشعار لکھ کر تپنگ ڈھائیں۔ ؎

وہ یکہ جلوہ نمائی بایں قد و قامت | ہزار حشر بپا گردد از قد و قامت
نشد نگہ کہ شود چشم مست تو ہشیار | کہ بود ساقی ایں مے کہ ریخت در جامت
باعتقاد دل و جانم از سر تو شش بہاست | بمن کسے کہ رساند نوید پیغامت

گر خدا ئے بتانی کہ روز و شب نگرم
چو کعبہ سجدہ گہ عاشقان در و بامت

اگر اسوقت چار آنکھیں ہوں تو تیر نظر کلیجے پر سکے تو خلش وہ مزہ دے کہ از سر نو جان آجائے۔ اور روح تک ذائقہ خلش پائے۔ ؎

از کرشمہ جانانم تیر زد و خنجر گا نم | چوں نہ مرحبا خوانم وقت مرحبا ست

اتنے میں مہری آئی۔ شہزادہ میرزا ہمایوں فر تاڑ گئے کہ ٹکا سا جواب دیا بری خبر لائی۔ چین بجبیں ہے خدا وند ا خیر کیجیو۔ مہری قریب آن کر منہ پھلا کے کھڑی ہو گئی۔ مگر خاموش۔

ہمایوں فر۔ پھر اب کہو نہ صاف صاف۔

مہری۔ حضور کیا عرض کروں۔

ہمایوں فر۔ وہ تو ہم تمھاری چال ہی سے سمجھ گئے تھے کہ بیڈھب ہوئی کہ چلو بس۔

مہری۔ حضور اب لونڈی وہاں نہ جانے کی۔

ہمایوں فر۔ جانا آنا سمجھا جائے گا پہلے مطلب کی بات تو بتاؤ کہ ہوا کیا

مہری۔ میں نے جا کر پردے کے پاس سے سنا کہ آپ ہی کی باتیں چپکے چپکے کر رہی ہیں۔ ایک بولیں کہ ادھر جی کچھ ہوگا بھی۔ جل تو دے گئے مگر ہمارا دل تو صاف ہے۔ دوسری بہن بولی کہ اب خبردار خط وط نہ لینا پھر کیا جانے کیا باتیں کیا کیں۔ میں جو گئی تو بڑی بہن نے رکھائی کے ساتھ باتیں کیں۔ اور چھوٹی بہن تو بس برس ہی پڑیں۔ اُف بس پھر تو اللہ دے اور بندہ لے میں کھڑی کانپ رہی تھی کہ کس مصیبت میں پڑی چھٹکی بہت تیز ہو کے بولیں کہ اب نہ آنا اور آؤ گی تو تم جانو گی۔ اور انسے بھی کان کھول کے کہدینا کہ بہت چل نہ نکلیں۔ اتنے بڑے شہزادے ہوئے اور شریفوں کی بہو بیٹیوں سے یہ باتیں۔ ہم کوئی ایسے ویسے نہیں ہیں۔ شہزادے ہیں اس سے چھوڑ دیا۔ بہت ہی بگڑیں۔ حضور میں چور کی طرح چپکے چپکے سنتی رہی۔ لیکن وہ جھلا یا ہی کیں۔ میں نے قدموں پر سر رکھ دیا اور۔

ہمایوں فر۔ خوب کیا۔ مگر تم پردے کے پاس تھوڑی دیر اور کیوں نہ باتیں سنا کیں

مہری۔ حضور وہ موئی ماما پیلی جیرن غڑاپ سے نکل آئی اور لونڈی نے جھپ سے پاؤں کھجلانا شروع کیا۔ پوچھا کیا ہوا۔ میں نے کہا کچھ نہیں کنکڑی پاؤں میں چبھ گئی۔

راوی۔ سب جھوٹ۔

ہمایوں فر۔ افسوس۔ تو بہت ہی بگڑیں۔

مہری۔ قربان جاؤں حضور بس کچھ عرض نہیں کر سکتی۔ اپنے آپے ہی میں نہیں تھیں۔

ہمایوں فر۔ ہم نے بڑی غلطی کی۔ اُن دونوں شریف زادیوں کی یہ حیا پرستی بس دل میں کھپ گئی۔ آفرین ہم سے یہ ایک حرکت بڑی ہی لغو سرزد ہوئی۔ اوّل تو ہمیں جانا نہ تھا اور گئے تو پہچانا نہ تھا مگر ان دونوں کو بھی عصمت کا کس درجہ خیال ہے۔ واہ واہ۔ اے سبحان اللہ اللہ اللہ اس قدر آزادی اور مطلق العنانی سے رہیں اور باایںہمہ عفت کو اتنا عزیز رکھیں۔ آفرین آفرین۔ خدا ہی خوب جانتا ہے کہ ہم نے بدی کا کبھی خیال ہی نہیں کیا۔ ہاں اگر اُن کو منظور ہوتا تو نکاح ہو جاتا پھر اس میں عیب کیا ہے۔ نکاح کچھ گناہ ہے۔

مہری۔ حضور ذری سوچیں تو۔ جان بخشی ہو تو عرض کروں۔

ہمایوں فر۔ بخشی۔ کہو۔

مہری۔ آجتک اسطرح کسی نے بیاہ کیا ہے بھلا۔ اور حضور نے جا کر یہ جو ناحق کو کہا کہ آؤ بہن گلے ملیں۔

ہمایوں فر۔ ہاں کہتی تو سچ ہو۔ یہ بڑی غلطی ہوئی۔

مہری۔ اب جانے ولنے کا قصد نہ کیجیے گا۔

ہے یہ وہ درد کہ جس درد کا چارہ ہی نہیں
واں لڑی آنکھ جہاں اپنا گذارا ہی نہیں

شہزادۂ بلند ارادہ۔ افغان جبین تاجداری۔ گیسوئے عذار شہریاری یوسف جمال رشک قمر۔ میرزا ہمایوں فر ضاعف قدرہ کا پردہ نشین نازنین پر دل کیا آیا کہ دنیا کے عیش و عشرت لطف و مسرت سے ہاتھ اٹھایا ترانۂ عشق ورد زبان تھا۔ غم کدۂ دل کلبۂ احزان تھا۔ آنکھیں خونچکاں گویا بحر قلزم نے فوارہ چھوڑا۔ راحت منزلوں دور آرام نے منھ موڑا۔ وہ پردہ نشین ناکردہ کار۔ یہ جگر پر چوٹ کھائے ہوئے عاشق زار۔ اُنکو ننگ و ناموس کا خیال۔ ان کو شادی کی دھن اور شوق وصال۔ آنکھ بھی پڑی تو پردہ نشین پر۔ دل بھی آیا تو پاک نظر مہ جبین پر۔ ؎

دل تو کہاں وہ مہوش نامہرباں کہاں
نادان ہے زمین کہاں آسماں کہاں

بت پندار کا روٹھنا۔ اچھے صاحب کر للکارنا۔ شہزادے کو بے نقط سُنانا اور مہری کا باتیں بنانا جب ان امور کا خیال آتا تھا تو شہزادے کا رنگ فق ہو جاتا تھا۔ ایک پری پیکر پریزاد۔ دوسری کافر ستم ایجاد ایک چھیل چھبیلی۔ دوسری کامنی۔ گرواہ ری پاکبازی اللہ ری پاکدامنی غمزۂ خوباں نے دل توڑا دیوانہ پن سے ناتا جوڑا۔ کبھی یاد گل رخسارہ نے نئے نئے گل کھلائے۔ کبھی وہ خم دیچم وہ ناز و انداز یاد آئے۔ عہد جنون کی بہار۔ دل پہلو میں بیقرار۔ ہجر کا خار چشم دُر راہ انتظار مزاج نسیم نو بہار کی طرح آوارہ نظروں کے سامنے غمزہ خاطر شکن محبوب مہ پارہ۔ ؎

قسمت اُلٹ گئی کہ دل تلخ کام کو		مشتاق بوسۂ لب شیریں دہن کیا

لیتیق۔ کوٹھے پر آئیے۔

ہمایوں فر۔ اچھا۔

اتنے میں ہمایوں فر عین حالت بیقراری میں لب بام آئے تو عروس مراد نے جلوہ دکھایا۔ شور و شیون کا اثر ہوا۔ نظارۂ جمال مہر پیکر ہوا۔ ادھر مہتابی پر دلبر طناز۔ اُدھر لب بام ہمایوں فر شہید خرام ناز۔ حسن آرا بیگم بڑے ٹھسّے سے مہتابی پر چڑھی ہیں مگر ادھر پشت کیے اور نقاب زریں رُخ انور پر ڈالے کھڑی ہیں۔ ؎

مشتاق بیقرار ہیں دیدار کے ترسے		گھونگھٹ تو اپنے کھڑے سے ظالم خدا اٹھا

یہ سنیے وہ سپہر آرا بھی بناؤ چناؤ کر کے مہتابی پر تشریف لائیں اور آتے ہی شہزادے سے بے خبری میں آنکھیں لڑائیں۔ آنکھیں لڑتے ہی شوخی کے سامنے اُچک کر وہ ہو رہیں۔ اور دم کے دم میں حسن آرا بھی نظر سے اوجھل تھیں حضرت ہمایوں فر محبت آمیز اشارے کر ہی رہے تھے اور لب زخم جگر چنگاریاں بھر ہی رہے تھے کہ حسن آرا اُچک کر کوٹھے پر اور سپہر آرا اٹکھیلیاں کرتی ہوئی زینے پر۔ ارے ہائے اس دیدار بت پندار نے اس سوختہ جان کے دل پر اور بھی بجلی گرائی۔ اس بے رحمی کے صدقے کہ دکھاتے ہی صورت چھپائی۔ نظر بھر کر دیکھنے بھی نہ پایا۔ الٰہی یہ سحر ہے یا چھلاوا۔ جب اُن بتان شعلہ رو کو نظر سے غائب پایا تو بدن سے چنگاریاں اُڑنے لگیں اور سینے میں شعلے بھڑک اُٹھے۔ ہے ہے ایسی ہی حیا پھٹ پڑی تھی تو کوٹھے پر کیوں آئیں۔ اور آئیں تو متوالی انکھڑیاں کیوں لڑائیں۔ ؎

ہم سے نظر لگا کے چرا کے ہو گیا نگاہ		پہلے نہ تھے فرق ترے بانکپن میں آج

طرۂ طرار اور گیسوئے عنبر بار کی یاد سے چھاتی پر سانپ لہرانے لگے غش پر غش آنے لگے۔ ؎

ترے لعل لب کے خیال میں غم زندگی جو مٹائے دل	
	تو مذاق لطف سے غش یہ ہو کہ مزے جانکے اُٹھائے دل
مجھے تلخ ہستی دہر ہے غم زیست جان پہ قہر ہے	
	مجھے آب خضر بھی زہر ہے کہ بلائے جاں ہو فنائے دل

اب ادھر کی کیفیت سُنیے۔ حسن آرا کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ حضرت میرزا ہمایوں فر اسوقت لب بام مصروف خرام ہیں۔ اور نظارۂ مہ پارہ کی وجہ سے فائز بمرام ہیں۔ جب سپہر آرا مہتابی پر آئی اور شہزادے کے بخت بیدار کی رسائی سے اُن سے بیخبری میں آنکھ لڑائی تو چپکے سے کہا کہ بہن یہیں بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ جاؤ۔ وہ تاک جھانک سے باز نہیں آتے ہیں اب اچھے صاحب کو ٹکا سا جواب دیا تو وہ ہی سے کھڑے آنکھیں لڑاتے ہیں۔ حسن آرا نے طرارہ بھرا تو تڑسے کوٹھے پر اور سپہر آرا جو پھرتی سے جھپٹی تو کھٹ سے نیچے۔ واہ رے شباب۔ واہ ری کمسنی واہ واہ رے الھڑپن۔ وہاں دونوں بہنوں میں باتیں ہونے لگیں۔

حسن آرا۔ بجلی پڑے۔ اے واہ۔ اچھا گھر پر کو لیا ہے۔

سپہر آرا۔ میرا بس چلے تو اس کا گھر اُجڑوا دوں۔

حسن آرا۔ اے ہو گھر آباد کیجیے یا اُجڑوا دیجیے۔ ستم کرتی ہو۔ کعبۂ دل کو ڈھاتی ہو۔

سپہر آرا۔ باجی۔ اللہ خیر کرے۔ یہ تو موا پنجے جھاڑکے پیچھے پڑا ہے جب دیکھو کوٹھے پر کھڑا ہے۔

حسن آرا۔ اے تو تم کاہے کو اپنی زبان خراب کرتی ہو۔

سپہر آرا۔ میرے تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے جیسے۔

حسن آرا۔ پھر آدمی ہی تو ہیں وہ بھی۔ دل ہی تو ہو۔ آدمی کا آدمی ہی پر دل آتا ہو۔ یا بیل بکری پر۔

سپہر آرا۔ باجی آدمی آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی کنکر کیا پانچوں انگلیاں برابر ہوتی ہیں۔

حسن آرا۔ اُس جہری نگوڑی کو تو دیکھو کیسی ہرد نگا بیگمی ہو چلاخ پٹاخ ہماری ماما پلی حیران۔ عقل کے پیچھے دست پناہ لیے گھومتی ہو۔

سپہر آرا۔ اُف بجلی ہی بجلی۔ وہ تو سوار کو گھوڑے پر سے اسمار نہ لے ہم سے یارانہ پیدا کرنا چاہتی تھی۔ خام پارہ۔

حسن آرا۔ اب جانے وہ کیا کیا نہ کر گذریں۔ کیں رات کو نہ جاویں ہم لڑکیاں بھلا دھینگا مشتی کیا جانیں۔

سپہر آرا۔ توبہ توبہ۔ اللہ جانتا ہو جو ادھر کا رُخ بھی اب کرے۔ کیا شہر شہدا ہو۔ ایک بال تو موے کی کھوپڑی پر نظر آئے نہیں۔

حسن آرا۔ تو ایسے کلمے کیوں زبان سے نکالتی ہو۔ بہن لاکھ گیا گذرا ہے پھر شاہزادہ ہو۔

سپہر آرا۔ کیا کروں نگوڑے دل سے کچھ بس نہیں چلتا جینے سے بیزار ہو گئی۔

حسن آرا (بہن کو چھاتی سے لگا کر) یہ کیوں۔ یہ کیوں۔ (بوسہ لیکر) دل کو تسکین دو پیاری۔ ہماری آبرو اللہ کے ہاتھ ہو۔ دنیا کے یہی کارخانے ہیں اپنا دل صاف ہونا چاہیئے سو ہے۔

سپہر آرا۔ جوں جوں غور کرتی ہوں کلیجہ بلیوں اچھلتا ہو۔ کیا جھپ سے بہن بنا گیا۔ عاشق النسا بیگم کے بھیس میں صورت دکھا گیا۔ باجی تم چاہے نہ مانو۔ یہ موا بہروپیا ہو کوئی۔ کیا روپ بھرا تھا ہائیں!

حسن آرا۔ اور ہیں بھی نازک آدمی۔

سپہر آرا۔ اے جلی کی سنوار ایسی نزاکت پر۔ ایڑی چوٹی پر قربان کردوں تمہارا وہ کمرا ہی بہن سچ کہتی ہوں گلاب کے پھول کی رنگت پھیکی پڑ جائے وہ کون ایسے بڑے سو گھڑ ہیں۔

اتنے میں ایک مغلانی آئی۔

مغلانی۔ لیجیے بڑی بیگم صاحب نے یہ مٹھائی دی ہو اور فرمایا ہے کہ آج شب کو عید گاہ تو نہ چلیے گا۔

حسن آرا۔ (تشتری لیکر) یہ مٹھائی کہاں سے آئی ہو۔

مغلانی۔ اے حضور۔ وہ جو اُس دن آئی ہُئی تھیں (آئی ہوئی تھیں) بیگم صاحب۔ انھوں نے بڑی بیگم صاحب کے لیے دو خوان بھیجے ہیں لوزیات کے سو بڑی بیگم صاحب نے یہ تشتری آپکے لیے دی ہو۔

پیاری۔ (مغلانی کی لڑکی) ذلاسی (ذراسی) مٹھائی ایمیں سے ہمیں دیجئے۔

راوی۔ توتلے پن سے (ر) کی جگہ (ل) بولتی ہو۔

سپہر آرا۔ اے۔ پیر شہید نکٹوں کا چھاپا۔ انکو دیکھیے یہ بڑی وہ بنکے آئی ہو۔ اچھا اتنا بتادے کہ کے بیاہ کرے گی۔

پیاری۔ پھل (پھر) مٹھائی دوگی۔

سپہر آرا۔ ہاں ہاں بتا تو سہی۔ جان کیوں نکلی جاتی ہو۔

پیاری۔ پہلے مٹھائی دیجئے تو بتاؤں۔

سپہر آرا۔ تو ل چکی۔ گڑھیا میں منہ دھو آ۔

پیاری میں! بیوی۔ میں ایک (خصم) کلونگی (کرونگی) پہلے اور پھل (پھر) چھوڑ کے دوسلا (دوسرا) اور پھل تیسلا (تیسرا) پھل چوتھا اُن سبکو لاتیں مال (مار مار) کے نکال دونگی اب دیجئے اب دیجئے۔

سپہر آرا۔ (تشتری اونچی کرکے) جاؤ اب نہ دیں گے۔

پیاری۔ (منہ بنا کر) اون۔ دیجئے۔ مٹھائی دیجئے۔ آاں دیکھو

مغلانی۔ تو مجھ سے کیا کہتی ہو۔ کچھ میں نے ٹھیکا لیا تھا۔ اے ہاں۔

حسن آرا۔ دے دو۔ دے دو۔ رو رہی ہو۔

سپہر آرا۔ اچھا لے مگر پانی نہ پینے دونگی۔

پیاری۔ ہاں نہ پیونگی۔ لاؤ تو۔ جھکا جھکا کے (لاؤ ذرا سی مٹھائی دی۔

اسپر قہقہہ پڑا۔ خدا سی لڑکی اور کیسی باتیں بناتی ہو کچھ ٹھکانا ہو جب مٹھائی نگل چکی تو آبخورہ اٹھانے لگی کہ پانی پیے۔ سپہر آرا نے روک لیا۔

سپہر آرا۔ اقرار کیا تھا؟

پیاری۔ اچھا میں اب جاتی ہوں۔

سپہر آرا۔ (ہاتھ پکڑ کر) جاؤ۔ جاتی ہوں۔ ایسی بڑی جانیوالی ہیں جاؤ اب جاؤ۔ مٹھائی کھانا کیا ہنسی ٹھٹھا ہو۔ کیا مزے سے بولیں کہ اچھا اب میں جاتی ہوں۔ مٹھائی کے دام دیئے جاؤ پہلے۔

حسن آرا۔ بی پینے دو۔

مغلانی۔ بڑی بیگم صاحب آتی ہیں۔

حسن آرا۔ کہاں کہاں۔ اے کہاں آتی ہیں۔

مغلانی۔ وہ کیا آئیں۔

سپہر آرا۔ دیکھوں۔

بڑی بیگم۔ (زینے کے پاس سے) بیٹیا ذری ادھر جھانکنا۔

سپہر آرا۔ (دوپٹا سنبھال کر) حاضر ہوئی ارشاد۔

حسن آرا۔ کہیئے اماں جان۔ حاضر ہیں۔ اسوقت ہوا میں آپ کیوں نکلیں۔

بڑی بیگم۔ میں اوپر ہی آتی ہوں۔

حسن آرا اور سپہر آرا تیزی کے ساتھ نیچے ہی دوڑ گئیں۔

حسن آرا۔ اماں جان اوپر جا کے کیا کیجیے گا۔

سپہر آرا۔ چڑھنے اترنے میں اور تکلیف ہی ہوگی ہم تو آپ یہاں موجود ہیں

بڑی بیگم۔ آج بڑدس سے دو خوان آئے ہیں مٹھائی کے وہی تمہاری گوئیاں (ہنسکر) جو اسدن آئی تھیں۔ انھیں کے ہاں سے ہم نے دو روپیہ دلوا دیئے وہ جو عورت ساتھ تھی اُسنے کہا کہ بیگم صاحب نے حسن آرا بیگم اور سپہر آرا بیگم کو کل بلوایا ہو۔ سو کل کسی وقت سواری پر چلی جانا اور حسینی خانم اور نصیبن اور فرخندہ کو ساتھ لیتی جانا۔ دو چار گھڑی دل بہلانا۔ پھر چلی آنا۔

راوی۔ ارے غضب اب بری ہوئی۔ بڑی بیگم کو کچھ معلوم تو تھا ہی نہیں اب ان سے کہے کون بھلا۔ جریب ہاتھ میں ہو۔ چھوٹتے ہی جائیں سپہر آرا اور حسن آرا اب ہاں کہیں تو کیونکر اور نہیں کہیں تو بڑی بیگم وجہ پوچھیں۔ ہندی کی چندی نکالیں۔ اُف ستم ستم۔

حسن آرا۔ کل کی تو کل کے ہاتھ ہو اماں جان۔

سپہر آرا۔ سمجھا جائے گا۔ نیت شب حرام۔

راوی۔ یہ رکھائی۔

حسن آرا۔ (سپہر آرا کے کان میں) ہو ہو۔ اللہ بچائے ہم دونوں کی آبرو۔

سپہر آرا۔ ذری میرے قلب پر ہاتھ رکھنا۔

حسن آرا۔ (ہاتھ رکھکر) اُف۔ ذری میرے دل پر ہاتھ رکھنا۔

سپہر آرا۔ ارے۔

بڑی بیگم۔ کیا چوری چھپے باتیں کر رہی ہو۔ میں تو اسی لیے تمہارے ادھر آتی نہیں کہ اپنے لڑکیاں لڑکیاں کیا جانیں کیا باتیں کرتی ہیں میں بوڑھی آئیں کیا بیٹھوں۔ تمہارا جی چاہے تو روح افزا کو بھی بلوا لو اسکو بھی کل اپنے ساتھ لیتی جانا۔

راوی۔ جی بس انھیں کی کسر ہو اور تو سب مصالحہ موجود ہو۔

بڑی بیگم تو چلدیں چلو خیر ہوئی۔ لونڈیاں باندیاں ساتھ ادھر حسن آرا اور سپہر آرا باتیں کرنے لگیں۔

حسن آرا۔ اب بڑی ٹیڑھی کھیر ہو۔

سپہر آرا۔ پھر علاج۔

حسن آرا۔ (ہیرے کی کیل ناک سے نکال کر) یہ۔

سپہر آرا۔ (چھین کر) یہ کیا حرکت ہے بھلا۔ سوچیے سوچیے۔ کوئی تدبیر نکل ہی آئے گی۔

حسن آرا۔ کیا خاک نکلے گی۔

سپہر آرا۔ ایک کام کریں۔ اب بے خوشامد کے کام نہ نکلے گا۔

حسن آرا۔ ہاں پھر اب تو ہوئی سو ہوئی۔ گر بن بڑی بری ہوئی۔

سپہر آرا۔ یہاں بناوٹ سجاوٹ سے منزلوں بھاگتے ہیں۔ لگاوٹ کا نام ہی نہیں جانتے۔ سرمہ کاجل مسی افشاں سے واسطہ ہی نہیں رکھا مگر پھر بھی بلا سے نہ بچے۔

راوی

گل دگلچیں کا گلہ بلبل خوش لہجہ نہ کر
تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

سنیئے بی سپہر آرا صاحب۔ مانا کہ کاجل کنگھی چوٹی افشاں حسن دان سے واسطہ نہ رکھا مگر اس ادا اور بانکپن اور اس جوبن کو کہاں چھپاؤ گی اتنا تو سوچو ذرا۔ یہ مکھڑا تو زاہد کو کافر بنائے جو بیچارا دیکھے۔ اس کی جان جائے۔ ؎

تری آنکھ اے بت نازنیں سے بیخودی کیسی بھری ہی
کوئی ہوشیار نہ چھوٹیے اسی تاک میں یہ پری رہی

رگ رگ میں شوخی بھری ہے۔ عورت کیا پرستان کی پری ہے بلکہ پریوں سے بھی زیادہ شان دلبری ہے۔ ؎

پری نے حور نے انسان نے کب یہ شکل پائی ہے
خدا نے ہاتھ سے اپنے تری صورت بنائی ہے

سپہر آرا۔ اب اُن کے نام ایک خط لکھیے اور صاف صاف مطلب سمجھا دیجیے اور ذرا ملائمت سے لکھیے گا کہ اُن کو بھی رقت آنے لگے نہیں تو آخر شش کل کیا کروگی۔ موذی کے پنجے میں پھنس کر چھٹکارا معلوم۔ اچھے اچھے سنگے یاد ہیں۔ جب ادھر دال نہ گلی تو آتاں جان سے لسر کا لگایا اور وہ بھی کتنی بھولی ہیں۔

حسن آرا۔ بس بالکل عقل سے بے بہرہ۔

راوی۔ بڑی بیگم بیچاری پر یہ ناحق کا عتاب ہوا۔ اب انہیں کیا معلوم کہ یہاں ایک اور گل کھلا۔

مان کرے نند لال

اتنے میں دروازہ پر ایک نیا گل کھلا اور دس بارہ آدمیوں نے مل کر عین در محل پر بآواز بلند ولحن واؤدی گانا شروع کیا۔ ؎

مان کرے نند لال۔ سہاگن جیا مان کرے نند لال

دودھو پوت اور ان دھن بھی گود کھلائے نند لال

مان کرے نند لال سہاگن جیا

دس پانچ آدمی لہرا لہرا کر گاتے ہیں دو چار تال دیتے جاتے ہیں دو ایک مجیرا بجاتے ہیں۔ ایک حضرت ڈھولکی تھپتھپاتے ہیں اور تاہلنے کی دھن میں گاتے ہیں کہ۔

سہاگن جیا مان کرے نند لال
ہمیشہ دلبرے سبحان مبارک باشد

اب گھر بھر میں کھلبلی مچی ہوئی ہے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ لڑکا کس کے ہوا بڑی بیگم بیوہ۔ اور پھر سن۔ حسن آرا کنواری۔ سپہر آرا دوشیزہ یہ کیا اندھیر ہے بھئی۔

ماما۔ ارے تم کون لوگ ہو۔

چند لوگ۔ اے حضور خدا سلامت رکھے بھانڈ ہیں۔

ایک آدمی۔ قربان جاؤں میں تو شیر خوره ہوں۔

ایک صاحب ہنہنا کر بولے۔ میرے بچپنے کی کچھ نہ پوچھو۔ یہ ماں کے پیٹ ہی سے ہنہناتا اور کلیلیں کرتا نکلا تھا دوسرے صاحب نے اُچک کر فرمایا میں ہیں ہیں۔ دو باگے ہیں۔ دو باگے ہیں۔ اور ادھر تالیاں بج رہی ہیں اور گاتے جاتے ہیں۔ مان کرے نند لال۔ گود کھلائے نند لال۔

خدا ہی خیر کرے۔ حسن آرا اور سپہر آرا کی عزت اور عفت خدا ہی کے

اللہ ہی آخر اس گھر میں اور کوئی (جوان عورت بھی نہیں ہو۔ پھر یہ لڑکا کس کے ہاں ہوا۔

کہیئے حضرات ناظرین !۔ آخر کچھ سمجھے بھی ہر فرد بشر دنگ ہو کہ بھئی یہ تو کچھ اور ہی رنگ ہو۔ بھانڈوں کا آنا اور شادیانے کی دھن میں (مان کرے نند لال) گانا۔ کسی کا گھونگرا بنکے ہنہنانا۔ کسی کا طبلہ مجیرا بجانا مقام استعجاب ہو۔ بھئی آخر یہ اس گھر میں کون ہوئی۔ لڑکا کون جنی ٹھہریے ذرا غور تو کریں ایک بڑی بیگم۔ اُن کا ایک سو ایک برس کا سن۔ مُنھ میں دانت نہ پیٹ میں آنت۔ بیس برس کا عرصہ ہوا کہ شوہر نے گلزار جناں کی راہ لی۔ دوسری حسن آرا بیگم۔ ہی ہی یہ تو کنواری ہو میاں (بچا) بنا کیا۔ تیسری سپہر آرا وہ بھی بشرح صدر۔ پھر۔ ع

ہمہ عالم گواہ عصمت اوست

ابتو انکے گھر بھر میں کوئی باقی ہی نہیں رہا۔ ہاں لونڈیاں باندیاں۔ سو ماما جی ساٹھ سے متجاوز۔ سٹھیا گئیں دو مغلانیاں وہ بھی مسن۔ ایک مغلانی کی چھوکری (پیاری) وہ آٹھ نو برس کی اور ابھی تک بھانڈ برابر وہی گا رہے ہیں کہ۔ ؎

مان کرے نند لال۔ سہاگن بچا مان کرے نند لال	
	دودھو پوت اور ان دھن تجھی کو دکھلائے نند لال
سہاگن بچا مان کرے نند لال	

بڑی بیگم غل مچا رہی ہیں۔ ماما اصیلیں جھلا رہی ہیں مگر حسن آرا اور بکل کھلا رہی ہیں آخی یکیا اسرار ہو۔ ماما اصیل مغلانی۔ مہری۔ لونڈی۔ پٹھانی پیش خدمت سب کا رنگ فق۔ اور بڑی بیگم کا کلیجہ شق۔

بڑی بیگم۔ ارے لوگو یہ ہو کیا (چھاتی پیٹ کر) اسے یہ دق ہلٹ کیا اندھیر ہوا

مغلانی۔ حضور بھانڈ آئے ہیں۔ جانے انسے کس نے کیا کہا ہو۔

بڑی بیگم۔ اچھا حسن آرا اور سپہر آرا کو اسی دم میرے سامنے لاؤ تو تسکین ہو۔

راوی۔ اللہ ری بدگمانی۔

مغلانی۔ چلیے حضور بڑی بیگم صاحبہ نے یاد کیا ہو۔ جلدی قدم اٹھائیے۔

حسن آرا۔ لے یہ ہو کیا۔ گود کھلائے نند لال کیا معنی۔

مغلانی۔ اب لونڈی کیا ارض (عرض) کرے یہ تو تب کہتے ہیں جب لڑکا پیدا ہوتا ہو۔

سپہر آرا۔ (دانتوں کے تلے انگلی دبا کر) ارے ہاں سچ تو ہے گود کھلائے نند لال۔ گود کیسے کھلائے۔ لڑکے کو۔

حسن آرا۔ آخر تم کوئی ان نگوڑے بھانڈوں سے پوچھو تو یہ آئے کسکے ہاں ہیں۔

پیاری۔ (دوڑتی ہوئی آئی) چلیے اٹھیے بیگم صاحب ابھی بلاتی ہیں۔

حسن آرا۔ (سپہر آرا کے کان میں) اس طلبی کے معنی سمجھیں کچھ۔

سپہر آرا۔ خوب سمجھی اُنکا ماتھا ٹھنکا ہوگا کہ کچھ دال میں کالا ضرور ہو۔

اتنے میں دربان نے للکارا۔

دربان۔ چپ رہو۔ چپ رہو۔ ذری خاموش تو رہو۔

بھانڈ۔ واہ رے دربان۔ ذری آگے نہ بڑھنا۔ ورنہ ہمیں لگرال جانا پڑیگا۔

دوسرا بھانڈ۔ واہ خیر اکیس نہ ہو۔ کیا دُم ہلائے بھونکے ہو۔ ایک آدم کی ٹانگ نے اُچک کے۔

دربان۔ اور سنو ہمیں پر پھبتیاں ہونے لگیں۔

مغلانی۔ ارے آخر تم لوگوں سے کس نے کیا کہا۔ یہ بچا کیسی۔ کچھ گھانس تو نہیں کھا گئے ہو۔

بھانڈ۔ آیئے آیئے بڑی بی تو بڑی بی۔ چھوٹی بی سبحان اللہ۔

مغلانی۔ (قریب جا کر) ارے یہ کیا غضب ہو۔

بھانڈ۔ غضب پڑے بڑے کی جان پر۔ اور اُنکھ ادھر ہم سے لڑے

مغلانی۔ اے ڈر موے۔

بھانڈ۔ ؎

رفتم بتماشائے کنار جوئے		دیدم بلب آب زنے ہندوئے
گفتم صنما بہائے موئت چہ بود		فریاد برآورد کہ دُر دُر موئے

ادھر حسن آرا اودی گرنٹ کا پاجامہ اور ململ کا دوپٹہ پہنے چمکتی ہوئی

بڑی بیگم کے پاس گئی اور جاتے ہی گلے ملی۔ دم کے دم میں سپہر آرا بھی خاصی شوخی سے قدم رکھتی آگے بڑھی۔

سپہر آرا۔ امّاں جان کاہے کے لیے یاد کیا ہو فرمائیے۔

بڑی بیگم۔ (پیشانی پر بوسہ دیکر) بیٹھو بابا بیٹھو۔

حسن آرا۔ اے پیاری کی امّاں۔ آخر باہر جاکر ان موئے بھانڈوں کا مُنھ تو جھلسو۔ گھانس کھا گئے ہیں نگوڑے کیا۔

سپہر آرا۔ ہاں ہاں جاؤ ذری۔ خانصاحب سے کہو کہ نکال باہر کریں جا کے۔

ادھر بھانڈ (ریختاں دلبرے سبحان مبارک باخدا) گا رہے ہیں۔ اُدھر گھر میں چھوٹے بڑے چینگی پوٹے سب جلا رہے ہیں۔

آخر کار سپاہی نے بھانڈوں کو سمجھا دیا۔

سپاہی۔ میاں قسم کھاکر کہتے ہیں کہ یہاں لڑکا وڑکا نہیں ہوا۔ تم مانتے ہی نہیں ہوگے تو کوئی اسکو کیا کرے۔

بھانڈ۔ واہ جوان کیوں نہو۔ کڑی مونچھیں اور چڑھی داڑھی لمبے گیسو والا ہو۔

سپاہی۔ (آہستہ سے) بھلا اسکا ہوگا کس کے۔ دو لڑکیاں وہ کنواری ہیں گی ایک بڑی بیگم وہ بوڑھی کھوسٹ اور تو کوئی عورت ہی نہیں۔ تم یہ بک کیا رہے ہو

مغلانی۔ ناحق بن ناحق کو موئے ہماری بیگم صاحب کو کڑواتے ہیں۔

بھانڈ۔ (آپس میں) یہ اچھی دل لگی ہو بھئی پھر اِس مروکنے کہا کیوں تھا جی

مغلانی۔ یہ کانٹے کس کے بوئے ہوئے ہیں۔

بھانڈ۔ اے صاحب بس کچھ نہ پوچھیے۔ بڑا چکما ہوگیا۔

دربان۔ لے اب جیرا دجیرا اُٹھاؤ نہیں تو یہاں ٹھیک کیے جاؤگے

بھانڈ۔ اجو ہو ہو۔ واللہ کیا خیر خواہ آدمی ہیں اور خیر سے کراۓ بھی کتنے ہیں کہ واہ

دوسرا بھانڈ۔ ہاں کرائے کیونٹ ہوں یہ شیخی فلاوے کے آدمی ہیں کہ باتیں۔

الغرض بھانڈ وہاں سے چلدیے بڑی بیگم صاحب نے منّت مانی تھی کہ یہ بلا خیر و عافیت سے ٹل جائے تو گھی کے چراغ جلائیں۔ بارے بخیر گذشت اب گھی کے چراغ مسجدوں میں جلائینگی۔ اور نذر و نیاز دلائینگی کہ

شیشۂ ناموس سنگ بے آبروئی سے محفوظ رہا۔

حسن آرا اور سپہر آرا یوں باتیں کرنے لگیں۔

سپہر آرا۔ یہ سب اُنھیں ذات شریف کی عنایت ہو بس۔

حسن آرا۔ کن کی؟ نہیں۔ توبہ۔ توبہ۔

سپہر آرا۔ آپ چاہے نہ مانیں۔ ہم تو یہی کہیں گے۔ پھر اور ایسا کون ہو۔

حسن آرا۔ بہن وہ شہزادہ ہو صحبت یافتہ ہو۔ یہ اُسکی حرکت نہیں۔ وہ تو اور پردہ پوشی کریں گے۔ یا مطعون۔ بھلا کوئی بات بھی ہو۔

سپہر آرا۔ اچھا پھر یہ بھانڈ کیوں آئے۔ جبتک کسی نے بہکاکر بھیجا نہیں بھلا وہ کیوں آنے لگے تھے۔

حسن آرا۔ ہاں کہتی تو سچ ہو۔ مگر اللہ جانتا ہو۔ چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے ہمایوں فر سے ایسی حرکت نہ ہونے کی نہ ہونے کی۔

سپہر آرا۔ بھلا خط تو لکھو۔

حسن آرا۔ اچھا اونچ نیچ دیکھ لو۔ میری عقل تو اسوقت ٹھکانے نہیں۔

سپہر آرا۔ گو دکھلائے تذلال جب میں یاد کرتی ہوں تو ہنسی آتی ہو۔ کوئی نگوڑوں سے پوچھے کہ گود کون کھلائے۔

حسن آرا۔ قلم دوات کاغذ لاؤ۔ تو ہمیں خط لکھیں چپکے چپکے۔

سپہر آرا۔ پیاری پیاری۔ او پیاری بہری کہیں کی سنتی ہی نہیں۔ ذری قلمدان تو لے آنا۔

پیاری۔ اچھا مٹھائی دیجیے گا۔

سپہر آرا۔ مٹھائی کھا کھاکر۔ کام کرنے سے جی چراتی ہو مگر مٹھائی ٹھائی کرتی جاتی ہو۔ پیاری چھوکری قلمدان لے گئی۔ حسن آرا بتانے لگی اور سپہر آرا نے خط لکھنا شروع کیا۔

حسن آرا کا نامہ شکایت ختامہ

جو ستائے مجھکو کوئی ذرا وہ عذاب میں رہے مبتلا
نہیں سہل کچھ مجھے چھیڑنا اثر سرشک نسیم ہوں

مرے رنج کی نہ کچھ ابتدا نہ مری خوشی کی ہو انتہا
جو چلوں تو نازِ نسیم ہوں جو ہنسوں تو باغِ نعیم ہوں
نہیں اس جہاں پہ نظر مجھے کہ ازل سے ہی خبر مجھے
نہ ہوائے لعل و گہر مجھے نہ میں طالبِ زر و سیم ہوں

ارے ظالم کچھ خوف خدا بھی ہے۔ میاں آخر حشر میں کیا منھ دکھاؤ گے۔ یہ گورکھ دھندا پھیلا رکھا ہے۔ اپنے آپے میں ہو کہ گذر گئے۔ کیوں جی شریفوں کی یہی حرکتیں ہوتی ہیں کہ عاشق النسا بیگم بنکر بھلے مانسوں کی بہو بیٹیوں میں آئے کوٹھے پر تاک جھانک لگائے۔ شرم نہیں آتی بہن بنا گئے ہو اور اب اپنے گھر بلاتے ہو۔ منھ دھو رکھیے۔ تمھاری شہزادگی کا خیال آتا ہے ورنہ خاتون جنت کی قسم جہاں کے ہو وہیں پہونچاتی۔ ایڈی ری بہت چل نہ نکلیے پیٹ سے پاؤں نکالے ہیں۔ میرے دل پر جو تمھاری طرف سے غبار ہے۔ وہ حشر تک نہ جائے گا۔ حشر کے دن خدا کے سامنے نجا نکالونگی بہت منھ نہ چڑھیے ذرا جھینپو۔ کچھ تو شرماؤ۔ میاں یہ مردوں کے ہتھکنڈے نہیں ہیں۔ شریف زادیوں کو دق کرنا کون سی بھلمنسی ہے۔ لے لعنت خدا۔ اگر ایکی آدمی بھیجا تو خدا سمجھے تم سے۔ اور ہم تو ہیرے کی کیل ناک سے نکال کر لیے بیٹھے ہیں۔ ذرا اونچ نیچ ہوئی اور کھا کر سو رہے۔ خون تمھاری گردن پر چڑھا ہے اور تمھارے نامۂ اعمال میں تو نکیرین نے لکھ ہی لیا ہے۔ ؎

حیا سے منھ نہ موڑینگے گلا سر جھکا ہی چاہیے
وفاداری میں ہم آزاد ہے جھکا ہی چاہیے
کبھی ناسنگ ہرگز صفدر نہ جائے گی
بظاہر خاک میں ملکو لگا جھکا ہی چاہیے

اسوقت بدن میں آگ لگی ہے شعلے نکل رہے ہیں۔ خیر اسی میں ہے کہ اب اس حرکت سے باز آؤ ورنہ تم جانوگے مجھے لفاظی اور لسانی تو آتی ہی نہیں گر سچ کہتی ہوں اب اگر ایسی بات ہوئی تو کنوئیں میں پھاند پڑوں گی۔ تم ایسے بیحیاؤں کو خط لکھنا ناگوار ہے مگر کروں کیا مجبور رہوں۔ خیر ہماری عصمت کا اللہ مالک ہے۔ ہماری عفت کا خدا حافظ و ناصر۔ اب تمھارے ظلم سہنے کی تاب نہیں ہے۔ خبردار جتا دیا۔ اگر اچھا نہ مانو تو خیر ایسے رسوا ہو کہ خدائی بھر میں لوگ تم سے نفرت کرنے لگیں اپنے دل میں تم سمجھے کیا ہو میاں یاد رکھو جو یہی ہتھکنڈے رہے تو ایکدن اپنی ہی محلسرا کی طرف سے دیکھ لینا کہ آگے پیچھے ہم دونوں کا تابوت نکلا ہے۔ تم اپنے دل میں سمجھے کیا ہو۔ مگر یاد رکھو ہمارا خدا ہماری پاکدامنی کا گواہ ہے بس تم ناحق سر دھنتے ہو۔ اگر نکاح کا شوق چرایا ہے تو اماں جان کی خدمت میں عرض کرو۔ پیغام بھیجو۔ ہم لڑکیاں کیا جانیں ان باتوں میں بھلا ہم کو دخل کیا ہے۔ بہت اندھیر نہ مچاؤ ان فضول باتوں سے باز آؤ ورنہ تم جانوگے اور تو ہمارا کیا بس ہے۔ زیادہ باتیں بنانا عبث ہے مگر اپنی جان پر تو دسترس ہے یاد رکھیے اگر ایسی ہی چھیڑ چھاڑ رہی تو ہماری جان مفت میں جائے گی۔ ہاں تم پر البتہ آنچ نہ آنے پائے گی۔ اگر آپکے گلا آب دمِ خنجر کا مشتاق ہے تو کسی سفاک بت بے پیر سے دل لگائیے۔ کوسے قاتل میں جائیے ہم گھر گرہست شریف زادیاں ان باتوں سے ہمیں کیا واسطہ دل لینا جانیں نہ دل دینا۔ دل آنا اور دل جانا ان سب کو ہم ڈھکوسلا سمجھتے ہیں اب ادھر کا رخ نہ کیجیے گا۔ تہری کو جھپٹے نہ بھیجدیجیے گا۔

راقم

کانٹوں میں نہ ہو اگر الجھنا تھوڑا سا لکھا بہت سمجھنا

یہ خط ایک معتبر آدمی کو دیکر روانہ کیا۔ میرزا ہمایوں فر خانہ باغ میں گلگشت کر رہے تھے آدمی نے تسلیمات عرض کر کے خط دیا اور چمپت ہوا۔ خط پڑھنے کے قبل فرط طرب سے یہ غزل جھوم جھوم کر پڑھی۔ ؎

وہ بت جلوہ آرا ہوا چاہتا ہے خدا جانے اب کیا ہوا چاہتا ہے

راوی۔ جی بجا ہے۔ ذری خط تو پڑھ لیجیے۔ ؎

وہ اٹھکھیلی کی چال چلنے لگے ہیں کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے

راوی۔ اب انکا جوابی پرچہ پڑھنا بھی موقوف کر دا دیجیے گا۔

بہت تیز ہے آجکل تیر مژگاں کوئی دل نشانہ ہوا چاہتا ہے
وہ رخسار پہ ملنے والے ہیں غازہ یہ قرآں مطلا ہوا چاہتا ہے
مرے قتل کرنیکو آتا ہے قاتل تمام آج قصہ ہوا چاہتا ہے

خط کو کھولا اور پڑھنے لگے۔ اب اس وقت کی کیفیت نہ پوچھیے۔ کبھی خط کو چوم لیا۔ کبھی آنکھوں سے لگایا۔ کبھی خدا کا سجدۂ شکر بجا لائے کسی فقرے نے رُلا دیا کسی نے ہنسا دیا۔ مگر جب کل خط پڑھ چکے تو خوشی بھی ہوئی۔ رنج بھی۔ رنج اس وجہ سے کہ تابوت اور جان دینے کی بُری سنائی۔ دل ہی دل میں کہنے لگے کہ ہائے اُس بت پندار وطرحدار کو کیا معلوم کہ یہ کیسا ناز پروردہ ہو گو دیوانہ ہو گیا مگر اب بھی نازک طبیعت ہوں (کلیجہ تھام کر ایک نعرہ بلند کیا) یہ مکتوب الفت اسلوب بھی اسی امر پر دال ہو کہ لگاوٹ اور وصال کا مجوب مطلوب کو ضرور خیال ہو۔ ؎

بناوٹ کیسے ہیں طور سارے تمھارے — بگڑ جائے گی اب ہمارے تمہارے
حسینو طلاہم کو افغاں سے روشن — کہ پہنچے ہوے ہیں ستارے تمہارے
نہ ہو عشق ایسا نہ ہو حسن ایسا — جہاں میں ہیں شہرے ہمارے تمہارے

غفلت کے پردے ایسے پڑے کہ عقل ہی سے ہم رڑ پڑے۔ دل صید رنج والم ہو۔ محفل عشرت اب مجلس ماتم ہو۔ ؎

داغ الفت لگا دیا کس نے — نقش ہستی مٹا دیا کس نے
گل سے شبنم بنا دیا کس نے — ہنس رہا تھا رُلا دیا کس نے
ایک عالم ہو آج کیوں بیہوش — رُخ سے پردہ اُٹھا دیا کس نے
زلف تیری اگر نہیں سیلئے — مجھکو مجنوں بنا دیا کس نے
دل جو چھالے کی طرح پھوٹ گیا — کس نے چھیڑا دکھا دیا کس نے

حسن آرا کو تو وہ بھی کہ یہ کن ذات شریف نے دل کا بخار نکالا ہو۔ سپہر آرا سوچتی تھیں کہ کوئی بھیجا لیا ہو۔ ادھر محلہ والوں نے دانتوں تلے اُنگلیاں دبائیں اور طرح طرح کی باتیں بنائیں۔ گھر گھر یہی ذکر چھوٹے بڑے سب کو یہی فکر کہ لڑکا کس کے گھر پیدا ہوا۔ حسن آرا اور سپہر آرا پر کون شیدا ہوا۔ بھلے مانس کہتے تھے کہ ان کنواری شریف زادیوں کی عفت خدا بچائے اگلی پاکدامنی پر آنچ نہ آنے پائے شہدے اپنے ڈھائی چاول گلاتے تھے۔ ایک دوسرے کو سمجھاتے تھے۔ افسوس صد افسوس جو تو نے یہ خبر سن تشن کر ہوش

اُڑتے تھے کہ نوج ایسی لڑکی کسی بھلے مانس کی ہو۔ یہ ہو حرمت میں داغ لگایا۔ نیا گل کھلایا۔ مگر تمائیں تمائیں فش۔ وہاں کچھ بھی نہیں۔

جیحون فصاحت دُرِ خوش آب یعنی بابو ابھناش چندر صاحب کا لکچر لاجواب

شہزادۂ بلند اختر حضرت میرزا ہمایوں فر حسب معمول وقت شام لب بام نظارہ قدرت کاملۂ ایزدی فرماتے تھے اور عروسان چمن کا جوبن دیکھ دیکھ کر جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے۔ طیور ذی شعور کا اشجار پر بہار کی شاخوں پر جھولنا اور کلیوں کا چٹ چٹ کرکے پھولنا عجب لطف بہار دکھاتا تھا۔ میرزا ہمایوں فر کا غنچۂ دل ہبوب باد طرب سے کھلا جاتا تھا۔ زمین پر گل خنداں۔ آسمان پر طلوع ماہ تاباں۔ ادھر بھی سماں اُدھر بھی سماں۔ اتنے میں میرزا ہمایوں فر بہادر کی نظر جو سامنے والی مہتابی پر پڑی تو آنکھ ایسی لڑی کہ عقل سے ہاتھ دھو بیٹھا مزرع دل میں تخم غم بویا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ گیند اُچھالے جاتے ہیں۔ سنبھالا کرتے ہیں اور پھر مہتابی کی خبر لاتے ہیں باہو ہو ہو۔ کوئی معشوق کوٹھے پر گیند کھیل رہا ہو جب ہی بیچارہ شہزادہ مصیبت تازہ جھیل رہا ہو کوٹھے کی دیواریں بلند۔ رفعت میں منار مصر سے بھی دہ چند۔ جوش دل سے یہ شعر کئی بار زبان پر آیا۔ اور بہ آواز بلند لہراتے ہوے گایا۔ ؎

گل پھینکے ہیں اوروں کیطرف بلکہ ثمر بھی — اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

ہائے بلبل کے دل سے اس وقت پوچھیے کہ گل کے اُچھالنے سے اسپر کیا گذرتی ہوگی۔ مہتابی پر اگر دو ماہرو اس وقت آئیں تو میرزا ہمایوں فر خوب موقع پائیں اور درد دل اشاروں سے صاف صاف سمجھائیں مگر ممکن کہاں۔ اب تو مہتابی کے دروازے میں موٹا سا قفل دیا ہوا ہے۔ دروازہ میاں خوجی کی آنکھوں کیطرح بند پڑا ہوا ہو۔

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چپراسی دن سے پھاٹک میں موجود اور خود آپ کوٹھے پر۔

چپراسی۔ (ادب کے ساتھ سلام کرکے) حضور صاحب نے یہ چٹھی دی ہی

ہمایوں فر۔ (چٹھی کھولکر) میرزا ہمایوں فر بہادر۔ آج آٹھ بجے پھر لکچر ہوگا۔ بابو ابکناش چندر کرجی ایک بہت عمدہ لکچر دینے والے ہیں۔ چونکہ آپ میرے معزز دوست ہیں اور چونکہ آپ انگریزی میں اچھی لیاقت رکھتے ہیں لہذا میری خواہش ہی کہ آپ ازراہ عنایت آج بشرط فرصت ضرور تشریف لائیں لکچر سننے کے قابل ہوگا۔ میں نے سنا ہی کہ آپنے دیلر گھوڑے کی ایک عمدہ جوڑی دو ہزار دو سو روپیہ کو خریدی ہی کسی روز مجھے دکھائیے گا۔ اگر یہ وہی جوڑی ہی جو کرنل میکفرسن خریدنے والے تھے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ دو سو روپیہ آپنے زیادہ دیے مگر جوڑی عمدہ ہی اور گھوڑیاں جاندار اور ابھی تیز ہیں۔ آپکا دوست۔

جیمس اسٹومین۔

چپراسی۔ غریب پرور۔ میں جاؤں اب ہی حکم۔

ہمایوں فر۔ ہاں جاؤ۔

میرزا ہمایوں فر نے ساڑھے سات بجے کے وقت حکم دیا کہ فٹن تیار کرو اور وہی گھوڑیاں جو تو جو کل خریدی تھیں فٹن فوراً تیار ہوئی اور وہی گھوڑیاں جوتی گئیں۔ چوبدار نے آداب بجا لاکر عرض کیا کہ (حضور فٹن تیار ہی) سات بار سلام کیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ میرزا ہمایوں فر نے کپڑے پہنے اور فٹن پر سوار ہوے تو خدام باادب نے آواز بلند مل کر کہا (بسم اللہ) فٹن چلی دو سائیس فٹن کے پیچھے کھڑے ہیں کپڑے صاف ستھرے پہنے ہوے۔ کوچبین چکتی دمکتی مندیل سر پر رکھے ہی اور چوبدار بھی اسکے قریب بیٹھا ہی گھوڑیاں صرصر تک پہنچے اور کھٹ سے بارہ دری میں داخل دو بابو صاحب آئے اور جھک کر آداب بجا لائے۔ جسوقت میرزا ہمایوں فر بہادر لکچر کے کمرے میں گئے تو سب حاضرین جلسہ نے سروقد تعظیم کی (اسوقت اگر سپہر آرا بیگم انکو دیکھ پاتیں تو پھول موے) کا لفظ انکی شان میں حشر تک زبان پر نہ لاتیں اور بہت بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناتیں۔ صاحب کلکٹر بہادر نے ہاتھ ملایا تپاک کے ساتھ بٹھایا لکچر صاحب تشریف لائے۔ تخت کا ایک چوکا بچھا تھا اور اسپر سفید چاندنی اور اسپر ایک کرسی رکھی تھی اور ایک میز۔ میز پر شیشے کا گلاس اور اسمیں ٹھنڈا پانی اغل بغل دو کرسیاں اور تھیں۔ لمپ بکثرت روشن تھے۔ کمرا جھک جھک کر رہا تھا۔ کوئی سات آٹھ سو ہندوستانی اور حکام جنٹلمین اور لیڈیاں اور طلبہ اسوقت لکچر سننے کے لیے موجود تھے۔ صاحب لکچرار نے کچھ دیر حاضرین جلسہ کو دیکھا اور ذرا سا پانی پی کر یوں فرمایا۔

لیڈیو اور جنٹلمینو۔ آج میں نے آپ سب صاحبوں کو اس غرض سے یہاں قدم رنجہ فرمانے کی زحمت دی ہی۔

کہ آپ سب صاحب میرا لکچر سنیں میں ایک قلیل البضاعت اور ناقص البضاعت آدمی ہوں لیکن جو کچھ میں عرض کرونگا وہ اس لائق ہی کہ آپ اسپر غور و توجہ فرمائیں ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اُن نعمتوں کا جو جناب باری عز اسمہ نے عطا کی ہیں اور اُن بیشمار مہربانیوں کا جو خدائے تعالیٰ نے ہمپر کی ہیں کما حقہ شکریہ ادا نہیں کرتا گو خدا کی نعمتوں کا شکریہ کما حقہ ادا کرنا محالات سے ہی تاہم ہر بنی نوع انسان پر عین فرض اور فرض عین ہی۔ اور سچ پوچھو تو یہی ذریعہ حصول سعادت دارین ہی کہ جو نعمتیں ہم کو خدا نے عطا کی ہیں اُن کے شکریہ میں رطب اللسان ہوں۔ یہ باتیں تو در کنار اکثر آدمیوں کا قاعدہ ہے کہ اُن افعال ناشایستہ اور حرکات ناشایستہ کے مرتکب ہوے ہیں جو ننگ شرافت ہیں اور جنکے نام سے شرافت کو عار ہی۔ وہ باتیں کیا ہیں۔ انکو ہر شخص اپنے دل میں خود سوچ سکتا ہی۔

اکثر آدمیوں کا یہ غلط اور بے سر و پا خیال ہی کہ اگر وہ خدا سے دعا مانگینگے تو اُن کے گناہ چاہے کیسے ہی کبیرہ کیوں نہ ہوں یک قلم معاف کر دیے جائینگے اور نیک آدمیوں کے ساتھ اُنکا حشر ہوگا۔ توبہ توبہ۔ اسی غلطی سے انکو جرأت ہوتی ہی کہ وہ گناہ کرتے جائیں مگر وہ اپنے مذہب کے خاص اصول کو نہیں سمجھتے اور اپنے طرز پر اُسکے معنی پیدا کرکے دل خوش کر لیتے ہیں۔ بعض آدمی۔ ۵

کھکر بدی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ ان باتوں کا جس درجہ زیادہ افسوس کریں کم ہے۔ بعض کا قول ہے کہ اگر خدا سے انسان دعا مانگے تو ممکن نہیں کہ قبول نہ ہو۔ ؎

جو چاہے سو مانگ آتش درگاہ الٰہی سے	محروم کبھی پھرتے دیکھا نہیں سائل کو

یہ سچ مگر۔ ؏۔ ہر سخن جائے و ہر نقطہ مکانے دارد۔

اب سنئے کہ بعض آدمی اس طرح کی دعا مانگتے ہیں جسکے سننے سے انسان کو ہنسی آتی ہے چند مثالیں میں دیتا ہوں سامعین خود ہی سمجھ جائیں گے۔

۱۔ ایک لڑکا جسکا سن کوئی چودہ برس کا تھا ایک مرتبہ مندر میں کھڑا یہ دعا مانگ رہا تھا دہے پرمیشر اگر تجھ میں ست ہے تو کچھ ایسا کر کہ میرے مولوی صاحب کل صبح کو مرجائیں ا ہم نے جب یہ دعا سنی تو بڑی ہنسی آئی لڑکے سے تھوڑی دیر میں پوچھا کہ کیوں میاں صاحبزادے تم مولوی صاحب کے مرنے کی دعا کیوں مانگ رہے تھے پہلے تو بہت ہی جھلائے کہ آپ کون آپ سے واسطہ۔ میں نے دیکھا کہ یوں بتانے کے نہیں۔ میں نے کہا پھر میں جا کر تمھارے مولوی صاحب سے کہدوں۔ تب تو ہاتھ جوڑنے لگا اور کہا کہ بات یہ ہے کہ سکندر نامہ کا سبق مجھکو اچھی طرح یاد نہیں رہتا مولوی صاحب روز قمچیاں مارتے ہیں۔ یہ نادان اپنے دل میں سمجھا تھا کہ خدا اُسکی دعا قبول کرلے گا۔ لاحول ولا قوۃ۔

۲۔ ایک نوجوان آدمی جسکا کوئی پچیس چھبیس برس کا سن ہوگا مسجد میں کوئی گیارہ بجے رات کے وقت دعا مانگ رہا تھا کہ خدایا میری شادی کسی ایسی پری پیکر رشک قمر کے ساتھ ہو جسکی ایک ایک رگ میں خون کے عوض بس شوخی ہی شوخی ہو یا خدا اگر ایسی پریزاد کے ساتھ بیاہ ہو تو میں تیرا بڑا اشکور ہونگا۔

۳۔ ایک عورت دعا مانگ رہی تھی کہ یا خدا فلاں عورت ابھی ابھی پھانسی پائے اور اس بیچاری کا قصور صرف اسقدر تھا کہ اُسکے لڑکے نے اس عورت کے لڑکے کو گالی دی تھی۔

۴۔ ایک تربیت یافتہ آدمی دست بدعا تھے کہ فلاں جہاز جسپر فلاں شخص سوار ہے غرقاب ہو جائے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ اُس جہاز پر ایک سوداگر تھے اُنکے یہ حضرت مقروض تھے کوئی ستر روپیہ انکے ذمے تھے لہٰذا دعا مانگی کہ وہ جہاز ڈوب جائے جسپر وہ شخص سوار ہے لاحول ولا قوۃ ستر روپیہ کی طمع سے ایک جہاز کے جہاز کو غرقاب کر دینا اور صدہا بندگان خدا کی جان جانے کے خواہاں ہونا عجب دعا ہے۔ مرد آدمی اگر روپیہ ہی بچانے کی خواہش تھی تو یہی دعا کیوں نہ مانگی کہ یا خدا مجھے روپیہ دے۔ یا یہی دعا مانگتے کہ وہ قرض خواہ ڈوب جائے۔ تمام جہاز کو کیوں ڈبوئے دیتے ہو۔ آخر اسپر جو سیکڑوں آدمی بیٹھے ہیں اُنھوں نے تمھارا کیا بگاڑا۔ افسوس۔ بہت بڑی شکایت یہ ہے کہ عورتوں کی ہم لوگ کما حقہ عزت نہیں کرتے جو پاس ناموس و ننگ اور خیال عفت و عصمت عورات ہندوستان کو ہے وہ مردوں کو نہیں۔ اگر کوئی شخص اس جلسے میں ایسا ہو جس نے کبھی نظر بد سے عورت کو نہ دیکھا ہو تو وہ کھڑا ہو جائے کیونکہ میں اُس کی عزت کروں گا اور خدا سے دعا مانگوں گا کہ سب بندے ایسے ہی نیک ہو جائیں۔ کیا اس اتنے بڑے جلسے میں جہاں اسوقت ہزار آدمیوں کے قریب ہوں گے ایک بھی ایسا نہیں جو جرأت کے ساتھ اور ایمانداری کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور کہے کہ وہ عورت کو (باستثناء زوجہ) مثل اپنی بہن کے سمجھتا ہے۔ میں چند مثالیں ایسی دیتا ہوں جس سے عورتوں کی نیکی اور پاکدامنی صاف ظاہر ہو جائے گی۔

۱۔ ایک مرتبہ کسی گانوں میں کنوئیں کے پاس میں کھڑا تھا۔ ایک کمسن برہمنی جو حسن و جمال میں اپنی آپ ہی نظیر تھی کنوئیں پر کلسا لیکر آئی بے نقاب گھونگھٹ بھی نہ تھا۔ جھٹپٹا وقت۔ وہ وقت جبکہ ہمارے بنگالے میں دلھن کو دکھاتے ہیں اور جو وقت شفق کے رنگ سے دلھنوں کے چہرۂ زیبا کی رنگت عجب نور دکھاتی ہے وہ کمسن برہمنی کپڑے بھی گانوں کی اور عورتوں سے زرق برق زیب تن کیے ہوئے تھی اور زیور سے بھی آراستہ تھی ایک مرد مسافر

جو شکل و صورت سے شریف زادہ معلوم ہوتا تھا اُسکے پیچھے چلا اور اُس نیکبخت سے اس مزدور نے کہا (ہم جی تک پانی پلائے جاؤ) وہ نیکبخت کچھ نہ بولی۔ تھوڑی دیر میں کلسا کنوئیں پر رکھ کر اپنے گھر گئی اور وہاں سے ایک بڑا سا کلھڑ لائی اور اُس کلھڑ میں پانی اُنڈیل کر اُس مزدور کے پاس لے گئی اور دیا۔ حضرت نے پانی پیا مگر پیتے پیتے اُس کی صورت پر کنکھیوں سے نظر ڈالتے گئے اور بڑی دیر میں پانی پی چکے وہ بیچاری تاڑ گئی کہ یہ بد آدمی ہی اُسوقت چہرے سے جو ملال اور رنج اور غم و غصہ ظاہر ہوتا تھا اُس کا بیان کرنا محال ہی۔ ہم کو اُس نیکبخت بہن سے ایک قسم کی محبت ہو گئی اور ہمنے دعا مانگی کہ خداوندا ہر ایک عورت کو ایسی ہی حمیت اور توفیق نیک عطا کر اور ذکور کو نور عقل دے تاکہ وہ نیکبخت عورتوں کو اپنی بہن سمجھیں۔ انسان کو ہر روز ایسی ایسی کاہشیں رہتی ہیں کہ وہ اپنے حالات پر کامل غور نہیں کرتا حالانکہ اگر وہ کامل غور کرے تو وہ کاہشیں بھی کسی قدر رفع ہو جائیں اور یہی خوشی صورت دکھائے سب سے زیادہ خدشہ انسان کے نفس کو اغوائے شیطان کیے رہتا ہی کہ وہ اچھی اچھی صورتیں دیکھ کر از خود رفتہ اور دیوانہ بنجاتا ہی اور اسی دیوانگی اور از خود رفتگی کی حالت میں نفس مطمئنہ خیرباد کہکر سدھارتا ہی اور نفس لوامہ کا کہنا دل نہیں مانتا ہی نفس امارہ غالب آجاتا ہی۔ انسان کو مرکز دائرۂ گناہ کبیرہ بناتا ہی حسن کو بھی عجب تاثیر بخشی گئی ہی۔ جادو ہی تو یہ ہی اور سحر ہی تو یہ ہی اور ٹونا ہی تو یہ ہی اور چھلاوا ہی تو یہ ہی حسین پر نظر پڑی اور نیت ڈانواں ڈول ہو گئی طبیعت نے معصیت میں راہ پائی نفوس قدسیہ ہدایت کی دل میں فسق و فجور کی دھن سمائی۔ حسن عجب بلائے بیدرماں ہی اسکے ہزاروں ہندوں کو مسلمان اور مسلمانوں کو کرشان اور کرشان کو کافر اور زاہدوں کو بے ایمان بنایا سلطان بدنام ہوئے۔ بہتیرے بدنام ہوئے۔ تاجداروں نے تخت و تاج سے ہاتھ دھویا۔ فرمان روایان سمو المکان نے حکمرانی اور خسروی کو کھویا اگر ذرا سوچیے تو معلوم ہو جائے کہ یہ حسن خدا کا عطیۂ عظمیٰ اور موہبت کبریٰ ہی حسن اس لائق ہی کہ اسکے ذریعہ سے انسان کے دل پر جناب باری عز اسمہ کی قدرت کاملہ اور صنعت بالغہ کا نقش منقوش اور اسکی عظمت اور خدائی کا عکس مرتسم ہو لیکن نفس امارہ سے خدا سمجھے کہ اسکو ذریعۂ ادبار بنا دیا یوں تو خوشنما پھول دیکھکر انسان گھنٹوں عش عش کرتا ہی۔ اور پیارے پیارے گل بوٹے پیڑوں وجد میں لاتے ہیں خوبصورت اور خوش اندام گھوڑا بھلا معلوم ہوتا ہی فرحبخش عمارات لبھاتی ہیں حتیٰ کہ اگر اینٹیں تک قرینے سے ایک مقام پر چنی ہوں تو آنکھیں ایک قسم کا نور پاتی ہیں لیکن حسین عورت بس قیامت ہی مگر کن کے لیے اُنھیں کے لیے جو نفس امارہ کے ہاتھ بک گئے ہیں ورنہ خداترس اور خداشناس آدمی ایسی باتوں سے منزلوں دور ہیں اور ہر شے پر نیکی اور پاکی کے ساتھ نظر ڈالتے ہیں۔ ممکن کیا کہ ذرا لغزش ہو جائے یا طبیعت میں بدی کا خیال آئے کیا مجال۔

ایک مرتبہ آدھی رات کے وقت ایک شخص لب دریا چلا جاتا تھا ہوا اُسوقت اس سناٹے کی چل رہی تھی کہ کلیجہ تک ٹھٹھرا جاتا تھا یخ برستی تھی۔ پاؤں دقت سے اُٹھتے تھے۔ دانت مارے سردی کے بج رہے تھے اور وہ آدمی صرف ایک سفید کوٹ پتلون پہنے ہوئے برہنہ سر تنہا جا رہا تھا۔ اول تو یوں ہی انگلستان میں سردی کی شدت ہی اُسپر طرہ یہ ہوا کہ عین موسم زمستان اور ہوا کی تندی اور تیزی انتہا کا ستم ڈھاتی تھی یہ تیر کے پرچے کاٹتی۔ اور ان سب باتوں سے بڑھ کر مصیبت تازہ یہ ہوئی کہ دریا کا کنارہ اور کمل نہ لوئی نہ کوٹ نہ شال۔ یا الٰہی اسوقت بیان کرنے سے روح کانپتی ہی۔ اور سامعین با تمکین بھی اُس شخص کی حالت پر افسوس کرتے ہونگے۔ قہر درویش بر جان درویش۔ بیچارہ اسی کیفیت خوفناک سے چلا جاتا تھا لیکن سمجھ گیا تھا کہ اب زندہ نہ بچوں گا چہرے پر مردنی چھائی تھی بدن سب رو نگٹے کھڑے تھے چلتے چلتے جب بستی میں پہونچا تو ایک مکان کے شیشوں سے روشنی نمودار ہوئی

لیمپ بکمرے میں روشن تھا اس مصیبت زدہ ستم رسیدہ نے پکارا کہ میں اب مرتا ہوں اگر کوئی رحم دل مجھکو بچائے تو بجان منت۔ ورنہ دروازے پر ہی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اور ٹھٹھر ٹھٹھر کر جان دونگا اور دم توڑ دونگا اور زندگی سے اسی دم منھ موڑوں گا۔ اسوقت اس مصیبت زدہ کو اتنی طاقت نہ تھی کہ آواز بلند سے بولے۔ مگر اس لذرح فرسا نے رنگ اثر دکھایا اور ایک کھڑکی کھلی۔ کھڑکی کھلنے کی آواز نے اسکے ساتھ وہ کیا جو بوئے پیرہن یوسف نے حضرت یعقوبؑ کے ساتھ کیا تھا۔ یا جو صحت مریض جان بلب کے ساتھ کرتی ہے۔ نظر اٹھا کر اس نے اوپر دیکھا آواز آئی کہ لے مرد تو کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ کہاں سے آتا ہے اور کہاں جاتا ہے درد دل گیا ہے۔ ع۔ وہ ماں ہے کہ درد لا دوا ہے ؎ اُسوقت اُنکی جان میں جان آئی اور اس نے جی کڑا کرکے کسی قدر بلند آواز سے کہا کہ دم نزع ہے۔ بس اب مرتا ہوں پھر اوپر سے کوئی آواز نہ آئی۔ اور یہ تھوڑی دیر دروازہ پر کھڑا رہکر آگے بڑھا۔ اس مکان میں ایک عورت رہتی تھی اُس نے یہ سمجھ کر کہ اسوقت مجھے نیچے جانا پڑیگا کھڑکی بند کردی اور سوچی کہ مرجائے گا تو میری گرہ سے کیا جائیگا یہ کہہ کر وہ سو رہی۔ یہ بیچارہ مصیبت کا مارا دو قدم آگے بڑھا تو گر پڑا اور ایک دفعہ ہی نعرۂ افسوسناک اس نے بلند کیا اور زمین پر لوٹ گیا۔ ہائے کی جگر دوز آواز سُنکر ایک دروازہ کسی نے کھولا اور اُس کے قریب آن کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کوئی شرابی ہے بہت پی گیا اور یہاں آکر بھٹ سے گر پڑا پھر معلوم ہوا کہ مرگیا۔ مگر بغور دیکھا تو سانس چل رہی تھی آہستہ سے کان کے قریب جاکر دریافت کیا کہ کیا حال ہے۔ اس بیچارے نے آنکھیں ذرا کھولدیں اور پھر بند کرلیں دروازہ جس نے کھولا وہ ایک لیڈی تھی کوئی اُنیس برس کا سن۔ اُسی روز اُس نیک بی بی کی شادی ہوئی تھی اور وہ شب شب عروسی تھی۔ وہ ہم کی صدا اور ہائے کی جگر دوز ندا سُنکر وہ بیقرار ہوگئی اور رگ حمیت ایسی جوش زن ہوئی کہ اوپر سے اُتر آئی اور اس مرد کو اٹھوا کر لے گئی اور ایک کمرے میں اسکو نہایت بیش بہا پلنگ پر لٹا دیا اور گرم کپڑے اُڑھا دیئے مگر اُس کے شوہر کو اسکی حالت درد انگیز پر رحم نہ آیا اور اپنی بیوی کو سمجھایا کہ بعد مدت دلی آرزو بر آئی ہے اور تم کو اسکے علاج کی دھن سمائی ہے بارہ بج گئے ہیں۔ خدمت گار کمرے کو دلھن کی طرح سج گئے ہیں۔ ہزاروں تمناؤں کا خون ہوگا۔ مگر اُس نیک بیوی نے اپنے شوہر کیطرف ایسی تیکھی چتون سے دیکھا کہ اُس کا شوہر کمرے میں چلا گیا۔ جب اس مرد مصیبت زدہ کے ہاتھ پاؤں گرمائے تو ہوش آیا۔ اُس نیک بیوی نے پوچھا کہ تم کون ہو اور یہ کیا ہوا تھا۔ اُس نے کہا کہ میری بیوی کے آج اسوقت لڑکی پیدا ہوئی ہے لیکن پیدا ہونے کے وقت سے بیوی کی طبیعت از بس ناساز ہے۔ میں مارے بدحواسی کے اپنے ایک دوست ڈاکٹر کو بلانے جاتا تھا اور اسی طرح گرمی کے کپڑے پہنے ہوئے لب دریا آتا تھا سردی نے مجھے ایسا دبوچا کہ کچھ بس نہ رہا تم نے مجھ پر اس وقت بڑا احسان کیا کہ جان بچائی اس کے بعد اس نیک بی بی نے ایک گلاس برانڈی کا پلایا تب حضرت ذرا اور بھی گرمائے۔ اب سنیئے کہ اس بدبخت بدنصیب بدوضع مردود نے کیا لغو حرکت کی۔ جب خوب گرمائے تو اُس نیک بی بی پر نظر بد ڈالی۔ وہ سرہانے کرسی پر بیٹھی تھی۔ اوّل تو وہ ایسی مہ پارہ پری چہرہ تھی کہ شاید شہر میں ویسی خوب رو قوس ابرو دو ہی چار ہوں گی۔ دوسرے شباب پھٹا پڑتا تھا۔ تیسرے شب عروسی۔ وہ جوبن کہ انسان پرستش کرنے لگے۔ وہ نور کہ واہ جی واہ۔ از سرتاپا زرق برق عالم نور از پا تا فرق اگر ایک نظر غلط انداز سے دیکھے تو ہزاروں کا خون ہوجائے زلف چلیپا کالی ناگن کیطرح لہرا رہی تھی۔ غازہ اور گلگونہ نے اس خدادادی جمال رخسار زیبا کی آگ کو اور بھی بھڑکا دیا تھا اور عطر عنبر کی مہک نے دماغ کو طبلۂ عطار بنا دیا تھا حضرت نے اس ترک نادیدہ کرہ وکش شمس و قمر کو سرہانے پایا تو یوں فرمایا کہ اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو ایک کونے میں دبکہ بیٹھئے ؎ ع۔ شوخ ہا افزاید از پہلوے تو ۔ لے لعنت خدا علی کی سرکار

شیطان کی پھٹکار۔ خدا کی مار۔ ہات تیرے احسان فراموش مردک کی ایسی تیسی خدا نہ بخشے۔ لاحول ولا قوۃ۔ وہ وقت بھول گیا جبکہ ہاتھ پاؤں کا ہلانا تک مشکل تھا۔ بات تک لب پر نہیں آسکتی تھی چلنا دوبھر تھا سردی سے روح پر صدمہ تھا۔ کلیجہ لرزا جاتا تھا۔ ع وہ آپ اپنی قضا کا نوحہ خوان تھا۔ اس نیک بی بی نے اسقدر احسان کیا کہ اسکی حقیقی ماں اور سگی بہن تک اسقدر احسان نہ کرتی۔ وہ نیک بی بی اسوقت سرہانے سے ہٹ گئی اور حضرت نے اُٹھ کر کہا کہ اب میں رخصت ہوتا ہوں؟ گھر کی ایک خادمہ نے کہا کہ ہاں جائیے مگر وہ بانات اوڑھتے جائیے حضرت نے بانات کو بغل میں دبایا اور چلتے وقت خادمہ سے پوچھا کہ اس مکان کا نمبر کیا ہے اور محلہ یا شہر حضرات سامعین مقام غور ہے کہ نفس امارہ کیسی بری چیز ہے اور نفس مطمئنہ کس درجہ ہردلعزیز ہے۔ نفس مطمئنہ نے اس مرد کی جان بچائی اور نفس امارہ نے اُس بدبخت کو یہ پٹی پڑھائی شب عروسی اور سردی کے دن اور اسقدر رحم کرنا اسی نیک بی بی کا کام تھا۔ اور احسان کا یہ بدلا دینا اس بدبخت مرد ہی کا حصہ تھا۔ مجھے شک کی جگہ کلی یقین ہے اور یہی ایمان و دین ہے کہ حضرات سامعین بلند مکان اور حاضرین ذیشان اسوقت اس بدباطن بدوضع بدکردار بدمعاش بدبخت آدمی سے ناراض ہونگے اگر وہ بالغرض محال سامنے آئے تو بے اختیار یہی جی چاہے کہ چورنگ کیجیے اور ایسی سزا دیجیے کہ عمر بھر یاد ہی تو کرے لیکن اس سے ہمکو یہ نتیجہ مستخرج کرنا چاہیے کہ جب ہم اوروں کی ایسی غلطیوں اور حماقتوں اور برائیوں کو سُن سُن کر اسقدر ملول و مغموم ہوتے ہیں اور غیظ و غضب کا بحر ناپیدا کنار جوش زن ہو جاتا ہے پھر اگر ہمارے افعال بھی ایسے ہوے تو اور لوگ ہمکو کیا کہینگے۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ جسوقت کسی نوجوان نوخیز نوعمر کے انتقال پُرملال کی وحشت اثر خبر سنتا ہے تو کمال افسوس کرتا ہے اور کوئی پندرہ بیس منٹ تک دنیا کی بے ثباتی کا خیال کرکے سوچتا ہے کہ آج سے عناد اور فساد اور لڑائی جھگڑا تعصب بددیانتی بے ایمانی

سب کو طلاق دینگے۔ سلامت روی کی چال چلیں گے لیکن دو گھڑی کے بعد پھر وہی جوتی پیزار وہی گلخپ وہی تکرار۔ وہی بُرے بُرے خیال کسی سے رنج کسی سے ذرا سی بات پر ملال۔ اور کسی کو میں کیا کہوں خود اپنا ہی حال معرض بیان میں لاتا ہوں اور اپنی بیتی سناتا ہوں ایک دن میں کلکتہ میں جارہا تھا جب چورنگی اسٹریٹ میں پہونچا تو دیکھا کہ ٹکٹکی پر ایک لاش آرہی ہے۔ صدہا آدمی ساتھ ساتھ ماتم کرتے جاتے ہیں۔ روتے ہیں اور اُس مرحوم کا نام لے لے کر چلاتے ہیں رام رام ست ہے ست بولو گت ہے۔ ہر کا نام ست ہے۔ ست بولو گت ہے۔ دو تین پنڈتوں نے لہرا لہرا کہ دشن تیوں پر دھا شوا شوا شمبھو شری مہادیو شمبھو) اس آواز اور رام رام کی ست کی صدا نے مجھے افسردہ و پژمردہ کر دیا۔ اور ایک ہیبت سی میرے چہرے پر چھا گئی۔ اور جب میں نے سُنا کہ ایک پیر مرد کا لڑکا جسکی عمر صرف اٹھارہ برس کی تھی اور جسکی شادی کو ابھی دو ہی مہینے ہوئے تھے جسکی بیوی ابھی پوری بارہ برس کی بھی نہیں جسکی قوم میں بیوہ کا نکاح ناجائز ہے اور جو اپنے والدین کا ایک ہی لڑکا تھا جسکی ماں پچپن برس کی ہے اور ساٹھ برس کا باپ جو انٹرنس کے امتحان میں اوّل آیا تھا جس نے فرسٹ آرٹس کے امتحان میں تمغہ پایا تھا اس ٹکٹکی پر مرگھٹے جارہا ہے اور تھوڑی دیر میں اُس کا جسم آگ کے شعلے میں جلتا ہوگا اور اُسکی ہڈیاں مچھلی اور نہنگ کی غذا ہونگی۔ اُسکی بیوی تمام عمر رنڈاپے میں بسر کریگی۔ باپ نیمجان اور زندہ درگور ہو جائیگا۔ ماں کی قوت باصرہ جواب دے گی بشسرا جیتے جی مرمٹے گا۔ اور ساس اپنی پیاری بہو کو بیوہ دیکھ کر سر کھینڈے گی اور اسکے تمام خاندان کا عیش رنج و غم سے مبدل ہوگا تو دل بھر آیا اور میں کئی قدم تک جنازے کے ساتھ گیا۔ اسوقت دل کا عجب حال تھا۔ لیکن کوئی پچاس قدم چلا گیا ہونگا کہ ایک ایرانی سامنے سے چلا آتا تھا اُسکی لکڑی جھٹک رہ گئی تھی۔ یا تھا ہاتھ سے چھوٹ کر میرے سر پر پڑی اور میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ تڑ سے

گالی دے بیٹھا۔ افسوس۔

حضرات سامعین دیکھیے کہاں وہ رنج و غم تھا کہاں یہ فعل ناشائستہ مجھ سے سرزد ہوا۔ عین حالت خیال بے ثباتی دنیا سے دل میں میں نے وہ حرکت کی جو ایک بچّے سے بھی نہ ہوتی۔ میں خوب جانتا تھا کہ مجھ سے اور اُس ایرانی سے دشمنی نہیں۔ وہ مجھ کو جانتا تھا نہ میں اُسکو مگر بالنہمہ میں ایسے فعل ناشائستہ کے قریب ہوا اور یہ بھی میں خوب جانتا تھا کہ اُس نے عمداً اور قصداً اور ارادۃً دیدہ و دانستہ ایسا نہیں کیا۔ اتّفاق سے لکڑی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور سر پر پڑی۔ علاوہ بریں کچھ ایسی چوٹ بھی نہیں لگی تھی کہ مر ہی جاتا۔ افسوس ہے کہ ایک ہی منٹ میں میں وہ سب باتیں بھول گیا اور بلا وجہ ایک شریف کو گالی دے بیٹھا۔ وہ ایرانی خوب سمجھا کہ میں نے اُس کو گالی دی مگر خاموش رہا۔ ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است	از ہزاراں کعبہ یکدل بہتر است

وہ انسان کیا جو کسی کو دُکھ پہونچائے۔ وہ آدمی کیا جو بنی نوع انسان کو اپنا بھائی نہ سمجھے۔ مگر آدمی سب ہیں اور پھر بھی آدمی شاذ ہی نظر آتے ہیں۔ ع نیست جز انساں دریں عالم کہ بسیارست و نیست ؛ یہ دنیا آدمی کی کھلن ہے گر آدمی عنقا بھر آدمی کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے۔ کھوٹے خس و خاشاک سے زیادہ ہیں۔ میں اپنے معزز سامعین سے اور کچھ نہیں چاہتا اگر چاہتا ہوں تو صرف اسقدر کہ جو کچھ میں نے مزخرف لکچر میں کہا ہے آپ اسپر غور کریں بہت ضروری بات جس سے ہمکو بچنا لازم ہے یہ ہے کہ حسین کو دیکھ کر ایسے پھسل نہ جائیں کہ دین و دنیا دونوں سے جائیں۔ ع۔ نہ خدا ہی ملے نہ وصال صنم نہ اِدھر کے رہیں نہ اُدھر کے رہیں ؛ خصوصاً حسین اور کمسن عورت خوب یاد رکھنا چاہیے کہ مردمی اور مردمی اسمیں نہیں ہے کہ بدوضعی کو جوہر سمجھے مگر مردمی اس میں ہے کہ نفس امّارہ کو مغلوب کرے۔ بہت سے شاہزادے رئیس زادے امیر زادے آجکل بس اسی چکر میں پڑے ہیں کہ بدوضعی کو اعلیٰ درجہ تک برتیں۔ جدھر نکل جائیں لوگ انگلیاں اُٹھائیں کہ وہ جاتے ہیں۔ ؎

تاکہ مشہور ہوں ہزاروں میں	ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں

ہائے افسوس اگر وہ اس قدر سمجھیں کہ اُن کے دل کی تو دلی خواہش اس امر کے حاصل کرنے کی ہے جو ننگ شرافت اور خلاف وضع اہل آبرو ہے تو غالباً اپنے اس خیال فاسد پر کف افسوس ملیں۔ مگر اُنکی عقل کی آنکھوں پر شیطان نے پٹی باندھ کر ایسی پٹی پڑھا دی ہے کہ خدا کی پناہ ہاں اس معزز طبقے میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو منہیات و معصیات سے اجتناب کامل اور پرہیز کلی کرتے ہیں۔ اور جو بہت پھونک پھونک کر قدم دھرتے ہیں جنکے دل میں کبھی بدی نہیں آتی جن کے مزاج میں گنہگاری بار نہیں پاتی۔ ایسے شریف زادوں کے نقش قدم پر چلنا ضرور ہے جن کے دل سے بدوضعی اور اوباشی منزلوں دور ہے لیکن کچھ ایسی ہوا بندھی ہے کہ حیا پروری کا چراغ ہی گل ہو گیا۔ اور پاس نام و ننگ کا تل ہو گیا۔ اب اکثر رئیسوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان باتوں کو فخریہ بیان کرتے ہیں اور جب کبھی اُن سے کہا کہ حضرت اس کوچے کی راہیں تو کچھ آپ ہی کو خوب معلوم ہیں تو کھل جاتے ہیں۔ اور اکڑ کر فرماتے ہیں کہ میاں تمام عمر کیا کیا کیے آخر اب بھی کوئی ہم سے گوئے سبقت لیجائے تو حیرت ہو یا نہ ہو۔ مصاحب بولے کہ حضور آپ نقاد ہیں خوشامد کہنے والے تو اسے کہ اُٹھے کہ خداوند آپ کی کیا کچھ منحصر ہیں تیمور بخشا ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے پیر و مرشد خدا گواہ ہے کہ بس آپ ہی آپ ہیں اور اصل میں اگر دیکھیے تو آپ کیا اور آپکے باپ کیا تمام عمر بھر اسکے کچھ کیا ہی نہیں کہ طبلے پر تھاپ ہوا اور گلچھڑے اُڑا رہے ہیں۔ لاحول ولا کسی کار خیر میں شریک نہ ہوئے۔ نیکی کا کوئی کام کیا ہی نہیں آجتک ہزار پائے تو دس ہزار اُڑائے ٹکا پاس نہیں۔ اُن حضرات کی حالت بیشک قابل افسوس ہے جو بجز ان باتوں کے اور کسی امر کو اچھا سمجھتے ہی نہیں۔

اب میری دلی خواہش ہے کہ آپ صاحبوں سے جن احباب کا جی

چاہیے ان امور کی نسبت اپنی رائے اور اپنے خیالات ظاہر کریں۔

لکچر ختم ہو گیا اور حاضرین جلسہ نے اس زور سے تالیاں بجائیں کہ تمام عمارت گونجنے لگی اس کے بعد صاحب لکچرر اپنی کرسی پر بیٹھے مگر کسی شخص کو اسقدر جرأت نہوئی کہ استادہ ہو کر کچھ کہے۔ انھوں نے پھر کہا کہ اگر کسی صاحب کا جی چاہے تو کچھ فرمائیں۔ میں بڑی مسرت سے سنوں گا اور خوش ہونگا۔ ایک صاحب استادہ ہوے اور ادھر اُدھر دیکھ کر یوں فرمایا۔ میں نے اس لکچر کو جسکا ایک ایک حرف قابل داد اور ایک ایک لفظ لائق صاد ہے دل کے کانوں سے سُنا اور اسکے ایک ایک فقرے سے مجھے اتفاق ہے حسن کی نسبت جو کچھ عالم و فاضل لکچرر نے فرمایا سب صحیح بلکہ اصح ہے۔ حسن واقع میں خدا کی دین ہے۔ حسین آدمی کو جناب باری عزّ اسمہ کا تہ دل سے ممنون و مشکور ہونا چاہیے کہ وہ جوہر عطا کیے اور وہ صورت زیبا دی کہ بنی نوع انسان گھنٹوں حیرت کے ساتھ گھورا کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اسکے حسین مرد ہوں یا عورت۔ یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ اگر حسن ظاہری کے ساتھ اگر حسن باطنی نہیں تو وہ کوڑی کا۔ اُس حسین سے جسکے دل میں بدی ہے وہ کریہ منظر اچھا جو سلک خیر و نیکی کا سالک ہے۔ دیکھو نیم کیسی کڑوی چیز ہے۔ لیکن صد عوارض کا اس سے علاج ہوتا ہے (روز شراب) کیسی شیریں ہے لیکن ایک قطرہ اگر برہمن یا چھتری یا مسلمان پی لے تو اُسکے ہم قوم اُسکو ذات سے خارج کر دیں۔ بہت سے پھول دنیا میں ایسے ہیں جو دیکھنے میں نہایت خوشنما ہیں لیکن بدباس جیسے کسی مرض کی دوا نہیں برعکس اسکے بہت سے پھول ایسے بھی ہیں جو دیکھنے میں خوشنما نہیں مگر امراض کے لیے انکا استعمال اکسیر کی خاصیت رکھتا ہے اور جو کوئی پھول رنگیں اور خوشنما بھی ہو اور ساتھ ہی اسکے اطبا کے نسخوں میں بھی اس نے جگہ پائی ہو اور بوباس سے بھی دماغ کو ترنگ تاتار بنا رہا ہو تو صل و جل پھر کیا پوچھنا ہے۔ الغرض حسین آدمی کو خدا کا ممنون ہو کر صورت زیبا کے ساتھ سیرت بھی ملائکہ نورانی کی سی بہم پہونچانا چاہیے ورنہ ہیچ۔

جلسہ برخاست ہوا۔ اور دو چار صاحبوں نے حضرت میرزا ہمایوں فر بہادر اور صاحب لکچرر سے ملاقات کرائی۔ تھوڑی دیر تپاک کے ساتھ باتیں ہوئیں اور رخصت۔ میرزا ہمایوں فر فٹن پر سوار ہوئے اور کوچبین نے گھوڑیوں کو کڑکڑایا تو ہوا سے باتیں کرنے لگیں ایک مقام پر گھوڑیاں ذرا بھڑکیں اور الٹی سڑک پر فٹن کو گرا نے گئیں۔ قریب تھا کہ میرزا ہمایوں فر کوچبین کو گالیاں دیں کہ ویسے ہی انکو لکچر کی باتیں یاد آئیں اور خاموش ہو رہے۔

اس لکچر نے میرزا ہمایوں فر بہادر کے دل پر اثر کیا۔ لکچر کے مطالب انکے فی الذہن تھے۔ راہ بھر وہی باتیں سوچتے آتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ کل باتیں ہمارے حسب حال ہیں مگر پھر دل کو سمجھاتے تھے کہ ہم نے تو کوئی فعل ایسا نہیں کیا جس سے ہماری وضعداری یا شہزادگی یا امارت یا شرافت میں بٹا لگے اُسی وقت اُنکو یاد آیا کہ عاشق النسا بیگم بنکر حسن آرا اور سپہر آرا کو گلے لگایا اور اُن شریف زادیوں کو بلانے کا پیغام بھیجا۔ جل دیکر اپنے بس میں لانے کی فکر کی پس مارے خفت کے انکی پیشانی پر پسینہ آ گیا اور اس درجہ رنج ہوا کہ بیان سے باہر سوچے کہ ہم نے بہت ہی برا کیا۔ اب نامہ و پیغام کو دور ہی سے سلام ہے۔

ہر کہ از تقصیر خود شد منفعل	آب رحمت از جبین خویش یافت

اغلب ہے کہ اب راہ راست پر آئیں۔ اب لب بام بُری نیت سے نجائیں۔ اب ادھر اُدھر آنکھیں نہ لڑائیں اور آہ جگر دوز لب پر نہ لائیں نامہ و پیغام بھیجنے کا خیال دل سے بھلائیں۔

خواب

اے خوشا آں صبح کہ عاشق ز سکر خواب وصال	دست در گردن معشوق چالاکی برخاست

کنج باغ ہو۔ بلکہ راغ ہو۔ ادھر لمپ اور جھاڑ اور کنول کا نور ہو۔ ادھر صنم غیرت حور ہو۔ عشرت بار در و دیوار ہو۔ گلزار سراپا بہار ہو اور عاشق زار ہو اور معشوق دلکش فرخار ہو ایک سمت بادۂ گلگوں کیمیائے قدح روح کی گلابیاں۔ دوسری جانب جام مروق اور گزک کی پیالیاں۔ غم ہو نہ فکر ہو محبت و گرمجوشی کا ذکر ہو۔ معشوق بھی ہو تو آگ بھبھوکا۔ رقیب روسیہ کو سگے لوکا۔ پرند تک پر نہ مارنے پائے۔ ہوا تک بار نہ پائے۔ سبحان اللہ

سبحان اللہ۔ معشوق فرطِ طرب سے یہ شعر زبان پر لائے۔ ؎

آں شب قدرے کہ گویند اہل خلوت امشب ست	یا رب ایں تاثیر دولت از کدامی کوکب ست

اور عاشق پاکباز کی روح حافظ شیراز کی اس بیت سے وجد میں آئے ؎

تشنہ چاہِ زنخداں توام کز ہر طرف	صد ہزاراں گردن جاں زیر طوق غبغب ست
آنکہ ناوک بر دلم از زیر چشمی می زند	قوت جاں عاشقش در خندۂ زیر لب ست

یہ سب ہوا اور عاشق کو معشوق کی تلاش ہو تو سینہ پاش پاش ہو۔ گلزار خار نظر آئے۔ باغ کو وحشت زا کی صورت دکھائے اور عاشق زار کی زبان پر یہ کلام آئے۔ ؎

چمن کبھی ہو بہار روح افزا کبھی ہو گی بھی	کبھی وہ بھی آ جائیں جنھیں ہم یاد کرتے ہیں

اب سنئے کہ مجسم ناز سراپا انداز پیاری حسن آرا بیگم اور ان کے پیارے جوان طناز میاں آزاد وام بالاعزاز ایک فرح بخش کوٹھی میں متمکن ہیں چھت گیری گلابی جھالر آئی۔ قالینچوں اور سفید چاندنی کا وہ مکلف فرش کہ صفائی اسکی قسم کھائے اور چاندنی اس پر سے صدقے ہو جائے۔ صدر میں ایک مسند بچھا ہی سرخ جیسے بیر بہوٹی ادھر ادھر کارچوبی کام اور بیچ میں سورج مکھی کا ایک پھول بنا ہو۔ تکیہ جواہر نگار نور بار جھاڑ اور کنول روشن یہ کمرا ہی یا دلھن۔ تشتریوں میں بیلے کے ہار۔ بو باس میں رشک ختن غیرت تاتار۔ کھلائے معنبر انبار۔ عطر عنبر اور مشک اذفر کی خوشبو آتی ہو اور یہ بوے روح افزا سونگھ کر قوت شامہ اتراتی ہو۔ آزاد دائیں اور حسن آرا بیگم بائیں اغل بغل مسند لگائے بیٹھے ہیں حسن آرا کی زلف پریشان مگر چہرہ خنداں۔ آزاد مست و غزلخواں حسن آرا کی آنکھوں سے مسرت اور بہجت برستی ہو۔ جدائی اور مفارقت کمرے کے باہر کھڑی ترستی ہو۔ حسن آرا نے میاں آزاد فرخ نژاد سے پوچھا کہ اب کیا چاہتے ہو بتاؤ جو حکم دیں بجا لاؤ بعد مدت کے دل کی آرزو بر آئی اور خدا نے وصال کی گھڑی دکھائی۔ آزاد نے دست بستہ عرض کیا۔ ؎

دل سراپردۂ محبت اوست	دیدۂ آئینہ دار طلعت اوست
منکہ سر در نیاورم بدو کون	گردنم زیر بار منت اوست
دور مجنوں گذشت و نوبت ماست	ہر کسے پنج روز نوبت اوست
من کہ باشم دراں حرم کہ صبا	پردہ دار حریم حرمت اوست
گر من آلودہ دامنم چہ عجب	ہمہ عالم گواہ عصمت اوست
ہر گل نو کہ شد چمن آرائے	اثر رنگ و بوے صحبت اوست

اتنے میں اس زناٹے کی ہوا چلی کہ جہاز تہ و بالا ہونے لگا اور کھرچی نے غل مچانا شروع کیا اور گوڑیوں کا دن۔ اکھاڑے میں پہلوان جمع۔ پٹھوں کو کشتی سکھا رہے ہیں دو تال ٹھونک کے ایک موٹا تازہ ہٹا کٹا پٹھا کھڑا ہوا۔ جوڑ چھٹی۔ علی کے نام کے گیارہ ڈنڈ طاق کے قریب پیلا اور تیسرے بدل بدل کر آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اُف ذری دیکھئے گا وہ لال لنگوٹ والا کیسے کڑے تیور ڈال رہا ہو۔ سقے والے کی شامت آئی بس دیکھتے جائیے وہ پٹخنی کھائی۔ ارے رے رے رے نے خوب سنبھالا واہ پٹھے۔ وہ دستی کی اور پیٹھ پر آیا۔ اب لال لنگوٹ والا ذرا گر پڑا گیا ہفتے گھٹے ہی چاہتے ہیں۔ وہ انٹی وی واہ رے سقے والے مشک گنج کے اکھاڑے کا ہو کہ ہاتھیں چھوٹ گئے۔ اہا ہا کیا جھپٹ ہو لے سبحان اللہ وہ گتھ گئے مگر اکی سقے والے کی گردن پھنسی ہی لیکن وہ بھی ہاتھ باندھے ہوے ہو ہمنے تو دیکھا نہیں حریف کو نا باش ہو۔ وہ گردن چھڑالی ناتا ہوں واللہ۔ گردن چھڑاتے ہی حلقوم کس لیا اب ایھر وہ نوٹ گئے دونوں الگ تھلگ۔ بھئی ملی ہوئی کشتی لڑتے ہیں۔ یہ کچھ بات نہیں۔ دروازہ پر فقیر چکارا لیے ہوے موجود لہرا لہرا کر گا رہا ہو کہ جمنا کا جانا چھوڑا گنگا کا نہانا چھوڑا مسی کا لگانا چھوڑا۔ اور اماں بوبی ارے بندہ ذرا ادھر آنا۔ ناچ کھلاڑی دھنک دھنا۔ ڈگڈگی بج رہی ہو اینٹھا نگھ براخفش پر سوار بندر والے کے اردگرد ایڑ لگاتے جا رہے ہیں۔ ٹوپی سر پر رکھتے ہی کسی نے چھینک دیا اور ٹوپی تڑ سے پھینکی وہ گری۔ پھر ٹوپی رکھی پھر چھینک بٹ سے پڑی اور لال لال ٹوپی (پھندنے کی کسر تھی رادی) گھوڑے پر جا گری۔

مینھ جھاجھم برس رہا ہو۔ آزاد نے حسن آرا بیگم سے کہا کہ خیر تو ہو بھیگی جاتی ہو اور ذری پلنگڑی نہیں اُٹھاتی ہو۔ یہاں کمرے میں اُٹھا لاؤں میں صدقے آزاد جو اُٹھے تو بجرا دہ پہونچا۔ دھوپ سے کھو بڑی جھنجی جاتی تھی۔ ماما چھتری لگاتی تھی اور ہمایوں فر جو لب بام آئے تو کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہو۔ تاوان پر اچھے صاحب سوار اور حسن آرا اکیلی اُٹھائے ہوے جاتی ہو اور کمر بل کھاتی ہو یہ دیکھتے ہی مرزا ہمایوں فر کے بدن سے شعلے نکلنے لگے اور جھلا اور طیش کھا کر دھم سے کود دے تو سپہر آرا بولیں باجی آج کیسی طبیعت ہو بوتی ہو منہ جاتی ہو۔ بات کو ناحق بن ناحق ٹالتی ہو۔ آخر غش کسی نے کچھ کہا ہوتا ہو۔ تو بتاؤ۔ حسن آرا مفت میں ہلکان ہونا کیا معنی۔ پھول چننے کے لیے ایں شمشاد بر ور رہا ہو۔ سرو تنتے ایں۔ ؎

از تاب آتش می بر گرد عارضش خوے	چوں قطرہ ہائے شبنم بر برگ گل چکیدہ
یا قوت جانفزایش از آب لطف زادہ	شمشاد خوش خرامش از ناز پروریدہ
آں لعل دلکشش بیں واں خندۂ پر آشوب	شستری ہمچو زہرہ شد رقاص
بتا ساقی کفارہ کیا ہو رسم مے پرستی میں	بال بیکا نہ ہو کبوتر کا

ڈاکٹر نے کہا آپ گھبرائیں کہ گرد و تمین۔ بڑی بیگم صاحب اچھی ہو جائینگی انکے پیٹ میں چونے کا ہنڈا چلا گیا۔ تشخیص میں آیا ہو کہ پانی کے ساتھ چونے کا ہنڈا پی گئی ہیں۔ میں کل کونٹے کی دھنک کو پانی کو خشک کرکے بیچ دھارا بہاؤ نگا سمجھیں کہ یہ مردار شے ہو۔ میرزا ہمایوں فر اور میاں آزاد فرخ نہاد اور حسن آرا بیگم اور ایک پنساری۔ بوڑھا پنساری جس کے ہاں سے مانگ چندی ڈلی آتی تھی وہ سب ملکر ایک دسترخوان پر کھانے لگے بس تھوڑی دیر میں گرلیوں کی آواز آئی اور آزاد نے کمر کسی ہمایوں فر نے تیغ کلہ لیا اور حسن آرا آپ لے کر دوڑی گرنفس پر سوار ہاتھ میں توپ میدان جنگ میں جو گئی ایک لاش بولی۔ ؎

از کجا می آئی اے سرمست خوبی محو ناز	عطر آگیں تا بدامن عنبر افشاں تا کمر

حسن آرا نے کہا۔ ؎

پیام دست خفیدن کجا و دست سلامت	فدائے خاک رہ دوست باد جان گرامی

ہوا چلی تو حسن آرا کی زلف پریشان ہونے لگی اور میاں آزاد نے اسوقت برجستہ کہا۔

اسے باد نسیم یار داری	زاں نفحۂ مشکبار داری
زنہار مکن دراز دستی	با طرۂ او چہ کار داری
اے گل تو کجا و روے خویش	او مشک نزد و تو خار داری
نرگس تو کجا و چشم مستش	او سرخوش و تو خمار داری
اے سرو تو با قد بلندش	در باغ چہ اعتبار داری
اے عقل تو با وجود عشقش	در دست چہ اختیار داری

بڑی بیگم۔ آج میٹھے ٹکڑے پکے ہیں۔ کھاؤگی بھیجوں۔

حسن آرا۔ اماں جان اسوقت تو جی نہیں چاہتا دوپیازہ ہو کھا لیتا تو بھجوائیے۔

سپہر آرا۔ ہاں گرد دھنیاں ضرور پڑا ہو۔ یہ موئی ماما دھنیا ڈالنے کی دشمن ہو۔ باورچی سے پکوائیے اسکی تو جیسے روز بروز عقل دیگ چلاتے جاتی ہو۔

بڑی بیگم۔ کاہے کی گوٹ کچھ بتاؤگی بھی پیسے کی دو دوالی دمن۔

سپہر آرا۔ ایک آنے کی نارنگیاں یہاں بھیجدیجئے تو احسان ہو۔ مگر لال لال ہوں ذری۔

ہمایوں فر۔ لے ہو۔ پان تو آپکی ماما ایسا لگا لائی کہ چونا ہی چونا ہو۔

آزاد۔ پھینک دیجیے۔

ہمایوں فر۔ اجی اب تو چبا چکے۔ مگر منہ کے پرخچے پرخچے اُڑ گئے۔

آزاد۔ کہیے بی حسن آرا صاحب۔ مزاج تو اچھے رہے۔ آپکی بہن سے ملاقات ہوئی کہیے اچھی تو ہیں۔ آنکھیں ترس رہی ہیں ذرا ایک دفعہ تو نظارہ بازی ہو جائے۔

حسن آرا۔ لے واہ۔ ماشاء اللہ بڑے فصیح بنے ہیں بلبل کیونکر کہتے ہیں۔

ماما۔ پھر بھس کیا ملا دیا دونوں طرح جانتی ہو۔ دونوں کی شنائیں موجود

ہیں مذکر بھی مؤنث بھی۔ سُنیے۔ ؎

بلبلوں کسکو دکھاتی ہو عروجِ پرواز　　ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی

اسمیں مؤنث ہی۔ ہی کہ نہیں ہی بولیے۔ اب مذکر کی مثال سُنو۔ ؎

بلبل ہوں بوستانِ جنابِ امیر کا　　روح القدس ہی نام مرے ہمصفیر کا

ہمایوں فر۔ ہاں مگر جبشی اور نگوڑنے میں فرق ہی۔ نگوڑنا سنبوسہ۔ جبشی حلوا سوہن۔ کیوں۔

ماما۔ ہاں ہاں میاں ہاں۔ اسمیں مین میکھ کیا ہی۔

دائرے والے نے گت چھیڑی اور ارباب نشاط نے یہ غزل گائی۔ ؎

زلف کرتی ہی پریشاں ترے شیدائی کو　　آنکھیاں دیتی ہیں چشمک ترے رسوائی کو

رشک ہی پان و مسی پر کہ یہ کس ڈھب سے　　چوم لیتے ہیں دہن کی ترے زیبائی کو

تیرہ بختی کا لگایا ہی جبیں پر ٹیکا　　آج تشہیر کیا ہی ترے سودائی کو

جلوۂ یار نے آنکھوں کے پرکھانے میں　　عالمِ نور کیا شعلۂ بینائی کو

جب ترے دردِ کش عشق کو سونپا تہ خاک　　گنبدِ گور کیا گنبدِ مینائی کو

ڈور گری اور سپہر آرا نے لوٹ لی۔ مگر بڑی بیگم نے کنکوا نہ چھوڑا تب تو حسن آرا پان والے پر جھلائی۔ موا روز ڈھنگ لیجاتا ہی زمانے بھر میں سبکے آنے ڈھولی یہ دیں آٹھ آنے ڈھولی۔ منھ ہی کالا ہو موے کا اتنے میں گھر کی مہری نے کتاب اُٹھائی اور پڑھا۔

قصیدہ مع تاریخ جلوس نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علیخاں بہادر وزیر اعظم شاہ اودھ بہ صنعت ترنج ہزار و نہ صد و شش مادہ تاریخ طریق استخراج مادہ اینست کہ ہر مصرع تاریخ منقوط شعر تاریخ و غیر منقوط ہم تاریخ منقوط یک مصرع و غیر منقوط دیگر ہم تاریخ و غیر منقوط اول مصرع منقوط دوم ہم تاریخ و ہمیں طریق مصرع اولیٰ۔

آزاد نے حسن آرا کو گلوری دی اور حسن آرا نے ہمایوں فر کو گلوری دی اور ہمایوں فر نے بڑی بیگم کو گلوری دی اور بڑی بیگم نے اپنے شوہر کو گلوری دی اور بڑی بیگم کے شوہر نے سپہر آرا کو گلوری دی اور حسن آرا نے اپچھے صاحب کو گلوری دی اور اپچھے صاحب نے آزاد کو گلوری دی اور سب نے مل جل کر کھانا کھایا۔ جب رات ہوئی تو آزاد نے کہا کہ تم کو میاں آزاد نے یاد کیا ہی اور کہا ہی کہ ذرا بیکنٹ تر سالے رکھیو جی) کہا کہ یہ مسل سے ہم نے نہیں دیکھا۔ پیاری حسن آرا ابتو ذرا جھگڑا دکھا دو۔ آخر اسمیں اَبج ہی کیا ہی۔ اسکے بعد حسن آرا کو جگایا۔ حسن آرا نے اُٹھکر کہا کہ صاحب آپ تو شہزادے ہیں اور ہماری اور خو بو ہی۔ ایک لڑکا کوئی آٹھ نو برس کا ہوگا۔ ایک جنگل کے کالے بھوے ریچھ پر سوار صحن میں آیا اور بندر نے اُس لڑکے کو چھاتی سے لگایا اور سپہر آرا بولی کہ باجی ڈلی ذری کاٹ دینا ہم سے اسوقت نہیں کٹتی تکلیف تو ہوگی مگر خیر۔ بہن ہو بڑی اور کیا کہوں۔

حسن آرا۔ چاندنی چوک تو دلی میں ہی اور حضرت گنج لکھنؤ میں۔

ہمایوں فر۔ واہ دلی چاندنی چوک میں اور لکھنؤ حضرت گنج میں اور دلی میں حضرت گنج۔

راوی۔ اے سبحان اللہ۔

آزاد۔ یہ بھی غلط۔ چاندنی چوک میں لکھنؤ۔ اور لکھنؤ میں دلی۔ اور دلی میں حضرت گنج۔

سپہر آرا۔ جی کہیں ہو نہ۔ حضرت گنج میں دلی اور دلی میں لکھنؤ اور لکھنؤ میں چاندنی چوک اور پھر چاندنی چوک میں حضرت گنج اور بس اسیطرح

ماما۔ حضور میاں آزاد آئے ہیں۔

حسن آرا۔ آزاد آئے۔ آزاد آئے۔ آزاد آئے۔

سپہر آرا۔ کہاں کہاں۔ ہاں ہاں سچ کہا وہی تو ہیں اونٹ پر سوار ہیں معلوم ہوتا ہی کہ۔

راوی۔ خوب سوجھی۔ دن کو اونٹ خوب سوجھا ہی واللہ۔

حسن آرا باغ میں ٹہل ٹہل کر دیوان حافظ شیرازی پڑھتی تھی۔ اور جھومتی جاتی تھی اور بار بار گردن ہلاتی تھی اور کھلی جاتی تھی۔ اور سپہر آرا اُسی اونٹ پر ہوا کھاتی تھی۔ ؎

خوشتر از عیش و صحبت باغ و بہار چیست	ساقی کجاست گو سبب انتظار چیست

آزاد اور حسن آرا (پری) زاد ہاتھ میں ہاتھ دیے باغ میں بصد تجمل ٹہل رہے ہیں اور سپہر آرا اونٹ کو میرزا ہمایوں فر کی مہتابی پر چہکاتی ہو اور اچھے صاحب کی مہری اترائی جاتی ہو کہ میرے پائجامے میں لیس ٹکی ہو۔

حسن آرا۔ مہری کتنی بے تکی ہو تم۔

مہری۔ اے واہ۔

حسن آرا۔ ہم باغ میں ٹہل رہے ہیں اور تم یہاں آتی ہو۔ جو میاں آزاد کا خط اسوقت آجائے تو ہم پانچ روپیہ انعام کے دیں۔

آزاد۔ ہاں ہم بھی دیں۔

مہری۔ آپ کیا دیں۔

آزاد۔ جو آزاد کا خط آئے تو ہم دس روپیہ دیں۔ پورے دس۔

مہری۔ اللہ کرے آئے۔ خدا کرے آئے۔ دس اور پانچ کتنے ہوئے دس اور پانچ پندرہ۔

ہمایوں فر اور آزاد طرحداریوں میں جھولا جھولے اور جھولے پر جو ناز کے تھے اُن میں پھول پھولے۔ اور کروندے کے سایہ میں جاکر حسن آرا ناچنے لگی اور سپہر آرا گاتی تھی (کروندے کی چھیاں چھیاں)۔ اسکے بعد روح افزا اور سپہر آرا نے بجروں پر اُچھلنا شروع کیا۔

حسن آرا۔ آزاد آزاد۔ پیارے آزاد۔ اسوقت ہمارا دل ایسا بشاش ہو کہ عمر بھر کبھی نہ تھا۔ ہائے ایک ہی بجرے پر ہم اور تم سیر کر رہے ہیں۔

آزاد۔ واہ جھوٹ سب جھوٹ۔

حسن آرا۔ حسینؑ کی قسم سچ کہتے ہیں۔

آزاد۔ بھلا بڑی بیگم کے سر پر ہاتھ رکھو۔

حسن آرا۔ (بڑی بیگم کے سر پر ہاتھ رکھکر) لو بس۔

آزاد۔ ہاں اب تشفی ہوئی۔

سپہر آرا۔ اور خالاں جان اسوقت ہوتیں تو پھر کیسی ٹھہرتی۔

بڑی بیگم۔ جب ہوتیں نا۔

سپہر آرا۔ شاید آجائیں۔

آزاد۔ جی ہاں یہاں آچکیں۔

جب ڈگڈگی بجی تو لوگوں نے پوچھا کہ کیا ماجرا ہی بھئی معلوم ہوا کہ پڑوس کا مکان جسمیں شیخ فدا الحسن رہتے تھے اُسکی قرقی ہوئی مال اور اسباب سب بکتا جاتا ہو اور نیلام ہو رہا ہو۔

دو کرسیاں۔ سرکاری بولی ایک روپیہ۔ آٹھ آنے بارہ آنے۔ ایک روپیہ دو روپیہ۔ ڈھائی روپیہ۔ پونے تین۔ پونے تین۔ پونے تین ایک۔ پونے تین۔ دو پونے تین۔ تین۔ تین۔ بیچئے دام نقد لائیے۔ لو۔

دو پائجامے۔ سبز اطلس کے۔ سرکاری بولی سو روپیہ۔ دس روپیہ دس دس بارہ روپیہ۔ بیس روپیہ۔ بچیس روپیہ۔ پچیس روپیہ۔ ایک پچیس روپیہ دو پچیس روپیہ تین۔

شربتی کا دوپٹہ۔ کارانی کا کام کیا ہوا۔ پانچ روپیہ۔ چھ روپیہ سات روپیہ۔ پندرہ روپیہ (واہ رے شوقین۔ سات سے پندرہ ہوئے ایک دم سے) تیس روپیہ بتیس روپیہ ایک بتیس روپیہ (دو بتیس روپیہ تین

حسن آرا میاں آزاد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے جھروکے سے دیکھ رہی تھیں اتنے میں حسن آرا مہتابی پر سے گر پڑی۔ لیکن ابھی زمین تک نہ آنے پائی کہ مضمون غتربود ہو گیا۔

ایک چور نے شاہ جی سے نسخہ لیا اور زنگ چھکنی نے ناک میں دم کر دیا

حضرات ناظرین۔ کچھ سمجھے بھی ہرگز نہیں۔ ہمکو دعوی ہو کہ ہزار میں شاید دو چار سمجھے ہوں تو سمجھے ہوں۔ ناظرین با تمکین کے دل میں طرح طرح کے خیالات جاتے ہیں کسی کی رائے ہوگی کہ اڈیٹر صاحب بھنگ کی ترنگ میں تھے کوئی صاحب فرمائیں گے کہ برہمن ہیں تو کیا ہوا معلوم ہوتا ہی برانڈی پیے تھے (خدا نہ کرے توبہ) کوئی زرگار ازغلبۂ ذکاوت سے کہیں گے کہ خلل دماغ

ہوگئی۔ ایک ساعت کا قطرب تھا کوئی کہے گا کہ لکھتے لکھتے عقل ٹھکانے نہیں رہی۔ اول جلول واہی تباہی بکنے لگے۔ افسوس کل تک بیچارے بلبل ہزار داستاں کی طرح چہک رہے تھے آج تنکے چننے لگے ہمارے جتنے ناظرین ہیں سب اپنے اپنے خیال کے مطابق رائے زنی کریں گے۔ اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ خطوں پر خط ٹوٹ پڑیں گے اور اکثر اصحاب شکایت کریں گے کہ یا حضرت خیر تو ہے۔ فصد کھلوایئے۔ کسی حکیم حاذق سے رجوع لایئے۔ یہ آپ نے کیا بکا ہے از سرتا پا خرافات جو کچھ بھی سمجھ میں آتا ہو معقول قبلہ سمجھنا کیا دل لگی ہے۔

اور سنیے حضرت کاتب لکھتے لکھتے چونک پڑے۔ ایں۔ یہ پنڈت صاحب کو سوجھی کیا ہے بھئی۔ یہ مضمون ہے یا غت ربود کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا نہ رہا گیا جھپکے کا رومال اوڑھے میرزائی پہنے ہوئے تشریف لائے۔ آداب حضرت آج کی ظرافت کو ذرا اگر ملاحظہ فرمایئے کیوں وجہ۔ آج تو کچھ مطلب ہی خبط ہے گستاخی معاف اور سنیے گا۔ حضرت آپ اپنا کام کیجیے۔ اس جھنجھٹ میں نہ پڑیے۔ بہت خوب۔ تھوڑی دیر میں ایک مصحح صاحب بر آمد ہوئے۔ تسلیم آج کی ظرافت ذرا غور سے ملاحظہ فرمایئے گا عرض کیا کہ حضرت یہاں سلسلہ وضع کے پابند ہیں کہ دیکھنے کی قسم کھائی ہے دوسرے دن ہمارے شفیق بالتحقیق ڈاکٹر رجب خاں صاحب ڈاکٹر درجہ اول پاگل خانہ اودھ کا شقہ آیا۔ اجی صاحب آپ تو ہم کو پاگل بناتے تھے مگر اب فرمایئے کون پاگل ہے ہم یا حضور۔ کیوں یہ کل میاں آزاد کی داستان میں کیا بے پر کی اڑائی ہے خدا ہی خیر کرے اگر یہی حال ہے تو حضرت آپ بھی ہماری ہی جان کھائیں گے۔ بہتر خیر بھلا پاگلوں میں رہتے ہیں۔ آپ تو ایک مخزن علم اور معدن علم مطبع میں رہتے ہیں یہ آپ کو نصیب اعدا کیا ہو گیا اسی طرح اور دو چار آدمیوں نے بھی فرمایا کہ حضرت ہم کو گنجائش شکوہ بھی ہے۔

خیر اب ہم کس سے کہیں کہ یا معدوم نیچر کے مصور ہیں۔ ہائے اگر ناول میں نیچر نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ خاک لطف ہی نہیں۔ مزا ہی کرکرا ہو جائے گا۔ سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے کہ یہ حسن آرا بیگم نے خواب دیکھا تھا ہاتھ لایئے ذرا کیوں نہ کہیے گا واسطے خدا کے ذرا تو اس سوجھ بوجھ کی داد دیجیے آئیں داد تو درکنار میاں مٹھو نہ بنایئے گا۔ حضرت یہ خواب تھا بھلا پوچھیے تو یہ خواب کون دیکھ رہا تھا حسن آرا بیگم پھر آپ جانیے خواب تو تھا ہی کبھی لندن میں بیٹھے دندناتے ہیں۔ کبھی دلکش ہوٹل میں شمپین چاپ اڑاتے ہیں۔ کبھی پہاڑ کی چوٹی پر ہو رہے کبھی درخت کی پھنگی پر اور ایک جند نے جو گیدڑ بھبکی بتائی تو لٹک گئے اور گرے۔ گرتے ہی آنکھ کھل گئی تو جواب بندہ کی طرح اچک کر کھجور کے پیڑ پر تھا بھی خواب میں ہوتا ہے یا کچھ اور مسلسل خواب تو شاذ و نادر ہی کوئی دیکھتا ہوگا۔ ورنہ عموماً یہی باتیں دیکھنے میں آتی ہیں کہ مُردوں سے باتیں ہو رہی ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ کیوں بھئی اگر ہم زندہ ہوتے تو کیسی گھٹتی یا کسی ایسے دوست سے ملاقات ہوئی جو منزلوں کی راہ پر ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ خدا کرے ہم سے تم سے کسی دن ملاقات ہو۔ معقول۔ سامنے تو بیٹھے ہیں مگر ابھی ملاقات نہیں ہوئی گویا۔ اس خواب پریشان میں حسن آرا نے خدا جانے کیا کیا دیکھا مگر سلسلہ درست نہیں خلل تو کچھ یے کہ کتنے مقامات پر بے جوڑ ہے۔ اول تو میاں آزاد اپنی پیاری حسن آرا کے پاس پہونچے کہاں سے وہ جہاز پر سوار ہو کر (روانہ باشد) ہووے۔

غرضکہ یہ مضمون بھی ساری خدائی کے مضمونوں سے نرالا تھا۔ ابتدا ہی سے انتہا کا بے تکاپن۔ خاتون مہ لقا حسن آرا اور میاں آزاد فرخ نہاد ایک ہی کمرے میں متمکن ہیں۔ ایں یا وحشت!! حسن آرا بیگم کہاں آزاد بیچارے کہاں وہ جلا وطن۔ یہ وہاں سے منزلوں دور۔ اور حضرت فرماتے ہیں کہ ایک ہی فرش کی کوٹھی میں دونوں بیٹھے ہیں چھت گیری گلابی بہار آئی۔

الغرض خوابی پر سے حسن آرا بیچاری نصیب اعدا گری اور گرنے کا دھکا اٹھا کر فوراً آنکھ کھل گئی۔ خواب کا قاعدہ ہے کہ ادھر صدمہ پہنچنے کا حال دیکھا ادھر فوراً آنکھ کھل گئی۔ جب ہی تو ہم نے کہا ہے کہ دیکن ابھی تک زمین پر

نہیں آنے پائی تھیں کہ مضمون غتر بود ہو گیا، سمجھنے والے اس سے سمجھ گئے ہوں گے کہ مضمون کے آخر میں جو غتر بود لکھا ہے بے وجہ نہ تھا۔

الغرض حسن آرا کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا کہ آدھی رات کے قریب ہے کمرے کا لیمپ گل چو طرفہ اندھیرا چھایا ہوا۔

اب ایک اور بات سننے کے قابل ہے۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ جس دن اسٹیشن پر مسّی دلھن کے شوہر کو ایک سفاک نے قتل کیا تھا اُس دن میاں آزاد اور خوجی کو ایک فقیر ملے تھے۔ تیکرے پر میاں خوجی نے اُنسے کہا کہ آپ باکمال اور خدا رسیدہ ہیں اُنھوں نے کہا کہ حضرت میں آجتک خدا رسیدہ کے معنی بھی نہیں سمجھا۔

پھر خواجہ صاحب نے فرمایا کہ پیر و مرشد حضور کی دعا میں بڑی تاثیر ہے انھوں نے کہا کہ بھائی میں آجتک دعا کا قائل ہی نہیں ہوا۔ دعا صرف تسلی قلب کے لیے ہے۔ ورنہ دعا سے کیا ہو سکتا ہے۔ میاں آزاد نے جو اُنکو اپنے فن کا پایا۔ تو جی خوش ہو گیا خیر۔ وہی فقیر بغولئے۔ سے

درویش رواں رہے تو بہتر	آب دریا بہے تو بہتر

اُس شہر مینو سواد میں پہونچے جہاں حسن آرا رہتی تھیں لوگوں نے وہاں اُنکو گھیرنا شروع کیا۔

ایک ذات شریف ایسے بھی نازل ہوئے جنھوں نے شاہ جی کا ناک میں دم کر دیا۔ یہ حضرت بڑے نامی گرامی چور تھے۔ شاہ جی سے کوئی پچاس بار درخواست کی کہ حضور واسطے خدا کے کوئی ایسی ترکیب بتائیے کہ جس کسی کے ہاں چوری کرنے جاؤں اُسکو نظر نہ آؤں۔ شاہ جی نے سمجھایا کہ میاں ہمارے پاس ایسا نسخہ ہی نہیں۔ ہم تم کو کیا دیں۔ اُس نے ایک نہ مانی۔ خیر۔ شاہ صاحب نے جب یہ دیکھا کہ ہاری مانتا ہے نہ جیتی۔ تو کہا اچھا۔ جس روز کسی کے گھر پھاند و ہم سے شام کو مل لینا ہم ایک بوٹی دینگے۔ چور انتہا کا خوش کہ مار لیا بس اب کیا پوچھنا ہے۔ حسن آرا کا مکان تاکا اور مالدار سمجھ کر دل میں ٹھان لی کہ آج شب کو انھیں کے ہاں چلنا چاہیے رقم کثیر ملیگی۔ پو بارہ ہیں۔ شام کو شاہ جی کے پاس گئے اور کہا کہ حضرت آج ایک گھر پھاندنے کی نیت ہے لائیے پھر کچھ بوٹی دو ٹی دیجیے شاہ جی نے ایک ڈبیا دی اور کہا کہ اس میں بوٹی ہے مگر خبردار جب تک مال کے کوٹھے میں نہ پہونچ و ہرگز قصد نہ کرنا کہ اسکو کھولو جس وقت وہاں داخل ہو جاؤ ڈبیا کو کھول کر بوٹی کو نکالو اور خوب زور سے سونگھ لو گر چاہے تکلیف ہی کیوں نہ ہو چار پانچ مرتبہ خوب زور سے سونگھنا سمجھے؟ ہاں اسکے خلاف نہ کرنا۔ چور نے ڈبیا جیب میں رکھی اور کوئی گیارہ بجے کے وقت کمند ڈال کر کھٹ سے کوٹھے پر موجود ہا۔ خیر۔ ایک گھنٹے تک تو کوٹھے پر جا کر دبکا بیٹھا رہا۔ اس کے بعد جب سب سو گئے تو حضرت دبے پاؤں اُترے۔ چپ چاپ اور اتفاق سے اسی کمرے میں گئے جہاں حسن آرا اور سپہر آرا سوئی تھیں جا کر سب کے پہلے تو لیمپ گل کر دیا۔ بعد ازاں کوٹھری کا قفل توڑا۔ وہ دونوں غافل سوتی تھیں۔ پھر آپ جانیئے اُٹھتی جوانی کی نیند قفل توڑ کر حضرت دن سے کوٹھری میں داخل ہو گئے بسم اللہ وہاں ڈبیا نکالی اور اسمیں سے بوٹی لی اور لیکر خوب دم سے سونگھی۔

حضرات ناظرین ذرا ہنسی کو ضبط کیجئے گا کہ سمجھے بھی وہ بوٹی کیا تھی نکچھکنی ارے! اُف غضب کیا واللہ۔ اچھیں آچھیں چھیں چھیں ادھر حسن آرا خواب پریشان سے بیدار ہوئیں ادھر لیمپ گل اور کوٹھری سے چھینک کی آوازیں آ رہی ہیں۔ حیران کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے چور گھبرا کر کوٹھری سے نکلا تب حسن آرا بیچاری کانپنے لگی کہ خدا ہی بچائے چور کمبخت اپنی ہی ناک کی پڑی تھی۔ اگر ممکن ہوتا تو ناک کاٹ کر پھینک دیتا اتنے میں حسن آرا پلنگ پر سے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور غل مچانے لگیں کہ چور چور چور کا بجلی جاتی تھیں اور غل مچاتی تھیں۔ سپہر آرا بھی ہائیں ہائیں خیر تو ہے کہتی ہوئی اُٹھ بیٹھیں اور گھر بھر میں جاگ ہو گئی لینا لینا چور چور چور آپ جانیئے ایک ہی آنکھ کا لیکر وہ ہو رہا۔ دروازہ کھولا اور ترنگ کر پھاٹک کے باہر چوکیدار اور خانساماں اور دربان سب پیچھے پیچھے جاتے ہیں مگر اسکے

سایہ کو بھی نہیں پاتے لیکن دس قدم بڑھا اور آ پہنچیں۔ وہ جاتا ہی وہ جاتا ہی۔ چور بے تحاشا بگٹٹ بھاگا جاتا تھا مگر چھینک آئی اور لوگوں نے غل مچایا کہ وہ ہی وہ ہی پھر نظر سے غائب۔ تھوڑی دور تک جھپٹ کے نکل گیا اور پھر چھینکا۔ وہ گیا۔ وہ گیا۔ لینا لینا۔ آخرکار ایک مقام پر اس چھینک نے دھروا ہی دیا۔ پکڑے گئے حضرت لوگ گرفتار کر کے تھانے پر لیے جاتے تھے کہ اتنے میں کانسٹبل ملا اور چوکی پر لیچلا۔

چور اپنے دل میں سوچا جاتا تھا کہ بھئی واہ اچھے شاہ صاحب ہیں ماشاء اللہ کیا بوٹی دی ہی۔ ناک نے اسوقت ناک میں دم کر دیا۔

کہانی زبانی بی مغلانی

شام سے باورچیوں نے بڑے اہتمام بلیغ سے طعام لذیذ پکایا اور نو بجے کے وقت حسن آرا م سپہر آرا اور بڑی بیگم صاحب نے بڑے شوق سے نوش جان فرمایا۔ جب کھانے سے فراغت پائی۔ تو حسن آرا اپنے کمرے میں آئی اور سپہر آرا نے مغلانی کو بلایا۔

سپہر آرا۔ اچھی دل بہار ایک کہانی نہیں کہتیں اسوقت۔

مغلانی۔ میں صدقے ایک نہیں دس۔

حسن آرا۔ مگر شیطان کی آنت نہو کہ سویرے تک تمام ہی نہو پائے

مغلانی۔ اے نہیں یہ کیا بات۔ یوں تمام ہوئیوں (چٹکی بجا کر)

پیاری۔ (چھوکری) بھوت اول (اور) دیو نہ کہنا کہ میں کانپ جاؤں اچھا

سپہر آرا۔ تم ایسی کہو جس میں بھوت ہی بھوت ہوں۔

پیاری۔ نہ بیوی کہنے دیجیے جیسے دیکھو ہمالا (ہمارا) ہی دشمن ہی۔

سپہر آرا۔ (ہنس کر) تیرا دشمن تیرا پیٹ ہی۔

کہانی زبانی بی مغلانی

سوتا سنسار جاگتا پاک پروردگار۔

ماما۔ واہ سوتا سنسار۔ ابھی نو بجے ہیں جو سب کو سلائے دیتی ہو۔ لے بہت بجے ہوں دس بجے ہوں۔ اور۔

مغلانی۔ تم کہانی کو کاٹ نہ دیا کرو یہ عجب ہی بوڑھی ہونے آئیں اور عمر بھر امیروں رئیسوں ہی کے یہاں نوکری کی مگر مجاز (مزاج) ٹھکانے نہیں ہیں لیکے بات کاٹ دی۔

سپہر آرا۔ بوڑھی ہونے آئیں کیا معنی۔ کیا بوڑھی ہونے میں کچھ شک بھی ہی۔

مغلانی۔ جی یہ ابھی تک اپنے تئیں دس ہی برس کی سمجھتی ہیں۔

ماما۔ لے ہاں سوتا سنسار۔ کون سوتا کون ہی یہاں ابھی سارا دھندا پڑا ہے۔ انکے حساب سب سو گئے۔

کہانی زبانی بی مغلانی

سوتا سنسار جاگتا پاک پروردگار۔ ہمارا بھی خدا تمہارا بھی خدا کانوں کی دیکھی

پیاری۔ (ہنس کر) کانوں کی دیکھی۔ کانوں سے دیکھتا ہی کوئی۔

مغلانی۔ اوئی اب ہم نہ کہیں گے بس۔

حسن آرا۔ نہیں نہیں کہو کہو بچے کے ٹوکنے کا کوئی برا مانتا ہی۔

کہانی زبانی بی مغلانی

سوتا سنسار جاگتا پاک پروردگار۔ ہمارا بھی خدا تمہارا بھی خدا کانوں کی سنی کہتے ہیں آنکھوں کی دیکھی کہتے نہیں۔

ایک جنگل میدان میں بہت سے جانور پا رہتے اور صاحب تمہارا بھلا کرے ہاتھی اور چیتے اور شیر اور بندر اور صاحب تمہارا بھلا کرے لنگور اور بارہ سنگھے اور اونٹ اور لومڑی اور جانے کون کون رہتے تھے غرضکہ صاحب تمہارا بھلا کرے بہت سے رہتے تھے انہیں ایک اونٹ بھی تھا اور ایک لومڑی بھی تھی۔ تو اس جنگل میں ایک ندی تھی۔ وہ ہاتھی ڈباؤ پانی اور ندی کے اس طرف کو کسی کا باغ تھا بڑا سا باغ جیسا میرزا ہمایوں فر کا ہی بلکن اس سے بھی بڑا۔ تو اونٹ روز روز اس باغ میں ندی تیر کے جاتا تھا اور پیٹ بھر کے میوے کھا کھا کر کے واپس آتا تھا۔ لومڑی نے جو دیکھا کہ صاحب تمہارے اونٹ موٹا ہوا جاتا ہی تو ٹوہ لگائی کہ دیکھوں کیا کھاتا ہی۔ ایکدن آڑ میں بیٹھی رہی۔ اونٹ ندی میں پیٹھا اور باغ میں جا کر اس نے خوب پھل

پھلیری کھائے لوکھری بڑی چالاک اور دغاباز ہوتی ہی جیسے پیاری (پیاری کے سر پر دھپ لگا کر) جیسے موئی لونڈیا دغاباز ہی۔ اُس نے اونٹ سے دوستی پیدا کرلی۔ ایک روز اونٹ سے کہا کہ بھائی (تھوتھا ہم سے دوستی نہیں کرتے اونٹ لمبا تو بیوقوف ہوتا ہی ہی دم میں صاحب تمھارا بھلا کرے آگیا اور دوسرے دن سویرے منھ اندھیرے لوکھری کے ساتھ گھومنے لگا۔ لوکھری اپنے مطلب کی یار اس نے پوچھا کہ تم کس باغ میں جاتے ہو۔ ہاں ہم کو بھی لے چلو جو جی چاہے تو پھر دوستی کس کام آئے گی۔ کیا عاقبت میں بخشاؤگے ہم کو بھی دکھا لاؤ۔ اونٹ راضی ہوگیا بولا اچھا جو حکم ہو۔ چلتے چلتے چلتے چلتے جب صاحب تمھارا بھلا کرے ندی پاس پہونچے تو اونٹ کی چڈھی پر لوکھری چڑھ گئی اور اونٹ تیر کرکے اُس پار نکل گیا۔ لوکھری بڑی خوش ہوئی اور اُسنے صاحب تمھارا بھلا کرے خوب پھل دل کھائے جب کھا چکی خوب پیٹ بھر کے تو اُس نے ندی پر آکے پانی پیا خوب سا اور اونٹ سے کہا کہ میرے گلے میں چل ہوئی ہی کہ اسوقت آواز لگاؤں۔ اونٹ کے ہوش اُڑ گئے ”نہ خدا ہی خیر کرے کہا کہ میں اتنا بڑا جانور جتنی دیر میں تیرے سے دو جانور کھائیں اتنی دیر میں ہمارا ایک کونا پیٹ کا بھی نہ بھرے میں تو ابھی بھوکا ہی ہوں خبردار خبردار بولیو وولیو نہیں۔ سنا کہ نہیں۔ بولی اور میں صاحب تمھارا بھلا کرے پیٹا لوکھری نے کہا اب پھر چاہے جو کچھ ہو میں بولتی ہوں۔ اونٹ نے پھر ہاتھ جوڑے کہ ایسا غضب کیجیو دیکھو اونچ نیچ دیکھ کر کام کرنا نہیں میں پٹونگا خوب سا۔ لوکھری نے ایک نہ مانی اور اونٹ سے تھوڑے فاصلے پر جاکر آواز لگائی۔ کیوں کیوں کیوں۔ آواز کے ساتھ سنتے ہی باغبان دوڑ پڑے۔ لیو۔ لیو۔ جانے نہ پائے جانے نہ پائے۔ لوکھری تو ذرا سی ادھر اُدھر جھاڑی میں چھپ رہی مگر اونٹ اتنا بڑا جانور جائے تو کہاں جائے۔ دھر لیے گئے۔ اب وہ لاکھ چھپتا ہی مگر اونٹ ناکی چوری نہوڑے نہوڑے۔ نہوڑے کہاں تک قد کو چھوٹا کرے جھاڑی کی آڑ میں ذرا چھپ کے بھاگا اور پھر سیدھا ہوا تو باغبانوں نے غل مچایا کہ وہ نکلا۔ وہ نکلا دوڑ پڑے وہ پھر چھپے۔ مگر اُنھوں نے گردن دیکھ پائی وہ جاتا ہی وہ بھاگا جاتا ہی ناک میں دم آگیا اب بھاگ کے جائے تو کہاں جائے اور لوکھری مزے سے جھاڑی میں دبکی دبکائی بیٹھی رہی اسکو کوئی پوچھتا بھی نہیں کہ کہاں ہی کہاں نہیں ہی آخر کار دس پانچ آدمیوں نے اونٹ کو گھیر لیا۔ انھوں نے لاکھ شتر غمزے کیے مگر ڈنڈے پڑنے لگے تب تو یہ خوب بلبلائے مگر اُن لوگوں نے مارتے مارتے بولا دیا۔ جب خوب بھرکس نکل گیا تو یہ بھاگے لوگوں نے پھر گھیر اور پھر لٹھ پڑنے شروع (شروع) ہوے بس صاحب تمھارا بھلا کرے یہ خوب سا پٹا اور پٹ پٹا کے مار کھائے کے رسیاں توڑا کر بھاگا تھوڑی دیر میں چاہا کہ ندی پار کرکے جنگل میں جائے اتنے میں۔

پیاری۔ دیو دیو کی بات نہ ہو۔

سپہر آرا۔ اب آگے دیو کا تو ذکر ہی ہی۔

پیاری۔ ہوں نہیں نہیں۔

مغلانی۔ نہیں نہیں بٹیا دیو کا ذکر ہی نہ بھوت کا۔ سنتی جاؤ چپ چاپ بس اونٹ جو ندی جانے لگا تو لوکھری پھدک کے موجود۔

لوکھری۔ کیا ہمیں یہیں پر چھوڑ کر چل دوگے۔

اونٹ۔ نہیں چھوڑیں گے کیا آؤ۔

اونٹ بیٹھ گیا اور لوکھری اُسکی پیٹھ پر چڑھ گئی اور اونٹ ندی میں چلا۔

سپہر آرا۔ ارے سچ کہتے ہیں لمبا آدمی بیوقوف ہوتا ہی۔

حسن آرا۔ کیا اونٹ بھی آدمی ہی۔

مغلانی۔ بس بیوی جیسے ہی بیچ دھارے میں پہونچا ویسے ہی صاحب تمھارے اونٹ نے کہا کہ دوست اب تو ہمارے بدن میں چل ہوئی ذری بیٹھنے کو جی چاہتا ہی۔ لوکھری بولی۔ ہائیں ہائیں! ایسا غضب کبھی نہ کر بیٹھنا کیس میں گر پڑوں گی۔

اونٹ - اب تو بے ہلے رہا ہی نہیں جاتا -

لوکھری - اور میں -

اونٹ - اُسوقت تمھارے مُنھ میں چُل ہوئی تھی اب اِسوقت مجھے ہلنے کی چُل ہوئی -

سپہر آرا - (ہنس کر) ہاں دیکھا بات نکلی نہ ایک - ہم سمجھے ہی تھے -

مغلانی - لوکھری بہت روئی پیٹی چلائی بہت غل غپاڑا مچایا بہت آہ جگر دوز کھاڑی - مگر اونٹ نے ایک نہ مانی جلا ہوا تو تھا ہی اس زور سے بدن کو ہلایا کہ لوکھری تڑسے پانی میں آ رہی - بہت سنبھلی مگر کچھ کارگر نہ ہوئی بات جیسا کیا ویسا پایا - جو جیسا کریگا وہ ویسا پائیگا - نیکی کا ثمرہ نیک ہی جو بدی کریگا وہ بدی پاویگا بھلی ہو کہ نہیں - بس صاحب تمھارا بھلا کرے اونٹ نے پیچھے پھر کے بھی نہیں دیکھا اور لوکھری بہنے جو لگی تو بہتے بہتے بہتے بہتے جاکے کہیں پہونچی جہاں دھوبی کپڑے دھو رہے تھے - انھوں نے جو دیکھا کہ لوکھری بہی چلی آتی ہو تو پوچھا لوکھری لوکھری کیا ہوا - لوکھری نے کہا کیا بتاؤں کچھ کہا نہیں جاتا - پھر دھوبیوں نے پوچھا کہ لوکھری لوکھری کیوں ڈوبی - لوکھری نے کہا کہ اِک میں ہی نہیں ڈوبی ساری دنیا سارا زمانہ ڈوبا ہوا آتا ہو مجھے نکالو تو بتاؤں - نہیں تو تم لوگ بھی ڈوب جاؤگے -

دھوبیوں نے مارے ڈر کے ایک دوسرے کی طرف دیکھا کہ آؤ پنچایت کر کے اسکو نکالیں یا نہ نکالیں لوکھری نے کہا کہ ارے تمھارا ناس ہو جائے جبتک پنچایت کروگے تب تک تو میں کوس بھر پر ہونگی - اسپر دو دھوبی کپڑے وپڑے اُتار کرکے صاحب تمھارا بھلا کرے چلے اور لوکھری کو نکال لائے پوچھا اب بتاؤ - وہ بولی کہ اب ذری سستالوں تو بولوں بھیگ گئی تھی بہت - کچھ دیر دھوپ میں کھڑی رہی جب گرمائی اور ذری تھکاوٹ مٹی تو چوکڑی بھر کے باؤ کوس پر جو رہی اور بولی کہ میں ڈوبی تھی تو میرے حساب جگ ڈوبا تھا جس طرح اُسکا بھلا کیا خدا سب کا بھلا کرے

(کہانی ختم ہوئی) اتنے قہقہے پڑے کہ محلے بھر میں آواز پہونچی - سوتوں کو جگایا اتنے میں گھڑیالی نے منگری اُٹھائی اور ٹھائیں ٹھائیں بارہ کا گجر بجایا -

حسن آرا - اوہ ے ا -

سپہر آرا - ارے کاہے کی -

حسن آرا - آدھی رات آگئی -

سپہر آرا - اور کیا -

مغلانی - پھر دس کے عمل میں تو آپ کھانا ہی کھا رہی تھیں -

حسن آرا - اے تو کیا دو گھنٹے میں کہانی ہوئی -

سپہر آرا - اور نہیں تو کیا -

مغلانی - بہت بکی آج -

حسن آرا - کوئی ساڑھے گھنٹا بھر کہی ہوگی -

مغلانی - اب سو رہیئے -

حسن آرا - اور نہیں تو کیا رت جگا ہو کچھ -

سپہر آرا - اے لو یہ پیاری بہین کہانی سنتے سنتے سو گئی -

حسن آرا - اب جگاؤ نہیں گدگدا تو فرض ہو - ذری کچھ اُڑھا دو اوپر سے -

الغرض مغلانی گئی - حسن آرا اور سپہر آرا ایک ہی پلنگ پر سوئیں اور باتیں ہونے لگیں -

سپہر آرا - باجی اسوقت عاشق النسا بیگم یاد آتی ہیں -

راوی - جی - آداب -

حسن آرا - بس اب انکا ذکر نہ کرو - اب سونے کا خیال کرو -

سپہر آرا - (حسن آرا کو گدگدا کر) اب سوئیے -

حسن آرا - (مارے گدگدی کے تڑپ کر) اُف فوہ کچھ خیر تو ہو -

سپہر آرا - اب آج سے قسم کھائی دیکھو نہ سوئیں گے ہرگز نہ سوئیں گے -

حسن آرا - سوؤ یا نہ سوؤ مگر واسطے خدا کے اور تو کسی کی نیند نہ حرام

کردیں اب اپنے پلنگ پر جاکر سو رہیئے۔

سپہر آرا کو اسوقت نیند نہ آئی مگر حسن آرا نے جو تکیے پر سر رکھا تو خواب ناز میں تھی سپہر آرا کے دل میں طرح طرح کے خیالات جاتے تھے تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی ایک غزل گانے لگا۔ ؎

منم غریب دیار و توئی غریب نواز	دمے بحال غریب دیار خود پرداز
ہر کمند کہ خواہی بگیر و بازم بند	بشرط آنکہ زکارم نظر نگیری باز
بر آستین خیال تو مید ہم بوسہ	بر آستان وصال تو نیست دست نیاز
نہ این زمان من خونریزہ دل نہادم رسمے	بر آستان تو کاندر ازل نہادم باز
حدیث درد من اے مدعی نہ امروز ست	کہ حافظ از ازل رند بود و شاہد باز

اس غزل کو اس شخص نے کوئی آٹھ دس بار گایا۔ پھیری دیتا جاتا تھا اور غزل گاتا جاتا تھا۔ جسطرح رمضان شریف میں اکثر آدمی شب کو پھرتے ہیں طرز غزلخوانی سے ایک قسم کی حسرت ٹپکتی تھی۔ اور جسوقت یہ شعر اس کی زبان سے نکلتا تھا۔ ؎

بر آستین خیال تو میدہم بوسہ	بر آستان وصال تو نیست دست نیاز

تو آواز سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ چوٹ کھایا ہوا ہی۔ جسوقت آٹھویں مرتبہ اسنے پانچواں شعر پڑھا تو مصرع اولیٰ سنتے ہی (دلا منال زشامی کہ صبح در پے اوست) سپہر آرا کے منہ سے بے اختیار آمین کا لفظ نکل گیا اسوقت اسکے دل نے گواہی دی کہ یہ کوئی عاشق زار ہی فوراً بیتاب ہوکر اٹھ کھڑی ہوئی اور جھروکے سے دیکھنے لگی بھلا اسوقت ایک بجے کیا معلوم ہوتا۔ پھر چپکے سے آن کر لیٹ رہی۔

اس کے بعد اسنے دو شعر اور پڑھے۔ ؎

اے خونبہائے نافۂ چین خاک راہ تو	خورشید سایہ پرور طرف کلاہ تو
نرگس کرشمہ میبرد از حد برون خرام	اے جان فدائے شیوۂ چشم سیاہ تو

سپہر آرا کو یقین واثق ہوگیا کہ میرزا ہمایوں فر کی طرح کوئی عاشق اور پیدا ہوئے۔ پھر آواز آئی۔ ؎

یاران ہمنشیں ہمہ از من جدا شدند	مائیم و آستانۂ دولت پناہ تو

تب تو سپہر آرا کو شک کی جگہ یقین واثق ہوگیا کہ کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہی۔ خیر تھوڑی دیر میں وہ آدمی چلا گیا اور چلتے چلتے یہ شعر پڑھا ؎

جنگجو کج کلہاں صلح و صفا نیز کنند	غنچہ سازند دل و کار صبا نیز کنند

ادھر سپہر آرا کو بھی نیند آئی۔

دو پری پیکر مہمانوں کا آنا اور حسن آرا اور سپہر آرا کو خواب ناز سے جگانا

چار بجے کے وقت دربان نے آواز دی۔

دربان۔ ماماجی دروازہ کھولو۔ ماماجی پیاری کی اماں (دھم دھم دھم دھم) دروازہ کھولدو۔

ماما۔ دل بہار دیکھو کون پکارتا ہی۔

دل بہار۔ اے واہ پھر کھول کیوں نہیں دیتیں۔

ماما۔ میری اٹھتی ہی جوتی۔ میں دن بھر کی تھکی ماندی ہوں۔

دل بہار۔ اور یہاں کون چندن چوکی پر بیٹھا ہی۔

دربان۔ اجی لڑلینا پیچھے پہلے کنواڑے کھول جاؤ۔

مغلانی۔ ارے کوئی دروازہ کھولدو اٹھ کے۔

دل بہار۔ ہونہ کیا حکومتیں جتا رہی ہیں۔

ماما۔ ہاں جانو بیوی یہی ہیں۔ گھر کی مالکن۔ آپ نہیں اٹھتیں۔

دربان۔ اجی کھولو تو سواریاں آئی ہیں۔

حسن آرا۔ (چونک کر) کہاں سے کیا۔

دربان۔ جی حضور سواریاں آئی ہیں۔

حسن آرا۔ ماما۔ مغلانی۔ دل بہار پیاری کی اماں۔ ارے کیا سب کی سب مرگئیں۔ اب آپ جائیں دروازہ کھولنے ہم۔

اتنے میں حسن آرا کی آواز سنکر ماما۔ اصیل۔ مغلانی۔ دل بہار۔ بٹھانی۔ سب کی سب ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور دروازہ کھولنے

لپکیں اور سپہر آرا بھی جاگ اُٹھی۔
سپہر آرا۔ کون ہے باجی۔
حسن آرا۔ کیا جانے دستی روشن ہے۔ اور دو تین خاص بردار ساتھ ہیں اور دو فنس ہیں جانے کون آیا ہے۔
سپہر آرا۔ فنس پر پردہ پڑا ہے یا مردانی سواریاں ہیں۔
حسن آرا۔ نہیں بہن مردانی نہیں ہیں۔
حسن آرا اور سپہر آرا نے باسی ہی پانی سے منھ دھویا اور ماما نے پردہ کرا کے سواریاں اُتروائیں۔
سپہر آرا۔ اخاہ روح افزا بہن ہیں اور بہار النسا بیگم بھی آئی ہیں۔
حسن آرا اور سپہر آرا اور روح افزا اور بہار النسا بیگم باہم خوب گلے ملیں۔
بہار النسا۔ بہن اچھی تو رہیں۔
سپہر آرا۔ دعا کرتے ہیں۔
حسن آرا۔ دو برس کے بعد آپ دونوں کو دیکھا۔
روح افزا۔ ہاں اور کیا۔
بہار النسا۔ اماں جان کہاں ہیں۔
سپہر آرا۔ آج طبیعت کچھ سست ہے۔
روح افزا۔ ہاں تو اب سویرے ملیں گے۔ آؤ حسن آرا اور ہم ایک پلنگ پر اور بہار النسا بہن اور سپہر آرا ایک پر سو رہیں۔ اس وقت آنکھیں جھپکی پڑتی ہیں۔
حسن آرا بیگم صاحب حسب معمول سویرے منھ اندھیرے اُٹھیں سپہر آرا کو جگایا۔ دونوں بہنوں نے منھ ہاتھ دھویا اور وضو کرکے امام باڑے میں نماز صبح ادا کی۔ اسکے بعد حسن آرا بہ لحن داؤدی مناجات نظامی گنجوی پڑھنے لگیں اور ادھر سپہر آرا بیگم نے وظیفہ شروع کر دیا۔
سہانا سماں دور دلدار نور افشاں سپیدۂ طلعت نشان صبح نمودار بادِ صبا طرب انگیز و فرحت بار اشجار پر بہار نسیم غالیہ بار سے جھومتے جھوم جاتے ہیں تھلکوں پر مرغان خوش الحان چہچہاتے ہیں اور طیور ذی شعور ترانۂ حق گاتے ہیں کلیوں کا چٹکنا پھولوں کا مہکنا بلبلوں کا چہکنا قدرت حق دکھاتا تھا اور غنچۂ دل کھلا جاتا تھا حقانی آدمی یادِ معبود حقیقی میں مصروف و مشغول تھے اشعار حمد باری ورد زبان گوشہ نشینان خمول تھے گلہائے عنبر کی بھینی بھینی خوشبو آتی تھی حسن آرا مست ہوئی جاتی تھی
جب حسن آرا نے مناجات اور سپہر آرا نے وظیفہ سے فراغت پائی۔ تو چھوٹی بہن بڑی بہن کے پاس آئی حسن آرا نے بوسہ لیا اور سپہر آرا نے جواب بوسہ دیا دونوں بہنیں بڑی بیگم کے پاس آئیں اور بعد ادب آداب بجا لائیں۔
سپہر آرا۔ اماں جان بندگی۔
بڑی بیگم۔ اللہ زندگی دے۔ اچھے گھر جاؤ۔
حسن آرا۔ اماں جان تسلیمات عرض کرتی ہوں۔
بڑی بیگم۔ جیتی رہو۔
ماما۔ دودھوں نہائیں پوتوں پھلیں۔
بڑی بیگم۔ خدا انکو تندرستی دے میرے تو دل کی چین کلیجے کی ٹھنڈک آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔
ماما۔ بیگم صاحب ان دونوں کا بہناپا اچھا ہے۔ واہ کیا جوڑ پایا ہے ہنس مکھ اور آنکھوں میں سیل۔
سپہر آرا۔ چلیے بس اب تعریفیں رہنے دیجیے زیادہ مٹھاس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں۔
حسن آرا۔ اماں جان ہاں دیکھیے خوب یاد آیا۔ رات بہار النسا بہن اور روح افزا بیگم آئی ہیں۔
بڑی بیگم۔ ہاں جبھی تو میں نے دیکھا میری بائیں آنکھ پھڑکتی تھی کل میں کہتی کہوں کہ اللہ کیا خوشخبری سنونگی کہاں ہیں کہاں بلاؤ بیٹا یہ کیا ابھی تک یہاں آنے کی نوبت ہی نہ آئی۔
سپہر آرا۔ ابھی سو رہی ہیں رات کو کہتی تھیں کہ آنکھیں جھپکی پڑتی ہیں

سفر میں نیند اُچاٹ ہوگئی تھی۔

بڑی بیگم۔ اے تو جگا دو بیٹا۔

حسن آرا۔ اماں جان ذرا اور سونے دیجئے۔

بڑی بیگم۔ بہار النسا اچھی تو ہیں۔

سپہر آرا۔ جی ہاں فضل الٰہی ہے۔

بڑی بیگم۔ روح افزا ننھا کچھ ماذی تھی۔ دُبلی ہوگئی ہوگی۔

سپہر آرا۔ ہاں اماں جان انکی اس موئے ڈنگو کی بیماری نے بالکل ادھی بدی اُڑا دی۔

اتنے میں حسن آرا اور سپہر آرا اپنے کمرے میں گئیں تو دیکھا کہ دونوں غافل سو رہی ہیں۔ روح افزا کی زلف چلیپا کالی ناگن کیطرح بل کھا کے تکیے پر سے پلنگ کے نیچے لہرا رہی ہے۔ اور گوری گوری گردن پر سانپ کے من کا دھوکا ہوتا ہے۔ بہار النسا کا دوپٹا کہیں ہے دولائی کہیں ہے دست حنائی سینے پر رکھے ہوئے آہستہ آہستہ خراٹے لے رہی ہیں زلف نے پریشان ہوکر عجب رنگ دکھایا تھا۔ گورے گورے مکھڑے پر کالے کالے گیسو عجب جوبن دیتے تھے سچ ہے۔ ؎

چھٹنا ضرور ہے رخ پہ ہو زلف سیاہ کا	روشن بغیر شام نہ ہو چہرہ ماہ کا

اتنے میں روح افزا نے عجب ناز سے کروٹ بدلی اور انگڑائی لے کر اُٹھ بیٹھی۔

سپہر آرا۔ بندگی۔

روح افزا۔ (آنکھیں ملتی ہوئی) بندگی بہن۔

سپہر آرا۔ خوب میٹھی نیند سوئیں۔

روح افزا۔ ابتک نیند کا خمار باقی ہے۔

سپہر آرا۔ اماں جان بلاتی ہیں۔

روح افزا۔ نماز پڑھ لیں تو چلیں۔

حسن آرا۔ (بہار النسا کا ہاتھ پکڑ کر) اے بہن اب اُٹھو۔

بہار النسا۔ (چشم نیم باز) اللہ اتنا دن چڑھ آیا۔ سارے میں دھوپ پھیل گئی۔

حسن آرا۔ اُٹھیے چلیے اماں جان بلا رہی ہیں۔

بہار النسا۔ (اُٹھ کر) نماز پڑھ لیں تو چلیں۔

سپہر آرا۔ وہ تو جان کھائے جاتی ہیں کہ ہمیں منہ دکھالیں پھر چلی جائیں۔

بہار النسا۔ اچھا روح افزا کو جگا دو۔

سپہر آرا۔ (ہنسکر) لے وہ کیا بیٹھی ہیں سامنے۔

بہار النسا اور روح افزا نے منہ دھویا اور نماز پڑھنے کھڑی ہوئیں۔

روح افزا۔ (سپہر آرا سے) قبلہ کا رخ کس طرف ہے۔

حسن آرا۔ ادھر۔

دونوں نے نماز صبح پڑھی اور تھوڑی دیر وظیفہ پڑھ کر سپہر آرا اور حسن آرا کے ساتھ چلیں۔ بڑی بیگم کے پاس جاتے ہی روح افزا بھرتی سے بڑی بیگم سے چمٹ گئی (اماں جان بندگی عرض) بہار النسا بھی بڑی بیگم سے گلے ملیں اور ادب کے ساتھ فرش پر بیٹھیں۔

بڑی بیگم۔ (روح افزا سے) ابتو اُس بیماری نے پیچھا چھوڑا کیا کہتے ہیں تو بہ۔ مجھے تو اس کا نام بھی نہیں آتا۔

سپہر آرا۔ (مسکرا کر) ڈنگو بخار۔ آپ تو روز روز بھول جاتی ہیں۔

بڑی بیگم۔ ہاں وہی ڈنگو۔

سپہر آرا۔ (قہقہہ لگا کر) ڈنکو نہیں ڈنگو۔

روح افزا۔ اب ایک مہینے سے پیچھا چھوڑا ہے کہیں میری تو جان پر بن آئی تھی

بڑی بیگم۔ چہرہ کیسا زرد پڑ گیا ہے۔ لے ہے تو تھی سا منہ نکل آیا۔

بہار النسا۔ ابتو آپ انہیں اچھی دیکھتی ہیں۔ یہ تو گھل کے کانٹا ہوگئی تھیں۔

بڑی بیگم۔ حکیم محمد حسین نے علاج کیا تھا۔ وہاں۔

روح افزا۔ جی نہیں وہ تو خود بیچارے اسی ڈنگو نگوڑے میں مبتلا تھے۔ دولہا بھائی ایک ڈاکٹر کو لائے تھے۔

بڑی بیگم۔ ائے ہے بھولے سے علاج نہ کرنا ڈانگڈر داگڈر کا۔ انکی دوا لگے تو تیر نہیں تُکا۔

روح افزا۔ مگوڑے ڈاکٹر کو لائے تھے یہیں تو انکی بولی ہی نہ سمجھوں کہے زبان دکھاؤ۔ اب جب مُنھ دکھائیں تب تو زبان بھی دکھائیں۔ دولھا بھائی نے کہا دکھا دو زبان ہرج کیا ہو ہم نے کہا یہ تو حشر تک نہونے کا۔ پھر نبض دیکھی تو ہاتھ کو پردے سے نکال لیا اور کہا چوڑیاں اُتار ڈالو۔ میں نے طلائی چوڑیاں اُتار ڈالیں۔ گر شیشے کی ایک چوڑی پہنے رہی اب نبض دیکھی تو اور راگ نکالا۔ کہے باتیں کرو ہم سے تب تو میں نے دولھا بھائی کو بُلایا اور کہا واہ صاحب آپ تو اچھے ڈاکٹر کو لائے ہیں۔ پہلے کہا مُنھ دکھاؤ ہم تو ایڑی بھی نہ دکھائیں۔ پھر ہاتھ باہر کھینچ لیا پھر حکم ہوا کہ چوڑیاں اُتارو۔ اب کہتا ہے کہ ہم سے باتیں کرو۔ یہاں نگوڑی گٹ پٹ کسے آتی ہو۔ بس میں درگذری ایسے علاج سے آپ انھیں سمجھا لیجیے اسے بس گھڑی جیب سے نکالی اور کہا کہ گنتی گنو۔ سنیے جیسے اپنے حساب لڑکیوں کے مدرسے میں امتحان لے رہے تھے۔ دولھا بھائی تو آپ جانتی ہی ہیں بالکل انگریز ہی بن بیٹھے ہیں وہ مجھ سے کہیں کہ خدا کے لیے بس میری عزت رکھو تم گنتی زور زور گن دو۔ میں نے کہا ایک دو پانچ بیس گیارہ آٹھ اللہ جانتا ہو جو کچھ بھی سمجھا ہو۔ دوائیاں وہ دیں جو کڑوے جیسے گلو۔ نگوڑی سے بھی کڑوی اور جب آئے ایک اشرفی لیجائے۔ جو دولھا بھائی وہاں نہ ہوتے تو ہم ابتک خدا گنج پہونچے ہوتے۔

بڑی بیگم۔ چلو یہ باتیں نہ مُنھ سے نکالو۔ اللہ کو بُری معلوم ہوتی ہیں۔

حسن آرا۔ (بہار النسا بیگم سے) کیوں بہن کیا دولھا بھائی کے مزاج میں انگریزیت بہت ہو۔

بہار النسا۔ (مسکرا کر گردن نیوڑھالی)

راوی۔ روح افزا اپنے بہنوئی بہار النسا بیگم کے شوہر کو دولھا بھائی کہتی تھیں جب ہی تو بہار النسا نے شرما کر مُسکرا دیا۔ روح افزا اور بہار النسا دونوں بہنیں بڑی بیگم کی نواسیاں تھیں۔

بڑی بیگم۔ بہار النسا۔ یہ تم مہینوں خط کیوں نہیں بھیجتی ہو یہاں سے خطوں پر خط جلتے ہیں۔ مگر جواب ہی نہیں آتا۔

بہار النسا۔ اماں جان خطوں کا تو میں تار باندھ دوں مگر جب کوئی لکھنے والا بھی ہو۔

روح افزا۔ یہ تو گرستی کے دھندے میں ایسی پڑ گئیں کہ پڑھا لکھا سیکھا سکھایا سب چوپٹ کر دیا۔

حسن آرا۔ اور دولھا بھائی نے تو خط لکھنے کی قسم کھائی ہو۔

سپہر آرا۔ ہاں اُنکو جیسے چڑھ سی معلوم ہوتی ہو۔

روح افزا۔ دن بھر بیٹھے شعر کہا کرتے ہیں۔ بس اور کچھ نہیں۔ ذری سا لفافہ لکھنا پہاڑ معلوم ہوتا ہو۔

بڑی بیگم۔ (بہار النسا سے) کہو تمھاری ساس قائم ہیں۔

بہار النسا۔ ہاں نہ مجھے موت آتی ہو نہ انھیں۔

بڑی بیگم۔ نہ کلمہ دراز عورت ہو۔

روح افزا۔ اُٹھتے جوتا بیٹھتے لات۔ یہ بات وہ بات لا میرے ہاتھ کل پرسوں تک دولھا بھائی یہاں آئیں گے تو میں اُنکو خوب جھاڑ دوں گی۔

حسن آرا۔ وہ بیچارے کیا کریں ماں سے کچھ بس چلتا ہو۔

بڑی بیگم۔ دیکھو سچی بات یہ ہو کہ تمھاری بہن بھی ذرا تیز مزاج ہیں ہاں۔ صاحبزادی بھی ذرا سی بات پر ناک بھوں چڑھاتی ہیں۔

سپہر آرا۔ جو ایک گرم ہوا اور ایک نرم ہو تو بات بنے اور جو دونوں تیز ہوئیں تو کیسے بنے۔

بہار النسا۔ اب تم اپنی ساس سے نہ لڑنا۔ تم نرم ہی رہنا۔ میرے تو ناک میں دم آگیا۔ اللہ نہ کرے ایسی ساس کسی کو ملے۔

بڑی بیگم۔ خورشید مرزا یہاں آئیں تو میں انکی سمجھا دوں۔

بہار النسا۔ واہ اماں جان مجھ سے اُن سے حشر تک نہ بنے گی جو کوئی

لونڈی باندی مجھ سے اچھی طرح باتیں کرے تو جل مرتی ہیں اور میں جان بوجھ کر اور جلاتی ہوں۔

بڑی بیگم۔ (پیٹھ ٹھونک کر) شاباش برخوردار

حسن آرا۔ رل مل کر رہو بہن۔

بہار النسا۔ اب جب تم سسرال جاؤگی اور ایسی ہی ساس پاؤگی اور پھر رل مل کے رہوگی تو سات بار سلام کروں گی۔

راوی۔ واہ کر چکیں سلام۔ وہاں بس ہی نہیں۔ میاں آزاد ان پر عاشق یہ میاں آزاد پر۔

حسن آرا۔ آخر یہ جھگڑا ہی کاہے کا۔

بہار النسا۔ کہہ دوں گی۔

روح افزا۔ جھگڑا سارا یہ ہو کہ دولھا بھائی انکی خاطر بہت کرتے ہیں بس انکی ساس جلی مرتی ہیں کہ جورو کی خاطر کیوں کی اس نے۔

سپہر آرا۔ کیا ماں کی خاطر نہیں کرتے ہیں۔

روح افزا۔ ماں کے سامنے مارے ڈر کے ان سے اچھی طرح باتیں تو کی نہیں جاتیں تم خاطر کرنا لیے پھرتی ہو۔

بہار النسا۔ میں تو اللہ جانتا ہو ہزاروں دفعہ طرح دیجاتی ہوں مگر جب نہیں رہا جاتا تو میں بھی بکنے لگتی ہوں مجھے تو انھوں نے بیحیا کر دیا بس اب وہ ایک کہتی ہیں تو میں دس سناتی ہوں۔

بڑی بیگم۔ (پھر پیٹھ ٹھونک کر) شاباش

حسن آرا۔ میری طرف سے بھی پیٹھ ٹھونک دیجئے گا۔

بہار النسا۔ اچھا حسن آرا جو کسی تیکھی اور تیز ساس سے پالا پڑا تو دکھا دونگی۔

حسن آرا۔ واہ۔

سپہر آرا۔ ہم تو اس طرح رہیں کہ ساس اپنی لڑکیوں سے زیادہ پیار کرے

بہار النسا۔ جب آدمی ہو نہ۔

سپہر آرا۔ بہن ہم تو چٹکیوں میں آدمی بنالیں۔

بہار النسا۔ ابھی ناتجربہ کار ہو نہ۔ ہم کو تو ایسا دق کر رکھا ہو کہ اللہ کرے مرجائے وہ یا ہم۔

بڑی بیگم۔ پھر وہی باتیں کرنے لگیں۔

روح افزا۔ اے ہاں یہ کیا گھڑی گھڑی بدشگونی نکالتی ہو منھ سے وہ مریں چاہے چولھے میں پڑیں تم اپنے تئیں تو نہ کوسو۔

حسن آرا اور سپہر آرا اور روح افزا اور بہار النسا بڑی بیگم کے پاس سے اٹھکر کمرے میں گئیں اور چاروں وہاں جا کر کھڑی ہونے لگیں۔ بس اب قیامت کا سامنا ہو چاروں نوخیز۔ چاروں تیز۔ چاروں تندخو اور حسین چاروں عفیفہ اور حسین وہ ادھر نکھار کر رہی ہیں وہ ادھر سنگار کر رہی ہیں۔ ـــہ

خدا جانے یہ آرائش کریگی قتل کس کس کو	طلب جتنا ہی شانہ آئینہ کو یاد کرتے ہیں

سبحان اللہ کیا شعر ہو ہزار بار لکھیں مگر پھر بھی جی چاہے کہ لکھتے ہی جائیں حسن آرا اور سپہر آرا اور روح افزا تو بن ٹھن کے موجود ہو گئیں مگر بہار النسا بیگم کے ابھی گیسو ہی سنورتے ہیں آئینہ رو برو ہو صورت پسند نہیں آتی مانگ ٹیڑھی ہو گئی سوباف کا جوبن ہی نہیں ظاہر ہوتا چھپکا بے موقع ہو یا الٰہی۔

روح افزا۔ انھیں جب دیکھو ناک چوٹی میں گرفتار رہتی ہیں۔

بہار النسا۔ تم آئے دن یہی طعنے دیا کرتی ہو۔

حسن آرا۔ اب آخر بہن کب تک سنگار ہوگا۔

روح افزا۔ ایسی تو صورت بھی نہیں اللہ نے بنائی ہو۔

راوی۔ جی بجا ہو۔

بہار النسا۔ چلیے آپ تو بڑی قبول صورت ہیں نہ ہمارے تلوے کو بھی نہیں پہنچتیں۔

راوی۔ اُف رے غرور اللہ رے دعوے حسن۔ چاروں طرار۔ چاروں کے چار انداز۔ ایک آئینہ سنبھالے۔ دوسری خود دلے۔ تیسری شوخ چشم چوتھی افشاں جبین حیادشرم حسن آرا کا آبی۔ سپہر آرا کا گلابی۔ روح افزا کا آسمانی اور بہار النسا کا زعفرانی ڈوپٹا نیرنگی قدرت حق کا تماشا دکھاتا تھا۔ ـــہ

ہر لطف حسینوں کی دو رنگی کا تماشا
دو چار گلابی ہوں تو دو چار بسنتی

گو بہار النسا سب سے زیادہ بنی ٹھنی تھی مگر حسن آرا کی خوبصورتی اُس سادگی میں بھی چوگنی تھی۔

بہار النسا نے کوئی دو گھنٹے میں کنگھی چوٹی سے فراغت پائی مگر اسوقت واقع میں بھلی معلوم ہوتی تھیں اور ع - دیکھو آئینہ میں کہتی تھیں کہ اللہ ری میں روح افزا گو ڈنگو کی بدولت دُبلی ہو گئیں تھیں اور چہرے میں وہ سرخی اور رعنائی بھی نہ تھی مگر پھر کمسن تھیں۔ حسین تھیں۔ سپہر آرا کی شوخی اور کج ادائی سب سے فوق لے گئی۔ مگر حسن آرا کے بھولے پن اور اُسی کیساتھ بانکی ادا نے اُسکے جوبن کو دو بالا کر دیا تھا۔ چاروں نکھر کر اُس وسیع و فراخ پر بہار ہوا دار کمرے میں فرش مکلف پر چھپر کھٹ کے پاس بیٹھی باتیں کرنے لگیں سپہر آرا ڈلی کترتی تھیں۔ حسن آرا نزاکت کے ساتھ گلوریاں بناتی تھیں۔ روح افزا ایک ترکی جنرل کی تصویر کو جو دیوار میں لگی ہوئی تھی غور سے دیکھتی تھی مگر بہار النسا بیگم کی نظر آئینہ ہی پر تھی - ہائے ستم۔

سپہر آرا۔ اے توبہ تو اب آئینہ دیکھ چکیں۔ یا گھنٹوں صورت ہی دیکھا کیجیے گا۔

حسن آرا۔ یہ شوق خود آرائی۔

بہار النسا۔ تم کہتی جاؤ۔ ہم جواب ہی نہ دیں گے۔

سپہر آرا۔ پھر دیکھا۔

روح افزا۔ کون اللہ جانتا ہے انھیں مرض ہے۔ یہ بھی ترلک عارضہ ہے۔

بہار النسا۔ واہ خواہی نخواہی عارضہ ہے۔

سپہر آرا۔ ہنی۔

بہار النسا۔ تم سب بہنیں ایک ہو گئیں اسوقت۔ بکتی جاؤ اپنی ہی زبان تھکاؤ گی۔

حسن آرا۔ روح افزا بہن تم اُٹھ کر آئینہ پر کپڑا گرا دو۔

روح افزا۔ دلی والیاں کہتی ہیں دگیر دو)

حسن آرا۔ ہاں بتاؤ تو یہ بات کیا ہے۔ ساس سے بنتی کیوں نہیں تم سے۔

بہار النسا۔ تم نے بھی کس کا نام لیا۔

سپہر آرا۔ اللہ اتنی بیزار ہو گئیں۔

بہار النسا۔ ایسی ساس کو تو بس چپکے سے زہر دیدے۔ کچھ کم ستر کی ہونے آئی ابھی تک خاصی ہانٹھی کٹھو تا سی بنی ہے۔ میرا تو ہاتھ پکڑلے تو چھڑانا مشکل ہو جائے۔ موئی دیونی ہے۔

روح افزا۔ بھیج کی بھیج بنی ہے۔

حسن آرا۔ (ہنس کر) یہ بھی عیب ہے کوس کوس کے کھا جاؤ نہ۔

بہار النسا۔ تمھیں کہاں کی ایسی محبت پھٹ پڑی ہے آگی۔

حسن آرا۔ بہن بل جل کے رہنا اچھا۔

بہار النسا۔ ایک دن کا ذکر سنو۔ کسی کے ہاں سے مہری آئی کچھ میوہ لائی تھی۔ وہ اُسوقت جھوٹ موٹ قرآن شریف پڑھ رہی تھیں مہری نے آکر مجھکو سلام کیا اور میوے کی تشتری سامنے رکھدی بس دن بھر منھ پھلائے رہیں۔

حسن آرا۔ ہے تو بڑی بد عورت۔

روح افزا۔ مگر دیکھنے میں میٹھی۔

سپہر آرا۔ باتیں بھی چکنی چپڑی کرتی ہیں۔

بہار النسا۔ اور سنو ابھی سنو تو۔ سنتی جاؤ ایک روز ان کو کسی نے دو چکوترے دیئے۔ انھوں نے اپنی ماں کو دیدیے۔ اُنھوں نے کہا لو میں نہ کھاؤنگی۔ خیر آئی گئی بات ہو گئی۔ انھوں نے ایک چکوترا مجھکو بھیجا اور ایک میری نند کو۔ وہ اُنسے بڑھ کر بس کی گانٹھ۔ بس جل مری اور جا کے ماں سے جڑ دیا کہ بھائی نے ہم کو آدھا سڑا ہوا چکوترا دیا اور بھابھی کو بڑا سا چکوترا بھیجا۔ اس جھوٹ کو تو دیکھو۔ اُنھوں نے صبح سے شام تک چرخا کاتنا شروع کیا۔ یا میرے اللہ لگانے بجھانے میں تو وہ برق ہے۔

حسن آرا۔ میں ایک بات پوچھوں۔

بہار النسا۔ پوچھو۔

حسن آرا۔ سچ سچ کہنا۔

بہار النسا۔ اے ہو تم تو نکاح کی سی شرطیں کرتی ہو پوچھتی دو چھتی کچھ بھی نہیں ہو۔

حسن آرا۔ دولھا بھائی تو پیار کرتے ہیں۔

بہار النسا۔ یہی تو خیر ہو۔

حسن آرا۔ دل سے۔

بہار النسا۔ دل اور جان سے۔

حسن آرا۔ بھلا ماں سے بنتی ہو۔

بہار النسا۔ وہ خود جانتے ہیں کہ چڑچڑی بدمزاج لڑاکا عورت ہو۔

حسن آرا۔ بہن وہ تو بڑی ہیں ہی۔ مگر تم بھی تیزی کے سبب سے اُنکو ادھر بھی جلاتی ہو۔ جو مل کے چلو تو وہ تمھارا پانی بھرنے لگیں۔

بہار النسا۔ اچھا تم ہی بتاؤ کیا مل کے چلوں۔

حسن آرا۔ سنو روح افزا بہن ہم سب مل کر انصاف کرو ہم ان کو یہ صلاح دیتے ہیں کہ ابکی جب جائیں تو اُن کو ادب کے ساتھ جیسا بہو بیٹیوں کا دستور ہو جھک کے سلام کریں۔

روح افزا۔ کن کو۔ کن کو۔

حسن آرا۔ ساس کو اپنی اور کسکو دیواروں کو۔

روح افزا۔ واہ۔

حسن آرا۔ واہ کاہے کی۔

سپہر آرا۔ اے سنتی جاتی ہو کہ یہ اُنکی جان کی دشمن وہ نصیب عدا انکے خون کی پیاسی بات چیت تک تو ہوتی نہیں اور جو ہوئی بھی تو وہی طعنے بازیاں۔

حسن آرا۔ واہ ابتک جو ہوا سو ہوا اب یہ سلام ضرور کریں گر جھک کے۔

بہار النسا۔ مرجاؤں مگر سلام نہ کروں مردار کو۔

حسن آرا۔ بس یہی تو بُری بات ہو۔

بہار النسا۔ رہنے دیجئے بس۔ واہ وہ تو ہم کو دیکھ کے جل مریں ہمارے ماں باپ کو پانی پی پی کر کوسیں۔ ہماری بہنوں کو بُرا بھلا کہیں اور ہم اُن کو جھک کے سلام کریں ایک دن ماما کو خوب للکارا کہ ہمارا پا ندان ادھر اُدھر کیوں دے آئی میرے مُنھ سے بس اتنی سی بات نکل گئی کہ یہ میری ساس کا ہیکو ہیں یہ تو میری سوت ہیں بس اسپر دو دن تک کوسا کیں۔ لڑکے کو بلا کے اتنا سخت سُست کہا کہ توبہ ہی بھلی۔ میں تو بس دھک سے رہ گئی۔

راوی۔ واہ بی بہار النسا بیگم صاحب۔ کیا خوب بات حضور نے فرمائی ہے آپکی ساس واقع میں بڑی کلہ دراز ہیں ایکدن چپکے سے گلا گھونٹ ڈالیے روز روز کا جھگڑا مٹے۔ یہ جھوٹے تو جائے کہیں کس مزے سے فرماتی ہیں کہ بس میرے مُنھ سے اتنی سی بات نکل گئی کہ یہ میری ساس کا ہیکو ہیں یہ تو خاصی سوت ہیں۔ ارے توبہ۔ توبہ۔ خدائی بھر میں کوئی عورت بھی اپنی بہو کا ایسا سخت اور جگر خراش فقرہ سنکے چپ ہو رہے گی۔ اور تیرا اپنے نزدیک بیگم صاحب نے کچھ بھی نہیں کہا فرماتی ہیں کہ (بس اتنی سی بات میرے مُنھ سے نکلی) ایمان اللہ انکے نزدیک یہ اتنی سی بات تھی ساس کو سوت بنایا اور انکو (اتنی ہی سی) بات فرماتی ہیں جب لڑکوری ہونگی اور ساس بنیں گی اور بہو انکو سوت بنائے گی تب دیکھیے گا کیسا کودتی اُچھلتی ہیں۔

حسن آرا اور سپہر آرا اور روح افزا نے جو یہ سُنا تو دنگ ہو گئیں۔

حسن آرا۔ (دانتوں کے تلے اونگلی دبا کر خاموش)۔

سپہر آرا۔ (چہرے سے حیرت برستی تھی)۔

روح افزا۔ (اُداس مارے غصّے کے چہرہ لال ہو گیا۔)

اس کیفیت کے بعد اُن سب کو ہنسی آئی اور تینوں کھلکھلا کر لوٹنے لگیں تو کوئی آدھ گھنٹے تک ہنسی ضبط نہ ہو سکی۔

حسن آرا۔ اُف بڑی بُری بات کہی۔

روح افزا۔ بُری سی بُری۔

سپہر آرا۔ اب بن چکی بس۔

بہار النسا۔ تم سب کو ہماری ساس نے کچھ رخصت۔ وہ تو بہ رشوت ضرور دی ہے۔ جب کتنی ہو انھیں کی سی۔

روح افزا۔ تمھاری سی کیا کہیں بھلا۔

سپہر آرا۔ ہماری بہن اور ایسی منہ پھٹ۔ ساس کو سوت بنائیں۔

حسن آرا۔ اور پھر شرمائیں نہ شرمانے دیں۔

بہار النسا۔ اب بتائیے تو۔ ہاں پہلے جھک کے سلام کروں خوب دوہری ہو کے اور پھر۔

حسن آرا۔ اے ہے میرے تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں کہ تم سے یہ کہا کیونکر گیا۔

بہار النسا۔ بتاؤ بتاؤ۔ ہماری قسم سچ بتاؤ۔

حسن آرا۔ تم ہنسو گی اور ہمیں ہوگا رنج۔

بہار النسا۔ نہیں ہنسیں گے نہیں بولو۔

حسن آرا۔ جا کے سلام کرو۔

بہار النسا۔ اور جو وہ جواب نہ دیں تو اپنا سا منہ لے کے رہ جاؤں۔

سپہر آرا۔ واہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ جواب دیں اور پھر دیں۔

روح افزا۔ اور وہ نہ بھی دیں تو پھر بڑی ہیں۔

حسن آرا۔ نہ جواب دیں تو قدموں پر گر پڑو۔

بہار النسا۔ میری بیزار گرتی ہے قدموں پر۔

حسن آرا۔ چلیے اب کوئی اور ذکر چھیڑیے۔

روح افزا۔ وہ بھی کچھ ان سے کم نہیں ہیں۔ وہ تنک مزاج یہ تیز مزاج۔

بہار النسا۔ وہ جیسا میرے ساتھ کرتی ہیں ویسا انکے آنکھوں گھٹنوں کے آگے آئے۔

حسن آرا۔ خرچ تو کھلا ہے یا کنجوس ہیں۔

بہار النسا۔ تین سو روپئے کے ہیں ڈھائی سو گاؤں سے آتے ہیں وہ تو خود دیتی ہیں اور نقد کوئی ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ ہی زیادہ ہوگا۔ اور جواہرات مکان باغ دکانیں یہ الگ اور چچا کے حصے میں سے دو سو تمھارے بہنوئی مہینے کے پاتے ہیں اور وکالت میں کوئی چھ سات سو روپیہ مہینا ملتا ہے۔

روح افزا۔ مگر خرچنے میں آندھی ہیں۔

بہار النسا۔ بگھیاں فٹن گھوڑے سب ہی کچھ ہے آدمی نوکر چاکر یہ وہ

حسن آرا۔ تم کو کیا دیتے ہیں۔

بہار النسا۔ اس مردار کھپٹ بڑھیا سے چرا کر میرے اوپر کے خرچ کے لیے سو روپیہ مقرر ہے اسمیں کپڑے کھانے عطر پان ڈلی سے واسطہ نہیں وہ سب انھیں کے خرچ میں ہوتا ہے۔

سپہر آرا۔ روح افزا بہن تمھارے میاں کی بھی تو اب ترقی ہوئی ہے

روح افزا۔ ہاں۔

حسن آرا۔ اب کیا تنخواہ پاتے ہیں۔

روح افزا۔ اب اوّل درجے کے منصف ہوے چار سو کے۔

حسن آرا۔ کچھ زمین بھی تو ہے پاس۔

روح افزا۔ کوئی نو سو کی سالانہ آمدنی ہے۔

حسن آرا۔ اور انکے بڑے بھائی کہاں نوکر ہیں۔

روح افزا۔ وہ نیل کی سوداگری کرتے ہیں۔ انکی بڑی آمدنی ہے۔ کوئی سترہ اٹھارہ سو ماہواری خرچ کے بعد بچ رہتے ہیں۔

حسن آرا۔ تمھاری ساس خوب ہیں۔

سپہر آرا۔ لڑیں نہ جھگڑیں بیچاری۔

روح افزا۔ مگر انکی صاحبزادی تو بس۔ کچھ نہ پوچھو۔ اس نے میری ناک میں دم کر دیا جب آتی ہے روز ماں کو بھرا کرتی ہے۔

سپہر آرا۔ جو بہار النسا بہن وہاں ہوتیں تو ان ساس سے بھی نہ بنتی۔

بہار النسا۔ ہاں بڑی وہ بن کے آئی ہیں۔ آپ۔ ہونھ۔

میرزا ہمایوں فر اور اصنام رشک قمر

اتنے میں بہار النسا نے کہا کہ اسوقت کالی کالی گھٹا چھائی ہے جی چاہتا ہے مہتابی پر سے دریا کی موج زنی دیکھیں۔ روح افزا ابھی جھپ سے راضی ہو گئی۔ سپہر آرا ابھی خوش خوش اٹھ کھڑی ہو گئیں۔ ہاں ہاں چلیے چلیے مگر حسن آرا کو یاد آ گئی کہ مرزا ہمایوں فر ضرور خبر پائیں گے اور ضرور کوٹھے پر آئیں گے اور ضرور ستائیں گے۔ لیکن مجبور تھی چاروں پھرتی کیساتھ زینے پر چڑھنے لگیں ہائے اسوقت کی شوخی بس غضب تھی سپہر آرا کہتی ہیں کہ سبکے پہلے میں ہی مہتابی پر پہنچوں۔ بہار النسا کی نزاکت اور تیزی اور ہی جوبن دکھاتی ہے روح افزا ہنس ہنس کر سپہر آرا کے شانے سے شانہ لڑاتی ہے۔ مگر حسن آرا پھر آپ جانیے نستعلیق ناز و انداز سے خراماں خراماں زینوں پر قدم رکھتی ہیں۔ چاروں غارت گر دین و ایمان مہتابی پر داخل ہوئیں۔ اللہ اللہ آج سویرے سویرے چار چاند نظر آئے مکھڑوں کی وہ چمک دمک کہ پائے نگاہ تک پھسل جائے۔ ہرن کی طرح وہ آہو چشم چوکڑیاں بھرنے لگیں ہوا اس زور سے چلتی تھی کہ دوپٹہ ڈھلکا جاتا تھا گورا گورا بدن صاف نظر آتا تھا کسی ہمراز نے میرزا ہمایوں فر سے جا کر کہہ دیا کہ پیر و مرشد اسوقت تو سامنے والا کوٹھا پرستان ہے۔ اندر کا اکھاڑا ہو رہا ہے۔ ایک غنچہ کھلا ہوا ہے سامنے۔ انکو تاب کہاں تڑپ سے کوٹھے پر آئے تو۔ ؎

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ	صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

سپہر آرا جھپٹ کے کمرے میں ہو رہی۔ روح افزا ڈر سے وہیں بیٹھ گئی حسن آرا نے ذرا تیوری تو چڑھائی مگر بہار النسا بیگم نے بیدھڑک آنکھیں لڑائیں۔ میرزا ہمایوں فر نے بہت جھک کے دور ہی سے آداب عرض کیا۔

بہار النسا۔ آنکھیں ہی پھوٹیں جو ادھر دیکھے۔

ہمایوں فر۔ ہاتھ کے اشارے سے۔ (اپنا گلا اپنے آپ کاٹ ڈالونگا)۔

بہار النسا۔ بسم اللہ۔

اتنے میں ننھی ننھی بوندیں پڑنے لگیں اور چاروں پری پیکر بانکپن کے ساتھ نیچے چلدیں۔ میرزا ہمایوں فر منھ تاکتے رہ گئے۔

حسن آرا۔ (بہار النسا سے) آپ تو خوب ڈٹ کے کھڑی ہو گئیں۔

بہار النسا۔ کیوں کیا کوئی گھول کے پی جائے گا۔

روح افزا۔ یہ شہزادے ہیں ہمایوں فر۔

سپہر آرا۔ تم کیونکر جانتی ہو بہن۔

روح افزا۔ لے واہ اور سنیے گا۔ جانو ہم یہاں کبھی آئے ہی نہیں۔ یہ بہت دن تک کلکتہ میں رہے۔ لڑکپن میں ہم کھیلا کیے ہیں انکے ساتھ۔

بہار النسا۔ لے بہن چپتیں لگایا کیے ہیں انکو۔ لڑکپن میں بڑے خبصورت (خوبصورت) تھے۔

روح افز۔ اور کیا اب نہیں ہیں۔

بہار النسا۔ دور سے کچھ دکھائی نہیں دیا۔ ہی ہی انکی ماں دربار ہی سے جھوٹم جھوٹا ہوا کرتا تھا۔ ساس بہوؤں میں پل بھر تو بنتی نہیں تھی۔ جب دیکھو کھٹ پٹ۔

روح افزا۔ تم تو خوش ہوا کرتی ہو گی۔

سپہر آرا۔ آئیے شطرنج کھیلیں۔

بہار النسا۔ یہاں آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں تم شطرنج کے منصوبے میں ہو۔ اتنے میں بڑی بیگم نے پانچ سیب ایک انار کچھ انگور اور چلغوزے بھیجے۔

ماما۔ لیجیے یہ میوہ بڑی بیگم صاحب نے دیا ہے۔

سپہر آرا۔ دیکھو یہ چلغوزے تو لیتی جاؤ۔

پیاری۔ ہم کو دیجیے۔

سپہر آرا۔ انگور دیجیے۔ بیدانہ شہید نکٹوں کو چھاپا۔ سب کے پہلے انکو دیجیے۔ آپ کون ہیں۔ بڑی وہ بن کے آئی ہیں۔

حسن آرا۔ (چلغوزے اٹھا کر) اچھا لے پہلے سلام کر کے

پیاری۔ سلام اب لایئے۔

چاروں بہنوں نے میوہ مزے مزے چکھا چہل ہوتی جاتی تھی ایک دوسرے کے ہاتھ سے چھین چھین کے کھاتی تھی قہقہے پڑتے تھے شانے سے شانے رگڑتے تھے۔ جوانی کی امنگ شباب کی ترنگ۔

اب سنیئے کہ میرزا ہمایوں فر کلکی باندھے کوٹھے تاک رہے ہیں۔ ؎

نہ مڑ کر کبھی بیدرد قاتل نے دیکھا
تڑپتے رہے نیم جاں کیسے کیسے

جب بڑی دیر تک مہتابی کو سونا پایا تو بیچارہ یہ شعر زبان پر لایا ؎

کل بام مونسِ کیا تمکو کمھاپا ہو کہ ہائے
آج وہ آنکھ وہ چشمک وہ اشارہ ہی نہیں

شہزادہ بلند اختر میرزا ہمایوں فر نے جب اُس غیرت لعبتان چینی اسرا لوح بیاض نازنینی کو نظر سے اوجھل پایا تو اُنکی آنکھوں میں اندھیرا سا چھایا دم گھبرایا بہار النسا کا آنکھیں لڑانا یاد آیا۔ حسن آرا کی تیزی اور شوخی کے خیال نے تڑپایا۔ جگر میں خار غم ہجر کی خلش۔ سینہ میں نائرہ رنج جدائی کی طپش۔ دل میں دھڑکا جی میں کھٹکا۔ گل سا چہرہ خنداں مرجھا گیا۔ غنچۂ دل کُمھلا گیا۔ ؎

دل سے شعلے اُٹھتے ہیں جو وقت آجاتا ہے یاد
وہ بھبھو کا سا بدن نوخیز گدرایا ہوا

حیرت تھی کہ اس شوخ بیباک نے آنکھ کیوں ملائی۔ اور ملائی تو پھر اس قدر کیوں شرمائی پھر سوچے کہ شاید دھوکا ہوا ہو۔ کسی اور سے دل ملا ہوا ہو یہ ہو کسی اور طرف چشمک زنی تھی گر یہاں تیر نگاہ ایسا کاری پڑا کہ کیفیت جان کنی تھی۔ ؎

جیسے رکی نگاہ تو چشمک اِدھر اُدھر
پیدا یہ چشم شوخ نے کیا بانکپن کیا

الٰہی یہ کس خوش نصیب سے اشارے بازی کرتی تھی۔ کس خوبرو کے عشق کا دم بھرتی تھی۔ ؎

زلفوں سے کافری کا پریشاں کیا دماغ
آنکھیں دکھا کے نشۂ آہو ہرن کیا

بی حسن آرا بیگم کی لفاظی اور جادو طرازی

اب اودھر کا ذکر سنیئے۔ آج وہاں اور چرچے ہیں۔

بھئی بیوی خدا لگے تو حسن آرا کی سی۔ یوں تو ہندوستان میں ایک سے ایک بڑھ کر حسین و حیا پرور نازنین و پاک نظر ہے لیکن حسن آرا کی ادا ہی اور ہے۔ ؎

شاہد آنیست کہ موئے و میانی دارد
بندۂ طلعت آنیم کہ آنے دارد

یہ دہن شیریں۔ یہ حسن شرگیں۔ یہ لب لعل شکر خا۔ یہ ناز و ادا۔ یہ معشوق پن یہ چھبن۔ دید کی آنکھ نے دیکھا ہو تو دکھائے اور شنید کے کان نے سنا ہو تو بتائے۔ فرد ہے۔ لاجواب ہے۔ ہزاروں لاکھوں میں انتخاب ہے۔ ؎

وہ غمزہ اُس چشم شرگیں کا کہ خون ہو دل غزال چیں کا
وہ جلوہ افشاں جبیں کا کہ ماند ہو چاند چودھویں کا
نزاکت اُس سیمبر کی پنہاں ہے جو منظور چشم حیراں
سفیدی چشم منتظریاں بنی ہے گلبرگ یاسمیں کا
اگر وہ ملبوس میں زری کے دکھائے انداز دلبری کے
تو آڑ چلے بھیس میں پری کے کرشمہ اُس شوخ نازنیں کا

اور اس حسن خداداد پر وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا اور کچھی ستم تھا خیالات فاخرہ ایسے کہ اُنکی رزانت کی قسم کھائے۔ فکر عمیق ایسی کہ اُسکی متانت کے صدقے ہو جائے ؎

چہر غان چمن رنگیں ادائے نازک آوازے
سراپا عشوۂ عالم فریبے شوخ طنازے
بلیغے خوش کلامے دوراندیشی خوش اندامے
فصیحے نکتہ پردازے زسرتاپا ہمہ نازے
چو گل بند قبا نازے چو شبنم پاکدامانے

ایک دن حسن آرا کو وہ بات سوجھی جو آجتک کسی کو نہ سوجھی ہوگی سوچی کہ آؤ ایک لکچر دوں اور ہاتھوں ہاتھ قدر دانوں سے داد سخن لوں۔

حسن آرا۔ آؤ ایک لکچر دیں۔

بہار النسا۔ کیا۔ کیا دیں۔

سپہر آرا۔ انگریزی زبان کی ٹانگ توڑی ہے۔

روح افزا۔ کچر کیا شے ہی۔

حسن آرا۔ دولھا بھائی جلسۂ تہذیب میں جاکے آئے دن کیا پڑھا کرتے ہیں

روح افزا۔ واہ انسے (بہار النسا کی طرف اشارہ کرکے) انسے پوچھو۔

بہار النسا۔ اوی ہم کیا تمھارے دولھا بھائی کے ساتھ ساتھ گھوما کرتے ہیں جانے کہاں جاتے ہیں۔ کیا پڑھ پڑھ کے سناتے ہیں اتنا ہم کو معلوم ہی کہ شہر بہت سکتے ہیں ایک دن ہم سے کہنے لگے کہ چلو تم کو رمنے کی سیر کرا لائیں فیٹن پر بیٹھو تپ گرادیں گے۔ رات کا وقت ہی۔ تم دوشالے سے خوب منھ اور جسم کو چرالینا۔ چلو ہوا کھلا لائیں۔ میں نے کانوں پر ہاتھ دھرے کہ نہ صاحب بندی ایسی سیر سے درگذری۔ رمنے میں وہاں صاحب لوگ ہونگے اور جانے کون کون ہو ہم نہ جانے کے۔

حسن آرا۔ واہ وجہ نہ جانے کی وجہ۔

سپہر آرا۔ ابکی آئیں تو اُنکے ساتھ ہم ضرور جائیں۔

بہار النسا۔ چلو بیٹھو۔ چھوٹی نو عمر لڑکیاں بہنوئیوں کے ساتھ یوں نہیں جایا کرتی ہیں۔

سپہر آرا۔ (ٹھنک کر) کیا فرمایا فدوی پھر تو کہئے گا۔

روح افزا۔ کہتی ہیں نو عمر سالیاں جوان بہنوئیوں کے ساتھ یوں نہیں جایا کرتی ہیں۔

سپہر آرا۔ جی ہاں میں نے سنا سُنا۔ بہری نہیں ہوں۔ اچھی صورت اللہ نے نہیں دی مگر کان بڑے بڑے بنائے ہیں۔

راوی۔ ایں! کیوں صاحب یہ ناشکری۔ ؎

تجھکو لے بت جو سر انجمن آرائی ہو	کافرستان ہر اک چشم تماشائی ہو

جس نے ایک نظر بھر کر بھی دیکھ لیا اسکو بس یہی شوق ہوتا ہی کہ ٹکٹکی باندھ کے دیکھا ہی کرے۔ ؎

برق تجلی کرد تابش گو دخت طور	از پرتو جمال تو بر کوہ جستہ است

روح افزا۔ ایک کام کرو۔ دس پانچ لڑکیاں اور بھی تو ہوں کہ ہم ہی تم تنڑدوں ٹوں۔

حسن آرا۔ اچھا ٹھہریے بلواتے ہیں۔

سپہر آرا۔ شیخ جی کے ہاں تو ماما کو بھیجو اور تقی خاں کے گھر دل بہار کو بھیجو اور کہو کہ دونوں صاحبزادیوں کو اسیوقت بلایا ہی ہماری بہنیں باہر آئی ہیں اور ماما سے کہدو کہ پلٹتے ہوئے مبارک علیخاں بھائی کے ہاں جاکے لاڈو خانم کو ساتھ ہی لے آئے۔ پالکی انکے ہاں ہی ہی اور ہم نظیر کو بلوائے لیتے ہیں۔

حسن آرا۔ اے نظیر کو نہ بلواؤ۔ اُنکے ساتھ جانی بیگم بھی آئیں گی۔ وہ بات بات میں شاخیں نکالتی ہیں۔ اُنھیں خبط ہی کہ ہم سے بڑھ کر کوئی حسین ہی نہیں ہو شکل چڑیلوں کی ناز پریوں کا۔ دن رات ناک چوٹی میں گرفتار رہتی ہیں۔

سپہر آرا۔ پھر اچھا تو ہی۔ بہار النسا بہن سے بھڑوا دینا۔

روح افزا۔ پھر اب جھٹ پٹ بلواؤ۔

ماما جی اور دربان اور خانصاحب اور دل بہار لین چاروں کو حکم ہوا کہ جاؤ وہ ادب کے ساتھ حکم بجالائے۔ تھوڑی دیر میں ڈولیوں پر ڈولیاں اور فنسوں پر فنسیں اور بگھیوں پر بگھیاں آنے لگیں۔ حسن آرا اور سپہر آرا کا وسیع عالیشان فراخ و فلک توامان کمرا ہمیشہ سجا سجایا رہتا تھا آج اُنھوں نے اسقدر تکلف کیا کہ بیش بہا غالیچے ادھر اُدھر بچھوادئے۔ کمرے کی رونق دو بالا ہوئی دربان بار بار آواز دیتا تھا کہ سواریاں آئی ہیں اصیلیں مغلانیاں باہر سے جاجاکر سواریوں پر سے اُتروانی تھیں اور وہ ناز و انداز کے ساتھ چمک چمک کر اندر آتی تھیں۔ سلام بندگی کے بعد بغلگیر ہوتی جاتی تھیں جب سب آچکیں تو دربان نے پھر آواز دی کہ ماما جی پردہ کرائیے زنانی سواریاں آئی ہیں سب کے بعد بانکی گاڑی پر سے دو نوجوان اُتریں ایک کا کوئی بیس برس کا سن دوسرے کے الھڑ پنے کے دن۔ ایک شوخ و طرار دوسری بھولی اور ناکردہ کار۔ اندر گئیں۔ سپہر آرا اور حسن آرا اور بہار النسا اور روح افزا سے گلے ملیں اور سب کی سب بیٹھیں شوخ و طرار کا نام جانی بیگم تھا بھولی اور ناکردہ کار کا نام نظیر بیگم تھا۔ جانی بیگم

چُناخ پُٹاخ بوٹی بوٹی سیماب کیطرح بیقرار باغ و بہار۔ نظیر بیگم کو کوئی تیرھواں سال تھا۔ چہرے مہرے تک سک سے ایسی درست کہ لاکھوں میں ایک خوش وضع خوش قطع یار باادر نیک گز نگاہ اشارت آشنا نہیں انکھڑیوں میں لگاوٹ بازی کا پتا نہیں۔ ~~

اپنے جوبن سے نہیں یار خبردار ہنوز ... ناز و انداز سے واقف نہیں نہا ہنوز
کسطرح اُس سے وفا شرط وفاداری ہو ... جو سمجھتا ہی نہیں آپ کو دلدار ہنوز
ابھی انداز سخن میں نہیں انداز فریب ... بے تکلف میں جو گویا لب گفتار ہنوز
چال میں ٹھمک ہی ناز سے اٹھکھیلی کا ... فتنہ پرداز نہیں شوخی رفتار ہنوز
ہی رنگین کا ہر اک ناز و ادا میں انداز ... دلبری سے نہیں زنہار خبردار ہنوز

حسن آرا نے سب کو مخاطب کر کے کہا۔

میری پیاری بہنو۔ میری پیاری ہمجولیو۔ میں کچھ ایسی لقمان کی دوسری تو ہوں نہیں کہ کھڑی ہو کر تڑتڑ اور فر فر کہتی چلی جاؤں۔ میری تو زبان لڑکھڑانے لگے گی۔ مگر میں کہوں گی ضرور۔ ایک بات ہو ایسا نہ ہو کہ تم سب چٹکیوں پر اُڑاؤ اور مفت میں نکو بناؤ۔

جانی بیگم۔ ای ہو تو کاہے کے واسطے نکو بنائیں۔ خدا واسطے کو اور نکو تو وہ بنائے جو اپنی ناک جڑ سے کاٹ کے پھینک دے۔

حسن آرا۔ اچھا تو پھر ہم جو کہیں وہ سنئے۔

جانی بیگم۔ اچھا تو ذری حقہ تو بھرواؤ کیا رمضان شریف ہو یا ن نہ گلوری نہ حقہ نہ گڑگڑی۔

سپہر آرا۔ ماما جی۔

ماما جی۔ حکم۔

سپہر آرا (اُٹھ کر کان میں) دو چاندی کی گڑگڑی تو بھر دا لانا۔

ماما جی۔ (تھوڑی دیر میں) لیجئے دو سیرا بھر دا دیا ہو۔

سپہر آرا۔ (جانی بیگم کی طرف اشارہ کر کے) انھیں دو۔

جانی بیگم۔ تسلیم۔ (حسن آرا سے) ہاں ہاں کہو جیبیر کا روزہ رکھا ہو کیا

حسن آرا۔ ہم نے کچھ لکھا ہو اور آپ سب کو ہم ضرور سنائینگے اسپر تین چار ہم صفیر ہوکر بولیں کہ کہیے کہیے۔ خدا کی قسم آپ باتیں کیا کرتی ہیں جیسے بلبل چہک رہا ہو۔

جانی بیگم۔ ہزار داستاں ہو ہزار داستاں۔ بہاڑی مینا کی حقیقت کیا ہو۔

حسن آرا نے پھر پڑھنا شروع کیا اور سب کی سب چپ چاپ سننے لگیں۔

تقریر دلپذیر دسحر تخمیر

آب گوہر ہنر پروری چشمک زن سحر سامری۔ ریختہ خامۂ فصاحت ختامۂ شاعرہ خوش فکر و نازک خیال۔ ملیح الکلام شیریں مقال۔ خورشید مشرقستان نکتہ رانی۔ بدر منیر فلک خوش بیانی افشاں جبین حسن وصفا گیسوے عذار شرم وحیا خال زیبائے رُخ عصمت مہر سپہر عفت رابعہ منزلت۔ بلقیس مرتبت شیریں حرکات رنگین ادا حسن آرا بیگم صاحبہ المتخلص بہ حسین۔

دوہرا

میری پیاری بہنو۔ ساس بہوؤں کے جھگڑے نند بھاوجوں کے بکھیڑے میاں بیوی کی جوتی پیزار۔ بات بات پر گلچپ۔ بات بات پر تکرار۔ ہر دم عناد۔ آئے دن فساد۔ آپس کی شورہ پشتی سمدھنوں سمدھنوں کی دھینگامشتی سے خدا کی پناہ۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ ان بری باتوں سے خدا بچائے۔ بھلے مانسوں کی بہو بیٹیوں کے مزاج میں ایسی بات دخل نہ پائے اس پھوٹ کی تمھارے ہندوستان ہی میں اسقدر گرم بازاری ہو کہ ساس کی زبان پر کوسنا جاری ہو اور بہو مصروف گریہ وزاری ہو اور میاں کی عقل عاری ہو۔ نند بھاوج سے برسرپیکار بھاوج نند کی صورت سے بیزار۔ بہو ہچکیاں لے لے کر روتی ہو ساس زہر کھا کر سوتی ہو اور جو ساس اور بھی میدان غضب کی لکہ تاز ہوئی اور بہو زبان دراز ہوئی تو مار پیٹ کو کہیں لینے نہیں جانا ہو اپنا گیا آگے آتا ہو میاں اگر بیوی کی سی کہیں تو ملاں کی گھڑکیاں سہیں۔ اگر اماں کا

جنبہ کریں تو بیوی کی باتیں سُنیں۔ ماں اُدھر بیوی ادھر کان بھرتی ہو وہ ان کے اور یہ اُنکے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتی ہو۔

مگر تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ کوئی بجاکے دکھا دے ساس حلیم ہو تو بہو کو منالے اور بہو سلیقہ والی ہو تو ساس کو آدمی بنالے۔ ورنہ سے

اگر در ہر دو جانب جاہلانند	دگر زنجیر باشد بگسلانند

ایک شریف زادی نے اپنی ماما سے کہا کہ ہماری ساس تو ہماری سوت ہیں خاصی (دانتوں کے تلے اُنگلی دباکر) ہی ہی آسمان نہیں پھٹ پڑتا ایسے زمانے پر خبر نہیں بیاہ ہوتا ایسی باتیں بنانے پر ہمیں دعویٰ ہی کہ اگر وہ شریف زادی ہماری رائے پر چلیں اور جو ہم کہیں وہ کریں تو اُنکی ساس راہ راست پر آجائیں اور انھیں اپنے سر پر بٹھائیں وہ سیدھی جاکر ساس کے قدموں پر گر پڑیں اور آج سے ہرگز اُنسے نہ لڑیں کیا اُنکی ساس کا سر پھر گیا ہی یا باؤلے کتے نے کاٹا ہی ساس کی اگر بہو خدمت کرے۔ ساس کی محبت کا اُنکی لڑکیوں کیطرح دم بھر تو خدائی بھر کی ساسوں میں کوئی ایسی نہ ملے جو چھیڑ کر بہو سے لڑے یا بیوجہ بات بات پر بھڑ بھڑ بڑ بڑے۔ اور جو ساس بہو ہیں دونوں تیز اور تیکھی اور بلاے بیدرماں ہوں تو بس ستم ہی غضب ہی قیامت ہی آفت ہی۔

اب سوچو تو ذرا دل میں کہ اس تکرار اور جوتی بیزار کا انجام کیا ہی اور اسکا نتیجہ کیسا بُرا ہی۔ گھر میں پھوٹ۔ ایک دوسرے کی دشمن جانی صورت سے بیزار لونڈیوں باندیوں میں ذلیل وخوار۔ ساری دنیا میں رسوا اور روسیاہ۔ گھر تباہ۔ ایک چپ سو بلا ہزار بلا کو ٹالتی ہی بیچ اور فساد کو دم میں جہنم میں ڈالتی ہی۔ گرچہ کوئی خاموش رہے بھی۔ جب کوئی اتنی سی مصیبت سہے بھی اور جب خیال ہو کہ ساس ایک کہے تو دس سنائیں۔ اور وہ دو باتیں کہے تو بیس مرتبہ اُسکو اُلّو بنائیں تو بس میل ہو چکا۔ ساس ہوئی بھونی مونگ ہوئی۔ آخر اُس کا بھی کوئی درجہ ہی یا نہیں۔ یا بس سسرال میں جاتے ہی مالکن بن بیٹھے ساس کو طاق پر رکھدے اور میاں پر حکومتیں چلانے لگے۔

انگریزوں کی ولایت میں یہ اچھا قاعدہ ہی کہ ادھر شادی ہوئی اُدھر باپ الگ بیٹا الگ۔ محبت الفت پیار سب وہی رہتا ہی مگر الگ تھلگ اور پھر مل جُل کے۔ خدا جانے وہاں بھی ساس بہوؤں میں لڑائی جھگڑا ہوا کرتا ہی یا نہیں مگر اتنا تو ہوتا ہوگا یہاں تو گھر گھر ساس بہو میں بیچ چلتی ہی کُھلم کُھلا۔ اور جو بیچ نہ چلی تو دونوں میں کدورت رہتی ہی۔ انگریزوں کی ولایت میں اچھا قاعدہ ہی مگر یہاں اگر کوئی لڑکا اپنی جورو کو لیکر الگ رہے اور ماں باپ سے جدا ہو تو لوگ اسکو نام رکھیں اور ہنسیں کہ واہ اچھے سپوت پیدا ہوے۔ جورو پاتے ہی باپ کی دم میں رسا باندھا اور ماں کو طاقچے پر بٹھا دیا۔ ہی ہی گھر گھر رسوا ہو جاے تو یہاں بہو کو ذرا سوچ سمجھ کے چلنا چاہیے۔

تم میں سے بعض ابھی کنواری ہو مگر ایک نہ ایک دن سسرال جانا ہی اور کسی ساس کی بہو بننا ہی بعض کی شادی ہو بھی گئی ہی جنکو بہو بننا ہی وہ میری ان باتوں کو خوب یاد رکھیں اور جو ساس والی بہو ہیں وہ میری باتوں کے موافق چلیں تو پھر دیکھیں کتنا فائدہ ہوتا ہی۔

اب میں تم سے اتنا چاہتی ہوں کہ سچ سچ اپنی اپنی ساس کا حال بیان کردو۔ یہاں کوئی غیر تو ہی نہیں۔

اسپر سب کی سب جنکی شادی ہو گئی تھی بلبل ہزار داستاں کیطرح چہکنے لگیں۔

ایک۔ اللہ کرے ہماری ساس کو آج رات ہی کو ہیضہ ہو۔

دوسری۔ اللہ کرے ابتک ہماری ساس کو ہیضہ ہو گیا ہو۔

تیسری۔ اللہ کرے ایسی جگہ ہماری کمبخت ساس مرے جہاں ایک قطرہ پانی نہ ملے

بہار النسا۔ یا خدا میری ساس مروا کے پاؤں میں باؤلا کتا کاٹے اور وہ بھونک بھونک کے مرے۔

چوتھی۔ ہم تو اپنی ساس کو پہلے ہی چٹ کر گئے ہیں۔ بکتی بڑی چرچڑی۔

پانچویں۔ ساس تو ساس ہماری نند نے ناک میں دم کر دیا۔

جانی بیگم۔ میری ساس تو میرے آگے چوں نہیں کر سکتی بولی اور میں نے گلا گھونٹ ڈالا۔ اُف واللہ پھڑکا دیا۔

چہل

واہ حسن آرا بیگم۔ کیوں نہ ہو۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ کیا کہنا ہے وہ لکچر دیا ہے کہ قلم توڑ دیے۔ ہائے ایسی شریف زادیاں پیدا کہاں ہوتی ہیں۔ میاں آزاد خدا کی قسم ہو بڑے خوش قسمت۔ ایسی بیوی پائی کہ دیدہ نہ شنید مکھڑا رشکِ ہلال عید۔ اور سیرت تو ایسی خدا نے عطا کی ہے کہ سجدہ کرنے کو جی چاہتا ہے اے کاش ایسی نیک بیبیاں اس ملک میں اور ہوں تو واہ واہ۔ اس لکچر نے سب لڑکیوں پر اثر کیا۔ خصوصاً نظیر بیگم پر تو ایسا اثر ہوا کہ سبحان اللہ۔ یہ سیزدہ سالہ ہونہار نوعمر انتہا کی سادہ مزاج تھی۔ گلبدن کا پائجامہ مگر سفید نیلگے کے پر کا سا ڈوپٹا اور اسمیں سے جسد کے موافق گلگوں و زریں کی جھلک غضب ڈھاتی تھی۔ اور یہی معلوم ہوتا تھا کہ ناگن لہرا رہی ہے چلتے وقت نظیر بیگم نے حسن آرا کے کان میں کہا کہ ہم پھر آپ سے ملیں گے بہن ہمیں کچھ سکھاؤ کل سے ہم آیا کریں۔ کچھ پڑھایا کرو گی۔

حسن آرا۔ (پیار کر کے) ہاں بہن آیا کرو۔ ضرور آیا کرو۔

نظیر بیگم۔ ضرور آؤں گی بہن ہمیں پڑھایا کرو۔

حسن آرا۔ ضرور۔

جانی بیگم۔ اے واہ کیا پڑھائینگی بھلا ہمارے پاس آؤ تو ہم روز پڑھا دیا کریں۔

راوی۔ بس آپ معاف ہی کیجیے۔

نظیر بیگم۔ آپکے تو پڑوس ہی رہتے ہیں ہم۔ مگر بہن تم ہڑ دنگا سکھاتی ہو اور ہمیں کچھ آتا ہو نہ جاتا ہے۔

سپہر آرا۔ (مسکرا کر) کہتی تو سچ ہو۔

جانی بیگم۔ جی ہاں بجا ہے۔ تم تو اتفاق کر ہی لو گی۔

حسن آرا۔ کھیل کود بھی ہو۔ ہنسی مذاق بھی ہو۔ مگر وہ گھڑی اچھی باتوں کی طرف بھی مائل ہوا کرو۔

جانی بیگم۔ واہ اچھی باتیں نگوڑی کونسی ہیں ہم بھی تو سنیں۔

حسن آرا۔ جو ہم نے آج کہیں۔

سپہر آرا۔ یہ تو تصویریں دیکھ رہی تھیں۔

جانی بیگم۔ واہ۔

نظیر بیگم۔ انکا ایسی باتوں میں جی ہی نہیں لگتا یہ اپنے ایسی ویسی باتوں کی طرف رہتی ہیں۔ دن بھر کوٹھوں پر گھوڑے کی طرح دوڑا کرتی ہیں اوپر سے نیچے نیچے سے اوپر۔ یا میرے اللہ۔

جانی بیگم۔ (نظیر بیگم کا ہاتھ پکڑ کر) مروڑ ڈالوں ہاتھ۔

نظیر بیگم۔ دیکھا دیکھا بس کبھی ہاتھ مروڑا کبھی ڈھکیل دیا۔

جانی بیگم۔ (نظیر بیگم کا گال کاٹ کر) اب خوش ہوئیں۔

سپہر آرا۔ اے واہ لے کے گال کاٹ لیا۔

جانی بیگم۔ پھر عورت ہیں یا مرد ہیں کوئی۔ ہونھ۔ واہ واہ۔

نظیر بیگم۔ اب آپ اپنی محبت رہنے دیں۔

جانی بیگم۔ (چٹکی لے کر) کیا کہا۔

جب رخصت ہوئیں تو سپہر آرا نے آواز دی کہ چلیے اماں جان بلاتی ہیں روح افزا اور بہار النسا اور حسن آرا ٹھکر گئیں۔ اور بڑی بیگم صاحب کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھایا۔ کھاتے وقت یوں گفتگو ہوئی

بہار النسا۔ اب حسن آرا کی شادی کہیں تجویز کی۔

بڑی بیگم۔ ہاں فکر میں تو ہوں۔

بہار النسا۔ فکر نہیں اماں جان۔ اب دن دن چڑھتا ہے۔

روح افزا۔ اللہ کے فضل سے اب یہ سیانی ہوئی ہیں۔

بہار النسا۔ پھر اب کب تجویز کیجیے گا۔

بڑی بیگم۔ جلد۔

بہار النسا۔ جلد کیا کوئی دو چار برس میں۔

روح افزا۔ اللہ اللہ کرو۔

بہار النسا۔ (از راہ مذاق) بیچاری سپہر آرا بھی منتظر ہیں کہ ہم انکا بھی ذکر خیر چھیڑیں۔

سپہر آرا۔ دیکھیے یہ چھیڑ خوانی اچھی نہیں۔ ہاں۔

بڑی بیگم۔ (مسکرا کر) تم جانو یہ جانیں۔

بہار النسا۔ ابھی کل ہی شام کو تو تم نے کہا کہ اماں جان سے ہمارے بیاہ کی سفارش کرو اور آج مکرتی ہو۔ بھلا کھاؤ تو قسم کہ تم نے نہیں کہا۔

سپہر آرا۔ واہ ذرا ذرا سی بات پر کوئی قسم کھایا کرتا ہے۔

روح افزا۔ پانی مرتا ہے کچھ۔

سپہر آرا۔ جی ہاں آپ بھی بولیں۔

روح افزا۔ اچھا قسم کھا جاؤ نہ۔

سپہر آرا۔ کاہے کو کھائیں۔

بڑی بیگم۔ اے تو بڑھتی کیوں ہو بیٹا۔

سپہر آرا۔ اماں جان جھوٹ موٹ لگاتی ہیں۔ بڑھتیں نہیں۔ واہ

روح افزا۔ کیا! جھوٹ موٹ۔

سپہر آرا۔ اور نہیں تو کیا۔

روح افزا۔ اچھا ہمارے سر کی قسم کھا جاؤ۔

سپہر آرا۔ اللہ کرے میں مر جاؤں۔

بہار النسا۔ ہائیں۔

روح افزا۔ چلو بس اب رو دیں۔ اب کچھ نہ کہو۔

بہار النسا۔ اماں جان ایک رئیس ہیں اُنکا لڑکا کوئی اُنیس برس کا ہوگا خدا جانتا ہے بڑا حسین ہے اور پڑھا لکھا ہے سکندر نامہ آجکل پڑھتا ہے اُس کی ماں بھی بڑی نیک ہے بیچاری نے ہم سے کہا تھا کہ تم اپنی بہنوں کے بارے میں بیگم صاحب سے کہو اچھا گھر ہے۔

روح افزا۔ وزیر زادے ہیں دو۔

بڑی بیگم۔ ہاں کھانے پینے سے خوش ہیں۔

روح افزا۔ خوش۔ آٹھ تو گھوڑے ہیں اُن کے ہاں۔

ماما۔ میں سمجھی۔ میں اُنکے یہاں کوئی ڈیڑھ برس نوکری کر آئی ہوں۔

بڑی بیگم۔ پھر چھوڑی کیوں۔

ماما۔ چھوڑ دی اب کیا بتاؤں۔

بہار النسا۔ اماں جان وہ حسن آرا کے لائق ہے کا۔ سچ کہتے ہیں۔

بڑی بیگم۔ اُن کا کچھ اور حال بتاؤ اچھی طرح سے لڑکے ہیں اُنکے۔

روح افزا۔ دو۔

بہار النسا۔ اور دونوں لئیق خوبصورت ہوشیار نیک چلن۔

روح افزا۔ ایک لڑکا بہن۔ وہ چھوٹا سا جو ہمارے مکان کی طرف سے مشکی ٹٹو پر روز نکلا کرتا ہے بڑا پیارا ہے۔ دولھا بھائی سے اور اُس کے بڑے بھائی سے بڑی ملاقات ہے۔

بہار النسا۔ ہمارے ہاں تو دوسرے تیسرے وہ آتے ہیں۔ سچ کہتے ہیں۔ بس حسن آرا ہی کے لائق ہیں۔

روح افزا۔ ضرور منظور کیجیے۔

بڑی بیگم۔ اچھا اچھا سوچ لوں۔

راوی۔ حسن آرا کے اسوقت ہوش اُڑ گئے۔ رنگ فق کلیجہ شق جان عذاب میں تھی۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ ہائے غضب۔ ع

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را	دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

سپہر آرا۔ بھی چتونوں سے تاڑ گئی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ خدا ہی خیر کرے بہار النسا اور روح افزا تو بڑی بیگم کو پکا کر رہی ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ منظور کریں تو ستم ہی ہو جائے۔ قیامت نازل ہو۔ کوہ الم ٹوٹ پڑے بجلی خرمن عیش پر گرے ہے آزاد جانے پر گئے ہیں وہ مصیبتیں سہتے ہیں اور یہاں یہ جشن منائیں اور بیاہ رچائیں۔ کیا مجال

غم کا ترانہ اور میاں آزاد کا فسانہ افشائے راز اور ذکر خیر عاشق جانباز

مہمانوں کی بھیڑ بھاڑ اور شادی کی چھیڑ چھاڑ سے حسن آرا بیگم کو خاصہ تناول کرنے کی اچھی طرح نوبت نہ آئی جب صحبت طعام سے فراغت پائی تو مغلانی کو حکم دیا کہ کمرے میں لیمپ جلا۔ مسہری بچھا۔ اسوقت سر میں دھمک ہی درد دل کی چمک ہی۔ اُس نے چٹ چٹ بلائیں لیکر اور دعائیں دیکر کہا کہ سر میں درد ہو یا دل سرد ہو تو اسکے لیے صندل لگائیے۔ اسکے واسطے حکیم کو بلائیے۔ پھر ماتھے اور نبض پر ہاتھ رکھ کر بولی کہ نہ بیوی قربان جاؤں۔ اللہ کے فضل سے آرام ہی۔ درد سر کا خیال خام ہی۔ دو گھڑی بیٹھیے گلوری کھائیے۔ ابھی تو چراغ میں بتی پڑی ہی۔ بہنوں سے باتیں کیجیے ہمیں ایک خط لکھ دیجیے۔ حسن آرا جھنکی ہو کر بولی بس بہت باتیں نہ بناؤ جو حکم دیں بجالاؤ ہمیں اسوقت کچی گھڑی بھر بیٹھنے کی بھی گوں نہیں۔ خوف ہی کہ مبادا درد بڑھ نجائے کہیں۔ مغلانی نے لیمپ جلوایا۔ کنول روشن کرایا۔ پلنگ بچھوایا حسن آرا چپکے سے جا کر پلنگ پر سو رہی۔ اور منہ ڈھانپ کر خوب روئی۔

بیتابیوں نے دل کی قیامت ہی آج کی — برہم مزاج غمزۂ خاطر شکن کیا

صید رنج و محن۔ خون موج زن۔

ہوے بیخود غم تنہائی سے — کہیے کس سے کہیں کیا یاد آیا

اب سنیے کہ روح افزا اور بہار النسا نے بھی حق آزاد و حسن آرا کی اُڑتی سی خبر پائی تھی ایک مہری نے ساری داستان سوبھو کر سنائی تھی لہذا جب خاصہ جا چکا تو دونوں نے بڑی بیگم کے سامنے چھیڑا۔ دونوں چیونوں سے تاڑ گئیں کہ کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہی جب ہی تو شادی بیاہ کے نام سے طبیعت نفور ہی لہذا جان بوجھ کر شادی کی خبر سنائی اور حسن آرا کی سٹی بھی بھلائی۔

راز دل محبوب کیا چاہیے معلوم — کچھ بدخبر عاشق بیمار اُڑا کر

روح افزا اور بہار النسا اور سپہر آرا جو ادا و انداز سے کمرے میں آئیں تو حسن آرا کو خواب ناز میں دیکھ کر جھلائیں۔

روح افزا۔ (چادر ہٹا کر) کیا ابھی سر شام ہی سو رہیں۔

بہار النسا۔ کر کرتی ہونگی۔ سوئینگی کیا ابھی۔

سپہر آرا۔ نہیں بہن یہ تکیے پر سر رکھتے ہی سو جاتی ہیں۔

بہار النسا۔ جی ہاں سنا ہوا ہی ایک تمکو تکیے پر سر رکھتے ہی نیند آجاتی ہی دوسرے انکو پلک جھپکانے کی دیر ہوئی اور سو گئیں۔ بس واہ۔!۔

روح افزا۔ (گدگدا کر) اُٹھو بہن۔ ہماری ہی کسی کھائے جو نہ اُٹھے ہماری بہن نہیں۔ اُٹھ بیٹھو شاباش۔

بہار النسا۔ اے ہے ماش کے آٹے کی طرح اینٹھی جاتی ہو۔ بل پر بل کھاتی ہو۔

سپہر آرا۔ سوتے دیکھیے انکھڑیاں آرزو نیند کے متوالی ہو رہی ہیں جب ہی تو سو رہی ہیں۔

بہار النسا۔ ریلی متوالیوں نے جادو ڈالا۔ ہمارے وہاں پڑوس میں روز تعلیم ہوتی ہی۔ صبح کے وقت بڑی بہار معلوم ہوتی ہی۔ مگر ہمارے میاں کو اسکی بڑی چڑھ ہی کہ عورتیں ناچ دیکھیں یا گانا سنیں ہم کئی بار نواب صادق علی بیگ کے ہاں سن سن آئے اور ناچ بھی دیکھا۔ یہ مردوں کی بھی کیا اُپج ہی۔ گھر کی جورو سے بات نہ کریں باہر شیر۔ اللہ جانتا ہی ہم تو اُن سب موئی بد قطع میراثنوں کو اپڑی چوٹی پر قربان کر دیں ایک نے مسی کی دھڑی جمائی تھی جیسے بطخ نے کیچڑ کھائی تھی۔

روح افزا۔ (حسن آرا کو چوم کر) اُٹھو بہن۔

حسن آرا۔ (آنکھیں کھول کر) اسوقت سر میں درد سا ہی۔

بہار النسا۔ صندلی رنگ سے مانا دل ملا — درد سر کی کسکے ماتھے جائیگی

حسن آرا۔ یہاں اپنی چار دیواری سے آج تک قدم ہی باہر نہیں رکھا۔ جب سے ہوش سنبھالا دہلیز کے باہر قدم رکھا ہو تو قسم لیجیے۔ ہمیں شوق شادی ہی نہ خیال خانہ آبادی ہی آپ نے تو آج اپنی ہی سنائی۔ دل لانے کی ایک ہی فرمائی۔

بہار النسا۔ درست۔

روح افزا۔ جی ہو جنھوں سے آنکھ لڑائی ہو۔ یہ جو آج معمول کے خلاف نیند آئی ہو تو اسکا باعث رنج تنہائی ہو۔ اچھا اب سچ سچ کہدو لگی لپٹی کی سند نہیں کس سے دل ملا ہو۔ کس کا عشق چرایا ہو۔ کوئی حسین جوان بھایا ہو۔ یا خدانا کردہ کسی ایسے ویسے پر دل آیا ہو۔ ؎

ہو مضحکہ جہاں میں جو عشق بیحل		دل دیجیے تو یار طرحدار دیکھ کر

سپہر آرا۔ اور کیا۔ ؎ معشوق کیجیے تو پریزاد کیجیے۔

حسن آرا ؎

کسی سے ملنے کا اب حوصلہ نہیں ایجان	
بہت اُٹھائے ہیں اُن سے آشنا ہو کر	

حسن عشق کے جھگڑے میں بندی نہ پڑے گی اور اگر پڑے گی بھی تو کسی طرحدار سے آنکھ لڑے گی۔ اور اس لائق ہو کون۔ توبہ۔ ؎

بیتاب ہو کے روح نکلنے آہ کی		سلطان حسن و عشق کا بازار دیکھکر

روح افزا۔ بس باتیں نہ بنائیے ہم سے نہ چھپائیے۔ ہم سب سن چکے بھلا کسی پہ دل نہیں آیا تو آنکھوں سے آنسو کیونکر نکلے۔ ذری آئینہ میں صورت تو دیکھیے رنگ فق ہو گیا ہو یا نہیں۔ ہوائیاں اُڑی ہوئی ہیں۔ شادی کا حرف زبان پر آیا۔ اور تمھارے چہرہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

سپہر آرا۔ اے بہن یہ دہان پان آدمی ذری سر میں درد ہوا لیٹ رہیں

بہار النسا۔ لڑکی باتیں بناتی ہو۔ ہمکو چٹکیوں پہ اڑاتی ہو۔

حسن آرا۔ اب آپ جو چاہیں کہیں۔ یہاں کوئی معشوق مرغوب ہو نہ کوئی محبوب مطلوب۔

سپہر آرا۔ الٰہی خیر ہو۔ ان دونوں بہنوں سے خدا کس لئے کہدیا جھوٹ موٹ

روح افزا۔ گریبان میں منھ ڈالو۔ کہہ چلوں سب۔

حسن آرا۔ بسم اللہ فرمائیے۔ سو کام چھوڑ کے۔ آپکو خدا کی قسم۔

روح افزا۔ اچھا اسوقت دل کیوں بھر آیا۔

حسن آرا ؎

دل ہی تو ہو نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں		روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

بہار النسا۔ (تالیاں بجاکر) کھل گئی نہ بات۔

روح افزا۔ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔

حسن آرا۔ واہ۔ ہونھ۔

سپہر آرا۔ تو جادوگرنی کہیں اور رہتی ہوگی۔

بہار النسا۔ (ہنسکر) کیا دونوں بہنیں چالاک مینا کی طرح چہک رہی ہیں۔

سپہر آرا۔ (مسکرا کر) ہم دونوں بہنیں ہیں ہزار داستاں کی طرح چہک رہی ہیں

روح افزا۔ ہم تو اسوقت کلیلوں پر ہیں۔

راوی۔ یہ شوخی۔ اللہ اللہ یہ شوخی حضور اسوقت کلیلوں پر ہیں چشم بد دور۔

کند جلوۂ ناز تو جذبہ دارد		کز آسمان بزمیں آورد مسیحا را

بہار النسا۔ اچھا بھلا بڑی سچی ہو تو ایک بات کرو بس امتحان ہو جائیگا ہم ایک ہاتھ میں کوئی چیز لیں اور دوسرا ہاتھ خالی رکھیں۔ مٹھی باندھ کے آئیں اور تم ایک ہاتھ پہ ہاتھ مارو جو خالی ہاتھ پر پڑے تو تم جھوٹی ہم سچے اور جو دوسرے ہاتھ پر پڑے تو ہم جھوٹے تم سچی۔

حسن آرا۔ اے واہ چھوکریوں کا کھیل۔

روح افزا۔ اہا ہا۔ اور آپ ہیں کیا۔

بہار النسا۔ یہ چھوکری نہیں یہ بڑی بڈھی ہیں۔

سپہر آرا۔ اچھا آپ آیئے۔ کوئی چیز ہاتھ میں لائیے گر جو خالی ہاتھ پر پڑے تو تم جیتیں جو دوسرے ہاتھ پر پڑے تو ہم جیت گئے۔ یہی نہ۔

بہار النسا۔ ہاں اچھا آؤ پھر۔

سپہر آرا۔ ہاں ہاں آؤ۔ مگر ہم دونوں ہاتھ دیکھ لیں گے۔

روح افزا۔ اللہ ری بدگمانی۔

اتنے میں بہار النسا دوسرے کمرے میں گئیں اور ایک چھوٹی سی شیشے کی گولی داہنے ہاتھ میں رکھی۔ اور بایاں ہاتھ خالی خوب زور سے دونوں مٹھیاں بند کرلیں اور باہر نکل آئیں۔

بہار النسا - آیئے -
روح افزا - اللہ کرے ہاتھ خالی پر پڑے -
سپہر آرا - واہ اللہ نہ کرے -
بہار النسا - اچھا اب ہاتھ پر ہاتھ تو مارو -
حسن آرا - یہ واہیات باتیں ہیں -
روح افزا - تو کاہے کیوں جاتی ہو -
سپہر آرا - اچھا دونوں مٹھیاں سامنے لاؤ - باجی بو کس ہاتھ میں ہے -
حسن آرا - اُدھر والے میں - (داہیں)
سپہر آرا - نہیں باجی دھوکا کھاتی ہو - اللہ جانتا ہے دھوکا کھاتی ہو
ہم تو بائیں ہاتھ پر ہاتھ ماریں گے - (تڑ)
بہار النسا - (بائیں ہاتھ کو کھول کر) سلام
سپہر آرا - اے! وہ ہاتھ تو دکھاؤ -
بہار النسا - (ہاتھ کھول کر) لو - یہ شیشے کی گولی کہ نہیں -
سپہر آرا - یہ بیچ کھیت ہے -
حسن آرا - دیکھا کہا تھا کہ اس ہاتھ میں ہے - اس ہاتھ میں ہے - کہا نہ مانا -
سپہر آرا - جی ہاں آپ علم غیب ہی تو پڑھی ہیں -
روح افزا - کہئے اب تو سچ ہے -
سپہر آرا - (شرما کر) کہیں ہو نہ سچ -
حسن آرا - ان ڈھکوسلوں سے ہوتا کیا ہے -
بہار النسا - اچھی بہن ہماری بہن لے اب تم بتا دو کہ میاں آزاد کون ہیں -
حسن آرا - رنگ فق -
سپہر آرا - آنکھ نیچی -
روح افزا - لجاتی کیوں ہو بھلا -
سپہر آرا - کیا جانے کیا واہی تباہی باتیں کرتی ہو -
بہار النسا - واہی تباہی؟ ذری ادھر تو دیکھو -

روح افزا - واہی تباہی؟ چہ خوش -
حسن آرا - یہ میاں آزاد کون ہیں -
روح افزا - ہماری پیاری بہن کے پیارے -
سپہر آرا - بجا ہے -
بہار النسا - وہ بجروں کی روانی -
روح افزا - وہ دریا کی طغیانی -
بہار النسا - وہ روٹھنا وہ منانا -
روح افزا - وہ زودم زوانہ ہونا -
بہار النسا - وہ گرم جوشی -
روح افزا - اور وہ عشرت کوشی -
بہار النسا - وہ راز و نیاز کی باتیں -
روح افزا - وہ عشق کی گھاتیں -
بہار النسا - وہ چپکے سے گلوریاں کھانا -
روح افزا - وہ محل میں گلچھرے اڑانا
بہار النسا - وہ مزے مزے کی حکایتیں -
روح افزا - اور وہ مزے مزے کی شکایتیں -
بہار النسا - وہ امتحان لینا -
روح افزا - اور وہ قول دینا -
بہار النسا - اور وہ نکاح کا ذکر -
روح افزا - اور وہ شادی کی فکر -
بہار النسا - وہ صبح کا سہانا سماں - وہ بہار -
روح افزا - وہ ترشح وہ پھوہار -
بہار النسا - وہ ڈوبتا - وہ نکالنا - وہ ڈوبتوں کو بچانا -
روح افزا - اور وہ کسی کا قدموں پر گرنا -
بہار النسا - ع - کیا کہتی بھول میں ادھر تو دیکھو -

روح افزا۔ میری طرف اک نظر تو دیکھو۔

بہار النسا۔ سُنا کہ میاں آزاد پہلوان ہیں۔

روح افزا۔ اور سُنا کہ حسین جوان ہیں۔

بہار النسا۔ طرحدار ہیں۔ طرّار ہیں۔

روح افزا۔ اور باغ و بہار ہیں۔

بہار النسا ؎ ہنوز برگ گل نارستہ شمشاد * بخوبی شہرہ چوں سرو آزاد۔

روح افزا ؎	وہ رُخ کہ نہ ٹھہرے آنکھ جسپر
	وہ نور کہ صدقے ماہ انور

بہار النسا۔ پھر ہرج کیا ہے۔ شریف ہیں عالی خاندان ہیں۔

روح افزا۔ ہاں ہاں بھلے مانس ہیں معالی دودمان ہیں۔

بہار النسا۔ اب چھپانے سے کیا ہوتا ہے بھلا۔ صاف صاف بیان کر دو۔

روح افزا۔ سُن تو چکے ہی ہیں ہم۔ اب مخفی رکھنا یعنی چہ۔

بہار النسا۔ (حسن آرا سے گلے مل کر) اب بتاؤ بس۔

حسن آرا۔ (ٹھنک کر) بتائیں کیا۔ جب کچھ اصلیت بھی ہو۔

سپہر آرا۔ ان دونوں بہنوں نے خواب دیکھا تھا کل معلوم ہوتا ہے۔

حسن آرا۔ ہاں سچ کہا خواب دیکھا ہو گا۔

روح افزا۔ ہاں ہم نے تو آزاد کو خواب میں بھی نہیں دیکھا مگر جہاں آرا کہتی تھیں کہ وہ حسن و جمال میں کروروں میں ایک ہیں۔ خوش فکر تیز طبیعت شریف اور نیک ہیں۔

حسن آرا۔ جہاں آرا بہن کیا کہتی تھیں۔

روح افزا۔ اللہ گواہ ہے بڑی تعریف کرتی تھیں۔ کہتی تھیں کہ ایسا خوبرو آدمی آنکھوں دیکھا نہ کانوں سُنا۔

بہار النسا۔ مگر ایک عیب بھی بتاتی تھیں۔

سپہر آرا۔ عیب؟ وہ کیا۔

بہار النسا۔ سُنا شراب بہت پیتے ہیں۔

حسن آرا۔ ارے! توبہ! کہیں شراب مردار کا نام بھی نہ لینا۔ ؎

یہ دخترِ رز حرامزادی مردار	
مینا بازار کی ہے رہنے والی	

بہار النسا۔ ہونہہ۔ ہم سے اُڑتی ہو۔ شانِ خدا۔ بھلا شراب نہیں پی تھی تو بہکے کیوں۔ مہری کیطرف کیوں جھکے۔

حسن آرا۔ (دانتوں کے تلے اونگلی دبا کر) چُپ چُپ۔

روح افزا۔ آخر یہ سوجھی کیا۔ اللہ ہم کیونکر میاں آزاد کو دیکھیں ابکی جو خط بھیجو گی تو لکھ دینا کہ تمھاری سالی بہت مشتاق ہیں۔ جلد آؤ۔

سپہر آرا۔ بڑے ہنسوڑ خوش مزاج آدمی ہیں اور برق جیسے بجلی اُف۔ ایسا چالاک اور ہوشیار اور طرحدار جوان تو آجتک دیکھا ہی نہیں۔

روح افزا۔ ڈیل ڈول کیسا ہے۔

سپہر آرا۔ چھریرا بدن ہے۔ کشیدہ قامت۔ نک سک سے درست چہرے مہرے سے ٹھیک۔ دیکھو تو گھنٹوں گھورا کرو۔

بہار النسا۔ جب دیکھیں بھی۔

حسن آرا۔ انشاءاللہ

بہار النسا۔ ہمایوں فر تمھارے پڑوس میں رہتے ہیں۔ سپہر آرا کا اُنکے ساتھ نکاح ہو جائے تو ہم سمجھیں کہ یہ بڑی خوش نصیب ہیں۔

سپہر آرا۔ میرے تو تلوؤں کو بھی نہ پہونچیں۔

حسن آرا۔ ہونہہ۔ چہ خوش۔ چاند کو گہن لگانا چاہتی ہو۔ طوطی کو کوّے سے جوڑا لگانا۔ واہ اچھی بہن ہو۔

بہار النسا۔ ایں! وہ نور شہزادگی چہرے سے برستا ہے کہ واہ واہ امّاں جان سے آج ہی تو کہوں گی میں۔

حسن آرا۔ تو اچھا جو تمھیں ایسے ہی پسند ہیں تو امّاں جان سے ذکر کرو۔

بہار النسا۔ کریں ہی گے۔

سپہر آرا۔ اور ایجاب و قبول کوئی چیز ہی نہیں۔

روح افزا۔ انکار کروگی تو تم سے بدقسمت ہم کسی کو نہ سمجھیں گے۔
سپہر آرا۔ دیکھا جائیگا۔
روح افزا۔ الخموشی نیم رضا۔

ایک ورحمان کا آنا اور فرط مسرت سے چاروں بہنوں کا کھل کھلانا

سویرے منھ اندھیرے چاروں عفیفہ و پاکباز خورد سالان طناز وضو کرکے امام باڑے میں جانماز بچھاکر نماز پڑھ رہی تھیں پہلے تو حسن آرا اور بہار النسا میں بحث ہوئی۔

بہار النسا۔ الگ الگ مصلے بچھاؤ۔
حسن آرا۔ یہ کیوں ایک جگہ نماز پڑھنا کیا کچھ گناہ ہے۔
بہار النسا۔ اے تم نہیں جانتیں کہ جماعت سے عورتیں نماز نہیں پڑھ سکتیں۔
حسن آرا۔ تو بہن امام عورتوں میں نہیں جائز ہے یا ایک ساتھ پڑھنا۔
بہار النسا۔ اچھا چلو۔

چاروں نے نماز ادا کی۔ سپہر آرا وظیفہ اور روح افزا مناجات پڑھ رہی تھیں۔ حسن آرا نے عندلیب شاخسار جادو طرازی حضرت لسان الغیب حافظ شیرازی جل اللہ مقامہ فی الجنان کا دیوان معرفت توامان اٹھالیا اور بہار النسا بیگم نے حسن دان منگاکر نکھرنا شروع کیا۔ اپنے مذاق کے موافق سب کی سب مصروف ہوئیں۔

حسن آرا۔ بس صبح تو نکھار شام تو سنگار۔ یا میرے اللہ۔ حسن دان سنگاردان۔ آئینہ کنگھی چوٹی تیل پھلیل مسی۔ عطر اسکے سوا تمھیں اور کسی شے سے واسطہ ہی نہیں۔
بہار النسا۔ اب آخر تش کنگھی دے۔ بالوں میں تیل ڈالے یا کوئی تمھارے لیے پولی جیران جھنڈ منڈ بنی رہے۔
حسن آرا۔ روح افزا بہن سچ کہتی ہیں کہ تمھیں عارضہ ہو۔ اسکا۔
بہار النسا۔ چلو پھر کسی کو کیا۔ روح افزا اوروں پر بہت حرف رکھنا جانتی ہیں مگر اپنے داؤں بھول جاتی ہیں۔

حسن آرا۔ اے تو بہن سنو تو۔
بہار النسا۔ بس اب باتیں نہ کرو۔ مانگ ٹیڑھی ہوگئی تمھاری باتوں میں خیال بٹ گیا۔
حسن آرا۔ (ہنسکر) ہی ہی غضب ہوگیا۔ یہاں تو دولھا بھائی بھی نہیں ہیں آخر یہ نکھار دکھاؤ گی کسے۔
بہار النسا۔ ہم اُٹھکے یہاں سے چلے جائینگے۔ تم چھیڑتی جاتی ہو ایک تو موا چھپکا سیدھا نہیں رہتا۔
حسن آرا۔ (قہقہہ لگاکر) اے ہے۔ ابتک مانگ کا خیال تھا اب چھپکے کا خیال ہے۔
بہار النسا۔ اچھا ایک دن ہم تمھاری مشاطہ نہیں۔ اللہ گواہ ہے وہ جوبن آجائے کہ جس کا حق ہے۔
حسن آرا۔ پھر اب صاف صاف کہلواتی ہو بہن اس سر کی قسم یاد رکھو تم لاکھ بنو ٹھنو ہمارا جوبن تو خداداد ہے۔ ہمیں بناؤ چناؤ کی حاجت ہی کیا ہے بھلا۔
راوی۔ حق ہے۔ ؎

زیور ہے سادگی ترے رخسار کے لیے	حاجت بناؤ کی تجھے اے نازنیں نہیں

بہار النسا۔ اپنے منھ میاں مٹھو بن لو۔
حسن آرا۔ ہاں یہ دعویٰ۔
بہار النسا۔ کیوں کیا کچھ جھوٹ ہے۔
حسن آرا۔ اور نہیں سچ بھی ہے۔
بہار النسا۔ اچھا یہ پرسوں تو پوچھیں۔ جو یہ دونوں کہیں وہ ٹھیک ہے۔
حسن آرا۔ منظور مگر کچھ بد لیجیے۔
بہار النسا۔ یہاں بد کے پاس نہیں کھڑے ہوتے۔
روح افزا۔ کیا حجت ہو رہی ہے۔
سپہر آرا۔ کیا سوتی تھیں ابھی تک۔

بہار النسا۔ بی حسن آرا کچھ فرماتی ہیں۔

سپہر آرا۔ ہم سے رشوت لیجیے تو ہم بتائیں۔

حسن آرا۔ (سپہر آرا سے) بہار النسا اپنے کو پرستان کی پری جنت کی حور سمجھتی ہیں اور ہم اُن کے نزدیک کچھ ہئیں نہیں بس اب تم اور بہن روح افزا دونوں انصاف سے کہہ دو۔

سپہر آرا۔ جس طرح بہار النسا بہن نکھرتی ہیں سنورتی ہیں اُسی طرح اگر تم بھی نکھرو تو چاند کا ٹکڑا بنجاؤ تمھارے چہرے پر سرخی اور سفیدی اور رعنائی کے علاوہ نمکینی بھی بہت ہو مگر وہ گوری چٹی ہیں بس نمک نہیں مگر ہاں حسین ضرور ہیں۔ بھلی معلوم ہوتی ہیں۔

روح افزا۔ دونوں حسین ہیں۔ مگر حسن آرا بڑھ چڑھ کر۔ یہ تو ہم نہ کہیں گے کہ بہار النسا بہن میں نمکینی نہیں ہو مگر ہاں حسن آرا سے کم ہی کم۔

بہار النسا۔ چلو خیر۔

حسن آرا۔ اب آپ چاہے بُرا مانیے۔

اتنے میں ایک فٹن کھڑکھڑاتی ہوئی آئی مشکی جوڑی جتی ہوئی کوچبین سُرخ وردی پہنے ہوے چوبداروں کی سی پگڑی جمائے بیٹھا ہے پیچھے دو سائیس کالی وردیاں ڈانٹے کھڑے ہیں۔ فٹن ایوان سپہر توامان کے برامدے میں ٹھہری اور ایک جوان رعنا بلند بالا گلعذار ہلس کھ باغ و بہار اُترا۔

دربان۔ جھک کر۔ بندگی حضور۔

خانصاحب۔ (زمیں دوز ہوکر) سلام غریب پرور۔

ماما۔ (مسکراکر) اچھے رہے حضور۔ آج بہت دن پیچھے دیکھا۔

حسن آرا۔ یہ گاڑی کسکی آئی۔

روح افزا۔ ہاں کوئی آیا تو ہو۔

بہار النسا۔ پوچھو پوچھو کسی سے۔ مردانی سواریاں ہیں یا زنانی۔

سپہر آرا۔ (جھانک کر) جانے کون ہو مگر جوڑی تو اچھی ہو۔

بہار النسا۔ رنگت کیا ہو۔

سپہر آرا۔ کالی۔ وہ۔ مشکی مشکی۔

روح افزا۔ پالکی گاڑی ہو یا فٹن ہو۔

سپہر آرا۔ نہیں کوئی چھ سات سو روپیہ کی فٹن ہو۔

بہار النسا۔ میں کہتی ہی تھی کہ آتے ہونگے۔

سپہر آرا۔ کیا دولھا بھائی آئے۔

روح افزا۔ (تالیاں بجاکر) چلو آگئے اب باتیں ہونگی۔

ماما۔ (پردے کے پاس سے) نواب صاحب ابھی ابھی فٹن سے اُترے۔

بہار النسا۔ چل جھوٹی۔

ماما۔ اللہ کی قسم ابھی ابھی گاڑی پر سے اُترے ہیں۔ ابھی ابھی تو آئے۔

روح افزا۔ واہ کہیں آئے نہ ہوں۔

ماما۔ مجھے رتبے کی قسم اپنے۔

سپہر آرا۔ فٹن آتی تو کھڑکھڑاہٹ کی آواز نہ سنتے۔ کوئی بات بھی ہو۔

ماما۔ ہائے اللہ میں کسکے سامنے سر کھبڑوں اپنا۔ اور جو آئے ہوں۔

حسن آرا۔ آئے کیونکر ہوں وہی بے تکی ہانکے جائے گی۔

ماما۔ اونھو نہ سہی۔

حسن آرا اور سپہر آرا اور روح افزا اور بہار النسا اس ماما کی بیوقوفی اور چڑچڑے پن اور قسمیں کھانے پر بہت ہی ہنسیں۔ مامانے بُرا مانا کہ میں لاکھ قسموں پر قسمیں کھاتی جاتی ہوں انکو یقین ہی نہیں آتا خیر نواب خورشید علی خاں صاحب فٹن پر سے اُترے تو ایک مغلانی نے بڑی بیگم سے جاکر کہا کہ آپکے داماد آئے ہیں۔ بہار النسا بیگم کے دولھا ادھر نواب صاحب داخل ہوے۔

نواب۔ (بڑی بیگم سے) آداب بجا لاتا ہوں۔

بڑی بیگم۔ (متانت سے) آؤ برخوردار میری بائیں آنکھ جب پھڑکتی ہو کوئی نہ کوئی آتا ضرور ہو۔ اُسدن آنکھ پھڑکی تو لڑکیاں آئیں۔ یہ روح افزا کی

کیا حالت ہوگئی ہو بھائی۔ وہ صورت ہی نہیں رہی گل کے کانٹا ہوگئی ہو
نواب۔ اب تو بہت اچھی ہیں۔ مگر پرہیز نہیں کرتیں تیا مرچ نہو تو کھانا نہ کھائیں۔ پھر بھلا اچھی کیونکر ہوں۔ آپ ذرہ تاکید رکھیے گا۔
بڑی بیگم۔ واہ میری تاکید۔ تم برابر والے ہو۔ جب تمھارا کہنا نہیں کرتیں تو پھر کسکا کہنا مانیں گی۔ تم اپنے طور پر سمجھاؤ۔ بہار النسا سمجھائے کہوا بتو سنا تمھاری وکالت خوب چمکی ہو۔
نواب۔ جی ہاں آپ بزرگوں کی دعا سے۔ صاحب تو مجھ کو چار سو کی منصفی دلواتے تھے مگر میں نے منظور نہ کی مجھے بہت کچھ خدا کے فضل سے یوں ہی مل رہتا ہو۔
بڑی بیگم۔ ہاں تو تمھاری اچھی ہیں۔
نواب۔ جی ہاں بخیریت ہیں۔
بڑی بیگم۔ خفا تو نہیں ہوئیں کہ سسرال کیوں جاتے ہو ایسا نہو کہ ساس بہکالے
نواب۔ (مسکرا کر) جی نہیں۔ واہ
بڑی بیگم۔ بٹیا۔ زمانہ بہت نازک جاتا ہو۔ جہاں رہو اللہ کرے خوش رہو۔ بس ہماری تو یہی دعا ہو۔ زندگی تندرستی کھانے بھر کو رزق چاہیے یہی ہزار نعمت ہو۔
نواب۔ بجا ہو۔

تھوڑی دیر تک باتیں کرکے نواب ممدوح سے بڑی بیگم نے کہا کہ وہ کمرہ ہو سامنے۔ وہاں فرش بچھا ہوا ہو لیٹو آرام کرو۔ نواب صاحب سلام کرکے اٹھ کھڑے ہوے اور کمرے کی طرف چلے جب کمرے کے قریب پہونچے تو ٹھٹک گئے اُسوقت حسن آرا اور روح افزا لہرا لہرا کر آہستہ آہستہ پڑھ رہی تھیں ؎

شراب تند دے ایسی ہی ساقی ۔ کہ جس سے غم رہے مطلق نہ باقی
گلابی لاکے رکھدے وہ مرے پاس ۔ کہ ہو دولھن بنے کی جبیں بو باس
بہک جاوے جو میرا جوہر عقل ۔ کہ میں تجھ سے حکایت اک کروں نقل
سناؤں ابتدا سے پھر وہ قصہ ۔ کہ فی الواقع یہی تیرا ہی حصہ

نواب صاحب ایک رسیا آدمی بڑی دیر تک وہ لحن اُڑدی اور نغمۂ روح افزا سنا کئے اسکے بعد کہا کہ اللہ اللہ آج تو گانا ہو رہا ہو۔
حسن آرا۔ (دانتوں کے تلے انگلی دبا کر) ارے! ہم تو بھاگتے ہیں۔
بہار النسا۔ اے بیٹھو بھی کیا کچھ چوری پڑی ہو۔
روح افزا۔ آیئے آیئے آیئے آیئے نہ۔
نواب۔ خلل انداز تو نہ ہوں گا۔
روح افزا۔ جی بجا ہو۔ آپکی بیوی مثنوی پڑھ رہی ہیں۔ آپ جانیں وہ جانیں۔

اتنے میں نواب صاحب اندر تشریف لائے۔ وضع سنیئے۔ جرّاب خاکی رنگ کا۔ گھٹنا چست صوفیانہ رنگ۔ کرتہ سفید فلالین کا اُسپر سیاہ پیش بہا بانات کا دگلا۔ اور سبز گرنٹ کی گوٹ۔ دس روپیہ کی طلائی گھڑی اور زنجیر طلائی سیاہ گرنٹ کی ٹوپی بانکی ترچھی دار ٹوپی اور ایک سفید دلائی اوڑھے ہوے۔ پاؤں میں تین روپیہ کا سیاہ وارنش کا بوٹ۔ عطر سے ازسرتاپا بسے ہوے۔ سرخ و سفید شکیل آدمی۔ حسن آرا اور سپہر آرا نے نیچی گردن کرکے بندگی کی۔ روح افزا نے کہا کہ آپنے بے اطلاع کیے ہمارے کمرے میں کیوں چلے آئے صاحب۔
نواب۔ حکم ہو تو اُلٹے پاؤں واپس جاؤں۔
بہار النسا۔ بسم اللہ بن بلائے کوئی نہیں آنے پاتا۔
نواب۔ حسن آرا بیگم کو ہمنے کوئی پورے سوا برس کے بعد دیکھا۔
حسن آرا۔ (گردن نیچی کرکے آہستہ سے) نہیں دولھا بھائی آپکو یاد نہیں ہو۔ ساون میں آپ ایک مقدمے کی پیروی کے لیے آئے تھے۔
سپہر آرا۔ جی ہاں دو دن آپ رہے تھے یہاں۔
نواب۔ ہاں صحیح کہا خوب یاد آیا۔
بہار النسا۔ آپکی سالی سپہر آرا بیگم کو بڑا اشتیاق ہو کہ آپ کے ساتھ بگھی پر ہوا کھانے جائیں۔

سپہر آرا - واہ کیا جھوٹ موٹ لگاتی ہو۔ بھلا میں نے کب کہا تھا۔

روح افزا - ہم گواہ ہیں۔

نواب - اچھا پھر اسمیں عیب ہی کیا ہو ہم نے توانسے (بہار النسا کی طرف اشارہ کرکے) کہا تھا کہ دو گھڑی چلا کر ہوا کھلانے۔

بہار النسا - اپنی عنایت تہ کر رکھیے۔

روح افزا - اسوقت تو دولھا بھائی انسے دور قرآن درمیان بالکل نواب نادر حسین معلوم ہوتے ہیں۔

حسن آرا - اے ہاں خوب یاد آیا۔ جہاں آرا بہن کہہ گئی تھیں کہ جب خورشید دولھا آئیں تو ہم کو ضرور بلا لینا۔ بھیجدوں رقعہ۔

نواب - ضرور بلواؤ آنکھیں اُنکو ڈھونڈھتی ہیں۔

سپہر آرا - وہ ابکی شکایت کرتی تھیں کہ خورشید دولھا آگئے اور ہم سے نہ ملے۔

نواب - ہاں سچ کہتی ہیں۔

اتنے میں روح افزا ایک شیشے کی تشتری میں چکنی ڈلیاں رکھکر لائیں اور نواب صاحب کے سامنے لے گئیں۔ نوابصاحب نے دو اُٹھالیں اور کھالیں۔ چباتے ہی آخ تھو۔ آخ تھو۔

نواب - پانی منگواؤ واسطے خدا کے۔

حضرات ناظرین سمجھے بھی۔ کیا سمجھے؟ سالی نے بہنوئی سے اچھی دِگّی کی بہنوئی اور سالی میں چہل ہوتی۔ آپ کوئی قاضی ہیں۔ وہ چکنی ڈلیاں لکھنؤ کے چابک دست کامل فن کمہاروں کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھیں (مٹی کی) نوابصاحب خاک نہ سمجھے جھپ سے منہ میں رکھ ہی تو لیں چباتے ہی مزہ کرکرا ہوگیا اور اُدھر اُن پر بیزادوں نے قہقہہ لگانا شروع کیا اور حضرت بہت ہی جھینپے تھوڑی دیر کے بعد جب منہ دھو چکے تو سپہر آرا نے گلوری دی۔

نواب - (گلوری کھول کر) اب بے دیکھے کھانے والے کی ایسی تیسی کہیں اسمیں مرچیں نہ جھونک دی ہوں (پان کھاکر) اسوقت آپتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں۔

حسن آرا - باسی کھیر کھایئے تو لاؤں۔

نواب - نیکی اور پوچھ پوچھ۔

حسن آرا جاکر ایک تھلی اُٹھا لائی۔ نوابصاحب نے بڑی خوشی سے لی گر کھوتے ہیں تو مینڈکی اُچک کر دہ ہو رہی۔

نواب - مقول یہ روح افزا سے بھی بڑھکر نکلیں۔ بڑی بی تو بڑی ہی چھوٹی بی سبحان اللہ۔ یک نہ شد دو شد۔ اُنھوں نے مٹی کی سپیاری کھلائی۔ انھوں نے مینڈکی کی کھیر بنائی۔ ع۔ مینڈکی را زکام پیدا شد حسن آرا اور سپہر آرا اور روح افزا اور بہار النسا ہنسی کے لوٹ رہی تھیں۔

بہار النسا کا براٹن صاحب بہادر کو طعنے دینا اور اُنکی تینوں بہنوں کا کچا چٹھا سُن لینا

شب کو نوابصاحب اور بہار النسا بیگم اور روح افزا اور حسن آرا اور سپہر آرا نے باہم خوب مزے مزے کی باتیں کیں اور خوب چہچہے ہوئے خوب قہقہے اُڑے چہل پہل رہی۔ حسن آرا اور سپہر آرا ایک ہی کمرے میں سو رہیں مگر بہار النسا غائب۔ خیر سمجھ جایئے۔

بہار النسا - کہو تمھاری اماں جان تو جیتی ہیں یا ڈھلک گئیں۔

نواب - لاحول ولا قوۃ۔ کیا بے تکی اُڑاتی ہو اور دل دکھاتی ہو سانا کہ وہ بڑی بوڑھی ہیں مگر پھر ماں ہیں۔

بہار النسا - ہاں اُنکی تو محبت لپٹ پڑی ہو تم کو۔ آخر نو مہینے پیٹ میں رکھا ہو کہ باتیں۔ بتیس دھار دودھ پلایا ہو کہ نہیں۔

نواب - تم تو ہمارے عیش کو منغص کر دیتی ہو۔

بہار النسا - تم کو میری پرواہی کیا ہو بھلا۔ کیا جکلہ نگوڑا اُجڑ گیا ہو یا بازار میں کسی نے جلتا بلتا سوختہ لگا دیا۔

نواب - اچھا اب اسوقت تو خدا کے لیے یہ باتیں نہ کرو۔ کوئی چھ دن

کے بعد ملاقات ہوئی ہی۔

بہارالنسا ۔ جی ہاں ایسا ہی تو ہمارا پیار ہی نہ بہت ۔

نواب ۔ خدا گواہ ہی کہ ۔

بہارالنسا ۔ بس چلیے خدا کا واسطہ نہ دیجئے بیچکے ہو رہیئے ۔

نواب ۔ یہاں سے چلا جاؤں ۔

بہارالنسا ۔ ہاں کسی سے قول ہارے ہو تو جاؤ تمھیں اُس مردار بوڑھی ماں ہی کی قسم ہی ۔ (داہنے ہاتھ کا کھانا حرام ہی جو نہ جاؤ) واہ کیا دھمکایا ہی یہاں کچھ پروا بھی نہیں ہی ایسی ۔ جانو ہم انھیں پر تو پڑے ہوے ہیں ۔ جیسے ہمارا ٹھور ٹھکانا ہی نہیں ہی کہیں (دوپٹا پھینک کر) یہ موا دوپٹا تو اور ہی جیجتا ہی ۔

راوی ۔ دوپٹہ کا پھینکنا تھا کہ گوری گوری گردن اور پیارے پیارے ساعدسیمیں اور دست رنگین اور آرسی ہیکل اور طوق اور ہنکو کی چمک دمک جو نوابصاحب کی نظر سے گذری تو بس ستم ہو گیا ۔ یا تو پہلے بہت ہی جھلائے تھے یا اب ریشہ خطمی ہو گئے ۔ بہار النسا بیگم کی بناوٹ سجاوٹ سے ع ۔ سمند ناز پر ایک اور تازیانہ ہوا ۔

نواب ۔ (مسکراکر) کل ہم ہلکی سی اوڑھنی بنوا دیں گے ۔

بہارالنسا ۔ (بانکی ادا سے) اپنی اوڑھنی رہنے دیں آپ یا تاہ جیڑے کی گلی میں کسی کے پاس بھیج دیجئے ۔ ۔ ے

تم کو تو دھیان یہی آٹھ پہر ہی کہ مجھے ۔ نت نیا روز ہر اک ڈھب افروز سے

وہی چال چلیں گے کہ برابر والیاں ہمجولیاں سکو ہنسیں اور نام رکھیں اور ہم کٹ کٹ جائیں ۔

نواب ۔ اوہو ۔ اوہو ۔ اوہو ۔ اوہو ۔

بہارالنسا ۔ (شوخی کے ساتھ دانت پیکر) بس اب اوہو اوہو کروگے تو کاٹ کھاؤں گی لپک کے اب میرا مغز نہ کھایئے پڑ کے سو رہیے

نواب ۔ کیا؟ یہ نئی بات سُنی آج ۔

بہارالنسا ۔ (مسکراکر) اور نہیں تو ۔

نواب ۔ تمھیں ہماری ذرا محبت نہیں ۔

بہارالنسا ۔ جو نہ ہو تو ہم پر از غیبی تباہی آئے گر تم جب اپنے ہتھکنڈے چھوڑو بھی یہ بارہ بارہ ایک ایک بجے تک غائب غلہ رہنا چہ معنی دارد

نواب ۔ طوفان نہ باندھیے ۔

بہارالنسا ۔ واہ آپکی اماں اور آپکی بہنا ہی کا حصہ ہی ۔

نواب ۔ یا الٰہی تم تو جیسے لڑنے پر تیار ہو کر آئی ہو ۔

بہارالنسا ۔ آئے ہی ہیں ۔ کیا کچھ تنک بھی ہی یہاں کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں ۔ مجھے تمھاری سب خبر ہی ۔

نواب (ہکا بکا ہو کر) کیا ۔ ؟

بہارالنسا ۔ کیوں صاحب یہ پراٹن صاحب بن بن کر راتوں کو جانا جاکٹ پتلون پہن کے دھمکانا مجھ سے اُڑتے ہو ۔

نواب ۔ ع ۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں ۔

راوی ۔ حضرات ناظرین یہ روایت طلب بات ہی ۔ نوابصاحب بڑے مالدار اور امیر والاتبار ۔ وکیل خوش تقریر ۔ لائق تحریر خوش وضع خوش قطع جوان تھے مگر کسی قدر رنگین مزاج ۔ بہار النسا بیگم تھیں تو انتہا کی طرار اور طرحدار مگر دن رات ناک چوٹی میں گرفتار ۔ مگر حیا پرور اور پاک نظر انکو میاں کا ادھر اُدھر جانا اور بدمعاشی میں ہزاروں بلانا شاق گذرتا تھا ۔ اسی سبب سے کبھی کبھی بیوی میاں میں جوتی چل جاتی تھی خیر ۔ ع ۔ درمیان جان وجاناں ماجرائے رفت رفت ؛ مگر ابکی مرتبہ بہار النسا نے ایسی بات سنی تھی کہ انکی چشم فسوں پرداز سے خون برسنے لگا ۔ سنیئے ایک روز نواب صاحب جاکٹ پتلون ڈانٹ کر کہیں گئے ۔ چرٹ منہ میں دبا تھا ۔ بھک بھک دھواں اُڑاتے جاتے تھے ۔ جب سڑک سے گلی اور گلی سے ایک اور گلی اور پھر ایک نالی سے ہو کر ایک ٹیکرے پر گئے اور چڑھائی اُتر کر ایک تنگ اور تیرہ و تار گلی میں داخل ہوئے تو دروازہ ۔

(دھم دھمایا) اور للکار کر غل مچایا کہ (اوپن دی ڈور، یعنی دروازہ کھولو۔ اندر سے آدمی آیا۔ آداب بجا لایا اور کانپتے ہوئے پوچھا کہ حضور کہاں سے تشریف لاتے ہیں۔ کس کی تلاش میں آئے ہیں۔ حضرت نے ڈانٹ کر کہا ول بیگم صاحب کو بلاؤ۔ کہو یہاں آؤ مسٹر پراٹن صاحب آیا ہے۔ کچھ پیگام (پیغام) لایا ہے۔ آدمی اندر گیا اور باہر آن کر اُسنے ڈرتے ڈرتے کہا کہ حضور کل تشریف لائیں۔ آٹھ بجے قدم رنجہ فرمائیں مگر ضرور آئیے گا۔ سرفراز فرمائیے گا۔ اسوقت پڑوس کی عورتیں آگئی ہیں۔

اب سنیئے کہ حسن اتفاق سے ایک کنجڑن جو پڑوس میں رہتی تھی ان حضرت کو پہچان گئی اور گھر میں جاکر بہار النسا بیگم سے اُس نے کچا چٹھا کہہ سنایا سنتے ہی آگ بھبوکا ہوگئیں اور سوچیں کہ آج آنے تو دو۔ دیکھو تو کیسا آڑے ہاتھوں لیتی ہوں کہ پراٹن صاحب کا کہنا بھول جائیں۔ مگر بہار النسا ادھر ننھیال چلی آئیں اور بات جوں کی توں رہ گئی۔ اب انکو موقع ملا کہ خلیہ میں میاں کو سمجھائیں اور شرمائیں۔ نواب نے جو پتے پتے کی سنی تو سناٹے میں ہوگئے۔ یا الٰہی یہ کس نے آن کر ان سے کہدیا۔ ہم سمجھے تھے کہ انکے فرشتے خاں کو بھی کانوں کان خبر نہ ہوگی مگر غضب ہوگیا۔

بہار النسا۔ (شانہ ہلاکر) فرمائیے حضرت مسٹر پراٹن صاحب۔

نواب۔ کچھ خیر ہے۔

بہار النسا۔ چہ خوش یہ بھی کوئی خیر کی باتیں ہیں۔

نواب۔ تو کچھ کہو تو۔ میری سمجھ ہی میں نہیں آتا کچھ۔

بہار النسا۔ (مسکراکر) ہاں ہاں آپ کیا سمجھیں گے۔ ہم ہندوستانی آپ خاص ولایت کے پراٹن صاحب۔ ہماری بولی آپ کیا سمجھیں گے بھلا۔ گٹ پٹ ہمیں آتی نہیں۔ پراٹن صاحب۔ ادھر دیکھیئے صاحب بہادر ذرا ادھر دیکھیئے پراٹن صاحب بہادر۔

نواب۔ (گردن نیچی کرکے) کہیں بھنگ تو نہیں پی گئی ہو۔

بہار النسا۔ بھنگ نہ پی ہوتی تو پراٹن صاحب کون بنتا۔

نواب۔ خدا گواہ ہے جو کچھ سمجھ میں بھی آیا ہو کہ تم کہتی کیا ہو۔

بہار النسا۔ گریبان میں منھ ڈالو۔ بہت بڑھ کر باتیں نہ بناؤ۔ اب بھی تم نہیں شرماتے۔ بڑے حیادار ہو اور تو کیا کہوں۔

نواب۔ کیا خوب ابھی کچھ کہنا باقی بھی ہے شاید۔

بہار النسا۔ ہئی۔

نواب۔ اچھی کہانی چھیڑ دی۔

بہار النسا۔ جلائے جاؤ۔ اور پھر کہو دھواں نہ نکلنے پائے۔

نواب۔ (ہاتھ میں ہاتھ دے کر) تمہارے دشمن۔

بہار النسا۔ اللہ جانتا ہے۔ ہمیں حسد ہوتا ہے۔ پھر ہمیں کیوں بیاہ کے لائے تھے۔ یاد ہے نکاح کے وقت کیا کیا لمبے چوڑے اقرار کیے تھے اب ایسے غافل ہوگئے پراٹن صاحب بن گئے۔ پراٹن صاحب۔ ہونھ۔

اور ایک لطیفہ سنیئے کہ ادھر تو میاں بیوی میں یہ شکوہ و شکایت کی باتیں ہوتی تھیں۔ اور اُدھر حسن آرا اور سپہر آرا اور روح افزا بیگم دروازے کے پاس کھڑی چپکے چپکے جھانکتی اور چوری چوری ساری داستان سُن رہی تھیں۔ مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے جب ضبط نہ کرسکیں برآمدے پر جاکر خوب ہنسیں۔ اور پھر آنکر کھڑی ہوگئیں۔ روح افزا اور حسن آرا تو آہستہ آہستہ قدم رکھتی تھیں تاکہ آہٹ نہ معلوم ہو لیکن سپہر آرا کی شوخی کب اسکی مقتضی تھی کہ دبے پاؤں جائیں حسن آرا اور روح افزا نے سمجھایا کہ دیکھو کہیں راز کھل نجائے تو پھر بھاگنا پڑے تھوڑی دیر تک تینوں بہنیں کھڑی سناکیں۔ ایک مرتبہ بہار النسا نے زور سے نواب کا ہاتھ جھٹک کر کہا کہ آپ تو پراٹن صاحب ہیں اور میں ایک ہندوستانی عورت ہوں۔ آپ تشریف لیجائیں ہم پراٹن صاحب کو گھر میں گھسنے نہ دیں گے۔

اسپر نواب صاحب نے کہا کہ ع۔ دیوار گوش دارد فہمیدہ لب بجنباں۔ اتنا کہنا تھا کہ سپہر آرا کھل کھلاکر ہنس پڑی اور اُن کے ہنستے ہی حسن آرا اور روح افزا بھی بیساختہ ہنس پڑیں۔ اور ہنسی کی آواز سنتے ہی

بہار النسا دھک سے رہ گئی اور نواب بھی ہکا بکا ہو گئے۔

نواب۔ تمھاری بہنیں بڑی شوخ ہیں۔

بہار النسا۔ یہ کہاں کی دل لگی نکالی ہے۔

روح افزا۔ بہن سلام۔

سپہر آرا۔ دولھا بھائی بندگی عرض ہے۔

حسن آرا۔ میں بھی پراٹن صاحب کو آداب عرض کرتی ہوں۔

راوی۔ پراٹن صاحب کے لفظ پر ادھر بہار النسا بیگم اور نواب صاحب اور اُدھر روح افزا اور حسن آرا اور سپہر آرا نے وہ فرمائشی قہقہہ لگایا کہ فلک چہارم تک آواز پہونچی۔

بہار النسا بیگم اور انکے شوہر نواب صاحب بہادر پر جو آوازے کسے گئے تو دونوں سخت جھینپے۔ نواب صاحب نے دانتوں کے تلے انگلی دبائی اور بہار النسا بیگم کا رُخ رنگیں عرق آلود ہو گیا۔

بہار النسا۔ (آہستہ سے) ارے!۔

نواب۔ اُف لاحول ولا قوۃ۔ سمجھا دو یہ بری بات ہے۔

سپہر آرا۔ لاحول کیا شیطان کو بھگاتے ہو۔ پراٹن صاحب۔

بہار النسا۔ (کمرے سے نکل کر) لے نواب بھاگی کہاں جاتی ہو۔

روح افزا۔ بس اب جائیے۔ پراٹن صاحب سے باتیں کیجئے۔

بہار النسا۔ آؤ آؤ۔ تمھیں حسینؓ کی قسم۔

سپہر آرا۔ آئیں کیا۔ کس کے پاس آئیں۔ کوئی بھائی بند اپنا ہو تو آئیں بھلا پراٹن صاحب کو کیا منھ دکھائیں۔

نواب۔ لاحول ولا قوۃ۔ اس پراٹن کے نام نے ہمیں خوب جھنڈے پر چڑھایا لاحول ولا قوۃ کیسے رسوا ہوے ہیں۔

بہار النسا۔ بھر اپنے کرتوتوں۔

نواب۔ اب واسطے خدا کے کہیں جہاں آرا سے نہ کہنا۔

حسن آرا۔ خدا کی قسم ضرور کہیں گے ہم کہ تمھاسے خورشید دولھا پراٹن صاحب بنگئے

نواب۔ خدا ہی خیر کرے۔

بہار النسا۔ خیر کیا۔

سپہر آرا۔ اب تو قلعی کھل گئی

حسن آرا۔ کیسی کچھ۔

روح افزا۔ دولھا بھائی۔

حسن آرا۔ ہائیں پراٹن صاحب نہیں کہتی ہو۔

روح افزا۔ ہاں بھول گئی۔

بہار النسا۔ اب ہم بھی میم بنجائیں گے۔

نواب۔ بسم اللہ۔

بہار النسا۔ شرمائیے تو نہ ہوگے۔

روح افزا۔ شرما چکے۔

بہار النسا۔ جاؤ بہن اب سو رہو۔

الغرض تینوں بہنیں قہقہے لگا کر سو رہیں اور بہار النسا بیگم نے مصنوعی پراٹن صاحب کا قصور معاف کر دیا۔ سچ ہے۔ ع

دلوں میں کہنے سننے سے عداوت آہی جاتی ہے
جب آنکھیں چار ہوتی ہیں محبت آہی جاتی ہے

نوابی دربار اور خوشامدیوں کی گرمی بازار بی اللہ رکھی کا جوگن ہونا اور عیش و عشرت سے ہاتھ دھونا

حضرات ناظرین بالفعل ادھر کا ذکر تو تہ کر رکھا اب دوسرا تذکرہ سنیئے کہ ایک برق وش تند رفتار مقرر لسان اور نغز گفتار حسینہ جمیلہ جس کا جوبن اور شباب پھٹا پڑتا تھا ایک سفید سادی دلائی اوڑھے جھکتی ہوئی جاتی تھی اور چھڑوں کی جھنکار اور گڑوں کی کھنکار ستم ڈھاتی تھی۔ فرمائیے یہ کون آفت کا پرکالہ ہے۔ نہ حسن آرا نہ سپہر آرا نہ روح افزا نہ بہار النسا وہ تو سو رہی ہیں۔ یہ بی اللہ رکھی ہیں۔ وہ شوخ و شنگ چلبلی عورت جو میاں آزاد پر ریجھی تھیں اور جنکو شوق چرایا تھا کہ میاں آزاد کی چاہتی

جو شکل و صورت سے شریف زادہ معلوم ہوتا تھا اُسکے پیچھے چلا اور اُس نیکبخت سے اس مزدور نے کہا (بہوجی تنک پانی پلاتے جاؤ) وہ نیکبخت کچھ نہ بولی۔ تھوڑی دیر میں کلسا کنوئیں پر رکھ کر اپنے گھر گئی اور وہاں سے ایک بڑا سا کلھڑ لائی اور اُس کلھڑ میں پانی انڈیل کر اُس مزدور کے پاس لے گئی اور دیا۔ حضرت نے پانی پیا مگر پیتے پیتے اُس کی صورت پر کنکھیوں سے نظر ڈالتے گئے اور بڑی دیر میں پانی پی چکے وہ بیچاری تاڑ گئی کہ یہ بد آدمی ہے اُسوقت چہرے سے جو ملال اور رنج اور غم و غصہ ظاہر ہوتا تھا اُس کا بیان کرنا محال ہے۔ ہم کو اُس نیکبخت بہن سے ایک قسم کی محبت ہو گئی اور ہم نے دعا مانگی کہ خداوند ہر ایک عورت کو ایسی ہی حمیت اور توفیق نیک عطا کر اور ذکور کو نور عقل دے تاکہ وہ نیکبخت عورتوں کو اپنی بہن سمجھیں۔ انسان کو ہر روز ایسی باتیں پیش آتی رہتی ہیں کہ وہ اپنے حالات پر کامل غور نہیں کرتا حالانکہ اگر وہ کامل تدبر کرے تو وہ شبہیں بھی کسی قدر رفع ہو جائیں اور کبھی خوشی صورت دکھائے سب سے زیادہ خدشہ انسان کے نفس کو اغوائے شیطان سے یہ رہتا ہے کہ وہ اچھی اچھی صورتیں دیکھ کر از خود رفتہ اور دیوانہ بنجاتا ہے اور اسی دیوانگی اور از خود رفتگی کی حالت میں نفس مطمئنہ خیرباد کہکر سدھارتا ہے اور نفس لوّامہ کا کہنا دل نہیں مانتا ہے نفس امّارہ غالب آجاتا ہے۔ انسان کو مرکز دائرۂ گناہ کبیرہ بناتا ہے حسن کو بھی عجب تاثیر بخشی گئی ہے۔ جادو ہے تو یہ ہے اور سحر ہے تو یہ ہے اور ٹونا ہے تو یہ ہے اور چھلاوا ہے تو یہ ہے حسین پر نظر پڑی اور نیت ڈانواں ڈول ہو گئی طبیعت نے معصیت میں راہ پائی نفوس قدسیہ سے ہوا بتائی دل میں فسق و فجور کی دھن سمائی حسن عجب بلائے بیدرماں ہے اس نے ہزاروں ہندؤں کو مسلمان اور مسلمانوں کو کرشان اور کرشان کو کافر اور زاہدوں کو بے ایمان بنایا مسلمان بدنام ہوئے۔ ہندو بدنام ہوئے۔ تاجداروں نے تخت و تاج سے ہاتھ دھویا۔ فرمان روایان سمو المکان نے حکمرانی اور خسروی کو کھویا مگر ذرا سوچیے تو معلوم ہو جائے کہ یہ حسن خدا کا عطیۂ عظمیٰ اور موہبت کبریٰ ہے حسن اس لائق ہے کہ اسکے ذریعہ سے انسان کے دل پر جناب باری عزّ اسمہ کی قدرت کاملہ اور صنعت بالغہ کا نقش منقوش اور اُسکی عظمت اور خدائی کا عکس مرتسم ہو لیکن نفس امّارہ سے خدا سمجھے کہ اسکو ذریعۂ ادبار بنا دیا یوں تو خوشنما پھول دیکھکر انسان گھنٹوں عش عش کرتا ہے۔ اور پیارے پیارے گل بوٹے پیڑوں وجد میں لاتے ہیں خوبصورت اور خوش اندام گھوڑا بھلا معلوم ہوتا ہے فرح بخش عمارات لبھاتی ہیں۔ حتیٰ کہ اگر اینٹیں تک قرینے سے ایک مقام پر چنی ہوں تو آنکھیں ایک قسم کا نور پاتی ہیں لیکن حسین عورت بس قیامت ہے مگر کن کے لیے انھیں کے لیے جو نفس امّارہ کے ہاتھ بک گئے ہیں ورنہ خداترس اور خداشناس آدمی ایسی باتوں سے منزلوں دور ہیں اور ہر شے پر نیکی اور پاکی کے ساتھ نظر ڈالتے ہیں۔ ممکن کیا کہ ذرا لغزش ہو جائے یا طبیعت میں بدی کا خیال آئے کیا مجال۔

ایک مرتبہ آدھی رات کے وقت ایک شخص لب دریا چلا جاتا تھا ہوا اُسوقت اس زنّاٹے کی چل رہی تھی کہ کلیجہ تک ٹھٹھرا جاتا تھا روح لرزتی تھی۔ پاؤں وقت سے اٹھتے تھے۔ دانت مارے سردی کے بج رہے تھے اور وہ آدمی صرف ایک سفید کوٹ پتلون پہنے ہوئے برہنہ لب ٹیمز کے تنہا جا رہا تھا۔ اول تو یوں ہی انگلستان میں سردی کی شدت ہے اُسپر طرہ یہ ہوا کہ عین موسم زمستان اور ہوا کی تندی اور تیزی انتہا کا ستم ڈھاتی تھی تیر جگر کے پار چھ کا لگا۔ اور ان سب باتوں سے بڑھ کر مصیبت تازہ یہ ہوئی کہ دریا کا کنارہ اور کمبل نہ لوئی نہ کوٹ نہ شال۔ یا الٰہی اسوقت بیان کرنے سے روح کانپتی ہے۔ اور سامعین باتمکین بھی اُس شخص کی حالت پر افسوس کرتے ہونگے۔ قہر درویش بر جان درویش۔ بیچارہ اسی کیفیت افسوسناک سے چلا جاتا تھا لیکن سمجھ گیا تھا کہ اب زندہ نہ بچوں گا چہرے پر مردنی چھائی تھی بدن کے رونگٹے رونگٹے کھڑے تھے چلتے چلتے جب بستی میں پہونچا تو ایک مکان کے شیشوں سے روشنی نمودار ہوئی

حاضرین۔ بہت خوب حضور۔
نواب۔ اجی اب بیچ بچاؤ تو کردو۔
الغرض تین چار آدمیوں نے اِس دُبلے پتلے مصاحب کو رفیق شہ زور سے بچایا۔ دربار بھر میں ہڑ۔ اللہ رکھی کھڑے کھڑے تھر تھراتی تھی اور نواب صاحب اُسکو تشفی دیتے جاتے تھے۔
نواب۔ نہیں نہیں گھبراؤ نہیں۔ کانپتی کیوں ہو۔
ایک مصاحب (اللہ رکھی سے) اے حضور آپ نہ گھبرائیں۔
دوسرا مصاحب۔ واللہ بی صاحب جو ذرا بھی آپ پر آنچ آنے پائے۔
تیسرا مصاحب۔ کیا مجال۔
نواب۔ تم تو میری پناہ میں ہو جی۔
اللہ رکھی۔ جی ہاں مگر خوف سا معلوم ہوتا ہے۔
نواب۔ میں ابھی اس موذی کو یہاں سے نکلوائے دیتا ہوں۔
خدمتگار۔ حضور وہ باہر کھڑے سب کو گالیاں دے رہے ہیں۔
اب سنئیے کہ سب نے ملکر رفیق کو باہر تو نکلوا دیا مگر وہ ایک ہی شہدہ پشت آدمی تھا۔ باہر جاکر بے نقط سنانا شروع کیں۔
رفیق۔ ایسے رئیس پر آسمان پھٹ پڑے جوان ماں زادیوں ٹکے ٹکے کی عورتوں کو شریفوں پر ترجیح دے۔ کسی زمانہ میں ہم بھی فیل نشین تھے ہمارے ہاں بھی چودہ چودہ ہاتھی مغرق ڈیوڑھی پر جھومتے تھے آج اس تازہ دولت نے ہمکو پائین فرش بٹھایا اور اُس کمبخت عورت کو مسند پر جگہ دی۔ بازاری عورت کو۔ خدا اس مردک سے سمجھے۔ لاحول ولا
نواب۔ یہ کون غل مچا رہا ہے۔
مصاحب۔ وہی ہے حضور۔
حاضرین۔ نہیں حضور وہ کہاں۔ وہ بھاگا پٹا تو ڈر۔ یہ کوئی فقیر بھوکوں مرتا ہے۔ نواب صاحب سے سوال کر رہا ہے۔
نواب۔ کچھ دلوا دو بھئی۔
مصاحب۔ بہت خوب اجی داروغہ جی۔
داروغہ۔ ہوت۔
مصاحب۔ اس سید کو دس روپیہ دیدو۔ سادات ہے بیچارہ۔
داروغہ۔ بہت اچھا۔
راوی۔ لے سبحان اللہ کیا کہی ہے واللہ۔ دس روپیہ تلوہ اڑائے اور سادات کی ایک ہی کہی۔
اسکے بعد اس رفیق نے ڈیوڑھی پر پھر غل مچایا اور خوب ہی چلاّیا تو نواب صاحب بولے۔
نواب۔ کون ہے۔
خدمتگار۔ حاضر حضور۔
نواب۔ ادھر آؤ۔
خدمتگار۔ حاضر حاضر۔
نواب۔ اب یہ کون چلاّ رہا ہے۔
خدمتگار۔ حضور۔
نواب۔ جلد بتاؤ۔
خدمتگار۔ حضور جاکر دیکھیں تو معلوم ہو۔
نواب۔ ابھی جاؤ۔
خدمتگار۔ بہت خوب۔
راوی۔ خدمتگار نے جو باہر جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہی رفیق نواب صاحب کو گالیاں دے رہا ہے کہ اس عورت کو جو بازاری ہے اس عنایت کے ساتھ مسند پر بٹھایا الخیر ہم شریف زادوں کی خبر بھی نہ لی۔ داروغہ اور مصاحبوں نے اس کو راہ ہی میں روکا اور سمجھایا کہ اگر تم نے ٹھیک ٹھیک کہدیا تو ہم تم کو ذبح ہی کر ڈالیں گے۔ خبردار یہ نہ کہنا کہ وہی رفیق گالیاں دے رہا ہے بلکہ یوں بیان کرنا کہ وہ سید تو دس روپیہ انعام پاچکا۔ مگر جس وقت اُسکو انعام دیا گیا اسوقت اور لوگ وہاں موجود تھے۔ وہ سید تو حضور کو دعائیں دے رہا ہے۔ اور اور فقیر اور سادات اور درویش اس امر

کے طالب ہیں کہ حضور کے دربار دُربار عظمت آثار سے کچھ انعام پائیں۔

راوی۔ سبحان اللہ۔ واہ رے خدمت گار۔ اور واہ رے رفیق کیا خوب بٹی ہو خدا کی قسم روح وجد کرنے لگی۔ کیا خوب بات بنائی کہ سید تو انعام پاکر دعائیں دے رہا ہو اور جسوقت اسکو انعام دیا گیا اسوقت اور فقرا دیکھتے تھے وہ غل مچا رہے ہیں کہ حضور اس دربار سے ہم کو بھی کچھ ملے نواب نادار تو ایک بھولے بھالے سادہ مزاج آدمی تھے فوراً تسلیم کر لیا کہ سب ٹھیک کہہ رہے ہیں فرمایا کہ اسی دم سب فقیروں اور درویشوں کو انعام بٹے تو ٹروں کے منھ مثّا کھولے جائیں کوئی اس دربار سے محروم نہ جائے ورنہ اسوقت بڑی ہیٹی ہوگی اور میں زہر کھا کر مر جاؤں گا۔ والد مبرور کو خدا بخشے کروروں درویش اور فقرا انکی وجہ سے پرورش پاتے تھے اور مرد سے جی جاتے تھے یہ تھوڑے سے آدمی بھلا کیا حقیقت رکھتے ہیں ابھی ان سب کو روپیہ دیا جائے۔

مصاحب۔ داروغہ داروغہ جی۔

داروغہ۔ کہو کہو۔

مصاحب۔ ان فقیروں کو چالیس روپے دیدو۔

نواب۔ کیا! چالیس۔ لاحول۔ ابھی سو روپیہ تقسیم کرو۔

مصاحب۔ اسے خدا سلامت رکھے۔

رفقا۔ واہ واہ میرے مخیر نواب کیوں نہ ہو۔

داروغہ۔ (مصاحبوں سے) کیا رلے ہو۔

مصاحب۔ کچھ سڑی ہوے ہو۔

رفقا۔ رلے کیا خورد برد دم۔

داروغہ۔ لاؤ ہاتھ۔

مصاحب۔ ارے میاں ایسے گوکھے رئیس کہاں ملیں گے۔

رفقا۔ بیشک۔

مصاحب۔ کیا پاگل ہو واللہ۔

رفقا۔ گوکھا۔ بیوقوف۔

داروغہ۔ پھر۔

مصاحب۔ کہدو کہ حضور دے آئے۔

داروغہ۔ اور جو وہ پھر غل مچائے۔

رفقا۔ اجی اُسکو نکال باہر کرو مردود کو۔

داروغہ۔ اچھا۔

حاجب۔ دو دھکا۔

داروغہ۔ ابھی۔

داروغہ نے تین گراں ڈیل کرائے آدمیوں کو بھیجا کہ جو غل مچا رہا ہو۔ اُسکو ابھی نکال دو گردن میں ہاتھ دو اور رگیدتے ہوئے کوسوں لیجاؤ اور کہدو کہ اگر ابکی غل مچایا تو تم کو ذبح کرکے پھینک دینگے۔

خدمتگار۔ بہت خوب جو حکم ہو۔

داروغہ۔ بس حکم یہی ہو کہ وہ اب غل نہ مچانے پائیں نکال دو۔

خدمتگار۔ اسی دم۔

یہ کہکر خدمت گار گئے اور اُس رفیق کی گردن ناپی۔ وہ بیچارہ گالیاں دیتا اور کوستا ہوا وہاں سے چلا۔ مگر چلتے چلاتے اس نے اللہ رکھی کو گردوں صلواتیں سنائیں اور اللہ رکھی نے سب باتیں سنیں۔ نواب تو اسوقت افیم کی پینک میں غین تھے اُنکی بلا سنتی کہ کیا کہہ رہا تھا مگر اللہ رکھی بیچاری کی روح پر صدمہ تھا کہ ایک شخص خدا واسطے کو اس کو بے نقط سنا رہا ہو۔

اللہ رکھی۔ (نواب سے) صاحب اُس نے بہت گالیاں دیں۔

نواب۔ کیا مجال۔

اللہ رکھی۔ واہ۔

نواب۔ کیا طاقت اُس کی۔

اللہ رکھی۔ حضور قسم خدا کی۔

نواب۔ وہ تو اب بھاگ گیا۔

راوی۔ بجا۔

اللہ رکھی۔ وہ موا گالیاں دے رہا ہے۔

نواب۔ تمھیں وہم ہے۔

نواب نادار و الاتبار نے لاکھوں قسمیں دیں اور ہزاروں جتن کیے کہ بی اللہ رکھی کھانا کھائیں اور اگر جی چاہے تو انھیں کے باغ فرح بخش و دلکشا شاداب و نزہت انتما میں کچھ روز بفراغت تمام آرام فرمائیں مگر بی اللہ رکھی نے ایک نہ مانی اور دل میں یہ بات ٹھانی کہ اگر نواب سونے کا بھی بن کر آئے اور قارون ہی کا سا مالدار ہو جائے تو بھی اس کے ہاں دم بھر ٹھہرنا ناگوار ہے ایسی ذلت اُٹھانے سے جی بیزار ہے۔

اُس مُنھ پھٹ رفیق کا بار بار طعنے دینا اور اللہ رکھی کا نام لینا۔ اور اُس بیچاری کو ٹکے کی عورت بیسوا کہنا اور اُس کا ضبط کرنا مصیبت سہنا ان سب باتوں سے اللہ رکھی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تو نواب صاحب بہت ہی شرمائے کہ اللہ ری ہماری شومی طالع۔ یہ ہنس مکھ خندہ پیشانی جان جانی ہنستی کھل کھلاتی آئے۔ اور ہماری صحبت اس ہلسوڑ ٹھٹھول کو رُلائے ہماری صحبت باعث بدنامی ہے۔ جو ہے صید ناکامی ہے۔ سہ

درمحفل خود راہ مدہ ہمچو منے را		افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

نواب نے قسمیں دے دے کر یوں پوچھا سچ کہئے بی اللہ رکھی صاحب آخر میں کس قصور پر مورد عتاب ہوا۔ مجھ سے کونسا کردار ناصواب ہوا۔ اگر لاعلمی میں کوئی خطا ہوئی ہو معاف کرو آئینۂ دل سے کدورت کو صاف کرو۔

اللہ رکھی۔ یہ کیا باتیں ہیں جانیں ہیں اسوقت کیا یاد آیا کس کے خیال نے رلایا کس سبب سے آنسو آیا۔

نواب۔ اچھا بندہ تو بے قصور ہے یا اسمیں کچھ قصور ہے۔

اللہ رکھی۔ حضور یہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔ ہماری سی بے حیا زندگی نگوڑی کسی کی نہ ہو۔ یہ سب اپنے کرتوتوں ہوا۔ ماں باپ نے اندھے کنویں میں ڈھکیل دیا ایک بوڑھے کھوسٹ کے ساتھ بیاہ دیا۔ آپ تو بین آوایا کیے ہمیں بھاڑ میں جھونک گئے۔ بوڑھے میاں شادی کرتے ہی بھاگ کے دوسرے شہر ہو رہے ہم شام سے سویرے تک روتے رہتے تھے۔ دن کو بیقراری رات کو اختر شماری اور ہر دم گریہ و زاری۔ ہمارا چودہ پندرہ برس کا سن اُنکے حلوا کھانے کے دن۔ آج موے کل دوسرا روز ایک ایک ہڈی بدن کی گن لیجیے منھ میں دانت نہ پیٹ میں آنت۔ اُنکی صورت سے مجھے نفرت تھی۔ مگر ایک ہی دفعہ عمر بھر میں موے کو دیکھا تھا بس پھر جو دیکھا ہو تو آنکھیں ہی پھُٹم ہو جائیں۔ ایکدفعہ ہم نے خط بھیجا تو اُسکے جواب میں بہت کچھ للو پتو تو تمبو آ! بھگت کی مگر سب زبانی داخلہ۔ بارے انتہا غیض ہوے تو ہماری ماں نے بڑا خن کیا ہم نے کہا اماں اب ہمیں کسی جوان اور بھلے مانس کے ساتھ بیاہ دو۔ وہ تو راضی ہو گئیں۔ ہمارے پڑوس میں ایک مولوی صاحب رہتے تھے کوئی اسی روپیہ مہینے کا وثیقہ ہے۔ اور اُنکا لڑکا بیچ نوں کوئی بیس برس کا ہوگا اسکول میں ماسٹر ہے ڈیڑھ سو مہینہ ملتا ہے۔ اور پڑھا لکھا آدمی۔ چال چلن اچھا خندہ پیشانی نک سک سے درست لسّان خوش تقریر۔ مکان کوئی دس بارہ ہزار کا اور اس لڑکے کا کمرہ بھی خوب سجا سجایا تھا آدمی خوش سلیقہ ہے بڑے باتمیز انکے باپ مولوی آدمی ہیں اور دور دور سے اُنکے پاس پڑھنے کے لیے آدمی آتے جاتے ہیں۔ عورت سب سلیقہ والیاں اور ملنسار تین چار دفعہ مجھ سے اور اُس سے آنکھ لڑی تھی۔ ایک دفعہ اُس نے اپنی مہری کو بھیجی اور کہلا بھیجا کہ ہم اپنے والد سے کہیں جو تم راضی ہو۔ میں سوچی کہ غضب ہو جائیگا جو کہیں کھل گیا کہ نکاح کے پہلے ہی سے بات چیت تھی اور پیغام آتے جاتے تھے اور مہریوں کی زبانی معاملے بھگتتے تھے تو لوگ طوفان باندھیں گے۔ اس بیچ میں جھکی ہو رہی مگر اماں سے کسی نے کہدیا کہ خبردار لڑکی کو اب نہ بیاہنا بیوہ کا نکاح بھلے مانسوں میں نہیں ہوا کرتا مگر کہاروں میں جو لاہوں میں دھوبیوں میں ہو تو ہو تمھیں شرم نہ آئے گی کہ

ایک کے ساتھ پہلے بیاہا اب دوسرے سے نکاح ہو۔ واہ خاندان میں بٹا لگا دوگی جس میں ہفتاد پشت تک کا نام بد ہو۔ کہیں ایسا بھی ہوا ہو بھلا آجتک کسی بھلے مانس کی بیوہ کی شادی ہوئی ہو خدائی بھر میں پس وہ چٹ سے بدل گئیں اب کوئی سوچو تو کہ ہم تو دن رات جلیں پھکیں مریں کھپیں جوانی مفت میں برباد ہو جائے اور وہ کہیں کہ کبھی سی کا خیال ہو یا نہیں واہ اچھی کھل منسی ہو جو ٹھکی پڑے ایسی کھل منسی نگوڑی پر ہم درگذرے۔ اے بس میں تو ایک رات کو گھر سے نکل بھاگی۔ لیکن اُس دن سے آجتک جیسی پاک پیدا ہوئی تھی ویسی ہی ہوں۔ آج اُس آدمی نے جو ہزاروں باتیں سنائیں اور کہا کہ یہ ٹکے کی عورت ہو یہ جیسا ہو یہ ایسی اور یہ ایسی اور کیا جانے کیا کیا تو میرا دل بھر آیا۔ گھر بھر میں ایک تو اُس مولوی صاحب کے رشتہ سے آنکھ لڑائی تھی دوسرے ایک اور تھے میاں آزاد اُن سے شادی کرنے کا۔

نواب۔ کون کون کس کا نام تم نے لیا۔

مصاحب۔ حضور وہی کہا۔

رفیق۔ اچھا پتہ لگا خدا کی قسم خوب ہی ملے ہاں بی صاحب فرمایئے۔

نواب۔ بعد مدت آج اُنکا نام سننے میں آیا ہو بڑے دوست ہیں

مصاحب۔ نواب صاحب کے وہ دوست ہیں صاحب۔

رفیق۔ ہاں حضور روٹھ کے چلے گئے تھے۔

راوی۔ اللہ رکھی نے جو میاں آزاد کا نام لیا تو نواب مدار اور اُنکے مصاحبین سلیقہ شعار چونکتا ہوے ایک دوسرے کی طرف نظر حیرت سے دیکھنے لگے اور اللہ رکھی سمجھی کہ کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہو ورنہ وجہ کیا کہ اسقدر با صرار بلیغ پوچھا گیا۔ ایک ہی کائیاں۔ پرلے سرے کے خرانٹ۔ وہ تاڑ گئے کہ اللہ رکھی کو کچھ شک ہوا ہو۔ فوراً گڑھی ہوئی بات بنائی کہ میاں آزاد نوابصاحب کے دوست ہیں روٹھ کے چلے گئے تھے۔ تا کہ بی اللہ رکھی صاف صاف حق کا حال بتا دیں۔

نواب۔ ہم کو اُنکی خبر ملے تو ہم فوراً بلوائیں۔

اللہ رکھی۔ وہ تو باہر کہیں گئے ہیں۔

نواب۔ باہر! باہر کہاں؟۔

اللہ رکھی۔ کسی اور ملک کو گئے ہیں۔ نام اُس کا مجھے معلوم ہی نہیں۔

راوی۔ حضرات ناظرین۔ آپ کچھ سمجھے بھی یہ نواب صاحب کون ہیں بھلا پوچھیئے تو سہی سنیئے یہ وہ نوابصاحب ہیں جنکا بٹیر صف شکن علیخاں تھا وہی حقانی بٹیر جسکو میاں آزاد نے چھپا دیا تھا اور جسکے منانے کیلئے میاں آزاد بھیجے گئے تھے اور اونٹنی پر سوار ہو کر لکھنؤ میں داخل ہوے اور یہاں اللہ رکھی سے ملاقات ہوئی تھی۔

اللہ رکھی نے کل باتیں صاف صاف بیان کر دیں اور یوں کہا۔

اللہ رکھی۔ وہ ہمارے ہاں آ ترے تھے سرا میں۔ آدمی خوبصورت اور جوان اچھے ہیں ایک اونٹنی پر آئے تھے بہت دن تک رہے کہتے تھے کہ ہر ایک بھولے بھالے نواب مل گئے ہیں جس راہ ہم اُنکو چلاتے ہیں اُس راہ وہ چلتے ہیں اور جو ناچ ہم اُنکو نچلاتے ہیں وہ ناچتے ہیں عجب نواب تھے کوئی اُنھوں نے ایک بٹیر پالا تھا اُسکو میاں آزاد نے کابک سے نکال کر چھپا لیا اور نواب صاحب سے مصاحبوں نے کہا کہ حضور کیا بٹیر تھا۔ ایک بولا کہ نیمچے سے کر لڑتا تھا۔ دوسرے نے کہا کہ سجدہ کرتا تھا۔ تیسرا اور خوشامد خورا بولا کہ پیر و مرشد وہ رمضان شریف میں روزے رکھتا تھا۔ لے بس بیچ سب نے ملکر نواب کو اُلّو بنا لیا اور وہ ہاں میں ہاں ملاتے گئے۔ میاں آزاد کو اونٹنی دی گئی اور وہ یہاں گل چھرّے اُڑا یا کیے اور رنگ رلیاں منایا کیے۔ بس اُن سے تو شادی کرنے کو البتہ جی چاہا۔

اس تقریر کو سنکر مصاحبوں اور رفیقوں اور حوالی موالی کل حاضرین دربار کے ہوش اُڑ گئے جسے دیکھیے تھرایا ہوا۔ دل میں آزاد اور اللہ رکھی دونوں کو صلاتیں سنا رہا ہو۔ نواب اُسوقت مارے شرم کے گڑے جاتے تھے عمر بھر میں آج ہی تو اُنکو خیال آیا کہ ایسے مصاحبوں سے نفرت کرنا لازم ہو جس وقت اُنھوں نے

اللہ رکھی کی زبانی سُنا کہ نواب کو اُلّو بنایا۔ نواب بھولے بھالے آدمی تھے۔ بٹیر کو حقانی سمجھتے تھے جس نے جو کچھ کہدیا نواب نے فوراً مان لیا اُسوقت کٹ کٹ جاتے تھے مصاحبوں نے اشاروں سے باہم گفتگو کی اور لاکھ لاکھ چاہا کہ گونگے بن جائیں مگر جو فقرہ کہا اوچھا۔ تیر بہدف نہیں نواب اور بھی بد دماغ ہو گئے اور جھڑکنے لگے۔

نواب۔ ہم آپکے بڑے مشکور ہیں۔

اللہ رکھی۔ واہ ہم کیا ہیں بھلا۔

نواب۔ آپنے اسوقت ہماری عقل کی آنکھیں کھولدیں ورنہ بالکل اندھے ہی تھے

اللہ رکھی۔ آپکے دشمن۔

نواب۔ ہمارے دشمن یہ سامنے بیٹھے ہیں (مصاحبونکی طرف اشارہ کرکے)

مصاحب۔ غریب پرور۔ اللہ جانتا ہے کہ ہم کیسے جاں نثار ہیں۔

نواب۔ بس ہم سمجھ گئے۔

مصاحب۔ حضور توپ دم کر دیجئے جو ذرا خطا ہو۔ نمک حلال کٹ مرنے والے جان دینے والے آدمی ہیں۔

نواب۔ بس اب زیادہ بڑھاؤ نہیں۔ بک بک سے فائدہ کیا۔ اب قلعی کھل گئی۔ اُف برسوں کے بعد چونکے ہم۔

مصاحب۔ اللہ جانتا ہے خداوند کہ۔

نواب۔ کچھ اب قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں جو ہوا وہ ہوا آئندہ سمجھا جائیگا

اللہ رکھی۔ کیا۔ ہم تو کچھ سمجھے ہی نہیں کہ تم سب یہ کیا باتیں کر رہے ہو۔

نواب۔ وہ جس نواب کمبخت بدنصیب کا تم نے ذکر کیا وہ میں ہی ہوں۔

اللہ رکھی۔ (دانتوں کے تلے اُنگلی دبا کر) ہائے افسوس۔

نواب۔ افسوس کرتی ہو یا تم کو خوش ہونا چاہیے کہ ایک رئیس ان موذیوں کے پنجے سے چھوٹا۔

اللہ رکھی۔ اللہ جانتا ہے جو ہم کو معلوم ہوتا تو خبر تک یہ ذکر نہ کرتے۔

نواب۔ خدا کی قسم تم نے مجھپر اور میرے باپ دونوں پر اسوقت احسان کیا جو تم نہ اطلاع دیتیں تو مجھے انسے چھٹکارا کبھی نہ ملتا۔ خدا نے بچایا خیر اتنے دن تک جو کچھ ہوا سو ہوا اب ہم بھی سرہو گئے تم نے تو اسوقت ہمیں جلالیا نہیں ہمارا تو کہیں ٹھکانا ہی نہ تھا۔

اللہ رکھی۔ ہاں ہے تو ایسا ہی۔

مصاحب۔ حضور بے جو کہدیا حضور نے مان لیا بس یہی تو خرابی ہے جو حضور ذرا ہماری جانفشانی پر نظر ڈالیں تو ہم کو دیکھیں ہم ہیں خدا کی قسم موتیوں میں تولیں۔

نواب۔ میرا بس چلے تو تم سب کے منھ میں خاک بھر دوں اور آنکھوں میں دھواں جھونکوں

مصاحب۔ خطا۔

نواب۔ اور اوپر سے باتیں بناتے ہو بٹیر بھی کہیں روزہ رکھا کیے ہیں۔

مصاحب۔ خداوند۔ خدا کی خدائی سے کیا کچھ بعید ہے یہ۔

نواب۔ چلو بس خدائی میں نہ دخل دو۔ معلوم ہے بڑے خدا پرست اور خداشناس ہو بس چلے تو دریا میں ڈبو دوں تمکو ایسی جگہ قتل کروں جہاں پانی تک نہ ملے۔

ایک مصاحب۔ اگر کوئی قصور ثابت ہو تو قتل کر ڈالیے۔

نواب۔ بجا جس میں ایک آدھ مقدمہ دائر ہو اور پھانسی بھی پا جاؤں۔

دوسرا مصاحب۔ اللہ نہ کرے۔ اللہ نہ کرے۔ خدا نہ کرے۔ خدا نہ کرے حضور کی خواجہ خضر کے برابر زندگی ہو۔

نواب۔ آپ اپنی خیر منایے۔ اب ہم کو بہت ستایئے۔

تیسرا مصاحب۔ کیا طاقت کیا مجال۔

چوتھا مصاحب۔ اے حضور قربان جاؤں ہم تو غلام ہیں حضور کے ستانا کیا معنی۔

نواب۔ کلیجہ پیپ کر دیا سب نے۔

مصاحب۔ خداوند وہ آزاد ایک ہی گرگا ہے۔ بڑا نیاریا۔ اڈی مار۔

اللہ رکھی۔ بس پھر اُنکو نہ کچھ کہیئے گا۔ اُنکا سا آدمی کوئی ہو تو لے۔

نواب۔ کیا شک ہے۔ یہ لوگ تو اس فکر میں تھے کہ نواب کو اُلّو بنا کر لنگوٹی بندھوا دو بارے بخیر گذشت۔ ابھی سویرا ہے۔ سستے چھوٹے اپنے حساب۔

اللہ رکھی۔ چھوٹے تو سستے۔ اے ہاں یہ کہاں کی نمک حلالی تھی بھلا کہ

ٹیر کو روزہ دار اور نماز گذار کہدیا اور رئیس کو تخت تحت میں منہوایا ہو سُننے گا کیا کہے گا یہ نمک حلالی ہے بھلا۔

مصاحب۔ کیا ہمارے نمک حلال ہونے میں شک بھی ہو کوئی۔

اللہ رکھی۔ گھر کی پٹکی باسی ساگ۔

نواب۔ نمک حلال کے بچے بنے ہیں۔

مصاحب۔ خداوند جو چاہیے کہ لیجئے۔ ہم لوگ حجت اور تکرار تھوڑا ہی کر سکتے ہیں بھلا

نواب۔ اجی تم تو زہر دیکر ہنکھیا کھلادو۔ تم لوگ وہ ہو پس کی گانٹھ۔

اللہ رکھی۔ اللہ بچائے ایسے آدمیوں سے خدا بچائے ایسے بے ایمانوں سے

مصاحب۔ ہاں مسند پر بیٹھ کر جو چاہے کہ لو۔ بازار میں جھونٹم جھونٹا کرتی پھرتی ہو۔ اور یہاں آن کے باتیں بناتی ہو۔

نواب۔ بس کیٹ زیادہ زبان درازی اچھی نہیں ہوتی ہو جی میرا دل کھٹا ہو گیا۔ اور تم سب کی صورت سے نفرت ہو گئی۔

مصاحب۔ جو ہم خطادار ہوں تو خدا ہی ہمارا ہم سے سمجھے۔ مرتضیٰ علیؑ کی قسم جو ذرا کسی بات میں نمک حرامی کی ہو پیر و مرشد ہم پر آسمان ہی پھٹ پڑے۔ جو ہم نمک حرام ہوں حضور چاہے نہ مانیں مگر ایک عالم کہتا ہو کہ جیسے مصاحب ان کو ملے ہیں ویسے کسی کو کاہے کو ملتے ہیں اور جو ملتے بھی ہیں تو بڑے خوش قسمتوں کو۔

نواب۔ واہ یوں کہو کہ جسکی قسمت پھوٹ جاتی ہو اُس بدبخت کو تم ایسے گرگے مصاحب ملتے ہیں۔ زمانہ بھر کے چھٹے ہوے اب آپ سب برطرف ہو بوریا بدھنا اُٹھائیے اور چلتے پھرتے نظر آئیے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھائیے بس اب رخصت ہو جیے قبلہ۔

مصاحب۔ حضور مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ نہ چھوڑیں گے

رفیق۔ حضور کا سایۂ دامن کافی ہو۔

نواب۔ دامن ہی نہیں سایہ کہاں سے آوے۔

رفیق۔ یہ آستانہ چھوڑ کر کہاں جائیں۔

مصاحب۔ کہیں ٹھکانا بھی ہو۔

دوسرے۔ ٹھکانا تو سب کچھ ہو جائگا مگر چھوڑ کر جانے کو بھی جب جی چاہے جس کا اتنے دن تک نمک کھایا اُس سے بھلا مفارقت کیونکر گوارا ہو۔ مار ڈالیے مگر ہم تو اس ڈیوڑھی پر سے نہ جلینگے نہ جلینگے۔ چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے یہ دراد یہ مسر۔ مریں بھی تو حضور ہی کی چوکھٹ پر اور جنازہ بھی نکلے تو اسی دروازے سے۔

اللہ رکھی۔ نواب صاحب کیا آپ کا مکان یہی ہو۔

نواب۔ نہیں یہاں تو ہم شکار کیلیے آئے تھے صرف آج ہی چلے جائینگے۔

اللہ رکھی۔ اور یہ سب صاحب۔

نواب۔ جہاں سینگ سمائے۔

اللہ رکھی۔ ہاں اور کیا۔

مصاحب۔ اجی ہم حضور کے ہمراہ رکاب ہیں جہاں حضور کا پسینہ گرے وہاں خون بھی ہمارا ضرور گرے گا۔

نواب۔ اس میں کیا شک ہو۔ میں خوب جانتا ہوں۔ شاباش۔ شاباش

مصاحب۔ خدا سلامت رکھے۔

نواب۔ مگر سلامت رکھے تو آپ سے بھی جدا رکھے۔

مصاحب۔ خدا نہ کرے۔ خدا نہ کرے۔

الغرض نواب صاحب ہاتھی پر سوار ہو کر چلے گئے اور خدمتگاروں کو حکم دیا کہ خبردار کسی مصاحب کو ہمارے ہاں نہ آنے دینا اُسدن سے نوابؒ مرد اپنے مولویوں اور شاعروں اور بزلہ سنجوں اور مہذب آدمیوں کو بلایا اور خوشامد خوروں لیموں نچوڑوں بدمعاشوں اور باشوں کو دہتا بتایا بستے پھوئے۔

اب بی اللہ رکھی صاحب کا حال سنیئے کہ آنکو جو اس رفیق نے بازار ٹکے کی عورت اور بازاری عورت اور بیسوا کہکر مخاطب کیا تو اُنکے دل پر چوٹ لگی اور کل زیور اور اسباب غیرہ کے کوڑے کر کے ایکدم سے پرستی سے باہر فقیروں اور درویشوں کی طرح رہنا شروع کیا قسم کھائی کہ جبتک میاں آزاد روم سے واپس نہ آئیں گے تب تک اسی قطع سے بسر کروں گی۔

نواب صاحب نے انکو لاکھ سمجھایا مگر اللہ رکھی نے کہا میں

ایک نہ مانو گی۔ اللہ رکھی کی ایک ہجولی نے بھی سمجھایا مگر بے سود۔

ہجولی۔ یہ نہ کرو بہن۔

اللہ رکھی۔ بس جوگن ہو جائیں گے ہم۔ دنیا کو چھوڑا۔

ہجولی۔ یہ کیوں۔

جوگن۔ دل ہی تو ہے بس اب دنیا کو ترک ہی کر دیا۔ آزاد ہائے آزاد۔

ناٹک ڈراما

دیباچۂ راز نکتہ سازاں ست ایں — فہرست خیال جاں گدازاں ست ایں
تعویذ دل سخن طرازاں ست ایں — طومار جنون عشقبازاں ست ایں

پہلا سین یعنے تماشا

ایک پر بہار اور جواہر نگار پردہ پڑا۔ اور پردہ کے اندر سے ایک ترک زرین کمر۔ پری پیکر رشک قمر۔ مہوش۔ سیمن برنے بلحن داؤدی اونچے سروں میں یوں گانا شروع کیا۔

چندے کن و با مردم دانا بنشیں — آموز ہنر
یا با صنمے لطیف و رعنا بنشیں — اے اہل خبر
زیں ہر دو اگر ترا میسر نشوند — از قسمت خویش
اوقات مکن ضائع و تنہا بنشیں — با دیدۂ تر۔

الٰہی یہ مطرب خوش نوا یوسف لقا ہے یا پری۔ یہ نغمۂ روح افزا ہے یا سحر سامری۔ یہ بلبل ہزار داستاں ہے یا طوطی شکر فشاں ہے۔ جیت وطرار و مردم آزار۔ چرخ کج رفتار کی طرح جفا جو اور ستمگار مگر۔ ؎

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں — کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

جس طرح بسنت کی رت میں بھونرا کیوں کا رس چوس چوس کے مستی میں آ کر جھومنے لگتا ہے اسی طرح سامعین اس نغمۂ دلکش سے متانہ وار وجد کرنے لگے اور اس پری زاد بار بد نژاد کے لحن جاں بخش کا دم بھرنے لگے۔ ؎

و ناخن بازی مطرب بہ ساز می آید — کہ شست ناخنی بر دل نہ ساز دمی آید

پردہ گرا۔

پردہ اُٹھا تو چکاچوند کا عالم ہوا۔

جادو ہے کہ غمزہ ہے کسی رشک پری کا — شوخی میں اثر برق کی ہے جلوہ گری کا
اُس چشم فسوں ساز سے لڑتی ہیں نگاہیں — دھڑکا ہے گردوں کی مجھے بے جگری کا
اک برق سی چمکی نگہ شعلہ نشاں میں — دیکھا جو بھبھوکا بدن اس رشک پری کا

جس نے دیکھا پھڑک گیا اور سجدۂ شکر بجا لایا۔ ؎

یاں خوبرو لالۂ لعل و جان سے کم نہیں — ہندوستاں کا خطہ پرستاں سے کم نہیں
ہے حور کی ہر نگاہ میں ہیں دلفریبیاں — غمزے میں رمز خندۂ پنہاں سے کم نہیں

اس بت پندار خوش کلام و طرار نے ایک جھلک دکھائی اور چشم زدن میں صورت چھپائی پردہ گرا۔

دوسرا سین یعنی تماشا

پردہ اُٹھا اور حاضرین نے پھر ٹکٹکی باندھی تو۔ ؎

نظر پڑا اک بت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا
جو عمر دیکھو تو بیست سالہ پہ قہر و آفت غضب خدا کا

اس جوان رعنا بلند بالا نے یہ رباعی حسب حال سنائی۔ ؎

گاہے خود را بتاج چوں مہ دیدی — گشتی دل شاد۔
گہ چو یوسف فتادہ در چہ دیدی — گردی فریاد۔
میداں ندرت چنانکہ میخواہند ت — افسوس مکن۔
کار تو بجد نیست صدرہ دیدی — می باش آزاد۔

پردہ گرا۔

تیسرا سین یعنی تماشا

پھر پردہ اُٹھا۔ اور ایک چلبلی چنچل کمسن عورت سفید دلائی اوڑھے اور فالسئی پاجامہ پہنے چھم چھم کرتی ہوئی اسٹیج (تماشے کے تخت پر آئی) اور چمک دمک کر یوں گانے لگی۔ ؎

یک چند پئے زینت و زیور گشتیم — در عہد شباب۔
یک چند پئے دانش و دفتر گشتیم — کردیم حساب۔

چوں واقف ازیں جہاں ابتر گشتیم　　نقشے ست بر آب
دست از ہمہ شستیم و قلندر گشتیم　　اینک دریاب

یہ گاکر اُس چھیل چھبیلی نے دُلائی پھینکی۔ کپڑے اوتارے اور جوگن کے بھیس میں بانسری بجائی اور بانسری ہی میں یوں گاتی ہوئی چلی۔ ؎

میں توسیاں کو ڈھونڈھن چلیاں　　میں توسیاں کو ڈھونڈھن چلیاں
انگ بھبوت جوگن بن لیاں　　میں توسیاں کو ڈھونڈھن چلیاں

پردہ گرا۔

چوتھا سین یعنی تماشا

پردہ اُٹھا اور ایک تصویر سراپا تنویر نظر آئی۔ اور حاضرین جلسہ نے یہ شعر پڑھا ؎

عجب ہو کھینچی مصور نے تصویر　　کہ تصویر خود لوٹ کر رنگ پر رہی کیونکر

معلوم ہوتا تھا کہ زبان کھولا ہی چاہتی ہے گویا بولا ہی چاہتی ہے مصور چابکدست سلم الثبوت اُستاد رنگ مانی ردکش بہزاد کے ہاتھ کو قریب سے اور اس جادو جمال مشتری خصال کی ادا کو دور سے چومنے کو جی چاہتا تھا دل ہاتھ سے جاتا تھا۔ انگڑائیاں لگاوٹ باز ایک ایک ادا میں لاکھو لاکھ انداز۔ ؎

قد و قامت آفت کا کرا اتمام　　قیامت کرے جسکو جھک کر سلام

اُس بت بے پیر رنگ شوخ و تنگ نے یہ رباعی سنائی تو محفل بھر وجد میں آگئی۔ ؎

تا با تو فتاد آشنائی ما را　　آزاد میاں
دریدہ توئی چو روشنائی ما را　　تحقیق بداں
روزان و شبانہ ایں دعا میخواہم　　من از دل و جاں
یا رب نہ رہی داغ جدائی ما را　　در ہر دو جہاں

پردہ گرا۔ اور رونے کی آواز آئی۔

پانچواں سین یعنے تماشا

پردہ میں سے رباعی مندرجۂ بالا کا جواب کسی محبوب یوسف لقا چمن طبع رنگین ادا نے پیارے پیارے سروں میں یوں دیا۔ ؎

گر طالب صادقی ز نایاب مثال　　پیدا گردد
آن عقدہ کہ دانگشت وہم ست خیال　　ہم وا گردد
گر آبلہ افتاد بپائے طلبت　　زنہار مایست
شاید کہ ہمیں بیضہ برآرد پر و بال　　عنقا گردد

پھر پردا گرا۔

چھٹا سین یعنے تماشا

پردہ اُٹھا۔ اور ایک بونا امیروں کا کھلونا سامنے آیا اور اُسنے غنغنا غنغنا کر اہل محفل کو خوب ہنسایا۔ سوا انچ کا حضرت کا قد دُبلے پتلے ننھے ننھے ہاتھ پاؤں گر گرا پنجہ ہاتھ میں اور قرولی کمر سے لگی ہوئی! آنکھیں بند لیکن اکٹے کھڑے ہیں۔ اُنھوں نے یوں ہانک لگائی اور ساری محفل کھل کھلائی

پلا ساقیا مالوے کی افیم　　کہ ہو شوق گلگشت باغ نعیم
پیاسا کئی دن کا ہوں ساقیا　　چھلک آب سود کی مجھکو دکھا
نہ کر دیر لے ساقی مشک رنگ　　بدہ جام افیون مرا بیدرنگ
کرم کر فقیروں پہ مائی ڈیر　　میں قربان جاؤں ذرا کم ہیر
کدھر ہے تو اے ساقی مہرباں　　بدہ او پیم ردکش زعفراں

اتنے میں لوگوں نے جو زور سے تالیاں بجائیں تو حضرت پینک سے چونک پڑے اور قریب تھا کہ قرولی لیکر دوڑیں کہ اتنے میں پردہ گرا۔ تمّ۔

اک نظر ادھر بھی

آنا کہ خاک را بنظر کیمیا کنند　　آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

حضرات ناظرین! آداب اور کورنش اور تسلیمات کا گلدستہ پیشکش کرتا ہوں کیوں سچ کہئے گا۔ گلہائے نو دمیدہ خوش بیانی و نکتہ دانی سے دماغ کو طبلۂ عطار بنا دیا یا نہیں۔

اس ڈرامے کا مطلب سمجھنے کے قابل ہے۔ ہم تو بس اتنا ہی لکھکر ختم کرتے مگر خوف ہے کہ مبادا یاروں کو آڑھی ترچھی اُس جلی کٹی سنائیں

ایک زمانہ تھی۔ اللہ رکھی کی ایک ہجولی نے بھی سمجھایا مگر بے سود۔

ہجولی۔ یہ زرد رکھ بہن۔

اللہ رکھی۔ بس جوگن ہو جائیں گے ہم۔ دنیا کو چھوڑا۔

ہجولی۔ یہ کیوں۔

جوگن۔ دل ہی تو ہے بس اب دنیا کو ترک ہی کر دیا۔ آزاد ہائے آزاد۔

ناٹک ڈراما

دیباچۂ راز نکتہ سازاں ست ایں
فہرست خیال جاں گدازاں ست ایں

تعویذ دل سخن طرازاں ست ایں
طومار جنون عشقبازاں ست ایں

پہلا سین یعنے تماشا

ایک پر بہار اور جواہر نگار پردہ پڑا۔ اور پردہ کے اندر سے ایک ترک زرین کمر۔ پری پیکر رشک قمر۔ مہوش۔ سمن برنے بہ لحن داؤدی اونچے سروں میں یوں گانا شروع کیا۔

جہدے کن و با مردم دانا بنشیں
آموز ہنر

یا با صنمے لطیف و رعنا بنشیں
اے اہل خبر

زیں ہر دو اگر ترا میسر نشود
از قسمت خویش

اوقات مکن ضائع و تنہا بنشیں
با دیدۂ تر۔

الٰہی یہ مطرب خوش نوا دو یوسف لقا ہے یا پری۔ یہ نغمۂ روح افزا ہے یا سحر سامری۔ یہ بلبل ہزار داستاں ہے یا طوطی شکر فشاں ہے۔ جیت وطرار و مردم آزار۔ چرخ کج رفتار کی طرح جفا جو اور ستمگار مگر۔ ۵

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

جس طرح بسنت کی رت میں بھونرا کیوں کا رس چوس چوس کے مستی میں آ کر جھومنے لگتا ہے اسی طرح سامعین اس نغمۂ دلکش سے متاثر وار وجد کرنے لگے اور اس پری زاد بار بزاد کے لحن جاں بخش کا دم بھرنے لگے۔ ۵

زناخن بازی مطرب تمام در ساز می آید
کہ دست ناخنی بر طنبور آواز می آید

پردہ گرا۔

پردہ اُٹھا تو چکاچوند کا عالم ہوا۔

جادو ہے کہ غمزہ ہے کسی رشک پری کا
شوخی میں اثر برق کی ہے جلوہ گری کا

اُس چشم فسوں ساز سے اڑتی ہیں نگاہیں
دعویٰ کا ہے گردوں کی بھی بے جگری کا

اک برق سی چمکی نگہ شعلہ فشاں میں
دیکھا جو بھبھوکا بدن اس شنگ پری کا

جس نے دیکھا کھڑک گیا اور سجدۂ شکر بجا لایا۔ ۵

یاں خون ریز لب لعل دجاں سے کم نہیں
ہندوستاں کا خطہ برستاں سے کم نہیں

چوری کی ہر نگاہ میں ہیں دلفریبیاں
غمزے میں رمز خندۂ پنہاں سے کم نہیں

اس بت پندار خوش کلام وطرار نے ایک جھلک دکھائی اور چشم زدن میں صورت چھپائی پردہ گرا۔

دوسرا سین یعنی تماشا

پردہ اُٹھا اور حاضرین نے پھر ٹکٹکی باندھی تو۔ ۵

نظر پڑا اک بت پرفن نرالی سج دھج نئی اداکا
جو عمر دیکھو تو بست سالہ پہ قہر د آفت غضب خدا کا

اس جوان رعنا بلند بالا نے یہ رباعی حسب حال سنائی۔ ۵

گاہے خود را اوج چرخ دیدی
گشتی دل شاد۔

گہ چو یوسف فتادہ در چہ دیدی
کردی فریاد۔

بیداد ندت چنانکہ میخواہند ت
افسوس مکن۔

کار تو بجد نیست صد رہ دیدی
می باش آزاد۔

پردہ گرا۔

تیسرا سین یعنی تماشا

پھر پردہ اُٹھا۔ اور ایک چلبلی چنچل کمسن عورت سفید دلائی اوڑھے اور غالٹی پاجامہ پہنے چھم چھم کرتی ہوئی اسٹیج (تماشے کے تخت پر آئی) اور چٹک مٹک کر یوں گانے لگی۔ ۵

یک چند پئے زینت و زیور گشتیم
در عہد شباب۔

یک چند پئے دانش و دفتر گشتیم
کردیم حساب۔

چوں واقف ازیں جہاں ابتر گشتیم — نقشے ست برآب
دست از ہمہ شستیم و قلندر گشتیم — اینک دریاب

یہ گاکر اُس چھیل چھبیلی نے دُلائی پھینکی۔ کپڑے اُتارے اور جوگن کے بھیس میں بانسری بجائی اور بانسری ہی میں یوں گاتی ہوئی چلی۔ ؎

میں توسیاں کو ڈھونڈھن چلیاں — میں توسیاں کو ڈھونڈھن چلیاں
انگ بھبھوت جوگن بن ملیاں — میں توسیاں کو ڈھونڈھن چلیاں

پردہ گرا۔

چوتھا سین یعنی تماشا

پردہ اُٹھا۔ اور ایک تصویر سراپا نور نظر آئی۔ اور حاضرین جلسہ نے یہ شعر پڑھا ؎

عجب ہو کھینچی مصور نے تصویر — کہ تو خیر لے لوا کر رنگ پر رہی کیونکر

معلوم ہوتا تھا کہ زبان کھولا ہی چاہتی ہو گویا بولا ہی چاہتی ہو مصور چابکدست مسلم الثبوت اُستاد زنگ۔ مانی روکش بہزاد کے ہاتھ کو قریب سے اور اس جادو جمال مشتری خصال کی ادا کو دور سے چومنے کو جی چاہتا تھا دل ہاتھ سے جاتا تھا۔ انگھڑیاں لگاوٹ باز ایک ایک ادا میں لاکھو لاکھو انداز۔ ؎

قد و قامت آفت کا ٹکڑا اتمام — قیامت کرے جبکہ جھک کر سلام

اُس بت بے رحم و رنگ شوخ و شنگ نے یہ رباعی سنائی تو محفل بھر وجد میں آئی۔ ؎

تا با تو فتاد آشنائی ما را — آزاد میاں
در دیدہ تو ئی چو روشنائی ما را — تحقیق بداں
روزان و شبانہ ایں دعا میخواہم — من از دل و جاں
یا رب نہ ہی داغ جدائی ما را — در ہر دو جہاں

پردہ گرا۔ اور رونے کی آواز آئی۔

پانچواں سین یعنے تماشا

پردہ میں سے رباعی مندرجۂ بالا کا جواب کسی محجوب یوسف لقا چمن طبع رنگین ادا نے پیارے پیارے سروں میں یوں دیا۔ ؎

گر طالب صادقی زنایاب منال — پیدا گردد
آں عقدہ کہ ز انگشت وہم ست و خیال — ہم وا گردد
گر بلا اُفتاد بپائے طلبت — زنہار مایست
شاید کہ ہمیں بیضہ برآرد پر و بال — عنقا گردد

پھر پردا گرا۔

چھٹا سین یعنے تماشا

پردہ اُٹھا۔ اور ایک بونا امیروں کا کھلونا سا منے آیا اور اُسنے غنغنا غنغنا کر اہل محفل کو خوب ہنسایا۔ سوا انچ کا حضرت کا قد دُبلے پتلے ننھے ننھے ہاتھ پاؤں گرز ابنچہ ہاتھ میں اور قروَلی کمر سے لگی ہوئی۔ آنکھیں بند لیکن اکڑے کھڑے ہیں۔ اُنھوں نے یوں ہانک لگائی اور ساری محفل کھل کھلائی

پلا ساقیا مالوے کی افیم — کہ ہو شوق گلگشت باغ نعیم
پیا سا کئی دن کا ہوں ساقیا — جھلک آب اسود کی مجھکو دکھا
نہ کر دیر لے ساقی لُٹک رنگ — بدہ جام افیوں مرا بیدرنگ
کرم کر فقیروں پہ مائی ڈیر — میں قربان جاؤں ذرا کم ایسر
کدھر ہے تو اے ساقی مہرباں — بدہ او پیم روکش زعفراں

اتنے میں لوگوں نے جو زور سے تالیاں بجائیں تو حضرت پینک سے چونک پڑے اور قریب تھا کہ قروَلی لیکر دوڑیں کہ اتنے میں پردہ گرا۔ ہر۔

اک نظر ادھر بھی

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند — آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

حضرات ناظرین! آداب اور کورنش اور تسلیمات کا گلدستہ پیشکش کرتا ہوں کیوں سچ کہیئے گا۔ گلہائے نو دمیدہ خوش بیانی و نکتہ رانی سے دماغ کو طبلۂ عطّار بنا دیا یا نہیں۔

اس ڈرامے کا مطلب سمجھنے کے قابل ہو۔ ہم تو بس اتنا ہی لکھکر ختم کرتے مگر خوف ہو کہ مبادا یار لوگ۔ آڑھی ترچھی اُئیں جلی کٹی سنائیں

حضرات سنئیے۔ سانپ کا کاٹا رسی سے ڈرتا ہی۔ خواب کا جو ایک مضمون ظریفانہ ہم نے لکھا تو تلے اوپر کوئی درجن بھر خط دنادن گرنے لگے۔

ہمارے ایک نامہ نگار تھے کسی شفیق با لتحقیق نے اُنسے کہا کہ کبھی مضمون بالکل غت ربود ہی۔ اور غلبۂ ذکاوت سے وجہ اسکی یہ بتائی کہ اکثر اڈیٹر شراب پینے کے عادی ہوتے ہیں تاکہ سرور میں قلم نوجوان کے مزاج کیطرح بل کھانے لگے اور عرائس مضمون سے ہم آغوش ہوں سبحان اللہ بہت دور کی سوجھی لنا کہ اڈیٹر بادہ گسار ہوتے ہیں گر گون اڈیٹر بعض یہ سب ہین اڈیٹر ہم تو ہندو ہیں۔ اور ہندو بھی کون - برہمن - اور برہمن بھی کون (پنڈت جی مہاراج) پھر شراب مردار کا ذکر یعنی جو ہمارے خیالات جو کچھ اس دختِ رز کی نسبت ہیں وہ ہمارے مضمونوں سے ظاہر ہیں جس قدر ہجو اس بنت العنب کی ہم نے کی کسی اور نے کی ہو تو بتائیے۔

خیر اب سنئیے کہ اس ڈراما میں کل داستان کا لب لباب اور خلاصہ ہی اور پہلی جلد کا یہی خاتمہ ہی شکر ہی کہ ایک جلد کے خاتمے کی نوبت آئی۔ اس جلد میں رسوم مذموم ہندوستان و دقیانوسی خیالوں کی ہجو ہی گر مذاق کے ساتھ دل لگی کی دل لگی اور لطف کا لطف مذاق کا مذاق اور مطلب کا مطلب۔ یہی تو ظرافت کے معنے ہیں ورنہ ظرافت ہی کیا جسکا ماحصل پھکڑ اور گالی گلوج ہو میاں آزاد کا ہر شہر و دیار میں جانا اور وہاں بُری بُری رسموں پر چلانا۔ ناول کا عمدہ پلاٹ ہی اور چونکہ مزاح کے پیرایہ میں لکھا ہی لہذا اُمید ہی کہ ناظرین حق بین کے حق میں کسیقدر مفید ضرور ہوگا۔

اب اپنے ڈرامے کا مطلب صاف صاف سُن لیجیے۔

پہلے تماشے میں جو مہوش سمن بر پری پیکر رشک قمر آئی تھیں وہ کون ہیں عقل کُل۔ اور جو رباعی اُنھوں نے سنائی اُس سے کیا مطلب ہی سنئیے ؏

جدسے کن و با مردم دانا بنشیں | یا با صنمی لطیف و رعنا بنشیں

یہ صنم رعنا کس سے مراد ہی۔ کتاب سے۔

پھر دوسرے تماشے میں ایک جوان رعنا بلند بالا کا بیان ہی۔ یہ کون ہیں میاں آزاد فرخ نہاد۔ اب اُس رباعی کا مطلب سنئیے۔ ؏

گاہے خود را براوج چوں مہ دیدی | گشتی دلشاد
گہ چو یوسف فتادہ درچہ دیدی | کردی فریاد
میدار نزت چنانکہ میخواہند ت | افسوس مکن
کار تو بجز نیست هنده مدیدی | می باش آزاد

پہلے مصرعے سے یہ مراد ہی کہ (کبھی تو لائق فائق عالم فاضل متقی شرع بنے) اور دوسرے مصرعے سے یہ مطلب ہی کہ (کبھی چاہ ادبار میں غوطے کھانے لگے۔ شراب ناب لنڈھانے لگے) نتیجہ یہ کہ آزاد اور شاکر رہو مگر وضع کا پاس و لحاظ رہے۔

تیسرے تماشے میں ایک چنچل چھیل چھبیلی جوگن کے بھیس میں آئی وہ بی اللہ رکھی ہیں۔ رباعی ہی سے ثابت ہوتا ہی کہ جوانی کے عالم میں جوش شباب نے ایسا چوندھیا دیا کہ گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑی ہوئیں مگر وہ خود مقر ہیں کہ۔ ؏

چل واقفا ازیں جہان ابتر گشتیم | دستا زہمہ شستیم و قلندر گشتیم

اور ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ بی اللہ رکھی نے عیش و عشرت اور نکھار اور سنگار سب سے کنارہ کیا۔

چوتھے تماشے میں یہ تصویر پیاری حسن آرا کی تھی۔ آخر کا مصرعۂ رباعی۔ ع دیارب شدہی داغ جدائی مارا حسرت سے بھرا ہی۔

پھر پانچویں تماشے میں اسکا جواب سپہر آرا بیگم نے دیا کہ ع۔ شاید کہ ہمیں بیضہ بر آرد پر و بال۔ عنقا گردد۔

چھٹے تماشے میں میاں خوجی خود ہی بول رہے ہیں۔ وہی قرولی وہی قرابنچہ۔ وہی افیم وہی تیکھا پن۔

اس کے بعد پردہ گرا اور فسانۂ آزاد کی **جلد اوّل** تمام ہوئی۔

تمت

قطعات تاریخ طبع و تصنیف فسانۂ آزاد جلد اول مطبوعہ بار اول

چکیدۂ قلم جادو رقم شاعر جادو طراز ریاض فصاحت زیب و زین منشی عابد حسین صاحب عابد اتالیق صاحبزادہ راجہ صاحب بہادر ملاپور ضلع سیتاپور

دو دائرہ دامن گل حرف سے کھینچے — فسانہ کیا بہار بوستاں ہے
چمن بند قلم نے سال تاریخ — لکھا باغ و بہار جادواں ہے
۱۲۹۰ھ

و لہ

رقم فرمود چوں پنڈت رتن ناتھ — نگارین داستان حسن آرا
ہمی جستیم عابد سال طبعش — بگفتا ہاتفے مرغوب دنیا
۱۲۸۰ھ

و لہ

داستان فسانۂ آزاد — تازہ افسون خواب راحت ہے
لکھو عابد یہ مصرع تاریخ — کہ عجب طرز کی ظرافت ہے
۱۹۳۷ سمت

و لہ

نثر دانا بگفت افسانۂ — نیست افسانہ گر افسون گریست
چوں بپرسیدم ز عابد سال او — گفت ایں افسانہ سحر سامریست
۱۲۹۷ھ

از نتائج طبع سخنور کامل منشی بھگوان دیال صاحب عاقل سررشتہ دار مطبع اودھ اخبار

اودھ اخبار نامی جہاں میں جس مطبع سے — عطا حق نے کیا ہے اسکو تمغہ برچھے کے عظمت کا
تعلق ہے کیونکہ کاملان علم کو اس سے — بنایا ہے خدا نے اسکو مخزن اہل جودت کا
پھر ایسا لائق مطبع جو داد کے لائق ہے — عیاں ہے جس میں جلوہ جامعیت کی لیاقت کا
جہاں سے ہو گئی معدوم تاریکی جہالت کی — مٹایا کیا صفا دل نے اسکی نام ظلمت کا
ہوا قصہ کہ اگر طالب کوئی بخشا اسے گوہر — کنارہ ہی نہیں ہے اسکے بحر جود و ہمت کا
بلاشک شہرۂ آفاق ہے خوش انتظامی میں — بڑھایا فرط خوش نظمی سے کیا رتبہ نظامت کا
ہوا یہ قصہ دلچسپ چھپ کر مشتہر جس دم — جہانمیں جا بجا سو شہرہ ہوا اسکی اشاعت کا
مولف کا خدا شاہد ہے کیا زور طبیعت ہے — زباں نے کیا دکھایا ہے مزہ اپنی طلاقت کا

زالے ڈھنگ میں کس رنگ کی سحر بیانی ہے — کوئی عقدہ نہیں چھوٹا فصاحت میں بلاغت کا
قلیل الطبع میں ایسی خریداروں کی کثرت ہے — بڑھیگا مرتبہ یارب اس کثرت میں قلت کا
اگر ہے فکر تاریخ مسیحی کی تمہیں عاقل — تو یوں لکھ دے کہ چھپا ہوا فسانہ ظرافت کا
۱۸۸۰ء

از تصنیف جناب پنڈت رتن ناتھ صاحب لکھنوی المتخلص بہ دریا شاگرد حضرت ناطق گرامی

اے نام تو در جہاں رتن ناتھ — از خامہ در سخن بہ سفتی
تاریخ شنو ز روئے انصاف — افسانۂ بے نظیر گفتی
۱۸۸۰ء

طبع زاد مولوی سید محمود صاحب نکہت میر منشی ضلع پربھنی

حرف حرف فسانۂ آزاد — ہمہ دردانہ ایست ناسفتہ
بزم آراست آں جناں گویا — چمن انبساط بشگفتہ
در پس پردۂ ظرافت او — حسن آرائے عقل بنہفتہ
واقعات مصائب و کلفت — خستگاں را دل و جگر تفتہ
سال تصنیف او ز روی ادب — طرز ہندی معاشرت گفتہ
۱۲۹۰ھ

از نتائج طبع رسا مولوی ممتاز احمد صاحب تھانوی رفیق نواب صاحب بہادر سورت

چو پنڈت رتن ناتھ افسانۂ — بسر از تعقید وا- باق گفت
پے سال تصنیف ہاتف ز غیب — بہ ممتاز تہذیب الاخلاق گفت
۱۲۹۰ھ

چکیدۂ کلک گہر سلک جناب پنڈت بشن ناتھ صاحب صبر لکھنوی محقق فارسی

محیط علم رتن ناتھ پنڈت آنکہ نوشت — بہ کلک فکر رسا نامۂ خرد بنیاد
تبارک اللہ ازیں نسخۂ نشاط انگیز — کہ دائما دل اہل کمال دارد شاد
حدیقہ ایست کہ سر برکشیدہ از چمنش — ہزار سرو معانی ز قصۂ آزاد
بجا شمار سطور فن نشستہ طائر ہوش — فراز ہر شجرش مرغ عقل بیضہ نہاد
دماغ اہل خرد شد بسان غنچۂ عطر — نسیم معنی رنگیں از و چو غنچہ کشاد
نشاط خرمی از دید نقش زیر گرفت — کسے کہ ہیچ کمی داشتہ خاطرش ناشاد

عہ- یہ بزرگ دار مصنف کے ہمنام اور شاعر عالی مقام تھے۔

فتاد شہرۂ لطفش چو مہر در افواہ — رسید نغمۂ آوازہ اش بگوش بلاد
گلے ز روضۂ دانش بباغ دہر شگفت — درے ز گلشن معنی بروی شہر کشاد
زہے سخنور رنگیں خیال کز فکرش — ببوستان ظرافت دمید نخل سداد
نزاد مادر ایام اینچنیں فرزند — نہ پرورید جہان کہن چنیں استاد
رقم نمود ظریفانہ داستان شگرف — بہ صاحبان تجرد بہر کلاہ معانی داد
کشاد جوئے لطیفے ز بحر طبع لطیف — کہ سیر شد ز زلالش روان ہر ناشاد
بطبع شوق سخن گو چہ کارہا کہ نکرد — بعلم حکمت معنی چہ دادہا کہ نداد
ہنوز طائر معنی بہ بیضہ داشت مقام — کہ فکر صائب او در نخستہ بپایش نہاد
ہنوز دانہ نکردہ ز خاک قشعر نما — کہ کرد حدس ز رگ و بار آں تعداد
نظیر شد بفلاطون بعقل و دانائی — سہیم شد بارسطو بعلم و استعداد
ز تحسین لطف و عنایات نقشبند ازل — نمود خامۂ او کار مانی و بہزاد
چو گشت منتخب دہر ایں کتاب بدیع — نمود کلک ساز ل بہر انتخابش صاد
دریں زمان سعادت قرین بوقت سعید — بطبع شد چو مزین لسان لعش مراد
بدیہہ صبر رقم کرد عیسوی سالش — فروغ دیدۂ بینش فسانۂ آزاد
۱۸۸۰ع

الغرض افسانہ ہم بیمثل در رنگ خودست — ہم مصنف در فن خود بے بدل استاد ہست
مصرعۂ سالش چناں کلک عنایت زد رقم
انتخاب عالیے افسانۂ آزاد ہست

طبع زاد منشی کامتا پرشاد صاحب ناداں متوسل مطبع عالیجاہ گوالیار

رتن ناتھ سرشار نے ان دنوں — لکھا خوب افسانہ آزاد کا
پئے سال تصنیف ناداں نے — لکھا یہ "خیالات نادر"
۱۲۹۷ع

از نتائج فکر مولوی محمد قمر الدین صاحب فوق مدرس فارسی نارمل اسکول سندیلہ ضلع ہردوئی

چوں رتن ناتھ ناثر یکتا — ایں در آبدار معنی سفت
بہر سال دعائیہ اے فوق
گلشن فیض باد رہاتف گفت

از سخندان گرانمایہ کنور عنایت سنگھ صاحب رئیس لکھنؤ تعلقدار بریلی روہیلکھنڈ

شفقی پنڈت رتن ناتھ اہل استعداد ہست — لائق و فائق سخنداں صاحب ایجاد ہست
الغرض اللہ قصۂ آورد در سلک بیاں — کز تماشایش دل رنگیں مزاجاں شاد ہست
اولیں حصہ از اں قصہ کنوں ترتیب یافت — جلد اول صفتش چہ بوسیم کز لا تعداد ہست
دلکشا کیفیت آزاد فرحت بخش جاں — ذکر روح افزائی حسن آزاد لطافت زاد ہست
عاشق ناظرہ افیون خستا خواجہ بدیع — از بیان نادرش ملک سخن آباد ہست

خاتمۃ الطبع از جانب کارپردازان مطبع

الحمد للہ والمنۃ کہ اس زمان مسرت آغاز فرحت انجام میں جلد اول فسانہ آزاد کی جس میں حضرت مصنف پنڈت رتن ناتھ صاحب لکھنوی نے دل لگی اور ظرافت کے پردہ میں شاہد دلفریب نتائج اخلاقی کو جلوہ گر فرمایا ہے اور جس نے آٹھ بار مطبع ہذا میں طبع ہو کر اپنے عاشقوں سے مقبولی کا خلعت حاصل کیا ہے اب نویں مرتبہ پھر مطبع نامی منشی نولکشور واقع لکھنؤ میں بہ ہزاراں خوبی دلفریبی ماہ نومبر ۱۹۴۸ع میں طبع ہوئی